تاریخ ابن کثیر

اردو ترجمہ

البدایۃ والنہایۃ

— جلد اوّل —

حصہ اوّل ، دوم

اس حصہ میں تخلیق ارض و سماء، تخلیق ملائکہ و جن اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق اور ان کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام تک آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات اور واقعات کا تفصیلی تذکرہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کے مشہور و غیر مشہور انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جو حضرت حزقیل علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاتا ہے۔ پھر عرب جاہلیت کے بادشاہوں کی تاریخ ہے اور آخر میں حضور ﷺ کی بعثت کے احوال ہیں۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی [illegible]

[illegible]

مولانا ابو طلحہ محمد اظہر مغل [illegible]

دارالاشاعت [illegible]

www.ahlehaq.org

ترجمہ تحقیق کے جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر [illegible] علمی گرافکس
ضخامت : 804 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿......ملنے کے پتے......﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
[illegible] آباد
[illegible] پشاور

ادارہ اسلامیات 190 انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 1 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5QA
Tel: 020-8911-9797

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX-77074, U.S.A.

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

البدایہ والنہایہ معروف بہ

تاریخ ابن کثیر

حصہ اول ودوم

فہرست مضامین	۳	آیات کی تفسیر	۲۹
حمد وثنائے الٰہی	۱۷	جمعہ کی وجہ تسمیہ	۳۰
نبی علیہ السلام کا خطبہ تخلیق کائنات	۱۹	زمین کے سات طبقات کا ذکر	۳۱
ساتوں دن مخلوق کون؟	۲۰	زمین کی فطری وقت تخلیق	۳۱
چھ روز میں تخلیق ارض وسماں	۲۰	سمندر اور دریا	۳۳
سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی؟	۲۰	بحرین سے کیا مراد ہے؟	۳۴
عرش کی تخلیق پہلے ہوئی	۲۱	بحر مسجور	۳۴
ایک اور روایت	۲۱	مظاہر قدرت	۳۸
عرش کی صفات	۲۲	تخلیق سماوات اور ان میں موجودات سے متعلق مزید آیات قرآنی کا ذکر	۳۹
دعائے کرب اور عرش کا ذکر	۲۲		
عرش کی لفظی تحقیق	۲۳	خلاصہ کلام	۳۶
عرش ایک تخت ہے	۲۳	مجرہ اور قوس قزح کا ذکر	۴۷
ایک عرش	۲۵	تخلیق ملائکہ علیہم السلام اور ان کے اوصاف	۴۹
کرسی کیا ہے؟	۲۵	حضرت جبرئیل کے پروں کے بارے متعلقہ روایت	۵۵
عرش کی کرسی پر فضیلت	۲۵	ملک الجبال	۵۹
مذکورہ قول محل نظر ہے	۲۶	تقسیم ملائکہ	۶۰
کرسی اور فلک مترادف نہیں ہیں	۲۶	فرشتے افضل ہیں یا انسان؟	۶۵
لوح محفوظ کیا ہے؟	۲۶	اولاد آدم سے زیادہ صالح کوئی مخلوق نہیں	۶۵
لوح محفوظ ہے کہاں؟	۲۶	ذکر تخلیق جنات وقصہ شیطان	۶۶
"ارض وسماوات اور ان کے مابین اشیاء کی تخلیق کا ذکر قرآن، احادیث، تفاسیر اور تاریخ کی روشنی میں"	۲۷	"من مارج" سے کیا مراد ہے؟	۶۶
		جنات کی پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟	۶۶

www.ahlehaq.org

جنات کی وجہ تسمیہ ۶۶
ابلیس "سلطان الارض" کہلاتا تھا ۶۷
شیطان کی کنیت ۷۰
ابلیس کی قیام گاہ ۷۰
شیطانی دھوکہ اور اس سے نجات ۷۱
شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے ۷۲
کھڑے ہو کر پینے پر ممانعت ۷۳
اوقات شیاطین ۷۳
طلوع آفتاب اور شیاطین کا اظہار مسرت ۷۳
شیطانی گرہیں اور ذکر اللہ ۷۴
نماز میں باہم مل کر کھڑا ہونا چاہیے ۷۵
اگر نہ مانے تو قتل کردو ۷۵
کم بخت بھاگ نکلا ۷۵
سورۃ البقرۃ کے فضائل ۷۶
سچے خواب اللہ کی طرف سے ہیں ۷۷
شر کا مشورہ شیطان کا ہوتا ہے ۷۷
شیطانوں کی چوری ۷۸
آپ ﷺ کی دعا ۸۰
تحت کا مطلب ۸۰
ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن میں نازل ہوا ۸۱
خلافت ارضی کے بارے میں گفتگو ۸۵
تخلیق آدم کی فرشتوں سے گفتگو ۸۵
علم کی بناء پر آدم کو فضیلت ۸۵
فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرانا ۸۷
آدم وحوا کی جنت میں رہائش ۹۰
شجر ممنوعہ ۹۱
شجر ممنوعہ کی تفصیل ۹۱
حضرت آدم علیہ السلام کی جنت آسمان میں تھی یا زمین میں ۹۳
حضرت آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہیں تھی ۹۴
حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ ۱۰۱
ان احادیث کا تذکرہ جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئیں ۱۰۶
اولاد آدم میں مریضوں اور جنتیوں اور جہنمیوں کا ذکر ۱۰۹
ذات ابلیس ۱۱۳
آدم کے جنت میں ٹھہرنے کا وقت ۱۱۳
دنیا میں آدم علیہ السلام کا پہلا کھانا اور لباس ۱۱۳
آدم علیہ السلام کے فرزندان قابیل وہابیل کا قصہ ۱۱۵
اولاد آدم کا بڑھنا ۱۱۸
حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور آپ علیہ السلام کا اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت ۱۲۱
حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ ۱۲۴
حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ۱۲۶
نوح علیہ السلام کا نسب نامہ ۱۲۷
نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآنی آیات ۱۲۷
تمام انبیاء کو توحید کی دعوت کیلئے کہا گیا ۱۳۳
قرآن کریم میں ہے ۱۳۳
حضرت نوح علیہ السلام کی ذات مبارک کے متعلق کچھ ذکر خیر ۱۳۸
حضرت نوح علیہ السلام کے روزہ کا تذکرہ ۱۳۹
حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا تذکرہ ۱۳۹
حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ جو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کی ۱۳۹
آپ کی عمر مبارک ۱۵۰
مرقد مبارک ۱۵۰
حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ۱۵۱
قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ۱۶۵
اونٹنی کے پتھر سے نکلنے کا قصہ ۱۶۹
تبوک کے سال ارض ثمود کی وادی حجر سے نبی اکرم ﷺ گزرے ۱۷۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ۱۷۸
حضرت ابراہیم کے مناظرے کا ذکر اس شخص کے ساتھ جو مصنوعی عظمت وبڑائی کی چادر میں عظیم وجلیل ذات سے جھگڑتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا ۱۸۹

www.ahlehaq.org

مناظرہ کب ہوا	۱۹۰
اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کا شام کے شہروں کی طرف ہجرت فرمانا	۱۹۱
حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل کی پیدائش	۱۹۶
حضرت ابراہیم کا اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی ماں ہاجرہ کے ساتھ فاران کی چوٹیوں کی طرف ہجرت فرمانا اور وہاں بیت عتیق یعنی کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمانا	۱۹۸
اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا قصہ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۲۰۲
اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والا کون تھا	۲۰۵
بہترین استدلال	۲۰۶
حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر مبارک	۲۰۸
قدیم گھر یعنی بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر خیر	۲۱۱
تعمیر کعبۃ اللہ کا کچھ تذکرہ	۲۱۳
اللہ عزوجل کا اپنے رسول اور دوست کی تعریف فرمانا	۲۱۶
جنت میں حضرت ابراہیم کے محل کا ذکر	۲۲۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلیئے مبارک کا ذکر	۲۲۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے متعلق اقوال	۲۲۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش	۲۲۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر	۲۲۸
حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	۲۲۹
حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ	۲۳۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر خیر	۲۵۰
حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک	۲۵۰
حضرت اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام الکریم بن الکریم کا ذکر خیر	۲۵۳
حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ	۲۵۸
قصہ یوسف وزلیخا	۲۶۵
حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ	۲۸۹
حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ	۲۹۵
ان سے پچھلی امتوں کا تذکرہ جو تمام نیست ونابود کردی گئیں	۲۹۸
اصحاب الرس	۲۹۸
قوم یٰس کا قصہ	۳۰۱
حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	۳۰۳
حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ مبارک	۳۱۰
موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے کوچ	۳۲۱
جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد انتقام اور اذیت	۳۳۸
فرعون اور اس کے لشکریوں کی ہلاکت	۳۵۱
بنی اسرائیل کے حالات فرعون کی ہلاکت کے بعد	۳۵۸
بیت المقدس کا کوچ	۳۶۴
بنی اسرائیل کا تیہ میں داخلہ اور وہاں عجائبات کا پیش آنا	۳۶۵
چلہ کشی اور دیدار الٰہی کی درخواست	۳۶۹
بچھڑے کو معبود اور اس کی عبادت کا قصہ	۳۷۳
موسیٰ علیہ السلام کا اپنی گمراہ قوم کے پاس آنا	۳۷۵
موسیٰ کلیم کا اپنے رب سے سات باتوں کا سوال	۳۸۱
بنی اسرائیل کے بیل کا ذکر	۳۸۳
موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات	۳۸۶
مذکورہ قصے کے متعلق متفرق باتیں	۳۹۸
موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی آزمائشوں کے بیان والی حدیث الفتون	۳۹۳
قبۃ الزمان کی تعمیر کا تذکرہ	۴۰۳
قارون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	۴۰۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل عادات صفات اور وفات کا ذکر	۴۰۹
قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر	۴۱۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیت عتیق (یعنی کعبۃ اللہ) کے حج فرمانے کا ذکر اور اس کی صفت	۴۱۴
موسیٰ علیہ السلام کی صفت	۴۱۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر	۴۱۶
حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نگہبانی فرمانا	۴۱۹
بلعم کا قصہ	۴۲۲
حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ مبارک	۴۲۷
کیا اب بھی خضر علیہ السلام آتے ہیں	۴۳۱

www.ahlehaq.org

ایک عجیب قصہ	۴۳۴
حدیث تحریمت رسول اکرم ﷺ	۴۳۵
حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ مبارک	۴۳۴
تاریخ ابن کثیر حصہ دوم	۴۳۶
تمہید و پیش لفظ	۴۳۷
حضرت عزقیل علیہ السلام کا قصہ	۴۳۸
حضرت یسع علیہ السلام کا قصہ	۴۵۱
یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے بعد شمویل علیہ السلام کی پیغمبری	۴۵۲
حضرت شمویل علیہ السلام کا قصہ جن کے زمانے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ابتداء ہوئی	۴۵۳
حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ	۴۵۸
حضرت داؤد کی زندگی کا شاہی پہلو	۴۶۱
حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر اور وفات کا تذکرہ	۴۶۷
حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ	۴۷۰
حضرت سلیمان کی حیات کا تذکرہ	۴۸۳
شعیا بن امصا علیہ السلام کا قصہ	۴۸۷
ارمیا بن حلقیا علیہ السلام کا قصہ	۴۸۹
بیت المقدس کی ویرانی کا ذکر افسوس ناک	۴۸۹
حضرت دانیال علیہ السلام کا قصہ	۴۹۸
بیت المقدس کی ویرانگی و تعمیر	۵۰۱
حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کا قصہ	۵۰۳
حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت	۵۰۶
زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا قصہ مبارک	۵۰۸
حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا سبب	۵۱۵
مریم بنت عمران علیہا السلام کا قصہ	۵۱۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر	۵۲۷
اللہ عزوجل اولاد سے پاک ہیں	۵۳۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور بچپن	۵۴۰
کتب اربعہ کے نزول اوراوقات	۵۴۳
دستر خوان کا قصہ	۵۵۱
حضرت عیسیٰ کے بعض احوال اور مواعظ	۵۵۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ	۵۵۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اور خصوصیات	۵۶۳
دین عیسوی میں اختلاف	۵۶۷
بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر	۵۶۷
گزشتہ اقوام کے حالات	۵۶۸
ذوالقرنین کا ذکر	۵۶۸
آب حیات	۵۷۴
یاجوج ماجوج کا ذکر	۵۷۳
اصحاب کہف کا بیان	۵۷۶
مومن و کافر کا قصہ	۵۸۰
قصہ اصحاب الجنۃ	۵۸۳
ایلہ والوں کا واقعہ	۵۸۳
قصہ لقمان	۵۸۶
لقمان کون تھے؟	۵۸۶
لقمان کا حلیہ مبارک	۵۸۷
قصہ اصحاب الاخدود	۵۹۱
بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرنے کا ذکر	۵۹۳
بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار جریج کا قصہ	۵۹۵
قصہ برصیصا	۵۹۶
تین آدمیوں کا قصہ جو غار میں پھنس گئے تھے	۵۹۷
نابینا، برص زدہ اور ایک گنجے کا قصہ	۵۹۸
ایک ہزار دینار قرض لے کر واپس کرنے کا قصہ	۵۹۹
سچائی اور امانتداری پر مبنی ایک واقعہ	۵۹۹
مختلف واقعات	۶۰۰
اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے رد و بدل کا ذکر	۶۰۵
انبیاء کرام کی باتیں	۶۰۸
عرب کی تاریخ	۶۱۳
عربی کی تاریخ، پورے عرب صورت اصلی اور عرب عاربہ	۶۱۳
عرب مستعربہ	۶۱۳
یمنی عرب	۶۱۳
بنی اسماعیل	۶۱۳

www.ahlehaq.org

اسلم قبیلہ خزاعہ سے ہے ۶۱۲
قبیلہ اوس وخزرج ۶۱۲
قحطان اور سعد علی ۶۱۲
قضاعہ ۶۱۲
قضاعہ قحطانی ہیں ۶۱۳
ایک اور قول ۶۱۳
مذکورہ دونوں اقوال میں تطبیق ۶۱۳
عرب تین قبائل پر منقسم ہے ۶۱۳
لفظ شعوب کی تحقیق ۶۱۳
ذکر قحطان ۶۱۳
بادشاہوں اور مشرکوں کا باہمی سلام ۶۱۳
قصہ سبا ۶۱۳
سبا کی وجہ تسمیہ ۶۱۳
اس کے اشعار ۶۱۵
"سبا" مرد تھا یا عورت تھی ۶۱۵
بادشاہوں کے القاب ۶۱۵
ناشکری کا انجام ۶۱۶
بعثت انبیاء ۶۱۶
سد مارب ۶۱۶
سنگ بنیاد ۶۱۶
نعمت کی ناشکری ۶۱۶
قضا وقدر کے خلاف ان کی تدابیر ۶۱۶
آیت کریمہ میں الفاظ کے معانی ۶۱۶
کفر کا بدلہ ۶۱۷
قوم اور قبیلہ کا انتشار ۶۱۷
نئی سکونت ۶۱۷
عمرو بن عامر کاہن کی پیشین گوئی ۶۱۸
شاہ حبشہ کی حکومت ۶۱۸
ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر لخمی کا قصہ ۶۱۸
لخم کی وجہ تسمیہ ۶۱۸
سطیح اور شق کے حالات ۶۱۹
شق ۶۱۹
خواب اور اس کی تعبیر ۶۱۹
شق کاہن کی تعبیر ۶۱۹
احتیاطی تدابیر ۶۲۰
نعمان بن منذر ۶۲۰
تبع ابی کرب کا اہل مدینہ کے ساتھ نیک برتاؤ کا بیان ۶۲۰
بیت اللہ پر حملے کا عزم اور اس کی تعظیم ۶۲۰
کعبہ پر (پہلی بار) غلاف چڑھانا ۶۲۰
حسان اسعد ۶۲۰
ابو عنادہ ۶۲۱
پیش گوئی ۶۲۱
تبع کا عقیدہ ۶۲۱
آل ہذیل کی بدنیتی ۶۲۱
تبع کا طواف بیت اللہ اور حجاج کی ضیافت ۶۲۱
ایک خواب اور غلاف کعبہ ۶۲۲
نصیحت آموز اشعار ۶۲۲
یمن میں یہودیت کیونکر پھیلی ۶۲۳
فیصلہ آگ کے ذریعے یہودیت پھیلنے کا سبب ۶۲۳
بت کدہ رئام ۶۲۳
تبع کا اسلام ۶۲۳
تبع کی لڑکیاں ۶۲۳
حسان بن تبان اسعد اور شہر یمامہ کی وجہ تسمیہ ۶۲۴
بھائی کا قتل موجب ہلاکت ۶۲۵
لخنیعہ ذو شناتر کا یمن پر غاصبانہ قبضہ ۶۲۵
جرأت کا ثمرہ ۶۲۵
نوٹ ۶۲۵
ذونواس کو شکست فاش کا سامنا اور ارباط کی فتح ۶۲۶
ابرہہ اشرم کی بغاوت اور جنگ ۶۲۶
شاہ حبشہ کی رضامندی اور مسند حکومت ۶۲۷
ابرہہ کا ہاتھیوں کے ہمراہ تخریب کعبہ کے عزم کا سبب ۶۲۷
ابو رغال ۶۲۷

www.ahlehaq.org

ہاتھی بلی سے ڈرتا ہے ۶۲۷
کنانی کا اشتعال اور لڑائی کا آغاز ۶۲۷
ذونفر اور نفیل کا منہزم ہونا ۶۲۸
ابو رغال ۶۲۸
لات ۶۲۸
مکہ میں لوٹ مار ۶۲۸
رئیس مکہ کی طلبی ۶۲۸
اونٹوں کا مطالبہ ۶۲۹
عبدالمطلب کی دعا ۶۲۹
ابرہہ کے لشکر پر پرندوں کا عذاب ۶۳۰
ابرہہ کا حال ۶۳۰
تکمیل ۶۳۱
لفظ ابابیل کی تحقیق ۶۳۱
آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۶۳۱
ابرہہ کی مذمت میں اشعار ۶۳۱
قلیس کا انجام ۶۳۳
سیف بن ذی یزن کے ہاتھوں حبشی حکومت کا زوال ۶۳۳
سیف بن ذی یزن کی کسریٰ کے دربار میں حاضری ۶۳۵
ایک عمدہ تجویز ۶۳۵
لشکر کی روانگی ۶۳۵
مسروق نے ابرہہ کا لشکر وہرز کے مدمقابل کر دیا ۶۳۵
مسروق بن ابرہہ کی ہلاکت ۶۳۵
لفظ ہمدان کی تحقیق ۶۳۷
خواب کی تعبیر ۶۳۸
ابنا ۶۳۸
یمن پر نائب کسریٰ کی حکمرانی ۶۳۹
کسریٰ کا باذان کے نام پیغام ۶۳۹
مکتوب نبوت ﷺ اور کسریٰ کا انجام ۶۳۹
کسریٰ کا قتل ۶۳۹
رسول اللہ ﷺ کا کسریٰ کو دعوت اسلام دینا ۶۳۹
توران دخت کا کسریٰ کی حکومت سنبھالنا ۶۳۹
باذان اور اس کی رعایا کا قبول اسلام ۶۳۹
یمن میں اشاعت اسلام ۶۳۹
نعمان کے نسب میں اختلاف اور ساطرون کا قصہ ۶۴۰
بانی قلعہ حضر ۶۴۰
ساطرون کون تھا؟ ۶۴۰
سابور ساسانی کا محاصرہ ۶۴۱
ساطرون کی بیٹی کی اپنے باپ سے دغابازی اور انجام کار ۶۴۱
قلعہ میں داخل ہونے کے بارے میں دو مختلف اقوال ۶۴۱
رب خورنق نامی بادشاہ اور اس کو وعظ و نصیحت ۶۴۱
طوائف الملوکی کی بنیاد ۶۴۳
ازد کا انتقال اور اس کا بیٹا ۶۴۳
آل اسماعیل اور زمانہ جاہلیت سے زمانہ نبوت تک کے امور کا بیان ۶۴۳
قبیلہ جرہم کا قیام ۶۴۳
حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد ۶۴۳
حکمران کا سلسلہ ۶۴۵
مضاض کا نسب ۶۴۵
مضاض اور سمیدع کا آپس میں جھگڑا ۶۴۵
اساف و نائلہ کی بدکاری اور ان کا مسخ ۶۴۵
خزاعہ کی حکومت ۶۴۵
عمرو کی بنی بکر اور غبشان کو نصیحت ۶۴۷
مندرجہ بالا اشعار کی صحت ۶۴۷
خزاعہ اور عمرو بن لحی کا قصہ اور عرب میں آغاز بت پرستی ۶۴۸
حکمرانی کا تسلسل ۶۴۸
ایک اہم رسم اور عمرو خزاعی ۶۴۸
بت پرستی کس طرح شروع ہوئی؟ ۶۴۹
پتھر کی عبادت کس طرح شروع ہوئی ۶۴۹
شرکیہ تلبیہ اور ابلیس کی ایجاد ۶۴۹
ابو خزاعہ کی تحقیق ۶۴۹
بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی تحقیق ۶۵۰
تعاقب اور مکہ ۶۵۰
کافر کے ساتھ شکل و صورت میں مشابہت ۶۵۰

www.ahlehaq.org

عرب کی جہالت ۶۵۱
بت اور ان کے پرستار ۶۵۱
ود ۶۵۱
سواع ۶۵۱
یغوث ۶۵۱
یعوق ۶۵۱
نسر ۶۵۱
عم انس ۶۵۱
سعد صخرہ ۶۵۲
ہبل ۶۵۲
اساف اور نائلہ ۶۵۲
بت پرستی کا آغاز ۶۵۲
ایک بحث ۶۵۲
آجا سلمی ۶۵۲
"عزی" نامی بت ۶۵۳
"لات" نامی بت ۶۵۳
"منات" نامی بت ۶۵۳
"ذوالخلصہ" نامی بت ۶۵۳
"رئام" نامی عبادت گاہ ۶۵۳
رضاء ۶۵۳
سن رسیدہ لوگ ۶۵۳
"ذوالکعبات" نامی بت ۶۵۳
عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے ۶۵۴
حجاز کے جد اعلیٰ عدنان کا ذکر ۶۵۴
زعم الیمری اور اعراق الثری سے کیا مراد ہے ۶۵۴
ارمیا نبی کا ایک عجیب واقعہ ۶۵۴
عدنان کا نسب ۶۵۴
نسب صرف عدنان تک بیان کیا جائے ۶۵۵
پوری مردم شماری کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ۶۵۵
بجر و طیبہ ۶۵۵
ابن شرشرم ۶۵۵
حجازی عربوں کا عدنان تک سلسلہ نسب ۶۵۵
عک ۶۵۶
اولاد معد ۶۵۶
اولاد قنص ۶۵۶
مضر ۶۵۶
اولاد مضر ۶۵۶
طابخہ اور مدرکہ کی وجہ تسمیہ ۶۵۶
اولاد مدرکہ ۶۵۶
اولاد خزیمہ ۶۵۶
اولاد کنانہ ۵۶
قریش (بنی نضر) کے نسب و فضل اور اس کے استحقاق کا ذکر ۶۵۷
قریش کے بارے میں دو اقوال ۶۵۷
قبیلہ کندہ ۶۵۷
ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ۶۵۷
قریش کی لفظی تحقیق ۶۵۸
قریش کی وجہ تسمیہ ۶۵۸
قریش کی نسبت ۶۵۹
بنی ہاشم سے نبوت کا انتخاب ۶۵۹
اولاد نضر ۶۵۹
اولاد مالک ۶۵۹
اولاد فہر ۶۵۹
اولاد غالب ۶۵۹
اولاد لوی ۶۵۹
سانپ کا سامہ کو ڈسنا ۶۵۹
سامہ شاعر ۶۶۰
سامہ کی اولاد کے بارے میں اختلاف ۶۶۰
خزیمہ اور عوف ۶۶۰
بنی مرہ بن عوف ۶۶۰
قبیلہ بسل ۶۶۰
قبیلہ بہیہ اور مضر ۶۶۰
نبی علیہ السلام کا فرمان ۶۶۰

www.ahlehaq.org

اولاد کعب ٢٦٠
اولاد کلاب ٢٦٠
قصی بن کلاب کا ذکر اور بیت اللہ کی تولیت کو خزاعہ سے چھین کر قریش کے سپرد کرنا ٢٦٢
قبیلہ صوفہ ٢٦٢
قبیلہ عدوان اور ابو سیارہ عمیلہ ٢٦٢
عامر عدوانی اور مسئلہ وراثت خنثیٰ ٢٦٢
استدلال کے ذریعے فیصلے کی شرعی حیثیت ٢٦٢
رسم نسئی کا موجد اور اس کا طریقہ کار نسئی ٢٦٣
کعبہ کی تولیت کا مسئلہ اور تعمیر کا فیصلہ ٢٦٣
تولیت کعبہ پر قصی کا قبضہ اور اپنے لئے عہدوں کا اختصاص ٢٦٣
قریش البطاح اور قریش الظواہر ٢٦٣
دار الندوہ ٢٦٣
حکیم بن حزام ٢٦٣
پانی کا انتظام ٢٦٣
روشنی کا انتظام ٢٦٣
ایام حج میں حاجیوں کیلئے کھانے کا انتظام اور رفادہ ٢٦٣
عہدوں کے حصول پر جھگڑا اور حلف المطیبین کی وجہ تسمیہ ٢٦٦
عبد مناف کی اولاد ٢٦٧
اولاد ہاشم ٢٦٧
اولاد ابو الحارث عبد المطلب بن ہاشم ٢٦٧
عبداللہ بن عبد المطلب ٢٦٧
زمانہ جاہلیت کی شہرہ آفاق شخصیات ٢٦٨
خالد بن سنان عبسی ٢٦٨
واقعۂ آتش فشاں ٢٦٨
مجھے نام لے کر نہ پکارو ٢٦٨
قوم نے نام لے کر پکارا!!! ٢٦٨
دو سختیاں ٢٦٨
یا ابن اختی ٢٦٨
حاتم طائی ٢٦٩
حسن اخلاق کی قدر و قیمت ٢٦٩
حاتم طائی کی فیاضی ٢٧٠
"نوار" کی ایک خواہش ٢٧٠
بخل کی مذمت ٢٧٢
ایک عجیب واقعہ ٢٧٣
ام حاتم ٢٧٣
وصیت ٢٧٣
عبداللہ بن جدعان ٢٧٥
امراؤ القیس بن حجر کندی صاحب معلقہ معلقات سبع ٢٧٦
شعر نے حیات بخشی ٢٧٦
امیہ بن ابی صلت ثقفی م ٦٢٦ء ٥ھ ٢٧٧
ذو الخلصہ ٢٧٧
پیشین گوئی ٢٧٨
ابوسفیان کی حالت ٢٨٠
خواب ٢٨١
فارعہ کا چشم دید واقعہ ٢٨٣
عتبہ شیبہ امیہ کے ماموں زاد تھے ٢٧٣
اللّٰھم باسمک کی برکت اور عجیب واقعہ ٢٨٣
حرب کی موت ٢٨٣
جانوروں کی زبان ٢٨٣
کوا ٢٨٥
اچھے اشعار سننا ٢٨٥
یحییٰ بن محمد بن صاعد ٢٨٥
سورج کا طلوع ہونا ٢٨٦
اصمعی امیہ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ٢٨٦
امیہ ٢٨٦
بحیرا راہب کی ضیافت ٢٨٧
قیس بن ساعدہ ایادی ٢٨٨
جارود کا اسلام لانا ٢٨٩
قس ایادی کے بارے میں وفد سے سوال ٢٩٠
ایک عجیب واقعہ ٢٩٢
پیش گوئی ٢٩٣

www.ahlehaq.org

اس روایت میں قس کے اشعار ۶۹۳
زید بن عمرو ۶۹۵
کعب بن لوی قرشی عدوی ۶۹۵
ورقہ بن نوفل ۶۹۶
زید بن عمرو ۶۹۶
سعید بن زید کی اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کروانا ۶۹۷
زید بن عمرو کا آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنا ۶۹۸
عامر بن ربیعہ کا آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچانا ۶۹۸
اسماء بنت ابی بکر کی روایت ۶۹۸
زید کی وفات ۶۹۹
زید کا قتل ۶۹۹
زید بن عمرو کے اشعار ۶۹۹
عثمان بن حویرث ۷۰۱
زمانہ فترت کے کچھ اہم واقعات ۷۰۱
تعمیر کعبہ ۷۰۱
کعب بن لوی کا فصیح و بلیغ خطبہ ۷۰۱
آب زمزم کے کنویں کی دوبارہ تعمیر ۷۰۲
شام کی کاہنہ کا بطور حکم تسلیم کرنا ۷۰۲
موت کے منہ میں عبدالمطلب کی ملاقات ۷۰۳
چاہ زمزم کے متعلق غیبی آواز ۷۰۳
کنویں کی ملکیت کا عجیب طریقہ ۷۰۳
زمزم کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ۷۰۳
لفظ وبل کی تحقیق ۷۰۵
حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام ۷۰۵
عبدالمطلب کا اپنے بیٹے کی قربانی کی نذر ماننا ۷۰۵
قریش کا عبدالمطلب کو روکنا ۷۰۵
عبداللہ کو ذبح کرنا ۷۰۵
ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ۷۰۶
عبدالمطلب کا اپنے لخت جگر عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وھب سے کرنا ۷۰۶
کاہنہ کا عبداللہ کو اپنی طرف مائل کرنا ۷۰۷
پیشین گوئی ۷۰۸
سیرت رسول ﷺ ۷۰۹
رسول اللہ ﷺ کے نسب کا بیان ۷۰۹
آپ کے والد گرامی اور چچا ۷۰۹
آپ کی پھوپھیاں ۷۰۹
عبدالمطلب کے نام کی وجہ تسمیہ ۷۰۹
ہاشم کی وجہ تسمیہ ۷۱۰
مجیرون ۷۱۰
ہاشم اور ان کے اہل خانہ کی اموات ۷۱۱
عبد مناف ۷۱۱
قصی کی وجہ تسمیہ ۷۱۱
قصی کی مکہ والوں کی امداد کرنا ۷۱۱
قصی، کلاب، مرہ، کعب وغیرہ کی اولاد کا ذکر ۷۱۱
کلاب ۷۱۱
مرہ ۷۱۱
کعب ۷۱۱
لوی ۷۱۱
غالب ۷۱۱
فہر ۷۱۱
مالک ۷۱۱
نضر ۷۱۲
کنانہ ۷۱۲
خزیمہ ۷۱۲
مدرکہ عمرو ۷۱۲
الیاس ۷۱۲
مضر ۷۱۲
رسول اللہ ﷺ کے نسب پر تبصرہ ۷۱۲
ابوسفیان کا اعتراض ۷۱۳
ابوطالب کے اشعار ۷۱۳
عباس رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار ۷۱۵
مذکورہ بالا اشعار کے متعلق دوسری روایت ۷۱۵

www.ahlehaq.org

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل محمد نام کے چھ اشخاص ۷۱۶
محمد نام کے افراد کا دعوائے نبوت نہ کرنا ۷۱۶
رسول اللہ ﷺ کی ولادت ۷۱۶
بعض افراد کا حضور ﷺ کی تاریخ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہونا ۷۱۷
بروز جمعہ ۷۱۷
دو ربیع الاول ۷۱۷
۸ ربیع الاول ۷۱۷
دس ربیع الاول ۷۱۷
جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی تاریخ ولادت ۷۱۷
۱۲ ربیع الاول ۷۱۷
۱۷ ربیع الاول ۷۱۷
۲۲ ربیع الاول ۷۱۷
۹ ربیع الاول ۷۱۷
رمضان ۷۱۷
ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ۷۱۸
یکم ربیع الاول ۷۱۸
۱۲ رمضان ۷۱۸
۱۲ رمضان ۷۱۸
سہیلی کا قول ۷۱۸
عام فیل اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۷۱۸
ابن اسحاق کی تحقیق ۷۱۸
محمد بن جبیر کی تحقیق ۷۱۸
قباث کا قول ۷۱۹
سوید کی روایت ۷۱۹
جمہور کا قول ۷۱۹
رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے واقعات ۷۱۹
ام قتال کا اظہار افسوس ۷۱۹
عبداللہ کا بیمار ہونا ۷۲۰
عبداللہ کی وفات ۷۲۰
واقدی اور معمر کی تحقیق ۷۲۰
آپ ﷺ کی والدہ کا خواب ۷۲۰
متعدد راویوں کی ایک روایت ۷۲۰
عبدالمطلب کا آپ ﷺ کو بیت اللہ لانا ۷۲۱
آپ ﷺ کا ختنہ شدہ پیدا ہونا ۷۲۱
جبرائیل علیہ السلام کا ختنہ کرنا ۷۲۲
دستور عرب اور آپ ﷺ کا نام ۷۲۲
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آپ کی صفات بیان کرنا ۷۲۲
رسول اللہ ﷺ کی شب ولادت کے واقعات ۷۲۳
ابلیس کا چلا کر رونا ۷۲۳
یہودی تاجر کا عجیب واقعہ ۷۲۳
یہودی کی پیشین گوئی ۷۲۳
یوشع کا آپ ﷺ کے متعلق بتانا ۷۲۳
ابن باطا یہودی ۷۲۴
ایوان کے کنگرات کا گرنا ۷۲۴
کنگرے گرنا، آگ بجھنا اور موبذان کا خواب ۷۲۴
شاہ فارس کی پریشانی ۷۲۴
کسریٰ کا خط ۷۲۴
عبدالمسیح کا سطیح سے بستر مرگ پر ملنا ۷۲۴
سطیح کی تعبیر ۷۲۵
فارس کے چودہ کسریٰ ۷۲۶
سطیح کا نسب اور اسکے دیگر احوال ۷۲۶
سطیح کی مکہ آمد اور قریش کو مستقبل کے حالات بتانا ۷۲۷
امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا حدیث کے متعلق رائے ۷۲۸
سطیح کی عمر ۷۲۸
سطیح کے علم کہانت ۷۲۸
عبدالمسیح اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا زہر کھانا ۷۲۸
شامی راہب کی پیشین گوئی ۷۲۸
رسول اللہ ﷺ کی دایہ کھلایہ اور دودھ پلانے والیاں ۷۲۹
ام ایمن مسماۃ برکت باندی ۷۲۹
ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا رسول اللہ ﷺ کا اپنی بہن سے نکاح کروانا چاہنا اور آپ ﷺ کا جواب ۷۲۹
ابولہب کو خواب میں دیکھنا ۷۳۰

www.ahlehaq.org

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کا بیان	۴۳۰
حلیمہ سعدیہ اور آپ ﷺ کی برکات	۴۳۰
شرح صدر	۴۳۱
آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ کی وضاحت	۴۳۱
آپ ﷺ کا فرمان	۴۳۱
فرشتوں کی گفتگو	۴۳۲
آپ ﷺ کے بچپن کے حالات آپ ﷺ کی زبانی	۴۳۲
نبوت کا علم	۴۳۲
سلائی کے نشانات	۴۳۳
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت	۴۳۳
عیسائی قافلہ کا ملنا	۴۳۳
ایک روایت آپ ﷺ کی گمشدگی کی	۴۳۳
ابن اسحاق کی روایت سے متضاد روایت	۴۳۳
بچپن ہی سے آپ ﷺ کی برکات کا ظہور	۴۳۳
خطیب ہوازن کی فریاد	۴۳۳
خطیب ہوازن کے اشعار	۴۳۳
ہوازن کے سردار کے اشعار	۴۳۵
آپ ﷺ کی والدہ کا دنیا سے رحلت فرمانا	۴۳۵
آپ ﷺ کی والدہ کا مقام وفات	۴۳۵
آپ ﷺ کا اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ جانا	۴۳۵
آپ ﷺ کا والدہ کے لئے دعائے مغفرت کرنا	۴۳۵
امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت	۴۳۶
کافر والدین کا انجام	۴۳۶
عورتوں کا قبرستان جانے کے بارے میں شدید وعید	۴۳۶
ربیعہ معافری کے حالات	۴۳۷
عبدالمطلب کا دین	۴۳۷
آپ ﷺ کے والدین کا دوزخی ہونا آپ ﷺ کیلئے عیب نہیں	۴۳۷
ابن کثیر کی رائے	۴۳۷
سہیلی کی روایت کی تحقیق	۴۳۷
زندگی سلوک اور وصیت	۴۳۷
عبدالمطلب کا آپ ﷺ کی نگرانی کرنا	۴۳۸
بستر مرگ پر عبدالمطلب کی وصیت	۴۳۸
سقایہ کا منصب	۴۳۸
ابوطالب، رسول اللہ ﷺ کے کفیل	۴۳۸
آپ ﷺ کی بچپن میں مزید برکات	۴۳۸
آپ ﷺ کے متعلق قیافہ شناس کی رائے	۴۳۸
ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر اور بحیریٰ سے ملاقات	۴۳۹
بحیریٰ راہب کا دعوت کرنا	۴۳۹
بحیریٰ راہب کا آپ ﷺ کو مخاطب کرنا	۴۳۹
قراد ابونوح اور اس کی روایت کردہ حدیث پر تبصرہ	۴۴۰
مذکورہ بالا حدیث کی غرابت کا بیان	۴۴۱
ابوطالب کے زیر کفالت	۴۴۱
بحیریٰ کے احوال	۴۴۱
نبی علیہ السلام کی نشوونما، تربیت و پرورش، حفاظت و نگہداشت	۴۴۲
عہد طفلی میں باوقار مقام دینا اور فقر کو غنا میں بدل دینا	۴۴۲
غیب سے آپ ﷺ کو برہنگی سے بچانا	۴۴۲
آپ ﷺ کا گانے کی محفل سے بچنا	۴۴۲
ابن اسحاق کے شیخ کے متعلق	۴۴۳
حدیث بیہقی کی توجیہ	۴۴۳
بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کا عرفات میں قیام کرنا	۴۴۳
نبی علیہ السلام کی حرب فجار میں شرکت	۴۴۴
حرب فجار کی وجہ تسمیہ	۴۴۴
حرب فجار کا مختصر قصہ	۴۴۵
عتبہ بن ربیعہ کا کارنامہ	۴۴۵
حلف الفضول	۴۴۵
مطیبین کی وجہ تسمیہ	۴۴۶
قتول کا اغوا اور حلف الفضول والوں کی مدد	۴۴۷
حلف الفضول کی ایک اور وجہ تسمیہ	۴۴۸
معاہدہ کی اہمیت	۴۴۸
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حق اور ولید کا انکار	۴۴۸
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	۴۴۸
آپ علیہ السلام کا شجرہ	۴۴۸

www.ahlehaq.org

آپ ﷺ کا نکاح اور مہر ۷۴۹
آپ ﷺ کی اولاد ۷۴۹
قاسم کے بارے میں مختلف اقوال ۷۴۹
آپ ﷺ کی شادی کے وقت عمر مبارک ۷۴۹
شادی سے قبل رسول اللہ ﷺ کے مشاغل ۷۴۹
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ولی کون تھا ۷۴۹
نکاح کی ولایت کے بارے میں مختلف اقوال ۷۵۰
محمد ﷺ اسی امت کا نبی ہے نوفل بن ورقہ کا اقرار ۷۵۰
کعبہ کی تعمیر وتجدید بعثت سے پانچ سال قبل ۷۵۰
سب سے پہلی مسجد ۷۵۱
اسرائیلی روایات کا پلندہ ۷۵۱
کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حجر اسود ۷۵۱
حجر اسود رسول اللہ ﷺ نے نصب فرمایا ۷۵۲
از سر نو تعمیر کعبہ کیلئے کعبہ کا انہدام اور اس کی وجہ ۷۵۲
تعمیر کے دوران ایک اژدہے کا ظہور ۷۵۳
کعبہ کی قدیم عمارت اور ایک واقعہ سرقہ ۷۵۳
تعمیر کعبہ کیلئے سامان وغیرہ کا حصول ۷۵۳
ابو وہب کا کلام ۷۵۳
تعمیر کی تقسیم ۷۵۳
کتبے ۷۵۳
حجر اسود کے بارے میں نزاع اور اس کا حل ۷۵۴
سائب بن عبداللہ کا بیان ۷۵۵
قریش کی باطل رسومات ۷۵۶
رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور چند بشارات کا ذکر ۷۵۷
رسالت سے علامات نبوت ۷۵۷
نبوت سے سرفرازی ۷۵۸
آسمانی خبروں کی حفاظت ۷۵۸
سب سے پہلے ثقیف قبیلہ ستاروں کے ٹوٹنے سے آگاہ ہوا ۷۵۸
جنب کے کاہن کا واقعہ ۷۵۹
بت پرست، یہود اور اسلام کی آمد ۷۵۹
کچھ نبی امی ۷۵۹
سلامہ بن وقش اور ایک یہودی کا واقعہ ۷۵۹
یوشع یہودی ۷۶۰
ابن ہیبان یہودی ۷۶۰
زید بن سعیہ کا اسلام قبول کرنا ۷۶۱
سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ ۷۶۱
پاؤں میں بیڑیاں ۷۶۱
ایک بددیانت عالم کی صحبت ۷۶۲
ایک دوسرے عالم کی صحبت ۷۶۲
موصل میں قیام ۷۶۲
نصیبین میں قیام ۷۶۲
عموریہ میں رہائش ۷۶۲
کلب کی غداری ۷۶۳
وادی القریٰ ۷۶۳
مدینہ طیبہ میں قیام ۷۶۳
علامات کے ذریعے امتحان ۷۶۳
سب سے پہلے مدینہ میں فوت ہونے والا صحابی ۷۶۳
معجزات کا ظہور اور غلامی سے آزادی ۷۶۳
یہ ایک معجزہ تھا ۷۶۳
تمہاری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ہے ۷۶۴
تبصرہ ۷۶۴
آسمان سے جب ایک بار نزول درست ہے ۷۶۵
تبصرہ ۷۶۶
رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے واقعات کا بیان ۷۶۷
پیشین گوئی اور ورقہ ۷۶۷
عبدالمطلب کا خواب اور اس کی تعبیر ۷۶۷
ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ۷۶۸
عمرو بن مرہ جہنی کا واقعہ ۷۶۹
مکتوب نبوی ﷺ ۷۷۰
ایک خصوصی عہد ۷۷۰
آپ ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی ۷۷۰
پیشانیوں پر نور ۷۷۰

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا ۷۷۱
ایک آیت کی تفسیر ۷۷۲
ابراہیم علیہ السلام کی ایک بہترین دعا ۷۷۲
معجزہ اور اس کی تفصیل ۷۷۲
بستر مرگ پر ایک یہودی بچے کا مسلمان ہونا ۷۷۲
ایک یہودی اور آپ ﷺ ۷۷۳
علم یہود کے عالم کا اقرار ۷۷۳
مکتوب نبوی ۷۷۳
بخت نصر کا خواب اور دانیال کی تعبیر ۷۷۴
تورات اور قرآن میں آپ کی صفات ۷۷۴
تورات ۷۷۵
آپ کی صفات ۷۷۵
زبور میں خیر الامم کا ذکر ۷۷۵
گذشتہ کتابوں میں آپ کے ذکر خیر کی تصدیق قرآن مجید سے ۷۷۵
فارقلیط ۷۷۶
انجیل میں ۷۷۶
حلیہ مبارک ۷۷۶
عجیب نادر تحریر ۷۷۶
انبیاء علیہ السلام کی تصاویر ۷۷۷
سیف بن ذی یزن کا قصہ اور اسکی رسول ﷺ کے متعلق بشارت ۷۷۷
محمد نام کیوں رکھا ۷۷۹
اوس کی پیش گوئی ۷۷۹
غیبی آواز سے آپ ﷺ کی بعثت کا اقرار ۷۸۰
سواد بن قارب ۷۸۱
سواد بن قارب کا قبول اسلام ۷۸۲
مکہ کا ارادہ ۷۸۳
جن کا واقعہ ۷۸۵
جلیل سراۃ ۷۸۵
ھند ۷۸۵
مازن عمانی ۷۸۵
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر ۷۸۸
سعیرہ کا باپ ۷۸۸
جن کا "خلصہ" نامی لڑکی سے جماع کرنا اور اس سے بچہ پیدا ہونا ۷۸۸
معلق سوار ۷۸۹
ابن مرداس کا اسلام قبول کرنا ۷۸۹
خثعمی لوگوں کے مسلمان ہونے کا واقعہ ۷۹۱
رافع بن عمیر تمیمی کا عجیب واقعہ ۷۹۳
غیر اللہ سے پناہ ۷۹۳
علی رضی اللہ عنہ کی جنات سے جنگ کا بے بنیاد قصہ ۷۹۳
حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور بسم اللہ کی فضیلت ۷۹۳
نجاشی آذیہ اور ورقہ کا تذکرہ ۷۹۶
حضرت زمل رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا ۷۹۷
مکتوب نبوی ۷۹۷
گستاخ رسول جن کا قتل ۷۹۸
حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ ۸۰۰
راشد رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ ۸۰۰
حضرت خریم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ۸۰۱
سطیح کی مکہ میں آمد اور پیش گوئی ۸۰۳

ختم شد حصہ اول و دوم تاریخ ابن کثیر

البدایہ والنہایہ

(معروف بہ)

تاریخ ابن کثیر

(حصہ اول)

حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۷۷۴ھ

سیرت انبیاء کرام علیہم السلام

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ثنائے الٰہی

تمام تعریفات اللہ عزوجل کے لئے ہیں وہی اول و آخر ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اس لئے کہ وہ قدیم ہونے کے علاوہ کائنات کی تمام اشیاء کے مقابلے میں واجب الوجود اور لم یزل ہے۔ ہمیشہ رہنے والی ذات ہے، باریک بین ہے کہ زمین پر چیونٹی کی سرسراہٹ کو بھی جانتا ہے۔ اسی نے تمام چیزوں حیوانوں، انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو پیدا کر کے ان کی مقدار و تقدیر متعین کر دی۔ اسی نے آسمانوں کو بلا ستون بلند کر کے کھڑا کیا اور انہیں ستاروں اور دوسرے روشن اجرام فلکی سے مزین کیا، اسی نے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند اور سورج بنائے، اسی نے آسمانوں سے بالا عرش عظیم پر اپنا مسکن قائم کیا، جسے مکرم و معزز فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کو ہر طرف سے مقرب فرشتے گھیرے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار فرشتے ادھر ادھر حاضر رہتے ہیں نیز ستر ہزار فرشتے اور ہیں جو بیت معمور تک پہنچ کر لوٹتے نہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری مخلوقات عالم کے لئے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کیا اور زمین میں پانی کے ذریعے رزق پیدا کیا، یہ سب تخلیق سماوات سے چار روز پہلے پیدا کیا اور زمین پر ہر چیز کو دو دو جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ بنی نوع انسان کے لئے پیدا کیا جن میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو انسانوں کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسے مادہ منویہ سے مرحلہ بمرحلہ گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے انسانی شکل بخشی۔ پھر اسے سماعت و بصارت عطا فرما کر ہر طرح سے مکمل فرمایا اور اس کی زندگی کے لئے کوئی چیز مبہم باقی نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے اسے علم کا شرف بخشا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا آغاز تخلیق آدم سے کیا یعنی پہلے اس کا جسم بنایا۔ پھر اس میں روح پھونکی اس کے بعد فرشتوں نے آدم کو اللہ کے حکم سے سجدہ کیا۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ٹھہرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جو ام البشر ٹھہریں اور ان کے ساتھ ان کی تنہائی کو دور کر کے دونوں کو جنت میں ٹھہرایا اس کے بعد انہیں زمین پر اتار کر ان کی اولاد میں کثرت سے مرد و عورت پیدا کیے اور انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا۔ کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو رعایا، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر، کسی کو آزاد پیدا کیا اور کسی کو اس کا غلام بنایا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی خاص حکمت کے ساتھ کیا۔ اسی نے نوع انسانی کو زمین میں چاروں طرف پھیلایا اور ان کو شکل و رنگت میں ایک دوسرے سے مختلف بنایا اور یہ سب اس کی حکمت کے تحت ہے۔

اسی نے بنی نوع انسانی کے لئے سمندر، دریا اور چشمے پیدا کیے اور انہیں ان کی ضروریات زندگی کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اس نے انسان کے لئے زمین و آسمان اور ان کے اندر جو کچھ ہے مسخر کر دیا۔ اسی نے انسان کے لئے بادل پیدا کر کے ان سے بارش برسائی اور اس سے ان کے لئے کھیتیاں

www.ahlehaq.org

اور باغات پیدا کیے۔ اس نے انسان کے حال وقال کے مطابق ہر چیز عطا فرمائی یہ انسان پر احسان عظیم ہے لیکن افسوس کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ پھر وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعے نوع انسان پر اپنے احکام و ہدایات پر مشتمل آسمانی صحائف و کتابیں اتاریں اور ان میں تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک کی تمام تفصیلات شامل فرمادیں۔

چنانچہ وہ شخص بڑا سعادت مند اور خوش نصیب ہے۔ جس نے ان کتب وصحائف کے ذریعہ فراہم شدہ خبروں کی تصدیق کی اور انہیں صدق دل سے تسلیم کیا اور قرآن کریم میں جو اوامر و نواہی موجود ہیں انہیں بخوشی قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوا جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پائی۔

میں اس ذات پاک کا بے حد شکر گزار ہوں کہ جس نے ہم انسانوں کو زمین و آسمان کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اس کا کوئی شریک و حصہ دار ہے نہ عدیل و ہم مثال۔ اس کی بادشاہت قدیم اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے اور نہ ہی قسیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ واحد اور لاشریک ہے۔ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی ساتھی و مشیر ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول اور اس کے حبیب وخلیل ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عرب میں شریف ترین شخص ہیں، حوض کوثر کے مالک اور محشر میں شفاعت کے حامل ہیں، خاتم الانبیاء ہیں جن کا پرچم روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقام محمود پر لہرائے گا، جس کے سائے میں پناہ لینے کے لئے مخلوق خداوندی جمع ہوگی حتیٰ کہ جملہ انبیاء و مرسلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ سمیت آپ ﷺ کے اس پرچم تلے آنے کے خواہشمند ہوں گے۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر درود و سلام، جنہوں نے آپ ﷺ کی مکمل اطاعت کر کے ظلمت کے اندھیرے کو نور کی روشنی میں تبدیل کیا۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات میں افضل ترین ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حمد وثنا کے بعد یہ بندہ (عماد الدین ابن کثیر) انشاء اللہ بزرگ و برتر کے حسن توفیق، اس کی امداد و اعانت اور اس کی بخشی ہوئی طاقت کے سہارے اس کتاب میں تخلیق ملائکہ و جنات اور شیاطین، کیفیت تخلیق آدم علیہ السلام، بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کے انبیاء اور ان کے قصص، نیز ان کے جملہ حالات و کوائف اور نبی کریم ﷺ کی بعثت تک تاریخی حالات بیان کرے گا جس سے قوی امید ہے کہ بنی نوع انسان کی فلاح کے علاوہ ان کے باطنی و روحانی امراض کی تلافی اور صحیح علاج کا ذریعہ میسر ہوگا۔

اس کے بعد ہم اس کتاب میں ان حالات کا ذکر کریں گے جو ہمارے زمانے تک گزرے ہیں اور اس کے ساتھ حشر و نشر اور روز قیامت کے حالات، دوزخ اور اس کی کیفیت، جنت اور اس کے حسین و جمیل مناظر نیز ان سے متعلقہ وہ تمام باتیں جو احادیث نبوی ﷺ اور علمائے کرام کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں بیان کریں گے۔

اسرائیلیات میں سے ہم صرف وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی نبی علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور وہ اسرائیلیات بھی کہ ان میں اور قرآن پاک کے بیان کردہ قصص میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ہم ان کی تصدیق یا تکذیب کی ذمہ داری بحیثیت مؤرخ ہم پر لازم نہیں ہوتی ہم صرف اللہ جل شانہ سے یہاں انہیں مختصر بیان کرنے کے لئے اس کی ہدایت کے طالب ہیں وهو المستعان.

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

كذالك نقص عليك من انباء ما قد سبق وقد اتيناك من لدنا ذكرا

یعنی اسی طرح ہم آپ پر گزشتہ خبروں سے قصے بیان کریں گے اور ہم نے آپ کو اپنی جناب سے ذکر عطا فرمایا۔

اللہ نے قرآن پاک میں اپنے نبی علیہ السلام کے لئے اپنے دوستوں اور دشمنوں کے قصوں کا ذکر فرمایا لیکن اسی حد تک جو آپ کی امت کے لئے کافی و شافی ہو۔

بہر حال آپ سے ہم تک جو کچھ پہنچا اسے بیان کرنے پر ہم نے اکتفا کیا اور وہی بیان کیا ہے جو امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کے لئے سود مند ہو البتہ ہم ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے قاصر ہیں جن میں علماء و مؤرخین سے سہواً غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یا جن میں اکثر و بیشتر

اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرامین نبوی یوں ملتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے (بلغوا عنی ولو آیۃ) ترجمہ: میری بیان کردہ ایک بات ہی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچا دو۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

> "اگر اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو بنی اسرائیل کا ذکر کرو، میری احادیث کے بارے میں جھوٹ نہ بولو (کیونکہ) جس نے میری احادیث کے بارے میں جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔"

یہ بات آپ نے اسرائیلیات کے ذکر کے بارے میں ارشاد فرمائی جن کے بارے میں ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ہمیں ان کی تصدیق یا تکذیب کی ضرورت ہے۔

ہم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے ماخذ کے بارے میں اعتماد پر مبنی ہے۔ البتہ شریعت کی رو سے ہمارے نزدیک جو باتیں مصدقہ ہیں ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رسول بخشا وہ سب رسولوں سے برتر و افضل ہے اور اس پر جو کتاب نازل فرمائی وہ سب کتب سماوی پر برتر و افضل ہے کیونکہ دوسری تمام آسمانی کتابوں میں تحریف و تغیر اور حذف و اضافے ہو چکے ہیں۔

ہماری ضرورت وہ کلام ربانی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت باسعادت کے ذریعے سے ہم تک پہنچا اب کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: قرآن میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کی تمام خبریں موجود ہیں۔ اس میں جو احکام ہیں ان کے صدور کا علم بھی ضروری تھا اور وہ بے محل نہیں ہیں۔ سو جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کیا وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور کی ہدایت کو قبول کیا وہ یقیناً گمراہ ہوا ہے۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "حضور ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے تک ہمیں ہر بات کی خبر کر دی تھی کہ جو پرندہ اپنے پروں کے ذریعے اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرما دیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب بدء الخلق کے آغاز میں فرمایا ہے:

(از عیسیٰ بن موسیٰ غنجار، ابو حمزہ، رقبہ، قیس بن مسلم اور طارق بن شہاب) ایک روز جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے تخلیق کائنات سے لے کر اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک تمام حالات ہم سے بیان فرمائے۔ بہرحال جس نے انہیں یاد رکھا یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا۔ یہ روایت ابو مسعود دمشقی اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی ہے جسے عیسیٰ غنجار نے ابی حمزہ اور رقبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

نبی علیہ السلام کا خطبہ تخلیق کائنات……یہی روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بیان فرمائی:

(از ابو عاصم عزرہ بن ثابت علباء بن احمر یشکری اور حضرت ابو زید انصاری) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ظہر تک ہم سے خطاب فرماتے رہے پھر ظہر کی نماز کے بعد عصر تک خطاب فرمایا، پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر غروب تک اسی طرح خطاب فرمایا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے ان سب خطبوں میں تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک تمام کوائف کا ذکر فرمایا اور ہم نے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔

اس روایت کو قریباً اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طریق سے اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں بعنوان "کتاب الفتن" کے ذیل میں یعقوب بن ابراہیم الدورقی، حجاج بن شاعر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا، کہ ان تمام حضرات کی بیان کردہ یہ حدیث نبوی ﷺ اصلاً یکے بعد دیگرے ابی عاصم، ضحاک بن مخلد، عزرہ، علباء، ابی زید بن عمرو بن اخطب بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

فصل

خالق کون مخلوق کون؟...... اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

"اللہ خالق کل شیء وھو علی کل شیء وکیل"

اس لئے حقیقت میں وہی ہر چیز کا خالق ہے اور باقی تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں اور وہی ان تمام اشیاء کا منتظم حقیقی ہے اور اس کا عرش وہ چھت ہے جو زمین کی سطح سے تحت الثریٰ تک اس مخلوقات جامد اور ناطق کے اوپر قائم اور دائم ہے اور اس کی ہمیشہ رہنے والی ذات ان سب مخلوقات کی معبود ہے اور یہ مخلوقات اسی کے جبر وقدرت کے تحت مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اسی کے تصرف اور مشیت کے تحت اپنے اپنے کام کر رہی ہیں اور وہی ذات پاک ہر وقت ہر جگہ ان کے ساتھ ہے اور اسے ان کے ہر کام کی خبر اور بصیرت حاصل ہے:

"وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر"

چھ روز میں تخلیق ارض وسماں...... تمام بڑے بڑے علماء اس بات پر متفق ہیں اور اس میں بالکل شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے۔

البتہ اگر اس ضمن میں ان علماء کرام کے درمیان بظاہر کوئی اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا ان چھ دنوں سے وہی دن مراد ہیں جن کا ہم اس دنیا میں شمار کرتے ہیں یا جو بتایا گیا کہ وہ دن مراد ہیں جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے، علاوہ ازیں یہ کہ آیا زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ان چھ دنوں سے پہلے بھی کوئی چیز تخلیق ہوئی تھی یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مفصل گفتگو کریں گے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ پر بحث کر چکے ہیں۔

بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ان کے درمیان کوئی چیز موجود نہیں تھی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تخلیق سے پہلے ان کے درمیان کوئی چیز موجود تھی۔ جس کے ثبوت میں وہ لوگ قرآن کریم سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وھو الذی خلق السموٰت فی ستۃ ایام الأرض و کان عرشہ علی الماء"

یعنی اس نے زمین اور آسمانوں کو چھ روز میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

جیسا کہ حدیث عمران میں موجود ہے۔ (جس کا آگے چل کر ہم ان شاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔)

تخلیق کائنات سے پہلے خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی بلکہ کائنات ایک دم سے عدم سے وجود میں آئی۔

"کان اللہ ولم یکن قبلہ شیء و کان عرشہ علی الماء...... الخ"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بہز، حماد بن سلمہ، ابو یعلیٰ ابن عطاء، وکیع بن حدس اور رزین لقیط بن عامر عقیلی کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ ﷺ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ہمارا رب کہاں تھا؟" اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ لامکاں میں تھا جس کے اوپر اور نیچے ہوا کی خلا تھا، پھر اس نے اپنا عرش پانی پر تخلیق فرمایا"۔

سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی؟...... امام احمد نے یہی حدیث مبارکہ یزید بن ہارون اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں سوالاً جواباً یہی الفاظ بیان کیے ہیں جن کا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اخراج کرتے ہوئے اسے "روایت حسن" کہا ہے، تاہم ترمذی رحمۃ اللہ نے یہ حدیث احمد بن منیع، ابن ماجہ، ابی بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن صباح کے الفاظ میں یزید بن ہارون کے حوالے سے بیان ہے لیکن اس بارے میں علمائے دین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی چیز تخلیق فرمائی۔ کچھ علماء کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کے بعد باقی تمام اشیاء تخلیق فرمائیں۔

www.ahlehaq.org

ابن جریر اور ابن جوزی نے بھی یہی بات اختیار کی ہے، جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے باریک بادل پیدا فرمایا تاہم ان جملہ اصحاب نے اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کیا ہے جو امام احمد، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا اور قلم نے (اس کے حکم سے) وہ تمام موجودات کون و مکان جو روز ازل سے تا قیامت وجود میں آنے والی تھیں لکھ دیں)۔

اس حدیث مبارکہ کی روایت کے الفاظ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں تاہم اس حدیث کو حسن اور صحیح کے ساتھ غریب بھی لکھا ہے، لیکن حدیث نبوی کے ان الفاظ پر جمہور علمائے دین کا اتفاق ہے۔

عرش کی تخلیق پہلے ہوئی ...... حافظ ابو العلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

"ان العرش مخلوق قبل ذالک"

"سب سے پہلے یعنی قلم سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی"۔

بہر حال یہ ابن جریر کی روایت ہے جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسی کی سند پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابو طاہر نے یکے بعد دیگرے احمد بن عمر بن سرح، ابن وہب، ابو ہانی خولانی، ابی عبدالرحمن الحبلی اور عبداللہ بن عمر ابن العاص کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"اللہ تعالیٰ نے ارض و سماوات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام موجودات کی تصاویر بنادی تھیں اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ان مخلوقات سے پہلے قلم کی تخلیق ہوئی"۔

اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل یمن نے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا کہ موجودات عالم میں سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے پہلے کوئی شے نہیں تھی۔

تاہم بعض روایات میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

"وکان عرشه علی الماء وکتب فی الذکر کل شیء وخلق السموات والارض"

لیکن تخلیق عالم کے سلسلے میں اہل یمن نے حدیث کے وہ الفاظ بیان نہیں کیے جو ابن رزین کی روایت کردہ حدیث میں موجود ہیں جنہیں ہم نے اوپر سطور میں من وعن نقل کیا ہے۔

ایک اور روایت ...... البتہ ابن جریر اور متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے قبل پانی پیدا فرمایا تھا۔ سدی نے ابن مالک، ابی صالح، ابن عباس اور مرہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے نیز متعدد دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان کیا ہے کہ:

"ان اللہ کان عرشه علی الماء ولم یخلق الماء"

یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے قبل کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمائی تھی۔

بہر حال ابن جریر ہی نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عزوجل نے نور و ظلمت تخلیق فرمائے پھر انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے ظلمت کو رات کی تاریکی اور نور کو روشن دن کی شکل عطا فرمادی"۔

ابن جریر کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی کہا ہے کہ:

"ہمارے رب نے قلم کے بعد کرسی، کرسی کے بعد عرش کی تخلیق فرمائی جس کے بعد ہوا اور ظلمت پیدا کیے اور اس کے بعد پانی پیدا کیا اور اس پر اپنا عرش مقرر فرمایا"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.ahlehaq.org

فصل

عرش کی صفات۔۔۔۔۔ عرش و کرسی کی صفات جو قرآن شریف میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔۔۔ الرحمن علی العرش استوی"۔

۲۔۔۔ رفیع الدرجات ذو العرش۔

۳۔۔۔ فتعالی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم۔

۴۔۔۔ لا الہ الا ھو رب العرش العظیم۔

۵۔۔۔ وھو الغفور الودود ذو العرش المجید۔

۶۔۔۔ ثم استوی علی العرش۔

۷۔۔۔ الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ و یستغفرون للذین آمنو ربنا وسعت کل شئی رحمۃ وعلماً۔

۸۔۔۔ ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ

۹۔۔۔ وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم

دعائے کرب اور عرش کا ذکر۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ صحیح البخاری میں جو دعائے کرب آئی ہے اس میں عرش کا ذکر یوں آیا ہے:

"لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم، لا الہ الا اللہ رب العرش الکریم، لا الہ الا اللہ رب السموات ورب الارض ورب العرش الکریم"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور یحییٰ بن علاء نے اپنے چچا شعیب بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ سماک بن حرب نے عبداللہ بن عمیرہ، احنف ابن قیس اور عباس بن عبدالمطلب کے حوالے سے روایت کی کہ ایک روز وہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس مکے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھ کر بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا یہ جو تم دیکھ رہے ہو کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ یہ بادل ہیں" اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا "کیا ان میں مزن (بارش) نہیں ہے" ہم نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ مزن بھی ہے" اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا "اور عنان؟" یہ سن کر ہم چپ رہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "اصحاب و عنان میں پانچ سو سال کی دوری ہے" اس کے بعد مذکورہ بالا اصحاب کے بقول آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک راستہ کھلا ہوا (صاف) ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے خلائی بحر ہے جیسا زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے، ساتویں کے اوپر آٹھ چڑھائیاں ہیں جیسی کہ زمین اور پہلے آسمان کے درمیان میں ہیں۔ جن کے بعد نشیب و فراز ہیں عرش کی پہنائی ہے جو عرش الٰہی کہلاتی ہے اور اتنی بلندیوں سے اللہ تعالیٰ کو بنی آدم کے ہر عمل کا علم ہوتا رہتا ہے"

یہ حدیث مبارک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں مروی ہے جسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے ہاں سماک کی بیان کردہ حدیث بتا کر نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارک کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث حسن بتایا ہے ویسے اس حدیث کی روایت میں کئی دیگر حضرات بھی شریک ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اصلاً سماک کی روایت کردہ ہے اور اس میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کچھ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کے متعلق جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بحث چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے تم پر کیا تم عرش و فرش اور ارض و سما اور ان کے درمیان جو خلائی فضا وغیرہ ہے اس کے بارے میں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ان سب پر محیط اور اس کی ذات پاک عظیم ترین ہے"

ابن بشار کی روایت اس حدیث کی لفظی توضیح کے بارے میں ہیں "ان اللّٰہ فوق عرشہ فوق سمواتہ" ہے جس کے بعد حدیث نبوی ختم ہوتی ہے۔ اس حدیث کو عبدالاعلیٰ، ابن مثنیٰ اور ابن بشار نے بھی یعقوب بن عتبہ، جبیر بن محمد بن جبیر اور ان کے والد اور دادا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن سعید کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے صحیح بتایا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر جس جماعت کو اتفاق ہے ان میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس حدیث کو ایک اور جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔ بہر حال احادیث کا جو نسخہ ہمیں دستیاب ہوا ہے اس میں اس حدیث کو عبدالاعلیٰ، ابن مثنیٰ اور ابن بشار کی جماعت سے منسوب کیا گیا ہے اور اس سے استخراج ابوداؤد نے کیا ہے۔

بہر حال حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی نے اس حدیث کے خلاف اور اس کی رد میں جزوی طور پر باقاعدہ ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس کا نام "بیان الوھم والتخلیط الواقع فی حدیث الاطیط" رکھا ہے اور اس کے راویوں میں سے صرف محمد بن اسحٰق پر طعنہ زنی کی ہے اور اس میں لوگوں کے کلام کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس لفظ کا ذکر ابن اسحٰق کے علاوہ دوسرے متاخرین کے ہاں اس حدیث کے سلسلے میں اکثر ملتا ہے مثلاً عبد بن حمید اور ابن جریر نے اس کی شرح کرتے ہوئے اور ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اپنی کتابوں "کتاب السنۃ" میں اسی عنوان سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے نیز بزار نے اپنی مسند اور حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب "مختارہ" میں ابی اسحٰق سبیعی کے ذریعہ عبداللہ بن خلیفہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ "ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا" یا رسول اللہ (ﷺ) میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے (مرنے کے بعد جنت میں داخل فرمائے" تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا ذکر فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا "کیا تم جنت اور خدائے بزرگ و برتر کے عرش و کرسی کو اپنی دنیاوی فضا کی طرح کوئی محدود چیز سمجھتی ہو" اور مذکورہ بالا راویوں کے بقول جنت اور عرش و کرسی کی چوڑائی اور اس کی وسعت کا ذکر فرماتے ہوئے اسی لفظ "اطیط" کا اضافہ فرمایا۔ عبداللہ بن خلیفہ کے نزدیک بہر حال یہ حدیث غیر مشہور اور اس میں حضرت کا حوالہ محل نظر ہے اور جن دوسرے راویوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اسے حدیث مرسل ٹھہرایا ہے اور ہمارے خیال میں بھی اس میں غریب اضافے ہیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو جو جنت کے اعلیٰ و اوسط درجات ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے" اس حدیث نبوی ﷺ کو ہمارے شیخ حافظ مزی نے "حدیث حق" میں بتاتے ہوئے لفظ "فوقہ" کی جگہ "اعلاھا" اور اس کے بعد عرش الرحمٰن" لکھا ہے لیکن بعض کتب احادیث میں راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اہل فردوس عرش کی طرف سے آتی ہوئی "اطیط" (آواز) بھی سنیں گے جو (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعظیم ہوگی" جس کا مطلب فردوس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی قربت ہے۔

مجموعہ احادیث صحیح میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "سعد بن معاذ کی موت سے عرش خوش ہوا۔

حافظ بن حافظ محمد ابن عثمان بن ابی شیبہ اپنی کتاب صفت العرش میں بعض اسلاف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرش کی تخلیق یاقوت احمر (سرخ) سے ہوئی اور اس کا قطر ایک طرف سے دوسری طرف تک پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے اور جیسا کہ ہم نے ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہ کے ارشاد "تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ارشاد ربانی کے مطابق ملائکہ اور روح کے روزانہ چڑھنے کی مسافت پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور یہ کہ عرش سے زمین کی طرف فرشتوں اور روح کی یہ آمد و رفت ہر بار پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہوتی۔ متکلمین میں سے بعض کے نزدیک ہے کہ عرش فلک مستدیر ہے اپنی ہر جانب سے عالم پر محیط ہے اور اس لئے عرش کو فلک نہم اور فلک الاطلس و اثیر کا نام دیا ہے لیکن یہ بات شریعت کے خلاف ہے اس سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عرش کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے پائے ہیں انہیں کوئی اٹھائے ہوئے ہیں جب کہ کسی آسمان کے پائے نہیں ہیں اور وہ بے ستون قائم ہیں یعنی انہیں کوئی اٹھائے ہوئے نہیں۔ پھر یہ کہ عرش جنت کے اوپر ہے اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت کے سو درجات ہیں اور ان کے ہر درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی درجے کے فاصلے کے برابر ہے چنانچہ عرش و کرسی کے مابین جو فاصلہ ہے اسے آسمانوں کے درمیانی فاصلے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

www.ahlehaq.org

عرش کی لفظی تحقیق ۔۔۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عربی لغت کے لحاظ سے عرش سریر یعنی تخت کا نام ہے جس کا معنی اونچا ہے یعنی ویسا ہی تخت جیسا بادشاہوں کا ہوتا ہے۔

عرش ایک تخت ہے ۔۔۔ وہ "عرش عظیم" ہے جو قطعی طور پر فلک نہیں ہو سکتا اہل عرب اسے فلک سمجھ سکتے ہیں چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اہل عرب عرش کو فلک کس طرح کہہ سکتے یا سمجھ سکتے ہیں؟ اس لئے کہ عرش واقعۃً ایک تخت ہے جس میں پائے ہیں اور اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ایک گول گنبد کی شکل ہے جو مخلوقات کی چھت ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به ویستغفرون للذین آمنوا

یعنی وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے چاروں طرف اپنے رب کی حمد میں مصروف رہتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں۔

یہ فرشتے جیسا کہ ہم حدیث اوعال میں پہلے بیان کر چکے ہیں تعداد میں آٹھ ہیں اور عرش کو اپنی پشتوں پر لئے ہوئے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ویحمل عرش ربک فوقهم یومئذ ثمانیة"

"اور تیرے رب کا عرش اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے رہتے ہیں"۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جن میں سے چار فرشتے کہتے رہتے ہیں:

"سبحانک اللهم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک"

اور چار فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں:

"سبحانک اللهم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک"

جو حدیث اس بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں "ہم سے عبداللہ بن محمد یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدۃ بن سلیمان نے محمد بن اسحاق، یعقوب بن عتبہ، عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ بن ابی الصلت کے جن اشعار کو سن کر ارشاد فرمایا ۔۔۔ "سچ کہا"۔

فرمایا ۔۔۔ وہ اشعار یہ ہیں:

"رجل وثور تحت رجل یمینه
والنسر للاخری ولیث مرصد"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سچ کہا"۔ پھر اس نے کہا

"والشمس تطلع کل آخر لیلة
حمراء مطلع لونها متورد
تابی فلا تبدو لنا فی رسلها
الا معذبة والا تجلد

ترجمہ ۔۔۔ سورج طلوع ہونے میں پس و پیش کرتا ہے، پھر وہ حسب دستور زیر عذاب اور زیر عتاب ہو کر طلوع ہوتا ہے۔

ان اشعار کے بارے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے "سچ کہا" ارشاد فرمایا جو صحیح الاسناد راویوں اور ثقہ اصحاب سے مروی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ عرش الٰہی کے حامل چار چار فرشتے ہیں جو ہر روز یکے بعد دیگرے اسے اٹھائے رہتے ہیں۔(۱)

---

(۱) ۔۔۔ اس شعر کے بعد امیہ بن ابی صلت کے اشعار ہیں جو حصہ دوم کے صفحہ ۸۹۶ پر موجود ہیں۔

www.ahlehaq.org

ایک عرض...... لیکن ان چار فرشتوں کے بارے میں ان کی تعداد وصفات کا اثبات جو ہم نے ان اسناد کی بناء پر کیا ہے وہ اگرچہ حدیث اوعال سے متعارض ہے لیکن اس کی ہم تردید نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

کرسی کیا ہے؟...... ابن جریر نے جویبر کے واسطے سے حسن بصری کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ در حقیقت کرسی ہی عرش ہے۔

لیکن اس حدیث کی روایت حسن بصری سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کرسی کے بارے میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضرت حسن بصری نے کہا ہے وہ یہ کہ کرسی عرش کے علاوہ دوسری کوئی چیز ہے اور انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک آیت کریمہ (وسع کرسیہ السموات والارض) پیش کی ہے اور کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے کرسی کے بارے میں صحیح حدیث کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا ہے تاہم انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری، عمار دہنی، مسلم بطین، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ اس کا استناد شیخین (رضی اللہ عنہما) سے کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کرسی کو "موضع قدمین" کہہ سکتے ہیں لیکن عرش کی مقدار و وسعت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

اس روایت کو شجاع بن مخلد الفلاس نے اپنی تفسیر میں درج کرتے ہوئے اسے "حدیث مرفوع" بتایا ہے اور اس کی صحت کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان پر موقوف ظاہر کیا ہے۔ ویسے کرسی کا بیان جو ابن جریر سے ابو موسیٰ اشعری، ضحاک بن مزاحم، اسماعیل بن السدی الکبیر اور مسلم البطین کے حوالے سے مروی ہے اس میں السدی کے بقول کرسی کو عرش کے نیچے بتایا گیا ہے۔ السدی نے یہ بھی کہا ہے کہ زمین اور تمام آسمان کرسی کے درمیان ہیں اور خود کرسی عرش کے درمیان ہے۔

ابن جریر نے ابن ابی حاتم اور ضحاک کی طرح بیان کیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی پہلے سات طبقات میں منقسم تھیں لیکن بعد میں ایک ساتھ جڑ کر کرسی کی وسعت میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ایک جگہ سمٹ گئیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے یونس اور ابن وہب نے ابن زید کی زبانی بتایا کہ ان کے والد نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

"کرسی عرش سے ایک لوہے کے حلقے کی طرح ملحق ہے جیسے میری کمر کے گرد خاکی دائرہ ہو اور کمر اس دائرے سے ملحق ہو"۔

لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے اور ان سے بطریق موصول روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابو بکر بن مردویہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن احمد طبرانی، عبداللہ بن وہب مقری، محمد بن ابی سری عسقلانی اور محمد بن عبداللہ تمیمی نے قاسم بن محمد ثقفی، ابی ادریس خولانی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عرش کی کرسی پر فضیلت...... "جس ذات پاک کے قبضے میں میری جان ہے اس کی قسم سات آسمان اور سات زمینیں (زمین کے سات طبقات) اس کے ماسوا کرسی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں (اور کرسی بھی اس حلقے میں) شامل ہے اور کچھ نہیں اس لئے جس طرح کسی اصل شے کو حلقے پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے"۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن وکیع نے کہا کہ ان کے والد یعنی ابن وکیع کے والد نے ابن وکیع سے سفیان، اعمش، منہال بن عمرو اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان اصحاب نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عرش تخلیق عالم سے قبل پانی پر تھا تو پھر پانی کس چیز پر تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پانی ہوا پر تھا اور تمام آسمان

زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کا سب اس چیز کے گرد حلقہ میں تھا جسے کرسی کہا جاتا ہے۔ ابن ہیکل سے بھی اسی طرح کی ایک حکایت مروی ہے۔

ویسے وہب نے ہیکل کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کے گرد آسمانوں اور زمینوں نے فضا کے اطراف سے حلقہ بنا رکھا ہے جسے خطاطہ کی طنابوں سے اسے روک رکھا ہوا اور یہی ہیکل کرسی ہے بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کرسی سے درحقیقت آٹھواں آسمان مراد ہے جس میں ستارے ثبت ہیں اور اسی لئے اسے ثوابت یعنی ٹھہرے ہوئے ستاروں کا آسمان کہا جاتا ہے۔

یہ قول محل نظر ہے...... اس خیال کو جو ہیئت دانوں نے پیش کیا ہے کچھ دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر محل نظر قرار دیا ہے کہ اگر یہ نظریہ تسلیم کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس آٹھویں آسمان کو باقی دوسرے سات آسمانوں سے بڑا تسلیم کیا جائے جو حدیث نبوی ﷺ سے اس بارے میں بالکل متضاد ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس نظریہ کو تسلیم کیے بغیر بھی وہ کرسی کو تمام آسمانوں اور زمین کے طبقات پر محیط سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی آسمان نہیں ہے۔

کرسی اور فلک مترادف نہیں ہیں...... اس کے علاوہ عربی لفظ کرسی کو کسی عربی لغت میں فلک کا مترادف نہیں بتایا گیا۔ ویسے بھی اسلاف نے کرسی کو عرش کا درمیانی حصہ بتایا ہے اور اس سے بھی اس کا فلک ہونا ثابت نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ ہیئت دانوں نے آٹھویں آسمان کا خیال جو ظاہر کیا ہے اس میں ستاروں کے جڑے ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا یہ تمام نظریات اور ان کے بارے میں اختلافی نظریات بھی ان لوگوں کی متعلقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

لوح محفوظ کیا ہے؟...... حافظ ابو القاسم طبرانی فرماتے ہیں کہ (از محمد بن عثمان بن ابی شیبہ منجاب بن حارث ابراہیم بن یوسف اور زیاد بن عبد اللہ نے لیث، عبد الملک بن سعید بن جبیر ان کے والد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا ہے اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے، جس نے اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے نور سے لکھا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر دن کے تین سو ساٹھ لمحے ہیں جن میں تخلیق، رزق، درمیانی موت وحیات اور عروج وزوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام درج کیے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔"

اسحق بن بشیر کہتے ہیں کہ انھیں مقاتل اور ابن جریج نے مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ لوح کے درمیان میں لا الہ الا اللہ، وحدہ دینہ الاسلام ومحمد عبدہ ورسولہ لکھا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد و یکتا ہے، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا (قابل قبول) دین اسلام ہے۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "پس جو شخص خدا پر ایمان لایا اس کے جملہ احکام قبول اور تسلیم کیے اور ان کا اتباع کیا اور اس کے رسولوں کے احکام بھی مانے وہ جنت میں جائے گا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا اس کے علاوہ مذکورہ بالا حضرات کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ لوح محفوظ ایک لوح ہے جو سفید موتی سے بنی ہے۔ اس کا طول زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اس کی جلد موتیوں اور یاقوت سے بنی ہے۔ اس کے اوراق بھی موتیوں اور یاقوت سرخ کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے اور اس میں جو کلام درج ہے وہ عرش سے متصور ہے۔ اس کی اصل یعنی جڑ وہ حیا پتھر کی ہے۔ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوح محفوظ کے بارے میں یہ سب کچھ انہوں نے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بتایا ہے۔

لوح محفوظ ہے کہاں...... انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اسرافیل کے سامنے ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پہلے لوگوں کے بقول بھی یہ لوح اسی سمت میں ہے لیکن مقاتل کے بیان کے مطابق یہ لوح عرش کے دائیں جانب ہے۔

www.ahlehaq.org

”ارض و سماوات اور ان کے مابین اشیاء کی تخلیق کا ذکر
قرآن، احادیث، تفاسیر اور تاریخ، کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

الحمدلله الذی خلق السموات والارض، وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربهم یعدلون

نیز ارشاد فرمایا:

خلق السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام

آیات کی تفسیر...... ان آیات قرآنی کی تفسیر میں مفسرین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے یعنی ان چھ دنوں کی مقدار کیا ہے؟ لیکن جمہور نے ان آیات قرآنی کو اسی طرح مانا ہے جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں اور ان چھ دنوں کو بھی وہی دن سمجھا جو ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ضحاک اور کعب الاحبار کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر دن کی طوالت ہمارے ایک ہزار سال کی طوالت کے برابر ہے۔ یہی روایت ابن حاتم اور ابن جریر کی ہے اور اسی قول کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جس میں انہوں نے فرقہ جہمیہ کے دعاوی کی تردید کی ہے اور دوسرے بہت سے متاخرین نے بھی وہی تسلیم کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بتایا ہے، واللہ اعلم۔ ہم اس موضوع پر آگے چل کر ان شاء اللہ مکمل گفتگو کریں گے۔ ویسے ابن جریر نے ضحاک بن مزاحم وغیرہ کے حوالے سے ان چھ دنوں کے نام ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص اور قرشت بتاتے ہیں۔

ابن جریر نے ان چھ ایام کے ابتدائی تین دنوں کے بارے میں تین اقوال پیش کیے ہیں اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اہل توریت (یہودی) کے بقول سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتدا یوم الاحد یعنی اتوار سے کی لیکن اہل انجیل (نصرانی) کے بقول ابتدائے تخلیق اللہ تعالیٰ نے پیر کے روز سے کی اور ہم مسلمان جیسا کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا تخلیق کائنات کی ابتدا سنیچر کے دن سے بتاتے ہیں، یہی قول ابن اسحاق نے متعدد مسلم فقہا و علمائے کرام کے حوالے سے پیش کیا ہے جن میں شافعی لوگ بھی شامل ہیں۔

بہر حال ہم اس بارے میں حدیث نبوی یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (خلق الله التربة یوم السبت) اور اس کے علاوہ عنقریب وہ اقوال بھی پیش کریں گے جن میں ابتدائے تخلیق کائنات اتوار کے دن سے بتائی گئی ہے۔ ان کے اقوال کے راویوں میں ابن جریر ہیں جنہوں نے یہ اقوال السدی اور ابو مالک کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔

ان دو حضرات کے علاوہ ابن جریر نے ابی صالح، ابن عباس رضی اللہ عنہ، مرہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت کے حوالے دیے ہیں نیز انہوں نے ان میں عبداللہ ابن سلام کی روایت کو بھی شامل کیا ہے۔ چونکہ یہی دن توریت میں آیا ہے اس لیے اکثر علمائے اسلام نے بھی اس سلسلے میں یوم الاحد یعنی اتوار کے روز کو ترجیح دی ہے۔ اور تخلیق کا آخری دن روز جمعہ کو قرار دیا ہے جسے مسلمان عید کے دن کی طرح سمجھتے ہیں، اور اس دن کی فضیلت سے دیگر اہل کتاب کو محروم رکھا۔

یہ تمام باتیں ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ البتہ یہاں وہ آیات قرآنی پیش کر رہے ہیں جن میں تخلیق کائنات کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جا بجا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسوٰهن سبع سموات وهو بکل شیء علیم

اور اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

قل أ ئنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ذلک رب العالمین ...... الخ

www.ahlehaq.org

ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور تخلیق کائنات کی بنیاد ٹھہری، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ الذی جعل لکم الارض قراراً والسماء بناء وصورکم فاحسن صورکم ...... الخ

نیز ارشاد فرمایا:

الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً ...... الخ

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا تعقلون ...... لخ

یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے زمین و آسمان کے درمیان فصل پیدا کیا اور وہاں ہوا پیدا کی اور پھر آسمان سے بارش برسائی اور زمین پر چشمے جاری کر دیئے اور حیوانات کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

وجعلنا السماء سقفا محفوظا وھم عن آیاتھا معرضون

آسمان میں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرے ہوئے ستارے، سیارے اور دوسرے روشن اجرام فلکی پیدا کئے جو خالق ارض و سماں کی حکمت کی واضح دلیل ہیں۔

جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

"وکاین من آیة فی السمٰوٰت والارض یمرّون علیھا وھم عنھا معرضون وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون"

اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ارشاد ہے:

ءانتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا ...... الخ

چنانچہ بعض لوگوں نے اس آیت ربانی کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آسمانوں کی تخلیق زمین کی تخلیق سے پہلے ہوئی۔

گویا حضرات نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کی صریح تردید کے علاوہ اس بات کا بھی صاف اظہار ہے کہ انہوں نے پہلی آیت کریمہ کے علاوہ اس آیت کریمہ کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ اسی وجہ سے یہ آیت صریحاً اس بات کی متقضی ہے کہ ابتداء میں دحی ارضی اور اس سے پانی کے نکالنے کو جو آج بھی ہمیں صاف نظر آتا ہے سمجھا جائے اور یہ سب پہلے تخلیق ارضی اور اس کے بعد تخلیق سماوات کا کھلا ثبوت ہے اور زمین کی یہ اقدار پہلے ہی سے بالقوہ ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا"

یعنی پہلے زراعت، چشموں اور دریاؤں کی جگہ کی تشکیل ہوئی اور پھر اس کے بعد عالم کی سفلی و علوی اشکال کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی جبکہ خود دحی الارض اور اس سے خارج ہونے والی چیزوں یعنی غذائی اشیاء و اثمار وغیرہ اور اجزائے عیون و انہار کو ہیئت مل چکی تھی جو بعث الزرع والاثمار اور زمین سے اخراج آب مرعیٰ اور ارسائے جبال اور زمین کے بارے میں جتنی دوسری چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے مثلاً:

والارض بعد ذلک دحاھا اخرج منھا ماءھا ومرعاھا

اس سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس آیت کریمہ میں ایک بار اور غور کیجئے:

والسماء بنینٰھا باید وانا لموسعون O والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون O ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون

"باید" یعنی "بقوة" "وانا لموسعون" سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانوں کا بلند ہونا وہیں سے ہوا جہاں دوسری چیزیں اس کے پیچھے تھیں اور

www.ahlehaq.org

انہی سے انہیں وسعت ملی۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کرسی کا مقام آسمانوں سے بلند تر ہے اور وہ باقی تمام چیزوں سے وسیع تر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کرسی سمیت تمام دوسری چیزوں سے عظیم تر ہے۔ اس کے بعد اس قول باری تعالیٰ پر غور کیجئے (والارض فرشنها) جس سے مراد "بسطناها" ہے اور (جعلناها مهدا) یعنی ایک ساکن چیز غیر مضطرب جو تمہارے "دسترخوان" کی طرح نہیں ہے اور قول رب العلمین (فنعم الماهدون) ہے۔ یہاں ہر جگہ واؤ سے ترتیب وقوعی نہیں ہے بلکہ اس سے لغت عربی کے مطابق خبریں مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مجھ سے عمرو بن حفص بن غیاث میرے والد (یعنی راوی کے والد) اعمش اور جامع بن شداد نے صفوان بن محرز کے حوالے سے بیان کر کے صفوان بن محرز نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخرالذکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی آگئے تو آپ ﷺ نے ان کا خیر مقدم فرماتے ہوئے فرمایا" آؤ بنو تمیم" اس کے بعد کچھ اہل یمن بھی آپ ﷺ کی خدمت میں اسی وقت حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا بھی اسی طرح خیر مقدم فرمایا جس کے بعد وہ دونوں گروہ اجتماعی طور پر یوں گویا ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے ایک بات پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ

"كان الله ولم يكن شيء غيره وكان عرشه على الماء وكتب في الذكر كل شيء وخلق السموات والارض"

کی وضاحت فرما دیجئے" ابھی آپ ان لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دے ہی رہے تھے کہ کسی شخص نے باہر سے چلا کر کہا: "اے ابن حصین! تمہارا اونٹ بھاگ گیا ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے ٹھیک سے باندھتا"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی اور کتاب التوحید دونوں جگہ اس روایت کے بیان میں دونوں جگہ "ثم خلق السموات والارض" لکھے ہیں اور امام نسائی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور ابن جریج نے بیان کیا کہ انہیں اسماعیل بن امیہ نے ایوب بن خالد، ام سلمہ کے غلام عبداللہ بن رافع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخرالذکر یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین ہفتہ کے روز پیدا کی پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے اور درخت پیر کے روز پیدا کیے، مکروہات منگل کے دن پیدا کیے روشنی بدھ کے روز پیدا کی، چوپائے جمعرات کو پیدا کیے اور اللہ تعالیٰ کی (اس سلسلے میں) آخر تخلیق (حضرت آدم علیہ السلام تھے) جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز آخر ساعتوں میں یعنی عصر سے لے کر رات کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس وقت پیدا کیا۔

یہ حدیث اس ترتیب سے مسلم نے جریج بن یونس اور ہارون بن عبداللہ کے حوالے سے نسائی نے ہارون اور یوسف بن سعید کے حوالے سے اور محولہ بالا تینوں حضرات نے حجاج بن محمد مصیصی الاعور اور ابن جریج کے حوالے سے کم و بیش انہی الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔

نسائی نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، محمد ابن صباح، ابی عبیدہ الحداد، اخضر بن عجلان، ابن جریج، عطاء بن ابی رباح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سات روز میں پیدا کیے جس کے بعد وہ عرش پر ساتویں روز متمکن ہوا اور اس نے مٹی ہفتہ کے روز پیدا کی" اور اس کے بعد وہی ترتیب ذکر کی جو کہ پہلے مذکور ہوئی اس حدیث کو نسائی نے اپنی تفسیر میں اسی ترتیب سے بیان کیا ہے جیسے پہلے مسلم کی روایت کردہ حدیث میں بیان ہو چکی ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ابن جریج کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کو علی بن مدینی، بخاری، بیہقی اور حفاظ میں کچھ دوسرے حضرات کے علاوہ بخاری نے کتاب تاریخ میں درج کیا ہے اور ان میں سے بعض نے کعب کا حوالہ بھی دیا ہے جو صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں عموماً ایک ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

چنانچہ جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی وہ یقیناً کعب احبار نے بھی سنی ہوگی اس لئے کعب احبار کا حوالہ اس کی یقینی صحت پر

دلالت کرتا ہے اور اگر کعب نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہوگی تو انہوں نے یقیناً اس کی تصدیق آنحضرت سے ضرور کی ہوگی لیکن اگر کعب نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحریروں سے نقل کیا ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا عجیب بات ہے اس لئے اس حدیث کو "احادیث مرفوع" میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے پورے متن میں شدید غرابت پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ ساتویں دن کا ذکر بھی ہے جو صریحاً اس آیت قرآنی سے متضاد ہے جس میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ زمین چار دن میں پیدا کی گئی، پھر آسمان دو دن میں پیدا کیے اور وہ آسمان دھوئیں سے پیدا کیے گئے جو پانی کے بخارات ہی ہو سکتے ہیں جو پانی کے اضطراب سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی کا یہ اضطراب یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت بالغہ کے ذریعہ زمین کی سمت سے پیدا ہوا ہوگا جیسا کہ اسماعیل بن عبدالرحمن السدی الکبیر نے ابی مالک، ابی صالح، ابن عباس، مرہ ہمدانی، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور تشریح آیت قرآنی "ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سموات" کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ نون (مچھلی) پانی میں ہوتی ہے اور پانی صفات پر اور صفات ملک کی پشت پر اور ملک چٹانوں پر اور چٹانیں (ہجمد) ہوا پر ہے اور صخرہ (چٹان) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسمانوں کے ساتھ تخلیق کی گئی تھی نہ کہ زمین کے ساتھ پس جب حوت مچھلی حرکت میں آئی اور زمین متحرک ہوئی تو اسے پہاڑوں سے روکا گیا، جس کے بعد وہ ٹھہر گئی۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان میں جو منافع بخش اشیاء ہیں ان سب کو منگل کے روز پیدا کیا، پھر اس نے بدھ کے دن پانی، مدائن، آبادیاں اور ویرانے پیدا کیے، پھر اس نے آسمانوں کو جو ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے جو جمعرات اور جمعہ کو بنائے گئے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ:— روز جمعہ کا نام جمعہ رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس روز زمین و آسمان کی تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہیں ان کے جملہ امور سپرد کیے گئے۔

اس کے راوی نے مذکورہ بالا حوالوں سے بیان کیا کہ آسمانوں کے ساتھ ہی ملائکہ، سمندر، پہاڑ جو برف کے تھے پیدا کیے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تخلیقات عالم کا اسے علم نہیں اور انہیں خدا ہی زیادہ جانتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کواکب سے مزین کرنے کے علاوہ ان کے ذریعہ شیاطین کی راہ مسدود کی اور جب اللہ تعالیٰ اس حد تک تخلیق عالم سے فارغ ہو گئے تو عرش پر متمکن ہوئے۔

یہ تمام باتیں جنہیں السدی نے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بہت عجیب و غریب باتیں شامل ہیں جو اسرائیلی روایات سے لی گئی ہیں۔

جب کعب احبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر وہ باتیں سنائیں جو اس وقت تک اہل کتاب میں مشہور تھیں اور انہوں نے ان باتوں کو ان سے اخلاقاً سن لیا لیکن چند باتوں کے سوا جو شرع مطہرہ و دین سے مطابقت رکھتی تھیں اہل اسلام سے بیان نہ فرمائیں بلکہ انہیں رد فرما دیا تاہم کعب ہی کے ذریعہ وہ اہل اسلام میں بھی مشہور ہو گئیں کہ ان کا ذکر آج تک چلا آتا ہے حالانکہ اسرائیلیات میں اکثر و بیشتر غلط باتیں پائی گئی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امارت میں کعب احبار کی سنائی ہوئی باتوں کو جو پچھلے اہل کتاب میں غلط طور پر مشہور ہوئیں، قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہم نے جو باتیں یہاں بیان کی ہیں ان میں اور اسلام میں قبول کردہ باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہیں چونکہ اسلام میں ان کا دارومدار قرآن و احادیث نبوی ﷺ پر ہے۔

اب ہم ان باتوں کا ذکر کریں گے جو ائمہ کرام نے متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں تاہم ہم نے اس جملہ امور کی تحقیق احادیث صحیح سے کر لی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ اور مغیرہ بن عبدالرحمن قرشی نے ابی زناد، اعرج کے حوالے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان یہ حدیث نبوی بیان کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تخلیق عالم تمام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب (لوح محفوظ) میں جو اس کے عرش کے قریب تھی لکھوایا: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" یہ روایت (حدیث) مسلم اور نسائی نے قتیبہ کے حوالے سے پیش کی تھی بعد میں بخاری نے اپنے ہاں درج کیا ہے۔

زمین کے سات طبقات کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللّٰہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بينهن لتعلموا ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر، وان اللّٰہ قد احاط بکل شیء علما.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کی وضاحت میں ہم سے علی بن عبداللہ نے ابن علیہ اعلی بن مبارک کے حوالے سے بیان کیا اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن ابراہیم بن حارث، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر اور دوسرے لوگوں کے درمیان زمین کی خصوصیات کے بارے میں جھگڑا رہتا تھا جو دشمنی کی حد تک جا پہنچا تھا (ابوسلمہ نے) اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

"اے ابی سلمہ! زمین کے بارے میں جھگڑے سے پرہیز کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی زمین کے سات طبقات کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق جھگڑے کا فریق بنے گا قیامت کے روز بطور سزا ساتوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو کتاب المظالم کے ذیل میں اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن ابراہیم ابی سلمہ نیز یونس، ابان یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اپنی مسند میں تحریر فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ آخر الذکر سے عبداللہ بن موسیٰ بن عقبہ، سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص زمین کے اس حصے پر جو کسی دوسرے کا حق ہو غاصبانہ قبضہ کرے گا زمین کا وہی حصہ قیامت کے روز زمین کے ساتوں طبقات بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المظالم میں مسلم بن ابراہیم، عبداللہ یعنی ابن مبارک کے حوالے سے بھی یہ حدیث پیش کر کے اسے مذکورہ بالا طور سے درج کیا ہے۔

زمین کی فطری ہیئت تخلیق...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سیرین کی زبانی عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا (رحمۃ اللہ علیہ) زمین اپنی فطری ہیئت میں تخلیق سماوات کے دن زمانی اعتبار سے بارہ مہینے کے عرصے میں تخلیق کی گئی۔

آنحضرت کی مراد یہاں واللہ اعلم (شاید) ارشاد باری تعالیٰ (اللّٰہ الذی خلق السموات ومن الارض مثلهن) سے ہو گی یعنی عددی لحاظ سے زمین و آسمان دونوں بارہ بارہ مہینوں میں پیدا کیے گئے جیسا کہ ہم آجکل ایک سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس سے کلام الٰہی میں تخلیق زمین و آسمان کے بارے میں زمانی و مکانی مطابقت پائی جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے عبید بن اسماعیل اور ابو اسامہ نے ہشام اور ان کے والد، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اروی یعنی بنت ابی اوس کی بجھڑ میں کسی کو زمین دے دی اور اس میں بنت ابی اوس کا اشارہ مروان کی طرف تھا تو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں اس کی زمین کا حق مار دوں گا۔ جبکہ "میں نے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا ذرا سا بھی حق زمین سے مارے گا تو وہ سات زمینیں بنا کر قیامت کے روز اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن نے اور ابوسعید یعنی بنی ہاشم کے غلام عبداللہ بن لہیعہ اور عبداللہ بن ابی جعفر نے ابی عبدالرحمن اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا ظلم کونسا ہے؟" تو آپ نے ارشاد فرمایا رحمۃ اللہ علیہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی یعنی کسی دوسرے مسلمان کی ایک گز زمین پر بھی غاصبانہ قبضہ کرنا اور (اس کی سزا میں) زمین کا وہی حصہ کرہ ارضی تک قیامت کے دن اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا" اور آپ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ "قعر ارضی کو وہی جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے"۔

یعنی خود اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں جو اسناد پیش کی گئی ہے ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان سے عفان اور سہیل نے اپنے والد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی یہی حدیث انہی الفاظ میں بیان کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس حدیث کے بیان کی ذمہ داری مسلم کی طرف سے منسوب کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مسلم کی ذمہ داری پر یحییٰ ابن عجلان کی زبانی جنہوں نے بیان کیا کہ ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی نیز مسلم ہی کی ذمہ داری پر عفان اور ابوعوانہ کی زبانی عمیر بن ابی سلمہ اور ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث اپنے ہاں پیش کی ہے۔

ان کے علاوہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاں وہ جملہ احادیث بھی متعدد ثقہ راویوں اور متعدد مستند حوالوں سے بیان کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان راویوں سے مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین و آسمان کے ہر طبقے کے درمیان خالق کائنات نے جو فصل رکھا ہے اسے جانتے ہیں اور ان کے اس جواب پر کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں" آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے ہر طبقے کا درمیانی فصل اللہ تعالیٰ نے سات سو سال کی مسافت کے بقدر رکھا ہے"۔ بعض روایات میں پانچ صد سال کا ذکر بھی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فصل کا جو سات سو سال کی مسافت کے بقدر رکھا گیا ہے وہ ہمارے دنیوی برسوں کی مسافت کے بقدر ہے یا وہ فصل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یا وہ فصل ہے جو کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ عزاسمہ کے علاوہ اس کا رسول برحق ﷺ جانتا ہے۔

اس سے قبل عرش کی صفات کے سلسلے میں احادیث و اقوال کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور کیا ہے اور اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے علاوہ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ "طوقه من سبع ارضين" کا حوالہ دیا ہے زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور اس کے ساتھ طبقات سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن یہ بیان ظاہری طور پر آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے جو دیگر مستند حوالوں کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی صحیح طور پر بیان کی گئی ہے خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم۔

ویسے جو احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں اور ان میں زمین کے سات طبقات کے بارے میں آنحضرت کا ارشاد کہ اس کے سات طبقات ہیں دو مستند راویوں کے حوالوں سے پیش کی گئی ہیں نیز ان میں آسمانوں کے درمیانی فصل کے علاوہ زمین کے مختلف طبقات کے درمیان فصل کا بھی ذکر آچکا ہے۔

اس کے علاوہ علماء اہل کتاب اور ہمارے دینی علماء نے جو پیدا کرلیا ہے کہ زمین کا اوپری طبقہ یعنی اس کی سطح مٹی کی ہے اس کے نیچے دوسرا طبقہ ریت پر مشتمل ہے اور تیسرا طبقہ حجریات پر وغیرہ وغیرہ تو اس کے کوئی شواہد موجود ہیں نہ ان کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اس لئے ان کے بیانات کی ذمہ داری خود ان کے بیان کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے ان بیانات کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے راوی بیہقی ہیں جنہوں نے انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کیا ہے اور خود ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں یقیناً "اسرائیلیات" سے اخذ کر کے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید اور عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ

www.ahlehaq.org

آخر الذکر سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس کے استقرار کے لیے پہاڑ تخلیق فرمائے تو فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت کوئی چیز پیدا کی ہے؟" تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا "ہاں لوہا"۔ اس کے بعد فرشتوں نے پوچھا یارب! کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟ تو جواب ملا "ہاں آگ"۔ پھر فرشتوں نے پوچھا اور آگ سے زیادہ شدید کوئی چیز؟ تو جواب ملا: ہوا۔ اس کے بعد جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا اور ہوا سے زیادہ بھی کوئی اور شدید چیز؟" تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہوا سے زیادہ شدید وہ انسان ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے لیکن بائیں جانب کو خبر نہیں ہوتی۔" اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔

ہیئت دانوں نے زمین پر پہاڑوں کی تعداد شمار فرما کر ان میں سے ہر ایک کی وسعت، طوالت اور بلندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا یہاں بیان طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ وقد قال اللہ تعالیٰ ومن الجبال ...... ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے رنگ سفید، سرخ اور سیاہ وغیرہ فرمائے ہیں اور یہ بات روئے زمین پر پہاڑوں کو دیکھنے سے بغیر دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص طور پر جودی پہاڑ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی جگہ کا تعین بھی فرمایا ہے۔ یہ عظیم پہاڑ جزیرہ ابن عمر کے مشرق میں دریائے دجلہ کی سمت میں واقع ہے۔ موصل کی طرف اس کے حدود شمال سے جنوب کی جانب تین دن کی مسافت پر ہیں اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تقریباً نصف دن درکار ہوتا ہے یہ ایک سرسبز و شاداب پہاڑ ہے کیونکہ اس پر بلوط کے درخت کثرت سے ہیں جو اس بستی تک پھیلے ہوئے ہیں جسے آج کل "قریہ الثمانین" کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے لوگوں کی نسل کے لوگ آباد ہیں اور اس کا ذکر متعدد مفسرین نے بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

سمندر اور دریا...... اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے کلام پاک کی آیات شریفہ میں سمندروں اور دریاؤں کا ذکر فرمایا: کہ تم ان سے کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ ایسی چیزیں بھی حاصل کرتے ہو جن سے تم اپنے لباس بناتے ہو جو سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو اور آسمان کے ستاروں سے راستے کی صحیح سمت معلوم کرتے ہو وغیرہ وغیرہ جن کا تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں سے جو نعمتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا بھی ان آیات شریفہ میں ذکر فرمایا مثلاً:

۱ ...... "وھو الذی سخر لکم البحر لتاکلوا منہ ...... الخ" (نحل ۱۴)

۲ ...... "وما یستوی البحران ھذا عذب فرات سائغ ...... الخ" (فاطر ۱۲)

۳ ...... وھو الذی مرج البحرین ...... الخ" (الفرقان ۵۳)

بحرین سے کیا مراد ہے؟...... بحرین سے مراد سمندر اور دریا ہیں کہ سمندر کا پانی کھارا اور بعض جگہ کڑوا ہوتا ہے لیکن ان سے بھی خوراک (مچھلیاں وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں نیز وہاں سے ایسی اشیاء اور جانور وغیرہ حاصل ہوتے ہیں جن سے انسان لباس بناتا ہے لیکن دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور دریا سے جو شہروں کے قریب یا ان کے درمیان بہتے ہیں، ان کے علاوہ بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً ان سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ان تخلیقات کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے عطا فرمائی ہیں تاکہ تم ان کا ذکر کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے رہو۔ یہ تشریحات ابن جریج کے علاوہ متعدد ائمہ اسلام نے کی ہیں ان آیات کے علاوہ درج ذیل دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جو اس کے لئے فوائد کا ذریعہ ہیں مثلاً:

۱ ...... "ومن آیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشاء یسکن الریح ...... الخ" (شوریٰ ۳۲، ۳۳)

۲ ...... "الم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمۃ اللہ ...... الخ" (لقمان ۳۱، ۳۲)

۳۔۔۔۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر ۔۔۔۔ الخ
(البقرہ ۱۶۴)

آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر "ھو الطھور ماؤہ والحل میتتہ" ان آیات شریفہ کی جامعیت بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے دریاؤں کے پانی کو صاف و شفاف اور میٹھا بنایا اور ان کے منابع زمین میں رکھے اور ان کے پانی کو ان کی آخری حد تک پھیلایا اور انسان کو ان کے حسب منشاء پینے اور استعمال کرنے کا اختیار دیا اور اسے انسان کے رزق کا ذریعہ بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان پر اس کے رحم و کرم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے اس کی حکمت کے علاوہ اس کا کامل اختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

بحر مسجور۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والبحر المسجور" کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ بحر ہے جو عرش کے نیچے ہے اور جس کا ذکر حدیث احوال میں آیا ہے یعنی وہ سات آسمانوں کے اوپر نیچے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان بھی ہے۔ اور اسی بحر سے قبل البعث ایسی بارش ہوگی کہ مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اس میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ وہاں سے زمین پر بارش ہوتی ہے بادلوں کے ذریعہ۔ اور اس بارش سے زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ یعنی زراعت و نباتات کے لئے دوبارہ قابل نشوونما بنادی جاتی ہے۔ یہ قول ربیع بن انس کا اختیار ہے جب کہ اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام سمندر جو زمین پر ہیں مراد ہے اور عام جنس ہے۔

"بحر مسجور" اس بارے میں جو مفسرین نے مختلف تفاسیر بیان کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ بحر مسجور سے مراد بحر "مملو" ہے۔ یعنی بھرا ہوا۔ دوسری یہ کہ اس سے مراد وہ دریا ہے جو روز قیامت آگ بن جائے گا اور جہنمیوں کا احاطہ کرے گا۔ اس کے علاوہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ بحر ممنوع، مکفوف اور محروس ہے کہ جب اس میں طغیانی آتی ہے تو زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہ روایت والبی کی ہے۔ جسے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ سدی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان سے یزید، عوام اور ان کے شیخ نے بیان کیا کہ عمر بن الخطاب کے غلام ابو صالح، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات سمندر جوش و طغیانی میں آکر نافرمان اور سرکشوں کو غرق کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتے ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ عوام بن حوشب کے شیخ روایت کرتے ہیں کہ ان کی ساحلی علاقوں کی نگرانی کی ذمہ داری تھی کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ سمندر شدید جوش اور طغیانی میں تھا۔ اس کی لہریں بلند و بالا پہاڑوں کو چھو رہی تھیں۔ میں نے اس کا ذکر ابو صالح سے کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کا مندرجہ بالا فرمان نقل کیا کہ سمندر جوش اور طغیانی میں آکر اللہ تعالیٰ سے نافرمانوں کو غرق کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ الخ۔

سمندر کی طغیانی اور اس کے مدوجزر کو مسخر کر کے انسانوں کے لئے مال تجارت کے نقل و حمل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس میں اس کی خوراک کے لئے مچھلیوں کے علاوہ ایسے قیمتی اور بیش بہا جواہرات اور موتی پیدا کئے ہیں جو اسے کہیں اور سے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ روایت امام احمد اور ابن ماجہ کی بھی ہے۔ لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔

حافظ ابو بکر نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ ان کی نظر سے ایک کتاب گزری جس میں معاویہ بغدادی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمر، سہیل بن ابی صالح ان کے والد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی دو جہت پیدا فرمائی ہیں۔

(۱) ۔۔۔۔ جہت غربی۔
(۲) ۔۔۔۔ جہت شرقی۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جہت غربی سے کہا کہ میں تیرے پاس اپنے کچھ بندوں کو بھیجوں گا تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

www.ahlehaq.org

کہنے لگا کہ میں غرق کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری یہ طاقت اور قوت تجھے ہی کافی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو معدنیات، جواہرات اور بحری شکاری مخلوق کی نعمت سے خالی کر دیا۔

پھر جہت شرقی سے مخاطب ہوا اور فرمایا کہ میں تیرے اندر اپنے کچھ بندوں کو بھیجوں گا تو ان سے کیا سلوک کرے گا؟

کہنے لگا اسے عزت دوں گا۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی بے شمار نعمتوں کو پیدا فرمایا۔ لوگ اس سمندر کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جہت غربی کے سمندر کو بحر مردار قرار دے دیا گیا۔ جس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

سہیل نے عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمر کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے منکر بتایا گیا ہے اور سہیل نے عبدالرحمن بن ابی عیاش بن عبداللہ بن عمرو جو بیان کیا ہے اسے موقوف قرار دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمرو کے بیان پر موقوف ہونا زیادہ واضح ہے کہ ان کو یرموک کے موقعہ پر اہل کتاب کے علوم کی کتابوں کو دو تھیلے ملے تھے جن میں معروف و مشہور اور کچھ منکر و مردود اسرائیلی روایات تھیں۔ ان میں جو معروف روایات تھیں انہیں عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب ابوالقاسم مدنی قاضی نے روایت کے لئے چن لیا ہے۔ لیکن اس کے بارے امام احمد نے کہا ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں جو انہوں نے قاضی مذکور کی زبانی نہ سنی ہو بلکہ اور بے شمار باتیں بھی سنیں لیکن چونکہ قاضی مذکور روایت احادیث کے بارے میں ثقہ نہیں سمجھے جاتے اس لئے باقی تمام باتوں کو جو انہوں نے سنا تھا میں رد کر دیا گیا اس طرح ان تمام باتوں کو جو اسرائیلیات میں موجود ہیں ابن معین، ابوزرعہ، ابو حاتم، جوزجانی، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف اور خلاف واقعہ قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ اسرائیلیات میں مذکور تقریباً تمام باتیں اور احادیث منا کیر ہیں جن میں حدیث بحر بھی شامل ہے جسے ابن عدی نے ضعیف ترین بتایا ہے۔

علمائے تفسیر اور متکلمین نے زمین کے طول و عرض، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں، ویرانوں، شہروں، ان کی عمارت، اقالیم سبعہ یعنی سات اقالیم جو درحقیقت ان کی اپنی اصطلاح ہے، متعدد مشہور ممالک، شہروں اور دیگر مقامات کے محل وقوع، آب و ہوا، خواص، وہاں کی نباتات اور جمادات جن میں جواہرات وغیرہ کی کانیں بھی شامل ہیں نیز جو تجارتی اشیاء وہاں دستیاب ہیں سب کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زمین کے تین حصے پانی سے ڈھکے ہوئے ہیں جو کہ ۹۰ فیصد ہے اور اللہ تعالیٰ نے باقی کو اپنے بندوں کی زندگی اور ان کی گزر اوقات کے لئے باقی رکھا ہے جہاں حیوانات پرورش پاتے ہیں، زراعت ہوتی ہے اور وہاں کے باغوں میں تازہ پھل پھول پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والارض وضعها للانام فيها فاكهة والنخل ذات الاكمام والحب ذو العصف والريحان فبای آلاء ربكما تكذبان"۔

کہا جاتا ہے کہ ابتداء سے زمین کم و بیش تین حصوں میں منقسم تھی اور اس کے ۵۵ درجات تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے آسائش اور ان کی گزر بسر کے لئے سمندروں کو وہاں سے الگ رکھا۔ اس نے سمندروں کو بھی تقسیم فرمایا، ان میں سے بحر غربی کو اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ جہاں مغربی ممالک ادھر ادھر آباد ہیں اور ان کے درمیان کافی فصل ہیں۔

اس سمندر میں جزائر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس سمندر میں کشتی رانی یا جہاز رانی قریباً ابھی تک ناممکن سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اسے اموال تجارت کے حمل و نقل کا ذریعہ بھی نہ بنایا جا سکا کیونکہ یہ سمندر اکثر طوفانی رہتا ہے اور اس میں سربفلک موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور بہت تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں چنانچہ وہاں شکار بھی ناممکن ہے۔ البتہ اس کے جنوب میں جبال "القمر" ہیں جو دریائے نیل کا منبع کہلاتے ہیں اور اس کے قریب خط استواء ہے۔ یہ سمندر شرقی جانب زمین کے جنوبی حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہاں زنج کی "جزائر الزنج" کے نام سے کچھ جزائر مشہور ہیں۔ لیکن اس کے ساحلی علاقے ویران ہیں۔ یہ سمندر شرقاً و شمالاً پھیلتا ہوا بحر چین اور بحر ہند سے جا ملتا ہے تا بہ مشرقی جانب زمین کی حد تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

سمندر جو آج کل بلاد چین تک پھیلتا چلا گیا ہے وہی چین کی مشرقی جانب بڑھ کر شمال کی طرف مڑ گیا ہے جہاں وہ دیوار آ جاتی ہے جسے "یاجوج ماجوج کی دیوار" (دیوار چین) کہتے ہیں۔ پھر یہی سمندر نامعلوم مقامات تک چلا گیا ہے لیکن اس کے مغربی اور شمالی جانب روسی شہر ہیں، پھر مغربی اور جنوبی اطراف میں بڑھ کر جب مغربی سمت میں پھیلا ہے تو اس زمین کے حصے تک چلا گیا ہے جو "ارض زقاق" کہلاتی ہے جس کے مغرب میں شام کے علاقے آ جاتے ہیں اور پھر یہی سمندر ارض روم کی طرف بڑھ کر روسی شہروں قسطنطنیہ وغیرہ سے جا ملا ہے۔ مشرقی سمندروں میں جزائر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور بحر ہند تک اس میں تقریباً سات سو جزیرے آباد ہیں اور بقیہ جزائر ویران پڑے ہیں۔ اس سمندر کو "بحر اخضر" کہا جاتا ہے جس کے مشرق میں "بحر چین" مغرب میں بحر یمن اور شمال میں بحر ہند ہے مگر اس کے جنوب کے علاقے اب تک نامعلوم و نامعروف ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بحر ہند اور بحر چین کے درمیانی فاصلے میں پہاڑ بھی واقع ہیں۔ ان میں آبی گذرگاہیں ہیں۔ ان کے کنارے سے گزرتے ہوئے ہند و چین کے درمیان تجارتی اموال کی حمل و نقل ہوتی ہے جس طرح زمینی راستوں پر نقل و حمل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وجعلنا في الارض رواسي أن تميد بكم وجعلنا فيها فجاجا سبلا لعلكم تهتدون"

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے بنائے ہیں کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے۔ اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے ہیں تاکہ لوگ منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔"

بطلیموس نے ہندوستان کے ایک بادشاہ کا ذکر اپنی کتاب "مجسطی" میں کیا ہے۔ اس کا عربی ترجمہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں ہوا تھا۔ بطلیموس نے ہندوستان کے جس بادشاہ کا ذکر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کیا ہے اسی سے تمام دنیا کے سمندروں کی جغرافیائی معلومات اور ان کی تعداد کو منسوب کیا ہے بطلیموس نے اسی ہندی بادشاہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ درحقیقت سمندر تو ایک ہی ہے لیکن وہ گھوم گھما کر جہاں تک انقلاب ارضی کی بنا پر پھیلا ہے لوگوں نے ان علاقوں کے لحاظ سے اس کے نام رکھ لئے ہیں جیسے بحر ہند، بحر قلزم، بحر روم، بحر فارس، بحر اوقیانوس، بحر جاپان، بحر طبرستان وغیرہ وغیرہ اور انہی سمندروں نے اپنی اکثر ساحلی بستیوں کے نام و نشان مٹا کر رکھ دیے ہیں۔

ہیئت دان کہتے ہیں کہ اس واحد سمندر کو بحر محیط کہا جاتا ہے جس کی شکل اپنے طول کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثلث تھا جو مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ابھی تک منفرد ہی ہے۔ اس کا طول آٹھ سو میل اور عرض چھ سو میل بتایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہی وہ سمندر ہے جس میں زیادہ تر بصرہ کے قریب مد و جزر زیادہ ہوتا ہے جس کی مثالیں بلاد مغرب میں بھی ملتی ہیں۔ یہاں مہینے کے شروع سے چودھویں رات تک سمندر چڑھتا ہے جسے "مد" کہتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے اور مہینے کی آخری تاریخ تک گھٹتا رہتا ہے جس کو "جزر" کہا جاتا ہے۔

مؤرخین نے سمندر کی حدود اور اس کی ابتداء و انتہا تا کرۂ زمین پر بحروں اور جملہ دریاؤں کی تعداد اور ان کے کوائف بتائے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کے منابع و مخارج کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ہم صرف ان کا ذکر کریں گے جن کا تعلق حدیث سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

"اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات ..... الخ"

(ابراہیم ۱۴۔۳۲)

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں قتادہ کی روایت انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ آخر الذکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اس کی جڑ سے دو دریا پوشیدہ طور پر اور دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں، جو دو دریا پوشیدہ طور پر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتے ہیں وہ جنت میں بہتے ہیں اور جو دوسرے دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں وہ دریائے نیل و دریائے فرات کی شکل میں زمین پر بہتے ہیں"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے جنت میں بہنے والے دریاؤں کی شکل و صورت اور کیفیات

www.ahlehaq.org

ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابن نمیر اور یزید نے بیان کیا اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت سے جاری ہونے والے چار دریا نیل، فرات، سیحون اور جیحون ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہیں جنہیں مسلم نے بھی اپنے طور پر صحیح تسلیم کیا ہے۔ غالباً مذکورہ بالا چار دریاؤں کو آنحضرت ﷺ کا جنت کے دریا فرمانا ان کے صاف و شفاف اور میٹھے پانی کی اور ان کی روانی کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دریاؤں کا پانی زہر سے شفا کا باعث ہے"۔

اس حدیث نبوی (ﷺ) کو سعید بن عامر نے محمد بن عمرو، ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے روایت کیا ہے جس کی صحت کی سند مسلم نے بھی دی ہے تاہم اس حدیث سے در حقیقت یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ پھلوں کو جنت کے پھلوں سے تشبیہ دی اسی طرح مذکورہ بالا چاروں دریاؤں کو بھی جنت کے دریاؤں سے تشبیہ دی حالانکہ یہ چاروں دریا زمین پر بہتے ہیں اور ان کے منابع بھی زمین ہی کے حصے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے تشبیہ دی(۱) اور ارشاد فرمایا کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو" جب کہ زمین پر پڑنے والی وہ شدت کی گرمی بھی در حقیقت جہنم کی گرمی یا اس کی آگ نہیں ہیں۔

جہاں تک دریائے نیل کا تعلق ہے وہ جبال القمر (سفید پہاڑوں) سے نکل کر از اول تا آخر اپنے پانی کے شیریں ہونے اور صفائی میں دنیا کے دوسرے دریاؤں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دریا زمین کے مغربی حصے میں خط استوا سے ذرا ادھر جنوب کی طرف ہو کر بہتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص اس کے مذکورہ بالا اوصاف میں آج تک رطب اللسان ہے۔ اسے دریاؤں کا ستارہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبال القمر سے نکلنے کے بعد اس میں پانچ دوسرے چھوٹے دریا شامل ہو کر بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں اور وہاں سے یہ چوڑا ہو کر پھیلتا ہوا اسوان سے گزرتا ہے اور وہیں اسے دریائے نیل کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اصلاً دریائے احمر تھا۔ یہ دریا حبشہ سے گزر کر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کے راستے میں سب سے بڑا شہر دمقلہ آتا ہے جس کے بعد یہ اسوان سے ہو کر مصری علاقے میں داخل ہوتا ہے اور حبشہ میں بھی ان تمام مقامات کو سیراب کرتا ہوا آتا ہے جہاں بارشیں کم ہوتی ہیں اور لوگ پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ یہ پانی زرخیز مٹی سے بھی جو اس کے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بالائی علاقوں سے آتی ہے راستے کے بہت سے علاقوں کو سرسبز و شاداب بناتی چلی آتی ہے۔ اس کا بھی یہی کرشمہ ہے جس کی مثال رب العزت نے یوں دی ہے:

اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج به زرعاً تاکل منه انعامهم وانفسهم افلا یبصرون

(السجدہ: ۲۷)

دریائے نیل مصر سے کسی قدر آگے بڑھ کر ایک بستی کے قریب جسے شطنوف کہتے ہیں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ پھر اس کا مغربی حصہ دوبارہ دو حصوں میں بٹ کر اور رشید مقام سے گزر کر سمندر میں جا گرتا ہے اس کا مشرقی حصہ "جوجر" کے قریب پھر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ پھر اس کا بھی غربی حصہ مغرب میں دمیاط سے گزر کر سمندر میں جا ملتا ہے اور اس کا دوسرا شرقی حصہ بھی اشموں کی طرف سے گزرتا ہوا بحیرہ شرقی دمیاط میں جا ملتا ہے۔ اس بحیرے کو بحیرہ دمیاط کے علاوہ بحیرہ تنیس بھی کہا جاتا ہے۔

دریائے نیل کی اتنی طویل گزرگاہوں کی وجہ سے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے اور [illegible] کی لطافت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ ابن سینا نے دریائے نیل کی اس خصوصیت کے علاوہ دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں اس کے کچھ اور اوصاف بھی بیان کیے ہیں۔ یہ دریا ان دنوں میں بھی جب دوسرے دریا کم و بیش خشک ہو جاتے ہیں اپنی اسی چال سے بہتا رہتا ہے تاہم جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے دریائے نیل کے مخرج کو "جبال قمر" سے بھی کسی بلند تر جگہ بتایا ہے اور اس کی تمثیل و تصویراتی نشان دہی کی ہے وہ ان کے ذہنوں کی اختراعات سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ قیس بن حجاج کے حوالے سے نیز جس شخص نے قیس بن حجاج کو یہ بات بتائی اس کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو وہاں کی نواحی بستیوں خصوصاً سب سے بڑی آبادی بستی قبطیہ کے لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا امیر! دریائے نیل سال کے دوران میں کچھ عرصے کے لئے خشک ہو جاتا ہے تو ہم لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر مارے

---

(۱) ... قال علیه السلام: العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم الحديث

www.ahlehaq.org

مارے پھرتے ہیں اور اس وقت تک دوبارہ پانی نہیں آتا جب تک ہم اس میں اعلیٰ کی قسم کی خوشبویات اور نفیس ترین پارچہ جات نہیں ڈالتے" ان لوگوں کی یہ بات سن کر عمرو بن عاص نے ان کی توہم پرستی کے بارے میں خلیفۂ وقت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا اس کے ساتھ کاغذ کا ایک اور ٹکڑا بھی رکھ دیا جس میں انھوں نے دریائے نیل کو یوں مخاطب کیا" اے دریائے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا اور خشک ہو جاتا ہے تو ہو جا۔ لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بہتا ہے تو اس کی مرضی اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے یہی چاہتی ہے کہ تو ہمیشہ بہتا رہے اور کبھی خشک نہ ہو اور میں بھی اس سے تیرے ہمیشہ جاری رہنے کی دعا کرتا ہوں"۔ راوی کا بیان یہ ہے کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو حکم دیا تھا انھوں نے کاغذ کا وہ ٹکڑا بالا پرچہ دریائے نیل میں جو اس زمانے میں خشک تھا ڈال دیا تو نیل میں فوراً ہی پانی آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک پھر دریائے نیل سال کے کسی حصے میں بھی خشک نہیں ہوا۔ راوی نے آخر میں بیان کیا کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا ہوا وہ پرچہ جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا تھا جو اس وقت خشک تھا لیکن ہفتہ کی صبح اہل مصر نے دیکھتے ہیں کہ دریا میں ۱۶ گز تک اونچا پانی بہہ رہا ہے۔(۱)

جہاں تک دریائے فرات کا تعلق ہے تو اس کا مخرج روم کے شمالی سطح مرتفع میں ہے جہاں سے نکل کر وہ پہلے ملطیہ سے گزرتا ہے اور پھر شمیشاط کی طرف رخ کرتا ہے، پھر وہ "بیرہ" سے گزرتا ہوا مشرق کی طرف "بالس" قلعہ جعبر اور رقہ سے گزرتا ہوا "رحبہ" کے شمال میں عانہ تک چلا جاتا ہے پھر ہیت کی طرف مڑ کر کوفہ کا رخ کرتا ہے جہاں سے عراق کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے جہاں مختلف جگہ نہروں کی شکل میں بٹ جاتا ہے جن میں بہت سے چھوٹے بڑے دریا اور ندیاں شامل ہیں۔

رہا سیحان جسے سیحون بھی کہا جاتا ہے تو اس کا مخرج بھی روم میں ہے وہاں وہ شمال اور مغرب سے جنوب اور مشرق کی طرف جا نکلتا ہے جہاں اس سے تھوڑے فاصلے پر جیحان یا جیحون بھی بہتا ہے۔ یہ علاقہ جو "بلاد سیس" کے نام سے مشہور ہے کئی اسلامی قلمرو میں شامل تھا لیکن مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہونے کے بعد جب قلعہ وارمنی نے انہیں شکست دی تو یہ علاقہ تین سو میل کی حدود تک مع شامی علاقوں سمیت اس کے قبضہ میں چلا گیا اور اب تک اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ دریائے جیحون جس کا قدیم نام جاہان ہے روم سے نکلا ہے۔ یہ مقام "سیس" میں بہتا ہے۔ شمال سے جنوب کی طرف اور مقدار میں دریائے فرات کے قریب ہے۔

بہر حال سیحون اور جیحون اذنہ کے قریب ایک دوسرے میں مل کر اور پھر دونوں ایک ساتھ بہہ کر ایاس و طرطوس کے درمیان بحر روم میں جا گرتے ہیں۔

فصل

مظاہر قدرت...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الله الذى رفع السموات بغير عمد ترونها ثم استوىٰ على العرش وسخر الشمس والقمر كل يجرى لاجل مسمىً يدبر الامر يفصل الايات لعلكم بلقاء ربكم توقنون...... الخ" (الرعد: ۲،۳)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"امن خلق السموات والارض وانزل لكم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما كان لكم...... الخ" (النمل: ۶۰-۶۱)

پھر ارشاد فرمایا:

"هو الذى انزل من السماء ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه...... الخ" (النحل: ۱۰-۱۲)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں مظاہر قدرت کا (مختصراً) تذکرہ فرماتے ہوئے ہر آیت شریفہ کے آخر میں نوع انسانی سے

---

(۱) یہ واقعہ جلد نمبر ۷ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں تفصیل سے ہے۔

www.ahlehaq.org

دریافت فرمایا کہ آیا ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر، جن کا وہ صبح و شام مشاہدہ کرتے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟" اور یہ بھی فرمایا کہ ان مظاہر قدرت میں صرف ان اقوام کے لئے نشانیاں ہیں جو بطور انصاف ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور اس کی عطا کردہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنی نوع انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کے لئے رزق بھی صرف اسی نے اتارا ہے جس کا تفصیلی ذکر اس کی روشن کتاب (قرآن پاک) میں موجود ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت شریف سے ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

وما من دابة فى الارض الا على الله رزقها و يعلم مستقرها و مستودعها كل فى كتاب مبين. (هود: ۶)

حافظ ابو یعلیٰ محمد بن مثنیٰ، عبید بن واقد، محمد بن عیسیٰ بن کیسان، محمد بن منکدر، جابر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، جن میں سے چھ ہزار سمندر میں پائی جاتی ہیں اور چار ہزار زمین میں پر موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور ہلاک ہوتی رہتی ہیں حتیٰ کہ ایک روز یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا"۔

اس حدیث کو اگرچہ ابو عباد بصری، حاتم، ابن عدی، الفلاس، بخاری، ابوزرعہ، دارقطنی خصوصاً ابن عدی مرسل کہہ کر ضعیف بتایا ہے اور اس کے متعلق دیگر دلائل بھی پیش کئے ہیں لیکن مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

"وما من دابة فى الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا فى الكتاب من شئ ثم الى ربهم يحشرون." (انعام: ۳۸)

تخلیق سموات اور ان میں موجودات سے متعلق مزید آیات قرآنی کا ذکر

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمانوں سے قبل تخلیق فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت شریف سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعا ثم استوى الى السماء فسوهن سبع سموات وهو بكل شئ عليم" (البقرہ: ۲۹)

زمین کی تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کے قابل ہے:

"قل ائنكم لتكفرون بالذى خلق الارض فى يومين وتجعلون له اندادا ذلك رب العالمين.... الخ" (فصلت: ۹-۱۲)

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیے۔

"وجعل فيها رواسى من فوقها و بارك فيها وقدر فيها اقواتها.... الخ" (فصلت: ۹-۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

"ءانتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمكها فسواها واغطش ليلها واخرج ضحاها والارض بعد ذلك دحاها"

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا پھیلاؤ آسمان کی تخلیق سے بعد کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تبارك الذى بيده الملك وهو على كل شئ قدير الذى خلق الموت والحياة ليبلوكم ايكم احسن عملا وهو العزيز الغفور.... الخ" (الملک: ۱-۵)

www.ahlehaq.org

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا"۔ (نوح: ۱۵۔۱۶)

ان آیات کے علاوہ تخلیق سموات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جن آیات شریفہ میں ذکر فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔۔۔۔"تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا، وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفة لمن اراد أن یذکر أو اراد شکورا" (الفرقان: ۶۱۔۶۲)

۲۔۔۔۔"انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطن مارد۔۔۔۔الخ" (الصافات: ۶۔۱۰)

۳۔۔۔۔"وجعلنا فی السماء بروجا وزینا ھا للنا ظرین وحفظنا ھا من کل شیطان رجیم الامن استرق السمع فاتبعه شھاب مبین۔۔۔۔الخ" (الحجر: ۱۶۔۱۸)

۴۔۔۔۔"والسماء بنینھا باید وانا لموسعون"

۵۔۔۔۔"وجعلنا السماء سقفا محفوظا وھم عن آیاتھا معرضون وھو الذی خلق اللیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون" (الانبیاء: ۳۲)

۶۔۔۔۔وآیة لھم اللیل نسلخ منه النھار فاذا ھم مظلمون والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لھا أن تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون" (یٰس: ۳۷۔۴۰)

۷۔۔۔۔"فالق الاصباح وجعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا ذلک تقدیر العزیز العلیم وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون"

۸۔۔۔۔ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النھار یطلبه حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ألا له الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین" (الاعراف: ۵۴)

پچھلی آیات اور ان آیات کے علاوہ اس موضوع پر کثرت سے قرآن شریف میں آیات آئی ہیں جن سب کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہے۔

ان آیات کے شان نزول میں آسمانوں کی تخلیق ان کی رفعت اور ان میں جو قدرت خداوندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اہل بصارت وبصیرت کو ان سے آگاہ کرنا تھا۔ اس حسن تخلیق اور اس کی بے مثال قدرت کے بارے میں خود رب العزت نے ارشاد فرمایا "والسماء ذات الحبک" یعنی یہ حسن تخلیق کے لحاظ سے بہترین اور عدیم النظیر تخلیق ہے اور اس میں یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اگر کوئی اس میں کسی قسم کا نقص معلوم کرنے کے لئے مدت العمر تک دیکھتا رہے تو اس کی بصارت چلی جائے گی لیکن وہ اس میں کسی قسم کا نقص دریافت نہیں کر سکے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت بخشی گئی ہے تا کہ دنیا والے انہیں دیکھ کر خوشی محسوس کر سکیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں شہابوں کی تخلیق اس لئے کی گئی کہ اگر شیاطین آسمانوں کی طرف آنا چاہیں تو ان کی شعاعیں ان کے لئے مانع ہوں اور یہ بات بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے زینت سماوات کے علاوہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احادیث میں تخلیق کائنات کی ابتداء پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور قتادہ نے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو تین کو اکب تخلیق فرمائے ہیں وہ آسمان دنیا کی تزئین کے علاوہ شیاطین کی عالم بالا کی طرف مزاحمت کے لئے، اگر کوئی شخص ان کے بارے میں کچھ اور کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حوادث ان ستاروں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ سراسر غلط کہتا ہے۔

www.ahlehaq.org

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں سے ایک آیت شریفہ میں آسمان اول کو زمین کی مستحکم چھت فرمانے کے علاوہ ستاروں سے اس کی تزئین کو جہاں اہل نظر کے حیرت و استعجاب اور مسرت کا باعث فرمایا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ اہل عالم بری و بحری سفر میں اپنی صحیح سمت کا پتہ لگا سکیں۔ ان باتوں کے علاوہ مفسرین نے بھی اس کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں کہا اور جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ جو لوگ زمین پر رونما ہونے والے حادثات کو ان ستاروں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے سات آسمانوں کی تخلیق میں طبقات رکھے ہیں یعنی انہیں ایک کے اوپر ایک بنایا ہے ــــ (خلق سبع سموات طباقا) لیکن ہیئت دان کہتے ہیں کہ ان آسمانوں کے درمیان خلا نہیں ہے جب کہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل متعدد مستند حوالوں سے حدیث اوعال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سات آسمانوں میں کیا ہے اور انھوں نے جواباً عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان اول سے پانچویں آسمان تک ہر آسمان کے درمیانی کا فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ اسی قدر ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں کے درمیانی فاصلوں میں کثافت ہے یعنی وہاں آب و ہوا جیسی کوئی لطیف شے نہیں ہے۔

اس حدیث کو بہ تمام و کمال احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث حسن بتایا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں انس کی روایت کردہ حدیث اسرا میں راوی نے بتایا کہ جب آپ معراج والی رات پہلے آسمان سے گزرے تو وہاں آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام ملے اور آپ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابوالبشر ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا اور اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ ﷺ کو معراج پر مبارکباد دی۔ پھر اسی طرح آپ دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان سے گزرتے ہیں عالم بالا تک تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ حدیث اوعال اور حدیث اسرا آپ ﷺ کے مشاہدات ہی پر مبنی ہیں اور مذکورہ بالا راویوں نے آسمانوں کے بارے میں آپ ﷺ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی مستند احادیث کے حوالے سے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن حزم، ابن منیر اور ابوالفرج ابن جوزی نیز اور بہت سے دوسرے علمائے دین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ آسمان ایک کرہ مستدیر ہیں، جن کے ثبوت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کل فی فلک یسبحون" بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس میں حسن نے "یسبحون" کا مطلب "یدورون" یعنی گھومنے والے بتایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں تکلے سے تشبیہ دی ہے۔ جو ایک ہی دائرے میں گھوم کر ہمیشہ پہلی جگہ آ جاتا رہتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے ثبوت میں گردش آفتاب کو پیش کیا ہے جو شام کو مغرب میں غروب ہو کر صبح کو پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں امیہ ابن ابی صلت کے دو مشہور شعر بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں:

"والشمس تطلع كل آخر ليلة
حمراء مطلع لونها متورد
تابی فلا تبدو لنا فی رسلها
الا معذبة والا تجلد"

"ہر شب کے دامن سے سرخ سورج طلوع ہوتا ہے اور مطلع گلابی ہوتا ہے۔ وہ پس و پیش ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر وہ حسب دستور زیر عذاب اور زیر عتاب طلوع ہوتا ہے"۔

یعنی ہم سورج کو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن بعد از غروب اس کی گردش کو نہیں دیکھ سکتے، بس اسے اگلی صبح اسی آب و تاب سے دوبارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

طلوع و غروب آفتاب کے بارے میں جو حدیث نبوی ﷺ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، محمد ابن یوسف، سفیان، اعمش، ابراہیم تیمی اور ان کے والد اور ابوذر کے حوالے سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن آپ رضی اللہ عنہ آخر الذکر یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا۔

"اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔" ان سے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

وہ (سورج) مغرب میں غروب ہو کر عرش کے نیچے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے سجدہ کرتا ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا سجدہ قبول ہوا یا نہیں بار بار اس سجدے کی تکرار کرتا رہتا ہے اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے:

"والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم"۔ (یٰس۔۳۸)

اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں بھی فرمایا ہے جس کی تفسیر مختلف تفاسیر میں موجود ہے نیز اس کا ذکر حدیث توحید میں بھی آیا ہے جس کو اعمش نے روایت کیا اور اسے مسلم نے عنوان "ایمان" کے تحت اعمش اور یونس بن عبید کے حوالے سے اور ابوداؤد نے حکم بن عتبہ کے حوالے سے روایت کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایات کا ماخذ ابراہیم بن یزید بن شریک اور ان کے والد اور ابوذر کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے "حدیث حسن" بتایا ہے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس "حدیث حسن" اور اس سلسلے کی دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے ہم نے گردش افلاک کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی بعید از قیاس یا صرف قیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے گردش افلاک کے بارے میں کچھ اور کہا ہے وہ قطعی مہمل ہے۔

سورج کا مشرق سے اذن باری تعالیٰ کے بعد مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا جسے ہم دیکھتے ہیں اور اس کا تحت العرش سجدہ کرنا جسے ہم نہیں دیکھتے وہ بھی بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ سورج کا نصف النہار تک پہنچ کر مغرب کی طرف جھکتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہونا اور اپنی گردش کی یومیہ تکمیل کے لئے اذن باری تعالیٰ کا منتظر رہنا اور پھر اس کو جاری رکھنا جسے ہم شام تک دیکھتے ہیں اور رات کے اوقات میں اس کا اپنی گردش جاری رکھنا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے وہ سب قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔

جب نظام کائنات کے بارے میں، جو ہمارے نگاہوں کے سامنے ہے متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ یہ سب کچھ دست قدرت باری تعالیٰ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت عمل رہا ہے تو اس امر سے عقلاً بھی کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ جب قرب قیامت سورج اپنی حسب معمول یومیہ گردش کو رات تک مکمل کر کے دوبارہ مشرق سے طلوع کرے گا تو اسے تادیر یہ اجازت نہ ملے گی اور جب اجازت ملے گی تو اس حکم کے ساتھ کہ وہ اب مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے اپنے مغربی مستقر سے طلوع ہوگا اور جب سورج خلاف معمول مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل دنیا جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کے منکر ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ دعویٰ اور ان کے گذشتہ اعمال کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ سورج کی گردش اور اس کا مشرق و مغرب میں بالترتیب طلوع و غروب ہمارے سامنے ہے اور امیہ بن صامت نے اپنے مندرجہ بالا اشعار میں اسی حد تک بات کی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "هو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا" میں ارشاد فرمائی یعنی رات اور دن کے بعد دیگرے اس حکم کے تحت آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ایک حد تک پہنچ کر اس کے حکم کے تحت یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا یعنی دنیا اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ یہی بات آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم"

یعنی رات اور دن کے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور دن کو جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں اس لیے محققین کے لیے لازم ہے کہ سورج کی گردش کے بارے میں ان بدیہی حقائق سے تجاوز نہ کریں۔

یہ جو راتیں اور دن انتظام قدرت کے تحت بالترتیب اول ربیع سے آخر ربیع تک اور خریف سے آخر خریف تک گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور پھر معتدل ہو جاتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کی سہولیات کے لیے ہوتا رہتا ہے۔

صحیحین میں سفیان بن عیینہ کی زبانی زہری، سعید بن مسیب اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم اپنی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانوں کا رد و بدل یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ میرے حکم سے ہوتا ہے۔ "بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "انا الدھر اقلب لیلہ ونھارہ" میں خود زمانہ (دہر) ہوں اور میں خود ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا ہوں۔

امام شافعی، ابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کہتے ہیں کہ اس قول خداوندی میں "انا الدھر" سے مراد "فاعل دھر" ہے جس کے حکم سے زمانے بدلتے رہتے ہیں لہٰذا جو انسان دہر یا زمانے کو برا کہتا ہے وہ گویا اس کے کرنے والے کو برا کہتا ہے ورنہ دھر یا زمانہ مخلوق ہے جو کسی خالق کی حیثیت اختیار نہیں کرسکتا۔

راتوں اور دنوں کے تغیر و تبدیل اور مہینوں اور سالوں کا جو حساب ہم ان کے لحاظ سے لگاتے ہیں اس کے سلسلے میں ذرا ان آیات پر غور کیجئے جن میں اس کی وضاحت موجود ہے:

> "قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیئ قدیر۔ تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب" (عمران ۲۶۔۲۷)
>
> "ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔ ما خلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الآیات لقوم یعلمون ان فی اختلاف اللیل والنھار وما خلق اللہ فی السموات والارض لآیات لقوم یتقون" (یونس ۵۔۶)

ان آیات میں پہلی آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، جسے جو چاہے بخش دے اور جس سے چاہے لے لے، وہی عزت دینے والا ہے اور وہی جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کردے، روز و شب کا تغیر و تبدیل اس کے دست قدرت میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، مردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ کردینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرمادے جب کہ دوسری آیت شریفہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بخشا ہے اور ان کے منازل مقرر فرمادیے ہیں تاکہ اس کے بندے یعنی ہم انسان ان کے ذریعے اپنی سنین (برسوں) کا حساب رکھ سکیں نیز یہ کہ اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی ہر چیز کی تخلیق میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی حکمت کاملہ شامل ہے۔ اس نے اپنی یہ نشانیاں انسانوں کے سمجھنے کے لیے بتائی ہیں اور دن رات کا اختلاف بھی ان کے سامنے اس لئے رکھا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ سورج اور چاند کے لیے اس نے جو بالترتیب الفاظ ضیا اور نور استعمال فرمائے ہیں ان کا راز یہ ہے کہ اس نے سورج کو شعاعیں بخشی ہیں جن سے چاند نور کسب کرتا ہے اور ہر مہینے کے آغاز میں ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر چودھویں شب تک بڑھتا رہتا ہے جس کے بعد مہینے کے آخر تک گھٹتے گھٹتے آخری روز غائب ہو جاتا ہے اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے قبل کی رات میں دوبارہ ہلالی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

چاند کا یہ گھٹنا بڑھنا اس کے سورج سے قرب و بعد کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اب ہم سب جان گئے ہیں کہ سورج کے طلوع و غروب سے رات اور دن کے علاوہ مہینوں اور برسوں کا حساب رکھنا آسان ہے اور خصوصاً چاند کے طلوع ہونے اور اس کے آسمان سے غائب ہو جانے سے بالترتیب ہر مہینے کی ابتداء اور انتہاء معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں خود ارشاد فرمایا:

> "وجعلنا اللیل والنھار آیتین فمحونا آیۃ اللیل وجعلنا آیۃ النھار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیئ فصلناہ تفصیلا"

ہم نے یہ سب باتیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

آسمانی کواکب میں سے مفسرین نے سات کو سیارے بتایا ہے جنھیں مفسرین کی اصلاح میں متحیرہ کہا گیا ہے۔

ان مفسرین کے دعوے جو علم الاحکام کے خلاف نہیں ہیں، درست ہیں لیکن جو اس کے برعکس ہیں وہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ آپ ان دعووں کے لیے دلائل پیش کرنے سے وہ اب تک قاصر رہے ہیں۔ بہر حال ان کے بتائے ہوئے سات سیاروں کے نام یہ ہیں:

(۱) — قمر (چاند) جو آسمان دنیا میں ہے۔ (۲) — عطارد، جو دوسرے آسمان میں ہے۔ (۳) — زہرہ جو تیسرے آسمان میں ہے۔ (۴) — شمس، (سورج) جو چوتھے آسمان میں ہے۔ (۵) — مریخ، جو پانچویں آسمان میں ہے۔ (۶) — مشتری، جو چھٹے آسمان میں ہے۔ (۷) — زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

باقی کواکب جنہیں وہ ثوابت کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھویں آسمان میں ہے لیکن اکثر متاخرین نے اسے "کرسی" بتایا ہے تاہم زمانہ قریب کے محققین کے نزدیک یہ جملہ ستارے اور سیارے آسمان دنیا ہی میں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ آخری محققین اپنے دعوے کے ثبوت میں بطور دلیل مندرجہ ذیل دو آیات قرآن پیش کرتے ہیں۔

(۱) — ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجوما للشیاطین. (الملک ۵)

(۲) — فقضاهن سبع سموات فی یومین واوحی فی کل سماء امرها وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم" (فصلت ۱۲)

ان دو آیات قرآن سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سے زینت آرائش کے لیے آسمان دنیا کو مخصوص کیا ہے۔ لیکن ان ستاروں کے باہم زیر بالا ہونے سے ان کی پیش کردہ دلیل میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

ان محققین کے نزدیک ساتوں بلکہ آٹھوں آسمان اپنے ستاروں اور سیاروں سمیت مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کا یہ قول بھی ہے کہ چاند جو پہلا سیارہ ہے اپنی گردش ایک ماہ میں، سورج جو چوتھا سیارہ ہے وہ بارہ بار مرتبہ کر کے اپنی گردش پوری کرتا ہے۔

جب کہ زحل جو ساتواں سیارہ ہے آسمان دنیا کی پیمائش کے لحاظ سے اپنی پوری گردش تیس سال میں مکمل کرتا ہے اور اس لحاظ سے سورج کی گردش آسمان کے دائرے میں بارہ مہینوں میں ۳۶۰ مرتبہ ہوتی ہے اور ایک سال کے یہی یعنی ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔

علم کلام کے (نام نہاد) ماہرین نے ستاروں کے مقامات ان کی حرکات وگردش اور ان کی وسعت پر گفتگو کرنے کے بعد علم الاحکام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ حوادث ارضی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لیکن ان کی اکثریت اس سلسلے میں لاعلم ہی معلوم ہوتی ہے۔ رہے یونان والے تو وہ قبل مسیح علیہ السلام شام میں سکونت پذیر تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ لوگ عموماً شہر دمشق میں رہے جہاں انہوں نے اس شہر کے سات دروازے بنوائے تھے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک ہیکل (عبادت گاہ) تعمیر کرائی تھی جو سات ستاروں کی جداگانہ صفات سے موسوم کی تھی۔ ان ساتوں ہیکلوں میں وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے الگ الگ ستاروں سے اپنی اپنی بھلائی کے لیے دعا مانگتے تھے۔ یہ باتیں جملہ مؤرخین نے لکھی ہیں خصوصاً "السر المکتوم" کے مصنف نے چاند سورج اور دوسرے سیارے کے حوالے سے علمائے حرنانیین عہد قدیم کے حران کے فلسفیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ وہ سب مشرک تھے اور سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا گروہ صابئین کا گروہ کہلاتا تھا، انہی کواکب پرستوں کے مشرکانہ اعمال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ومن آیاته اللیل والنهار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون"

یعنی رات اور دن کی طرح شمس وقمر بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (مظاہر قدرت) میں سے ہیں (اس لیے) شمس وقمر کو سجدہ کرنے کے بجائے اسے سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔

اسی طرح کلام اللہ شریف میں ایک جگہ ہد ہد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہد ہد یمن کی ملکہ سبا اور اس کے لشکر کی خبر لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اس کے حسن وجمال اور کثرت جاہ ومال کی خبر دی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کی زبانی یوں فرمایا:

"انی وجدت امراۃ تملکھم واوتیت من کل شیء ولھا عرش عظیم وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون ـــ الخ" (النمل: ۲۴، ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حوالے سے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر ـــ الخ" (الحج:۱۸)

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

"اولم یروا الی ما خلق اللہ من شیء یتفیؤا ظلالہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون ـــ الخ" (النحل:۴۸)

مزید ایک جگہ فرمایا:

"وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرھا وظلالھم بالغدو والآصال" (الرعد ۱۵)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

"تسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا" (الاسراء:۴۴)

اس موضوع پر قرآن میں کثرت سے بڑی اہم آیات ملتی ہیں۔

لیکن اکثر چیزیں جو زمین اور آسمان پر ہمارے مشاہدے میں شب و روز آتی ہیں جن میں اجرام فلکی خصوصاً چاند اور سورج بھی شامل ہیں جو اس لحاظ سے بڑے معتبر ہیں کہ ان کی چمک دمک میں کسی حیثیت سے تردید نہیں کی جا سکتی اور جنہیں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی الوہیت اور ان کے معبود ہونے کی تردید کی اور ان کی عبادت کو باطل ٹھہرایا جس کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین فلما رای القمر بازغا قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ـــ الخ" (الانعام:۷۶ تا ۷۸)

اس آیت شریفہ سے بطور برہان منطقی معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی میں جن کواکب اور چاند سورج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ الوہیت کے لحاظ سے کسی حیثیت کے حامل نہیں کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی گردش کے لحاظ سے بھی مسخر ہیں یعنی جن کاموں پر وہ مامور ہیں انہی کو بجا لانے کے پابند ہیں اور وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے ہیں نہ اپنی حدود سے وہ ذرہ بھر تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا قاطع ثبوت ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح کواکب اور شمس و قمر بھی مخلوقات خداوندی میں شامل اور مسخر ہیں اور احکام خداوندی کے پابند ہیں جیسا کہ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ومن آیاتہ اللیل والنھار والشمس والقمر"

اور پھر سورج اور چاند کی پرستش سے منع کر کے صرف اپنی پرستش کا حکم دیا:

"واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون"

صحیحین میں جو حدیث نبوی ﷺ صلوٰۃ کسوف کے تحت درج ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس، عائشہ رضی اللہ عنہا اور چند دیگر صحابہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا:

"ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ عزوجل وانھما لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ" یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور وہ کسی کی موت یا پیدائش پر گرہن نہیں ہوتے۔

امام بخاری نے مسدد، عبدالعزیز بن مختار، عبداللہ داناج اور ابو سلمہ کی زبانی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو حدیث نبوی پیش کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند قیامت کے دن اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

www.ahlehaq.org

اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

حافظ ابوبکر البزار نے اس حدیث کی روایت میں قدرے تفصیل میں جاتے ہوئے ابراہیم بن زیاد بغدادی یونس بن محمد عبدالعزیز بن مختار کی زبانی عبداللہ الداناج کے حوالے سے بیان کیا کہ عبداللہ الداناج نے کہا کہ انہوں نے خالد بن عبداللہ قسری کے زمانے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمن کو کہتے سنا کہ ایک روز وہ یعنی ابوسلمہ ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ وہاں جناب حسن تشریف لے آئے تو باتوں باتوں میں ابوسلمہ نے انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل حدیث نبوی یوں سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"ان الشمس والقمر ثوران في النار يوم القيامة"

ابوسلمہ سے یہ حدیث سن کر جناب حسن نے ان سے پوچھا ان کا دین کیا ہے؟ یہ سن کر ابوسلمہ بولے میں آپ سے روز قیامت سورج اور چاند کی انتہا کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں کہ وہ قیامت کے روز (دوزخ) میں شامل کر دیئے جائیں گے اور آپ مجھ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ اس کے بعد البزار نے کہا کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہ کے حوالے سے صرف اس واقعے کی حد تک روایت کی ہے۔ عبداللہ الداناج نے بھی ابوسلمہ کے حوالے سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی نے جو حدیث نبوی ﷺ "الشمس والقمر ثوران ... في النار" یزید رقاشی کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں اس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور اس کو بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی آیت اذا الشمس کورت کی وضاحت کے سلسلے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوسعید اشج عمر بن عبداللہ الاودی اور ابواسامہ نے مجالد اور مجالد کے شیخ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان الفاظ قرآن کی وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں کی کہ اللہ تعالیٰ چاند سورج اور ستاروں کو قیامت کے روز سمندر میں ڈبو کر ان کی روشنی زائل فرما دیں گے۔ پھر اس کے بعد ایک گرم ہوا بھیج کر انہیں حرارت بخشیں گے اور پھر انہیں آتش دوزخ میں شامل فرما دیں گے۔

خلاصہ کلام — اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج، چاند اور ستارے سب کے سب دوسری اشیائے کائنات کی طرح مخلوق خداوندی ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کامل ارادے کے تحت تخلیق کیا۔ اسی طرح جو حکم ان کے ساتھ جب چاہیں گے فرمائیں گے جو سب اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوگا۔ اس لیے کسی کو اس کے علم اور حکمت کے بارے میں سوال کرنے کی مجال نہیں ہے۔

امام محمد بن اسحق بن یسار نے اپنی کتاب "کتاب السیرة من الشعر" کے آغاز میں آسمان، زمین، سورج، چاند، ستاروں اور کائنات کی دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں زید بن عمرو بن نفیل کے رب سے خطاب کرتے ہوئے بعض اشعار درج کیے ہیں جن کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ اشعار امیہ ابن ابی صلت کے ہیں۔

الى الله اهدى مدحتى وثنائيا ... وقولا رصينا لايني الدهر باقيا
الى الملك الاعلى الذى ليس فوقه ... اله ولا رب يكون مدانيا
الا ايها الانسان اياك والردى ... فانك لاتخفى من الله خافيا
واياك لاتجعل مع الله غيره ... فان سبيل الرشد اصبح باديا
حنانيك ان الجن كانت رجاءهم ... وانت الهى ربنا ورجائيا
رضيت بك اللهم ربا فلن ارى ... ادين الها غيرك الله ثانيا
وانت الذى من فضل من ورحمة ... بعثت الى موسى رسولا مناديا
فقلت له اذهب وهارون فادعوا ... الى الله فرعون الذى كان طاغيا
وقولا له آانت سويت هذه ... بلا وتد حتى اطمأنت كما هيا
وقولا له آانت رفعت هذه ... بلا عمد ارفق اذا بك بانيا
وقولا له آانت سويت وسطها ... منيرا اذا ما جنه الليل هاديا
وقولا له من يرسل الشمس غدوة ... فيصبح ما مست من الارض ضاحيا
وقولا له من ينبت الحب فى الثرى ... فيصبح منه البقل يهتز رابيا

ویخرج منہ حبہ فی رؤوسہ — وفی ذاک آیات لمن کان واعیا
وانت بفضل منک نجیت یونسا — وقد بات فی اضعاف حوت لیالیا
وانی لو سبحت باسمک ربنا — لاکثر الا ما غفرت خطایا
فرب العباد الق سیبا ورحمۃ — علی وبارک فی بنی ومالیا

بہر حال مندرجہ بالا آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور دیگر مستند روایات کے مطالعہ کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آسمانوں، زمینوں، کواکب اور ثوابت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں اپنے حکم سے ان کے متعلقہ کاموں پر جس طرح چاہا مامور فرمایا اور ان کے ساتھ آخر کار جو چاہے گا کرے گا۔

اکثر مفسرین نے ستاروں اور سیاروں کے ذکر کے اور قصہ ہاروت و ماروت اور ستارہ زہرہ جو پہلے ایک عورت تھی جسے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت نے زمین پر آکر بہکایا اور اس کے حسن بے مثال سے متاثر ہو کر اسے اسم اعظم سکھا دیا تھا جسے پڑھ کر وہ ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی لیکن یہ صرف خیالی باتیں ہیں جنہیں اسرائیلیات سے لیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محققین نے یہ بات کعب احبار سے سن کر محض ایک کہانی کے طور پر بیان کر دی ہو اور اس کا ماخذ اسرائیلیات کو بتایا ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حبان نے اس حکایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن کثیر کی زبانی زہیر بن محمد موسیٰ بن جبیر، نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کا آغاز کرتے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے منسوب کیا جاتا ہے یہ تھا کہ ہاروت و ماروت زہرہ کے عجیب حسن سے متاثر ہوئے اور اس سے جسمانی اتصال کے خواہش مند ہوئے تو زہرہ نے یہ بات اس شرط پر مانی کہ اسے اسم اعظم سکھا دیا جائے جو ہاروت و ماروت نے اسے سکھا دیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہرہ اسے پڑھ کر ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی اور ہاروت و ماروت اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق ٹھہرے لیکن جہاں تک اس حکایت میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کا تعلق ہے تو وہ روایت ہی ایک تو انتہائی ضعیف ہے اور بفرض محال درست بھی ہو تو یقیناً آپ ﷺ نے اسے بیان فرما کر اس کے بارے میں ساتھ ہی اسے اسرائیلیات کے من گھڑت افسانوں میں شامل فرمایا ہوگا تو جیسا ہم نے عرض کیا یہ قصہ بھی کسی نہ کسی طرح حقیقت میں کسی روایت میں شامل ہو گیا ہے لیکن اسے صرف ایک کہانی ہی سمجھا گیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ہماری اس گزارش کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ثوری رحمۃ اللہ علیہ، موسیٰ بن عقبہ اور سالم کے حوالوں کے آخر میں کعب احبار کا حوالہ دیا ہے اور کعب احبار انجیل کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیات میں شامل کچھ ایسے قصے بھی بیان کیا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کے دوسرے من گھڑت افسانوں کی طرح درحقیقت خلاف واقعہ ہوتے تھے۔

ہماری ان گزارشات کا ایک اور واضح اور مدلل ثبوت یہ ہے کہ جن راویوں نے اس قصے کی روایت کو دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے احادیث نبوی ﷺ تک پہنچایا ہے ان جملہ احادیث کو اکثر ثقہ محدثین نے کمزور اور غیر مستند قرار دے کر (جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں) کعب احبار کے بیان کردہ دوسرے اسرائیلی افسانوں میں شامل کیا ہے حتیٰ کہ بخاری اور نسائی جیسے ثقہ و مستند محدثین نے اس سلسلے میں احادیث کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس قصے کو اسرائیلیات میں سے شمار کیا ہے۔

مجرہ اور قوس قزح کا ذکر

ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبدالعزیز، عارم ابوالنعمان اور ابوعوانہ نے ابی بشر، سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ روم کے حکمران ہرقل نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان چند چیزوں کے بارے میں اسے بتائیں جن کے متعلق اکثر لوگ اس سے سوالات کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں (معاویہ) ابھی تک کسی نے ان کے بارے میں نہ بتایا ہو۔

ابوالقاسم طبرانی مزید کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مذکورہ بالا خط میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر مجرہ اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہرقل کا وہ خط ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تھا کہ وہ اس کی طرف سے اس خط کا جواب دے دیں۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا کہ قوس قزح حفاظت کا وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اہل زمین مکمل طور پر غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور مجرہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آسمان اور زمین کی حد فاصل ہے۔

چونکہ ہرقل نے اس جگہ نور کے بارے میں بھی سوال کیا تھا جہاں سورج کی براہ راست شعاعیں دن میں صرف ایک لمحے کے لیے پہنچتی ہیں اس لیے ابن عباس نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس روشنی و تمازت میں مل کر سورج کی شعاعیں بوقت نصف النہار زمین پر منعکس ہوتی ہیں وہ خط استواء ہے جس کے پیچھے رابطے سے بحری اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ جملہ اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں لیکن اس طبقے کی ایک دوسری روایت میں جو طبرانی ہی سے بحوالہ ابو زرعہ، روح بن الفرج، ابراہیم بن ملک، فضل بن مختار، محمد بن مسلم طائفی، ابی یحییٰ، مجاہد اور جابر بن عبداللہ مروی ہے بتایا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے پاس بھیجا تو ان سے فرمایا تھا کہ "میں تمہیں اہل کتاب کے پاس بھیج رہا ہوں لیکن اگر وہ تم سے یہ بات دریافت کریں کہ آسمانی مجرہ کیا چیز ہے تو انہیں بتانا کہ وہ عرش کے نیچے ایک اژدھے کا لعاب ہے"۔

اس روایت میں جس حدیث نبوی ﷺ کا حوالہ دیا گیا اس سے جملہ ثقہ راویوں نے جن میں حافظ ابو الفتح ازدی شامل ہیں انکار کرتے ہوئے اس کو "حدیث منکر" میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کا اصل راوی فضل بن مختار یعنی ابو سہل البصری ہے جو بصرے سے مصر چلا گیا اور ابو حاتم رازی کے بقول وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جس نے بہت سی احادیث گھڑی تھیں جو سراسر ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں کوئی بھی مستند حوالہ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہی بات ابن عدی نے بھی کہی ہے اور اس کی روایت اور جملہ احادیث کو من گھڑت اور ناقابل اعتبار بتایا ہے۔

نیز دیگر تخلیقات ارضی و سماوی کے بارے میں حسب ذیل آیات قرآنی بالکل واضح ہیں۔

(۱) — "ھو الذی یریکم البرق خوفا وطمعا وینشئ السحاب الثقال ویسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ ویرسل الصواعق فیصیب بھا من یشاء وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال"۔ (الرعد: ۱۲۔۱۳)

(۲) — ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون"۔

اس کے علاوہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن ہارون، ابراہیم بن سعد ان کے والد اور بنی غفار کے ایک بزرگ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

"ان اللہ ینشئ السحاب فینطق احسن النطق ویضحک احسن الضحک"۔

"اللہ رب العزت بادل کو پیدا فرما کر اس سے بات کرتے ہیں اور ہنستے ہیں۔"

اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ نے سعد بن ابراہیم کو روایت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "اس بادل کا نطق رعد کی آواز اور اس کی ضحک برق ہے"۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور ہشام سے عبید اللہ رازی اور محمد بن مسلم کے حوالے سے سنا کہ انہیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ اس کا ایک منہ انسان کے منہ کی طرح دوسرا بیل کے منہ کی طرح تیسرا گدھ کی طرح کا ایک پرندے کے منہ کی طرح اور چوتھا شیر کے منہ کی طرح ہے۔ جب وہ فرشتہ اپنے جسم کے پچھلے حصے کو جنبش دیتا ہے تو اس سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہی برق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، نسائی اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الادب" کے تحت بیان کیا ہے نیز حاکم نے اپنی کتاب "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ کے بقول انہیں ابن مطر نے سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ رعد کی گرج اور برق کی کڑک سنتے تو فرماتے:

www.ahlehaq.org

"اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک ولا تھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذالک"۔

ابن جریر لیث اور ایک اور شخص ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بجلی کی آواز سن کر فرمایا کرتے تھے۔ "سبحان من یسبح الرعد بحمدہ" جب کہ حضرت علیؓ کے قول آپ بجلی کی آواز سن کر "سبحان من سبحت لہ" فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ، اسود بن یزید اور طاؤس وغیرہ سے مروی ہے کہ مالک نے عبداللہ بن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ (بارش میں) رعد گرج سنتے تو باتیں کرنا چھوڑ کر یوں فرمایا کرتے:

"سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ"

پھر اس کے بعد ارشاد فرماتے

"ان ھذا وعید شدید لاھل الارض"

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کے لیے شدید وعید ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (رعد یعنی) گرج کے بارے میں یہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے فرمان ہے کہ:

"اگر تم میرے بندے ہو تو میری اطاعت کرو کہ میں راتوں کو بھی انہیں بارش سے سیراب کروں اور تمہارے لیے دن کو سورج طلوع کرتا ہوں اور جب تم بجلی کی آواز سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا"۔

یہ سب کچھ تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ الحمد والمنۃ۔

تخلیق ملائکہ علیہم السلام اور ان کے اوصاف

اس باب کے آغاز میں ہم وہ آیات قرآنی درج کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کے باطل عقیدے کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور صفات الٰہیہ اور فرشتوں کے اوصاف کا ذکر کیا ہے نیز یہاں وہ احادیث بھی پیش کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے شب معراج آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا۔

(۱) — "وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وھم من خشیتہ مشفقون ومن یقل منھم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم کذلک نجزی الظالمین"۔ (الانبیاء: ۲۶۔۲۹)

(۲) — "تکاد السموات یتفطرن من فوقھن والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم"۔ (الشوریٰ: ۵)

(۳) — "الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین امنوا ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم ربنا وادخلھم جنات عدن التی وعدتھم ومن صلح من آبائھم وازواجھم وذریاتھم انک انت العزیز الحکیم"۔ (المؤمن: ۷۔۸)

(۴) — "فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار وھم لا یسئمون" (السجدۃ: ۳۸) "ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنھار لا یفترون"۔ (الانبیاء: ۱۹۔۲۰)

(۵) — "وما منا الا لہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون"۔ (الصافات: ۱۶۴۔۱۶۶)

www.ahlehaq.org

(۶) — "وما نتنزل الا بامر ربک له مابین ایدینا وما خلفنا وما بین ذلک وما کان ربک نسیا". (مریم ۶۴)

(۷) — "وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون". (الانفطار ۱۰-۱۲)

(۸) — "وما یعلم جنود ربک الا ھو". (المدثر ۳۱)

(۹) — "والملائکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار". (الرعد ۲۳-۲۴)

(۱۰) — "الحمد للّٰه فاطر السموات والارض جاعل الملائکة رسلا اولی اجنحة مثنی وثلاث ورباع یزید فی الخلق ما یشاء ان الله علی کل شیء قدیر". (فاطر ۱)

(۱۱) — یوم تشقق — الخ (الفرقان ۲۵)

(۱۲) — "وقال الذین لا یرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملائکة او نری ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتو عتوا کبیرا یوم یرون الملائکة لا بشری یومئذ للمجرمین ویقولون حجرا محجورا". (الفرقان ۲۱-۲۲)

(۱۳) — "من کان عدوا لله وملائکته ورسله وجبریل ومیکال فان الله عدو للکافرین". (البقرہ ۹۸)

(۱۴) — یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارة علیھا ملائکة غلاظ شداد لا یعصون الله ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون" (التحریم ۶)

ان آیات میں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا کہ تخلیق ملائکہ کے ساتھ ان کے فرائض اور اوصاف کے علاوہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور قیامت کے روز ان کے جزا و سزا کے بارے میں کسی قدر وضاحت کی گئی ہے اور ایسی آیات قرآن شریف میں جگہ جگہ حسب موقع کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

ان آیات کی مکمل تفاسیر ہم نے اپنی کتاب "تفسیر" میں کی ہیں اور بتایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تخلیق، ان کے احوال، ان کی تعظیم اور مختلف اشکال کا ذکر وضاحت سے فرمایا ہے ہمارے علاوہ دیگر علماء نے بھی ان آیات کی تفاسیر میں وضاحت کی ہے کہ یہ فرشتے مختلف شکلوں میں زمین پر آتے رہتے ہیں خصوصاً جبریل علیہ السلام کے متعلق خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں متعدد بار، کبھی دحیہ کلبی کی شکل میں، کبھی کسی اعرابی اور کبھی اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوتے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے پر اور بازو چھ سو ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیل جاتے ہیں اور آپ نے انہیں دو بار ملاحظہ فرمایا۔

ایک بار تو اس وقت جب وہ آسمان سے زمین پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شب معراج میں آپ نے ان کے پر "سدرۃ المنتہیٰ" کے قریب دیکھے جو "جنت الماویٰ" کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

"علمه شدید القوی، ذو مرة فاستوی وھو بالافق الاعلی ثم دنا فتدلی" (النجم ۵-۸)

اس حدیث مبارک کو مندرجہ بالا آیت شریف کے حوالے سے ہمارے علاوہ کئی دوسرے علماء و صحابہ نے بھی بیان کیا ہے جن میں ابن مسعود، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ اس حدیث میں اس قول باری تعالیٰ "فکان قاب قوسین او ادنی ○ فاوحی الی عبدہ ما اوحی" کی طرف صاف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ شب معراج ملاء اعلیٰ میں نازل فرمائی لیکن اسے "اوحی الی عبدہ ما اوحی" فرمایا تھا ہم اس ارشاد ربانی میں "الی عبدہ" سے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک ہی مراد ہے جو ایک صحیح کی بات ہے۔

ہم نے احادیث اسراء کی تفسیر میں "**سدرۃ المنتہی**" کے بارے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی ہیں مگر اس کی بلندی ساتویں آسمان تک گئی ہے نیز یہ کہ اس کی شاخیں اور پتے نوری ہیں اور چونکہ بدیہی طور پر یہ نور خداوندی ہے اس لیے اس کے تفصیلی ذکر اور صفات کے بیان سے انسان قاصر ہیں۔ ویسے یہاں اس کا تفصیلی ذکر بھی بے محل ہوگا۔

اس سے قبل ہم سمندروں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیث کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ "سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں جن میں سے دو تو جنت ہی میں ہیں اور دو زمین میں نیل و فرات کی شکل میں بہتے ہیں۔

شب معراج میں آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے "**سدرۃ المنتہی**" کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ثم رفعت الی سدرۃ المنتہی فاذا نبقها کالقلال"

بعض روایات میں "**کقلال الھجر**" بھی آیا ہے یعنی عمدہ عمدہ موٹے اور بلند ستون۔ (مترجم)

واذا ورقها کآذان الفیلة"

یعنی اس کی شاخیں (بلندی میں) ستونوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں۔ (مترجم)

سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکلنے والے دریاؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"واذا یخرج من اصلها نهران باطنان ونهران ظاهران. فاما الباطنان فی الجنة واما الظاهران فالنیل والفرات"

"سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں دو باطنی دو ظاہری، باطنی دریا جنت میں ہیں اور ظاہری دریا (زمین پر) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔"

ان دریاؤں کا ذکر ہم بحروں اور دریاؤں کے ضمن میں پہلے ہی کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں آنحضرت ﷺ نے "بیت المعمور" کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ (ترجمہ) اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فرشتے اس میں دوبارہ نہیں جاتے۔

"بیت المعمور" کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا (ترجمہ) "وہاں میں نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھا جن کی پشت "**بیت المعمور**" کی طرف تھی۔

"**بیت المعمور**" کا ذکر کرتے ہوئے ہم پہلے (تفسیر میں) بتا چکے ہیں کہ وہ ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جیسے خانہ کعبہ زمین پر ہے۔

سفیان ثوری، شعبہ اور ابو الاحوص کی زبانی سماک بن حرب اور خالد بن عرعرہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ابن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "بیت المعمور" کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ:

"وہ آسمان پر ایک مسجد ہے جسے "ضراح" کہا جاتا ہے اور وہ مسجد کعبہ کی شکل کی ہے اور آسمان میں خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے، اگر اوپر سے کوئی چیز گرے تو عین خانہ کعبہ پر گرے۔ آسمان پر اس کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن وہ وہاں دوبارہ نہیں جاتے۔"

یہی روایت علی بن ربیعہ اور ابو طفیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے حسن بن علویہ القطان، اسماعیل بن عیسیٰ العطار، اسحاق بن بشر ابو حذیفہ اور ابن جریج نے صفوان بن سلیم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"بیت المعمور" آسمان پر ہے جسے ضراح کہا جاتا ہے، وہ آسمان پر بیت اللہ کی بالکل سیدھ میں ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں وہاں دوبارہ داخل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا اس کی حرمت آسمان پر (بالکل) ایسی ہی ہے

جیسی زمین پر خانہ کعبہ کی ہے۔

اسی طرح عوفی نے ابن عباس، انس، مجاہد، عکرمہ، ربیع بن انس، السدی اور کئی دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیت المعمور کا ذکر فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے (اور کہاں ہے؟) اس کے بعد قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی (اس کے بارے میں) جانتے ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ آسمان پر خانہ کعبہ کے شکل کی ایک مسجد ہے جسے کوئی صرف ایک بار ہی دیکھ سکتا ہے اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کرنے جاتے ہیں لیکن ایک بار کے سوا وہ یعنی وہ جو ایک بار وہاں جا چکے ہوتے ہیں دوبارہ نہیں جاتے۔

ضحاک کے خیال میں اسے یعنی بیت المعمور کو ابلیس اور ملائکہ نے جو اس کے ساتھی اور جن کہلاتے تھے تعمیر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

متاخرین بیان کرتے ہیں کہ ہر آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک گھر بنا رکھا ہے اور وہ اس میں باری باری یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ویسے ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں جس طرح اہل ارض حج کے لیے ہر سال اور عمرہ کے لیے جب چاہیں خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں اور وہاں عبادت کرتے ہیں یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنی کتاب "المغازی" میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو عبید نے مجاہد کی زبانی بیان کیا کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقات پر جو حرم پاک تعمیر کیے گئے ان کی تعداد چودہ (۱۴) ہے اور "بیت المعمور" جو آسمان پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک ہے اور چوتھا ہے جو زمین کی پیمائش سے سات گنا بڑا ہے۔ ویسے ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک حرم تعمیر کیا گیا ہے۔ بیت المعمور کی عزت و حرمت آسمان پر ویسی ہی ہے جیسی زمین پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی ہے۔

کما قال الشاعر

(ترجمہ)...... "بے شک جس ذات نے آسمانوں کو بلند کیا ہے اس نے وہاں ایک معزز گھر بنایا ہے جس کے لمبے اور مضبوط ستون ہیں۔"

یہی روایت ایک اور جگہ مجاہد ہی سے ابو معاویہ، اعمش اور ابی سلیمان مؤذن الحجاج کے حوالے سے مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی سلیمان نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا کہ حرم محترم جو آسمان پر ہے اس کا طول و عرض زمین سے سات گنا ہے نیز یہ آسمان کے اس حرم پاک کا نام "بیت العزۃ" بھی لیا جاتا ہے اس میں پہلے داخل ہونے کا شرف جس فرشتے کو ملا اس کا نام اسماعیل ہے مگر اس کے بعد ہر روز ستر ہزار فرشتے اس "بیت المعمور" میں داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں اس میں ایک دفعہ کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہی کبھی انہیں یہ موقع ملے گا کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما یعلم جنود ربک الا ھو"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں اسود بن عامر اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر، مجاہد، مورق اور ابوذر کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے آسمان پر جو کچھ دیکھا وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور میں نے جو کچھ سنا وہ تم نہیں سن سکتے کیونکہ اس ساعت کا حق آسمان تک محدود ہے وہاں ہر جگہ چار چار فرشتے چاروں انگلیوں کی طرح ہیں برابر سجدہ میں مشغول رہتے ہیں اور اس طرح وہاں بالشت بھر جگہ باقی نہیں رہتی، میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تمہیں بھی اس کا علم ہو جائے تو تم ہنسنے سے زیادہ رونے لگو اور تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ جسمانی اختلاط سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ بھی نہ ہو اور خوف عذاب سے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے (رحم کی) امید کرتے رہو۔"

یہ حدیث سننے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا "کاش میں ایک درخت ہوتا جس پر عذاب نہ ہوتا" یعنی غیر مکلف ہوتا۔

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو "حسن" اور "غریب" بتا کر کہا ہے کہ اس کی سند حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن عرفہ مصری، عروہ بن مروان الرقی اور عبید اللہ بن عمرو سے عبدالکریم ابن مالک،

عطاء بن ابی رباح اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے وہ حدیث نبوی سنی جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ساتوں آسمانوں میں کسی پر ایک قدم، ایک بالشت اور ایک بالشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، قیام، رکوع، یا سجدے میں نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو (اس روز بھی) وہ سب کے سب کہیں گے کہ ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا بجز اس کے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔

ان دونوں احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بحالت قیام، رکوع یا سجود میں مصروف نہ ہوں یعنی کچھ تو ان میں سے بحالت قیام، کچھ بحالت رکوع اور کچھ بحالت سجدہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ہر وقت دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور اسی طرح قیامت تک یہی کرتے رہیں گے اور ان کے یہ اعمال وہ ہیں جن کا انہیں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم دے رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا

وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون (الصافات: ۱۶۴۔۱۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں جس طرح فرشتے اس کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ سے سن کر صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ فرشتے کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ بھی صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں“۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مسلمانوں) کو اس کے بقول دوسرے انسانوں پر جو فضیلت دی ہے وہ تین باتوں کی وجہ سے دی ہے ایک یہ کہ ہم نے (یعنی ان انسانوں نے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر زمین پر اسی شکل کا بنایا جیسا آسمان پر ہے، دوسرے یہ کہ ہم نے اسے پاک مٹی سے بنایا، تیسرے یہ کہ ہم اس کی عبادت کے لیے فرشتوں کی طرح مساجد میں) بھی اسی طرح یعنی صف بستہ خدا کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وجاء ربک والملک صفا صفا

قیامت میں اس کے روبرو ہماری حاضری کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یوم یقوم الروح والملائکة صفا لایتکلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابا

ابن عباس، حسن اور قتادہ نے کہا کہ مندرجہ آیت شریفہ میں روح سے مراد بنی آدم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی شکل میں زمین پر نمودار ہوتے رہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جنہیں ”روح القدس“ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں روح سے مراد وہ روح ہے جسے جملہ مخلوقات کی روح سمجھا جاتا ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے انہی کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ اس آیت یعنی ”یوم یقوم الروح…… الخ“ میں روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اپنی خلقت کے لحاظ سے عظیم ترین ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلف عسقلانی اور داؤد ابن جراح نے ابی حمزہ، شعبی، علقمہ اور ابن مسعود کے حوالے سے آخر الذکر کے بقول بیان کیا کہ ”یہاں روح سے مراد چوتھے آسمان پر وہ فرشتہ ہے جو جملہ آسمانوں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم الجثہ ہے اور ہر روز وہ تسبیح بارہ ہزار مرتبہ پڑھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور وہی قیامت کے روز صفوف ملائکہ میں سب سے آگے کھڑا ہوگا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

طبرانی بیان کرتے ہیں ان سے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم مصری، ابن وہب بن رزق ابو ہبیرہ، بشر بن بکر، اوزاعی اور عطاء نے عبداللہ بن عباس کے حوالے سے انہی کی زبانی بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے لیے ساتوں آسمان اور زمین کے ساتوں طبقات ایک نوالے کی طرح ہیں یعنی وہ انہیں (اللہ کے حکم سے) اگر اسے حکم دیا جائے ایک نوالے کی طرح نگل لے اور اس فرشتے کی تسبیح ”سبحانک حیث کنت“ ہے۔

یہ روایت بھی جسے عبداللہ ابن عباس نے طبرانی وغیرہ کے بقول بطور حدیث نبوی ﷺ بیان کیا ہے بڑی عجیب و غریب ہے اور یقیناً یہ صرف ایک ہی ہے۔

ویسے ہم بھی ان فرشتوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش کہلاتے ہیں جابر بن عبداللہ کے حوالے سے ان میں سے ایک فرشتے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس فرشتے کا قد کاٹھ یہ ہے کہ اس کے کان کی لو سے اس کے کاندھے تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے"۔

سات سو سال کی اس مسافت کو ابوداؤد اور ابن حاتم کی روایت حدیث کے مطابق آنحضرت نے کسی پرندے کی سات سو سال تک آہستہ مگر مسلسل پرواز کے برابر فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے "علمه شديد القوى" فرمایا ہے۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ان کی قوت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے سارے شہروں کو جن کی تعداد سات تھی اور ان میں بسنے والی قوم لوط کو ان کی عمارات اور ان کے تمام پالتو جانوروں اور ان کے جنگلات کے تمام دوسرے درندوں اور حیوانات وغیرہ کو اپنے ایک پر پر اٹھالیا تھا لیکن جب انہیں لے آسمان کی طرف اتنے بلند ہوئے کہ فرشتوں کے کانوں میں وہاں کے کتوں وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے ان تمام شہروں کو مذکورہ بالا تمام چیزوں سمیت الٹ دیا تھا۔ لہٰذا بقول باری تعالیٰ عزاسمہ "شدید القوی" ہی ہوئے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلقت میں حسین ہونے کے علاوہ بہت سی دوسری صفات کا حامل فرمایا ہے اور بقول آنحضرت ﷺ بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہونے کے علاوہ خوش منظر ہیں، بڑی قوت والے ہیں، ان کا مقام صاحب عرش کے قریب ہے۔ ان تمام باتوں سے جبرئیل علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے صاحب علوئے مرتبت ہیں نیز یہ کہ وہ عرش مجید کے اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام بجالاتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ترسیل وحی بھی شامل ہے۔ شریعت کی رو سے بھی یہ روایت صادقہ میں شامل ہے اور جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں متعدد بار مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے جب کہ دو بار اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے تھے اس شکل میں جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلق بن غنام اور زائدہ وشیبانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آخر اللہ کرنے قول باری تعالیٰ "فكان قاب قوسين او ادنى فاوحى الى عبده ما اوحى" کی آنحضرت ﷺ کے حوالے سے وضاحت چاہی تو انہوں نے بتایا کہ ان سے عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اس جگہ جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پر دیکھے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ ابن آدم اور شریک نے جامع بن راشد ابی وائل اور عبداللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان کے اس صورت میں چھ سو پر ملاحظہ فرمائے اور ہر پر پورے افق سماوی کے برابر تھا اور ہر پر میں موتی اور دیگر جواہرات جیسی اشیاء جڑی ہوئی تھیں جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان سے حسن بن موسیٰ اور حماد بن سلمہ نے عاصم بن بہدلہ، زر بن حبیش اور ابن مسعود کے حوالے سے آیت شریفہ "ولقد راه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى" کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کی اصل شکل و صورت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ان کے چھ سو پر ہیں اور ہر پر موتیوں اور دیگر جواہرات سے مرصع ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب، حسین (یہاں راوی کی مراد حسین ابن واقد سے ہے (محمود الامام)) عاصم ابن بہدلہ نے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی ان راویوں نے شقیق بن سلمہ سے سنا اور شقیق نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پر بھی دیکھے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عاصم سے جبرئیل علیہ السلام کے پروں بازوؤں کے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن اتنا کہا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام سے سنا کہ ان کا ہر پر مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہے۔ تاہم یہ اسناد بہت قوی ہیں جن کے حوالے سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بطور خاص بیان کی ہے۔

www.ahlehaq.org

حضرت جبرئیل کے پروں کے بارے میں مختصر روایت...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب نے بیان کیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے حسین، حصین، شقیق اور ابن مسعود کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام جب بھی آئے تو آپ نے ان کے پر ہمیشہ مختلف الالوان اور یوں چمکتے ہوئے دیکھے جیسے سچے موتی چمکتے ہیں۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان سے ابن بزیع بغدادی نے بیان کیا کہ انہیں اسحٰق بن منصور اور اسرائیل نے ابی اسحٰق، عبدالرحمٰن ابن یزید اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب (شب معراج) میں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو رفرف پر سوار کر کے آسمان کی طرف محو پرواز تھے تو ان کا جسم (طوالت میں) زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔

صحیحین میں مسروق کی بیان کردہ ایک روایت عامر شعبی کے حوالے سے اس طرح درج ہے کہ اول الذکر یعنی مسروق نے بیان کیا کہ ایک بار وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں یہ ارشاد نہیں پڑھا کہ:

"ولقد رأه بالافق المبین' ولقد رأه نزلۃ اخری"

اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے پہلی بار اس کے بارے میں دریافت کیا تھا" اور آپ ﷺ نے (جواباً) ارشاد فرمایا تھا کہ: "میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ہر اس چیز سے بڑے تھے جو (اپنے جثے میں) زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہو"۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ تحریر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں اس قرآنی "وما نتنزل الا بامر ربک لہ مابین ایدینا وما خلفنا" کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: "ہم نے انہیں ان کی اصلی شکل وصورت میں اکثر نہیں دیکھا"۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ عروہ نے ایک دن عمر بن عبدالعزیز سے جو نماز عصر کے بعد مکمل سکوت اختیار کرتے تھے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تو وہ آپ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ عروہ سے یہ سن کر عمر ابن عبدالعزیز بولے: "اے عروہ جو تم کہہ رہے ہو میں اسے خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے والد کے حوالے سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جبرئیل کی آمد پر جب وہ مجھے وحی پہنچا چکے اور مجھے تسلی دے چکے تو میں نے ان کے ساتھ پانچ مرتبہ نماز پڑھی ہے" اور مسعود نے یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ نے پانچ مرتبہ کی بات اپنی انگلیوں پر گن کر فرمائی۔ جہاں تک اسرافیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین بار صور پھونکیں گے۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر بنی نوع انسان میں چیخ پکار پڑ جائے گی جب کہ صور کی دوسری آواز پر جو بادل کی گرج سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہوگی خوف زدہ ہو کر ان کے دل دہل جائیں گے اور اس کی تیسری آواز پر مردے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کی تفصیلات ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

بہر حال یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا: "میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں (اور کس طرح کسی چیز سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں) جب کہ اسرافیل صور کا منہ اوپر اٹھائے اس کے پھونکنے کے لیے حکم الٰہی کے منتظر ہیں اور جبریل و میکائیل بالترتیب ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں"۔

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہ نے آپ سے دریافت کیا "یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں اور کیا کہیں؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" اور "علی اللہ توکلنا" پڑھتے رہا کرو۔

یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری نے عطیہ عوفی کی زبانی ابی سعید خدری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک اور جگہ ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی اور سعد طائی نیز عطیہ عوفی اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ حضرمی اور محمد بن عمر نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن ابی لیلیٰ کی زبانی ابی لیلیٰ، حکم، مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے ایک روز ان سے یعنی ابن عباس وغیرہ سے فرمایا کہ ”جب آسمان افق تا افق شق ہونے لگے گا اس وقت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوں گے اور اسرافیل علیہ السلام زمین کی طرف آتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میں دیکھوں گا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے ہے وہ مجھ سے پوچھے گا: اے محمد ﷺ! آپ بہ حیثیت نبی (اللہ کے بندوں میں) انسان ہونا پسند فرماتے ہیں یا فرشتہ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وقت جبرئیل علیہ السلام مجھے اشارے سے سمجھائیں گے جس کا مطلب میں سمجھ جاؤں گا اور اس فرشتے کو جواب دوں گا ”انسان“ یہ سن کر وہ فرشتہ آسمان کی جانب پرواز کر جائے گا تو میں جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کروں گا: ”جبرئیل علیہ السلام! یہ کون سا فرشتہ تھا؟ جبرئیل علیہ السلام مجھے بتائیں گے کہ وہ اسرافیل علیہ السلام تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اصلی خلقت پر جب پیدا کیا تھا تو ان کے دونوں ہاتھوں کے مابین خلا تھا، اور ان کے اور ان کے رب کے درمیان سات نوری پردے حائل ہیں جن کی طرف وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتے تھے کیونکہ اگر ایسا کریں تو فروغِ تجلی سے جل کر رہ جائیں، وہ قطرہائے باراں اور زمین سے (انسانوں اور حیوانوں کے لیے) غلہ اور دیگر نباتات (اگانے) پر مقرر تھے۔ عزرائیل کا کام قبض ارواح ہے۔ لوح محفوظ ان کے سامنے رہتی تھی جس میں وہ سب قدرت کا حکم یا مشیت ایزدی دیکھ کر عمل کرتے رہے ہیں“۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان کے اپنے فرائض جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ”ہوا پر تسلط اور فرشتوں کی سرکردگی“۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام بولے: ”میرا خیال ہے کہ میکائیل قیام قیامت کی وجہ سے زمین سے سامنے قریب آگئے ہیں“۔ پھر بولے: ”اور میں بھی قیام قیامت کے خوف کی وجہ ہی سے (اس وقت) یہاں ہوں“۔

حدیث بیہقی اس روایت میں جو باتیں بیان کی گئیں انہیں کی وجہ سے اس حدیث کو ”غریب“ سمجھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

> ”اللھم رب جبریل میکائیل و اسرافیل فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم
> بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من
> تشاء الیٰ صراط مستقیم“۔

حدیث صور میں آیا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام وہ پہلی ہستی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کائنات کے فنا ہونے کے بعد صور پھونکنے کے لیے دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

محمد بن حسن النقاش نے بیان کیا کہ اسرافیل فرشتوں میں سب سے پہلے تھے جس نے سجدہ کیا اس لیے ان کے حق میں لوح محفوظ کی ولایت مناسب ہوئی۔ یہ روایت ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب ”التعریف والاعلام بما ابھم فی القرآن من الاعلام“ میں بیان کی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال“ میں جبرئیل اور میکائیل کے درمیان واو عاطفہ ان دونوں کے درمیان مراتب کے جدا ہونے کی دلیل کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے پہلے ان کا نام لیا جانا دوسرے فرشتوں پر ان کے شرف کا ثبوت ہے۔ بہر حال اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام ملائکہ میں اعظم و افضل ہیں کیونکہ اس آیت شریف میں بھی ان کا نام پہلے آیا ہے۔ ویسے آسمان اور زمین پر میکائیل علیہ السلام کے دو مناصب یعنی بالترتیب بارش و نباتات کے سلسلے میں ان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقرر جبرئیل علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقربین میں ان کے اعزاز کی برتری کا ثبوت ہے جو اس آیت شریف سے ظاہر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابو الیمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمارہ بن غزیہ انصاری و حمید بن عبید، مولیٰ بنی معلی و ثابت البنانی کے حوالے سے بتایا کہ انس بن مالک سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے (ایک دفعہ) جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میں نے کبھی میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کے اس سوال کے جواب میں جبرئیل بولے: جب سے آگ (جہنم) کو پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے وہ نہیں ہنسے۔

www.ahlehaq.org

صحاح ستہ میں بھی تفصیل سے ان تینوں فرشتوں کا نام اکثر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے مثلاً: "اللّٰھم رب جبرئیل و میکائیل واسرافیل"۔ جبرائیل انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے جانے پر مامور تھے۔ میکائیل بارش اور زمین پر نباتات کے موکل ہیں جس سے بندگان خدا کو اس دنیا میں رزق ملتا ہے۔ اس کام میں بے شمار فرشتے میکائیل کے مددگار ہیں جو حکم الٰہی کے تحت ان کے احکام بجا لاتے ہیں۔ یعنی ہوا، ابر اور بارش کے سلسلے میں میکائیل کے احکام پر عمل کرتے ہیں جب کہ خود میکائیل احکام خداوندی کے پابند ہیں۔ واضح رہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ میکائیل کے مددگار کے طور پر ان کے حکم کے تحت بحکم رب العزت اس بوند کی نگرانی کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے۔ اسرافیل علیہ السلام تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت صور پھونکنے پر مامور ہیں جب بنی نوع انسان صور کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ تو حشر میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے گی۔ چنانچہ اس روز میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام دونوں کے کام ختم ہو جائیں گے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کا نام قرآن شریف یا احادیث صحاح یعنی صحاح ستہ میں کہیں وضاحت کے ساتھ نہیں پایا جاتا۔ البتہ بعض کتابوں میں حضرت عزرائیل کے نام سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون"۔

"کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) ملک الموت تم سب کو موت سے ہمکنار کرے گا، پھر تم لوگ اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ گے)"۔

جب کسی انسان کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے بے شمار معاون فرشتوں میں سے کوئی نہ کوئی فرشتہ اس انسان کی روح جسم سے کھینچ کر اس کے حلقوم میں پہنچا دیتا ہے۔ روح کے حلقوم میں پہنچ جانے کے بعد اس کی روح کو مکمل طور پر جسم سے خارج کرنے کا کام ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن وہ بھی اس کی روح کو مکمل طور پر سلب نہیں کرتا جب تک اس کی تکفین کے بعد اس کی تدفین نہیں ہو جاتی پھر وہاں اس کی قبر میں منکر نکیر یعنی دو فرشتے جو اسی کام پر مامور ہیں اس سے اس کے مذہب و مسلک کے بارے میں سوالات کر کے ان کے جوابات حاصل نہیں کر لیتے جیسا کہ خود رب العزت کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

"یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ"

منکر نکیر کے ان سوالات اور بظاہر اس مردہ شخص کے جوابات کے بعد اگر وہ مرد یا عورت اعمال صالح کا پابند ہے تو اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ادھر پرواز کر جاتی ہے۔ اس کے برعکس جن اشخاص نے زمین پر زندہ رہتے ہوئے اعمال صالح کی پابندی نہیں کی ہوتی ان کی ارواح زمین و آسمان کے درمیان معلق کر دی جاتی ہیں جیسا کہ اس قرآنی آیت شریف سے صاف ظاہر ہے۔

"وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا وھم
لایفرطون ثم ردوا الی اللہ مولاھم الحق الالہ الحکم وھو اسرع الحاسبین" (الانعام: ۶۱،۶۲)

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد اور متعدد دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جس طرح کسی کے سامنے کھانے کا طشت رکھا ہوا ہو اور وہ یعنی ملک الموت اس طشت میں سے حسب منشا کھاتا رہتا ہے۔

ہم کہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے دو طرح کے فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص اپنی زندگی میں نیک و صالح رہا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو فرشتے آتے ہیں ان کے چہرے سفید اور روشن ہوتے ہیں لیکن بد اعمال لوگوں کے سامنے اس وقت اس کے برعکس یعنی کریہہ المنظر اور ہیبت ناک فرشتے آتے ہیں۔ خدا ہم مسلمانوں کو اس دوسری صورت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد، یحیی بن ابی یحیی مقری اور عمرو بن شمر نے جعفر بن محمد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے ایک روز کسی انصاری کے آخری وقت رسول اللہ ﷺ کو اس کے سرہانے کھڑے دیکھا۔ اس وقت آپ جیسا کہ آپ نے بعد میں ارشاد فرمایا ملک الموت سے مخاطب تھے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: "اے عزرائیل! یہ میرا صحابی ہے اس کی روح نرمی کے ساتھ قبض کرنا" اس کے

جواب میں ملک الموت نے آپ سے عرض کیا: "یا محمد ﷺ آپ مطمئن رہیے، میں ہر مومن کا رفیق ہوں" یعنی ہر مومن کی روح نرمی سے قبض کرتا ہوں۔ اس کے بعد ملک الموت نے آپ ﷺ سے مزید عرض کیا: "میں زمین کے تمام علاقوں سے پوری طرح واقف ہوں اور ان میں رہنے والوں کے بارے میں ہر روز پانچ مرتبہ تحقیق کرتا رہتا ہوں یعنی ان میں سے کس کس کی موت کا وقت آپہنچا ہے اور کس کس کی روح قبض کرنے کا حکم مجھے میرے رب کی طرف سے ملنے والا ہے لیکن میں چاہوں بھی تو ان میں سے کسی ادنیٰ کی روح کو حکم ربی کے بغیر (ہرگز) قبض نہیں کرسکتا"

جعفر بن محمد (باقر) جو صادق کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد نے بتایا کہ "اگر اوقات نماز کے دوران میں کوئی مسلمان عالم نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت جب اس کے سرہانے آتا ہے تو بشرطیکہ وہ مسلمان اپنی زندگی میں نماز کا پابند رہا ہو شیطان کو اس کے قریب سے ہٹا کر اس مسلمان کو کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ اس کے عالم نزع کی تکلیف کم ہو جائے"۔

یہ حدیث مرسل ہے اس لیے محل نظر ہے۔

ہم حدیث صور کو اسماعیل بن رافع المدنی القاص کی زبانی محمد بن زیاد، محمد بن کعب قرظی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تفصیلاً پیش کرتے ہوئے بیان کرچکے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے اور اس کے بعد جب تمام ارض و سما کی مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ اسرافیل سے صور لے لیا جائے اور ملک الموت کو اسرافیل کی موت کا حکم دیا جائے اور پھر ملک الموت کو طلب فرما کر اس سے دریافت فرمائیں گے کہ "اب کون باقی ہے؟" وہ رب العزت کی خدمت عرض کرے گا کہ تمام ارضی و سماوی مخلوق فنا ہوچکی سوائے ان کے جنہیں تو نے ابھی موت سے دوچار کرنا چاہا۔" ارشاد ہوگا: "ہم بہتر جانتے ہیں تاہم تو بھی بتا" ملک الموت عرض کرے گا: "اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو قائم و دائم رہنے والی ہے حاملان عرش اور جبرائیل و میکائیل باقی ہیں۔" حکم ہوگا: "جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کرلو اس وقت عرش الٰہی بولے گا: "یا رب العالمین کیا جبریل اور میکائیل بھی مرنے والے ہیں؟" عرش سے یہ سن کر اللہ تعالیٰ عرش سے فرمائیں گے: "خاموش میں لکھ چکا ہوں جو بھی میرے عرش کے نیچے ہیں ان سب کو موت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا وہ دونوں بھی مریں گے"۔

اس کے بعد ملک الموت (عزرائیل) اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا "میں نے جبریل اور میکائیل کی روحیں بھی قبض کرلیں ہیں۔" ارشاد ہوگا: "پھر اب کون کون باقی ہے؟" ملک الموت جواب دے گا: "اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو دائم و قائم رہنے والی ہے صرف عرش کے اٹھانے والے فرشتے باقی ہیں۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "حملۃ عرش کو بھی مرنا ہوگا۔" پھر وہ بھی مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت کہے گا: "یا اللہ حملۃ عرش بھی مر گئے۔" پھر اللہ فرمائیں گے "اب کون باقی ہے؟ ..... ہم بہتر جانتے ہیں تاہم تو بھی بتا؟" ملک الموت عرض کرے گا: "اب تیری ذات پاک جو قائم و دائم رہنے والی ہے اور رہے گی کے علاوہ صرف تیرا یہ بندہ ناچیز ابھی زندہ ہے۔" ارشاد ہوگا: "ہم نے جب تجھے پیدا کرنا چاہا تھا تو پیدا کردیا تھا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی مرجا لہٰذا مرجا!" چنانچہ ملک الموت بھی اس مشیت رب کے تحت مرجائے گا۔ پھر کوئی باقی نہیں رہے گا سوائے واحد، قہار، احد، صمد، الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد جو اول و آخر ہے۔

اس حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ طبرانی، ابن جریر اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے نیز حافظ ابوموسیٰ المدینی نے اپنی کتاب المطولات (کشف الظنون میں بتایا گیا ہے کہ "کتاب المطولات" حافظ الکبیر ابی موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر المدینی المتوفی ۵۸۱ ہجری کی تصنیف ہے جس میں حدیث صور کی مبالغہ آمیز اور بے سروپا باتوں کے علاوہ اور بہت سی من گھڑت اور ناقابل یقین باتیں درج ہیں) میں پیش کرتے ہوئے اس میں کچھ مزید اور عجیب و غریب اضافے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو تمام ارضی سماوی مخلوقات کی موت کا حکم دے کر آخر میں خود اس سے فرمایا: "تو بھی میری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ میں نے تجھے جب ارادہ کیا تو پیدا کردیا لیکن اب میرا حکم ہے کہ میری تمام مخلوقات کی طرح تو بھی مرجا اس طرح پھر کبھی زندہ نہ ہو۔

چنانچہ رب العزت کا یہ حکم سن کر ملک الموت کو بھی موت آجائے گی وغیرہ وغیرہ۔ جن دو فرشتوں کے اسماء قرآن شریف میں ہاروت و ماروت بتائے گئے ہیں ان کا ذکر متقدمین کی ایک جماعت کے اکثر لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن ان دونوں فرشتوں کے مامور من اللہ ہو کر انسانی شکلوں میں زمین پر آنے، ان کے متعلق دیگر واقعات اور ان کے سیہ اعمال کی سزا کے بارے میں تمام تفصیلات جو متعدد کتابوں میں ملتی ہیں وہ سب کی سب

www.ahlehaq.org

اسرائیلی روایات میں سے ہیں۔ اس سلسلے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث مرفوع بیان کیا اس کی بھی جگہ جگہ ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک بھی محل نظر ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن عمر کا جو حوالہ دیا گیا تو مذکورہ راوی نے بھی اس حکایت کی تفصیل یقیناً کعب احبار سے سنی ہوں گی جو پہلے نصرانی تھے اور اکثر اسرائیلیات پر مبنی واقعات سنایا کرتے تھے۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کر عنقریب اس موضوع پر مزید تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

ویسے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زہرہ زمین پر انسانی مخلوق میں ایک بہت حسین عورت تھی جس کی خوبصورتی کا ذکر اس قصے کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ تذکرہ میں پایا جاتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ہاروت و ماروت اس کی قربت کے طالب ہوئے تو زہرہ نے ان کی یہ شرط رکھی کہ وہ اسے اسم اعظم سکھا دیں جسے سیکھنے کے بعد وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن گئی۔

اس سلسلے میں حاکم اپنی کتاب مستدرک میں ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زمین پر رہنے والی عورت اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے ستارہ زہرہ کی مثال تھی۔ ہمارے خیال میں حاکم کی یہ روایت قرین قیاس ہے اور اس لیے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کے زمانے کا ہے تاہم ہم نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی حکایات کے ضمن میں لکھا ہے۔

بہرکیف اس قصے کا مرجع کعب احبار ہیں اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اسے ثوری، موسیٰ بن عقبہ، سالم ابن عمر اور کعب احبار ہی کے حوالے سے بطور حکایت کے پیش کیا ہے۔ ویسے کعب احبار کے علاوہ یہ روایات ان بڑے ثقہ راویوں کے حوالے اور اسناد کے ذریعہ جس حد تک بیان کی گئی ہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جو لوگ قرآن کی آیت شریفہ "وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت" میں "ھاروت و ماروت" سے جنات کے دو قبیلے مراد لیتے ہیں وہ بھی بڑی عجیب اور بعید از قیاس بات ہے اور ہر چند کہ ایسے لوگوں کے اس بیان کو ابن حزم نے روایت کی ہے کہ چونکہ قرآن میں "ملکین" کے تلفظ سے یہ بات غلط ٹھہرتی ہے اس لیے وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ مندرجہ بالا آیت قرآن میں "ملکین" کے حرف کاف کو مکسور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہاروت و ماروت فارس (ایران) کے دو حکمران (بادشاہ) تھے۔ یہ بات ضحاک نے نقل کی ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت در حقیقت دو فرشتے ہی تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا دی گئی تھی جیسے ابلیس کو جو فرشتہ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی سزا دی تھی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اپنی جگہ درست ہے لیکن ان کا بطور مثال یہ کہنا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی تھا غلط ہے کیونکہ وہ در حقیقت جن تھا۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ عنقریب آگے چل کر تفصیل گفتگو کریں گے۔

حدیث میں دو اور ملکین کا منکر و نکیر کے نام سے ذکر آیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کے بموجب قبر میں ہر میت سے اس کے رب، اس کے دین، اس کے نبی اور اس کے نیک و بد اعمال کے بارے میں سوالات کریں گے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان فرشتوں کے رنگ عام رنگوں سے مختلف ان کے چہرے عجیب و غریب بلکہ بھیانک اور ان کے دانت بہت لمبے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے سوالات کے جواب دینے میں مدد فرمائے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے آمین۔

ملک الجبال:...... بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف، ابن وہب اور یونس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ابن شہاب کو عروہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حوالے سے بتایا کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے احد کے روز یعنی جس روز میدان احد میں کفار مکہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی اس روز سے زیادہ سخت دن بھی دیکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا: میں نے وہ دن دیکھا ہے، اس روز ابن عبد یا لیل بن عبد کلال نے مجھ سے میری جان ہی لے لی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا اسی سے طالب امداد تھا۔ بہر حال اس نامراد اور دوسرے کفار مکہ نے مجھ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔

www.ahlehaq.org

جب کفار مکہ یعنی خود میری قوم کی طرف سے مجھ پر یہ ظلم ہو رہا تھا تو میری نگاہ آسمان کی طرف گئی اور میں نے دیکھا ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس ابر پارے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف آ رہا ہے، جب وہ فرشتہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے سلام کر کے کہا: "اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے اور آپ کے بارے میں ان کے نازیبا کلمات بھی سن لیے ہیں۔ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ اگر آپ کا حکم مبارک ہو تو میں روئے زمین پر جتنے جنگلات ہیں انہیں اٹھا کر آپ ﷺ کی اس قوم پر الٹ دوں"۔

جبرئیل علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس کرم بے پایاں کے بارے میں سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جبرئیل علیہ السلام سے کہا: "نہیں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے اصلاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کریں جو صرف اسی کو معبود مانیں اسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں"۔

یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔

فصل

تقسیم ملائکہ ..... فرشتے اپنی اپنی ذمہ داریوں کی نسبت سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو حاملین عرش ہیں اور کچھ عرش کے چاروں طرف رہتے ہیں۔ انہیں کروبیاں کہتے ہیں۔ فرشتوں کی یہ دونوں قسمیں اشرف الملائکہ ہیں اور مقربین کہلاتی ہیں جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتے ہیں:

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون"

جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام بھی انہی ملائکہ مقربین میں شامل ہیں۔ یہ فرشتے یعنی ملائکہ مقربین اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے نہیں آتے تاہم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ویستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم ..... الخ"

جب یہ فرشتے اہل ایمان کو ان صفات سے متصف پاتے ہیں جن کے لیے وہ ان کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"جب کوئی بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسی ہی یعنی ہماری یہی دعا ہے۔"

ان کے علاوہ دوسرے فرشتے جو ساتوں آسمانوں میں قیام پذیر ہیں شب و روز ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی وقت رب العزت کی عبادت سے غافل نہیں رہتے، کوئی ہمیشہ سجدے میں رہتا ہے اور کوئی قیام میں۔ انہی فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جو آگے پیچھے گروہ در گروہ ستر ستر ہزار کی تعداد میں بیت المعمور کی طرف جاتے ہیں لیکن ان فرشتوں کی تعداد اتنی ہے کہ ستر ہزار کے ایک گروہ کو دوبارہ بیت المعمور میں دوبارہ جانا نصیب نہیں ہوتا جب کہ کچھ دوسرے جنات پر متعین ہیں نیز ان بزرگ ارواح پر جو آسمان پر قیام پذیر ہیں۔ یہ فرشتے ان کے اور ان کے متعلقین کے رہنے سہنے، کھانے پینے اور ملبوسات کا انتظام کرتے رہتے ہیں جن کے بارے میں انسان کا خیال بھی نہیں جا سکتا۔

حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنت کا داروغہ بھی ایک فرشتہ ہے جو رضوان کہلاتا ہے اس کا حدیث شریف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو دوزخ پر متعین ہیں ان کی تعداد ۱۹ (انیس) ہے ان فرشتوں کا سردار جو فرشتہ ہے اس کا نام مالک ہے اور دوزخ کی ساری آگ کا وہی

نگران ہے۔ دوزخ کے ان فرشتوں کا اور مالک کا قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ (سورۃ المدثر ۲۹، ۳۰، الزخرف ۷۷، [illegible] التحریم [illegible])

کچھ فرشتے بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ والبی سے روایت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ (الرعد ۱۰، ۱۱)

لیکن اللہ ہی کے حکم سے اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔ عکرمہ نے بھی ابن عباس کے حوالے سے یہی روایت کی ہے

مجاہد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن پر ایک فرشتہ متعین ہے جو اس کی جنات اور دوسرے انسانوں اور شیاطین سے اس کی حفاظت کرتا اور ان وسوسوں سے بھی اسے تحفظ دیتا ہے جو یہ سب اس کے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس فرشتے کا یہ معاملہ اس مومن کے سلسلے میں اس کے سوتے جاگتے دن رات ہر وقت جاری رہتا ہے۔

ابو اسامہ (ایک نسخے میں ابو امامہ لکھا ہے (مرتب)) کہتے ہیں کہ کوئی آدم زاد نہیں جس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

ابو مجلز روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کوئی شخص کسی کو قتل بھی کرنا چاہے تو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے مامور ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں یہ فرشتے یا تو اللہ کے حکم کے تحت دو حالتوں میں اس آدمی کے پاس سے ہٹتے ہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پیش آئے یا دوسری صورت میں اس کی موت کے وقت

دو فرشتے جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ویسے "کراماً کاتبین" یا کتبہ ین کے بارے میں حافظ ابو محمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد علی بن محمد طنافسی، وکیع، سفیان اور مسعر کی زبانی علقمہ بن مرثد اور مجاہد کے حوالے سے حدیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراماً کاتبین آدمی کے پاس سے صرف دو حالتوں میں ہٹتے ہیں ایک تو اس وقت جب وہ حالت جنابت میں ہو یا قضائے حاجت کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنا ستر غیر ضروری اوقات میں ڈھکے رہنا چاہیے تاکہ ان فرشتوں کو اس کے پاس سے ان اوقات میں ہٹنا نہ پڑے۔ یہ حدیث مرسل ہے تاہم اسے بزار نے جعفر بن سلیمان کے حوالے سے اپنی مسند میں شامل کیا ہے لیکن علقمہ اور مجاہد نے اسے گول مول ظاہر کر کے ابن عباس کے حوالے سے اس سلسلے میں جو حدیث نبوی پیش کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے پردگی سے روکا ہے۔ لہٰذا تم اپنے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کراماً کاتبین سے بھی شرم کیا کرو جو تم سے تین حالتوں کے سوا کبھی جدا نہیں ہوتے۔ ایک بوقت صحبت یعنی بیویوں سے ہم بستری، دوسری حالت جنابت، تیسری حالت غسل کی ہے کہ جب تم برہنہ ہوتے ہو پھر فرمایا کہ غسل کے بعد جو کپڑا وغیرہ میسر ہو وہ پہن لیا کرو یا اس سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپا لیا کرو جو "ستر" کہلاتا ہے اور جس کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق کریمانہ عطا فرمائے ہیں جو ان کے ناموں سے ظاہر ہیں۔ یہ فرشتے اعمال قبیحہ کے وقت آدمی سے دور ہٹ جاتے ہیں۔

یہ حدیث جملہ صحاح، سنن اور مسانید میں ملتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فرشتے کسی ایسے مکان میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا، مجسمہ یا تصویر ہو۔ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لفظ "بول" کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جس گھر میں جگہ جگہ پیشاب پڑا ہوا پایا جاتا ہے۔

رافع کی روایت مرفوع میں بحوالہ سعید ہے کہ فرشتے تصویروں اور مجسموں والے گھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ مجاہد نے جو مشہور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں تصویر یا مجسمے کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ ذکوان ابی صالح سمان نے جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتے جو اپنے ساتھ کتے یا ناقوس (گھنٹی) لے کر چلتے ہیں۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ حدیث اسحاق بن سلیمان بغدادی المعروف بالقلوسی، بیان بن عمران اور سلام ابو منصور بن زاذان نے محمد

www.ahlehaq.org

بن سیرین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے بنی آدم کے اقوال و اعمال کی مناسبت سے اسے پکارتے ہیں اور ان کا روزانہ حساب رکھتے ہیں، پس جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے آپس میں اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی رات خیر و فلاح کے ساتھ گزرے لیکن جب کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص رات کو ہلاک ہو جائے۔ سلام حافظ نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے یکے بعد دیگرے شب و روز آسمان سے زمین پر اترتے ہیں وہ دونوں گروہ فجر اور عصر کی نماز میں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ لوٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ "تم نے میرے بندے کو کس حال میں چھوڑا؟" اس پر وہ دونوں گروہ باری باری ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ "ہم نے انہیں آتے جاتے دونوں وقت نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا"۔

یہ روایت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیاق و سباق کے ساتھ "تخلیق کی ابتدا" کے عنوان کے تحت بیان کی ہے اور اسی کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی اسی طور خاص اس موضوع کے تحت پیش کیا ہے اور اسی وجہ سے پیش کیا ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ، زیاد بن ابی ایوب، مبشر بن اسماعیل اور تمام بن نجیح کی زبانی حسن یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کاتب اعمال فرشتے جب کسی شخص کا دن بھر کا صحیفہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کے لیے رب العزت سے طلب مغفرت کرتے ہیں تو وہ فرماتا ہے کہ صحیفے کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا حساب کتاب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث جو تمام نجیح نے خاص طور پر انتخاب کر کے پیش کی ہے وہ "حدیث صالح" ہے، تاہم اسے ابن معین نے "ثقہ" اور بخاری وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھنے کے لیے اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر کیے گئے ہیں جن میں سے ایک اس کے آگے اور ایک پیچھے اور اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اس کے تمام اقوال و اعمال ریکارڈ کرتے رہتے ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول کے مطابق ہر شخص کے دائیں اور بائیں دو فرشتے اس کام کے لیے مامور ہیں جیسا کہ خود قرآن پاک سے ثابت ہے کہ:

"عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید". (ق ۱۸-۱۷)

اس ضمن میں اس حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر فرد واحد کے ساتھ (اور بقول دیگر ہر انسان کے ساتھ) کچھ قرینے (خصائل شر) جنوں کے اور کچھ قرینے (خصائل خیر) فرشتوں کے جمع ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات پر پیدا کیا ہے یعنی مجھ میں تمام خصائل خیر جمع کر دیے گئے ہیں۔

اس حدیث نبوی (ﷺ) کا اخراج مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کی روایت سے کیا ہے جس سے آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ہر انسان میں خیر و شر دونوں کی استعداد موجود ہے پھر یہ بھی کہ اسے شیاطین خیر کی راہ سے بھٹکا بھی سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کلی طور پر بحکم الٰہی معصوم ہیں اس لیے نہ آپ ﷺ کو شیطان کسی وسوسے میں مبتلا کر سکتا ہے اور نہ آپ کے نامہ اعمال میں سوائے خیر کے کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ قرین سے مراد فرشتہ ہے اور یہ فرشتہ حفاظت والے فرشتوں کے علاوہ ہے۔ یہ انسان کو خیر و فلاح والے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے۔ جیسا کہ قرین من الجن گمراہی اور فسق و فجور کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ واللہ المستعان۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احمد بن یونس، ابراہیم بن سعد اور ابن شہاب کی زبانی اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن اغر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والے ہر نمازی کا نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنا صحیفہ سمیٹ کر قرآن کریم کی تلاوت سننے لگتے ہیں۔ یہ حدیث بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی انہی الفاظ میں درج ہے اور منفرد کر کے پیش کی گئی ہے۔ درج ذیل آیت شریفہ فرشتوں کے شب و روز گواہ شہادت دو زمانی تعین کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی کہ وہ وقت فجر مساجد میں آ کر قرآن پاک سنتے ہیں۔

www.ahlehaq.org

"وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا"

یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسباط کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک بلحاظ تسلسل یہ روایت منقطع ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد ثقہ راویوں بشمول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نماز جمعہ کی فضیلت ہر دوسری نماز کی فضیلت سے پچیس گنا ہے نیز یہ کہ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہو کر قرآن کریم سنتے ہیں"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی تم جب چاہو تلاوت کرو لیکن خود قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ فجر کے وقت اس کی تلاوت فرشتے بھی سنتے ہیں اور تمہیں تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں:

وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور ابو عوانہ نے اعمش، ابی حازم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد (رات کو) اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ بوجہ ناراضگی انکار کرے تو فرشتے صبح تک اس (عورت) پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث شعبہ، ابو حمزہ، ابو داؤد اور ابو معاویہ نے اعمش کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ایک دوسری حدیث نبوی جو صحیحین میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ امام کے پیچھے (کھڑا ہوا) جو شخص (مقتدی) آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے۔ فرشتے اس شخص کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ امام کے پیچھے جو (مقتدی) اس کے آمین کہنے کے بعد آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے تو ملائکہ آسمان پر آمین کہنے کے بعد (مقتدی) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب امام (نماز میں) سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم "اللهم ربنا ولک الحمد کہو (کیونکہ) جو (مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) امام کی اتباع میں یہ الفاظ کہتا ہے اور اس میں (دوسرے مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں"

یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابن ماجہ کے علاوہ دوسروں کی پوری جماعت نے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابی سعید ہیں (صوف یعنی الاعمش) کے حوالوں کے ساتھ یہ حدیث نبوی (ﷺ) سنی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے روئے زمین پر سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جب وہ (زمین سے) پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مشغول تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے پوچھتے ہیں کہ کیا میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن تیرے ذکر میں ان کی حد درجہ مشغولیت سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہیں کہ میرے وہ بندے مجھ سے کس چیز کے طالب تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: "جنت کے" اس پر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا میرے ان بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن ان کی طلب میں جو شدت تھی اس سے محسوس ہوا جیسے وہ جنت کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ میرے بندے میری پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جہنم کی آگ سے۔

اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جہنم کی آگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (یقینا) دیکھا تو نہیں لیکن اس کے خوف اور دہشت کی شدت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آتش جہنم ان کے سامنے ہے۔

ان فرشتوں سے اپنے سوالات کے یہ جوابات سن کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں

کہ میں گواہ بناتا ہوں تم کو میں نے سب کی مغفرت کردی۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں ایک شخص اپنی کسی حاجت کی غرض سے بیٹھا تھا۔ وہ ان کے اعمال میں مشغول نہ تھا۔ کیا اس کی بھی مغفرت کردی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے صاحب نصیب ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔

یہی حدیث بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح قتیبہ، جریر بن عبدالحمید اور اعمش کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے اصل راوی شعبہ ہیں جنھوں نے اسے اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم امام نے اس پر زور نہیں دیا لیکن یہ حدیث سہیل نے اپنے والد کے حوالے سے زور دے کر روایت کی ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو عفان، وہیب، سہیل، سہیل کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے اس کی روایت میں بخاری ہی جیسا انداز اختیار کیا ہے۔

یہی حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حاتم، بہز بن اسد اور وہیب کے حوالے سے روایت کی ہے اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غندر، شعبہ اور سلیمان (یعنی اعمش، ابی صالح اور ابو ہریرہ) کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ، اعمش اور ابن نمیر نے بیان کیا اور اعمش نے ابی صالح اور ابو ہریرہ کے حوالے سے بھی انھیں اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص کسی مومن کو کسی دنیاوی کرب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کرب سے نجات دے کر اس کو نجات بخشے گا۔ نیز یہ کہ جو شخص کسی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس شخص کی پردہ پوشی فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی (نصرت و) امداد فرماتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے آپ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں وہ راستہ اپنایا جس سے مقصد حصول علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان بنا دے گا اور جو لوگ مساجد میں سے کسی مسجد میں جمع ہوں کہ وہاں قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اور باہم مل کر اللہ کے رسول (ﷺ) کی ثنا کی جائے تو وہاں جمع ہونے والے جملہ حضرات پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ ان چاروں جانب فرشتے جمع ہوتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ آسمان پر رہنے والے ان فرشتوں سے بھی فرماتا ہے جو اس وقت اس کے نزدیک ہوتے ہیں جو نیک اعمال میں پیچھے رہ گیا تو اس کا حسب و نسب اسے کامیابی نہیں دلا سکتا۔" مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو معاویہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر بیان کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے اغر (ابی مسلم) ابی ہریرۃ اور ابی سعید کے طریق سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے جمع ہوتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ فرشتے اس کے چاروں جانب جمع نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں نہ لے اور اس پر امن (سکون) نازل نہ فرمائے اور جو فرشتے اس کے نزدیک ہوں ان سے اس قوم کا ذکر نہ کرے" یہی حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہی الفاظ میں اسرائیل، سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی ہے۔ نیز اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ، ترمذی اور سفیان ثوری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے "حسن اور صحیح" لکھا ہے جب کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابی بکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن آدم، عمار بن رزیق اور ابی اسحٰق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ان موضوعات پر بھی احادیث کتب احادیث میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سنن ابوداؤد میں بطور مرفوع بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طالب علم کے سامنے متواضع رہتے ہیں اور اس طرح حصول علم کے لیے جو وہ کوشش کرتا ہے اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ" اور ایک جگہ قرآن میں یہ بھی فرماتے ہیں "واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" اس آیت میں بھی "اخفض جناحک" سے وہی مراد ہے یعنی اظہار تواضع و خوشنودی شادمانی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وکیع، سفیان، عبداللہ بن سائب، زاذان اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ کے لیے جو فرشتے روئے زمین کی سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں" یہ حدیث نسائی نے بھی سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش دونوں کی روایت کردہ حدیث کے طور پر عبداللہ بن سائب کے حوالے سے پیش کی ہے۔

www.ahlehaq.org

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے زہری، عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ملائکہ نور سے جنات آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے"۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی اسی طرح محمد بن رافع، عبد بن حمید اور عبدالرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ملائکہ کے ذکر پر مبنی احادیث اور بہت ہیں۔ ہم نے ان میں سے حتی الامکان جتنی ہو سکیں یہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کر دی ہیں وللہ الحمد۔

فصل

فرشتے افضل ہیں یا انسان؟...... انسان پر فرشتوں کی فضیلت کے بارے میں جو اقوال مذکور ہیں۔ اس سلسلے میں لوگوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف کثر و بیشتر متکلمین اور معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کے درمیان ہے جو ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ میں اس مسئلے کی وضاحت کے سلسلے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیہ بن عمرو بن سعید بن عاص عمر ابن عبدالعزیز کی مجلس میں حاضر تھے جس میں ایک جماعت پر مشتمل کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔

ابن عساکر کے بقول اسی مسئلے پر گفتگو کا آغاز خود عمر ابن عبدالعزیز نے کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی آدم پر کسی دوسری مخلوق کو فضیلت نہیں بخشی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ قرآنی آیہ کریمہ بطور دلیل پیش کی:

"انّ اللذین آمنو او عملو الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ"۔

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن عمرو بن سعید نے بھی مندرجہ بالا آیت کریمہ کے پیش نظر عمر ابن عبدالعزیز کے دعوے کی تائید کی لیکن عراک ابن مالک نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس اس کا فرشتہ وحی لاتا رہا ہے۔ لہٰذا جبرائیل امین علیہ السلام کو بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ آیت پیش کی:

"مانھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین"۔

عراک ابن مالک کی زبان سے فرشتوں کی مندرجہ بالا صفات اور اس کے مذکورہ بالا دعوے کی دلیل میں قرآن شریف کی یہ دوسری آیت سن کر عمر ابن عبدالعزیز نے محمد بن کعب قرظی سے کہا کہ ان کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ محمد بن کعب قرظی بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو فرشتوں پر فضیلت بخشی کیونکہ انہیں خود اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، ان میں اپنی روح پھونکی، آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی اولاد میں انبیاء اور رسول پیدا کیے جن کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوتے رہے۔

ابن عساکر کے بقول محمد بن کعب قرظی کی ان باتوں کی عمر بن عبدالعزیز نے تائید تو کی لیکن انہیں قرآن کی رو سے بلا دلیل کہا کیونکہ محمد بن کعب نے اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتوں پر بنی آدم کی فضیلت کے دعوے کی دلیل میں خود انہوں نے جو آیت پیش کی تھی اس میں بھی "ان اللذین آمنوا وعملوا الصالحات" کی حد تک انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لئے ان کی یہ دلیل واقعی کمزور ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی صفت میں "ویؤمنون بہ" فرما کر فرشتوں کو شریک کیا ہے بلکہ بقول رب العزت "وانا لما سمعنا الھدی آمنا بہ" اور "وانا منا المسلمون" کہہ کر جنات بھی ایمان کی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اولاد آدم سے زیادہ صالح کوئی مخلوق نہیں...... میرے خیال میں اسی مسئلے میں جو استدلال عثمان بن سعید دارمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مرفوعاً کیا ہے وہ صحیح ترین ہے (از مترجم)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ ہے کہ:

لما خلق اللہ الجنۃ قالت الملائکۃ یا ربنا اجعل لنا ھذا ناکل منھا ونشرب فانک خلقت الدنیا لبنی آدم

www.ahlehaq.org

"یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب اسے (جنت کو) ہمارے لئے مخصوص فرما دے تاکہ ہم اس میں سے کھائیں پئیں تو ۔ رب نے آدم کے لئے تو دنیا کی تخلیق فرما دی"۔

لیکن فرشتوں کی یہ گذارش سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے زیادہ صالح کوئی دوسری مخلوق ہرگز پیدا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آدم ﷺ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا یعنی میں نے اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔

باب

ذکر تخلیق جنات وقصۂ شیطان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"خلق الانسان من صلصال کالفخار و خلق الجان من مارج من نار فبای آلاء ربکما تکذبان"

(الرحمٰن ۱۴۔۱۶)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون، والجان خلقنا ہ من قبل من نار السموم"

(الحجر ۲۶۔۲۷)

"من مارج" سے کیا مراد ہے؟...... مندرجہ بالا پہلی آیت میں الفاظ "من مارج" کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، مجاہد، حسن بصری اور متعدد دیگر علمائے دین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھڑکتی ہوئی آگ ہے لیکن ایک دوسری روایت میں اسے خالص آگ بتایا گیا ہے۔

ہم نے تخلیق ملائکہ اور ان کے اوصاف کے ضمن میں اس سے قبل زہری کے توسط اور عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث نبوی ﷺ نقل کی ہے جس میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے جنات آگ سے اور حضرت آدم اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے" یہ حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

جنات کی پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟...... اکثر علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جنات آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے تھے جب کہ ان سے یعنی جنات سے قبل زمین پر جن اور بن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جنات کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ زمین پر خود اپنی بستیاں بسالیں۔

السدی نے اپنی تفسیر میں ابی مالک، ابی صالح، مرہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حسب منشاء تخلیق کائنات سے فارغ ہوئے اور عرش پر میزان قائم فرما چکے تو ابلیس کو سماء دنیا کے فرشتوں کا سربراہ بنادیا۔ وہ ملائکہ کے اس قبیلے سے تھا جسے جن کہا جاتا تھا۔

جنات کی وجہ تسمیہ...... ان کا نام جن اس لئے رکھا گیا تھا وہ جنت کے خازن تھے اور ابلیس بھی دوسرے فرشتوں کے ساتھ ان میں شامل تھا لیکن اس کے دل میں اس (باطل) خیال نے جڑ پکڑلی کہ وہ جنت میں تمام فرشتوں کا سردار بنادیا گیا ہے۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل و غارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کچھ دوسرے فرشتوں کی معیت میں ابلیس کو وہاں بھیجا اور ان سب نے ان مفسد اور زمین پر ہلاکت خیزیوں میں مصروف جنات کو سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔

www.ahlehaq.org

محمد بن اسحٰق خلاد، عطاء، طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور معصیت میں مبتلا ہونے سے پہلے ابلیس کا نام عزازیل تھا۔ وہ اس وقت زمین پر رہنے والے فرشتوں میں جنہیں جن کہا جاتا تھا بلحاظ اجتہاد و قوت اور علم ممتاز تھا۔

ابلیس "سلطان الارض" کہلاتا تھا...... ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کا نام پہلے عزازیل تھا اور وہ چار پروں والا اور زور رکھنے والے فرشتوں میں افضل سمجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد حجاج، ابن جریج اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زبانی بتایا ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لئے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور پہلے آسمان کی سلطنت اس کے حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے سپرد تھی اور وہ سلطان الارض رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا۔

توأمہ کے غلام صالح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض وسما کے مابین وسوسوں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلاً ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قتادہ سعید بن مسیب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی "طرفة العین" نہیں کیونکہ وہ "اصل الجن" ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے تھے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتا دیئے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ابن جریر کی روایت ہے۔

ایسی بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام پہلے "عزازیل" تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ آدم کے صاحب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں پر بھی برتری حاصل ہے تاہم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو عزازیل بے حد حسد میں مبتلا ہو گیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اس لئے سرکش ہو گیا۔ لہٰذا اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدولی کی وجہ سے بے کار گئی اور وہ طوق لعنت میں گرفتار ہو گیا جب اس نے یہ کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے اور اس سے قبل اسے فرشتوں سے مشابہت تھی بلکہ ان پر جو مرتبت حاصل تھی وہ آناً فاناً سلب کر لی گئی ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لئے اس کی فطرت میں سرکشی شامل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں:

"فسجد الملائكة كلهم اجمعون الا ابليس استكبر و كان من الكافرين" (ص ۷۳-۷۴)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"و اذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس كان من الجن ففسق عن امر ربه افتتخذونه
وذريته اولياء من دوني وهم لكم عدو بئس للظالمين بدلا" (الكهف: ۵۰)

ان آیات مقدسہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو سجدے سے انکار کیا اور اسی طرح ارتکاب کفر کیا نیز یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہونا تھا۔ دوسری آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا وہ شیطان اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے؟ جب کہ وہ بنی آدم کی دشمنی میں سب سے آگے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کا انجام برا ہوتا ہے یعنی اگر بنی آدم شیطان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ (الكهف ۵۰)

www.ahlehaq.org

انہی وجوہات کی بناء پر ابلیس یا شیطان کو جو پہلے عزازیل کہلاتا تھا اور اسے ملائکہ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی ملاء اعلیٰ سے پستی میں گرا دیا گیا، وہاں کی سکونت دائمی طور پر اس کے لئے حرام قرار دے دی گئی، زمین کو ہمیشہ کے لئے اس کا مستقر بنا دیا گیا ہے اور اس کی ذریت کے علاوہ خود اس کی قوم اور بنی آدم میں سے ان افراد کو جو اس کی اور اس کی اولاد کی اطاعت کریں گے بطور سزا آتش دوزخ کا مستحق ٹھہرایا گیا جس سے انہیں خبردار بھی کر دیا گیا البتہ جن یا انسان ان میں سے جو بھی صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے انہیں جزائے خیر کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے واضح ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أرأیتک هذا الذی کرمت علی لئن أخرتن الی یوم القیامة لأحتنکن ذریته الا قلیلا".

اور فرمایا:

"قال اذهب فمن تبعک منهم فان جهنم جزاء کم جزاء موفورا و استفزز من استطعت منهم بصوتک واجلب علیهم بخیلک ورجلک وشارکهم فی الأموال والأولاد وعدهم وما یعدهم الشیطن الا غرورا ○ ان عبادی لیس لک علیهم سلطان وکفی بربک وکیلا". (الاسراء ۶۲۔۶۵)

اس قصے کا مزید تفصیلی ذکر ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور وہ بھی بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کا سلسلۂ توالد و تناسل بھی انہی کی طرح چلتا ہے نیز یہ کہ ان میں بھی کافر و مؤمن دونوں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۂ جن کی درج ذیل آیت قرآنی سے ثابت ہے:

۱۔ "واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلمّا حضروه قالوا أنصتوا فلما قضی ولوا الی قومهم منذرین ○ قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابا أنزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیه یهدی الی الحق والی طریق مستقیم ○ یا قومنا اجیبوا داعی الله وآمنوا به یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم ○ ومن لا یجب داعی الله فلیس بمعجز فی الأرض ولیس له من دونه أولیاء اولئک فی ضلال مبین." (الاحقاف ۲۹۔۳۲)

۲۔ "قل أوحی الیّ أنه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنّا به ولن نشرک بربنا أحدا ○ وأنه تعالیٰ جدّ ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولدا ○ وأنه کان یقول سفیهنا علی الله شططا ○ وأنّا ظننا أن لن تقول الانس والجن علی الله کذبا ○ وأنه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا وأنهم ظنوا کما ظننتم أن لن یبعث الله أحدا ○ وأنّا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهبا○ وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا ○ وأنّا لا ندری أشرّ أرید بمن فی الأرض أم أراد بهم ربهم رشدا ○ وأنا منا الصالحون ومنا دون ذلک کنا طرائق قددا ○ وأنا ظننا أن لن نعجز الله فی الأرض ولن نعجزه هربا ○ وأنا لما سمعنا الهدی آمنا به فمن یؤمن بربه فلا یخاف بخسا ولا رهقا ○ وأنا منا المسلمون ومنا القاسطون ○ فمن أسلم فأولئک تحروا رشدا ○ وأما القاسطون فکانوا لجهنم حطبا ○ وأن لو استقاموا علی الطریقة لأسقیناهم ماء غدقا لنفتنهم فیه ○ ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابا صعدا". (الجن ۱۔۱۷)

ہم نے اس سورت کی تفسیر اور جنات کا یہ تمام قصہ سورۂ احقاف کی تفسیر کے آخر میں پیش کیا ہے اور اس سلسلہ کی تمام متعلقہ احادیث بھی وہیں پیش کی ہیں، ویسے نصیبین اور بصرے کے بعض جنات کا ذکر کچھ کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کچھ دور چلے، پھر

www.ahlehaq.org

جہاں آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ وہاں ٹھہر کر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم کی تلاوت سنتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ کتابوں میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک بار تو آنحضرت ﷺ کی ان کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی اور ایک مکمل رات وہ آپ کے ساتھ رہے جہاں آپ نے ان کو رب کے اوامر و نواہی کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ جس میں انہوں نے آپ علیہ السلام سے کئی سوالات پوچھے اور آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ آپ سے انہوں نے خوراک کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہڈیاں جن پر گوشت ہو وہ تمہاری خوراک ہے اور جانوروں کی لید تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ نیز یہ کہ آپ نے ہڈیوں اور جانوروں کے فضلے میں جو لید پائی جاتی ہے اس سے استنجا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ہڈیوں پر خدا کا نام لکھا ہوتا ہے جن پر بکثرت کچھ گوشت بھی ہوتا ہے اور جو چوپائے کھاتے ہیں۔ وہ ان کے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔

آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس میں (اکثر) ان کے جن بھائیوں کی رہائش ہوتی ہے۔ آپ نے انہیں سورہ رحمن بھی سنائی جس میں بار بار "فبای آلاء ربکما تکذبان" آتا ہے جس پر انہوں نے کہا "الحمد للہ ہم اللہ کی نعمتوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کی ہم تکذیب کرتے ہوں لیکن یہی صورت جب آپ ﷺ نے انسانوں کی ایک جماعت کو سنائی اور اس میں بار بار یہ آیت کریمہ "فبای آلاء ربکما تکذبان" آیا تو اسے سن کر وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے جن ہی بہتر ہیں جنہوں نے اس کلام خداوندی کی نہ صرف یہ کہ تردید نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ کہا "الحمد للہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی نہیں جس کی ہم تکذیب کرتے ہوں۔" اسی حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چونکہ جنات کے ایمان لانے کا کوئی حتمی تاریخی ثبوت نہیں ہے اس لئے اس بارے میں علماء دین میں آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے دوزخ کی آگ کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

بہر حال اس بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ بمطابق نص قرآنی وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اس عمومی ارشاد کے مطابق کہ "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" یعنی اپنے رب کے مقام و اہمیت کو سمجھنا اور اس سے ڈرنے والے سب کے سب جنت میں جائیں گے۔ اس لئے جنات کا بھی جنت میں جانا یقینی ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (قتیبہ، مالک، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی صعصعہ انصاری کے والد) رسول اللہ ﷺ نے سعید خدری سے فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم جنگل میں بکریوں کی گلہ بانی سے محبت کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں (ابو سعید) نے جن و انس میں سے کسی موذن کی آواز اذان سنتے ٹھہرے ہیں کہ جو نماز کی اذان دے کر بروقت نماز ادا کرلے تو روز قیامت ان کی یہ اذان نمازوں کے ایمان کی گواہی بن جائے گی۔ مسلم کے علاوہ اس حدیث نبوی (ﷺ) کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منفرد کر کے روایت کیا ہے۔

اگرچہ کافر اور سرکش جنات (شیاطین) جن کا جد اعلیٰ ابلیس ہے، آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ازلی دشمن ہیں اور بنی آدم کو راہ حق سے بھٹکانے اور ورغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے نہ قیامت تک چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان جنات کا جو اس پر ایمان لائے اور پھر اس کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر کمر بستہ رہے صرف یہی کمال ان کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ ہم نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے سچے ارشادات کی روشنی میں کہی ہے۔

"ان عبادی لیس لک علیہم سلطان و کفی بربک وکیلا" (الاسراء: ۶۵)

(اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جو اس (شیطان) کے دائرہ اقتدار سے باہر ہو کر صرف اپنے رب کی حمایت و وکالت کو کافی سمجھتے ہیں)۔

"ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المؤمنین وما کان لہ علیہم من سلطان الا لنعلم من یؤمن بالآخرۃ ممن ہو منہا فی شک وربک علی کل شیء حفیظ"

(اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تسلی و تشفی کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں کچھ ہی لوگ شیطان کے فریب میں

سکتے ہیں لیکن حقیقتاً اہل ایمان پر اسے تسلط حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے اور وہی ہر شے کا حفیظ مطلق ہے۔)

ہم ان آیات قرآنی میں سے کچھ آیات پیش کر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل لیکن شیطان کی طرف سے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار، اس کی اس سرکشی و نافرمانی جنات کی آگ سے تخلیق، ان کی زمین پر آبادیاں لیکن ان کی مفسدہ پردازی کی وجہ سے فرشتوں کے ذریعہ ان کی سطح ارضی سے بے دخلی اور سمندری جزائر میں ان کی آبادی وغیرہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ آگے چل کر ہم آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں شیطان اور اس کی فتنہ پردازی کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے اور آیات قرآنی اور احادیث سے ان کے حوالے بھی پیش کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ وھو المستعان وللہ الحمد۔

شیطان کی کنیت...... ویسے نص قرآنی کے مطابق ابلیس کی شیطانی کارگزاریاں ابھی تک جاری و ساری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ان کید الشیطان کان ضعیفا"

وکان اسمہ قبل معصیۃ العظیمۃ عزازیل

اور نقاش نے اس کی کنیت ابو کردوس بتائی ہے اور اس کے علاوہ ایک روایت یہ کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے دریافت کیا کہ آیا انہوں نے کبھی شیطان کو دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں، اس کا عرش سمندر ہے" صیاد سے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تمہارا اندازہ حد سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی قدر و قیمت زیادہ رذیل، خسیس اور حقیر ہے"

اس روایت کے بارے میں کہ ابلیس کا عرش (اس کی مستقل سکونت) سمندر پر ہے" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

عرش ابلیس فی البحر یبعث سرایاہ کل یوم یفتنون الناس فاعظمھم عندہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ للناس

(یعنی ابلیس کی مستقل سکونت سمندر میں ہے لیکن وہ انسانوں کو فریب دینے اور ان میں فتنے پھیلانے کے لئے وہاں سے تمام روئے زمین پر گھومتا رہتا ہے اس لئے خود اس کے نزدیک اس کی مستقل اور عظیم ترین منزل انسانوں میں فتنہ پردازی ہے اور فتنہ پرداز کا اس کے ہاں بڑا مقام ہے۔

ابلیس کی قیام گاہ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے روح اور ابن جریج نے بیان کیا اور ابو الزبیر نے بھی انہیں بتایا کہ جابر بن عبد اللہ نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ "ابلیس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے لیکن وہ رات دن انسانی برادری میں چکر لگاتا رہتا ہے اور ان میں فتنے پھیلانے کو اپنی واحد اور عظیم ترین منزل سمجھتا ہے" یہی وجہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اس حدیث کی روایت کو منفرد حیثیت دی ہے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ (از مترجم)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان سے مؤمل، حماد اور علی بن زید اور ابی نضرہ نے جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت نے ابن صائد سے فرمایا کہ تمہیں ابلیس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کا عرش یعنی اس کی قیام گاہ سمندر میں سانپوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔

امام احمد جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان، اللہ کے عبادت گذار بندوں سے مایوس ہو گیا ہے۔ لیکن ان کو آپس میں لڑانے کے عمل سے مایوس نہیں ہوا۔

امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان اپنا عرش پانی پر بچھا کر فتنہ فساد اور گمراہی پھیلانے کے لئے شیطانوں کی تشکیل کرتا ہے اور پھر ہر ایک کی کارگذاری سنتا ہے۔ فتنہ پرداز اور آپس میں تفریق ڈالنے والے شیطان کی تعریف کرتا ہے اور اس کو اپنا مقرب بناتا ہے، شاباشی دیتا ہے۔ یہ بات ہم نے آیت **قولہ تعالیٰ: ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ** کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ اس کے شیطانی کارندے مسلمانوں کی آپس میں مودت، محبت والفت میں تفریق ڈالنے کے درپے رہتے ہیں۔ شیطان کی فتنہ پردازی سے بچنے کے لئے

سورۃ ناس نازل فرمائی گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے وسوسہ اور شر کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم

خون کی روانی کی طرح ابن آدم میں دوڑتا ہے۔

حافظ ابو یعلیٰ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی ناک رکھ کر سونگھتا ہے اگر وہ ذکر کر رہا ہوتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے۔ اگر وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔"

اللہ کے فرمان واذکر ربک اذا نسیت میں یہ ہدایت ہے کہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ شیطان کا سب سے پہلا وار انسان کے دل پر ہوتا ہے۔ اگر انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطانی وساوس اس کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ نسیان کے عارضہ سے شیطان حملہ کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں نسیان کا عارضہ ڈالا اسی وجہ سے ان کو سات سال قید خانہ میں گذارنے پڑے۔ ہم نے سورۃ یوسف کی تفسیر میں یہ بات تفصیل سے ذکر کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاصم نے ابو تمیمہ کو رسول اللہ ﷺ کے ردیف (رفیق سفر) کے حوالے سے کہتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ تو آپ ﷺ کے خچر کی سواری پھسل گئی تو آپ ﷺ کے ردیف نے کہا تعس الشیطان یعنی شیطان کے مٹ جانے کی وجہ سے سواری پھسل گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں مت کہو اس سے اس کی سرکشی اور بڑھ جائے گی۔ تم اس کی بجائے یہ کہو تاکہ پچھلا اسے روندے۔ مگر بسم اللہ کہا کرو اسے آگے یہ حدیث ابو تمیمہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ردیف کی ہی کے بعد یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی تو میرا گھوڑا اپنی تیز رفتاری بھول کر حسب معمول پہلی جیسی رفتار سے چلنے لگا۔

امام احمد ابو بکر الحنفی ضحاک بن عثمان سعید المقبری کی ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو شیطان کی موجودگی کا مسجد میں احساس ہو تو وہ اسے اللہ کا نام لے کر اس طرح دور کرے جیسے کوئی سرکش گھوڑے کو اس کی لگام کھینچ کر روکتا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ تم اسے (شیطان کو) مسجد میں اکثر دیکھو گے لیکن تم میں سے ہر شخص کی زبان پر لا الہ الا اللہ نہیں ہوگا۔ جیسے کسی کی زبان پر مسجد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر تھا۔ امام احمد نے اس روایت کو اکیلے روایت منفرد پیش کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وکیع ابن نمیر اور ذر بن یزید کی زبانی ابو تخول اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "التثاؤب" (جمائی) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ شیطان کی یہ بات تحفظ نہیں کرتی اس کے باوجود اس نے آدم (علیہ السلام) سے حسد کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کے بارے میں ایک اور روایت وکیع کی زبانی اور سفیان، منصور، ذر بن عبداللہ ہمدانی، عبداللہ بن شداد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک (عجیب) شے کو آسمان کی طرف اترتے ہوئے اور اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس سے گفتگو کروں لیکن میں نے فوراً اپنے نفس کو اس خواہش پر جھڑکی۔" ظاہر ہے کہ اس شخص کا مقصد آنحضرت ﷺ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرنا تھا لیکن آپ ﷺ نے صرف یہ جواب دیا کہ "اللہ اکبر" خدا کا شکر ہے کہ اس نے (تمہارے ایمان کی) حفاظت کی اور اس وسوسے کے مکر کو دور فرما دیا۔" اس روایت کو ابو داؤد اور نسائی نے حدیث منصور کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ نسائی اور اعمش وغیرہ نے اس میں ابی ذر کے حوالے کا اضافہ کیا ہے۔

شیطانی دھوکہ اور اس سے نجات..... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن بکیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں عروہ کی بابت ابن شہاب سے عروہ نے اور عروہ سے ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو پیچھے پوچھتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی؟ وہ چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں یہ پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب وہ یہ سوال کرے تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اسے بھگا دیا کرو۔"

نیز اسی ایک روایت مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث لیث اور حدیث زہری نیز حدیث ہشام اور حدیث ابن عروہ کے طور پر نقل کی ہے جب کہ تو ان دونوں نے اسے عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " کہ جب تمہارے پاس شیاطین آئیں تو ان کے قرب سے بچنے رب کی پناہ تلاش کرو۔(۱) اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرمایا کہ جب شیطان کی طرف سے کوئی شیطانی بات تمہیں الجھن میں ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔(۲) نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قرآن پڑھے تو اس سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا کرے کیونکہ اہل ایمان پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے جو کہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بلکہ شیطان کا (تصرف) ان لوگوں پر اختیار ہے جو اس کی دوستی کرتے اور اللہ کے ساتھ شرک میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔(۳)

شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نیز محمد بن فضل نے المتوکل الناجی اور ابی سعید کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " میں شیطان مردود کے شر سے اس کے تکبر اور اس کی پھونکوں سے اللہ تعالیٰ سمیع و علیم کی پناہ کا طالب ہوں۔

ایسی ہی ایک حدیث جبیر بن مطعم، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابی امامہ باہلی نے بھی روایت کی ہے۔

صحیح مسلم و صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو اس سے قبل "اعوذ باللہ من الخبث والخبائث" ضرور پڑھا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ شیاطین کے نر و مادہ سب کے شر اور عیب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شریح، عیسیٰ بن یونس، ثور، حصین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ابن سعد الخیر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بیت الخلا جائے تو کسی چیز کی آڑ لے لے۔ اگر کوئی جھاڑی نہ ملے تو مٹی کا کوئی ڈھیر بنا کر اس کی طرف پیٹھ کر لے۔ جو یہ کام کرے گا اس کے لئے یہ عمل بہتر ہوگا۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ شیطان بنی آدم کے مقعد سے کھیلتا ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ثور بن یزید کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے اعمش اور عدی بن ثابت کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کے راویوں کو سلیمان بن صرد نے بتایا کہ " (ایک روز) جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں دو آدمی اس وقت میں آئے کہ ان میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے، بلکہ غصے میں گالیاں بک رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک کلمہ جانتا ہوں جو اگر یہ شخص پڑھے تو اس کا غصہ سے نجات دلا سکتا ہے" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کہنا چاہیے۔" آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حاضرین نے ان دونوں میں سے ایک شخص سے پوچھا جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو نے وہ سنا؟ اس سوال کے جواب میں وہ بولا کیا میں دیوانہ ہوں؟ (یعنی آپ ﷺ کا ارشاد اس نے تو نہیں سنا ہوا، اسے تو کچھ بھی نظر آیا ہے)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبید اور عبید اللہ بن عمر نے قاسم اور ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ اپنی بائیں جانب سے کچھ کھائے یا پیئے اور اسی طرف سے شیطان اس کے اس کھانے پینے میں شریک نہ ہو جاتا ہو۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں موجود ہے لیکن صحیح بخاری میں اس حدیث کے ضمن میں متعدد باب اسناد کے علاوہ دوسرے کئی دیگر معتبر حوالے بھی دیئے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ترین شمار ہوتی ہے۔

---

(۱)--- الاعراف: ۲۰۰ (۲) حم السجدہ: ۳۶ (۳) النحل: ۹۸ - ۱۰۰

اسی قبیل کی ایک اور حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسمٰعیل بن ابی حکیم رحمہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شمالی جانب سے کچھ پیتا ہے تو شیطان بھی (اس کے ساتھ) اسی جانب سے پیتا ہے۔

کھڑے ہو کر پینے پر ممانعت ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے بیان کیا اور انہیں شعبہ نے ابی زیاد الطحان کے حوالے سے بتایا کہ ابی زیاد نے ابو ہریرہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (ایک روز) آپ ﷺ نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر کچھ پیتے ہوئے دیکھا یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے ساتھ (اسی طرح) پینے میں بلی بھی شامل ہو جائے؟ وہ بولا: ہرگز نہیں! اس کے اس جواب پر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اس طرح پینے سے تمہاری اس پینے والی چیز میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ چیز شامل ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کا شر ہے۔ اس حدیث میں جو کچھ آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کی یہ علامہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور مثال اور مختصر کر کے بیان کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہی سے محمد عبدالرزاق، معمر، ایک معمر سے ہاشمی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص کھڑے ہو کر کچھ پی رہا ہو اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً قے کر دے" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے چند دوسرے حوالوں سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ضحاک اور ابن لہیعہ نے زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ زبیر نے جابر سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اس کے مکان سے یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ اس گھر میں میرا رات میں یا دن میں قیام ممکن نہیں لیکن جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ میں اس مکان کو اپنا گھر بنا لوں گا اس لئے میرا یہاں دن اور رات رہنا اسی وقت تک آسان ہے۔ زبیر نے یہ حدیث سن کر سوال کیا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بالکل صحیح ہے آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا تھا۔

اوقات شیاطین ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک، عبداللہ بن دینار اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ یہ اوقات شیطان یا اوقات شیاطین ہوتے ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب کبھی آنحضرت مشرق کی طرف منہ فرما کر کھڑے ہوتے تو فرماتے: "سنو! فتنہ اسی طرف سے اٹھے گا اور یہی صدی بھی شیطانی صدی ہوگی۔"

"سنن" میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوپ اور سائے کی درمیانی جگہ میں بیٹھنے سے پرہیز کرنے کو فرمایا ہے کہ ایسی جگہیں شیطانوں کی مجلس ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طرح بیٹھنے سے انسان کے چہرے کی رونق بگڑ جاتی ہے اور رنگ کالا ہو جاتا ہے اور کریہہ شکل شیطان کی ہے اور وہ اسی طرح کی شکلوں کو پسند کرتا ہے۔

طلوع آفتاب اور شیاطین کا اظہار مسرت...... چونکہ عام لوگ شیطانی برائیوں اور ملائکہ کے حسن اخلاق میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لئے طلوع آفتاب پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے طلوع آفتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

"طلعها كأنه رؤوس الشياطين"

چونکہ طلوع آفتاب کے بعد جس طرح سائے زمین پر ہر طرف آ موجود نظر آنے لگتے ہیں اور تمام انسانی معاملات میں معروف کا معمول ہے بالکل اسی طرح شیطان اور اس کی ذریت کی بد اخلاقی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ایک زمانے میں یہ طلوع آفتاب کی چمک دمک سے یہ اضافے ان کی اکثر

خود عرب میں بھی جا بجا ہوتی تھی اور اس کو بھوت یا بدصورت سمجھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں شیطان کے بدصورت ہونے کا تصور تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے خوبصورت اور چاند کی طرح روشن چہرے سے نقاب اٹھتے ہی زلیخا کے پاس بیٹھی ہوئی عورتیں پکار اٹھی تھیں کہ

"حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم" (سورہ یوسف: ۳۱)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حسن یوسف کو فرشتہ کی چمک سے مماثل قرار دیتے ہوئے زلیخا کی سہیلی عورتوں کے مذکورہ بالا عرب میں جتلا دیا تو دوسری طرف شیطان کا ذکر فرمایا یعنی خود طلوع آفتاب کے بارے میں انسان سے کہا جانے کی وجہ سے "طلعھا کانہ رؤس الشیاطین" فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متعدد ثقہ و مستند راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے یا آفتاب غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو گھر میں بلا لیا کرو کیونکہ اس وقت شیاطین ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو اپنے مکان کا دروازہ بند کر لو البتہ اگر اس وقت بھی کوئی کام ہو مثلاً برتنوں میں پانی بھرنا یا آٹے میں خمیر ملانا وغیرہ ہو تو اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو کیونکہ اللہ کا نام لینے سے شیاطین نہ صرف کسی کام سے تعرض کر سکتے ہیں نہ اس میں خلل ڈال سکتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت ابن جریج کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ "شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے آدم اور شعبہ نے منصور، سالم بن ابی الجعد، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے کہ "بسم اللہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو نے بطور رزق ہمیں عطا فرمایا جب شیطان سے بچا تو اگر ان میاں بیوی کا کوئی بچہ ہوگا تو اسے شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس بچے پر مسلط نہ ہو سکے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اعمش نے بھی سالم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کی۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اس حدیث کو اسماعیل، ہمام، منصور، سالم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور بسم اللہ کہہ کر یہ کہے کہ یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسے بھی شیطان سے بچا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بچہ دیا ہوگا تو شیطان اسے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

شیطانی گرہیں اور ذکر اللہ ..... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور ان کے بھائی نے سلیمان، یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیب اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب شیطان تم میں سے کسی کے سر پر آتا ہے تو تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونکتا جاتا ہے کہ رات ابھی بہت باقی ہے سوتے رہو اور جب تک وہ سوتا رہتا ہے یہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔ لیکن اگر وہ شخص رات میں بیدار ہو کر کسی وقت اللہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے تو پھر اس کے سر پر سے شیطان کی لگائی ہوئی ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ جب وہ شخص وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اور جب نماز پڑھنے لگے تو شیطان کی لگائی ہوئی تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو تر و تازہ ہو کر اٹھے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ تینوں باتیں نہ کرے تو شیطان کی لگائی ہوئی وہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہتی ہیں اور وہ شخص صبح کو جب اٹھے گا تو اپنے سارے جسم میں اضمحلال اور کسلمندی محسوس کرے گا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص بیدار ہو تو وضو کرے اور تین مرتبہ اچھی طرح ناک صاف کرے کیونکہ شیطان رات کے وقت ناک میں بسیرا کرتا ہے۔"

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بشر بن حکم اور دراوردی کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن زنبور اور عبدالعزیز بن ابی حازم کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ آخر الذکر ان دونوں نے اس میں یزید بن ہادی کا حوالہ دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل کی ایک حدیث عثمان بن ابی شیبہ، جریر، منصور، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے روایت کی

ہے جس میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جس نے رات گذار دی پھر اس کا ذکر جناب نبی کریم ﷺ سے کیا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے دونوں کانوں یا ایک کان میں شیطان نے رات کو پیشاب کیا جسے اس نے محسوس کیا۔

اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ جب اذان کی آواز سنتا ہے شیطان تو ہوا چھوڑتا ہوا بھاگ جاتا ہے اور جب نماز شروع ہوتی ہے تو نماز میں خلل ڈالتا ہے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار۔ اگر ایسی صورت ہو تو سجدہ سہو کرے۔

نماز میں باہم مل کر کھڑا ہونا چاہئے..... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ متعدد دیگر راویوں کے علاوہ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ نماز با جماعت میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ نمازیوں کے درمیان اگر ذرا بھی خالی جگہ رہ جاتی ہے تو شیطان اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری حدیث قتادہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نماز (باجماعت) میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور باہم مل کر کھڑے ہوا کرو اور اپنی گردنوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہا کرو، جس کے قبضہ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے صفوں کے خلاء میں شیطان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے جیسے بکری کا بچہ گھستا ہو۔"

اگر منع نہ مانے تو قتل کر دو -- بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معمر، عبدالوارث، یونس نے حمید بن ہلال، ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم لوگ نماز پڑھ رہے ہو اور کوئی شخص تم دونوں کے درمیان گھس کر چلنے کی کوشش کرے تو اسے منع کرو لیکن اگر وہ نہ مانے تو دوبارہ منع کرو اور اگر پھر بھی نہ مانے تو اس سے لڑو۔ کیونکہ وہ (حقیقت میں) شیطان ہے۔"

اس حدیث کو مسلم اور ابو داؤد نے بھی سلیمان بن مغیرہ کی زبانی اور حدیث کی صورت میں حمید بن ہلال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ:

"رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب"

روح، محمد، شعبہ، محمد بن زیاد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی ﷺ بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جن میرے قریب سے گزرا تو میں نے گرم ہوا کا جھونکا سا اپنے اوپر آتے محسوس کیا ہے ایسی حالت میں نے اس وقت محسوس کیا جب میں مسجد کی طرف نماز کے لئے جا رہا تھا وہ دراصل کوئی جن یا شیطان تھا میری نماز سے مجھے روکنا چاہتا تھا میں نے اس سے الجھنا ترک کرنا چاہا کہ تم لوٹ گئی۔

صبح کی نماز کے لئے مسجد کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قابو میں کر دیا اسے میرے پاس ذبح کر کے مجھے اس کے خطرے سے بچا لیا اس وقت میں نے دیکھا بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا پڑھی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی:

"رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب."

جناب روح اس حدیث کے بیان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت نے شیطان کو ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ ابی ادریس کی زبانی ابی درداء کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی ادریس کا بیان ہے کہ ابو درداء نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو نماز کے دوران میں "اعوذ باللہ منک" پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اسی نماز کے دوران میں تین بار "العنک بلعنۃ اللہ" فرمایا اور ہاتھ اس طرح اٹھایا جیسے آپ ﷺ کچھ پکڑ رہے ہوں۔

کم بخت بھاگ نکلا..... ابی ادریس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج میں نے نماز میں آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمات سنے جو پہلے کبھی نہیں سنے تھے دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "وہ شیطان تھا جو میرے منہ پر آگ کا ایک شعلہ پھینکنا چاہتا تھا تو میں نے پہلے اسے مخاطب کر کے کہا کہ "اعوذ باللہ منک" اور

پھر کہا کہ "السمک ملعنۃ اللہ" اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اسے پکڑنے کو ہاتھ اٹھایا تھا لیکن وہ کم بخت ہو کے نکلا اور سیخ کو اول مدینہ سے بچے اس سے مچھلی بے ہوتے جو بعد میں ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لا تغرنکم الحیاۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور"

یہاں غرور سے مراد شیطان ہے۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعو حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر"

شیطان کی انسان سے پرانی دشمنی آج تک چلی آ رہی ہے تو ہر موقع قریب کے ذریعے اس کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے جس کا ذکر ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مصائد الشیطان" میں تفصیل سے کیا ہے۔

"سنن ابی داؤد" میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

"واعوذ بک ان یتخبطنی الشیطان عند الموت"

بعض روایات میں ابلیس کی یہ بات وارد ہے کہ

"یا رب وعزتک وجلالک لا ازال اغویہم ما دامت ارواحہم فی اجسادہم"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وعزتی وجلالی ولا ازال اغفر لہم ما استغفرونی"

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم"

یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور شیطان کا وعدہ باطل ہے

ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے اپنی کتب میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عطاء بن سائب عن مرۃ الہمدانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اور شیطان میں انسان کے لئے باری باری تحریک پیدا کرنے کی طاقت پائی جاتی ہے لہٰذا جب کوئی شخص اپنے دل میں بھلائی دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے لیکن جب وہ اپنے دل میں کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے شیطان سے منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

"الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم"

(البقرۃ ۲۶۸)

سورۃ البقرۃ کے فضائل .... ہم سورۃ البقرۃ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں کہ جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے نیز آیت الکرسی کے فضائل بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ جس گھر میں رات کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے شیطان صبح تک اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا نیز انہیں مالک نے ابی صالح اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" سو مرتبہ کہا اس کے لئے دس گنا اجر ہوتا ہے اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور یہ کلمات اس شخص کے لئے اس دن شام تک شیطان کے خلاف حفاظتی تعویذ بنے رہتے ہیں نیز کسی شخص کے لئے اس سے بہتر اور کلمات نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہ ان کلمات کا کثرت سے ورد کرتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ابوالیمان اور شعیب نے ابی الزناد، اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہر انسان اپنی ہر برائی پر اعلان کر کے ہر طرح سے شیطان کو طعنہ زنی کرتا ہے اور جب کوئی بچہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرح (یعنی باپ کے نام ونشان بغیر) پیدا ہوتا ہے تب بھی وہ کلی طور پر ہی کسی شیطان ہی کو مطعون کرتا ہے" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بناء پر اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عاصم بن علی اور ابن ابی ذئب کی زبانی اور سعید المقبری ان کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جمائی شیطان کی کارفرمائی سے ہوتی ہے۔ حتی الامکان جمائی سے بچے۔ انسان جمائی لیتے وقت منہ کھول کر "ہا" کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے اسے ابن ابی ذئب کے حوالے سے بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جمائی سے بچے، کیونکہ جمائی کے وقت منہ کھولنے سے شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور سفیان نے محمد بن عجلان، سعید المقبری ان کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب انسان جمائی کے وقت منہ کھول کر ہاہا کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی نے اس حدیث کو محمد بن عجلان کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن بن ربیع اور ابوالاحوص نے اشعث، اشعث کے والد اور مسروق کے حوالے سے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران کسی نمازی کے نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ شیطانی وسوسہ ہے۔ جو شیطان تم میں سے کسی نمازی کے دل میں اس کے نماز پڑھتے وقت ڈالتا ہے۔" یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے بھی مسروق کے حوالے سے اشعث بن ابی الشعثاء، سلیم بن اسود المحاربی اور محاربی کے والد کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے۔

سچے خواب اللہ کی طرف سے ہیں ـــــ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطور روایت اوزاعی یحییٰ بن ابی کثیر، عبداللہ بن ابی قتادہ اور ابی قتادہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے خوابوں کا باعث شیطان ہوتا ہے لیکن دوسرے خوابوں کا باعث بننے سے قبل خواب دیکھنے والے کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بائیں طرف (کروٹ بدل کر) تھوک دے اور اعوذ باللہ کہے تو وہ شیطان کا پیدا کردہ خوف دور ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شیطان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

"شر" کا مشورہ شیطان کا ہوتا ہے ـــــ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص تمہیں یہ مشورہ نہیں دے گا کہ تم اپنے کسی بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ بلکہ وہ مشورہ شیطان کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص شیطان کے اس مشورے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا آگ کا گڑھا ہے۔ امام احمد اس حدیث کا اخراج عبدالرزاق کی روایت سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیطان کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

۱ ـــ "ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح وجعلناها رجوما للشياطين واعتدنا لهم عذاب السعير"

(الملک: ۵)

۲ ... "انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملا الاعلی ویقذفون من کل جانب دحورا ولهم عذاب واصب الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب"

(الصافات ۶-۱۰)

۳ ... "ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناها للناظرین وحفظناها من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین" (الحجر ۱۶-۱۸)

۴ ... "وما تنزلت به الشیاطین وما ینبغی لهم وما یستطیعون انهم عن السمع لمعزولون"

(الشعراء ۲۱۰-۲۱۲)

جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا:

"وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهبا وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا" (الجن ۸-۹)

شیطانوں کی چوری: ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ان دونوں سے الگ الگ محمد بن یزید نے سعید بن ابی ہلال کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو الاسود نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے جب بادلوں کے درمیان سے گزرتے ہیں تو آپس میں کسی امر کا تذکرہ کرتے ہیں جسے شیاطین سن کر کاہن کے کان میں اس طرح ٹپکاتے ہیں جیسے شیشے سے قطرہ ٹپکتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹے کلمات بھی اسی طرح ملا دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بالا حدیث کی روایت کے آخر میں زہری کی بیان کردہ روایت کے طور پر بھی ان عروہ بن زبیر کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے کاہنوں کی پیشگوئی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب فضول ہوتی ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ کاہنوں کی کچھ باتیں درست بھی ثابت ہوتی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (کاہن) جو کچھ کہتا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ شیاطین آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے فرشتوں کی گفتگو کی حقیقت کو ایک کر کاہنوں کے کانوں میں ڈالتے ہوئے مرغیوں کی بیٹ کی طرح پکارتے ہیں جس میں کاہن اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹی باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

اسی قبیل کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیدی سفیان اور عمرو نے بیان کیا جب کہ عکرمہ کے قول انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ زمین کے باشندوں یا خود زمین کے بارے میں بارگاہ خداوندی سے کوئی حکم آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتا ہے اور وہ سب کے سب منتقل ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتے ہیں لیکن جب ان کی تسلی ہو جاتی ہے تو باہم گفتگو کرتے ہیں جسے ہوا میں اڑتے ہوئے یہ بیانات باہم گڈمڈ کر دیتی ہیں اور وہ نقل کرتے رہتے ہیں تو زمین آسمان کے درمیان میں شیاطین اچک کر کاہنوں اور ساحروں کے کانوں میں قطرات کی طرح منتقل کر دیتے ہیں اکثر ان کو شہاب کی زد میں سے مارا جاتا ہے اور یوں وہ کاہن یا ساحر زمین کے بعض یا زمین پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور حادثات کے بارے میں تھوڑی بہت ٹھیک پیشگوئی کرنے پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے اندازے سے ان میں سینکڑوں جھوٹی باتوں کی ملاوٹ بھی کر دیتے ہیں۔ پھر بھی ثابت ہونے والی باتوں پر بھروسہ کر کے وہ شیخی بگھارتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطور حدیث منفرد پیش کیا ہے جب کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے زہری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر علی بن حسین زین العابدین بن عبد اللہ بن عباس اور انصار کے کچھ افراد کی حدیث کے حوالے سے تقریباً اسی طرح پیش کیا ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں۔

۱ ... "ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین وانهم لیصدونهم عن السبیل ویحسبون انهم مهتدون حتی اذا جاءنا قال یا لیت بینی وبینک بعد المشرقین فبئس القرین"
(الزخرف ۳۶-۳۸)

۲ ..... "وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم وما خلفهم." (فصلت ۲۵)

۳ . "قال قرینه ربنا ما اطغیته ولکن کان فی ضلال بعید قال لا تختصموا لدی وقد قدمت الیکم بالوعید ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید." (ق ۲۷-۲۹)

۴ . . "وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما فعلوه فذرهم وما یفترون ولتصغی الیه افئدة الذین لا یؤمنون بالآخرة ولیرضوه ولیقترفوا ما هم مقترفون" (الانعام ۱۱۲-۱۱۳)

ہم ملائکہ کے اوصاف پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ملائکہ اور جنات کے بارے میں چند احادیث پیش کی جا رہی ہے۔

(۱) . امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود کے طریق سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہے جو بالترتیب شر اور خیر کا حکم دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے (جس کی وجہ سے اس کا زور مجھ پر نہیں چلتا) اور وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔

(۲) ... امام احمد رحمۃ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ شیطان کا واسطہ ضرور پڑتا ہے۔ یہ بات سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور یا رسول اللہ ﷺ آپ کا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں میرا بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ میرا فرمانبردار ہو گیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفصیل کی ایک اور حدیث دیگر راویوں کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ "ایک رات کے وقت رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس سے اٹھے تو مجھے بڑی غیرت آئی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ مجھے دیکھ کر میری غیرت والی کیفیت کو فوراً سمجھ گئے اور مجھ سے پوچھا کیا تم کو غیرت کیوں آئی؟ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا بات ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "شیطان"۔ گویا میں نے غیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "شیطان؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ کیا شیطان آپ ﷺ کے پاس بھی آ سکتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میں نے عرض کیا "اور میرے پاس؟" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ ہر انسان کے پاس آ سکتا ہے وہ ابھی میرے نزدیک بھی آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس کے فریب سے بچا لیا اور اسے میرا مطیع کر دیا"۔

یہی حدیث مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہارون بن [illegible] ابن وہب کے واسطے سے چند مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ بن سعید اور ابن لہیعہ نے موسیٰ بن وردان اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "شیطان ہر مومن کو اپنی شرارتوں سے اسی طرح پریشان کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنا اونٹ دوران سفر پریشان کرتا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کی اس مخصوص حرکت کی وجہ سے جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یوں تو ہر انسان کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہے لیکن جب وہ یہ حرکت کسی مومن کے ساتھ کرتا ہے تو گویا اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غلبہ پا لینا چاہتا ہے۔ یعنی یہ کہ مگر وہ مومن اس کے ساتھ اپنے ایمان کی بنیاد پر وہی سلوک کرتا ہے جو کوئی اونٹ کا سوار اپنے اونٹ کے ساتھ کرتا ہے۔ اور آخر کار اس پر قابو پا لیتا ہے۔ شیطان کی انہی حرکات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطک المستقیم ثم لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن

ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثرهم شاکرین"

یعنی وہ جس جس طرح شیطان کے حملے سے بچتے ہیں وہ سب طریقے اور قوت ایمانی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ ان کے اکثر کو ایمان لانے والا شکر گزار نہیں پائیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی موسیٰ اور ابن مسیب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن ابی فاکہ کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان ابن آدم کو فریب دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور مسلمان سے اس کے اسلام قبول کرنے اور اپنا ایمان صحیح پر اعتراض کرتے ہوئے بار بار یہ کہتا ہے "کیا تو نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دیا؟ جب وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے بعد کہتا ہے "یہ تو بہت غلط کیا" پھر اس سے پوچھتا ہے "کیا تو نے اسلام کے نام پر ہجرت کر کے اپنا گھر بار اور اپنی زمین بھی چھوڑ دی؟ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تیری مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو بے سوچے سمجھے دوڑا جاتا ہے پھر جب وہ جہاد کے لئے جاتا ہے تو پوچھتا ہے "کیا تو نے جہاد کے نام پر جنگ کی ہے پھر تو قتل ہو جائے گا اور تیری بیوی کسی اور سے نکاح کر لے گی اور تیرا مال تقسیم ہو جائے گا۔ لیکن وہ مخلص بندہ جہاد کرتا رہتا ہے اور شیطان کے وسوسوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

شیطان کی یہ باتیں بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی کی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس نے اللہ کے لئے ہجرت کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے، اگر اس نے اللہ کے نام پر جہاد میں شرکت کی اور کسی (دشمن اسلام) کو قتل کیا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس کی سواری کا گھوڑا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مارا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔

آپ ﷺ کی دعا ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع، عبادہ بن مسلم الفزاری، جبیر بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام یہ دعا کیا کرتے تھے کہ "یا اللہ میں دین و دنیا میں تجھ سے عافیت کا طالب ہوں، یا اللہ میں اپنے اور اہل و عیال کے لئے دینی و دنیوی معاملات اور اپنے مال کے زوال کے بارے میں تجھ سے معافی اور عافیت کا طالب ہوں، یا اللہ میرے عیوب کو مستور رکھ اور میرے قلب کو مطمئن رکھ، یا اللہ میرے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر سے میری حفاظت فرما، میں اپنے (قدموں کے) نیچے سے کسی غلطی (کے امکان) سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں۔"

تحت کا مطلب ...... وکیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "تحت" کا مطلب خسف زمین یا دھنسنا ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عبادہ بن مسلم کی بیان کردہ حدیث کے طور پر روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن میں نازل ہوا (۱)

قرآن مجید میں ہے اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں انہوں نے کہا کیا آپ اس (زمین) میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتے ہیں جو خرابیاں کرے اور خون ریزی کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور (پھر خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور (پھر) اللہ نے آدم کو سب (چیزوں) کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ: انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے تب خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ جب انہوں نے ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں؟ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا اور (پھر) ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کیونکہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (۲)

اور قرآن میں فرمان باری ہے

---

(۱) حضرت آدم کے بارے میں قرآن میں کتنی مرتبہ ذکر آیا ہے؟ تفصیل ذیل میں ہے۔ دیکھئے

سورۃ البقرہ ۲	آیت نمبر ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷	۵
آل عمران ۳	آیت نمبر ۳۳، ۵۹	۲
المائدہ ۵	آیت ۲۷	۱
الاعراف ۷	آیت نمبر ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲	۷
بنی اسرائیل ۱۷	آیت ۶۱، ۷۰	۲
الکہف ۱۸	آیت ۵۰	۱
مریم ۱۹	آیت ۵۸	۲
طٰہٰ ۲۰	آیت ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱	۵
یٰس ۳۶	آیت ۶۰	۲
	کل آیات	۲۵

(۲) ملاحظہ فرمائیں سورۃ بقرہ آیت ۳۰ سے ۳۹ تک۔

"عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے آدم کا) مٹی سے قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گیا۔"(۱)

اور قرآن میں ہے

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"(۲)

یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"(۳)

اور قرآن میں ہے:

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔"(۴)

اور قرآن میں ہے:

اور ہم نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا تو (بہشت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

فرمایا:

(اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (پھر) شیطان نے کہا مجھے تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ خراب کروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (خدا نے) فرمایا نکل جا یہاں سے ذلت (و مردود) جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اور (پھر ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے پردے کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کے پردے کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے (اور ستر چھپانے لگے) تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ دونوں عرض کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (خدا نے)

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۵۹۔ (۲) سورۃ نساء آیت ۱۔ (۳) سورۃ حجرات آیت ۱۳۔ (۴) سورۃ اعراف آیت ۱۸۹۔

فرمایا (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان ہے (اور) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں تمہارا مرنا اور اسی سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔ (۱)

اور قرآن میں ہے:

"اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔" (۲)

اور قرآن میں ہے:

"اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا تو فرشتے سب کے سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان (نہ گرا) اور اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا (خدا نے فرمایا) اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے سجدہ کروں (خدا نے) فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی) (اس نے) کہا کہ پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر کے دن تک (اس نے) کہا پروردگار جیسا تو نے مجھے راستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا مگر ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر میرا زور نہیں)۔"

(خدا نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں گمراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ (۳)

اور قرآن میں ہے:

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا بولا بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (اور ازراہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس (آدم کی ذریت) کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال میں اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور جو وعدے شیطان ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ (اے شیطان) جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز کافی ہے۔" (۴)

اور دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے برا بدل ہے۔ (۵)

---

(۱) سورۃ الاعراف ۲۴ تا ۲۵۔ (۲) سورۃ طہٰ آیت ۵۵۔ (۳) سورۃ الحجر آیات ۲۶ تا ۴۴۔ (۴) سورۃ بنی اسرائیل ۶۱ تا ۶۵۔ (۵) سورۃ الکہف آیت ۵۰۔

دوسری جگہ قرآن عزیز میں ہے:

"اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اس کو) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کر دیا ہم نے فرمایا اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں یہ تم دونوں کو بہشت سے نکلوا دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔"

یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی فرمایا کہ تم یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا بھالتا تھا خدا فرمائے گا کہ ایسا ہی (ہونا چاہیے) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔ (۱)

اور قرآن مقدس میں ہے

کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے، مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا، جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا، میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا، (خدا نے) فرمایا اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا؟ یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا (خدا نے) فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی، کہنے لگا میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے، جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں فرمایا سچ ہے اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا (اے پیغمبر) کہہ دو میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں یہ (قرآن) تو اہل عالم کیلئے نصیحت ہے اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ (۲)

اب تک قرآن کی متفرق جگہوں سے حضرت آدم کے متعلق ترجمہ آیات پیش کیا گیا۔ اور ان کی تفسیر کے متعلق تفصیل سے ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں کلام کر چکے ہیں۔ یہاں بھی ان آیات کے مضمون کے متعلق کچھ احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اس قصہ پر دلالت کریں گی۔ اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

---

(۱) سورۂ طٰہٰ آیت ۱۱۵ تا ۱۲۶ (۲) سورۂ ص آیت ۶۷ تا ۸۸

خلافت ارضی کے بارے میں گفتگو:...... اللہ عزوجل نے فرشتوں کو فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو اس خلافت و نیابت سے مراد یہ ہے کہ تم انسان ایک دوسرے کے بعد اس میں خلیفہ بنو گے، یعنی ایک کے پیچھے دوسری۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اور وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا اور دوسری جگہ قرآن میں فرمایا: اور تم کو زمین (میں ایک دوسرے) کا خلیفہ بنایا۔(۱)

تخلیق آدم کی فرشتوں سے گفتگو:...... پھر اللہ عزوجل نے تعظیم کے طور پر حضرت آدم اور ان کی اولاد کی پیدائش کی خبر دی۔ جس طرح اہم اور عظیم الشان کاموں کی پہلے سے خبر دی جاتی ہے۔ اس پر فرشتوں نے بات کی وضاحت اور اس کی حکمت اور وجہ معلوم کرنے کے لئے سوال کیا، اور کوئی اعتراض و عیب لگانے کی غرض سے یہ سوال نہ تھا جیسا کہ بعض نادان مفسرین کا خیال ہے (جو کہ غلط ہے) تو فرشتوں نے یوں سوال کیا: (اے اللہ) کیا آپ زمین میں اس کو بنانا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے اور خون بہائے۔

مفسر قرآن حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو اس بات کا علم (کہ حضرت انسان زمین میں فساد و خونریزی کرے گا) اس طرح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں جنوں نے فساد اور خون خرابہ پھیلا رکھا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے آباد تھے پھر انہوں نے خونریزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کا لشکر بھیجا وہاں فرشتوں نے جنات کو مار کر سمندری جزیروں (اور بیابانوں) میں بھگا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی بات منقول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے لوح محفوظ سے اطلاع پائی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات (فرشتوں کو ان کے ساتھی فرشتوں (ہاروت ماروت) نے بتائی تھی۔ اور ان دونوں کو یہ بات اوپر والے فرشتے "سجل" نے بتائی تھی۔(۲)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو انسان کی اس فطرت کا علم اس طرح ہوا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ اس مخلوق کو مٹی سے پیدا کیا جا رہا ہے تو ضرور مٹی کے اوصاف اس میں آئیں گے۔

تو فرشتوں نے کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہیں گے ہم میں سے کوئی آپ کی نافرمانی نہیں کرے گا تو اگر اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے مقصود آپ کی عبادت ہے تو ہم دن رات آپ کی عبادت سے نہیں تھکتے۔ (ہم سے یہ کام لیجئے)۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی اس مخلوق انسانی کی پیدائش سے کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں مقصود ہیں مثلاً عنقریب اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کو پیدا کیا جائے گا۔ اسی طرح صدیقین، شہداء، صالحین کو بھی پیدا کیا جائے گا۔

علم کی بنا پر آدم کو فضیلت:...... پھر اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور شرف کو علم کی وجہ سے ظاہر فرمایا اور یوں فرمایا کہ اور ہم نے آدم کو تمام نام سکھلا دیے۔(۳)

---

(۱) انعام ۱۶۵۔ مترجم کے ناقص خیال میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا پھر آگے ان کی اولاد بعد والے پہلے والوں کی خلیفہ بنتی گئی اور یہ تو ظاہر ہے کہ [illegible] گئی ان میں یہ مناسبت کبھی ٹھیک ہے۔ تو جب حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا [illegible] حضرت آدم کا [illegible] یہی ہے کہ وہ خلیفہ ہے۔

پھر حضرت آدم کا خلیفہ ان کے بعد ان کا بیٹا بنا پھر یہ سلسلہ چلتا چلا گیا کہ [illegible] خلافت سے مراد [illegible] زمین پر [illegible] کی طرف سے عبادت کی [illegible] انجام دینے کے لئے پیغمبر انبیاء کے کام میں ہے پھر [illegible] حضرت محمد کی ختم نبوت تا قیامت ہے۔ پس آپ کے بعد آپ کی خلافت چلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا آجاتا۔ اور فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں میرے خلفاء ہوں گے۔ اور بہت ہوں گے۔ [illegible] (۲) اس کو ابن ابی حاتم نے حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ (۳) اس لئے بھی یہ تصریح نقل کی کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھلائے تھے جن کا علم فرشتوں کو بھی نہ تھا۔ [illegible] فرشتوں سے پوچھنے کی [illegible] تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ان چیزوں کو پیش کر کے [illegible] کی صلاحیت نہیں تھی۔ [illegible]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ وہ نام تھے جنکو لوگ آپس میں جانتے ہیں جیسے انسان، جانور، آسمان، سمندر، پہاڑ، اونٹ، گدھا وغیرہ وغیرہ۔

اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے نام سکھائے تھے جیسے پیالہ، ہنڈیا، یہاں تک کہ جو ہوا آواز کے ساتھ پیچھے سے نکل جاتی ہے اس کا نام اور جو بغیر آواز کے نکلتی ہے اس کا نام بھی بتایا۔

اور فرماتے ہیں کہ ہر جانور، ہر پرندے اور ہر چیز کے نام سکھائے تھے۔ اور حضرت سعید، حضرت ابن جبیر، قتادہ وغیرہم ایک[1] کے علاوہ سب کا یہی کہنا ہے۔

اور حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ کے نام سکھائے تھے اور عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ ان کو ان کی اولاد کے نام بھی سکھا دیئے تھے۔[2] صحیح یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے انواع وغیرہ کے نام اور ان کے کاموں کے نام سکھائے تھے جیسے انسان، چوپائے، زمین، اور ان کے کام وغیرہ خواہ وہ چھوٹی چیزیں ہوں یا بڑی۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سعید اور ہشام کے طریق سے قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن مومنین جمع ہوں گے اور کہیں گے کاش اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری کوئی سفارش کرے پھر وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابو البشر ہیں، اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور ہر چیز کے آپ کو نام سکھائے۔[3]

آگے فرمان خداوندی ہے کہ:

> پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔[4] حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا کہ پروردگار ایسی کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائیں جو ہم سے زیادہ جانتی ہو پھر ان کی اس طریقے سے آزمائش کی گئی ان کنتم صادقین "اگر تم سچے ہو" کا یہی مطلب ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔
>
> (اس کے بارے میں بزرگوں کے اور بھی اقوال ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کئے ہیں۔)

تو پھر فرشتوں نے عرض کی کہ (اے) پروردگار تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے جو آپ نے ہم کو سکھایا۔ بے شک آپ علم (و) حکمت والے ہیں۔[5] یعنی آپ کے سکھائے بغیر کوئی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسے دوسری جگہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا یعنی وہ اللہ کے علم سے ذرہ برابر بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا اللہ چاہے۔[6]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "اے آدم ان کو ان کے نام بتا دو، جب انہوں نے ان کو ان کے ناموں کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا! کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی غائب باتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ (سب) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپایا کرتے ہو۔ یعنی اللہ پاک پوشیدہ چیزوں کو بھی اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ظاہر کو۔ اور کہا گیا ہے کہ ظاہر جاننے سے مراد فرشتوں کی اس بات کا جاننا ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ "کیا آپ زمین میں اس کو بناتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے گا" اور پوشیدہ کو جاننے سے مراد ابلیس کا اپنے دل میں کبر و بڑائی کو چھپانا ہے۔ یہ قول حضرت سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک، ثوری کا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔"

---

(۱) وہ ابو العالیہ، عکرمہ، مجاہد، حسن، عطاء ہیں۔ فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۲۔ (۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۷۵۔ (۳) بخاری کتاب التفسیر سورۃ البقرہ،

(۴) سورۃ البقرۃ آیت ۳۱۔ (۵) سورۃ البقرۃ آیت ۳۲۔ (۶) سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵۔

اور ابو العالیہ، ربیع، حسن، قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے فرمان "جو تم چھپاتے رہتے ہو" اس سے مراد فرشتوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے زیادہ جاننے والے اور اکرم (باعزت) اس کے علاوہ پیدا نہ فرمائے گا۔

فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرانا:...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کردیا اور بڑائی کی۔ (۱)

تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانا یہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بڑے عظیم اکرام اور اعزاز کی بات ہے۔ جب ان کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس میں روح پھونکی جیسا کہ فرمان ہے کہ پس جب ہم نے اس کو درست کردیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو (حکم دیا کہ) اس کے لئے سجدہ ریز ہو جاؤ (۲) تو یہاں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار طریقے سے ان کو شرف و مرتبے سے نوازا: اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا، اشیاء کے ناموں کے علم سے نوازا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام جب عالم بالا میں اکٹھے ہوئے اور ان کا آپس میں مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا: آپ آدم ہیں ابو البشر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور آپ کو فرشتوں کا مسجود بنایا اور آپ کو ہر چیز کا علم عطا فرمایا۔

اسی طرح اہل محشر بھی قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو عرض کریں گے۔

دوسری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "اور ہم نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا (خدا) نے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔" (۳)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابلیس نے قیاس آرائی اور اجتہاد کیا اور اس طرح سب سے پہلا شخص قیاس کرنے والا ابلیس ہوا۔ (۴)

اور محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شخص جس نے قیاس آرائی کی وہ ابلیس ہے اور سورج چاند کی پرستش بھی صرف قیاس کی بناء پر جاری ہوئی۔ یہ دونوں اقوال ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کئے ہیں۔ (۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے اور آدم کے درمیان (عقل کے ذریعے) قیاس آرائی کی۔ لہٰذا اپنے وجود کو آدم کے وجود سے اشرف خیال کیا اور سجدہ کرنے سے رک گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کو اور سارے فرشتوں کو جاری ہو چکا تھا۔ (تو یہاں شرعی حکم کے ہوتے ہوئے) اس ابلیس نے قیاس آرائی کی اور جب صریح حکم خداوندی آ جائے تو قیاس آرائی فاسد و مردود ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ قیاس بذات خود بھی غلط اور خام خیال پر مبنی ہے اس لئے کہ مٹی آگ سے زیادہ نفع مند اور بہتر ہوتی ہے کیونکہ مٹی میں عاجزی، سکون، بردباری اور ثابت قدمی ہوتی ہے اور اسی سے چیزوں کی نشو و نما بھی

---

(۱) اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کریں اور سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے تو ظاہر ہے یہ سجدے عبادت کے لئے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ غیر خدا کی عبادت شرک و کفر ہے اور کفر و شرک کی کسی شریعت میں بھی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ قدیم انبیاء کے زمانہ میں اس سجدہ کا وہی حکم تھا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، دست بوسی اور تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے مگر وہ شریعت محمدی میں منسوخ ہو گیا اور سجدہ صرف اللہ کے لئے خاص ہو گیا اور کسی کے سامنے جھکنا بھی ممنوع ہو گیا۔

(۲) سورۃ حجر آیت ۲۹۔ (۳) سورۃ الاعراف آیت ۱۱-۱۲

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابلیس سے پہلے فرشتوں نے قیاس کیا تھا لہٰذا پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے یہ بات محل نظر ہے۔ (۵) تفسیر طبری ج ۱ ص ۹۸

کرتی ہے! کیونکہ نرمی، بردباری اور عاجزی مٹی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کو پسند بھی ایسی ہی صفات ہیں جو مٹی میں ذکر ہوئیں) بخلاف آگ کے کہ اس میں طیش، بھڑک، تیزی، جلانا وغیرہ صفات ہیں (جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ یہی وجہ ہے اس کو جہنم کا ذخیرہ بنایا)۔

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بڑا شرف و اعزاز بخشا (جو ملعون ابلیس کو حاصل نہ تھا) کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اپنی روح مبارک پھونکی۔ اسی وجہ سے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا:

> "اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر (یعنی انسان) بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔ پروردگار نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا چیز مانع ہوئی کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ ابلیس نے کہا کہ میں اس بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جس کو آپ نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا تو پروردگار نے فرمایا کہ نکل جا بے شک تو مردود ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت (برستی) رہے گی۔"(۱)

تو شیطان ملعون اس لعنت و حقارت کا مستحق ہوا کیونکہ اس نے آدم پر عیب لگایا اور ان کو حقیر جانا اور اس نے اللہ کی حکم عدولی کی اور صریح حکم خداوندی کو نظر انداز کرتے ہوئے جدال کی وجہ سے قیاس آرائی کی اور حق کو چھوڑ کر راندۂ درگاہ ہوا۔

اور پھر ملعون ابلیس اس کے بعد بھی جو اپنی جہالت اور گمراہی بیان کی اور انسانوں کو بہکانے کا کام وہ اس کے پہلے گناہ سے بڑھ کر ہوا (گویا گناہوں کی ظلمتوں میں دھنستا چلا گیا)۔

جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

> "اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے کہا کہ کیا میں ایسے کو سجدہ کروں؟ جس کو آپ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور (ازراہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی (آدم) وہ ہے جس کو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر آپ مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت عطا فرمائیں تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا جا، جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو ان سے وعدہ کرتا ہے سب دھوکا ہے جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز بس ہے۔"(۲)

اور سورۂ کہف (آیت ۵۰) میں یوں فرمایا:

> "اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان (سب نے) سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنوں میں سے تھا تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی تو کیا تم (اے لوگو) اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو مجھے چھوڑ کر۔"

یعنی وہ شیطان مردود اللہ کی فرمانبرداری سے جان بوجھ کر عناد و تکبر کی بنا پر دور ہو چلا گیا اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اس کی طبیعت و مادہ خبیثہ نے اس سے خیانت کی کیونکہ آگ کا مادہ اور اس کی طبیعت ہی ایسی ہے جس کی طرف شیطان کا رجوع ہے اور صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جن بھڑکتی ہوئی آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم ان چیزوں میں سے ہیں جو تمہارے اوصاف ہیں (یعنی ہر آدمی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس کی صفات اس میں ہیں)۔[۳]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کبھی بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس جنوں میں سے تھا جب جنوں نے زمین میں خون خرابہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر کو بھیجا تو فرشتوں نے جنوں کو زمین کی آبادیوں سے ویرانوں میں اور سمندروں کے جزیروں کی طرف مار بھگایا اور ابلیس ان جنوں میں سے قیدی تھا پکڑا گیا تو اس کو پکڑ کر آسمان پر لے گئے اور وہ

---

(۱) سورۂ ص آیت ۷۱ تا ۸۵۔ (۲) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۱ تا ۶۵۔ (۳) صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقۃ۔

وہ یہ سمجھنے لگا پھر جب ایک عرصے کے بعد آدم کو پیدا کیا گیا اس کے بعد سجدہ کا حکم دیا گیا تو یہ سجدہ کرنے سے رک گیا اور ملعون قرار دیا گیا۔

اور حضرت عبداللہ[1] بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمان دنیا میں فرشتوں کا سردار تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام عزازیل تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت میں اس کا نام حارث (بھی) تھا۔ اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کنیت ابو کردوس تھی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی ایک جماعت میں سے تھا جنکو جن کہا جاتا تھا اور یہ جماعت جنت کے داروغوں (منتظموں) کی تھی اور یہ شیطان ان کا سردار تھا اور ان سب میں علم و عبادت میں سب سے آگے تھا اور یہ چار پروں والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان مردود بنا دیا۔[2]

اور اللہ عزوجل اپنے کلام مقدس سورۃ ص میں فرماتے ہیں۔

> "جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے تکبر کیا اور کافروں میں ہو گیا۔ (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے روکا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔ کہنے لگا اے پروردگار مجھے اس روز تک (جب لوگ اٹھائے جائیں) مہلت دے۔ کہا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے۔ (وہ) کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان کو بہکاتا رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ کہا سچ ہے اور میں (بھی) سچ کہتا ہوں۔ کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔"[3]

اور سورۃ اعراف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

> "شیطان نے کہا مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے رستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھوں گا پھر آگے سے پیچھے سے دائیں بائیں سے (غرض ہر چہار طرف سے) آؤں گا[4] (اور ان کو بہکاؤں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"[5]

یعنی کہ جب تو نے مجھے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا تو میں اس کا بدلہ ان انسانوں سے نکالوں گا (کیونکہ یہ سب بیٹے ہیں) اور ہر طریقے سے اور ہر طرف سے ان کو گمراہ کرنے کے لئے گھات لگا کر بیٹھوں گا۔ لہٰذا نیک بخت و سعادت مند وہ ہے جو شیطان کی مخالفت کرے اور بدبخت وہ ہے جو اس کی پیروی کرے گا۔

امام احمد[6] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ہاشم بن قاسم نے بیان کیا ان کو ابو عقیل عبداللہ بن عقیل نے ان کو موسیٰ بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا کہ سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ سبرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک شیطان ابن آدم کے لئے راستوں میں بیٹھا ہے۔[7]

---

(۱) یہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں کنیت ابو عبدالرحمٰن ہذلی ہے ۳۲ھ میں وفات پائی اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۸۵ اور الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۰

(۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۶۸ (۳) سورۃ ص آیت ۷۱ تا ۸۵۔

(۴) یہ جو چاروں طرف سے فرمایا ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے کے لئے ہر طرف سے آؤں گا لیکن اوپر کی طرف سے شیطان نہیں آ سکتا۔ کیونکہ بندوں اور رحمت کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ (مترجم)

(۵) اعراف آیت ۱۶ تا ۱۷۔ (۶) یہ امام احمد بن حنبل شیبانی مروزی ہیں بغداد میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی دیکھئے طبقات الذہبی ج ۲ ص ۱۹۰۔

(۷) احمد نے اپنی مسند میں ج ۳ ص ۴۸۳ پر اور نسائی نے کتاب جہاد میں بیان کیا ہے

مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کے لیے کن کن فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ کیا وہ تمام فرشتے ہیں جیسے کہ عام آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے یا صرف زمین کے فرشتے مراد ہیں؟ جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے اور سیاق میں اجنبیت ہے اگرچہ بعض متاخرین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہی پہلی والی بات ہے اور حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ تو یہاں عام ہے کہ فرشتوں کے کسی خاص گروہ کو حکم نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم

اور اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو فرمان کہ "اهبط منها"(۱) جنت سے نیچے اتر جا اور "اخرج منها"(۲) یعنی جنت سے نکل جا۔ یہ آیتیں دلیل ہیں اس بات پر کہ ابلیس آسمان پر تھا پھر اس کو نیچے اترنے کا حکم جاری ہوا اور اس تعظیم مرتبے اور بلند مقام سے نکلنے کا حکم فرمایا جو عبادت و طاعت کی وجہ فرشتوں کے ساتھ اس کو حاصل تھا اس طرح اس سے منصب و مرتبت کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے چھین لیا گیا۔

آدم و حوا کی جنت میں رہائش ...... پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اور ان کی بیوی جنت میں سکونت فرمائیں اور فرمایا:

> "اور ہم نے آدم کو کہا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے۔"(۳)

اور سورۃ اعراف میں فرمایا:

> "فرمایا پروردگار نے (شیطان کو) نکل جا یہاں جنت سے حقارت اور ذلت کا مارا ہوا جو کوئی ان (انسانوں) میں سے تیری پیروی کرے گا تو میں تم سب سے جہنم کو بھردوں گا اور اے آدم تم اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"(۴)

اور فرمایا:

> "اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں (سب) نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا تو ہم نے کہا کہ اے آدم یہ تمہارا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم محروم ہو جاؤ گے اور بے شک جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی اور نہ تو ننگا ہوگا اور نہ تجھے اس میں پیاس لگے اور نہ دھوپ۔"(۵)

ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش جنت میں حضرت آدم کے داخل ہونے سے پہلے ہو گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا

> "اے آدم تم اور تیری بیوی جنت میں رہو۔"(۶)

اور ابن اسحاق(۷) نے بھی اس بات کو صراحت سے بیان فرمایا ہے اور یہ ان آیات سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ اور ابی مالک رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور مرہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا پھر (تنہا) آدم کو داخل جنت کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں پریشان رہتے تھے تنہا اجنبیت محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے لئے کوئی ساتھی (بیوی) نہیں تھی جس سے وہ محبت (سکون) حاصل کرتے تو ایک مرتبہ تھوڑی دیر سوئے جب بیدار ہوئے تو آپ کے سر کے پاس ایک عورت کو بیٹھے پایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ آپ کون ہے؟ کہا کہ میں ایک عورت ہوں پوچھا کہ کیوں پیدا کی گئی ہے؟ کہا تاکہ آپ مجھ سے سکون اور راحت حاصل کریں تو فرشتے جو کہ آدم کو دیکھ رہے تھے

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت ۱۳ (۲) سورۃ الاعراف آیت ۱۸ (۳) سورۃ البقرۃ آیت ۳۵

(۴) سورۃ الاعراف آیت ۱۸ ۔ ۱۹ (۵) سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹ (۶) سورۃ الاعراف آیت ۱۹

(۷) محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸)

انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی وسعت علمی کا اندازہ لگانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا ان کا نام کیا ہے؟ کہا حواء۔ فرشتوں نے پوچھا کہ حواء کیوں؟ کہا اس لئے کہ یہ حی (جاندار) چیز سے پیدا کی گئی ہے۔

اور محمد بن اسحاق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حواء حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئی جبکہ وہ سو رہے تھے اور اس جگہ کو جہاں سے حضرت حواء پیدا کی گئی تھیں گوشت سے درست کر دیا گیا۔

اس بات کی تائید اللہ جل شانہ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ارشاد فرمایا:

> "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔"(۱)

اور دوسری جگہ فرمایا:

> "وہ وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ اس (بیوی) سے راحت و سکون حاصل کرے سو جب (کوئی مرد) اس عورت کے پاس جاتا ہے تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے جس کو اٹھائے چلتی پھرتی ہے"(۲)

صحیحین میں (ذکر کردہ) حدیث سے ہے جیسا کہ بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہؓ(۳) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ (نیکی اور) خیر خواہی کا معاملہ کرو بے شک عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر کا حصہ ہوتا ہے (جہاں سے اس کی پیدائش ہے) اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو اس کو توڑ دو گے (یعنی طلاق ہو جائے گی) اور اگر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی لہٰذا (ہر حال میں) عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو (یہ بخاری کے الفاظ ہیں)(۴)

شجرہ ممنوعہ

شجرہ ممنوعہ کی تفصیل:...... اور مفسرین کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا کہ ولا تقربا ھذہ الشجرۃ(۵) کہ اس درخت کے قریب نہ جانا تو وہ کونسا درخت تھا۔

اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انگور کا تھا اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، شعبی، جعدہ بن ہبیرہ، محمد بن قیس اور سدی سے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ یہود کا خیال ہے کہ وہ درخت گندم کا تھا اور ابن عباس، حسن بصری، وہب بن منبہ، عطیہ عوفی، ابو مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ گندم ہی تھی اور وہب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس درخت کا ایک ایک پھل اور مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ ابی حصین سے وہ ابی مالک سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں کھجور کے درخت سے ممانعت کی گئی تھی۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت تھا جس کے کھانے سے انسان ناپاک ہو جائے اور ناپاک آدمی جنت میں کہاں برداشت کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ اختلاف قریبی ہے۔ اور اللہ عز وجل نے اس کے ذکر اور اس کے متعین کرنے کو مبہم رکھا کہ وہ کونسا درخت تھا اگر اس کے ذکر کرنے میں

---

(۱) سورۃ النساء آیت ۱ (۲) سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹

(۳) ان کا اصل نام عبدالرحمن بن صخر دوسی ہے اور مشہور صحابی ہیں (اسد الغابہ ج۶ ص ۳۱۸، الاصابہ ج۷ ص ۴۲۵)۔

(۴) صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پیدائش، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب عورتوں کے بارے میں وصیت (الوصیۃ بالنساء)

(۵) سورۃ البقرۃ آیت ۳۵

مصلحت اور فائدہ ہوتا تو ہم کو ضرور بتا دیا جاتا۔ جس طرح دوسری بعض چیزوں کو بھی قرآن میں مبہم رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس بارے میں بھی علماء کا اختلاف رہا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام داخل کئے گئے تھے وہ جنت آیا آسمان میں تھی یا زمین میں تھی؟ اگرچہ یہ اختلاف بھی ایسا ہے جس سے بچنا اور اس کا حل کرنا مناسب ہے تو لیجئے سنئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت آسمان میں تھی یا زمین میں: ... اس میں جمہور علماء کا یہ فرمان ہے کہ وہ آسمان میں تھی اور جنت الماوی (دائمی) تھی (جیسا کہ قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے) اس لئے کہ ظاہری آیات اور احادیث نبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (ترجمہ) اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تیری بیوی جنت میں رہو۔[1]

اس آیت میں "الجنۃ" پر الف لام داخل کیا گیا ہے یہ عمومیت کے لئے بھی نہیں اور معہود لفظی کے لئے ہو سکتا ہے بلکہ ہر صورت میں یہ معہود ذہنی کے لئے ہوگا اور وہ شرعاً جنت الماوی کی جگہ ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے حضرت آدم علیہ السلام کو کہ آپ نے اپنے آپ کو اور ہم کو جنت سے کیوں نکلوایا؟

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ سے جن کا نام سعد بن طارق ہے اور ابی حازم سلمہ بن دینار سے وہ حضرت ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح ابو مالک ربعی سے وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ دونوں صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ (قیامت کے روز) لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر جب مومنین کے لئے جنت قریب کی جائے گی تو تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے ابا (سب کے والد محترم) ہمارے لئے جنت کھلوا دیجئے تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ تم کو جنت سے تمہارے باپ کی غلطی ہی نے تو نکلوایا ہے۔

اس حدیث میں قوی دلیل ہے اس بات پر کہ یہ جنت وہ جنت الماوی تھی (اور یہ نظر سے خالی نہیں ہے)

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہیں تھی: ... اور دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سکونت ملی وہ دائمی جنت نہیں تھی۔ اس لئے کہ اس میں ایک درخت کے پھل کو کھانے سے منع کیا گیا (جبکہ اصلی جنت میں کسی چیز کی روک ٹوک نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سوئے تھے جبکہ جنت میں نیند نہیں۔ اس لئے بھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پھر اس جنت سے نکالا گیا (جبکہ اصلی جنت میں جب کوئی داخل ہو گیا تو اس کے لئے وہاں سے نکلنا نہیں)۔

اور اس لئے بھی کہ ابلیس بھی اس جگہ میں داخل ہو گیا تھا (جبکہ جنت میں شیطان ابلیس کا داخلہ ممنوع ہے) تو یہ سب باتیں اس بات کو ترجیح کرتی ہیں کہ وہ جنت، جنت الماوی نہیں تھی۔ اور یہی قول حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس، وہب بن منبہ، سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ہے۔

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی المعارف میں اس کو اختیار کیا ہے اور قاضی منذر بن سعید بلوطی نے بھی اپنی تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے اور اس مسئلہ میں جدا گانہ ایک تصنیف بھی فرمائی اور اس کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب سے بھی نقل کیا ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عمر الرازی بن خطیب نے اپنی تفسیر میں ابو القاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی سے نقل کیا ہے اور قرطبی نے بھی معتزلہ اور قدریہ سے اس کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

اور یہ بات موجودہ تورات میں صراحت مذکور ہے۔ اور اس مسئلہ میں جن اسلاف علماء کا اختلاف ہے وہ ابو محمد بن حزم نے کتاب (الملل والنحل) میں اور ابو محمد بن عطیہ نے اپنی تفسیر اور ابو عیسیٰ رمانی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اور جمہور سے پہلا قول یہ منقول ہے کہ وہ جنت اصل ہے اور آسمان میں تھی۔

امام ابو القاسم راغب اور قاضی ماوردی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو ٹھہرایا تھا اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ دائمی جنت تھی یا اللہ تعالیٰ نے اس کو عارضی بنایا تھا اس کو آزمائش و امتحان کی جگہ بنایا تھا اور وہ دائمی جنت نہیں جو کہ نیکی کے بدلے کا گھر ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۳۵

اور پھر یہ اختلاف کہ وہ جنت آسمان میں تھی اس لئے کہ اس سے نیچے اتارا گیا تھا۔ اور یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی اس لئے کہ اس میں دونوں سے امتحان لیا گیا کہ درخت مخصوص سے روکا گیا (اور آزمائش کا گھر زمین ہے) اور یہ ابن یحییٰ کا قول ہے۔ اور یہ ابلیس کو سجدہ کرنے کے حکم سے بعد کی بات ہے۔ (واللہ اعلم)

تو یہ کلام تین اقوال پر مشتمل ہے اور قاضی ماوردی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ابو عبداللہ رازی نے اپنی تفسیر میں چار اقوال نقل کئے ہیں۔ تین تو وہ جو ماوردی نے ذکر کئے ہیں اور چوتھا توقف کا ہے۔

اور یہ قول بھی ہے کہ وہ جنت ہے تو آسمان میں لیکن وہ دائمی نہیں تھی بلکہ عارضی تھی اس کو ابو علی جبائی سے روایت کیا گیا ہے۔ (۱)

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت زمین پر ہی تھی۔ ان کی طرف سے ایک سوال ہوتا ہے جو لائق جواب ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابلیس نے جس وقت سے سجدہ کرنے سے منہ موڑا تو اللہ عزوجل نے اس کو اپنی بارگاہ عالیہ سے دھتکار دیا اور اس کو وہاں سے اترنے اور نکل جانے کا حکم فرمایا۔

اور جاننا چاہئے کہ یہ حکم شرعی نہ تھا جس کی مخالفت ممکن ہو بلکہ یہ حکم تکوینی تھا جو ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔ (۲)

تو اللہ تعالیٰ کا شیطان کو نکلنے و اترنے کا حکم فرمانا حکم تکوینی تھا فرمایا: نکل اس (جنت) سے حقارت زدہ ہو کر۔

اور فرمایا: اتر جا اس (جنت) سے پس تیرے لائق نہیں کہ اس میں بڑائی کرے۔ (۳)

اور فرمایا: نکل اس سے بے شک تو مردود ہے۔ (۴)

اور مذکورہ آیتوں میں فیھا یا منھا کی ضمیر جنت کی طرف یا آسمان کی طرف یا اس کے مرتبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ہر صورت میں حکم تکوینی تقاضا کرتا ہے کہ جہاں سے اس کو دھتکار دیا گیا وہاں یہ نہیں ٹھہر سکتا نہ بطور ٹھہرنے کے اور نہ بطور گذرنے کے۔

(تو اب غور کریں) ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یعنی (شیطان اور اسی طرح آدم علیہ السلام کا) اجتماع ہوا ہے۔ کیونکہ آیات میں ہے کہ اس نے آدم کو وسوسے میں ڈالا اور یوں خطاب کیا:

"کیا میں تم کو دائمی (زندگی دینے والا) درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہی والا جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔" (۵)

اور شیطان نے کہا (ترجمہ) تمہارے پروردگار نے نہیں منع کیا تم کو اس درخت سے مگر صرف اسی واسطے کہیں تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اور دونوں کو قسم اٹھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پھر دونوں کو دھوکے کی راہ پر ڈال دیا۔ (۶)

تو ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ابلیس ان کے ساتھ پھر بھی ان کی جنت میں اکٹھا ہوا۔

تو اس اشکال کا جواب یوں بھی دیا گیا ہے وہ وہاں سے گذر سکتا تھا ٹھہر نہیں سکتا تھا لہذا گذرنے میں اس نے بہکایا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دونوں کو وسوسے میں مبتلا کیا یا آسمان کے نیچے سے ان کو ورغلایا۔ لیکن ان تینوں جوابات میں کچھ نظر (چک) ہے واللہ اعلم۔

اور وہ لوگ جو زمین پر جنت ہونے کے قائل تھے جن کی طرف سے مذکورہ سوال و اعتراض بھی ہوا وہ زمین پر جنت ہونے کی یہ دلیل بھی

---

(۱) تفسیر فخر رازی ج ۳ ص ۳

(۲) اس کی مثال آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ نماز، روزہ کا حکم حکم شرعی ہے تو کوئی اس کو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا اور نہیں پڑھتا۔ اور حکم تکوینی وہ ہے جو ہمارے اختیار میں نہ ہو جیسے موت، حیات، بیماری، صحت، مصیبت وغیرہ کا پیش آجانا اور سورج، چاند وغیرہ کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کی بدولت ہو رہا ہے جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوتا اور نافرمانی نہیں ہو سکتی یہ حکم کافر، مسلمان، جاندار، غیر جاندار سب پر ایک طرح کا چلتا ہے۔ (مترجم)

(۳) سورۃ اعراف آیت ۱۸

(۴) سورۃ اعراف آیت ۱۳

(۵) سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰

(۶) سورۃ اعراف آیت ۲۰ تا ۲۲

دیتے ہیں جس کو عبداللہ بن الامام احمد نے زیادات میں ہدبہ بن خالد سے اور ہدبہ نے حماد بن سلمہ سے انھوں نے حمید سے حمید نے حسن بصری سے، حسن نے یحییٰ بن ضمرہ سعدی سے اور انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وقت وفات قریب آن پہنچا تو ان کو جنت کے انگور کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ کے بیٹے اس کی تلاش میں نکلے راستہ میں ان کو فرشتے ملے تو فرشتوں نے پوچھا کہ اے اولاد آدم کہاں کا ارادہ ہے؟

انھوں نے کہا کہ ہمارے والد محترم کو جنتی انگور کی خواہش پیدا ہوئی ہے جب تلاش کیا تو فرشتوں نے کہا کہ واپس چلو بس تم لوگ کافی ہو گئے تو سب واپس ہوئے تو فرشتوں نے روح قبض کر لی پھر فرشتوں ہی نے غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پیچھے فرشتوں نے صفیں مرتب کیں، پھر انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کر دیا پھر اولاد کو کہا کہ یہ تمہاری سنت (طریقہ) ہے تمہارے مردوں کے لئے۔

اور اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر زمین پر جنت نہ ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے جنتی انگور کی تلاش میں زمین پر نکل پڑتے۔ واللہ اعلم۔

اور بعض علماء کا یہ فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین پر تھی اس کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:
" اے آدم! تم اور آپ کی بیوی جنت میں رہو (۱) تو یہاں اس آیت میں الجنۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس پر الف لام داخل کیا گیا ہے جبکہ اس کا کوئی معہود پہلے نہیں گزرا جس سے کوئی معین جنت مراد لی جائے۔ لہٰذا یہ الف لام معین طور پر عہد ذہنی کے لئے ہوگا (جس کا حاصل یہ ہوتا کہ یہاں مراد کسی خاص جنت کا ذکر نہیں ہے) لیکن یہ ہمارے اس سیاق و سباق کے کلام سے مقصود نکلتی ہے۔ اور اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین سے پیدا کئے گئے اور پھر کہیں پر ذکر بھی نہیں ہے کہ پھر ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت زمین ہی پر تھی۔ اور الجنۃ میں الف لام سے مراد کوئی ذہنی جنت ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا بھی تو زمین پر رہنے کے لئے کیا گیا تھا جیسے کہ قرآن کریم نے بیان کیا:

" بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (۲)

اور اس دلیل کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ پر آیا ہے:

" بے شک ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ "(۳)

اور یہاں بالکل ظاہر ہے کہ جنت سے مراد زمین کا باغ ہے تو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی جنت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بھی الجنۃ پر الف لام ہے اور کوئی معہود ذہنی نہیں گزرا بلکہ سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معہود ذہنی کے لئے ہے اور اس سے مراد باغ ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ کیوں حکم دیا گیا کہ اهبطوا منها کہ جنت سے اتر جاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "آیت" اور "حکم" آسمان سے اترنے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس طرح تو قرآن میں کئی جگہ هبوط کا لفظ آیا ہے لیکن وہاں یہ مراد نہیں ہے۔ جیسے کہ قیل یا نوح اهبط (۴) حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اترو اور یہ حکم جب ہوا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں تھے اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی زمین کی سطح سے خشک ہو چکا تھا تو پھر حکم خداوندی نازل ہوا کہ زمین پر اترو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اتار دو اور تم اور ان پر خداوندی برکتیں رکھی گئی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو حکم ہوا کہ اهبطوا مصرا (۵) کہ شہر میں اترو۔ اور قرآن میں ایک اور جگہ بھی یہ لفظ آیا ہے و ان منها لما يهبط من خشية الله (۶) یعنی بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے علاوہ

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۳۵ (۲) سورۃ البقرۃ آیت ۳۰ (۳) سورۃ القلم آیت ۱۷

(۴) سورۃ ہود آیت ۴۸ (۵) سورۃ البقرۃ آیت ۶۱ (۶) سورۃ البقرۃ آیت ۷۴

احادیث اور لغت میں بھی یہ لفظ بہت جگہ آیا ہے لیکن یہ معنی مراد نہیں لیا گیا ہے کہ آسمان سے اترو۔

اور اسی خیال کے حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ ھبوط کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں۔ پھر بھی یہ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کے زمین پر ہونے سے مانع نہیں ہے۔ بلکہ دونوں باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کی سکونت کی جگہ یعنی جنت زمین کے باقی حصوں میں سے بلندی پر واقع تھی اور وہاں جنت کی تمام آرائش و سہولیات موجود تھیں اور وہ جگہ درختوں، پھلوں، سایوں، نعمتوں، اور خوشیوں سے بھی مزین تھی جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہاں تم پر یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے۔ (1)

یعنی آپ کے باطن کو بھوک لاحق نہ ہوگی اور آپ کا ظاہر کپڑوں کا محتاج نہ ہوگا۔ اور آگے فرمایا اور یہ کہ نہ پیاسے رہو، اور نہ دھوپ کھاؤ۔ یعنی آپکے باطن کو پیاس کی گرمی نہ چھوئے گی اور آپکے ظاہر کو سورج کی گرمی نہ چھوئے گی۔ اور یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے پہلے بھوک اور ننگ کو ساتھ بیان کیا پھر پیاس اور دھوپ کو ساتھ بیان کیا۔ اس لئے کہ دونوں کی آپس میں مناسبت و ربط ہے۔

لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش صادر ہوگئی تو ان حقیقی آرائش سے آپ کو ایسی زمین میں اتار دیا گیا، جہاں محنت و مشقت، بد قسمتی و تنگی، امتحان و آزمائش تھی اور وہاں لوگوں کے اندر دین میں، اخلاق میں، اعمال میں، معیشت میں، اقوال میں، افعال میں غرض ہر چیز میں ایک دوسرے سے اختلاف و پھوٹ تھا جو عذاب کی ایک قسم ہے۔

تو خیر اس مذکورہ بات سے یہ مدعا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمینی جنت میں تھے پھر لغزش کی وجہ سے ان کو زمینی مشقت میں ڈال دیا گیا۔

اور اسی طرح اللہ کا قرآن میں یہ فرمان ہے کہ تمہارے لئے زمین میں ایک مقررہ وقت تک ٹھکانہ ہے (2) تو اس فرمان سے بھی حضرت آدم علیہ السلام کو لازم نہیں آتا کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام آسمان میں تھے پھر زمین میں بھیجا گیا کیونکہ اس طرح تو بنی اسرائیل کو بھی یوں حکم ہوا۔

اور ہم نے اس (فرعون کے مرنے) کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم کو لپیٹ کر لے آئیں گے۔ تو دیکھئے کہ یہاں بھی زمین میں رہنے کا فرمایا تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ یہ آسمان سے اتارے گئے تو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بھی زمین پر رہنے کا جو حکم ہے۔ اس سے یہ نہیں مراد ہو سکتا کہ آسمان سے زمین میں آنے کا حکم ہے۔

تنبیہ:...... یاد رکھنا چاہئے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ رائے و خیال سے منکرین جنت و جہنم کی تائید کسی طرح نہیں ہوتی کیونکہ اس رائے سے یہ کہاں لازم آتا ہے؟ اور کہاں سمجھا آتا ہے؟ کہ یہ آج کے اندر جنت و جہنم کے وجود کے منکر ہیں، بلکہ اس خیال کے بزرگوں اور علماء سے آج میں بھی جنت و جہنم کا وجود منقول و ثابت ہے۔

جیسا کہ بہت ساری آیات و احادیث بھی اس عقیدے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہوگئے ساتھ میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت حواء بھی تھیں، تو پھر ابلیس لعین نے دونوں کو پھسلانا چاہا، قرآن میں ہے۔ پھر شیطان نے دونوں کو اس (جنت) سے پھسلایا (اور) پھر وہ دونوں جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے شیطان نے ان کو نکلوا دیا۔ (3) یعنی نعمت و رحمت و تروتازگی و خوشی و سرور سے نکلوا کر محنت و مشقت و تکالیف و آزمائش میں ڈلوا دیا۔ اس طرح کہ شیطان ملعون نے دونوں کے دلوں میں وسوسے مزین کرنا شروع کر دیئے جیسے قرآن نے فرمایا: پھر ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے، اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو۔ (4) یعنی تمہارے رب نے تم کو اس درخت کے کھانے سے صرف اسلئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، کیونکہ اگر تم اس درخت سے کھاؤ گے تو اسی طرح ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو خوب یقین دلانے کے لئے قسم اٹھائی قرآن میں ہے۔ اور شیطان نے دونوں کے سامنے قسم اٹھائی کہ بے شک میں تم دونوں کیلئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ (5)

---

(1) طٰہٰ آیت ۱۱۹، ۱۱۸ (2) سورۃ البقرۃ آیت ۳۶ (3) سورۃ البقرۃ آیت ۳۶ (4) الاعراف آیت ۲۰ (5) الاعراف آیت ۲۱

اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا۔ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں؟ (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (پھل دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔[1] یعنی میں تم کو ایسا درخت بتاتا ہوں کہ اگر اس سے کھالیا جائے تو یہ تمہاری نعمتیں فرحتیں آسائشیں ہمیشہ کے لئے ہوسکتی ہیں اور آپکو ایسی بادشاہت مل سکتی ہے جو کبھی فنا نہ ہوگی اور نہ اس میں کبھی کمی آئے گی۔ اور یہ بات محض دھوکہ اور فریب اور جھوٹ کا پلندہ تھا حقیقت کے ساتھ اسکا کوئی واسطہ نہ تھا۔

اور اسکا مطلب تھا کہ جب اس سے آپ کچھ کھالیں گے تو آپ کو دائمی زندگی مل جائے گی۔

اور شاید ایسا ہو بھی سکتا ہو جیسے کہ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بے شک جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے پھر بھی اس سائے کو طے نہ کرسکے۔ (وہ) دائمی (زندگی کا) درخت ہے۔ اسی طرح یہ بات غندر اور حجاج سے بھی مروی ہے اور انہوں نے شعبہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد طیالسی نے بھی اپنی مسند میں شعبہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ غندر نے حضرت شعبہ سے پوچھا کہ وہ واقعی ہمیشگی (زندگی) کا درخت ہے؟ تو شعبہ نے فرمایا دونوں جگہ حدیث میں یہ (ہمیشگی کے درخت کی) بات نہیں ہے۔ امام احمد کا اس میں منفرد قول ہے۔

اور جب شیطان لعین نے قسم کھائی تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کے نام کی وجہ سے یقین ہوگیا کہ اللہ کی قسم اٹھارہا ہے اور مسلمان عام طور پر اس موقع پر جہاں اللہ کا نام ہو وہاں یقین کرلیتے ہیں۔ تو حضرت آدم علیہ السلام بھی شیطانی دھوکے میں آگئے قرآن میں ہے۔ پھر (مردود نے) دھوکا دیکر ان کو (گناہ کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھالیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں۔ اور بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے[2] اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔[3]

اور حضرت حواء علیہا السلام نے اس پھل کے کھانے میں پہل کی تھی۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھانے پر اکسایا۔ واللہ اعلم

اور اسی پر محمول ہے اور اسی بات کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جو بخاری میں حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت نہ سڑتا اور حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی خیانت نہ کرتی معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس ممنوع پھل کھانے پر حضرت حواء نے اکسایا تھا۔

اور یہ حدیث مختلف طرق سے کئی حدیثوں میں منقول ہے۔

اور آسمانی کتاب تورات جو آج کل اسرائیلیوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ذکر ہے کہ حضرت حواء کو اس پھل کے کھانے پر سانپ نے اکسایا تھا، اور وہ سانپ اچھی اور عمدہ نسل والا تھا[4] تو حواء نے اس کی بات مانتے ہوئے وہ پھل کھالیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا اور تورات میں ابلیس کا (اس موقعے پر) ذکر نہیں ہے۔ تو پھر دونوں کی آنکھیں کھلیں اور پتہ چلا کہ دونوں ننگے ہیں، پھر زیتون کے پتے اپنے بدنوں پر چپکانے لگے اور معتوب ہوگئے۔ تورات میں دونوں کے ننگے ہونے کا ذکر ہے۔ اور وھب بن منبہ کا قول بھی اسی طرح ہے کہ دونوں کا لباس محض شروع سے ایک روشنی سی تھی جو دونوں کی شرم گاہوں کو چھپائے ہوئی تھی۔

لیکن خیال رکھنا چاہئے کہ یہ موجودہ تورات جو اہل کتاب کے پاس ہے یہ تحریف شدہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ سمجھنا کہ تورات میں ہے کہ شروع سے حضرت آدم علیہ السلام ننگے تھے صحیح نہیں یہ تقریباً تحریف شدہ بات ہے کیونکہ قرآن مقدس میں ہے، شیطان نے دونوں سے ان کے لباس اتروا دیئے تاکہ ان پر ان کی شرم گاہوں کو کھول دے۔ اور آسمانی کتابوں کی خبروں میں تضاد نہیں ہوسکتا۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو لمبے قد والا اور گھنے بالوں والا

---

(۱) سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۰ (۲) اعراف، آیت ۲۲ (۳) سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱

(۴) امام قرطبی حضرت وھب کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابلیس جنت میں یوں داخل ہوا کہ وہ سانپ کے منہ میں گھس گیا اور اسوقت سانپ چوپایہ ہوتا تھا اونٹ کی طرح اور بہت عمدہ شکل ہوتی تھی۔ اور منقول ہے کہ یہ سانپ جنت میں حضرت آدم کا خادم تھا لیکن اس نے شیطان کو حضرت آدم پر قدرت دیکر حضرت آدم سے خیانت کی۔ ج ۱ ص ۲۶۷

پہلے قریب تھا گویا کہ وہ کھجور کا لمبا درخت ہے پھر جب آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھالیا تو ان کا لباس اتر گیا پھر سب سے پہلے ان کی شرمگاہ ظاہر ہوئی، جب ان کی نظر اپنی شرمگاہ پر پڑی تو جنت میں بھاگنے لگے راستے میں ایک درخت میں بال پھنس گئے پھر آدم علیہ السلام نے اپنے کو چھڑانا چاہا تو تب رحمن عزوجل نے ندا دی اے آدم علیہ السلام: مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ آدم علیہ السلام نے جب رحمن کا کلام سنا تو عرض کیا اے پروردگار نہیں بلکہ شرم کی وجہ سے (بھاگ رہا ہوں) عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو فرمایا کہ وہ جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اس سے مراد انجیر کے درخت کے پتے ہیں۔

اور اس قول کی اسناد بھی صحیح ہے اور یہ بات اہل کتاب سے بھی منقول ہے جیسے کہ گزر گیا اگرچہ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ وہ درخت عام ہے لیکن مذکورہ روایات کو قبول کرنے سے کوئی مانع ورکاوٹ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارے باپ آدم علیہ السلام کھجور کے درخت کی طرح قد آور تھے سر کے بال گھنے تھے، بہت زیادہ اور لمبے لمبے بال تھے (جن سے) ستر چھپا ہوا تھا، پھر جب جنت میں ان سے غلطی صادر ہوئی تو ان کی شرمگاہ ان پر کھل گئی پھر جنت سے نکلے تو (راستے میں) ایک درخت نے بالوں سے ان کو پکڑ لیا، پھر ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی اے آدم علیہ السلام: مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ عرض کیا نہیں بلکہ آپ سے شرم وحیا کی وجہ سے اس چیز پر جس کا مجھ سے ارتکاب ہوا۔ پس قسم ہے پروردگار کی (یہی بات ہے)۔

مذکورہ روایت ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کی ہے اور اس میں آگے ہے کہ حسن بصری ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی ملاقات نہیں ہے لہٰذا اس وجہ سے ابن عساکر نے یہ حدیث سعید ابن ابی عروبہ کے طریق سے نقل کی جس میں عتی بن ضمرہ ابی بن کعب سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ سند روایت زیادہ صحیح ہے۔

اور اس کے علاوہ خیثمہ بن سلیمان کے طریق سے بھی اس کو نقل کیا جس میں یہ دوسری صحابی حضرت انس مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

پھر پروردگار قرآن میں فرماتے ہیں اور ان کو ان کے پروردگار نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے منع نہ کیا تھا؟ اور میں نے کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ تو پھر دونوں نے عرض کیا اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہم کو معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحمت نہ کریں گے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۱)

یہ اپنی غلطی کا اعتراف اور اس سے توبہ واستغفار اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری اور اپنی فقیری ومحتاجی کا بیان ہے اور آدم کی اولاد میں سے بھی جو اس راز ونیاز کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائے گا وہی دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا۔

پھر پروردگار آدم علیہ السلام وحوا کو فرماتے ہیں فرمایا کہ اتر جاؤ تمہارے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ ہے۔ (۲)

تو یہ آدم علیہ السلام وحوا کو حکم تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساتھ میں سانپ بھی اس حکم میں شامل تھا اور ان کو حکم ہوا کہ وہ جنت سے نکلیں اسطرح کہ ان کے آپس میں فساد ودشمنی جاری رہے گی۔

اور سانپ کے بارے میں مذکورہ بات پر اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے سانپ کے مارنے کا حکم فرمایا تو یہ اسی وجہ سے ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

جب سے ہم نے ان (سانپوں) کے ساتھ جنگ مول لی ہے تب سے ہم ان سے صلح نہیں کر سکے۔ (۳)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کے صیغے اھبطا سے مراد جمع ہی ہے جیسے قرآن میں دوسری جگہ ہے،

وداؤد وسلیمن اذ یحکمن فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین (۴)

تو یہاں لحکمھم میں جمع کی ضمیر ذکر کی ہے حالانکہ مراد دو ہیں۔

اور سورہ بقرہ کی آیت ۳۶ میں تو فرمایا اتر جاؤ تم، تمہارے بعض بعض کے دشمن ہوں گے پھر آیت ۳۸، ۳۹ میں فرمایا اور ہم نے کہا اس جنت

---

(۱) اعراف آیت ۲۲، ۲۳ (۲) اعراف ۲۴ (۳) ابوداؤد، احمد نے اپنی مسند میں [illegible] (۴) انبیاء آیت ۷۸

سے تم سب اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی اتباع کی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

[بعض مفسرین نے فرمایا: پہلے اترنے کے حکم سے مراد ہے جنت سے آسمان دنیا پر اترنے کا حکم، اور دوسرے اترنے کے حکم سے مراد ہے آسمان دنیا سے زمین پر لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ پہلے ہی حکم میں یہ فرمان ہے: اور تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ہی حکم میں زمین کی طرف کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ بات یہ ہے کہ صرف لفظوں میں اس کو مکرر ذکر کیا ہے درحقیقت ایک ہی مرتبہ کا حکم مراد ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہر دفعہ میں حکم سے نیا فائدہ مقصود ہو، کیونکہ پہلے حکم میں باہمی دشمنی کا ذکر فرمایا، اور دوسرے حکم میں فرمایا کہ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ صاحب جنت ہوگا اور نیک بخت ہوگا اور منکر صاحب جہنم ہوگا اور بد بخت ہوگا۔

اور اس طریقے کو قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور حافظ ابن عساکر مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے دو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم اور حوا کو میرے پڑوس سے نکال دو، تو جبرئیل نے سر سے تاج اتارا اور میکائیل نے پیشانی سے (عزت کا) تاج اتارا، پھر یہ کسی درخت کی ٹہنی میں پھنس گئے، تو انہوں نے خیال کیا کہ اب تو جلدی سے عذاب میں پکڑے گئے ہیں، اور اپنا سر جھکالیا اور پکارنے شروع ہوگئے معافی، معافی، تو اللہ عزوجل نے فرمایا (اے آدم) کیا مجھ سے بھاگ کر جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا بلکہ اے میرے رب آپ سے حیا کی وجہ سے۔

اور امام اوزاعی [1] حسان یعنی ابن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم جنت میں سو سال ٹھہرے، اور ایک روایت میں ساٹھ سال ٹھہرے، اور جنت سے نکالے جانے پر حسرت سے روتے رہے اور اپنے گناہ پر بھی ستر سال تک روتے رہے، پھر اپنے بیٹے کے قتل پر بھی چالیس سال تک آہ وزاری کرتے رہے، ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

[2] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: حضرت آدم کو دحنا زمین پر اتارا گیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔

اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: حضرت آدم ہند میں اترے، اور حضرت حوا جدہ میں، اور ابلیس بصرہ سے چند میلوں کے فاصلے پر دستمیسان مقام میں اترا، اور سانپ اصبہان میں۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم جنت سے ہند میں اترے تو ان کے پاس حجر اسود بھی تھا اور جنت کے درختوں کے پتوں کی ایک مٹھی بھی تھی، پھر حضرت آدم نے ان پتوں کو ہند میں بکھیر دیا، تو یہ خوشبودار درخت انہی کی پیداوار ہیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم صفا پہاڑی پر اترے، اور حضرت حوا مروہ پہاڑی پر اتریں، ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

[3] اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو ان کو ہر چیز کی صنعت و کاریگری سکھا دی گئی، اور جنت کے پھلوں کو بطور توشے کے ساتھ کر دیا گیا، تو یہ تمہارے موجودہ پھل درحقیقت ان کی اصل جنت کے پھلوں سے ہے ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ سڑ جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ صحیح رہیں گے۔

[4] اور امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت آدم جنت میں صرف عصر اور مغرب کے درمیانی وقت تک رہے ہیں، اور حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

---

[1] اوزاعی ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو [illegible] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸

[2] ابن ابی حاتم [illegible]

[3] قال عبد الرزاق: قال معمر: عن عوف عن قسامة بن زهير عن ابى موسى الاشعرى.

[4] قال الحاكم فى مستدركه: حدثنا ابو بكر بن بالويه، عن محمد بن احمد بن النضر، عن معاوية بن عمرو، عن زائدة، عن عمار بن ابى معاوية البجلى، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس.

اور صحیح مسلم میں زہری کی حدیث اعرج سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی اور اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن جنت سے ان کو نکالا گیا۔ (۱)

اور صحیح (بخاری) میں ایک دوسری وجہ کے ساتھ یہ اضافہ بھی نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اور اسی (جمعے کے) دن میں قیامت قائم ہوگی۔

(۲) اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی، اور اسی میں ان کا جنت میں دخول ہوا اور اسی میں ان کو جنت سے نکالا گیا اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔

(۳) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم و حوا کو ننگا اتارا گیا تھا ان پر جنت (کے درختوں) کے پتے تھے پھر حضرت آدم کو گرمی لاحق ہوئی تو بیٹھ کر رونا شروع ہو گئے اور فرمایا اے حوا مجھے گرمی نے تکلیف میں ڈال دیا ہے تو پھر حضرت جبرئیل روئی لے کر نازل ہوئے اور پھر حضرت جبرئیل نے حوا کو فرمایا کہ اس کو کات کر سوت بناؤ، پھر ان کو سکھایا اور پھر حضرت آدم کو (کاتے ہوئے سوت سے دھاگا بٹنے اور پھر) کپڑا بنانے کا حکم فرمایا اور یہ صنعت سکھائی، اور فرمایا کہ حضرت آدم جنت میں اپنی بیوی (حضرت حوا) سے ہم بستری نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ جب اپنی لغزش کی وجہ سے جنت سے اتارے گئے اور زمین پر بھی دونوں جدا جدا سوتے تھے ایک وادی بطحاء میں تھا دوسرا کسی اور کونے میں حتیٰ کہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے اور حکم فرمایا کہ اپنی بیوی کے پاس آئیں، اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے پھر ان کو مباشرت سکھلائی، پھر بعد میں حضرت جبرئیل حضرت آدم کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ بیوی کو کیسا پایا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا بہت اچھا۔

لیکن یہ مذکورہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا (نبی علیہ السلام تک واسطوں کا پہنچنا) بھی بہت ہی منکر ہے اور بعض سلف کے کلام میں ہے کہ (اس حدیث کے راویوں میں سے) سعید ابن میسرہ ابو عمران بکری بصری ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے۔ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ من گھڑت حدیثیں روایت کرنے والا ہے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معاملہ تاریک ہے۔ (۴)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے، پھر اللہ آدم علیہ السلام پر متوجہ ہوا (یعنی آدم کی توبہ قبول فرمائی) بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ (۵) اور حضرت آدم نے جو کلمات سیکھے وہ قرآن سے ہی بتا دیا گیا ہے کہ وہ یہ کلمات ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۶)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہمیں معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ہم ضرور خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔

یہ مروی ہے مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابو العالیہ اور ربیع بن انس اور حسن اور قتادہ اور محمد بن کعب اور خالد بن معدان اور عطاء خراسانی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم ان تمام حضرات سے۔ (۷)

---

(۱) کتاب الجمعۃ باب فضل یوم الجمعۃ

(۲) قال احمد: حدثنا محمد بن مصعب، حدثنا الاوزاعی، عن ابی عمار، عن عبداللہ بن فروخ، عن ابی ہریرۃ

(۳) ہذا الحدیث قال رواہ ابن عساکر من طریق ابی القاسم البغوی حدثنا محمد بن جعفر الورکانی، حدثنا سعید بن میسرۃ عن انس، قال

(۴) اور علامہ سہیلی نے [illegible] غریب ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۵) سورۃ البقرۃ آیت ۳۷۔ (۶) الاعراف ۲۳۔ (۷) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹۳

(۱) اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! اگر میں توبہ کرلوں اور رجوع کرلوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا میں جنت میں واپس لوٹا دیا جاؤں گا؟ تو رب نے فرمایا: ہاں۔

تو یہی وہ بات ہے کہ حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے۔

لیکن یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے

اور ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں

اللهم لا اله الا انت سبحانك وبحمدك، رب انى ظلمت نفسى فاغفر لى انك خير الراحمين، اللهم لا اله الا انت سبحانك وبحمدك، رب انى ظلمت نفسى فتب على انك انت التواب الرحيم (۲)

"اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری مغفرت فرما دے بے شک آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں، اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری توبہ قبول فرما بے شک آپ بہت توبہ قبول کرنے والے رحیم ہیں۔"

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کلمات جو آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سیکھے وہ یہ ہیں: حضرت آدم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا نہیں فرمایا؟ کہا گیا: کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا اور کیا آپ نے مجھ میں اپنی روح مبارک نہیں پھونکی؟ جواب دیا گیا: کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا اور مجھے چھینک آئی تو آپ نے کہا کہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اور بے شک آپ کی رحمت کیا آپ کے غضب پر سبقت نہیں لے جاتی؟ جواب ملا کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا اور کیا آپ نے میری تقدیر میں لکھ نہیں دیا تھا کہ میں ایسا ایسا کروں گا؟ جواب ملا کیوں نہیں؟ بالکل پھر عرض کیا تو میں اگر میں توبہ کرلوں تو کیا آپ مجھے جنت میں واپس لوٹا دیں گے؟ جواب ملا کہ ہاں۔

پھر امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔ (۳)

(۴) اور حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت آدم سے لغزش صادر ہوگئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! میں آپ سے محمد کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیں، اللہ رب العزت نے فرمایا تو نے محمد کو کیسے جان لیا؟ جبکہ ابھی تک میں نے ان کو پیدا نہیں فرمایا۔

حضرت آدم نے عرض کیا اے پروردگار! ... میں نے اس طرح جان لیا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اور آپ نے مجھ میں روح ڈالی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔ لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ تو میں نے جان لیا تھا کہ جس ذات کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے اس سے بڑھ کر آپ کے نزدیک اور کوئی محبوب نہیں ہو سکتا۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا وہ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے واسطے سے مجھ سے مانگا ہے تو میں نے تیری بخشش کردی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (۵)

اور یہ واقعہ اس آیت کے مضمون پر دلالت کرتا ہے اور آدم سے اپنے رب کی لغزش صادر ہوگئی اور وہ بھٹک گئے، پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا اور ان پر اپنی مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور ان کو سیدھی راہ دکھائی۔ (طٰہٰ ۱۲۱۔۱۲۲)

---

(۱) رواه ابن ابی حاتم: حدثنا علی بن الحسین بن اشکاب، حدثنا علی بن عاصم، عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن الحسن عن ابی بن کعب

(۲) تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۹۲ (۳) [illegible] (۴) [illegible] من طریق [illegible] عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه عن جده عن عمر بن الخطاب قال ابن کثیر (۵) [illegible] عبدالرحمن بن زید بن اسلم [illegible] ضعیف ہیں۔

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ، حضرت آدم سے ہمکلام ہوئے اور فرمایا آپ وہی ہیں نا؟ جن کی لغزش کی وجہ سے انسانوں کو جنت سے نکالا گیا اور آپ نے ان کو اس سبب سے محروم کر دیا۔

پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو فرمایا "آپ وہ (عظیم شخصیت ہیں) جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (اتنی مرتبت کے باوجود) آپ مجھے ملامت کرتے ہیں اس بات پر جس کو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری قسمت میں لکھ دیا تھا؟

حضور ﷺ نے فرمایا تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۲)

(۳) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم و موسیٰ کی باہمی مناظرانہ گفتگو ہوئی تو حضرت آدم کو حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ آدم ہیں اور آپ کو آپ کی لغزش نے جنت سے نکالا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا اور آپ موسیٰ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا پھر آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟

حضور ﷺ نے فرمایا پس حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے" آپ نے دو مرتبہ یوں فرمایا۔ (۴) اور دوسرے طریق سے یوں بھی روایت مروی ہے۔

(۵) کہ حضرت ابو ہریرہ، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:-

حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اے آدم! آپ ہی ہیں وہ جن کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اس میں اپنی روح مبارک پھونکی اور آپ نے لوگوں کے ساتھ فریب دہی کی اور ان کو جنت سے نکلوا دیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا، پھر آپ مجھے ملامت کرتے ہیں اس بات پر جس کو میں نے کیا اور اللہ نے وہ میرے لئے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے لکھ دی تھی؟ تو آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۶)

اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ سے سنا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں اور آپ نے ہمیں نقصان میں ڈال دیا اور آپ نے ہمیں جنت سے نکلوا دیا؟ تو حضرت آدم نے جواب مرحمت فرمایا اے موسیٰ آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی ہمکلامی کے لئے چنا اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے چنا اور آپ کے لئے اپنے ہاتھ سے (کتاب تورات) لکھی تو کیا آپ (اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد) مجھے اس بات پر

---

(۱) قال البخاري: حدثنا قتيبة، حدثنا ايوب بن النجار، عن يحيى بن ابي كثير، عن ابي سلمة عن ابي هريرة رحمة الله عليه — متن.

(۲) وقد رواه مسلم عن عمرو الناقد، والنسائي عن محمد بن عبدالله بن يزيد، عن ايوب بن النجار به قال ابو مسعود الدمشقي ولم يخرجا عن ايوب بن النجار في الصحيحين سواه

(۳) قال الامام احمد حدثنا ابو كامل، حدثنا ابراهيم، حدثنا ابن شهاب، عن حميد بن عبدالرحمن، عن ابي هريرة

(۴) انفرد به وروى هذا الحديث البخاري ومسلم من حديث الزهري عن حميد بن عبدالرحمن، عن ابي هريرة، عن النبي ﷺ بنحوه.

(۵) وقال الامام احمد، حدثنا معاوية بن عمرو، حدثنا زائدة، عن الاعمش، عن ابي صالح، عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال

(۶) وقد رواه الترمذي والنسائي جميعا عن يحيى بن حبيب بن عربي عن معتمر بن سليمان، عن ابيه عن الاعمش به قال الترمذي وهو غريب من حديث سليمان التيمي عن الاعمش قال: وقد رواه بعضهم عن الاعمش، عن ابي صالح، عن ابي سعيد، قلت: وهكذا رواه الحافظ ابوبكر البزار في "مسنده" عن محمد بن مثنى، عن معاذ بن اسد، عن الفضل بن موسى، عن الاعمش، عن ابي صالح، عن ابي سعيد، ورواه البزار ايضا: حدثنا عمرو بن علي الفلاس، حدثنا ابو معاوية، عن الاعمش، عن ابي صالح، عن ابي هريرة او ابي سعيد عن النبي ﷺ فذكر نحوه

ملامت کرتے ہیں؟ جو اللہ نے میرے لئے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دی تھی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ (۱)

(۲) اور بخاری میں ہے کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مناظرہ ہوا تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا اے آدم! آپ ہمارے (جد امجد) والد ہیں آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا اور ہمیں جنت سے نکلوا دیا تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور آپ کو تورات مرحمت فرمائی تو کیا آپ مجھے ایک بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری قسمت میں لکھ دی تھی؟ تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (اس طرح تین بار فرمایا) (۳)

(۴) امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا آدم اور موسیٰ کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو جنت میں ٹھکانہ دیا۔ پھر آپ نے وہ کیا کیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا آپ موسیٰ ہیں اللہ نے آپ کو اپنا کلام سنوایا اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور آپ پر تورات نازل فرمائی تو کیا میں پہلے ہوں یا تقدیر؟ فرمایا نہیں بلکہ تقدیر پہلے ہے تو حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔

(۵) اور گزشتہ روایت تو ابو ہریرہ سے عمار کی ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ (۶) محمد بن سیرین حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت آدم سے حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی جنت میں آپ کو ٹھکانہ بخشا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ پھر آپ نے کیا کر دیا؟ تو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو جواب مرحمت فرمایا آپ وہ ہیں؟ جس سے اللہ نے کلام کیا اور اس پر اپنی کتاب تورات نازل فرمائی؟ فرمایا جی ہاں۔ تو پھر حضرت آدم نے فرمایا تو کیا آپ اس میں یہ نہیں پاتے کہ میری پیدائش سے چالیس سال پہلے یہ لکھی گئی تھی؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر حضور نے فرمایا: آدم موسیٰ پر غالب آ گئے آدم، موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۷)

(۸) امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں یزید بن ہرمز نے فرمایا کہ میں نے (بھی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کی آپس میں بحث ہوئی حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا آپ ہیں وہ جن کو اللہ عزوجل نے اپنے دست (قدرت) سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اپنی جنت میں آپ کو سکونت عطا فرمائی پھر آپ نے اپنی

---

(۱) وقال احمد حدثنا سفیان عن عمرو سمع طاوسا سمع ابا ہریرۃ۔ (۲) وهكذا رواه البخاري عن علي بن المديني عن سفيان قال حدثنا عمرو عن طاوس به قال (۳) قال سفیان، حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ.. وقد رواه الجماعة الا ابن ماجة من عشر طرق عن سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار عن عبد اللہ بن طاوس عن ابيه عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ نحوه

(۴) قال احمد، حدثنا عبد الرحمن، حدثنا حماد، عن عمار، عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال

(۵) قال احمد، وحدثنا عفان، حدثنا حماد، عن عمار بن ابی عمار، عن ابی ہریرۃ، عن النبی ﷺ وحميد، عن الحسن، عن رجل قال حماد اظنه جندب بن عبد اللہ البجلي عن النبي ﷺ قال لقي آدم موسى فذكر معناه. تفرد به احمد من هذا الوجه

(۶) قال احمد، حدثنا الحسين، حدثنا جرير، هو ابن حازم، عن محمد، هو ابن سيرين، عن ابي هريرة

(۷) وكذا رواه حماد بن زيد عن ايوب، وهشام بن سيرين، عن ابي هريرة مرفوعا، وكذا رواه علي بن عاصم، عن خالد وهشام، عن محمد بن سيرين وهذا على شرطهما من هذه الوجوه.

(۸) قال ابن ابي حاتم حدثنا يونس بن عبد الاعلى، انبانا ابن وهب، اخبرني انس بن عياض، عن الحارث بن ابي ذباب، عن يزيد بن هرمز سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ

لغزش کی بناء پر انسانوں کو زمین پر اتار دیا؟ تو حضرت آدم نے جواب دیا: آپ موسیٰ ہیں؟ آپ کو اللہ عزوجل نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کو الواح (تختیاں) عطا فرمائیں جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے اور آپ کو سرگوشی و راز و نیاز کے لئے اپنے قریب کیا؟ تو کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ نے تورات (میری پیدائش سے) کتنا عرصہ پہلے لکھی تھی؟ فرمایا کہ چالیس سال۔ تو حضرت آدم نے فرمایا تو کیا آپ نے اس میں یہ لکھا (ہوا) پایا؟ اور آدم نے اپنے پروردگار کا حکم پورا نہ کیا اور وہ بہک گیا۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر حضرت آدم نے فرمایا تو کیا اب آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے سے میرے مقدر میں لکھ دی تھی؟ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۱)

(۲) اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سلمہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم و موسیٰ کی بحث ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا: اے آدم! آپ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی ذریت اولاد کو جہنم میں داخل کروا دیا؟ تو حضرت آدم نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے چنا اور تورات آپ پر نازل فرمائی تو کیا آپ نے (اس میں) پایا کہ میں جنت سے نکالا جاؤں گا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۳)

اور حضرت موسیٰ کی یہ بات کہ آپ نے اپنی اولاد کو جہنم میں داخل کروا دیا اس میں عجیب ہے (بظاہر یہ منقول نہیں)

(۴) یہ تو ساری روایات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار! ہمیں آدم کو دکھا جنہوں نے ہم کو اور اپنے آپ کو بھی جنت سے نکالا۔ تو اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام ان کو دکھا دیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ آدم ہیں؟ فرمایا کہ ہاں۔ پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا: آپ ہی ہیں وہ شخص کہ جن میں اللہ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو تمام نام سکھائے؟ فرمایا کہ ہاں۔ تو پھر حضرت موسیٰ نے ملامت کی کہ پھر آپ کو کس چیز نے اس بات پر اکسایا کہ آپ نے ہم کو بھی اور خود کو بھی جنت سے نکلوا دیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ کون ہیں؟ کہا کہ میں موسیٰ ہوں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ ہیں؟ آپ ہی سے اللہ نے پردے کے پیچھے سے راز و نیاز کی؟ اور آپ کے اور اپنے درمیان کوئی قاصد مقرر نہیں کیا؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو کیا آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف سے مجھ پر پہلے سے لکھی جا چکی تھی؟ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام موسیٰ پر غالب آ گئے آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (۵)

(۶) اور ایک دوسرے طریقے سے یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

(۱) قال البخاري، وحدثني عبد الرحمن بن هرمز بن مالك، عن ابي هريرة، عن النبي ﷺ و قد رواه مسلم عن اسحاق بن موسى الانصاري، عن انس بن عياض، عن الحارث بن عبد الرحمن بن ابي ذباب عن يزيد بن هرمز والاعرج عن ابي هريرة عن النبي ﷺ بنحوه.

(۲) وقال احمد: حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن الزهري، عن ابي سلمة، عن ابي هريرة قال:

(۳) وهذا على شرطهما ولم يخرجاه من هذا الوجه وفي قوله ادخلت ذريتك النار نكارة فهذه طرق هذا الحديث عن ابي هريرة، رواه عنه حميد بن عبد الرحمن، وذكوان ابو صالح السمان، وطاوس بن كيسان، وعبد الرحمن بن هرمز الاعرج وعمار بن ابي عمار، ومحمد بن سيرين، وهمام بن منبه، ويزيد بن هرمز، وابو سلمة بن عبد الرحمن

(۴) ولقد رواه الحافظ ابو يعلى الموصلي في "مسنده" من حديث امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال حدثنا الحارث بن مسكين المصري، حدثنا عبد الله بن وهب، اخبرني هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن ابيه، عن عمر بن الخطاب، عن النبي ﷺ

(۵) ورواه ابو داود، عن احمد بن صالح المصري، عن ابن وهب به،

(۶) قال ابو يعلى: وحدثنا محمد بن المثنى حدثنا عبد الملك بن الصباح المسمعي حدثنا عمران، عن الرديني عن ابي مجلز عن يحيى بن يعمر عن ابن عمر عن عمر قال ابو محمد: واكبر ظني انه رفعه قال النبي...

نے فرمایا (غالب گمان یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ہی ذکر فرمایا ہوگا کہ) حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا:

آپ انسانیت کے باپ ہیں، آپ کو اللہ نے جنت میں داخل کیا اور اپنے فرشتوں کو آپ کے لئے سجدہ ریز کیا۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

کیا آپ میرے بارے میں (وہ تحریر) لکھی ہوئی نہیں پاتے؟

تو پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

اس کی سند میں کوئی حرج (اور کمی) نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] الغرض یہ حدیث کئی سندوں سے کتب حدیث میں مذکور ہے۔ جس کی بنا پر اس کے مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ لیکن توجہ کیجئے کہ قدیم زمانے میں دو گروہ فرقے قدریہ اور جبریہ مشہور تھے۔ قدریہ کا تو کہنا تھا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اللہ کے عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یعنی انسان جو چاہے کر سکتا ہے اللہ چاہے یا نہ چاہے جبکہ دوسرا فرقہ جبریہ اس کے برعکس یہ کہتا تھا کہ انسان مجبور محض ہے خود کچھ نہیں کر سکتا۔ گویا پتھر کی طرح ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں کا قول بالکل غلط ہیں۔ بلکہ ٹھیک اسلامی عقیدہ جو قرآن و احادیث سے ماخوذ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سب چیزوں کا خالق ہے خواہ انسان کے اعمال و افعال کیوں نہ ہوں جیسے کھانا پینا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اللہ نے بندے کو ایک گونہ اختیار مرحمت فرمایا ہے کہ جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انسان کو کس قدر اختیار ہے؟

آپ نے فرمایا: ایک پاؤں اٹھاؤ۔

سائل نے اٹھایا۔

پھر آپ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھاؤ۔

سائل نے عرض کیا: ایسا نہیں ہو سکتا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس یہاں تک اختیار ہے (یعنی نہ پورا مجبور ہے نہ پورا مختار ہے)۔

تو عرض یہ کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و آدم علیہ السلام کے درمیان مناظرہ ہوا تو اس حدیث کے ظاہر سے ان فرقوں کے عقائد پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ (مترجم عفی عنہ)

تو اس وجہ سے فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ہی انکار کر دیا ہے کیونکہ یہ ان کے عقائد کی تائید نہیں کرتی۔

اور فرقہ جبریہ نے اس سے اپنے غلط عقیدے پر بڑے شد و مد کے ساتھ دلیل پکڑی ہے۔

اگرچہ ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کی تقدیر پر حجت پکڑی اگرچہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں تقدیر پر جو انحصار کیا ہے وہ اس لیے کہ وہ توبہ کر چکے تھے اور توبہ کر لینے کے بعد گویا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔ (الحدیث)

(لہٰذا گناہ کرنے کے وقت کوئی یہ کہے کہ تقدیر میں لکھا ہے میرا یہ فعل غلط ہے اور گناہ ہے۔ مترجم) اسے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] وأخرجه مسلم رواية الفضل بن موسى السيناني عن الأعمش، عن أبي صالح عن أبي سعيد، ورواية الإمام أحمد له عن عفان، عن حماد بن سلمة، عن حميد عن الحسن عن رجل. قال حماد: أظنه جندب بن عبد الله البجلي، عن النبي ﷺ لقي آدم موسى، فذكر معناه

نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا، کیونکہ وہ ان سے بڑے تھے اور پہلے تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ ان کے باپ تھے اس لئے کہہ دیا اور کہا گیا ہے یہ دونوں پیغمبر مختلف شریعتوں کے حامل تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ دونوں عالم برزخ میں تھے اور لوگوں کے رسم ورواج کے خلاف ان سے تمام تکلیف (شرعی) اٹھا لی گئی تھی۔

اور تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بہت سے لفظوں کے ساتھ منقول ہے اور کچھ کی اسانید بہت عمدہ بھی ہیں لہٰذا اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا سراسر ہٹ دھرمی ہے اور یہ احادیث خواہ صحیحین میں ہوں یا کسی اور حدیث کی کتاب میں ہوں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف اس امر پر ملزم ٹھہرایا اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے کو اور اولاد کو جنت سے نکلوا دیا۔ جس پر آدم علیہ السلام نے فرمایا میں نے تم کو جنت سے نہیں نکالا، کیونکہ وہ اخراج میرے اس پھل کھانے پر مرتب نہیں ہوا تھا، بلکہ میرا اس درخت کا پھل کھانا اس سے نکلنے کا سبب بنا، میری پیدائش سے بھی پہلے اللہ عزوجل نے لکھ دیا تھا اور مقدر کر دیا تھا لہٰذا آپ کا مجھے ملامت کرنا درست نہیں ہاں اس پر ہو سکتا ہے کہ مجھے اس پھل کے کھانے سے روکا گیا تھا۔ لیکن میں نے وہ پھل کھا لیا اور اس پر جنت سے نکالنا میرے عمل کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اللہ نے نہ کہ تم نے خود کو جنت سے نکلوایا۔ یہ تو محض اللہ کی قدرت و صنعت میں تھا اور اللہ کی اس میں حکمت و راز پوشیدہ ہیں۔ لہٰذا آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ہی جھٹلا دیا ہے یہ سراسر ہٹ دھرمی اور عناد ہے۔ کیونکہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متواتر منقول ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی روایت، عدالت و ضبط مسلم بالاتفاق ہے۔

اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ حدیث مروی ہے جیسے کہ ذکر ہوئی۔

اور ابھی کچھ پہلے ذکر کیے گئے چند جواب ذکر کیے گئے وہ حقیقت میں لفظوں و معنوں کے اعتبار سے بعید ہیں۔ پھر ان میں بعض جواب میں فرقہ جبریہ کی تائید ہوتی ہے۔

اور ان جوابات میں چند باتیں قابل غور بھی ہیں۔

ایک تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کسی ایسے شخص کو ملامت نہیں کر سکتے جس نے اس کام کے کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو۔

دوسرا یہ کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک جان کا قتل سرزد ہو گیا تھا، جس کا ان کو حکم بھی نہیں تھا لہٰذا انہوں نے اس سے توبہ کی (اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے لہٰذا مجھے بخش دیجئے۔ لہٰذا پروردگار نے ان کو بخش دیا۔)(۱)

تیسرا یہ کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت پر جواب میں تقدیر کی بات کی جائے تو ہر ملامت زدہ گنہگار کے مرتکب کے لئے یہ دلیل کھول سکتے، کہ وہ کہہ دے کہ تقدیر میں تھا، اور پھر ہم اس سے قصاص اور حدود کو اٹھا دیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تقدیر کو ہر گناہ پر دلیل بنا سکتا تو چھوٹے بڑے گناہ پر کوئی دلیل بنا جس سے بہت سے مفاسد کے دروازے کھل جاتے۔

اس حدیث کا صحیح جواب حضرت الشیخ نے فرمایا ہے کہ:

حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں تقدیر کے ساتھ معصیت پر دلیل نہیں پکڑی بلکہ اپنی مصیبت پر دلیل پکڑی ہے کہ تقدیر میں یہ مصیبت مجھ پر لکھی تھی، جو آن پڑی۔ ورنہ گناہ کے بعد تو خود انہوں نے بارگاہ رب العزت میں ستر سال تک رو رو کر گناہ کی معافی مانگی اور عرض کیا۔

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (قصہ عرض کیا ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا الخ ترجمہ)

---

(۱) القصص آیت ۱۶

ان احادیث کا تذکرہ، جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئیں

(۱) امام احمد فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹی سے پیدا فرمایا، جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی لہٰذا اولاد آدم علیہ السلام بھی زمین کے مطابق ہوئے، گورے، کالے، سرخ اور ان کے درمیان اور برے، اچھے، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اور ان کے درمیان۔

(۲) یہ احادیث یحییٰ اور محمد بن جعفر کے طریق سے اور ہوذہ کے طریق سے بھی منقول ہے عوف اعرابی سے وہ قسامہ بن زہیر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اشعری کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی لہٰذا آدم کی اولاد بھی زمین کی طرح ہوئی، گورے، سرخ، کالے اور درمیانی، نرم طبیعت والے، سخت طبیعت والے اور درمیانی اور برے، اچھے اور درمیانی۔ (۳)

اور ابن مسعود اور دوسرے بہت سے صحابہ رسول ﷺ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے جبرائیل کو زمین کی طرف بھیجا تا کہ اس سے کچھ مٹی اٹھا لائے تو زمین حضرت جبرائیل کو عرض کرنے لگی، میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس بات سے کہ آپ مجھ سے کچھ (مٹی اٹھا کر) کم کریں یا مجھے عیب دار کریں تو حضرت جبرائیل مٹی لائے بغیر واپس لوٹ گئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار اس نے آپ کے نام سے پناہ مانگی تھی۔ لہٰذا میں نے اس کو پناہ دے دی۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، اور انہوں نے بھی پناہ دے دی اور بارگاہ خداوندی میں اسی طرح عرض کر دیا جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا تھا، پھر اللہ رب العزت نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، حضرت عزرائیل نے فرمایا: میں بھی تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، کہ میں خالی ہاتھ لوٹ جاؤں اور اللہ کے حکم کو پورا نہ کروں، لہٰذا عزرائیل نے روئے زمین (کی مختلف جگہوں) سے مٹی اٹھائی اور اس کو ملا دیا اور یہ مٹی سفید، سیاہ، سرخ رنگ کی تھی۔ لہٰذا اسی وجہ سے بنی آدم مختلف رنگوں کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عزرائیل اس مٹی کو لے کر چڑھے تو اللہ نے پانی کے ساتھ اس کو گوندھا حتیٰ کہ وہ لیس دار چپکنے والی مٹی بن گئی پھر ملائکہ سے رب العزت نے فرمایا۔

میں مٹی سے ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ (۴)

پھر اللہ عزوجل نے اس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، تا کہ ابلیس اس پر اپنی بڑائی نہ کر سکے پہلے تو ایک جسم انسانی پیدا فرما دیا اور پھر اسی صورت میں بغیر روح کے چالیس سال پڑا رہا۔

اور وہ وقت درحقیقت جمعے کے دن کے بقدر تھا، فرشتے اس کے پاس سے گزرتے جاتے تھے اور دیکھ کر گھبراتے تھے اور سب سے زیادہ گھبرانے والا ابلیس تھا، یہ اس کے پاس سے گزرتا تو اس کو مارتا، جس کی وجہ سے اس جسم سے ایسی آواز نکلتی جیسے کھنکھناتی مٹی کی ٹھیکری سے آواز نکلتی

---

(۱) قال الامام احمد: حدثنا يحيى ومحمد بن جعفر، حدثنا عوف، حدثني قسامة بن زهير، عن ابي موسى، عن النبي ﷺ

(۲) ورواه ايضا عن هوذة، عن عوف، عن قسامة بن زهير، سمعت الاشعري

(۳) وكذا رواه ابو داود والترمذي وابن حبان في "صحيحه" من حديث عوف بن ابي جميلة الاعرابي، عن قسامة بن زهير المازني البصري، عن ابي موسى عبد الله بن قيس الاشعري عن النبي ﷺ بنحوه وقال الترمذي حسن صحيح وقد ذكر السدي عن ابي مالك وابي صالح، عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود، وعن ناس من اصحاب رسول الله ﷺ الاثر.

(۴) ص: ص، آیت ۷۲،۷۱

ہے۔ جیسے قرآن میں ہے اور اللہ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی جو ٹھیکری کی طرح تھی اس سے پیدا فرمایا۔[1]

پھر ابلیس اس کے جسم کے منہ سے اندر داخل ہوا اور پیچھے کے مقام سے نکل آیا اور فرشتوں کو کہا تم اس سے مت ڈرو۔ بے شک تمہارا رب بے نیاز ہے اور یہ اندر سے خالی ہے۔ اگر میں اس پر مسلط ہو گیا تو میں بھی اس کو ہلاک کر ڈالوں گا۔

پھر جب وہ وقت آ گیا جس میں اللہ نے اس کے اندر روح پھونکنی تھی تو اللہ رب العزت نے فرشتوں سے فرمایا جب میں اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جانا۔

پھر اللہ عزوجل نے جس وقت روح پھونکی تو پہلے روح سر میں داخل ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ الحمد للہ کہئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے الحمد للہ کہا۔

پھر اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو کہا یرحمک ربک۔ تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے۔

پھر جب روح آنکھوں میں پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا۔ پھر جب روح پیٹ میں پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام کو بھوک محسوس ہوئی اور پھر جنت کے پھلوں کی طرف لپکے جبکہ ابھی روح پاؤں تک نہ پہنچی تھی تو اس وقت اللہ نے فرمایا

خلق الانسان من عجل[2] انسان جلدی (کے مادے) سے پیدا کیا گیا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے پھر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔[3] اور اس طرح قصہ بیان کیا گیا۔ (تو یہ پورا قصہ مذکورہ سند سے اور اس کے علاوہ کئی دوسری سندوں سے کئی صحابہ سے منقول ہے)۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے کئی اجزاء تو اگرچہ احادیث سے مؤید ہیں لیکن اکثر باتیں اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

[4] امام احمد فرماتے ہیں! حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جب تک اللہ نے چاہا اس کو یونہی (بلا روح کے) چھوڑے رکھا تو ابلیس نے (اس میں) چکر لگا کر آیا تو جب اس کو اندر سے کھوکھلا پایا تو سمجھ گیا کہ یہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گا۔

[5] اور ابن حبان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صحیح میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی تو روح پہلے سر میں پہنچی (بذریعہ ناک) تو ان کو چھینک آئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے (فوراً) کہا ''الحمد للہ رب العلمین''

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ''یرحمک اللہ''

[6] اور حافظ ابوبکر بزار فرماتے ہیں کہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا! جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو چھینک آئی جس پر انہوں نے ''الحمد للہ'' کہا تو جواب میں ان کے پروردگار نے ان کو فرمایا یرحمک ربک یا آدم علیہ السلام تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے اے آدم علیہ السلام۔

اور اس حدیث کی سند میں کوئی (حرج) نقص نہیں ہے۔[7]

[8] اور حافظ ابو یعلیٰ فرماتے ہیں! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

---

(۱) سورۃ رحمٰن آیت ۱۴ (۲) سورۃ الانبیاء آیت ۳۷ (۳) سورۃ بقرہ آیت ۳۴ (۴) وقال الامام احمد حدثنا عبد الصمد

حدثنا حماد عن ثابت، عن انس، ان النبی ﷺ قال (۵) وقال ابن حبان فی صحیحه. حدثنا الحسن بن سفیان، حدثنا هدبة بن خالد،

حدثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن انس بن مالک ان النبی (۶) وقال الحافظ ابو بکر البزار حدثنا یحیی بن محمد بن السکن،

حدثنا حبان بن هلال، حدثنا مبارک بن فضالة، عن عبید الله، عن خبیب عن حفص بن عاصم بن عبید الله بن عمر بن الخطاب، عن ابی

هریرة رفعه قال.... (۷) وهذا الاسناد لا باس به، ولم یخرجوه. (۸) وقال الحافظ ابو یعلی. حدثنا عقبة بن مکرم

حدثنا عمر بن محمد، عن اسماعیل بن رافع، عن المقبری، عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال....

کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اس کو گارا بنا کر چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ جب وہ سڑا ہوا گارا بن گیا تو اللہ نے اس کی شکل و صورت بنائی، پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے والا ہو گیا، پھر ابلیس اس کے پاس سے گزرتا تو کہتا تو بڑے عظیم کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر اللہ عزوجل نے اس میں اپنی روح پھونکی، تو سب سے پہلے جس میں روح [جان] پڑی وہ آنکھیں اور ناک تھی، جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی، پھر اللہ نے ان کو رحمت کے کلمات (الحمد للہ وغیرہ) سکھلائے، پھر اللہ نے تو فرمایا: یرحمک ربک "تجھ پر تیرا پروردگار رحمت کرے" اے آدم علیہ السلام، پھر فرمایا اے آدم علیہ السلام ان (فرشتوں کی) جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات چیت کرو اور دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔

تو حضرت آدم علیہ السلام چل کر ان کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کہ آپ پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔

پھر اللہ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام یہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے پروردگار میری اولاد کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا اے آدم میرے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو اختیار کرو۔ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہاتھ ہی برکت والے ہیں۔

پھر اللہ نے اپنی ہتھیلی پھیلائی اور دیکھا تو انسان (بنی انسان) یعنی ان میں سے جو ہونے والے ہیں ان کے چہرے ہیں جن سے روشنی نکل رہی تھی اور ایک آدمی کے نور نے تو حضرت آدم علیہ السلام کو تعجب میں ڈال دیا تو حضرت آدم نے پوچھا اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا تیرا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کیا اے پروردگار، آپ نے اس کی کتنی عمر لکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار میری عمر سے اس کی عمر کو بڑھا دیجئے یہاں تک کہ وہ سو سال ہو جائے۔ تو اللہ نے ایسا فرما دیا اور گواہ بھی بنا دیئے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کا آخرت کی طرف کوچ کرنے کا وقت آیا تو اللہ عزوجل نے ملک الموت کو ان کے پاس بھیجا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں رہ گئے؟

تو ملک الموت نے عرض کیا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دے دیئے تھے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرما دیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے اور وہ بھول گئے تھے تو ان کی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔[1]

اس مذکورہ حدیث کو ابوبکر بزار، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے لیکن ساتھ میں امام ترمذی اور نسائی نے کچھ کلام کیا ہے۔ اور ایک دوسرے صحابی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث منقول ہے۔

[2] اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا (قدرت) پھر ان کی پشت سے ہر وہ جان نکل پڑی جسکو بھی اللہ نے قیامت تک ان کی اولاد میں سے پیدا فرمانا تھا اور ہر انسان کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا، پھر اللہ نے ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ پھر حضرت آدم نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی روشنی ان کو تعجب میں ڈال رہی تھی تو آدم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیری اولاد کی آخری امتوں میں سے ہوگا اور اس کو داؤد علیہ السلام کہا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پھر پوچھا اے پروردگار! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کیا: اے پروردگار اس کو میری عمر سے چالیس سال زیادہ کر دیجئے۔

---

[1] وقد رواه الحافظ ابو بكر البزار والترمذي والنسائي في اليوم والليلة من حديث صفوان بن عيسى، عن الحارث بن عبد الرحمن بن ابي ذباب، عن سعيد المقبري، عن ابي هريرة عن النبي ﷺ وقال الترمذي هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه وقال النسائي: حديث منكر وقد رواه محمد بن عجلان، عن ابيه عن ابي سعيد المقبري، عن عبدالله بن سلام

[2] وقال الترمذي: حدثنا عبد بن حميد حدثنا ابو نعيم، حدثنا هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن ابي صالح، عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ الخ

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو ملک الموت ان کے پاس پہنچ گئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا میری عمر سے چالیس باقی نہیں رہ گئے تھے؟ عرض کی: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دے دیئے تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمایا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تھی تو ان کی اولاد سے بھی خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ (۱)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اولادِ آدم علیہ السلام میں مریضوں اور جنتیوں اور جہنمیوں کا ذکر:..... (۲) ابن ابی حاتم حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ پھر اللہ نے تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اے آدم علیہ السلام یہ تیری اولاد ہے اور ان میں (مختلف بیماریوں کے لوگ بھی تھے مثلاً) جذامی، ابرص، اندھے، اور بھی مختلف اقسام کی بیماریوں والے تھے تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! میری اولاد کے ساتھ آپ نے کیوں کیا ہے؟ فرمایا تاکہ میری نعمتوں کا شکر کریں۔ پھر آگے داؤد علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔

اور یہ حدیث ابن عباس کی روایت سے بھی آئی ہے۔

(۳) اور امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جب پیدا فرمالیا پھر ان کے دائیں شانے پر ہاتھ مارا جس سے ان کی سفید اولاد جیسے موتی ہوں وہ نکل آئی اور بائیں شانے پر ہاتھ مارا جس سے ان کی سیاہ اولاد جیسے کوئلے ہوں وہ نکل آئی، پھر پروردگار نے دائیں طرف والوں کے بارے فرمایا یہ جنت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، پھر بائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا یہ جہنم کی طرف جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

(۴) ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت حسن سے منقول ہے فرمایا: اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا جب پیدا فرمالیا تو ان کی دائیں جانب سے جنتی لوگوں کو نکالا اور بائیں جانب سے جہنمی لوگوں کو نکالا اور سب کو زمین پر ڈال دیا۔ ان میں سے اندھے، بہرے اور مختلف بیماریوں والے تھے تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! آپ نے میری اولاد کو برابر کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا: اے آدم علیہ السلام میں نے ارادہ کیا ہے کہ میرا شکر کیا جائے۔ (۵)

(۶) امام ابوحاتم اسماعیل حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح بھی پھونک دی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمدللہ کہا تو یوں اللہ کی حمد اس کی اجازت و تعلیم کے ساتھ سب سے پہلے ان کی زبان سے نکلی، پھر ان کو ان کے پروردگار نے فرمایا: "یرحمک ربک یا آدم" اے آدم علیہ السلام تجھ پر تیرا پروردگار رحم کرے، جا ان فرشتوں کے پاس جا اور ان کی مجلس میں شریک ہو اور سلام کر، تو حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر "السلام علیکم" کہا، فرشتوں نے جواب دیا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، پھر آدم علیہ السلام اپنے پروردگار کے

---

(۱) ثم قال الترمذي: حسن صحيح والطبري من غير وجه عن أبي هريرة عن النبي ﷺ ورواه الحاكم في مستدركه من حديث أبي نعيم الفضل بن دكين، وقال: صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه.

(۲) وروى ابن أبي حاتم من حديث عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة مرفوعاً فذكره وفيه.

(۳) وقال الإمام أحمد في "مسنده" حدثنا الهيثم بن خارجة، حدثنا أبو الربيع عن يونس بن ميسرة، عن أبي إدريس، عن أبي الدرداء، عن النبي ﷺ قال.

(۴) وقال ابن أبي الدنيا: حدثنا خلف بن هشام، حدثنا الحكم بن سنان، عن حوشب، عن الحسن قال

(۵) وكذلك رواه عبد الرزاق عن معمر، عن قتادة، عن الحسن بنحوه

(۶) ولهذا رواه أبو حاتم ابن حبان في "صحيحه" فقال: حدثنا محمد بن إسحاق بن خزيمة حدثنا محمد بن بشار، حدثنا صفوان بن عيسى، حدثنا الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ

پڑے ہوئے تھے تو اللہ نے فرمایا یہ تیرا اور تیری اولاد کے درمیان سلام ہوگا اور اللہ نے اپنے دست مبارک سمیٹ کر فرمایا دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو؛ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں اپنے پروردگار کے دائیں ہاتھ کو اختیار کرتا ہوں، جبکہ میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں۔ پھر اللہ نے اپنے ہاتھ کو پھیلا دیا تو اس میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار یہ کیا ہے؟ فرمایا: تیری اولاد ہے، اور اس وقت ہر انسان کی عمر اس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی تھی، اور ان میں ایک بہت روشن چہرہ آدمی تھا۔ اور اس کی عمر صرف چالیس سال لکھی ہوئی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا فرزند داؤد ہے۔ تو حضرت آدم نے عرض کیا اے پروردگار اس کی عمر کو بڑھا دیجئے فرمایا یہ لکھا جا چکا ہے تو عرض کیا: پھر میں نے اپنی عمر سے ساٹھ سال اس کو دیئے: فرمایا ٹھیک ہے۔ تو جنت میں رہو؟ جب تک اللہ نے چاہا حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہے۔ پھر وہاں سے اتار دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خود آپ کو بہت ملامت فرمایا کرتے تھے۔ پھر آخر عمر میں ان کے پاس ملک الموت آئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تو نے تو بہت جلدی کر دی؟ میری عمر تو ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔ عرض کیا: کیوں نہیں؟ لیکن ان میں سے آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمایا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی رہتی ہے۔ اور وہ بھول گئے تھے تو ان کی اولاد بھی بھولتی رہتی ہے۔ تو اس دن سے گواہوں اور لکھنے کا حکم فرما دیا گیا۔

[۱] امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر اللہ نے ان کو فرمایا جاؤ اس (فرشتوں کے) گروہ پر سلام کرو پھر وہ جو جواب دیں اس کو سنو وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر ان کو السلام علیکم فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا؟ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" تو فرشتوں نے سلام کے جواب میں ورحمۃ اللہ کے الفاظ بڑھا دیئے (جو حضرت آدم علیہ السلام سے کہہ گئے تھے) جو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر جنت میں داخل ہوتا ہے مخلوق اب تک (اس سلام کو) کم کرتا رہتا ہے۔ (جو صحیح میں ہے)

اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری کتاب الاستیذان میں روایت کیا ہے۔[۲]

[۳] اور امام احمد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور چوڑائی سات ہاتھ تھی۔ اس حدیث کو روایت کرنے میں امام احمد منفرد ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب قرض کی آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلا شخص جس نے انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔

اللہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا جس سے ان کی تمام اولاد جو قیامت تک آنے والی تھی سب نکل آئی۔ اور ہر ایک حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے آ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں ایک چمکتا شخص دیکھا، پوچھا: اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا: تیرا بیٹا داؤد ہے۔ پھر پوچھا اے پروردگار اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کیا: اے پروردگار اس کی عمر بڑھا دیجئے فرمایا: نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تیری عمر سے اس کو کچھ زیادتی کر دی جائے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ (حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس سال داؤد کو دے دیئے) تو اللہ نے اس پر فرشتوں کو گواہ بنایا اور لکھ کر محفوظ فرما دیا۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرشتے ان کی روح قبض کرنے ان کے پاس پہنچے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ عرض کیا گیا وہ چالیس سال تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے۔ فرمایا: میں نے تو نہیں دیئے۔ پھر اللہ نے ان پر اس لکھی ہوئی تحریر کو ظاہر کیا اور فرشتوں کی گواہی کو پیش کیا۔۔

---

(۱) وقد قال البخاري: حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه، عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ

(۲) عن يحيى بن جعفر، ومسلم، عن محمد بن رافع، كلاهما عن عبد الرزاق به

(۳) وقال الإمام أحمد: حدثنا روح، حدثنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ قال.. وقال الإمام أحمد: حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد، عن يوسف بن مهران، عن ابن عباس..

(۱) اس کو ایک دوسرے طریق سے بھی مسند احمد میں حضرت ابن عباس نے حضور ﷺ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اول شخص جنہوں نے انکار کیا وہ آدم علیہ السلام تھا۔ "آپ نے یہ بات تین بار فرمایا" اللہ پاک نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر کو چھوا جس سے ان کی تمام اولاد نکل آئی تو اللہ نے ان کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا۔ ان میں حضرت آدم علیہ السلام نے ایک روشن چمکتا شخص دیکھا تو عرض کیا کہ اے پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کیا اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس سال اپنی عمر سے اس کو دے دیئے تو اللہ نے اس بات کو لکھ کر فرشتوں کو گواہ بنایا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں کیا ہوا؟ تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دیئے تھے حضور نے فرمایا: پھر حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا اور جس پر فرشتے گواہ تھے اس کو بھی اور تحریر کو بھی تو اللہ نے داؤد کے سو سال پورے کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بھی ہزار سال پورے کر دیئے۔ احمد رضی اللہ عنہ اور علی بن زید اس حدیث میں منفرد ہیں۔ اور علی بن زید کی بہت سی احادیث کے الفاظ میں سے ایسی انوکھی حدیث میں نکارت ہے۔

ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب دین کی آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک پہلا شخص جس نے انکار کیا وہ آدم علیہ السلام تھے تین مرتبہ فرمایا اور آگے قصہ ذکر کیا۔

عہد بنی آدم:..... موطا امام مالک(۲) میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ علیہ السلام مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی

(ترجمہ)..... اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان کو(۳) خود ان کے مقابلہ میں گواہ بنایا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی کمر پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا جس سے ان کی اولاد نکالی۔ پھر فرمایا: میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے کام کریں گے۔ پھر دوبارہ پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس سے دوسری اولاد نکالی پھر فرمایا: یہ جہنم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اہل جہنم کا عمل کریں گے۔ (یہاں تک) ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! تو عمل کس لئے ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو اس کو اہل جنت کے کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کو اہل جہنم کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو اس کو اہل جہنم کے کاموں میں لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اہل جہنم کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے پھر اس کو جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) رواہ احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا حماد بن سلمة، عن علی بن زید، عن یوسف بن مهران، عن ابن عباس، قال: قال رسول اللہ ﷺ

(۲) وقال الامام مالک بن انس فی "الموطأ" عن زید بن ابی انیسة ان عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب، اخبرہ عن مسلم بن یسار الجہنی ان عمر بن الخطاب سئل عن ہذہ الآیة (۳) سورۃ اعراف آیت ۱۷۲ (۴) وہکذا رواہ الامام احمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی حاتم، وابو حاتم بن حبان فی صحیحہ من طرق، عن الامام مالک بہ وقال الترمذی ہذا حدیث حسن ومسلم بن یسار لم یسمع عمر وکذا قال ابو حاتم وابو زرعة، زاد ابو حاتم وبینہما نعیم بن ربیعة، وہکذا رواہ ابو داؤد عن محمد بن مصفی عن بقیة (بقیة بن الولید مدلس فی الحدیث قال الذہبی عن الشیخ [illegible] "العلل" لابن الجوزی) عن عمر بن جعثم، عن زید بن ابی انیسة، عن عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب، عن مسلم بن یسار، عن نعیم بن ربیعة قال کنت عند عمر بن الخطاب وقد سئل عن ہذہ الآیة فذکر الحدیث۔ قال الحافظ الدارقطنی وقد تابع عمر بن جعثم ابو فروة یزید بن سنان الرہاوی، عن زید بن ابی انیسة قال: وقولہما اولی بالصواب من قول مالک رحمہ اللہ

یہ تمام احادیث اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو آدم کی پیٹھ سے چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح نکالا اور ان کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا۔ اہل یمین اور اہل شمال بنا دیا گیا۔

اور فرمایا یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں، اور یہ جہنم کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

اور سورۃ اعراف کی آیت "الست بربکم" کو اس واقعے پر محمول کرنا اس میں بھی نظر ہے

اور اگرچہ اس بارے میں مسند احمد میں ایک حدیث مروی ہے (۱) کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد سے نعمان یعنی میدان عرفہ کے دن عہد لیا۔ پھر ان کی پشت سے نکالا اور وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے۔ پھر اللہ نے ان تمام کو حضرت آدم کے سامنے پھیلا دیا۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرمائی: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے) اور یہ اقرار اس لئے کرایا تھا کہ (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی کچھ خبر ہی نہ تھی یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد (پیدا ہوئے)۔

(کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے آپ اس کے بدلے ہمیں ہلاک فرماتے ہیں؟)(۲)

(۳) اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اللہ عزوجل نے آدم سے توحید پر عہد لیا تھا اور دلیل میں مسند احمد کی روایت پیش کرتے ہیں (۴) کہ انس بن مالک، حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی جہنمی سے کہا جائے گا کہ اگر تم زمین کی ساری ملکیت کا مالک ہو تو کیا تم وہ سب کچھ دے کر اپنے آپ کو جہنم سے چھڑا لو گے؟ (وہ کہے گا ضرور) تو پھر اللہ عزوجل فرمائیں گے: میں نے تو تم سے اس سے بھی بہت آسان چیز طلب کی تھی، میں نے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں عہد لیا تھا کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے۔ لیکن تم نے انکار کیا اور میرے ساتھ شرک کر بیٹھے۔ شیخین نے اس کو شعبہ کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے۔

(۵) حضرت ابی بن کعب سے اس آیت (اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد سے عہد لیا) اور اس کے بعد کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ نے ازل میں تمام آدم کی اولاد کو جمع فرمایا، جو بھی قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔

پھر ان کو (کسی مرحلے میں) پیدا فرمایا، پھر ان کی صورت بنائی۔ پھر ان سے بولنا چاہا تو وہ بولنے لگے اور ان سے عہد و پیمان لئے اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں (۶) پھر پروردگار نے فرمایا: میں تمہارے اوپر (اس قول پر) ساتوں آسمانوں کو، ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں، اور تمہارے باپ آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس واقعہ سے ناواقف تھے؟ جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہرانا۔ اور میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا، وہ تم کو یاد دلائیں گے میرے عہد و پیمان کو۔

اور تم پر میں اپنی کتاب (بھی) نازل کروں گا۔ تو سب نے (یک آواز ہو کر) کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے پروردگار اور

---

(۱) حدثنا حسين بن محمد، حدثنا جرير بن حازم، عن كلثوم بن جبر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس

(۲) سورة الأعراف آيت ۱۷۲، ۱۷۳

(۳) وهو بالسند: جيد قوي على شرط مسلم، رواه النسائي وابن جرير والحاكم في "مستدركه" من حديث حسين بن محمد المروزي به. وقال الحاكم صحيح الإسناد ولم يخرجاه. ثم اختلف فيه على كلثوم بن جبر، فروي عنه مرفوعاً وموقوفاً، وكذا روي عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس موقوفاً. وهكذا رواه العوفي والوالبي والضحاك وأبو جمرة، عن ابن عباس قوله، وهذا أكثر وأثبت والله أعلم. وهكذا روي عن عبد الله بن عمرو موقوفاً ومرفوعاً، والموقوف أصح

(۴) قال الإمام أحمد: حدثنا حجاج، حدثني شعبة، عن أبي عمران الجوني، عن أنس بن مالك، عن النبي ﷺ قال: ... الخ

(۵) قال أبو جعفر الرازي، عن الربيع بن أنس، عن أبي العالية، عن أبي بن كعب، في قوله تعالى "وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم" الأعراف ۱۷۲ (۶) الأعراف ۱۷۲

والے معبود ہیں آپ کے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں اور نہ آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود ہے تو اس طرح انہوں نے اسی دن یہ اطاعت کا اقرار کر لیا۔

پھر اللہ نے سب کے اوپر حضرت آدم علیہ السلام کو بلند فرمایا اور آدم نے اپنی اولاد کی طرف دیکھا۔ جس میں غنی بھی تھے فقیر بھی تھے۔ اچھی صورت والے بھی تھے اور بری صورت کے بھی تھے یہ دیکھ کر حضرت آدم نے کہا اے پروردگار! اگر آپ اپنے بندوں کے درمیان برابری فرما دیتے تو اللہ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو (اولاد میں سے) چراغوں کی طرح تھے ان کے اوپر نور تھا پس ان سے ایک خاص عہد انبیاء سے لیا گیا جو نبوت و رسالت کے متعلق تھا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت قرآنی کا (ترجمہ) اور جب ہم نے نبیوں سے عہد و پیمان لیا اور آپ سے (بھی) اور نوح سے اور ابراہیم سے، اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (۱)

اور پہلا جو عہد لیا گیا تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور میری ہی عبادت کرو۔

تو ہر شخص کی فطرت میں یہ چیز رکھ دی گئی ہے کہ بیشک اللہ ہی ایک معبود ہے اور وہ اکیلا ہے اسی بارے میں اللہ قرآن کریم میں فرماتا ہے تو آپ یکسو ہو کر اپنا رخ سیدھا رکھو (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کرو، اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (۲)

اور فرمایا یہ بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ (۳)

اور فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا اور ان میں اکثر کو ہم نے نافرمان ہی دیکھا۔ (۴، ۵)

ذلت ابلیس: …… پہلے گزر چکا کہ جب حضرت آدم کے لئے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تو تمام نے حکم کی اطاعت کی۔ مگر ابلیس نے بڑائی کی کیونکہ اس کو آدم علیہ السلام پر حسد تھا اور ان سے دشمنی تھی۔ جس کی وجہ سے اللہ نے اس کو دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا اور اپنی بارگاہ عالیہ سے اس کو نکال دیا۔ اور اس کو شیطان مردود بنا کر زمین پر پھینک دیا۔

(۶) امام احمد کہتے ہیں: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر رونے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا جس سے وہ جنت کا مستحق ہو گیا اور مجھے سجدے کا حکم ملا پر میں نے نافرمانی کی جس کی وجہ سے میرے لئے جہنم ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (۷)

آدم علیہ السلام کے جنت میں ٹھہرنے کا وقت: …… جب حضرت آدم جنت میں رہائش پذیر ہو گئے خواہ وہ جنت زمین میں ہو یا آسمان میں یا جہاں کہیں ہو اختلاف کے مطابق تو وہاں جنت میں ایک مدت حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام بڑی عیش و عشرت کے ساتھ جہاں چاہتے کھاتے پھرتے تھے لیکن جب اس درخت کے پھل کو کھا لیا جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ان کا جنتی لباس اللہ نے اتار لیا اور ان کو زمین پر اتار دیا گیا اور اترنے کا اختلاف پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

اور جنت میں کتنا وقت ٹھہرے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ دنیا کے دنوں میں سے ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔

اور پہلے مسلم کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت گزر چکی ہے کہ حضرت آدم جمعہ کے دن کی گھڑیوں میں سے ایک گھڑی میں پیدا ہوئے اور ابو ہریرہ ہی سے مروی ہے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔

---

(۱) سورۃ احزاب آیت ۷ (۲) سورۃ روم آیت ۳۰ (۳) سورۃ نجم آیت ۵۶ (۴) سورۃ الاعراف آیت ۱۰۲

(۵) رواہ الامام عبد اللہ بن احمد و ابن ابی حاتم و ابن جریر و ابن مردویہ فی تفاسیرهم من طریق ابی جعفر وروی عن مجاهد و عکرمة و سعید بن جبیر و الحسن البصری و قتادة و السدی و غیر واحد من علماء السلف بسیاقات توافق هذه الاحادیث

(۶) قال الامام احمد حدثنا وکیع و یعلی و محمد ابنا عبید قالوا حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة قال

(۷) ورواہ مسلم من حدیث وکیع و ابی معاویة عن الاعمش

تو وہ دن جس میں پیدا ہوئے، اگر اسی میں نکالے گئے اور وہ ایام بھی (اُخروی) دنیا کے ایام کے بقدر طویل ہوں۔ تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ وہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن اس میں نظر (عقلی کو امکان) ہے۔ اور اگر ان کا جنت سے نکلنا اس دن کے علاوہ ہو۔ جس میں وہ پیدا کئے گئے اور وہ چھ ایام ہو دنیا کے چھ ہزار سال کے بقدر ہوں، جیسے کہ ابن عباس، مجاہد، ضحاک اور ابن جریر سے مروی ہے تو پھر حضرت آدم کا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل مدت تک رہا ہوگا۔ اور علماء جریر فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن کے آخری وقت میں پیدا ہوئے یعنی جمعے کے دن کی ایک آخری گھڑی میں پیدا ہوئے اور ایک گھڑی اس دن کی تراسی سال چار مہینے کی ہوتی تھی اور پیدائش سے پہلے جسم کو روح کے بغیر اسی بنی ہوئی شکل پر چالیس سال کا عرصہ گزرا اور (پیدائش کے بعد) زمین پر اترنے سے پہلے جنت میں تینتالیس سال اور چار مہینے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب اس اعتبار سے ان کا جنت میں ٹھہرنا بہت طویل عرصہ ہوگا۔

[1] اور حضرت عطاء بن رباح کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کے پاؤں زمین میں تھے اور سر آسمان میں تھا۔ پھر اللہ نے ان کو کم کیا یعنی گھٹا کر ساٹھ ہاتھ ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی اس کے مثل مروی ہے۔

لیکن اس بات میں (عقلی کافی زیادہ امکان ہے اور) نظر ہے کیونکہ پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور مخلوق مسلسل (قد میں اب تک) کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اس حدیث کی صحت پر بالکل اتفاق بھی ہے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ شروع میں ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اس سے زیادہ نہ تھا۔ اور مخلوق جب سے مسلسل قد کا ختم میں گھٹتی جا رہی ہے اب تک۔ اور ابن جریر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم علیہ السلام بے شک میرے عرش کے مقابل (زمین میں) میرا حرمت والا گھر ہے لہٰذا وہاں جاؤ اور میرے لئے اس میں ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو جیسے میرے فرشتے اس عرش پر اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور پھر اللہ نے ایک فرشتہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ جس نے آدم علیہ السلام کو وہ جگہ بتلائی، اور (حج کے) طریقے سکھلائے، اور یہ بتایا کہ یہاں پر (طواف وغیرہ میں) جو قدم بھی آپ اٹھائیں گے وہ قدم آپ کو اللہ کے قریب کر دے گا۔

دنیا میں آدم علیہ السلام کا پہلا کھانا اور لباس: ...... اور حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد جو سب سے پہلا کھانا کھایا وہ یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام گندم کے سات دانے ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ اس درخت (کے پھل) سے ہے جس سے آپ کو روکا گیا تھا لیکن آپ نے کھا لیا تھا۔ فرمایا تو اب میں اس کا کیا کروں؟ عرض کیا ان کو زمین میں بو دیجئے حضرت آدم علیہ السلام نے بو دیئے، اور وہ دانے (ان دنیا کے دانوں سے) لاکھوں گنا زیادہ وزنی تھے تو وہ دانے اگ آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فصل کی کٹائی کی، پھر دانوں کو (بھوسی) سے جدا کیا۔ پھر صفائی کی۔ پھر پیسا، پھر آٹا گوندھا پھر کہیں جا کر روٹی پکائی۔ اور اس طرح عظیم محنت و مشقت اور تھکن کے بعد کہیں جا کر اس کو کھایا۔ اور اللہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے پس وہ تم دونوں کو کہیں (شیطان) تم کو جنت سے نہ نکلوا دے۔ پھر تم محروم ہو جاؤ گے۔[2]

اور پہلا لباس بھیڑ کی اون کا تھا، پہلے تو دونوں میاں بیوی نے اس اون کو کاتا پھر اس کو بُنا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے اپنے لئے ایک جبہ بنایا۔ اور حوا کے لئے ایک لمبی قمیص اور اوڑھنی۔ اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا جنت میں ان کے کوئی اولاد ہوئی یا نہیں ایک قول یہ ہے جنت میں ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ زمین پر آکر ہوئی ہے اور ایک قول (ضعیف) یہ ہے کہ قابیل اور اس کی بہن جنت میں پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم۔

اور علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حوا کو ہر پیٹ میں ہر دفعہ کی امید سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور حکم تھا کہ ہر جوڑے کی دوسرے جوڑے کے ساتھ ایک دوسرے سے شادی کرائی جائے یعنی اس دفعہ جوڑے کا لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے۔ ہم میں جو اگلے پیدا ہوں گے پہلا لڑکا اس لڑکی کے ساتھ اور دوسری لڑکی پہلے لڑکے کے ساتھ شادی کریں گے۔ اور ساتھ پیدا ہونے والی (وہ در حقیقت بہن ہوتی تھی اور اس) سے نکاح حرام تھا۔

---

[1] رواہ عبدالرزاق عن ہشام بن حسان عن سوار ختن عطاء بن ابی رباح

[2] طہٰ آیت ۱۱۷

آدم علیہ السلام کے فرزندان، قابیل و ہابیل کا قصہ

قرآن کریم میں خداوند ذوالجلال کا فرمان ہے:۔۔۔۔۔ اور (اے محمد) ان کو آدم کے دو بیٹوں (قابیل و ہابیل) کے سچے حالات پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (خدا کی بارگاہ میں) کچھ (نیازیں) قربانی کی تو ایک کی قربانی تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو قابیل ہابیل سے کہنے لگا میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا کہ اللہ متقیوں ہی سے (قربانی) قبول فرمایا کرتا ہے اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا مجھے تو اللہ سے خوف آتا ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ بھی اٹھائے اور اپنے گناہ بھی اور تو دوزخیوں میں سے ہو جائے، اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اس نے اس (ہابیل) کو قتل کر ڈالا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے (تو قابیل) کہنے لگا ہائے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کی طرح ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر وہ پشیمان ہوا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس قصے کے بارے میں ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورۃ المائدہ کے اندر (مذکورہ آیات کے تحت) کافی کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اور اس پر اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس بارے میں جو کچھ پہلے علماء نے بیان کر دیا ہے اس کا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔ ([illegible])

(۱) ابن عباس اور ابن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر پیٹ کے لڑکے کی دوسرے پیٹ کی لڑکی سے شادی فرمایا کرتے تھے۔ تو ہابیل نے اس وجہ سے ارادہ کیا کہ وہ قابیل کی بہن سے شادی کرے۔ لیکن قابیل ہابیل سے بڑا تھا اور قابیل کی بہن بھی خوبصورت تھی تو قابیل نے ارادہ کیا کہ اس کو ہی اپنی بہن سے شادی کرنے پر فوقیت ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے (شریعت کے مطابق) قابیل کو حکم دیا کہ اپنی بہن کی شادی ہابیل سے ہونے دو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا تو آدم علیہ السلام نے دونوں کو حکم فرمایا دونوں قربانی کریں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام خود مکہ حج کے لئے چلے گئے اور آسمانوں سے اپنی اولاد کی حفاظت کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر زمین اور پہاڑوں سے حفاظت طلب کی لیکن انہوں نے بھی انکار کر دیا تو بڑے بھائی قابیل نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے تو دونوں بھائیوں نے راہ خدا میں قربانی کی۔ ہابیل نے تو ایک عمدہ فربہ جانور، راہ خدا میں قربان کیا، جو بکری تھی، کیونکہ یہ بکریوں والے تھے۔ اور قابیل زراعت والے تھے لہذا اس نے ردی فصل کا ایک گٹھا قربانی میں دیا تو آگ نازل ہوئی۔

اور اس نے قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا" یعنی قبول نہ ہوئی اور ہابیل کی قربانی کو کھا گئی تو قابیل غضب ناک ہو گیا۔ اور کہا میں تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے نکاح کرنے سے باز آ جائے۔ تو ہابیل نے کہا: بے شک اللہ پرہیزگاروں (کی قربانی ہی) سے قبول فرمایا کرتے ہیں۔

(۲) عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں: اللہ کی قسم مقتول (ہابیل) قابیل سے زیادہ طاقت ور تھا لیکن اس کو حیا و شرم مانع رہی کہ اپنے بھائی کی طرف قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

اور ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام دونوں کی قربانی کے (قبول ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں فکر مند تھے۔ اسی وجہ سے قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کو کہا آپ نے ہابیل کے لئے دعا کی تھی اس کی قربانی قبول ہوئی ہے اور میرے لئے آپ نے دعا نہیں فرمائی۔ اور پھر قابیل نے ہابیل کو دھمکی دے دی۔

پھر جب کسی رات ہابیل کو کھیت میں دیر ہو گئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا کہ دیکھ کیوں دیر ہو گئی ہے؟ تو قابیل چلا گیا اور ہابیل کو پا لیا تو قابیل نے ہابیل کو کہا: تیری قربانی قبول ہو گئی میری (کیوں) نہ ہوئی؟ تو ہابیل نے کہا: اللہ عزوجل پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرمایا کرتے ہیں۔ تو یہ سن کر قابیل غصے میں بھڑک اٹھا اور اس کے پاس لوہا تھا اس سے ہابیل کو مار کر قتل کر دیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے پتھر کی ایک

---

(۱) ذکر السدی عن ابی مالک، وعن ابی صالح عن ابن عباس، وعن مرة عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابة

(۲) وروی عن ابن عباس من وجوه اخر، وعن عبداللہ بن عمر وقال عبداللہ بن عمرو

پہنچا۔ قابیل نے اس کے سر پر پتھر مار کر ہلاک کیا جب ہابیل سو رہا تھا اسی طرح قابیل نے بھائی کو قتل کیا۔(۱) ایک قول یہ بھی ہے کہ قابیل نے ہابیل کا گلا گھونٹا تھا اور اسی طرح اس کو کاٹا جیسے درندے کرتے ہیں، جس سے وہ مر گیا۔ واللہ اعلم۔

جب قابیل نے بھائی کو دھمکی دی تو ہابیل نے کہا: (قرآن مجید کا قول ہے) اگر تو میری طرف قتل کے ارادے سے ہاتھ بڑھائے گا تو میں اپنا ہاتھ تیرے قتل کے لئے نہ بڑھاؤں گا۔ بے شک میں اللہ سے خوف کرتا ہوں۔(۱) ہابیل کا یہ قول بھی اس کے اخلاق حسنہ، شرافت اور خوف الٰہی کا نتیجہ تھا اور یہ ایسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ اپنے بھائی سے برائی کا ارادہ نہ کرے جو بھائی کرے۔

یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ثابت ہے۔ فرمایا جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ قاتل تو ٹھیک ہے لیکن مقتول کیوں؟ فرمایا: یہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

دوسرے قول میں حضرت ہابیل بھائی کے قول کا ذکر کرتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ سمیٹ لے (اور اس طرح تو جہنمی ہو جائے اور یہی ظالمین کا بدلہ ہے)(۲) یعنی مراد یہ ہے کہ میں تجھے قتل کرنے کا خیال ترک کرتا ہوں، اگرچہ میں تجھ سے زیادہ بہادر ہوں اور اگر کہیں تجھے اس کا خیال آ رہا ہے (اور اس طرح) تو میرا گناہ بھی اور اپنا گناہ بھی اٹھائے گا۔ میرا گناہ یعنی میرے قتل کا گناہ اور تیرے گناہ یعنی جو تو نے پہلے کر رکھا ہے سب اٹھائے گا۔ یہ تفسیر مجاہد، سدی، ابن جریر وغیرہ کی ہے۔

اور یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مقتول کے گناہ قاتل پر قتل ہی کی وجہ سے لاد دیئے جائیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے اور انہوں نے ایک حدیث بھی [illegible] ذکر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قاتل مقتول پر کوئی گناہ نہیں چھوڑتا۔ (اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ہے [illegible] ساتھ ہو تو بھی ضعیف کے ساتھ۔

ہاں لیکن قیامت میں بعض لوگوں کے ساتھ ایسا اتفاق پیش آ سکتا ہے کہ مقتول قاتل سے اپنے ظلم کا بدلہ طلب کرے لیکن قاتل کی تمام نیکیاں بھی اس ظلم کو پورا نہ کر سکیں تو پھر مقتول کے گناہ اس قاتل کے سر پر لاد دیئے جائیں۔ جیسے کہ صحیح حدیث سے تمام مظالم میں اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔ اور قتل ان میں سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کی تفصیل کے ساتھ ہم تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

مسند احمد، ابو داؤد اور ترمذی ان سب حدیث کی کتابوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا حضرت عثمان بن عفان کے خلاف فتنہ کے وقت یہ قول منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

عنقریب ایک فتنہ ہوگا اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

تو حضرت سعد نے پوچھا اگر وہ میرے گھر میں داخل ہو کر میری طرف قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے تو پھر کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تو ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔(۳)

اور ایک دوسری روایت میں حضرت حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا تم ابن آدم علیہ السلام کے [illegible] سے بہتر کی طرح ہو جا۔ جیسا کہ مقتول [illegible] تھی لیکن قاتل اس کے [illegible](۴) مسند احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل نہیں کی جاتی مگر آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے خون کا بوجھ ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے

---

(۱) المائدہ (۲) المائدہ ۲۹

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

[illegible]

شخص تھا جس نے قتل کی سنت جاری کی۔

دمشق کے شمال میں ایک جبل قاسیون (پہاڑ) ہے جس میں ایک غار ہے جو کہ مغارۃ الدم کہلاتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ یہ بات اہل کتاب سے منقول ہے اس کی صحت کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اور حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ وہ ایک نیک صالح انسان تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ، ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ہابیل کو خواب میں دیکھا۔ تو انہوں (احمد بن کثیر) نے ہابیل سے قسم لی کہ کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کا قتل ہوا تھا؟ تو ہابیل نے قسم اٹھائی۔ اور کہا کہ انہوں (یعنی ہابیل) نے اللہ سے دعا کی ہے کہ اس جگہ کو دعا کی قبولیت کی جگہ بنا دے تو اللہ نے اس کو قبول کر لیا اور حضور ﷺ نے ہابیل کی تصدیق فرمائی (احمد) کہتے ہیں کہ حضور ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو اس جگہ کی زیارت فرمایا کرتے ہیں۔

لیکن یہ خواب ہے اگر احمد بن کثیر سے صحیح طور پر ثابت بھی ہو جائے تب بھی خواب ہی ہے اس پر حکم شرعی مرتب نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ کا فرمان ہے کہ پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے (قابیل) کو دکھائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ تو (قابیل نے) کہا ہائے افسوس میں تو اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو گیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا پھر وہ پشیمان ہوا۔(۱)

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو ایک سال تک پشت پر اٹھائے پھرتا رہا اور دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ سو سال تک اٹھائے پھرتا رہا اور پھر یہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ نے دو کوے بھیج دیئے۔ سدی رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دو سگے بھائی تھے جو آپس میں لڑ پڑے۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر قتل کے بعد زمین کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو کھودنے لگا۔ پھر گڑھے میں رکھ کر اس پر مٹی ڈالی اور چھپا دیا۔ جب قابیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پکارا ہائے افسوس کہ میں اس کوے کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو گیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔

پھر قابیل نے کوے کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی کو دفن کر کے چھپایا۔

اہل تاریخ و سیرت نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم اپنے فرزند ہابیل پر سخت غمگین ہوئے اور اس کے بارے میں شعر کہا جو ابن جریر ابن حمید سے نقل کرتے ہیں۔

تغیرت البلاد ومن علیہا　　فوجہ الارض مغبر قبیح
سو شہر اور ان کے اہل بدل گئے پس زمین کا چہرہ بھی غبار آلود اور برا ہو گیا

تغیر کل ذی لون وطعم　　وقل بشاشۃ الوجہ الملیح
اور ہر رنگ و ذائقے والی چیز بدل گئی اور خوبصورت چہرے کی بشاشت کم ہو گئی پس آدم علیہ السلام کو جواب دیا گیا۔

ابا ہابیل قد قتلا جمیعا　　وصار الحی کالمیت الذبیح
اے ہابیل کے باپ بے شک وہ دونوں ہی قتل ہو گئے ہیں اور زندہ ذبح کئے ہوئے مردے کی طرح ہو گیا ہے

وجاء بشرۃ قد کان منہا　　علی خوف فجاء بہا یصیح
اور وہ ایسے خوف کے ساتھ ایک برائی لایا ہے جس کی وجہ سے خود بھی چیخ و پکار میں مبتلا ہو گیا ہے

لیکن ان اشعار کی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے میں شک کا امکان ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے جگر کے ٹکڑے کے غم میں کچھ کہا ہو گا جسے کسی نے ان اشعار کی شکل دے دی ہو اور ان اشعار کی صحت میں کچھ کلام ہے اور ممکن ہے کہ کسی اور کا قول ہو۔ واللہ اعلم۔

اور مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قابیل کو اس کے قتل کے دن ہی فوراً سزا ملی کہ اس کی پنڈلی اس کی ران کے ساتھ چمٹ گئی اور صبح جہاں کہیں سورج کا چہرہ گھومتا اس کا چہرہ بھی گھومتا۔ یہ اپنے بھائی کے ساتھ حسد اور سرکشی کی وجہ سے اس کو دنیا میں عذاب ملا اور عذاب آخرت

---

(۱) مائدہ ۳۱

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: کہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کی سزا دنیا میں جلد دیں اور آخرت میں بھی صاحب گناہ کے لئے عذاب کا ذخیرہ کر کے رکھیں مگر سرکشی (اور ظلم) اور قطع رحمی (یعنی رشتہ داری توڑنا)۔

اولادِ آدم کا بڑھنا

جو تورات کتاب اس وقت (یعنی مصنف کے زمانے میں جو تقریباً آٹھویں صدی ہجری تھی اور اب تو اور زیادہ ان کتابوں میں تحریف کا خدشہ ہے) اہل کتاب کے ہاتھوں میں ہے اس میں یہ ہے، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے قابیل کو مہلت دی اور مہلت عطا فرمائی، اور وہ سرزمین "نود" نامی جگہ پر اس کو سکونت دی، جو عدن (1) کشمیر کے مشرق میں واقع ہے اور وہاں کے لوگ "نود" کو "قنین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو پھر وہاں قابیل کے ہاں ایک لڑکا خنوخ پیدا ہوا اور خنوخ سے عندر پیدا ہوا اور عندر سے محوایل پیدا ہوا اور محوایل سے متوشیل پیدا ہوا۔

پھر اس متوشیل نے دو عورتوں سے شادی کی عدا اور صلا، عدا کے ہاں ایک لڑکا ابل نامی پیدا ہوا اور یہ پہلا شخص ہے جو دنیا میں جس نے خیمے لگا کر کھلے آسمان تلے مصنوعی چھت کا سایہ حاصل کیا اور مال کی ذخیرہ اندوزی کی اور اس عدا سے ایک لڑکا نوبل بھی پیدا ہوا اور وہ بھی پہلا شخص ہے جس نے دنیا میں سارنگی بجایا اور طبلہ بجایا۔

اور متوشیل کی دوسری بیوی صلا سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام توبلقین تھا اور یہ بھی پہلا شخص ہے جس نے لوہے اور تانبے کی صنعت ایجاد کی، اور صلا سے ایک لڑکی نعمی نامی بھی پیدا ہوئی۔

اور تورات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس (مباشرت کی غرض سے) گئے، جس سے بیوی کے ہاں ایک صاحبزادے نے جنم لیا اور ماں نے اس کا نام شیث رکھا اور کہا کہ یہ نام اس وجہ سے ہے کیونکہ یہ میرے پہلے بیٹے ہابیل کے بدلے اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے، پھر شیث کے ہاں انوش پیدا ہوا۔

علماء نے کہا ہے کہ جب حضرت آدم کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت آدم کی عمر مبارک ایک سو تیس سال تھی، اور اس کے بعد آٹھ سو برس حیات رہے اور جب حضرت شیث کے ہاں انوش کی پیدائش ہوئی تو حضرت شیث کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی، اور حضرت شیث اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور اس دوران انوش کے علاوہ دوسرے کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئے۔

پھر انوش کے ہاں قینان پیدا ہوئے، اس وقت انوش کی عمر نوے سال کی تھی، اور اس کے بعد وہ آٹھ سو پندرہ برس زندہ رہے اور کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئے۔

اور جب قینان کی عمر ستر سال ہوئی تو اس کے ہاں مہلائیل لڑکا پیدا ہوا اور قینان اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہے اور اس دوران بہت سی اولاد ہوئی اور پھر جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو اس کے ہاں ایک لڑکا "یرد" پیدا ہوا اور مہلائیل اس کے بعد آٹھ سو تیس سال زندہ رہے جس میں بہت سی اولادیں ہوئیں، پھر جب "یرد" کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو یرد کے گھر خنوخ پیدا ہوا اور اس کے بعد یرد آٹھ سو سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد پیدا ہوئی، پھر جب خنوخ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو اس کے ہاں ایک لڑکا متوشلخ پیدا ہوا اور اس کے بعد خنوخ بھی آٹھ سو سال "رہا" اور بہت سی اولاد نے جنم لیا، اور جب متوشلخ کی عمر ایک سو ستاسی سال ہوئی تو اس کے ہاں لامک لڑکا پیدا ہوا اور متوشلخ اس کے بعد سات سو بیاسی سال زندہ رہا اور بہت سی اولاد ہوئی، پھر جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی سال ہوئی تو اس کے ہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد بھی لامک باپ پانچ سو پچانوے سال زندہ رہے اور بہت سی اولاد ان سے ہوئی، پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو ان کے گھر سام، حام، یافث پیدا ہوئے۔

یہ اہل کتاب کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد محفوظ ہونے میں نظر کا امکان ہے جیسے کہ بہت سے علماء

---

(۱) عدن اور حضرموت کے علاقے میں اسی نام کے ساتھ یہ شہر اب بھی مشہور ہے۔

نے اس کو ذکر کیا ہے اور اہل کتاب پر طعن بھی فرمایا ہے۔

اور امام ابو جعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں بعض مذکورہ لوگوں سے ذکر کیا ہے کہ حواء نے حضرت آدم کی چالیس اولادوں کو بیس امیدوں سے جنم دیا ہے، اس کو ابن اسحاق نے ذکر کیا اور ان کے نام بھی ذکر کیے، واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک سو بیس دفعہ حضرت حواء امید یعنی حاملہ ہوئیں اور ہر دفعہ میں ایک لڑکا ایک لڑکی کو جنم دیا سب سے پہلے قابیل اور اس کی بہن قلیما اور سب سے آخر میں عبد المغیث اور اس کی بہن ام المغیث تھی، پھر اس سے انسانیت کثیر ہو گئی، اور پھیل گئی، اور زمین میں ادھر ادھر جا بسے اور آگے بھی افزائش نسل انسانی ہوتی رہی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ (1)

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات نہ ہوئی جب تک کہ انھوں نے اپنی اولاد کی اولاد، پھر ان کی اولاد نہ دیکھ لی اور تقریباً چار لاکھ جانیں دیکھ کر پھر وفات پائی واللہ اعلم۔

اور قرآن مقدس میں فرمان الٰہی ہے وہ وہی ذات تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا فرمایا تاکہ وہ اس سے سکون (و راحت) حاصل کرے، پھر جب کوئی مرد اپنی بیوی کو ڈھانپ لیتا ہے تو اس کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے، جس کو لے کر وہ چلتی پھرتی ہے، پھر جب وہ کچھ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں (میاں بیوی) اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر آپ نے ہم کو صالح اولاد عطا فرمادی تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب پروردگار ان کو صالح اولاد عطا فرمادیتا ہے تو دونوں اس (پروردگار) کیلئے شریک بناتے ہیں، اس چیز میں جو (اللہ نے) ان کو عطا فرمائی، پس اللہ بالا و برتر ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔ (2)

اور جہاں سے میاں بیوی کے ازدواجی تعلق کا ذکر ہے وہاں سے کلام حضرت آدم کی طرف سے منتقل ہو کر عام انسانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے، یعنی شخصیت سے جنسیت کی طرف انتقال ہے، جیسے دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے، اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک قرار والی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا ہے۔ (3) تو یہاں بھی پہلے تو حضرت آدم کی تخلیق کا ذکر ہے پھر عام انسان کی تخلیق کا تو یہاں بھی شخصیت سے جنسیت کی طرف انتقال ہے۔ (یا دونوں جگہ تعمیم بعد التخصیص ہے)

اسی طرح دوسری جگہ قرآن مقدس میں ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) کے ساتھ زینت بخشی اور ان (چراغوں) کو شیطانوں کو مارنے کیلئے آلہ بنایا (4) تو یہاں مارنے میں بھی وہی چراغ مراد نہیں ہیں جو آسمان کی زینت ہیں بلکہ یہاں بھی عبارت، شخصیت سے جنسیت کی طرف عود و انتقال ہے۔

لیکن اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے جو تقریباً صحت سے بہت دور ہے کہ (5) حضرت سمرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب بھی حوا علیہا السلام کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ابلیس چکر لگاتا اور حوا کا کوئی بچہ نہ بچتا تو شیطان نے ان کو کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھو (حارث چونکہ شیطان کا نام بھی رہا ہے) تو تمہارا بچہ زندہ رہے گا تو حوا نے عبدالحارث (یعنی حارث کا بندہ) نام رکھ دیا، جس سے بچہ زندہ رہا اور یہ شیطان کے وسوسے اور اس کے شر سے تھا۔

اس حدیث کو اسی طرح ترمذی، ابن جریر، اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ذکر کیا ہے اور اسی آیت کے تحت، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے، اور تمام جگہوں میں عبدالصمد بن عبدالوارث کی روایت سے ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حسن غریب ہے اور ہم اس کو صرف عمر بن ابراہیم کی حدیث سے جانتے ہیں، اور بعض نے اس کو عبدالصمد سے روایت تو کیا ہے لیکن حضور ﷺ تک اس کی سند نہیں پہنچائی یعنی مرفوع نہیں ہے اور یہ علت بڑی اور قدح والی ہے کہ یہ حدیث صحابی پر

---

(1) سورۃ نساء آیت ۱۔ (2) اعراف آیت ۱۸۹، ۱۹۰ (3) مومنون ۱۲۔۱۳ (4) سورۃ ملک آیت ۵۔

(5) اس حدیث کے راوی یوں ہیں امام احمد اس کو روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عبدالصمد نے بیان کیا ان کو عمر بن ابراہیم نے ان کو قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا اور حسن بصری نے سمرہ سے روایت کیا ہے۔

موقوفاً مروی ہے اور ممکن ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے لی گئی ہو اور اسی طرح یہ موقوفاً ابن عباس سے بھی مروی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کعب احبار اور ان کے اصحاب سے مروی ہے واللہ اعلم۔

سب سے بڑی بات جس پر غور کریں کہ سند میں اس حدیث کے راوی حسن بصری ہیں لیکن وہ خود اس آیت کی تفسیر اس حدیث کے خلاف کرتے ہیں لہٰذا اگر ان سے یہ مروی ہوتی تو وہ بھی اس کے خلاف نہ کرتے۔

اور دوسری اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو پیدا اس لئے کیا کہ ان سے کثرت سے افزائش نسل ہو تو پھر یہ حدیث کیسے ثابت ہو سکتی ہے لہٰذا امکان نہیں بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا خطا ہے اور درست یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے واللہ اعلم اور تفسیر میں بھی اس کی نسبت کچھ گزر چکا ہے۔

پھر یہ غور بھی کریں کہ حضرت آدم و حوا اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے اس لئے کہ آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تھا اور اس میں خود روح پھونکی تھی اور فرشتوں سے آدم کو سجدہ کروایا تھا اور ہر چیز کے ناموں کی تعلیم دی تھی اور اپنی جنت میں ٹھکانہ مرحمت فرمایا تھا تو ان باتوں کے باوجود یہ اللہ کیساتھ کیسے شرک کر سکتے ہیں، نیز اللہ کو سب باتوں کا علم ہے اگر یہ بات ہوتی تو اللہ عزوجل ان کو عظیم شرف و مرتبے کے کام سے ان کو کیسے نواز سکتے تھے اور آگے آنے والی حدیث میں غور کریں کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ کی جماعت ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم علیہ السلام میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا پھر اس میں روح پھونکی پھر اس کو درست و برابر فرمایا۔

تو پھر ایک عظیم پیغمبر و رسول سے یہ فعل کیسے سرزد ہو سکتا ہے جو شرک ہے۔

[1] اور طبرانی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو فرشتوں میں سے سب سے بہتری کی خبر نہ دوں؟ وہ حضرت جبرئیل ہیں اور نبیوں میں افضل آدم ہیں، اور دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے اور مہینوں میں افضل رمضان کا مہینہ ہے اور راتوں میں افضل لیلۃ القدر کی رات ہے اور عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہے لیکن اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے [2] کیونکہ محدثین نے حدیث کے ایک راوی نافع بن ہرمز کو ضعیف قرار دیا ہے۔

کعب احبار فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسا کوئی نہ تھا جس کی داڑھی ہو سوائے حضرت آدم کے کہ آپ کی داڑھی مبارک سیاہ تھی اور جنت میں ایسا کوئی نہ تھا جس کی کنیت ہو سوائے حضرت آدم کے ان کی کنیت دنیا میں ابو البشر ہے اور جنت میں ابو محمد ہے۔

[3] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا تمام اہل جنت، جنت میں اپنے ناموں سے پکارے جائیں گے سوائے حضرت آدم کے ان کو ابو محمد کی کنیت سے پکارا جائے گا۔[4]

اور صحیح بخاری و مسلم میں معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت آدم کے پاس سے گزرے حضرت آدم پہلے آسمان پر تھے تو رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ حضرت آدم کے دائیں طرف بھی لوگوں کی جماعتیں ہیں اور بائیں طرف بھی اور حضرت آدم جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ سب ان کی اولادوں کی ارواح ہیں اور جب دائیں طرف دیکھتے ہیں جو جنتی ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف

---

(1) قال الطبراني، حدثنا ابراهيم بن نائلة الاصبهاني، حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا نافع بن هرمز، عن عطاء بن ابي رباح، عن ابن عباس، قال قال الخ

(2) وهذا اسناد ضعيف، فان نافعا ابا هرمز، كذبه ابن معين وضعفه احمد وابو زرعة وابو حاتم وابن حبان وغيرهم والله اعلم

(3) وكذا رواه ابن عدي من طريق شيخ بن ابي خالد، عن حماد بن سلمة، عن عمرو بن دينار عن جابر بن عبدالله مرفوعاً.

(4) ورواه ابن عدي عن علي بن ابي طالب، وهو ضعيف من كل وجه، والله اعلم

دیکھتے ہیں جو جنتی ہیں تو روتے ہیں۔ (۱)

(۲) اور حسان بن حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کی عقل آپ کی تمام اولاد کے برابر تھی اور حضور ﷺ نے معراج میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرنے کی خبر یوں دی، کہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا دیکھا تو ان کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا، علماء اس کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ یہ نصف حسن حضرت آدم علیہ السلام کے حسن کا نصف تھا اور یہ بات بہت مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت آدم کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور خوبصورت بھی بنائی اور اپنی روح پھونکی لہٰذا سب سے حسین پیدا ہونا انہی کے لائق ہے۔

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے جنت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار یہ ہمارے لئے کر دیجئے کیونکہ آپ نے بنی آدم کیلئے تو دنیا پیدا فرمائی ہے جس میں وہ کھائیں گے پئیں گے۔

تو اللہ رب العزت نے فرمایا، میری عزت کی قسم، میری بزرگی کی قسم نہیں، میں اس کو بناؤں گا اس کی صالح اولاد کیلئے، جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اور جیسے میں اس کو حکم کرتا ہوں وہ بجا لاتا ہے۔

اور بخاری و مسلم میں کئی سندوں سے حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

علماء نے اس حدیث کے بارے میں اور اس کے مطلب کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور کئی مسلک اس میں ذکر کئے ہیں لیکن یہ ان کی تفصیل و تشریح کی جگہ نہیں، واللہ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور آپ علیہ السلام کا اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت

شیث کا معنی ہے اللہ کا عطیہ، اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں ماں باپ نے اس کو یہ نام اس لئے دیا کیونکہ اللہ نے ان کو یہ ہابیل کے بدلے عطا فرمایا تھا، اور یہ بہت بڑے پیغمبر گزرے ہیں، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے ایک سو صحیفے نازل فرمائے، اور چار کتابیں نازل فرمائیں، اور (صرف) حضرت شیث پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔

محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے فرزند حضرت شیث کو وصیت و نصیحت فرمائی اور دن رات کی گھڑیوں کی پہچان کروائی، اور ان اوقات کی عبادتوں کی تعلیم دی اور اس کے بعد ایک بڑے طوفان کے وقوع کی پیش گوئی فرمائی، اور کہا جاتا ہے کہ آج تمام لوگوں کے نسب حضرت شیث علیہ السلام پر انتہا کو پہنچتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اولاد آدم بالکل ختم ہو گئی تھی، واللہ اعلم اور جمعے کے دن جب حضرت آدم علیہ السلام وفات پا گئے، تو فرشتے حنوط خوشبو لے کر حضرت آدم کے پاس آئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے جنت کا کفن لائے پھر آدم علیہ السلام کے فرزند حضرت شیث نے اس کفن میں ان کو کفنایا ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب سات دنوں راتوں تک گرہن رہے۔

(۴) ابن ضمرۃ سعدی کہتے ہیں کہ میں نے مدینے میں ایک بزرگ کو دیکھا، جو وعظ فرما رہے تھے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا یا ابی بن

---

(۱) وهذا الحديث معنى

(۲) وقال ابوبكر البزار، حدثنا محمد بن المثنى، حدثني يزيد بن هرون، انبانا هشام بن حسان، عن الحسن قال ــــ

(۳) وقد رويا عن عبدالله بن عمر، وابن عمرو ايضا موقوفا و مرفوعا ــــ الخ

(۴) وقد قال عبدالله ابن الامام احمد: حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا حماد بن سلمة عن حميد، عن الحسن، عن يحيى: هو ابن ضمرة السعدي، قال ــــ

کعب ہیں تو انھوں نے (ابی بن کعب) نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو کہا۔

اے بیٹو! جنت کے پھلوں کو کھانے کا دل چاہ رہا ہے تو بیٹے چلے گئے تاکہ جنت کے پھل تلاش کر کر لائیں، سامنے سے ان کو فرشتے مل گئے جن کے ساتھ کفن اور خوشبو بھی، اور (قبر کھودنے کے آلات) بیلچے، پھاوڑے، ٹوکری وغیرہ اشیاء تھیں تو فرشتوں نے آدم کے بیٹوں سے پوچھا اے بنی آدم کہاں اور کس چیز کی تلاش میں جا رہے ہو؟ کہا ہمارے والد مریض ہیں اور جنت کے پھل کھانے کو ان کا جی کر رہا ہے، تو فرشتوں نے کہا واپس چلو تمہارے والد کا وقت پورا ہو گیا ہے، تو سب واپس آ گئے حضرت حواء نے فرشتوں کو دیکھا تو پہچان لیا (کہ یہ فرشتے ہیں اور کس مقصد کے لئے آئے ہیں) تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے چلو، چمٹنے لگیں (تا کہ فرشتے چھوڑ دیں) تو حضرت آدم نے حضرت حواء کو فرمایا مجھے چھوڑ دو اپنے پاس سے، میں تجھ سے پہلے کا پیدا ہوا ہوں لہٰذا میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان راستہ خالی کر دو۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کر لی، اور پھر غسل دیا، کفن دیا، خوشبو لگائی۔

پھر گڑھا کھودا (قبر بنائی) اور پھر حضرت آدم پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر میں رکھا، اوپر سے مٹی ڈالی، پھر کہا اے آدم کی اولاد یہ تمہاری سنت اور طریقہ ہے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

(۱) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھانے میں چار تکبیریں کہیں اور حضرت صہیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ (۲)

اور اہل علم کا ان کی قبر کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ اس پہاڑ کے پاس مدفون ہیں جہاں وہ ہند میں اس کے پاس اترے تھے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ میں جبل ابی قبیس کے پاس ہے، اور کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان کا وقت قریب آیا تو حضرت نوح نے اماں حواء اور بابا آدم علیہما السلام کی نعش مبارک کو اٹھا کر بیت المقدس میں دفن کرا دیا تھا اس کو ابن جریر نے نقل فرمایا ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام کا سر مسجد ابراہیم کے پاس ہے اور پاؤں بیت المقدس کی چٹان کے پاس، اور حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے صرف ایک سال بعد ہی وفات پا گئیں تھیں۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مقدار کے بارے میں بھی اختلاف ہے، لیکن پہلے ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ لوح محفوظ میں ان کی عمر ایک ہزار سال لکھی ہوئی تھی، اور اس بات کے وہ معارض و مقابل نہیں ہو سکتی جو تورات میں ہے کہ حضرت آدم نو سو تیس سال زندہ رہے اس لئے کہ وہ کتاب تورات میں تحریف کر چکے ہیں اور ان کا یہ قول طعن شدہ اور مردود ہے کیونکہ وہ مخالف ہے اس حق کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور محفوظ ہے، جبکہ وہ کتاب تورات میں طرح طرح کی تبدیلی کر چکے ہیں۔

اور ہاں دونوں کے درمیان موافقت و جمعیت بھی ہو سکتی ہے اس لئے کہ اگر وہ، جو تورات میں ہے اگر محفوظ مان لیا جائے اور اس طرح وہ من جانب اللہ ہوگا تو ہم یہ کہیں گے کہ اس مدت سے مراد وہ مدت ہے جو جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد انھوں نے بسر کی، اور وہ نو سو تیس سال شمسی ہوں گے، اور یہ قمری اعتبار سے نو سو ستاون سال بنیں گے، اور ان میں وہ تینتالیس سال جمع کرتے جائیں گے جو جنت میں بسر کئے اس طرح ہزار سال والی ہماری حدیث اور نو سو تیس سال تورات میں مذکور، دونوں صحیح ہو جائیں گے۔

عطاء خراسانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وفات فرما گئے تو مخلوق خدا سات دنوں تک گریہ زاری میں مصروف رہی ابن عساکر نے اس کو روایت فرمایا۔

پھر جب حضرت آدم وفات پا چکے تو ان کے معاملات کے نگہبان حضرت شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام بنے، وہ بھی نبی تھے، اور پہلے حدیث گزر چکی کہ حضرت ابی ذر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل فرمائے تھے۔

---

(۱) وروی ابن عساکر من طریق شیبان بن فروخ، عن محمد بن زیاد، عن میمون بن مہران، عن ابن عباس، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الخ

(۲) قال ابن عساکر و رواہ غیرہ عن میمون فقال عن ابن عمر

جب حضرت شیث علیہ السلام کی وفات کا وقت بھی قریب آن پہنچا تو انہوں نے بھی اپنے فرزند انوش کو معاملات سپرد کر دیئے۔ انوش کے بعد اس کا ولی عہد قینان اس کا بیٹا ہوا، اس کے بعد قینان کا فرزند مہلائیل بنا اور ایرانی عجمی لوگ انہی کے بارے میں خیال رکھتے تھے کہ یہ سات ولایتوں کے بادشاہ تھے اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جنگلات کو قطع کر کے شہروں اور قلعوں کی بنیاد ڈالی اور انہی نے شہر بابل اور شہر سوس کو آباد کیا۔

اور ابلیس اور اس کے لشکریوں جنوں وغیرہ کو بھی مار مار کر زمین کی آبادی سے بھگا کر ویرانوں اور گھاٹیوں میں دھکیل دیا، اور جنوں کی شریر قوم میں سے بہت سوں کو قتل کیا، اور ان کا ایک بڑا عظیم تاج بھی تھا اور یہ لوگوں کو خطاب بھی فرماتے تھے اور ان کی بادشاہی چالیس سال رہی۔

جب ان کی بھی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے اپنے فرزند خنوخ کو اپنے بعد کے کاموں کی وصیت کی اور مشہور اقوال کے مطابق یہی خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

قرآن مجید میں فرمان خداوندی ہے: اور (اے نبی) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے نبی تھے، اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔[1]

اللہ عزوجل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور ان کو وصف نبوت اور صدیقیت سے موصوف فرمایا۔ اور یہ (ادریس) خنوخ ہی ہیں اور کئی علماء کے بیان کے مطابق حضور ﷺ کے نسب میں بھی آتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور حضرت آدم و شیث علیہما السلام کے بعد سب سے پہلے نبوت انہی کو عطا ہوئی اور محمد بن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ دنیا کا پہلا شخص جس نے قلم سے لکھا وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کے تین سو آٹھ سال دیکھے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث میں جو ذکر ہوا ہے اس سے یہی مراد ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم نے حضور ﷺ سے نقوش کے خطوں کے بارے میں سوال کیا (جس میں ریت پر کچھ خطوط یعنی لکیریں کھینچی جاتی ہیں۔ تو مسلم کی روایت ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک پیغمبر تھے جو لکیریں کھینچا کرتے تھے جس کا خط ان کے موافق ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور علماء تفسیر و احکام میں سے اکثر کا گمان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس بارے میں گفتگو کی اور ان کو ہرمس الہرامسہ کا خطاب دیتے ہیں اور ان کی طرف بہت سے جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی طرف بہت سی باتوں کی نسبت کی گئی جس طرح دیگر انبیاء، علماء، حکماء اور اولیاء کی طرف بھی کی گئی۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے ان کو اونچے مقام پر بلند کیا۔ اس سے کیا مراد ہے؟ صحیحین (بخاری و مسلم) میں معراج کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ معراج کی رات آسمانوں میں ان کے پاس سے گزرے وہ چوتھے آسمان پر تھے۔

(۲) ابن جریر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ (ورفعناہ مکانا علیا) آیت کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہیں ہر روز تمام بنی آدم کے اعمال کے برابر اعمال کا ثواب دوں گا، جو اس وقت اپنے زمانے کے تمام بنی آدم ہیں۔ تو حضرت ادریس علیہ السلام نے چاہا کہ ان کے اعمال میں اضافہ ہو جائے۔ فرشتوں میں سے ان کا ایک دوست فرشتہ آیا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اللہ نے میری طرف ایسے ایسے وحی کی ہے لہٰذا تم ملک الموت سے بات کرو (اور پوچھو کہ کب تک میری زندگی باقی ہے؟) تاکہ میں میرے اعمال میں اور زیادہ اضافہ کر سکوں۔ یہ دوست فرشتہ ان کو اپنے پروں پر اٹھا کر لے گیا اور آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ جب وہ چوتھے آسمان میں پہنچے تو ان کی ملک الموت سے ملاقات ہوئی جو اتر رہے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے دوست فرشتے نے ملک الموت سے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کی تو ملک الموت نے پوچھا ادریس کہاں ہیں؟ تو فرشتے نے کہا میری پشت پر۔ ملک الموت نے کہا بڑا تعجب ہے مجھے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا کہ ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان میں قبض کرو تو میں سوچ رہا تھا کہ ان کی روح چوتھے آسمان میں کیسے قبض کروں گا جبکہ وہ زمین میں ہیں۔ پھر ملک الموت نے وہیں ان کی روح قبض کر لی۔ تو یہ مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان کا۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھایا۔

ابن ابی حاتم نے بھی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں یہی روایت ذکر کی ہے اور اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے

---

[1] مریم ۵۶، ۵۷

[2] قال ابن جریر الطبری حدثنی یونس عن عبد الاعلی عن ابن وهب عن جریر بن حازم عن الاعمش عن شمر بن عطیة عن هلال بن یساف قال

دوست فرشتے سے کہا کہ ملک الموت سے میرے بارے میں سوال کرو کہ میری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ تو فرشتے نے ملک الموت سے سوال کیا جبکہ حضرت ادریس بھی ساتھ تھے۔ تو ملک الموت نے کہا کہ میں جب تک اس کی عمر دیکھ نہ لوں نہیں بتا سکتا (اور دیکھا) تو ملک الموت نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا تو فرشتے سے کہا آپ مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کرتے ہو جس کی زندگی ایک پلک جھپکنے کے برابر باقی ہے۔ پس جب فرشتے نے پر کے نیچے حضرت ادریس کو دیکھا تو ان کی روح قبض ہو چکی تھی اور ان کو معلوم بھی نہ ہوا۔

یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کے بعض حصوں میں نکارت ہے۔ ابن ابی نجیح مجاہد رضی اللہ عنہ سے ورفعناہ مکانا علیا کے قول نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں اور ان کی وفات نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں مرے۔ اگر یہ مراد ہو کہ آپ کی ابھی تک وفات نہیں ہوئی تو اس میں کلام ہے اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے پھر وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی تو یہ حضرت کعب احبار سے منقول روایت کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عوفی آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ادریس علیہ السلام چھٹے آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہیں وفات ہوئی اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

لیکن متفق علیہ حدیث یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں اور یہی مجاہد رضی اللہ عنہ اور بہت سے حضرات کا بھی قول ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ان کو جنت میں اٹھا لیا گیا ہے اور کہنے والے کہتے ہیں کہ ان کو اپنے والد یرد بن مہلائیل کی زندگی ہی میں اٹھا لیا گیا تھا۔

بعض حضرات نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت الیاس[1] علیہ السلام ہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے معراج کی حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو حضرت ادریس نے حضور ﷺ سے فرمایا مرحبا صالح بھائی اور صالح نبی کو۔

تو یہاں انہوں نے حضور کو بیٹا نہیں کہا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مرحبا صالح بیٹے کو تو اگر یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوتے تو ان سے حضور ﷺ نسب کے اعتبار سے بیٹے لگتے۔

لیکن یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راوی کو یاد نہ رہا ہو [illegible] حضرت ادریس کے قول سے [illegible] حضور ﷺ کے سامنے [illegible] حضرت آدم علیہ السلام [illegible] ابراہیم علیہ السلام [illegible] بڑے [illegible] علیہ السلام کے [illegible] زیادہ [illegible]

۱۔ [illegible]

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ: حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) بن یرد بن مہلائیل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم ابو البشر علیہ السلام۔

آپ کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی جیسا کہ ابن جریر وغیرہ کا قول ہے اور اہل کتاب کے نزدیک ایک سو چھیالیس سال کا وقفہ ہے لیکن حضرت آدم و نوح کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں جیسا کہ ابن حبان کی صحیح میں ابو امامہ کی حدیث سے ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں: (۱) ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ہاں، ان سے بات کی گئی تھی، پھر عرض کیا کہ حضرت آدم و نوح ﷺ کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا دس قرن (زمانے)۔ (۲) اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم و نوح علیہم السلام کے درمیان دس زمانے تھے اور سب کے سب زمانے اسلام پر تھے تو قرن میں (زمانے) سے مراد سو سال ہوں جیسا کہ لغت میں اکثر لوگوں کے نزدیک یہی مشہور ہے تو یہ ضروری طور پر یقینی نہیں کہ ان کے درمیان ہزار سال کا عرصہ ہو لیکن حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق یہ سب اسلام پر تھے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان زمانوں سے پہلے اسلام پر ہی تھے اس لئے کہ ممکن ہے ان کے درمیان اور زمانے بھی ہوں جو اسلام پر نہ ہوں، لیکن حدیث ابو امامہ حضرت نوح کی بعثت کے وقت بہت سے قرن گزر چکے تھے۔

لیکن ابن عباس کی حدیث صرف دس زمانوں کے اسلام پر ہونے پر دلالت کرتی ہے اور بعد کے زمانوں کی نفی نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے علاوہ کی نفی کرتی ہے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ان اہل کتاب کی تردید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ قابیل اور اس کی اولاد آگ کے پجاری ہو گئے تھے، واللہ اعلم۔

اور اگر حدیث میں قرن سے مراد قوموں کی نسلیں ہوں جیسا کہ ایک جگہ قوموں کے لئے قرن استعمال ہوا ہے، ارشاد ہے: ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کتنے زمانوں کو ہلاک کر دیا (۳) اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے زمانے پیدا کئے (۴) اور فرمایا: اور ان سے پہلے ہم نے کتنے زمانوں کو ہلاک کر دیا (۵) اور فرمایا: اور ان کے درمیان بہت سے زمانے ہلاک کیے۔

تو حضرت نوح تک دس زمانوں سے مراد کئی ہزار سال ہوں گے اور ان کے درمیان کئی ہزار سال کا وقفہ ہوگا کیونکہ اس وقت لوگوں کی عمریں طویل ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت آدم کی عمر تھی، لیکن اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبی بنا کر بھیجا جب بتوں اور شیطانوں کی عبادت کی جانے لگی اور لوگ گمراہی اور کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ان کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ سب سے پہلے رسول تھے جو زمین والوں کی طرف بھیجے گئے جیسا کہ قیامت کے دن اہل محشر بھی کہیں گے۔

(اس سے پہلے کے لوگ حضرت آدم و شیث علیہما السلام کی شریعت پر تھے)

ان کی قوم [illegible] کہا جاتا تھا۔

---

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) بنی اسرائیل آیت ۱۷ (۴) [illegible] (۵) [illegible]

اور ان کی بعثت کے وقت کی عمر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول ہے پچاس سال عمر تھی دوسرا قول ہے تین سو پچاس سال عمر تھی۔ تیسرا قول ہے جس کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے چار سو اسی سال عمر تھی اور تیسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔

نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآنی آیات

اللہ نے ان کے اور ان کی قوم کے قصے کو قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے اور ان کی قوم کے کافروں پر عذاب، طوفان اور کشتی والوں کی نجات وغیرہ بہت سے امور کو مختلف مضامین پر بیان فرمایا ہے اعراف، یونس، ہود، انبیاء، مومنون، شعراء، عنکبوت، صافات، قمر، پوری سورۃ نوح، ان تمام سورتوں میں ان کے قصے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ..... ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا اے میری برادری کے لوگو! خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔ تو جو ان کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم پرہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔(۱)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا (ترجمہ) (اے محمد ﷺ) اور ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تم کو (معلوم ہو جائے اور کسی سے) پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو خدا کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیا انجام ہوا۔(۲)

اور اللہ عزوجل نے سورۃ ہود میں فرمایا:

ترجمہ..... اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور (پیغام پہنچانے کے لئے) آیا ہوں۔ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تعمق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں میرا صلہ تو خدا کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور برادران ملت! اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب خدا سے بچانے کے لئے) کون میری مدد کر سکتا ہے؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور ان لوگوں

---

(۱) سورۃ اعراف آیت ۵۹ تا ۶۴ (۲) سورۃ یونس آیت ۷۱ تا ۷۳

کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ نہیں کہتا کہ خدا ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا۔ ان کے دلوں میں جو ہے خدا خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔ انھوں نے کہا کہ نوح تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔ نوح نے کہا کہ اس کو خدا ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنا لیا ہے کہہ دو کہ اگر میں نے دل سے بنا لیا ہو تو میرے گناہوں کا وبال مجھ پر ہے اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے تو نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔ وہ کہتے کہ جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔ اور (نوح نے) کہا کہ خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے) اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہ (کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انھوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر خدا رحم کرے اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آ حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ خدا نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوح نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔ یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) پیشتر انھوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان پر نصرت بخشی وہ بے شک برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔[2]

اللہ تعالیٰ سورۃ مومنون میں فرماتے ہیں

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان سے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور خدا چاہتا تو فرشتے

---

(۱) سورۃ ہود [illegible] ۔ (۲) سورۃ انبیاء [illegible]

اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی سنی ہی نہیں، اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو (نوح نے) کہا کہ اے پروردگار ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر، پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نسبت ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (خدا کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی اور (یہ بھی) دعا کرنا کہ اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ اتاریو اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے، بے شک اس قصے میں نشانیاں ہیں اور ہم تو آزمائش کرنے والے ہیں۔(۱)

اور اللہ تعالیٰ سورۂ شعراء میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ...... قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو خدائے رب العالمین ہی پر ہے تو خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو، وہ بولے کہ کیا ہم تم کو مان لیں اور تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہوتے ہیں، (نوح نے) کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش تم سمجھو اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں، میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں انہوں نے کہا کہ نوح اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے (نوح نے) کہا کہ پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا تو میرے اور ان کے بیچ کھلا فیصلہ (عذاب نازل) کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے، پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے ان کو بچا لیا، پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا، بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔(۲)

اور اللہ تعالیٰ آیت میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ... اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس (۹۵۰ سال) رہے، پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے، پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لئے نشانی بنا دیا۔(۳)

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ... اور ہم کو نوح نے پکارا سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی نسل کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا (یعنی) تمام جہان میں (کہ) نوح پر سلام، نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔(۴)

اور اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ... ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بار الٰہا) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے، پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟(۵)

---

(۱) سورۃ المؤمنون آیت ۲۳ تا ۳۰
(۲) سورۃ الشعراء آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲
(۳) سورۃ العنکبوت آیت ۱۴ تا ۱۵
(۴) سورۃ الصافات آیت ۷۵ تا ۸۲
(۵) سورۃ القمر آیت ۹ تا ۱۷

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق ایک مکمل سورت سورۃ نوح کے نام سے نازل فرمائی جو کہ دو رکوع پر مشتمل ہے۔

ترجمہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت کر دو انہوں نے کہا اے بھائیو میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا جب خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی کاش تم جانتے ہوتے۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے جب جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے پھر میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تم کو باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہا دے گا تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) میں پیدا کیا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور اسی سے تم کو نکال کھڑا کرے گا اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر[1] کو کبھی ترک نہ کرنا (پروردگار) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو تو ان کو اور گمراہ کر دے (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب (پہلے) غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے تو انہوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور (پھر) نوح نے دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا۔[2]

اور ہم نے اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں ان تمام آیات کے متعلق گفتگو کی ہے اور ان آیات کا مطلب اور تشریح مطلب آگے بیان کریں گے (ان شاء اللہ) اور اسی طرح ان کے متعلق احادیث اور بزرگوں کے اقوال کو بھی ذکر کریں گے۔

اور قرآن پاک میں مختلف مقامات پر حضرت نوح علیہ السلام کی مدح اور ان کے دشمنوں کی مذمت بھی ذکر کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح (علیہ السلام) اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد (علیہ السلام) کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے اور موسیٰ (علیہ السلام) سے تو خدا نے باتیں بھی کیں (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند

---

(۱) [illegible] (۲) مکمل سورۃ نوح (۳) سورۃ النساء آیات ۱۶۳ تا ۱۶۵

کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام و سلیمان اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام (ھم المصنوعات والتصلیمات) کو بھی۔ اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو بھی یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل علیہ السلام اور الیسع (علیہ السلام) اور یونس علیہ السلام اور لوط (علیہ السلام) کو بھی۔ اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔ اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا ...... نوح (۱) اور ان کا قصہ سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں:

ترجمہ ..... کیا ان کو ان لوگوں کے (حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عاد علیہ السلام اور ثمود (علیہ السلام) کی قوم اور ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے۔ ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے اور خدا تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (۲) اور ان کا قصہ سورۃ یونس اور ہود میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا:

ترجمہ ... بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح (علیہ السلام) اور عاد علیہ السلام اور ثمود علیہ السلام کی قوم اور جو ان کے بعد تھے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ (جب) ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کے بارے میں قوی شک میں ہیں۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ اسراء میں فرمایا:

ترجمہ ... اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے (۴)

اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا۔

ترجمہ ..... اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا کافی ہے۔ (۵) اور ان کا قصہ سورۃ انبیاء اور سورۃ المومنون اور شعراء اور عنکبوت میں گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا (ترجمہ) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) سے اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔ (۶)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص میں فرمایا (ترجمہ) ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں۔ اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی۔ یہی وہ گروہ ہیں ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا (۷)

اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں (ترجمہ) ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بے ہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہے کہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا اور اسی طرح کافروں کے بارے میں بھی تمہارے پروردگار کی بات پوری ہو چکی ہے کہ وہ اہل دوزخ (میں سے) ہیں۔ (۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

---

(۱) سورۃ انعام آیت ۸۳ تا ۸۹۔
(۲) سورۃ توبہ آیت ۷۰۔
(۳) سورۃ ابراہیم آیت ۹۔
(۴) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۔
(۵) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۷۔
(۶) سورۃ احزاب آیت ۷۔
(۷) سورۃ ص آیت ۱۲-۱۴۔
(۸) سورۃ مومن آیت ۵-۶۔

ترجمہ: ... اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔[۱]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

ترجمہ: ... ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی (بھی) اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعید بھی پورا ہو کر رہا۔[۲]

اور سورۃ الذاریات میں فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: ... اور اس سے پہلے ہم نوح کی قوم کو (ہلاک کر چکے تھے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔[۳]

اور سورۃ نجم میں فرمایا:

ترجمہ: ... اور اس سے پہلے قوم نوح کو بھی (ہلاک کر ڈالا) کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔[۴] اور سورۃ قمر میں ان کا واقعہ گزر چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ... اور ہم نے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً جاری) رکھا تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں سے خارج از اطاعت ہیں۔[۵]

اور سورۃ تحریم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ... خدا نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔[۶]

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ان کے مذکورہ بالا احوال قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں اور یہ تو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانوں کا فاصلہ تھا یعنی دس پشتیں تھیں اور سب اسلام پر تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے اور قرن (زمانے) سے مراد گروہ ہے یا مدت سو سال، بہر حال ان دس زمانوں کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے کہ آخری لوگ بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ (قوم نوح والے) کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر (ان تمام معبودوں میں سے) کسی کو نہ چھوڑنا اور درحقیقت یہ نام ان سے پہلے نیک لوگوں کے نام تھے، جب یہ فوت ہو چکے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کی مجلسوں میں جاؤ اور ان کے پیچھے دوسرے مجسمے بنا کر انہی کے نام سے موسوم کرو انہوں نے ایسا کر دیا لیکن عبادت نہ کی پھر جب یہ لوگ بھی چلے گئے تو ان کے بعد والے آئے اور علم بھی اٹھ چکا تھا پھر یہ اپنے آباؤ اجداد کی یادگاروں کو پوجنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بت بعد میں عرب قوم میں بھی رائج ہو گئے تھے عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن اسحاق کا بھی قول ہے۔

[۷] ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن قیس سے روایت ذکر کرتے ہیں: حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان سب لوگ صالح اور مسلمان

---

(۱) سورۃ شوریٰ آیت ۱۳۔ (۲) سورۃ ق آیت ۱۲-۱۴۔ (۳) سورۃ الذاریات آیت ۴۶۔

(۴) سورۃ نجم آیت ۵۲۔ (۵) سورۃ حدید آیت ۲۶۔ (۶) سورۃ تحریم آیت ۱۰۔

(۷) ابو جعفر بن جریر فی تفسیرہ: حدثنا ابن حمید، حدثنا مہران، عن سفیان، عن موسیٰ، عن محمد بن قیس، قال

گزریں اور ان کے پیروکار بھی ان کی اتباع کرنے والے تھے، پھر جب یہ سب چلے گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا اگر ہم ان کی صورتیں بنالیں تو ان کی یاد میں ہم (اپنے پروردگار حق کی) صحیح عبادت کر سکیں گے تو انھوں نے ان کی شکلیں بنالیں تو جب یہ بھی وفات پا گئے اور دوسرے لوگ آ گئے تو ابلیس نے ان کو وسوسے میں ڈالا اور کہا کہ ہمارے پہلے آباء، جنھوں نے ان کو بنایا وہ بھی انہی کی عبادت کرتے تھے اور انہی سے بارش (اور دوسری چیزیں) طلب کرتے تھے لہٰذا اب ان کی عبادت میں لگ گئے۔

ابن ابی حاتم، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ (اللہ کے فرمان میں ان کے معبودوں کے جو نام ہیں) ود، یغوث، یعوق، سواع، نسر یہ سب حضرت آدم کی اولاد ہیں، اور ان سب میں سے بڑا اور نیک صالح ود تھا۔

(۱) حضرت ابوجعفر باقر نماز پڑھ رہے تھے آپ کے گرد کچھ لوگ جمع تھے انھوں نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا تو جب حضرت ابوجعفر باقر نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا تم نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑا، بہر حال وہ ایسی زمین میں قتل ہوا ہے، جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کی گئی، وہ غیر اللہ ود تھا (جس کا سورۂ نوح میں ذکر آیا) جو بہت نیک صالح مرد تھا، اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ اس کی قبر کے ارد گرد جھک پڑے اور قبر کی زمین وہ بابل کے شہر میں تھی، تو انھوں نے اس کی قبر پر گریہ وزاری میں ماتم برپا کر دیا، ابلیس لعین نے جب ان کے اس قدر غم و فکر کو دیکھا تو ایک انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اس مرد پر بہت آہ و زاری میں مصروف ہو تو کیا میں تمہارے لئے اس مرد صالح کی صورت نہ بنا دوں؟ جس کو تم اپنی مجلس گاہ میں سجا کر رکھو، اور دیکھ دیکھ کر اس کی یاد میں اپنے کو تسکین دو، سب نے کہا کیوں نہیں؟ تو شیطان لعین نے اس کی صورت بنادی تو لوگوں نے اس کو اپنی مجلس گاہ میں رکھ دیا، اور برابر اس کا ذکر چھیڑے رکھتے، تو شیطان نے (ترقی کرتے ہوئے) جب دیکھا کہ یہ ان کی یاد و ذکر میں بہت ہی منہمک ہیں تو ان سب کو کہا کیا میں تم سب کے لئے ایک ایک اس کی شکل نہ بنادوں تم سب اپنے اپنے گھر رکھ لینا تو سب نے کہا ٹھیک ہے تو شیطان نے سب کو ایک ایک شکل بنادی تو گھروں میں ان کا ذکر و یاد رہتی جب ان کی اولاد ہوئی اور انھوں نے اپنے آباء کو دیکھا، اور آباء نے بھی ان کو وصیت کی کہ ہمارے بعد اس کا ذکر یاد رکھنا تو جب آباء چلے گئے تو ان کی اولاد نے اس کو اپنا معبود بنالیا تو اس طرح سب سے پہلے یہ غیر اللہ دنیا میں معبود غیر حق بنایا گیا جس کا نام ود تھا، جس نے خود اپنے کو اللہ کا ادنیٰ بندہ غلام بنا کر رکھا تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام بتوں کی ابتدا، جن کو بھی لوگوں نے پوجا ان سب کی ابتدا اسی بت سے پڑی، اور مذکور ہے کہ جب اس شکل کو کافی عرصہ گزر گیا تو اس کے پجاریوں نے اس کو ایک مجسمے کی شکل میں بنالیا پہلے تو صرف صورت تھی، اس طرح ان کا معبود پہلے سے مضبوط و ثابت ہو گیا، اور اس کے علاوہ دوسرے بت جن کا قرآن میں اسی کے نام کے ساتھ ذکر ہے (تو ان دوسرے تمام بتوں کی ابتدا) اسی سے پڑی، پھر جب کچھ عرصہ بیت گیا تو ان کے پجاریوں نے ان بتوں، اپنے معبودوں کو مزید ترقی دی، اس طرح سے کہ پہلے تو یہ محض صورتیں تھے اب ان کے باقاعدے مجسمے بناڈالے تا کہ یہ مضبوط و ثابت ہو جائیں اور اب تک تو ان کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت ہو رہی تھی، پھر نعوذ باللہ، اللہ کی عبادت کو بالکل ترک کر کے ان پر مرمٹے اور بتوں کی عبادت میں ان کے پجاریوں کے بہت سے مسلک ہیں، جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور اللہ ہی کے لئے اس پر تمام تعریفیں اور احسان ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جو انھوں نے حبشہ کی زمین میں دیکھا تھا، جس کو ماریہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور دونوں ام المومنین نے اس کے حسن اور اس کے اندر لگی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا، تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ایسے تھے جب ان میں سے کوئی نیک صالح شخص وفات کر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر ایک مسجد (سجدہ گاہ) بنالیتے، پھر اس شخص کی صورت بنا کر اس میں رکھ لیتے یہ لوگ اللہ عز وجل کے نزدیک بدترین مخلوق تھے۔

تو پہلے رسول جو ارض دنیا کی طرف بھیجے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے۔ (۲)

---

(۱) قال ابن ابی حاتم: حدثنا احمد بن منصور، حدثنا الحسن بن موسی، حدثنا یعقوب عن ابی المطهر، قال ذکروا عند ابی جعفر، هو الباقر، وهو قائم یصلی یزید بن المهلب قال فلما انفتل من صلاته ...... الخ

(۲) من حدیث ابی حیان، عن ابی زرعة بن عمرو بن جریر، عن ابی هریرة

گذشتہ حدیث کے بارے میں ہے کہ حضرت ابی ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ ابوالبشر (انسانیت کے باپ) ہیں اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا تو کیا آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے ہاں سفارش نہ کریں گے؟ کیا آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت سے دوچار ہیں اور کیا تکلیف ہم کو پہنچ رہی ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے میرا پروردگار آج کے دن سخت غصے میں ہے اتنے غصے میں نہ پہلے کبھی ہوئے اور نہ کبھی بعد میں ہوں گے اور میرے پروردگار نے مجھے اس درخت سے منع فرمایا تو لیکن مجھ سے نافرمانی ہوگئی (ہائے) میری جان (ہائے) میری جان تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ تم جاؤ نوح کے پاس۔

پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول تھے۔ اللہ نے آپ کو عبداً شکوراً "شکر گزار بندے" کا لقب عطا فرمایا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس قدر ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کیا آپ اپنے پروردگار کے ہاں ہماری سفارش نہ کریں گے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے؟ آج کے دن میرا پروردگار سخت غضب میں ہے اتنے غضب میں نہ پہلے کبھی آئے اور نہ بعد میں کبھی ہوں گے، میرا نفس، میرا نفس، آگے پوری حدیث طویل ذکر ہے جیسے کہ امام بخاری نے حضرت نوح کے قصے میں اس کو روایت کیا ہے۔

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ یہ پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے تمام حضرات حضرت آدم و شیث و ادریس علیہم السلام سب نبی و پیغمبر تھے۔

بہرحال جب اللہ عزوجل نے حضرت نوح کو بھیجا یعنی رسالت عطا فرمائی تو آپ نے اپنی قوم کو خالص اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے بلایا اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی صنم (بت) کسی شکل یا کسی شیطان کو نہ ملاؤ اور اس ایک ذات کی وحدانیت کا اعتراف کرو اور اسی ذات کو تسلیم کرو کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی طرح دوسرے پیغمبروں نے بھی توحید ہی کی دعوت دی اور بقیہ تمام پیغمبر و رسل نوح کی ہی آل اولاد ہیں جیسے قرآن میں ہے اور ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو باقی رہنے والوں میں کر دیا۔ اور دوسری جگہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے اور ہم نے ان دونوں (نوح و ابراہیم) کی اولاد میں نبوت کو باقی چھوڑا۔ یعنی حضرت نوح کے بعد کے تمام انبیاء و رسل سب انہی کی اولاد سے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے اور خود بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان کے بعد کے تمام انبیاء و رسل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں اور ان کے واسطے سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

تمام انبیاء کو توحید کی دعوت کے لئے کہا گیا

قرآن کریم میں ہے: ...... اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی (خالص) عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔ اور قرآن میں ہے اور (اے محمد) جو اپنے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں ان کے حال دریافت کر لو کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا اور معبود بنائے تھے؟ کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور فرمایا اور (اے پیغمبر) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو۔ اور اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کہا اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے اور یہ ایک جگہ ہے کہ تم نے کہا خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر تکلیف دینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور نوح نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں ہو۔ اور ایک جگہ ہے حضرت نوح نے فرمایا اے قوم میں بے شک تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ [1]

قرآن آخری جگہوں میں اللہ نے حضرت نوح کا اپنی قوم کو دعوت کو ذکر فرمایا جو توحید اور خالص عبادت الٰہی پر مبنی تھی خصوصاً سورۃ نوح میں

---

(۱) نوح: ۲۔۳ ؎ اعراف: ۶۰ - ۶۲

ذکر ہے کہ کس طرح انھوں نے اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے سمجھایا اور دن رات ایک کر کے سمجھایا، خفیہ سمجھایا، ظاہر سمجھایا، کبھی رغبت کے ساتھ سمجھایا، کبھی وعید کے ساتھ سمجھایا، لیکن افسوس کہ قوم کی بدبختی کہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئی اور یہ عظیم اکثریت انھیں کا انکار کرتے ہوئے الٹا لوگ حضرت نوح سے دشمنی پر اتر آئے اور اپنی دشمنی ہر وقت دہراتے جاری رکھی اور اپنی سرکشی، عداوت گمراہی میں دھنستے چلے گئے اور بتوں کی عبادت میں اور زیادہ سے زیادہ لگ گئے اور ان کے مقابلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی ذات پر بجائے ایمان لانے کے ان پر عیب لگائے اور ان پر ایمان لانے والوں کو حقیر اور رذیل کہا اور ان سب مومنوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیں اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں بلکہ قتل کا ارادہ کیا اور طرح طرح سے ستایا قرآن میں ہے آپ کی قوم کے سرداروں (سردار اور بڑے لوگوں کی) جماعت نے کہا بلاشبہ ہم تم کو (اے نوح) کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (نوح علیہ السلام نے) کہا اے قوم میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول (قاصد) ہوں (یعنی جیسا تمہارا خیال ہے کہ میں گمراہ ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو سیدھے راستے پر ہوں اور رب العالمین کا قاصد ہوں) میں تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغامات اور میں تمہارے لئے خیرخواہ ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۱)

اور یہ رسول کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے علم کا حامل ہوتا ہے اور نہایت صاف، فصیح بلیغ، خیر خواہ گفتگو کرتا ہے۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کے بارے میں وہ کافر کہتے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری اتباع (پیروی) کی ہو (کسی نے) سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا اور کم درجے والے ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضل نہیں دیکھتے بلکہ ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ (۲)

ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے (۳) اور پھر انھوں نے آپ کے پیروکاروں پر طرح طرح کے عیب لگائے اور انھیں اپنے سے گھٹیا پست اور جاہل مخلوق سمجھا اور کہا گیا ہے کہ وہ ادنیٰ درجہ کے لوگ تھے جو بلا سوچے سمجھے ساتھ ہو لینے والے تھے۔

اور کمزور لوگوں کے ایمان لانے کا قاعدہ ہے ہرقل کے دربار میں بھی جب کسی نے اسلام کے بارے میں کہا کہ حضور کے پیروکار ضعیف و کمزور لوگ ہیں تو ہرقل بادشاہ نے کہا ہاں رسولوں کے پیروکار ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان کو کوئی مانع نہیں ہوتا، کہ وہ اسلام لے آئیں۔ (بخلاف امیر اور شرفاء کے ان کو اپنی عزت اور اموال کے ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے)

اور کفار نے جو کہا کہ حضرت نوح کے متبعین بغیر سوچے سمجھے ساتھ دینے والے ہیں یہ ان کی مراد تھی کہ انھوں نے حق کی دعوت پر لبیک کہنے میں کوئی غور و فکر نہ کیا۔ جبکہ یہ چیز جو انھوں نے عیب کی بنا پر کہی وہ قابل تعریف کے لائق صفت ہے کیونکہ حق تو ظاہر ہوتا ہے کسی غور و فکر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ جیسے ہی وہ ظاہر ہوتا ہے اس کی اتباع اور پیروی واجب ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرماتے ہیں، فرمایا میں نے جس کو بھی اسلام کی طرف بلایا (کچھ نہ کچھ اس نے) ایک مرتبہ تو سوچا ہے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انھوں نے (ذرہ برابر بھی) تاخیر نہ کی، اسی وجہ سے جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کا ذکر چھڑا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے لئے سامنے آئے (لوگوں نے) فوراً بڑی تیزی سے بیعت کے لئے لبیک کی اور کوئی سوچ بچار و غور نہ کی۔

اس لئے کہ ان کی افضلیت و شرافت باقی تمام لوگوں پر روز روشن کی طرح عیاں تھی، اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے جب ارادہ فرمایا کہ صراحت کے ساتھ خلافت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام تحریر فرما دیں تو پھر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اللہ اور مومنین بھی انکار کریں گے سوائے حضرت ابوبکر کے (اس لئے لکھنے کی کیا ضرورت ہے) اور حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم کا حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کو کہنا کہ ہم تم کو اپنے پر کوئی فضیلت والا نہیں پاتے، اس سے ان کی مراد تھی کہ جب تم ایمان کے ساتھ موصوف ہو چکے تو پھر بھی ہم اپنے پر تمہاری کوئی فضیلت و بڑائی نہیں دیکھتے اور کوئی بڑی چیز ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ قرآن میں ہے:

پس حضرت نوح کی قوم کے کافروں کی جماعت نے کہا ہم تم کو صرف اپنے جیسا ایک انسان ہی دیکھتے ہیں اور ہم آپ کو نہیں دیکھتے کہ آپ کی اتباع کی ہو سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں گھٹیا لوگ ہیں بلا سوچے سمجھے اور ہم تمہارے لئے اپنے پر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تم کو

---

(۱) اعراف ۶۰۔ (۲) ہود ۲۷۔ (۳) آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول کے انسان ہونے پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔

مجھ کو خیال کرتے ہیں (حضرت نوح نے) کہا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو جس سے تم کو اندھا کر دیا گیا ہو تو کیا ہم تم کو چمٹا دیں (ہدایت) پر اور جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟ (ایسا نہیں ہو سکتا)۔[1]

تو اس طرح ان سے نرمی و لطف کے ساتھ خطاب کیا اور دعوت حق میں نرمی کی یہ کام ایسا ہے جیسا کہ اللہ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے لئے حکم دیا قرآن میں ہے (اے موسیٰ و ہارون) اس کو نرم بات کہو شاید وہ نصیحت حاصل کر لے یا (اللہ سے) ڈر جائے۔[2]

اور قرآن میں حضور کو بھی اسی طرح حکم ہوا (اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھے (طریقے سے) نصیحت سے اور ان سے گفتگو اس طریقے سے کیجئے جو اچھا ہے۔[3]

(ان آیات سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کو کس طرح نرمی و محبت سے وعظ و نصیحت کا حکم ہوا)۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو یہ فرمایا تھا: کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور رب نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو (تو کیا پھر بھی تم انکار کرو گے؟) تو اس سے مراد ہے یعنی رب نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے۔ آگے قرآن میں جس سے تم اندھے کر دیئے گئے ہو یعنی تم اس نبوت کو دیکھ نہیں سکے اور تم نے اس کی طرف ہدایت نہیں حاصل کی۔ آگے فرمان ہے:

تو پھر کیا ہم یہ ہدایت تمہیں چمٹا دیں حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو یعنی ہم جبراً تم کو ہدایت دے دیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ آگے فرمان ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے کہا) کہ اے قوم میں تم سے اس پر کوئی بدلہ یا مال نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔[4]

یعنی میں اس وعظ و نصیحت پر تم سے کوئی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور یہ وعظ و نصیحت جبکہ تمہارے لئے بہت مفید ہے۔

آگے حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں ان کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں ہوں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ کافروں اور سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ تم ان گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو پھر ہم آپ کی بات سنیں گے تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو یہ جواب مرحمت فرمایا اسی طرح قریش کے متکبر کفار نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اپنے پاس سے گرے پڑے ہوئے لوگوں کو دور کر دو جیسے حضرت عمار، صہیب، بلال، خباب رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ تو آپ ﷺ نے یہ بات نہ مانی کیونکہ اس پر اللہ عزوجل کی غیرت جوش میں آگئی اور فوراً اس سے منع فرمایا اور یہاں تک منع فرمایا کہ آپ مومنین سے اپنی آنکھوں کو بھی نہ پھیریں یعنی ہر وقت مومنین کی طرف متوجہ رہیں۔ جیسے سورۃ انعام اور سورۃ کہف میں بیان کیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اور میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور (نہ یہ کہتا کہ) میں غیب کا علم جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

یعنی بلکہ میں اللہ کا بندہ انسان اور رسول ہوں اور مجھے اتنا ہی علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا اور میں صرف اتنی قدرت رکھتا ہوں جتنی اللہ نے مجھے قدرت دی ہے اور میں اپنی جان ہی کا مالک ہوں اس کو نفع دینے میں یا نقصان سے بچنے میں مگر جو اللہ چاہے۔ آگے فرمایا اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں (یعنی مومنین) ان کو میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں بھلائی نہ دے گا اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے (پس اگر میں ان کو ان کی بدبختی کی کوئی بات کہوں جیسے تم کہہ رہے ہو) تو پھر میں ظالمین میں سے ہو جاؤں گا۔[5] یعنی میں ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں ان کے لئے کوئی بھلائی نہ ہوگی اس بات کا تو علم اللہ ہی جانتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی اور جو کچھ ہے اللہ ان کو اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا اگر بھلائی ہوگی تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برائی ہوگی تو برا بدلہ ہوگا۔

اسی طرح دوسری جگہ حضرت نوح علیہ السلام و ملت کی قوم کی آپس میں ہم کلامی ہوئی قرآن میں ہے:

(کافروں نے) کہا کیا ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کی اتباع گھٹیا لوگوں نے کی ہے (حضرت نوح علیہ السلام نے) فرمایا مجھے اس کا کوئی علم نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (جس پر تم ان کو گھٹیا کہتے ہو) اگر تمہیں شعور ہو (جان لو کہ) ان کا حساب میرے پروردگار کے ذمہ ہے اور میں نہ

---

(۱) ہود: ۲۸ (۲) طٰہٰ: ۴۴ (۳) النحل: ۱۲۵ (۴) ہود: ۲۹ (۵) ہود: ۳۱

(ان) مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو صرف کھول کر ڈرانے والا ہوں(۱) الغرض ان کے اور ان کی قوم کے درمیان اسی طرح سے تکرار، جھگڑا چلتا رہا جیسے قرآن نے کہا ہے حضرت نوح علیہ السلام ان میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے مگر ان کا ساتھ دینے والے بہت تھوڑے لوگ تھے۔(۲)

اور اس طویل ترین مدت میں جو کئی صدیوں پر مشتمل ہے گنے چنے افراد کے سوا کوئی اسلام نہ لایا، کافر قوم اس قدر ہٹ دھرمی پر مصر تھے کہ جب وہ انتقال کرنے لگتے تو اپنی آل اولاد کو وصیت کر جاتے کہ نوح (علیہ السلام) پر ایمان ہرگز نہ لانا، بلکہ ان کی مخالفت اور ان کے ساتھ لڑائی جاری رکھنا، اور ہر ایک فرد اپنی اولاد کو جب کہ وہ شعور کی منزل کو پہنچ جاتی تو والد اس کو نصیحت و تفہیم کرتے کہ نوح علیہ السلام پر ایمان ہرگز نہ لانا اور جب تک زندہ رہو اس نصیحت پر عمل پیرا رہنا۔

اور ان کی طبیعتیں ایمان کا انکار کرتی رہیں، اور قبول حق سے روگردانی کرتی رہیں اسی وجہ سے فرمایا قرآن میں اور وہ نہ جنم دیں گے مگر فاجر، کافروں کو۔(۳)

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ تک کہا قرآن میں ہے (اور انہوں نے) کہا اے نوح آپ نے ہم سے جھگڑا مول لے لیا ہے اور ہم سے جھگڑا بہت زیادہ طول کر دیا ہے پس جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو (یعنی عذاب) وہ لے آئیے اگر آپ سچے ہیں فرمایا (نوح نے) اللہ ہی تم پر اس کو لائے گا اگر چاہے (ضرور لائے گا) اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔(۴)

یعنی اللہ عزوجل اس عذاب بھیجنے پر قادر ہے جو خوب قدرت مطلق ہے اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اس کو کسی کی پرواہ ہے۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہہ دے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور تم کو میرا نصیحت کرنا کچھ نفع نہ دے گا اگر میں تمہارے لئے خیر خواہی کا ارادہ بھی کروں اور اللہ تمہارے ساتھ بہکانے کا ارادہ فرمائے (تو میری نصیحت کچھ سود مند نہیں) وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے(۵) یعنی اگر اللہ کسی کے ساتھ ہدایت کا ارادہ نہ فرمائیں تو کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا وہی ہے جو چاہے جس کو ہدایت دے جو چاہے گمراہ کر دے اور وہ جو چاہے کرنے والا ہے اور زبردست حکمت والا ہے خوب جاننے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا مستحق ہے اور اللہ کی حکمت بہت عمدہ اور کامل ہے اور اس کی حجت بہت بلند ہے۔

فرمایا: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر جو لوگ جو ایمان لا چکے ہیں۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے ان کافروں کی تکالیف سے کہ اب ان کی پرواہ نہ کریں کہ وہ ایمان لائیں گے، جو ایمان لا چکے ہیں بس انہی پر اکتفا کریں اور فرمایا: لہذا جو وہ عمل کر رہے ہیں آپ اس سے غمگین نہ ہوں۔(۶)

یہ حضرت نوح علیہ السلام کو تعزیت و تسلی ہے کہ آپ ہرگز فکر نہ کریں جو ایمان لا چکے سو اب ان کی تکالیف کی پرواہ نہ کریں، کیونکہ مدد و نصرت قریب ہے اور اس میں بڑی عجیب خبر ہے اور وہ یہ ہے فرمایا اور ایک کشتی بنائیے ہمارے حکم سے ہماری نگہبانی میں اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے بات نہ کیجئے گا یہ لوگ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔(۷)

اور یہ کشتی کا حکم اور ان پر عذاب کی تیاری جب ہوئی، جب حضرت نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کا معاملہ سے مایوس ہو گئے اور دیکھ لیا کہ ان میں کوئی بھلائی کا ذرہ تک نہیں، اور وہ ان کی جہالت، اذیت، تکذیب (جھٹلانے) یعنی ہر طرح سے ان کو تنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے عالم مایوسی میں بارگاہ خداوندی میں ان کے خلاف فریاد رسی چاہی اور اللہ کے غضب کا ان پر بددعا کی تو اللہ نے بھی اپنے مظلوم معصوم بندے کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کی طلب کو قبول کیا اللہ نے فرمایا اور ہم کو (بے بسی، بے چارگی اور مصیبت کے عالم میں) نوح نے پکارا، سو (دیکھو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں، اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور فرمایا: (نوح علیہ السلام نے) کہا اے پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا اس لئے تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ فرما دے اور مجھے اور جو مومن میرے

---

(۱) الشعراء ۱۱۱ تا ۱۱۵۔ (۲) العنکبوت ۱۴ (۳) سورۂ نوح آیت ۲۷ (۴) ھود ۳۲-۳۳۔

(۵) ھود ۳۴۔ (۶) ھود ۳۶ (۷) ھود ۳۷۔

ساتھ ہیں ان کو نجات عطا فرمادے۔ اور فرمایا: پھر (نوح علیہ السلام نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں لہٰذا میری مدد فرمائیے۔ اور فرمایا: (نوح نے) عرض کیا اے پروردگار میری مدد کیجئے اس سے جو وہ مجھے جھٹلا رہے ہیں۔

تو ان تمام جگہوں میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کس بے بسی کے عالم میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کی، جو قبول ہوئی اللہ نے فرمایا: ان کی خطاؤں کی وجہ سے وہ غرق کر دیئے گئے، پھر جہنم میں داخل کر دیئے گئے، پس انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو (اپنے معبودوں کو) مددگار نہ پایا۔ اور نوح نے کہا: پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ رہنے دیجئے، اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنیں گے مگر فاسق کافر اولاد کو۔

اس طرح ان کے کفر و فسق کی نحوستیں ان کے نبی کی بددعا سے ان پر ٹوٹ پڑیں، اور اس وقت اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ایک کشتی بنائیں، اور وہ کشتی ایسی عظیم اور بڑی ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی نہ بنائی گئی ہو۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے فرمادیا کہ جب اللہ کا عذاب آجائے اور وہ کافروں نافرمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو پھر وہ ان کو کسی صورت سے چھوڑا نہ جائے گا لہٰذا آپ پھر کبھی ان کی خاطر آکر عذاب سے ان کے لئے پناہ نہ مانگیں اور ان کی نجات سے رجوع کریں تو ایسا نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ شاید ہو سکتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم پر عذاب کے وقت نرمی و رحم آجائے، اس لئے کہ خبر اور اطلاع خود مشاہدہ جیسی تو نہیں ہوتی تو پروردگار نے یہ فرمایا۔

اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجئے گا بے شک وہ غرق کئے جائیں گے تو حضرت نوح علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق کشتی بنانے میں مصروف ہو گئے، اور جب بھی کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، کیونکہ وہ عذاب کے آنے کو ناممکن اور بعید سمجھتے تھے (اور کہتے تھے کہ یہاں تو پانی ہے نہیں، پھر یہ کشتی چلائے گا کہاں) تو پروردگار نے بھی فرمایا: اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم سے مذاق کریں گے جیسے تم کرتے ہو (یعنی اس کا بدلہ دیں گے)[1] اور اس وقت بھی ہم تم سے مذاق کرتے ہیں اور تم پر تعجب کرتے ہیں کہ کیسے تم اپنے کفر و فسق پر اسی سرکشی کے ساتھ قائم ہو، جس کا بدلہ تم کو ابھی ابھی اسی طرح ملنے والا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: تو عنقریب تم جان لو گے کہ کس شخص کے پاس بھی عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل کر کے رکھ دے گا اور اس پر دائمی عذاب آ پڑے گا۔[2]

ان لوگوں کا کفر اور الحاد و اعتقاد ایسی خصلت تھی جو دنیا میں جاری رہتی نظر آ گئی تھی، وہ اسی طرح روز قیامت بھی سرے سے ہی انکار کریں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا تھا جیسے بخاری شریف میں ہے۔[3] حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو حاضر کیا جائے گا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوح سے پوچھیں گے کیا آپ نے اپنی رسالت کو پہنچایا تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ ہاں اے پروردگار، پھر اللہ پاک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پوچھیں گے کہ کیا اس نے تم تک دعوت پہنچا دی تھی؟ وہ کہیں گے نہیں، ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، پھر اللہ عزوجل حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے کون آپ کی گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے محمد اور آپ کی امت (حضور ﷺ نے فرمایا پھر ہم گواہی دیں گے کہ بے شک انہوں نے اپنی امت کو دعوت پہنچا دی تھی۔ اور اسی پر قرآنی آیت کا بھی مطلب ہے فرمایا: اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم (قیامت کے دن) لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ بن جائیں گے۔[4]

اور آیت میں "وسطاً" سے مراد ہے عادل بہترین امت (یعنی مرتدوں کی جماعت) اس امت محمدیہ کے حق میں قیامت کے روز گواہی دے گی، جو بالکل سچی اور حق ہے ہمارا امت محمدیہ کی گواہی دے گی کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو سچے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اور ان پر دین حق جاری کیا، اور آپ کی دعوت کا حکم فرمایا، اور انہوں نے بھی ہر ممکن طریقے سے مکمل پوری طرح سے اس دعوت کے فریضے کو کما حقہ ادا کر دیا ہے اور کوئی دقیقہ کسر نہیں چھوڑی، ہر جہات کی ان کے دین کے اعتبار سے نفع مند ہو سکتی تھی پہنچا دی، پھر اس کو ان کو خبردار کیا اور جہالت

---

(۱) ہود ۳۸۔ (۲) ہود ۳۹۔ [3] کما قال البخاری حدثنا موسیٰ بن اسماعیل، حدثنا عبد الواحد بن زیاد حدثنا الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی سعید الخ (۴) سورۃ البقرۃ ۱۴۳

بھی ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، اس سے ان کو منع کیا۔ ڈرایا اور اسی طرح تمام رسولوں کا معاملہ ہے یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال تک کے فتنے کے نکلنے سے ڈرایا آپ سے پہلے کی خبر دینا بڑی بات اگرچہ ان کے زمانے میں اس کا نکلنا بھی متوقع نہیں تھا، پھر بھی ان پر شفقت کرتے ہوئے ایمان پر رحم کھاتے ہوئے اطلاع دی۔ جیسے بخاری شریف میں ہے۔(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف کی جیسے کہ اس کا حق ہے، پھر دجال کا ذکر فرمایا۔ فرمایا میں تم (سب) کو اس سے ڈراتا ہوں، اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس نے اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا ہے نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا لیکن میں اس کے بارے میں ایک ایسی بات تم کو بتاتا ہوں، جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ دجال کانا ہو گا (اور خدائی کا دعویٰ کرے گا) اور یقیناً اللہ کانا نہیں ہے۔ ایک اور روایت(۲) جو کہ مسلم میں اسی طرح کی نقل ہے حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خبردار کیا میں تم کو دجال کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں۔ جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہو گا اور اپنے ساتھ وہ جنت اور جہنم جیسی چیز لائے گا اور وہ جس کو جنت کہے گا وہ درحقیقت ایک جہنم ہو گی اور میں تم کو ڈراتا ہوں جس طرح نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔(۳)

یہ کچھ تفصیلی حوالوں کی اس بات پر ذکر کی گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب کچھ بتا دیا تھا لیکن آخرت میں پھر بھی وہ دنیا کی طرح ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے گی اور انکار کرے گی)۔

تو بہر حال جب حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا قبول ہو گئی اور حکم خداوندی آ گیا کہ کشتی بناؤ تو بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی حکم فرمایا کہ کوئی درخت اگاؤ۔ جس سے کشتی بنائی جائے گی، تو حضرت نوح علیہ السلام نے وہ درخت اگایا اور سو سال تک اس کا انتظار کیا پھر اس کو کاٹ کر چھیلا اور سکھایا۔ اس میں بھی ایک قول کے مطابق سو سال اور دوسرے قول کے مطابق چالیس سال کا عرصہ لگا۔ واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ لکڑی ساگوان کی لکڑی تھی اور دوسرے قول کے مطابق وہ لکڑی صنوبر درخت کی تھی اور یہ دوسرا قول تورات کے موافق ہے۔ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت نوح کو حکم ملا تھا کہ اس کی لمبائی اسی گز ہو اور کشتی کے تختوں اور بیرونی حصوں پر تارکول (ڈامر) اچھی طرح ملا جائے اور اس کے سامنے کا حصہ پرندے کی طرح ہو تا کہ وہ پانی کو چیر سکے۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کشتی کی لمبائی تین سو گز تھی اور چوڑائی پچاس گز تھی اور یہ تورات میں ہے میرے دیکھنے کے مطابق۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ کشتی کی لمبائی چھ سو گز تھی اور چوڑائی تین سو گز اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کی لمبائی بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو گز تھی اور ایک قول ہے کہ لمبائی دو ہزار گز تھی اور چوڑائی سو گز تھی۔

(اور یہ اختلاف لمبائی اور چوڑائی میں تو ہے) لیکن اونچائی میں سب فرماتے ہیں کہ وہ تیس گز اونچائی کی تھی اور اس میں تین منزلیں تھیں ہر منزل دس گز کی، سب سے پہلی منزل چوپایوں اور وحشی جانوروں کے لیے تھی، درمیانی انسانوں کے لیے تھی، اور سب سے اوپر کی پرندوں کے لیے اور دروازہ چوڑائی میں تھا اور اس کے اوپر ایک ڈھکن تھا جس سے وہ بند کی جاتی تھی۔(۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (حضرت نوح نے) کہا پروردگار میری مدد کیجیے اس سے کہ وہ مجھے جھٹلاتے ہیں۔ اور فرمایا: مومنین سب کے سب کامیاب ہو گئے۔

مراد یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے ہم سے مدد مانگی تھی ہم نے ان کی مدد کی جس سے وہ کامیاب ہو گئے اس طرح سے کہ ہم نے ان کو نجات پانے کے رستے کا حکم دیا کہ کشتی بناؤ اور ہم اس کی نگہبانی کریں گے اور ہمارے سامنے یہ کام سرانجام ہو گا کہ ہم آپ کی صحیح طریقے سے رہنمائی کریں (اور

---

(۱) قال البخاری: حدثنا عبدان، حدثنا عبداللہ، عن یونس، عن الزہری، قال سالم، قال ابن عمر

(۲) وهذا الحديث في الصحيحين ايضا من حديث شيبان بن عبدالرحمن عن يحيى بن ابي كثير عن ابي سلمة بن عبدالرحمن، عن ابي هريرة الخ.

(۳) بلفظ البخاری.

(۴) گویا آج کل کے زمانے کے مطابق وہ تین منزلہ بحری جہاز تھی اللہ نے حضرت نوح کو حکم فرمایا تھا کہ [illegible] پانی آ جائے۔

ان کے ساتھ رہے تو تم اس طوفان سے بچ جاؤ گے۔

فرمایا کہ جب ہمارا عذاب آجائے اور تنور ابل پڑے تو کشتی میں سوار ہو جاؤ اور ساتھ لے لے ہر چیز سے دو دو (یعنی نر و مادہ) جوڑا اٹھا لو اور ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی مگر جس کے بارے میں (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے گزر چکا ہے ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عذاب کے نازل ہونے سے پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کو فرما دیا کہ جب عذاب آجائے تو تم اپنے ساتھ کشتی میں ہر چیز کا ایک ایک جوڑا یعنی ہر جاندار سے ایک جوڑا ساتھ لے لینا اور تمام قسم کے کھانے پینے کی بھی ساتھ رکھ لینا تاکہ ان کی قسم و نسل باقی رہے اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ رکھنا سوائے ان کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ نازل ہو چکا ہے یعنی کافر اگرچہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ہو ان کے بارے میں آپ کی بات نہیں مانی جائے گی اور ہر کافر پر عذاب اترنا ضروری ہے اور اس سے وہ نہیں بچ سکتے اور پھر تاکید کے ساتھ حکم بھی فرما دیا کہ مجھ سے کافروں ظالموں کے متعلق گفتگو بھی نہ کرنا ان پر اس ذات کا عذاب اترے گا جو جو چاہے کرے۔

تنور سے کیا مراد ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک تو اس سے روئے زمین ہی مراد ہے یعنی مطلب ہوگا کہ زمین کی تمام اطراف سے پانی چشمے کی طرح پھوٹنے لگا حتیٰ کہ تنور جو کہ آگ کا چشمہ ہے وہ بھی پانی پھینکنے لگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تنور ہند میں ایک چشمہ ہے وہ مراد ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کوفہ میں ایک چشمہ ہے اور قتادہ سے مروی ہے کہ جزیرہ میں ایک چشمہ ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد ہے صبح کی پو پھٹنا اور صبح کا روشن ہونا تو مطلب یہ ہوگا کہ اے نوح جب صبح روشن ہو جائے تو تم کشتی میں سواری کی تیاری شروع کر دینا۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

اور جو اللہ کا فرمان ہے

یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب آ گیا اور تنور ابل پڑا تو ہم نے (نوح کو) کہا: اس میں سوار کرا لے ہر قسم (کے جانوروں کے) جوڑے دو دو اور اپنے گھر والوں کو مگر جن کے بارے میں (عذاب کی) بات پہلے گزر چکی ہے (ان کو سوار نہ کرانا) اور مومنوں کو بھی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔ پہلا حکم عذاب کے نزول سے پہلے تھا اور یہ حکم عذاب اترنے کے وقت ابتداء میں تھا کہ کشتی میں ہر قسم کے جوڑے سوار کر لو۔

اہل کتاب کی کتاب میں یوں ذکر ہے کہ جو جانور کھائے جاتے ہیں یعنی حلال ان کے سات سات جوڑے سوار کرو اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا ایک ایک جوڑا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے منافی ہوگی، جو اللہ نے فرمایا "اثنین" اور یہ منافی تب ہوگی جب ہم اثنین یعنی دو کو مفعول مانیں لیکن اگر اثنین کو زوجین کی تاکید مانیں اور مفعول بہ محذوف مانیں تو کوئی اختلاف نہیں واللہ اعلم۔ بعض نے ذکر کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ کشتی میں سب سے پہلے پرندے سوار کئے گئے اور حیوانات میں سے سب سے آخر میں گدھا داخل ہوا اور ابلیس بھی گدھے کی دم کے ساتھ لٹک کر اندر داخل ہوا۔

اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ (۱) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب نوح علیہ السلام نے کشتی میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا سوار کر لیا تو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم اپنے ساتھ تو شیر بھی لے جا رہے ہیں اور دوسرے جانور کیسے اس سے بچ سکیں گے؟ تو اللہ عزوجل نے شیر کو بخار میں مبتلا کر دیا (جس سے اس کی اکڑ فوں کم ہو گئی) اور یہ زمین پر پہلی مرتبہ بخار اترا تھا۔ پھر نوح علیہ السلام کے ساتھیوں نے چوہے کی شکایت کی اور کہا کہ یہ ہمارے ساز و سامان اور دوسرے کھانے پینے کی اشیاء خراب کر رہا ہے تو اللہ عزوجل نے شیر کے دل میں خیال ڈالا تو اس نے چھینک ماری جس سے ایک بلی نکل آئی اور چوہا اس کی وجہ سے چھپ گیا۔ یہ حدیث مرسل ہے (یعنی یہ خبر ظاہر میں بھی اجنبی معلوم ہوتی ہے اور یہ نبوت کا کلام نہیں ہو سکتا اور پتہ نہیں کہ حضرت ابن ابی حاتم جو صاحب نقل حدیث بھی ہیں انہوں نے اس کو کیسے حکایت کر دیا اور حضرت مصنف نے بھی اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی۔

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم، حدثنا ابی حدثنا عبد اللہ بن صالح، حدثنی اللیث، حدثنی ہشام بن سعد عن زید بن اسلم، عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الخ

اور تم نے جو فرمایا مگر جس کی نسبت میرا فیصلہ عذاب کا گزر چکا (اس کے متعلق کوئی دعا نہ کرنا) یعنی کافروں کے بارے میں دعا قبول نہ ہوگی اور انہی میں حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند بیٹا "یام" بھی تھا جو غرق ہوگیا۔

اور اللہ نے فرمایا (سوار کرلو) ان کو جو ایمان لے آئے یعنی آپ کی امت کے جو افراد بھی ایمان سے سرفراز ہوگئے اور وہ بہت ہی تھوڑے سے تھے۔ فرمایا اور ان کے ساتھ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے سے افراد۔ (1) اور یہ تھوڑے سے افراد بھی جب ایمان لائے جب بہت طویل مدت تک ان میں ایمان کی محنت کی اور ان کو دن رات دعوت دی مختلف مختلف طریقوں سے گفتگو فرمائی کبھی عذاب و وعید سے ڈرایا کبھی ترغیب اور بشارت سنا کر (غرض ہر طرح سے ان کو سمجھایا) نوسو سال تک دعوت دیتے رہے پھر بھی صرف چند افراد ایمان لائے اور وہ کتنے تھے؟ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کتنے سوار ہوئے؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ۸۰ تھے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی (بھی) بھی تھیں اور کعب احبار سے مروی ہے ۷۲ تھے اور ایک قول ہے وہ صرف دس تھے اور ایک قول ہے کہ حضرت نوح اور ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں اور چوتھی یام کی بیوی بھی ساتھ تھی اور یام خود کافروں کے ساتھ رہ گیا۔ یہ آخری قول تو صراحت سے حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں تھا لیکن یہ بات قرآنی آیت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا اہل و عیال کے ساتھ مومنین کو بھی سوار کرلو۔ تو آیت سے معلوم ہوا کہ اہل و عیال کے علاوہ مومنین تھے اور ایک قول یہ ہے کہ کشتی میں سوار سات تھے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں جن کا نام حام، سام، یافث ذکر ہوا ہے اور یام کا نام اہل کتاب نے کنعان رکھا ہے جو کافروں کے ساتھ غرق ہوگیا تھا۔

اور ان سب کی ماں، حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ طوفان سے پہلے وفات کرگئی تھی اور ایک قول ہے وہ غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہوگئی تھی اور ان افراد میں تھی جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا مگر جن کی نسبت میرا فیصلہ عذاب دینے کا ہو چکا ان کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا اور اہل کتاب کے نزدیک وہ کشتی میں سوار تھی تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کافرہ ہوگئی ہو یا اس کو قیامت کے دن تک مہلت دیدی گئی ہو کیونکہ وہاں اس کا فیصلہ ہوگا اب جیسا بھی ہو لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ وہ غرق ہوگئی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے رب! (زمین سے کسی کو) زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ (2)

پھر کشتی میں سوار ہونے کے بارے میں اللہ نے دعا پڑھنے کا حکم فرمایا: جب تم اور تیرے ساتھ ایمان لانے والے کشتی پر بیٹھ (سوار) ہو جاؤ تو کہنا (دعا) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی اور (یہ بھی) دعا پڑھنا پروردگار مجھے بابرکت جگہ میں اتارنا اور تو اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ (3)

تو اللہ نے یہاں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ شکر و تعریف کرو اس بات پر کہ اس نے تمہارے لئے اس کشتی کو مسخر (تابع) کردیا اور اس کے ذریعے نجات عطا فرمائی اور ان کے اور ان کی ظالم قوم کے درمیان فیصلہ فرمایا اور ان کو مخالفین سے حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں اسی طرح ایک جگہ اور فرمایا: اور وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ

"پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس کو تابع کردیا (ورنہ) ہم اس کو بس میں کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

اسی طرح کاموں کی ابتداء میں دعا و بسم اللہ وغیرہ کا حکم ہے تاکہ ہر کام خیر و برکت سے انجام کو پہنچے اور اس کی انتہا بھلائی کے ساتھ ہو، جیسے جب حضور ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے آپ کو فرمایا اور (دعا) کہیے:

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا (4)

---

(1) ھود ۴۰ (2) نوح ۲۶۔ (3) مومنون ۲۸، ۲۹ (4) بنی اسرائیل ۸۰

"اے پروردگار! مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو اور اپنے پاس سے قوت و زور کو میرا مددگار بنائیو"

تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھی اسی طرح [illegible] کی وصیت کی گئی اور فرمایا: سوار ہو جاؤ اس کشتی میں (اس دعا کے ساتھ) بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا ان ربی لغفور رحیم "یعنی اللہ کے نام ہی کے ساتھ اس کا چلنا ہے اور اسی کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا پروردگار بہت مغفرت کرنے والا، مہربان ہے۔" [illegible] ہے۔ اللہ کے نام ہی پر اس کا چلنا ہے اور اس کے ٹھہرنے کا [illegible] اور میرا پروردگار (مومنوں پر) بہت ہی مغفرت و رحم کا معاملہ فرمانے والا ہے [illegible] کہ ان سے [illegible] ان کی ہلاکت میں انتقام لینے والا ہے [illegible] سے [illegible] جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کے علاوہ غیروں کی پرستش کی۔

اور کشتی کے چلنے کے بارے میں اللہ نے فرمایا: اور وہ کشتی ان کو لے کر (چلی کی طرح) موجوں میں پہاڑوں کی طرح چلتی ہے۔ [illegible] تعالیٰ نے آسمان سے ایسی بارش برسائی کہ زمین نے کبھی پہلے آسمان کو اس طرح برستا نہ دیکھا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد دیکھے گی۔ آسمان سے پانی ایسے برس رہا تھا جیسے مشکیزوں کے منہ کھل گئے ہوں (اوپر ہی سے نہیں) بلکہ زمین کے کونے کونے سے ہر طرف اور اطراف سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ جیسے فرمان خداوندی ہے: پس (نوح نے) اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب (ہو چکا) ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔ پس ہم نے تیز بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو چشموں (کی صورت) میں کھول دیا۔ پس پانی (جاری) ایک امر کے لئے (جمع ہو گیا) جو مقدر ہو چکا تھا اس پر جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو (مع اس کے اہل اور مومنین وغیرہم کے) ایک کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں اور کیلوں سے تیار کی گئی تھی۔ جو ہماری نگرانی میں چلتی تھی۔ یہ بدلہ اس کا تھا جس سے کفر کیا گیا۔"[1] یعنی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی (اس لئے) [illegible] اور بحفاظت سلامت رہی۔

ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ طوفان قبطی (مصر کے حکمرانوں کی جماعت کے) حساب سے [illegible] کو شروع ہوا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جب پانی طغیانی کی حد کو پہنچ گیا تو بے شک ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اس کو تمہارے لئے نصیحت (کی چیز) بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو محفوظ کر لیں۔[2]

مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی پہاڑ کی چوٹی اور زمین کی [illegible] تک پہنچ گیا تھا اور یہی اہل کتاب کے نزدیک قول ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ پانی [illegible] میں پھیل گیا تھا اور [illegible] نیچے میدان۔ سب پانی میں غرق ہو گئے تھے [illegible] ہو گئے تھے اور [illegible] روایت کرتے ہیں کہ (طوفان سے بچنے کے لئے) اس وقت [illegible] پہاڑوں پر پہنچ گئے اور [illegible] تمام مخلوق جس نے [illegible] بچنے کے لئے [illegible] سے پر ہو گئی تھی [illegible] قول [illegible] نے [illegible] کئے ہیں۔

اور کشتی غرق ہونے والوں کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا یام بھی تھا جس کو کنعان بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن فرماتا ہے اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ (ان سے) الگ تھا (کہ) بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔ (بیٹے نے) کہا کہ میں پہاڑ کی طرف پناہ لے لوں گا، مجھے پانی سے بچا لے گا۔ (حضرت نوح نے) کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔[4]

اور یہ بیٹا جو تھا حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا اس کا نام یام کہا جاتا ہے اور یہ کافر تھا اور [illegible] اس نے اپنے باپ کی مذہب میں مخالفت (اور) بدعملی کی وجہ سے غرق ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ بخلاف ان کے جو [illegible] نسب والے تھے

۱۔ ہود: ۴۱   ۲۔ القمر: ۱۰-۱۴   ۳۔ الحاقہ: ۱۱-۱۲   ۴۔ ہود: ۴۲-۴۳

میاب ہو گئے، کیونکہ وہ دین و مذہب میں موافق تھے۔

آگے فرمان خداوندی ہے اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک ہو گیا اور (عذاب کا) فیصلہ پورا ہو چکا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور کہہ دیا گیا پھٹکار ہو ظالم قوم پر۔(۱)

یعنی جب زمین اللہ کے دشمنوں سے فارغ ہو گئی اور اس پر کوئی غیر اللہ کا پجاری نہ رہا تو پھر اللہ نے حکم دیا کہ زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان تھم جا برسنے سے، پانی خشک ہو گیا اور عذاب مکمل ہو گیا جو اللہ کی قدرت میں ان پر اترتا تھا وہ اتر گیا اور پھر قدرت کی زبان سے ان کو لعنت و پھٹکار کی گئی، کہ تم کو رحمت و مغفرت خداوندی سے دوری ہو۔

دوسری جگہ قرآن میں ہے، پس کافروں نے حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے اس کو نجات دی اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے ان کو بھی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا، بے شک وہ اندھی قوم تھی۔(۲) ایک اور جگہ فرمایا، پس کافروں نے اس (نوح علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے اس کو اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان سب کو نجات دے دی، اور ان کو پیچھے (باقی) رہنے والا بنا دیا اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا، پس دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا۔(۳) اور فرمایا اور ہم نے اس (نوح علیہ السلام) کی مدد کی اس قوم سے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ بری قوم تھی ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔(۴) اور فرمایا: ہم نے اس (نوح علیہ السلام) کو اور جو بھری ہوئی کشتی میں اس کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور پھر اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس میں (عقل مند لوگوں کیلئے) نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک تیرا پروردگار تو بہت زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے۔(۵) اور فرمایا: ساڑھے نو سو سال تک ان میں دعوت حق دیتے رہے، پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا۔ وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور ان کو جہان والوں کیلئے نشانی بنا دیا(۶) فرمایا: پھر ہم نے دوسرے (کافر) لوگوں کو غرق کر دیا۔(۷) اور یہ فرمایا اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑ دیا، پس ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا، پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور بے شک ہم نے قرآن کو ذکر کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا۔(۸) اور پروردگار نے فرمایا: وہ اپنے خطاؤں (کی پاداش) میں غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کر دیے گئے، پس انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی مددگار نہیں پایا اور نوح علیہ السلام نے کہا پروردگار زمین پر کافروں کو بستا نہ چھوڑ، بے شک اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنم دیں گے مگر فاسق کافروں کو ہی۔ اللہ جو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اس نے حضرت نوح کی فریاد کو قبول کیا اور اسی کیلئے(۹) تمام تعریفیں اور احسانات ہیں اور کافروں میں سے کوئی ایک باقی نہ رہا۔

(۱۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر اللہ پاک نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی پر رحم فرماتا تو (اس) بچے کی ماں پر رحم فرماتا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار سال ٹھہرے (یعنی پچاس سال کم) اور پھر سو سال شجر کاری فرمائی، اور وہ درخت بڑے ہوئے پھر ان کو کاٹا پھر ان سے کشتی بنائی، اس دوران کافر لوگ ان کے پاس سے گزرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے آپ کشتی خشکی میں بنا رہے ہیں۔

(یعنی خشکی کے لئے بنا رہے ہیں؟) تو یہ کیسے چلے گی، حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا عنقریب تم جان لوگے، جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے فارغ ہو گئے اور پانی ابلنا شروع ہو گیا، اور طغیانی کو پہنچنے لگا تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بچے پر بہت خوف ہوا اور یہ اس سے بہت ٹوٹ کر محبت کرتی تھی (تو یہ ماں اپنے بچے کو لے کر پہاڑ کی طرف چلی، جب پہاڑ کی تہائی بلندی پر پہنچ گئی تو پانی بھی اس حد تک پہنچ گیا، ماں پھر بچے کو لے کر اوپر چڑھی، حتی کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی، لیکن پانی بھی اوپر چڑھتا رہا حتی کہ پانی ماں کی گردن تک پہنچ گیا، لیکن ماں نے (اپنے) ہاتھ سے بے

---

(۱) اعراف ۶۴۔ (۲) یونس ۷۳۔ (۳) الانبیاء ۷۷۔ (۴) شعراء ۱۱۹، ۱۲۲۔

(۵) عنکبوت ۱۵۔ (۶) شعراء ۶۶۔ (۷) قمر ۱۵، ۱۶، ۱۷ (۸) نوح ۲۵، ۲۶، ۲۷

(۹) نوح ۲۵، ۲۶، ۲۷ (۱۰) وقد روى الامامان ابو جعفر بن جرير وابو محمد بن ابي حاتم في تفسيريهما من طريق يعقوب بن محمد الزهري، عن قائد مولى عبيد الله بن ابي رافع ان ابراهيم بن عبد الرحمن بن ابي ربيعة اخبره ان عائشة

تاب ہو کر) بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اوپر اٹھا لیا (یعنی سر سے بلند کر لیا) لیکن دونوں غرق ہو گئے تو اگر اللہ ان کافروں میں سے کسی پر رحم فرماتا تو اس بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔

یہ حدیث غریب ہے اور حضرت کعب احبار اور مجاہد اور کئی ایک سے اس قصے جیسی روایت منقول ہے اور یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور کعب احبار جیسے حضرات رحمہم اللہ علیہم سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے کافرین میں سے کسی ایک کو بھی زمین کے تختے پر زندہ وبستا نہ چھوڑا۔

لہٰذا بعض مفسرین کا یہ خیال کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ عوج بن عنق یا ابن عناق یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا اور وہ کافر، متکبر، سرکش بھی تھا اور وہ ولد الزنا تھا؟ کہتے ہیں اس کی ماں آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی اس نے اس کو زنا سے جنم دیا تھا اور وہ اپنے انتہائی لمبے قد کے ساتھ سمندروں کی گہرائی سے بھی مچھلی پکڑ لیتا اور اس کو سورج کی تپش میں بھونتا، اور نوح علیہ السلام جب کشتی میں تھے تو یہ ان سے کہتا یہ (کشتی) تیرا کیسا پیالہ ہے؟ اور اس طرح آپ علیہ السلام سے مذاق کرتا اور بعض مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز لمبا تھا، یہ سب ہزیانی لغو اور بے سروپا، بے اصل باتیں تفسیر وتاریخ کی کتابوں میں کسی نے ذکر کر دی ہیں، ان حکایتوں سے ہم کچھ ذکر نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ اعتماد سے گری ہوئی ہیں اور رکیک باتیں ہیں جو عقل ونقل کے بالکل خلاف ہیں، عقل کے تو اس طرح خلاف ہے کہ دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تو اپنے کفر کی پاداش میں نیست ونابود ہو گیا جبکہ ان کے والد مکرم امت کے نبی اور اہل ایمان کے قائد ہوں اور عوج بن عنق یا عناق اپنے سب سے زیادہ ظلم وسرکشی کے باوجود زندہ وسلامت رہے، اور اللہ نے ان میں سے کسی بچے اور اس بچے کی ماں کو تو چھوڑا نہیں اور اس متکبر، سرکش، فاجر، فاسق شیطان کو چھوڑ دیا، اور نقل کے خلاف اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا: پھر ہم نے دوسروں (تمام) کو غرق کر دیا[1] اور فرمایا (نوح نے یہ دعا کی اور) کہا پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔[2] پھر یہ قد اور لمبائی اس حدیث کے خلاف ہے جو صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ پیدا فرمایا، پھر جب سے مخلوق مسلسل گھٹتی چلی آ رہی ہے اب تک۔

تو یہ اس صادق مصدوق معصوم کی بات ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے، فرمایا کہ مخلوق جب سے اب تک مسلسل گھٹتی چلی آ رہی ہے یعنی آپ کے فرمانے تک بھی اور بلکہ قیامت تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کی اولاد میں آپ سے قد آور کوئی اور نہیں ہو سکتا، تو اس سچی خبر سے کیسے غافل رہا جا سکتا ہے اور اس کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے، اور کیسے اہل کتاب کے کافروں جھوٹوں کی بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، جنھوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا، تحریف وتاویل کر ڈالی، مضامین کو ایک دوسرے کی جگہ رکھ دیا، تو جب خدائی کتاب کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو جو خبر وہ کہی ہی ہے اس پر یہ کتنے امانت دار ہو سکتے ہیں؟ جبکہ وہ خائن اور کذاب لوگ ہیں جن پر قیامت تک اللہ کی لعنت و پھٹکار برستی رہے گی، میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ عوج بن عناق کی خبر ان بعض زندیق، فاجر وفاسق لوگوں کی افواہیں ہیں جو شروع سے انبیاء کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو اللہ سے عرض والتجا کی اس کا ذکر ہے اور وہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے اپنے بیٹے کے متعلق مغفرت ونجات کی عرض کی، اور سوال کا یہ طریقہ اور صورت تھی، کہ انھوں نے حالاً عرض کیا اے پروردگار آپ نے مجھ سے میرے اہل کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے، تو یہ بیٹا بھی اہل سے ہے اور وہ غرق ہو رہا ہے تو یہ علم ووضاحت چاہتے تھے کہ آیا وہ میرے اہل سے ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا گیا کہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے، یعنی جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا وہ ان میں سے نہیں ہے، کیونکہ ہم نے کہا تھا، اپنے اہل کو (سوار کر لو) مگر وہ جن کی نسبت میرے عذاب کا فیصلہ ہو چکا (یعنی کافر) ہے لہٰذا تیرا بیٹا کنعان یام اہل میں سے نہیں ہے،[3] تو اس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ غرق ہو کر رہے گا اور اپنے کفر کا مزہ چکھے گا اس وجہ سے قسمت اس کو اہل ایمان کے قافلے سے نکال لائی اور اپنے کفر کے گروہ کے ساتھ وہ غرق ہو گیا، پھر اللہ نے فرمایا کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور اپنے اوپر برکتوں کے ساتھ اور ان گروہوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں (برکتوں اور سلامتی کے ساتھ) اتر پڑے اور (دوسرے) گروہ ان کو ہم دنیا کا نفع دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔[4]

---

(۱) الشعراء/۶۶۔ (۲) نوح/۲۶۔ (۳) ھود/۴۰۔ (۴) ھود/۴۸۔

جب پانی روئے زمین سے خشک ہو گیا اور اس میں چلنا پھرنا ممکن ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ کشتی سے اتر جاؤ تو آپ بہت سارے ... سے اتر کے جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور یہ پہاڑ جزیرہ کی زمین میں مشہور ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلامتی کے ساتھ جس کی آپ پر اور ان امتوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں برکتیں ہوں گی آپ کی اولاد سے سب پر سلامتی ہو اس لئے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ دوسرے مومنین تھے ان کی کوئی نسل آگے نہیں چلی ہو تو ہر ایک نے کہا ہے کہ تمام اہل زمین حضرت نوح کی نسل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بیان فرمایا کہ ہم نے اس (نوح) کی ذریت کو ہی باقی رہنے والے بنایا ہے۔[1] اور جو بھی آج تک روئے زمین پر انسان آباد ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں میں سے کسی ایک کی اولاد سے ہے جیسا کہ سام، حام اور یافث اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا سام عرب کے باپ ہیں، حام حبشہ کے باپ ہیں اور یافث روم کے باپ ہیں۔ یعنی ان علاقوں کی نسلوں کے باپ ہیں۔[2]

[3] عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس کے مثل فرمایا اور عمران فرماتے ہیں کہ روم سے مراد یہاں روم اول ہے جو یونانی ہیں اور ان کا نسب رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔

[4] سعید رحمۃ اللہ علیہ بن مسیب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین فرزند تھے سام، یافث، حام اور ان تینوں (بیٹوں) کی اولاد میں سے ہر ایک ... سام کی اولاد عرب، فارس اور روم ہیں، یافث کی اولاد ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبط، سوڈانی اور بربری (وغیرہ) ہیں۔

[5] سعید بن المسیب کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نوح علیہ السلام کی اولاد سام، حام اور یافث تھی، پس سام کے ہاں سے عرب، فارس اور روم پیدا ہوئے اور ان میں بھلائی ہے اور یافث کے ہاں سے یاجوج ماجوج اور ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے اور ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور حام کے ہاں سے قبطی، بربری اور سوڈانی پیدا ہوئے۔[6]

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تینوں فرزند نوح کے ہاں طوفان کے بعد ہی پیدا ہوئے اور طوفان سے پہلے کنعان تھا جو غرق ہو گیا اور ایک ... تھا جو طوفان سے پہلے مر گیا تھا۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ تینوں فرزند کے ساتھ ہی ان کی بیویاں اور والدہ نے کشتی میں سوار تھیں اور یہ بات نص کی رو سے ثابت ہے ... اور ذکر کیا گیا ہے کہ حام نے کشتی میں اپنی بیوی سے مباشرت کی تھی تو حضرت نوح نے ان کے لئے بددعا کی کہ ان کی اولاد بدصورت پیدا ہو تو ان کا سیاہ بیٹا پیدا ہوا جو آگے چل کر ... کا باپ ہے ... اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حام نے اپنے والد کو سوتے ہوئے ... دیکھا ... تو حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی کہ اس کی اولاد ... ہو جائے ... کے بھائیوں کی غلام بنے ... واللہ اعلم۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ہمارے لئے ایک ایسے آدمی کو زندہ فرما دیں جس نے کشتی دیکھی ہو تاکہ وہ ہمیں اس کے متعلق تفصیل بتائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ ... پر پہنچے ... مٹی کی ایک مٹھی بھر کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول

---

[1] الصافات ۷۷۔

[2] قال الإمام أحمد حدثنا عبد الوهاب عن سعيد عن قتادة عن الحسن عن سمرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال، الخ

[3] ورواه الترمذي عن بشر بن معاذ العقدي عن يزيد بن زريع عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن الحسن عن سمرة مرفوعا نحوه

[4] وقال الشيخ أبو عمر بن عبد البر، وقد روي عن عمران بن حصين عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله قال الخ

[5] وقد روي من حديث إسماعيل بن عياش عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب قال الخ

[6] وقال الحافظ أبو بكر البزار في مسنده حدثنا إبراهيم بن هانئ وأحمد بن حسين بن عباد أبو العباس قالا حدثنا محمد بن يزيد بن سنان الرهاوي حدثني أبي عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة

علیہ السلام زیادہ جانتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ حام بن نوح کی قبر ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مٹی کے تودے پر اپنی لاٹھی مبارک ماری اور کہا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا وہ اپنے سفید بالوں سے مٹی جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ کیا تو اسی حالت میں مرا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں میں تو جوانی کی حالت میں مرا تھا لیکن ابھی جو میں نے سمجھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے جس کے خوف سے میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ ہمیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرو اس نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی لمبائی میں بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو ۶۰۰ گز تھی اور اس میں تین منزلیں تھیں پہلی منزل میں عام جانور اور جنگلی جانور تھے دوسری منزل میں انسان تھے تیسری منزل میں پرندے تھے جب کشتی میں جانوروں کی لید وغیرہ کثرت سے جمع ہو گئی تو اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہاتھی کی دم کو ہلا کر جھنجھوڑو حضرت نوح علیہ السلام نے جب اس کی دم کو جھنجھوڑا تو اس سے خنزیر (نر و مادہ) پیدا ہو گئے اور فوراً لید اور غلاظت کی طرف لپکے پھر جب چوہے نے کشتی کو کاٹ کر (سوراخ) کرنا شروع کیا تو اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم شیر کے نتھنوں پر مارو انہوں نے مارا تو شیر کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکلا اور چوہے کی طرف لپکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا کہ وہ زمین والوں کے حالات معلوم کر کے لائے تو کوے نے ایک پھولا ہوا مردار لاشہ پڑا دیکھا تو اس پر ٹوٹ پڑا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لئے بددعا کی کہ تو ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے (یہی وجہ ہے کہ کوا انسانوں سے گھبراتا ہے جس کی وجہ سے آج تک کسی گھر میں پالا نہیں جا سکتا)۔

اس شخص نے آگے کہا کہ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو خبر لینے کے لئے بھیجا تو وہ اپنی چونچ میں زیتون کا ایک پتہ اور اپنے پاؤں میں کیچڑ لایا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ تمام شہر غرق ہو چکے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کبوتر کی گردن میں ایک ہری دھاری کا ہار ڈالا اور اس کے لئے دعا کی کہ تو خوشی اور امن میں رہے (یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے گھروں میں پالا جاتا ہے اور اس کا پالنا ممکن اور آسان ہے) راوی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس کو(۱) اپنے گھر نہ لے چلیں تاکہ ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیسے تمہارے ساتھ جا سکتا ہے حالانکہ اس کا رزق دنیا میں ختم ہو چکا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس کے بعد وہ شخص مٹی ہو گیا۔

علباء بن احمر عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسی (۸۰) افراد تھے اور ہر ایک کے ساتھ اپنا کنبہ بھی تھا اور یہ لوگ کشتی میں تقریباً ایک سو پچاس دن رہے اور اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا تھا اور کشتی چالیس دن بیت اللہ کے گرد چکر لگاتی رہی اس کے بعد اس کا رخ جبل جودی کی طرف پھیر دیا گیا وہیں جا کر کشتی ٹھہر گئی پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اہل زمین کی خبر لینے کے لئے ایک کوے کو بھیجا تو کوے نے مردار دیکھے تو ان پر بیٹھ گیا اور تاخیر کی جس کی وجہ سے کبوتر کو بھیجا تو کبوتر ایک زیتون کے پتے کو لے کر آیا اور اس کے پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے جس کو دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ زمین خشک ہو چکی ہے پھر حضرت نوح علیہ السلام جودی پہاڑ سے زمین پر اترے اور پھر ایک بستی تعمیر کیا جس کا نام ثمانین رکھا (یعنی ۸۰ آدمیوں کی بستی) ایک دن ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ صبح کو ہر آدمی کی زبان بدل چکی تھی (یعنی ۸۰ زبانیں ہو چکی تھیں) اور ان میں سے ایک زبان عربی بھی تھی یعنی کوئی بھی ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ پاتا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام ہر ایک کی ترجمانی فرماتے تھے۔

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے یہ افراد رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے اور ایک سو پچاس دن چلتے رہے جن میں سے ایک مہینہ جبل جودی پر ٹھہرے رہے پھر محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کشتی سے باہر آئے اور اسی بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی ذکر کرتے ہیں

---

(۱) یعنی حضرت نوح کے بیٹے حام کو اپنے گھر لے چلیں۔

کہ اسی دن یا [illegible] کشتی کے [illegible] عذاب سے [illegible] ہو گئے تھے

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ یہودیوں کے پاس سے گزرے کہ وہ لوگ یوم عاشورہ کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کس چیز کا روزہ رکھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا اور اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جبل جودی پر ٹھہری تھی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی محبت میں روزہ رکھوں [illegible] اور نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آج کی صبح روزہ کی حالت میں کی اس نے صبح صادق کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو پس وہ آج کے روزہ کی نیت کر لے اور جس شخص نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ بقیہ دن [illegible] مکمل کر لے۔(۲)

اس حدیث میں [illegible] کشتی کے [illegible] اور انہوں نے [illegible] کے متعلق [illegible] جاسکتی۔ واللہ اعلم۔

ابو محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح علیہ السلام کو روکنے کا ارادہ فرمایا تو زمین پر ایک ہوا بھیج دی گئی جس سے پانی [illegible] اور [illegible] پانی کم ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ خشک ہو گیا۔

اہل تورات کا گمان ہے کہ کشتی جبل جودی پر [illegible] کی ستائیس تاریخ کو ٹھہری تھی پھر دسویں مہینے (شوال) کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں اس کے چالیس دن گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کی کھڑکی کھولی اور ایک کوا بھیجا یہ دیکھنے کے لئے کہ پانی زمین سے خشک ہوا یا نہیں [illegible] اس وجہ سے کہ وہ مردار کھانے میں مشغول ہو گیا) پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا [illegible] وہ لوٹ کر واپس ان کے پاس آ گیا [illegible] جس سے معلوم ہوا کہ ابھی زمین پر پانی [illegible] حضرت نوح علیہ السلام نے [illegible] سات دن گزر جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو دوبارہ بھیجا تاکہ معلوم کریں کہ اب زمین کی کیا حالت ہے [illegible] اس کی چونچ میں زیتون کا پتہ تھا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ پانی زمین سے کم ہو گیا ہے [illegible] کبوتر کو بھیجا تو وہ واپس نہیں آیا اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ زمین خشک ہو گئی ہے (اس وجہ سے کبوتر نے [illegible]) اور جب طوفان کی ابتداء اور اس کبوتر کے بھیجنے کے درمیان ایک سال مکمل ہو گیا تو دوسرے سال کے پہلے ماہ کی پہلی تاریخ کو زمین ظاہر ہو گئی اور خشکی ظاہر ہو گئی اب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کا دروازہ کھول دیا۔(۳)

اور اہل کتاب نے یہ بھی ذکر کیا کہ دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (ترجمہ) "حکم ہوا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔"(۴)

اس کے متعلق اہل کتاب نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا اور فرمایا کہ اب تم اور تمہاری بیوی اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں [illegible] حضرت نوح علیہ السلام نے تمام

---

(۱) قال الامام احمد حدثنا ابو جعفر، حدثنا عبد الصمد بن حبیب الازدی عن ابیه حبیب بن عبد الله عن شبیل عن ابی هریرة ... [illegible]

(۲) [illegible] الحدیث [illegible] فی الصحیح من وجه آخر، والمستغرب ذکر نوح ایضا والله اعلم

(۳) [illegible] ابن اسحاق [illegible] (۴) ھود ۴۸

نوح نے باہر نکل کر اور پھر ایک مذبح بنایا(۱) اور حلال چوپائے اور صالح پرندوں کی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ کبھی بھی کسی اہل زمین پر ایسا عام تباہ کن طوفان نہیں آئے گا اور اس وعدہ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک علامت مقرر فرما دی جس کو قوس قزح(۲) کہا جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ قوس قزح اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوفان سے امان کا پیغام ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ قوس قزح اس بات کی علامت ہے کہ اب طوفان نوح جیسا طوفان نہیں آئے گا (البتہ اگر اکا دکا کہیں طوفانی واقعات واقع ہو جائیں تو یہ اس روایت کے منافی نہیں ہیں)

بعض مجوسی اور جاہل لوگوں کی جماعت اور اہل ہند نے طوفان نوح کا انکار کیا ہے جبکہ انہی میں سے بعض لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طوفان نوح تو واقع ہوا تھا لیکن یہ طوفان بابل کی ایک بستی پر نازل ہوا تھا اور ہم تک اس طوفان کا کوئی اثر نہیں پہنچا تھا کیونکہ ہمیں یہ بادشاہت وغیرہ اپنے آباؤ اجداد یعنی کیومرث (آدم علیہ السلام) سے ابھی تک متواتر طور پر چلی آئی ہے یہ بیان مجوسیوں کے قول ہیں جو زندیق، آتش پرست مجوسی اور شیطان کے متبعین ہیں اور یہ قول بالکل بے بنیاد اور صریح جہالت اور کفر بھی ہے جو محسوس اور مشاہد چیزوں پر ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے اور آسمان و زمین کے پروردگار کی تکذیب کرتا ہے جو کہ واضح کفر ہے اور جبکہ تمام آسمانی مذاہب والے طوفان نوح کے وقوع پر متفق ہیں اور لوگوں سے تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ طوفان نوح واقع ہوا تھا اور اس طوفان نے پوری روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جس کے نتیجہ میں کوئی بھی کافر زندہ نہیں بچا تھا سب غرق ہو چکے تھے۔

اور یہی معصوم حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا اثر تھا جو کہ ان کی ازلی تقدیر میں نافذ ہو چکا تھا جس پر بے شمار قرآنی آیات دلالت کرتی ہیں اس کے باوجود کوئی شخص محض دعویٰ کی وجہ سے طوفان نوح کا انکار کرے تو وہ صریح کفر ضلالت و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ ..

حضرت نوح علیہ السلام کی ذات مبارکہ کے متعلق کچھ ذکر خیر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا

ترجمہ...... بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے رہتے تھے کھانے پینے اور لباس غرض کہ ہر نعمت و غیر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ عطا فرما دیتے ہیں جو کہ جو کھانے اور پیئے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔(۴)

اور یہ تو ظاہری بات ہے کہ شاکر اس شخص کو کہتے ہیں جو کہ دل سے اور اپنے اعمال و جوارح سے ہمہ تن اور ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف و منہمک رہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ　　یدی ولسانی والضمیر المحجبا

ترجمہ... فائدہ پہنچایا تم کو تیری نعمتوں نے میری طرف سے تین چیزوں کا میرے ہاتھوں کا اور میری زبان کا اور پوشیدہ قلب کا یعنی تیری نعمتوں کی وجہ سے میری زبان میرے ہاتھ میرا دل تیرے شکر و نعمت میں لگے ہیں۔

شاعر نے بھی شکر کیلئے تین ہی چیزوں کو ذکر کیا ہاتھ، زبان اور دل کہ شکر ان تینوں چیزوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔

---

(۱) جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ　　(۲) یعنی بارش کے دنوں میں آسمان پر کمان کی شکل میں رنگوں کی جو پٹی ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) قال الامام احمد، حدثنا ابو اسامۃ، حدثنا زکریا بن ابی زائدۃ عن سعید بن ابی بردۃ عن انس بن مالک　　الخ

(۴) وکذا رواہ مسلم والترمذی والنسائی من حدیث ابی اسامۃ.

حضرت نوح علیہ السلام کے روزہ کا تذکرہ

(۱) ابن ماجہ نے (باب صیام نوح علیہ السلام) کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "حضرت نوح علیہ السلام یوم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے۔"

اور طبرانی نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "حضرت نوح علیہ السلام یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کے علاوہ ساری زندگی روزہ رکھتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے آدھی زندگی کے روزے رکھے (یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور زندگی بھر رکھتے تھے اور زندگی بھر افطار کرتے تھے۔ (۲)

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا تذکرہ

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حج کے دوران وادی عسفان سے گزرے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ کون سی وادی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ وادی عسفان (۴) ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اپنے سرخ اونٹوں پر گزرے جن کی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں اور ان کے جسموں پر طویل جبے تھے اور ان کی چادریں اون کی بنی ہوئی تھیں، اس حالت میں وہ بیت عتیق (قدیم گھر) کا حج کرنے چلے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ جو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی شخص آیا اس پر طیلسان کا جبہ تھا (یعنی) وہ دیباج (ریشمی کپڑے) سے (کو ملا کر کے) بنا ہوا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا خبردار تمہارے اس ساتھی نے ہر شہسوار ابن شہسوار کو نیچا کردیا یا حضور ﷺ نے یہ فرمایا (راوی کو شک ہے) کہ یہ شخص ہر شہسوار ابن شہسوار کو پست کرنا چاہتا ہے اور چرواہا ابن چرواہا کو بلند کرنا چاہتا ہے راوی کہتے ہیں پھر حضور اکرم ﷺ نے اس کے دامن کو پکڑا اور کھینچتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھ پر جاہلوں کا لباس دیکھ رہا ہوں، پھر فرمایا بے شک اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آگیا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی فرمایا میں تمھیں وصیت کرتا ہوں، دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تجھے لا الہ الا اللہ کا حکم کرتا ہوں بے شک اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک طرف پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور دوسرے پلڑے میں یہ کلمہ رکھ دیا جائے تو بے شک لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک حلقہ میں جائیں پھر بھی لا الہ الا اللہ ان پر بھاری ہو جائے گا۔ (اور دوسری بات جس کا حکم دیتا ہوں) وہ ہے سبحان اللہ وبحمدہ، بے شک یہ ہر چیز کی عبادت کرنے

---

(۱) حدثنا سهل بن ابی سهل، حدثنا سعيد بن ابی مريم، عن ابن لهيعة، عن جعفر بن ربيعة، عن ابی فراس، انه سمع عبدالله بن عمرو۔ الخ

(۲) قال الطبرانی حدثنا ابو الزنباع روح بن الفرج، حدثنا عمرو بن خالد الحرانی، حدثنا ابن لهيعة عن ابی قنان عن يزيد بن رباح ابی فراس انه سمع عبدالله بن عمرو۔ الخ

(۳) قال الحافظ ابو يعلیٰ، حدثنا سفيان بن وكيع، حدثنا ابی، عن زمعة وهو ابن ابی صالح، عن سلمة بن وهرام، عن عكرمة عن ابن عباس۔ الخ (۴) یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

والا پلڑا جھک جاتا اور ترازو اسی کے بیچ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

اور میں تجھے روکتا ہوں دو چیزوں سے، وہ ہیں شرک اور بڑائی۔ راوی کہتے ہیں کہ کسی نے پوچھا یا کسی اور نے حضور ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہ! شرک کو تو ہم نے جان لیا لیکن یہ کبر (بڑائی) کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس دو عمدہ جوتے ہوں اور ان کے تسمے بھی اچھے ہوں؟ فرمایا نہیں، پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ ہم میں کسی کے پاس عمدہ جوڑا ہو جس کو وہ پہنتا ہو؟ فرمایا نہیں پھر پوچھا تو کیا یہ ہے بڑائی کہ اس کے اصحاب ہوں اور وہ ان کے ساتھ بیٹھتا ہو؟ (یعنی وہ بڑا سردار یا لیڈر ہو یا کوئی اور صورت ہو جس سے لوگ اس کے گرد بیٹھے جمع ہوں تو کیا یہ بڑائی ہے)؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا گیا پھر یا رسول اللہ ﷺ بڑائی کیا چیز ہے؟

تو پھر فرمایا حق سے انکار (اور ہٹ دھرمی کرنا) اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ (۱)

یہ تھی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت و نصیحت۔

آپ کی عمر مبارک:...... اہل کتاب اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو ان کی عمر مبارک چھ سو سال تھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے علاوہ اس میں یہ زیادتی بھی ہے کہ پھر کشتی سے اترنے کے بعد آپ نے زندگی کے ساڑھے تین سو سال بسر کئے لیکن یہ خیال یا قول محل نظر (غلطی کا امکان) ہے کیونکہ اگر اس قول اور قرآنی مراد و مطلب کے درمیان ہم آہنگی و موافقت ہو تو یہ قول سراسر غلط ہوگا اس لئے کہ قرآن کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نبوت ملنے کے بعد اور طوفان کی تباہی سے پہلے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے ہیں: (کیونکہ قرآن میں فرمان باری ہے اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پھر وہ ان میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے رہے۔ (۲) تو اس سے یہ مصنف کا دعویٰ بالکل ٹھیک ثابت ہوتا ہے) پھر اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام زمین میں کتنے عرصہ ٹھہرے؟ واللہ اعلم۔ اور اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت محفوظ ہے یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت نوح کو پیغمبری چار سو اسی (۴۸۰) برس کی عمر میں ملی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال جئے تو اس حساب سے ان کی زندگی سترہ سو اسی (۱۷۸۰) برس کی بنتی ہے۔

مرقد مبارک:..... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ازرقی رحمۃ اللہ علیہ عبدالرحمن بن سابط وغیرہ تابعین سے روایت کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ بات اکثر ان متاخرین کے اقوال کے مقابلے میں زیادہ قوی اور ثابت ہے جو کہتے ہیں کہ بقاع شہر جو آج کل (۳) "کرک نوح" سے مشہور ہے وہاں ہے اور اسی وجہ سے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔

---

(۱) وهذا اسناده صحيح ولم يخرجوه ورواه ابو القاسم الطبراني من حديث عبد الرحيم بن سليمان، عن محمد بن اسحاق، عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن عمر، عن النبي ﷺ قال والظاهر انه عن عبدالله بن عمرو بن العاص، كما رواه الطبراني واحمد. والله اعلم.

(۲) العنکبوت ۱۴۔

(۳) [illegible] صفحہ ۲۴۷

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ تین طرح سے بیان ہوا ہے۔

پہلا نسب نامہ: یہ ہے ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام اور یہی نسب نامہ یوں بھی بیان ہوا ہے کہ یہی ہود عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہیں۔

دوسرا نسب نامہ یہ ہے: ہود بن عبداللہ بن رباح بن الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے اور ان کا تعلق ایسے قبیلے سے تھا جس کا نسب یوں ہے عاد بن عوص بن سام بن نوح اور یہ اعرابی (یعنی دیہاتی) لوگ تھے اور پہاڑیوں اور ٹیلوں کی گھاٹیوں میں رہا کرتے تھے اور یہ علاقہ یمن میں تھا جو عمان اور حضرموت کے درمیان ہے اور اس کو شحر کہا جاتا تھا اور اس قبیلے کی وادی مغیث نام سے تھی اور اکثر یہ لوگ ایسے خیموں میں رہتے تھے جو مضبوط اور بھاری ستونوں پر قائم ہوتے تھے جیسے قرآن مقدس بھی اس کی تائید کرتا ہے فرمایا ہے (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا (برتاؤ) کیا؟ (قوم عاد سے مراد یعنی) ارم ہے جو ستونوں والے تھے (۱) اور یہیں پر یہ بھی وضاحت فرما دی گئی کہ عاد سے کون سے عاد مراد ہیں؟ فرمایا پہلے عاد مراد ہیں، جن کا ارم نام بھی تھا اور دوسرے عاد بعد میں آئے، جن کا بیان عنقریب اپنے مقام پر ہونے والا ہے۔

تو فرمایا کہ یہ پہلے والے ستونوں والے تھے اور آگے فرمایا ان کے جیسے (دنیا کے) شہروں میں (کوئی بھی) پیدا نہیں کئے گئے تو اس سے کیا مراد ہے؟ کیا ان جیسے پیدا نہیں کئے گئے؟ (۲) ایک قول تو یہ ہے کہ اس قبیلے جیسے اور لوگ پیدا نہیں کئے گئے (یعنی وہ انسان بحیثیت قد آور اور زور آور تھے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے مسکن اور رہائش کی جگہیں بہت لمبے ستونوں والی تھیں (جن کی مثل دنیا میں کوئی جگہیں نہیں بنائی گئیں)۔

تو جو اس ارم شہر کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شہر زمین میں گھومتا رہتا ہے کبھی ملک شام میں کبھی یمن میں کبھی حجاز مقدس میں اور کبھی کسی جگہ ان کا یہ بیان حقیقت سے بعید ہے اور ایسی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور اس کی کوئی بنیاد نہیں جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور کوئی سند ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے۔

اور حضرت ہود کس زبان کے تھے؟ تو حدیث کی کتاب صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہے جس میں انبیاء و رسولوں کا ذکر ہے تو اس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

انبیاء میں سے چار نبی عربی ہیں، ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی اے ابوذر (یعنی محمد ﷺ)۔

اور کہا جاتا ہے حضرت ہود علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنہوں نے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ لیکن وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ان کے والد نے پہلے عربی میں گفتگو فرمائی۔ اور دوسرے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ پہلے شخص جنہوں نے عربی زبان میں گفتگو کی وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم ہیں اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور بھی دوسرے اقوال ہیں واللہ اعلم۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے جو عرب لوگ تھے ان کو "العرب العاربۃ" یعنی خالص عرب کہا جاتا تھا اور یہ بہت سے قبائل تھے عاد، ثمود، جرہم، طسم، جدیس، امیم، مدین، عملاق، عبیل، جاسم، قحطان، بنو یقطن وغیرہ (تو یہ قبائل خالص عرب تھے اور عربی ان کی اپنی ذاتی زبان تھی) اور ان کے علاوہ وہ عرب جو عربوں میں داخل ہو کر عرب بنے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے عرب لوگ تھے اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام ہی اور جو فصیح عربی والا تھا انہوں نے اس عربی زبان کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا، یہ قوم جرہم حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ جب

---

(۱)، (۲) الفجر: آیت ۸-۷

مکے کے بیابان علاقے میں چھوڑ دیے گئے تھے جب وہاں آ کر رہی تھی جس کا بیان اپنے مقام پر انشاءاللہ عنقریب آئے گا تو ہم اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عربی کو قوم جرہم سے حاصل کیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عربی میں بہت ہی فصاحت و بلاغت اور عمدہ بیان سے نوازا تھا بالکل اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی عربی زبان نہایت شیریں اور فصیح و بلیغ بنا دیئے گئے تھے۔

(الغرض) حضرت ہود عربی تھے اور ان کی قوم عاد طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے بتوں کے پجاری تھے اور ان کے معبودان بالخصوص تین تھے صدا، صمود، ہرا۔

پھر اللہ عزوجل نے ان میں انہی کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا آپ نے انہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف بلایا جیسے قرآن میں آیا ہے۔

ترجمہ:...... اور اسی طرح قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا بھائیو خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں انھوں نے کہا میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں میں تمہیں خدا کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو نجات بخشی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔(۱)

اور سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا کہ میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم (شرک کر کے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو میری قوم میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہگار بن کر روگردانی نہ کرو وہ بولے ہود (تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے انھوں نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں خدا پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی یہ وہی (عاد) ہیں جنہوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر سرکش کا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔(۲)

---

(۱) سورۂ اعراف آیت ۶۵-۷۲ (۲) سورۂ ہود آیت ۵۰-۶۰۔

اور سورۃ مومنون میں قوم نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا) کہ خدا ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی طرح کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

(پیغمبر) نے کہا اے پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر فرمایا کہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے تو ان کو (وعدہ) برحق (کے مطابق) زور کی آواز نے آ پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کر ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ سورۃ شعراء میں قصہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... (قوم) عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے بھلا تم ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمہیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔

مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے وہ کہنے لگے کہ ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے۔ یہ تو پہلے (انبیاء) لوگوں کے طریقے ہیں، (کہ وہ بھی تمہاری طرح قوموں کو ڈراتے تھے) اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا تو انہوں نے ہود کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں (سے) اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ (۲)

اور قرآن میں ایک اور مقام پر ہے (ترجمہ) جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور (وہ لوگ) کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت میں بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔ (۳)

اور قرآن میں دوسرے مقام پر ہے:

ترجمہ:...... اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ انہوں نے کہا کہ (اس کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو، پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کیا کرتے تھے یعنی آندھی جس میں دردناک عذاب بھرا ہوا ہے وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا گنہگار لوگوں کو

---

(۱) سورۃ المومنون آیت ۳۱-۴۱ (۲) سورۃ الشعراء آیت ۱۲۳-۱۴۰ (۳) سورۃ حم السجدہ آیت ۱۵-۱۶

ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔(۱)

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ..... اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی وہ جس چیز پر بھی چلتی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔(۲) اور سورۂ نجم میں فرمایا:

ترجمہ: ..... اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) نے عاد اول کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کو بھی غرض کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی (اس میں) کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹکا پھر ان پر چھا دیا جو (عذاب) چھایا۔ ۔ پھر (اے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون سی نعمت پر جھگڑے گا۔(۳)

اسی طرح سورۂ قمر میں فرمایا:

ترجمہ: ..... (قوم) عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑ ڈالتی تھی گویا کھجوروں کی کھوکھلی جڑیں ہیں سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی (ایسا) ہے کہ سوچے سمجھے۔(۴)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور جگہ پر فرمایا:

ترجمہ: ..... اور رہے عاد سو وہ ہلاک کئے گئے (کہ اللہ تعالیٰ) نے ان کو نہایت تیز آندھی سے ہلاک کر دیا تھا، نے (آندھی کو) سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) پچھاڑے (اور مرے) پڑے دیکھے کہ (گویا) کھجوروں کے کھوکھلے تنے (پڑے ہوئے) ہیں بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے۔(۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد (تھے) کہ ان کے جیسے ملک کے تمام شہروں میں کوئی پیدا نہیں کئے گئے تھے اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا؟) جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا؟) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے اور ان میں بہت سی خرابیاں (اور فساد) کیا کرتے تھے تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بے شک تمہارا پروردگار تاک میں لگا ہوا ہے۔(۶)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر مبارک سورۂ برأت، ابراہیم، فرقان ۳۸، عنکبوت ۳۸، ص ۱۲، ق ۱۳ میں آیا ہے۔

اگرچہ ان تمام جگہوں پر ہم نے اپنی تفسیر میں اللہ کی مدد اور احسان کے ساتھ تفسیر کی ہے پھر بھی یہاں ان کا خلاصہ اور اس قصے کے متعلق دوسرے مزید تفصیل بھی ذکر کریں گے۔

اور قوم عاد حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد پہلی قوم ہے جو بت پرستی میں مبتلا ہوئی قرآن میں بھی ہے (حضرت ہود اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں) اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو۔(۷) اور اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے تمام اہل زمانہ میں قد آور، مضبوط اور طاقت ور بنایا ہے اسی طرح سورۂ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔(۸) اور بعض اقوال کے مطابق یہ جماعت حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی (لیکن) بعض دوسرے مفسرین حضرات کے خیال کے مطابق یہ قوم، قوم ثمود تھی اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس کے بعد اسی سورۃ کی آیت کے الفاظ ہیں۔ سو ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا (اس چیخ نے) ان کو ہلاک کر ڈالا اور چیخ سے قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تو تیز ہواؤں سے ہلاک ہوئی تھی جیسے قرآن میں ہے اور رہے عاد

---

(۱) سورۃ الاحقاف آیت ۲۴، ۲۵۔

(۲) سورۃ الذاریات آیت ۴۱، ۴۲۔

(۳) سورۃ النجم آیت ۵۰ تا ۵۵۔

(۴) سورۃ القمر آیت ۱۸ تا ۲۲

(۵) سورۃ الحاقہ آیت ۶ تا ۸۔

(۶) سورۃ الفجر آیت ۶ تا ۱۴۔

(۷) الاعراف ۶۹۔

(۸) المومنون ۳۱

ان کو تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ تو یہی ان حضرات کی دلیل ہو فرماتے ہیں کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد قوم ہود ہی کی بستی تباہ ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یوں دیکھنا چاہئے کہ قوم عاد پر ہواؤں کے عذاب کے ساتھ چیخ کا عذاب بھی مسلط ہوا اور چیخ ہوا تھا اس میں کوئی تضاد نہیں ہے جیسے کہ اہل مدین یا اصحاب الایکہ پر عذاب کی کئی انواع جمع ہو گئی تھیں۔ لہٰذا عاد کے ثمود سے پہلے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

تو یہ قوم عاد سرکش منکر و نافرمان قوم تھی۔ جو بتوں کی پرستش میں بہت زیادہ حد سے گزرے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے ان کی طرف انہی میں سے ایک آدمی کو بھیجا جس نے ان کو اللہ کی طرف بلایا اور ان کو توحید و خلاص الٰہی کی دعوت دی۔ لیکن قوم عاد نے ان کی مخالفت کی۔ جھٹلایا اور عیب لگانے لگے تو پھر اللہ نے بھی جو زبردست ہے قدرت والا ہے زبردست پکڑ کی۔

جب حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے بلایا اور پھر ان کو یہ دنیا کی بھلائی کے وعدے فرمائے اور نافرمانی پر دنیا و آخرت کے عذابات سے ڈرایا۔ تو ان کی قوم نے کہا (قرآن میں ہے) تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے کافر لوگوں کی جماعت نے کہا بے شک ہم تو تمہیں بیوقوفی میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں۔ یعنی ہم جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی سے رزق اور مدد کی امید کی جاتی ہے آپ ان کو چھوڑنے کی بات کرتے ہیں تو یہ آپ کی سراسر بیوقوفی ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ آپ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا فرمایا اے قوم میرے ساتھ کوئی بیوقوفی نہیں ہے بلکہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں (القرآن) یعنی بات ایسے نہیں ہے جیسے تم خیال کر رہے ہو اور یقین کئے بیٹھے ہو بلکہ میں تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لئے خیر خواہ امانت دار ہوں۔

اور پہنچانا بھی صرف ایسا نہیں تھا کہ بس ذمہ داری پوری کر دی جائے۔ بلکہ فصیح و بلیغ اور مختصر و جامع کلام کے ساتھ ان کو سمجھایا اور ایسی باتوں کی طرف بلایا جن میں کوئی اختلاف اور التباس و اضطراب نہیں تھا اور ان کو سیدھی راہ پر چلنے پر آمادہ کیا اور خوب اپنی قوم پر شفقت و نرمی بھی کی۔ اور سب باتوں کے باوجود کسی اجر و انعام کے طلب گار نہ ہوئے۔ بلکہ محض خالص رضائے الٰہی اور اپنی قوم کی بھلائی کو پیش نظر رکھا اور اجرت اور خوشی کی امید صرف اللہ سے رکھی۔ جیسے کہ دین و دنیا کی تمام بھلائی اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے اور سب میں اس کی مرضی چلتی ہے اس لیے حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو یوں خطاب کیا اے قوم میں تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ القرآن یعنی کیا تمہیں کوئی عقل نہیں ہے کہ تم اللہ کو پہچان سکو اور سمجھ سکو کہ میں تم کو اس واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں۔ جس کی گواہی تمہاری فطرت و طبیعت بھی دے رہی ہے جس پر تم کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ فطرت و طبیعت وہی دین ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اور پھر اس کی مخالفت کرنے والی ساری مخلوق تباہ و برباد ہو گئی۔ لہٰذا فرمایا میں بھی تم کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور میں تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا۔

بلکہ اس کی امید میں صرف اللہ سے رکھتا ہوں جو نفع و نقصان کا مالک ہے۔ ایک دوسرے نبی کی اسی بات کی تائید ایک مومن نے کی اور کہا: (اے قوم) جو شخص تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اس کی اتباع کرو اور (اتباع کرنے والے) لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ اور اسی کی طرف تم (سب بھی) لوٹائے جاؤ گے۔ (القرآن)(۱)

تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے ان کا جواب دیا۔ کہنے لگے " اے ہود علیہ السلام تو ہمارے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں لایا اور ہم تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تیرے ساتھ برائی کا ارادہ کر لیا ہے۔ (القرآن)

یعنی تو ہمارے سامنے کوئی خلاف عادت عجیب اور انوکھی چیز نہیں لایا جو آپ کی سچائی کی گواہی دے سکے لہٰذا ہم ایسے نادان نہیں ہیں کہ محض تیری بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔ اور جیسے کہ تو نے اپنی بات پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں کی اور کوئی بھی ہماری طرف سے بھی اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بلکہ ہم تو تجھ کو تیرے خیال میں مجنون سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی یہی لگتی ہے کہ ہمارے بعض معبود تجھ پر غصہ ہو گئے ہیں۔ جس سے تیری عقل ماری گئی اور جنون تجھ کو

---

(۱) یٰس ۲۱۔ ۲۲

لاحق ہو گیا ہے۔ تو پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو جواب دیا: کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ میں تمہارے (ان معبودوں) سے بری ہوں جن کو تم نے اللہ کے سوا شریک بنا رکھا ہے پھر تم سب میرے (خلاف ہر طرح کے) مکر کرلو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔

یہ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے سامنے بغیر کسی ڈر کے ان کے معبودان باطلہ سے برأت ظاہر کی اور ان کی تمام حقیقت بیان کی اور واضح کر دیا کہ وہ کسی طرح نقصان کے مالک نہیں۔ یہ صرف پتھر ہیں جو پتھر کا حکم رکھتے ہیں۔ جو پتھروں سے کام ہوتا ہے وہ ان سے ہو سکتا ہے۔ تو بس اگر تمہارے خیال کے مطابق وہ مدد کر سکتے ہیں، نفع پہنچا سکتے ہیں، نقصان سے بچا سکتے ہیں تو میں ان سے بری ہوں اور ان پر لعنت کرتا ہوں لہذا تم سب (اپنے معبودوں کے ساتھ مل کر) میرے خلاف جو مکر و فریب کر سکتے ہو کرلو اور مجھے سنبھلنے کا موقع بھی مت فراہم کرو۔ تم جس کو بھی اپنے ساتھ میرے خلاف شامل کر سکتے ہو اور اس کی مدد حاصل کر سکتے ہو کرلو۔ اور مجھے ایک گھڑی کی مہلت نہ دو نہ پلک جھپکنے کا موقع دو۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور تمہاری (طاقت کے بارے میں) بھی کوئی فکر نہیں ہے اور نہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں بلکہ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی نہیں ہے کوئی چلنے والا جانور مگر اس کی پیشانی کو وہ پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے یعنی میں اللہ ہی پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں اور اس کی حمایت و تائید مجھے حاصل ہے۔ پھر اس کی ذات پر اعتماد ہے جس کی طرف جو بھی آس لگائے اور پناہ لے وہ ضائع نہیں ہوتا۔ لہذا مجھے اس خالق کے سوا کسی مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اور میں اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کے سوا کسی کے آگے جبین نیاز نہیں جھکاتا بلکہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام کا یہ چیلنج ہی بالکل معجزوں کا معجزہ ہے کہ یہ ہی اس کی دلیل و معجزہ تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور وہ خود جہالت اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی پرستش اور بت پرستی میں منہمک تھے۔ اور پھر وہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی ایک بال تک بیکا نہ کر سکی۔ تو یہی حضرت ہود علیہ السلام کے سچا ہونے کی دلیل و برہان تھی۔ اور قوم کے خیال و مذہب کے بطلان پر دلیل تھی۔

اسی جیسی دلیل حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان سے پہلے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی۔ فرمایا: اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے خلاف کرنا چاہو) مقرر کرلو اور وہ تمہاری ساری جماعت سے پوشیدہ نہ رہے (یعنی سب میرے خلاف متحد ہو جاؤ اور) پھر وہ کام میرے بارے میں کر گزرو اور مجھے (بالکل) مہلت نہ دو۔ (یونس۔ ۷۱)

اسی طرح اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے بھی اپنی قوم کے سامنے یہ ہی کلمہ فرمایا تھا۔

اور مجھے ان سے کوئی خوف نہیں جن کو تم (اللہ کے ساتھ) شریک کرتے ہو مگر (وہی) جو کچھ میرا رب چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم نے شریک بنایا ہے کیوں کر ڈروں جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق (امن و جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا (اور) علم والا ہے۔ (الانعام ۸۰۔۸۳)

تو پھر حضرت ہود علیہ السلام کی قوم میں سے ان سرداروں نے جواب دیا جو ان کی قوم کے سردار تھے اور کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھٹلاتے تھے اور دنیاوی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی۔ کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں (ہی ہڈیاں رہ جاؤ گے) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ (المومنون ۳۳۔۳۵)

تو انہوں نے اس بات کو بعید از خیال و حقیقت سمجھا کہ ایک انسان رسول کیسے بن سکتا ہے؟ اور یہ شبہ و اعتراض اگلے اور پچھلے جاہل لوگ کرتے آئے ہیں۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ

تعجب ہوا لوگوں کو۔ (یونس ۲)

اور فرمایا: اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف اسی بات نے روکا کہ کہنے لگے کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دیجیے اگر زمین میں فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے پھرتے اطمینان کرتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (بنی اسرائیل ۹۴، ۹۵)

تو اسی طرح ہود علیہ السلام نے بھی ان کو فرمایا: ...... کیا تم کو تعجب ہوا اس بات پر کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف ایک آدمی پیغام لایا (وحی) آئی جو تم میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے۔ (الاعراف ۶۳) یعنی یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اپنی رسالت سے نوازے۔ (الانعام ۱۲۴)

تو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کہنے لگی: ...... کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم زمین سے نکالے جاؤ گے (یہ) بات جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بعید ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا انسان ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (تو حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا کہ اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے (تو اب) میری مدد فرما۔ (المؤمنون ۳۵-۳۹)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ وہ قیامت کا انکار کرتے تھے اور جسموں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کے اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بہت بعید بات ہے، بہت بعید بات ہے۔ یعنی ایسا ہونا عقل سے دور ہے۔ بلکہ زندگی تو صرف یہی دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے ہیں جیتے ہیں پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی ایک قوم ختم ہوتی ہے دوسری آ جاتی ہے اور بس۔ اور یہی خیال دہریوں کا اعتقاد ہے۔ فلسفیوں اور دہریہ لوگوں کا ہے۔ اور اہل عرب میں سے بعض جاہل بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ ماؤں کے پیٹ انسانوں کو اگل دیتے ہیں اور زمین ان کو نگل لیتی ہے۔ اور بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور فرقہ دوریہ (اور آج کل کے ہندو لوگوں) کا یہ اعتقاد ہے کہ روحیں جب نکل جاتی ہیں تو پھر اسی جہان میں چھتیس ہزار سال بعد واپس آ جاتی ہیں۔

یہ تمام باتیں بہتان، کفر، جہالت، گمراہی اور باطل اقوال اور فاسد خیالات ہیں جن کی کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے اور باطل ہیں۔ یہ کافر اپنی ان بے ہودہ باتوں کے ساتھ صرف بے وقوف لوگوں کو بہکا سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت سے آگاہی بخشتے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

اور وہ ایسے کام اس لیے بھی کرتے ہیں تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (الانعام ۱۱۳)

(تو ظاہر ہے کہ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی طرف سے نصیحت اور اپنے اعمال و افعال پر سرزنش کی بات سنی تو وہ سرکشی میں اور بڑھ گئے) تو پھر حضرت ہود علیہ السلام ان کو اپنے وعظ میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کیا تم ہر بلند جگہ پر بلند و بالا یادگار تعمیر کرتے ہو (اور) محلوں کی طرح کی عمارتیں بناتے ہو۔ یہ سب تم بے فائدہ بے مقصد کام کرتے ہو جب کہ تم کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (یعنی اپنی شان و شوکت اور اپنی بڑائی کے لئے یہ سب بے مقصد تعمیرات کرتے ہو) ان کی وجہ سے جو عاد ارم شان و شوکت اور اپنی بڑائی کے لئے فخر کرنے پر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ان محلوں کے ستون بھی انتہائی عظیم الشان ہوا کرتے تھے جیسے قرآن نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کیا (حشر) کیا عاد کے ساتھ جو ارم تھے (اور دراز قد) ستونوں والے تھے جن کی مثل ملکوں میں کوئی نہیں پیدا کیے گئے۔ (الفجر ۶-۸) اور یہ عاد پہلے والے ہیں جن کو ارم بھی کہا جاتا تھا اور یہ بلند ستونوں والے خیموں میں رہا کرتے تھے۔

اور بعض حضرات نے جو یہ خیال کیا ہے کہ ارم ایک شہر ہے جو ملکوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے تو یہ انہوں نے غلطی کی ہے اور خطا ہے اور ایسی بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں (یعنی یہ بات بلا دلیل ہے) اور قرآن میں جن کے متعلق فرمایا ہے اور تم مصانع (یعنی کارخانے) بناتے ہو۔ شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ (الشعراء ۱۲۹)

تو یہاں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا اس سے مراد یا تو محلات ہیں۔ یا پانی اکٹھا کرنے کی جگہیں ہیں۔ یا موت سے حفاظت کے

جیسے مضبوط محلوں قلعے ہیں۔ اور یہ تم لوگ اس لئے بناتے ہو کہ ان گھروں میں طویل طویل زمانہ تک زندہ رہو گے۔ قرآن آگے فرماتا ہے اور (اے قوم ہود) تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔ تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اس اللہ سے ڈرو اس نے تمہیں مویشیوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے مجھ کو تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ (شعراء ۱۲۸ تا ۱۳۵)

اور قوم ہود نے اپنی کفریہ باتوں میں سے یہ بھی حضرت ہود علیہ السلام کو کہا کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ پس تو لے آ ہمارے پاس وہ (عذاب) جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے؟ (اعراف ۷۰)

یعنی کیا آپ ہمارے پاس اس لئے یہ دعوت و تبلیغ لے کر آئے ہیں کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں؟ اور اپنے آباؤ اجداد اور ان کے طریقے کی مخالفت کریں؟ (ایسا ہم سے نہیں ہو سکتا) پس اگر آپ اپنے قول و فعل میں سچے ہیں تو اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق ہم پر عذاب اور سزا لے آئیں ہم آپ کی اتباع نہیں کریں گے اور نہ آپ پر ایمان لائیں گے اور نہ آپ کی تصدیق و حمایت کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا: "کہنے لگے آپ نصیحت کریں یا نہ کریں ہم پر برابر ہے۔ یہ صرف پہلے لوگوں (انبیاء) کے طریقے ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا"۔ (شعراء ۱۳۶ تا ۱۳۸)

ان کا یہ قول ہے کہ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ ہے یہ ترجمہ اس قرآنی آیت کا "ان هذا الا خلق الاولین" تو لفظ "خلق" کو خاء اور لام کے زبر کے ساتھ پڑھیں تو آیت کا مطلب ہوگا یہ باتیں صرف گھڑی ہوئی اور پہلے لوگوں کی کتابوں سے حاصل کردہ ہیں یہ تفسیر کی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اور اگر لفظ "خلق" کو خاء اور لام کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو آیت کا مطلب ہوگا یہ دین جس پر ہم قائم ہیں یہ ہمارے آباء واجداد سے چلا آرہا ہے اور ہم ہرگز اس سے انحراف نہیں کر سکتے اور نہ بدل سکتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے۔ اور اس سے اگلی آیت کہ ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ پچھلا معنی دونوں معنوں میں مناسب اور ربط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔

پھر ان کو حضرت ہود علیہ السلام نے جواب مرحمت فرمایا:

بے شک تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے (شرک کی) گندگی اور غضب واقع ہو چکا ہے۔

کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے۔ جن کے بارے میں خدا نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پس تم (عذاب کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (اعراف ۷۱)

یعنی تم اپنی اس کفریہ بات کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی اور غصہ اور بدحالی کے مستحق ہو چکے ہو۔ جس پر تم اور تمہارے آباء مصر ہو چکے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اس کی کوئی دلیل بھی نازل نہیں فرمائی۔

تو کیا تم لوگ خدا تعالیٰ سے مقابلہ کرتے ہو اپنے بتوں کو اس کے ساتھ شریک کر کے جن کو تم نے خود تراشا ہے اور پھر خود ہی معبودوں کا درجہ دیا ہے اور توحید کی حق بات کا تم انکار کرتے ہو۔ اور باطل بات (شرک) پر مصر ہو چکے ہو؟ پس اب عنقریب تمہارے کرتوتوں سے بھی تم ذرا واقف ہو جاؤ گے اپنے اللہ کے عذاب کی طلب کا انجام کیا ہے جو تم کو پکڑنے والا ہے وہ عذاب جو تم سے ہٹایا نہیں جا سکتا اور رسوائی مقدر ہو چکی۔

ہود نے فرمایا:

(ہود علیہ السلام نے) عرض کیا: پروردگار میری مدد کیجئے اس بات کے مقابلہ کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

(اللہ نے) فرمایا:

عنقریب وہ پشیمان ہو جائیں گے۔

پھر ان کو چیخ نے آ پکڑا (بطور عذاب) حق کے ساتھ، پھر ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ پس (اللہ کی رحمت سے) ظالم قوم کے لئے دوری ہے۔ (مومنون ۳۹ تا ۴۱) اور فرمایا: اور (قوم ہود کے لوگ) کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دے؟ پس جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ۔ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ تو (ہود علیہ السلام نے) کہا (عذاب کے آنے کے وقت کا) علم تو اللہ ہی کے

پاس ہے۔ مجھے جو دیا گیا ہے وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا جو ان کی بستیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا (نہیں) بلکہ وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی (یعنی) آندھی جس میں دردناک عذاب ہے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کیے دیتی ہے۔ پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔ (الاحقاف ۲۳تا۲۵)

اس کے علاوہ اللہ عزوجل نے ان کے ہلاک کرنے کی خبر اور کئی جگہ بیان فرمایا ہے جو مجملاً مفصلاً گزر چکی ہیں جیسے پہلا حوالہ ہے۔ پھر ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ تھے ان کو اپنی طرف سے رحمت سے نجات دی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ (واقعی) ایمان لانے والے نہیں تھے۔ (الاعراف ۷۲)

اور فرمایا:

اور جب وہ عذاب آ گیا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات دے دی۔

اور (یہ وہی بات تھی کہ) ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی ہے اور یہ (تھے) عاد جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلا دیا اور انکار کر دیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان کے بجائے ہر سرکش ضدی کے حکم کی اتباع کرتے رہے اور اس دنیا میں بھی ان پر پھٹکار کی گئی اور قیامت کے دن (بھی خوب پھٹکار رہے گی) خبردار بے شک عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا سن لو عاد کے لئے جو ہود علیہ السلام کی قوم ہے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ (ھود: ۵۸ تا ۶۰)

اور فرمایا:

پھر ان کو حق کے (عذاب کے) ساتھ چیخ نے آ پکڑا پھر ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا دیا پس ظالم قوم کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔ (المومنون ۴۱)

اور فرمایا:

پھر انہوں نے اس (ہود علیہ السلام) کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک تیرا پروردگار زبردست ہے (اور) رحم کرنے والا ہے۔ (الشعراء ۱۳۹، ۱۴۰)

بہرحال ان کی ہلاکت کی تفصیل یہ ہوئی ہے جیسا اللہ نے فرمایا: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل (کی صورت میں) دیکھا جو ان کی بستیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات کرنے والا ہے (نہیں) بلکہ وہ وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔ یعنی آندھی جس میں دردناک عذاب ہے۔ (الاحقاف ۲۴)

تو یہ ان کے عذاب کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ وہ لوگ خشک و قحط سالی میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے انہوں نے بارش طلب کی، پھر انہوں نے بادل کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ رحمت کی بارش ہے جبکہ وہ عذاب کی بارش تھی۔ اسی وجہ سے اللہ نے یہی ارشاد فرمایا: (نہیں) بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مانگ رہے تھے۔ اور ان کا عذاب کو مانگنا ان کا یہ قول ہے کہ (اے ہود علیہ السلام) جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔ (الاعراف ۷۰) اسی طرح سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث ہم نے پوری کر دی۔

اور یہاں مفسرین وغیرہ نے وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جو محمد بن اسحاق بن یسار نے نقل فرمائی ہے کہ جب قوم عاد نے ہر بات کا انکار کر دیا تو اللہ نے قحط کے ذریعہ باران رحمت کو ان پر تین سال تک روک دیا اور وہ بڑی مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس زمانہ میں ان کو اگر کوئی مصیبت پہنچتی تھی تو وہ بھی اللہ ہی سے اس مصیبت سے رہائی کی دعا کرتے تھے اور اس کے حرم والے گھر یعنی بیت اللہ میں جا کر دعا کرتے۔ اور یہ بات ان کے ہاں مشہور تھا۔ اور اس وقت حرم میں عمالیق رہتے تھے اور یہ عمالیق، عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ اور اس وقت ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ اور معاویہ کی والدہ قوم عاد سے تھی جس کا نام جلہدہ بنت خیبری تھا۔

تو پھر قوم عاد نے بھی اس معروف طریقے کے مطابق تقریباً ستر آدمیوں کا وفد بیت اللہ کی طرف بھیجا تاکہ یہ وفد وہاں پہنچ کر اپنی قوم کے لئے

بارش کی طلب کرنے کے لیے وفد معاویہ بن بکر کے پاس مکہ کی عام آبادی میں پہنچا۔ اور ان کے ہاں ٹھہر گیا۔ اور ایک مہینہ تک قیام پذیر رہا۔ وہاں شراب نوشی (اور معاویہ بن بکر کی مغنیہ باندیاں گاتی) یہاں تک کہ معاویہ بن بکر کی "جرادتان" نامی دو رقاصہ لونڈیاں تھیں وہ ان کو بہت محظوظ کرتی تھیں اور اسی طرح عیش و عشرت میں ایک مہینہ پورا کر دیا۔ اور جب یہ قیام معاویہ کے پاس طویل ہو گیا تو معاویہ کو ان کی واپسی کی فکر لاحق ہوئی لیکن ان کی قوم پر ترس آ گیا اور ان کو لوٹنے کا کہنے سے شرم و حیا کی۔ آخر اس نے گانے والیوں کے متعلق شعر بنائے جس میں اشارۃً ان کو لوٹنے کا کہا گیا تھا۔ وہ شعر اس نے باندیوں کو دیئے کہ ان کو گانے میں سنا دیں۔ اشعار:

خبردار! اے قیل تجھ پر افسوس ہو، کھڑا ہو کچھ نرمی اختیار کر
شاید کہ اللہ ہمیں بادلوں کی سلامت دے
اور وہ بادل عاد کی زمین کو سیراب کر دیں بے شک قوم عاد
ایسے ہو گئے ہیں کہ وہ بات بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے
پیاس کی شدت کی وجہ سے، ہمیں ہم امید نہیں رکھتے
نہ ان کے کسی بوڑھے کی نہ ان کے کسی بچے کی زندگی کی
اور پہلے ان کی عورتیں بھی بہت اچھی (صحت والی) تھیں
اب ان کی عورتیں بھی خوب ایام (لاغری) والی ہو گئی ہیں
اور ان کے مویشی جانور بھی مرے کھڑے آتے ہیں
اور وحش کے بیٹے (تیر کے) کسی حصے کی طرف بے پرواہ نہیں کی جاتی
اور تم یہاں اپنی خواہشات اور حاجتوں کے ساتھ (عیش و عشرت میں) ہو
تمہارے دن، تمہاری راتیں، قوم (اسی میں گزر رہے) ہیں
پس قوموں کے وفد میں سے ایک تمہاری قوم کا وفد ہے
جو نہ سہارے پانے کا مستحق ہے نہ کسی سلامتی کا

پھر قوم نے یہ اشعار سن کر متنبہ ہوئے کہ ہم یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ اور پھر حرم کی طرف گئے اور اپنی قوم کے لئے دعا کی۔ اور ان کا سردار دعا کرانے والا قیل بن عنز تھا۔ تو اللہ نے تین قسم کے بادل بھیج دیئے سفید، سرخ، سیاہ۔ پھر ان سے کسی منادی نے آواز دی کہ اپنے لئے یا اپنی قوم کے لئے ان بادلوں میں سے کوئی ایک منتخب کر لو تو قیل نے کہا میں سیاہ بادل پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ پانی والا ہے۔ پھر کسی منادی نے آواز دی: تو نے ہلاکت و تباہی کو پسند کر لیا ہے اور تو نے قوم عاد میں سے کسی فرد کو بھی نہیں چھوڑا۔ نہ کوئی والد نہ اولاد مگر یہ کہ اللہ نے اس کو تباہ و فنا نہ کر دیا ہو۔

حماد نے فرمایا کہ (یعنی بعض قوم عاد میں سے اس وفد والے قبیلے کے لوگ بچ گئے تھے) کیونکہ وہ مکہ میں مقیم تھے تو جو عذاب ان کی قوم کو پہنچا اس عذاب سے بچ گئے۔ یہ راوی فرماتے ہیں کہ جو اس وفد والی قوم کے افراد تھے ان کی جو نسل ہے وہ عاد ثانیہ ہے لیکن دوسرے جو تھے اور اللہ نے ان بادلوں کو قوم عاد کی طرف ہانک دیا، جو سیاہ بادل ان کے وفد کے سردار قیل بن عنز نے منتخب کئے تھے جن میں ان کا عذاب تھا۔ یہاں تک کہ وہ بادل قوم عاد کی مغیث نامی بستی میں پہنچ گئے۔ وہاں لوگوں نے بادلوں کو دیکھ کر خوشیاں منانا شروع کر دیں۔ اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسات برسائے گا۔ تو اللہ نے فرمایا:

(نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔ اس میں ایک آندھی ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔[1]

---

[1] الاحقاف: ۲۴، ۲۵

لیکن ان لوگوں کے ہاں ایک عورت نے تیز ہوا کو سب سے پہلے دیکھ لیا اور پہچان گئی کہ یہ عذاب لانے والے بادل ہیں۔ اس عورت کا نام مہدد تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اس سے پوچھا اے مہدد تو نے کیا دیکھا؟ کہا میں نے (اس بادل میں) آندھی دیکھی ہے جو آگ کی طرح ہے اور اس کے آگے آگے کچھ لوگ ہیں جو اس کو ہانک رہے ہیں۔

پھر اللہ نے ان پر یہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دنوں تک جاری رکھی۔ اور وہ بھی مسلسل رہی، اور اس نے قوم عاد کے (یہاں) کسی فرد کو بھی نہ چھوڑا۔

لیکن حضرت ہود علیہ السلام اپنے مومنین ساتھیوں کو لے کر ایک حظیرہ (باڑی) میں داخل ہو گئے۔ اور ان کو کچھ بھی عذاب نہ پہنچا مگر (وہ خود اللہ کے عذاب کے خوف سے سہمے ہوئے تھے) ان کی کھالیں نرم پڑ گئی تھیں اور دلوں میں (خشیت خداوندی کی) لذت پا رہے تھے۔

اور قوم عاد پر آندھی آسمان و زمین کے درمیان تیز ہوا چلا رہی تھی۔ پتھروں سے ان کے دماغ نکال رہی تھی۔ الخ۔[1]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مسند میں اس قصے کی مثل قصہ ذکر فرمایا ہے کہ حارث بن حسان سے مروی ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی (کسی بارے میں) شکایت کرنے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا۔ تو مقام ربذہ میں جب پہنچا تو وہاں بنی تمیم کی ایک بڑھیا (راستہ گم کر کے) پھنسی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی اے اللہ کے بندے مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حاجت ہے کیا آپ مجھے ان تک پہنچا سکتے ہیں؟ تو میں نے ان کو سوار کر لیا۔ جب حضور ﷺ مسجد میں پہنچے تو مسجد لوگوں سے بھری پڑی تھی اور ہل چل تھی۔

اور وہاں ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور بلال رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ تو میں نے پوچھا لوگوں کا کیا مسئلہ ہے کیوں اکٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور ﷺ حضرت عمرو بن العاص کے لشکر کو کسی طرف بھیج رہے ہیں۔

تو میں بیٹھ گیا۔ پھر حضور ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ ﷺ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی میں نے داخل ہو کر سلام کیا۔ تو حضور نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی مسئلہ درپیش ہے؟ کہا؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں، ہماری ان کے خلاف جنگ تھی۔ اب میں آ رہا تھا کہ ان کی ایک بڑھیا مجھے مل گئی جو وہاں پھنسی ہوئی تھی۔ تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں اس کو سوار کر کے آپ تک پہنچا دوں؟ تو اب وہ دروازے پر موجود ہے۔ تو حضور ﷺ نے اس کے آنے کا حکم فرمایا۔ وہ داخل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان جنگ سے کوئی رکاوٹ بنا دیں؟ (اچانک) اور اس کے لئے دہناء مقرر کر دیں کیونکہ وہ ہماری طرف ہے۔ تو حضور نے فرمایا: تو جس بڑھیا کو تم لے کر آئے ہو اس کے ساتھ فیصلے کی کیا مثال ہے (یعنی اس کو میں فیصل بنا دیتا ہوں)۔ تو بڑھیا بول پڑی پھر آپ کا یہ پریشان آدمی پریشانی میں کہاں بھاگے گا (طنز کیا)۔ تو میں نے کہا میری وہی مثال ہے جو کسی نے کہا (بکری) اپنی موت خود اٹھا کر لائی (یعنی) میں اس کو اٹھا کر لایا ہوں اور اس کو موت کے منہ سے بچایا ہے۔ تو جب میں اس باندی کو لا رہا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ میرے ہی خلاف خصم (مدعی) بن جائے گی۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ مانگتا ہوں کہ عاد کے وفد کی طرح ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عاد کا وفد کیا تھا؟ حالانکہ رسول اکرم ﷺ مجھ سے زیادہ جانتے تھے لیکن پھر بھی لطف اندوز ہونے کے لئے مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کیا۔

قوم عاد قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے اپنا نمائندہ قیل (اور اس کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا) تو یہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گزرا اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا وہاں ان کو معاویہ شراب پلاتا اور دو باندیاں گانا سناتی تھیں۔ جن کو جرادتان کہا جاتا تھا۔ پھر جب مہینہ گزر گیا تو یہ جبال تہامہ کے پاس گیا اور یہ دعا کی۔

"اے اللہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں کسی مریض کے پاس نہیں آیا کہ اس کی دوا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کے پاس آیا کہ اس کو فدیہ دوں پھر اولی اے اللہ عاد کو سیراب کر جیسے پہلے آپ کرتے تھے۔"

تو اس نے سیاہ بادل دیکھے اور ادھر بادل چھا گئے پھر ندا آئی کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لے۔ تو اس نے سیاہ بادلوں کی طرف اشارہ کیا تو پھر

---

[1] احمد ثنا زيد بن الحباب، حدثني ابو المنذر سلام بن سليمان النحوي حدثنا عاصم بن ابي النجود عن ابي وائل، عن الحارث وهو ابن حسان، ويقال ابن يزيد البكري. قال خرجت اشكو العلاء بن الحضرمي الى رسول الله ﷺ الخ

آندھی کی مانند ہلاکت خیزی کے مرغولے لے لو، اب ہوا نے عاد کے کسی فرد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ان پر آندھی صرف اتنی بھیجی گئی تھی جتنی کہ میری اس انگوٹھی میں سے گذر جائے۔ لیکن پھر بھی وہ تہس نہس ہو گئے۔

ابو وائل فرماتے ہیں یہ حدیث سچی ہے۔ اور اسی وقت (یعنی حضور ﷺ کے زمانے میں) جب کوئی مرد یا عورت اپنے کسی قاصد اور نمائندے کو بھیجتے تو یہ کہتے تھے کہ عاد کے نمائندے کی طرح نہ ہونا۔ (۱)

لیکن اس حدیث سے عاد آخرہ یعنی بعد والے عاد (کی اصل) کے ختم ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے (کیونکہ اس میں مکہ اور وہاں میں عاد کے ہونے پھر ان کے نجات پانے کا ذکر بھی ہے) اور اسی لئے بھی کہ پہلے جو ابن اسحاق کی روایت گزری اس میں مکہ کا ذکر ہے لیکن مکہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد وجود میں ظاہر ہوا۔ جب وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رہائش اختیار کی۔ اور قوم جرہم ان کے پاس اتری جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور عاد اولیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کے ہیں اور نیز یہ کہ اس کی روایت میں معاویہ بن بکر اور اس کے شعر کا تذکرہ ہے جبکہ یہ شعر دور زوال کے زمانے سے بعد کا ہے اور یہ تو پہلے لوگوں کے کلام کے مطابق نہیں ہے اور یہ کہ اس روایت میں آگ کے شعلوں کا ذکر ہے جبکہ عاد اولیٰ (تو سخت ٹھنڈی ہواؤں سے ہلاک ہوئے تھے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قول بھی ہے کہ وہ ہوا (سخت) ٹھنڈی تھی اور ہلاکت تیز تھی، سخت طوفانی ہوا تھی۔

اور فرمان الٰہی ہے ان پر (ہواؤں کو) سات راتیں اور آٹھ دنوں تک مسلسل چلایا۔ یعنی پے در پے بغیر رکے اتنے دنوں تک درمیان جاری پھیلائی رہیں۔ اور ان دنوں میں پہلا دن ایک قول کے مطابق جمعہ کا دن تھا جبکہ دوسرے قول کے مطابق بدھ کا دن تھا۔

آگے فرمان الٰہی ہے:

پس اس (بستی) میں تو قوم کو پچھاڑا ہوا ایسے دیکھے گا گویا کہ کھجور (کے درختوں) کے کھوکھلے تنے ہیں۔ تو یہاں ان کی لاشوں کو کھجور کے کھوکھلے تنوں کے ساتھ تشبیہ دی ایسے تنے جن کے سر نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ قوم عاد میں کسی پر بھی آندھی آتی تو اس کو اٹھا کر پہلے فضا میں بلند کرتی پھر اوندھے منہ پٹخ دیتی۔ جس سے لاشیں بغیر سر کے دھڑ بن جاتا (اور ارشاد ہے) جیسے فرمان ہے بے شک ہم نے (ان کے لئے) نحوست والے دن میں تند آندھی (مسلسل) چلائی لگاتار چلتی رہی۔ یعنی ایسا مسلسل ان پر عذاب جاری رہا کہ کوئی انقطاع نہ (یہاں تک کہ وہ مر کر لاشیں بن گئے کیونکہ) آگے فرمان ہے (وہ آندھی) لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔

اور قرآن میں جو فرمایا نحوست والے دن میں (یعنی جب عذاب ان پر شروع ہوا) وہ دن بدھ کا تھا یا اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس دن کو منحوس کہنا شروع کر دیا اور اس سے بدشگونی مراد لینے لگے تو یہ ان کی بڑی غلطی ہے اور قرآن کی مخالفت ہے۔ اسلئے کہ دوسری آیت میں اسی کے متعلق یہ فرمایا کہ "ان پر منحوس دنوں میں تند آندھی بھیجی۔" کیونکہ ایام نحسات "جمع کا صیغہ فرمایا۔ اور آگے پیچھے صاف تصریح ہے کہ وہ دن آٹھ تھے اور پے در پے مسلسل تھے۔ تو پھر سب دن منحوس ہو گئے اور ایسی خرافات کا کوئی قائل نہیں ہے اور آیت میں جو ان دنوں کے متعلق نحوست کے لفظ فرمائے وہ صرف اسی قوم پر تھے۔ یعنی یہ قوم عاد کے لئے یہ دن بڑے منحوس ثابت ہوئے۔

اور فرمان باری ہے:

اور عاد میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان پر بھیجا تھا (نامبارک) ہوا چھوڑی۔ یعنی ایسی ہوا جو کسی خیر و بھلائی کا سرچشمہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ تنہا ہوا تھی۔ نہ بارش کے بادلوں کو لاتی تھی اور نہ کسی درخت کی تخم ریزی کرتی تھی۔ بلکہ بانجھ تھی کوئی خیر کا نتیجہ نہیں دیتی تھی۔ آگے فرمایا وہ ہوا جس پر آتی تو اس کو ایسا چھوڑتی تھی گویا بوسیدہ ہڈی کی طرح کر ڈالتی تھی۔ یعنی ہوا کو بانجھ فرمایا جس سے کوئی نفع نہ اٹھایا جا سکے اس کے لئے ایسا کہا گیا تھا۔

---

(۱) وهكذا رواه الترمذي عن عبد بن حميد عن زيد بن الحباب به. ورواه النسائي من حديث سلام أبي المنذر عن عاصم بن بهدلة. ومن طريقه رواه ابن ماجه وهكذا أورد هذا الحديث وهذه القصة عند تفسير هذه القصة غير واحد من المفسرين كابن جرير وغيره

اور صحیح بخاری و مسلم(۱) میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری باد صبا کے ساتھ مدد کی گئی اور قوم عاد پچھم والی (ہلاکت خیز) ہوا سے ہلاک کئے گئے۔

اور اللہ کا یہ فرمان سورۂ احقاف میں ہے۔

اور عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو یاد کرو، جب انہوں نے اپنی قوم کو (مقام) احقاف میں ڈرایا اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ڈرانے والے گزر چکے تھے۔ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔ (احقاف:۲۱) تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عاد اولیٰ ہو اس لئے کہ آگے پیچھے کا کلام قوم ثمود کے کلام جیسا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس قصے میں ذکر کردہ عاد سے یہی بعد والے عاد ہوں۔ جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے جو آگے آرہی ہے معلوم ہوگا۔

اور پھر یہ فرمان خداوندی ہے:

پس جب انہوں نے اس (عذاب) کو (بصورت) بادل دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات برسائے گا۔ (احقاف:۲۴)

تو جب قوم عاد نے بادل کو دیکھا جو فضا میں پھیلا ہوا تھا جیسے پانی کا بادل ہو۔ تو یہ بھی اس کو پانی کا بادل سمجھے، جبکہ وہ عذاب کا بادل تھا۔ انہوں نے اس کو رحمت سمجھا جبکہ وہ عذاب اور زحمت تھا۔ انہوں نے اس سے خیر و بھلائی کی آس لگائی، جبکہ اس سے انتہائی شر و برائی کو پایا۔ جیسے اللہ نے بھی فرمایا: (نہیں) بلکہ وہ تو وہ (عذاب) ہے جس کی تم نے جلدی پکار کی تھی۔ پھر خود تشریح فرمائی: یہ ایسی آندھی ہے اس میں ایسا عذاب ہے جو دردناک ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہاں عذاب سے مراد آندھی ہو جو مسلسل شدید ٹھنڈی ہلاکت خیز تیز آندھی تھی اور سات دن اور آٹھ راتوں تک چلتی رہی۔ اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑا، بلکہ ہر ایک کے پاس پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ ان کے پاس غاروں، پہاڑوں کی گھاٹیوں تک میں پہنچ گئی اور وہاں ان کو اچک لیا اور پھر ان کو ہلاک کر کے ان کو بری طرح تباہ کیا اور ان کے محلات جو قلعوں کی طرح مضبوط بنائے تھے ان کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا۔ تو جس طرح انہوں نے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر گھمنڈ کیا اور کہا کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اللہ نے بھی ان پر ایسی ہوا و عذاب مسلط کیا جو ان سے کہیں زیادہ قوت و زور والا تھا اور وہ سخت نقصان دہ آندھی کی صورت میں تھا۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ ان سخت آندھیوں اور جھکڑوں کے بعد ان آندھیوں نے بادلوں کو ہنکا لایا ہو۔ جس کو باقی ماندہ لوگ سمجھے ہوں کہ یہ بادل ہم پر رحمت کی برسات کرے گا اور ہم اس طرح بچنے والے ہوں گے۔ تو پھر اللہ نے ان پر شعلے اور آگ برسائی ہو جیسا کہ بعض حضرات کا بھی خیال ہے۔ اور اسی طرح اصحاب مدین (شعیب علیہ السلام کی قوم) کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ کہ ان کو بھی عذاب سخت ٹھنڈی ہواؤں والا، پھر آگ والا برسایا گیا تھا۔

اور یہ بہت سخت عذاب ہوتا ہے کہ متضاد والی چیزوں کے ساتھ عذاب دیا جائے اور چہ جائیکہ ساتھ میں چیخ و چنگھاڑ کا عذاب بھی نازل کر دیا جائے۔ جس کا ذکر سورۂ مومنون میں ہوا (کہ پھر ان کو چنگھاڑ نے آ پکڑا اور پھر ہم نے (اس طرح) ان کو کوڑا کر دیا)۔

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

وہ آندھی جس کے ذریعے قوم عاد ہلاک کی گئی۔ اللہ نے صرف انگوٹھی جتنی جگہ کے مثل ہوا کھولی تھی۔ پس وہ ہوا پہلے دیہاتوں میں گئی اور وہاں کے لوگوں، مویشیوں اور مالوں کو اٹھا کر آسمان و زمین کے درمیان لے گئی۔

تو عاد کے شہریوں نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسات کرے گا۔ پھر آندھی نے دیہات والوں کو شہر والوں پر پٹخ دیا۔

(۳) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے عاد پر آندھی صرف انگوٹھی جتنی جگہ سے کھولی تھی۔

---

(۱) رواہ الشیخان من حدیث شعبة عن الحکم عن مجاهد، عن ابن عباس عن رسول الله ﷺ

(۲) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا محمد بن یحیی بن الضریس حدثنا ابن فضیل عن مسلم عن مجاهد، عن ابن عمر قال: الخ

(۳) قال: ورواه الطبرانی عن عبدان بن احمد، عن اسماعیل بن زکریا الکوفی، عن ابی مالک، عن مسلم الملائی، عن مجاهد، وسعید بن جبیر، عن ابن عباس قال

جس آندھی نے ان کے مویشیوں کو شہروں کی طرف پہنچا دیا۔ پھر شہر والوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل جو ہماری بستیوں کی طرف آرہے ہیں ہم پر برسات کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ان میں دیہات والے تھے وہی دیہات والوں کو شہر والوں پر دے مارا گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ آندھی ان کی عورتوں کے اندر تک پہنچی اور دروازوں کے سوراخوں سے اندر جا کر ان کی ہلاکت ہوئی اور دوسرے بعض کہتے ہیں کہ عذاب کے آندھی آئی۔

لیکن اس حدیث کے حضور تک مسند ہونے میں یعنی مرفوع ہونے میں شک کا امکان ہے اور پھر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی مسلم الاعور پر بھی اختلاف کیا گیا ہے اور اس میں اضطراب کی ایک قسم ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ہوا تیز چلتی تو رسول کریم ﷺ یہ دعا کرتے۔

اے اللہ میں تجھ سے اس کی خیر کا طلبگار ہوں اور جو اس میں ہے اس کی خیر کا اور جو تو نے اس میں ترکھا ہے اس سے اور اس کے شر سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بادلوں سے آسمان غائب ہو جاتا تو حضور اکرم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور کبھی نکلتے کبھی داخل ہوتے کبھی آگے کبھی پیچھے (الغرض بہت پریشانی کا عالم چھا جاتا) پھر جب بارش برستی تو پھر خوشی طاری ہو جاتی تھی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت بیان کر کے حضرت اقدس میں سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے[2] عائشہ رضی اللہ عنہا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جو قوم عاد نے کہا تھا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: جب (قوم عاد نے) اس (عذاب) کو (بصورت بادل) اپنی بستیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر بارش کرنے والا۔

[3] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد میں مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے دہن مبارک کا آخری حصہ نظر آنے لگ جائے آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی بادل دیکھ لیتے یا آندھی دیکھ لیتے تو اس کا اثر آپ کے چہرے میں بخوبی ظاہر ہو جاتا تھا۔ میں نے خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اس امید پر کہ بارش ہو گی۔ جبکہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو اس کا (خوف و غم کی) کیفیت آپ کے چہرہ اقدس میں ظاہر ہو جاتی ہے؟ تو فرمایا اے عائشہ مجھے اطمینان نہیں ہے کہ اس میں کہیں عذاب ہو اس لئے کہ ایک قوم تو آندھی سے ہلاک ہوئی اور اس قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو وہ یہی کہنے لگے تھے کہ یہ بادل ہم پر بارش کریں گے۔

تو یہ حدیث وضاحت کے ساتھ قصوں کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے جیسے پہلے "واذکر اخا عاد" سے عاد اولیٰ کا قصہ مراد ہو سکتا ہے اور اس سے پیچھے کے کلام سے عاد ثانی کا تذکرہ مراد ہو گا (واللہ اعلم بالصواب)۔[4]

اور حضرت ہود علیہ السلام کے حج کا تذکرہ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں کر آئے ہیں اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے حضرت ہود رضی اللہ عنہ کی قبر اطہر کی صفات مروی ہے (انکی یمن میں ہے یہ بھی ہے) کہ وہ یمن کے علاقے میں ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے کہا کہ دمشق میں ہے اور دمشق کی جامع (مسجد) میں قبلہ کی طرف دیوار کے احاطہ میں ایک جگہ ہے بعض لوگوں کے خیال کے مطابق وہیں ہود علیہ السلام کی قبر اطہر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم دائما ابداً

---

(۱) حدثنا ابو الطاهر حدثنا ابن وهب قال سمعت ابن جريج يحدثنا عن عطاء بن ابي رباح عن عائشة رضي الله عنها

(۲) ورواه الترمذي والنسائي وابن ماجه من حديث ابن جريج

(۳) قال ابن كثير: قال الامام احمد حدثنا هارون بن معروف ومعاوية بن عمرو قالا حدثنا عبدالله بن وهب، انا عمرو وهو ابن الحارث ان ابا النضر حدثه عن سليمان بن يسار عن عائشة الخ

(۴) وهكذا رواه مسلم عن هارون بن معروف واخرجه البخاري وابو داؤد من حديث ابن وهب

قوم ثمود کے پیغمبر

حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

ثمود مشہور قبیلہ تھا، ان کا نام ثمود ان کے جد امجد ثمود کے نام کی وجہ سے کہا جاتا تھا جو جدیس کا بھائی تھا۔ اور ثمود و جدیس دونوں فرزند تھے عابر بن ارم بن سام بن نوح کے۔

اور قوم ثمود خالص عرب (عرب عاربہ) تھے، حجر میں سکونت پذیر تھے، یہ حجاز مقدس اور تبوک کے درمیان ہے اور حضور ﷺ غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تھے۔ ساتھ میں مسلمانوں کا لشکر جرار بھی تھا۔

اور یہ قوم ثمود قوم عاد کے بعد تھی، یہ بھی انہی کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

پھر اللہ نے انہی میں سے ایک اپنے بندے اور رسول کو بھیجا جو صالح بن عبید بن ماسخ بن عبید بن حاجر بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھے۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی طرف بلایا جو کہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور عبادت بتوں کی اور بتوں کو خدا کیلئے شریک ماننا چھوڑ دیں۔ اور کسی کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ کریں تو ان میں ایک جماعت نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور ایمان لے آئے۔

لیکن اکثر جمہور نے کفر کیا، اور اپنے قول و فعل کے ساتھ بری طرح پیش آتے رہے یہاں تک کہ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر بیٹھے۔ اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا جو اللہ نے ان کے لئے حجت و دلیل اور اپنی نشانی بنا کر بھیجی تھی تو پس اللہ نے بھی ان کو سخت غالب قدرت والے کی طرح پکڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ...... اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آچکا ہے (یعنی) یہی خدا کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے۔ تو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو (تو) کہ اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا اور تم نرم زمین سے (مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تو ان کی قوم میں سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں جو چیز دے کر وہ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو سرداران (مغرور) کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ آخر انہوں نے (اس) اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم خدا کے پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ۔ تو ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ پھر صالح ان سے (ناامید ہو کر) پھرے اور کہا کہ میری قوم! میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سورۃ ھود میں فرماتے ہیں:

ترجمہ...... اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت طلب کرو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار نزدیک (بھی) ہے اور دعا

---

(۱) سورۃ اعراف آیت ۷۳ تا ۷۹۔

کا (قبول کرنے والا (بھی) ہے انہوں نے کہا کہ صالح اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔

(صالح نے) کہا قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کرے گا؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے (یعنی معجزہ ہے) تو اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدہ اٹھا لو یہ (ایسا) وعدہ ہے (جو) جھوٹا نہ ہوگا جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بے شک تمہارا پروردگار طاقتور اور زبردست ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ اور سن رکھو (کہ) ثمود پر پھٹکار ہے (۱) اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر میں فرمایا:

ترجمہ:..... اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے (کہ) امن (واطمینان) سے رہیں گے تو صبح ہوتے ہوتے چیخ نے ان کو آ پکڑا اور جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے:

ترجمہ:..... اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (صالح کی نبوت کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں (وہ) ڈرانے کو (ہوتی ہیں)۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:..... (اور قوم) ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ (یعنی) باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو، تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو (صالح نے) کہا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا لیکن انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر نادم ہوئے سو ان کو عذاب نے آ پکڑا بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ (۴)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:..... اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے (صالح نے) کہا کہ اے قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو اور خدا کی بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگون ہیں (صالح نے) کہا کہ تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے اور شہر میں (ایسے) نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے کہنے لگے کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ

---

(۱) سورۂ ہود آیت ۶۱ تا ۶۸ (۲) سورۂ حجر آیت ۸۰ تا ۸۴ (۳) سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۹ (۴) سورۂ شعراء آیت ۱۴۱ تا ۱۵۹

ہم رات کو ان پر اور ان کے گھر والوں پر شب خون (رات کا حملہ) ماریں گے پھر ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی تو دیکھ لو ان کی چال کا انجام کیسا ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں جو لوگ دانش (سمجھ) رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانی ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔ (1)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:...... اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا تو ان کے اعمال کی سزا میں (کڑک کی) کڑک نے ان کو پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو ہم نے بچا لیا۔ (2)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:...... اور ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (اے صالح) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کی) باری پر آنا چاہیے تو ان لوگوں نے اپنے رفیق (ساتھی) کو بلایا اور اس نے (اونٹنی) کو پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ (3)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ترجمہ: قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا تو خدا کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کے متعلق اللہ سے ڈرو) مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور (سب کو) ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) کو ان کے بدلہ لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں۔ (4)

اکثر مقامات پر اللہ جل شانہ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ اکٹھا فرمایا ہے۔ جیسے سورۃ براءت آیت ۷۰ سورۃ ابراہیم آیت ۹ سورۃ فرقان آیت ۳۸ سورۃ ص آیت ۱۳ سورۃ ق آیت ۱۲ سورۃ نجم آیت ۵۱ سورۃ فجر آیت ۶ تا ۹ میں۔

اور کہا جاتا ہے کہ اہل کتاب (بنی اسرائیل) ان دونوں قوموں کی خبر سے واقف نہ تھے اور ان کی کتاب تورات میں یہ واقعہ نہیں ہے لیکن قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان دونوں قوموں کے بارے میں خبر دی ہے۔ جیسے سورۃ ابراہیم میں فرمان خداوندی ہے اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے: اگر تم اور جو اور لوگ زمین میں ہیں سب (اللہ کے ساتھ) کفر کرو تو خدا بے پرواہ (اور) لائق حمد ہے کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے نوح اور عاد اور ثمود (والے) اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل (معجزے) لے کر آئے۔ (سورۃ ابراہیم)

ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا ہے اپنی قوم کو لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں عاد و ثمود عرب سے تھیں تو انہوں نے ان کی خبروں اور باتوں کو اچھی طرح محفوظ نہیں کیا۔

اور ان کو یاد رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کی خبر مشہور تھی۔ اور اس تمام کے بارے میں ہم اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں کافی حد تک کلام کر چکے ہیں۔ سب تعریف اللہ کی اور اسی کا احسان ہے۔

اور اب یہاں ان کے قصے کو ذکر کرنا اور ان کے حالات کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بھی کہ ان کا انجام کار کیسا ہوا؟ کیسے اللہ نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات دی اور جنہوں نے اپنے کفر کے ساتھ ظلم کیا اور مسلمانوں پر سرکشی کی اور اپنے رسول کی

---

(1) سورۃ نمل آیت ۴۵ تا ۵۳ (2) سورۃ حم سجدہ آیت ۱۷، ۱۸ (3) سورۃ قمر آیت ۲۳ تا ۳۲ (4) سورۃ الشمس آیت ۱۱ تا ۱۵

کی علامت کی بات کی جو کافی ۔

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ لوگ خالص عرب تھے۔ اور یہ قوم اپنی بستی میں عاد کے بعد آبسی لیکن ان کے ہولناک انجام سے کوئی بھی عبرت نہ پکڑی۔ اسی وجہ سے ان کے نبی نے ان کو فرمایا: اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل (معجزہ) آچکا ہے (وہ معجزہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے تم اس کو چھوڑ دو (تاکہ) اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آن پکڑے گا۔ اور یاد کرو کہ (اللہ نے) تم کو عاد کے بعد خلیفہ (جانشین) بنایا (اور) تم کو زمین پر ٹھکانہ دیا۔ تم اس کی نرم (زمین) میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ (پس) اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

{الاعراف ۷۳۔ ۷۴}

یعنی تم کو اللہ نے عاد کے بعد بنایا تا کہ تم ان کے دردناک انجام سے خوب عبرت حاصل کرو۔ اور ان کے کردار کے خلاف نیک عمل کرو اور تمہارے لئے یہ زمین مباح کر دی تم اس کے نرم حصے میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر بڑی مہارت سے اپنے گھر بنا لیتے ہو۔ یعنی ان کی صنعت کاریگری میں زبردست مہارت اور ان کے پختہ اور مضبوط بنانے میں تم ماہر ہو تو بس اللہ کی نعمت کا مقابلہ اس کے شکر اور عمل صالح کے ساتھ کرو۔ اور اس کی تنہا عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی مخالفت اور اس کے حکم کی نافرمانی سے بچو ورنہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

اسی وجہ سے پیغمبر نے ان کو یوں نصیحت فرمائی کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ (یعنی) باغات اور چشموں میں۔ کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے لطیف و نرم ہوتے ہیں (یعنی پکے ہوئے بہت حسین اور خوش منظر اور پکے ہوئے ہیں) کیا یہ سب کسی بلا مقصد کے دے دیا گیا؟ اور تم تو ہو کر) اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ماہرانہ انداز سے گھر بناتے ہو؟ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ (الشعراء، ۱۴۶ تا ۱۵۲)

اور یوں بھی ان کو فرمایا: اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی نے تم کو زمین سے (یعنی مٹی سے) پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد کیا۔ یعنی تم کو پیدا فرمایا اور زمین سے پیدا فرمایا: پھر تمہیں اس کے لئے آباد کار بنایا۔ اور وہ زمین کی پیداوار مال اور صورت میں یعنی کھیتی، پھل وغیرہ کی شکل میں عطا فرمائی۔ لہٰذا جس نے تم کو یہ سب کچھ عطا فرمایا وہی خالق رازق ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔

قرآن میں ہے: تو اس سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ یعنی جن چیزوں کی پوجا میں تم منہمک ہو ان سے اپنے وجود کو صاف کرو۔ اور عبادات کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو وہ تم سے اس کو قبول کر لے گا۔ اور تمہاری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو یہ موعظہ و نصیحت فرمائی تو قوم نے جواب دیا۔

کہنے لگے اے صالح! تو ہم میں اس سے پہلے امیدوں کا محور تھا تو کیا تو ہمیں اس سے منع کرتا ہے کہ ہم ان (بتوں) کی عبادت نہ کریں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں اور جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس میں شک قوی میں ہیں۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم! تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں؟ اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو کون مجھ کو اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا؟ (پس) تم تو سوائے نقصان کے مجھے اور کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔

اور حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ بہترین نرم و لطیف انداز خطاب تھا۔ اور ان کو خیر کی طرف بلانے کا حسین و احسن طریقہ تھا۔ یعنی فرمایا: اگر بات یوں ہی ہو جیسی حقیقت ہے جس طرح میں کہتا ہوں تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ اور پھر تمہارا اللہ کے ہاں کیا عذر ہوگا اور پھر کون تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی کیا چیز بچا سکے گی؟ جبکہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھی اس کی اطاعت کی طرف بلانے کو چھوڑ دوں؟ اور یہ بات تو کسی طرح میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ مجھ پر سب سے واجب ہے۔ اور اگر (بالفرض والمحال) میں اس دعوت کے کام کو چھوڑ بھی دوں تو پھر تم میں سے کوئی اور تمہارے علاوہ اس کے نقصان سے مجھے بچا سکتا اور نہ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری مدد کر سکتا۔ لہٰذا میں ہمیشہ مسلسل تم کو اس اللہ کی

طرف بلا رہا ہوں کہ وہ معبود اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں حتی کہ اللہ عزوجل میرے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ نازل فرما دے۔

اور کفار کی حضرت صالح علیہ السلام کو ناپسندیدہ باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ کو کہا۔

اور کہنے لگے: آپ تو صرف سحر زدہ لوگوں میں سے ہیں۔

یعنی آپ پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی آپ جو کہہ رہے ہیں یہ عقل کی بات سے بعید ہے یہ تو کوئی عجیب سی بات ہے بنا بریں آپ پر سحر ہو گیا ہے۔

اور بعض دیگر نے کہا کہ "من المسحرین" کا معنی ہے کہ آپ مسحورین (جن پر سحر ہو گیا ہو) ان میں سے ہیں لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ بشر ہیں اور کوئی جن وغیرہ کام کر رکھا ہے (جادو ہوا کرتا ہے) یعنی آپ جادوگر ہیں۔

(تو پہلے قول کا خلاصہ تھا کہ آپ پر جادو ہو گیا ہے اور دوسرے قول کا خلاصہ ہے کہ آپ خود جادوگر ہیں)

لیکن پہلا قول زیادہ صحیح لگتا ہے کیونکہ اس آیت کے بعد کافروں کا یہ قول مذکور ہے تو صرف ہماری طرح کا انسان ہے۔ لہذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی نشانی لے آ۔ تو انہوں نے اس طرح ان سے کسی ایسی خلاف عادت نشانی طلب کی جو ان کی صداقت کی دلیل بن سکے۔ (تو اگر وہ حضرت صالح کو جادوگر سمجھتے ہوتے تو یہ سوال نہ کرتے کیونکہ جادوگر کے لئے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے)

آخر کار جب قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کسی ایسی نشانی طلب کی تو اللہ نے ان کو عجیب طریقے سے عجیب اونٹنی عطا فرمائی جس کے بارے میں قصہ تو ابھی قریب ہی آتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں حضرت صالح نے اپنی قوم کو جو نصیحت فرمائی وہ (فرمایا) یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لئے بھی ایک مقرر دن کی باری ہے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل (معجزہ) آ چکی ہے (اور وہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمہارے لئے نشانی ہے (میرے سچا ہونے کی) پس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا۔

اور فرمایا اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی (بطور) نشانی کے دی تو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔

اونٹنی کے پتھر سے نکلنے کا قصہ:...... مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن قوم ثمود اپنی کسی محفل میں اکٹھی ہوئی تو ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام آ گئے اور ان کو اللہ کی طرف بلایا اور نصیحت کی اور ڈرایا دھمکایا اور نیک بات کا حکم فرمایا۔ تو قوم ثمود کہنے لگی:

اگر تو ہمارے لئے اس چٹان سے اونٹنی نکال دے (اور ساتھ ہی قریب ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا) اور اس کی صفات ایسی ایسی ہوں پھر اس کے عجیب عجیب اوصاف ذکر کئے۔ اور مقصد ہر حال میں ظلم کرنا تھا یہ بھی کہا کہ وہ نکلتے ہی دس ماہ کی گابھن (بچہ جننے کے قریب) ہو اور اتنی لمبی ہو اور اس کی صفت و کیفیت ایسی ایسی ہو (الغرض بڑی شرطیں لگا گئیں) تو پھر حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اگر میں تمہارے سوال کو پورا کر دوں انہی صفات کے ساتھ جو تم نے کہیں تو کیا پھر تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے جو میں لے کر آیا ہوں؟ اور جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس کی تصدیق کرو گے؟ تو قوم ثمود نے کہا ہاں۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے اس بات پر ان سے عہد و پیمان لے لئے۔

پھر جائے نماز پر کھڑے ہو گئے اور جتنی مقدر میں تھی نماز پڑھی۔

پھر اپنے پروردگار سے دعا کی کہ ان کا مطلوبہ سوال پورا ہو۔

تو اللہ عز و جل نے اس چٹان کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے اور اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی طویل القامت انہی صفات کے ساتھ نکلی جو انہوں نے مانگی تھیں بلکہ اسی صفت پر نکلی جو انہوں نے بیان کیں۔

(اور اللہ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کہے (ہو جا) کہہ دینے تو فرمانے سے پہلے وہ وجود میں آ جاتی ہے تو اسی طرح اونٹنی فوراً نکل آئی) پھر جب انہوں نے اس کو اسی طرح انہی صفات کے ساتھ موجود دیکھا تو ایک عظیم الشان معاملہ پایا، بہت بڑا منظر پایا، قدرت غالبہ کا ثبوت پایا اور کھلی

ہلاکت نے ان کو پکڑ لیا۔

(تو ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے) اکثر لوگ ایمان سے مشرف ہو گئے اور بعض (تھوڑے) اکثر لوگ اپنے کفر و ضلالت پر ہی ہٹ دھرم رہے۔

اور ایمان لانے والوں کا رئیس سردار حضرت جندع بن عمرو بن محاث بن لبید بن جواس تھا۔ یہ قوم ثمود کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھا۔ اور باقی سرداروں میں سے بھی اسلام سے مشرف کے ساتھ سرفراز ہو گئے تھے۔ پھر ان کو بتوں کے پجاری اور ذواب بن عمرو بن لبید، حباب اور رباب بن صمعر بن جلمس نے اسلام سے روکا۔

جندع بن عمرو نے اپنے بھتیجے شہاب بن خلیفہ کو اسلام کی طرف بلایا۔ یہ بھی سرداروں میں سے تھا اور اس نے اسلام کا ارادہ بھی کر لیا لیکن ان لوگوں نے روک دیا اور یہ ان کی طرف مائل ہو گیا اور کفر پر ہی قائم رہا۔ اس پر مسلمانوں کے ایک مرد مہوش بن عثمہ بن الدمیل نے اشعار کہے

آل عمرو کی جماعت نے
شہاب کو پیغمبر کے دین کی طرف بلایا

وہ شہاب سارے ثمود کا عزیز تھا
پھر اس نے ارادہ بھی کر لیا کہ دعوت قبول کرے اور اگر وہ قبول کر لیتا

تو ہم میں وہ صالح اور عزیز محبوب ہو جاتا
لیکن ذواب والوں نے اپنے ساتھی کے ساتھ عدل نہیں کیا

اور لیکن حجر کے سرکش لوگ
ہی جماعت سے پیٹھ دے کر بھاگ گئے سرکشی کی طرف

تو پھر جب اونٹنی عظیم الشان جسم والی دیکھنے میں ظاہر ہوئی تو پیغمبر خدا یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو کہا هذه ناقة الله یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔

تو اونٹنی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اس کی شرافت و عظمت اور اس کی نشانی کو بتلانے و ظاہر کرنے کیلئے تھا۔ جیسے بیت اللہ بھی ہے۔ اور اسی طرح اللہ اپنے محبوب پیغمبر کو "عبدہ" اپنا بندہ فرماتے ہیں۔ جبکہ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہیں لیکن یہ حضرت شان کو ظاہر کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔

تو پیغمبر صالح علیہ السلام نے فرمایا: کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور تمہارے لئے نشانی ہے اس بات کی کہ میں جن چیزوں کو لے کر آیا ہوں (توحید وغیرہ) وہ سب برحق ہے۔ اور یہ چونکہ اللہ کی اونٹنی ہے تو فرمایا اسکو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ اور اسے کوئی برائی (تکلیف پہنچانے کی غرض) سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پکڑ لے گا۔ (ہود ۶۴)

تو کافی عرصہ تک ایسا ہی رہا کہ یہ اونٹنی ان سب کے درمیان رہی تو وہ جہاں چاہتی کسی کی زمین میں چرتی رہے۔ اور پانی پر ایک دن کے بعد ایک دن آتی تھی۔ اور جس دن یہ پانی پر آتی تھی اس دن سارے کنویں کا پانی پی جاتی تھی۔ تو لوگ اپنی حاجت اگلے دن پوری کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اونٹنی کا دودھ دوہتے تھے جو پوری قوم ثمود کو کافی ہو جاتا تھا۔ اور ان کے پینے کے لئے اسی کے پانی کی باری تو خدا نے اس پر مقرر فرما دی تھی۔ فرمایا اس کے لئے پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے (بھی) ایک مقرر دن۔ (الشعراء ۱۵۵)

تو یہ بھی حقیقت میں ان کی سرکشی اور آزمائش کی بات تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: بیشک ہم نے اونٹنی کو بھیجا ان کے لئے آزمائش بنا کر پس (اے پیغمبر صالح) ان کا انتظار کر اور صبر کر اور ان کو خبر دے دے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہے کہ ہر

ہے۔ (ایک دن) باری پر حاضر ہو۔ (قمر ۲۷۔۲۸)

یعنی یہ اونٹنی ان کے لئے امتحان ہے کہ کیا اب بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بات کا آپ بغیر انتظار کریں کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے اور وہ جو آپ کو تکلیفیں پہنچائیں آپ ان پر صبر کریں۔ عنقریب نتیجہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گا۔

جب یہ حالت بہت طویل ہو گئی تو ان کی رائے اور مشاورت اس بات پر متفق ہو گئی کہ اس اونٹنی کو ذبح کر دیں تا کہ اس سے جان چھوٹے اور آرام و سکون حاصل ہو اور ان کو پانی وافر مقدار میں ملے تو شیطان نے اس طرح ان کے دل میں یہ باطل خیالات پیدا کر دیئے اور وہ یہ کام کر بیٹھے قرآن میں ہے پھر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح اگر تم رسولوں میں سے ہو تو جس (عذاب) سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ۔ (اعراف: ۷۷)

اور اس اونٹنی کے قتل کا اقدام کرنے والا شخص قدار بن سالف بن جندع تھا۔ سرخ رنگت والا تھا اور اس کے جسم پر نیلے نیلے دھبے پڑے ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے یہ ولد الزنا یعنی حرامی بچہ تھا۔ چونکہ سالف بن جندع کے گھر پیدا ہوا اس لئے مشہور وہ اسی کے نام سے تھا لیکن درحقیقت یہ دوسرے شخص سے پیدا شدہ تھا جس کا نام صہیان تھا۔ اور اس نے اونٹنی کو قتل تمام کی متفقہ رائے سے کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ ظلم تمام کی طرف منسوب ہوا کہ قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کیا۔

اور علماء مفسرین میں سے ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قوم ثمود کی دو عورتیں تھیں ایک کا نام صدوق بنت المحیا بن زہیر المختار تھا۔ اور یہ اونچے خاندان کی مالدار عورت تھی جس کا شوہر اسلام لا چکا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اس سے جدا ہو گئی تھی۔

تو اس نے اپنے چچازاد بھائی مصدع بن مہرج بن المحیا سے کہا کہ اگر تو اس اونٹنی کو ذبح کر ڈالے تو میں تیرے لئے ہوں (اور یہ حسین خوبصورت تھی)۔

اور دوسری عورت کا نام عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھا اور کنیت ام عثمان تھی۔ اور یہ بھی کافرہ بڑھیا تھی۔ اس کے شوہر ذواب بن عمرو سردار سے اس کے ہاں خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ تو اس نے بھی ایک دوسرے شخص قدار بن سالف پر یہ پیش کش کی کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو ان لڑکیوں میں جس کو چاہے اپنے لئے پسند کرے۔

تو یہ دونوں جوان اس کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنی قوم میں حمایت حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ تو قوم ثمود میں سے دوسرے سات آدمیوں نے بھی ان کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔ تو یہ اس طرح نو افراد ہو گئے۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ شہر میں نو آدمیوں کی جماعت تھی جو زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے (النمل: ۴۸) اور پھر قبیلے والوں سے بات کی۔ تو انہوں نے بھی ان کی سرکشی یعنی اونٹنی کو قتل کرنے کو خوب سراہا اور ان کی بات کو قبول کیا اور حمایت کا یقین دلایا۔

تو یہ نو آدمیوں کی جماعت اونٹنی کے لئے گھات لگا کر کمین میں بیٹھ گئے۔ جب اونٹنی گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی (اور ان کے قریب سے گزرنے لگی) تو مصدع نے جو کمین میں تھا ایک نشانہ لے کر اونٹنی پر تیر چلایا۔ اور تیر جا کر اونٹنی کی پنڈلی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔

پھر قبیلے کی عورتیں اونٹنی کو قتل کرنے پر قبیلے کو ملامت کے ساتھ برانگیختہ کرنے لگیں (کہ جلدی قتل کرو) اور اپنے چہروں کو پیٹنے لگیں۔ تو ان سب مردوں میں سے قدار بن سالف آگے بڑھا اور تلوار سونت کر بڑی شدت سے وار کیا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یعنی پچھلے پاؤں سے معذور کر دیا) تو وہ اونٹنی بلبلاتی ہوئی زمین پر گر پڑی۔ اور ایک بہت زوردار چیخ ماری تا کہ اس کا بچہ جہاں کہیں ہو خبردار ہو کر قاتلوں کے چنگل سے بھاگ جائے اور بچ جائے۔ پھر قاتل قدار نے اپنے خنجر سے گردن کو چاک کرتے ہوئے اونٹنی کے سینے پر چڑھ کر اس کو ذبح کر ڈالا۔

اور اس کا بچہ بھاگتا ہوا ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ چیخ ماری۔ (اور غائب ہو گیا)[1] حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے نے یہ کہا تھا اے پروردگار میری ماں کہاں گئی۔ پھر وہ چٹان میں داخل ہوا اور اس میں غائب ہو گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ قاتلوں نے اس کا بھی پیچھا کیا تھا اور اس کو بھی کاٹ ڈالا تھا۔

---

(۱) رواہ عبدالرزاق عن معمر عمن سمع الحسن انہ قال ــ ۲۱

اللہ عزوجل فرماتے ہیں! پھر انہوں (ثمودیوں) نے اپنے ساتھی (یعنی قتل کرنے والا قدار) کو بلایا اور پھر اس نے اونٹنی کو پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (۱)۔ اور رب تعالیٰ نے فرمایا جب انہیں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا اور اللہ کے رسول نے ان کو کہا (کہ یہ) اللہ کی اونٹنی ہے اور اس کے پانی کی باری ہے (تو اس) کا خیال رکھو اور اس کو تکلیف دینے سے بچو لیکن انہوں نے اس (پیغمبر) کو جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کو کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان کے پروردگار نے (بھی) ان کے گناہوں کی بدولت تباہ عذاب (کا کوڑا) برسایا (اور) پھر ان کو برابر کر دیا۔ اور وہ ان کے انجام سے نہیں ڈرتا۔ (۲) مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ دیا پھر (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی کا تذکرہ چھیڑا اور جس نے اس کو قتل کیا تھا اس کا ذکر کیا فرمایا جب ان میں سے سب سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا۔ یعنی اونٹنی (کو ذبح کرنے) کے لئے ایک شخص کھڑا ہوا جو عزت والا تھا اپنی قوم میں سربرآوردہ اور زور آور تھا جیسے ابوزمعہ اپنی قوم میں۔ (۳)

(۴) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہوئے۔ کیا میں تجھے لوگوں میں سب سے بدبخت نہ بتاؤں؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا دو شخص ہیں۔ ایک تو ثمود کا سرخ رنگت والا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ اور دوسرا وہ شخص ہے علی! جو تجھے یہاں (تلوار) مارے گا (یعنی سر پر) حتیٰ کہ یہ جدا ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کر لی۔ اور کہا اے صالح جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے، اگر تو رسولوں میں سے ہے تو اس کو لے آ۔ سو ان سرکشوں نے یہ کلام کر کے کفر کی انتہائی حدود کو کئی اعتبار سے چھو لیا۔

ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اونٹنی کو برائی کے ساتھ چھونے سے منع فرمایا تھا۔ اور وہ اونٹنی ان کو اپنی طرف سے بطور نشانی کے عطا فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہوئے اونٹنی پر ظلم کیا اور اس کو مار ڈالا۔

اور اس پر مزید اضافہ یہ کیا کہ خود ہی جلدی اور فوراً عذاب کو مانگنے لگے۔

تو وہ دو وجوں سے عذاب کے مستحق ہو گئے ایک تو یہ کہ اللہ نے ان کو فرمایا تھا کہ اس کو برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں قریبی عذاب پکڑ لے گا ایک جگہ فرمایا عظیم عذاب پکڑے گا اور ایک جگہ فرمایا دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور تمام صورتیں واقع ہو کر رہیں۔

اور دوسری وجہ یہ کہ پھر خود ہی عذاب الٰہی کو جلد اور فوراً دعوت دینے لگے۔

اور یہ سب سے بڑی بات تھی کہ رسول علیہ السلام نے جب اپنی نبوت و سچائی پر یقینی دلیل اور معجزہ پیش بھی کر دیا اس کے باوجود بھی انہوں نے رسول کی تکذیب کی اس کو جھٹلایا۔ اور ان کے دل میں علم یقین بھی پیدا ہو چکا تھا کہ یہ سچا رسول ہے لیکن کفر و ضلالت اور عناد و سرکشی نے ان کو کفر پر اکسایا اور حق اور اپنے پر عذاب کے واقع ہونے کو یقینی خیال نہ کرنے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو (حضرت صالح نے) فرمایا تم اپنے گھروں میں تین دن نفع اٹھا لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مذکور ہے کہ جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تو سب سے پہلے ملعون قدار بن سالف نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں پھر وہ زمین پر گر پڑی تو تمام لوگ اپنی تلواریں لے کر اس مظلوم جانور پر ٹوٹ پڑے۔ پھر جب اونٹنی کے بچے نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی ان ظالموں سے خوفزدہ ہو کر بھاگا اور جا کر اونچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ زوردار چیخ ماری۔

تو اس وجہ سے کہ بچے نے تین مرتبہ چیخیں ماری تھیں حضرت صالح نے بھی اپنی نافرمان قوم کو عذاب سے تین دن کی مہلت بتائی یعنی اونٹنی پر ظلم والے دن کے سوا تین دن اپنی زندگیوں سے نفع اٹھا لو۔ اور بس۔ لیکن (کفر وہ جو سر چڑھ کر بولے) اور ان کافروں نے اس وعدے کی بھی تصدیق نہ کی بلکہ شام ہوئی تو اپنے کفر پر مزید اضافہ کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی۔ کہ اس کو بھی اونٹنی کے ساتھ ملا دیں قرآن میں ہے: کہنے لگے اللہ کی آپس میں قسمیں اٹھاتے ہوئے کہ ہم ضرور رات کو اس کو اور اس کے گھر والوں کو جا لیں گے۔ یعنی رات کو اس کے گھر میں گھس

---

(۱) القمر ۲۹۔۳۰ (۲) الشمس ۱۱۔۱۵

(۳) قال الامام احمد حدثنا عبداللہ بن نمیر، حدثنا ھشام، ابو عروۃ، عن ابیہ عن عبداللہ بن زمعۃ قال: — اخرجاہ من حدیث ھشام بہ

(۴) وقال محمد بن اسحاق: حدثنی یزید بن محمد بن خثیم، عن محمد بن کعب، عن محمد بن خثیم بن یزید عن عمار بن یاسر قال —

کر اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے قتل کا انکار کر دیں گے اور سرے سے ہی انکار کر دیں گے اگر اس کے ورثاء اور اولیاء اس کا خون بہا یا قصاص طلب کرنے لگے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ان کا ذکر ہے کہ پھر ہم اس کے ولی کو کہہ دیں گے کہ اس کے ہلاکت کی جگہ بھی ہم حاضر نہیں تھے۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ (سورۃ النمل ۴۹)

آگے اللہ نے فرمایا: انہوں نے مکر کیا تو ہم نے (بھی) مکر کیا اور ان کو احساس بھی نہ ہوا۔ پس دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی ساری (کافر) قوم پر (عذاب کی) تباہی ڈال دی پس یہ ان کے گھر ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس میں جاننے والی قوم کیلئے (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ (النمل ۵۰ تا ۵۳)

تو خیر قوم ثمود اونٹنی کے قتل سے فراغت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے جوڑنے لگی اور وہ بھی اسی رات کو۔ لیکن جیسے اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے مکر کیا تو ہم نے بھی مکر کیا اور ان کو پتہ نہ چلا۔ اس کی تفصیل یوں ہوئی۔ کہ اللہ عزوجل نے ان کی قوم سے بھی پہلے پتھر برسائے اور ان کے سر کچل ڈالے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صالح علیہ السلام اور اس کے اہل کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس طرح ان کو ان کی قوم سے تین دن پہلے ہی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(اور یہ دن بدھ کا تھا جس میں اونٹنی شہید ہوئی اور پھر رات کو وہ خاص کفریہ جماعت تباہ ہوئی اس کے بعد صبح ہوئی) یعنی جمعرات کا دن آیا تو یہ مہلت کے دنوں میں سے پہلا دن تھا اس دن میں قوم ثمود کے چہرے زرد ہو گئے جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا تھا پھر جب شام ہوئی تو قوم ثمود کہنے لگی واہ مہلت کا ایک دن گزر گیا اور کافروں نے بجائے چہرے بدلنے کی نشانی سے ایمان لانے کے مذاق کرنا شروع کر دیا پھر جب اس سے اگلے دن یعنی جمعے کے دن صبح کی اور یہ مہلت کا دوسرا دن تھا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ جب شام کی تو پھر کفر بکنے لگے واہ مہلت کے دو دن گزر گئے پھر زندگی کی مہلت میں سے تیسرے دن صبح کی تو ان کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے پھر جب شام ہوئی تو کافر کہنے لگے واہ مہلت مکمل ہو گئی۔ گزر گئی۔ اور یہ ہفتے کا دن تھا۔ پھر جب اتوار کا دن شروع ہوا۔

تو کفار چوکنے ہو گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگے کہ دیکھو اب پھر کونسا عذاب، رسوائی اور بربادی اترتی ہے؟ کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اور کون سی جانب سے عذاب آئے گا؟

جب آفتاب طلوع ہوا تو آسمان سے ایک چنگھاڑ یعنی بہت سخت تیز چیخ کی آواز آئی جس سے یہ پہلے تو دہل گئے، اور روحیں خوف سے نکلنے لگیں، جانیں سسک سسک کر ختم ہونے لگیں، حرکات سکنات ٹھنڈی پڑ گئیں، آوازیں بند ہو گئیں، حقائق واضح ہو گئے۔

پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ محض جسموں کے ڈھیر تھے جن میں کسی میں روح کا ذرہ نہ بچا تھا۔ اور نہ کوئی حرکت باقی رہی تھی۔

اور مذکور ہے کہ ان میں سے کوئی باقی نہ بچا سوائے ایک لڑکی کے، اور وہ بھی لنگڑی تھی پاؤں سے معذور تھی۔ اس کا نام کلبہ بنت سلق تھا اور ذریعہ بھی اس کو کہا جاتا ہے۔ اور حضرت صالح علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھتی تھی اور کفر بھی سخت تھی۔ جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اس کی ٹانگیں ٹھیک ہو گئیں، اور وہ کھڑی ہو کر بھاگ پڑی۔ اور اس وقت اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور پھر وہ عرب کے ایک قبیلے کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں اس نے قبیلے کو جو کچھ دیکھا تھا اور جو عذاب اس کی قوم پر اترا تھا سب سنایا۔ پھر ان سے پانی طلب کیا انہوں نے پانی دیا۔ پھر جب پانی پی لیا تو یہ بھی مر گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گویا کہ وہ اس (علاقے) میں کسی طرح آباد ہی نہیں ہوئے۔

خبردار! بے شک ثمود نے اپنے پروردگار کے حکم سے کفر کیا خبردار! پھٹکار ہے ثمود کے لئے یعنی قدرت کی زبان نے جو یہ آواز لگائی۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مقام حجر کے پاس سے گزرے تو فرمایا نشانیوں (معجزوں) کو مت طلب کرو بے شک قوم صالح نے ان کو طلب کیا پس وہ (نشانی اونٹنی ان کو مل گئی اور وہ) اس راستے سے پانی کے لئے آتی تھی اور اس راستے سے واپس جاتی تھی۔ پھر (قوم ثمود نے) اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ اونٹنی ایک دن پانی پیتی تھی اور (اس دن) وہ (سب) اس کا

---

(۱) قال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، حدثنا عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عن ابی الزبیر، عن جابر قال ... الخ

دودھ پیتے تھے پھر جب انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا ایسی کہ جو بھی آسمان کے نیچے تھا چیخ سے وہ ہلاک ہو گیا سوائے ایک شخص کے جو حرم اللہ (مکہ) کے اندر تھا صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون تھا؟ فرمایا ابو رغال تھا پھر جب وہ حرم سے نکلا تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا۔

یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہے واللہ اعلم۔

اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ معمر نے کہا مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ ابو رغال کی قبر کے پاس سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ قبر ابو رغال کی ہے۔ یہ ثمود کا آدمی تھا۔ یہ اللہ کے حرم میں تھا تو حرم اللہ نے اسے عذاب سے بچا لیا پھر جب یہ نکلا تو اس کو بھی وہی کچھ پیش آیا جو اس کی قوم کو پیش آیا۔ پھر یہ یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی تھی۔ پھر اس کے پاس ایک قوم نے پڑاؤ ڈالا اور اس کی ٹہنی کو تلواروں سے کھود کر نکال لی۔

(۱) زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو رغال ہی قبیلہ ثقیف کا باپ تھا۔(۲)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کے ساتھ طائف کی طرف نکلے تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا جب ہمارا ایک قبر پر سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ابو رغال کی قبر ہے اور وہ ابو ثقیف ہے اور ثمود سے تھا اور اس حرم کی وجہ سے عذاب سے بچا رہا پھر جب وہاں سے نکلا تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا۔ پھر یہیں وہ دفن کر دیا گیا اور اس کی نشانی یہ (ٹہنی کا) ہے کہ یہاں اس کے ساتھ سونے کی ٹہنی دفن ہوئی تھی اگر تم اس کو کھودو تو وہ اس کے ساتھ پا لیتے (لیکن) پھر لوگوں نے اس میں جلدی کی اور اس سے ٹہنی نکال لی۔(۴)

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں تردد ہے صحیح یہ لگتا ہے کہ یہ تو عبداللہ بن عمرو کا قول ہو اور یہ بھی اس کے دو زاملوں جو اہل کتاب کے تھے ان میں مذکور ہیں۔

لیکن پچھلی مرسل حدیث اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کے لئے شاہد ہے واللہ اعلم۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر (پیغمبر نے) ان سے پیٹھ پھیری اور فرمایا اے قوم بے شک میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تم کو (خیر خواہی کے ساتھ) نصیحت کر چکا، لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔(۵)

یہ حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے قوم کی ہلاکت کے بعد یہ کلمات فرمائے اور اس وقت یہاں کے مقام سے کوچ فرما کر دوسری جگہ کی طرف جا رہے تھے اور زبان اقدس سے فرماتے جا رہے تھے اے قوم بے شک میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا چکا اور تمہارے لئے خیر خواہی کر چکا۔

یعنی تمہاری ہدایت میں مجھ سے جتنا کچھ ہو سکا میں نے خوب کوشش کر لی اور میں تمہاری ہدایت پر اپنے قول اپنے فعل اور اپنی نیت کے ساتھ بہت ہی حریص تھا۔ (لیکن تمہاری سرکشی آڑے آ گئی) اور لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ یعنی تمہاری طبیعت حق کو قبول کرنے والی نہیں ہے بلکہ اس کا ارادہ کرنے والی بھی نہیں ہے لہٰذا اسی وجہ سے تم اس درد ناک عذاب سے دوچار ہو گئے جو ہمیشہ اب تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور مجھے تمہارے چھٹکارے کی اب کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔ اور میں اپنے ہاتھوں سے بھی اس کو تم سے دفع نہیں کر سکتا۔ اور میرے ذمے جو تمہارے متعلق تھا وہ تبلیغ رسالت کا پہنچانا اور نصیحت کرنا تھا وہ میں ادا کر چکا اور تمہارے لئے خیر خواہی کر چکا۔ لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت پیغمبر سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے بھی بدر کے کافر مقتولوں کو تین راتوں بعد فرمایا تھا اور آپ ان پر کھڑے تھے اور اپنی

---

(۱) قال عبدالرزاق قال معمر قال الزهري ثقيف (۲) وهذا مرسل من هذا الوجه (۳) وقد جاء من وجه آخر متصلا كما ذكره محمد بن اسحاق في السيرة عن اسماعيل بن امية عن بجير بن ابي بجير قال سمعت عبدالله بن عمر يقول

(۴) هكذا رواه ابو داؤد من طريق محمد بن اسحاق به قال شيخنا الحافظ ابو الحجاج المزي رحمه الله هذا حديث حسن عزيز قلت تفرد به بجير بن ابي بجير هذا ولا يعرف الا بهذا الحديث ولم يرو عنه سوى اسماعيل بن امية قال شيخنا فيحتمل انه وهم في رفعه وانما يكون من كلام عبدالله بن عمرو من زاملتيه والله اعلم (۵) الاعراف ۷۹

سواری پر سوار تھے اور رات کا آخری پہر تھا اور آپ نے کوچ کا حکم دے دیا تھا پھر کوچ کرتے وقت آپ ان مقتولوں سے مخاطب ہوئے۔

اے کنویں والو: (چونکہ ان کو قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا) کیا تم سے تمہارے پروردگار نے (مرنے کی صورت میں عذاب کا) جو وعدہ فرمایا تھا اس کو تم نے حق و درست پایا؟ میں نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو حق (سچ) پایا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے خطاب میں اس وقت ان کو یہ بھی فرمایا تھا۔

برے تھے نبی کا خاندان، (یعنی) تم اپنے نبی کے لئے۔ تم نے مجھے جھٹلایا لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے وطن سے نکالا اور لوگوں نے مجھے ٹھکانا دیا، تم نے مجھ سے قتل و خونریزی کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ پس برے نبی کا خاندان ہو۔ پس (یعنی) تم اپنے نبی کے لئے (برے تھے)

{ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ آپ ایسی قوم سے خطاب کر رہے ہیں جو ہلاک ہو چکی ہے تو فرمایا جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے اللہ کے حرم میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر وہیں اقامت پذیر رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ حج کے وقت وادی عسفان سے گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کون سی وادی ہے؟ عرض کیا وادی عسفان فرمایا یہاں سے ہود اور صالح علیہما السلام بھی گذرے تھے (وہ دونوں) اونٹنی پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی رسی کی تھیں ان کے جسم پر عبائیں تھیں اور سیاہ و سفید دھاریوں والی تھیں۔ تلبیہ (اللھم لبیک الخ) پڑھتے ہوئے قدیم گھر (بیت اللہ) کا حج کرنے کے لئے جا رہے تھے۔

اس حدیث کی سند حسن ہے اور طبرانی کی روایت سے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں ذکر ہو چکا ہے اور اس میں نوح اور ہود اور ابراہیم علیہم السلام کا ذکر ہے۔

تبوک کے سال ارض ثمود کی وادی حجر سے نبی اکرم ﷺ کا گذر

(۱) مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ تبوک میں اترے تو قوم ثمود کے گھروں کے پاس مقام حجر میں اترے۔ تو جن کنووں سے قوم ثمود پانی بھرتی تھی۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی وہاں سے پانی بھرا اسی پانی سے آٹا گوندھا اور اس پر ہانڈیاں چڑھا دیں۔ لیکن پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم فرمایا تو صحابہ نے ہانڈیاں الٹ دیں اور اس پانی سے گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو لے کر آگے کوچ فرمایا حتیٰ کہ اس کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا جس کنویں سے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) پانی پیتی تھی۔

اور پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا کہ قوم ثمود جو عذاب سے ہلاک ہوئے ان کے گھروں بستیوں میں نہ جائیں اور یہ فرمایا: میں خوف کرتا ہوں کہ تم کو بھی وہی (عذاب) نہ آپہنچے جو ان کو پہنچا تھا لہذا ان کے پاس نہ جاؤ۔

(۲) اور مسند احمد میں ایک دوسرے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ مقام حجر میں تھے۔ تو آپ نے یہ فرمایا: ان عذاب یافتہ لوگوں کے پاس نہ جاؤ مگر اس طرح (جیسے) روتے ہوئے جاؤ۔ لہذا (اگر یہ نہ ہو سکے) ان کے پاس نہ جاؤ (اس خوف سے کہ کہیں) تم کو بھی وہی (عذاب) نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا۔

---

[1] قال الامام احمد: حدثنا وکیع، حدثنا زمعة بن صالح عن سلمة بن وهرام، عن عکرمة، عن ابن عباس قال

[2] قال الامام احمد: حدثنا عبد الصمد، حدثنا صخر بن جويرية، عن نافع، عن ابن عمر قال ... الخ

[3] وقال احمد ايضاً: حدثنا عفان، حدثنا عبد العزيز بن مسلم، حدثنا عبد الله بن دينار، عن عبد الله بن عمر قال ... الخ

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے کئی وجہ سے تخریج فرمایا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب قوم ثمود کے گھروں کے پاس سے گذرے تو اپنے سر کو ڈھانپ لیا اور سواری انتہائی تیز فرمادی۔ اور صحابہ کرام کو ان کے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ سوائے رونے کی صورت میں لہٰذا اگر رونا نہ ہو تو ان کے علاقوں میں داخل نہ ہو کہیں تم کو بھی وہی (عذاب) نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا۔

اس کو بھی بخاری و مسلم نے کئی طرح سے تخریج فرمایا ہے۔

اور اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم رو نہ سکو تو رونے کی صورت بنالو اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب پہنچ جائے جو ان پر اترا تھا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

(۱) اور مسند احمد میں عمرو بن سعد یا عامر بن سعد سے مروی ہے کہ جب غزوہ تبوک کا موقع پیش آیا تو لوگ اہل حجر کے مقام کی طرف تیزی سے جا رہے تھے تو یہ بات رسول اکرم ﷺ کو پہنچی تو لوگوں میں منادی کرائی الصلوٰۃ جامعۃ یعنی جمع کرنے والی نماز (اور یہ اعلان تب کروایا جاتا تھا جب لوگوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہوتا تھا)۔

تو راوی کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ اپنے اونٹ کو روکے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے تمہیں کیا ہے کہ تم ایسی قوم پر داخل ہوتے ہو، جس پر اللہ کا غضب اتر چکا ہے؟ تو مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سے تعجب (وعبرت) پکڑتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا تو کیا میں تمہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز شخص نہ بتاؤں؟ (وہ شخص وہ) مرد ہے جو تم میں سے ہے اور تم سے پہلے کی خبریں دیتا ہے اور بعد کی خبریں بھی دیتا ہے (یعنی خود آپ کی ذات مبارک) پس مستقیم رہو اور سیدھے رہو۔ اس لئے کہ اللہ تمہیں (بھی) عذاب دینے میں کوئی پروا نہ فرمائے گا۔ اور عنقریب ایسی قوم آئے گی جو اپنے نفسوں کا کچھ بھی (عذاب الٰہی) سے دفاع نہ کرے گی۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کو اوروں نے تخریج نہیں فرمایا۔

مذکور ہے کہ قوم صالح کی عمریں طویل ترین ہوا کرتی تھیں۔ تو پہلے یہ گارے مٹی کے گھر بناتے تھے تو وہ ایک شخص کی موت تک ہی ویران و تباہ ہو جاتا تھا پھر انہوں نے پہاڑوں میں اپنے لئے تراش تراش کر گھر بنانا شروع کئے۔

مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ قوم ثمود نے جب حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی بطور نشانی طلب کی اور اللہ نے وہ ان کو عطا فرمادی تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو حکم فرمایا کہ اس کا اور جو بچہ (ابھی سے) اس کے پیٹ میں ہے دونوں کا خیال رکھا جائے اور اگر اس کو برائی سے چھوئیں گے تو اللہ کا عذاب ان کو گھیر لے گا۔

اور حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو یہ خبر بھی پہلے ہی سے دیدی تھی کہ وہ عنقریب اس کو کاٹ ڈالیں گے اور یہی ان کے ہلاک ہونے کا سبب بنے گا حتی کہ اس کی کونچیں کاٹنے والے شخص کی نشانی اور اوصاف بھی پہلے بتا دیئے تھے کہ وہ سرخ رنگت اور نیلے گہرے دھبوں والا ہوگا تو (شاید پھر مومنین) لوگوں نے دائیوں کو شہروں میں بھی پھیلا دیا کہ جو بچہ اس طرح کا پیدا ہو اس کو قتل کر دیں۔ تو اسی طرح ایک زمانہ بیت گیا (یعنی کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا بلکہ کوئی قتل بھی نہ ہوا) پھر ایک پشت ختم ہوگئی دوسری آگئی۔

پھر کسی ایک شہر کے رئیس نے دوسرے رئیس کی بیٹی کو پیغام نکاح دیا اور وہ راضی ہوگیا تو دونوں کے درمیان شادی ہوگئی پھر ان کے ہاں اونٹنی کا قاتل پیدا ہوا جو قدار بن سالف تھا لیکن اس کے ماں باپ رئیس و سردار تھے تو اس وجہ سے دائیاں اس کے قتل پر قادر نہ ہوسکیں تو وہ ظالم بڑی سرعت سے پرورش پاتا گیا حتی کہ یہ ایک ہفتے میں اتنی پرورش و نشوونما پالیتا تھا جتنی دوسرے ایک مہینے میں پاتے ہیں۔

یہاں تک کہ یہ بہت جلد قوم میں رئیس و سردار بن کر ابھرا۔ پھر اس کے دل میں اونٹنی کے قتل کا خیال فاسد پیدا ہوا۔ اور دوسرے آٹھ آدمیوں نے بھی اس (سرکشی سے ہم خیالی ظاہر کرتے ہوئے اس) کی اتباع کی اور وہ بھی سرکش اور سردار لوگوں میں سے تھے اور انہی ظالموں نے حضرت صالح

---

(۱) وقال الامام احمد: حدثنا يزيد بن هارون، حدثنا المسعودي، عن اسماعيل بن اوسط، عن محمد بن ابي كبشة الانماري عن ابيه واسمه عمرو بن سعد ويقال عامر بن سعد رضي الله عنه قال: الخ

علیہ السلام کے قتل کا بھی ارادہ کیا تھا۔

پھر جب اونٹنی کے قتل کا ماجرا پیش آچکا تو یہ بات حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی تو حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی کے غم میں روتے ہوئے ان کے پاس آئے تو یہ مجرم لوگ آپ سے جھوٹے بہانے اور معذرت کرنے لگے کہ یہ ہماری جماعت کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ یہ ہم میں سے چند لوگوں نے کیا ہے۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے (درگذر کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کے بچے کو لے آؤ اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو تاکہ شاید ہو جائے۔ تو لوگ اس بچے کے پیچھے گئے تو وہ ادھر موجود ایک پہاڑ پر چڑھ گیا پھر جب لوگ اس کے پیچھے چڑھنے لگے تو وہ اور بلندی کی طرف چڑھا اور حتیٰ کہ چوٹی پر پہنچ گیا اور پرندے اس کو نوچنے لگے۔ تو بچے نے چلانا اور رونا شروع کیا اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے پھر حضرت صالح علیہ السلام کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ چیخ ماری۔ تو اسی وقت حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا (قرآن میں ہے: اپنی زندگیوں سے [illegible] صرف) تین دن تک اپنے گھروں میں تمتع اٹھالو یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔ (ہود:۶۵)

اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبر بھی دی کہ تمہارے چہرے صبح کو زرد ہو جائیں گے پھر دوسرے دن سرخ پھر۔ تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے پھر جب چوتھا دن آئے گا تو ان کے پاس ایک زوردار چیخ آئے گی جس میں ہر (طرح کی) بجلی کی کڑک اور آواز ہوگی جو ان کو تڑپا دے گی پھر یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ملیں گے۔

لیکن اس روایت کے بعض حصوں میں شبہ کا امکان ہے اور قرآن کے ظاہر کی مخالفت ہے جیسے کہ ہم بیان کر چکے واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

نسب نامہ ...... ابراہیم بن تارخ (عمر ۲۵۰) بن ناحور (عمر ۱۴۸) بن ساروغ (عمر ۲۳۰) بن راعو (عمر ۲۳۹) بن فالغ (عمر ۴۳۹) بن عابر (عمر ۴۶۴) بن شالخ (عمر ۴۳۳) بن ارفخشد (عمر ۴۳۸) بن سام (عمر ۶۰۰) بن نوح علیہ السلام۔

یہ اہل کتاب کی کتاب میں تصریح کے ساتھ ہم نے ان کی عمروں کے نسب نامہ میں لکھا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو یہاں بیان نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے بارے میں مفصل، مدلل کلام پہلے گزر چکا ہے۔

(۱) اور حافظ ابن عساکر نے اللہ کے دوست حضرت ابراہیم کی سوانح میں روایت کیا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ کا نام امیلہ تھا اور اس کے بعد ان کی ولادت کی خبر طویل ہے۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کی والدہ کا نام "بونا" بنت کربتا "بن کرثی" تھا اور یہ قبیلہ بنی ارفخشد بن سام بن نوح سے تھیں۔

اور ابن عساکر نے کئی جہت سے حضرت عکرمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت "ابو الضیفان" تھی (یعنی مہمانوں کے باپ چونکہ کثرت مہمان نوازی میں یہ بہت مشہور ہو گئے تھے اس لئے یہ کنیت پڑ گئی۔ م)

علماء مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جب تارخ کی عمر ۷۵ سال کو پہنچ گئی تو ان کے ہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے علاوہ ناحور اور ہاران بھی ان کے ہاں پیدا ہوئے اور ہاران کے ہاں حضرت لوط علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو اس طرح حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہوئے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام تینوں یعنی درمیانی بھائی تھے۔ اور ہاران اپنے والد کے زمانے ہی میں اسی سرزمین میں وفات کر گئے تھے جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور وہ علاقہ کسدانیین کی زمین ہے اور اس سے ان کی مراد بابل شہر ہے۔

اور اہل سیرت و تواریخ و اخبار کے ہاں یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

اور (۲) حافظ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غوطہ دمشق میں قاسیون کے پہاڑی علاقے میں برزہ نامی بستی کے اندر پیدا ہوئے لیکن بعد میں ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر میں پیدا ہوئے اور اس جگہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اسی لئے بھی منسوب کیا گیا ہے کہ جب آپ نے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے یہاں تشریف لائے تو یہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

(تو تینوں بھائی ناحور بھی بابل میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آخری قول کے مطابق بابل میں پیدا ہوئے۔ م)

اہل تواریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے شادی کی اور ناحور نے ہاران کی بیٹی ملکا یعنی اپنے بھائی کی بچی سے شادی کی۔ اور اہل تواریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ بانجھ تھیں اور کوئی اولاد ان کے ہاں نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی بہو سارہ اور اپنے پوتے لوط بن ہاران کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین بابل سے چلے گئے اور کنعانیوں کی سرزمین میں آباد ہوئے اور وہاں مقام حران میں اترے اور وہیں تارخ نے وفات پائی جبکہ ان کی عمر دو سو پچاس سال تھی۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اس

---

(۱) وحکی الحافظ ابن عساکر فی ترجمۃ ابراہیم الخلیل من ... تاریخہ ... عن اسحاق بن بشر الکاہلی صاحب کتاب ... المبتدأ ... الخ

(۲) وصحح ذلک الحافظ ابن عساکر ... بعد ما روی من طریق ہشام بن عمار عن الولید عن سعید بن عبدالعزیز عن مکحول عن ابن عباس ... الخ

کے آس پاس کی جگہ ہے پھر یہ کنعانیوں کی سرزمین کا ارادہ لے کر چلے اور وہ بیت المقدس کے شہر ہیں۔ تو وہاں یہ حضرات حران نامی جگہ میں آ کر ہو گئے۔ اور اس وقت یہ جگہ بھی اور جزیرہ اور شام کی سرزمین بھی کسدانیوں کے زیر سایہ تھیں اور یہ سات سیاروں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے شہر دمشق کو شروع میں بسایا آباد کیا وہ بھی اسی دین پر تھے۔ یہ قطب شمالی کی طرف رخ کرتے تھے (جس طرح ہم کعبۃ اللہ کی طرف کرتے ہیں) اور اقوال و افعال میں کئی طرح سے سات سیاروں کی عبادت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے دمشق کے پرانے سات دروازے ان میں سے ہر ایک پر ایک سیارے کی ہیکل بنا کر نصب کر رکھی تھی۔ اور ان کے پاس عید اور تہوار کی رسوم ہوتے تھے۔

اسی طرح حران شہر کے لوگ بھی انہی بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس وقت روئے زمین پر جو بھی تھے سب کافر تھے۔ سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے اور ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ نے ان فتنوں اور شر کو زائل کیا اور ضلالت و گمراہی کو مٹایا۔ بے شک اللہ نے ان کو بچپن ہی سے سیدھی راہ دکھلا دی تھی۔ اور ان کا رسول منتخب کر لیا تھا۔ پھر بڑی عمر میں بھی ان کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ (انبیاء: ۵۱)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمان خداوندی ہے: اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ کا طوفان باندھتے ہو۔ تو جن لوگوں کو خدا کے سوا تم پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس خدا کے ہاں سے رزق طلب کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کو بار بار پیدا کرتا رہے گا اور یہ خدا کو آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر خدا ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور تم اس کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ اور جن لوگوں نے خدا کی آیتوں سے اور خدا کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔

تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں صرف یہی بولے کہ اسے قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو۔ مگر خدا نے ان کو آگ سے نجات دی۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اور (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے لے بیٹھے ہو پھر قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پس ان پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب دیئے۔ اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے باپ اور قوم کے ساتھ مناظرے کو ذکر فرمایا جس کو عنقریب ذکر کریں گے ان شاء اللہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعوت اپنے والد کو تھی اور ان کے والد بتوں کی پوجا کرتے تھے اس وجہ سے لوگوں میں وہ سب سے زیادہ نصیحت کے محتاج تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے

بھی جو نہیں [illegible] آپ کو معلوم نہیں [illegible] تو آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ اے
ابا شیطان کی پوجا نہ کیجئے بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے۔

اے ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو رحمٰن کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جا۔

ابراہیم نے سلام علیکم کہا (اور کہا) کہ میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ خدا کے سوا پکارا کرتے ہیں (سب) سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں۔ اور صرف اپنے پروردگار کو پکاروں گا۔ مجھے امید (قوی) ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔

تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیٹے اور باپ کی گفتگو اور مباحثہ ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ بیٹے نے باپ کو حق کی طرف نہایت لطیف انداز اور عمدہ اشاروں کے ساتھ بلایا۔ اور ان بتوں کی عبادت کا بطلان واضح فرمایا جو اپنے عابد کی دعا نہیں سنتے اور اس کی جگہ کو نہیں دیکھتے تو وہ اس کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ یا اس کے ساتھ بھلائی رزق یا مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم عطا فرمایا ہے آپ اس کی اتباع کریں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عمر میں چھوٹے تھے قرآن کے الفاظ یوں ہیں اے میرے ابا بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا تو لہٰذا آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں گا (مریم ۴۳) یعنی واضح اور درست اور سیدھا راستہ جو آپ کی تمناؤں کو پورا کرنے والا ہو گا جو دنیا اور آخرت میں خیر تک پہنچا دے گا۔

پس جب یہ نصیحت ان کے باپ پر پیش کی گئی اور یہ نصیحت خیر خواہی سے کی گئی تو باپ نے بیٹے سے اس کو قبول نہ کیا اور نہ اس سے حاصل کیا بلکہ الٹا بیٹے کو ڈرایا دھمکایا اور کہا: اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جا (مریم ۴۶) یعنی ایک طویل مدت تک مجھ سے جدائی اختیار کر لے۔

تو بیٹے نے باپ کو کہا سلام علیک آپ پر سلامتی ہو۔ یعنی میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات آپ تک نہیں پہنچے گی اور نہ میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے گی۔ بلکہ آپ میری جانب سے ہر طرح سلامت رہیں گے۔ پھر بیٹے نے ان کے لئے اضافی یہ ارشاد فرمایا: عنقریب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے (مریم ۴۷)۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ حفی سے مراد لطیف ہے یعنی مجھ پر لطف کرنے والا ہے جس نے مجھ کو اپنی بندگی کی توفیق مرحمت فرمائی اور اپنے لئے اخلاص عطا فرمایا۔ اس لئے آگے فرمایا اور میں تم سے اور جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے ہو ان سے کنارہ کشی کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا (مریم ۴۸) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے وعدے کے مطابق دعائیں مانگیں۔ لیکن جب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے (اور کفر ہی پر رہے گا) تو پھر بیٹے نے باپ سے بیزاری ظاہر کر دی جیسے فرمان ہے: اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔ (التوبہ)

[۱] بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر

---

[۱] [illegible] البخاري [illegible] في التفسير [illegible]
المقبري عن أبي هريرة [illegible]
[illegible] عن النبي ﷺ [illegible]
[illegible] عن أبي هريرة عن النبي ﷺ بنحوه

سے ملیں گے اور آزر کا چہرہ گرد و غبار اور گندگی سے اٹا ہوگا۔ تو ابراہیم علیہ السلام ان سے کہیں گے کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟ آزر جواب میں کہیں گے کہ آج میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام (بارگاہ رب العزت میں) عرض کریں گے: اے پروردگار آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ فرمائیں گے۔ تو میرے والد کی رسوائی کے بعد میرے لئے کون سی بڑی رسوائی ہوگی؟ تو اللہ جل شانہ فرمائیں گے: بے شک میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے ابراہیم! اپنے قدموں تلے دیکھو کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے کہ ایک مردار نجاست میں لتھڑا پڑا ہے جس کو ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور جب ابراہیم نے اپنے والد آزر کو کہا: کیا آپ بتوں کو معبود بناتے ہیں؟ بے شک میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ (انعام ۷۴)

قرآن کی آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا۔ جبکہ نسب بیان کرنے والوں میں سے جمہور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک بھی تارخ تھا۔ پھر آزر کیا ہے؟ تو ایک قول یہ ہے کہ آزر ان کے بت کا نام تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ تو اسی وجہ سے یہ ان کا لقب پڑ گیا۔ اور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آزر ان کا نام تھا۔ اور شاید ان کے دو نام تھے یا پھر ایک ان کا لقب تھا اور دوسرا نام تھا۔ واللہ اعلم۔

اور ابن جریر کا قول بھی احتمال کے درجے میں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔ جب رات نے ان کو ڈھانپ لیا تو آپ کو ایک ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے اگر میرا رب مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے تو سب سے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اسی کی طرف متوجہ کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں؟ جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق امن کا مستحق ہے اگر علم رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ جس کے چاہتے ہیں ہم درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت (اور) علم والا ہے۔ (الانعام ۷۵۔۸۳)

وہ بیان ہو رہا ہے کہ اپنی قوم سے بطور مناظرہ کے کہا۔ اور ان کو سمجھانا مقصود تھا کہ یہ چمکدار ستارے، سیارے وغیرہ معبود بننے کی صلاحیت و استعداد نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اللہ کے شریک بننے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں اور تدبیر سے مدبر ہیں ان کو چلایا جاتا ہے۔ اور یہ مصنوعات میں سے ہیں جو اللہ کی تدبیر کے ساتھ ان کے کام میں لگے ہوئے ہیں کبھی طلوع ہوتے ہیں کبھی غائب ہوتے ہیں۔ اور اس عالم سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ پروردگار تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ کوئی پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی رہتی ہے بلکہ وہ دائمی باقی اور لازوال ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی جہان کا پالنے والا ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو قوم کے سامنے ستاروں، سیاروں وغیرہ کی عدم صلاحیت بیان فرمائی۔ ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم نے

السلام نے پہلے جو چمکدار کسی چیز کو دیکھا وہ یہ ستارہ تھا پھر آپ نے اس سے زیادہ روشن چیز یعنی چاند کی طرف نظر کی جو اس سے کہیں زیادہ روشن چیز تھی آفتاب پر نظر پڑی جو نظر آنے والے تمام اجرام فلکی میں روشنی اور چمک دمک کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ جب تینوں چیزوں کے بارے میں بالکل ظاہر ہو گیا کہ یہ سب کسی ذات کی طرف سے کام میں لگے ہوئے ہیں اسی کے حکم سے چلتے پھرتے ہیں اسی کے حکم سے ان کے اوقات مقرر ہیں اور متعین ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور آفتاب اور ماہتاب (اور) آفتاب اور ماہتاب کو سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ کرو اللہ ہی کو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ (حم سجدہ ۳۷)

اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو کہنے لگے اے میری قوم! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں (اور) بے تعلق ہوں میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنی ذات کو اس ذات کی طرف متوجہ کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان سے ان کی قوم نے جھگڑا کیا تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ جبکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں ان (تمہارے معبودوں) سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر یہ کہ میرا پروردگار کچھ چاہے۔" یعنی میں تمہارے ان معبودوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ اس لئے کہ وہ کسی چیز کا نفع نہیں دے سکتے اور نہ سن سکتے ہیں (اور نہ) عقل رکھتے ہیں بلکہ وہ تمام سیاروں کی طرح مخلوق اور اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یا وہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر ہیں اور بس۔

اور ظاہری طور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ان حضرات کے ساتھ گفتگو فرمانا ہی "اہل حران" کے لئے تھا کیونکہ یہی لوگ ان مذکورہ ستاروں کی پرستش کرتے تھے لہٰذا اس وضاحت و تفصیل سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بچپن میں "تہ خانہ" سے نکلے تب یہ کلام کہے تھے۔ جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ بات اسرائیلی خبروں سے نقل ہوئی ہے جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ خصوصاً جب وہ حق بات کی مخالف بھی ہوں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اہل بابل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے یہی وہ لوگ ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کے بارے میں مناظرہ کیا اور ان کو ذلیل کیا ان کی تردید کی اور ان کے باطل ہونے کی وضاحت کی بیان کیا جیسے قرآن مجید میں ہے۔

اور (ابراہیم نے) کہا اور کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہمی محبت کے واسطے بتوں کو پکڑ لائے ہو، پھر قیامت کے دن تمہارے بعض بعض کا انکار کریں گے اور تمہارے بعض بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارے لئے (ان) مددگاروں میں سے کوئی نہ ہوگا۔"[۱]

اور دوسری جگہ قرآن میں ہے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) کے لئے تم معتکف (بیٹھے) ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔ وہ بولے کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں یا آپ دل لگی کرنے والوں میں سے ہیں؟ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں اسی کا گواہ ہوں۔

اور خدا کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔ کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اسے ابراہیم کہتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ گواہ رہیں (جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو) بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم! یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ کیا تو نے کیا ہے؟ کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔ جب انہوں

---

(۱) عنکبوت: ۲۵ (۲) انبیاء: ۵۶

نے اپنے آپ میں سوچ بچار کی تو (اپنے ہی کو) کہنے لگے تم ہی ظالم لوگ ہو۔ پھر ان کے سر پیچھے ہو گئے۔ (اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں ہیں۔ کہا پھر تم خدا کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ کچھ بھی تمہیں فائدہ دے سکیں۔ اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تم پر اور خدا کے سوا جنکی تم پرستش کرتے ہو تف ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ (تو وہ آپس میں) کہنے لگے اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور (اس طرح) اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا چاہا تھا (مگر) ہم نے ان کو ہی خسارے میں ڈال دیا۔ (۱)

اور دوسری جگہ قرآن مقدس میں فرمایا گیا: اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔ تو کہا: کیا جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو (اور) تم اور تمہارے اگلے باپ دادا وہ سب میرے دشمن ہیں مگر خدائے رب العالمین (وہ میرا دوست ہے)۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا (بھی) دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور اسی ذات سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ روز قیامت کو میرے گناہ بخشے گا۔ (الشعراء ۶۹ تا ۸۲)

اور سورۃ الصافات میں فرمایا: اور انہی کے گروہ میں سے ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلیم (القلب) دل لیکر آئے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ (گھڑ کر) اللہ کے سوا (دوسرے معبودوں کی عبادت) کا ارادہ کرتے ہو؟ بھلا رب العالمین کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ (کیا وہ تمہیں شرک پر معاف کر دے گا؟)

پھر (ابراہیم علیہ السلام نے) ستاروں کی طرف ایک نظر کی۔ اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ پھر (کافر لوگ) ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے اور ابراہیم ان کے خداؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کر دیا۔ تو لوگ دوڑتے ان کے پاس آئے۔ تو (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جنکو خود ہی تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو اور جن کو تم بناتے ہو پیدا فرمایا ہے۔

تو وہ (آپس میں) کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ (اور اس میں آگ بھڑکا کر) پھر اس کو آگ میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی (مگر) ہم نے ان کو زیر کر دیا۔ (الصافات ۸۳ تا ۹۸)

اللہ عزوجل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا اور ان کی ذلالت وحقارت کو بیان فرمایا اور یوں فرمایا کیا شکلیں ہیں؟ جن کو (تم پوجتے پر) قائم ہو؟

یعنی کیوں ان پر جھکے پڑے ہو اور ان کے سامنے ذلت اختیار کی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے پھر جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ تو ان کی یہ کھوکھلی دلیل صرف اپنے آباء واجداد کے کرتوت تھے اس کے علاوہ ان بتوں کی پرستش کی کوئی دلیل وحجت ان کے پاس نہیں تھی۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں تھے۔ (۲) اسی طرح دوسری جگہ آیا: جب (ابراہیم علیہ السلام نے) اپنے والد اور اپنی قوم کو کہا کن کی تم عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ (گھڑ کر) سوائے اللہ کے اور معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟ تو تمہارا رب العالمین کے متعلق کیا خیال ہے؟ (۳)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ تم نے غیر اللہ کی پرستش کی ہے تو جب اللہ سے ملاقات کرو گے تو تمہیں پتہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ کہا کیا جب تم (ان معبودوں کو) پکارتے ہو تو وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے آباء کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔ (۴)

---

(۱) انبیاء، ۶۴۔۷۰ (۲) الانبیاء، ۵۴ (۳) الصافات ۸۵۔۸۷ (۴) الشعراء، ۷۲۔۷۴

تو اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ کسی پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں اور نہ کسی چیز کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ان کو ان بتوں کی عبادت پر اکسانے اور ابھارنے والی چیز صرف اور صرف اپنے آباء اجداد کی پیروی کرنا ہے۔

اور پھر ان کے آباء اجداد سے بھی زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یوں بھی فرمایا: کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم پرستش کرتے رہے ہو تم اور تمہارے پہلے باپ دادا؟ وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین (میرا دوست ہے)۔[1]

قوم جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کے باطل و فاسد ہونے پر یہ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے براءت ظاہر کی اور ان کے عیوب و نقائص فاش کئے لہٰذا اگر وہ کچھ نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے تو حضرت ابراہیم کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح اگر کچھ اثر انداز ہو سکتے تو اثر کر دکھاتے (لیکن سب بے سود)

تو جواب میں قوم نے کہا: کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس حق لے کر آئے ہو یا تم بھی کھیل کرنے والوں میں سے ہو؟[2] یعنی یہ جو گفتگو آپ ہمارے خداؤں کے بارے میں کر رہے ہیں اور ان کی برائیاں بیان کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے پھر ہمارے اگلے آباء و اجداد کو طعن کر رہے ہیں، تو کیا یہ سب کچھ حق ہے یا آپ محض مذاق کر رہے ہیں؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہا: بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان (تمام) کو پیدا فرمایا۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔[3]

یعنی میں جو تم سے کہہ رہا ہوں وہی حق ہے بے شک تمہارا معبود برحق وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تمہارا بھی پرورش فرمانے والا اور ہر چیز کا پرورش فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی پہلے نمونے کے پیدا فرمانے والا ہے۔ بس وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس پر گواہ ہوں۔

اور ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بتوں پر دھمکی بھی دی فرمایا۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔[4] یعنی جب تم اپنے تہوار عید کے موقع پر سب چلے جاؤ گے تو ضرور تمہارے بتوں کو توڑوں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو؟

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنے آپ میں کہی تھی اور ان کو نہ سنائی تھی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے بعض لوگوں نے سن لی تھی۔

اور ان کی ایک عید گاہ تھی اور ہر سال تہوار کے موقع پر ہر سال وہاں جاتے تھے اور وہ بھی شہر سے باہر۔ تو جب وہ دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے ان کو کہا کہ چلو میلہ دیکھیں تو انہوں نے بہانہ کیا کہ میں تو بیمار ہوں۔ جیسا اللہ نے فرمایا۔ پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔[5]

تو اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بات کر کے ان کو ٹال دیا تاکہ پیچھے سے ان کے خداؤں کو گرائیں اور حق کو بلند کریں اللہ کے دین حق کی مدد کریں اور بتوں کو پاش پاش کریں جو اسی کے لائق ہیں اور ان کو ذلیل و ذلت کا مزہ چکھائیں۔

لہٰذا جب لوگ عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلے تو یہ ان کے شہر میں ٹھہر گئے۔ اللہ نے فرمایا۔ پھر وہ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔[6] یعنی خفیہ طور پر تیزی سے بتوں کے پاس گئے۔ دیکھا بت بڑی عظیم شان و شوکت میں ہیں اور سامنے عجیب عجیب عمدہ عمدہ قسم کے کھانے بطور نذرانے کے رکھے ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لطف لیتے ہوئے بطور مذاق استہزاء ان کو کہا (قرآن میں ہے:) کیوں نہیں تم کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا بات نہیں کرتے؟ پھر ان کی طرف دائیں ہاتھ کے ساتھ مارنے (اور توڑنے) میں مشغول ہو گئے۔[7]

---

(۱) الشعراء: ۷۵ تا ۷۷

(۲) الانبیاء ۵۵

(۳) الانبیاء ۵۶

(۴) الانبیاء ۵۷

(۵) الصافات ۸۸، ۸۹

(۶) الصافات ۹۱

(۷) الصافات ۹۳

کیونکہ ہنسنا تمسخر کی ہوتی ہے پھر تیز اور تیزی کا ذکر کرتا ہے تو اس بات پر تو میں بڑا محفوظ تھا اس سے خوب ان کے خداؤں کی خدمت کی اللہ نے فرمایا۔ پھر (ابراہیم علیہ السلام نے) ان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔(۱) یعنی پوری طرح سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا آگے فرمایا سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اسی کی طرف (یہ پوچھنے میں) رجوع کریں۔

ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہتھوڑا اس باقی ماندہ بڑے بت کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا یعنی اشارہ اس طرف ہو کہ اسی نے یہ سب کیا ہے جیسے اس بات سے غیرت آئی کہ اس کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جائے۔

پھر لوگ اپنی عبادت گاہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے خداؤں پر کیا عذاب اتر چکا ہے تو جیسے قرآن میں ہے: کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (سلوک) کس نے کیا ہے؟ بے شک وہ تو ظالموں میں سے ہے۔(۲) تو اس موقع پر اگر ان کو ذرا بھی عقل و سمجھ ہوتی تو ان کے لئے بڑی ہدایت کی دلیل تھی۔ کہ جن خداؤں کی یہ عبادت کرتے تھے ان پر عذاب نازل ہو چکا ہے اگر وہ مستحق خدا ہوتے تو کم از کم اپنے سے ہی خود سے اپنا بچاؤ کر لیتے۔ مگر یہ سمجھ ہی نہ آئی اور اپنی جہالت اور کم عقلی کی بناء پر کہنے لگے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ وہ کوئی ظالم ہے۔ پھر ایک نے کہا: ہم نے ایک جوان کو (برائی کے ساتھ) ذکر کرتے سنا تھا اس کو ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔(۳) یعنی وہ ان کی عیب جوئی اور عیب بیان کرتا ہے جیسے وہی ان کو توڑنے اور خراب کرنے والا ہو سکتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا کہ اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔(۴)

تو لوگوں نے کہا۔ پھر تو اس کو لوگوں کے سامنے حاضر کر لاؤ تاکہ لوگ اس پر گواہی دے سکیں۔(۵)

یعنی ایک بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے لایا جائے تاکہ لوگ اس کی ہلکی باتوں پر گواہی دیں، اور اس کی بات کو سنیں، پھر اپنے خداؤں پر نازل شدہ عذاب کا بدلہ لے کر ان کی مدد کریں۔

اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی خواہش اور عظیم مقصد تھا کہ تمام لوگوں کا اجتماع ہو اور ان کی طرف توجہ ہو اور پھر یہ تمام بتوں کے پجاریوں کے سامنے ان کے بتوں کی برائی جتا سکیں اور ان کو بیان کریں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کے لئے ملاقات اور مقابلے کا دن مقرر فرمایا تھا قرآن میں ہے تمہارے وعدے کی جگہ جشن کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔(۶)

تو پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جمع ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی لے آیا گیا تو انہوں نے کہا: کہنے لگے! اے ابراہیم علیہ السلام کیا یہ (سلوک) ہمارے خداؤں کے ساتھ آپ نے کیا ہے؟ تو (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)۔(۷) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب تھا کہ ان کے بڑے نے مجھے چھوٹے بتوں کے توڑنے پر اکسایا ہے لہذا گویا بڑے نے ہی کیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یہ بھی کہنا جواب دیا فرمایا: تم ان ہی سے سوال کرو اگر یہ بولتے ہوں۔(۸)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد تھا کہ اسی بہانے ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ یہ تو بول بھی نہیں سکتے۔ اور پھر خود اعتراف کریں گے کہ یہ صرف اور صرف پتھر ہیں دوسرے عام پتھروں کی طرح۔

تو پھر ان کے دل میں یہ خیال آیا اور قرآن میں بھی ہے۔ پھر وہ اپنے آپ میں (سوچ بچار کے ساتھ) لوٹے پھر (ایک دوسرے کو) کہا بے شک تم ہی تو ظالم لوگ ہو۔(۹)

یعنی خود ہی اپنے کو ملامت و شماتت کرنے لگے اور کہا تم ہی تو ظالم ہو کہ تم نے اپنے خداؤں کے پاس کوئی محافظ کوئی چوکیدار نہیں چھوڑا۔

آگے فرمایا: پھر وہ اپنے سروں پر جھکا دیئے گئے۔(۱۰) حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی پھر وہ اپنی سرکشی اور گمراہی کی طرف لوٹ

---

(۱) الانبیاء: ۵۸
(۲) الانبیاء: ۵۹
(۳) الانبیاء: ۶۰
(۴) الانبیاء: ۵۷
(۵) الانبیاء: ۶۱
(۶) طہ: ۵۹
(۷) الانبیاء: ۶۲، ۶۳
(۸) الانبیاء: ۶۳
(۹) الانبیاء: ۶۴

واپس ہو گئے تو اس صورت میں 'نکسوا' آیت میں جو انھوں نے اپنے آپ کو کہا کہ تم ہی ظالم لوگ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان کی عبادت کرنے میں تم ہی ظالم لوگ ہو نہ کہ بت پھر وہ اپنی بات پر ڈٹے نہیں بلکہ دوسری گمراہی اور فتنے کی طرف لوٹ گئے اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے سوال سے ان کو حیرت ہوئی اور رسوائی کا خیال پیدا ہوا پھر انھوں نے سر جھکا لئے اور کہا قرآن میں ہے۔ بے شک (اے ابراہیم) تم جانتے ہو کہ یہ (خدا) بولا نہیں کرتے۔ (1) یعنی جب تم کو یہ پتہ ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے تو تم اس قسم کا سوال کیوں کرتے ہو؟

تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اچھا جواب دیا۔ کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہو جو تم کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ نقصان دے سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (2) اسی طرح فرمایا وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے حضرت کی طرف دوڑتے ہوئے تیزی سے آئے (تو حضرت ابراہیم نے) کہا کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ یعنی تم ان خداؤں کو لکڑی اور پتھر وغیرہ سے تراش کر پھر اپنی چاہت سے تراشتے ہو۔ اپنے خداؤں کی شکل و صورت بنا کر خود ہی ان کے سامنے اپنی پیشانی ٹکا بیٹھے ہو تمہاری عقل کہاں گئی ہے؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو اور جن (بتوں) (کو تم بناتے ہو) پیدا فرمایا ہے۔ (3)

اور اس آخری آیت "واللہ خلقکم وما تعملون" میں ما خواہ مصدریہ ہو یا الذی کے معنی میں ہو بہر صورت مطلب یہی ہوگا کہ تمہارے ساتھ یہ بھی مخلوق ہیں تو پھر کیسے مخلوق اپنی ہی دوسری مخلوق کی عبادت کیسے کر سکتی ہے؟ اور تم ان کی عبادت کرو یا یہ تمہاری عبادت کریں دونوں باتیں برابر ہیں۔ کیونکہ ایک دوسرے کی عبادت کرنا سب سے باطل و بیکار ہے اور عبادت تو صرف خالق وحدہ لاشریک اللہ کا حق ہے اور وہی اس کا تنہا مستحق ہے۔

تو پھر وہ حضرت ابراہیم کے اس جواب پر لاجواب ہو کر وہ ظلم و جبر پر اتر آئے۔ کہنے لگے اس کے لئے کوئی عمارت بناؤ اور اس میں بہت سی آگ جلاؤ (پھر اس کو اس میں ڈال دو) تو انھوں نے اس کے ساتھ مکر کرنا چاہا تو ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔ (4)

تو جب وہ دلائل و اقوال کی جنگ سے عاجز ہو گئے اور گفتگو مباحثہ میں مغلوب و عاجز ہو گئے اور ان کے پاس کوئی حجت و دلیل نہ رہی اور کوئی شبہ نہ رہا جس کو وہ اپنی دلیل و قوت میں پیش کر کے اپنی بے وقوفی اور سرکشی پر پردہ ڈالتے۔

تو اس طرح وہ اس سے بھی آگے کے درجے سے اللہ نے اپنے کلمے کو بلند کر دیا اور اپنی دلیل و برہان کو غالب کر دیا وہ آگے والا واقعہ اس طرح ہوا جو قرآن میں ہے۔

(وہ لوگ) کہنے لگے اس کو جلا دو اور (یوں) اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تم نے (کچھ) کرنا ہے۔ تو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا اور انھوں نے اس کے ساتھ مکر کیا، پھر ہم نے انہی کو خسارے والا بنا دیا۔ (5)

اور اس کام کی تحریک یوں شروع ہوئی کہ سب کافر جہاں سے ہو سکے لکڑیوں کے انبار اکٹھے کرنے لگے حتیٰ کہ لکڑیاں جمع کرتے کرتے ایک مدت بیت گئی اور یہاں تک کہ اگر کوئی عورت بیمار پڑ جاتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر اس کو شفا ہو گئی تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کیلئے لکڑیوں کا گٹھا دے گی۔ پھر انھوں نے ایک عظیم لمبی چوڑی گہری خندق اور گڑھا کھودا اور سب لکڑیاں اس میں ڈال دیں، پھر اس میں آگ لگا دی آگ جلنا شروع ہوئی اور بھڑکنے لگی اور پھر شعلہ زن ہوئی اور اس کے شرارے اتنے بلند ہو گئے کہ اس جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

پھر جب اچھی طرح آگ اپنے غیظ و غضب میں بھڑکنے لگی تو کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ایک پلڑے میں رکھا اور منجنیق بنانے والا ایک ہیزن نامی شخص تھا اور یہ دنیا کا پہلا انسان تھا جس نے منجنیق ایجاد کی جس کی پاداش میں اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی رہے گا۔

تو پھر کافر لوگ حضرت ابراہیم کو پکڑ کر اس میں پھینکنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو وردِ زبان بنائے ہوئے تھے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک رب العلمین لک الحمد و لک الملک لا شریک لک

---

(1) الانبیاء ۶۵۔ (2) الانبیاء ۶۶ تا ۶۷ (3) الصافات ۹۴ تا ۹۶

(4) الصافات ۹۷، ۹۸۔ (5) الانبیاء ۶۸ تا ۷۰

(مطلب یہ ہے) ابراہیم کو ہاتھ پاؤں کے ساتھ رسیوں سے باندھ کر کے منجنیق کے ذریعہ سے ان کو پھینکا گیا اور اس کے بعد پھینکا تو (یہ) ان کو آگ کے بیچ میں
آگ میں پھینک دیا گیا تو پھر حضرت ابراہیم نے کہا

حسبنا اللہ و نعم الوکیل
ہمیں اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

اسی طرح حضرت امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں پھینکا جانے لگا تو انہوں نے یہی کہا تھا حسبنا اللہ و نعم الوکیل

اسی طرح جب آپ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کو قریش کی طرف سے ڈرایا گیا تو حضور ﷺ نے بھی یہی کلمات ادا فرمائے تھے قرآن میں ہے (لوگوں نے کہا) بیشک (کافر) لوگ آپ کے لئے (لڑائی کے ارادے سے) اکٹھے ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے خوف کرو، پھر اس نے ان (مومنوں) کا ایمان اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے پھر وہ (مسلمان) اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو کچھ تکلیف بھی نہ پہنچی۔ (۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے (یا اللہ [illegible]) کہا۔

اے اللہ تو آسمان میں تنہا ہے اور میں زمین میں تنہا تیری عبادت کرنے والا ہوں۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان سے ملے اور عرض کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا آپ کی طرف کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت بارش کا فرشتہ (اضطراب و پریشانی کے عالم میں) کہہ رہا تھا کہ کب مجھے حکم ملے اور میں بارش برساؤں؟ لیکن اللہ کا حکم (بارش سے) پہلے ہی آ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی آگ کو حکم دیا (قرآن میں ہے) ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا لیکن نقصان نہ پہنچانے والی (اسی وجہ سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف پہنچتی۔

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا اس روز کوئی شخص بھی آگ سے نفع نہ اٹھا سکا (یعنی آگ سے گرمی وغیرہ ختم کر دی گئی جس کی وجہ سے لوگ چولہے بھی گرم نہ کر سکے) اور فرمایا کہ اس روز آگ نے حضرت ابراہیم کی رسیوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں جلائی اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے اس پسینے کے علاوہ ان کو کچھ نہ لگا۔ اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سایہ کرنے والا فرشتہ بھی تھا اور آپ ایک ہری بھری سایہ دار ٹھنڈک اور سلامتی کی جگہ میں تھے اور ارد گرد آگ جلائی گئی تھی جیسا کہ ان کی آگ اپنے شعلوں اور شراروں کے ساتھ بھڑک رہی تھی اور وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن کسی کی طاقت نہ تھی کہ کچھ بھی کر سکیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کی طرف نکل کر نہیں آ رہے تھے۔

[illegible]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کے کہے ہوئے کلمات میں سے سب سے اچھے کلمات وہ ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو آگ کے اندر اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر کہے۔

---

(۱) آل عمران ۱۷۳ تا ۱۷۴۔ (۲) قال ابو یعلی حدثنا ابو ہشام الرفاعی حدثنا اسحاق بن سلیمان عن ابی جعفر الرازی عن عاصم عن ابی [illegible] عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ الخ (۳) الانبیاء ۶۹

نعم الرب ربک یا ابراہیم ۔ اے ابراہیم تیرا پروردگار بہترین پروردگار ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب اپنے لخت جگر کو (یوں) بیچ آگ میں بار دیکھا تو اس نے پکارا۔

اے میرے بیٹے میں بھی تیرے پاس آنا چاہتی ہوں اللہ سے دعا کر کہ تیرے ساتھ مجھے بھی آگ کی حرارت سے نجات دے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے، پھر آپ کی والدہ حضرت ابراہیم کی طرف چلیں اور آگ نے ان کو کچھ نہ کہا پھر بیٹے کے پاس آ کر بیٹھ کر گلے سے لگایا اور بوسہ دیا پھر واپس لوٹ گئیں۔

حضرت منہال بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں (آگ میں) چالیس یا پچاس دن ٹھہرے اور انھوں نے فرمایا کہ وہ دن اور راتیں جن میں میں نے ان سے اچھی زندگی نہیں گزاری اور میری تمنا رہی کہ میری تمام زندگی بھی اسی طرح ہو جائے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

تو الغرض کفار و مشرکین نے انتقام لینا چاہا مگر رسوا و ذلیل ہوئے، وہ بلند ہونا چاہا لیکن پست و حقیر ہوئے غالب ہونا چاہا مگر مغلوب ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے

اور انھوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پھر ہم نے ان کو خسارے والا کر دیا[1] اور دوسری جگہ ہے ہم نے ان کو نیچا کر دیا۔[2]

تو اس طرح دنیا میں وہ خسارے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ناکام و نامراد ہو گئے، اور آخرت میں ان پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہو گی اور نہ وہ سلام اور سلامتی کے مستحق ہوں گے بلکہ ان کا مقام وہ ہو گا جو اللہ نے فرمایا (انها ساءت مستقرا ومقاما) بے شک وہ برا ٹھکانہ اور مقام ہے۔

[3] بخاری میں ہے حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام پر (جلنے والی آگ کو) پھونک مارتی تھی۔

اس روایت کو مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔[4]

[5] اور مسند احمد میں بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

چھپکلی کو قتل کرو کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو پھونکیں مارتی تھی راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ بھی ان کو مارتی تھیں۔

[6] اور مسند احمد ہی میں ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو وہاں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا تو عورت نے پوچھا یہ کیسا نیزہ ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں پھر حضرت عائشہ نے حضور ﷺ کی حدیث بیان کی کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو تمام جاندار اس آگ کو بجھاتے تھے سوائے چھپکلی کے یہ اس پر پھونکیں مارتی تھی۔[7]

اور مسند احمد ہی میں ہے کہ یونس بن عثمان نے اسے جریر سے خبر دی کہ نافع نے بیان کیا کہ ابن مغیرہ کی لونڈی کہتی ہیں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ان کے گھر ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا تو میں نے عرض کیا اے ام المومنین اس نیزے کے ساتھ آپ کیا کرتی ہیں؟ فرمایا یہ ان چھپکلیوں کے لئے ہے کیونکہ ہم ان کو مارا کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین میں کوئی جانور نہ تھا مگر وہ آگ کو بجھا رہا تھا سوائے چھپکلی کے، یہ اس پر پھونک رہی تھی پھر رسول اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا۔[8]

---

[1] الانبیاء ۷۰ [2] الصافات ۹۸

[3] البخاری، حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ او ابن سلام عنہ، انبانا ابن جریج عن عبد الحمید بن جبیر عن سعید بن المسیب عن ام شریک ... الخ

[4] ورواہ مسلم من حدیث ابن جریج واخرجہ النسائی وابن ماجہ من حدیث سفیان بن عیینۃ کلاھما عن عبد الحمید بن جبیر بن شیبۃ بہ

[5] قال الامام احمد حدثنا محمد بن بکر، حدثنا ابن جریج، اخبرنی عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی امیۃ ان نافعا مولیٰ ابن عمر اخبرہ ان عائشۃ ... الخ

[6] قال الامام احمد حدثنا اسماعیل حدثنا ایوب عن نافع ان امراۃ دخلت علی عائشۃ ... الخ

[7] تفرد بہ احمد من ھذا الوجہ [8] ورواہ ابن ماجہ عن ابی بکر بن ابی شیبۃ عن یونس بن محمد عن جریر بن حازم بہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا ذکر اس شخص کے ساتھ جو معنوی عظمت و بڑائی کی چادر میں عظیم و جلیل ذات سے جھگڑتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا جبکہ وہ عاجز و کمزور بندوں میں سے محض ایک بندہ تھا

فرمان خداوندی ہے: (اے مخاطب) کیا تو نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا اس بات پر (گھمنڈ کر کے) کہ اللہ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی تھی تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ۔ تو وہ کافر مبہوت ہو گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دوست کے مناظرے کا ذکر فرمایا ہے اس جابر و سرکش بادشاہ کے ساتھ جس نے اپنی ذات کے لئے خدائی کا دعویٰ کیا تھا تو اللہ کے دوست نے اس کے دعویٰ اور دلیل کو باطل و بے کار قرار دیا اور اس کی کثرت جہالت اور قلت عقل کو واضح کیا اور چپ کی لگام لگا دی اور دلیل و حجت کے ساتھ حق بات واضح کر دیا۔

مفسرین اور علماء فرماتے ہیں یہ بادشاہ ملک بابل کا بادشاہ تھا اور اس کا نام نمرود تھا اور اس کا نسب نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح اور مجاہد وغیرہ نے اس کا نسب یوں بیان کیا ہے۔ نمرود بن فالخ بن عابر بن صالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔ مجاہد اور حضرات فرماتے ہیں یہ ساری دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک گزرا ہے۔

اور مؤرخین حضرات نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ چار بادشاہ گزرے ہیں ۲ مومن ۲ کافر۔ مومن تو ایک حضرت ذوالقرنین تھے دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے اور کافر ایک نمرود تھا دوسرا بخت نصر تھا۔

اور یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نمرود بادشاہ نے اپنی سلطنت چار سو سال چلائی اور یہ بہت ہی سرکش و ظالم شخص تھا اور دنیاوی زندگی میں خوب منہمک رہتا تھا اور اسی کو ترجیح دیتا تھا۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا تو جہالت، گمراہی اور بادشاہی کی طمع نے اسے خالق حق تعالیٰ ہی کے انکار پر مجبور کر دیا اور پھر اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بارے میں جھگڑا شروع ہو گیا اور سرکشی یہاں تک پہنچی کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (خدا کی صفت بیان کرتے ہوئے) کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔[2]

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ نمرود نے جواب کی طرف یوں اشارہ کیا کہ دو ایسے شخص جن کے قتل کا حتمی فیصلہ کر دیا گیا تھا ان کو منگوایا اور ایک کے قتل کا حکم دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا اور یہ سمجھا کہ اس نے بھی ایک کو زندہ کر دیا اور ایک کو مار دیا۔

جبکہ یہ شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کے مقابل اور معارض نہیں تھا اور یہ جواب تو بالکل مناظرے کے مقام سے ہی خارج تھا کیونکہ اس بات کے ساتھ وہ معارض ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

بلکہ یہ جواب بے توقعی کا جواب تھا اور مقصود سے منقطع تھا اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجود صانع پر ان مشاہدات سے دلیل پکڑی تھی یعنی جانداروں کے ساتھ ان کی زندگی اور ان کے مرنے والے صانع پر دلالت ہے کیونکہ یہ خود بخود پیدا نہیں ہو سکتے اور ان مشاہداتی حوادث کا کوئی فاعل ضرور ہے جو ان کو پیدا کرتا ہے اور ان کو مسخر کرتا ہے جیسے ستاروں، ہواؤں، بادلوں اور بارش کو چلانا اور ان جانداروں کو پیدا کرنا جن کو ہم دیکھتے ہیں پھر ان کو موت دینا [illegible]

---

[1] البقرۃ: ۲۵۸

[2] البقرۃ: ۲۵۸

[illegible] کا سبب تھا۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ [illegible] صرف اپنے [illegible] سب [illegible] کی وجہ سے حضرت ابراہیم نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا [illegible] ہے جس کے جواب میں اس بے وقوف بادشاہ نے کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں اور اس طرح اس نے [illegible] کہ ان [illegible] ایک کو [illegible] کی جان بخشی کا حکم صادر کر دیا۔

یعنی اس آیت "انا احیی و امیت" کے معنی [illegible] بیان کئے جاتے ہیں حضرت قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے [illegible] ایک شخص کو [illegible] بری کر دیا تھا اور دوسرے کو پھانسی کا حکم [illegible] یہ تعبیر [illegible] بات [illegible] کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے [illegible] سے کوئی [illegible] جواب [illegible] کی وجہ سے یہ [illegible] اپنے خیال میں حضرت ابراہیم [illegible] یہ بات [illegible] ابراہیم علیہ السلام نے [illegible] کے جواب کو [illegible]۔

بے شک اللہ تعالیٰ مشرق سے [illegible] تو اس کو مغرب سے [illegible] یہ آفتاب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] سے نکلتے ہیں [illegible] قدرت [illegible]۔ [illegible] کوئی [illegible] ہے۔

پس اگر تو اپنے خیال کے مطابق زندہ کرتا [illegible] ہے تو [illegible] مغرب سے [illegible] کیا؟ [illegible] قدرت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے [illegible] کے لئے [illegible] ہے۔ [illegible] تمام [illegible] کر [illegible] خیال [illegible] سے [illegible] ایک [illegible] سے انکار [illegible] نہیں کر سکتا۔

[illegible] نے یہ بات [illegible] فرمائی [illegible] بے وقوف کی جہالت اختلاط [illegible] کے [illegible] پیش فرمایا اور اس نے اپنی جہالت [illegible] کے پاس [illegible] لا [illegible] سے [illegible] اللہ [illegible] کو جواب دے [illegible] بلکہ [illegible] ہے۔

فبهت الذی کفر واللہ لا یهدی القوم الظلمین

کافر لاجواب ہو کر رہ گیا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتے۔

مناظرہ کب ہوا؟

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان اسی روز ہوا تھا جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سلامت نکل کر تشریف لائے تھے اور حضرت ابراہیم کا اس کے ساتھ دوسرا کوئی دن متعین نہ تھا اور ان دو کے درمیان یہ مناظرہ ہوا تھا۔

عبد الرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس دن نمرود کے پاس غلہ تھا اور لوگ وفد در وفد غلہ لینے کے لئے آتے تھے تو حضرت ابراہیم بھی غلہ لے جانے والوں کے پاس گئے تھے اور حضرت ابراہیم اور نمرود کی ملاقات صرف اسی روز ہوئی تھی۔

اور پھر ان دونوں کے درمیان مناظرہ شروع ہو گیا اور نمرود نے اور لوگوں کو تو غلہ دیا لیکن حضرت ابراہیم کو کچھ بھی نہ دیا بلکہ حضرت ابراہیم اس کے

پاس سے (واپس خود) بالکل خالی واپس نکلے اور غلے کی کچھ مقدار بھی ساتھ نہ تھی تو جب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو مٹی کے ایک ٹیلے پر گئے اور دو تھیلے مٹی کے بھر لئے اور کہا جب گھر والوں کے پاس جاؤں گا تو اس سے اہل خانہ کا دل بہلاؤں گا۔ پھر جب حضرت ابراہیم گھر پہنچے اور اپنی سواری کو اتار دیا اور چونکہ انتہائی تھکے ماندے تھے اس لئے ٹیک لگا کر سو گئے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام تھیلوں کے پاس گئیں تو دیکھا وہ دونوں تھیلے عمدہ عمدہ طعام سے بھرے ہوئے ہیں تو حضرت سارہ نے ان سے کھانا بنایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کھانا تیار ہے تو (بے اختیار) بول پڑے یہ تمہارے پاس کہاں سے آ گیا؟ تو حضرت سارہ نے عرض کیا یہ جو آپ لائے ہیں اس سے نکالا ہے پھر حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ رزق ان کو اللہ عزوجل نے عطا فرمایا ہے۔

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس متکبر سرکش بادشاہ کی طرف فرشتے کو بھی بھیجا جس نے اس کو ایمان باللہ کی دعوت دی لیکن نمرود نے انکار کر دیا دوسری مرتبہ پھر دعوت دی پھر انکار کر دیا پھر تیسری مرتبہ بھی دعوت دی لیکن اس نے تیسری مرتبہ بھی بڑی ہٹ دھرمی کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا تم اپنے لشکر اکٹھے کر لو میں بھی اپنے لشکر اکٹھے کرتا ہوں پھر نمرود نے طلوع آفتاب کے وقت اپنے بڑے بڑے لشکروں کو اکٹھا کیا تو اللہ نے (اپنے لشکروں میں سے انتہائی کمزور اور چھوٹا لشکر یعنی) مچھروں کا ایک لشکر بھیج دیا اور وہ لشکر اتنا زیادہ تھا کہ آفتاب کی روشنی اور چمک بھی نظر نہیں آتی تھی اور پھر اللہ نے ان مچھروں کو اس (نمرود کے لشکریوں) پر مسلط فرما دیا جس نے ان کے گوشت اور خون کو چاٹ کر کھا لیا اور بالکل کھا کر ان کی ہڈیوں کو صاف کر کے چھوڑ دیا اور ان مچھروں میں سے ایک مچھر اس سرکش بادشاہ نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور اللہ نے اس کے ذریعے اس کو وہ عذاب چکھایا کہ وہ مچھر چار سو سال تک اس کے دماغ میں رہا اور نمرود اس ساری مدت میں اپنے (نادانی) سر کو ہتھوڑے سے پٹواتا رہا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اس کے ذریعے سے اس کو ہلاک و برباد کر دیا۔

اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کا شام کے شہروں کی طرف ہجرت فرمانا
اور مصری علاقوں میں داخل ہونا اور ارض مقدسہ میں سکونت اختیار فرمانا

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ۔ پس اس (ابراہیم) پر لوط ایمان لایا اور (ابراہیم نے) کہا میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اور ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے دنیا میں بھی ان کو اس کا صلہ دیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے۔ (۱)

اور دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ۔ اور ہم نے ان کو اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی اور ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) انعام عطا فرمایا اور ہم نے تمام کو صالحین بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے آپ کی طرف بھلے کاموں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ (۲)

تو حضرت ابراہیم نے اپنی قوم (وطن) کو خدا کی خوشنودی کے لئے خیرباد کہا اور ان سے ہجرت کی اور آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بانجھ تھیں کوئی اولاد ان کے ہاں نہ ہوئی تھی، بلکہ حضرت ابراہیم کے ساتھ لوط تھے وہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے تحقیق لوط بن ہاران بن آزر۔ لیکن پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح اولاد عطا فرمائی اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپ کی اولاد کے لئے کتاب و نبوت مقرر فرما دی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی پیغمبر آیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور جو بھی آسمانی کتاب آپ کے

---

(۱) العنکبوت ۲۶، ۲۷ (۲) الانبیاء ۷۱ تا ۷۳

بعد کسی پیغمبر پر نازل ہوئی، وہ پیغمبر خود آپ کی نسل اور ذریت ہی سے تھا۔ یہ آپ پر خدا کا انعام اور اکرام تھا کیونکہ آپ نے اپنے دوست (رب کریم) کی خاطر اپنے شہروں کو چھوڑا، اپنے اہل کو چھوڑا، اپنے عزیز و اقرباء کو چھوڑا اور پھر اپنے شہر کا رخ فرمایا جس میں اپنے پروردگار وحدہ لاشریک کی عبادت پر کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو اور دعوت الٰہی کا میدان بھی کھلا ہو۔

اور یہ زمین جو آپ کے عزم و خیال میں تھی وہ شام کی زمین ہے اور اسی کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

الی الارض التی بارکنا فیہا للعالمین

(ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو) اس زمین کی طرف نجات دی (یعنی پہنچا دیا) جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت قتادہ اور رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی قول ہے۔

اور حضرت عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن کی آیت "الی الارض" میں ارض سے مراد مکہ ہے اور حضرت ابن عباس اس کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ کیا آپ نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا۔ بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (یعنی بیت اللہ)۔

جو جہان والوں کے لئے موجب برکت و ہدایت ہے۔"(۱)

اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے حران شہر مراد ہے۔

اور ہم اہل کتاب سے نقل کرتے ہوئے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور آپ کے بھتیجے لوط اور آپ کے بھائی ناحور اور آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کی بھائی کی بیوی ملکا یہ تمام بابل کے علاقے کو چھوڑ کر حران نامی مقام میں اترے تھے اور آپ کے والد تارخ یہیں وفات کر گئے تھے اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں شام کی طرف رخ کرتے چلے گئے، پھر راستے میں حران کے بادشاہ کی بیٹی سارہ علیہا السلام سے ملاقات ہوئی اور حضرت سارہ اپنی قوم کے دین پر اعتراض کرتی تھیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے شادی فرمالی لیکن حضرت سارہ علیہا السلام کی اس شرط پر کہ کسی اور بیوی کے ساتھ ان کو غیرت میں نہ ڈالیں گے۔

ابن جریر نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ غریب ہے جبکہ اس روایت میں مشہور کا ہے (اور عجیب ہے) کیونکہ زیادہ مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچا زاد تھیں۔

یعنی ہاران کی بیٹی تھیں اور حران شہر ہاران ہی کی طرف منسوب ہے۔

اور بعض لوگوں کا وہم و خیال ہے کہ سارہ آپ کے بھائی ہاران کی بیٹی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھیں گویا آپ نے اپنی بھتیجی سے نکاح فرمایا اگرچہ یہ بات قتیبی نے اور نقاش نے روایت کی ہے لیکن یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے اور بغیر علم کے یہ بات کی ہے اور پھر اس پر جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس وقت بھائی کی بیٹی سے نکاح مشروع تھا تو ان کی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کسی زمانے میں مشروع تھا جیسے علماء یہود سے منقول ہے تو پھر بھی حضرات انبیاء علیہم السلام اس کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم جب شام تشریف لائے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی (اور بشارت دی کہ) میں آپ کے بعد زمین آپ کے پیچھے (آنے) والی اولاد ہی کو خلافت کے لئے مقرر کروں گا۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شکرانے کے ایک مذبح خانہ بنایا اور اس کے قبہ کو بیت المقدس کے مشرقی حصے میں بنایا پھر آپ نے کوچ فرمایا اور آپ بھوکے تھے اور علاقہ قحط زدہ اور مہنگائی زدہ تھا اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی طرف چلے گئے۔

اور بادشاہ کے ساتھ حضرت سارہ کے قصے کا ذکر فرمایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ علیہا السلام کو فرمایا تو کہہ دینا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں (کیونکہ بادشاہ شوہر کو مروا دیتا تھا) بادشاہ کے نوکروں نے ذکر کیا ہے کہ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو چھوڑ دیا تھا۔

چنانچہ ان سب کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا تو یہ دوبارہ اس مقدمہ ہو گیا جس کی وجہ سے لشکری لوگ ان کے آگ میں ڈالنے کی طرف چل پڑے اور حضرت ابراہیم کے ساتھ اس واقعہ میں سر زمین بابل کا قوم وغیرہ واقع ہوئے تھے۔

بخاری میں [۱] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین مواقع کے دو تو اللہ کے بارے میں (یعنی اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے) ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب قوم نے ان کو اپنے ساتھ میلے پر چلنے کیلئے کہا تو انہوں نے کہا میں بیمار ہوں، مقصود یہ تھا کہ یہ چلے جائیں تو ان کے خداؤں کو توڑ دوں، دوسرا یہ کہ جب انہوں نے پوچھا کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر کس نے کیا تو آپ نے فرمایا ان کے بڑے نے کیا ہے، اور تیسرا جھوٹ جو بولا وہ سارہ کی ذات کے بارے میں ہے وہ یوں ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سارہ علیہا السلام کو لے کر ایک ظالم جابر بادشاہ کے علاقہ پر سے گزرے تو اس کو کسی نے خبر دی کہ یہاں ایک آدمی آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو لوگوں میں سب سے حسین ہے تو بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا اور اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میری بہن ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے سارہ سطح زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے سوال کیا تھا تو میں نے اس کو تیرے بارے میں کہا کہ یہ میری بہن ہے لہٰذا مجھے نہ جھٹلانا۔

تو بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بلا بھیجا، جب یہ اس کے پاس تشریف لے گئیں تو بادشاہ نے دست درازی کرنا چاہی تو آپ علیہا السلام کی دعا سے وہ پکڑا گیا، پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو کہا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور اس کی قید کھل گئی (اور وہ چھوٹ گیا) پھر دوسری مرتبہ دست درازی کرنی چاہی تو پھر پکڑا گیا پہلے سے زیادہ سختی سے پھر کہا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے میں آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ نے دعا کر دی اور وہ چھوٹ گیا تو اپنے کسی خادم کو بلایا اور کہا کہ میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے ہو بلکہ کوئی شیطان لے کر آئے ہو، پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ کے طور پر ہاجرہ دے دی (یہی حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھیں)۔

تو حضرت سارہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس تشریف لائیں ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز میں مشغول تھے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے پوچھا کیا ہوا؟ تو حضرت سارہ نے جواب دیا اللہ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ میں لوٹا دیا اور ہاجرہ کو خدمت کے لئے دے دیا۔

تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ماء السماء کے بیٹو (یعنی عرب) یہ تمہاری ماں ہیں۔ [۲]

(کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور یعنی ہم سب کے سلسلۂ حقیقی باپ ہیں۔ م)

اور یہ ذکر شدہ روایت موقوف تھی یعنی صحابی کا فرمان تھا حضور ﷺ کی طرف اس کی نسبت نہ تھی اور بخاری میں ذکر کی گئی جبکہ بزار کی ایک روایت ہے جو مرفوع ہے یعنی حضور اکرم ﷺ تک اس کی نسبت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین جھوٹوں کے اور وہ سب اللہ کی ذات میں تھے یعنی رضائے الٰہی کی خاطر تھے ایک تو یہ کہا میں بیمار ہوں، دوسرا یہ کہا کہ بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے اور تیسرا یہ کہ ایک دفعہ کسی جابر ظالم بادشاہ کی زمین میں گزر رہے تھے ایک جگہ قیام فرمایا تو جابر بادشاہ تک خبر پہنچی اور کہا گیا کہ یہاں ایک مرد اس کے ساتھ لوگوں میں سب سے حسین عورت آئی ہوئی ہے تو بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا اور عورت کے بارے میں پوچھا فرمایا یہ میری بہن ہے تو ابراہیم علیہ السلام یہ جواب دے کر واپس حضرت سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا اس نے مجھ سے تیرے بارے میں سوال کیا تو میں نے کہہ دیا کہ تو میری بہن ہے۔

لہٰذا آج میرے اور تیرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے لہٰذا تو میری دینی بہن ہے جب تو اس کے پاس جائے تو مجھے جھٹلانا مت۔

---

[۱] قال البخاری: حدثنا محمد بن محبوب، حدثنا حماد بن زید، عن ایوب، عن محمد، عن ابی ہریرۃ قال ... الخ

[۲] تفرد به من هذا الوجه موقوفاً، وقد رواه الحافظ ابو بكر البزار، عن عمرو بن علی الفلاس، عن عبد الوهاب الثقفی، عن هشام بن حسان، عن محمد بن سیرین، عن ابی هریرة ... الخ

تو پھر سارہ بادشاہ کے پاس پہنچی تو بادشاہ اٹھ کر آپ کی طرف بڑھا آپ کے قریب ہوا تو وہیں جکڑا گیا پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کرو میں تجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا فرمائی تو وہ چھوٹ گیا پھر دوسری مرتبہ آگے بڑھا تو پھر دوبارہ اسی طرح یا اس سے بھی سخت پکڑا گیا اور پھر کہا میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ نے پھر دعا فرمائی اور وہ پھر چھوٹ گیا اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہوا پھر بادشاہ نے اپنے کسی خادم کو بلایا اور کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ ایک شیطان کو لے آئے ہو اس کو نکالو اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

اور مسند احمد(۱) میں یوں ہے کہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین جھوٹوں کے کہ ایک تو اس وقت جب ان کو کفار نے بتوں کی طرف (میلہ کی طرف) بلایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں اور (دوسرا) ان کا یہ فرمانا "بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے" اور تیسرا جو حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق ہے یعنی یہ میری بہن ہے۔

(اور فرمایا) حضرت ابراہیم ایک بستی میں داخل ہوئے جس میں ایک بادشاہ تھا (یا فرمایا) جابر (ظالم) بادشاہ تھا تو اس کو کہا گیا کہ آج رات ابراہیم لوگوں میں سب سے حسین عورت کے ساتھ داخل ہوئے ہیں۔ (آگے فرمایا) بادشاہ نے آپ کی طرف پیغام بھیجا (اور پوچھا) کہ یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا میری بہن ہے جب بادشاہ نے کہا اس کو بھیجو تو حضرت ابراہیم نے آ کر ان کو کہا اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو پس تم میری بات کو جھٹلانا مت کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

تو حضرت سارہ علیہا السلام بادشاہ کے پاس پہنچیں تو بادشاہ ان کی طرف بڑھا ادھر حضرت سارہ علیہا السلام وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئیں اور دعا کی جیسا کہ حضرت نے فرمایا۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے شوہر کے علاوہ (ہر شخص سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمائیے گا۔

تو وہ خراٹے لینے لگا اور پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ بات بھی روایت کی ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے اس وقت یہ دعا کی۔

اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس کو اسی عورت نے قتل کیا ہے پھر وہ چھوڑ دیا گیا۔

پھر وہ بادشاہ دوبارہ آگے بڑھا تو حضرت سارہ علیہا السلام پھر وضو اور نماز میں مشغول ہو گئیں اور دعا کی۔

اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے علاوہ ہر شخص سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو آپ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمائیے تو وہ پھر خراٹے لینے لگا اور پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس وقت انہوں نے دعا کی اے اللہ اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس کو اسی نے قتل کیا ہے۔

تو پھر وہ چھوڑ دیا گیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ تیسری یا چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہوا کہ تم میرے پاس کسی شیطان کو لے آئے ہو اس کو ابراہیم کے پاس واپس لے جاؤ اور ہاجرہ بھی اس کو دیدو۔

تو حضرت سارہ علیہا السلام واپس ہوئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کیا آپ کو پتہ ہے کہ اللہ نے کافروں کے مکر کو پسپا کر دیا اور اس نے ایک لونڈی (ہاجرہ) بھی دی ہے۔

امام احمد اس کے طرق میں متفرد ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے امام بخاری نے اس کو ابوالیمان سے ایک دوسری سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔(۲)

---

(۱) ... حدثنا علی بن حفص عن ورقاء عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ...

(۲) ... عن ابی الیمان عن شعیب بن ابی حمزۃ عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ عن النبی ...

اور ابن ابی حاتم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم کی تینوں باتوں میں سے کوئی ایسی بات نہیں جس میں اللہ کے دین سے بچاؤ نہ ہو ایک تو ان کا قول میں بیمار ہوں، دوسرا بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا (؟) تیسرا بادشاہ نے جب آپ کی بیوی کا ارادہ کیا تو آپ کا اس سے کہنا یہ میری بہن ہے۔[1]

تو اس حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میری بہن ہے تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد اللہ کے دین الٰہی میں بہن ہے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زوجہ حضرت سارہ کو یہ فرمانا کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی مومن نہیں ہے تو اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ میاں بیوی میں سے میرے اور تیرے علاوہ کوئی مومن نہیں، کیونکہ ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور وہ نبی بھی تھے لہٰذا اس کا یہی مطلب ہوگا۔

اور جب سے حضرت سارہ علیہا السلام کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا تھا تب سے مسلسل حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اور اللہ سے یہ دعا کر رہے تھے کہ ان کے گھر والوں سے اس کو دفع کر اور اس بدبخت کے شر کو روک دے جس کا اس نے برائی کے ساتھ ارادہ کیا ہے۔

اور اسی طرح حضرت سارہ علیہا السلام بھی وضو اور نماز میں مشغول تھیں۔

اس طرح کہ جب دشمن خدا ان کی طرف بڑھا تو یہ اپنے وضو اور نماز میں مصروف ہو گئیں اور دعا کرنے لگیں، کیونکہ قرآن میں مذکور ہے اور صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ (خدا سے) مدد طلب کرو[2] تو اللہ نے اسی طرح حضرت سارہ علیہا السلام کی حفاظت فرمائی اور پھر اپنے بندے، رسول اور اپنے حبیب اور اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کی وجہ سے بچا لیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ تین عورتیں نبوت والی گزری ہیں سارہ، والدہ موسیٰ اور مریم علیہن السلام لیکن جمہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ صدیقات تھیں، نبی نہ تھیں۔

مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے بعض بزرگوں کے اقوال میں دیکھا ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام جب سے حضرت ابراہیم کے پاس سے گئی تھیں تب سے واپس آنے تک اللہ عزوجل نے دونوں کے درمیان حجاب اٹھا دیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلسل حضرت سارہ علیہا السلام کو دیکھ رہے تھے اور حضرت سارہ کے بادشاہ کے پاس ہونے کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ کیسے اللہ عزوجل نے ان کے اہل کی حفاظت فرمائی اور تاکہ ان کے دل کو تسلی رہے، آنکھیں ٹھنڈی رہیں اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ حضرت ابراہیم کو دلی اطمینان و سکون اور پاکیزگی کے ساتھ برقرار رہے، اس لئے کہ حضرت ابراہیم حضرت سارہ علیہا السلام سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے دین پر تھیں، ان کی رشتہ دار تھیں اور قدرت نے ان کو خوب حسن سے نوازا تھا اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام تک کوئی عورت حضرت سارہ علیہا السلام سے حسین نہیں گزری، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ بے شک تمام تعریفیں اور احسانات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

بعض اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت مصر کا فرعون ضحاک بادشاہ کا بھائی تھا اور اپنے ظلم و ستم میں انتہائی مشہور تھا اور اس کا نام یہ بتایا جاتا ہے سنان بن علوان بن عبید بن عویج بن عملاق بن لاود بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اور ابن ہشام نے ’’تیجان‘‘ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام کا جس نے برائی کے ساتھ ارادہ کیا تھا وہ عمرو بن امرئ القیس بن مایلون بن سبا تھا اور مصر کا حاکم تھا، علامہ سہیلی نے اس کو نقل فرمایا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ کے بعد مصر کو چھوڑ کر یمن کی سرزمین میں آ گئے تھے اور یہی سرزمین مقدس تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے بھی یہیں تھے، جب حضرت ابراہیم مصر سے واپس آئے تو ان کے ساتھ غلام، بکریاں اور بہت سا مال بھی تھا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی تھیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم سے حضرت لوط اپنے مال کثیر کے ساتھ یہاں سے سرزمین غور کی طرف چلے گئے جو غور زغر کے ساتھ مشہور تھی،

---

[1] رواہ ابن ابی حاتم حدثنا ابی [illegible] عن ابی سعید [illegible] الخ

[2] البقرۃ ۴۵

وہاں پہ سدوم شہر میں آباد ہو گئے اور اس زمانہ میں یہ شہر ام البلاد کہلاتا تھا یعنی شہروں کی ماں بھی کہتے ہیں۔ اس کے اہل شریر بدمعاش اور کافر لوگ تھے۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا کہ طویل نظر پھیلائیں اور شمال، جنوب، مشرق، مغرب کی طرف دیکھیں اور پھر خوشخبری دی کہ یہ ساری زمین میں نے آپ کو اور آپ کی آنے والی اولاد کے لئے مقرر کر دی ہے اور فرمایا میں آپ کی اولاد کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ ریت کے ذرات جتنی ہو جائے گی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملنے والی اس بشارت کی تکمیل اس امت محمدیہ کی وجہ سے ہوئی ہے بلکہ حضرت ابراہیم کی تمام اولاد میں یہی زیادہ ہیں اور حضرت ابراہیم کی بشارت اسی امت سے تکمیل کو پہنچ سکتی۔

اس کی بات کی تائید حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا پھر میں نے اس کے مشارق و مغارب [1] کو دیکھا، اور عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک اس کو میرے لئے سمیٹا گیا۔ [2]

اہل تاریخ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سرکش اور ظالم لوگوں کا ایک گروہ حضرت لوط علیہ السلام پر مسلط ہو گیا اور انھوں نے آپ کو قید کر دیا اور آپ کے اموال ضبط کر لئے اور آپ کے مویشی جانوروں کو ہانک کر لے گئے پھر جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تین سو اٹھارہ آدمیوں کا لشکر لے کر ان کی طرف گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے قبضے سے چھڑا لیا اور ان کے اموال واپس لئے اور اللہ اور رسول کے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور شکست دی اور ان کے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ شمال دمشق تک پہنچا دیا اور وہاں مقام برزہ میں آپ کے لشکر نے پڑاؤ کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہاں ایک مقام ہے: مقام ابراہیم، یہ اسی وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے وہاں قیام کیا تھا۔ (اور عرض "برزہ" ہے) کہ اہل کتاب کے ہاں تورات میں ہے حضرت ابراہیم نے جس لشکر کو شکست دی وہ سدوم کے بادشاہ کا لشکر تھا۔ اور یہ سلطنت سدوم کا بادشاہ تھا تو حضرت ابراہیم نے اس کو پسپا کرتے کرتے پہاڑوں تک پہنچا دیا تو اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ایک پیشکش کی کہ آپ مجھ سے مویشی جانور لے لیں (اور انسان) اور ہمیں چھوڑ دیں تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ میں نے بلند و بالا پروردگار رب العلمین کی طرف ہاتھ اٹھایا ہوا ہے اس سے ایک دعا کر رکھی ہے کہ ایک تسمہ تک نہیں لوں گا کہ کبھی تو کہے کہ میں نے ابراہیم کو مالدار کر دیا تو پھر حضرت ابراہیم حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ اپنے علاقے کو لوٹے اور بیت المقدس کے علاقوں کے بادشاہوں نے آپ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ اور عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کا خوب استقبال کیا اور پھر آپ اپنے علاقوں کی طرف لوٹ گئے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش

اہل کتاب کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں نیک اولاد کا سوال کیا، اور اللہ نے بھی اس کی آپ کو خوشخبری عطا فرمائی اور ہوا یوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے علاقوں میں بیس سال بیت گئے تو حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا۔

پروردگار نے مجھے تو اولاد سے محروم فرما دیا ہے لہٰذا آپ میری اس (ہاجرہ) باندی کو قبول کریں شاید اللہ اس سے مجھے اولاد مرحمت فرما دیں۔

تو جب حضرت سارہ علیہا السلام نے ہاجرہ آپ علیہ السلام کو بخش دی تو آپ علیہ السلام نے ان سے مباشرت فرمائی اور اسی وقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام امید سے ہو گئیں تو ان پر فخر میں ان کی آنکھیں چڑھ گئیں اور انہیں گمان ہوا کہ یہ بہتر ہیں تو (بی بی سارہ علیہا السلام) سے بھی بلند، عظیم مرتبت والی ہو گئی ہیں اس سے حضرت سارہ علیہا السلام کو فطری طور پر سخت غیرت آگئی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس کا شکوہ کیا تو حضرت ابراہیم نے سارہ علیہا السلام کو فرمایا

---

[1] مشرق و مغرب کی جمع ہے۔ [2] صحیح مسلم فی الفتن۔

آپ اس کے ساتھ جو چاہیں کریں۔ جب یہ بات حضرت ہاجرہ کو پہنچی تو وہ ڈر گئیں اور بھاگ پڑیں اور وہاں ایک چشمے پر ٹھہر گئیں تو جب ایک فرشتے نے آکر ان سے عرض کیا آپ خوف نہ کیجئے اور آپ جس بچے کے ساتھ حاملہ ہیں یقیناً اللہ عزوجل اس سے آپ کو بہت بھلائی عطا فرمائے گا اور پھر اس فرشتے نے حضرت ہاجرہ کو واپسی کا کہا اور خوشخبری دی کہ وہ ایک لڑکے کو جنم دیں گی اور اس کا نام اسماعیل رکھنا وہ وحشی لوگوں میں سے ہوگا اس کا ہاتھ تمام پر ہوگا اور تمام کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے (سوتیلے) تمام بھائیوں کے ملکوں کا مالک ہوگا تو اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اللہ عزوجل کا (بہت بہت) شکر ادا کیا۔

اور یہ خوشخبری صادق آتی ہے حضور اکرم ﷺ پر اس لئے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے عرب لوگوں کے سردار بنے اور مشرق و مغرب تمام ملکوں کے مالک ہوئے اور اللہ عزوجل نے ان کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دیا گیا تھا اور عرب کو یہ شرف حضور ﷺ کے تمام رسولوں پر اشرف ہونے کی وجہ سے ملا اور آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کے متعلق بشارت کی برکت اور آپ کی کامل رسالت اور تمام اہل زمین کے لئے آپ کی بعثت کی وجہ سے یہ شرف امت محمدیہ اور عرب کو حاصل ہوا۔

اور کہا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسماعیل کو جب جنم دیا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک چھیاسی سال تھی اور ان کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہوئے اور جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو ساتھ ہی اللہ نے حضرت سارہ علیہا السلام سے بھی ایک لڑکے اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری عنایت فرما دی تھی۔

تو جب یہ خوشخبری سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سجدے میں گر پڑے تھے تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر یوں احسان کرتے ہوئے فرمایا: (اے ابراہیم دوست) اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری دعا قبول کی اور اس پر برکت دی اور اس کی اولاد کو کثیر کیا اور بہت ہی برکت والا بنا دیا گیا اس سے بارہ عظیم افراد پیدا ہوں گے اور اس کو میں ایک عظیم جماعت کا رئیس بنا دوں گا۔

اور یہ خوشخبری بھی اس امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ پوری ہوتی ہے اور یہ بارہ عظیم افراد بارہ خلفاء راشدین حضرات ہیں جن کی بشارت عبدالملک بن عمیر والی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں کہ پھر کوئی کلمہ کہا تھا جس کو میں سمجھ نہ سکا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا تھا وہ تمام قریش سے ہوں گے، صحیح بخاری و مسلم نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے یہ امر (خلافت) ہمیشہ قائم رہے گا اور ایک روایت میں ہے یہ امر (خلافت) ہمیشہ غالب رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور تمام قریش سے ہوں گے۔

تو ان بارہ میں سے چار تو حضرات خلفاء راشدین ہیں یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم (اجمعین) اور پھر ان کے بعد حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن بن علی ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں اور باقی کچھ خلفاء بنی عباس سے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی بشارت اور حضور ﷺ کی حدیث میں با ترتیب بارہ مراد نہیں ہیں بلکہ صرف ان کا ہونا مراد ہے۔

اور اثنا عشری شیعہ اس سے بارہ امام مراد لیتے ہیں وہ مراد نہیں ہو سکتے ان میں سے پہلے حضرت علی ہیں اور آخری غیر موجود ہیں بلکہ اس کے متعلق انتظار میں بیٹھے ہیں جو کہ سرداب میں ہے اور وہ بقول ان کے محمد بن حسن عسکری ہے تو یہ ان کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ ان بارہ میں سوائے حضرت علی اور آپ کے فرزند حسن بن علی کے علاوہ اور کوئی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔

(تو ان دونوں کے بارے میں ان کا دعویٰ ٹھیک ہے اور آخری جس کی انتظار میں شیعہ حضرات بیٹھے ہیں سرداب سے نکلنے کے وہ تو محض ایک وہم اور گمان ہے اور ان کے علاوہ باقی حضرات ہمارے سب مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا گزرے ہیں لیکن شیعہ حضرات کی ان کے متعلق باتیں سب کی سب سراسر غلط ہیں)۔

تو مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت علی شامل ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کے مسئلے پر اختلاف ختم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی اور فتنے کی آگ کو بجھا دیا تھا اور مسلمانوں نے

درمیان جنگ کی آگ کو ختم کر دیا تھا اور ان کے علاوہ باقی (تو) حضرات عام علماء میں شامل ہیں ان میں کوئی امت میں منصب خلافت پر فائز نہ ہوا تھا اور کسی معاملے میں ہدایت پر قائم نہ ہوا تھا۔

اور نہ قول امام جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ محض سراب ہے جو کہ بے وقوفوں کے ذہنوں میں وہم ہے اور ضعیفوں میں ہذیان ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ اس کا وجود ہے نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

(اب ہم دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کی طرف لوٹتے ہیں تو مصنف فرماتے ہیں) پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ہاں جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور اس سے حضرت سارہ علیہا السلام کو سخت غیرت آئی تو پھر حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا اس کو مجھ سے کہیں اور لے جاؤ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور چلے ... چلتے گئے یہاں تک کہ ان کو اس جگہ اتارا جہاں آج مکہ شریف ہے اور حضرت اسماعیل جب اس وقت بچے شیر خوار تھے تو جب حضرت ابراہیم ان کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم کی طرف کھڑی ہوئیں اور آپ کے کپڑوں سے چمٹ گئیں اور عرض کیا۔

اے ابراہیم علیہ السلام آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جبکہ ہمارے پاس کوئی (کھانے پینے اور رہنے سہنے کا) سامان بھی نہیں ہے جس سے ہم گزر بسر کر سکیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہاجرہ اصرار و اضطراب کے ساتھ پیچھے پڑ گئیں لیکن حضرت ابراہیم ہیں کہ جواب ہی نہیں دے رہے تو پھر حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا۔

کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

(حضرت ابراہیم نے پھر جواب دیا ہاں۔

(پھر حضرت ہاجرہ نے بھی کہا پھر) کوئی پرواہ نہیں وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا شیخ محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "النوادر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ علیہا السلام جب حضرت ہاجرہ پر غیرت اور غصے میں آ گئیں تو قسم اٹھائی کہ وہ ان کے تین عضو ضرور کاٹیں گی تو حضرت ابراہیم نے ان کو قسم سے سبکدوشی کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کر دو اور ختنہ کر دو تو اس طرح قسم سے بری ہو جاؤ گی۔ حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو یہ ہاجرہ علیہا السلام (دنیا کی) پہلی خاتون ہیں جن کی ختنہ ہوئی ہے[1] اور اسی طرح وہ پہلی خاتون ہیں جن کے کانوں میں سوراخ کیے گئے اور یہ عورتوں کے لئے حسن و زینت بن گئی اور اسی طرح یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنا دامن سب سے زیادہ لمبا کیا تاکہ پیچھے سے نشانات قدم مٹتے جائیں۔

حضرت ابراہیم کا اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی ماں ہاجرہ کے ساتھ فاران کی چوٹیوں کی طرف ہجرت فرمانا اور وہاں بیت عتیق یعنی کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمانا

[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ام اسماعیل (ہاجرہ علیہا السلام) وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے کمر بند باندھا (اور اس کو دراز کیا) تاکہ ان کے نشانات قدم مٹتے چلے جائیں اور حضرت سارہ علیہا السلام کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے شیر خوار فرزند اسماعیل کو لے کر چلے حتیٰ کہ بیت اللہ (کی جگہ) کے پاس لے گئے اور وہاں آج مسجد کی بالائی طرف جہاں زمزم کا کنواں ہے وہیں اس وقت ایک درخت تھا اس کے پاس اتارا اس وقت اس مکہ کے علاقے میں ان کے سوا کوئی

---

[1] یہ طریقہ عرب میں رائج تھا اور عورتوں کے لئے ایک مستحب عمل ہے (مترجم)

[2] قال البخاري قال عبد الله بن محمد، هو أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن أيوب السختياني وكثير بن كثير بن المطلب بن أبي وداعة، يزيد أحدهما على الآخر عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: الخ

انسان نہ تھا (نہ بیت اللہ کی علامت تھی نہ کوئی آبادی کی چیز بلکہ بیابان صحرا تھی کہ) پانی تک نہ تھا تو حضرت ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھا دیا اور پاس ایک کھجور کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ رکھ دیا اور اس کے بعد حضرت ابراہیم (بغیر کچھ گفتگو فرمائے) واپس ہونے لگے تو ام اسماعیل ان کے پیچھے ہو گئیں اور پوچھنے لگیں۔

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں اس (بیابان) جگہ میں چھوڑے جا رہے ہیں، جہاں نہ کوئی انسان[1] ہے اور نہ کوئی (ضرورت زندگی کی) راحت رکھنے والی چیز ہے۔

تو حضرت ہاجرہ نے یہ فقرہ بار بار کہا لیکن حضرت ابراہیم (چونکہ حکم خداوندی کی وجہ سے) التفات نہیں فرما رہے تھے تو پھر آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔

کیا خدا نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟

پھر جب فرمایا کہ ہاں تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا پھر ہمیں وہ ضائع نہ فرمائے گا، اور یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ واپس اپنی جگہ آ گئیں پھر حضرت ابراہیم بھی واپس ہو کر چل پڑے حتیٰ کہ ایک ٹیلے کی ثنیہ میں پہنچ گئے جہاں سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل ان کو نہ دیکھ سکتے تھے تو وہاں حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے اور عرض کیا

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل
افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (سورۃ ابراہیم ۳۷)

اور حضرت ام اسماعیل اس پانی سے خود بھی پیتیں اور بچے کو بھی پلاتی تھیں حتیٰ کہ مشکیزہ خالی ہو گیا اور ماں کو بھی پیاس لگی، بچے کو بھی لگی تھی، شیر خوار بچہ تھا اور ماں ممتا کی وجہ سے اپنی پیاس بھول کر بار بار پریشانی کے عالم میں بچے کو دیکھتیں پھر جب بچے کی حالت ایسی ہو گئی کہ ماں سے دیکھا نہ گیا تو وہاں سے بے قراری کے عالم میں اٹھیں اور قریب ہی ایک (صفا) پہاڑی تھی اس پر جا کر چڑھیں اور آس پاس وادی میں کسی کو تلاش کرنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے یا پانی وغیرہ نظر آ جائے لیکن جب کسی کو بھی نہ دیکھا تو ٹوٹے دل کے ساتھ واپس اتریں اور جب وادی کے بیچ پہنچ گئیں تو اپنی قمیص مبارک کا کنارہ اٹھا لیا جیسے انسان بھاگتے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے اور پھر انتہائی پریشانی کے ساتھ دوڑیں اور وادی پار کر گئیں اور پھر مروہ پہاڑی پر چڑھیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں شاید کوئی نظر آ جائے یا پانی وغیرہ مل جائے لیکن بے سود تو اس طرح ماں اپنی ممتا اور دل کی تڑپ اور بے چینی کے ساتھ سات مرتبہ ان پہاڑوں پر دوڑیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے لوگ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑتے ہیں۔

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب (آخری مرتبہ) مروہ پر چڑھیں (تو کوئی آواز محسوس فرمائی) تو اپنے آپ کو کہا کہ چپ ہو پھر غور سے آواز کی طرف کان لگائے اور کہا شاید کوئی تیرے پاس مددگار پہنچ گیا ہے پھر زمزم کی جگہ دیکھا تو وہاں ایک فرشتے کو موجود پایا، پھر اس نے اپنی ایڑی کے ساتھ زمین کو کریدا، یا اس نے اپنے پر زمین پر مارے حتیٰ کہ پانی ظاہر ہو گیا تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس کو گھیرنے لگیں اور حوض کی صورت میں اس کو جمع کیا اور کہنے لگیں زم زم یعنی رک جا رک جا، اور پھر چلو بھر بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں اور پانی چشمے سے پھر بھی ابل رہا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے کاش زمزم کو (یوں ہی) چھوڑ دیتیں یا حضور نے یہ فرمایا کاش وہ چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ بن جاتا تو پھر حضرت ہاجرہ نے خود بھی پیا اور بچے کو دودھ پلایا، اور فرشتے نے حضرت ہاجرہ سے عرض کیا آپ اس زمین میں ضائع ہونے سے نہ ڈریں، بے شک یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کے والد (دوبارہ) مل کر اس کی تعمیر کریں گے اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔

اور اس وقت بیت اللہ کی جگہ تمام آس پاس کی زمین سے ابھری ہوئی تھی اور پہلے بھی سیلاب آتے تھے جو اس کے دائیں بائیں تک پہنچ جاتے تھے

---

[1] اصل الفاظ حدیث میں انیس ہے جس کا ترجمہ کوئی ہمدرد و مونس ہے

الغرض حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے فرزند کے ساتھ اسی طرح زندگی بسر فرماتی رہیں۔ ایک مرتبہ ان کے پاس سے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ گزرا اور ان کی طرف سے (کچھ ہٹ کر) ہوتا ہوا مکہ کی نشیبی زمین میں قیام پذیر ہو گیا۔ وہاں سے انھوں نے پانی پر منڈلانے والے پرندوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ پرندے تو پانی پر آتے ہیں اور جبکہ ہم اس وادی سے واقف ہیں یہاں کوئی پانی نہیں ہے تو یہ دیکھ کر انھوں نے اپنا ایک یا دو ساتھیوں کو روانہ کیا وہ اس جگہ پہنچے اور واپس آ کر پانی کی خبر دی تو سب وہاں متوجہ ہو گئے اور چل پڑے۔ اس وقت وہاں حضرت ہاجرہ پانی کے پاس موجود تھیں تو انھوں نے پوچھا کیا آپ ہمیں اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گی؟

تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا: جی ہاں! لیکن پانی پر تمہارا ملکیت میں اس سے کوئی حق نہ ہوگا تو انھوں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ام اسماعیل نے اس (آبادی اور ملاقات کی یعنی وہاں قبیلہ کی) کو پسند پایا اور (یہاں بھی) انس و محبت کی فضا محسوس کرنے لگیں پھر قوم جرہم یہاں اترے اور اپنے گھر والوں کی طرف پیغام بھیج دیا تو وہ بھی وہاں سے ان کے پاس آ کر رہنے لگے اور یہ سب حضرات مل جل کر رہنے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے اور قوم جرہم سے عربی زبان سیکھی اور یہ اپنی جوانی میں سب کے نزدیک خوب خوبصورت اور باوجاہت رہے تھے تو جب یہ سن بلوغت کو پہنچ گئے تو قوم جرہم نے اپنے قبیلہ کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔

اور اسی عرصے میں حضرت ہاجرہ ام اسماعیل بھی جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے پروردگار کے پاس چلی گئیں۔ پھر ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد ملنے کے لئے آئے تو گھر میں حضرت اسماعیل کو موجود نہ پایا تو ان کی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے کہا وہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی زندگی اور رہن سہن کے بارے میں پوچھا تو شکوہ و شکایت کرنے لگی کہ ہم لوگ بڑی تنگی اور سختی میں مبتلا ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا جب آپ کے شوہر آ جائیں تو انھیں میرا سلام کہنا اور میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لیں۔

جب حضرت اسماعیل واپس ہوئے تو انھوں نے کچھ محسوس کیا اور پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا جی ہاں ایک بوڑھے سے شخص آئے تھے انھوں نے ہم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا۔ پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا ہم تنگی و مشقت میں مبتلا ہیں۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا تو پھر انھوں نے کوئی نصیحت کی یا کچھ کہا؟ انھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کی طرف سے آپ کو سلام کہوں اور وہ آپ کو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لیں۔ تو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد محترم تھے اور مجھے حکم کر گئے ہیں کہ میں تجھے جدا کر دوں لہٰذا تو اپنے گھر والوں میں چلی جا اور پھر اس کو طلاق دے دی۔ اور اسی قبیلے میں سے ایک دوسری سے شادی فرمائی۔ پھر کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل کو گھر میں موجود نہ پایا تو ان کی بیوی کے پاس گئے اور اس سے سوال کیا اس نے بھی کہا وہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا تم کیسے (زندگی گزار رہے ہو) اور ان سے ان کی راحت و آرام اور ان کے رہن سہن کے بارے میں پوچھا تو بیوی نے عرض کیا ہم خیر و عافیت کے ساتھ فراخی و کشادگی میں ہیں۔ اور پھر اللہ کی تعریف و ثنا کی۔ حضرت ابراہیم نے دریافت فرمایا تمہارا کھانا کیا ہوتا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تمہارا پینا کیا ہوتا ہے عرض کیا پانی۔ پھر حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ! ان کے لئے گوشت و پانی میں برکت عطا فرما دے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں اس دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس کوئی اناج بھی نہ تھا اگر ہوتا تو حضرت ابراہیم ان کے لئے اس میں برکت کی دعا فرماتے۔ پھر حضور نے فرمایا: جب سے مکہ کے گوشت اور پانی والوں (اہل مکہ) کے موافق رہتے ہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (دوسری دفعہ بیوی سے) فرمایا: جب تیرا شوہر آ جائے تو اس سے میرا سلام کہنا اور میری طرف سے انھیں حکم دینا کہ اپنے دروازے کی (اس) چوکھٹ کو برقرار رکھے۔ تو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے عرض کیا: جی ہاں! ایک اچھی صورت (و سیرت) والے بزرگ آئے تھے ..... اور پھر ان کی تعریف کی۔ تو انھوں نے مجھ سے آپ کے

متعلق دریافت فرمایا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا کہ کیسے ہم زندگی گزار رہے ہیں؟ تو میں نے کہا خیر کے ساتھ، پھر حضرت اسماعیل نے پوچھا کچھ وصیت، نصیحت کر گئے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں! آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے گئے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو برقرار رکھنا۔ حضرت اسماعیل نے فرمایا!

وہ میرے والد مکرم تھے اور تم چوکھٹ ہو اور وہ یہ حکم کر گئے ہیں کہ تجھے عقد میں رکھوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصے بعد پھر دوبارہ آنے کے لئے تشریف لائے (اور اس دفعہ میں حضرت اسماعیل کو موجود پایا) وہ زمزم کے قریب ایک ٹیلے پر تیر کو نکیل رہے تھے اور اسے درست کر رہے تھے، حضرت اسماعیل نے اپنے والد مکرم کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے (بڑی گرمجوشی سے معانقہ و مصافحہ اور دوسرے آداب) جو باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں وہ تمام آداب بجالائے، بیٹے نے باپ کے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ کیا اور باپ نے بیٹے کے ساتھ شفقت و رحمت کا معاملہ کیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند ارجمند کو فرمایا:

اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم فرمایا ہے تو حضرت اسماعیل نے عرض کیا رب کی طرف سے آپ کو جو حکم ملا ہے اس کو پورا کیجئے والد مکرم نے فرمایا اس میں تیری مدد کی ضرورت ہے، عرض کیا بالکل میں حاضر ہوں تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اردگرد کی ایک ابھری ہوئی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم فرمایا ہے۔

تو پھر باپ اور بیٹے نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا، بیٹا پتھر لاتا اور باپ معمار (تعمیر) کرتا رہا حتیٰ کہ جب دیوار بلند (قد سے) اونچی ہو گئی تو یہ خاص پتھر لائے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر کرتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر پکڑاتے رہے اور زبان پر ان الفاظ کا پڑھنا جاری رہا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(اے) ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرما بیشک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں۔ (سورۃ بقرہ ۱۲۷)

اور پھر (ایک طرف پوری ہونے کے بعد) گرد اطراف میں چکر لگاتے رہے اور گھومتے جاتے یہ الفاظ دونوں نے اپنی زبان پر جاری رکھے۔

ربنا تقبل ۔الخ

یہ پوری روایت مذکورہ ایک طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور آپ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسرے طریق [1] سے بھی یہ روایت منقول ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل کے درمیان جو (کچھ مسائل پیدا ہوئے) تو حضرت ابراہیم اسماعیل اور ام اسماعیل کو لے کر چلے اور ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔۔۔ پھر اسی مذکورہ طرح سے اس روایت میں پورے قصے کو بیان فرمایا۔

تو یہ کل حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور اس کے بعض حصے حضور ﷺ کی طرف بھی منسوب ہیں اور بعض حصوں میں غرابت ہے (اور اس روایت کی بعض باتوں کی بنا پر) لگتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اسرائیلیات سے لی ہے جبکہ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔

اور اہل تورات سے یہ بات منقول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اور جو بھی غلام ان کے پاس ہیں، ان کی ختنہ کریں۔ اور یہ واقعہ آپ کی عمر کے ننانوے سال گزرنے کے بعد پیش آیا تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال بنتی ہے اور حضرت ابراہیم نے حکم خداوندی کو پورا کرتے ہوئے عمل کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھوں نے (فرض) واجب جان کر کیا اسی وجہ سے علماء کے اقوال ہیں کہ یہ چیز مردوں پر واجب ہے۔

---

[1] حدثنا عبداللہ بن محمد، حدثنا ابو عامر عبدالملک بن عمرو، حدثنا ابراہیم بن نافع، عن کثیر بن کثیر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال الخ

صحیح بخاری میں ہے۔ [1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "[2] قدوم" (آلے کے ساتھ اپنی) ختنہ فرمائی اور وہ (اس وقت) اسی سال کے تھے۔ [3]

اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی) ختنہ فرمائی۔ اور وہ بھی اپنی عمر کے اسی سال گزرنے کے بعد قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی۔

اور ایک قول کے مطابق قدوم آلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک جگہ کا نام ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ یہاں مذکورہ روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے اسی سال گزرنے کے بعد ختنہ فرمائی تو اس سے زائد مدت کی نفی نہیں ہوتی۔ اور یہاں سے لیکر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے تذکرہ میں ایک حدیث ذکر ہوئی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ فرمائی جبکہ وہ ایک سو بیس سال کے تھے، اور اس کے بعد بھی اسی سال زندہ رہے۔ ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت فرمایا ہے۔

لیکن مذکورہ روایتوں میں کئی باتیں محل اشکال وتشویش ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان میں اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا ذکر نہیں آیا اور وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں (لیکن بنی اسرائیل کے ہاں وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اسی وجہ سے انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس بارے میں ذکر نہ کیا) اور دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور اپنے لخت جگر کو وادی بیابان میں چھوڑنے کے بعد صرف تین مرتبہ چکر لگایا اور ان میں پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پہلی شادی ہو چکی تھی تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بچپن سے شادی تک کیسے چھوڑ دیا؟ کیا ان کے حالات کی بھی خبر نہ لی، جبکہ آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا تھا (یعنی وہ طویل ترین سفر گھڑیوں میں طے کر لیتے تھے) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب وہاں کی طرف جاتے تو براق پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے تو ان سب باتوں کی بنا پر یہ محال ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے حالات سے کیسے پیچھے رہے تھے، جبکہ وہ بچہ اور اس کی ماں انتہائی ضرورت اور شدت حاجت میں مبتلا تھے۔

تو ان تمام باتوں کی بنیاد پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایتیں اسرائیلیات میں سے لی گئی ہیں اور کچھ کچھ باتیں احادیث مرفوعہ میں سے ملائی گئی ہیں اور ان اسرائیلی روایتوں میں قصہ ذبح بھی مذکور نہیں ہے جبکہ سورہ صافات میں جہاں قصہ ذبح مذکور ہے ہم وہاں مفصل کلام کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے والے کا قصہ

"علیہ الصلوٰۃ والسلام"

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں (ترجمہ) اور (ابراہیم علیہ السلام) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ اے پروردگار مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو) تو ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ

---

[1] قال البخاري: حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا مغيرة بن عبد الرحمن القرشي عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة [illegible]

[2] قدوم تیشہ کو کہتے ہیں لیکن یہاں تیز دھار کوئی بھی آلہ مراد ہے۔

[3] تابعه عبد الرحمن بن إسحاق عن أبي الزناد، وتابعه عجلان عن أبي هريرة، ورواه محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة، وهكذا رواه مسلم عن قتيبة به

ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابرین میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم (کا ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اور ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں۔(۱)

اللہ عزوجل اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے اپنے علاقے کو چھوڑ دیا تو اپنے پروردگار کے حضور التجا کی کہ اسے کوئی صالح اولاد عطا فرما دیجئے تو پروردگار نے خوشخبری دی کہ ان کے ہاں ایک بردبار (تحمل والا) بچہ پیدا ہو گا اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد یہی ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک چھیاسی سال ہو چکی تھی اور اس بات میں کسی مذہب والے کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد ہیں۔

تو حضرت اسماعیل کے بارے میں اللہ نے فرمایا فلما بلغ معه السعي کہ جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا یعنی جوان ہو گیا اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تفسیر یوں ہی فرمائی ہے کہ یعنی جب وہ جوان ہو گئے اور طاقت و قوت کے مالک ہو گئے کہ اپنے والد کے ساتھ کام کریں۔

تو پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام (لڑکپن کی) اس عمر کو پہنچ گئے تو آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ ان کو اپنے لخت جگر کے ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث یوں مروی ہے کہ

انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔

یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے دوست کا امتحان تھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو جوان کو ذبح کر دیں (جو بڑھاپے کے بعد ملا ہے) اس کو ذبح کر دیں اور اس سے پہلے یہ عظیم امتحان بھی گزر چکا تھا کہ وہ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند کو جنگل بیابان میں تنہا (چھوڑ) کر آئیں کہ وہ جنگل بھی ایسا تھا کہ صحرا تھا جہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ کوئی کھیتی اور نہ کوئی دودھ دینے والا جانور مگر حضرت ابراہیم اپنے دوست (اللہ عزوجل) کے امتحان پر پورا اترے اور اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل کی اور ان کو اللہ عزوجل کے بھروسہ پر چھوڑ دیا۔ اللہ نے (ان کی مدد کی) اور ان کے لیے مزید فراخی کا راستہ کھول دیا اور ان کو ایسی جگہ سے رزق دیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا تو اللہ عزوجل جب کسی کے لیے کوئی مشکل ہو تو اللہ عزوجل اس کی طرف سے اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام کو دوسری قربانی بھی اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کا حکم ملا اور یہ حکم تھا جو اللہ نے اپنے اس دوست کو دیا تھا اور حضرت اسماعیل ہی آپ کی اکلوتی اولاد تھے اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی پر لبیک کہا اور حکم کی فرمانبرداری میں جلدی کی۔

پھر حضرت ابراہیم نے یہ معاملہ اپنے بیٹے پر پیش کیا تاکہ حضرت اسماعیل اپنے دل کی خوشی اور رضامندی کے ساتھ اسے قبول کر لیں نہ کہ زبردستی اور قہراً ان کو ذبح کیا جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا:

يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (صافات ۱۰۲)

---

(۱) سورۃ صافات ۱۰۲ تا ۱۱۳

اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو تیرا کیا خیال ہے؟

تو حلیم اور تحمل مزاج بیٹا اپنے والد کی فرمانبرداری کے لئے فوراً بڑھا اور عرض کیا

یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ

اے میرے پیارے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ کر ڈالئے انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

یہ جواب تھا اور حقیقت بندوں کے پروردگار کے حکم کی بہترین فرمانبرداری ہے۔

آگے فرمان خداوندی ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ

"اسلما" کی دو تفسیریں ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ دونوں تیار ہو گئے اور اس قربانی کا عزم کر لیا اور ایک تفسیر یہ ہے کہ دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ وتلہ للجبین کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل لٹا دیا (کہا جاتا ہے کیوں ایسا کیا؟) تاکہ اپنے لئے کی گدی کی طرف سے ذبح فرمائیں اور اس طرح ذبح کرتے وقت ان کے چہرے کو نہ دیکھیں (کہ کہیں محبت پدری جوش میں نہ آ جائے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اسی طرح لٹایا تھا جس طرح کہ عام قربانی کے جانوروں کو لٹایا جاتا ہے پیشانی زمین سے لگی ہوئی تھی۔

ایک اور علماء کی تفسیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا اور تکبیر کہی (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہی) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جام موت پینے کے لئے حاضر اور تیار ہو گئے تو اس طرح دونوں تابعدار ہو گئے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری حضرت اسماعیل کے حلق پر چلائی لیکن چھری نے بالکل اثر تک نہ کیا کہا جاتا ہے کہ چھری اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کے درمیان تانبے کی ایک پتی حائل ہو گئی تھی واللہ اعلم

تو اسی وقت میں اللہ عزوجل کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ندا دی گئی۔

اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ

(اور ہم نے آواز دی) کہ اے ابراہیم بے شک تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا بے شک ہم اسی طرح (ہر زمانے میں بھی) محسنین کو اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

یعنی تیری فرمانبرداری کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ نہایت محسن و مخلص ثابت ہوئے اور آپ نے اپنے رب کی اطاعت میں بہت جلدی کی اسی طرح آپ نے لخت جگر کو بھی بہت جلد قربانی کے لئے پیش کر دیا جیسا کہ اپنے جسم و جان کو بھی آگ میں ڈالے جانے کیلئے بے دریغ پیش کر دیا جس طرح کہ آپ نے اے ابراہیم! اپنی جان کو جلانے کے لئے آگ کے سپرد کر دیا تھا اور جس طرح کہ اے ابراہیم آپ اپنا مال مہمانوں کے لئے بے دریغ استعمال کرتے ہیں اسی وجہ سے پروردگار نے یہی فرمایا۔

بے شک یہ کھلی اور عظیم آزمائش تھی۔ یعنی ایسی آزمائش کہ جس کی سختی اور مشکل صاف ظاہر تھی۔

(پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی طرف سے بیٹے کی قربانی کا دل کھول دیا آگے کیا ہوا فرمان باری ہے) اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو (بدلے میں) عظیم قربانی عطا کی۔

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کے بجائے ایک دوسرا جانور عطا فرما دیا (وہ دوسرا جانور کون سا تھا؟) تو جمہور سے یہ مشہور ہے کہ وہ مینڈھا تھا اور سفید رنگ اور موٹی آنکھوں اور سینگوں والا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقام ثبیر میں ببول کے درخت کے ساتھ بندھا دیکھا۔

(۱) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس مینڈھے نے جنت میں چالیس سال چرا تھا۔

اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں چرتا تھا حتیٰ کہ اس سے ثبیر میں آیا اور اس پر (ہلکی سی) سرخی رنگ اون تھا

---

(۱) رواہ الثوری عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا ثبیر (ٹیلے) سے اتر کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آیا اور وہ عمدہ آنکھوں اور سینگوں والا تھا، اور ممیاتا ہوا نیچے اترا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح فرمادیا، اور یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت ہابیل نے دی تھی اور اللہ نے اس کو قبول فرمایا تھا، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مقام منیٰ میں ذبح فرمایا تھا اور عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مقام ابراہیم پر ذبح کیا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگلی بکرا تھا اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑی بکرا تھا اور اس کا نام جریر تھا۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یہ صحیح مروی نہیں ہے۔

پھر جو یہاں اقوال مذکور ہیں وہ اکثر اسرائیلی روایتوں سے ماخوذ ہیں اور قرآنی رو سے جو معلوم ہوتا ہے وہی کافی ہے کہ یہ عظیم الشان کام تھا اور کٹھن امتحان تھا، پھر ابراہیم نے اللہ کے فضل سے مینڈھے کی قربانی دی اور حدیث کی رو سے وہ جانور مینڈھا تھا۔

(۱) مسند احمد میں صفیہ بنت شیبہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور عورت نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کیوں یاد فرمایا ہے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو وہاں میں نے دو سینگ دیکھے تھے پھر میں تجھے حکم کرنا بھول گیا کہ ان کو ڈھک دو، لہٰذا اب جاؤ اور ان کو ڈھک دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو دوسری طرف مشغول کرے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ سینگ بیت اللہ میں لٹکے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تھی تب وہ بھی جل گئے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ مینڈھے کا سر ہمیشہ سے کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکا رہتا تھا اور وہ خشک ہو چکا تھا۔

اللہ کی راہ میں ذبح ہونے والا کون تھا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں یعنی اسماعیل و اسحاق میں سے کونسا فرزند ذبیح اللہ تھا؟ یہ مذکورہ بات دلیل ہے اس پر کہ راہ خدا میں ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس لئے کہ یہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کبھی اپنے بچپن میں مکہ میں تشریف لائے ہوں اور قرآن کریم کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ لگتا ہے کہ قرآن کریم نے اس پر تصریح فرمادی ہے "واللہ اعلم" کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں، کیونکہ اللہ نے پہلے ذبح کا قصہ ذکر فرمایا پھر اس کے بعد فرمایا اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو پیغمبر اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ (سورہ صافات آیت ۱۱۲)

(اس جگہ اللہ نے پہلے ذبح کا قصہ بیان فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بھی خوشی سنائی۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے جس کا قصہ مذکور ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے) لیکن بعض لوگوں نے اس جگہ کافی تکلف کے ساتھ تاویل کرتے ہوئے مطلب کو بدلا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت وبشرناه باسحق نبيا من الصّلحين میں "باسحاق" سے حال ہے نہ کہ ولادت سے تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ہم نے پہلے بچے کی نبوت کی بھی خوشخبری سنائی۔ تو آیت پہلے قصے کے ساتھ منسلک ہو جائے گی۔

جبکہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ محض تکلف ہے اور اس کا دارومدار اسرائیلی روایات ہیں جبکہ ان کی کتاب میں بھی تحریف ہو چکی ہے۔ خصوصاً ایسی جگہوں میں تحریف ضرور ہے۔

ان کے قول کے مطابق اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم فرمایا اور ان کے ایک تورات کے تحریف شدہ نسخے

---

(۱) قال الامام احمد: حدثنا سفیان، حدثنا منصور، عن خاله نافع، عن صفیه بنت شیبه قالت

کے مطابق اپنے پہلے بیٹے اسحاق کے ذبح کا حکم فرمایا تو وہاں لفظ اسحاق ان کی طرف سے اضافہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہ اکلوتے تھے نہ پہلے تھے وہ صرف اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ یہی پہلے بیٹے تھے اور اکلوتے تھے۔

بعد میں پھر حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

اور اہل کتاب کو اس بات پر عرب سے حسد نے ابھارا ہے اسلئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب کے باپ ہیں اور وہ عرب جو حجاز مقدس میں بستے تھے اور انہی میں سے ہمارے نبی اکرم محمد ﷺ ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں اور حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا جن کی طرف بنی اسرائیل منسوب ہیں۔ تو اس وجہ سے بنی اسرائیل نے چاہا کہ یہ شرف و مرتبہ اپنی طرف کھینچ لیں، پھر اس مذموم مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اللہ کی کتاب کو بھی بدل ڈالا۔ اور اس میں اپنی طرف سے زیادتی کی۔ تو یہ قوم بنی اسرائیل بہتان باندھنے والی جھوٹی قوم ہے اور اپنے حسد کی وجہ سے یہ اقرار نہیں کرتی کہ فضل و شرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

اور یہ بات کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے دوسرے لوگوں نے بھی کہی ہے اور اس بات کو انہوں نے یا تو حضرت کعب احبار سے نقل کیا ہے یا پھر اہل کتاب کے صحیفوں سے لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بات کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے حضور ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں بھی مروی نہیں ہے کہ اس کی بناء پر ہم قرآن کے ظاہر کو چھوڑ دیں۔ اور نہ ہی قرآن کی کسی بھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ بلکہ قرآن سے مفہوم بلکہ منطوق کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر غور و فکر کے وقت صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

بہترین استدلال:- ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ اس بات پر حضرت کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بہترین استدلال فرمایا ہے فرمایا کہ قرآن میں ہے

پھر ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور اسحق کے بعد یعقوب کی۔ (سورہ ھود آیت ۷۱)

تو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسحاق علیہ السلام کی پیدائش اور اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی یعنی بیٹے کی پیدائش سے پہلے ہی پوتے کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور پھر بالفرض اسحق کو بچپن میں ہی ذبح کرنے کا حکم ملا تو یعقوب پوتے کی خوشخبری کیسے ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ باپ کے لئے پہلے ہی بچپن میں ذبح کا حکم مل گیا۔

(یا یوں کہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام کی آزمائش ہی کچھ نہ رہی کیونکہ ان کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابھی اسحاق سے یعقوب جنم لیں گے لہذا آخر کار یہ ذبح نہیں ہوں گے۔ از مترجم) تو اس بات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ورنہ پہلی پیدائش یعقوب علیہ السلام کی بشارت کی مخالفت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

لیکن علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس استدلال پر اعتراض فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ **فبشرنٰھا باسحٰق** یہ پورا جملہ ہے تام ہے۔ اور آگے فرمان باری تعالیٰ **ومن وراء اسحٰق یعقوب** یہ دوسرا مستقل جملہ ہے۔ اور یہ بشارت کے لئے بھی نہیں ہے اسلئے کہ عربی کی گرامر کے اعتبار سے کسی جملے کو مجرور پر جو دوسرے پر عطف کرتے ہوئے یہ اسی وقت صحیح ہے جب ثانی پر حرف جار کا اعادہ کیا جائے لہذا یوں کہنا صحیح نہیں ہے مررت بزید ومن بعدہ عمرو تو یہاں دیکھئے کہ عمر کو زید پر عطف کیا جا رہا ہے اور بغیر جار کے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں یوں صحیح ہے۔ **ومن بعدہ بعمرو** تو اس قاعدے کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے کہ آیت کا دوسرا حصہ **ومن وراء اسحٰق یعقوب** بھی پہلی مثال کی طرح ہے کیونکہ آیت کے پہلے حصے میں بالکل باء کے ساتھ ہے اور یہاں یعقوب پر باء نہیں ہے لہذا یعقوب کا اسحٰق پر عطف کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو صحیح یہ ہے یہ فعل مقدر کے ساتھ منصوب ہے یعنی **ووھبنا لاسحٰق یعقوب**۔

اگرچہ اس اعتراض کی بناء پر ابن کعب قرظی کا استدلال ظاہراً کچھ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود علامہ سہیلی کے اس اعتراض میں شک کا امکان ہے۔

اور پھر علامہ سہیلی اپنی بات میں ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق ہیں اور اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے۔

فلما بلغ معہ السعی جب وہ (ذبیح اللہ) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے علامہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

دوڑتے (کام کرتے تھے) جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے ہی نہیں، بلکہ یہ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں سکونت پذیر تھے۔ تو پھر کیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑنا، کام کاج کرنا ہوگا۔

لیکن علماء کی اس بات و استدلال میں بھی بہت ہی غور و فکر کی ضرورت ہے اس لئے کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر اکثر بیشتر اپنے اہل کی خبر لینے مکہ تشریف لیجاتے تھے پھر واپس لوٹ آتے تھے۔ واللہ اعلم۔

خیر جن لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق کو مانتے ہیں یا ایسی روایت ان سے ظاہراً مروی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا تو فرمان ہے۔ اور ان حضرات سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ، عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ، ابی میسرہ رحمۃ اللہ علیہ، زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ ابن شقیق رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، قاسم رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی بردہ، مکحول رحمۃ اللہ علیہ، عثمان بن حاضر رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن رضی اللہ عنہ، ابی ہذیل رحمۃ اللہ علیہ، ابن سابط رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن جریر نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے لیکن یہ ان سے تعجب کی بات ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی دو روایتوں میں سے ایک انہی کے ساتھ ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر جو مروی ہے اور اسی طرح ان مذکورہ لوگوں میں سے صحیح طرح اکثر لوگوں سے جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، سعید رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ، عطاء اور حضرت ابن عباس سے کئی روایتیں اسی طرح مروی ہیں۔

(۱) اور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قربان ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہود اس میں جھوٹے ہیں اور عبداللہ بن امام احمد اپنے والد یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے ابن ابی حاتم فرماتے ہیں میں نے (اپنے والد یعنی) ابی حاتم سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

اور حضرت علی، ابن عمر، ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابی الطفیل، سعید ابن المسیب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابو جعفر محمد بن علی، ابو صالح ان تمام حضرات کا فرمان ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

اور مفسر علامہ بغوی نے بھی ربیع بن انس اور کلبی اور ابی عمرو بن علاء رحمہم اللہ سے یہی روایت فرمایا ہے۔

(اور مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور ان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کو یوں مخاطب کیا۔

یا ابن الذبیحین اے دو ذبح ہونے والوں کے بیٹے تو رسول اکرم ﷺ اس پر ہنس دیئے۔

اور عمر بن عبدالعزیز، محمد بن اسحاق بن یسار رحمہم اللہ کا بھی یہی خیال و قول تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے (کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں)

(۲) محمد ابن کعب سے مروی ہے کہ وہ شام میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے پاس تھے تو انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کے قصے کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا یہ استدلال سنایا تو حضرت عمر نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے جو آپ کہہ رہے ہیں اور اس استدلال میں کوئی شک نہیں۔ پھر حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد ابن کعب کو شام میں ایک یہودی عالم کے پاس بھیجا (اس سے یہ بات ہوئی تو) وہ اسلام لے آیا اور پکا مسلمان ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے کس کے لئے ذبح کا حکم نازل ہوا؟ تو اس نے کہا واللہ اے امیر المؤمنین وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود اس کو جانتے بھی ہیں لیکن تم عرب پر حسد کرتے ہیں کہ تم کو تمہارے باپ کی وجہ سے یہ شرف حاصل ہوا الخ

---

(۱) قال ابن جریر حدثنی یونس، انبانا ابن وھب، اخبرنی عمرو بن قیس، عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس انہ قال ...... الخ

(۲) قال محمد بن اسحاق عن بریدہ عن سفیان بن فروہ الاسلمی عن محمد ابن کعب ...... الخ

حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ترجمہ: ... اور ہم نے ان کو (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں۔ [1]

اور ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ جس وقت وہ ملائکہ قوم لوط والوں کے شہر اور بستی والوں کی ہلاکت کی وجہ سے جس وقت کہ ان کے عذاب کے واسطے ان کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو عنقریب اپنے مقام پر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا (ترجمہ) اور ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو سلام کہا اور انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم علیہ السلام) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جب دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جا رہے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجیے ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (جو پاس) کھڑی ہوئی تھی ہنس پڑی۔ تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں (فرشتوں) نے کہا کہ کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ قابل تعریف کے لائق اور بزرگوار ہے۔ [1]

اور اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا:

ترجمہ: ... (اے محمد ﷺ) اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا احوال سنا دو جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو سلام کہا (انہوں نے) کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ بولے کہ جب مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا ہے تو تم خوشخبری دینے لگے؟ اب کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ [2]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

ترجمہ: ... بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے (یعنی فرشتے) تو سلام کہا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہی تو ایسے لوگوں کو نہ جان نہ پہچان۔ پھر جلدی اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا۔ کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری بھی سنائی۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چلاتی آ گئیں۔ [3]

انہوں نے کہا کہ (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خبردار ہے۔

یہ فرشتے تین تھے، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام، جب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو حضرت ابراہیم نے دیکھتے ہی ان کو مہمان سمجھا پھر ان کے ساتھ مہمانوں والا معاملہ فرمایا اور تیاری شروع کر دی اور اپنی گایوں میں سے ایک بچھڑا یا موٹا بچھڑا ان کے لئے ذبح کیا اور اس کو بھون کر ان کو پیش کیا۔ لیکن حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ان کا تو کھانے کے متعلق کوئی ارادہ یا حرکت ہی نہیں ہے کیونکہ فرشتے تو انسانی حاجتوں سے فارغ ہیں۔ تو حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا (کہ کہیں یہ کوئی دشمن تو نہیں ہیں) کیونکہ اس زمانے میں دشمن ایک

---

(۱) سورۃ الصافات آیت ۱۱۲، ۱۱۳

(۲) سورۃ ہود آیت ۶۹ تا ۷۳

(۳) سورۃ الذاریات آیت ۲۴ تا ۳۰

دوسرے کا کھانا نہیں کھاتے تھے پھر فرشتوں نے حضرت ابراہیم کی اس کیفیت کو بھانپتے ہوئے کہا قرآن میں ہے فرشتوں نے کہا (اے ابراہیم) خوف نہ کیجئے ہم تو (فرشتے ہیں اور) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر عذاب ہو جائے۔

تو اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام جو مہمانوں کے سر کی طرف کھڑی تھیں، جیسا کہ عرب کے ہاں مہمانوں کے ساتھ اس وقت کا رواج تھا، تو حضرت سارہ علیہا السلام نے عذاب کی خبر سنی تو ان پر خوف کی کیفیت طاری ہو گئی اور ایسی آواز نکلی جس پر فرشتوں نے ان کو دوسری خوشخبری سنائی (تاکہ غم ختم ہو جائے) فرمان خداوندی ہے پھر ہم نے ان (سارہ علیہا السلام) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی اور اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فرشتوں کے ذریعے سے یہ خوشخبری سنوائی، حضرت سارہ علیہا السلام نے یہ سن کر تعجب کی وجہ سے آواز نکالی فرمان باری ہے پھر اس کی بیوی آواز کی طرف متوجہ ہوئی پھر اپنے چہرے پر ہاتھ مارا یعنی جیسے عورتیں تعجب کے وقت آواز نکالتی ہیں اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتی ہیں اسی طرح حضرت سارہ علیہا السلام نے بھی کیا اور کہا فرمان باری ہے کہنے لگی افسوس کیا میں (اولاد کو) جنوں گی (اب) جبکہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں؟ یعنی میں ایک تو بانجھ ہوں پھر اس پر اضافہ یہ بھی ہے کہ میں بوڑھی ہوں تو مجھے اولاد کیسے ہوگی یہ تعجب کی بات ہے اور جبکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں پھر اس تعجب کا الفاظ میں بھی اظہار فرمایا فرمان باری ہے (اور سارہ نے کہا) کہ یہ تو عجیب سا معاملہ ہے فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت (اے نبی کے گھر والو) تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں (ہوتی رہی) ہیں بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے (اس کے لئے کوئی مشکل نہیں)۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا تو ابراہیم جس بچے کی خوشخبری دی گئی تھی اس کی خوشخبری کی اور پھر اس سبب سے خوشی ہوئی اور دل میں تحقیق کرنا چاہا تو انہوں نے از راہ تعجب فرشتوں سے کہا فرمان باری ہے (ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے (اس کی) خوشخبری دیتے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے پھر کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟ (فرشتوں نے) کہا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دی ہے لہذا آپ نا امید ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔

اس طرح فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بھی دوبارہ خوشخبری دیتے ہوئے اس کو پختہ کیا اور حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی کو بچے کے ساتھ خوشی میں سرشار کر دیا اور یہ بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور اس کے بارے میں اللہ عزوجل نے علیم کا لفظ فرمایا کہ ہم نے علم والے بچے کی خوشخبری دی اور یہ حضرت اسحاق کے بلند مقام اور صبر کے موافق ہے اور اسی طرح ان کی صفت ہونے کے لحاظ سے بھی بیان فرمائی گئی اور دوسری جگہ قرآن میں اس خوشخبری کو کچھ یوں بیان کیا گیا فرمان باری ہے۔

پھر ہم نے ان (سارہ علیہا السلام) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی اور یہی وہ آیت ہے جس سے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب استدلال فرمایا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام؟ کیونکہ اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم جائز نہیں کیونکہ ان سے بعد میں اولاد ہونے کی خوشخبری پہلے ہی عطا کی گئی ہے اس کی تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے۔

اور فرشتوں کی آمد اور طرز ضیافت کے بارے میں اہل کتاب کی غلط ملط، تحریف اور ان کی باطل باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھنے ہوئے بچھڑے کے ساتھ مکھن ملی ہوئی روٹیاں اور دودھ بھی پیش کیا اور فرشتوں نے اسے کھا لیا۔

جبکہ قرآن میں صاف کہا گیا ہے کہ انہوں نے کچھ نہیں کھایا اور ایسی ہی خرافات یہودیوں کی طرف سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آپ کے کمال کو معلوم نہیں ہوا تھا کہ فرشتے کیا کھا رہے ہیں کھانا ہوا میں غائب ہو جاتا (واللہ اعلم بالصواب)۔

اور اہل کتاب کے ہاں ہے اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا تیری بیوی سارہ کو سارہ نہیں پکارا جانا چاہئے بلکہ اس کا نام سارہ ہے اور میں تجھے اس میں برکت دوں گا اس طرح کہ اس کے ذریعے تجھے بیٹا دوں گا اور اس بیٹے میں بڑی برکتیں رکھوں گا اور بہت سے قبیلے اور ان قبیلوں کے بادشاہ بھی اسی سے نکلیں گے۔

حضرت ابراہیم اس خبر کو سن کر سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

کیا سو سال کے بعد میرے ہاں بچہ ہوگا؟ اور اب سارہ علیہا السلام جو کہ بانجھ تھیں ان پر بھی نوے سال بیت چکے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تو دعا اسماعیل علیہ السلام کی اس طرح تھی (جو کہ پیچھے ہو چکی) جس طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی آگے نسل بڑھنے کی خوشخبری دی گئی تو اسماعیل کے لئے بھی ہو تو بہت اچھا ہو) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ علیہا السلام تیرا ایک بچہ جنم دے گی۔

تو آپ اس کا نام اسحاق رکھنا اور آنے والے سال میں ان دنوں تک جنم لے لے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کیلئے میرا عہد و پیمان پختہ ہوگا (کہ سب مرتبہ نبوت کی امامت کریں گے)

اور اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی میں آپ کی دعا قبول کرتا ہوں اور اس پر برکتیں نازل کرتا ہوں اور اس کو اور اس کی اولاد کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کی اولاد میں آگے چل کر بارہ عظیم انسان پیدا ہوں گے اور ایک عظیم جماعت (امت محمدیہ ﷺ) جس کے لئے کروں گا۔ اور ان بارہ کے بارے میں ہم پہلے تذکرہ کر آئے ہیں (کہ وہ حضور ﷺ کے چاروں خلفاء راشدین اور آگے کے بڑے منصف خلفاء مراد ہیں) واللہ اعلم۔

اور حضرت اسحاق کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے تو ہم نے اسحاق کی خوشخبری دی اور اس کے بعد یعقوب کی اس سے بڑی عظیم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم وسارہ اپنے بیٹے اسحاق سے خوش ہوں گے پھر اسحاق کے ہاں یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ابراہیم علیہ السلام و سارہ علیہا السلام کی زندگی میں تاکہ دونوں اس سے بھی اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں جیسے کہ اپنے بیٹے کے ساتھ آنکھیں ٹھنڈی کریں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ یعقوب اپنے دادا دادی کی زندگی میں پیدا نہ ہوں تو پھر تو ان کے علاوہ بھی تمام کی اولاد کے ساتھ بشارت ہوتی تو حضرت یعقوب کی تخصیص کیا ہوتی لہذا جب ان کو مراد لیا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب بھی اپنے دادا دادی کی زندگی میں پیدا ہوں گے۔

ایک اور جگہ فرمان باری ہے

اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔(۱)

اور دوسری جگہ فرمایا۔

پھر جب ابراہیم ان کافروں اور جن کی وہ خدا کے سوا عبادت کرتے تھے سب سے جدا ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔(۲)

اور یہ بات کہ حضرت یعقوب بڑے ہوئے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام اور دادی سارہ علیہا السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے ان شاء اللہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیحین میں ہے کہ (۳) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سوال عرض کیا یارسول اللہ پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فرق ہے؟ جواب ملا چالیس سال پھر پوچھا پھر کون سی (مسجد ہے)؟ فرمایا جہاں کہیں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لو تمام مسجد ہیں (ان کے علاوہ) برابر ہیں (اور مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل یہ بات ہے کیونکہ اس کا بھی دوسری کئی حدیثوں میں ذکر آیا ہے)

اور اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور یہ ایلیا کی بیت المقدس ہے جس کو اللہ نے شرف و مرتبہ عطا فرمایا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے کعبۃ اللہ بنانے کے چالیس سال بعد یعقوب نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تو ظاہر بھی ہے کہ یعقوب علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تھے)۔

تو ان دونوں باتوں کی آپس میں مطابقت ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب اسرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے کعبے کو بنانے کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور یہ دونوں تعمیرات حضرت اسحاق علیہ السلام کے وجود کے بعد ہوئی ہیں اور یہ بات قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ جس میں حضرت ابراہیم دعا کرتے ہیں فرمان باری ہے

اور جب ابراہیم نے عرض کیا اے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا لے پروردگار انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک آپ غفور رحیم ہیں۔

---

(۱) الانعام ۸۴۔ (۲) مریم ۴۹۔ (۳) فی حدیث سلیمان بن مہران الاعمش عن ابراہیم بن یزید التیمی عن ابیہ عن ابی ذر

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو بغیر کھیتی (والی) کی جگہ میں تیرے محترم گھر کے پاس بسا دیا ہے، پروردگار تاکہ یہ نماز قائم کریں، پس بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دیں کہ ان کی طرف کھنچے آئیں، اور ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما تاکہ یہ شکر ادا کریں۔ اے پروردگار ہم جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں آپ سب جانتے ہیں اور اللہ سے آسمان اور زمین میں کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا کئے بےشک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔

پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے اے ہمارے پروردگار (ہماری یہ) دعا قبول فرما لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار میری اور میری اولاد کی اور تمام مومنین کی حساب قائم ہونے کے روز مغفرت فرما دیجئے۔ (۱)

(تو یہاں حضرت ابراہیم فرما رہے ہیں اور شکر کر رہے ہیں کہ پروردگار نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے)

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا جن کا تذکرہ ہم قرآنی آیت کے تحت کر چکے ہیں۔

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ (سورۃ ص/۳۵)

اور اس کا بیان گزر چکا ہے ان شاء اللہ حضرت سلیمان کے قصے میں بھی آجائے گا۔

تو حدیث میں جو ذکر آیا اس کے معنی یہ ہیں (جہاں کہیں حضرت سلیمان کے بیت المقدس تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کی نئی تعمیر فرمائی اور پہلے بھی تعمیر تھی اور پہلے جو حدیث میں آیا کہ ان دونوں مسجدوں کے درمیان چالیس سال کا فرق ہے تو اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا سوائے حضرت ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے اپنی تقسیمات و انواع کو بیان کرنے کے موقع پر، جو بالکل غیر معروف اور نامناسب ہے جس کا کوئی قائل نہیں ہے تو اس سے بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت سلیمان کی تعمیر نئی تعمیر تھی۔

قدیم گھر یعنی بیت اللہ کی تعمیر کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:...... اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کا مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو (پاک) صاف رکھا کرو اور لوگوں کو حج کے لئے اعلان کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) راستوں سے چلے آئیں۔ (۲)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ کا مفہوم یہ ہے) پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے (وہ) بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو شخص اس گھر تک جانے کی طاقت رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔ (۳)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:...... اور جب پروردگار عالم نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ

---

(۱) ابراہیم ۳۷ تا ۴۱ (۲) سورۃ حج آیت ۲۶-۲۷۔ (۳) سورۃ آل عمران آیت ۹۶-۹۷

بنالو، اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کے لئے میوے عطا فرما تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لئے مجبور کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما، بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما، بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کرنا جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بے شک آپ غالب (اور) صاحب حکمت ہیں۔(۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے دوست، موحدین کے امام، انبیاء کے والد، یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی جس کو تمام لوگوں کے فائدے کے لئے سب سے پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے تاکہ لوگ آئیں اور اس میں اپنے معبود برحق کی پرستش کریں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس گھر کی تعمیر کا حکم اور نشان اور اس کے بنانے کی جگہ سب اللہ عزوجل کی طرف سے حاصل ہوئی۔

ابتداء آسمان اور زمین کی تخلیق کے بیان کے موقع پر ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو وحی نازل کی۔

کہ کعبۃ اللہ بیت معمور کے عین مقابل ہونا چاہئے (بیت معمور آسمانوں میں (فرشتوں کے لئے) بیت اللہ کعبۃ اللہ ہے جس کے اندر روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور پھر کسی فرشتے کی دوبارہ قیامت تک طواف کی باری نہیں آتی) تو بیت معمور کے مقابل زمین پر کعبۃ اللہ ہے اس طرح سے کہ (اگر) بیت معمور گرے تو بالکل ٹھیک بیت اللہ پر گرے گا۔

اور اسی طرح ساتوں آسمانوں میں (اسی مثال کے اندر) عبادت خانے قبل سے موجود ہیں جیسا کہ بعض بزرگوں نے بیان فرمایا کہ ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں اس آسمان والے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بیت معمور آسمانوں میں ایسے ہے جیسے زمین پر کعبۃ اللہ۔

پھر اللہ نے (تمام باتوں کے بعد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ (آسمانوں میں) فرشتوں کے عبادت گھروں جیسا ایک گھر زمین والوں کے لئے زمین میں بناؤ، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی پہلے سے متعین جگہ بتادی جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت سے متعین تھی جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے۔

بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے دن سے اس گھر کو محترم بنایا ہے پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے محترم رہے گا۔

اور حضور ﷺ سے کہیں بھی یہ مروی نہیں ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کے بنانے سے پہلے تعمیر شدہ تھا (یا کبھی تعمیر ہوا تھا) اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بنا ہوا تھا انہوں نے آیت سے یوں استدلال کیا ہے مکان البیت (حج ۲۶) یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے وہاں بیت اللہ کی عمارت تھی (اس جگہ حضرت ابراہیم نے دوسری عمارت بنائی) لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے وہاں بیت اللہ کی عمارت کی جگہ پہلے سے مقرر تھی اور جگہ سے ہونے تک کی علم میں تھی۔ یہ بات بھی ہوئی اور ظاہر ہے (اور آیت میں جو مکان البیت ہے اس سے مراد ہے کہ اللہ کے علم اور ارادے میں وہ جگہ بیت اللہ کے لئے مقرر تھی اور حضرت آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام تک تمام انبیاء کے نزدیک وہ جگہ مبارک اور عظمت والی مسلم تھی۔ (بعد میں) عمارت بننے کے بعد اس کا مرتبہ اور شرف بڑھ گیا)۔

---

(۱) سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۵ تا ۱۲۹

مرحوم ذکر کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس جگہ پر ایک گھر بنایا تھا اور فرشتوں نے ان کو بتایا تھا ہم آپ سے پہلے اس گھر کا طواف کرتے ہیں اور کشتی والوں نے بھی تقریباً چالیس دن اس کے گرد طواف کیا تھا۔ لیکن یہ سب خبریں بنی اسرائیل سے مروی ہیں اور ان کے متعلق کہا جاچکا ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جائے۔ نہ تکذیب لہٰذا ان سے دلیل پکڑنا بھی ٹھیک نہیں ہے ہاں اگر حق بات جیسے قرآن و حدیث ان کی تردید کریں تو وہ ضرور مردود اور جھوٹی بات ہوں گی۔

تعمیر کعبۃ اللہ کا پختہ ثبوت

فرمان باری ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے (اور وہ جہان والوں کے لئے) بابرکت اور ہدایت ہے۔ (سورۃ آل عمران ۹۶)

یعنی عام لوگوں کی عبادت و برکت کے واسطے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ مکہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ بکہ سے مراد کعبہ ہے۔

آگے فرمایا اس میں کھلی نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے یعنی اس بات پر کہ حضرت ابراہیم کا تعمیر کردہ گھر ہے اس پر کھلی نشانیاں ہیں ان میں سے مقام ابراہیم بھی ہے مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی دیواروں کو بلند کیا تھا اور پہلے نیچے کھڑے ہو کر تعمیر فرما رہے تھے جب دیواریں بلند ہونا شروع ہوئیں تو یہ آپ کا سہارا بنا تھا اور یہ پتھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے لاکر رکھا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر عمارت کو مکمل کیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں اسی طرح مذکور ہے اور یہ پتھر اس زمانے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک کعبے کی دیوار کے ساتھ چپکا رہا پھر حضرت عمر نے اس پتھر کو وہاں سے علیحدہ کردیا تاکہ طواف کے وقت رکاوٹ نہ ہو۔

اور ایسے کئی کاموں میں اللہ عزوجل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی موافقت اور تائید فرمائی ہے ایک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ہم مقام ابراہیم پر نماز کی جگہ بنا لیں (تو کیا ہی اچھا ہو جائے) لیکن حضور ﷺ خاموش رہے پھر اللہ عزوجل نے قرآن میں نازل فرمایا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ (سورۃ بقرۃ ۱۲۵)

الغرض یہی مقام ابراہیم میں پتھر پر اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانات قدم اول اسلام سے اب تک موجود ہیں جناب ابو طالب نے قصیدہ لامیہ میں اس کے متعلق کیا خوب فرماتے ہیں ایک شعر یہ ہے

وثور ومن أرسى ثبيرا مكانه
وراق لبر في حراء ونازل
وبالبيت حق البيت من بطن مكة
وبالله إن الله ليس بغافل
وبالحجر المسود إذ يمسحونه
إذا اكتنفوه بالضحى والأصائل
وموطئ إبراهيم في الصخر رطبة
على قدميه حافيا غير ناعل

اور حضرت ابراہیم کے نشانات قدم پتھر میں تر و تازہ ظاہر ہیں اور بغیر جوتے کے ننگے ہیں۔

یعنی خلیل اللہ کے قدم مبارک پتھر میں جوتوں کے بغیر نقش ہوئے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے اور ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو زبان سے ان کے یہ کلمات جاری تھے) اے ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرما بے شک آپ سننے (اور) جاننے والے ہیں۔[1]

---

[1] سورۃ بقرۃ ۱۲۷۔

اس سے ان دونوں بزرگوں کا انتہائی اخلاص اور اللہ عزوجل کی اطاعت و خوشنودی کو طلب کرنا بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود نیکی کے ساتھ کام میں لگے ہونے کے سوال کر رہے ہیں کہ ہماری اس محنت و سعی کو شرف قبولیت بخش فرمالے پھر آگے بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں۔

اور اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک فرمانبردار جماعت (بنائیو) اور ہم کو ہمارے عبادت کرنے کے طریقے بتا اور ہم پر رحم فرما بے شک آپ توبہ قبول فرمانے والے (اور) مہربان ہیں۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے عظیم و اشرف مسجد بنائی اور زمین کے سب سے اشرف ٹکڑے پر بنائی اور وہ بھی بے آب و گیاہ ویران صحرا تھی پھر اپنے اہل کے لئے وہاں برکت کی دعا کی اور یہاں رزق حلال کی بھی کہ اللہ ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما (کیونکہ یہ زمین پانی درختوں پھلوں اور کھیتوں سے بالکل خالی تھی) (تو پھلوں سے رزق عطا فرمانا) یہ اللہ ہی کی کمال قدرت اور شان خداوندی کا مظہر ہوگا جس کی دعا پر وہ حرم محترم بنا۔ نیز تمام لوگوں پر بھی اس درخواست کی کہ اس علاقے کو محترم حرم (آمن) بنادے اور اسے امن و امان کا گہوارہ بنادے۔

پھر اللہ نے اپنے دوست کی درخواست و التجا کو قبول فرمایا۔ بے شک اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں ہمارے دلوں کا فریاد رس ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو قبول فرمایا اور ان کی طلب کو پورا فرمایا اور قرآن میں بھی یہ اعلان کردیا۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنایا جبکہ لوگ ان کے آس پاس سے اچک لے کر چلے جاتے ہیں۔ (سورہ عنکبوت۔ ۶۷)

اور فرمایا کیا ہم نے ان کو حرم امن کی جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر چیز کے پھل (کی بہ مقدار) آتے ہیں جو ہماری طرف سے (ان کو) رزق ہے (سورہ قصص) ان دعاؤں کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت بڑی اور پیاری دعا بھی فرمائی کہ اللہ عزوجل ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج دے جو نبی امی ہو اور فصیح و بلیغ عربی ہو تاکہ اس طرح ان پر دین و دنیا دونوں عالم کی نعمتیں پوری ہو جائیں۔

تو اللہ بزرگ و برتر نے اپنے دوست کی یہ دعا بھی اور مراد بھی پوری فرمادی اور ایک رسول ان میں انہی کی قوم میں بھیج دیا اور وہ کون سا رسول ہے؟ وہ جس کے ساتھ اللہ نے انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ ختم فرمادیا اور اس کو وہ دین مکمل طور پر عطا فرمایا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں عطا کیا گیا۔ اور اس عظیم رسول کی دعوت پوری روئے زمین والوں کے لئے عام کردی خواہ وہ کسی زبان کے اہل ہوں کسی علاقے کے ہوں کسی بھی صفات کے حامل ہوں قیامت تک تمام شہروں علاقوں اور تمام اطراف میں ان کی نبوت عام کردی گئی اور یہ اس عظیم پیغمبر کی تمام پیغمبروں اور رسل کے درمیان خاصیت تھی۔ کیونکہ اس میں بہت سے شرف و امتیازات تھے جو ان کی ذات کا شرف اور جو ان کے ساتھ لگی ہر چیز کی بلندی و کمال تھا نیز قرآن مقدس جس کی زبان تمام روئے زمین کی سردار اور فصیح و بلیغ زبان (تمام زبانوں کی ماں) اور اس عظیم پیغمبر کی اپنی امت پر انتہائی نرمی و شفقت لطف و رحمت اور ان کے ماں باپ بھی عظیم ان کی جائے پیدائش بھی عظیم۔

اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی تو اللہ نے بھی ان کی اولاد میں اس عظیم رسول یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمادیا اور اسی طرح حضرت ابراہیم آسمان والے کعبے بیت المعمور کے گرد طواف کرنے والوں میں بھی بڑا اونچا اور عظیم الشان مرتبہ ہے اور بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کے لئے کعبۃ اللہ ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اس میں عبادت کرتے ہیں اور پھر قیامت تک ان میں سے کسی کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کی صفات ہم اپنی تفسیر میں سورۃ بقرہ کے تحت کرچکے ہیں اور اس کے متعلق احادیث و اقوال سلف بھی ذکر کئے ہیں۔ جس کو سمجھنے کا جس کا ارادہ ہو وہاں رجوع فرمائیں اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور نبی میں حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کو اپنے گھر کرنے کا حکم فرمایا تو ان کو پتہ نہ چلا کہ اس کی جگہ کون سی ہے حتی کہ اللہ نے ہوا بھیجی جس کو خجوج کہا جاتا ہے اس کے دو پر تھے اور سر تھا وہ سانپ کی شکل میں تھی اس نے کعبے کی اردگرد جگہ کو صاف کردیا اور پرانی بنیادیں ظاہر کردیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے وہاں کھدائی کی حتی کہ بنیادیں کھود ڈالیں اور اس وقت اللہ نے فرمایا تھا۔

و اذ بوانا لابراہیم مکان البیت

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا نشان دیا (یعنی وہ جگہ بتلادی۔ حج ۲۶) پھر جب بنیادیں کھڑی ہوگئیں اور رکن کو ڈالنے لگے تو حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا اے میرے بیٹے کوئی عمدہ سا پتھر لاؤ جس کو میں یہاں رکھوں حضرت اسماعیل علیہ السلام (کام کر کے بہت تھک چکے تھے عرض کیا) میں مشقت کی وجہ سے سست ہو چکا ہوں تو باپ نے فرمایا چلو میں اس کا بندوبست کرتا ہوں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام حجر اسود لے کر آئے یہ حجر اس وقت اسود نہیں تھا بلکہ سفید یاقوت تھا جو ثغامہ کی طرح سفید تھا ثغامہ ایک گھاس کی طرح اور حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر اسے اترے تھے اور اب یہ لوگوں کی خطاؤں کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسرا پتھر لائے تو باپ کے پاس یہ پتھر رکھا پایا پوچھا اے ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟ فرمایا اس کو تجھ سے زیادہ چست شخص لایا ہے پھر اس کو تعمیر کرتے ہوئے دونوں حضرات یہ دعا کر رہے تھے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (بقرہ ۱۲۷)

ہمارے پروردگار ہم سے (اس خدمت) کو قبول فرما بیشک آپ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ کعبۃ اللہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔

(اسماء یہ ہیں طور سینا طور زیتا جبل لبنان جودی حرا م)

آگے فرمایا کہ اس وقت ذوالقرنین زمین کے بادشاہ تھے وہاں کے پاس سے گزرے اور یہ تعمیر میں مصروف تھے پوچھا کس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے پوچھا تمہاری بات کی مجھے تصدیق کون کرے گا؟ تو پانچ مینڈھوں نے گواہی دی کہ اللہ نے ہی ان کو اس کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ذوالقرنین ایمان لے آئے اور تصدیق کر دی۔

ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف بھی کیا اور پھر ایک عرصہ دراز تک بیت اللہ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر پر برقرار رہا پھر قریش نے اس کی نئی تعمیر کی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے جانب شمال جو شام کی طرف ہے کم کر دیا۔

صحیحین میں (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہؓ) فرمایا کہ تو نہیں دیکھتی کہ تیری قوم نے جب کعبہ کو بنایا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے اسے گھٹا دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کو کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ فرمایا اگر تیری قوم کا زمانہ کفر کے قریب نہ ہوتا تو ایسا کر دیتا ایک روایت میں ہے اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا یا فرمایا کفر کے قریب نہ ہوتی تو میں کعبۃ اللہ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتا اس کا دروازہ زمین کے برابر کر دیتا اور حجر اس میں داخل کر دیتا۔

بعد میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسی طرح بیت اللہ کو بنایا تھا جیسا حضور ﷺ کی خواہش تھی جس کی خبر ان کو ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دی تھی۔ پھر جب حجاج نے ۷۳ ہجری میں ان کو شہید کر دیا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کو یہ لکھا یعنی خانہ کعبہ کے متعلق لکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ تعمیر اس طرح سے ابن زبیر نے اپنی طرف سے کی ہے لہذا اس کو واپس اپنی پہلی حالت پر لوٹانے کا حکم کر دیا تو پھر دوبارہ شامی دیوار کو توڑ دیا اور حجر اس سے نکال دیا گیا اور پھر بند کر دی اور کعبہ کے اندر پتھر بھر دیئے اور دروازہ شرقی بلند کر دیا اور غربی بالکل بند کر دیا جیسا کہ آج تک اسی طرح نظر آتا ہے۔

پھر جب حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے بارے میں عبدالملک بن مروان کو اطلاع ملی کہ ان کو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا اور حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق ہی بنایا تھا تو یہ لوگ بھی اپنے کئے پر سخت نادم ہوئے اور افسوس کیا کہ کاش اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیتے جو آج تک ہے۔

پھر جب مہدی بن منصور کا زمانہ خلافت آیا تو انہوں نے حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ کعبۃ اللہ کو حضرت عبداللہ ابن الزبیر کی تعمیر کی صورت پر لوٹا دیا جائے تو کیسا ہے؟ حضرت امام مالک بن انس نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ لوگ (خلفاء) اس کو کھیل بنا لیں گے یعنی جب کوئی بادشاہ آئے گا تو اپنے خیال کے مطابق اس کو بنائے گا لہذا امام نے اس کو اسی حالت پر برقرار رہنے دیا جس پر آج تک ہے (اور اب پندرہویں صدی ہجری تک بھی اسی صفت پر ہے)۔

---

(۱) من حدیث مالک عن ابن شہاب، عن سالم، ان عبداللہ بن محمد بن ابی بکر اخبر عن ابن عمر عن عائشۃ ... الخ

اللہ عزوجل کا اپنے بندے اور رسول اور دوست کی تعریف فرمانا

فرمان باری تعالیٰ ہے: اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا (پروردگار نے) فرمایا: میں تم کو لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام نے) عرض کیا: اور میری اولاد سے؟ فرمایا میرا وعدہ ظالمین کو نہیں شامل ہو سکتا۔[1]

جب حضرت ابراہیم نے اپنے پروردگار کے احکام اور اوامر کو احسن طریقے سے پورا فرما دیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایسا مقتدا و پیشوا بنا دیا جس کی اقتدا کی جائے اور جس کی ہدایت کی قرون پیروی کی جائے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ یہ منصب امامت و اقتدا اس کی اولاد میں باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرما لی اور منصب امامت پر ان کو اور ان کی آنے والی نسلوں کو فائز فرمایا مگر اس نعمت عظمیٰ سے ظالم لوگوں کو علیحدہ کر دیا اور صرف ان کی عالم باعمل قسم کی اولاد کو اس شرف و مرتبت کے لئے چن لیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو باقی رکھا اور ان کو دنیا میں بھی ان کا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔[2] دوسری جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس ہر ایک صالحین میں سے تھے اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور ہم نے ہر ایک کو جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے آباء اور اولاد اور بھائیوں سے اور ان کو ہم نے قبول کیا اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔[3]

اس طرح کے بعد وذریتہ آیا ہے یعنی اس کی اولاد سے آئے ..... اور آگے کئی انبیاء کا ذکر فرمایا ہے تو اس کی اولاد میں اس سے کون مراد ہے؟

اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور یہی قول مشہور بھی ہے اور لوط اگرچہ آپ کی اولاد میں سے نہیں لیکن بھتیجے ہیں اس لئے ان کے ساتھ (تغلیباً) ان کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار کر دیا گیا اور جو اس ضمیر کو حضرت نوح کی طرف لوٹاتے ہیں ان کی دلیل یہی ہے کہ حضرت لوط کا بھی ان کی اولاد میں ذکر ہے جس کا جواب ہم نے دے دیا واللہ اعلم۔

اور ایک جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں فرمایا:

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (رسول بنا کر) بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔[4]

لہٰذا جو بھی آسمانی کتاب نازل کی گئی کسی بھی پیغمبر پر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور آپ کی اولاد میں سے ہی کسی پیغمبر پر نازل ہوئی اور یہ ایک ایسی نعمت عظمیٰ اور منصب ہے کہ اللہ نے ان کو دیا ہے جس کے آگے تمام نعمتیں ہیچ ہیں اور ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے جس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ یہ یوں ہوا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت سے دو عظیم صاحبزادے عطا فرمائے: اسماعیل علیہ السلام ہاجرہ سے اور اسحاق سارہ سے اور آگے اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہی یعقوب اسرائیل ہیں اور انہی کی نسل سے انبیاء کا سلسلہ قائم کر دیا۔

ان میں نبوت بھی پھیلی اور بہت پھیلی حتیٰ کہ ان کے انبیاء کی تعداد کا کوئی پتا نہیں چلتا سوائے اس ذات کے جس نے ان انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کو رسالت و نبوت کے ساتھ خصوصیت و مرتبہ عطا فرمایا یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

اور دوسری طرف حضرت اسماعیل جن کی اولاد میں عرب کے مختلف قبائل تھے جو ان کی نسل سے پیدا ہوئے، تو ان میں سے کوئی نبی نہیں ہوا سوائے ایک نبی کے جنہوں نے آ کر تمام انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا اور وہ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور دنیا و آخرت میں بنی آدم کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوئے۔

---

[1] البقرۃ:۱۲۴۔ [2] العنکبوت:۲۷۔ [3] الانعام ۸۴ تا ۸۷ [4] الحدید ۲۶

یعنی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی۔

حضور ﷺ پہلی ہی ہیں اور رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

تو حضرت اسماعیل کی پشت میں پہلی شاخ کے ساتھ ہوئے اس عظیم خزانے اور حقیقی سرق اور مثلی قیمت پر کے اور کوئی نہیں آیا اور یہی تمام گروہوں، بعد حقوں کے سردار ہیں جن پر قیامت کے روز اولین و آخرین سب کے سب رشک کرتے ہوں گے حضور ﷺ سے صحیح مسلم میں مروی ہے آپ نے فرمایا۔

میں قیامت کے روز ایک ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا جس کی طرف تمام مخلوق رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔

پھر حضور ﷺ نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور دنیا کی عقلوں یہاں میں اس عالم فانی میں کسی اور کو جس دن ملنا تھا ابراہیم خلیل اللہ کو ظاہر ہوگی اس دن کی۔

[1] بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے جگر گوشوں یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو ایک تعویذ سکھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے والد (ابراہیم علیہ السلام بھی) ان کے ساتھ اسماعیل واسحاق علیہم السلام کو تعوذ سکھاتے تھے وہ یہ ہے:

أعوذ بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامة

میں اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان اور درد سے اور لگنے والے سے اور ہر نظر بد سے۔

اہل سنن نے اس کو منصور کی حدیث سے روایت فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے (خدا سے) کہا اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا فرمایا کیا تو (اس بات پر) یقین نہیں رکھتا؟ عرض کیا کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا چاہتا ہوں) تا کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرے (خدا نے) فرمایا چار پرندے لے کر اپنے پاس منگوا لو (پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔ (البقرۃ ۲۶۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیا تھا اس کی بھی کئی وجہیں یا مفسرین کی طرف سے اس کے کئی اسباب ذکر کیے گئے ہیں جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور مکمل کلام کے ساتھ ان کو بہت واضح کر دیا ہے اور حاصل یہ ہے کہ اللہ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا اور چار پرندے لینے کا حکم فرمایا وہ پرندے کون کون سے ہیں ان کے بارے میں تعیین میں اختلاف ہے کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ اور ہر صورت میں مقصود سب سے حاصل ہو جاتا ہے پھر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اور ان کے پروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم فرمایا پھر ملانے کا فرمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کو ملایا تو ہر پرندے کا عضو اس پرندے کے ساتھ آ کر مل گیا حتیٰ کہ ہر ایک پر اپنے دوسرے پر کے ساتھ مل کر اپنے پرندے کے ساتھ جڑ گیا الغرض سب پرندوں کا جسم بالکل پہلی حالت پر آ گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دوران خدا کی قدرت کا مشاہدہ فرماتے رہے جس قدرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جس چیز کو کن یعنی ہو جا فرما دیتے ہیں وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اور قصے کا تمام یہ ہے کہ وہ پرندے سب کے سب دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آئے تاکہ زیادہ واضح کر کے حضرت ابراہیم ان کی حالت کا مکمل طور پر مشاہدہ کر سکیں اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ صرف ان کے سر اپنے پاس ہاتھ میں پکڑ کر رکھیں جس سے ہر پرندے کا جسم بغیر سر کے حضرت ابراہیم کے پاس پہنچا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پرندے کا سر اس پر ڈالتے تو وہ سر اس کے ساتھ بالکل ٹھیک

---

[1] قال البخاري: حدثنا عثمان بن أبي شيبة حدثنا جرير، عن منصور، عن المنهال، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

معبود قرار دیا جائے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو سب پر غالب حکمت والا ہے اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی قدرت کے مردوں کو زندہ کرنے پر خوب یقین رکھتے تھے جس میں کوئی شک نہ تھا لیکن انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کو پسند فرمایا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کریں لہٰذا اللہ نے ان کا سوال پورا فرمایا اور ان کی خواہش پوری فرمادی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد اتری ہیں (اور وہ پہلے گزر چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔[1]

اور اللہ جل شانہ نے یہود و نصاریٰ کے ہر ایک دعویٰ کو رد فرمایا یعنی ان کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے بری کر دیا اور ان کی کثرت جہالت اور کم عقلی کو بھی ظاہر بیان فرمایا (ترجمہ) کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمایا۔[2] تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے دین پر ہوں اور تمہاری تو شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی مدت کے بعد دی گئی (اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ افلا تعقلون کیا تم عقل نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرمادیا:

ترجمہ: ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔[3] (اس سے یہ دعویٰ یہود و نصاریٰ کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے جڑ ہی سے بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اللہ کے دین حنیف پر تھے دین حنیف کہتے ہیں جس سے مقصود اخلاص ہو اور جان بوجھ کر باطل سے حق کی طرف جھکاؤ کیا جائے اور یہ (دین حنیف) یہودی عیسائی اور مشرکین کے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا (ترجمہ) اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرہ) صلحاء میں ہوں گے جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی (ہونے کی حالت میں) مرنا۔ بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم علیہ السلام (اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک ہی خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں

---

[1] سورۃ آل عمران آیت ۶۵۔ ۶۸۔

[2] سورۃ آل عمران آیت ۶۵۔

[3] سورۃ آل عمران آیت ۶۷۔

ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں خدا کافی ہے اور وہ سننے (والا) اور جاننے والا ہے (کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (ان سے) کہو کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور ہم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے (اے محمد ﷺ ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے۔ یہ جماعت گزر چکی ان کو وہ (ملے گا) جو انہوں نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔ (۱)

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو یہودیت اور نصرانیت دونوں سے منزہ و مبرا اور بالکل جدا قرار دیا اور صراحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ وہ یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے اسی وجہ سے فرمایا۔

بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ ابراہیم کے قریب وہ ہیں جو ان کی اتباع کریں۔ (۲) یعنی وہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت مستقیم کو تھامے ہوئے ہیں خواہ ان کے زمانے میں ہوں یا ان کے بعد ایسے لوگ حضرت ابراہیم کے ساتھ ہیں اور ان میں خاص طور پر کامل ذکر جس کے بارے میں خود قرآن نے گزشتہ آیت کے ساتھ فرمایا وهذا النبي یعنی محمد ﷺ کے لئے بھی اللہ نے وہ دین مشروع و مقرر فرمایا جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم کے لئے فرمایا تھا جبکہ اللہ نے حضور ﷺ کے ہاتھوں پر اس کو مزید اضافے اور زیادتی کے ساتھ مکمل فرمایا اور حضور ﷺ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اور کسی نبی یا رسول کو نہیں دیا گیا جیسے اللہ نے فرمایا: کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار نے مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے یعنی دین صحیح مذہب ابراہیم کا مذہب ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔ (۳)

اور ایک جگہ فرمایا بے شک ابراہیم پیشوا اور خدا کے فرمانبردار تھے اور ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (۴)

صحیح بخاری شریف (۵) میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے حتیٰ کہ تصویروں کے مٹانے کا حکم فرمایا پھر وہ مٹا دی گئیں اور حضور ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین نے کعبۃ اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں تقسیم کے تیر (دے کر تصویریں بنا رکھی) ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خدا ان پر لعنت کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا اسماعیل علیہ السلام نے کبھی تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔ (۶)

(حدیث میں استقسام بالازلام کے الفاظ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جب کوئی کام شروع کرتے تو کچھ حصے دار ہو جاتے پھر کچھ تیر پہلے سے وہ کعبۃ اللہ میں رکھے تھے ہر ایک کا جدا جدا حصہ تھا، کسی تیر پر زیادہ حصے تھے کسی پر کم حصے تھے اور کسی پر کچھ حصہ نہ تھا مشرکین ان تیروں کو ایک تھیلے میں ڈال لیتے تھے پھر حصہ داروں میں سے ہر ایک کے نام کا ایک ایک تیر نکالتے تھے جس کے نام کے ساتھ زیادہ حصوں والا تیر

---

(۱) سورۃ بقرۃ آیت ۱۳۶ تا ۱۴۱ (۲) آل عمران ۶۸۔ (۳) انعام ۱۶۱ تا ۱۶۳۔ (۴) النحل ۱۲۰ تا ۱۲۳

(۵) قال البخاری حدثنا ابراہیم بن موسیٰ، حدثنا ہشام، عن معمر، عن ایوب، عن عکرمۃ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ (۶) ولم یخرجہ مسلم

تھا وہ بہت سی صورت میں سمجھا جاتا تھا کہ جس کے نام پر یہ تیر نکلا جس کا کوئی حصہ ہوتا تو وہ شخص مقروض سمجھا جاتا اور پھر اس کو دوسرے ساتھی لعن طعن کرتے تھے اور اس بدعت و شرک کی مشرکین کے ہاں بڑی وقعت تھی اس لئے انھوں نے کعبۃ اللہ میں بھی نعوذ باللہ ابراہیم و اسماعیل کی تصویروں میں یہ تیر گاڑ رکھے تھے تو اس کے بارے میں حضور ﷺ نے درج بالا کلمات فرما کر ان کی تردید کر دی۔ م)

اور بخاری کے بعض الفاظ یہاں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔

اللہ ان پر لعنت کرے وہ اچھی طرح جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام) نے کبھی تیروں کے ساتھ پانسہ تقسیم نہیں کی۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق یہ بھی کلمات فرمائے کہ:

ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتبٰہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق امت کا لفظ فرمایا جس سے مراد ہے پیشوا امام ہدایت یافتہ بھلائی و خیر کا داعی جس کے نقش قدم پر چلا جائے قانتا للہ یعنی اپنے تمام حالات و حرکات و سکنات میں اللہ عزوجل کے آگے عاجزی و انکساری کرنے والا حنیفا یعنی حکمت و بصیرت پر قائم ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ یعنی اپنے تمام اعضاء و جوارح دل زبان اور اعمال کے ساتھ اپنے پروردگار کے شکر میں مستغرق رہنا اجتبٰہ یعنی اللہ عزوجل نے ان کو اپنی دوستی اور نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرما لیا ہے۔ (1)

اور ان کو اپنا دوست بنایا ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں رکھ دی ہیں۔

ایک دوسری جگہ اللہ عزوجل اپنے دوست کی تعریف دوستی کے ساتھ یوں بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا

ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا (2)

اور دین کے اعتبار سے اس شخص سے کون اچھا ہو گا جس نے اللہ کے لئے اپنے چہرے (یعنی پوری ذات) کو تابع کر دیا وہ احسان کرنے والا ہے اور اس نے یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی اتباع کی اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے مذہب اور صراط مستقیم پر گامزن تھے اور اپنے پروردگار کے تمام احکام بجا لا رہے تھے خود اللہ نے ان کی تصدیق فرمائی فرمایا وابراھیم الذی وفی۔ (3) کہ ابراہیم نے اپنے پروردگار کے احکام کو پورا پورا ادا کیا۔

پہلی آیت میں اللہ نے خود ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنایا ہے اور خلیل کا لفظ استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں انتہائی گہری محبت جیسے کسی کہنے والے نے کہا۔

قد تخللت مسلک الروح منی وبذا سمی الخلیل خلیلا

(اے محبوب) تو میری روح کے راستے (یعنی رگ رگ) کے اندر داخل ہو چکا ہے اسی وجہ سے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کا نام خلیل رکھا گیا۔

اسی طرح رفاقت و محبت اور دوستی کا یہ مرتبہ کسی بندہ کو نہ ملا سوائے خاتم الانبیاء سید الرسل محمد ﷺ کے بھی اللہ کے ہاں پایا جاتا ہے چنانچہ صحیحین وغیرہ میں جندب البجلی اور عبد اللہ بن عمرو اور ابن مسعود رسول کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے مجھ کو دوست بنایا ہے۔

اور ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں اللہ کے دوست حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

لیکن (تمہیں معلوم ہو کہ میں) تمہارا ساتھی اللہ کا دوست ہوں۔

شیخین نے ابو سعید کی حدیث سے اس کو تخریج فرمایا ہے۔

---

(1) سورۃ النحل ۱۲۰، ۱۲۱ (2) سورۃ النساء ۱۲۵ (3) سورۃ النجم۔

(۱) اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں تخریج فرمایا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو اہل یمن کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں یہ آیت کی

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا

(مجمع میں سے ایک شخص نے کہا بے شک ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھی بیٹھے تھے اور آپ کا انتظار کر رہے تھے تو حضور ﷺ تشریف لائے، جب قریب پہنچے تو اپنے اصحاب کو آپس میں باتیں کرتے سنا ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے اپنا دوست منتخب فرمایا وہ حضرت ابراہیم اللہ کے دوست ہیں، دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ بات ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (بلا واسطہ) کلام کیا، ایک اور نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں، ایک نے کہا اللہ نے آدم علیہ السلام کو چنا ہے اور منتخب کر لیا ہے۔

یہاں تک کہ حضور ﷺ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا میں نے تمہاری آپس کی گفتگو سنی ہے کہ تمہیں تعجب ہے۔ بے شک ابراہیم اللہ کے دوست ہیں اور حقیقت بھی ہے، اور موسیٰ اللہ سے سرگوشی کرنے والے ہیں اور یہ حقیقت ہے اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کی نشانی ہیں اور یہ حقیقت ہے اور آدم کو اللہ نے چنا ہے اور یہ حقیقت ہے۔

اور تم آگاہ رہو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور (مجھے) اس پر کوئی فخر نہیں اور قیامت کے دن میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی اور (مجھے اس پر بھی) کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کے دروازے کے حلقے کو حرکت دے گا جس سے اللہ تعالیٰ دروازہ کھول دے گا پھر اللہ عزوجل مجھے داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ پہلے مومن فقراء ہوں گے اور قیامت کے روز میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن دوسری صحیح روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے جن کے دوسرے شواہد ہیں واللہ اعلم۔

(حضور ﷺ نے اپنے لئے حبیب کا صیغہ فرمایا اور جنت میں سب سے بڑا درجہ محبت کا ہوگا، حبیب کا رتبہ خلیل سے بڑھ کر ہے، بڑا درجہ ہے کہ ابراہیم دوست تو خود دعا کرتے ہیں والذی اطمع ان یغفرلی (حضرت ابراہیم فرماتے ہیں: اور وہ ہے جس سے میں اپنی مغفرت کی طلب رکھتا ہوں) اور محبوب محمد ﷺ کے بارے میں تو اللہ نے فرمایا کہ

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر

تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی بخشش کر دے۔

(اسی لیے بھی دوست سے بڑھ کر محبوب کا درجہ ہے یا کا مقام بڑا ہے۔ م)

اور امام حاکم اپنی مستدرک میں قتادہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں وہ (قتادہ) عکرمہ سے اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

کیا تم اللہ سے ابراہیم کی دوستی کا انکار کرتے ہو؟ یا موسیٰ سے راز و نیاز کا انکار کرتے ہو اور کیا محمد ﷺ سے زیارت خداوندی کا انکار کرتے ہو؟ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں۔ (۳)

کہ اسحاق بن یسار نے کہا جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا تو ان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا حتیٰ کہ ان کے

---

(۱) ثبت ایضا من حدیث عبداللہ بن الزبیر وابن عباس وابن مسعود و روی البخاری فی صحیحہ حدثنا سلیمان بن حرب، حدثنا شعبۃ عن حبیب بن ابی ثابت، عن سعید بن جبیر، عن عمرو بن میمون قال ان معاذا

(۲) وقال ابن مردویہ، حدثنا عبدالرحیم بن محمد بن مسلم حدثنا اسماعیل بن احمد بن اسید حدثنا ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی بمکۃ حدثنا عبیداللہ الحنفی، حدثنا زمعۃ بن صالح عن سلمۃ بن وہرام عن عکرمۃ عن ابن عباس قال ۔ الخ

(۳) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا محمود بن خالد السلمی، حدثنا الولید، عن اسحاق بن یسار

دل کی حرکت میں .. سے ایسے سنائی دیتی تھی جیسے فضا میں پرندوں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی مہمان نوازی بہت فرماتے تھے ایک دن آپ کسی غرض سے کسی کی تلاش میں نکلے لیکن کوئی ایسا نہ ملا جس کی مہمان نوازی کریں تو واپس گھر لوٹے وہاں ایک اجنبی آدمی کو کھڑا پایا آپ نے پوچھا اے اللہ کے بندے میری اجازت کے بغیر کیسے میرے گھر میں داخل ہو گئے؟ اس شخص نے جواب دیا میں اس گھر کے مالک (یعنی پروردگار) کی اجازت سے داخل ہوا ہوں آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے کہ میں اس کو خوشخبری دوں کہ اللہ نے اس کو اپنا دوست منتخب کر لیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (بڑی بے تابی اور محبت و شوق کے عالم میں) فرمایا مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟ اللہ کی قسم اگر تو مجھے اس کا پتہ بتا دے تو خواہ وہ دنیا کے آخری کنارے میں ہو میں اس کے پاس پہنچوں گا پھر ہمیشہ کے لئے اس کا پڑوسی بن کر رہوں گا حتیٰ کہ موت آکر ہمارے درمیان فراق و جدائی کر دے۔ اس نے کہا وہ بندے آپ ہی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (انتہائی تعجب سے) پوچھا میں؟ عرض کیا جی ہاں پوچھا وہ کس وجہ سے میرے پروردگار نے مجھ کو اپنا دوست بنایا؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ لوگوں کو عطا کیا کرتے ہیں اور ان سے کچھ نہیں مانگتے اسی وجہ سے اس کا انعام عطا کر دیا ہے۔

الغرض اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کا تذکرہ قرآن میں جا بجا فرمایا ہے کہا گیا ہے کہ ایسی جگہیں ۳۵ ہیں ان میں سے پندرہ صرف سورہ بقرہ میں ہیں ابراہیم ان کے علاوہ ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں جن کا نام لیا گیا ہے میں سے بطور خاص فضیلت حاصل ہے ان کی عہد والوں کا نام بھی ظاہر ہے صراحت سے طور پر اللہ نے اپنے کلام مقدس میں سورۃ احزاب اور شوریٰ کے اندر ذکر فرمایا ہے سورۃ احزاب میں یوں فرمایا

ترجمہ: ...... اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۷)

اور سورۃ شوریٰ میں فرمایا:

ترجمہ: ...... (اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا جس کی وصیت ہم نے نوح کو کی تھی اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو کی کہ دین کو (مضبوطی سے) قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳)

پھر بہت اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے بعد تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔

(انھوں نے) بیت اللہ کے گھر کعبہ کی تعمیر فرمائی تو اللہ نے بھی اسی کی مناسبت سے ان کو بھی آسمانوں میں بیت معمور عطا فرما رکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ٹیک لگائے ساتویں آسمان پر فرشتوں کے بیت اللہ یعنی بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے استراحت فرما رہیں (سبحان اللہ) اور بیت معمور جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (اور اس کا طواف کرتے ہیں) لیکن پھر بھی قیامت تک کسی فرشتے کی دوبارہ داخل کرنے کی باری نہیں آتی۔

شریک بن نمیری کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔

ان کی اس بات پر بہت جرح کی گئی ہے لیکن بات صحیح سلامت یہی ہے پہلی اور پچھلی بات ہی اکمل تر ہے۔

[1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک کریم بن کریم بن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمن ہیں۔

امام احمد اس روایت میں منفرد ہیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ابراہیم کی افضلیت پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لئے مؤخر کی ہے جس دن تمام مخلوق میری طرف رجوع کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم بھی۔

---

(۱) قال احمد: حدثنا محمد بن بشر - ثنا محمد بن عمرو - حدثنا ابو سلمة، عن ابی هريرة قال

اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں روز قیامت کو اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے (پھر حضور ﷺ نے لوگوں کے حضرت آدم سے سفارش کرنے کو ذکر فرمایا، پھر نوح سے پھر ابراہیم سے پھر موسیٰ سے پھر عیسیٰ سے، یہاں تک کہ تمام انکار کر دیں گے اور آخر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور ایسے ہی سفارش کی درخواست کریں گے حضور فرمائیں گے، ہاں میں کروں گا ۔۔۔ الخ اور امام بخاری فرماتے ہیں (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا، لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ متقی ہے لوگوں نے عرض کیا ہم اس بارے میں سوال نہیں کر رہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے پیغمبر یوسف ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں لوگوں نے پھر عرض کیا ہم اس کے متعلق بھی سوال نہیں کر رہے آپ نے پوچھا تو کیا عرب کے قبیلوں کے بارے میں تم سوال کر رہے ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا ان میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے (یعنی آگے آگے تھے) وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں (لیکن) جب وہ سمجھدار ہو جائیں گے (۲) اور مسند احمد کتاب میں (۳) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک طریق کے ساتھ یوں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں، امام احمد اس کی روایت میں منفرد ہیں۔

(۴) اور بخاری کی کتاب میں بھی اسی طرح مگر دوسری سند کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف علیہ السلام بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (۵)

(۶) بہرحال وہ حدیث جس کو امام احمد نے روایت فرمایا اس کا جواب حدیث کے بعد ذکر کرتے ہیں حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لوگ قیامت کے دن ننگے بدن اٹھائے جائیں گے پس سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

کما بدأنا اول خلق نعیدہ (الانبیاء:۱۰۴)

جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدائش کی اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے۔

شیخین نے اس کو صحیحین میں تخریج فرمایا ہے۔ (۷) اس حدیث سے ظاہراً حضرت ابراہیم کے حضور ﷺ پر افضل ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن صرف ایک معین فضیلت اس بات کے لئے کافی نہیں جبکہ پہلے حضور ﷺ کے افضل ہونے کے متعلق کتنے خصائص ذکر کئے جا چکے ہیں جن میں سے ایک مقام محمود بھی ہے، جس پر قیامت کے روز اولین و آخرین سب رشک کریں گے۔

اسی طرح مسند احمد میں ایک دوسری حدیث میں۔ (۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو کسی شخص نے

---

(۱) حدثنا علي بن عبدالله، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا عبيد الله، حدثني سعيد عن ابيه عن ابي هريرة ...... الخ

(۲) وهكذا رواه البخاري في مواضع اخر و مسلم والنسائي من طرق، عن يحيى بن سعيد القطان عن عبيدالله، وهو ابن عمر العمري، به، ثم قال البخاري قال ابو اسامة و معتمر عن عبيد الله عن سعيد، عن ابي هريرة عن النبي ﷺ، قلت و قد اسنده في موضع آخر من حديثهما وحديث عبدة ابن سليمان، والنسائي من حديث محمد بن بشر اربعتهم عن عبيد الله بن عمر، عن سعيد، عن ابي هريرة عن النبي ﷺ ولم يذكروا اباه

(۳) وقال احمد حدثنا محمد بن بشر، حدثنا محمد بن عمرو، حدثنا ابو سلمة عن ابي هريرة ...... الخ

(۴) قال البخاري اخبرني عبدة حدثنا عبدالصمد عن عبدالرحمن بن عبدالله عن ابيه، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم ...... الخ

(۵) انفرد به من طريق عبدالرحمن بن عبدالله بن دينار، عن ابيه عن ابن عمر به.

(۶) فاما الحديث الذي رواه الامام احمد حدثنا يحيى عن سفيان، حدثني مغيرة بن النعمان، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس ...... الخ

(۷) من حديث سفيان الثوري و شعبة بن الحجاج، كلاهما عن مغيرة بن النعمان النخعي الكوفي، عن سعيد بن جبير عن ابن عباس به

(۸) قال الامام احمد حدثنا وكيع و ابو نعيم، حدثنا سفيان، هو الثوري، عن مختار بن فلفل عن انس بن مالك قال ......

کا طلب کرتے ہوئے کیا یہ سچ نہیں ہے۔۔۔ اے مخلوق میں سب سے افضل! تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم ہیں اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ (۱) اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے والد ماجد یعنی جد امجد کا خیال و پاس فرماتے ہوئے بطور تواضع اور انکسار کے یہ فرمایا تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ اور ایک مرتبہ فرمایا مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن لوگوں پر (خوف سے) بے ہوشی طاری ہو جائے گی اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ کو دیکھوں گا وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش و حواس میں آ گئے ہیں یا طور پر بے ہوشی کے بدلے ان کو اس بے ہوشی سے نجات مل گئی ہے۔

تو اس طرح کی تمام باتیں حضور صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے تمام سے افضل اور سردار ہونے کے مخالف نہیں ہیں اور آپ ﷺ بے شک قیامت کے دن تمام اولاد آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابی ابن کعب کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس دن تمام مخلوق میری طرف (یعنی میرے مرتبہ و مقام پر) رشک کرے گی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

الغرض حاصل یہ نکلا کہ خدائے عزوجل کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضور اکرم محمد ﷺ کا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اسی وجہ سے نماز پڑھنے والے تشہد (التحیات کی حالت) میں حکم دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ثابت ہے حضرت کعب بن عجرہ وغیرہ صحابہ کہتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم نے جان لیا لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہو:

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و على آل ابراهيم
و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم
انك حميد مجيد.

تو یہاں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجا گیا ہے یہ حضرت ابراہیم کی بزرگی و اعلیٰ شان کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام انبیاء کو چھوڑ کر حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ہی ذکر کیا گیا۔

اسی طرح اللہ نے ان کی تعریف میں فرمایا وابراهيم الذى وفى اور ابراہیم نے (اپنے رب کے احکام کو پورا) پورا ادا کر دیا اس کی تفسیر میں علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو حکم ملے انھوں نے سب بحسن و خوبی سرانجام دیے اور ایمان کے تمام شعبے اور خصلتوں پر پوری طرح کاربند رہے۔

اور عظیم الشان اور بڑے سے بڑے کام کو سرانجام دینے میں وہ چھوٹے چھوٹے احکام اور عبادات کی ادائیگی کے آداب سے بھی غافل نہیں رہتے تھے اور بڑی مصلحتیں ان کو چھوٹی باتوں سے نہیں بھلاتی تھیں۔

(۲) حضرت ابن عباس اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں فرمان باری ہے۔

واذ ابتلى ابراهيم ربه بكلمت فاتمهن (سورہ بقرہ ۱۲۴)

اور جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا تو حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دس چیزوں کی طہارت و پاکیزگی اور نظافت کے ساتھ آزمایا تھا پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ باقی جسم کے متعلق سر کے متعلق یہ ہیں مونچھوں کا کاٹنا کلی کرنا مسواک کرنا ناک (کی صفائی رکھنا) بالوں میں اچھی طرح) بال رکھنا اور سر میں مانگ نکالنا اور جسم کے متعلق یہ ہیں ناخنوں کا تراشنا زیر ناف کے بال لینا ختنہ کرنا بغل کے بال لینا پیشاب پاخانے کے بعد پانی کے ساتھ صفائی اور پاکی حاصل کرنا۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے اور سعید بن مسیب مجاہد شعبی نخعی ابو صالح ابو جلد رحمہم اللہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں) صحیحین کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فطری امور پانچ ہیں

---

(۱) رواه مسلم من حديث الثوري و عبد الله بن ادريس و علي بن مسهر و محمد بن الفضيل اربعتهم عن المختار بن فلفل و قال الترمذي حسن صحيح

(۲) قال عبد الرزاق انبانا معمر عن ابن طاؤس عن ابيه عن ابن عباس الخ

ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال لینا۔

[1] اور صحیح مسلم اور سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (حلیہ) سے ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی کو چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں اچھی طرح پانی ڈالنا (تاکہ خوب صاف ہو جائے) اور ناخنوں کو کاٹنا، اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا بغل اور زیر ناف کے بالوں کو لینا اور پانی سے استنجا کرنا۔

مصعب فرماتے ہیں کہ میں دسواں بھول گیا، ہو سکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔

وکیع فرماتے ہیں کہ بعض استنجاء کرنا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اور ان کی ختنہ کے بارے میں ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

اور ان کے تذکرے سے مقصود یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ عز وجل کے لئے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت عظیمہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنے جسم کی حفاظت اور صفائی ستھرائی سے غافل نہ رہتے تھے کہ بدن کے ہر عضو کو صفائی اور میل کچیل سے پاک رکھتے تھے اور اس کی اصلاح اور تحسین فرماتے تھے، ہر عیب دار چیز جو اس پر آجاتی ان سے ہر عضو کو چھٹکارا دلاتے، خواہ بالوں کی زیادتی ہو یا ناخنوں کی یا دانتوں کی یا بدن کا میل کچیل ہو۔

تو ذکر کردہ تمام ان جملہ تعلیم اور بڑی عبادتوں کے تحت داخل ہیں جن کی تعریف کی گئی ہے ابراہیم جس نے پورا ادا کر دیا۔

جنت میں حضرت ابراہیم کے محل کا ذکر:..... [2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک محل ہے، راوی کہتے ہیں کہ شاید حضور ﷺ نے فرمایا تھا موتی کا ہے، آگے حضور ﷺ نے فرمایا اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ ہے نہ عیب، اللہ عز وجل نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے بطور مہمانی تیار کیا ہے۔[3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلیہ مبارک کا ذکر

[4] مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھ پر انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا گیا، موسیٰ کی حالت ایسے لوگوں سے جن پر شک و حسد کیا جاتا ہو (یعنی ان کے حسن و ملاحت کی وجہ سے) اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا گویا میں نے (اپنے صحابی) عروہ بن مسعود کو دیکھا اور ابراہیم کو دیکھا (میرے صحابی) دحیہ کے مشابہ تھے۔ امام احمد اس کے روایت کرنے میں ان الفاظ میں منفرد ہیں اور
[5] مسند احمد میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا عیسیٰ علیہ

---

[1] رواه مسلم في صحيح مسلم و اهل السنن من حديث وكيع، عن زكريا بن ابي زائدة، عن مصعب بن شيبة العبدري المكي الحجبي عن طلق بن حبيب العنزي، عن عبد الله بن الزبير عن عائشة قالت ... الخ

[2] قال الحافظ ابو بكر البزار، حدثنا احمد بن سنان القطان الواسطي و محمد بن موسى القطان قالا حدثنا يزيد بن هارون، حدثنا حماد بن سلمة عن سماك عن عكرمة، عن ابي هريرة

[3] قال البزار و حدثناه احمد بن حنبل المروزي، حدثنا النضر بن شميل، حدثنا حماد بن سلمة عن سماك عن عكرمة عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم بنحوه — ثم قال و هذا الحديث لا نعلم من رواه عن حماد بن سلمة فاسنده الا يزيد بن هارون و النضر بن شميل، و غيرهما يرويه موقوفا، قلت لولا هذه العلة لكان على شرط الصحيح، ولم يخرجوه

[4] قال الامام احمد حدثنا يونس و حجين قالا، حدثنا الليث، عن ابي الزبير، عن جابر . .

[5] قال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائيل، عن عثمان، يعني ابن المغيرة، عن مجاهد عن ابن عباس

السلام تو سرخ رنگ گھنگھریالے بال اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کی طرح قد آور اور بڑے جسم والے تھے۔ پھر لوگوں نے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام؟ فرمایا اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھے)۔

[۲] بخاری میں حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے دجال کا ذکر کیا اور پوچھا گیا اس کی پیشانی پر کافر اس کے حروف لکھے ہوں گے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے (حضور ﷺ سے) اس کو نہیں سنا، ہاں (البتہ) انبیاء کے بارے میں میں نے حضور ﷺ سے ان کا حلیہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا (ابراہیم کو دیکھنا ہے) تو اپنے ساتھی کو دیکھ لو (یعنی مجھ کو) اور حضرت موسیٰ گھنگھریالے بالوں والے اور آدم کی طرح قد آور تھے اور گویا میں دیکھ رہا ہوں وہ سرخ اونٹ جس کی مہار کھجور کی چھال کی ہے اس پر سوار ہو کر وادی میں اتر رہے ہیں۔[۲]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے متعلق اقوال

ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارک نمرود بن کنعان کے زمانے میں ہوئی اور یہ نمرود ایک قول کے مطابق مشہور بادشاہ ضحاک ہی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ہزار سال بادشاہی کی اور یہ انتہائی جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ بنی راسب قبیلے کی اولاد میں سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

ایک مرتبہ اس کی بادشاہت کے زمانے میں ایک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی اور چمک دمک سورج چاند سے بھی بڑھ گئی تو اس سے اہل زمانہ نمرود سمیت سب گھبرا گئے۔

نمرود نے نجومیوں اور کاہنوں کو اکٹھا کیا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیری رعیت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور تیری سلطنت کا زوال اسی کے ہاتھوں سے ہوگا۔ نمرود نے یہ خبر سن کر عام حکم جاری کر دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ جائے اور اسی سال سے جو بھی لڑکے پیدا ہوں وہ تمام قتل کئے جاتے رہیں۔

لیکن تمام بندشوں اور رکاوٹوں کے باوجود اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنم لیا۔ پھر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور کافروں کے پنجے سے ان کو محفوظ رکھا حتیٰ کہ آپ جوانی کو پہنچ گئے اور اللہ نے بہت عمدہ طریقے سے اور بہت جلد ان کی نشو و نما فرمائی جیسے کہ گزر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش:- ...... آپ کی جائے پیدائش مقام سوس ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق بابل میں اور ایک قول کے مطابق سواد میں "کوثیٰ" کی طرف اور پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی گزر چکا ہے کہ دمشق کے شرقی جانب "برزہ" میں پیدا ہوئے۔ پھر جب اللہ عزوجل نے نمرود کو آپ کے ہاتھوں سے ہلاک کروا دیا تو آپ حران اور اسی علاقے کی طرف ہجرت فرما گئے پھر وہاں سے سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ایلیا (بیت المقدس کے شہر) میں سکونت اختیار فرمائی، پھر وہیں پر ان کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو گئے۔

پھر سرزمین کنعان میں حبرون بستی میں حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئیں اور اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی اور یہ اہل کتاب کے مطابق ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی وفات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۴۰۰ مثقال ادا کر کے بنی حث قبیلے کے ایک شخص عفرون بن صحر سے ایک جگہ خریدی اور وہاں ان کو دفن فرمایا۔

---

(۱) وقال البخاري حدثنا بيان بن عمرو، حدثنا النضر، اخبرنا ابن عون، عن مجاهد انه سمع ابن عباس الخ

(۲) رواه البخاري ايضا و مسلم، عن محمد بن المثنى، عن ابن ابي عدي، عن عبدالله بن عون به و هكذا رواه البخاري ايضا في كتاب الحج وفي اللباس، و مسلم جميعا عن محمد بن المثنى عن ابن ابي عدي، عن عبدالله بن عون به

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کی ایک لڑکی رفقا سے شادی کر دی اور رفقا، توئیل بن ناحور بن تارح کی بیٹی تھی، اور حضرت ابراہیم نے اپنے غلام کو لڑکی لینے کیلئے بھیجا تو وہ لڑکی کو اونٹ پر سوار کر کے مع اس کی خادماؤں اور مرضعات کے لے آیا۔

پھر حضرت ابراہیم نے خود ایک خاتون قنطورا سے شادی فرمائی قنطورا کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئی لڑکے زمران، یقشان، مادان، مدین، شیاق اور شوخ پیدا ہوئے۔

پھر آگے اہل کتاب نے ان تمام کی اولاد کا ذکر کیا ہے جو سب قنطورا کی اولاد میں شمار ہوئیں۔

اہل کتاب کی خبروں میں سے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بزرگوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت کے آنے کے بہت سے مختلف قصے نقل کئے۔

اور ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات اچانک آئی تھی، اسی طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بھی اچانک آئی تھی، جبکہ اہل کتاب وغیرہ نے جو ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

اور اہل کتاب قصوں میں کہتے ہیں پھر حضرت ابراہیم بیمار پڑ گئے اور ایک سو پچھتر سال کی عمر میں وفات پا گئے اور اسی مذکورہ زمین میں مدفون ہوئے جو حبرون الحیثی کی بستی میں ہے اور عفرون الحیثی کی کھیتوں کے پاس اپنی بیوی حضرت سارہ علیہ السلام کے عین پڑوس میں دفن کئے گئے اور ان کے کفن دفن، کا اہتمام ان کے دونوں پیغمبر بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا، صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

اور ابن کلبی کے قول کے مطابق ایک یہ روایت آئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال حیات رہے۔

(۱)ابن حبان نے اپنی سند میں فرمایا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم نے قدوم (آلے) کے ساتھ ختنہ فرمائی جبکہ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، اور اس کے بعد بھی آپ اسی سال حیات رہے۔(۲)

صاحب کتاب "صحیح ابن حبان" آگے کچھ جرح کے بعد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق سے مروی ہے کہ القدوم لفظ جو حدیث میں آیا اس سے علاقے کا نام مراد ہے جہاں ختنہ ہوئی۔

(اور مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ اسی سال کی عمر میں ہوئی اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک روایت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سال کے تھے اور دونوں یعنی پہلی اور اس حدیث میں اس بات کے اندر کوئی تعرض اور اختلاف نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ حیات رہے۔

(۳)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار زیب تن فرمائی اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے مانگ نکالی، اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے زیر ناف بالوں کو کاٹا اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے قدوم آلے کے ساتھ ختنہ فرمائی، جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے بعد اسی سال زندہ رہے اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور پہلے شخص ہیں جن کے بال سفید ہوئے۔

---

(۱) قال ابو حاتم ابن حبان في صحيحه انبانا المفضل بن محمد الجندي بمكة، حدثنا علي بن زياد اللحجي، حدثنا ابو قرة عن ابن جريج، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب، عن ابي هريرة ـــ الخ

(۲) وقد رواه الحافظ ابن عساكر من طريق عكرمة بن ابراهيم و جعفر بن عون العمري، عن يحيى بن سعيد عن سعيد عن ابي هريرة موقوفا. ثم قال ابن حبان: ذكر خبر المدحض قول من زعم ان رفع هذا الخبر وهم، اخبرنا محمد بن عبدالله بن الجنيد، حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا الليث، عن ابن عجلان، عن ابيه عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال ـــ (ذكر الحديث كما تقدم اعلاه) وقد رواه الحافظ ابن عساكر من طريق يحيى بن سعيد، عن ابن عجلان، عن ابيه، عن ابي هريرة عن النبي ﷺ.

(۳) وقال محمد بن اسماعيل الحساني الواسطي زاد في تفسير وكيع عنه فيما ذكره من الزيادات: حدثنا ابو معاوية، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة قال ـــ الخ

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے مشابہ ہے اور ابن حبان کے خلاف ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی رسم ڈالی اور لوگوں میں سب سے پہلے ختنہ کیا اور لوگوں میں سب سے پہلے مونچھیں کاٹیں اور لوگوں میں سب سے پہلے بڑھاپا دیکھا (یعنی بال سفید ہوئے) اور جب انہوں نے سفیدی کو دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وقار (یعنی عزت و شرافت کی علامت) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار پھر تو اس کو اور زیادہ کر دیجئے۔

اور ان سے پہلے روایت میں تین چیزوں کا اضافہ ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہم السلام تینوں کی قبر اس عمارت میں ہے جس کو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے حبرون علاقے میں بنایا تھا۔

اور وہ حبرون شہر آج تک خلیل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بات بالکل متواتر ہے کہ امت در امت اور جماعت در جماعت بنی اسرائیل کے زمانے سے ہم تک چلی آئی ہے اور تحقیق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر خلیل شہر میں ہے۔ باقی اس شہر میں کون سی جگہ وہ قبر ہے اس کے تعین میں کوئی صحیح مستند خبر نہیں ہے لہٰذا اس پورے علاقے کا لحاظ کرنا چاہئے اور پورا پورا احترام کرنا چاہئے اور اس کو کھودنا یا کھولنا وغیرہ کرنا نہیں چاہئے کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کیا پتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہو یا کسی اور نبی کی قبر ہو اس زمین کے نیچے ہو۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہب نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مطہر کے پاس ایک پتھر پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

الھی جھولا املہ   یموت من جا اجلہ
جس کی امیدوں نے اس کو نادانیوں میں بھٹکا دیا اس کا حشر یہ ہے کہ وقت آ گیا وہ مر گیا

ومن دنا من حتفہ   لم تغن عنہ حیلہ
اور جس کی موت قریب آ گئی ہو اس سے چھٹکارے کیلئے کوئی حیلہ و تدبیر کام نہ دے گی

وکیف یبقی آخرا   من مات عنہ اولہ
اور دوسرا بعد والا شخص کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ اس سے پہلا شخص مر گیا ہے

والمرء لا یصحبہ   فی القبر الا عملہ
اور آدمی کے کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی اس کی قبر میں سوائے اس کے عمل کے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر: ... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام قبطیہ مصریہ سے ایک فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پھر آپ کی چچا زاد حضرت سارہ علیہا السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ان کے بعد حضرت ابراہیم نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی اور حضرت ابراہیم سے اس کے چھ بیٹے پیدا ہوئے مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور چھٹے کا نام ذکر نہیں ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجون بنت امین سے شادی فرمائی اور اس سے پانچ بچے ہوئے کیسان، سورج، امیم، لوطان، نافس۔

یہ تفصیل حضرت ابو القاسم السہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التعریف والاعلام میں ذکر فرمائی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ مبارک:...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں جو عظیم واقعات رونما ہوئے ان میں سے حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بھی ہے اور ان پر نازل ہونے والا قہر الٰہی بھی شامل ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے باپ کا نام هاران بن تارخ یعنی مشہور آزر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں اس طرح حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے لڑکے یعنی بھتیجے ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام ھاران اور ناحور یہ تینوں بھائی ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے والد ہاران ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے حران شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کو آباد کیا۔ لیکن یہ بات ضعیف ہے اور اہل کتاب کی تواریخ کے مخالف ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقے سے ان کے حکم اور اجازت کے ساتھ جلاوطن ہو کر ملک غور زغر کے سدوم شہر میں آباد ہو گئے تھے اور یہ وقت آباد اور بڑی بستیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس کے باشندے لوگوں میں سب سے زیادہ فاجر اور بدترین کافر لوگ تھے اور سیرت و کردار میں تمام دنیا سے بدتر تھے۔ راہ گیروں کو لوٹتے تھے اپنی مجالس و محافل میں سرعام بری بری بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ اور کوئی برائی کرنے سے باز نہ آتے تھے۔

اور انہوں نے دنیا میں ایک ایسا گناہ ایجاد و جاری کیا کہ اولاد آدم میں اس سے پہلے اس کا کسی کو خیال تک نہ گیا تھا۔ اور وہ لڑکوں سے بدفعلی کرتے اور عورتیں جو اللہ نے اس کام کے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور ان کو فحاشی اور منکرات سے روکا اور بے حیائی کے کاموں سے ان کو منع کیا۔ لیکن وہ سمجھانے ماننے کے بجائے سرکشی اور گمراہی پر ڈٹے رہے اور اپنے کفر و فسق پر اڑے رہے۔

پھر اللہ نے بھی ان پر وہ عذاب نازل کیا جو روکا نہیں جا سکتا تھا اور ایسا عذاب پہلے کسی پر نہ آیا تھا اور عذاب کا آنا ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ اللہ نے اس عذاب کے ساتھ ان کو جہانوں میں عبرت اور مثال بنا کر رکھ دیا جس سے لوگ نصیحت پکڑیں اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے ان کے قصے کو اپنی کتاب مقدس میں کئی جگہ دہرا دیا ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا:...... اور (یاد کرو) لوط کو جب اس نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے ایسی بے حیائی نہیں کی۔ تم ایسے لوگ ہو جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ لیکن اس کی قوم کا جواب اور کچھ نہ تھا کہنے لگے کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ پاک بننا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ اور (پھر) ہم نے ان پر (پتھروں کی بارش کا) عذاب برسایا۔ سو دیکھ لو مجرموں کا انجام کیا ہوا۔ [اعراف ۸۰ تا ۸۴]

اور سورہ ہود میں اللہ عزوجل نے فرمایا:۔ اور ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی سلام کہا۔ ابھی کچھ وقت نہ ہوا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (ان کو ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا ہائے مجھے بچہ کیسے ہوگا میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے۔ بیشک ابراہیم علیہ

السلام بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ (ہم نے کہا) اے ابراہیم علیہ السلام اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلنے کا۔

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے۔ اور یہ پہلے ہی سے فعل شنیع کیا کرتے تھے (لوط نے) کہا اے قوم یہ جو میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لئے پاک ہیں تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی (بھی) شائستہ مرد نہیں ہے؟ وہ بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں ہے۔ اور جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو۔ (لوط نے) کہا اے کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی؟ یا کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ اپنے اہل کو لے کر رات کے کچھ حصے میں نکل چلیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر بھی پڑے گی۔ ان سے وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟ تو جب ہمارا (عذاب کا) حکم آیا تو ہم نے اس (بستی کو الٹ کر) نیچے بالا کر دیا اور ان پر پتھر کی (مسلسل بار) کنکریاں برسائیں۔ جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔ (ہود ۶۹-۸۳)

اور سورۂ حجر میں اللہ نے فرمایا: اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا احوال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو سلام کہا تو (ابراہیم اور ان کے اہل نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں۔ آپ مایوس نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا کہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا صرف گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے اے فرشتو! تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ کہنے لگے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (تا کہ ان پر عذاب برسائیں) سوائے لوط کے گھر والوں کے ہم ان سب کو نجات دیں گے مگر ان کی بیوی اس کے لئے ہم نے پیچھے رہ جانا مقرر کر دیا ہے۔ پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے تو (لوط نے) کہا تم تو اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے (یعنی عذاب خداوندی) اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لائے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ تو آپ رات کے کچھ حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکلیں۔ اور خود ان کے پیچھے چلیں۔ اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے۔ اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیے۔ اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی اور اہل شہر خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور خدا سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرو۔ کہنے لگے کیا ہم نے تم کو جہان والوں (کی طرفداری اور حمایت) سے منع نہیں کیا؟ (لوط نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے شادی کر لو)۔ (اے محمد ﷺ) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں سرگرداں تھے۔ سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو تہ وبالا کر دیا اور ان پر کنکریاں برسائیں۔ بے شک اس میں اہل فراست کے لئے نشانی ہے۔ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے نصیحت فرمانے کو بیان فرمایا:

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم (خدا سے) کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارے لئے امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس کا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم جہان والوں میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ کہنے لگے اے لوط (اس نصیحت بازی سے) اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے۔ (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے انجام) سے نجات دے۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گئی۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر (عذاب کا) مینہ برسایا۔ سو جو مینہ ان ڈرائے گئے لوگوں پر برسا وہ (انتہائی) برا تھا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب

(سورہ اعراف پ ۸ آیات ۸۰ تا ۸۴)

اور اللہ تعالیٰ نے اسی قوم لوط کا ذکر سورۂ نمل میں بھی فرمایا۔ فرمایا:

اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی کے کام کیوں کرتے ہو، جبکہ تم (اس کی برائی) دیکھتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کے لئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو؟ تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ کہنے لگے لوط کے گھر والوں کو شہر سے نکال دو یہ لوگ پاک بنتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے مقرر کر دیا تھا اور ہم نے ان پر (عذاب کا) مینہ برسایا اور ڈرائے گئے لوگوں پر برا مینہ تھا۔ (آیات ۵۴ تا ۵۸)

اسی طرح اللہ عزوجل نے سورۂ عنکبوت میں ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے واقعہ کو اکٹھا بیان فرمایا۔

فرمایا: اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجیب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، کیا تم (شہوت کو پورا کرنے کے لئے) مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور (مسافروں کی) راہزنی کرتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں ناپسند کام کرتے ہو؟ تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے کہ اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ۔

تو لوط نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجا کی اے میرے پروردگار ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عنایت فرما۔

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے ظالم ہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ اس میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں؟ کہنے لگے جو لوگ یہاں ہیں ہمیں سب کا معلوم ہے ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیں گے۔ سوائے ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے، فرشتوں نے کہا کچھ خوف نہ کیجئے اور نہ رنج کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیں گے مگر آپ کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں اور ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ (۲۸ تا ۳۵)

اور سورۂ صافات میں بھی مختصراً اس کا ذکر فرمایا۔ فرمایا:

اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو (اپنے عذاب سے) نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی، پھر ہم نے اوروں پر عذاب برسا دیا اور تم ان کی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو صبح کو اور رات کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (۱۳۳ تا ۱۳۸)

اسی طرح مختصراً سورۂ ذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے قصے کے بعد فرمایا:

(ابراہیم نے) کہا اے فرشتو تمہارا (اور) کیا مقصد ہے؟ کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر (کنکری) پتھر برسائیں جن پر حد سے گزرنے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے ہیں پھر ہم نے وہاں سے جتنے مومن تھے سب کو نکال لیا اور ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ درد ناک عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ہم نے وہاں نشانی چھوڑ دی۔ (۳۱ تا ۳۷)

اس عظیم واقعہ کو قرآن میں اللہ نے اپنے کلام میں سورۂ قمر میں بیان فرمایا، فرمایا:

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان پر کنکریاں بھری ہوا چلائی سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ ان کو ہم نے پچھلی رات ہی بچا لیا اپنے فضل سے (ہم) شکر کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور (لوط نے) ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی تھا مگر انہوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا اور ان سے ان کے مہمانوں کو لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے (اور یاد کرنے) کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ (۳۳ تا ۴۰)

اللہ عزوجل نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کو اپنے کلام میں کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کے قصے ذکر ہوئے ہیں۔

اور یہاں ہمارا بیان سے یہ مقصود ہے کہ ان تمام آیتوں، حدیثوں اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں اس قصے کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پورے قصے کو تفصیل بیان کیا جائے اس میں ہم اللہ عزوجل سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور ان گندے افعال اور غلیظ حرکتوں سے منع کیا جن کا ذکر آیتوں میں ہو چکا ہے تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات کو ٹھکرا دیا اور ایمان نہیں لائے حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص بھی راہ راست پر نہ آیا اور جن باتوں سے ان کو روکا گیا ان سے بھی باز نہ آئے، بلکہ اپنی حالت پر اڑے رہے اور اپنی سرکشی اور گمراہی کے گڑھے سے نکلنے کی پرواہ نہ کی۔ بلکہ سب نے یہ عزم کر لیا کہ اپنے خیر خواہ اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے جلا وطن کرنے کی ٹھان لی اور ان کا اپنے درمیان جینا دوبھر کر دیا اور ان کا مذاق اڑایا اور جب حضرت لوط علیہ السلام ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے تو ان بے عقلوں کا ایک ہی جواب ہوتا: نکال دو لوط کے گھر والوں کو یہ پاک بنتے ہیں۔ (نمل ۵۱)

اور پھر طرح طرح سے ان کو ستایا، بے عزتی کی تاکہ یہ تنگ آ کر چلے جائیں اور یہ کہ ان کا حوصلہ پست اور کمزور تھا پھر اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر کی مدد کی اور ان کو محفوظ اور باعزت اور عزت و شرافت کے ساتھ ان کے اہل سمیت وہاں سے نکال دیا سوائے ان کی بیوی کے اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور پھر اللہ عزوجل نے ان پر ایسا عذاب ہمیشہ کے لئے نازل کیا جس میں ان کا بد انجام مقدر تھا یا جو حقیقت میں ان کا ٹھکانہ ہے آگ بھڑک رہی ہے اور گری ہوئی متعفن بستی ہے اور اس کا پانی آج تک بدبودار کھارا کڑوا ہے۔

اور اس قوم لوط نے اپنے پیغمبر کو بستی سے نکالنے کی دھمکی اس وقت دی جب کہ پیغمبر نے ان کو اس بری حرکت سے روکا، جس کی طرف پوری دنیا میں اس سے پہلے کسی نے بھی ارادہ نہ کیا تھا، پھر اللہ نے بھی ان کو پورے روئے زمین کے لئے ایک مثال و عبرت کا نمونہ بنا دیا۔

اور وہ صرف یہی بدفعلی نہیں کرتے تھے بلکہ راہگیروں کو لوٹنے، دوستوں کے ساتھ خیانت کرنے علاوہ اپنی مجالس و محافل میں وہ ان کے ساتھ عجیب عجیب بری حرکتیں کرتے اور بے حیائی و شرمناک کرتے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو پیٹ میں کچھ ہوا محسوس ہوتی تو اس کو جان بوجھ کر زور سے آواز کے ساتھ ہوا نکالتے اور اپنے ہم نشینوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے اور اس پر ہنستے اور اکثر و بیشتر مجالس میں بدفعلی بری حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے اور کسی کی بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے والے کی پرواہ نہ کرتے اور نہ کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کا لحاظ کرتے اور وہ ان حرکتوں میں جانوروں کی طرح ہو چکے تھے بلکہ ان سے بھی کہیں بدتر۔ یہ لوگ ان افعال اپنے گناہوں سے باز آنے کا کوئی خیال نہ تھا۔ گذشتہ برے عمل پر کوئی افسوس نہ تھا اور نہ ہی آئندہ ایسی حرکتوں سے باز آنے کا کوئی ارادہ تھا پھر اللہ نے بھی ان کے مطابق ہی سزا دی اور دردناک عذاب سے ان کو پکڑ لیا جس کو ٹالا نہیں جا سکتا اور یہ عذاب بھی ان کی مانگی ہوئی تھی انہوں نے خود پیغمبر سے کہا تھا "ائتنا ... الخ" اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔[1] تو جس دردناک عذاب سے اللہ نے ان کو اب تک بچا رکھا تھا خود ہی اس کی فرمائش کر دی۔

تو ایسے موقع پر ان کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام نے بڑی بے بسی و بے کسی کے عالم میں رب ذو الجلال کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے اور رب العالمین اور الہ المرسلین سے التجا کی کہ میری مدد فرما اور مفسد قوم سے مجھے نجات عطا فرما۔

اللہ عزوجل کو بھی سخت غیرت آئی اور شدید غضب آیا اور پھر اپنے معصوم پیغمبر کی فریاد قبول کی اور ان کی مدد پوری کی اور اپنے معزز فرشتوں کو بھیجا وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو ایک ہونہار لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری دی، پھر ان کو قوم لوط کے متعلق عذاب کی خبر بھی دی، فرمان باری ہے: (ابراہیم نے) کہا کہ فرشتو تمہارا (اور) کیا کام ہے؟ کہا ہم گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کنکر کے پتھر برسائیں، جن پر تیرے پروردگار کی طرف سے نشان کر دیئے گئے ہیں حد سے گزرنے والوں کے لئے۔[2]

اور دوسری جگہ پروردگار نے فرمایا اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں (ابراہیم نے) کہا اس میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں، وہ کہنے لگے جو لوگ یہاں ہیں ہمیں سب معلوم ہیں۔ ہم لوط علیہ

---

[1] عنکبوت ۲۹

[2] ذاریات ۳۱ تا ۳۴۔

السلام کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دیں گے سوائے ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ (۱)

اس پر حضرت ابراہیم کا کیا ہوا کلام سامنے آیا کیونکہ وہ لوط علیہ السلام کے چچا تھے جن کو قرآن میں ذکر کیا گیا فرمان باری ہے۔ پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ (۲)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے نجات اور چھٹکارے کی پناہ طلب کی، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شاید حضرت ابراہیم کی بات مان لیں گے اور لوٹ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ابراہیم بہت بردبار نرم دل اور رجوع کرنے والے ہیں۔ اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ دے بے شک تیرے پروردگار کا حکم آ چکا ہے بے شک ان پر عذاب آ چکا ہے جو (کسی طرح) ٹلنے والا نہیں ہوگا۔ (۳)

یعنی اے ابراہیم علیہ السلام اس بات کو رہنے دیں یہ جواب طے ہو چکا ہے اس کے علاوہ کوئی اور بات کریں فرمائش کریں، کیونکہ ان پر عذاب ہلاکت اور تباہی واجب ہو گئی ہے۔

بے شک تیرے پروردگار کا حکم یعنی عذاب آ چکا ہے جو واپس نہیں ہو سکتا اور اس میں کچھ ٹال مٹول نہیں ہو سکتی، بے شک وہ عذاب ان پر آ کر رہے گا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے یوں فرما رہے تھے کیا تم اس بستی کو تباہ کرو گے جس میں تین سو مومن ہیں فرشتوں نے عرض کیا نہیں (یعنی اس میں تین سو مومن نہیں ہیں) حضرت ابراہیم نے فرمایا کیا دو سو مومن ہیں؟ کہا نہیں، پھر کہا کیا چالیس مومن ہیں؟ جواب دیا گیا نہیں، پوچھا کیا چودہ مومن ہیں؟ جواب دیا گیا نہیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ یہاں تک چلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور مجھے بتلاؤ اگر اس میں ایک بھی مومن ہو تو پھر تمہارا عذاب دینے کے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا نہیں (یعنی ہم عذاب نہیں دیں گے بلکہ باقی ان کو نکال لیں گے)

اسی آخری بات کو قرآن میں بیان کیا گیا ابراہیم نے کہا اس میں لوط بھی ہیں فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں کہ اس میں کون ہیں۔ (۴)

اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا اے رب! حضرت میں عرض کیا اے پروردگار! کیا آپ ان کو ہلاک فرما دیں گے جبکہ ان کی بستی میں پچاس نیک صالح مومن ہوں؟ اللہ نے فرمایا نہیں، میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جب کہ ان میں پچاس نیک ہوں، پھر حضرت ابراہیم دس پر اتر آئے اور عرض کیا تو اللہ نے فرمایا میں ان کو ہلاک نہیں کروں گا جبکہ ان میں دس بھی نیک ہوں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولما جاءت رسلنا لوطا سيء بهم وضاق بهم ذرعا وقال هذا يوم عصيب (ہود ۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہا آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ علماء مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے جب یہ حضرت ابراہیم کے پاس سے نکل رہے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام کے علاقے یعنی سدوم کی طرف چلے، سدوم بہت ہی خوبصورت حسین لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے تاکہ وہ حقیقت اللہ عزوجل قوم لوط پر حجت قائم کرتے ہوئے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ چلتے چلتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آئے اور وقت مغرب کا ہو چکا تھا تو حضرت لوط کو خوف ہوا کہ اگر میں ان کو مہمان نہ رکھوں گا تو یہ علاقے میں کسی اور کے پاس مہمان بنیں گے اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے فرشتے ہونے کا بالکل خیال نہ تھا بلکہ آپ ان کو عام انسان سمجھ رہے تھے تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی حالت بیان فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن عباس، قتادہ، مجاہد اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں حضرت لوط علیہ السلام پر یہ گھٹن اور مشکل اس لئے نازل ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا انکار کریں تو یہ ان کی قوم کے ہاتھ لگ جائیں گے اور اگر رکھیں تو بھی یہ پریشانی میں پڑ جائیں گے تو آخر کیسے ان مہمانوں کا اس قوم سے بچاؤ کریں اور بستی والے حضرت لوط علیہ السلام کو پہلے کہہ چکے تھے کہ کوئی مہمان اپنے پاس نہ ٹھہرائیں بلکہ مہمانوں کا ہم خود ہی بندوبست کر لیں گے

---

[1] العنکبوت ۳۱، ۳۲۔ [2] ہود ۷۴۔ [3] ہود ۷۵، ۷۶۔ [4] العنکبوت ۳۲

زمانہ تھا حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے کیسی عجیب صورت حال آ گئی کہ اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انتہائی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت لوط علیہ السلام اس وقت بستی سے باہر اپنے کھیتوں میں کام کاج میں مصروف تھے تو یہ مہمان ان کی خدمت میں آئے حضرت لوط علیہ السلام کو ان مہمانوں سے بہت شرم محسوس ہوئی اور ان کو ساتھ لے کر چل پڑے ساتھ ساتھ ان سے اشارتاً کنایتاً کہتے جاتے تھے کہ جس بستی میں تم اب جا رہے ہو اس بستی میں بسنے والے برے ہیں حضرت لوط نے چار مرتبہ ان کے سامنے یہی بات کہی اور کہا جاتا ہے کہ ان فرشتوں کو اللہ کا حکم یہ تھا کہ روئے زمین پر اس بستی والوں سے زیادہ خبیث لوگ کوئی اور نہیں، چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے کئی بار اس بات کو کہا حتیٰ کہ چار مرتبہ کہا اور فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں کو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ اس بستی والوں کو اس وقت تک عذاب نہ دینا جب تک کہ ان کا نبی خود ان کی برائی کی گواہی نہ دے دے اور ان کے خلاف اس پر چار مرتبہ گواہی نہ دے دے۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے نکل کر حضرت لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف چلے تو دوپہر کے وقت نہر پر پہنچے جب سدوم شہر میں پہنچے حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ملاقات ہوئی وہ اپنے گھر کے لئے پانی بھرنے آئی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں تھیں بڑی کا نام ریثا اور چھوٹی کا نام زغرتا تھا فرشتوں نے لڑکی سے پوچھا ہم مہمان کہاں ٹھہر سکتے ہیں؟ لڑکی نے جواب دیا آپ یہیں ٹھہریے جب تک میں واپس نہ آؤں آپ داخل نہ ہوں وہ ڈرتی تھی کہ اگر قوم کے ہاتھ لگ گئے تو ان سے برا سلوک کریں گے چنانچہ وہ اپنے والد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئی اور کہا ابا جان شہر کے باہر چند اجنبی لوگ کھڑے ہیں اور وہ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں میں نے ان کے چہروں سے زیادہ خوبصورت چہرے کبھی نہیں دیکھے کہیں ان کو قوم پکڑ لے اور ان کی بے حرمتی کرے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے ان کو مہمان ٹھہرانے سے منع کیا ہوا تھا چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی عزت و حرمت کا خیال کرتے ہوئے کسی سے چھپ کر ان کو اپنے گھر لے آئے اور سوائے گھر والوں کے کسی کو علم نہ ہوا لیکن ان کی بیوی باہر نکل گئی اور قوم کو خبر کر دی کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں ایسے لڑکے آئے ہیں کہ میں نے ان سے خوبصورت کبھی نہیں دیکھے تو قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ان کی طرف آئے۔

آگے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے: اور وہ اس سے پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے (لوط نے) کہا اے قوم یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ (جائز) ہیں (سورہ ہود) یعنی ان کا معمول یہی تھا کہ اس سے پہلے بھی وہ کوئی نہ کوئی منکرات کیا کرتے تھے یہ ان کی عادت تھی حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ عورتوں سے شادی کر لو بجائے اس کے کہ تم مردوں سے اپنی حاجت پوری کرو اور حضرت لوط علیہ السلام نے جو کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تو حقیقت میں اپنی بیٹیوں کے لئے نہیں فرمایا تھا بلکہ ان کا مطلب قوم کی عورتوں سے تھا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ نبی اپنی امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے نبی مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔(۱) اور کہا جاتا ہے بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی قراءت یوں ہے کہ نبی مومنوں کا باپ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اس سے یہی مراد ہے کہ قوم کی عورتوں سے شادی کر کے اپنی حاجت جائز طریقے سے پوری کر لو۔

اور یہی بات ہے جیسا کہ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام کے خطاب کو نقل فرمایا ہے کیا تم جہان والوں میں سے لڑکوں کے پاس (شہوت پوری کرنے کے لئے) آتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔(۲)

تو یہاں اللہ نے جو لفظ بنات استعمال کیا ہے اس سے مراد یہی عورتیں ہیں جن کا ذکر حضرت لوط علیہ السلام کے قول میں کیا گیا ہے اور اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میری بیٹیاں حقیقتاً بھلی اور تمہارے لئے زیادہ پاک ہیں۔

اور حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ سب حضرات نے اسی بات پر تصریح فرمائی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ نبی امت کے لئے مثل والد کے ہے۔

---

(۱) الاحزاب آیت (۶)
(۲) الشعراء ۱۶۵، ۱۶۶

اور دوسرا قول کہ اپنی شکل نوجوانوں کی صورت میں بدل لی یہ بالکل غلط ہے اور اہل کتاب سے ماخوذ ہے اور یہ بات انھوں نے اپنے صحیفوں میں اپنی طرف سے بڑھا دی اور تبدیلی کی ہے اور اسی طرح شیطان نے ایک اور غلطی ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ تھے اور وہ بھی عشاء کے وقت آئے تھے اور عشاء کا کھانا بھی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تناول کیا (جبکہ قرآن سے پہلے معلوم ہوا کہ فرشتوں نے ابراہیم کے پاس کھانا نہیں کھایا (کیونکہ فرشتے ان حاجات سے دور ہیں)

اسی طرح اہل کتاب نے اس قصے میں بہت بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔

{پھر آگے حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو فرماتے ہیں: پس تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی ایک درست کار بھی نہیں ہے؟ (ھود ۷۸)}

اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام نے دو مقصد واضح فرمادیے پہلا تو ان کو اس فعل قبیح سے منع کیا کہ یہ فحش کام کرنے کے لائق نہیں ہے پھر آگے فرشتوں کو ان پر گواہ بنایا کہ ان میں کوئی بھی مومن اور صالح نہیں ہے کہ کوئی ایک بھی بھلائی اور خیر ہو بلکہ تمام سب کے سب فسق و فجور میں غالی اور احمق و بد ہیں۔

اور فرشتوں کا مقصود بھی یہی تھا کہ بغیر ان کے پوچھے خود حضرت لوط علیہ السلام ان کی برائی اور حقیقت کو ظاہر فرمادیں اور اس طرح ان پر حجت تمام ہو جائے۔

غرض جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی عزت کو ان سے بچانا چاہا کہ مجھے رسوا نہ کرو تو ان بدبختوں نے جواب دیا (اے لوط) تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی خواہش نہیں ہے اور جو ہمارا ارادہ ہے تو جانتا ہے۔ (ھود ۷۹)

خدا کی ان پر لعنت ہو کس طرح بہت دلیری کے ساتھ اور وہ بھی اپنے نبی کے سامنے بے ہودہ ارادے کو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں عورتوں کی خواہش نہیں بلکہ ہماری خواہش تو تو جانتا ہے کس قدر بے باکانہ کلام ہے ایسی جسارت ان کے اس کلام کو سن کر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش مجھے تمہارے مقابلے پر طاقت ہوتی یا میں کسی محفوظ مضبوط قلعے کی طرف پناہ پکڑتا۔ (ھود ۸۰) تو یہ کلام حضرت لوط علیہ السلام کی بے کسی اور بے بسی کی کس قدر غمازی کرتا ہے وہ ظاہر ہے آپ علیہ السلام کف افسوس ملتے ہیں اور فرماتے ہیں کاش مجھے تم سے نمٹنے کی طاقت ہوتی یا میرا خاندان ہوتا اور وہ مددگار ہوتے جو تمہارے مقابلے پر میری مدد کرتے تو آج میں اپنے مہمانوں کی عزت بچالیتا اور ان پر پھر وہ عذاب نازل ہو جاتا جس کے وہ مستحق ہیں۔

اور حضرت لوط علیہ السلام نے جو فرمایا کہ کاش میں کسی مضبوط قلعے کی پناہ پکڑتا اس سے کیا مراد ہے؟ ایک حدیث میں بھی اس کا مطلب واضح فرمادیا گیا ہے۔

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ حقدار ہیں کہ شک کریں اور اللہ (حضرت) لوط پر رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط قلعے (یعنی اللہ) کی طرف پناہ پکڑنے والے ہیں اور اگر میں (حضرت یوسف کی جگہ) جیل میں ہوتا جتنا کہ حضرت یوسف ٹھہرے تھے تو میں بلانے والے کے بلاوے کو قبول کر لیتا۔[2]

(حضرت ابراہیم کے متعلق فرمان کا مطلب ہے کہ انھوں نے تسکین و اطمینان قلب کے لئے خدا کے حضور دعا کی تھی کہ آپ مجھے دکھائیں کہ کیسے آپ مردوں کو زندہ کریں گے اگر بالفرض حضرت ابراہیم علیہ السلام شک کرتے تو ہم کو شک کرنا زیادہ لائق ہوتا یعنی اصل مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا ایمان بالکل مضبوط اور شک و شبہ سے بالاتر تھا اور آخری حصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو فرمایا اس کا مطلب ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں بادشاہ کی طرف سے رہائی کا پیغام آیا تو انھوں نے منع فرمادیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو ضرور قبول کر لیتا ہوں۔)

---

(۱) رواہ قال الزہری عن سعید بن المسیب و ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الخ

(۲) و قد رواہ ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ.

(۱) اور ایک دوسری حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے بیشک انہوں نے مضبوط قلعہ یعنی اللہ عزوجل کی طرف سہارا لیا تھا لیکن اللہ نے ان کے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں ثروت (خاندانی عزت) کے ساتھ بھیجا اور محمد بن عمرو فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس نے ان کو ... کہا یہ میرے مہمان ہیں مجھے فضیحت مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ کہنے لگے کیا ہم نے تم کو جہان والوں (کی طرف داری) سے منع نہیں کیا تھا۔ کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم (اپنی خواہش) پوری کرنا چاہتے ہو تو میری قوم کی بیٹیوں سے شادی کے ساتھ پوری کرو۔[۲]

ان آیات میں کہا جا رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اپنی بیویوں کے قریب جانے اور اپنی اس گھناؤنی حرکت سے باز آنے کا حکم دیا جن سے لوگ اپنی شہوت پوری کر سکیں لیکن نصیحت بے سود ثابت ہوئی بلکہ جب بھی آپ ان کو منع کرتے تو وہ ان کاموں کے حصول میں اور آگے بڑھتے اور ان کو پتا بھی نہ تھا کہ تقدیر میں ان کے لئے کیا لکھا جا چکا ہے کہ کس بات کو کرنے کی وجہ سے اپنے انجام تک پہنچ جائیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی جان کی قسم کھا کر فرمایا (اے محمد) تیری زندگی کی قسم وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔ (الحجر) اور اللہ نے فرمایا اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے ساتھ شک کیا اور انہوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے متعلق بہکایا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کو چکھو اور صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب آ پہنچا۔[۳]

مفسرین وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے دروازے کو بند کر رکھا تھا اور مہمان اندر تشریف رکھے تھے اور خود دروازے پر کھڑے ہو کر ان کو سمجھا رہے تھے اور وہ ان سے جھگڑ رہے تھے جب آپ ان کو نصیحت فرماتے ان کو منع کرتے رہے اور وہ آپ کی بات نہ مانے اور ان کے ساتھ جھگڑا کرتے رہے اور دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہونا چاہا تو اس وقت حضرت لوط نے بڑی فریاد اور بے بسی کے ساتھ یہ کہا کاش کہ میرے لئے تمہارے مقابلے پر کوئی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ کا سہارا پکڑتا تو میں تم سے اچھی طرح اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا اور تم کو سبق سکھا دیتا۔

تو پھر فرشتوں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا اور کہا اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں یہ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ (ھود ۸۱) مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی طرف نکلے اور اپنے پر کے ساتھ ان کے چہروں پر ایک بار مارا تو وہ اندھے ہو گئے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ ان کے چہروں پر آنکھوں کا نشان تک باقی نہ رہا اور وہ الٹے پاؤں دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے واپس لوٹے اور لوط کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ کل آئے گا دیکھ لیں گے۔

اسی بات کے متعلق اللہ نے فرمایا اور انہوں نے لوط کو اس کے مہمانوں کے بارے میں بہکانا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا اور صبح ہوتے ہی ان کو دائمی عذاب نے گھیر لیا۔ (القمر ۳۷، ۳۸)

اور عذاب کی صورت یوں ہوئی کہ پہلے تو فرشتے حضرت لوط کی خدمت میں کہنے لگے کہ آپ رات کے وقت اپنے اہل کو لے کر نکل جائیے اور تم میں سے کوئی ایک پیچھے مڑ کر نہ دیکھے یعنی جب عذاب کی آواز آئے تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہو اور حضرت لوط کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ان کے پیچھے چلیں آگے فرمایا "الا امراتک" سوائے تیری بیوی کے کہ وہ باقی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوگی اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ استثناء "فاسر باھلک" سے متعلق ہے اور اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے کر نکلنا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ "ولا یلتفت منکم احد" سے مستثنیٰ ہو اور مطلب ہو کہ وہ ساتھ چلے گی مگر پیچھے مڑ کر دیکھے گی اور اس طرح اس کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس کی قوم کو پہنچا اور اس احتمال کی تقویت رفع کی قرأت سے ہوتی ہے لیکن پہلا مطلب معنوی اعتبار سے زیادہ بہتر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "والھۃ" تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام "والغۃ" تھا۔ فرشتوں نے ان کو یہ بشارت دی کہ ان کی قوم جس کو اللہ نے ہلاک کرنا ہے ان کی ہلاکت کا وقت صبح مقرر ہے

---

(۱) ابو کامل محمد بن عمرو ... عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ (۲) الحجر ۷۲، ۷۶۔ (۳) القمر ۳۶، ۳۸

حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا بے شک ان (پر عذاب) کے وعدے کا وقت صبح ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟ (ھود ۸۱)

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل جو صرف دو بیٹیوں پر مشتمل تھا، کو لے کر روانہ ہوئے۔

ان دونوں بیٹیوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ سفر کیا تھا، ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ تھی یا نہیں واللہ اعلم۔ جب یہ حضرات اپنے علاقے سے چلے گئے اور صبح پھوٹ پڑی تو ان کی قوم کے ساتھ جو ہونا تھا، جس وقت سورج طلوع ہوا اللہ کا عذاب آ گیا جو دور نہیں ہونے والا تھا اور وہ سخت عذاب تھا جس کی کسی کو برداشت کی طاقت نہیں تھی۔

اہل کتاب کے ہاں یہ ہے کہ حضرت لوط کو فرشتوں نے جانے کے لئے کہا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں تو حضرت لوط نے ان سے کہا کہ مجھے بستی میں جانا ہے تو فرشتوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ چلے جائیں ہم آپ کے وہاں پہنچنے کا انتظار کریں گے کہ آپ وہاں پہنچ کر ٹھہر جائیں پھر ہم اس قوم پر عذاب برسائیں گے تو وہ کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام ایک چھوٹی سی بستی میں گئے جس کو صوعر کہتے تھے پھر جب سورج طلوع ہوا تو ان کو عذاب نے آ لیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس بستی کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ (بستی) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے (ھود ۸۲-۸۳)

یہ بستی سات شہروں پر مشتمل تھی (اور اس وقت بستی میں رہنے والوں کی تعداد جیسا کہ بعض نے کہا ہے) ان میں ایک قول کے مطابق چار سو انسان تھے اور ایک قول کے مطابق چار ہزار تھے اور ساتھ جانور وغیرہ بھی تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کی نوک سے ان کی بستی کو مٹی سمیت اکھاڑا اور اپنے پر کے ساتھ اتنا اونچا لے گئے کہ آسمان کے قریب پہنچ گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے مرغوں کی آوازیں اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے الٹا دیا اس طرح ان کے اوپر والے حصے کو نیچے کر دیا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں سب سے پہلے ان کے گھر الٹائے گئے۔ پھر ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور پتھر کنکر کے تھے جو سخت اور مضبوط تھے (جیسے پکی اینٹ کا پتھر ہوتا ہے) اور فرمایا منضود یعنی وہ پتھر پے در پے آ رہے تھے اور فرمایا ''مسومۃ'' یعنی ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر وہ گرنا تھا اسی طرح ارشاد فرمایا (مسومۃ) تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے حد سے گزرنے والوں کے لئے۔[1] اور فرمایا وامطرنا علیہم مطرا فساء مطر المنذرین اور ہم نے ان پر بارش برسائی پس بری بارش تھی۔[2] اور فرمایا:

اور اس بستی کو پتھروں سے ڈھک دیا گیا۔ اور وہ پتھر جن کی بارش کی گئی تھی وہ پے در پے برسے اور ہر ایک پر اس کے ساتھی کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ جو حاضرین تھے ان کو بھی لگے اور جو بستی سے دور کہیں سفر میں تھے یا چھپ گئے تھے ان کو بھی عذاب نے گھیر لیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ قوم کے ساتھ رہ گئی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑی تھی۔

لیکن جب اس نے دھماکوں اور شور کی آواز سنی تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئی اور اپنے رب کی نافرمانی کی اور کہنے لگی ہائے میری قوم! تو اس پر بھی پتھر گرا جس نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کو بھی ان لوگوں کے ساتھ ملا دیا اس لئے کہ یہ دین میں بھی ان کی طرح تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر جو مہمان آتے ان کی خبر اپنی قوم کو دیتی تھی ان کی جاسوسی کے لئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے سورۃ التحریم میں اس کے متعلق فرمایا:

اللہ نے کافروں کے لئے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی کہ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان سے خیانت کی تو وہ اللہ (کے عذاب) سے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو کہا گیا کہ تم بھی جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔[3]

یعنی ان دونوں نے اپنے خاوندوں کے دین میں خیانت کی لہذا ان کو جہنم میں جانا ہی پڑا اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فاحشہ تھیں یا بدکار تھیں

---

(۱) الذاریات ۳۳۔ (۲) النمل ۵۸ (۳) التحریم ۱۰

[illegible]

نکال لیا جو اس میں مومنین میں سے تھے (اور) ہم نے اس میں ایک گھر کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی اور گھر نہ پایا اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔[1]

یعنی جو آخرت کے عذاب سے ڈرے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے اور اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کرے اور اپنی خواہش کو روکے اس کے لئے ہم نے یہ قصہ عبرت و نصیحت بنایا ہے تاکہ وہ محارم اللہ سے بچے اور اس کی نافرمانیوں کو ترک کر دے اور قوم لوط کے مشابہ ہونے سے ڈرے۔

بے شک جس نے جس قوم کی نقل اتاری وہ انہی میں سے ہوگا اگر کلی طور پر نہ ہو تو جزوی طور پر ہی سہی ہوگا ضرور جیسے کسی نے کہا

فان لم تكونوا قوم لوط بعينهم فما قوم لوط منكم ببعيد

یعنی اگر تم در حقیقت قوم لوط نہیں ہو لیکن پھر بھی قوم لوط تم سے دور تو نہیں ہے یعنی ان کی مشابہت ہو سکتی ہے۔

پس عاقل سمجھدار اپنے رب سے ڈرنے والا وہ ہے جو اپنے رب کے حکم کو مانے اور رسول کی تعلیمات پر عمل کرے جن میں سے یہ بھی ہے کہ بیویوں اور باندیوں سے خواہش کو تسکین دے اور اسے شیطان مردود کی اتباع سے بچائے کہ کہیں اس پر بھی عذاب نہ آن پڑے اور پھر وہ بھی اللہ کے اس فرمان کے تحت داخل ہو جائے۔

وما هي من الظالمين ببعيد (ہود ۸۳)

اور یہ (سزا) ظالموں سے (اب بھی) دور نہیں ہے۔

---

(۱) الذاریات: ۳۵-۳۶

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں لوط علیہ السلام کے قصے کے بعد بیان فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا (اے) قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے تو تم ماپ اور تول پوری (طرح) کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو۔ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو خدا نے تم کو کثیر جماعت کر دیا اور دیکھ لو کہ (فساد) خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کئے رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ انہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی) اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ افترا باندھا اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے ہمارا خدا ہی پر بھروسہ ہے اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ جاؤ گے تو ان کو (اچانک) بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے تھے کہ گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے تو شعیب ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود میں بھی اسی طرح بیان فرمایا:

ترجمہ:۔۔۔ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا اور (اے) میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو خدا کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

انہوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو انہوں نے کہا کہ اے قوم دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے صاف دلیل پر ہوں (تو) کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس کے بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی (کے فضل) سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوح علیہ السلام کی قوم یا ہود علیہ

---

[1] سورۃ الاعراف آیت ۸۵ تا ۹۳

السلام کی قوم یا صالح علیہ السلام کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔

بےشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ (ش) انہوں نے کہا کہ قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ میرا پروردگار تو تمہارے تمام اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں۔ تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار تھی۔ (۱)

دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان فرمایا:

ترجمہ: ۔۔۔ اور بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب علیہ السلام کے لوگ) بھی گناہگار تھے تو ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا اور یہ دونوں شہر کھلے راستے پر (موجود) ہیں۔ (۲)

اور سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

ترجمہ: ۔۔۔ اور بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس (کام) کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے۔ (دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی خلقت کو پیدا کیا (تو) وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو اور تم اور کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو اور اگر تم سچے ہو تو آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا ہم پر لا گراؤ (شعیب نے) کہا جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ بےشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔ اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔ (۳)

اہل مدین نسلی عرب قوم تھی۔ اپنے شہر مدین میں آباد تھی اور یہ مدین شام کے اطراف میں سرزمین معان کے قریب ہے اور حجاز کی سرزمین بھی بحیرہ لوط کے قریب ہے اس کا تھوڑا فاصلہ ہے۔ اہل مدین قوم لوط کے کچھ عرصے بعد تھے اور مدین ایک قبیلے کے نام سے مشہور ہے اور وہ قبیلہ بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے۔ ان کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام ابن میکیل بن یشجن ہیں۔ ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ سریانی زبان بولتے تھے لیکن اس میں کچھ شک کا امکان ہے مگر یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ اور حضرت شعیب کا شجرۂ نسب یوں بھی ذکر کیا گیا ہے شعیب بن یشجر بن لاوی بن یعقوب اور دوسری طرح یوں بھی ذکر کیا گیا ہے شعیب بن نویب بن عیفا بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام اور اسی طرح اور بھی ان کے نسب نامے مذکور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اہل علم ذکر فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ان کی دادی یا ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی اور دمشق میں داخل ہو گئے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے فرمایا حضرت "شعیب علیہ السلام" اور "ملغم" ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور ان دونوں لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی پھر

---

(۱) ھود: آیت ۸۴-۹۵۔ (۲) الحجر: آیت ۷۸-۷۹۔ (۳) الشعراء ۱۷۶-۱۹۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کی شادی لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے ساتھ کر دی۔ ابن قتیبہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے لیکن اس تمام تفصیل میں شک کا امکان ہے اور ابو عمرو بن عبدالبر نے الاستیعاب میں سلمہ بن سعد العنزی کی سوانح ذکر کرتے وقت فرمایا ہے کہ سلمہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے کو قبیلہ عنزہ کی طرف منسوب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا عنزہ بہترین قبیلہ ہے جن پر ظلم کیا گیا تو (اللہ کی طرف سے) ان کی مدد کی گئی اور یہ شعیب کی قوم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرالی خاندان والے ہیں۔

پس اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس بات پر واضح دلیل ہوگی کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام خالص عرب عاربہ میں سے ہیں جن کو عنزہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ عنزہ نہ ہوں گے جن کا نسب یوں ہے عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان اس لئے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بہت طویل زمانے کے بعد آئے ہیں واللہ اعلم۔

اور صحیح ابن حبان میں انبیاء و رسل کے تذکرے کے وقت حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چار نبی عرب سے ہیں، ہود، صالح، شعیب اور اے ابوذر تیرا نبی۔

اور بعض بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء یعنی نبیوں کے خطیب کا لقب دیتے ہیں کیونکہ یہ اپنی فصاحت بلاغت اور زور بیان میں اور اپنی قوم کو اپنی رسالت و ایمان باللہ کی طرف بلانے میں اپنی مثال آپ تھے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو فرماتے وہ انبیاء میں خطیب ہیں۔

اور اہل مدین کفار تھے لوگوں کو لوٹتے تھے راہ گیروں کو ہراساں کرتے تھے اور ایکہ کی پرستش کرتے تھے اور یہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے آس پاس بھی ایک جھنڈ سا ہو الاصل ایک درختوں کے جھنڈ کا نام ہے اس کی یہ پرستش کرتے تھے، اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے اپنے اور ان کے پیمانوں کو کم رکھتے تھے یعنی کم تول کر دیتے تھے، لیتے وقت زائد وصول کرتے اور دیتے وقت کمی کر کے دیتے، پھر ان کی حالت زار پر اللہ نے ترس کھا کر انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے انہوں نے ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا، اور ان برے افعال، لوگوں کو اشیاء ناپ تول میں کم کر کے دینا اور راہ گیروں کو لوٹنا ان کو خوفزدہ کرنا ان تمام باتوں سے منع کیا، سمجھایا، الحمدللہ بعض لوگ ایمان لے بھی آئے لیکن اکثر اپنے کفر پر ڈٹے رہے، حتیٰ کہ اللہ نے ان پر بھی عذاب شدید نازل فرمایا، اور وہ زبردست غالب ہے۔

جیسے اللہ نے فرمایا والی مدین اخاھم شعیبا ـــ الخ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ گئی ہے۔ (۲)

یعنی واضح حجت اور دلیل اور برہان آ چکی ہے جو اس بات پر شاہد اور دلیل ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ سب حق ہے اور اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ایسے معجزات ہیں جن کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی اور یہ آیت ان پر اجمالاً دلالت کرتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے آگے فرمایا، پس تول اور ترازو کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیاء گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ زمین کے درست ہونے کے بعد (۳) حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو انصاف کا حکم فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا اور اس کی مخالفت پر ڈرایا لہٰذا آگے فرمایا یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور ہر راستے پر نہ بیٹھ جاؤ کہ (پھر راہ گیروں کو) ڈراؤ (۴) یعنی رہزنی نہ کرو اور ان کے اموال نہ چھینو اور راہ چلنے والے لوگوں کو خوفزدہ نہ کرو اس آیت ولا تقعدوا ـــ الخ کی تفسیر حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اہل مدین راہ چلتے لوگوں سے ان کے اموال کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے۔ (۵)

اور اسحاق بن بشر حضرت جبیر سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ قوم ظالم اور سرکش قوم تھی راستوں پر بیٹھ جاتی، لوگوں کو نقصان پہنچاتی ان سے ان کے اموال کا دسواں حصہ بطور غنڈہ گردی کے وصول کرتی اور سب سے پہلے اس ٹیکس کی انہوں نے بنیاد ڈالی

---

(۱) ابو الفروی ابن اسحاق بن بشر عن جویبر و مقاتل عن الضحاک عن ابن عباس ـــ الخ (۲) الاعراف ۸۵
(۳) الاعراف ۸۵، ۸۶ (۴) الاعراف ۸۵، ۸۶ (۵) الاعراف ۸۶۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تم لوگ اللہ کے راستے سے روکتے ہو ان کو جو اس پر ایمان لائے اور تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔(۱)

اس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو راہ خدا میں لوگوں کو روکنے سے منع فرمایا جو کہ معنوی ڈاکہ زنی ہے اور دنیوی ظاہری ڈاکے سے بھی منع فرمایا جو کہ لوٹ ماری ہے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام ان کو اللہ کے احسان یاد دلاتے ہیں اور مفسدوں کے انجام سے ڈراتے ہیں فرمایا۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو بڑھایا اور دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا؟(۲)

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو خدا کی نعمتیں جتائیں کہ وہ پہلے کمزور اور قلیل تعداد میں تھے پھر اللہ نے ان کو کثیر کر دیا اور طاقتور کر دیا اور آگے ان کو ڈرایا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں گے تو ان پر بھی خدائی عذاب آجائے گا جیسے دوسرے قصے میں بیان فرمایا۔ فرمایا: اور ناپ تول میں کمی نہ کرو میں تم میں بھلائی دیکھتا ہوں (اگر تم مان لو) اور میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔(۳) یعنی جس پر تم سوار ہو ان کو چھوڑ دو ورنہ تو اللہ تم سے نعمت و برکت کو چھین لے گا اور تم پر فقر کو مسلط کر دے گا اور تمہاری مالداری اور ثروت کو ختم کر دے گا اور یہ عذاب آخرت تک پہنچانے والی چیز بھی ہے تو اس طرح جس نے اس دنیا اور اس آخرت دونوں کے عذابوں کو جمع کر لیا بے شک اس نے گھاٹے والا سودا کر لیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو پہلے ناپ تول کی کمی سے منع کیا پھر نعمت مال و دولت کے دنیا میں چھن جانے سے ڈرایا پھر آخرت میں عذاب الیم کے مسلط ہو جانے سے ڈرایا الغرض بہت ہی سخت ڈرایا۔

پھر بھی مخالفت ہوتی رہی تو ایک مرتبہ یوں ڈانٹتے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

(۴) اے قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو اشیاء گھٹا کر نہ دو اور نہ زمین میں فساد برپا کرتے پھرو اللہ کا دیا ہوا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو اور میں تم پر کوئی محافظ نہیں ہوں۔

اللہ کا باقی ماندہ چھوڑا ہوا اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اللہ کا دیا ہوا رزق بہتر ہے اس سے جو تم لوگوں سے چھینتے ہو۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ناپ تول پورا کرنے کے بعد جو نفع تمہارے لئے بچے وہ اللہ کا بقیہ ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم ناپ تول کم کر کے لوگوں کا مال ہتھیا لو۔ اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت حسن نے جو فرمایا اور نقل کیا وہ اللہ کے اس قول کے مشابہ ہے فرمان الٰہی ہے (اے پیغمبر) کہہ دیجئے خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتا اور اگرچہ آپ کو خبیث کی کثرت پسند لگے۔(۵)

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے بے شک سود اگرچہ زیادہ ہو پھر بھی انجام تھوڑا ہے امام احمد نے اس کو روایت فرمایا یعنی اس میں برکت نہیں ہے اور وہ بہت جلد کم ہو جائے گا جیسے فرمان الٰہی بھی ہے اللہ سود کو ختم کر دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔(۶)

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دو خرید و فروخت کرنے والے اختیار میں ہیں جب تک جدا نہ ہوں پس اگر سچ بولیں اور (اصل بات) ظاہر کریں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت دی جاتی ہے اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی خرید و فروخت کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ حلال نفع بابرکت ہوتا ہے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اور حرام باقی نہیں رہتا اس میں برکت نہیں ہوتی اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھو۔(۷)

اور فرمایا میں تم پر نگہبان نہیں ہوں، یعنی جن چیزوں کا میں تمہیں حکم کر رہا ہوں ان کو محض رضائے الٰہی کی خاطر بجالاؤ اور ثواب کے حصول کیلئے کرو میری بھلائی یا اور کوئی مقصود نہ ہو۔

کہنے لگے اے شعیب کیا آپ کی نماز آپ کو حکم کرتی ہے (کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ) ہم اپنے آباء کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے نہ کچھ کریں؟ آپ تو عقل مند (اور) درست آدمی تھے(۸) اور یہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور ان پر عیب

---

(۱) الاعراف ۸۶
(۲) الاعراف ۸۶
(۳) ہود ۸۴
(۴) ہود ۸۵
(۵) المائدہ ۱۰۰
(۶) البقرہ ۲۷۶
(۷) ہود ۸۶
(۸) ہود ۸۷

اڑانے کے لئے کیا تھا کہ وہ نماز پڑھتے ہیں، جو آپ پڑھتے ہیں یہ کہتے ہیں وہ آپ کو یہ سکھاتے ہیں کہ آپ ہم کو ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکیں جن کی پرستش ہمارے اسلاف اور بزرگ حضرات کرتے آئے ہیں، اور اسی طرح اپنے معاملات میں بھی ہم آپ کی خواہش و رضامندی کے مطابق چلیں اور دھوکے بازی چھوڑ دیں جس سے آپ منع کرتے ہیں اور وہ ہمارے پسندیدہ کاروبار ہیں۔

اور کفار نے کہا آپ عقل مند آدمی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، میمون بن مہران، ابن جریج، زید بن اسلم اور ابن جریر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دشمن نے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لئے کہی تھی۔

آگے حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں:

کہا اے قوم تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جانب سے بہترین رزق عطا فرمایا ہے اور میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں کرتا اس سے جس سے میں تم کو منع کرتا ہوں، جہاں تک ہو سکے میں صرف اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کے ساتھ ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔[1] یہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو حق و عبادت کے ساتھ نرمی و لطف سے کہا ہے اور ان کو حق کی طرف واضح اشارے کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کیا خیال ہے تمہارا اے جھٹلانے والو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں کہ اسی نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے اپنی طرف سے عمدہ رزق (توفیق) عطا فرمائی ہے یعنی مجھ کو نبوت و رسالت سے نوازا ہے، جس سے تم بے بہرہ ہو تو ان سب باتوں کے ساتھ تم پر حجت تمام ہو چکی ہے پھر تمہارا کیا بہانہ ہوگا؟ اور آگے وہی بات فرمائی جو حضرت نوح علیہ السلام نے کہی اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہ میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا اس چیز میں جس سے میں تم کو روک رہا ہوں یعنی میں یہ کبھی نہیں کروں گا کہ خود اس کے خلاف عمل کروں ایسا نہیں ہوگا، پس جب میں کسی بات کا حکم کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو بجا لاؤں گا اور جب کسی بات پر منع کروں گا تو سب سے پہلے خود اس کو ترک کروں گا اور یہ صفت بہت عمدہ تعریف کے لائق صفت ہے اور اس کی ضد مردود اور مذموم ہے جیسے آخری زمانے میں بنی اسرائیل کے علماء کا شیوہ رہا اور اب تک ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا پس عقل نہیں رکھتے؟[2] اور اس آیت کی تشریح میں ہم اپنی تفسیر میں حضور ﷺ سے روایت کردہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے روز) ایک آدمی کو لایا جائے گا پھر اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، پھر اس کی آنتیں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے گرد چکر لگانے لگے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد چکر لگاتا ہے تو اہل جہنم (تماشائی کے طور پر) جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلانے تجھے کیا ہوا کیا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں میں نیکی کا حکم تو کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہ کرتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا لیکن خود اس سے نہ بچتا تھا۔[3]

اور یہ صفت انبیاء میں کبھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے مخالف بدبختوں میں ہوتی ہے اور بے شک شرفاء، سردار اور اہل عقل و علم وہ ہیں جو اپنے رب سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوتا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے خلاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا کہ کسی چیز سے منع کروں اور خود اس کا ارتکاب کروں، جہاں تک ہو سکے میں اصلاح کا ارادہ کرتا ہوں۔ یعنی میں اپنے تمام افعال و اقوال میں اپنی طاقت اور محنت کے ساتھ صرف زمین میں اصلاح ہی پھیلانا چاہتا ہوں اور آگے فرمایا "اور مجھے اس کی توفیق صرف اللہ کی طرف سے ملی ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" یعنی اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے اس کے پاس میرا ٹھکانہ ہے اور یہ مقام ترغیب ہے پھر اس سے مقام ترہیب یعنی ڈرانے کی طرف رجوع کرتے ہیں، فرماتے ہیں اے قوم تم کو میری مخالفت کسی ایسی حالت میں نہ ڈال دے کہ تم پر اسی طرح عذاب آن پہنچے جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دور نہیں (اس سے عبرت پکڑ سکتے ہو)[4] یعنی تم کو مجھ سے بغض اور مخالفت بجائے موافقت کرنے اور جو میں لایا ہوں اس سے بغض رکھنا اور اپنی جہالت و ضلالت پر ڈٹے رہنا کہیں تم کو اللہ کے عذاب اور رسوائی میں نہ ڈال دے جیسے کہ پہلے بھی قوموں کے ساتھ ہوا یعنی قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح کے ساتھ ہوا۔ اور قوم لوط کے لوگوں سے تم عبرت پکڑ سکتے ہو، اور یہ بھی کہ قوم لوط زمانے کے اعتبار سے بھی ابھی گزری ہے جس کا حشر دیکھا ہوا ہے اور یہ جو فرمایا کہ قوم لوط تم سے دور نہیں ہے اس کے دو مطلب

---

[1] ھود ۸۸۔

[2] البقرۃ ۴۴

[3] بخاری بدء الخلق

[4] ھود ۸۹

ہو سکتے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ وہ وقت کے لحاظ سے زیادہ دور زمانے پہلے نہیں گزرے اور ان پر ان کی سرکشی اور کفر کی وجہ سے جو عذاب نازل ہوا اس کو تم بھولے نہیں ہو گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بستی تم سے جگہ و مکان کے اعتبار سے زیادہ دور نہیں ہے جا کر ان کی بستی کی تباہی و بربادی دیکھ لو اور ان دو مطلب کے علاوہ ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ قوم لوط بھی صفات میں تم سے زیادہ دور نہیں ہے ان افعال جیسا کہ ڈاکہ زنی لوگوں کے مال غصب کرنا طرح طرح کے حیلوں اور مکر و فریب کے ساتھ قبضہ کرنا وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے تمہارا بھی انہی کی طرح ان کا سا حشر ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

اور تینوں معنی بھی یہاں مراد ہو سکتے ہیں ان کے جمع ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ زمانے میں بھی ان کے قریب ہیں اور مکان میں بھی ان کے قریب ہیں اور صفات میں بھی ان کے ساتھی ہیں۔

پہلے حضرت شعیب نے ترغیب و ترہیب کا جو بیان کیا پھر آگے یہ بیان کیا

فرمایا: اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب رحم والا (اور) محبت کرنے والا ہے یعنی اپنی موجودہ حالت سے باز آ جاؤ اور اپنے گناہ پر توبہ کرو اور ان گناہوں کی خدا سے معافی مانگو۔[1] وہ ہمیشہ کے لئے اپنے رحیم و کریم و محبت کرنے والے پروردگار کی طرف توبہ کرو اور اسی کے ہو کر رہو بے شک جس نے اس کی طرف رجوع کر لیا تو وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ان پر اس قدر رحم و کرم کرنے والا ہے جتنا ایک ماں بھی اپنے بچے پر نہیں کر سکتی اور فرمایا وہ محبت کرنے والا ہے یعنی بندہ اپنے پروردگار سے توبہ میں مصروف ہونے کے بعد اپنی خوشی کی معافی مانگ لے تو وہ اپنے بندے کو محبوب رکھتا ہے اگرچہ وہ پہلے بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر چکا ہو جب حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کئی طرح سے دعوت دی اور ہر طرح کی کوشش کی مگر انہوں نے جواب میں کہا کہنے لگے "اے شعیب، جو تو کہتا ہے اس کو ہم نہیں سمجھتے اور ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور سمجھتے ہیں۔"(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بصارت ختم ہو گئی تھی اور حدیث مرفوع میں بھی آیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اتنا روئے کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی بصارت دوبارہ لوٹا دی اور اللہ نے ان سے پوچھا اے شعیب کیا تو جہنم کے خوف سے روتا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کی محبت سے نہیں جب میں تجھ کو دیکھ لوں گا تو مجھے کوئی پرواہ نہ ہو گی کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے تو اللہ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے شعیب تجھ کو میری ملاقات مبارک ہو اسی وجہ سے میں نے موسیٰ بن عمران جو میرے ہم کلام ہیں تجھ کو خادم بنا دیا ہے۔(۳)

اس حدیث کی سند ایک دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے جس کو خطیب بغدادی نے ضعیف قرار دیا اور واحدی وغیرہ نے اس بات کی تفسیر میں نقل کی ہیں کہ کافروں نے آپ کو ضعیف کہا تھا۔ کہ وہ ملعون کہتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر کچھ غالب نہیں ہے۔ یہاں کے کفار ان کے اندر کی خباثت کی انتہا تھی۔

پہلے تو کہا ہم تیری بات کو نہیں سمجھتے نہ اس کو عقل والی بات قرار دیتے ہیں کیونکہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس کو چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمارا اس کو قبول کرنے یا سننے کا ارادہ ہے بہرحال اس کی طرف کوئی ادنیٰ سی توجہ بھی ہے۔ اسی طرح کفار مکہ نے بھی حضور ﷺ کی دل آزاری اور ایذاء رسانی کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے اور وہ کہنے لگے جس بات کی طرف (اے محمد) تو ہمیں بلاتا ہے ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے پس تو (اپنا) کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔(۴)

تو جب کافروں نے حضرت شعیب کو سنگساری کی دھمکی دی تب ان کے قبیلے سے عداوت محسوس کی تو آپ نے جواب دیا کہا اے قوم کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزت والا ہے؟(۵)

---

(۱) ہود: ۹۰ (۲) ہود: ۹۱ (۳) رواہ الواحدی عن ابی الفتح محمد بن علی الکوفی، عن علی بن الحسن بن بندار، عن ابی عبداللہ محمد بن اسحاق الرملی عن ہشام بن عمار، عن اسماعیل بن عیاش عن یحییٰ بن سعید عن شداد بن اوس عن النبی ﷺ بنحوہ قلت وھو غریب جداً وقد ضعفہ الخطیب البغدادی (۴) فصلت: ۵ (۵) ہود: ۹۲۔

یعنی تم مجھ سے میرے قبیلے کی وجہ سے تو ڈرتے ہو اور ان کا لحاظ کرتے ہو جب کہ عظمت والے اللہ سے نہیں ڈرتے [illegible] کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ معزز ہے اور تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے بے شک جو تم عمل کرتے ہو میرا رب اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔[1] یعنی وہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے تمہارے ہر قول و فعل کو جانتا ہے اور وہ تم کو بدلہ دے گا جب تم لوٹ کر اس کے پاس جاؤ گے۔ اور اے قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔[2] یہ سخت دھمکی اور وعید ہے کہ اپنے راستے اور طریقے اور مسلک پر عمل کرتے رہو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کا انجام کس کے لئے ہے اور کس پر ہلاکت کی [illegible] نازل ہوتی ہے [illegible] ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخرت میں ایک دائمی عذاب [illegible] اللہ [illegible] ہم کو اس مسلک پر سے نکال دیں گے [illegible] اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لایا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے تو شعیب علیہ السلام کی قوم کا جواب یہ تھا کہ شعیب کی قوم میں سے متکبرین کی ایک جماعت نے کہا اے شعیب ہم تمہیں اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا کیا اگرچہ ہم ناپسند کرتے ہوں تب بھی؟ [illegible] اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی [illegible] ہمارے رب نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔[3]

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ [illegible] اپنے خیال کے مطابق اندازہ لگانے بیٹھے تھے کہ ہم ان کو بھی اپنی پرانی ملت کی طرف پھیر لیں گے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم اور مومنوں کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کیا اگر ہم تمہاری ملت کو ناپسند کرتے ہوں تب بھی تم [illegible] ہمیں مجبور کرو گے؟ [illegible] تمہاری طرف نہیں آتا [illegible] لوٹیں گے [illegible] جب کسی دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کو کوئی نہیں نکال سکتا اور اس کو کوئی نہیں پھیر سکتا اور نہ اس کے لئے کوئی [illegible] حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ نے ہم کو تمہاری جھوٹی ملت سے نجات دے دی ہے اس کے بعد ہم دوبارہ تمہاری طرف لوٹیں گے تو ہم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوں گے [illegible] ہمارے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں [illegible] کی طرف [illegible] پھر حضرت شعیب علیہ السلام اپنے رب سے درمیان فیصلے کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے خلاف اپنے رب سے ان کے لئے بددعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جلد ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں تو اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور اللہ نے رسولوں کی بات مسترد نہیں کی جب وہ مطالبہ کرتے ہیں ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے ان کی بات سے انکار کیا اور اللہ سے کفر کیا اور ان کی مخالفت کی [illegible] حضرت شعیب علیہ السلام ان کے لئے بددعا کرتے ہیں [illegible] اس کے ساتھ [illegible] ہو گئی ہے اور شعیب کی قوم سے کافروں کی جماعت نے کہا اگر تم شعیب کی پیروی کرو گے تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔[4]

پھر جب ان کی کفر پر ضد ختم ہوئی تو اللہ نے بھی ان کو [illegible] پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔[5] یہاں ذکر کیا گیا [illegible] زمین میں [illegible] ان کے جسموں کو [illegible] ان کے [illegible]

---

[1] ھود ۹۲ [2] ھود ۹۳ [3] الاعراف ۸۸، ۸۹ [4] الاعراف ۹۰ [5] الاعراف ۹۱

حرکت نہیں ہو رہی تھی اور اللہ نے ان پر کئی اقسام کے عذاب نازل فرمائے تھے اور کئی مصیبتوں اور بلاؤں کی صورت میں ان پر سختی کر دی تھی اور بالکل جیسے ہوا کہ یہ کسی قسم کے گناہوں کے ساتھ موزوں، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھی بھیجی اس نے ہر قسم کی ہوا بند کر دی اور پھر بادل بھیجا جس میں سے آوازیں بلند کروا دیں اور بادل بھیجا جس نے تمام اطراف سے آگ کے شعلے برسا دیئے لہٰذا اللہ نے جہاں بھی ان کے قصے کا بیان فرمایا وہیں کی مناسبت سے ان کے مختلف عذاب کو بیان فرمایا۔

کن قسم کے عذاب کا بیان کیا؟ جیسے کہ ہم بیان کر چکے زلزلہ، آگ کے بادل۔

سورۃ الاعراف میں ہے کہ کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ڈرایا دھمکایا اور آپ کو بستی سے جلاوطن کرنے کو کہا تو پھر آیت ۸۸ سے ۹۱ تک میں آیا ہے کہ اللہ نے اس مناسبت سے زلزلہ برپا کر کے جواب دیا تو زلزلہ کے سبب وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کے رہ گئے یہاں ان کافروں نے کہا تھا اللہ نے سچ کیا یعنی انہوں نے مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقت میں زلزلہ دے دیا۔

اور سورۃ ہود میں ان کے متعلق چنگھاڑ کے عذاب کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر گئے۔ اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کے پیغمبر کا استہزاء اور تمسخر اڑاتے ہوئے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم کرتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جو ہمارے آباء کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں یا اپنی مرضی کے مطابق ہم اپنے اموال میں تصرف نہ کریں آپ تو عقل مند اور راست رو تھے۔[1] تو جس طرح انھوں نے نبی کا مذاق اڑایا تو اس کے حساب سے ان کو ایک زوردار چنگھاڑ آئی جو ان کے مطابق ہی تھا انہوں نے اپنی زبانوں سے نبی کا مذاق اڑایا تو اللہ نے اپنے فرشتے کو بھیجا جس نے ایک چیخ ان پر ڈال دی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اس بکواس کو ختم کیا جو نبی علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے لہٰذا پہلے آدمی نے ان کو مکمل خاموش کیا اور چیخ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اور سورۃ شعراء میں ہے کہ ان کو سائبان یعنی بادل کے عذاب نے آ دبوچا اور یہ ان کی مانگ کے عین مطابق تھا اور عذاب کا تقاضا انہوں نے کیا تھا کہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صرف ہماری طرح کے انسان ہیں اور ہم تو آپ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں لہٰذا آپ ہم پر آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا گرا دیجئے اگر آپ سچے ہیں شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے جو تم کرتے ہو اس کا علم ہے)۔[2] لہٰذا اللہ نے ان کی خواہش کو پورا کیا فرمایا۔ پھر انہوں نے شعیب کو جھٹلایا تو ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے آ پکڑا یہ بڑے سخت دن کا عذاب ہے۔[3]

اور بعض مفسرین جیسے قتادہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اصحاب الایکہ اہل مدین کے علاوہ کوئی دوسری امت ہے لیکن ان کا یہ قول ضعیف ہے۔

اور انہوں نے یہ خیال اس وجہ سے اپنایا ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ اللہ نے ایک جگہ فرمایا اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کو شعیب علیہ السلام نے کہا[4] اور یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا اور دوسری جگہ فرمایا اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا[5] تو ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف بھیجے گئے اصحاب الایکہ اور اہل مدین اور ان حضرات کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے لئے سائبان کے عذاب کا ذکر ہوا اور اہل مدین کے لئے زلزلے اور چیخ کے عذاب کا ذکر ہوا۔

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے ساتھ بھائی ہونے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ ساتھ میں قوم کی اصل قباحت یعنی اصحاب الایکہ ہونے کو بیان کیا ہے اور اصحاب الایکہ کا مطلب ہے کہ ایک درخت کے پجاری تھے تو قرآن میں جب ان کی اس قبیح صفت کو ذکر کیا تو اس جگہ ایک پیغمبر کو ان کے بھائی ہونے کے ساتھ ذکر کرنا مناسب نہ تھا لہٰذا اخوت کی نسبت ساقط کر دی اور اہل مدین میں جب ان کی اصحاب الایکہ کی طرف نسبت کے اعتبار سے نسبت کی تو یہاں کوئی ایسی بات نہیں تھی لہٰذا اصل بات کو بیان کیا کہ یہ ان کے بھائی شعیب تھے لہٰذا یہاں بھائی ہونے کی نسبت کو ذکر کیا۔

یہ قرآن کے لطیف اسرار میں سے ایک اور فرق ہے۔

اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اگر عذاب کے متعدد ہونے کی وجہ سے ۱۸۸۸۷ میں [illegible] کے قول کے مطابق الگ امت کہا گیا ہو

---

(۱) ہود: ۸۷۔ (۲) الشعراء: ۱۸۷،۱۸۸۔ (۳) الشعراء: ۱۸۹۔ (۴) الشعراء: ۱۷۶، ۱۷۷۔ (۵) الاعراف: ۸۵

زلزلے کا عذاب آیا جیسا کہ ایسی ہی دو باتیں ہو گئیں اس طرح کہ پھر تو تینوں اکٹھی ہی ہو جاتی ہیں اور اس بات کا کوئی بھی قائل اور دلیل نہیں ہے کہ وہ اس طرح ان کا ایسا مفہوم لیجئے۔

اور ان مذکورہ حضرات کے دلائل میں ایک حدیث بھی ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے حضرت شعیب علیہ السلام کی سوانح میں بیان فرمایا اور وہ (۱) عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو جدا جدا امتیں تھیں اور دونوں کی طرف شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے رفع میں بھی شک ہے اور زیادہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا خود کا فرمان ہے جو انہوں نے ان کتابوں سے حاصل کیا ہے جو ان کو جنگ یرموک میں بنی اسرائیل کی تحریر شدہ کتابوں کے بطور عاریت ملے تھے۔ واللہ اعلم

اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ایک قوم ہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے جو صفات اہل مدین کی بیان فرمائی ہیں وہی اصحاب ایکہ کی بھی فرمائی ہیں کہ دونوں ہی ناپ تول میں کمی کے مرتکب تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں گروہ ایک جماعت واحد تھے۔ لیکن ہلاکت کی تین قسم کے عذاب سے ہوئے ہیں اور ہر جگہ ان کے مناسب عذاب کو ذکر فرمایا ہے۔

اور اسی طرح دیکھئے کہ خدا کا فرمان ہے:

پھر ان کو سائبان (یعنی بادلوں) کے عذاب نے آ پکڑا۔

اس کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ نے ان پر سخت گرمی مسلط فرمائی اور سات دن مسلسل ان پر ہوا بند رہی، جس کی وجہ سے ان کو پانی اور سایہ بھی نفع نہ دے سکتا تھا اور ان کی گرمی دور بھگا سکتا تھا اور نہ چشمے اور حوض۔ کہ جن میں وہ داخل ہوتے۔ یہ بھی کوئی فائدہ مند نہ تھا تو یہ اس عظیم مصیبت سے گھبرا کر اپنے محلے سے بھاگ کر جنگل میں پہنچے تاکہ کچھ ہوا لگے، وہاں ان پر بادلوں نے سایہ کر لیا پھر تو یہ خوشی سے اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے تاکہ اس کے سائے میں گرمی و دھوپ سے نجات حاصل کر لیں تو جب تمام افراد اس کے نیچے آ گئے اور کوئی پیچھے نہ رہا تو پھر اللہ نے ان پر ان بادلوں سے آگ کے بڑے بڑے شعلے برسائے اور اس کے علاوہ اس وقت زمین ان پر ہلا دی گئی اور ان کو جھنجھوڑا یعنی زلزلے کی کیفیت پیدا ہو گئی پھر آسمان سے ایک چیخ آئی تو اس نے ان کی روحیں کو نکال دیا (کلیجے پھٹ گئے) اور جسموں کو بے جان کر دیا اور سب اوندھے گرے پڑے رہ گئے۔

فرمان الٰہی ہے: پھر وہ اپنے گھروں (یعنی مکانوں) میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے پہلے ہی حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا تھا جیسا اس کی ذات نے فرمایا اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لانے والے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے ہو گئے گویا کہ تھے ہی نہیں آگاہ رہو (اہل) مدین کے لئے لعنت ہے جیسے کہ ثمود پر لعنت ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کی قوم سے کافروں کی جماعت کے سرداروں نے کہا اگر تم شعیب علیہ السلام کی پیروی کرو گے؟ تو اس وقت تم نقصان اٹھانے والے ہو گے، پھر ان کو بھونچال نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا گویا کہ وہ ان میں تھے ہی نہیں جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی خسارہ اٹھانے والے ہوئے۔ (۲)

اور اللہ عزوجل نے اپنے فیصلے کا اعلان فرماتے ہوئے جو یہ تھا فرمایا کہ وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ یہ بیان درحقیقت ان کی اس بات کا جواب تھا جو انہوں نے کہا تھا اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کر لی تو اس وقت تم خسارہ اٹھانے والے ہو گے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے ترکی بہ ترکی جواب دے دیا اور بالکل بات ختم ہو گئی اور ہلاک ہو گئے تو آپ ان کو ڈانٹتے اور افسوس کرتے ہوئے ان سے منہ موڑ کر چل دیئے فرمایا: پھر (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چلے اور کہا اے قوم بے شک میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا سو میں کیسے افسوس کروں کافر قوم پر۔

---

(۱) من طریق محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، عن ابیہ عن معاویہ بن ہشام عن ہشام بن سعد عن شقیق بن ابی ہلال، عن ربیعہ بن سیف، عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً (۲) الاعراف ۹۰ تا ۹۲

یعنی جب وہ ہلاکت میں پڑ گئے تو ان کے علاقے سے منہ موڑ کر یوں کہنے لگے ۔۔ یعنی افسوس زدہ حالت میں نکلا۔ پھر کہا اے قوم بے شک میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہارے لئے بہت خیر خواہی کی مگر تم نے میری ایک نہ مانی اور جو کچھ ہوا جب تم میں نے پہنچا دیا اور تم تک پہنچایا اور تم سے کامل خیر خواہی کر کے دیکھی اور جتنا میرے بس میں تھا اور جہاں تک میری پہنچ تھی میں نے تمہاری ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور میں اس پر بہت حریص تھا لیکن میری تمام کوششیں بیکار گئیں اور انھوں نے تم کو کچھ نفع نہ دیا اس لئے کہ اللہ جس کو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔ پس جو ہوا سو ہوا آج کے بعد میں تم پر افسوس نہ کروں گا۔ اس لئے کہ تم نے ہی نصیحت کو ٹھکرایا تھا اور رسوائی و ذلت کے وقت سے غافل رہے تھے۔

اس وجہ سے فرمایا کہ کافر قوم پر کیا افسوس کروں؟ یعنی جو خود قبول حق سے گریزاں ہے تو اس کی طرف پلٹ کر توجہ دینے کا اور ان پر افسوس کا مطلب کیا ہوا جبکہ جو ہو چکا اس کی کوئی رکاوٹ نہیں اور اس سے کوئی چھٹکارا نہیں اس سے کوئی بچاؤ نہیں۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تھے اور ابن وہب سے مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں نے مکہ میں وفات پائی اور ان کی قبریں ندوہ اور بنو سہم کے درمیان کعبہ کی غربی جانب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر خیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ، اور ان کا انجام کار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کارنامے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے زمانے میں جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ پیش آیا اس کو بھی ذکر کر دیا اور اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین کا قصہ ذکر کر چکے، کیونکہ قرآن مقدس میں کئی جگہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے قصے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے قصے کو بیان کیا گیا ہے اور ہم نے بھی دونوں کو اکٹھے یکے بعد دیگرے ذکر کیا، اور اہل مدین اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی جماعت کے نام ہیں جیسے کہ ہم بیان کر چکے تو ہم نے قرآن عظیم کی اتباع کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا۔

پھر اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر تفصیلی ذکر شروع کرتے ہیں، کیونکہ اللہ نے ان کی اولاد میں نبوت و کتاب ہمیشہ کے لئے رکھ دی ہے اس لئے کہ ان کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوئے اور وہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے، جیسے مذکور ہوا لیکن سب سے مشہور دو بھائی ہوئے کیونکہ دونوں عظیم پیغمبر گزرے ہیں، اور ان دونوں میں عمر اور بزرگی کے اعتبار سے بڑے صحیح قول کے مطابق اور راہ خدا میں ذبح ہونے والے، اور اس وقت کے اکلوتے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، جنہوں نے ہاجرہ قبطیہ مصریہ کے شکم اطہر سے جنم لیا اور جنہوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے اس کو بنی اسرائیل کی خبروں سے نقل کیا ہے وہ بنی اسرائیل علیہ السلام جنہوں نے اللہ کی کتابوں یعنی تورات و انجیل کو بدلا محرف کیا، اس میں رد و بدل کیا، اور جو ہمارے ہاتھوں میں حق ہے اس سے منہ موڑا، اور اس کی مخالفت کی اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا جو اس وقت اکلوتے اور تنہا تھے۔

اور جو کچھ بھی ہو بہرحال تمام کتابوں میں تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے قرآن سے بھی بلکہ ان کی کتاب میں بھی صراحت کے ساتھ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں جنم لیا جبکہ ابراہیم علیہ السلام اپنی عمر کی چھیاسی بہاریں دیکھ چکے تھے، اور جب اسحاق پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم پر ایک سو سال بیت چکے تھے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی اکلوتے اور تنہا ہوئے، صورت کے لحاظ سے بھی اور معنی کے لحاظ سے بھی۔

صورت کے اعتبار سے اس طرح اکلوتے ہوئے کہ آپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیرہ سال تک تن تنہا فرزند تھے حضرت اسحاق علیہ السلام تیرہ سال کے بعد پیدا ہوئے، اور معنی اس طرح اکلوتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہ السلام کو لے کر جبکہ ابھی اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے تو ان دونوں کو لے کر وادی فاران کے پہاڑوں کے درمیان تپتے صحراء میں بے آب و گیاہ جگہ پر چھوڑ آئے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ پانی اور توشہ بھی نہ تھا مگر تھوڑا سا اور یہ محض توکل علی اللہ پر چھوڑ گئے تھے، تو اللہ نے بھی ان کو اپنی عنایت و کفایت و رحمت سے گھیر لیا بے شک وہ بڑا کارساز اور کافی ہے اور وکیل و کفیل ہے۔

تو الغرض حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صورت و معنی کے لحاظ سے اکلوتے فرزند ہیں لیکن کون ہے؟ جو اس راز کو جانے؟ اور کون ہے جو اس مقام پر اترے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا کوئی ادراک اور علم کے ساتھ احاطہ نہیں کر سکتا سوائے ہر پیغمبر کے۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اور خوبی کی اعلیٰ صفات اور عمدہ خصلتوں کے ساتھ موصوف فرمایا تھا، بردباری، صبر، وعدے میں ان کی سچائی و وفاداری، نماز کی محافظت یعنی الصلوۃ، اور نماز کا اپنے اہل وعیال کو حکم کرنے تا کہ ان کو عذاب سے بچا لیں، اور اس کے علاوہ دیگر عبادتوں کی دعوت و تعلیم[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور (اے نبی) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے بے شک وہ وعدے کے سچے اور رسول و پیغمبر تھے اور اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ (شخصیت) تھے۔

اور ان کی صفات میں فرمایا، پھر ہم نے ابراہیم کو بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں دیکھ لے تیری کیا رائے ہے تو کہا اے ابا جان جس کا آپ کو حکم ملا ہے پورا کیجئے ان شاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔[2] یہاں دیکھئے بیٹے نے باپ سے اتنی بڑی قربانی مانگی تو رضائے خداوندی کے لئے سر تسلیم خم کر دیا اور وعدہ بھی کیا کہ ان شاء اللہ وہ صبر کریں گے اس وعدے کو پورا کر دیا اور خوب صبر سے کام لیا۔ اور دوسری جگہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق، یعقوب کو یاد کرو جو قوت والے اور صاحب نظر تھے ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا، اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔[3] اسی طرح دوسری جگہ فرمایا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیک لوگ تھے اور ایک اور جگہ فرمایا (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف (بھی بھیجی تھی)[4] اور سورہ بقرہ میں فرمایا (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اترے۔[5] اسی کی دوسری آیت بھی ذکر فرمائی فرمایا (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے محمد ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟

یہ آیات ذکر کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے پیغمبروں کا ساتھ کس قدر بار بار ذکر فرمایا اور کئی جگہ ان کو علیحدہ خصوصیت سے کئی عمدہ صفات کا حامل قرار دیا اور ان کو اپنا نبی اور رسول قرار دیا اور جو نامناسب بات جو جاہلین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان سے بری قرار دیا اور اپنے مومن بندوں کو حکم فرمایا کہ جو ان پر نازل ہوا اس پر بھی کامل ایمان رکھو۔

تاریخ اور نسب ناموں کے علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، اور اس سے پہلے گھوڑا وحشی جانور تھا انھوں نے اس کو سدھایا اور مانوس کیا اور پھر اس پر سواری کی، اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔[6]

گھوڑوں کو پالو اور ان پر سواری کرو، بے شک یہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔

[7] رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا پہلا شخص جس نے واضح عربی زبان کے ساتھ زبان کھولی وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہ (اس وقت) چودہ سال کی عمر کے تھے۔

اس حدیث کو بیان کرنے والے (اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو یونس نے ان کو کہا اے ابو سیار (ان کی کنیت ہے) تم نے سچ کہا اسی طرح ابو جری نے بھی مجھے حدیث بیان کی ہے۔

اور پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے عمالیق کی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی، پھر ان کے والد محترم نے ان کو اس

---

(۱) مریم ۵۴، ۵۵۔ (۲) الصافات ۱۰۱-۱۰۲۔ (۳) ص ۴۵-۴۸۔ (۴) النساء ۱۶۳۔

(۵) البقرہ ۱۳۶۔ (۶) ابو القاسم قال سعید بن یحییٰ الاموی فی مغازیہ: حدثنا شیخ من قریش، حدثنا عبدالملک بن عبدالعزیز، عن عبداللہ بن عمر ... الخ

(۷) قال الاموی: حدثنی علی بن المغیرۃ، حدثنا ابو عبیدۃ، حدثنا مسمع بن مالک، عن محمد بن علی بن الحسین عن آبائہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ

سے جدائی کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل نے اس سے جدائی اختیار کر لی تھی اموی کہتے ہیں یہ عورت عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل العمالیقی تھی۔ پھر حضرت اسماعیل نے ایک اور عورت سے شادی کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو باقی رکھو تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان کے ساتھ زندگی بسر کی اور وہ سیدہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی تھیں اور ایک قول کے مطابق یہ تیسری بیوی تھیں پھر اس عورت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں وہ نابت، قیدار، ادبیل، مبشا، مسمع، ماشی، دوما، اذر، طیما، یطور، نبش، قیدما تھے اہل کتاب نے اسی طرح یہ نام اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق جو ان کی کتابوں اور اہل کتاب کی کتابوں میں بھی خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کی نسل سے بارہ عظیم شخص پیدا ہوں گے تو اہل کتاب نے ان سے مراد یہی لیے کرتے ہیں کہ یہ بارہ فرزند ہیں۔

اسی حجاز (یعنی مکہ) اور اس کے گرد و نواح کی آبادیوں میں جہاں کے باشندے قوم جرہم تھے عمالیق اور اہل یمن تھے ان کی طرف آپ نبی بنا کر بھیجے گئے اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے باپ شریک بھائی پیغمبر خدا حضرت اسحاق علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور اپنی بیٹی "نسمہ" کا اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق سے نکاح فرمایا "نسمہ" سے "عیص" کے ہاں ایک لڑکا "روم" پیدا ہوا اور اس سے آگے چلی ان کی نسل کو بنو اصفر کہا جاتا تھا اصفر کے معنی ہیں زرد رنگ یعنی زرد رنگ والے کیونکہ عیص زرد رنگ کے تھے اور ایک قول کے مطابق یونان بھی اسی عیص سے پیدا ہوا۔

اور عیص کی اولاد میں سے ایک اشبان بھی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ بھی ان دونوں میں کسی کا بیٹا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر توقف فرمایا ہے۔

اور کہتے ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام مقام حجر میں اپنی والدہ محترمہ علیہا السلام کے پاس مدفون ہوئے اور وفات کے وقت ان کی عمر مبارک ایک سو سینتیس ۱۳۷ سال تھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ نے ان کو وحی فرمائی جس جگہ آپ مدفون ہوں گے وہاں میں آپ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دوں گا جس سے قیامت تک ٹھنڈی ہوا آتی رہے گی اور جزیرہ مقدس (مکہ مدینہ) کے تمام عرب لوگ حضرت اسماعیل کے دو صاحبزادوں قیدار اور نابت کی اولاد میں سے ہیں۔

ان کے متعلق تفصیلی گفتگو آگے عرب (زمانہ اسماعیل سے جناب نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک) پر بحث کرتے ہوئے کریں گے۔ جس میں بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کا تذکرہ کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے پر ختم ہوگا۔ اور جو واقعات زمانہ جاہلیت میں ہوئے اس پر گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ

حضرت اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام
الکریم بن الکریم کا ذکر خیر علیہما الصلوٰۃ والسلام

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب سو سال کو پہنچ گئی تھی اس وقت یہ پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور جب حضرت سارہ علیہا السلام کو ان کی یعنی اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ملی تو اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔

فرمان الٰہی ہے:

اور ہم نے ان کو اسحاق کی خوشخبری بھی دی جو صالحین میں سے نبی ہوگا اور ہم نے ان (ابراہیم) پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے محسن اور اپنے نفس کے لئے کھلے ظلم کرنے والے بھی ہوں گے۔ [1]

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کئی آیتوں کے اندر حضرت اسحاق علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ان کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پہلے نقل کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے جب اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں رفقا بنت بتوئیل سے شادی کی، اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال کی تھی، لیکن یہ عورت بانجھ تھی جس پر حضرت اسحاق علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ حاملہ ہو گئیں اور اللہ نے ان کو دو جڑواں لڑکے عطا فرمائے، پہلے کا نام عیصو تھا جس کو اہل عرب عیص کہتے ہیں۔ اور یہ روم کے والد ہیں اور دوسرا چونکہ پہلے کے بعد پیدا ہوا تھا اور پہلے کا عقب پکڑے ہوئے تھا اس لئے دوسرے کا نام یعقوب رکھا گیا اور وہی اسرائیل کہلاتے ہیں جن کی طرف تمام بنو اسرائیل منسوب ہیں اور یہ یعقوب ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے پہلے لڑکے عیصو سے بہ نسبت یعقوب کے زیادہ محبت کرتے تھے اس لئے کہ وہ بڑے تھے اور ان کی والدہ رفقا یعقوب سے زیادہ محبت کرتی تھیں اس لئے کہ وہ چھوٹے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب اسحاق علیہ السلام کی عمر زیادہ ہو گئی اور بینائی جاتی رہی تو آپ نے شکار کے گوشت کی خواہش کی تو اپنے بڑے فرزند عیصو کو شکار کرنے کا حکم دیا، کہ اس سے کھانا تیار کر کے لائے تاکہ وہ اس کو کھائیں اور اس کے لئے برکت کی دعا کریں اور عیصو شکاری تھے تو وہ شکار کی تلاش میں نکل گئے، پھر پیچھے سے رفقا والدہ نے یعقوب کو حکم دیا کہ وہ بکریوں میں سے دو بچے ذبح کر کے اپنے باپ کی خواہش و پسند کے مطابق ان کو تیار کر کے جلدی سے لے جائیں، پہلے ان کے پاس لے آؤ تاکہ تمہارے لئے دعا کریں، پھر والدہ نے ان کو بڑے بھائی عیصو کے کپڑے پہنا دیئے اور ان کی گردن اور بازو پر بکری کی کھال باندھ دی کیونکہ عیصو بالوں والے تھے اور یعقوب ایسے نہیں تھے، جب یعقوب کھانا قریب لائے تو حضرت اسحاق نے کہا تو کون ہے؟ کہا تیرا بیٹا، تو باپ نے ان کو گلے لگایا اور چھوا اور فرمایا بھائی آواز تو یعقوب کی ہے اور بدن اور کھال عیصو کا ہے پھر حضرت اسحاق علیہ السلام نے کھانا کھایا اور فارغ ہو گئے تو پھر ان کے لئے خدا کے حضور میں دعا کی کہ اللہ ان کو اپنے سب بھائیوں میں بڑا بنائے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں نبوت رہے اور اللہ ان کو بہت رزق اور اولاد عطا فرمائے

---

[1] الصافات: ۱۱۳

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد کے پاس سے نکل کر گئے تو پیچھے سے حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور جو حضرت اسحاق علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا وہ بھی ساتھ لے آئے اور والد محترم کے قریب کر دیا تاکہ وہ تناول فرما لیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے پوچھا کیا ہے اے بیٹے؟ عرض کیا یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی فرمایا کیا تھوڑی دیر پہلے تو تمہیں لایا اور میں نے اس سے کھا بھی لیا ہے اور تیرے لئے دعا بھی کر دی ہے؟ عرض کیا نہیں خدا کی قسم۔ پھر عیص کو پتہ چلا کہ ان کا بھائی سبقت کر چکا ہے تو حضرت یعقوب پر بڑے بھائی کو بہت غصہ آیا اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یعقوب کو والد کی وفات کے بعد قتل کرنے کی دھمکی بھی دی اور والد صاحب سے دعا کے لئے عرض کیا تو والد محترم نے ایک دوسری دعا ان کے حق میں بھی فرما دی کہ ان کی اولاد میں خوب زمین اور ان کے پھل اور رزق خوب کشادہ ہوں۔

تو جب ان کی والدہ نے عیص کی دھمکی کو سنا تو چھوٹے بیٹے یعقوب کو حکم دیا کہ وہ میرے بھائی یعنی اپنے ماموں "لابان" کے پاس حران میں چلے جائیں اور انہی کے پاس رہیں یہاں تک کہ بڑے بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہو اور یہ بھی کہا کہ ان کی بیٹی سے شادی بھی کر لینا اور پھر والدہ نے ان کے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھی عرض کیا کہ یعقوب کو اس بات کا حکم فرما دیں اور ان کو وصیت کر دیں اور ان کے لئے دعا فرما دیں تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے سب فرما دیا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام اسی دن کے آخری حصہ میں ان کے پاس سے نکل پڑے اور چلتے چلتے رات چھا گئی تو ایک جگہ سو گئے اور ایک پتھر کو تکیہ کر کے سر کے نیچے لگا لیا اور سو گئے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام خواب میں دیکھتے ہیں کہ آسمان سے زمین تک ایک سیڑھی لگی ہے اور فرشتے چڑھ رہے ہیں اور اتر رہے ہیں اور خدا تبارک و تعالیٰ یعقوب علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں میں تجھ کو عنقریب برکت دوں گا اور تیری اولاد کو کثیر کر دوں گا اور یہ زمین تیرے لئے کر دوں گا اور تیرے بعد تیری اولاد کے لئے بھی۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو انتہائی خوشی سے سرشار ہو گئے اور منت مانی کہ اگر وہ اپنے اہل کی طرف صحیح سالم لوٹ گئے تو اس جگہ میں (جہاں لیٹ کر خواب دیکھا تھا) اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے ایک گھر بناؤں گا اور یہ منت بھی مانی کہ جو مجھے رزق دے گا اس کا دسواں حصہ اللہ کی راہ میں دوں گا۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس پتھر پر تیل لگایا جس پتھر پر وہ سر رکھ کر سوئے تھے تاکہ وہ نشانی میں اس جگہ کی نشاندہی اس پتھر سے ہو جائے (شاید پتھر وہاں گڑا ہوا تھا) اور اس جگہ کا نام رکھا بیت ایل (ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی بیت اللہ) اور یہی جگہ ہے جو آج بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا آگے کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران میں اپنے ماموں کے پاس پہنچ گئے تو ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی کا نام لیّا تھا چھوٹی کا نام راحیل تھا اور چھوٹی زیادہ خوبصورت و حسین تھی تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے چھوٹی راحیل کو مانگا ماموں نے اس شرط کے ساتھ ہاں کر دی کہ وہ سات سال تک ان کی بکریاں چرائیں گے تو جب مدت گزر گئی اور شرط پوری ہو گئی تو انہوں نے دعوت کی اور لوگوں کو اکٹھا کیا اور شادی کر دی لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ چلا کہ شادی چھوٹی راحیل کے بجائے بڑی سے کی ہے یعنی رات کو بڑی بیٹی کو ان کے پاس بھیج دیا صبح کو حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ چلا تو ماموں سے پوچھا آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا؟

انہوں نے تو راحیل کے لئے پیغام نکاح دیا تھا تو ماموں نے کہا ہماری سنت و طریقہ نہیں ہے کہ ہم بڑی کے ہوتے ہوئے چھوٹی کو بیاہ دیں، پس اگر تو اس کی بہن کو پسند کرتا ہے تو پھر مزید سات سال بکریاں چرا اور پھر میں اس کی بھی تجھ سے شادی کر دوں گا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سات سال کام کیا اور چھوٹی بہن سے بھی شادی کر لی اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا پھر تورات کی شریعت میں منسوخ ہو گیا اور یہ دلیل تنہا کافی ہے اس بات پر کہ شریعت میں نسخ ہو جاتا ہے اور یہود اس بات میں شریعت پر اعتراض کرتے ہیں

اور جبکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ثابت ہے جو معصوم ہیں ہمارے اور ان کے نزدیک مسلّم ہیں پھر اس کا منسوخ ہونا تو رات میں ثابت ہے۔

تو خیر پھر لابان ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک باندی بھی دیدی (تا کہ ان کی خدمت بجالائیں) اور بڑی بیٹی "لیا" کو "زلفی" نامی باندی دی اور چھوٹی بیٹی راحیل کو "بلھی" نامی باندی دی۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے "لیا" کے ضعف کو اس کی اولاد کے ساتھ پورا کر دیا یعنی یہ حسین نہ تھیں تو اس احساس کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے ان کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے اولاد کے ساتھ نوازا تو پہلا بچہ جو ان کے ہاں ہوا وہ روبیل نامی لڑکا تھا، پھر شمعون، پھر لاوی، پھر یہودا، پھر تو چھوٹی بہن راحیل کو بھی سخت غیرت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ بامید نہ ہوتی تھیں تو انھوں نے اپنی خادمہ باندی یعنی بلھی حضرت یعقوب کو تحفہ دیدی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے ہم بستری کی تو وہ باندی حاملہ ہوئی اور اس نے ایک لڑکے دان کو جنم دیا اور پھر ایک اور لڑکا اسی سے ہوا جس کا نام نیفتالی تھا تو پھر لیا کو بھی یہ بات سوجھی اور انھوں نے بھی اپنی باندی حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں دیدی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے ہم بستری کی اس باندی کا نام جیسے کہ گزرا زلفی تھا اس سے بھی دو لڑکے "جاذ" اور "اشیر" پیدا ہوئے پھر لیا سے بھی پانچواں لڑکا ہوا اس کا نام اس نے "ایساخر" رکھا، پھر لیا کو چھٹا بچہ ہوا جس کا نام زابلون رکھا پھر حمل ہوا تو اس حمل سے ایک بیٹی جنم دی جس کا نام "دینہ" رکھا تو اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی لیا سے سات اولاد ہو گئیں۔

پھر یہ سب کچھ دیکھ کر "راحیل" کے دل میں ہوس اور بے چینی اور پریشانی تھی اور بڑی لجاجت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اس کو بھی کوئی فرزند عطا ہو تو اللہ نے ان کی ندا سن لی اور اس کو قبول فرمایا اور اللہ کے نبی یعقوب سے یہ بامید ہو گئیں اور ایک عظیم شریف، خوبصورت حسین ایسا لڑکا جنم دیا جو پہلے سب سے فوقیت لے گیا جو حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

اور تمام اولاد حران میں ہوئی، اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کی بکریاں چراتے تھے اور شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی انھوں نے چھ سال بکریاں چرائیں اس طرح وہاں ان کی اقامت بیس سال ہوئی، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے اجازت طلب کی تاکہ وہ اپنے اہل کی طرف واپس جائیں تو ماموں نے کہا تیری وجہ سے مجھے بہت برکت دی گئی ہے لہذا میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا ہر وہ بکری جو اس سال پیدا ہو گی اور وہ سفید اور سیاہ دھبوں والی رنگ کی ہو وہ دیدیں اور ہر ایک بکری جو حاملہ ہو اور اس کی سفیدی سیاہی سے ملی ہوئی ہو وہ دیدیں اور ہر وہ بکری جس کی سیاہی سفیدی سے ملی ہو وہ دیدیں اور بغیر سینگ والے بکرے بھی تو ماموں نے کہا ٹھیک ہے، پھر ان کے لڑکوں نے ریوڑوں میں ایسی ایسی بکریوں کو جدا کیا اور ایسے بکروں کو بھی ان کے ساتھ ملایا اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام آل اولاد کے ساتھ ان مال مویشیوں کو لے کر چلے اور تین دن تک چلے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اخروٹ اور بادام کے درخت کی لکڑی لی اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکریوں کی پانی کی جگہ پر گاڑ دیے تا کہ بکریاں ان کی طرف دیکھیں تو گھبرائیں اور حرکت کریں جس سے ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کے رنگ بھی اسی طرح ہو جائیں۔ اور یہ معجزات کی قسم سے ہے اور خوارق عادات میں سے ہے۔

تو الغرض پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بہت سی بکریاں اور دوسرے جانور اور غلام ہو گئے اور ان کے ماموں اور اس کی اولاد کا رویہ بھی ان کے ساتھ اور اچھا ہو گیا، پھر یعقوب علیہ السلام کو خدا کی طرف سے وحی ملی کہ اپنے گھر یعنی ماں باپ کی طرف وطن، اور وعدہ فرمایا کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے ماموں کو ذکر کی جو ساتھ ساتھ تھے تو انھوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور یہ اپنے اہل و عیال اور مال کو لے کر چل دیے، لیکن راحیل نے اپنے والد کے بتوں کو چرا لیا، پھر جب یہ قافلہ شہر سے نکل چکا تو لابان ان کو ملا، اور ساتھ میں اس کی قوم بھی تھی اور لابان (ماموں) یعقوب علیہ السلام سے ملا تو یعقوب علیہ السلام کو سرزنش کی کہ بغیر ہمارے علم کے جلدی کیوں آ گئے؟ اور ہمیں چلتے وقت کیوں نہیں بتایا تاکہ ہم خوشی اور سرور کے ساتھ طبل اور شور اور گانے بجانے کے ساتھ تم کو رخصت کرتے اور اس طرح اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو الوداع کہتے اور یہ قافلہ اپنے ساتھ لابان کے بتوں کو لے جا رہا ہے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتوں کا کوئی علم نہ تھا تو لابان اپنی بیٹیوں اور باندیوں کے خیمے میں داخل ہوئے اور تلاش کی لیکن کچھ نہ نکلا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار کیا کہ انھوں نے کچھ نہیں لیا، اور حضرت راحیل نے ان کو اپنے اونٹ کے اوپر کے پالان اور کپڑے کے نیچے رکھ دیا تھا اور خود اوپر تشریف فرما تھیں اور اپنی جگہ سے کھڑی نہ ہوئیں اور عذر کر دیا کہ وہ بیمار ہیں الغرض

وہاں تک ان کو حاصل نہ کر سکا۔

پھر وہاں قریب ہی ایک جلعاد نامی ٹیلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اور لابان کے درمیان معاہدہ ہوا کہ وہ ان کی بیٹیوں کو ذلت و اہانت میں نہ ڈالے گا اور ان پر کسی اور عورت سے شادی نہ کرے گا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اور لابان اسی جگہ رہے۔

پھر دونوں نے دعوت کی اور تمام قوم نے کھانا کھایا اور ہر ایک نے دوسرے کو الوداع کیا اور تمام اپنے اپنے علاقوں کی طرف چل دیئے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام جب سرزمین "ساعیر" کے قریب پہنچے تو آپ کے پاس ملائکہ آئے اور انہوں نے آپ کو مرحبا کہا۔ آنے کی خوشخبری دی۔ پھر آپ نے "برید" کو اپنے بھائی "عیص" کے پاس بھیجا تاکہ جا کر ان کو نرم کریں اور ان کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آئیں کہ ان سے معذرت کریں۔ لیکن پھر وہ واپس آیا اور خبر دی کہ "عیص" تو چار سو مردوں کے ساتھ آپ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ خبر سنکر خوفزدہ ہو گئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نماز ادا کی اور پھر دعا فرمائی۔ اور اللہ کے سامنے اپنے وعدے کو یاد کیا جو اللہ عزوجل نے آپ سے کیا تھا گڑگڑا کر دعا کی اور سوال کیا کہ اس سے اس کے بھائی کے شر کو دور کر دیں۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لئے عظیم ہدیہ تحفہ تیار کیا۔ وہ تحفہ ان چیزوں پر مشتمل تھا دو سو بکریاں، بیس بکرے، دو سو بھیڑیں اور بیس مینڈھے تیس دودھ دینے والی اونٹنیاں چالیس گائیں دس بیل بیس گدھیاں اور دس گدھے۔

اور پھر اپنے غلاموں کو حکم فرمایا کہ ہر ایک نوع (صنف) بھی بکریوں کو علیحدہ بھیڑوں کو علیحدہ کر کے ساتھ ان کو ہانک کر چلے اور ہر دو ریوڑوں کے درمیان مسافت ہو، جس کو عیص ملے اور پوچھے کہ تم کون ہو اور یہ کس کا مال ہے؟ تو وہ جواب دے کہ تیرے غلام یعقوب کا ہے۔ جو اس نے بطور تحفے کے میرے سردار عیص کی خدمت میں دیئے ہیں اسی طرح بعد والا پھر اس کے بعد والا الغرض سب یہی کہیں۔ اور ہر ایک یہی کہے کہ یعقوب علیہ السلام خود ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں اور دونوں باندیوں اور اپنے گیارہ فرزندوں کے ساتھ ان سب ریوڑوں سے دو رات بعد کی مسافت پر ہو گئے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام تمام اسی طرح سارا سارا ہو گئے رات کو چلتے دن کو پڑاؤ کرتے پھر جب رات کے بعد فجر کا وقت ہوا تو ایک فرشتہ انسانی شکل میں آپ کے سامنے آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس کو انسان سمجھ کر اس کے پاس آئے اور اس کو پچھاڑ لیا اور غلبہ پالیا مگر فرشتے نے ضرب لگایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک ٹانگ میں لنگ ہو گیا۔ پھر جب صبح روشن ہوئی تو فرشتے نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ کہا یعقوب علیہ السلام۔ فرشتے نے کہا آج کے بعد اسرائیل کے علاوہ کسی اور نام سے پکارا جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت اسرائیل نے پوچھا تو کون ہے؟ تو وہ چلا گیا پھر حضرت یعقوب اسرائیل کو پتہ چلا کہ وہ فرشتہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبح کی اس طرح کہ آپ لنگڑا کر چل رہے تھے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل عرق النسا نہیں کھاتے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی نگاہ اٹھا کر دور سے دیکھا تو دیکھا کہ عیص چار سو آدمیوں کے ساتھ آ رہا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام بڑھ کر ان کی خدمت میں پہنچے اور اپنے بھائی عیص کو دیکھ کر سات مرتبہ ان کو سجدہ کیا۔ اور یہ اس زمانے میں ان کا سلام تھا۔ اور ان کے ہاں مشروع تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ بھی اسی طرح کا تھا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے کیا تھا پھر عیص نے اپنے بھائی یعقوب علیہ السلام کو دیکھا تو ان پر رحم آ گیا اور آگے بڑھ کر گلے لگایا، بوسہ دیا اور رو پڑے۔ پھر عیص نے نظر اٹھائی تو بچوں اور عورتوں کو دیکھ کر پوچھا یہ کون تیرے ساتھ کہاں سے آپ کے پاس آئے؟ کہا یہ اللہ نے تیرے غلام کو ہبہ کئے ہیں۔

پھر دونوں باندیاں آگے بڑھیں انہوں نے عیص کو سجدہ کیا۔ پھر بڑی بیوی "لیا" آگے بڑھی اور عیص کو سجدہ کیا اور اس کے بیٹوں نے بھی سجدہ کیا پھر راحیل اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام آگے بڑھے اور سجدے میں گر پڑے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بڑے بھائی کی خدمت میں التجا کی کہ ان کا ہدیہ قبول کریں اور خوب اصرار کیا تو بالآخر عیص نے ہدیہ قبول کر لیا اور عیص اس کے بعد واپس ہو گئے اور آگے آگے چل دیا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اپنے اہل و عیال کے اور ریوڑ کے ساتھ شہر سوکت

بالوں وغیرہ تھے سب لنگر گاہ پہنچ گئے اور اونٹ اور ساعیر کے پہاڑوں تک پہنچا تو پھر جب ساعور کے پاس سے گزر رہے تھے تو ایک گھر بنایا اور وہاں سایہ کیا۔ پھر یہ شخیم کے پاس ایک بستی پر سے گزر ہوا تو اس بستی سے پہلے ہی ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر ٹھہر گئے اور ایک کھیت کو بنی حمور کی زمین سو بکریوں کے بدلے خرید لیا۔ اور وہاں خیمہ ان لوگوں نے نصب کیا اور وہاں ایک جگہ مذبح خانہ بنایا اور اس کا نام ایل رکھا۔ یعنی اسرائیل کا الٰہ اور اللہ نے ان کو حکم دیا کہ یہاں ایک مسند بنا لیں تا کہ یہاں سے عبادت کا نام بلند ہو۔ اور یہ وہی پتھر والی جگہ ہے۔ جس پتھر پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جاتے وقت تیل ڈالا تھا جیسے کہ گزر گیا۔

اور یہاں اہل کتاب نے یعقوب علیہ السلام کی بیٹی دینا کا ایک قصہ ذکر کیا ہے جو لیا کی بیوی سے تھی۔

وہ یہ کہ شخیم بن حمور اس لڑکی کو جبراً اپنے گھر لے گیا اور اس نے اس کے باپ اور بھائیوں کو پیغام نکاح دیا تو دینا کے بھائیوں نے کہا اگر تم ہماری بات مان لو گے بایں طور کہ تم سب ختنہ کرا لو۔ پھر ہماری تمہاری آپس میں رشتہ داریاں بھی چل پڑیں گی۔ کیونکہ ہم غیر مختون قوم سے رشتے داریاں نہیں کرتے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں تمام نے ختنہ کرا لیا پھر جب تیسرا روز ہوا تو ان کو ختنہ سے سخت تکلیف پہنچی تو آل یعقوب نے تمام کو قتل کر دیا حتی کہ شخیم اور اس کے باپ حمور کو بھی قتل کر دیا۔ کیونکہ ایسا تو انہوں نے غیرت کی بنا پر کیا اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ لوگ کافر تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

اس وجہ سے آل یعقوب نے ان کو قتل بھی کیا اور ان کے اموال بھی بطور غنیمت کے حاصل کر لیے۔

پھر راحیل جو یوسف علیہ السلام کی والدہ تھیں ان کو حمل ہوا تو ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا بنیامین مگر اس بچے کی پیدائش کی تکلیف میں ہی حضرت راحیل کی وفات ہو گئی اور یعقوب علیہ السلام نے ان کو افرات میں جو بیت لحم کا علاقہ ہے دفن کر دیا اور ان کی قبر پر بطور نشانی کے ایک پتھر رکھ دیا جو آج تک راحیل کی قبر پر ہے اور یعقوب کی اس طرح ذکر ہوتا ہے بارہ ہو گئی یا چکی ہے روبیل، شمعون، لاوی، یہوذا، ایسا خر، زبولون اور "راحیل" سے یوسف اور بنیامین۔ اور راحیل کی باندی سے دان اور نفتالی اور لیا کی باندی سے جاد اور آشیر علیہم السلام۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس آئے اور حبرون کی بستی میں اقامت پذیر ہو گئے جو سرزمین کنعان میں ہے۔ وہاں پر ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام بیمار ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر مبارک میں وفات پا گئے اور ان کو ان کے دونوں فرزند عیص اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے والد ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے پاس اس جگہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے خرید لی تھی۔

حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں جو عجائبات پیش آئے ان کا ذکر جن میں عظیم واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے قصوں کے بارے میں پوری ایک سورت قرآن عظیم کے اندر بیان فرمائی ہے۔ تاکہ اس میں موجود حکمتیں، نصیحتیں، آداب و احکام کے اندر غور و فکر کیا جائے۔

(اب یہاں سے مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۂ یوسف کی تقریباً ایک ایک آیت کو ساتھ ساتھ بیان کریں گے اور چونکہ تمام قصہ انہی آیات کی روشنی میں ہے لہٰذا ساتھ ساتھ تفسیر اور قصے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے چلیں گے۔ چند آیات کے ہونے کے بعد ترجمہ ذکر کرتا رہے گا۔ مترجم۔۔۔)

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

میں پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

الر تلک ایت الکتب المبین

ترجمہ: ۔۔۔ الر۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک بہت اچھا (عمدہ) قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔ [1]

"الر" یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور ان کے بارے میں سورۂ بقرہ کے شروع میں اجمالی تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ جو ان کی تحقیق چاہتا ہو وہاں رجوع فرمالے۔ اور اس سورت پر بھی اپنی تفسیر میں کافی قدر ذکر کر چکے ہیں لہٰذا یہاں بھی قصے کو لاتے ہوئے تفسیر بیان کرتے چلیں گے اس مقام میں تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کی مدح و تعریف کر رہا ہے جس کو اللہ نے اپنے بندے اور رسول کریم ﷺ پر فصیح عربی زبان میں، اشرف الملائکہ کے ذریعے اشرف الاعلیٰ زمانے میں اور اشرف مکان میں اپنے بندوں سے اشرف و اعلیٰ بندے پر نازل کیا ہے۔

لہٰذا اسی وجہ سے ماضی کے اور مستقبل کے امور اور مفید ذکر، اور نافع عبرت قصوں اور باتوں کو ذکر کیا اور جن چیزوں میں لوگوں کا اختلاف تھا ان میں حق کو ظاہر کیا، باطل کو مٹایا اور اس کو پست و ذلیل کیا۔

اور یہ کتاب اپنی قصص و امثال پر بس نہیں ہے بلکہ امر و نہی اور تشریع و حکمت میں بھی سب شریعتوں میں سب سے عادل اور سب راستوں میں جامع راستے اور معتدل و کامل کتاب ہے۔ جیسے کہ اس کتاب میں حق نے فرمایا

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا [2]

اور تیرے رب کا حکم سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔

---

[1] سورۂ یوسف آیات ۳۔ [2] (انعام) ۱۱۵

یعنی اخبار میں سچ ہے اور اوامر و نواہی میں عدل ہے۔

اسی وجہ سے سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا: (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، تمہیں ایک بہت اچھا (اور عمدہ) قصہ سناتے ہیں۔ اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

یعنی پہلے جو کچھ وحی کیا گیا اس میں اس کے متعلق کچھ ذکر نہ تھا۔ اور یا ایسے ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ نے اپنے نبی کو یوں خطاب فرمایا۔ فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس (جبرائیل) کے ذریعے (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔ لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے۔

تاکہ ہم اس سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور (اے محمد) بے شک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ دیکھو سب کام خدا کی طرف لوٹیں گے (اور وہی ان پر فیصلہ فرمائے گا)۔ (۱)

اسی طرح کا خطاب سورۃ طٰہٰ کے اندر بھی فرمایا۔ (فرمایا کہ) اسی طرح ہم پہلے جو گذر چکا ان کے قصے بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے آپ کو اپنی طرف سے (قرآن) عطا فرمایا ہے۔ جو اس پر اعتراض کرے گا وہ قیامت کے دن (اس گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ہے وہ بوجھ جو وہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

یعنی جو شخص اس قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتب کو اپنائے گا وہ اس عظیم گناہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا اور اسی مضمون کی حدیث وہ ہے جو مسند اور ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ہدایت کو اس (قرآن) کے علاوہ میں تلاش کیا اللہ اس کو گمراہ کرے گا۔

(۲) اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو ان کو کسی اہل کتاب سے ملی تھی اور اس کو حضور ﷺ کے سامنے پڑھا تو حضور ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اس میں حیران (اور گرویدہ) ہو رہے ہو؟ مجھے اس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے میں جو تمہارے پاس لایا ہوں وہ بیضاء نقیۃ (یعنی سفید اور صاف ستھری چیز) ہے تم ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کا سوال نہ کرو کہیں وہ حق بتلائیں تو تم تکذیب کرو اور اگر وہ جھوٹ بتائیں تو تم اس کی تصدیق کرو۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا ــــ اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور امام احمد ہی نے یہ روایت ایک دوسرے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ذکر کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں موسیٰ ہوتے اور تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ تم تمام امتوں میں زیادہ حصہ پانے والے ہو اور میں تمام نبیوں میں سب سے زیادہ حصہ پانے والا ہوں۔

(۳) اور ایک حدیث میں اپنے خطبے میں فرمایا: اے لوگو! مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور میرے لئے (بڑے بڑے کلام کو) مختصر کر دیا گیا ہے اور میں تمہارے پاس سفید صاف ستھری چیز لایا ہوں لہٰذا (دوسری طرف گرویدہ مت ہو اور) حیرانی میں مت پڑو اور تم کو حیرانی میں پڑنے والے دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس صحیفے کے مٹانے کا حکم فرمایا اور وہ حرفاً حرفاً مٹا دیا گیا۔

(یہ تمام احادیث اور تفصیل اس غرض سے بیان ہوئیں کہ انبیاء کے قصے اور دوسری طرح طرح کی باتیں اہل کتاب سے معتبر نہیں ہیں بلکہ قرآن میں بالکل حق و سچ بیان کر دیا گیا ہے اس کو پڑھنا چاہئے لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی اسی طرح سچ اور حق ہے۔ جس کی طرف ہم لوٹتے ہیں۔ م)

قصۂ یوسف علیہ السلام کی ابتداء:ــــ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے

---

(۱) الشوریٰ ۵۲،۵۳ (۲) وقال الامام احمد حدثنا سریج بن النعمان، حدثنا هشيم انبانا خالد عن الشعبي عن جابر

(۳) وقد وردت طرق هذا الحديث والفاظه في اول سورة يوسف وفي بعضها

بھائیوں سے ذکر نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح خدا تمہیں برگزیدہ کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تم پر اور آل یعقوب پر مکمل کرے گا جس طرح کہ تمہارے دادا پردادا ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق پر پہلے پوری کی تھی۔ بے شک تمہارا پروردگار جاننے والا اور حکمت والا ہے۔(۱)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے اور ان کے نام گذر چکے ہیں اور تمام بنی اسرائیل انہی بارہ کی طرف منسوب ہے اور ان کی اولاد میں ان میں سب سے اشرف اور اعظم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

اور علماء کے مطابق ان بارہ میں پیغمبر صرف حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور کسی کی طرف وحی نہیں کی گئی اور قصے میں ان کے اقوال افعال بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بھی نبی تھے اور دلیل یہ دی ہے کہ اللہ کا فرمان ہے (آل عمران) کہو ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف بھیجا گیا اور اس پر جو ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیا ان تمام پر ایمان لائے۔(۲)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے اولاد یعقوب اور اس کے لئے "اسباط" کا لفظ استعمال فرمایا اور اس سے کل افراد مراد ہوتے ہیں لہذا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری اولاد کو بھی شامل ہے۔

تو جان لینا چاہئے کہ اس کا استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ اسباط سے مراد بنی اسرائیل کی تمام جماعتیں ہیں جن میں جو بھی انبیاء آتے رہیں گے وہ مراد ہیں واللہ اعلم۔

اور ہماری بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے متعلق تصریح نبوت نہیں کی گئی ہے۔

اور حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔(۳) مسند احمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔(۴) (تو یہاں بھی صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے)

مفسرین وغیرہ فرماتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت سے پہلے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ (گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائی اور سورج و چاند سے ماں باپ مراد ہیں۔) حضرت یوسف علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ بیدار ہوئے تو یہ قصہ اپنے والد محترم کی خدمت میں گوش گذار کیا تو والد نے جان لیا کہ یوسف دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ اور عظمت و شرافت پائے گا حتی کہ اس کے ماں باپ بھی ان کے لئے عاجزی کریں گے۔

تو باپ نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس بات کو چھپا کر رکھے اور اپنے بھائیوں کو ہرگز نہ بتائے کہ کہیں وہ حسد میں مبتلا ہوں۔ پھر اس کے لئے مکر و فریب کا جال بچھائیں۔

تو یہ بات بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ بقیہ بھائی نبوت سے متصف نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے بعض بزرگوں کے اقوال میں ایک یہ قول ذکر ہوا ہے کہ اپنے کاموں کی ترقی و تکمیل کے لئے ان کو چھپاؤ کیونکہ نعمت والے سے لوگ حسد میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ قصہ اپنے والد اور اپنے بھائیوں کو سنایا لیکن ان کا یہ قول بالکل غلط بات ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں اور اسی خواب کی روشنی میں پیشین گوئی کر رہے ہیں کہ "تیرا رب تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور تجھ کو لطف و محبت کی کئی انواع کے ساتھ خاص کرے گا۔" "اور کلام کے معانی اور خوابوں کی تعبیر آپ کو سکھلائے گا جو کسی کو عطا نہ کی ہوگی۔" "اور تجھ پر اپنی نعمت تام کرے گا" یعنی وحی کا سلسلہ کر کے تو پیغمبروں میں سے ہوگا اور دنیا و آخرت کی کامیابی تجھ کو ملے گی۔" "جیسے تیرے دادا اسحاق اور تیرے پردادا

---

(۱) سورۃ یوسف ۴۔۶ (۲) سورۃ آل عمران ۸۴

(۳) قال الامام احمد حدثنا عبدالصمد حدثنا عبدالرحمن عن عبدالله بن دينار عن ابيه عن ابن عمر ... الخ

(۴) انفرد به البخاري فرواه عن عبد الله بن محمد وعبدة عن عبدالصمد بن عبدالوارث به وقد ذكرنا طرقه في قصة ابراهيم بما اغنى عن اعادته هنا

ابراہیم پر بھی اپنی نعمتیں مکمل فرمائیں۔" یعنی آپ پر اللہ تعالیٰ کی بارش اور نبوت کے فیض اسی طرح جاری ہوں گے جیسے آپ کے دادا اور پردادا پر ہوئے۔" بے شک تیرا رب علم و حکمت والا ہے۔"

اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

اللہ جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (۱)

اسی وجہ سے جب رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے باعزت کون ہے؟

فرمایا یوسف جو نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

(۲) تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم اور مسند ابویعلیٰ اور مسند بزار میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کو بستانہ الیہودی کہا جاتا تھا اس نے عرض کیا اے محمد مجھے ان ستاروں کے نام بتلایئے جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا؟

تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اور پھر حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور نام بتا گئے پھر حضور ﷺ نے اس یہودی کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور اس سے دریافت فرمایا کہ اگر میں یہ نام بتلا دوں تو کیا تو ایمان لے آئے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں حضور ﷺ نے فرمایا سنو یہ ہیں جربان، طارق، ذیال، ذوالکتفان، قابس، وثاب، عمودان، فلیق، مصبح، ضروح، ذوالفرع، ضیاء، نور۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم یہی نام ہیں۔

ابو یعلیٰ کے نزدیک ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے قصہ بیان کیا تو والد نے فرمایا یہ متفرق امر ہے اللہ اس کو جمع فرمائے گا اور سورج سے مراد باپ ہے اور چاند سے مراد ماں ہے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہاں یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) بات کی کہ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور لوگوں کی) جماعت ہیں بے شک ابا صریح غلطی پر ہیں۔ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال (کر اور کسی ملک میں) لے جائے گا اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو)۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اس قصے میں حکمتیں اور عبرت کے نشانات بیان فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی اس کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے بھائی یوسف پر حسد بیان فرماتے ہیں کہ انہیں اور ان کے دوسرے بھائی بنیامین سے والد کی زیادہ محبت کیوں ہے؟ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی باپ شریک بھائی تھے یعنی والد کی طرف سے سگے بھائی صرف بنیامین تھے باقی سب دوسری بیویوں سے تھے اور تعداد میں زیادہ تھے اور ایک جماعت تھے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم زیادہ ہیں اور ہم محبت کے زیادہ حقدار ہیں اور والد صاحب غلطی کر رہے ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے مشورہ کیا کہ کس طرح یوسف کو قتل کیا جائے یا کسی دور دراز زمین میں پہنچا دیا جائے تاکہ اس کی شکل نہ دیکھ سکیں۔ اور اس طرح باپ کی ساری توجہ اور شفقت ہماری طرف ہو جائے گی۔ اور پھر بعد میں توبہ کر لیں گے اور صالح ہو جائیں گے۔

پھر اس دوسری بات پر سب متفق ہو گئے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا مجاہد کہتے ہیں یہ شمعون تھے سدی کہتے ہیں یہ یہودا تھا اور قتادہ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ سب سے بڑا بھائی روبیل تھا۔ تو اس نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ چلتا قافلہ اسے نکال لے جائے۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو یہی کر لو۔ کیونکہ یہ طریقہ قتل سے کم تر ہے کہ قتل سے بچ بھی جاؤ گے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا کہ کوئی قافلہ اسے دوسرے ملک لے جائے گا۔ تو سب اس پر متفق ہو گئے پھر انہوں نے

---

(۱) الانعام ۱۲۴

(۲) اخرجه ابن جریر وابن ابی حاتم فی تفسیرهما وابو یعلی والبزار فی مسنده جمیعاً من حدیث الحکم بن ظهیر وقد ضعفه الائمة، عن السدی عن عبدالرحمن بن سابط عن جابر قال...

(۳) یوسف ۸-۱۰

نے اپنے والد کو کہا۔ قرآن فرماتا ہے

"بیٹے کہنے لگے ابا جان کیا بات ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں؟ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ بات مجھے غمناک کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ (کبھی جنگل میں) اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔"[1]

اس طرح انہوں نے باپ سے درخواست کی کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے ظاہر یہ کیا کہ وہ ان کو کھیل کود اور کھانے پینے میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے دل میں تھا اس کو چھپائے رکھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ بیٹا جب تم اس کو لے جاتے ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس سے ایک گھڑی کی جدائی بھی مجھ پر گراں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم کھیل کود میں مشغول ہو جاؤ اور بھیڑیا آ کر اس کو اٹھا لے جائے اور یہ بچہ ہے اپنا دفاع نہ کر سکے اور تم کو اس کا پتہ بھی نہ ہو۔

تو بھائی کہنے لگے کہ ہم طاقتور جماعت ہیں اور ہماری موجودگی میں اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بڑے خسارے والے ہو گئے یعنی اگر اس پر بھیڑیا حملہ کر دے تو ہم کیسے ہو سکتے ہیں کہ ہم تو طاقتور جماعت ہیں۔ پھر تو ہم اس وقت کسی کام کے نہ رہے اور ہم خسارے والے ہو جائیں گے اور عاجز و کمزور شمار ہوں گے اور اہل کتاب کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ پیچھے روانہ کیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام راستہ بھول کر بھٹک گئے یہاں تک کہ ایک آدمی نے ان کو بھائیوں تک پہنچا دیا۔

لیکن یہ بیان کی صراحت غلطی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا یہ قول غلط ہے اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام تو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے پھر تنہا بھیجنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں کہ اکیلا بھیج دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آگے خدا تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

"غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک) وقت (ایسا) آئے گا کہ تم ان کے اس سلوک سے ان کو آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔ (یہ حرکت کر کے) وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ (اور) کہنے لگے ابا جان! ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کو گو ہم سچ ہی کہتے ہوں باور نہیں کریں گے۔ اور ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا (کہ حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم اپنے دل سے یہ بات بنا لائے ہو۔ اچھا صبر (کہ وہی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مطلوب ہے۔"[2]

تو سب بھائی اپنے والد سے اصرار کرتے رہے کہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیج دیا جائے تو آخر کار باپ نے بھیج دیا تو جیسے ہی وہ باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو برا بھلا کہنا اور تکلیف دینا شروع کر دیا اور ان کو کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا گیا اور کنویں میں ایک پتھر تھا جس پر بیٹھا جا سکتا تھا جب پانی کم ہو جائے تو اس پر کوئی بیٹھ سکے اور اس میں پانی بھرا جاتا تھا۔ تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کنویں میں پھینک دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ جس تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہیں اس سے آپ کو نجات ملے گی اور ایک وقت آئے گا کہ آپ اپنے بھائیوں کو ان کی ان حرکتوں کی خبر دیں گے اور ان کو احساس تک نہ ہو گا کہ آپ یوسف ہیں اور وہ سب آپ کے سامنے شرمندہ ہوں گے اور آپ سے معذرت خواہ ہوں گے۔

حضرت مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو پتہ نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو ان کی حرکت کی خبر دیں گے اور وہ آپ کو پہچانتے نہیں ہوں گے

---

[1] یوسف: ۱۱ تا ۱۴ [2] یوسف: ۱۵ تا ۱۸

اس کو روایت فرمایا ہے۔

پھر جب بھائی کنویں میں رکھ کر لوٹ گئے تو اس کی قمیص لے کر کسی خون میں لت پت کی۔ اور رات کو عشاء کے وقت روتے دھوتے اپنے والد کے پاس پہنچے۔ اسی وجہ سے بزرگ کہتے ہیں کہ کسی کا رونا دھونا تم کو دھوکے میں مبتلا نہ کر دے کیونکہ بہت سے ظالم (ظلم کرتے ہیں اور پھر) بھی روتے ہیں جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ظلم کر کے بھی روتے ہوئے آئے۔ اور یہ رات کی تاریکی میں آئے تھے تا کہ رات کی تاریکی میں انکا دھوکہ فریب چل سکے اور آ کر کہا: اے ابا جان ہم دوڑ میں مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس بٹھلا کر گئے تھے تو ان کو ہماری بے خبری میں بھیڑیئے نے کھالیا اور اگر ہم سچے بھی ہوں تب بھی آپ ہماری باتوں پر یقین نہ کریں گے کہ واقعی بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو کھا گیا ہے۔ اگرچہ ہم آپکے نزدیک بھی اس سے پاک ہیں کہ ہم نے کوئی نقصان اس کو پہنچایا ہو۔ اور یہ بات انہوں نے اسوجہ سے کہی تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے اس خطرے کے پیش نظر ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ کہیں بھیڑیا اس کو نہ کھا جائے تو پھر انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ایسا [illegible] گا۔ تو اب بالکل ظاہر ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے کیونکہ اس کی پہلے آپکو تصدیق ہو چکی ہے لہٰذا ہم آپکو معذور سمجھتے ہیں کہ آپ ہم کو متہم قرار دیں گے ہی۔

اور بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو خون میں آلودہ کر کے ساتھ لائے تھے جو جھوٹا خون تھا انہوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا تھا پھر اس کا خون لے کر اس کے کپڑوں پر ڈال دیا تھا تاکہ والد کو وہم میں ڈال دیں کہ واقعی اس کو بھیڑیا کھا چکا ہے۔ لیکن وہ اس کو پھاڑنا بھول گئے۔ جس سے معلوم ہو کہ بھیڑیئے نے ان کو زخمی کیا ہے۔ "اور جھوٹ کی آفت بھول ہوتی ہے" تو پھر وہاں والد کے پاس جب اسی وجہ سے، اور دوسری علامات سے شکوک والی باتیں سامنے آ گئیں تو انکا دھوکہ نہ چل سکا۔ کیونکہ وہ ان کی اپنے بھائی یوسف علیہ السلام سے عداوت و دشمنی کو جانتے تھے کہ انہوں نے دوسروں سے زیادہ اس بیٹے سے دل لگا کر رکھا ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں علامات اور نشانیوں سے پتہ چل چکا تھا کہ اللہ ان کو اپنی نبوت کے لئے اور اس سلسلے کو ان کی اولاد میں جاری رکھنے کے لئے انہی کو منتخب فرمائے گا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اصل حقیقت کا علامات سے علم ہو گیا کہ بھائیوں نے اپنے حسد و عداوت کی آگ کو ان سے بجھایا ہے لہٰذا کہا۔ قرآن میں ہے۔

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے چال چلی ہے بس صبر ہی بہتر ہے اور اللہ سے مدد طلب ہے اس پر جو تم کہہ رہے ہو۔

اہل کتاب کے ہاں مذکور ہے کہ روبیل جو سب سے بڑا بھائی تھا اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا تھا کہ وہ بعد میں ان کو نکال لے گا اور اپنے والد کے پاس پہنچا دے گا۔ پھر جب سب واپس ہو گئے تو روبیل کی بے خبری میں دوسرے سب بھائیوں نے ان کو قافلے کے ہاتھوں فروخت کر دیا پھر شام کو روبیل آیا اور کنویں میں بھائی کو نہ پایا تو چیخ پڑا پھر بھائیوں نے کرتے کو بکری کے بچے کے خون میں آلودہ کر کے یعقوب علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کافی عرصہ تک اپنے لخت جگر پر غمناک رہے۔

لیکن اہل کتاب سے اس قصے کو بیان کرنے میں بہت خطاء وغلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور (اب خدائی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب) ایک قافلہ آیا اور انہوں نے پانی کے لئے اپنا سقہ بھیج دیا۔ اس نے کنویں میں اپنا ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔ وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپالیا۔ اور وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کو سب معلوم تھا۔ اور اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے (جس کا نام زلیخا تھا) کہا اس کو عزت واکرام کے ساتھ رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائیں۔ اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۱)

جب ان کو کنویں کی اتھاہ گہرائیوں میں ظلم و ستم سے ڈال دیا گیا تو یہ بیٹھے کسی خدائی نصرت اور کرشمے کے منتظر تھے۔ تو اللہ کے فضل سے ایک

---

(۱) سورۂ یوسف ۱۹ تا ۲۲

قافلے کا وہاں سے گزر ہوا جو مسافر تھا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ قافلہ تاجروں کا تھا جو شام سے پستہ خرما اور بطم کا تیل لے کر مصر کو جا رہے تھے۔ جاتے میں پڑاؤ ڈالا اور اپنے پانی لینے والے کو جس کو سقہ کہا جاتا ہے کنویں سے پانی لینے کے لئے بھیجا تو جب اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔

آدمی نے ڈول کھینچ کر باہر نکالا اور پانی کے بجائے ایک انتہائی حسین بچے پر جیسے ہی نظر پڑی تو خوشی سے پکار اٹھا "یا بشریٰ" (واہ خوشخبری) "ھذا غلام" یہ (انتہائی حسین) بچہ ہے اور اس کو بھی تجارتی سامان کی طرح چھپا لیا اور یہ پانی لینے والے اصل میں کئی تھے تو انہوں نے بھی جا کر یہ ظاہر کیا کہ یہ ہم نے خود کنویں کے آس پاس لوگوں سے خریدا ہے تا کہ وہ کہیں اپنا حصہ نہ شامل کریں۔ اور اللہ جو کچھ وہ کر رہے تھے سب جانتا تھا۔ یعنی بھائیوں کی سرگرمی اسے بھی کا اور اس کو کنویں سے نکالنے والے کا اس کو مال بنا کر چھپا لینے کا تمام چیزوں کو اللہ پاک اپنی حکمت کے پردے میں دیکھ رہے تھے اور اس میں خدائی راز پوشیدہ تھا اور آنے والے وقتوں کے لئے ان کو حصول بحول و ترقی پر لا عروج کرانا مقصود تھا۔ اور یہ اہل مصر کے لئے سراپا رحمت بننے والے تھے کہ یہ خود اپنے بھائیوں کی عداوت کی بھینٹ چڑھ کر ایک کنویں میں ڈالے گئے پھر ایک قافلے کے ہاتھوں غلام کی حیثیت سے بک کر مال بن گئے اسی کو اللہ نے اس وقت کی عظیم حکومت مملکت مصر کی بادشاہی سونپنی تھی۔ اور اللہ نے ان کے لئے اس دنیا و آخرت میں بھلائیوں کا وسیلہ بنانا تھا جن کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تو جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو علم ہوا کہ یہ قافلے نے ان کے بھائی کو لے لیا ہے تو یہ ان کے پاس جا پہنچے اور (یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی بتلانے سے خدشہ لگے ہوئے اور بھائی کے قتل کی لالچ کو ٹھکراتے ہوئے) کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ گیا ہے تو پھر قافلے والوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ لوگ ہم سے اس کو چھین لیں اس لئے وہ ان بھائیوں سے خریدنے پر رضا مند ہو گئے اور پھر ان بھائیوں نے ایک آنے والے وقت کے بادشاہ و پیغمبر کی تھوڑی قیمت لگا کر جانے ہوئے گنتی کے چند سکوں میں فروخت کر دیا جس کو قرآن نے فرمایا: "وشروہ بثمن بخس" کہ انہوں نے اس کو چند درہموں کے بدلے بیچ ڈالا اور وہ بہت تھوڑے سے تھے اور گنتی کے تھے اور قرآن فرماتا ہے کہ اس کے بھائی اس سے بے پرواہ تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، نوف بکالی اور سدی اور قتادہ اور عطیہ العوفی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو بیس درہم میں بیچ ڈالا اور پھر آپس میں دو دو درہم تقسیم کر لئے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بائیس درہموں میں بیچا اور عکرمہ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں چالیس درہم میں بیچا واللہ اعلم۔

پھر فرماتے ہیں کہ اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر سے خریدا تھا اپنی بیوی سے کہا "اکرمی مثواہ" کہ اس کو (یعنی احسان و اکرام کے ساتھ اس سے پیش آؤ) شاید کہ یہ کوئی نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ یہ اللہ کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت بڑا احسان اور انعام و اکرام تھا کہ ایک طرح سے ان کا گھر بھی گھر جیسا ملا اور یہ سب باتیں ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا باعث و سبب بنا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اہل مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کو جس نے خریدا تھا وہ عزیز مصر تھا۔ یعنی مصر کا وزیر مملکت، اور وہی تمام خزانوں اور سلطنت پر حاوی اور حاکم تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا نام اطفیر بن روحیب تھا اور اس وقت کے بادشاہ مصر کا نام ریان بن ولید تھا جو عمالقہ میں سے تھا۔ اور عزیز مصر کی بیوی کا نام راعیل بنت رعائیل تھا اور ایک قول کے مطابق فکا بنت ینوس نام تھا۔ ثعلبی نے ابو ہشام رفاعی سے روایت فرمایا ہے بعض نے ان کا نام "زلیخا" لکھا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کا لقب تھا۔

اور محمد بن اسحاق محمد بن سائب سے اور وہ ابی صالح سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص جو حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لایا اور پھر وہاں فروخت کیا اس کا نام مالک بن ذعر بن بویب بن عنقا بن مدیان بن ابراہیم تھا۔ واللہ اعلم۔

اور ابن اسحاق ابو عبیدہ سے مروی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فراست و ذہانت والے تین شخص گزرے ہیں ایک عزیز مصر جب اس نے اپنی بیوی کو کہا کہ اس یوسف علیہ السلام کو "اکرمی مثواہ" کہ اچھا ٹھکانہ دو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور وہ لڑکی جس نے اپنے باپ پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام سے عرض کیا اے ابا جان اس (موسیٰ علیہ السلام) کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ جس کو آپ کام پر رکھیں گے ان میں سب سے زیادہ قوی اور امانت دار ہے اور تیسرے شخص ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں

جب انھوں نے اپنے بعد کے لئے خلافت کے واسطے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔

اور عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کتنے میں خریدا؟ تو ایک قول ہے کہ بیس سونے کی اشرفیوں میں خریدا اور ایک قول ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر مشک اور ریشم اور چاندی کے۔ تو صحیح علم وزن کا اللہ کو ہی ہے واللہ اعلم۔

اور فرمایا کہ "ہم نے اسی طرح یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ٹھکانہ دیا"۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کو متعین کر دیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اور عمدگی کے ساتھ پیش آئے تو ہم نے اسی طرح یوسف علیہ السلام کے لئے سرزمین مصر کو اس جگہ کا ٹھکانہ بنا دیا اور فرمایا "تاکہ ہم اس کو باتوں کی تاویل و تعبیر سکھا دیں"۔ یعنی خوابوں کی تعبیر اور سمجھ سکھائی "اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے"۔ یعنی جب اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کے لئے ایسا سبب اور سامان مہیا فرما دیتے ہیں کہ دوسرے بندے اس کی طرف سوچ بھی نہیں سکتے (یہاں بھی دیکھئے کہ کیا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پتہ تھا کہ یہ کہاں کہاں تک ترقی کر جائیں گے؟) اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا "لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں"۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں "اور جب وہ (یوسف) اپنی عمر کی پختگی (یعنی بلوغت) کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور احسان کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں"۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اب تک کی ساری کارروائی حضرت یوسف علیہ السلام کی بلوغت سے پہلے زمانے میں تھی اور یہ عمر یعنی جہاں پہنچ کر نبوت ملی ہے وہ چالیس سال ہے۔

اور بلوغت کی عمر کے بارے میں فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام اس عمر کو پہنچ گئے تو شدت بلوغت کس عمر تک حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے مالک اور ربیعہ اور زید بن اسلم اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جب احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتا ہے اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر میں، ضحاک فرماتے ہیں بیس سال کی عمر میں اور عکرمہ فرماتے ہیں پچیس سال کی عمر میں اور سدی فرماتے ہیں تیس سال کی عمر میں اور ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں تینتیس سال کی عمر میں اور حسن فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں شدت بلوغت تک پہنچ جاتا ہے اور اسی قول کی تائید اس فرمان باری سے ہوتی ہے جہاں فرمایا تھا کہ جب وہ (انسان) خوب جوان ہو جاتا ہے اور چالیس سال کو پہنچ جاتا ہے۔ (احقاف ۱۵)

قصہ یوسف علیہ السلام و زلیخا

اور آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں اور یہاں سے آپ کے ساتھ قصہ شروع ہو جاتا ہے فرمان باری ہے۔

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف علیہ السلام) جلدی آؤ۔ انھوں نے کہا خدا پناہ میں رکھے وہ (تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں انھوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا) بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انھوں نے اس کا قصد کیا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا سو ہوتا) اس طرح اس لئے (کیا گیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روکے رکھیں بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت نے ان کا کرتا پیچھے سے (پکڑ کر کھینچ کر) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا تکلیف کا عذاب دیا جائے۔ (یوسف علیہ السلام نے) کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ (اور) اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کرتا آگے

سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف علیہ السلام جھوٹا ہے اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ جب اسکا کرتا دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا (تب شوہر نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی مکر ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے مکر بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام: چھوڑ اس بات کو اور (اے زلیخا) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک خطا تیری ہی ہے۔[1]

اللہ عزوجل ان آیات میں زلیخا کے حضرت یوسف علیہ السلام کو برے ارادے کے لئے پھسلانے اور بہکانے کو بیان فرماتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حال اور شان اور مقام کے کسی طرح مناسب نہ تھا جبکہ زلیخا انتہائی حسن وجمال اور مال سے آراستہ تھی اور منصب وزارت کی اہلیہ اور عنفوان شباب کے زوروں پر تھی۔ اور اس پر بس نہیں بلکہ زلیخا نے اپنے مقصد کی تکمیل کے خاطر دروازے تک بند کر لئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بن سنور کر اور بھڑکتے لباس سے آراستہ ہو کر تیار ہو گئی اور ان تمام باتوں کے ساتھ ایک بڑی مملکت کے وزیر اور ناظم مالیات کی بیوی ہونے کا شرف بھی ساتھ ہے بالغرض بہت سی باتیں ایسی اکٹھی ہو گئیں کہ ہر انسان اس لمحے دو قدم پر بھٹک سکتا ہے اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ اور علامہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کے بادشاہ ریان بن ولید کی دختر بھی تھی اور ان تمام چیزوں کے ساتھ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام بھی عنفوان شباب کی دہلیز پر تھے اور حسن وجمال تو جو خدا کی طرف سے ملا تھا اس کی صفات بیان نہیں کی جاسکتی تو ہر دو طرف سے ایسے اسباب اور اثرات تھے کہ مبتلا ہونے کا انتہائی خطرہ تھا جبکہ موقع ومحل بھی موزوں تھا کہ دروازے بند اور بالکل تنہائی تھی مگر ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ایک سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ کیا تھی؟

وہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کی لڑی کے موتی تھے۔ تو اللہ عزوجل نے بالکل پاک صاف رکھتے ہوئے ان کو بال بال بچا لیا اور عظیم فحش وبرائی سے محفوظ کر لیا اور عورت کے مکر وفریب سے چھٹکارا عطا فرما دیا۔ کیونکہ یہ سیدوں کے سردار اور شرفاء کے شریف تھے اور اسطرح وہ سات بڑا اعزاز حاصل کرنے والوں میں سے ایک ہو گئے جن کے بارے میں صحیحین کی حدیث میں آرہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سات آدمی ایسے ہیں جنکو اللہ عزوجل اس دن، جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا اپنے سائے میں جگہ دے گا ایک عادل بادشاہ دوسرا وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے پھر اس کی آنکھیں (خوف خدا یا شوق خدا سے) بہہ پڑیں اور وہ شخص جسکا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے اور نکلے تو (اسی کی طرف دل لگا رہے) حتی کہ واپس آئے اور وہ شخص جو ایسے صدقہ کرے کہ اس کو اس طرح خفیہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی کو پروان چڑھے اور وہ شخص جسکو کوئی منصب اور حسن وجمال والی عورت (بدکاری کی طرف) بلائے تو وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

تو زلیخا نے منصب اور حسن جمال کے ہوتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کام کی دعوت دی بلکہ سخت حریص ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے زبردست جواب دیا کہ اس کام سے اللہ کی پناہ ہو، میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں اور جبکہ تیرا شوہر میرا آقا ہے اس نے میرے ساتھ حسن وسلوک کا معاملہ کیا اور میرے ساتھ احسان کیا اور مجھے غربت میں ٹھکانہ دیا تو اب میں اس کے حرم میں اس کی عزت کو رسوا کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تو ایسے لوگوں کو فلاح وکامیاب نہیں کرتا۔

اور خدا کا یہ فرمان کہ عورت نے اسکا ارادہ کیا اور اس نے عورت کا ارادہ کیا اس کے بارے میں تفصیلی ذکر اپنی تفسیر میں کر آئے ہیں جو انتہائی کافی اور قانع ہے۔

اور اس مقام پر اکثر اقوال اہل کتاب سے نقل کئے گئے ہیں جنکو ترک کرنا ہمارے لئے ذکر کرنے سے بہتر ہے۔

اور جس بات کا اعتقاد اور خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اچھی طرح بالکل محفوظ رکھا اور اس فحش کام سے پاک رکھا اور عورت کے مکر وفریب سے بچا رکھا اور نبوت ورسالت کی چادر کو داغ دھبے سے پاک صاف اور اجلا رکھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اسی طرح ہم نے اس سے برائی اور فحش (کام) کو پھیر دیا اور بے شک وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھے۔

اور یہ فرمایا: کہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ اسکا مطلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تو دروازے سے نکل جانے کی خاطر اور اس

---

(۱) یوسف ۲۳۔۲۹

سے حفاظت کی خاطر دوڑے اور پھر پیچھے پیچھے زلیخا برے ارادے کی خاطر دوڑی آگے سے دروازہ کھل گیا تو دروازے پر عزیز مصر کو کھڑا پایا تو عورت نے جلدی کی اور جھوٹ گھڑ لیا کہنے لگی کیا ہے اس شخص کی سزا؟ جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔

زلیخا اپنے کو مظلوم ظاہر کرنے لگی اور پاک شخص کو تہمت دے دی اور خود کو بری قرار دیا اور اپنی عزت کو بچانے لگی تو اسکے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبوت و رسالت کی چادر کو دوسرے کی نظروں میں داغدار ہونے سے بچانے کے لئے فوراً بول اٹھے اس نے مجھ سے میرے نفس کو بہکایا تھا (تو یوں حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع ومناسبت کے وقت حق بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔ (اور یہ بھی محض نبوت اور رسالت کے پیش نظر اپنا دفاع فرمایا تھا ورنہ خود اپنے بارے میں آگے فرماتے ہیں۔ فرمان باری ہے ’’اور یوسف علیہ السلام نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس تو برائی سکھانے والا ہے۔‘‘ (از مترجم)

اور فرمایا کہ عورت کے اہل میں ایک گواہ نے فیصلہ دیا تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جھولے میں پڑا ایک چھوٹا سا بچہ تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فرمان ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ہلال بن یساف اور حسن البصری اور سعید بن جبیر اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فرمان ہے اور ابن جریر نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی مروی ہے لیکن دوسرے حضرات نے اس کو موقوف فرمایا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ایک مکمل مرد تھا اور عزیز مصر کا قریبی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کا قرابت دار تھا اور جو حضرات اس کے مکمل مرد ہونے کے قائل ہیں وہ یہ ہیں۔ عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق، اور زید بن اسلم رحمہم اللہ۔

تو جو بھی ہو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے شق ہو تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹا ہے کیونکہ اس صورت میں یوسف نے اس کو بہکایا اور اپنی طرف مائل کیا ہوگا تو زلیخا نے دفاع کرتے ہوئے سامنے سے دھکا کرتے پھاڑ دیا ہوگا اور اگر یوسف علیہ السلام بچاؤ اور دفاع کرتے ہوئے بھاگے ہوں گے اور یہ پیچھے پیچھے ہوگی اور پیچھے سے کپڑا پکڑ کر کھینچا ہوگا تو ظاہر ہے پیچھے سے قمیص شق ہوگی۔ اور ہوا بھی اسی طرح تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پھر جب دونوں نے اس کی قمیص دیکھی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو (عزیز مصر نے) کہا بے شک یہ (اے عورت) تمہارے مکر ہیں بے شک تمہارا مکر عظیم ہے۔

یعنی تم نے پہلے تو اس کو خراب کرنا چاہا پھر خود ہی الٹا اس پر تہمت لگائی یہ تم عورتوں کے مکر عظیم مکر ہیں پھر شوہر نے اس سے اعراض کر لیا اور یوسف کو بھی کہا اس کو چھوڑ دو۔ یعنی آپ کسی کو بیان نہ کرنا اسلئے کہ ان جیسی باتوں کو چھپانا زیادہ مناسب اور لائق ہوتا ہے۔ اور پھر اپنی بیوی کو بھی حکم دیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کر جو تجھ سے صادر ہوا ہے کیونکہ: ’’جب اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے‘‘ اور اہل مصر اگرچہ بت پرست تھے لیکن اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر پکڑ کرنے والا وہ صرف ایک اللہ ہی ہے۔ کہ اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شوہر نے زلیخا کو اس بات کا حکم دیا۔ اور سوال اٹھتا ہے کہ پھر اس نے اس کو سرزنش اور کچھ سزا خود کیوں نہ دی تھی؟ جواب یہ ہے کہ عزیز مصر بھی اس بات کو جان گیا تھا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی وجہ سے اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکی اور چونکہ یوسف علیہ السلام پاکدامن اور حضرت صبر اور درست خیال والے تھے لہٰذا جس کی وجہ سے فعل کا ارتکاب نہ ہو سکا اسی کی وجہ سے عزیز مصر نے زلیخا کو معذور جانا اور اپنی طرف سے معاف کر دیا اور خدا سے معافی مانگنے کے لئے حکم دیا اور کہا اپنے گناہ کی بخشش طلب کر بے شک تو ہی خطا کرنے والوں میں سے ہے۔(۱)

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور شہر میں عورتیں چہ میگوئیاں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔ جب زلیخا نے ان عورتوں کی گفتگو۔ حقیقت میں دیدار یوسف کے لئے ان کی بھی ایک چال

---

(۱) یوسف ۲۹

(بھی) بھیجی۔ (اور ان کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور ان کے لئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کے لئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ۔ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن و جمال؟) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ تب (زلیخا نے) کہا یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ یوسف نے دعا کی کہ اے پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا تو خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔ (۱)

ان آیات کے اندر شہر کی متعدد عورتوں کا ذکر ہے کہ جن عورتوں نے باتیں کیں ان کا بیان ہو رہا ہے یعنی امراء و وزراء کی بیگمات عورتیں امراء اور شرفاء کی بیٹیاں تھیں اور عورتوں کی لڑکیاں تھیں انہوں نے زلیخا کو اس بات پر ملامت و شناعت کی تھی کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے اور اس کی محبت میں مبتلا ہو رہی ہے جو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یوسف ان میں سے صرف ایک غلام ہے اور وہ عزیز مصر کی اہلیہ محترمہ ہے۔ تو اس کو عزیز مصر کی عزت کا خیال نہ کرنا چاہئے اسی وجہ سے انہوں نے کہا ہم اس کو صریحاً گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ یعنی اس نے اپنی عزت کو محض ایک غلام کے لئے داؤ پر لگا دیا ہے جو محض بہلاوا ہے۔

آگے فرمایا جب اس (زلیخا) نے ان کے مکر (یعنی برائی اور ملامت جو بیان کرتی تھیں) کو سنا۔

یعنی زلیخا نے عورتوں کی شکایت، برائی اور عیب بیان کرنے کو سنا اور جانا کہ وہ اس کی مذمت و ملامت کرتی ہیں کہ وہ اپنے غلام کی محبت و عشق میں فریفتہ ہو گئی ہے اور اس طرح انہوں نے خوب مذمت کی ہے حالانکہ یہ عورتیں خود حقیقت حال سے ناواقف تھیں۔ اس وجہ سے زلیخا نے اپنے عذر کو ان کے سامنے پیش کرنا چاہا اور اس کیلئے ایک چال چلی تاکہ ان کو پتہ چل جائے کہ یہ غلام ایسا ویسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو اور انسان کے پاس ایسا کوئی غلام ہو سکتا ہے تو اس منصوبہ بندی کے پیش نظر اس نے ان عورتوں کو دعوت کا پیغام بھیجا تمام عورتوں کو اپنے گھر میں اکٹھا کر لیا اور ان کی خاطر مدارات کا اہتمام کیا اور ایک بیٹھک میں جمع کیا ان کے سامنے کھانے کی چیزیں بھی پیش کیں جن کو چھری سے کاٹا جائے جیسے پھل وغیرہ اور پھر ان میں ہر ایک کو چھری بھی دے دی۔

اور پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کو (ان کی ملاقات سے لاعلمی میں) عمدہ کپڑے اور دوسری زینت وغیرہ کے ساتھ سنوار کر تیار کر رکھا تھا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان چیزوں کے علاوہ بھی اپنے حسن و عنفوان شباب میں نہایت کمال حسن و عنفوان شباب کی ابتداء پر تھے۔

تو زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکلنے کا حکم دیا کہ وہ ان پر سے گزریں جب وہ نکلے تو وہ ان کے ہاتھ سے پھل چھری سے کاٹ رہی تھیں۔ قرآن کے فرمان کے مطابق جب انہوں نے ان کو دیکھا تو ان کو (حسن و جمال میں) سب سے بڑا پایا۔ یعنی ان کی عظمت کی قائل ہو گئیں اور ان کے جمال کے تاثر میں بے خود ہو گئیں اور ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی بنی آدم ایسا بھی ہو سکتا ہے اور ان کے حسن میں مبہوت ہو گئیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ سے غافل ہو گئیں اور چھریاں والے ہاتھ جو پہلے پھل پر چل رہے تھے وہ ہاتھوں پر چلنے لگے اور زخم ہوتے چلے گئے اسی کو قرآن نے فرمایا: اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یعنی کہا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کے نظارے میں اتنی گم ہو گئیں کہ اپنے ہاتھوں کے کٹنے کا پتہ نہ چلا۔ ہر طرف سے بے پرواہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تکتی اور دیکھے جا رہی تھیں اور اسی بے خودی کے عالم میں سب بے ساختہ پکار اٹھیں۔

سبحان اللہ یہ کوئی انسان نہیں ہے بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

معراج کی حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں یوسف پر سے گزرا تو دیکھا ان کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔ سہیلی وغیرہ اس کے معنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو حسن عطا ہوا تھا اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق

---

(۱) یوسف ۳۰-۳۴

نے اپنے مقدس ہاتھوں سے پیدا فرمایا تھا اور خود اس میں روح پھونکی تھی، جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام انسانی حسن میں سب سے اعلیٰ وارفع و بے پرواز تھے اسی وجہ سے اہل جنت جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قد مبارک جتنا قد لے کر اور انہیں کا سا حسن لے کر داخل ہوں گے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے نصف حسن پر تھے اور دونوں کے درمیان میں کوئی بھی دونوں سے زیادہ حسین نہیں گزرا بالکل اسی طرح کہ حضرت حوا علیہا السلام سب عورتوں میں خوبصورت تھیں اور ان کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام سب سے خوبصورت تھیں اور ان کے سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا روئے اقدس بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کام سے آتی (کیونکہ یہ بادشاہ وقت تھے پیچھے کر آگئے تھے گا) تو اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتے تھے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اکثر اوقات اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر رکھتے تھے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔ اسی وجہ سے جب حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی مدعو عورتوں کے پاس سے گزرے تو عورتوں نے بھی زلیخا کو ان کی محبت میں معذور سمجھا تھا، اور وہ خود اپنے آپ سے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھی تھیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی تجلی دہشت اور ہیبت سوار ہوگئی تھی۔ تو یہ وہی عورتیں ہیں جو زلیخا کو ملامت کرتی تھیں تو زلیخا نے اس موقع پر ان کو کہا، قرآن میں ارشاد باری ہے:

(زلیخا نے) کہا یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

پھر زلیخا خود ان کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت وپاکدامنی کے گن گاتی ہے اور کہتی ہے:

قرآن کریم میں ہے: (اور زلیخا نے کہا) اور بے شک میں نے اس کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا، مگر یہ بچا رہا، اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جس کا میں اس کو حکم دیتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔

وہ عورتیں جو پہلے زلیخا کو روکتی تھیں، اب اس کی مدد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کی اطاعت و فرمان برداری پر ابھارنے اور اکسانے لگیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ اس عورت کے غلام تھے لیکن حقیقی غلام تو اللہ عزوجل کے تھے لہٰذا حق سے منع کر دیا اور وہ حرکت گوارا کیسے کرتے جو کہ یا انبیاء کے مقدس سلسلے کی ایک مثال تھی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام اپنی حفاظت ایمان کے واسطے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے تو (وہ) جیل (جس کی مجھے یہ دھمکی دے رہی ہے) زیادہ محبوب ہے اس بات سے جس کی طرف یہ مجھ کو بلاتی ہیں تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی اگر آپ نے مجھے اپنے نفس پر چھوڑ دیا تو میرے نفس میں تو سوائے کمزوری اور عاجزی کے اور کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک ہوں، پس میں کمزور و ضعیف ہوں کہیں مبتلائے عصیان نہ ہو جاؤں مگر یہ کہ آپ مجھے توفیق دیجئے اور مجھے محفوظ کر دیجئے اور میری حفاظت فرما دیجئے اور اپنی طاقت اور قدرت سے مجھے محفوظ فرما دیجئے تاکہ میں ان عورتوں کے مکر و فریب سے بچ جاؤں۔

تو جب اس اولوالعزم پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں کیں تو مقلب القلوب ذات نے اس کے جواب کو یوں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

"(۱) تو خدا نے ان کی دعا قبول کرلی۔ اور ان سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ (زلیخا کے جرم کے) نشانات دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لئے ان (یوسف علیہ السلام) کو قید ہی کر دیں۔ اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں (تو اے یوسف) ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے کیونکہ ہم تمہیں نیکوکار دیکھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔ جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوں۔

اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں شایاں نہیں کہ ہم کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں یہ خدا کا ہم

---

(۱) یوسف ۳۴ تا ۳۷

پر بھی اور لوگوں پر بھی فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا (تم خود ہی سوچو کہ) کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یگانہ و غالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

میرے جیل خانے کے رفیقو! (اب اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (جو پہلا ہے) تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے جو بات تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ یوسف علیہ السلام پاکدامن اور عفیف ہے پھر بھی ان کی رائے یہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کو جیل بھجوا دیا جائے تاکہ ایک تو لوگوں کے اندر اس بارے میں جو باتیں پھیلی ہوئی ہیں اور شور اور چرچا ہے وہ ختم ہو جائے۔ اور دوسرا اس لئے کہ اس سے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا فائدہ تھا کیونکہ اس سے لوگوں میں یہ تاثر عام ہوگا کہ یوسف علیہ السلام نے ہی زلیخا کو بہکانا چاہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جیل میں قید کر دیا گیا۔

تو ان باتوں کی وجہ سے جو ان کی سمجھ میں آئیں یہ طے کیا کہ وہ کچھ عرصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیج دیا۔

جو سراسر ظلم و ستم تھا۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے جیل جانا مقدر فرما چکے تھے اور اس کے ذریعے سے اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی تھی اور ان کو برے ماحول و معاشرے سے نجات دی تھی (جیسے کہ خود انہوں نے بھی یوں ہی دعا کی تھی کہ ان کے شر سے بچا اگرچہ مجھے جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔)

اور اسی مقام سے بعض صوفیائے کرام نے مسئلہ مستنبط فرمایا ہے جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ گناہوں کی جگہ سے دور چلے جانا بھی عصمت سے ہے۔

(حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے کئی پہلو ہیں چند پہلو تو گزر چکے اور اب ان کی زندگی کا وہ باب ہے جو جیل میں گزرا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور اس کے ساتھ جیل میں دو جوان داخل ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ ان دو میں سے ایک تو ساقی سلطان تھا یعنی بادشاہ کو جام اور مشروبات پلانے والا تھا اور اس کا نام نبوا تھا۔ اور دوسرا روٹی پکانے والا تھا یعنی بادشاہ کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا تھا۔ جسے ترک لوگ جاشنگیر کہتے ہیں اور اس کا نام ایک قول کے مطابق مجلث تھا۔ اور بادشاہ نے کسی معاملے میں ان پر تہمت لگائی تھی جس کی وجہ سے دونوں کو جیل میں محبوس کر دیا گیا۔ دونوں نے جیل میں جب یوسف کو دیکھا تو علامتوں اور نورانی چہرے سے پہچان لیا کہ یہ کوئی ولی یا نبی ہے پھر آپ کی باتوں اور آپ کے حسن سلوک سے مزید متاثر ہوئے۔

پھر دونوں نے ایک ایک خواب دیکھا۔ اہل تعبیر فرماتے ہیں کہ دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھے تھے اور ساقی نے دیکھا کہ ایک انگور کی بیل کی تین شاخیں ہیں جن پر پتے اور انگور کے گچھے لگ رہے ہیں اور انگور پک چکے ہیں تو اس نے انگور لئے اور ان کو بادشاہ کے گلاس میں نچوڑا اور بادشاہ کو وہ پلایا اور دوسرے یعنی روٹی پکانے والے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کے تین ٹوکرے ہیں۔

اور اوپر پرندے ہیں جو اوپر والے ٹوکرے میں سے روٹی کھا رہے ہیں۔

تو دونوں دوستوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بیان کیا اور اس کی تعبیر طلب کی اور کہا ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں ان دونوں خوابوں کی تعبیر جانتا ہوں اور تم کو تمہارا کھانا آنے سے پہلے میں خبر دے دوں گا اس بات کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں پہلا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد تھا کہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر دے دوں گا اس کے واقع ہونے سے پہلے اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے کھانے کے آنے سے پہلے بتا سکتا ہوں کہ وہ اچھا ہے یا ترش ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا۔

قرآن میں ہے: (اور عیسیٰ نے فرمایا) اور تم کو خبر دیتا ہوں اس کی جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ (۱)

تو حضرت یوسف علیہ السلام پھر اپنے دونوں اسیران جیل ساتھیوں کو فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ میں تعبیر دے رہا ہوں یا خبر غیب دے رہا ہوں یہ سب اللہ نے مجھ کو سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان لانے والا ہوں اور اس کی توحید کا قائل ہوں۔ اور اپنے آباء کرام یعنی ابراہیم اسحاق، یعقوب کی ملت کی اتباع کرنے والا ہوں تو اس وجہ سے نہیں ہے ہمارے لئے مناسب کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں (اور) یہ ہم پر اللہ کے فضل سے ہے (کہ اس نے ہم کو ہدایت دی) اور دوسرے لوگوں پر بھی۔ یعنی ہمیں اس بات کا حکم ملا ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو اس تنہا ذات کی طرف بلائیں اور اسی کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں اور لوگوں کو اسی کا پتہ بتائیں۔ اور وہ لوگوں کی فطرت میں روز اول سے مرکوز ہے اور ان کی طبیعت وجبلت میں اس کی محبت ودیعت کے بیج کی طرح اگی ہوئی ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

پھر حضرت یوسف ان کو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کے ماسوا کی عبادت کی مذمت کرتے ہیں اور ان بتوں کی ذلت وحقارت اور ان کی عاجزی اور کمزوری کو کھولتے ہیں اور بیان کرتے ہیں تو پس آپ نے یوں فرمایا:

اے میرے جیل کے دو ساتھیو! کیا جدا جدا مالک بہتر ہیں (ایک غلام کے لئے) یا ایک اللہ جو زبردست ہے (وہ بہتر ہے)؟ تم نہیں عبادت کرتے سوائے ان ناموں کی جن کو تمہارے آباء نے رکھ لیا ہے۔ اور اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ حکم (وحکومت) صرف اللہ کی ہے۔ (۲)

یعنی اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور اپنی مشیت وارادے کے مطابق سب کچھ کرنے والا، جس کو چاہے ہدایت دے، جس کو چاہے گمراہ کرے وہ صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ تو اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی اس اکیلے اللہ کی جو ہر طرح سے اکیلا ہے اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔

اور یہی توحید دین مستقیم اور سیدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (۳)

پس وہ سب کچھ ظاہر ہونے اور روشن ہونے کے پھر بھی اس ذات کی طرف ہدایت نہیں پکڑتے۔

اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کو اسی حالت میں انتہائی کمال کے ساتھ دعوت دیتے رہے کیونکہ وہ بھی آپ کی عظمت کے قائل ہو چکے تھے اور جو آپ فرما رہے تھے وہ قبولیت کی تہہ میں بیٹھ رہا تھا تو اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی چاہا کہ ان کو سب سے نفع مند بات کی دعوت دوں بنسبت اس کے جو انہوں نے سوال کیا ہے اور طلب کیا ہے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکے تو ان کے سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا اے زندان کے ساتھیو تم میں ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا (جو ساقی تھا) اور دوسرا سولی چڑھے گا پھر پرندے اس کے سر کو کھائیں گے (یہ روٹی پکانے والا تھا) اور جس بارے میں تم سوال کر رہے ہو اس میں یہی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ (۴) یعنی جو تعبیر میں نے تم کو بتائی ہے اب یہ ہو کر رہے گی۔

اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خواب آدمی پر گھومتا رہتا ہے جب تک کہ اس کی تعبیر نہ دی جائے جب تعبیر دے دی جاتی ہے تو وہ خواب اسی طرح واقع ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ومجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ دونوں خواب دیکھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا تو تب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ جس کے بارے میں تم نے سوال کیا تو اس کا فیصلہ ہو گیا (یعنی جو میں نے کہا ہے اب تو ہو کر رہے گا)۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ (یوسف علیہ السلام نے اس کو) کہا جس کے بارے میں نجات کی امید تھی کیا اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا پھر اس کو شیطان نے اپنے آقا کے پاس بھلا دیا تو پھر یوسف علیہ السلام جیل میں چند سال (مزید) ٹھہرے رہے۔ (۵)

---

(۱) آل عمران ۴۹ (۲، ۳، ۴) یوسف ۴۰ (۵) یوسف ۴۲

اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اس شخص کو کہا جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام نے رہائی کی خبر (تعبیر) دی تھی اور وہ ساقی بھی تھا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔ مجھے بھی بے جا ظلم و ستم کے ساتھ کیوں رکھا ہوا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب دنیاوی میں کا ابتدا مرضا اسباب کے اختیار کرنے میں جائز ہے اور یہ سب اللہ ہی پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ پھر اس کو اپنے آقا کے پاس شیطان نے بھلا دیا۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پیغام کو بادشاہ کے پاس ذکر کردے۔ مجاہد اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہی مطلب درست ہے اور اہل کتاب کی بھی یہی رائے ہے جو ان کے ہاں اس طرح منقول ہے۔

فرمایا پھر یوسف علیہ السلام عرصہ تک جیل میں کئی سال۔

اور کئی سال سے مراد ہے لفظ بضع کا اور اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں تین سے نو تک اور ایک قول ہے تین سے سات تک اور ایک قول ہے تین سے پانچ تک اور ایک قول ہے دس سے کم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ثعلبی نے اس کو نقل کیا ہے اور فراء فرماتے ہیں کہ دس سے کم میں بضع کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے اور یہ چند کے معنی میں آتا ہے اور صاحب فراء کی بات کو مسترد کرنے والی یہ آیتیں ہیں کہ اس مقام پر تو اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام پر چند سال جیل میں رہے تو یہاں بھی اکثر کے نزدیک دس سے کم ہی مراد ہیں اور دوسری جگہ سورۃ روم کے شروع میں فرمایا فی بضع سنین وہاں بھی نو سال مراد ہیں تو یہ دونوں دلائل ان کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں۔

اور بعض فراء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے بضعۃ عشر یعنی دس سے کچھ اوپر اور کہا جاتا ہے بضعۃ وعشرون یعنی بیس سے کچھ اوپر اسی طرح نوے تک۔ لیکن یوں نہیں کہا جاتا ہے "بضع و مائۃ" ایک سو اور چند اوپر اور "بضع والف" یعنی ہزار اور چند اوپر تو اس سے معلوم ہوا کہ بضع آتا ہے دس سے اوپر کے لئے دہائیوں کے ساتھ اور علامہ جوہری اس سے اوپر استعمال میں مخالفت فرماتے ہیں کہ یوں کہا گیا کہ "بضعۃ عشر" دس اور چند اوپر اور "بضع وعشرون" بیس اور چند اوپر اسی طرح نوے تک۔ یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن ان کی یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ﷺ میں موجود ہے **الایمان بضع وستون شعبۃ وفی روایۃ وسبعون شعبۃ**

کہ ایمان کے ساٹھ اور چند شعبے ہیں اور ایک روایت میں ستر اور چند شعبے ہیں اور انہی میں لا الہ الا اللہ کہنا اور آخری راستے سے تکلیف دہ اشیاء کا ہٹا دینا ہے۔

بضع کی بات میں تھوڑی سی تفصیل تھی اور اس کے ساتھ پہلے جا رہے تھے "فانساہ الشیطان" اس میں بعض کا کہنا ہے اس ضمیر کا مرجع حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جس کا مطلب ہو جائے گا کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کا ذکر بھلا دیا۔ یہ قول ضعیف ہے اگرچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اس کے راویوں کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اور وہ حدیث جو ابن عباس رضی اللہ عنہ پر ابن جریر نے روایت فرمائی ہے وہ ہر اعتبار سے ضعیف ہے اس کی سند میں ابراہیم بن یزید خوزی ہے جس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے۔

اور حسن اور قتادہ کی مرسل روایت مقبول نہیں ہے اور شاید یہاں قبول ہو جائے پہلے طریق سے عندنا آخری طریق سے بہرحال ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی ہے کہ [1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ وہ یہ بات نہ فرماتے کہ "اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا" تو جیل میں اتنی مدت نہ ٹھہرتے جتنی مدت ان کو ٹھہرنا پڑا۔ اور اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انہوں نے فرمایا "کاش مجھے تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں مضبوط قلعہ کی پناہ پکڑ لیتا" درحقیقت وہ تو خدا کے مضبوط سہارا تھامے ہوئے تھے اسی وجہ سے اللہ نے ان کے بعد ہر نبی کو اپنی قوم میں (عزت و وقار) اور مالداری کے ساتھ بھیجا۔ یہ حدیث اس طریق سے منکر ہے اور اس حدیث کے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ کئی چیزوں میں منفرد ہے اور اس میں نکارت ہے اور یہ الفاظ ان کے ہیں جو ان کو منکر لگے اور شدت اختیار کر لی اور صحیحین میں اس کی نظیر پر شہادت ہے واللہ اعلم۔

---

(۱) اخبرنا الفضل بن الحباب الجمحی حدثنا مسدد بن مسرھد، حدثنا خالد بن عبداللہ حدثنا محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ایک دوسرا واقعہ ذکر فرماتے ہیں فرمایا:

اور بادشاہ نے کہا کہ میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ انہوں نے کہا یہ تو پریشان (مشکل) سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور (اب) مدت کے بعد اس کو وہ بات یاد آ گئی تو وہ بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا) لاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے (تو وہ یوسف کے پاس آیا اور کہا) اے سچے (انسان) ہمیں بتائیے کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات خشک تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں تاکہ وہ (تمہاری قدر) جان لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو غلہ کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے۔ اسے خوشوں میں ہی رہنے دینا۔

پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئیں گے جو کچھ تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔ (۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ تعبیر دینا بھی آپ کی اسباب رہائی میں سے ایک سبب ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے آپ کو احترام و اکرام سے عزت بخشی۔

یہ بادشاہ جس نے خواب دیکھا تھا ریان بن ولید بن ثروان بن اراشہ بن فاران بن عمرو بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بادشاہ نے خواب یوں دیکھا تھا کہ وہ ایک نہر کے کنارے کھڑا ہے اس میں سے سات موٹی گائیں نکلیں پھر وہاں ترائی میں چرا گاہ میں چرنے لگیں۔ پھر اسی نہر سے دوسری سات دبلی پتلی گائیں نکلیں وہ بھی وہیں آ گئیں۔ ان کے ساتھ مل کر چرنے لگیں پھر ان دبلی گائیوں کی طرف متوجہ ہوئیں تو ان کو کھا گئیں۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا پھر سو گیا۔ پھر دوسرا خواب دیکھا کہ ایک بالی میں سات سبز خوشے ہیں اور دوسری بالی میں سات خشک خوشے ہیں سات خشک ان کو بھی تو وہ سبز جھک گئے تو پھر گھبرا کر بیدار ہوا۔

جب اس نے یہ قصہ اپنی قوم و سرداروں کو بتایا تو کوئی بھی اس کی تعبیر نہ دے سکا بلکہ کہنے لگے یہ تو بے جوڑ مشکل سے خواب ہیں ہم ان کی تعبیر نہیں دے سکتے اور ہو سکتا ہے کہ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہ ہو تو اس وقت وہ شخص جو دو قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا۔ جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنے کو کہا تھا اور وہ جب تم بھول گئے تھے اس کو اب یاد آیا اور یہ بھلانا بھی کسی مناسب اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت الٰہی کے مطابق تھا تو اس نے جب بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کے اس سے ناواقف ہونے کو دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ یاد آ گیا۔ اسی کو قرآن نے فرمایا: اور کہا اس شخص نے جو ان دونوں میں سے نجات پا گیا تھا اور اس کو یاد آ گیا اور ایک مدت کے بعد اس کو یاد آیا یعنی مدت چند سالوں پر محیط تھی۔ اور عکرمہ ابن اسحاق ضحاک کے نزدیک لفظ اسی طرح ہے جس طرح عام پڑھا جاتا ہے یعنی بعد امة لیکن انہوں نے اس کے معنی کر دیئے ہیں نسیان (بھولنا) یعنی بھولنے کے بعد اس کو یاد آیا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے بعد امه انہوں نے اس کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ بھولنے کے بعد اس کو یاد آیا۔ جیسے کہا جاتا ہے امه الرجل یعنی آدمی بھول گیا شاعر کہتا ہے

امهت وکنت لا انسی حدیثا کذاک الدهر یزری بالعقول

میں بھول گیا جبکہ میں بھولا نہیں کرتا تھا اسی طرح زمانہ عقل پر عیب لگا دیتا ہے

تو الغرض جس آدمی کو یاد آیا اس نے کہا میں تم کو (یا بادشاہ) اس کی تاویل (تعبیر) بتاتا ہوں مجھے یوسف کے پاس بھیجئے اور یہ یوسف کے پاس آیا اور کہا اے سچے یوسف ہمیں سات موٹی گائیوں کے متعلق بتائیے جن کو سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں اور ان سات سبز خوشوں کے بارے میں (جن کو کھا رہے ہیں) اور دوسرے سات خشک ہیں تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں تاکہ وہ بھی آپ کے علم و قدر کو جان لیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک واقعہ یوں ہے کہ بادشاہ کو جب ساقی نے کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ تو پھر یوسف علیہ السلام لائے

---

(۱) یوسف ۴۳:۴۹

گئے تو خود بادشاہ کے سامنے خواب کی تعبیر دی۔ یہ بالکل غلط ہے اور درست یہی ہے جو قرآن میں ہے کہ ساقی نے پوچھ کر تعبیر بتائی تھی نہ کہ یوسف علیہ السلام نے خود آ کر بتائی وہ ان جاہلوں اور بے وقوف کے جھوٹ و افتراء میں سے ہے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب ساقی آیا تو آپ نے بغیر کسی تاخیر (شرائط) کے فوراً اپنے علم کے مطابق تعبیر بتادی نہ تو رہائی کی شرط لگائی نہ کسی اور چیز کی۔

بلکہ صحیح تعبیر بتادی کہ پہلے سات سال فراوانی اور غلے کی وافر مقدار والے ہوں گے پھر سات خشک اور قحط زدہ سال ہوں گے پھر ان سات خشک سالوں کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی یعنی لوگوں کو تر و تازگی غلے کی فراوانی اور ہر چیز مکمل دستیاب ہو جائے گی اور اس سال میں اتنی برکت ہوگی کہ لوگ پھلوں کا رس نچوڑیں گے یعنی گنا، انگور، تل اور زیتون وغیرہ کا اس طرح حضرت یوسف نے تعبیر بھی بتادی اور صرف بتائی نہیں بلکہ اس سے نجات و خلاصی اور آسانی کا طریقہ بھی بتادیا کہ تر و تازگی کے سالوں میں کیا کرو اور پھر خشکی کے سالوں میں کیا؟ اور ان پہلے جمع کئے ذخیرے سے احتیاط و قناعت کے ساتھ گزر بسر کرو۔

اور اس مقام پر حضرت یوسف کی کمال عقل اور دانائی خوب واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا گندم کے دانوں کو ان کے خوشوں میں رکھ چھوڑو (تاکہ) یہ خراب نہ ہوں اور ان کو کوئی حشرات الارض نہ کھائیں۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ، جب قاصد ان کے پاس گیا تو آپ نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال (اور اصل حقیقت و ماجرا) ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا رب ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔

(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ (سب) بول اٹھیں حاشا للہ (اور کچھ نہیں بلکہ) ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی عزیز کی بیوی نے کہا اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے (لہٰذا سنو اصل) یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔ (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) تاکہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی ہے اور خدا خیانت کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا، اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس (امارہ انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔(۱)

جب بادشاہ کو حضرت یوسف کے کمال علم اور تمام عقل اور کامل رائے اور درست فہم کا اندازہ ہوا تو بادشاہ نے عقیدت و نیازمندی کے ساتھ یوسف کی رہائی کا حکم دیا تاکہ اس کو اپنے مقربین اور خواص میں شامل کر لیا جائے لیکن جب قاصد یہ پیغام رہائی لے کر حضرت یوسف کی خدمت میں پہنچا تو حضرت یوسف نے چاہا کہ تب تک نہ نکلیں اور رہائی قبول نہ کریں گے جب تک کہ ہر ایک پر ظاہر نہ ہو جائے کہ یہ جس بے جا ظلم و ستم پہنچا تھا اور ان کا دامن اس گناہ سے پاک صاف ہے، جس کی طرف لوگ آپ کو منسوب کرتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا ماجرا اور اصل قصہ ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا آقا ان کے مکروں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد آقا سے اپنے عزیز مصر تھے کہ وہ ان عورتوں کے مکر خوب جانتا ہے کہ میں کیسے سختی اور احتیاط سے ان عورتوں کے جال سے بچا رہا جب انھوں نے مجھے اس امر پر اکسایا تھا جو میرے لئے کسی طرح بھی مناسب اور لائق نہیں تھا لہٰذا اے قاصد اپنے بادشاہ کو کہو کہ وہ پہلے ان عورتوں سے اس کی تحقیق کرے۔

تو جب عورتوں سے اس معاملے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے اعتراف کر لیا جو حقیقت تھی اس کو ظاہر کر دیا اور کہا ماشاء اللہ کہ بات یہی ہے کہ ہم نے یوسف پر کوئی برائی نہیں جانی دیکھی۔

تو اس وقت زلیخا نے بھی کہہ دیا "اب تو حق ظاہر ہو گیا ہے لہٰذا (سنو) کہ "میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کیا تھا" اور اس نے مجھے بالکل

---

(۱) یوسف ۵۰ تا ۵۳

کوئی غلط ارادہ رہتے ہی نہیں بچا پاتا وہ مجبوری مگر جو میرا رب رحم کرے بیشک وہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

پھر آگے حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے یہ باتیں اس لیے کہی ہیں جو مجھ پر گزرا ہے تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی لیکن بعض نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ یہ کلام زلیخا کا ہے کہ میں نے یہ بات اس لئے بتائی ہے تاکہ عزیز مصر میرا شوہر جان لے کہ میں نے حقیقت میں اس سے کوئی خیانت نہیں کی۔ کیونکہ میری طرف سے کوشش ہوئی تھی لیکن معاملہ بالکل پاک صاف رہا۔

اور یہی دوسرا مطلب زیادہ بہتر اور واضح معلوم ہوتا ہے اور قرینہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے (کیونکہ آگے بھی زلیخا ہی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو کامیاب نہیں کرتا جیسے کہ میرا مکر کامیاب نہ ہوا) اور یہی مطلب مفسرین کا پسندیدہ ہے جبکہ علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صرف پہلا قول ہی نقل کیا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لئے مقرر کروں گا۔ پھر جب اس سے گفتگو کی تو کہا آج تم ہمارے ہاں صاحب منزلت (اور) صاحب اعتماد ہو۔ (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف (بھی) ہوں اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔[1] جب بادشاہ کے سامنے یوسف علیہ السلام کی براءت اور پاکیزگی ظاہر ہوگئی تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اپنے لئے خاص کر لوں اور ان کو اپنے خواص میں شامل کر لوں اور دولت و حکومت کا اہل کار بنا دوں۔

اور اپنے مشیروں اور امراء میں ان کو رکھوں پھر وہ آئے اور بادشاہ سے گفتگو ہوئی تو ان کی شان و عظمت ظاہر ہوئی جس پر بادشاہ نے کہا آج سے آپ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے اور عزت والے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ (بادشاہ) مجھے مملکت کے خزانوں پر مقرر کر دو میں حفاظت کرنے والا ہوں۔

اور اس کو جاننے والا ہوں تو آپ نے اس عہدے امانت کی نگرانی اور حفاظت مانگی کیونکہ آپ کو پتہ تھا کہ آنے والے سالوں میں خوشحالی کے زمانے کے بعد سات سال تک قحط ہوگا تو کسی کی غربت پہنچے گی تو ایسے زمانے میں ایسے کام سر انجام دے سکتے ہیں جن سے اللہ کو خوب راضی کر لیں اور مخلوق کو نفع اور بھلائی سے ان کے لئے سوچیں اس لئے آپ نے بادشاہ کا انتظام کر لیا اور کہہ دیا کہ میں حفاظت والا ہوں یعنی خوب حفاظت کر سکتا ہوں اور امانت دار ہوں اور آپ کام سے واقف کار ہوں کہ کس طرح سے ٹھیک انداز سے خرچ کیا جائے۔

اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ امارت و حکومت طلب کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کے لئے یہ طلب کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ پھر بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بہت ہی تعظیم کی اور ان کو تمام بڑے ملک پر مقرر کر دیا اور اپنی انگوٹھی (جو عمومی کاموں کے لئے تھی) حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی اور ریشمی لباس پہنایا اور گلے میں سونے کا ہار ڈالا اور اپنی دوسری خاص سواری پر ان کو سوار کیا اور ان کے سامنے کہا آپ ہی مالک اور حاکم ہیں میں آپ سے صرف کرسی کے علاوہ کسی چیز میں بڑا نہیں ہوں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے آپ کی ایک بہت عظمت والی عورت سے شادی کرا دی تھی اور نقل کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے قطفیر عزیز مصر کو اس کے مرتبے سے ہٹا کر آپ کو اس کی جگہ رکھا تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ جب قطفیر مر گیا تو بادشاہ نے زلیخا سے آپ کی شادی کرا دی اور یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو کنواری پایا کیونکہ عزیز مصر عورتوں کے قریب نہ جاتا تھا۔

پھر زلیخا کے ہاں حضرت یوسف سے دو لڑکے افرائیم اور منشا پیدا ہوئے اور حضرت یوسف نے ملک مصر کو خوب مضبوط کیا اور عدل و انصاف کا بول بالا کر دیا۔

اور حکایت کی گئی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ کے پاس آئے تب ان کی عمر تیس سال تھی اور بادشاہ نے ان سے ستر

---

[1] یوسف: ۵۴ تا ۵۷

زبانوں میں بات چیت کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر زبان میں ان کو جواب دیا تو بادشاہ کو ان کی کم عمری کے باوجود اس کمال پر بہت حیرت ہوئی۔ (بلکہ یہیں تو رکنے کا مقام ہے کہ حضرت یوسف کے ستر زبانوں کے جاننے پر تعجب نہیں ہے بلکہ بادشاہ کے ان زبانوں کے جاننے پر ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام تو پیغمبر تھے بطور معجزے کے ان کو خدا کی طرف سے لیاقت حاصل تھی)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو مصر میں ٹھکانا دیا کہ جہاں چاہے رہے۔ یعنی پہلے تو قید بند کی مصیبتیں برداشت کیں پھر ہم نے ان کو عزت کے مقام کے ساتھ مکمل آزادی دے دی۔

اور فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے مومنین و متقین کا اجر ہے اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی ان کا اچھا ٹھکانہ ہوگا۔ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مصر کا بادشاہ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔

کسی نے کہا ہے

وراء مضیق الخوف متسع الامن وأول مفروح بہ غایۃ الحزن

اور خوف کی تنگی کے بعد امن کی فراخی ہے اور خوشی سے سرشار شخص پہلے انتہائی حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے۔

فلا تیأسن فاللہ ملک یوسفا خزائنہ بعد الخلاص من السجن

پس ہرگز مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کو قید سے خلاصی کے بعد ہی ملک مصر کے خزانوں کا مالک بنا دیا تھا۔

اب قصے کے اہم رخ کی طرف اللہ تعالیٰ اپنا خطاب فرماتے ہیں۔

فرمان باری ہے

اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلہ خریدنے کے لئے) آئے تو یوسف کے پاس گئے تو (یوسف نے) ان کو پہچان لیا اور (یہی) وہ ان کو نہ پہچان سکے جب یوسف نے ان کے لئے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے اسے بھی میرے پاس لانا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آ سکو گے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے اور یوسف نے اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلے کی قیمت) ان کے کجاووں میں رکھ دو عجب نہیں کہ جب یہ اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ پھر یہاں آئیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے مصر آنے کی خبر دے رہے ہیں جو غلے کی طلب میں یہاں آئے تھے اور یہ تب آئے تھے جب قحط کے سال آ گئے تھے اور اس قحط و خشک سالی نے تمام شہروں اور بستیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام ان دنوں میں مصر کے علاقوں کے دین و دنیا دونوں میں حاکم تھے تو یہ بھائی اسی غرض سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ان کو پہچان لیا لیکن بھائی ان کو نہ پہچان سکے کیونکہ ان کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مرتبہ و عظمت تک رسائی کر سکتے ہیں اس وجہ سے بھائی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ یہ بھائی جب آئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو جان لیا لیکن آپ نے کوشش کی کہ وہ پہچان نہ سکیں۔ اسی وجہ سے ان کے ساتھ سختی سے ہم کلام ہوئے اور فرمایا تم لوگ جاسوس ہو تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے علاقے کی اچھائی اور مال و خیر معلوم کرو۔ بھائیوں نے کہا اللہ کی پناہ ہم صرف اسی غرض سے آئے ہیں کہ ہماری قوم بھوک اور مشقت سے دوچار ہو گئی ہے تو ان کے لئے غلہ لینے آئے ہیں اور ہم سب کنعان کے ایک باپ کی اولاد ہیں اور ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں کا ایک چلا گیا اور جو سب سے چھوٹا ہے وہ والد محترم کے پاس ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے میں تمہارے معاملے میں جانچ پڑتال کروں گا۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تین دن تک محبوس رکھا پھر ان کو نکالا اور جب سب کو واپس کرنے

---

(۱) یوسف ۵۸، ۶۲

گئے تو صرف شمعون کو اپنے پاس بطور ضمانت کے رکھ لیا تا کہ دوسرے بھائی چھوٹے بنیامین کو واپس ضرور لائیں (کیونکہ یہ ان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے)۔

مولف کے اس بات بیان کرنے میں بھی کچھ شک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب یوسف نے ان کا معروف طریقے سے غلہ دیا جتنی ہر ایک کا اونٹ لاد سکتا تو کہا میرے پاس تمہارے باپ کی طرف سے دوسرے بھائی (بنیامین) کو لے آنا۔ اور پہلے حضرت یوسف علیہ السلام ان سے ان کی حالت اور گھر کے افراد وغیرہ کے بارے میں سوال کر چکے تھے جس پر انہوں نے کہا تھا کہ ہم بارہ افراد تھے پھر ہم میں سے ایک چلا گیا اور باپ کی طرف سے ایک حقیقی بھائی باقی رہ گیا تو پھر حضرت یوسف نے ان کو فرمایا تھا جب تم آئندہ سال آؤ تو اس کو بھی لے آنا۔

اور پھر اس پر اکسایا اور فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں ناپ پورا دیتا ہوں اور میں بہت اچھا مہمانوں کی بھی خاطر مدارت کرتا ہوں، جس طرح کہ تمہارے ساتھ میں نے حسن سلوک کیا اور بھلائی کی اس کے بعد حضرت یوسف ان کو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تم اس کو نہ لائے تو غلہ نہ ملے گا، بلکہ میرے پاس بھی مت آنا۔

حضرت یوسف کے بھائیوں نے جواب دیا: کہنے لگے ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو آمادہ کریں گے یعنی کوشش کریں گے کہ ان کو اپنے ساتھ لے آئیں اور اس کو اس پر راضی کر لیں پھر کہا اور ہم یہ کریں گے یعنی ضرور اسے لے آئیں گے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے غلاموں کو خفیہ حکم دیا کہ جو کچھ یہ لوگ بطور سرمایہ اور قیمت کے لائے ہیں اس کو انہی کے غلے میں رکھ دو لیکن ان کو پوشیدہ طور پر رکھا تا کہ وہ اس کو جان لیں اور جب اپنے گھر لوٹیں تو شاید پھر آئیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس قیمت کو وہاں پا کر اپنے ہی غلوں میں دیکھیں گے تو واپس دینے کے لیے ضرور آئیں گے یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا تھا کہ شاید ان کے پاس دوبارہ واپس آنے کے لیے پیسے سامان نہ ہو پس سامان ان کا ان کی دوبارہ واپسی کا ذریعہ بنے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے غلے کے پیسے لینا اچھا نہ لگا اس لئے یہ سرمایہ واپس کیا۔ مفسرین کے کئی اقوال ہیں جن کا ذکر آتا ہے مولف کتاب کے نزدیک پہلا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ آیت کے ظاہر سے یہی زیادہ مناسب لگتا ہے واللہ اعلم۔

آگے اللہ عزوجل اس کے متعلق قصے کو بیان فرماتے ہیں۔

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے کہنے لگے کہ ابا جان جب تک ہم بنیامین کو نہ لے جائیں گے ہمارے لئے غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(یعقوب نے) کہا کہ کیا میں اس کے بارے میں تمہارا ایسے ہی اعتبار کروں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ بس اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ واپس کر دیا گیا ہے کہنے لگے کہ ابا جان اور کیا چاہئے یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اب ہم اپنے اہل و عیال کے لئے پھر غلہ لائیں گے یہ غلہ تھوڑا ہے (یعقوب نے) کہا جب تک تم مجھے خدا کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس لے آؤ گے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ جب انہوں نے ان (والد) کو اپنا عہد دے دیا تو (یعقوب نے) کہا جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں خدا اس کا ضامن ہے اور کہا اے بیٹو ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں خدا کی تقدیر کو تم سے نہیں روک سکتا حکم اسی کا ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے باپ نے ان کو کہا تھا تو وہ تدبیر خدا کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بھائیوں کا حال بتایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے پاس سے واپس جا کر والد کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی جس میں سے یہ بھی تھی کہ ہم سے آئندہ کے لئے غلہ روک دیا گیا ہے اگر آپ بھائی کو ہمارے ساتھ لے جانے دیں گے تو ہم کو غلہ ملے گا۔

اور فرمایا کہ جب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا تو اپنے سامان کو واپس کیا ہوا پایا تو کہنے لگے اے باپ اور ہم کو کیا چاہئے یہ ہمارا سامان بھی واپس کر دیا گیا ہے لہذا ہم ایسے کسی بادشاہ کے پاس دوبارہ بھی آئندہ غلہ لینے ضرور جائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور زیادہ غلہ لائیں گے۔

یہ غلہ تھوڑا ہے یعنی اس بھائی کی کمی پوری کر دیں گے۔ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ساتھ بھیجنے میں بہت ہی پس و پیش سے کام لے رہے تھے کیونکہ بنیامین ان کے لئے یوسف کی جگہ تھے اور یوسف کی تسلی اس سے حاصل ہوتی تھی اور اس وجہ سے بیٹوں کو کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم اس بات کا عہد نہ کرو کہ تم اس کو میرے پاس واپس ضرور لاؤ گے۔ ہاں مگر یہ کہ روک دیا جائے یعنی تم سب اس کے لانے سے عاجز ہو جاؤ تو الگ بات ہے لہذا سب بھائیوں نے باپ کو مضبوط عہد و پیمان دیا۔ تو پھر یعقوب نے فرمایا اللہ اس پر جو ہم قول و اقرار کر رہے ہیں وکیل و ضامن ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے عہد و قرار کو مضبوط کر لیا اور اپنی جو سب سے اچھے بیٹے کی حفاظت کے لئے احتیاطی پہلو بہت لیا جبکہ قدرت کو منظور ہو احتیاط روک نہیں سکتی اور وہ قحط سالی کی وجہ سے گراں و شاق بنیامین کو بھیجنے کی حاجت مند ہوئی تو اپنے پیارے بیٹے کو بھی بھیجنے پر تیار ہو گئے لیکن تقدیر کا کام ہو کر رہتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں فیصلہ فرماتے ہیں وہی حکمت و علم والا ہے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو حکم فرماتے ہیں کہ ایک ہی دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔ محمد بن کعب، ابن عباس، ضحاک، سدی، مجاہد، قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ ان لڑکوں کو کسی کی بری نظر نہ لگ جائے کیونکہ سب بھائی حسین صورتوں والے اور اچھے جسم والے تھے اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ جدا جدا ہوں تو ایک طرح سے یوسف علیہ السلام کو شاید کہیں دیکھ لیں یا اس کا کوئی نشان پالیں۔ اور پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے جس کی تائید قرآن کی بات سے ہوتی ہے کہ آگے باپ بیٹوں کو فرماتے ہیں کہ میں تم سے اللہ کی طرف سے تقدیر کو دور نہیں کر سکتا اور اللہ نے فرمایا: کہ جب وہ اپنے باپ کے حکم کے مطابق داخل ہوئے تو اللہ کی تقدیر سے ان کو کوئی چیز بچانے والی نہیں تھی مگر وہ یعقوب کے دل میں ایک بات تھی جس کو انھوں نے پورا کر لیا اور بے شک وہ علم والے تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تو ان دونوں باتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اس بار حضرت یعقوب علیہ السلام نے عزیز کے لئے اپنے بیٹوں کے ہاتھ پستے، اخروٹ، شہد اور بطم کے پھل بھیجے تھے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو یہ سلوک (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔

پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کجاوے میں پانی پینے کا برتن رکھ دیا پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ قافلے والو تم تو چور ہو۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے وہ بولے کہ بادشاہ کے پانی پینے کا برتن کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لئے ایک بار شتر انعام ہے اور میں اس کا ضامن ہوں وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ فساد کریں اور نہ ہم چوری کرتے ہیں بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا ہے؟ کہنے لگے جس کے کجاوے میں نکلے وہی اس کا بدلہ قرار دیا جائے۔ ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں پھر اپنے بھائی کے کجاوے سے پہلے ان کے کجاووں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے کجاوے میں سے اس کو نکال لیا اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ خدا کی مشیت کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور دل میں) کہا کہ تم بڑے بد قماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے وہ کہنے لگے اے عزیز اس کے والد بہت بوڑھے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں تو اس کی جگہ

ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (یوسف نے) کہا خدا کی پناہ ہو کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں ایسا کریں تو ہم بے انصاف ہیں۔(۱)

اللہ تعالیٰ بھائیوں کے بنیامین کو لے کر جانے کو بیان فرماتے ہیں کہ یوسف نے ان کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور اس کو اصل معاملے کی خبر دے دی کہ وہ اس کا بھائی ہے اور پھر اس کو چھپانے کا کہا اور تسلی دی کہ وہ جو سلوک کرتے ہیں اس سے بددل نہ ہو۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو پاس رکھ لینے کی ترکیب کرتے ہیں اور ان سے پیش نظر یہ تھا کہ بنیامین کو ان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے غلام کو خود حکم دیتے ہیں کہ کہ وہ اعلیٰ پیالہ ان کے کجاوے میں رکھ دو جس کے ساتھ پانی پیتے تھے تو انہوں نے بنیامین کے سامان میں وہ پیالہ رکھ دیا پھر جب وہ پہنچ گئے تو پکار کر پکارا کہ تم چور ہو اور بادشاہ کا پیالہ چوری کر لیا ہے جو اسے لے کر آئے گا اس کو ایک اونٹ غلہ دیا جائے گا اور منادی خود اس کا ضامن تھا تو تمام بھائی اس منادی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو جھڑکی اور اپنی بات یوں کی کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لئے نہیں آئے اور ہم چور نہیں ہیں۔ (یعنی تم کو پتہ ہے کہ ہم نے چوری نہیں کی پھر بھی تم تہمت لگاتے ہو) وہ بولے انہوں نے پوچھا کہ اچھا اگر تم جھوٹے نکلے تو کیا سزا ہے اس کی؟ بھائیوں نے کہا جس کے پاس سے وہ نکلے وہی دھر لیا جائے وہ ہی اس کا بدلہ۔ ہم اسی طرح ظالموں کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہ ان کے باپ یعقوب کی شریعت تھی کہ چور کو چوری شدہ کے مالک کو سونپ دیا جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر انہوں نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے دوسروں سے ابتداء کی پھر اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان سے نکال لیا۔ یہ تورّیہ اس لئے دکھایا گیا کہ تہمت نہ لگے اور بھائیوں کو بالکل شک و شبہ نہ ہو پھر اللہ نے فرمایا ہم نے یوسف کو اس طرح تدبیر بتلائی ورنہ وہ (اپنے) قانون کے مطابق اس کو نہ لے سکتے تھے یعنی اگر بھائی خود یہ نہ کہتے کہ جس کے پاس ہو وہی دیا جائے تو پھر یوسف بنیامین کو نہ لے سکتے کیونکہ یہ مصر کے قانون کے خلاف تھا اللہ فرماتے ہیں مگر جو خدا چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں (یعنی علم میں) اور ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے۔

اور یہ فرمایا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان تمام بھائیوں سے زیادہ علم والے تھے اور رائے میں ان سے کامل تھے اور عزم و حوصلے میں پختہ تھے اور انہوں نے جو کچھ سب اللہ کے حکم سے کیا تھا اور ان کو اطلاع نہیں دی تھی اور اس لئے بھی کیونکہ اس پر بعد میں بڑے بڑے فوائد مرتب ہونے والے تھے اسی طرح ان کے باپ کا مصر لانا اور ان سب کا آنا بھی اس کی وجہ سے تھی۔

تو جب بھائیوں نے دیکھا کہ پیالہ بنیامین کے سامان سے نکلا دیکھا تو کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی یعنی یوسف علیہ السلام نے۔ ایک قول ہے کہ ان کی مراد تھی کہ حضرت یوسف نے اپنے نانا یعنی ماں کی طرف کے باپ کے بت کو چوری کر لیا تھا اور توڑ دیا تھا۔ بچپن میں۔ دوسرا ایک قول ہے کہ بچپن میں اپنی پھوپھی کے پاس تھے تو اس نے ان کے کپڑوں میں حضرت اسحاق کا پٹکا چھپا دیا تھا تاکہ یہ ان کے پاس رہ جائیں کیونکہ ان کو یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی تو بعد میں نکال کر چوری ثابت کر کے قانون کے مطابق ان کو رکھ لیا تھا اور یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گھر میں کھانا چھپا کر رکھ لیا کرتے تھے پھر بعد میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔ پھر آگے اللہ نے فرمایا کہ یوسف نے اس بات کو چھپایا اور یہ بھی جو انہوں نے بعد میں کہی کہ تم مرتبے کے اعتبار سے بدتر انسان ہو اور جو تم کہتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے یعنی یہ بات انہوں نے اپنے دل میں کہی تھی ان کو کہی نہیں اور اس مقام پر بھی بردباری، چشم پوشی سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ بھی نرم ہو گئے اور کہا اے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیں ہم آپ کو احسان کرنے والا سمجھتے ہیں تو یوسف نے کہا اللہ کی پناہ ہو کہ جس کے سامان سے نکلا ہے اس کے بدلے کسی اور کو پکڑ لیں۔ پھر تو ہم ظالم ہوں گے۔ یعنی ہم اگر مجرم کو چھوڑ دیں اور بے گناہ کو پکڑ لیں تو ہم ظالم ہوں گے یہ ہم نہیں کر سکتے اور ہم ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوسف نے اس وقت ان کو اپنی معرفت کروا دی تھی لیکن یہ غلط ہے ان سے غلطی ہو گئی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد

---

(۱) یوسف ۷۸، ۷۹

لیا تھا اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں گے میں تو اس جگہ سے ٹلنے کا نہیں یا پھر خدا میرے لئے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم سب والد کے پاس جاؤ اور کہو کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کے واپس لانے کا) عہد کیا تھا اور ہم غیب کی (باتوں کے) جاننے (اور یاد رکھنے) والے تو تھے نہیں اور جس بستی میں ہم تھے (یعنی مصر) اور جس قافلے میں آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ (غرض جب یہ بات یعقوب کو کہی تو انہوں نے) کہا تمہارے دلوں نے بات بنا لی ہے تو صبر ہی بہتر ہے عجب نہیں کہ خدا سب کو میرے پاس لا دے بے شک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے پھر یعقوب ان کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج و الم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے واللہ آپ اگر یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان دے دیں گے۔ انہوں نے کہا میں تو اپنے غم اور رنج کا اظہار خدا سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے بیٹو (یوں کرو کہ ایک دفعہ) پھر جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے ناامید کافر لوگ ہوتے ہیں۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ بنیامین کے حصول میں مایوس ہو گئے تو جدا ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے تو سب سے بڑے بھائی روبیل نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا۔ کہ تم میرے پاس بنیامین کو واپس ضرور لاؤ گے تم نے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے اور تم نے اس سے پہلے بھی قصور کر لیا جیسے تم نے پہلے یوسف کے متعلق کیا تھا لہذا میرے پاس تو کوئی صورت نہیں ہے کہ میں اس علاقہ کو چھوڑ دوں بس میں یہاں رہوں گا یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ مجھے والد آنے کی اجازت نہ دے دیں یا اللہ کوئی فیصلہ فرما دیں کہ مجھے اپنے بھائی کے واپس لانے کی قدرت دے دیں۔ تو بے شک وہ بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں لہذا تم جاؤ اور والد کو کہہ دینا کہ تیرے بیٹے نے چوری کر لی تھی جیسا کہ تم کو پتہ ہے اور ہم نے جو عہد آپ سے کیا تھا وہ ہم نے اپنے علم کے مطابق کہا تھا اور ہم غیب کے جاننے والے نہیں ہیں اور ہمارے قول کی تصدیق کے لئے آپ ان قافلے والوں اور اہل مصر سے سوال کر لیجئے جن کو بھی پتہ ہے کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے جیسا کہ علم اہل مصر اور قافلے کو بھی ہے اور ہم سچے ہیں تو جب انہوں نے جا کر کہا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے بات بنا لی ہے پس صبر ہی بہتر ہے۔

پھر ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کے متعلق ان کی کوتاہی پائی گئی تو وہی کلمات اس دفعہ بنیامین کے متعلق بھی فرما دیئے جیسے کہ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ برائی کا بدلہ بعد میں بھی اسی طرح برائی ہی کرتا ہے پھر افسوس میں امید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ سب کو میرے پاس واپس لائے۔ یعنی یوسف، بنیامین، روبیل، اور وہ اللہ علم و حکمت والا ہے یعنی جو بات میرے ساتھ گزر رہی ہے اس کو جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے اور تقدیر ہے اس کو وہ کرنے والا ہے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے پیٹھ پھیر کر نکل گئے اور زبان پر یہ تھا ہائے افسوس یوسف علیہ السلام پر ہائے افسوس یوسف کے غم نے پرانے غم کو دوبارہ تازہ کر دیا تھا اور وہ چنگاری بجھ چکی تھی وہ دوبارہ بھڑک اٹھی جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

نقل فؤادك حيث شئت من الهوى ما الحب الا للحبيب الاول
جہاں تو چاہے جہاں تیرا دل لگ جاتا ہے جبکہ محبت صرف پہلے محبوب کے لئے ہوتی ہے

اور دوسرا کہتا ہے:

لقد لامني عند القبور على البكا رفيقي لتذراف الدموع السوافك
مجھے قبروں کے پاس میرے دوست نے ملامت کی کہ کیوں اتنے آنسو بہاتا ہے؟
فقال اتبكي كل قبر رايته لقبر ثوى بين اللوى فالدكادك
پھر اس نے کہا کیا تو جس قبر کو دیکھتا ہے اس پر بیٹھ کر روتا ہے حالانکہ تیرے محبوب کی قبر تو لوی اور دکادک کے درمیان ہے
فقلت له ان الاسى يبعث الاسى فدعني فهذا كله قبر مالك
تو میں نے اس کو کہا بے شک ایک غم دوسرے غم کو تازہ کرتا ہے پس مجھے چھوڑ دے یہ تمام مالک کی قبریں ہی ہیں۔

---

[1] (۱) یوسف ۸۰ تا ۸۷

اور فرمایا حضرت یعقوب علیہ السلام نے: آنکھیں ان کی حزن سے سفید ہو گئیں۔ یعنی آپ اتنا روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی لیکن آپ کے دل میں حزن و ملال اور سخت غم کا دورہ جو لاحق تھا اپنے بیٹے یوسف پر بھی اس کا اور دوسرا بیٹا بنیامین کے فراق سے۔

تو جب مصر سے بیٹوں نے آپ کے حد سے زیادہ غم و حسرت اٹھانے کو دیکھا تو رحم اور ترس اور رقت طاری کرتے ہوئے کہا اللہ کی قسم آپ تو یوسف کو یاد کرتے کرتے یا تو بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔ یعنی آپ کا جسم پگھل جائے گا اور آپ کی طاقت بھی جاتی رہے گی تو اگر آپ اپنی جان پر کچھ رحم کر لیں تو بہت بہتر ہے آپ کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی۔

جس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

میں اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ کی بارگاہ میں ہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں کسی سے شکوہ و شکایت نہیں کر رہا ہوں نہ کسی اور سے تسلی کا طالب ہوں بلکہ میں اپنے حزن و غم کو اللہ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے علم ہے کہ اللہ ضرور میرے اس غم و رنج اور حزن و ملال کا مداوا فرمائے گا اور کشادگی کا راستہ کھولے گا اور میں یہ جانتا ہوں کہ میرے نور نظر نے بچپن میں جو خواب مجھ سے بیان کیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور ضروری ہے کہ میں اور تم اس کو پورا ہوتا دیکھیں گے جیسے کہ اس نے دیکھا تھا اسی وجہ سے آپ نے فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پھر اسی خیال کے تحت ان کو برانگیختہ کیا اور سمجھایا کہ اب بھی یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرنے کے لئے جاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بے شک اللہ سے ناامید ہونے والے صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی شدت و تنگی کے بعد کشادگی و فراخی سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کے لئے مشکلات سے چھٹکارا دلانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱) جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجئے اور خیرات کیجئے کیونکہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ بولے کیا تم ہی یوسف ہو؟ کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو خدا احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ بولے خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطاکار تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن سے تم پر کچھ عتاب نہیں۔ خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔

یہاں سے اللہ تبارک و تعالیٰ بھائیوں کے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں لوٹنے کو بیان فرما رہے ہیں کہ وہاں جا کر وہ آپ سے غلہ و اناج طلب کرتے ہیں اور اپنے باپ کی حالت زار پر ترس کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام سے بنیامین کو بطور صدقہ ہی کے طلب کرتے ہیں پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہم کو اور ہمارے اہل کو تکلیف پہنچی ہے یعنی تنگ دستی کی مصیبت پہنچی ہے کیونکہ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے غلہ کی قلت ہو گئی ہے اور بال بچوں کی کثرت ہے اور ہم غلہ کے لئے جو قیمت لائے ہیں وہ بہت تھوڑی ہے جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

کہا گیا ہے کہ وہ قیمت درہم کی شکل میں تھی اور تھوڑے سے درہم تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ گھی، اون وغیرہ کی شکل میں تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پرانے ٹاٹ تھے رسیاں وغیرہ۔

کہنے لگے ہمارے لئے پورا پورا کر دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے اور اس سے کیا مراد ہے کہ "صدقہ کر دیجئے" تو ایک قول ہے کہ یہ گھٹیا چیزیں ہیں ان کو کھرا سمجھ کر پورا دیجئے اور ایک قول ہے کہ بنیامین کو واپس کر کے ہم پر صدقہ کیجئے ابن جریج کا یہی قول ہے اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) یوسف ۸۸ تا ۹۳

ابن جریر نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کی پونجی دیکھی اور ان سے اپنے اہل کا حال سنا کہ ہمارے پاس سوائے تھوڑے سے مال کے کچھ نہیں رہا تو ان پر رحم آگیا اور اپنا تعارف کروادیا اور اپنے پروردگار کی اجازت سے آپ نے ان کی حالت زار پر توجہ دی اور پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم نادان تھے تو انھوں نے تعجب کیا اور پھر پر تعجب کیا جبکہ پہلے بھی کئی بار آ جاچکے تھے اور ان کو نہ پہچانا تھا کہ یہ یوسف ہے تو بڑے حیرت کے عالم میں پوچھا!

کیا آپ یوسف ہیں؟

فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا تھا اور جو تم نے کوتاہیاں کی وہ گذر چکیں اور کہا یہ میرا بھائی ہے اس سے مراد تاکید تھی کہ یہ میرا وہی حقیقی بھائی ہے۔ اور تنبیہ تھی ان کے دونوں بھائیوں کے حسد پر، اور ان کے ان افعال پر، جو انہوں نے دونوں کے متعلق حیلے مکر کے کیے تھے۔ اسی وجہ سے آگے یوسف علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ اور ہم پر صدقہ کیا اور ہم کو اچھا ٹھکانہ دیا، اور ہماری عزتوں کو بلند کیا اور یہ سب ہمارے رب کی عطاء اور ہمارے صبر کی وجہ سے ہے جو تمہاری طرف سے مشقتوں اور تکلیف پر ہم کو پہنچا اور یہ والد کی ہمارے ساتھ محبت اور ان کی ہم پر شفقت اور دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو تقویٰ کرے اور صبر کرے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تو بھائی کہنے لگے۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح و برتری دی ہے۔

یعنی آپ کو وہ فضل دیا ہے جو ہم کو نہیں دیا اور بے شک ہم خطا کار تھے یعنی جو کچھ ہم نے کیا بہت برا کیا لہٰذا اب ہم تیرے سامنے ہیں (تو آپ بدلہ لے سکتے ہیں؟) فرمایا نہیں آج سے تم پر کوئی عیب و افسوس نہیں۔ یعنی جو تم سے ہوا سو ہوا، میں کچھ سرزنش نہیں کرتا، اور پھر آگے کہا اللہ تم پر مغفرت فرمائے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت میں "لاتثریب علیکم" پر وقف کیا ہے اور الیوم سے ابتدا کی ہے یہ قول ضعیف ہے اور پہلا صحیح ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو حکم کرتے ہیں کہ میری قمیص والد ماجد کے پاس لے جاؤ جو میرے جسم سے لگی ہے۔ اور ان کو والد ماجد کی آنکھوں پر ڈال دو تو والد کی بینائی لوٹ آئے گی۔ اور صرف اللہ کے حکم سے لوٹے گی (یہ قمیص ایک سبب ہے) اور یہ انبیاء کے خوارق و معجزات میں سے ہے۔ پھر حکم کیا تمام گھر والے مصر کے شہر میں آجائیں جہاں ہر طرح کی برکتیں ہیں اور فرقت کے بعد بہترین اور اعلیٰ ملاپ بھی ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے تو (سنو) مجھے یوسف کی بو آرہی ہے۔ وہ بولے واللہ آپ اسی پرانی غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آپہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ بیٹوں نے کہا ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطاکار تھے۔ کہا میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱)

(۲) عبداللہ ابن ابی ہذیل کہتے ہیں میں نے ابن عباس کو سنا فرما رہے تھے کہ آیت ولما فصلت العیر یعنی جب قافلہ چلا تو ہوا چلی اور یعقوب علیہ السلام کے پاس کرتے کی خوشبو پہلے سے لے آئی، جس پر انہوں نے کہا میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو اور یہ خوشبو آپ کو تین دن کی مسافت سے پہنچی تھی۔ اور ثوری اور شعبہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

ابن عباس، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے تم مجھے بے وقوف نہ کہنے لگو۔ اور حسن اور مجاہد نے کہا ہے کہ مطلب ہے تم مجھے بڑھاپے کی طرف نہ منسوب کرنے لگو۔

جس پر بیٹے والوں نے کہا اللہ کی قسم آپ تو پرانی غلطی میں ہیں قتادہ اور سدی فرماتے ہیں یہ ان کی بہت سخت بات تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر جب ان کے پاس خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے ان کے چہرے پر وہ (کرتہ) ڈال دیا پھر بینا ہو گئے۔ یعنی محض قمیص آپ کے چہرے پر ڈالنے

---

(۱) یوسف ۹۳ تا ۹۸ (۲) قال عبدالرزاق انبانا اسرائیل عن ابی سنان عن عبداللہ بن ابی ہذیل

سے میری بینائی لوٹ آئی جبکہ پہلے بالکل خراب ہو گئی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یعنی مجھے علم تھا کہ اللہ مجھے یوسف علیہ السلام کو ملائے گا اور اس کے متعلق وہ چیز دکھائے گا جو مجھے خوش کر دیں گی۔

پھر بیٹوں نے کہا کہنے لگے اے ابا جان ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک ہم خطا کار تھے یعنی ہمارے لئے اللہ عزوجل سے بخشش کی دعا کیجئے کہ جو ہم نے کیا اور جو ان سے سرزد ہوا اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ بھی ہم نے کیا اللہ ہمیں بخش دے۔ اور جب دعا کی نیت کی کرنے سے پہلے آ گئے تھے تب پھر حق تعالیٰ نے ان کو توفیق بھی مرحمت فرما دی۔

اور والد محترم نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فرمایا میں تمہارے لئے عنقریب اپنے خدا سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن قیس، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہم اللہ فرماتے ہیں کہ دعا کو سحری کے وقت کی امید دلائی تھی کہ اس وقت میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ ابن جریر روایت کرتے ہیں۔ کہ محارب بن دثار سے مروی ہے(۱) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لا رہے تھے تو کسی انسان کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ آپ نے مجھے پکارا میں نے جواب دیا آپ نے مجھے حکم دیا میں نے اطاعت کی اور یہ سحر کا وقت ہے لہٰذا میری مغفرت کر دیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ دی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے آواز آ رہی ہے تو آپ نے حضرت عبداللہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے سحر کے وقت تک کی مہلت لی تھی کہ میں اس وقت دعا کروں گا اور یہ فرمایا تھا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود بھی نیک بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور وہ سحر کے وقت میں مغفرت طلب کرتے ہیں۔(۲)

اور صحیحین میں رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے ہے کوئی توبہ کرنے والا میں اس کی مغفرت کروں۔(۳)

(۴) اور حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جمعہ کی رات تک کی مہلت لی تھی (کہ تب دعا کروں گا)۔

ابن جریر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا اور آیت پڑھی:

ترجمہ:...... اور میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا پھر فرمایا یعقوب کی اس وقت سے جمعہ کی رات مراد تھی۔ اور یہ میرے بھائی یعقوب کا اپنے بیٹوں سے فرمان تھا۔

لیکن یہ حدیث اس سند وطریق سے غریب ہے اور اس کے مرفوع (یعنی حضور ﷺ کی طرف منسوب) ہونے میں نظر و اعتراض ہے تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائیے۔ انشاء اللہ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا اے ابا جان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا اور اس نے مجھ پر احسان کئے کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے وہ

---

(۱) رواہ ابن جریر۔ حدثنی ابو السائب۔ حدثنا ابن ادریس، قال سمعت عبدالرحمن بن اسحاق یذکر عن محارب بن دثار۔۔ الخ

(۲) آل عمران ۱۷ (۳) صحیح البخاری ۱۱۴۵ واتمہ (۴) رواہ ابن جریر حدثنی المثنی حدثنا سلیمان بن عبدالرحمن ابو ایوب الدمشقی۔ حدثنا الولید انبانا ابن جریج عن عطاء وعکرمۃ عن ابن عباس۔۔

اور حکمت والا ہے۔ (پھر یوسف نے دعا کی اور عرض کیا) اے میرے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے اپنی اطاعت میں اٹھائیو اور اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو۔ (1)

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ طویل مدت تک بچھڑے ہوئے والد بیٹے کے وصل و ملاقات کو بیان فرما رہے ہیں۔ جس طویل مدت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مدت فرقت اسی سال کی تھی اور ایک قول ہے کہ تراسی سال کی تھی اور یہ دونوں روایتیں حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں۔ اور ایک قول ہے پینتیس سال کی تھی۔ اور یہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف اٹھارہ سال غائب رہے۔ جبکہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ چالیس سال جدائی رہی۔

اور قصے کے مختلف واقعات بھی مدت فرقت کی تحدید اور تعیین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح سے کہ زلیخا نے جب آپ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو آپ کی عمر مبارک صرف سترہ سال تھی۔ جو کہ ایک کا کہنا ہے۔ اور پھر قید خانے میں نو سال گذرے۔ اور عکرمہ وغیرہ کے نزدیک جیل کی مدت سات سال ہے۔ پھر رہائی ہوئی تو سات سال سرسبزی و شادابی کے گزر گئے پھر جب مصر پر سات سال قحط اور مشقت کے چھا گئے تو اس میں آپ کے پاس بھائی آئے اور پہلے سال غلہ لے گئے۔ دوسرے سال بنیامین کو ساتھ لائے تیسرے سال میں آپ کی شناخت ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ آنے کا فرمایا تو سب چلے آئے اور یہ وقت باپ بیٹے کی ملاقات کا تھا۔

فرمان الہی ہے جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی۔ یعنی ان دونوں کو خاص طور پر اکٹھا کیا اور عزت و احترام دیا جو دوسروں سے بھی نہیں کرتا تھا۔

اور کہنے لگے: اور (یوسف نے) کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے آیت یہ ہے:

فلما دخلوا علی یوسف اوی الیہ ابویہ وقال ادخلوا مصر ان شاء اللہ امنین.

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر سے ہے۔

کہ پہلے ادخلوا ہے پھر اوی الیہ ابویہ یعنی پہلے تو ان کو داخلے کا فرمایا پھر اپنے والدین کو اپنے پاس خصوصی ٹھکانہ دیا۔ لیکن اس بات کو ابن جریر نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ معذور ہے اور ایک قول ہے کہ پہلے ان سے ملاقات ہوئی وہاں خیموں میں عارضی طور پر ٹھہرے پھر مصر کے دروازے کے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے سدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لیکن (مصنف اپنی رائے دیتے ہیں) کہ اگر ادخلوا کو اسکنوا مصر کے معنی میں یعنی اقیموا بھا کے معنی میں مراد لیں تو کوئی حرج نہ ہوگا اور بات بالکل ٹھیک و صحیح ہو جائے گی۔

اہل کتاب کے نزدیک جب یعقوب علیہ السلام ارض جاشر یعنی بلبیس کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے نکلے اور پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہودا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آنے کی خوشخبری پہنچا چکے تھے۔ اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ بادشاہ مصر نے ان کے لئے جو شہر علاقہ وقف کر دیا تھا اس میں آل یعقوب رہتے تھے اور اپنی بھیڑ بکریاں اور مال مویشیوں کے ساتھ اقامت پذیر تھے۔ اور مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل علیہ السلام کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام مع بادشاہ و لشکروں کے آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے اور بادشاہ اور لشکر حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت و عظمت کو دوبالا کرنے کی غرض سے نکلے تھے اور ساتھ میں ان کے والد اللہ کے نبی حضرت اسرائیل علیہ السلام کی تعظیم و تکریم مقصود تھی (کیونکہ بادشاہ وغیرہ سب مسلمان ہو گئے تھے) اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادشاہ کے لئے دعا بھی فرمائی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت یعقوب کے آنے کی برکت کی وجہ سے اللہ نے اہل مصر سے باقی ماندہ قحط کے سال دفع دور کر دیئے اور ان کو رزق و اناج کی فراوانی سے سرشار کر دیا واللہ اعلم۔

ابو اسحاق سبیعی ابو عبیدہ سے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کی جو آل

---

(1) یوسف ۱۰۱۔

اولاد آئی وہ تمام تریسٹھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور موسیٰ بن عبیدہ نے محمد بن کعب سے روایت کیا اور محمد نے عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ وہ تمام حضرات وخواتین چھیاسی افراد پر مشتمل تھے۔ اور ابو اسحاق، مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو تمام افراد ترانوے انسانوں پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب نے کہا کہ جب حضرت یعقوب کی آل اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلی تو صرف جنگجو حضرات چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھے۔

اور اہل کتاب کے ہاں نص وصراحت سے مذکور ہے کہ جب یہ حضرات مصر میں داخل ہوئے تو (حضرت یعقوب علیہ السلام سمیت) ستر افراد تھے اور پھر ان کے نام بتلائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور (یوسف نے) اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا۔" کہا گیا ہے۔ کہ ان کی والدہ (حقیقی) تو وفات کر چکی تھیں اور یہی علماء تورات کے ہاں ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا۔ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کی خالہ "کیا" والدہ کی جگہ تھیں اور خالہ بھی ماں کے مرتبے میں ہوتی ہیں۔

اور ابن جریر اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ ان کی (حقیقی) والدہ اس دن تک زندہ ہوں۔ لہذا قرآن کے مخالف جو اہل کتاب کی بات معلوم ہوگی اس کو رد کر دیا جائے گا۔

اور یہی صحیح قول ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے تخت پر بٹھایا اور پھر وہ سب ان کے آگے سجدے میں گر گئے یعنی ماں باپ اور تمام بھائی جو گیارہ تھے۔ اور یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ تعظیم وتکریم کا تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا حتی کہ تمام شریعتوں میں (تقریباً) جائز رہا پھر ہماری شریعت محمدی میں منسوخ وناجائز ہو گیا تو جب سب سجدہ ریز ہو گئے تو تب حضرت یوسف علیہ السلام نے والد سے عرض کیا اور کہا "اے میرے والد یہ میرے اس سے پہلے (بچپن کے) خواب کی تعبیر ہے"۔ یعنی میں نے جو بچپن میں اپنے خواب کا قصہ آپ کو بیان کیا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہے (اور اب اس کی تکمیل ہوئی ہے) اور خواب یہ تھا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے روبرو سجدہ کرتے دیکھا تھا اور پھر آپ نے مجھے اس کے چھپانے کا حکم فرمایا تھا اور کچھ وعدے وعید ان کیے تھے۔ آگے فرمایا "تو بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دیا ہے اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا" یعنی تکلیف وتنگی ووحشت کے بعد مجھے آزاد فضاء سے نوازا اور اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مجھے حاکم مصر بنا دیا اور حاکم بھی ایسا کہ مصر کے شہروں میں جہاں چاہوں جو حکم چاہوں نافذ کروں۔ اور پھر مزید یہ احسان کیا فرمایا "اور بے شک آپ کو گاؤں سے یہاں لایا گیا"۔ یعنی دیہات سے یہاں آپ کو لایا اور حضرت یعقوب مع اہل وعیال کے سرزمین کنعان میں رہتے تھے آگے فرمایا (اور یہ سب کچھ ہوا) "اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا"۔ یعنی جو کنوئیں میں ڈالنے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر گزر چکا ہے فرمایا "بے شک میرا رب تدبیر کرنے والا ہے جو چاہتا ہے" یعنی جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور اس کو اس طرح آسان فرما دیتا ہے کہ بندے اس کی طرف رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ صرف وہی تنہا ذات اس کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کو اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ بالکل آسان کر دیتی ہے۔ "بے شک وہ (اپنے تمام کاموں کا) جاننے والا (اور اپنی شریعت اور تقدیر اور مخلوق میں) حکمت والا ہے۔" (یہ وہ تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے مختلف گوشوں کو قرآن مقدس نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا اب پھر ان کی حکومت کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ م۔)

اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اہل مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے قحط سالی کے زمانے میں طعام وغلہ وغیرہ خریدنے کے لئے اپنی تمام املاک وغیرہ کو بیچ ڈالا تھا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو اور اس کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو ان کے اموال کے بدلے غلہ فروخت کیا مثلاً سونے چاندی کے عوض اور زمین اور دیگر اجناس کے عوض، الغرض جو کچھ بھی ان کی ملکیت میں تھا سب کچھ دے کر انھوں نے اپنا پیٹ پالا اور جب سب کچھ ختم ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا وجود بھی فروخت کر ڈالا اور تمام رعایا حضرت یوسف علیہ السلام کی غلام ہو گئی۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے سخاوت کا معاملہ ظاہر فرمایا کہ ان کی زمینیں واپس کر دیں اور ان کو خود بھی اس شرط و معاہدہ پر رہا و آزاد کر دیا گیا کہ جو کچھ وہ کمائیں گے اس کا پانچواں حصہ حکومت مصر کو دیں گے تو پھر بعد میں بھی یہ اہل مصر میں رسم جاری ہو گئی کہ مصر کی مملکت میں اہل مصر اپنی کمائی کا پانچواں حصہ دیتے تھے اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان سالوں میں پیٹ بھر کر کھاتے نہیں تھے تا کہ کہیں بھوکوں فاقہ زدوں کو نہ بھول جائیں بلکہ سارے دن میں صرف دوپہر کے وقت ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی سیر نہ ہوتے تھے اسی وجہ سے اس وقت سارے بادشاہ بھی آپ کی اقتداء کرتے تھے۔

مصنف فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں تنگی کے زمانے میں سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ قحط سالی ختم ہو گئی اور سرسبزی و شادابی آ گئی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قحط کے زمانے کے بعد ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ سے آفتیں ہٹ گئیں بے شک آپ اس میں آزاد ماں کے بیٹے (اور بہادر) ثابت ہوئے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ مجھ پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہو گئی ہیں اور ان کا خاندان بھی جمع ہو گیا ہے تو پھر سمجھا کہ اب اس دنیا میں میرے لئے قرار و ثبات نہیں ہے اور بے شک اس میں جو چیزیں ہیں اور جو اس پر بسنے والے ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور ہر چیز اپنی تکمیل کے بعد نقصان و انحطاط کی طرف لوٹتی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی حمد و ثنا کی بیان کرنے میں مشغول رہنے لگے اور اس کے احسانات انعامات پر شکر بجا لاتے رہے اور اس عظیم ذات سے التجا کی جو مسئولین میں سب سے بہتر ہے یہ دعا کی کہ مجھ کو اسلام پر وفات دے اور اپنے نیک بندوں کا ساتھ حاصل ہو جیسے کہ دعا کی جاتی ہے۔

اللھم احینا مسلمین و توفنا مسلمین

اے اللہ ہم کو مسلمان بنا کر زندہ رکھ اور ہمیں مسلمانی میں وفات دے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دعا آپ نے موت کے وقت کی تھی۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت دعا کی کہ آپ کی روح مبارک ملاء اعلیٰ میں پہنچ جائے اور انبیاء اور رسولوں کے ساتھ رفاقت مل جائے اور آپ نے یوں فرمایا اے اللہ رفیق اعلیٰ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، پھر وفات ہوئی۔
اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صحت و سلامتی کے زمانے میں یہ دعا کی اور یہ ان کی ملت میں ہی خاص تھا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے موت کی تمنا نہیں کی حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے!

لیکن ہماری شریعت محمدی ﷺ میں تمنائے موت و دعائے موت سے ممانعت ہے۔ ہاں اگر فتنوں کا وقت ہو اور وہ ہر طرف سے مجبور و لاچار ہو جائے تو بھی یہ دعا کرے اے اللہ اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو بس اپنے پاس بلا لے جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک میں ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اے اللہ اگر آپ کسی قوم کو فتنے میں مبتلا اور آزمائش سے دوچار کرنا چاہیں تو ہم کو ان فتنوں (اور عذابوں) سے محفوظ حالت میں اپنے پاس اٹھا لے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ابن آدم تیرے لئے فتنے سے موت بہتر ہے۔ اور حضرت مریم علیہا السلام نے بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت کے وقت لوگوں کے طعنہ زنی کے خوف اور درد کی مشقت سے یہ الفاظ فرمائے تھے: ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے مر جاتی اور نسیاً منسیاً ہو جاتی (یعنی بالکل بھولی بسری)[1] اور حضرت علی ابن ابی طالب نے بھی تمنائے موت فرمائی، اور یہ جب فرمائی تھی جب معاملات پیچیدہ ہو گئے، فتنے و شر کا دور دورہ ہو گیا، اور جنگ و جدل بڑھ گیا خونریزی حد کو پہنچ گئی اور طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں۔

اور اسی طرح امام المحدثین حضرت محمد ابن اسماعیل یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی موت کی تمنا کی جب ان پر حالات سخت ہو گئے اور مخالفین سے طرح طرح کی مصیبتیں اور جلا وطنیاں پہنچیں۔

---

(۱) مریم ۲۳

خیر یہ تو اضطراری حالات کے وقت کی اجازت ہے نہ کہ عام حالات اور خوش عیشی میں اور عام حالات زندگی میں تمنائے موت کرنا کیسا ہے؟ تو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (۱)

تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ کسی مصیبت کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہوتی ہے کیونکہ یا تو (وہ صبر وشکر سے کام لے کر) احسان کرنے والا ہوگا تو وہ (ثواب و درجات میں) ترقی کرے گا اور یا بد اعمال والا ہوگا تو یہ عتاب ہے (جس سے اس کے گناہ جھڑیں گے اور اگر دعا کرنی بھی ہے تو) یوں کہے۔

اے اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھئے اور جب میرے لئے وفات بہتر ہو تو مجھے وفات دے دیجئے۔

اور مندرجہ بالا اس حدیث میں جو فرمایا گیا کہ وہ مصیبت جو اس کو پہنچے جس کی وجہ سے اجازت دی گئی۔ اس سے مراد وہ مصیبت اور بیماری ہے جو اس کے جسم میں لاحق ہو جس کی برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو اور وہ فتنہ و مصیبت مراد نہیں ہے جو دین میں ہو۔ (بلکہ اس کو دور کرنا چاہئے اور تقویٰ و طہارت حاصل کرنا چاہئے)۔

تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی وقت مذکورہ دعا فرمائی تھی جب ان کی وفات کا وقت قریب پہنچ گیا تھا۔ یا ان کی دعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ جب وقت موت آجائے تو ۔۔۔ میری یہ دعا قبول فرما۔

ابن اسحاق نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے ساتھ مصر کے علاقوں میں سترہ سال رہے اور وقت وفات میں آپ یوسف علیہ السلام کو وصیت فرما گئے تھے کہ ان کو ان کے والد اسحاق علیہ السلام اور دادا ابراہیم علیہ السلام کے پاس دفن کیا جائے۔ اسدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وصیت کو پورا فرمایا اور ان کے جسد اطہر کو ملک شام لے گئے اور اسی مغارہ علاقے میں دفن کیا جہاں ان کے والد و دادا مدفون تھے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر مصر میں داخلے کے وقت ایک سو تیس سال تھی۔

اور پھر مصر میں سترہ سال اقامت فرمائی اور اہل کتاب ان دونوں مدتوں کے بیان کرنے کے باوجود یہ بھی کہتے ہیں آپ کی تمام عمر مبارک ایک سو چالیس سال تھی اور یہ ان کی کتاب میں تضاد صریح موجود ہے لہذا یا تو انھوں نے کتاب میں تبدیلی کی ہے یا ان کی غلط بیانی ہے یا پھر انھوں نے تمام عمر بیان کرنے میں دہائی سے زیادہ کسر کو بیان کرنا قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے لیکن جبکہ ان کے ہاں زائد کسر میں بھی یہ عادت نہیں ہے تو یہاں ان کا یہ طریقہ کیسے صحیح خیال کیا جا سکتا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔ (۲)

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو توحید واخلاص کی وصیت فرمائی اور پھر ان کو ان کے ساتھ جو ہوگا اس کی پیشن گوئی کی اور یہودا بیٹے کو خوش خبری دی کہ تیری نسل سے ایک عظیم پیغمبر پیدا ہوگا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے واللہ اعلم

اہل کتاب ذکر کرتے ہیں جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات فرمائی تو تمام مصر والے ستر دن تک ان کی وفات پر روتے رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اطباء کو حکم دیا تو انھوں نے والد ماجد کے جسد طہر پر خوشبو (دوائی) وغیرہ لگائی جس کے اندر یہ چالیس دن ٹھہرے رہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے والد کو دفن کرنے کے لئے شام کی طرف چلے تا کہ وہاں دادا کی قبر کے پاس دفن کردیں اور آپ کے ساتھ مصر کے شیوخ واکابر بھی چلے جب حبرون پہنچے تو مغارہ مقام میں آپ کو دفن کر دیا جس کو ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدا تھا (اور یہیں ان حضرات کی قبریں تھیں) پھر وہاں انھوں نے سات دنوں تک تعزیت وغیرہ کی پھر اپنے علاقوں کی طرف واپس لوٹ آئے اور یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کی تعزیت کرتے تھے اور آپ کے لئے بہت رحم دل اور نرم ہو چکے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی

---

(۱) صحیح البخاری فی الدعوات (۶۳۵۱)

(۲) البقرۃ ۱۳۳

ان کا محل پر رفیل لیا اور ان کی رہائش وغیرہ کا اچھا انتظام فرمایا اور سب مصر کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا وفات کا وقت بھی قریب آیا تو آپ نے بھی وصیت کی کہ مجھے بھی اپنے آباء کے ساتھ دفن کیا جائے تو لوگوں نے آپ کو خوشبو وغیرہ لگائی اور پتھر کے تابوت میں رکھ کر دریائے مصر میں (کسی وجہ سے) دفن کر دیا۔ پھر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت موسیٰ نے ان کو نکال کر ان کے آباء کے ساتھ دفن فرمایا جس کا ذکر آئے گا اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔

(مصنف فرماتے ہیں) عمر سے متعلق یہی ان کے یہاں بھی ذکر ہے۔

ابن جریر نے مبارک بن فضالہ کا قول حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سترہ سال تھی اور پھر اپنے والد سے اسی سال غائب رہے اور ملاقات کے بعد ۲۳ سال حیات رہے اس طرح جب وفات پائی تو ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے بعد یہودا بھائی کو وصیت فرمائی۔

صلوات اللہ علیہ وسلامہ

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام رومی شخص تھے اور ان کا نسب یہ ہے: ایوب بن موص بن رزاح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل۔ (۱)

اور ان کے علاوہ کسی نے کہا ہے وہ ایوب علیہ السلام بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحاق بن یعقوب ہیں اور اسی طرح کئی اور نسب بھی مذکور ہیں۔

اور علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کو آگ میں ڈالے جانے کے دن ایمان لائے۔

اور پہلا نسب زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں جیسے کہ اس آیت کے تحت بیان ہوا:

ترجمہ: ...... اور آپ (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔ (انعام: ۸۴)

اس آیت میں الفاظ من ذریتہ میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف، جو دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت ایوب حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اور پہلا نسب ہی اس کی تائید کرتا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کے بارے میں وحی بھیجے جانے کی صراحت سورۃ نساء میں آئی ہے:

ترجمہ: ...... بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف، اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف۔ (۲)

لہٰذا صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی بیوی کا نام ایک قول کے مطابق لیا بنت یعقوب اور ایک قول کے مطابق رحمت بنت افرائیم ہے اور ایک اور قول یہ ہے کہ ان کی بیوی لیا بنت منشا بن یعقوب علیہ السلام ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ان کے قصے کے بعد ہم ان شاء اللہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے قصوں کو ذکر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لئے (یہ) نصیحت ہے۔ (۳) اور سورہ ص میں ارشاد باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (بار الٰہا) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے (ہم نے کہا کہ) زمین پر لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں) اور ہم نے ان کو اہل (وعیال) اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کیلئے نصیحت تھی اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب بندے تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ (۴)

ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے نقل کیا ہے فرمایا کہ پہلے پیغمبر جو مبعوث ہوئے ہیں وہ ادریس علیہ السلام پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم علیہ

---

(۱) انعام: ۸۳_۸۴ (۲) نساء: ۱۶۳ (۳) انبیاء: ۸۳_۸۴ (۴) ص: ۴۱_۴۴

السلام پھر اسماعیل علیہ السلام پھر اسحاق پھر یعقوب پھر یوسف علیہ السلام پھر لوط علیہ السلام پھر ہود پھر صالح پھر شعیب پھر موسیٰ اور ہارون پھر الیاس پھر یسع پھر عرفی بن سوتلخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب، پھر یونس بن متی جو آل یعقوب سے تھے پھر ایوب بن رازح بن آموص بن لیفرز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم۔

لیکن ان کی بیان کردہ ترتیب میں کچھ شک کا یا غلطی کا امکان ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہود اور صالح حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے ہیں (اور بندہ مترجم عرض کرتا ہے کہ اسی طرح میرے خیال میں حضرت لوط علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام و اسحاق سے پہلے کے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کے پاس فرشتے حضرت اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری لے کر آئے تو ساتھ ہی قوم لوط پر عذاب کی خبر بھی دی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی پیغمبر تھے بلکہ غالباً یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بھی پہلے کے پیغمبر ہیں۔ م۔ ا)

علماء تفسیر و تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بہت مال والے تھے اور تمام اقسام کے مویشی، غلام، زمینیں تھیں اور آپ کی زمینیں سرزمین حوران میں بثنیہ مقام پر تھیں اور ابن عساکر نے نقل فرمایا ہے کہ یہ تمام علاقہ انہی کا تھا اور ان کے اہل و عیال بہت ہی زیادہ تھے۔

پھر یہ سب کچھ ان سے چھین لیا گیا حتیٰ کہ جسم میں بھی طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو گئیں اور کوئی عضو صحیح سالم باقی نہ رہا سوائے دل و زبان کے جن دونوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہے اور ان تمام مصیبتوں اور مشکلات کے باوجود آپ نہایت صابر اور اللہ عزوجل سے ثواب کی امید لگائے بیٹھے رہے اور دن اور رات صبح و شام اللہ کا ذکر کرتے رہے اور ان کا مرض اتنا طویل ہو گیا کہ کوئی ہم نشین بھی ساتھ نہ بیٹھتا تھا اور دوست احباب بھی وحشت کرتے تھے حتیٰ کہ پھر ان کو شہر سے نکال کر کوڑا کرکٹ کی جگہ پر ڈال دیا گیا اور لوگوں کا ان سے ملنا جلنا ختم ہو گیا اور کوئی بھی ایک ان کا غم خوار نہ رہا سوائے ان کی ایک بیوی کے جو ان کے حق کا خیال کرتیں اور ان کے پرانے احسانات شفقتوں کو نہ بھولنے کی وجہ سے اس کٹھن وقت میں خوب خدمت کرتی رہیں صبح و شام آپ کے پاس آتیں اور آپ کی خبر گیری رکھتیں اور قضائے حاجت میں مدد کرتیں اور آپ کی مصلحت و صحت کا خیال رکھتیں (پھر اس بیوی کی بھی کثرت عمر کی وجہ سے) حالت کمزور ہو گئی اور ان کا مال بھی کم ہوتا چلا گیا پھر بھی وہ صالحہ بیوی لوگوں کا اجرت پر کام کر کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کرتی رہیں اور ان کی پوری نگہبانی کرتی رہیں الغرض حضرت ایوب علیہ السلام پر جو کچھ بھی مصائب نازل ہوئے مال و اولاد کا ختم ہونا وغیرہ وغیرہ ان تمام مصائب میں یہ بیوی برابر کی شریک رہیں اور دکھ میں غم خواری کرتی رہیں بلکہ یہ ہر طرح بڑی مصیبت دیکھ رہی ہوتی تھیں کہ اپنے سر پر اتفاق رہیں اور تنگی کے باوجود اپنا مال ان پر خرچ کرتی رہیں اور لوگوں سے بھی اجرت لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت کی، حالانکہ ان حالات سے پہلے خود سعادت و نعمت و خدمت اور حرمت و عزت والی تھیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اور صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا لوگوں میں مصیبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ حضرت انبیاء علیہم السلام ہیں پھر صالحین پھر جو ان کے مشابہ ہوں اور ان کے مشابہ ہوں اور فرمایا آدمی آزمائش میں اپنے دین کے بقدر مبتلا ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو گا تو اس کی آزمائش میں بھی زیادتی ہو گی۔

تو جیسے کہ مذکورہ پچھلی حدیث میں فرمایا کہ سب سے سخت مصائب کے اعتبار سے انبیاء ہوتے ہیں تو ان میں حضرت ایوب علیہ السلام کو خصوصی مقام حاصل ہوا ان کو اتنی بیماریوں اور تنگیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے ساتھ مصائب میں مثل دی جاتی ہے اور ان کی بیماریوں اور مصیبتوں پر صبر کی مثال دی جاتی ہے اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے طویل اسرائیلی روایت نقل کی ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و اولاد وغیرہ کے ختم ہونے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے اور اس کی صحت کا اللہ کو علم ہے

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پہلے انسان ہیں جن کو چیچک (اور دیگر جلدی بیماریاں) لاحق ہوئیں اور آپ کی مدت مصائب میں مختلف اقوال ہیں تو وہب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ آپ تین سال کامل نہ کم نہ زیادہ ان مصائب میں مبتلا رہے اور حضرت انس کا فرمان ہے کہ سات سال اور کچھ مہینے تک ان مصیبتوں سے دو چار رہے اور پھر بنی اسرائیل کے ایک کوڑے کے ڈھیر پر ان کو ڈال دیا گیا تھا کیڑے

وغیرہ آپ کے جسم میں چلتے تھے حتی کہ اللہ نے آپ کو ان بیماریوں سے کلی شفا نصیب فرمائی اور خوب اجر عظیم سے نوازا اور پھر ان کی تعریف و مدح فرمائی، اور حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آٹھ سال تک آزمائش کا زمانہ تھا، اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا گوشت تک گر کر ختم ہو گیا تھا حتی کہ صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے، ان کی بیوی ریت لے کر آتیں اور ان کے نیچے بچھاتیں تا کہ نرمی ہو پھر جب بیوی کو خدمت کرتے کرتے طویل زمانہ گزر گیا تو ایک مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام کو کہا اگر آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں تو وہ آپ کو (ان مصائب سے) رہائی عطا فرمائے گا تو آپ نے حیرت انگیز جواب مرحمت فرمایا کہ میں ستر سال تک صحیح وسالم رہا تو اور کچھ نہیں تو کم از کم میں اللہ کے لئے ستر سال تک تو صبر کر لوں تو بیوی آئندہ کے لئے ایسی بات سے خاموش ہو گئیں اور خدمت جاری رکھی۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ گزر بسر کے لئے لوگوں کے ہاں کام کرتیں اور جو پیسے وغیرہ ملتے ان سے حضرت ایوب علیہ السلام کو کھلاتیں پھر ایک وقت آیا کہ لوگوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی ان عظیم صابرہ اہلیہ کو کام پر رکھنا چھوڑ دیا اور ان سے کوئی کام نہ لیتے تھے (جو ان کی زندگی کا ذریعہ تھا) شاید انھوں نے خیال کیا کہ آخر یہ بھی ہیں تو ایوب علیہ السلام کی بیوی کہیں ایوب علیہ السلام کی بیماریاں ہمارے اندر بھی نہ آجائیں تو جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو کسی نے بھی اپنے کام کاج پر نہ رکھا تو انھوں نے قربانی کی عظیم مثال پیش کرتے ہوئے اپنے سر کے بالوں کی دو مینڈھیوں میں سے ایک کاٹ کر کسی بڑے آدمی کی بیٹی کو فروخت کر دی اور اس کے بدلے کافی عمدہ کھانا ملا پھر وہ کھانا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور ان کو کھلایا ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ کہاں سے آیا کیونکہ ان کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا تو کہا کہ لوگوں کا کام کیا تھا پھر جب آئندہ روز ہوا تو پھر کسی نے کام پر نہ رکھا تو دوسری مینڈھی بھی بیچ دی اور اس کے بدلے کھانا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں، حضرت ایوب علیہ السلام کو پھر کچھ اوپرا سا محسوس ہوا تو اس دفعہ قسم اٹھائی کہ پہلے بتاؤ کہاں سے یہ کھانا آیا تو ملا پھر کھاؤں گا تو اہلیہ نے اپنا سر کھول دیا حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھا کہ سر منڈا ہوا ہے تو تب انتہائی بے کسی کے عالم میں حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی۔

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین (۱)

اے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

(۲) ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے ایک دن آپ کے پاس آئے تو آپ کی بو کی وجہ سے وہ قریب نہ آسکے تو وہ دور کھڑے ہو گئے پھر ایک دوسرے کو کہا کہ اگر اللہ ایوب علیہ السلام میں کوئی بھلائی و خیر جانتا تو اس کو اس طرح مبتلا نہ کرتا۔

اس بات سے حضرت ایوب علیہ السلام کو اس قدر رنج و تکلیف ہوئی کہ کبھی کسی سے نہ ہوئی ہو گی تو آپ نے فوراً بارگاہ رب العزت میں دست التجاء کے لئے بلند کئے اے اللہ اگر آپ کو علم ہے کہ جس نے کبھی کوئی رات سیر ہو کر نہیں گزاری اور میں جانتا ہوں کہ بھوکے کا کیا مرتبہ ہے تو آپ میری تصدیق فرمائیے تو اللہ نے آسمان سے ان کی تصدیق و تائید کی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس کبھی دو قمیص نہیں رہیں اور میں ننگے کا مرتبہ جانتا ہوں تو آپ میری تصدیق فرمائیے پھر آسمان سے تصدیق ہوئی اور دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر کہا اے اللہ تیری عزت کا واسطہ اور یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے اور فریاد و التجا کی۔

اے اللہ میری عزت کا واسطہ میں کبھی اپنا سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ آپ مجھ سے ان تکالیف کو نہ دور فرما دیں گے تو آپ نے سر نہ اٹھایا حتی کہ آپ ان بیماریوں سے نجات پا گئے۔

(۳) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر ایوب کو

---

(۱) الانبیاء ۸۳۔

(۲) وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی، حدثنا ابو سلمۃ، حدثنا جریر بن حازم، عن عبداللہ بن عبید بن عمیر

(۳) وقال ابن ابی حاتم، و ابن جریر جمیعا حدثنا یونس بن عبدالاعلی انبانا ابن وھب، اخبرنی نافع بن یزید عن عقیل، عن الزھری، عن انس بن مالک ..... الخ

اٹھارہ سال تک مصیبتیں آزمائش گھیرے رہیں پھر ان کو قریب والے اور دور والے سب چھوڑ گئے سوائے دو شخصوں کے جو آپ کے خاص بھائی تھے وہ آپ کے پاس صبح شام آتے تھے تو ایک مرتبہ ایک نے دوسرے کو کہا تو جانتا ہے کہ اللہ کی قسم شاید ایوب نے ایسا گناہ کیا جو جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ساتھی نے پوچھا وہ کیا ہے کہا اٹھارہ سال ہو گئے ہیں اس کی بیماریاں دور نہیں ہوئی جب ہی تو اب تک اس پر اللہ رب العزت نے رحم نہیں کیا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رب اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔

پھر دونوں شام کو حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس گئے تو اس شخص سے صبر نہ ہو سکا اور حضرت ایوب کو یہ بات ذکر کر دی حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سوائے اس کے کہ اللہ عزوجل جانتا ہے کہ میں دو شخصوں پر سے گزرتا تھا جو جھگڑا کر رہے تھے پھر وہ اللہ کا ذکر کرنے لگے تو میں اپنے گھر لوٹ آیا اور ان سے درگزر کیا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کا ذکر ہو (یعنی حضرت ایوب علیہ السلام ان دونوں سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ فرمانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں)

فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے نکلتے تھے اس طرح کہ آپ کی اہلیہ آپ کا ہاتھ پکڑتی تھیں یہاں تک کہ وہ آپ کو قضائے حاجت کیلئے لے کر جاتی تھیں وہ اسی طرح ایک دن دیر سے آئیں تو اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لات ماریے (یعنی نہانے کی چیز (اور اس کا پانی) ٹھنڈا اور پینا ہے) تو اہلیہ جب دیر سے پہنچیں تو آپ پاس دیکھا اور حضرت ایوب علیہ السلام کامل صحت و سلامتی کے ساتھ ہو چکے تھے وہ بیوی کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلی طرح حسین صورت ہو چکے تھے تو بیوی آپ کو بغور پوچھنے لگیں اللہ آپ کو برکت دے کیا آپ نے یہاں ایک بیمار شخص کو دیکھا ہے؟ (کیونکہ بیوی بالکل نہ پہچان سکیں) اللہ کی قسم جب وہ تندرست ہوتا تھا تو بالکل آپ کی طرح ہوتا تھا تو وہ شخص کہنے لگا وہ میں ہی ہوں۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے ایک گندم کا ایک جو کا پھر دو بادل آ گئے تو ایک بادل گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے بھر دیا پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے جو کے کھلیان کو چاندی سے بھر دیا۔ یہ ابن جریر کے الفاظ ہیں اسی طرح امام ابن حبان نے اپنی صحیح[1] میں روایت کیا ہے۔

لیکن اس روایت میں غرابت ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

[2]ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جنت کا جوڑا پہنا دیا تھا پھر دور ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے تو ان کی بیوی آئیں اور پہچان نہ سکیں تو آپ ہی سے پوچھا اے اللہ کے بندے یہاں ایک آفت زدہ شخص ہوتا تھا وہ کہاں گیا؟ شاید کتا اس کو کھینچ لے گئے ہیں یا بھیڑیے؟ اور ایک گھڑی یہی بات کی پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی ایوب ہوں تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے بندے آپ مجھ پر مذاق کرتے ہیں؟ پھر کہا افسوس تم پر! میں ہی ایوب ہوں اللہ نے مجھ کو میرا جسم لوٹا دیا ہے۔

ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے ان کو ان کے اموال اولاد دوبارہ دے دی اور انہی جیسے اور بھی عطا فرمائے اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وحی فرمائی میں نے تجھ کو تیرا مال تیری اولاد واپس دی اور ان کی مثل اور بھی تجھ کو لوٹا دیا ہے اب اس پانی کے ساتھ غسل کر لیجئے اس میں شفا ہے اور اپنے ساتھیوں کے قریب ہو جائیں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں کیونکہ انہوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے ایوب کو (صحت و) عافیت بخش دی تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسا دیں تو اپنے ہاتھ سے جلدی جلدی پکڑ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے تو پوچھا گیا اے ایوب کیا آپ سیر نہیں

---

(۱) عن محمد بن الحسن بن قتيبة عن ابن حرملة عن ابن وهب به وهذا غريب رفعه جدا والأشبه أن يكون موقوفا

(۲) وقال ابن ابي حاتم: حدثنا ابي حدثنا موسى بن اسماعيل حدثنا حماد انبانا علي بن زيد عن يوسف بن مهران عن ابن عباس نحو

ہوئے؟ عرض کیا اے پروردگار آپ کی رحمت سے کون سیر ہوگا؟ (۱)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیوں کا غول بھیجا گیا تو آپ اپنے کپڑے میں ان کو سمیٹنے لگے تو اللہ کی طرف سے پوچھا گیا اے ایوب جو ہم نے تمہیں دیا کافی نہیں ہے؟ کہا پروردگار تیری عطا و فضل سے کون بے پرواہ ہوگا۔

یہ بات موقوف بیان ہوئی لیکن ایک دوسرے طریق سے حضرت ابوہریرہ سے یہی حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے۔ (۲)

مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ایوب ننگی حالت میں غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیوں کا غول برسنا شروع ہوا تو آپ نے ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا پروردگار نے پکارا اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس سے جو تو دیکھ رہا ہے غنی نہیں کر دیا تھا؟ عرض کیا کیوں نہیں میرے پروردگار لیکن آپ کی برکت سے مجھے استغنا نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس کو عبدالرزاق کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ (۳)

اور فرمان خداوندی ہے کہ اپنا پاؤں مارو یعنی زمین پر پاؤں مارو آپ نے فرمان بجا آوری کی جس سے اللہ نے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری کر دیا پھر حکم فرمایا کہ اس سے غسل بھی کریں اور اس کو پئیں بھی۔ تو اللہ نے ان کے بدن کی ظاہری باطنی بیماریاں تکالیف و پریشانیاں سب مکمل دور فرمادیں اور ان کے بجائے اللہ نے ہر اعتبار سے صحت قوت اور ظاہری و باطنی حسن اور مال کثیر عطا فرما دیا اور مال اتنا دیا کہ سونے کی ٹڈیاں خوب خوب ان پر برسیں اور ان کے اہل و عیال کو بھی واپس فرما دیا۔ قرآن میں ہے اور ہم نے اس کو اس کے اہل اور ان کے مثل ان کے ساتھ عطا کر دیا اس میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ نے ان پچھلے اہل و عیال کو دوبارہ زندہ فرما دیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے پچھلے اہل کا بدلہ دنیا میں دیا تھا یعنی دوسرے اہل و عیال عطا فرما دیے تھے اور قیامت میں پھر تمام کو جمع فرما دیں گے۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے ان کو عطا کیا اپنی طرف سے رحمت سے۔ (۴)

یعنی ہم نے ان کی تکالیف و شدت اور مصائب کو اپنی جانب سے رحمت اور احسان اور مہربانی کی وجہ سے دور کر دیا اور فرمایا "یہ عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے" یعنی جو شخص جسم یا مال یا اولاد کے بارے میں مشقت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو وہ اللہ کے نبی پیغمبر ایوب سے نصیحت حاصل کرے اور ان کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے کہ انہوں نے کس طرح عظیم آزمائش پر صبر کیا اور اللہ سے ثواب کی توقع رکھی تو پھر اللہ نے ان کی تمام پریشانیوں کو دور کر دیا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ مال و متاع اور اہل و عیال سے نواز دیا۔

اور بعض لوگوں نے انتہائی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام "رحمت" اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ آیت میں ہے رحمۃ من عندنا یعنی ہم نے یہ فراوانی وغیرہ سب اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ کی تو وہ اس کا مطلب نکالتے ہیں کہ ہم نے رحمت (بیوی) عطا کی یہ حقیقت سے کوسوں دور اور جھگڑے میں پڑنے والی بات ہے۔

اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اللہ نے ان کی اس بیوی کو ان کی جوانی واپس لوٹا دی تھی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ جوانی عطا فرما دی تھی کہ پھر ان سے حضرت ایوب کے چھبیس لڑکے ہوئے۔

پھر حضرت ایوب علیہ السلام مصائب کے بعد سرزمین روم میں ملت ابراہیمی پر ستر سال حیات رہے پھر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا۔

---

(۱) حدثنا ابو زرعة حدثنا عمرو بن مرزوق حدثنا همام عن قتادة عن النضر بن انس عن بشير بن نهيك عن ابي هريرة - هكذا رواه الامام احمد عن ابي داود الطيالسي وعبد الصمد عن همام عن قتادة به ورواه ابن حبان في صحيحه عن عبدالله بن محمد الازدي عن اسحاق بن راهويه عن عبدالصمد لم يخرجه احد من اصحاب الكتب وهو على شرط الصحيح والله اعلم

(۲) قال الامام احمد حدثنا سفيان عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة مثله

(۳) قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة رواه البخاري من حديث عبدالرزاق به

(۴) الانبیاء ۸۴

آگے فرمان الٰہی ہے اور ہم نے ایوب کو حکم دیا) اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو بہت صابر پایا وہ بہت خوب بندے تھے بہت رجوع کرنے والے تھے۔(۱)

کسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کا حلف (قسم) اٹھایا تھا تو اللہ نے اپنے بندے رسول حضرت ایوب علیہ السلام کو رخصت دی اور آسان راستہ بتلا دیا کہ ایک جھاڑو جس میں سو تنکے ہوں لے لو اور اس سے ایک دفعہ مارو (لیکن شرط یہ ہے کہ سب تنکے لگیں) اور یہ کس وجہ سے آپ نے ان پر یہ قسم اٹھائی تھی؟ ایک قول ہے کہ بیوی نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں بیچ دی تھیں اس بنا پر قسم اٹھائی اور ایک قول ہے کہ ان کو شیطان طبیب کی صورت میں ملا تو اس نے ان کو ایوب علیہ السلام کے لئے دوا بتلا دی تو بیوی نے آکر ان کو خبر دی تو آپ پہچان گئے کہ وہ شیطان تھا تو تب یہ قسم اٹھائی پھر جب اللہ عزوجل نے ان کو عافیت و صحت دے دی اور قسم پورا کرنے کا وقت آگیا تو تب اللہ نے ان کے لئے آسانی کا راستہ کھول دیا اور قسم پورا کرنے کے لئے یہ ترکیب بتلائی کہ ایک کھجور کا خوشہ لو جس میں سو شاخیں ہوں اور تمام کو اکٹھا مارو تو یہ کوڑوں کا بدل ہو جائے گا اور قسم پوری ہو جائے گی اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے متقیوں کے لئے کشادگی اور آسان راستے کی فراہمی ہے خصوصاً اس نیک صابرہ اہلیہ پیغمبر کے لئے اور اسی وجہ سے اللہ نے اس رخصت و آسانی کے بعد یہ وجہ بھی بیان فرمائی کہ وہ ایوب ہم نے صابر اور بہترین بندے اور رجوع کرنے والے تھے۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے قسموں اور نذروں کے باب میں یہ آسانی اور رخصت کا حیلہ اختیار کیا ہے حتیٰ کہ بعض حضرات نے اس عنوان پر مضمون پر کتابیں بھی لکھی ہیں کہ "قسموں سے خلاصی کی کیا ترکیب اور حیلے" ہوں اس کے لئے دلیل اس آیت کو بنایا ہے اور اس میں عجیب و غریب نکتے بیان کئے ہیں جن میں سے کچھ ہم اپنی کتاب "کتاب الاحکام" میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

ابن جریر اور علماء تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی کل عمر ترانوے سال کی ہوئی اور اس سے زائد کا قول بھی ہے۔

لیث نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن سلیمان علیہ السلام کو اغنیاء کے سامنے بطور دلیل و حجت پیش کریں گے اور یوسف علیہ السلام کو پاکدامنوں پر دلیل پیش کریں گے اور ایوب علیہ السلام کو مصیبت والوں پر بطور دلیل و حجت پیش کریں گے، ابن عساکر نے بھی اسی کے ہم معنی قول نقل کیا ہے۔

اور حضرت ایوب نے اپنے لڑکے حومل کو اپنا جانشین و وصیت فرمائی اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد ان کے معاملات اور کام انہوں نے کئے پھر ان کے دوسرے فرزند بشر بن ایوب ہوئے اور ان کے بارے میں اکثر کا خیال ہے کہ یہی ذوالکفل علیہ السلام ہیں واللہ اعلم اور اس بیٹے کی وفات پچھتر سال کی عمر میں ہوئی اور لوگوں کے خیال کے مطابق پیغمبر تھے۔

اب ہم ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ بعض کا یہی خیال ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور یہی ذوالکفل تھے۔

---

(۱) ص ۴۴

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ

جو ایک قوم کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کے فرزند رشید ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ سورۂ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور (یاد کرو) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب صابرین میں سے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔ (۱)

اسی طرح سورۂ "ص" میں بھی اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور یاد کیجیے ہمارے بندوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور نظر والے تھے بے شک ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کرو وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ (۲)

ظاہر یہی ہے کہ جبکہ قرآن مجید میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آتا ہے اور تعریف و توصیف کے کلمات ان کے متعلق وارد ہیں یہ باتیں بتاتی ہیں کہ وہ بھی پیغمبر تھے اور یہی مشہور ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ صالح عدل و انصاف والے آدمی تھے اور ابن جریر نے خود ان کے بارے میں توقف فرمایا ہے اور انہوں نے ابن ابی نجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ نیک صالح انسان تھے۔

اور یہ اپنی قوم کی طرف سے ان کے جھگڑے چکاتے تھے ان کے فیصلے نمٹاتے اور خوب عدل و انصاف فرماتے اور ان کے معاملات کی کفالت فرماتے اور اسی وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (یعنی کفالت والا) پڑ گیا۔

اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمایا ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام ضعیف (بوڑھے) ہو گئے تو فرمایا کاش میں کسی آدمی کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ بنا جاتا جو ان کے معاملات وغیرہ کا نگہبان ہوتا تاکہ میں دیکھ لیتا کہ وہ کیسے کام کرتا ہے۔

تو آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور فرمایا جو میری تین باتوں پر عمل کرے اسی کو میں اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔

دن کو روزہ دار رہتا ہو رات کو شب بیدار رہتا ہو اور غصہ نہ کرتا ہو۔

یہ سب چپ رہے تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ دیکھنے میں عام سا آدمی اور حقیر جانتے تھے اس نے کہا میں ہوں آپ نے پوچھا تو دن کو روزہ دار رات کو شب بیدار اور غصے سے دور رہتا ہے؟ عرض کیا ہاں! تو آپ نے اس کو واپس فرما دیا پھر اگلے دن یہی سوال دہرایا تو پھر بھی سب خاموش رہے لیکن وہی شخص دوبارہ کھڑا ہوا اور عرض کیا میں ہوں تو حضرت یسع علیہ السلام نے انہی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر شیطان نے اپنے چیلوں کو کہا کہ تم فلاں شخص (یعنی ذوالکفل) کو گمراہ کرو لیکن سب اس کو بہکانے میں عاجز آ گئے تو پھر سردار شیاطین نے کہا چلو تم چھوڑو میں اس کو دیکھتا ہوں پھر یہ شیطان ایک انتہائی بوڑھے فقیر شخص کی حالت میں ان کے پاس گیا اور ایسے وقت میں گیا جب وہ دوپہر کو آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر لیٹ گئے اور آپ صرف اسی وقت تھوڑا سا آرام فرماتے تھے اور دن رات مصروف رہتے تھے تو شیطان نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے پوچھا کون ہے؟ شیطان نے کہا ایک مظلوم بوڑھا ہوں۔ حضرت ذوالکفل کھڑے ہوئے اور دروازہ کھول دیا تو بوڑھا (شیطان) اپنا قصہ سنانا شروع ہوا کہ میرے اور میری قوم کے درمیان جھگڑا ہے اور انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرے ساتھ یہ کیا ہے وہ کیا ہے

---

(۱) الانبیاء ۸۵، ۸۶۔ (۲) ص ۴۵، ۴۸

بشرطیکہ اس کا جو مقصد تھا کہ آرام کا وقت چلا جائے تو وہ پورا ہوا اور شام کا وقت ہو گیا تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جب میں شام کو (مجلس میں) بیٹھوں گا تو تجھے تیرا حق دلواؤں گا تو یہ شیطان نکل چلا گیا۔ شام کو حضرت ذوالکفل مجلس قضا میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے پھر صبح کو بھی مجلس میں انتظار کیا مگر نہیں آیا لیکن پھر آ گیا آپ دوپہر کو آرام کرنے کے لئے بستر پر چلے گئے تو دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہنے لگا میں وہی ضعیف مظلوم بوڑھا ہوں تو آپ نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا اور پوچھا میں نے آپ کو آنے کو کہا تھا؟ بوڑھے (شیطان) نے جواب دیا (میرے جھگڑے والے) خبیث لوگ ہیں جب ان کو پتہ چلا کہ آپ کے پاس فیصلہ آیا ہے تو آپ اس مجلس میں فیصلے کے لئے بیٹھے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم تیرا حق دے دیں گے اور جب آپ نے مجلس قضا برخاست فرمائی تو وہ پھر منکر ہو گئے تو حضرت ذوالکفل نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے شام کو چلا جا تو اس طرح دوسرے دن بھی آپ کا آرام خراب ہوا کہ پھر شام کو مجلس میں اس بندے کا انتظار فرمانے لگے لیکن وہ نظر نہ آیا اور آپ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا تو پھر آپ نے آرام کے وقت اپنے اہل کو فرمایا جب میں سو جاؤں تو کسی کو دروازہ کھٹکھٹانے نہ دینا کہ میں تھوڑی دیر آرام کر لوں اس لئے کہ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔

تو جب وہی پہلے والا وقت آیا تو وہی بوڑھا آیا تو دروازے پر نگران کھڑا تھا اس نے کہا پیچھے ہو پیچھے ہو بوڑھے نے کہا میں کل آیا تھا اور اپنا معاملہ ذکر کیا تھا انہوں نے مجھے اب بھی آنے کی اجازت دی ہے تو نگران نے کہا نہیں اللہ کی قسم نہیں۔ ہم کو حکم ملا ہے کہ کسی کو دستک نہ دینے دیں تو بوڑھا جب عاجز آ گیا تو اس نے ادھر ادھر سے کوئی اندر جانے کا راستہ تلاش کیا تو گھر کی کھڑکی نظر پڑی اس کو پھلانگ کر اندر چلا گیا اور عجیب شرارت کے انداز سے اندر گھر سے ہو کر دروازہ بجانا شروع کر دیا تو ذوالکفل نے نگران کو کہا کہ میں نے تجھے پہلے سے حکم نہ دیا تھا؟ کہا واللہ یہ ہماری طرف سے نہیں آیا تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟

تو حضرت ذوالکفل خود کھڑے ہو کر دیکھا کہ واقعی دروازہ تو ویسے ہی بند پڑا ہے اور بوڑھا اندر موجود ہے تو پھر آپ نے فرمایا کیا اللہ کا دشمن ہے؟ کہا ہاں میں نے بہت پریشان کرنا چاہا مگر آپ نے مجھے ہر چیز میں عاجز کر دیا میری تو کوشش تھی کہ آپ کو غضبناک کر دوں گا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

راوی کہتے ہیں کہ تب ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا کیونکہ انہوں نے اس کام کی کفالت اٹھائی تھی اور اس کو پورا کیا کہ کبھی غصہ نہ ہوئے۔

اسی کے قریب قریب ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور عبداللہ بن الحارث اور محمد بن قیس اور ابن حجیرہ الاکبر وغیرہ اسلاف سے اسی کے مثل قصہ منقول ہے۔

(۱) اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ کنانہ بن الاخنس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس منبر پر سنا فرما رہے تھے کہ حضرت ذوالکفل پیغمبر نہ تھے بلکہ ایک صالح انسان تھے جو ہر روز سو نمازیں پڑھتے تھے تو یہ ان کیلئے کفیل بن گئے کہ ان کی عبادت کریں گے تو انہوں نے بھی ان کے بعد سو نمازیں پڑھنا شروع کیں پس ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ (۲)

امام احمد نے فرمایا ہے کہ ہمیں اسباط بن محمد نے بیان کیا کہ ہمیں اعمش نے عبداللہ بن عبداللہ سے روایت کی کہ سعد جو طلحہ کے آزاد کردہ غلام ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے اور اس حدیث کو میں نے صرف ایک یا دو مرتبہ نہیں سنا ہوگا (اور آپ نے اس بات کو سات دفعہ بڑھایا) یعنی اگر اتنی کم مرتبہ سنا ہوتا تو میں کبھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا بلکہ میں نے اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایسا شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے نہ بچتا تھا ایک مرتبہ اس کے پاس ایک عورت آئی تو ذوالکفل نے اس کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ ان کو اپنے اوپر قدرت دے گی تو جب یہ اس عورت کے پاس اس نیت سے بیٹھ گیا جس طرح کہ مرد عورت کے پاس بیٹھتا ہے تو عورت کانپ اٹھی اور رو دی تو ذوالکفل نے پوچھا کس چیز نے تجھے رلایا؟ کیا میں نے تجھ سے زبردستی کی ہے؟ کہا نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے یہ کام کبھی

---

(۱) ہو قال ابن ابی حاتم، حدثنا ابی حدثنا ابو الجماہر، انا سعید بن بشیر، حدثنا قتادۃ عن کنانۃ بن الاخنس، قال سمعت الاشعری

(۲) و رواہ ابن جریر من طریق عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ قال قال ابو موسیٰ الاشعری فذکرہ منقطعاً

نہیں کیا اور مجھے تو ایک شدید حاجت تھی جس نے اس پر آمادہ کیا تھی۔ تو الکفل نے کہا تو نے کبھی یہ کام نہیں کیا اور اب کر رہی ہے؟ تو آپ اس خیال کو جھٹک کر اٹھ گئے اور کہا یہ دینار تیرے ہیں اور اللہ کی قسم آئندہ کبھی الکفل خدا کی نافرمانی نہ کرے گا تو اسی رات الکفل وفات پا گیا اور اس کے دروازے پر یہ لکھا پایا گیا۔

اللہ نے الکفل کی مغفرت فرما دی۔

اس کو ترمذی نے اعمش کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو ابن عمر پر موقوف کیا ہے (یعنی حضور ﷺ تک نسبت نہیں کی)۔

تو یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں شک کا امکان ہے جیسا کہ ابو حاتم فرماتے ہیں اس حدیث میں موجود سعد راوی کی معرفت نہیں ہوتی سوائے ایک حدیث کے ساتھ اور ابن حبان نے اس کی توثیق فرمائی ہے، اور اس سے عبداللہ بن عبداللہ رازی کے سوا کسی نے حدیث روایت نہیں کی، واللہ اعلم۔

الغرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر صحیح اور محفوظ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہاں حدیث میں الکفل نامی شخص کا ذکر ہے اور ہم نے پیچھے جس کا تذکرہ کیا وہ ذوالکفل ہے جس کا قرآن میں بھی ذوالکفل نام سے تذکرہ آیا ہے لہذا دونوں جدا ہو جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

ان سے پچھلی امتوں کا تذکرہ جو تمام نیست و نابود کر دی گئیں

اور جو قومیں ثمود وغیرہ کے بعد ہوئی تھیں وہ نزول تورات سے قبل ہوئی تھیں جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اس کے بعد کہ ہم نے پہلے گروہوں کو ہلاک کر دیا۔ (۱)

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور بزار نے عوف اعرابی کی حدیث سے ابی نضرہ سے روایت کیا اور ابی نضرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے کسی قوم کو آسمان کے عذاب یا زمین کے عذاب سے تورات کے نزول کے بعد روئے زمین پر ہلاک نہیں فرمایا، سوائے اس بستی کے جن کی شکلیں مسخ کر دی گئیں کہ انہیں بندر بنا دیا گیا تو جیسے اس کی تائید پچھلی آیت کرتی ہے۔

گذشتہ حدیث تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ پر موقوف تھی اور بزار نے اسی کی روایت کو مرفوعاً بھی ذکر کیا ہے (یعنی حضور ﷺ کی طرف نسبت کی ہے) تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ تمام امتیں جو سب ختم ہوئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھیں اپنے وقتوں میں ہلاک ہوئی ہیں۔ تو انہی میں سے اصحاب الرس بھی ہیں۔ (۲)

اصحاب الرس

اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان میں فرماتے ہیں۔

اور (ہم نے) عاد، ثمود اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان والی اور (ان کے علاوہ) بہت سی جماعتوں کو (بھی ہلاک کر دیا) اور سب کے (سمجھانے کے) لئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔

اور سورۂ ق میں فرمایا: ان سے پہلے قوم نوح اور کنوئیں والوں اور ثمود نے جھٹلایا اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں (نے بھی جھٹلایا) اور درختوں والوں اور قوم تبع (سب) نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہماری وعید بھی پوری ہو گئی ہے۔ (۳)

یہ آیات اور ان سے پہلے کی آیت دلالت کرتی ہیں کہ وہ ہلاک کئے گئے اور ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا جس سے وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے۔

(گذشتہ تقریر یا سب آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان کا دور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے اس میں منشاء کا قول ہے جو حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قول اختیار فرمایا ہے کہ اصحاب الرس وہ اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ بروج میں آیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ مورخ ابن اسحاق اور دوسری بڑی جماعت اس بات کی صراحت فرماتی ہیں کہ اصحاب الاخدود کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کا ہے اور اس میں بھی نظر ہے۔ اور مزید یہ کہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ اصحاب الرس ثمود کی بستیوں میں سے ایک بستی والے تھے۔

تو جب وہ تصریح فرما رہے ہیں کہ وہ ثمود کی کوئی بستی تھی اور یہ قوم حضرت مسیح علیہ السلام سے تو کتنا قبل کی ہے تو اصحاب الرس ان کے بعد کیسے ہو سکتے ہیں؟

ابن عساکر اپنی تاریخ میں دمشق شہر کی تعمیر کو ابوالقاسم کی تاریخ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصحاب الرس (کنوئیں والے) اپنے شہر میں آباد تھے کہ اللہ عزوجل نے ان میں اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا جن کو حنظلہ بن صفوان نام سے پکارا جاتا تھا انھوں نے ان کی دعوت کو مسترد کیا

---

(۱) القصص ۴۳۔ (۲) الفرقان ۳۸۔۳۹۔ (۳) ق ۱۲،۱۴۔

بھیجا انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو قتل کر دیا تو عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اپنے بچوں کو لے کر (اصحاب) الرس کی بستی سے الگ ہو گئے (کیونکہ یہ سمجھ گئے تھے کہ انھوں نے اپنے محسن عظیم کو قتل کیا ہے اب قہر الٰہی نازل ہونے کو ہے) لہٰذا یہ وہاں سے آ کر سرزمین احقاف میں آ رہے اور ادھر اصحاب الرس پر عذاب الٰہی آیا اور تمام کو تباہ و برباد کر دیا پھر ان حضرات نے جنوب سے سرزمین احقاف تک پڑاؤ کیا تھا وہاں کی زمین کافی تھی۔ پھر یہ یمن کی طرف منتقل ہو گئے۔ اور پھر ان کی آل اولاد زمین کے تمام گوشوں میں پھیل گئی۔ اور جیرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح دمشق کی جگہ آ پہنچے اور وہاں ایک شہر بنایا اور اس کا نام جیرون رکھا اور پھر یہی بسنے والے لوگ ارم بڑے بڑے قد و قامت والے کہلائے۔ اور یہاں پہنچنے کی کوئی تعمیرات باقی نہ رہی تھیں وہ تمام عذاب الٰہی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں تو ان میں اللہ نے ایک اپنا پیغمبر یعنی حضرت ہود علیہ السلام بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن حلود بن عاد کو ان کی قوم عاد کی طرف سرزمین احقاف میں رشد و ہدایت کے لئے بھیجا اور ان کا قوم عاد میں ہونا جیسا کہ عاد کی طرف منسوب ہونے کی علامت ہے لہٰذا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ پیدا ہوئے جس کی وجہ سے خدا نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی۔ (1)

تو اس قصے سے معلوم ہوا کہ پہلے اصحاب الرس ہیں جو عاد کے بانی۔ یہ لوگ ادھر ادھر چلے گئے پھر ان کی پشت میں اور حضرت ہود علیہ السلام آئے پھر یہ بھی ہلاک ہوئے تو معلوم ہوا کہ اصحاب الرس قوم عاد سے کافی زمانہ قبل کی قوم ہے واللہ اعلم۔

(1) اور ابن ابی حاتم نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اصحاب الرس ثمود کی بستی) اور ان کا کنواں (الرس) آذر بائیجان میں تھا اور حضرت ثوری ابو بکیر سے اور عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب الرس والوں نے اس کنویں میں اپنے نبی کو پھینک دیا تھا اور کنویں کو پھر ایک چٹان سے ڈھانک دیا تھا۔

اور ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا: اصحاب الرس فلج علاقہ میں تھے اور یہی وہ اصحاب یٰس ہیں جن کا تذکرہ سورہ یٰس میں آیا ہے جن کی قربانی کے تعجب کی وجہ سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلج یمامہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ (الفلج یمامہ والا فلج ایک بستی کا نام ہے جس کو [illegible] ہے۔م)

اور اگر اصحاب الرس اصحاب یٰس ہیں جیسا کہ حضرت عکرمہ کا خیال ہے تو میں کہتا ہوں کہ پھر یہ تمام ہی ہلاک کر دیے گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے قصے میں فرماتے ہیں وہ صرف ایک چنگھاڑ کی وجہ سے بجھے ہوئے ہو گئے۔ (یٰس ۲۹) ان کے بعد اصحاب یٰس کا قصہ بھی آئے گا۔

اور اگر الگ ہیں تب بھی اصحاب الرس بھی ہلاک ہو گئے۔ تو ان کی ظاہر ہے کہ یہ لوگ بعد والے ہیں۔ لیکن یہ بات حضرت ابن جریر کے فرمان کے خلاف ہے۔

ابو بکر محمد بن حسن نقاش نے ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ اصحاب الرس کے علاقے میں ایک کنواں جاری تھا جو ان کو سیراب کرتا اور ان کی زمین کو بھی سیراب کرتا تھا اور ان کا ایک عادل اور حسن سلوک کرنے والا بادشاہ تھا جب وہ مر گیا تو اصحاب الرس کو اس پر انتہائی قلق اور افسوس ہوا کچھ عرصے کے بعد شیطان ان کے بادشاہ کی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہا میں مرا نہیں ہوں لیکن غائب ہو گیا ہوں اور میں تمہارے معاملات کو دیکھ رہا ہوں تو قوم بہت ہی خوش ہوئی پھر شیطان نے اپنے اور ان کے درمیان پردہ کا حکم کیا اور کہا کہ کبھی نہیں مروں گا تو اکثر لوگوں نے اس کی بات کی تصدیق کی اور حماقت کی اور اس کے مکر و فتنے میں مبتلا ہو گئے اور اس کی پوجا کرنے لگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک پیغمبر بھیجا آپ نے ان کو خبر دی کہ یہ شیطان ہے جو پردے کے پیچھے سے تم سے خطاب کرتا ہے اور ان کو اس کی عبادت ترک کرنے اور خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پیغمبر کی طرف نیند میں وحی بھیجی جاتی تھی اور ان کا نام گرامی حضرت حنظلہ بن صفوان تھا پھر ان کی قوم

---

(1) ہکذا ذکرہ الحافظ الکبیر ابو القاسم بن عساکر فی اول تاریخه عند ذکر بناء دمشق عن تاریخ ابی القاسم عبداللہ بن خرداذبہ وغیرہ

(2) رواہ ابن ابی حاتم عن ابی بکر بن ابی عاصم عن ابیه عن شبیب بن بشر عن عکرمة عن ابن عباس

نے ان پر چڑھائی کی اور ان کو شہید کر ڈالا اور پھر ان کو کنویں میں پھینک دیا جس کی وجہ سے کنویں کا پانی خشک ہو گیا اور وہ سیراب و تروتازہ زندگی کے بعد پیاس کی شدت میں مبتلا ہو گئے ان کے درخت سوکھ گئے اور پھل ختم ہو گئے شہر ویران ہو گئے اور انس و سکون کے بعد وحشت زدہ کھنڈروں میں بکھر گئے اور ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی اور شروع سے آخر تک تمام جمعیت تباہ و برباد ہو گئے اور ان کے مکانوں اور محلوں میں جنوں اور وحشی جانوروں نے بسیرے بنا لئے جب اب ان کے علاقے میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی سوائے جنوں کی وحشت ناک آوازوں کے اور شیروں کے دھاڑنے کے اور بھیڑیوں کے غرانے کے۔

[1] ابن جریر کی روایت کے مطابق محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک پہلا شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ ایک سیاہ فام شخص ہوگا اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ نے ان لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا تھا تو اس بستی میں سے صرف ایک شخص کے سوا کوئی ایمان نہ لایا اور یہ شخص وہی سیاہ فام غلام ہے پھر اہل قریہ (بستی والوں) نے نبی اللہ پر ظلم و ستم کیا اور ان کے لئے ایک گڑھا کھودا اور اس میں ان کو پھینک دیا اور پھر کنویں کو پتھروں سے اٹا دیا اور خوب بند کر دیا تو یہ غلام جاتا اور جنگل سے لکڑیاں لے کر پشت پر لاد کر لاتا اور ان کو بیچتا اور ان کے بدلے کھانا پانی خریدتا اور کھانا پانی لے کر اسی کنویں کے پاس پہنچتا پھر اللہ کی مدد سے پتھر کو سرکاتا اور یہ طعام و مشروب (رسی وغیرہ کے ذریعے سے) ان تک پہنچا دیتا۔

اور اس کے بعد پتھروں کو پہلے کی طرح برابر کر دیتا۔

تو جب تک مشیت خداوندی رہی اسی طرح ہوتا رہا پھر ایک دن یہ غلام حسب مقصد لکڑیاں کاٹ کر گٹھا باندھ کر فارغ ہوا اور ابھی اٹھانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اس کو بہت گہری نیند آنے لگی اور یہ کروٹ پر لیٹ گیا اور نیند نے اس کو دبوچ لیا اور وہ سات سال تک اللہ کے حکم سے یونہی محو خواب و نیند رہا پھر بیدار ہوا اور پھر سستی سے کروٹ بدل کر دوبارہ لیٹ گیا اللہ نے سات سال تک اسی طرح سلا دیا پھر بیدار ہوا تو اپنا گٹھا اٹھایا اور اس کو خیال بھی نہیں تھا کہ وہ سال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے بلکہ اپنے گمان میں صرف دن کا کچھ حصہ سویا ہے پھر بستی میں آیا اور لکڑیاں بیچ کر کھانا خریدا اور اسی کنویں پر آیا جہاں پہنچتا تھا لیکن اس کو کوئی گڑھا وغیرہ نہیں ملا پھر اس نے بہت تلاش کیا مگر پتہ چلے بغیر واپس لوٹ گیا۔

اور در حقیقت جب یہ سویا تھا تو اللہ نے پیچھے سے اس کی قوم کو مشرف باسلام کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں سے نکالا اور ایمان لائے اور ان کی تصدیق و تائید کی)۔

اور ان پیغمبر نے لوگوں سے اس سیاہ فام غلام کے متعلق بہت پوچھ گچھ کی کہ وہ کہاں ہے اس کا کیا بنا لیکن وہ کہتے ہمیں تو کچھ علم نہیں ہے حتی کہ اللہ نے پیغمبر کو وفات دے دی اور پھر سیاہ فام غلام کو بیداری ہوئی۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سیاہ فام غلام جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔

یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں شک کا امکان ہے شاید قصہ کو طوالت محمد ابن کعب قرظی سے ملی ہے پھر علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ وہ اصحاب الرس نہیں ہو سکتے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کیونکہ ان کے متعلق تو اللہ نے ہلاکت کی خبر دی ہے جبکہ یہ ایمان لے آئے تھے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی آل اولاد ایمان لائی اور ان کے پیغمبر بھی دوسرے ہوں واللہ اعلم۔

اور پھر علامہ ابن جریر نے فرمایا کہ وہ اصحاب الاخدود ہیں اور یہ آپ کی بات ضعیف ہے جس کی وجہ پہلے گزر چکی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اصحاب الاخدود کو آخرت کے عذاب کی وعید ہے جبکہ ان کے متعلق دنیا میں بھی ہلاکت کی خبر دی گئی۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) رواہ ابن جریر عن محمد بن حمید عن سلمۃ عن ابن اسحاق، عن محمد بن کعب القرظی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قوم یٰس کا قصہ

جن لوگوں کو اللہ نے ان کی نافرمانی وسرکشی کی وجہ سے ہلاک کیا ان میں سے اصحاب یٰس بھی ہیں۔

سورۂ یٰس (۱۳ ـ ۲۹) میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور (اے پیغمبر) ان سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے، (یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے (پہلے دو کو) تقویت دی تو انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں، وہ بولے کہ تم (اور کچھ) نہیں صرف ہماری طرح کے آدمی ہو اور خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہو، انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس، وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک دیکھتے ہیں اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہم سے تم کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا، انھوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو اور شہر کے آخری کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے میری قوم پیغمبروں کے پیچھے چلو۔

جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں اور کیا ہے مجھے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں؟ جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟

اگر خدا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا، میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا، بولا کاش میری قوم کو خبر ہو جائے کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کر دیا، اور ہم نے اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی، سو وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔

متقدمین متاخرین میں اکثر بزرگوں سے یہی ثابت ہے کہ یہ بستی انطاکیہ ہے اور ابن اسحاق نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ابن عباس، کعب احبار، وہب بن منبہ رحمہم اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ بریدہ بن خطیب، عکرمہ، قتادہ، زہری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ تو محمد ابن اسحاق، حضرت ابن عباس، کعب احبار اور وہب رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس انطاکیہ بستی میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام انطیخس تھا اور یہ بتوں کا پجاری تھا تو اللہ نے اس کی طرف تین پیغمبروں کو بھیجا جو سچے اور برحق تھے لیکن اس نے ان کو جھٹلا دیا اور ایک قول کے مطابق ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم تھے۔

اور یہی ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قاصد تھے، اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔ (1) وہ شعیب جبائی سے مروی قول ذکر کرتے ہیں کہ پہلے دو رسولوں کے نام شمعون اور یوحنا تھے اور بعد میں آنے والے تیسرے کا نام بولس تھا، اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے قاصد بھیجے تھے تو اس زمانے میں بھی انطاکیہ والے پہلے پہل ایمان لانے والوں میں تھے، اور یہ بستی ان چار بستیوں سے تھی جن کے اہل حضرت مسیح پر ایمان لائے تھے وہ چار بستیاں یہ ہیں انطاکیہ، القدس، اسکندریہ، رومیہ اور ان چار بستیوں کے بعد اہل قسطنطنیہ (یعنی استنبول ترکی) والے مسلمان ہوئے۔ اور یہ بستیاں ہلاک بھی نہ ہوئیں اور انطاکیہ بھی عذاب سے دوچار نہ ہوئی جبکہ سورۂ یٰس میں جن رسولوں کا ذکر ہے اہل انطاکیہ نے ان کی تکذیب کی تھی جسکی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کی

---

(1) قال ابن جرير عن وهب عن ابن سليمان عن شعيب والجبائي

لپیٹ میں آ گئے۔ فرمان ہے: وہ (عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی جس سے وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔ (یٰس ۲۹)۔ تو اب ہو سکتا ہے کہ قدیم ترین زمانے میں اہل انطاکیہ خدائی پیغمبروں کی تکذیب کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئے ہوں اور پھر یہ بستی دوبارہ آباد ہو گئی ہو اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے پاس اپنے قاصدوں کو بھیجا تو یہ مشرف بایمان ہو گئے۔ لہٰذا اس طرح دونوں باتوں اور قصوں میں کوئی تضاد نہ رہے گا تو معلوم ہوا کہ جن حضرات نے کہا کہ سورہ یٰس میں مذکور جن (اہل انطاکیہ) کی ہلاکت کا ذکر ہے ان میں حضرت مسیح کی طرف سے قاصدوں کا بھیجا جانا مراد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو وجہ مذکور ہوئی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن میں فرمایا اور ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے تو معلوم ہوا کہ یہ خدائی پیغمبر تھے نہ کہ قاصدین مسیح علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور بیان کرو ان کے لئے بستی والوں کی مثال جب ان کے پاس رسول آئے۔)

یعنی اے محمد ﷺ اپنی قوم کو انکا قصہ بیان کرو۔ جو ہم ذکر کرتے ہیں فرمایا: (جب ہم نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا۔ پھر انہوں نے ان دو کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو تیسرے کے ساتھ تقویت دی۔) یعنی تیسرا رسول بھی ہم نے ان دو کی مدد کے لئے بھیج دیا (انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں) لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ان کی بات مسترد کر دی کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو جیسے پہلے کی کافر امتیں کہتی چلی آئیں یعنی لوگ اس بات کو محال و بعید از خیال سمجھتے تھے کہ اللہ کسی انسان کو پیغمبر بنا سکتا ہے۔ جسکا انہوں نے پختگی کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک اللہ کو پتہ ہے کہ ہم اس کے تمہاری طرف رسول و قاصد ہیں اگر ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے تو وہ ہمارا برا انجام کرے گا اور سخت انتقام لے گا۔ آگے فرمایا: (اور ہم پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے) یعنی جو اللہ نے ہمیں دیا ہے وہ ہمیں تم تک پہنچانا لازمی ہے لہٰذا ہم وہ سب کچھ صاف صاف پہنچا چکے اب ہدایت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ اللہ ہی ہے جسکو چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسکو چاہے گمراہ کرتا ہے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ (کہنے لگے ہم تو تم کو نامبارک خیال کرتے ہیں) یعنی ہم تم سے بدفالی لیتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے کہیں ہم عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (لہٰذا اگر تم (اس دعوت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے) یعنی کافروں نے پیغمبروں کو کہا کہ یا ان باتوں سے رک جاؤ یا اپنے کاموں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ (اور تم کو ہماری طرف سے تکلیف پہنچے گی) یعنی کافروں نے اس طرح پیغمبروں کو پہلے قتل کی پھر اہانت و ذلت کی دھمکی دی۔

انبیاء نے (کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے) یعنی تم ہی مردود اور مراد ہو کہ خدا کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے جس کی وجہ سے نحوست پڑ رہی ہے (کیا تم کو نصیحت کی گئی اس وجہ؟) یعنی ہم نے تم کو خیر و بھلائی کی طرف بلایا۔ اس وجہ سے تم ہم کو قتل و ایذا رسانی کی دھمکی دیتے ہو؟ (بلکہ تم انتہائی حد سے گذرنے والی قوم ہو) یعنی تم نہ تو حق کو قبول کرتے ہو اور نہ اسکا ارادہ و پاس رکھتے ہو۔ آگے فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا) یعنی نبیوں کی مدد و نصرت اور اپنا ایمان ظاہر کرنے کے لئے پہنچا اور (کہا کہ اے قوم تم رسولوں کی اتباع کرو) یعنی ایسے لوگوں کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں) کہ بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے تم کو خیر کی طرف ہدایت دے رہے ہیں پھر اس آنے والے شخص نے اپنی قوم کو خود دعوت دی اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف بلایا اور اس کے اغیار کی عبادت و پوجا سے منع کیا جو دنیا و آخرت میں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے۔ اور کہا کہ اگر میں بھی اوروں پر ایمان لاؤں (تو اس وقت میں صریح گمراہی میں جا پڑوں گا) یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر اس کے ساتھ دوسروں کی بھی پرستش کروں تو میں بھٹک جاؤں گا۔ پھر یہ مومن شخص جب اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے واقف ہو گیا تو اپنے آپ کو رسولوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے گویا ہوا (میں تمہارے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ سن لو میری بات) یعنی میری یہ بات سن لو اور اپنے رب کے پاس اس کی گواہی دینا یا اپنی قوم کو خطاب ہے کہ اے قوم سن لو میں علی الاعلان اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔

تو جب اس مومن شخص نے اپنے ایمان لانے کو ظاہر کیا تو اس کی سرکش قوم والوں نے اس کو قتل کر دیا یا سنگسار کر دیا یا لاٹھی سے مار ڈالا یا کسی نے اس کو لٹا کر ختم کر دیا۔ الغرض کسی بھی طریقے سے اس وقت قوم نے اس کو اپنے ظلم و ستم کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور ابن اسحاق اپنے بعض اصحاب سے حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ پوری قوم نے اس شخص کو اپنے پیروں تلے روندا اور مار دیا حتیٰ کہ اوپر چڑھ گئے اور معدے کی آنتیں پچھلے راستے سے نکل گئیں۔

اور ثوری نے عاصم احول سے انہوں نے ابی مجلز سے نقل کیا ہے اس شخص شہید کا نام حبیب بن امری تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بڑھئی تھے۔ یا

جولاہا (کپڑا بننے والا) تھے یا موچی تھے یا رنگ ریز تھے اور ایک قول ہے کہ یہ وہیں ایک غار میں عبادت کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ واللہ اعلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب بڑھئی کو جذام مرض کا عارضہ لاحق تھا اور بہت صدقہ کرنے والے شخص تھے پھر ان کو ان کی ظالم قوم نے قتل کر دیا۔ اس وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کو حکم ہوا (کہا گیا جنت میں داخل ہو جا) پھر جب اس شہید حق نے جنت کی خوشیاں تر و تازگیاں دیکھیں تو تمنا کی (کہا کاش کہ میری قوم والے) جانتے کہ میرے رب نے میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا تاکہ وہ بھی ایمان لے آئیں اور یہ نعمتیں ان کو بھی حاصل ہو جائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے زندگی میں اپنی قوم سے خیر خواہی کرتے ہوئے یہ نصیحت کی (اے قوم رسولوں کی اتباع کرو) اور اپنی وفات کے بعد بھی خیر خواہی کے پیش نظر نصیحت کے طور پر (کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے میری مغفرت کر دی اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا) ابن ابی حاتم اس کو روایت فرماتے ہیں۔

اسی طرح حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نے جب اللہ کی طرف سے اکرام و عزت کو دیکھا تب بھی ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی قوم سے خیر خواہی کی اور بدلہ نہ لیا (کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا) اس نے تمنا کی کہ کاش میری قوم بھی اس عزت و اکرام کو جان لیتی تو وہ بھی ایمان سے سرفراز ہو جاتی۔

آگے فرمایا: اللہ کی قسم قوم نے جب مرد مومن کو قتل کر دیا اس کے بعد اللہ نے بھی ان سے انتقام لیا فرمایا (نہیں تھا (وہ عذاب) صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ اچانک بجھے رہ گئے۔ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔) یعنی ہم ان سے انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے بلکہ ایک چنگھاڑ نے بڑا کام کر دکھایا یہی مطلب ابن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب کے ذریعے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ اور حضرت مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کوئی اور لشکر نہیں اتارا یعنی رسولوں کے دوسرے گروہ نہیں بھیجے لیکن علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا مطلب زیادہ بہتر ہے۔

مصنف فرماتے کہ میرا بھی یہی خیال ہے کیونکہ آگے اللہ نے فرمایا: (اور ہم نازل کرنے والے نہیں تھے) یعنی ہم انتقام لینے میں کسی بڑے لشکر کے محتاج نہ تھے تاکہ اپنے ولیوں اور نبیوں کا بدلہ لیں بلکہ (وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی پس وہ بجھے رہ گئے) تو اگلی بات بھی یہی اسی مطلب کا ساتھ دیتی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں اللہ نے ان کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا تھا اس ملکوتی قوت نے آ کر ان کے شہر کے بڑے دروازے کو پکڑا اور شہر کی طرف ایک چیخ ماری جس سے ان کی روحیں جسموں سے نکل گئیں اور وہ بجھی ہوئی لکڑیوں کی طرح رہ گئے۔ حتیٰ شہر میں کوئی آواز نہ تھی ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم چھا گیا کوئی آنکھ بھی باخبر نہ رہی جو اپنے کرتوتوں کا حشر دیکھ لیتی۔ لیکن یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ یہ بستی انطاکیہ نہ تھی۔ کیونکہ ان کی طرف اللہ کے رسول بھیجے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی جس کی وجہ سے تمام تباہ و برباد ہو گئے۔ جبکہ اہل انطاکیہ کے پاس مسیح علیہ السلام کے قاصد آئے تھے اور اہل انطاکیہ نے ان کی فوراً اطاعت کر لی تھی اور ایک قول تو یہ بھی ہے کہ مسیح پر ایمان لانے والے سب سے پہلے یہی بستی والے تھے۔

اور اس بارے میں طبرانی نے ایک روایت (1) حضرت ابن عباس کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ سے نقل فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔

تین سب سے پہلے پہل کرنے والے ہیں موسیٰ کی طرف یوشع بن نون اور عیسیٰ کی طرف صاحب یٰس اور محمد (ﷺ) کی طرف علی بن ابی طالب۔

لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں حسین راوی متروک ہے اور یہ غالی شیعہ ہے۔ ابن جریر کا اس کو اکیلے روایت فرمانا یہ اس کے کمزور ضعف پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم۔

---

(۱) رواہ الطبرانی من حدیث حسین الاشقر عن سفیان بن عیینہ عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن ابن عباس ...... الخ

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ

اللہ رب العزت اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتے ہیں

پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا؟ سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیوی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک ان کو (دنیوی فوائد سے) بہرہ مند رکھا۔ (۱)

اسی طرح دوسری جگہ پر خداوند ذوالجلال نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے لقب سے یاد فرمایا:

اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے خفا ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں رکھیں گے۔ آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔ (۲)

اور اسی قصے کو قدرے تفصیل سے یوں بیان فرمایا۔

اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ (اور یاد کرو) جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے پھر قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ ملامت کرنے والے تھے۔

پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے۔ تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو جب وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا۔ اور ان پر کدو کا درخت اگایا اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے۔ (۳)

اور سورۂ قلم میں بڑے والہانہ انداز اور عجیب اسلوب کے ساتھ فرمایا۔

(اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو اور مچھلی (کا لقمہ بننے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (خدا کو) پکارا اور وہ غم و غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ اگر ان کے پروردگار کی ان سے یاوری نہ ہوتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے صالحین میں شامل کر لیا۔ (۴)

علماء تفسیر فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل میں اہل نینویٰ کی طرف بھیجا تھا۔ آپ نے ان کو اللہ کی پرستش کی طرف بلایا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور اپنے کفر و عناد پر ڈٹے رہے۔ لیکن آپ مستقل دعوت الٰہی میں مصروف کار رہے۔ جب دیکھا کہ یہ کسی طرح ماننے والے نہیں ہیں، تو آپ غم و غصے سے لبریز ان سے منہ موڑ کر ان کو تین دن بعد عذاب الٰہی کا وقت دیتے ہوئے چل دیئے۔

ابن مسعود، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر کئی سلف و خلف بزرگوں نے فرمایا کہ جب آپ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے اور عذاب کی بھی تیاری ہو گئی تو اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا جذبہ ڈال دیا اور وہ اپنے نبی کے ساتھ کیے گئے کرتوتوں پر نادم و پشیمان ہوئے۔ سادہ لباس اتار کر کمبل وغیرہ پہن لیے اور تمام مذکر و مؤنث خواہ انسان ہوں یا چوپائے ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا پھر شہر سے باہر ویرانے میں نکل پڑے اور اللہ جل شانہ کی طرف چیخ و پکار اور نہایت عاجزی و انکساری کی، مرد و عورت، لڑکے لڑکیاں، مائیں، بچے تمام گڑگڑا کر رونے لگے اور انہوں نے حق خدا کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اونٹ اپنے بچوں سمیت بلبلانے لگے، گائیں اپنے بچوں سمیت ڈکرانے لگیں، بکریاں اپنے بچوں سمیت ممیانے لگیں الغرض انتہائی ہولناک صورت حال تھی ہر کسی پر عاجزی و انکساری اور قیامت کا سا منظر بپا تھا۔

---

(۱) یونس: ۹۸۔ (۲) الانبیاء: ۸۷-۸۸۔ (۳) الصافات: ۱۳۹-۱۴۸۔ (۴) القلم: ۴۸-۵۰۔

اور پھر انکا سامنا تو اللہ ارحم الراحمین سے تھا جسکا دریائے رحمت جوش میں آیا اور اپنی قوت وطاقت رحمت ومہربانی سے ان کو اس عذاب سے بال بال بچالیا جو کہ ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا، اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ رات کے سیاہ ٹکڑے کی طرح ان پر چھا جانے والا تھا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ ایمان لاتی تو اس کو ایمان لانا نفع دیتا)۔

یعنی پہلے تمام زمانوں میں تمام بستیوں میں جو بھی ہلاک ہوئیں وہ ایمان کیوں نہ لائیں کہ ہم ان کو ایمان کی بدولت بخش دیتے اس سے معلوم ہوا کہ پہلے کوئی بستی والے اپنی ہٹ دھرمی اور کفر وعناد سے نہیں پھرے بلکہ فرمایا (اور جب بھی اسکا انکار کرتے ہیں) لیکن ان تمام بستیوں میں صرف ایک یونس علیہ السلام کی بستی تھی جو اپنے جمود اور نہ ماننے سے ماننے پر آگئی اور ایمان سے سرفراز ہوگئی فرمایا (سوائے یونس کی قوم کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں دور کردیا اور ان کو ایک عرصے تک نفع مند کیا)۔

یعنی یہ بستی اپنے کمال وتمام کے ساتھ ایمان سے بہرہ ور ہوگئی۔

اور آخرت میں بھی یہ اہل بستی عذاب سے مامون ومحفوظ ہوں گے یا نہیں؟ اس میں بعض علماء مفسرین کا اختلاف ہے آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے ارحم الراحمین جس نے دنیا میں ابر رحمت کا سایہ فرمایا آخرت میں بھی اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دے گا کیونکہ خود اللہ نے فرمایا لما امنوا[1] کہ قوم یونس جب ایمان لے آئی تو جب ان کے ایمان کے متعلق خود رب کائنات نے تصدیق کی تو آخرت میں عذاب کیونکر ہوگا؟

اور دوسری جگہ فرمایا: (اور ہم نے اس (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا تو پھر وہ ایمان لے آئے پھر ہم نے ان کو ایک مدت تک نفع دیا؟

یہاں فرمایا: ایک وقت تک نفع دیا۔ اس سے عذاب اخروی دفع ہونے کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے دنیوی زندگی میں ان کو زندہ رکھ کر دنیوی منافع سے بہرہ مند کیا۔ واللہ اعلم۔

قوم یونس ایک لاکھ تو ضرور تھی۔ اس سے زائد تعداد میں اختلاف ہے۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے دس ہزار تعداد مروی ہے۔

اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ وارسلنه الی مائة الف او یزیدون کہ زائد تعداد کتنی مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیس ہزار۔

مصنف فرماتے ہیں لیکن اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص مبہم ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ حدیث اس تعداد کی قطعی تحدید کردیتی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔ اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ تیس ہزار سے چند ہزار اور زائد تھے۔ اور ایک اور روایت میں چالیس ہزار تھے۔

اور پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آپ یونس علیہ السلام کا ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جانا مچھلی والے قصے سے پہلے ہوا یا بعد میں یا آپ دو امتوں کی طرف بھیجے گئے؟ تو اس میں بھی تین اقوال ہیں جو بالتفصیل ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کردیے۔

خیر اختلاف مذکورہ سے قطع نظر جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی آگے چل کر لڑکھڑانے لگی اور موجوں اور بھنور میں پھنس گئی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر موجود کسی خاص بوجھ سے غرق ہونے لگی لوگوں نے کہا یہ وزن کی وجہ سے خراب ہے لہٰذا قرعہ اندازی کرکے جس کا نام نکلے اس کو اندر سے نکال کر سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ سفینے کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ جب قرعہ اندازی کی تو اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام کے نام یہ نکلی لیکن لوگ آپکی وجہ سے اس قرعہ پر راضی نہ ہوئے لہٰذا دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر بھی آپکا نام نکلا اور آپ نے کپڑے اتارنے شروع کردیے تاکہ سمندر میں چھلانگ لگا کر کشتی والوں کو اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

لیکن کشتی والے نہ مانے اور پھر تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا۔ لیکن اللہ جو چاہے وہی ہوکر رہتا ہے اور اس مرتبہ بھی حضرت یونس علیہ السلام کا نام گرامی نکلا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور بے شک یونس رسولوں میں ہیں۔ جب وہ بھری کشتی کی طرف بھاگے پھر قرعہ ہوا تو وہی (بیرونق) زک ہوئے۔ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ ملامت کرنے والے تھے) یعنی جب تیسری دفعہ بھی انکا نام نکلا تو آپ نے اپنے کو سمندر کے حوالے کردیا ادھر اللہ نے بحر اخضر سے

---

[1] یونس ۹۸

ایک عظیم جسم والی مچھلی بھیجی اور اللہ نے اسکو حکم فرمایا کہ (یہ ہماری امانت ہے) اس کا گوشت نہ کھائے اور نہ اس کی کسی ہڈی کو کچھ نقصان پہنچے کیونکہ یہ تیرا رزق نہیں ہے۔ تو مچھلی نے بحفاظت اللہ کی امانت کو اپنے وجود میں سمویا اور ان کو لے کر تمام سمندروں کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس مچھلی کو ایک دوسری اس سے بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب آپ مچھلی کے پیٹ میں ٹھہر گئے تو آپ نے گمان کیا شاید میں مر گیا ہوں تو آپ نے اپنے اعضاء کو جنبش دی تو ان میں حرکت نمودار ہوئی پھر آپ کو پتہ چلا کہ میں زندہ ہوں اور فوراً اللہ کے لئے سجدہ ریز ہو گئے اور بارگاہ رب العزت اور جلال عظمت میں عرض کیا۔

اے پروردگار میں تیرے لئے ایسی جگہ مسجد (سجدہ گاہ) بناتا ہوں جہاں کسی دوسرے نے تیری عبادت نہ کی ہوگی۔

آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے؟ مجاہد، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ صبح کے وقت نگلا تھا اور شام کے وقت آپ کو واپس باہر نکال دیا۔ قتادہ فرماتے ہیں تین دن ٹھہرے، جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سات دن ٹھہرے اور امیہ بن ابی صلت کا ایک شعر بھی اس کے متعلق اشارہ کرتا ہے۔

وانت بفضل منک نجیت یونسا   وقد بات فی اضعاف الحوت لیالیا

اور (اے اللہ رب العزت) آپ نے اپنے فضل سے یونس کو نجات دی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں کئی رات رہ چکے تھے۔

اور سعید بن ابی الحسن اور ابو مالک نے فرمایا آپ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے۔

الغرض اس میں کئی اقوال ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے دن اس میں ٹھہرے۔ واللہ اعلم۔

تو مچھلی آپ کو سمندروں کی تاریکیوں میں لیکر جگہ جگہ کی سیر کراتی رہی۔ اور گزرتے گھمبیر پانی کی اتھاہ تاریکیوں میں آپ کو تھا آپ نے ہر جگہ سنا مچھلیاں رحمن کی تسبیح کر رہی ہیں حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے بھی رحمن و رحیم کی تسبیح سنی۔ بے شک وہ آسمانوں کا بھی زمینوں کا بھی اور جو کچھ ان میں ہے اور جو سمندروں میں اور جو تحت الثریٰ ہے سب کا پروردگار ہے ہر چیز یہاں ہو وہاں ہو جہاں کہیں بھی ہو اپنی زبان حال کے ساتھ جو کچھ کہتی ہے وہ سب کچھ سنتا ہے جیسے کہ خود اس نے اپنی عزت، عظمت اور جلال کی خبر دی ہے اور ظاہر کو بھی سنتا ہے پوشیدہ کو بھی سنتا ہے۔ اور تکلیف و مصیبت کو دور کرتا ہے۔ ہر آواز کو سنتا ہے خواہ کتنی ہلکی و کمزور کیوں نہ ہو اور باریک سے باریک تر کو جانتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے قبول کرتا ہے خواہ کتنی بڑی ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل کتاب جو محمد ﷺ رسول امین پر نازل فرمائی، اس میں فرمایا اور یاد کرو (مچھلی والے کو جب وہ غصے میں چل پڑا (اور) گمان کیا کہ ہم اس پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ پھر اس نے تاریکیوں میں (ہم کو) پکارا کہ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں۔ تو ہم نے اس کی پکار قبول کر لی اور اس کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔(۱)

یعنی وہاں بھی اللہ نے ان کی فریاد سنی اور ان کی یاوری کی، اور فرمایا کہ انھوں نے خیال کیا کہ ہم اس پر قادر نہ ہوں گے، اس کا مطلب ہے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے اور ایک قول ہے کہ اصل معنی یعنی قدرت مراد ہے جیسے شاعر کہتا ہے۔

فلا عائد ذاک الزمان الذی مضی   تبارکت ما تقدر یکن فلک الامر

جو زمانہ چلا گیا وہ واپس آنے والا نہیں ہے تجھے برکت حاصل ہو، جتنے (وقت) پر تو قدرت رکھے (استعمال میں لے لے) تیرے لئے مہیا ہے۔

فرمایا اس نے ہم کو تاریکیوں میں پکارا اس کی تفسیر میں ابن مسعود، ابن عباس، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کی تاریکی، سمندری تاریکی، رات کی تاریکی یعنی ان تاریکیوں میں انہوں نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔

اور سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں اس مچھلی کو دوسری بڑی مچھلی نگل گئی تھی تو سمندر سمیت کل تین تاریکیاں ہو گئیں تھیں۔

اور آگے فرمان ہے: (پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس کے پیٹ میں قیامت تک ٹھہرے رہتے) یعنی آپ نے لا الٰہ الا اللہ اور دوسری تسبیحات وغیرہ کی اور اللہ کے آگے عاجزی و مسکنت اپنائی اس کی طرف توبہ و رجوع کیا تو اگر ایسا نہ کرتے تو قیامت تک اسی میں ٹھہرے رہتے۔

---

(۱) الانبیاء آیت ۸۷۔۸۸

یہ مطلب حضرت سعید بن جبیر سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یعنی اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں آنے سے پہلے تسبیح کرنے والوں اطاعت وفرماں برداری کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اور یہ مطلب اکثر علماء کا اختیار کردہ ہے جن میں ضحاک بن قیس، عطاء بن سائب، حسن بصری، ابن عباس، ابو العالیہ، وہب بن منبہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی وغیرہ ہیں۔ اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے۔

اور اس مطلب کی شہادت وتائید وہ روایت کرتی ہے جو مسند احمد میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان (ابن عباس) کو فرمایا۔ اے بچے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں کہ اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ (کے احکام فرمان برداری اور اس کی تمام باتوں) کی پرواہ کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ تو اللہ کو عیش میں پہچان وہ تجھ کو تنگی ومصیبت میں پہچانے گا۔

تو جب حضرت یونس علیہ السلام نے نرمی وعیش کے زمانے میں اللہ کو یاد رکھا تو اللہ نے شدت وتنگی میں ان کو یاد کیا۔

(۱) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا: اس کو لے لے لیکن نہ ان کے گوشت میں کچھ تصرف کر اور نہ اس کی کوئی ہڈی توڑ۔ تو مچھلی جب آپ کو لے کر سمندر کی انتہائی نچلی سطح میں پہنچی تو آپ نے کچھ آہٹیں سنی دل میں کہا یہ کیا ہے؟ تو اللہ نے آپ کو وحی فرمائی کہ یہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے بھی تسبیح کی اور آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح کی فرشتوں نے آپ کی تسبیح سنی تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم ایک نحیف وکمزوری آواز کسی اجنبی زمین سے سن رہے ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے جس سے میرے فرمان کی لغزش ہوگئی ہے تو میں نے اس کو سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا یہ تو نیک بندہ ہے جس کی طرف سے ہر شب وروز آپ کے پاس نیک عمل پہنچتا ہے فرمایا ہاں بہت اچھی تسبیح کرتا ہے۔ پھر فرشتوں نے اس وقت پروردگار کے حضور حضرت یونس علیہ السلام کی سفارش کی۔ تو اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا اور اس نے آپ کو ساحل سمندر پر ڈال دیا۔ اور حالت کمزور تھی اللہ نے فرمایا۔ اور وہ (اس وقت) بیمار تھے۔ (۲)

(۳) اور ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کی!

اللھم لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین
اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

یہ دعا عرش کے نیچے گھومنے لگی تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ جانی پہچانی کمزور نحیف سی آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے؟ اللہ نے پوچھا کیا اس کو نہیں پہچانا؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ میرا بندہ یونس ہے۔ عرض کیا آپکا بندہ یونس؟ اس کا تو ہر روز مقبول عمل اور مقبول دعا آتی ہے اے پروردگار کیا آپ اس پر رحم نہ فرمائیں گے جو خوشی وعیش میں آپ کو یاد رکھتا تھا تو آپ اس کو مصیبت میں نجات عطا فرمائیں۔ فرمایا کیوں نہیں؟ پھر اللہ نے مچھلی کو حکم فرمایا تو اس نے ساحل سمندر پر ایک میدان میں لا ڈالا۔ (۴)

(۵) اور ابن ابی حاتم نے یہ الفاظ بھی زائد ذکر کئے ہیں کہ راوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ اس میدان میں یقطینہ کی

---

(۱) یروی ابن جریر فی تفسیرہ البزار فی مسندہ من حدیث محمد ابن اسحاق عمن حدثہ عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمۃ قال سمعت اباھریرہ۔ الخ

(۲) ھذا لفظ ابن جریر اسناداً ومتناً ثم قال البزار لا نعلمہ یروی عن النبی ﷺ الا من ھذا الوجہ بھذا الاسناد کذا قال

(۳) وقد قال ابن ابی حاتم فی تفسیرہ، حدثنا ابو عبداللہ احمد بن عبدالرحمن ابن اخی وھب حدثنا عمی، حدثنی ابو صخر، ان یزید الرقاشی قال سمعت انس بن مالک ولا اعلم الا ان انسا یرفع الحدیث الی رسول اللہ ﷺ

(۴) اورواہ ابن جریر عن یونس عن وھب بہ

(۵) وزاد ابن ابی حاتم قال ابو صخر حمید بن زیاد فاخبرنی ابن قسیط وانا احدثہ ھذا الحدیث انہ سمع اباھریرۃ

بیل تھی ہم نے یہ بچھا دو کیا ہے جو فرمایا کدو کی بیل۔ اور فرمایا کہ ایک پہاڑی بکری بطور خدا نے ان کے لئے مسخر کردی وہ آتی اور صبح شام آ کر دودھ پلا کر چلی جاتی تھی تا کہ آپ کی اچھی خاصی پرورش اور نشوونما ہو گی۔ [1]

امیہ ابن ابی صلت کہتے ہیں۔

فانبت يقطينا عليه برحمة   من الله لولا الله اصبح ضاويا

پس اللہ کی رحمت سے اس پر کدو کی بیل اگ آئی اگر اللہ ایسا نہ فرماتے تو وہ کمزور رہتے۔

فرمان الٰہی ہے: (پھر ہم نے اس کو میدان میں ڈال دیا) یعنی سب آپ کو مچھلی نے میدان میں ڈالا پھر فرمایا (اور وہ بیمار حالت میں تھا) یعنی بدن انتہائی لاغر و کمزور ہو چکا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے ہو گئے تھے جیسے چوزہ جس پر ابھی پر بھی نہ آئے ہوں۔ اور ابن عباس، سدی اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس وقت کے بچے کی طرح آپ کی حالت تھی اور بالکل جیسی ہوتی روئی کی طرح نرم و نازک تھے اور بدن پر کچھ نہ تھا۔

آگے فرمایا: (اور ہم نے ان پر کدو کا درخت اگا دیا) ابن مسعود، ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، وہب بن منبہ، ہلال بن یساف اور عبداللہ بن طاؤس، سدی، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ کدو کا درخت (یعنی بیل) تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کدو کی بیل آپ پر اگانے میں بہت فوائد پیش نظر تھے ایک تو اس کے پتے نرم اور گھنے ہوتے ہیں اور زیادہ ہوتے ہیں اور اس کا سایہ گھنا ہوتا ہے۔ اور مکھیاں اس کے پاس نہیں پھٹکتیں اور اس کا پھل شروع نکلنے سے آخر تک کھایا جاتا ہے کچا بھی پکا ہوا بھی۔ اس کے چھلکے اور بیج بھی کھائے جاتے ہیں اور دیگر اشیاء کے ساتھ بھی ہوتے ہیں۔ الغرض اس میں بہت سے فوائد ہیں اور دماغ کی تقویت وغیرہ بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک پہاڑی بکری کو مقرر فرمایا تھا جو جنگل میں چر کر آتی اور ان کو اپنا دودھ پلا کر چلی جاتی۔ اور صبح و شام ایسا ہی معمول تھا۔ یہ حضرت یونس علیہ السلام پر بھی اللہ کا احسان اور نعمت و رحمت تھی۔ اسی وجہ سے فرمایا (پھر ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس کو غم سے نجات دی) کرب و تکلیف اور تنگی سے ان کو بچا لیا جس میں وہ پہلے مبتلا تھے۔ فرمایا (اور اسی طرح ہم مومنین کو نجات دیتے ہیں) یعنی جو بھی ہمیں پکارے اور ہم سے پناہ اور مدد طلب کرے تو ہم اس کو ہر بڑی مشقت سے بھی نجات دے دیتے ہیں۔

تفسیر ابن جریر میں سعد بن مالک فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! [2]

اللہ کو اس نام سے پکارا جائے تو وہ قبول ہوتی ہے اور جو مانگا جائے عطا ہوتا ہے۔ یعنی یونس علیہ السلام کی دعا کے ساتھ۔ راوی کہتے ہیں میں نے استفسار کیا یا رسول اللہ یونس علیہ السلام کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے؟ فرمایا یہ یونس کے لئے خاص ہے اور مومنین کے لئے عام جب بھی وہ اس کے ساتھ دعا کریں۔ کیا تو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا؟ (پھر (یونس نے اپنے رب کو) اندھیروں میں پکارا کہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں ہی ظالموں میں سے ہوں) تو ہم نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں)

پس یہ اللہ کی طرف سے شرط ہے ہر اس کے لئے جو اس سے مانگے۔

[3] اور سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس نے یونس کی دعا کے ساتھ دعا کی اس کی دعا قبول ہوگی۔ ابو سعید الاشج (اس حدیث کے ایک راوی) کہتے ہیں اس حدیث میں خدا کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے (اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) یعنی جو اس

---

[1] ابو هذا غريب ايضا من هذا الوجه ويزيد الرقاشي ضعيف ولكن يتقوى بحديث ابي هريرة المتقدم كما يتقوى ذاك بهذا والله اعلم

[2] قال ابن جرير حدثني عمران بن بكار الكلاعي، حدثنا يحيى بن صالح، حدثنا ابو يحيى بن عبد الرحمن، حدثني بشر بن منصور، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب قال سمعت سعد بن مالك رضي الله عنه يقول ... الخ

[3] قال ابن ابي حاتم: حدثنا ابو سعيد الاشج، حدثنا ابو خالد الاحمر عن كثير بن زيد، عن المطلب بن حنطب قال ابو خالد احسبه عن مصعب يعني ابن سعد عن سعد قال قال رسول الله ﷺ

ذکر و دعا کے ساتھ دعا کرے گا تو اس کو اسی طرح ضرور توبہ مرحمت فرما دیں گے۔[۱]

یونس علیہ السلام مختلف مراحل میں سے ایک بلند نبی ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وان یونس لمن المرسلین

آپ کا ذکر سورۃ الصافات، سورۃ الانعام میں بنی اسرائیل کے ساتھ موجود ہے۔ آپ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔"

ماینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی

اس حدیث کو بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے محدثین حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔ آپ علیہ السلام کا ایک اور ارشاد ہے:

"کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت دے۔"

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

"مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو، نہ ہی یونس بن متی پر۔"

یہ ارشادات تواضع و انکساری پر مبنی ہیں۔

---

[۱] وهذان طريقان عن سعد وثابت احسن منهما

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصۂ مبارک

آپ کا نام اور نسب مبارک یوں ہے:

موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔ ارشاد باری ہے:

(اے نبی) کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کو ذکر کیجئے بے شک وہ مخلص رسول و پیغمبر تھے۔ اور ہم نے ان کو طور کی داہنی جانب سے پکارا اور ہم نے ان کو (قرب و تعلق کی بنا پر) سرگوشی کے لئے قریب کیا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو ان کا بھائی پیغمبر بنا کر دیا۔

اللہ عزوجل نے اپنے کلام مقدس میں متفرق مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت ذکر فرمایا ہے۔

کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے۔ اور ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں ان تمام جگہوں پر کافی حد تک تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اس مبارک کتاب میں ان کی زندگی کے شروع سے آخر تک کے واقعات کو بیان کریں گے۔ اور اس کے لئے ہم نے واقعات قرآن و حدیث اور اسرائیلی اقوال منتخب کئے ہیں جو اسلاف سے منقول ہیں۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور اسی کا تمام احسان ہے۔

اللہ عزوجل سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

طٰسٓمٓ: یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (اے محمد) ہم تمہیں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ حالات مومنوں (کو سنانے) کے لئے صحیح صحیح سناتے ہیں۔ کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے تھے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ قصے کا خلاصہ بیان فرما رہے ہیں اس کے بعد اس کی تفصیل فرمائیں گے۔ (اور اب ہم مذکورہ آیتوں کا مطلب بیان کرتے ہیں۔)

پہلے تو فرمایا کہ ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی خبر حق کے ساتھ سناتے ہیں۔ یعنی ایسی سچائی کے ساتھ گویا کہ آپ خود اس معاملے کا مشاہدہ اور معائنہ فرما رہے ہیں۔

وہ خبر یہ ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی اور طغیانی پر اتر آیا تھا اور اہل زمین کو الگ الگ گروہوں میں کر دیا تھا۔ یعنی دھرتی پر ظلم و ستم اور سرکشی خوب بپا کر رکھے تھے۔ اور دنیوی زندگی کو اپنا مقصود نظر بنا لیا تھا اور پروردگار عالم کی فرماں برداری سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور اس نے رعیتوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ان میں ایک جماعت کو ظلم و جبر کی چکی میں پیس رہا تھا اور ان کو کمزور کر رکھا تھا۔ وہ مظلوم بنی اسرائیل تھے جو اللہ کے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی آل تھے۔ اور اس وقت روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے بہتر جماعت تھی۔ لیکن بدبختی قسمت سے ان پر یہ ظالم و جابر فاسق و فاجر کافر بادشاہ بن کر مسلط ہو گیا تھا۔ ان سے اپنی پوجا پاٹ کرواتا اور ان کو گھٹیا ذلیل پیشوں اور گھٹیا کاموں میں لگاتا اور ساتھ ہی ان کے نومولود فرزندوں کو بے دردی سے ذبح کر ڈالتا اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ یہ اس کا عناد اور غضب ہی تھا۔

اور اس ظلم و ستم اور قتل ناحق پر اس کو اس چیز نے برانگیختہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے کوئی تحریر و بشارت منقول مشہور چلی آ رہی تھی کہ انہی میں سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو فرعون مصر کا تختہ الٹ دے گا اور پھر بنی اسرائیل کے پاس ملک مصر کے تخت کی باگ دوڑ آ جائے گی۔ وہ اس کی پیش گوئی کرتے جاتے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو اس ظالم کے شر سے محفوظ رکھا جب سے یہ بات بنی اسرائیل کے ہاں یہ خوشخبری پھیلی

ہوئی تھی کہ آگے چل کر فرعونوں کا سلسلہ انہی کا ایک فرد ختم کرے گا اور پھر یہ بات اس فرعون مصر کو بھی اس کے عہد بادشاہی کے دور میں پہنچی تو اس نے اسی وقت سے یہ قانون جاری کر دیا کہ صرف بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن حذر (احتیاط) تقدیر کو نہیں ٹال سکی۔

(۱) حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر کئی اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ گویا ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے چلی آ رہی ہے، یہاں تک کہ اس نے مصر کے گھروں اور تمام قبطیوں (یعنی بنی اسرائیل کے مخالف (فرعون کے گروہ) کو جلا ڈالا۔ لیکن بنی اسرائیل کو تو کچھ نہ پہنچی۔

فرعون نے بیداری کے بعد اپنے ملک کے کاہنوں، نجومیوں، جادوگروں اور ماہرین کو جمع کیا تو سب سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا ایک بچہ بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا اہل مصر کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔

تب فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

اسی بچے کی پیدائش کی خوشخبری کی طرف پروردگار نے اشارہ فرمایا: (اور ہم نے ارادہ کیا کہ جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو (ملک مصر کا) وارث بنائیں اور ان کو زمین میں قدرت دیں۔ اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) سے وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔) یعنی ضعیف کو قوی کر دیں اور مغلوب کو غالب کر دیں اور ذلیل کو عزت دار بنا دیں۔ اور یہ تمام کچھ بنی اسرائیل کیلئے فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا: (اور ہم نے اس قوم کو (زمین کا) وارث بنا دیا جو زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور کر دیئے گئے تھے وہ زمین جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور تیرے رب کی عمدہ بات بنی اسرائیل کے لئے ان کے صبر کی وجہ سے پوری ہو گئی ہے۔)(۲)

اور دوسری جگہ فرمایا: (پس ہم نے ان کے لئے باغات، چشمے، خزانے اور اچھا ٹھکانا، اسی طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان (ملک مصر) کا وارث بنایا۔)(۳)

مقصود یہ ہے کہ فرعون نے پوری کوشش صرف کر ڈالی کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوں حتیٰ کہ اس نے بہت سے آدمی اور عورتیں مقرر کئے جو امیدواری عورتوں کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے اور ان کے وضع حمل کے وقت کا انتظار کرتے تھے۔ پھر جب بھی کوئی عورت لڑکے کو جنم دیتی تو ذبح کرنے والے اسی وقت ذبح کر دیتے۔

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ فرعون نے لڑکوں کے قتل کا حکم اس لئے دیا تھا تاکہ ان کی طاقت و شوکت کمزور پڑ جائے اور یہ ہم سے لڑنے کے قابل نہ رہیں۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ باطل ہے۔ ہاں ایسا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی فرعون نے قتل اولاد جاری رکھا تھا اور اس لئے تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت و شوکت کمزور پڑ جائے اور حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے بچوں کا قتل تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش روکنے کے لئے تھا۔

اور اسی بات کی تصریح خود قرآن مقدس میں بھی آئی ہے فرمان الٰہی ہے: (جب ان کے پاس ہماری طرف سے (موسیٰ) حق کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا جو ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور عورتوں کو زندہ رکھو۔)(۴) اور اسی وجہ سے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے بھی اور بعد بھی بنی اسرائیل کے بچے قتل ہوئے بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ) ہم تو آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت میں تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔(۵) تو خلاصہ کلام فرعون نے پہلے بچوں کے قتل کا حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا پھر بعد میں ان کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی ساری تدبیروں کے خلاف وجود میں آ کر رہے کیونکہ تقدیر یہی تھی۔ یہ سب اس ظالم بادشاہ کا جو اپنے لشکروں کی کثرت اور اپنی طاقت اور وسعت سلطنت کے لئے ہوئے غرور میں اکڑا ہوا تھا ان کے رب مالک عظیم ذات جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کی لکھی ہوئی بات کو کوئی بدل نہیں سکتا ہے۔ اس نے اس بچے کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے اور جس کے سبب بہت سے بچے اور بہت سی جانیں ان کے نکلنے سے پہلے ہی قتل کروا دیں۔ اور قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ وہ عظیم ذات

---

(۱) ذکرہ السدی عن ابی صالح و ابی مالک، عن ابن عباس، و عن مرۃ عن ابن مسعود و عن ناس من الصحابۃ ... الخ

(۲) الاعراف ۱۳۷ (۳) الشعراء ۵۷_۵۹ (۴) سورۃ مومن (غافر) ۲۵ (۵) الاعراف ۱۲۹

اس بچے کو تیرے ہی گھر میں پرورش کروائے گی۔ اور یہ پرورش چھپ کر نہیں بلکہ تیرے بستر پر پرورش کروائے گی۔ اور اس کی غذا بھی تیرے کھانے پینے میں سے ہوگی۔

اور تیرے گھر میں ہوگی۔ اور قدرت کی تدبیر یوں دیکھ کہ تو اس کو اپنا بیٹا بنائے گا اور اس کی پرورش کا انتظام کرے گا۔ اور اس کے لئے خادماؤں کو خدمت پر رکھے گا۔ لیکن اپنی بے بسی سوچ کہ تو اصل حقیقت حال سے بالکل جاہل اور غافل ہوگا (پھر تجھے خدائی کا دعویٰ کیسے زیب دیتا ہے؟) اور آگے چل کر تیری بادشاہت و بربادی دنیا میں بھی آخرت میں بھی اسی کے ہاتھ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ تیرے پاس حق لے کر آئے گا لیکن تو اس کی مخالفت کرے گا اور اس پر نازل شدہ وحی کو جھٹلائے گا۔

اور اللہ عزوجل کی قدرت و طاقت کا یہ عجیب اشارہ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے تاکہ تو بھی اور تمام مخلوق بھی دیکھ لے کہ (جیسا اس نے تیری طاقتوں پر پانی پھیرا) بے شک وہی آسمانوں اور زمین کا پرورش کرنے والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ زبردست طاقت والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ ہی ایسی طاقت قوت اور ارادے والا ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔

کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ قبطیوں (یعنی فرعون کی قوم) نے فرعون کو بنی اسرائیل کی کمی کا احساس دلایا کہ کم ہو جانے کی شکایت کی کہ ان کے لڑکے پیدا ہوتے ہی قتل ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے بڑے لوگ بھی آگے چل کر ختم ہو جائیں گے تو جو مشقت و ذلت اور انتہائی گھٹیا کام ان سے لیا جا رہا ہے وہ پھر قبطیوں کو کرنا پڑے گا۔

تو فرعون نے اس کا تدارک یہ کیا کہ دوسرا حکم جاری کیا کہ ایک سال تو مارا جائے دوسرے سال چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح سلسلہ چلتا رہا۔ علماء مفسرین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون عفو و درگزر کے سال میں پیدا ہوئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل والے سال پیدا ہوئے۔

تو آپ کی والدہ سخت گھبرائیں اور پریشانی میں مبتلا ہو گئیں۔ کیونکہ ابتداء (حمل) کے زمانے میں تو آپ نے حتی الامکان اس حمل کو خوب چھپایا تھا اور شاید اللہ کے فضل سے ایسے آپ پر حمل کی علامات زیادہ ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو معاملہ روز روشن کی طرح واضح تھا۔ کس طرح اپنے لال کو چھپائیں کہیں اس گھر میں بھی جاسوس نہ آ جائیں۔ تو اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ایک صندوق بنا کر اپنے بچے کو اس میں رکھ دیں اور صندوق کو کسی رسی سے باندھ دیں۔ اور آپ کا گھر دریا کے کنارے تھا آپ بچے کو صندوق ہی میں رکھیں اور رسی سے باندھ دیں جب کسی کے آنے کا خوف ہو تو صندوق دریا میں بہا دیں اور رسی کا سرا اپنے پاس کسی چیز سے باندھ کر رکھیں جب لوگ چلے جائیں تو پھر واپس کھینچ لیں۔ تو آپ ایسا ہی کرتی رہیں۔

فرمان باری ہے (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلاتی رہو جب تم کو اس (کی نسبت کسی کے آنے کا) خوف ہو تو اس کو صندوق میں (صندوق کے اندر رکھ کر) دریا میں ڈال دینا اور خوف نہ کرنا اور رنج نہ کرنا ہم اس کو تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنا دیں گے۔ پھر اس (صندوق) کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور (موجب) غم ہو بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے)۔[1]

حضرت ام موسیٰ علیہا السلام کو یہ دل میں الہام ہوا تھا اور ارشاد (ربانی) کے تحت تھا نہ کہ عام رسولوں کی وحی کی طرح۔ جیسے اللہ نے دوسری جگہ شہد کی مکھی کے متعلق بھی یہی الفاظ فرمائے۔ فرمایا (اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور اونچی اونچی چھتریوں میں گھر بنا پھر ہر قسم کے پھل کھا۔

پھر اپنے رب کے (بنائے ہوئے) آسان راستوں پر چل (اور) ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے)۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دل میں ڈالی گئی بات تھی جو انبیاء اور رسولوں کو وحی کی جاتی تھی وہ نہیں تھی۔ جبکہ ابن حزم وغیرہ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ ام موسیٰ کو دیگر انبیاء اور رسولوں کی طرح وحی تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ پہلا مذہب درست ہے اور اہل سنت والجماعت سے ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو نقل فرمایا ہے۔

---

[1] قصص ۷تا۹

[2] سورۃ النحل ۶۸، ۶۹

علامہ سہیلی فرماتے ہیں ام موسیٰ علیہ السلام کا نام "ایارخا" تھا اور ایک قول ہے "ایاذخت" تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اللہ عزوجل نے ان کو اس بات کی رہنمائی کی اور یہ بھی الہام کیا کہ نہ غم اور کسی قسم کا خوف نہ کرنا اگر یہ کہیں چلا بھی گیا تو اللہ اس کو تیرے ہی پاس واپس لوٹا دے گا اور مزید خوشخبری یہ کہ اس کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز فرمائے گا۔ دنیا و آخرت میں اس کا مقام و مرتبہ بلند ہوگا۔

تو حضرت ام موسیٰ خدا کی ہدایت پر عمل پیرا رہیں۔ تو ایک مرتبہ جو دوبارہ کسی طرح کوئی آیا اور آپ نے ان کو صندوق سمیت دریا میں بہا دیا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن وہ صندوق کی رسی اپنے پاس باندھنا بھول گئیں اور صندوق رسی سمیت بہتا چلا گیا۔ لب دریا فرعون کا محل بھی تھا۔ صندوق وہاں سے گذرا تو فرعون والی نظر پڑی (تو ان کو آل فرعون نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور (موجب) رنج ہو)۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں لیکون لھم میں لام عاقبت کا ہے اور اس کا تعلق فالتقطہ سے ہے یعنی ان کے اٹھانے کا انجام ان کے لئے ہونا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لام مضمون کلام کے ساتھ متعلق ہو اور تعلیل کا ہو تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ آل فرعون نے صندوق کو اٹھایا تا کہ ان کے لئے یہ مصیبت کا باعث بنے اور دوسری تفسیر کی تقویت اس فرمان سے ہوتی ہے فرمایا کہ (فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے) یعنی ان کے لئے ان کا یہ عمل درست نہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس حسرت و عقوبت کا مزہ چکھیں گے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ فرعون کی لونڈیوں نے اس صندوق کو بند حالت میں اٹھایا تھا اور کھولنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی حتیٰ کہ اسی طرح فرعون کی بیوی کے سامنے رکھ دیا جس کا نام آسیہ تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ حضرت یوسف کے زمانے کے سلطان بادشاہ ریان کی پوتی تھی۔ اور بعض نے نسب یوں ذکر کیا ہے آسیہ بنت مزاحم ابن عبید ابن الریان بن الولید۔ اور ایک قول ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے کی بنی اسرائیل کی خاتون تھی۔ اور ایک قول ہے کہ آپ کی پھوپھی تھی۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی نقل فرمایا ہے واللہ اعلم۔

ان کی تعریف و توصیف حضرت مریم علیہا السلام کے قصے میں ذکر کریں گے انشاء اللہ۔ اور یہ دونوں عظیم ہستیاں جنت میں حضور اکرم ﷺ کی زوجیت کا شرف پائیں گی۔ تو جب آسیہ نے صندوق کا ڈھکن کھولا اور اس سے پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ نبوت و رسالت اور جلالت کے انوارات کے ساتھ چمکتے دمکتے چہرے والا ایک انتہائی خوبصورت بچہ ہے تو آسیہ کی مبارک نظر جیسے ہی اس چاند چہرے پر پڑی تو بچے کی محبت ان کے دل میں فوراً جاگزیں ہوگئی پھر فرعون آیا تو اس نے پوچھا کیا ہے یہ اور اس کو ذبح کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ پھر حضرت آسیہ نے اس کے بچاؤ کے لئے فرعون سے التجا کی اور اس کو ہبہ کرنے کا کہا اور کہا یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور تیری بھی۔

(تعجب کیجئے) فرعون نے جواب دیا یہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میرے لئے نہیں ہے یعنی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور در حقیقت اس کی یہی بدکلامی اس کو مار گئی۔

کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر فرعون کہہ دیتا کہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو ہدایت سے بہرہ مند ہو جاتا۔ اب محروم ہدایت فضل رب ہے۔ (مترجم۔)

اس کے بخلاف حضرت آسیہ نے فرمایا قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے تو بے شک اللہ نے اس کی آس پوری کر دی اور دنیا میں اس کے ذریعے آسیہ کو ہدایت بخش دی اور آخرت میں بہشت کے لئے اس کے ذریعے جنت عطا فرمادی اور آسیہ نے آگے کہا یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور یہی ہوا کہ پھر یہ ان کا لے پالک بیٹا بن گیا کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ آگے فرمایا (اور وہ انجام سے بے خبر تھے) یعنی ان کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اللہ پاک ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں کیونکہ موسیٰ کو اٹھانا فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر والوں کے لئے عظیم عذاب کا سبب بننے والا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰ کو اٹھانے والی لڑکی فرعون کی بیٹی ہے جبکہ لڑکا ان کے ہاں نہ تھا۔ یعنی یہ اہل کتاب کی غلطی ہے اور آگے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں۔ اور اس نے (اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے (دائیوں کے) دودھ کو حرام کر رکھا تھا تو موسیٰ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر

خوشی (سے پرورش) کریں گے تو ہم نے (اس طریقے سے) ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں اور جان لیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔[1]

ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید ابن جبیر، ابو عبیدہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں: آیت (اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ سے دنیا کے تمام تفکرات بھول گئے اور ... گئے ہیں (قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی) یعنی بیٹے کی محبت کی شدت سے بے چین ہو کر یہ ماجرا کہہ بیٹھتی اور یہی اعلان کر دیتی کہ بچے کے متعلق پوچھ گچھ کرتی پھرتی۔ لیکن (اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے) تو ایسا ہوتا۔ لیکن ہم نے اس کو صبر و ثبات قلبی سے مضبوط رکھا کیوں؟ (تاکہ وہ مومنین سے ہو جائے اور کہنے لگی اس کی بہن کو) یعنی اپنی بڑی بیٹی کو کہا (اس کے پیچھے پیچھے چل) اور اس کی خبر لے (تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی) (اور وہ ایک طرف ہو کر دیکھتی رہی) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دور سے دیکھتی رہی۔ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس طرح دیکھتی رہی کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کون ہے اور یہ دیکھنا کس وجہ سے ہے آگے فرمایا (اور ان لوگوں کو خبر نہ تھی) اور ان لوگوں کو اس طرح خبر نہ ہوئی کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پہنچ گئے تو انہی لوگوں نے اس کی غذا و پرورش کا ارادہ کیا لیکن موسیٰ نے کسی عورت کے پستان کو قبول نہ کیا اور نہ ہی کوئی غذا کھائی تو وہ اس کے متعلق پریشان ہو گئے اور ہر ممکن کوشش کرنے لگے کہ موسیٰ کسی طرح کسی عورت سے دودھ نوش کرے فرمان خداوندی ہے (اور ہم نے اس پر پہلے سے (سب کے) دودھ حرام کر دیئے تھے) یعنی فرعون کے گھر والے موسیٰ کے متعلق اس قدر پریشان ہوئے کہ دایہ کے ساتھ ان کو شہر در بازار وغیرہ میں عورتوں کے پاس بھیجا تاکہ کسی عورت کا دودھ ان کو موافق آ جائے اور یہ اس کو پسند کر لیں (خدا کی قدرت دیکھیں کہ جس کی وجہ سے فرعون نے لاکھوں کو قتل کروایا وہ بچہ اسی کے ذمے لیے کس طرح انتظام کیا گیا اس کی پرورش کروا رہے ہیں یہ ہے خدا کی قدرت) الغرض جب سب اس بچے کے دودھ کے متعلق پریشان تھے اور سب اس پر تجسس تھے کہ اچانک بہن نے بھائی کو دیکھ لیا اور بہن نے اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے لوگوں سے یہ فرمان جاری کیا (کیا میں تم کو ایسے گھر والے نہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس کی کفالت کر سکتے ہیں اور وہ اس کے لئے (پرورش میں) خیر خواہ ہوں؟) لوگوں نے اس کو کہا تجھے ان کی شفقت و خیر خواہی کا کیسے پتہ چلا؟ بہن نے کہا میں یہ بات اس لئے کہتی ہوں کہ میں نے بادشاہ کی خوشی اور اس بچے کے فائدے کے لئے کہہ دیا۔ لوگوں نے اس کی بات کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ بچے کو لے گئے وہاں جا کر ماں کو پیش کیا اور کسی کو پتہ نہ تھا کہ یہی اس کی ماں ہے بعد جب وہ دودھ پلانے لگیں تو بچہ پستانوں کو چمٹ گیا اور خوب دل بھر کر دودھ پیا۔ سارے لوگ جو پریشان تھے اب خوش ہو گئے اور ایک بشارت سنانے کے لئے آسیہ کے پاس بھاگا گیا۔ آسیہ نے اس عورت یعنی موسیٰ کی والدہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ آپ ہمارے پاس محل میں رہیں اور اس کی پرورش کریں ہم آپ کی خدمت کریں گے لیکن ام موسیٰ نے انکار کر دیا اور کہا میرے شوہر اور بچے پریشان ہوں گے بلکہ آپ اس کو میرے ساتھ بھیج دیں میں اس کی پرورش تمہارے واسطے کرتی رہوں گی۔ تو آسیہ نے بچے کو ماں کے ساتھ بھیج دیا اور ان کے لئے وظیفہ (تنخواہ کے) مقرر کر دیا اور دیگر ساز و سامان کپڑے اور عطیات اور کھانے پینے وغیرہ ساتھ کر دیں۔ تو ام موسیٰ موسیٰ کو لے کر خوشی میں گھر چلی گئیں اور اس طرح اللہ نے دونوں بچھڑوں کو دوبارہ ملا دیا (جو پہلے خوف تھا اب سرکاری قانون کے تحفظ کے ساتھ دودھ پلا رہی تھی سبحان تیری قدرت۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (پھر ہم نے ان کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں اور معلوم کریں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) یعنی جیسے ہم نے واپس لوٹانے اور رسالت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تو واپس ان کو لوٹا دیا (اور بیٹے کے لوٹانے سے یقین ہو گیا) بہتر طریقے سے لوٹایا یہ پہلا وعدہ پورا ہوا تو اس کے متعلق رسالت کے وعدے کی سچائی بھی ظاہر معلوم ہو گئی۔ بعد ازاں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تھے یعنی والدہ کے پاس اس واپسی کے احسان کو اللہ عزوجل آپ کو یاد دلاتے ہیں جب ان سے کوہ طور پر ہم کلام ہوئے تو اس احسان کو جتایا اور فرمایا (اور اے موسیٰ) ہم نے تجھ پر دوسری مرتبہ احسان فرمایا ہے جب ہم نے تیری والدہ کو وحی کی کہ اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ پھر دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا اور اس کو میرا اور اس کا دشمن لے لے گا اور (اے موسیٰ) میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت (کی کشش) ڈال دی تاکہ جو کوئی تجھے دیکھے اس کے دل میں تیری محبت آ جائے) اور تیری پرورش میری نگرانی میں ہو۔[2]

---

[1] القصص ۱۰:۱۳

[2] طہٰ ۳۷:۳۹

قتادہ اور کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ آنکھ ٹھنڈی رہنے کا مطلب ہے کہ ہم نے تجھے اپنے دشمن کے گھر پالا تاکہ کھانا پینا اور اچھا عمدہ لباس تجھے حاصل ہو اور تیری تمام حفاظت اور پرورش میری تدبیر کے مطابق ہو اور بے شک میں ایسے امور کا انتظام کرنے والا ہوں کہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

آگے فرمایا (اے موسیٰ یاد کر) جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جو اس کی کفالت کریں تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس واپس لے آئے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کرے۔ (اے موسیٰ یاد کر) کہ تو نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا تو پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور کئی آزمائشوں میں تجھے آزمایا۔(۱)

ان کئی آزمائشوں سے کیا مراد ہے اس پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ اس پر پوری مستقل فصل ہے۔ پہلا تو قرآن کی روشنی میں ان کے بچپن کا تذکرہ تھا اب ان کی جوانی کا حال لیجئے۔

فرمان الٰہی ہے۔

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عنایت کیا۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے ایک موسیٰ کی قوم سے ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں سے ہے تو جو شخص (موسیٰ) کی قوم سے تھا اس نے دوسرے کے مقابلے میں موسیٰ سے مدد طلب کی۔ موسیٰ نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا ہے بے شک وہ (انسان کا) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔ بولے کہ اے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں آئندہ کبھی گنہگاروں کا مددگار نہیں بنوں گا۔(۲)

جب اللہ تبارک و تعالیٰ موسیٰ کی والدہ پر موسیٰ کو لوٹانے اور ان پر احسان و انعام کرنے کا ذکر فرما چکے تو اب موسیٰ علیہ السلام کی بلوغت اور عین عنفوان شباب کی حالت کا ذکر فرما رہے ہیں اور آپ کی ذہنیت اخلاق اور خلق (بدن و جسم) کے مکمل ہونے کا تذکرہ اور اکثر اقوال کے مطابق یہ زمانہ آپ کی چالیس سال عمر کا تھا اور اس وقت اللہ نے آپ کو اپنے پہلے وعدے کے مطابق نبوت و رسالت سے نوازا جیسے پہلے ان کی والدہ کو ان کے دودھ پینے کے زمانے میں جتا چکے تھے فرمایا تھا (بے شک ہم اس کو تیرے پاس واپس لوٹا دیں گے اور اس کو رسولوں میں سے بنا دیں گے)۔

پھر آپ کی رسالت کے ذکر کے بعد مصر شہر سے نکلنے اور مدین شہر میں جا بسنے اور وہاں اقامت گزینی کا سبب بیان فرمایا۔ اور پھر مدین میں اپنی مدت کو پورا کیا اور وہاں بھی اللہ کی طرف سے اکرام ہوا اور سب سے بڑی بات کہ واپسی کے وقت ان کو ہم کلامی سے مشرف فرمایا۔ جس کی تفصیل عنقریب صفحات پر پیش ہونے والی ہے۔

مصر میں آپ کے قتل کرنے کے متعلق فرمایا: (اور موسیٰ) شہر میں داخل ہوئے اور شہر والے غفلت میں تھے) ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، سدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ وقت نصف النہار کا تھا۔ جبکہ ابن عباس سے ایک روایت مروی ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کے وقت میں یہ واقعہ ہوا۔

آگے فرمایا (وہاں شہر میں دو آدمیوں کو لڑائی میں مصروف پایا) یعنی ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور زیر کرنے کی کوشش میں تھے (یہ موسیٰ کے گروہ سے تھے) یعنی بنی اسرائیل تھے (اور دوسرا ان کے دشمن) یعنی قبطی تھا ابن عباس، قتادہ، سدی اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا یہی فرمان ہے۔ آگے فرمایا (تو جو موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے دوسرے کے خلاف موسیٰ سے مدد چاہی) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مصر کے علاقوں میں فرعون کے لے پالک بیٹے کے طور پر مشہور تھے اس لیے آپ کا رعب و دبدبہ تمام قوم پر تھا اور فرعون کے گھر میں پلے بڑھے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل عہدہ و جاہت والے ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ کی وجہ سے وہ ان کے سر بلند ہو گئے تھے کیونکہ شاید انہوں نے بھی یہ جان لیا تھا کہ بنی اسرائیل آپ کے ماموں ہوتے ہیں تو اس وقت بنی اسرائیلی شخص نے حضرت موسیٰ سے مدد مانگی تو آپ اس کی مدد کے لئے پہنچے اور (مکا اس (دوسرے) کو دے مارا) حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی مٹھی بند کر کے ٹھوک دیا اور قتادہ فرماتے ہیں آپ کے ساتھ لاٹھی تھی اس سے مارا (تو وہ مر گیا)۔ اور وہ تھا بھی اللہ کے ساتھ کفر و شرک

---

(۱) طٰہٰ ۴۰۔

(۲) القصص ۱۴-۱۷

کرنے والا تھا جبکہ حضرت موسیٰ نے اس کے قتل کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ محض تادیب اور زجر و تنبیہ اور جھڑکنا مقصود تھا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے فوراً کہا (یہ) شیطان (کے بہکاوے) کی وجہ سے ہے بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے (اے) پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف فرما دیجئے تو (اللہ نے) اس کو معاف فرما دیا بے شک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے کہا پروردگار! آپ نے مجھ پر انعام کیا ہے سو آئندہ بھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔

آگے فرمان الٰہی ہے:

پھر (موسیٰ) صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے؟) تو یکایک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان کو (کسی دوسرے کے خلاف لڑائی کے لئے) پکار رہا تھا تو (موسیٰ نے) کہا تو بے شک صریح گمراہ شخص ہے۔ جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم و ستم کرتے پھرو۔ اور مصلح بننے والوں میں سے ہونا پسند نہیں کرتے۔ اور ایک شخص شہر کی دوسری طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں مشورہ کرتے ہیں کہ تمہیں مار ڈالیں۔ سو تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔(۱)

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ موسیٰ شہر میں خوفزدہ ہو کر صبح کو پھر آئے کہ دیکھو کیا ہوتا ہے؟ کیونکہ حضرت موسیٰ کو خوف تھا کہ معاملہ اوپر پہنچ گیا اور ان کو پتہ چلے گا کہ موسیٰ نے قبطی شخص کو بنی اسرائیل کی مدد میں مار ڈالا ہے جبکہ ان کو یقیناً معلوم ہو گا کہ موسیٰ بنی اسرائیل میں سے ہے۔

اور پھر ان پر مصائب ظاہر ہوں گے وہ ظاہر ہے تو آپ اسی خوف سے صبح کو شہر میں آئے اور خوفزدہ حالت میں منتظر تھے کہ کیا ہوتا ہے؟ آپ اسی فکر میں تھے کہ وہی اسرائیلی شخص جو گزشتہ روز موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ سے ایک جان کا قتل سرزد ہوا آج پھر وہی شخص ایک دوسرے قبطی سے لڑائی میں پکار رہا ہے تو اس کے شور و غل اور لڑائی پر حضرت موسیٰ نے اس کو جھڑکا اور کہا (تو صریح گمراہ شخص ہے) پھر جب حضرت موسیٰ اس قبطی کو اور اسرائیلی کے جھگڑے سے چھڑانے کے لئے متوجہ ہوئے تو اس اسرائیلی نے (کہا اے موسیٰ کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے گزشتہ روز بھی آپ نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ زمین میں ظلم و ستم کرتے پھریں اور نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہوں) بعض مفسرین کا یہ کہنا ہے کہ یہ کلام اس اسرائیلی نے کیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے پر گزشتہ روز مطلع ہو چکا تھا اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے سمجھا کہ اب یہ مجھے سزا دیں گے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے اس کو سرزنش کر چکے تھے کہ (تو صریح گمراہ ہے) تو اس طرح اس اسرائیلی بے وقوف شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے راز کو فاش کر دیا اور جو کچھ تھا کہہ دیا جیسے کہ گزشتہ روز سے متعلق قبطی شخص کو بھی پتہ چل گیا (کیونکہ گزشتہ دن ان سے جدا ہو کر لوگوں میں سے کسی کو کچھ پتہ نہیں لگا تھا کہ فرعون کے خاص شخص کو کس نے قتل کر دیا؟ تو اس طرح یہ قبطی شخص) حضرت موسیٰ کے بارے میں مطلع ہو گیا اور یہ قبطی فرعون کے پاس موسیٰ کے خلاف اطلاع دینے گیا۔ لیکن یہ مطلب کم لوگوں نے بیان کیا ہے سوائے بعض حضرات کے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بات اس اسرائیلی کی بجائے قبطی کی طرف سے پائی گئی ہو۔ کیونکہ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اپنی جان کا خوف ہوا اور سمجھا کہ اب یہ بھی دوسرے اسرائیلی کی مدد کر رہے ہیں تو اس نے اپنے وہم و خیال کے مطابق جو کچھ بھی اس کو معلوم تھا کہ گزشتہ روز مقتول قبطی کا قاتل بھی یہ ہے لہذا چونکہ وہم و گمان کے مطابق اس نے کہا ہو سکتا ہے کہ یہ اسرائیلی کی مدد کر رہے ہیں تو کل بھی انہی نے اس اسرائیلی کی مدد میں قبطی کو قتل کیا ہو۔

بہرحال اس قبطی کو اس بات سے وہم ہوا کہ یہ اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مدد کے لئے اس قدر زور و شور سے پکار رہا ہے تو ہو سکتا ہے کل بھی اسی نے قبطی کو قتل کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) القصص ۱۸ تا ۲۱

الغرض جو بھی صورت پیش آئی اس کی وجہ سے دوسرے روز راز کھل گیا اور فرعون کو خبر پہنچ گئی کہ قبطی کا قاتل موسیٰ ہے لہٰذا اس نے اپنے کارندے موسیٰ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیئے، لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک آپکا خیر خواہ بھاگا ہوا آپ کے پاس پہنچا فرمان باری ہے (اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا اور کہا اے موسیٰ) رئیس لوگ آپکے متعلق صلاح کر رہے ہیں تا کہ آپکو قتل کریں پس (جلدی نکل جاؤ (شہر سے) میں آپکا خیر خواہ ہوں۔ تو آپ خوفزدہ حالت میں نکلے (کسی کے آنے کا) ڈر کرتے ہوئے (یعنی اسی وقت آپ شہر سے نکل پڑے اور ان کو کسی راستے کا بھی علم نہ تھا اور نہ کوئی لائحہ عمل تھا کہ کہاں جائیں گے پس جو راستہ آگے پڑا اس پر چل پڑے اور زبان پر خدا سے فریاد جاری رکھی) پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجئے اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہیں (اور اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔ اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے کہا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ نے ان کے لئے بکریوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف چلے گئے۔ اور کہا پروردگار میں اسکا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔ (۱)

اللہ پاک اپنے بندے، اپنے رسول اور اپنے ہمکلام کے متعلق فرما رہے ہیں کہ وہ مصر سے خوفزدہ ہو کر کسی بد انجامی سے بچنے کے لئے نکلے اور خوف تھا کہ کہیں ان کو کوئی فرعون کی قوم کا شخص نہ مل جائے۔ لیکن آپ نکل تو پڑے اب جائیں کہاں کس طرف کا رخ کریں؟؟ آپکو کچھ پتہ نہ تھا کیونکہ آپ پہلے کبھی مصر سے نکلے نہ تھے۔ لیکن خدا کی طرف سے آپ کا رخ مدین شہر کو ہو گیا فرمایا (اور جب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہو گئے تو کہا قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے رستے کی رہنمائی فرمائے۔) یعنی قوی امید ہے کہ یہی راستہ منزل مقصود تک پہنچائے گا اور پھر اسی طرح ہوا اور اسی راستے نے آپ کو مقصود تک پہنچایا اور مقصد بھی کیسا؟ انتہائی بلند و عظیم الشان (یعنی خدا سے ہمکلامی اور نبی کی بیٹی سے شادی جس کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

فرمایا (اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے) یعنی مدین شہر میں ایک کنواں تھا اور یہ وہی اصحاب مدین کا کنواں ہے جسکا ذکر گذر چکا اور اس کے اہل تمام ہلاک کر دیئے گئے تھے اور وہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے تھے۔ اور علماء کے دو قولوں میں سے ایک کے مطابق اہل مدین کی تباہی موسیٰ کے زمانے سے پہلے ہوئی تھی۔

اور انہی اصحاب کا نام اصحاب الایکہ بھی تھا۔ (اور جب آپ مذکورہ کنویں پر پہنچے تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے پیچھے دو عورتوں کو اپنے جانور روکتے پایا) یعنی وہ دونوں لڑکیاں اس غرض سے اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں کہ کہیں دوسروں کی بکریوں میں مل نہ جائیں۔ اور یہ دو لڑکیاں تھیں۔

جبکہ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ سات تھیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ کل بیٹیاں تو سات ہی ہوں لیکن یہاں پانی کی خاطر دو لڑکیاں آئیں ہوں۔ تو اب اہل کتاب کی بات اگر محفوظ طریق سے صحیح ثابت ہو کہ کل لڑکیاں سات تھیں تب تو دونوں میں مذکورہ طریق کے مطابق موافقت اور ہم آہنگی پیدا ہوگی ورنہ قرآن کی رو سے جو حق ہے وہ دو لڑکیاں ہی تھیں۔ تو حضرت موسیٰ نے (پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگیں ہم جب تک پانی نہیں پلاتیں حتی کہ چرواہے چلے جائیں اور ہمارا باپ بڑی عمر والا بوڑھا ہے۔) یعنی ہم کمزور ہیں ان کے ہوتے ہوئے پانی نہیں پلا سکتیں (اور ویسے بھی غیر مردوں میں گھس کر پانی پلانا حیا کے مانع ہے) اور ہمارے والد بھی بوڑھے ہیں اور انتہائی ضعیف ہیں وہ نہیں آ سکتے (تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی پلا دیا)۔

مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چرواہے جاتے وقت کنویں کے منہ پر بڑی سی چٹان رکھ کر اسکا منہ بند کر دیتے تھے اور یہ دونوں لڑکیاں آخر میں بچا کچا پانی اپنے جانوروں کو پلایا کرتی تھیں۔ تو جب یہ روز آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اکیلے ہی اس عظیم الشان چٹان کو اٹھایا اور ان لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اور پھر پتھر جیسے تھا ویسے ہی رکھ دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس چٹان کو دس آدمیوں

---

(۱) القصص ۲۱ تا ۲۴

کے بغیر نہ اٹھایا جا سکتا تھا (اور اسی طرح ڈول بھی کئی افراد نکالتے تھے لیکن) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے پانی کا ڈول نکالا اور لڑکیوں کی تمام بکریوں کو کفایت کر گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کے سائے میں چلے گئے اور یہ درخت کیکر کا تھا۔ کیونکہ آپ نے اسی کو پھیلا تا سرسبز درخت دیکھا تھا۔ پھر پروردگار کے حضور التجا کی (اے پروردگار جو آپ مجھ پر خیر بھیجیں میں اس کا محتاج ہوں) اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ مصر سے مدین پہنچے تھے لیکن اب تک آپ نے سوائے درختوں کے پتے اور کچھ سبزی کے کچھ نہ تناول کیا تھا اور دشوار گذار راستے کی وجہ سے آپ کے جوتے بھی کہیں گر گئے تھے اور آپ برہنہ پا تھے تو ان حالات میں آپ بے کسی کے ساتھ درخت میں تشریف فرما ہو گئے جبکہ آپ اس وقت اللہ کی مخلوق میں اللہ کے سب سے خالص اور قریبی دوست تھے۔ لیکن آپ کا شکم مبارک پشت سے بھوک کی وجہ سے مل گیا تھا اور بھوک کے ایک ٹکڑے تک کے آپ محتاج تھے۔ عطاء بن السائب کہتے ہیں کہ آپکی دعا کہ پروردگار میں آپکی طرف بھیجی ہوئی خیر کا محتاج ہوں۔ آپ نے لڑکیوں کو سنائی تھی۔

جس پر یہ ردعمل ظاہر ہوا جس کو قرآن نے بیان فرمایا:

پھر (تھوڑی دیر میں) انھیں سے ایک عورت شرماتی چلی آئی اور کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں تاکہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اس کی اجرت دیں جب وہ ان کے پاس آئے اور ان سے اپنا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہو۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا جان ان کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں بہتر وہ ہے جو توی اور امانت دار ہو۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ) میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دوں اس پر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو گے اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔ میں تم پر تکلیف نہیں ڈالنا چاہتا تم مجھے انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے موسیٰ نے کہا مجھ میں اور آپ کے درمیان یہ (عہد پختہ) ہے میں جو مدت چاہوں پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے۔[1]

یعنی جب حضرت موسیٰ فاقے اور مشقت سے لاچار ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھے اور دعا کی تو لڑکیوں نے وہ دعا سن لی پھر یہ اپنے گھر پہنچیں تو ان کے والد ماجد کو حیرت ہوئی کہ آج اتنی جلدی یہ کیسے آ گئی ہیں؟ تب انہوں نے حضرت موسیٰ کے متعلق خبر سنائی حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی کو حکم دیا کہ وہ اس کو بلا لائے (تو وہ شرم کے ساتھ چلتی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا میرے والد آپکو بلاتے ہیں تاکہ آپ کے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کی اجرت دیں) اور لڑکی نے یہ صراحت پہلے ہی سے اسی وجہ سے کر دی تھی تاکہ موسیٰ کو کسی قسم کا شبہ اور شک پیدا نہ ہو اور یہ بات لڑکی کی حیا و شرم کو خوب ظاہر کرتی ہے (تو آپ اس کے پاس آئے اور ان کو اپنا قصہ بیان کیا) یعنی اپنی تمام روداد بیان کی کہ کیا ماجرا ہوا اور پھر آپ ظالموں کے پیچھے سے چھٹکارا پا کر یہاں تک آئے ہیں تو بوڑھے نے سن کر کہا کہ (خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں) یعنی ان کی سلطنت و حکومت سے نکل کر آ چکے ہیں اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔

لڑکیوں کے والد بزرگوار کے بارے اختلاف ہے کہ آیا یہ کون ہیں؟ اکثر اہل علم کے نزدیک مشہور تو یہی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے اسپر تصریح فرمائی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہیں۔ اور ایک حدیث میں بھی ان کے اسمی کا نام ذکر ہے۔ تاہم اس حدیث کی اسناد میں نظر ہے۔ اور اسی طرح ایک جماعت نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد طویل عرصہ حیات رہے حتیٰ کہ آپ کو حضرت موسیٰ نے بھی پایا اور پھر آپ نے اپنی ایک بیٹی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی کی۔

اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر یہی تھے اور انکا اسم گرامی شعیب تھا اور کنویں والوں کے سردار تھے لیکن اہل مدین کے پیغمبر نہ تھے۔

اور ایک قول ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب کے بھتیجے تھے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت شعیب کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور یک

---

[1] القصص ۲۳، ۲۸

قول ہے کہ حضرت شعیب کی قوم کے ایک شخص تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ انکا نام یثرون تھا اور اہل کتاب کی کتاب میں ہے کہ یثرون اہل مدین کا کاہن تھا۔ یعنی انکا پیشوا اور بڑا عالم تھا۔

اور ابن عباس اور ابوعبیدہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انکا نام یثرون تھا اور ابوعبیدہ نے مزید کہا کہ وہ شعیب علیہ السلام کا بھتیجا تھا۔ اور ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ وہ صاحب مدین تھے۔

الغرض جو بھی تھے انہوں نے حضرت موسیٰ کو بطور مہمان کے اچھا ٹھکانہ فراہم کیا اور تمام گفتگو ہوئی اور حضرت موسیٰ کو تسلی دی کہ آپ بے فکر رہیں کیونکہ آپ ظالموں کے چنگل سے نجات پا چکے ہیں۔ تو پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک لڑکی نے اپنے والد کو درخواست کی کہ (ابا جان آپ ان کو کام پر رکھ لیجئے) تاکہ یہ آپکی بکریاں چرائیں پھر لڑکی نے حضرت موسیٰ کی تعریف بھی ان الفاظ میں کی کہ طاقتور اور امانت دار ہیں۔

عمر، ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق وغیرہ تمام حضرات فرماتے ہیں کہ جب لڑکی نے یہ بات کہی تو والد نے پوچھا کہ تجھے اس کا علم کیسے ہوا؟۔ جواب دیا کہ اس نے وہ چٹان اکیلے اٹھائی تھی جسکو کم از کم دس مرد مل کر اٹھا سکتے ہیں۔ اور جب میں اس کے ساتھ آنے لگی تو اس کے آگے ہو گئی لیکن اس نے کہا میرے پیچھے پیچھے چلو۔ اور جب راستہ مڑے تو کنکری پھینک کر راستے کی نشاندہی کر دو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ذہانت والے تین اشخاص گذرے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے آقا، جب انہوں نے اپنی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا اسکا رہن سہن اچھا رکھو۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جب اس نے اپنے والد کو حضرت موسیٰ کے متعلق کہا (اے ابا جان ان کو کام پر رکھ لیجئے کیونکہ جن کو آپ کام پر رکھیں ان میں یہ سب سے زیادہ طاقت والے اور امانت دار ہیں)۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ نے اپنے بعد خلافت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔

تو شعیب علیہ السلام نے بیٹی کی بات کے جواب میں حضرت موسیٰ کو فرمایا: (کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ آپکی شادی کر دوں (مگر) اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری اجرت کر دیں گے (اور) اگر آپ دس سال پورے کریں تو آپکی طرف سے (احسان) ہوگا۔ اور میں آپ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا انشاء اللہ آپ مجھکو صابرین میں سے پائیں گے۔ (۱)

احناف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ اگر کوئی شخص یوں فروخت کرے کہ ان دو غلاموں یا ان دو لڑکیوں میں سے ایک فروخت کیا۔ تو یہ بیع ہوگا کیونکہ حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے شادی کر دوں گا۔ لیکن اس میں کچھ بحث سی نظر ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ مراوضہ کے قبیل میں سے ہے نہ کہ معاقدہ۔ واللہ اعلم۔

اور حضرات حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ کھانا کھلا دینے یا لباس دے دینے کے بدلے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ رواج ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ عتبہ بن ندر فرماتے ہیں ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر تھے۔ آپ نے طسٓمٓ (سورہ قصص) کی تلاوت فرمائی آگے جب آپ موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال کے لئے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور اپنے شکم کی کفایت کی اجرت پر پیش کیا۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ کی ہے لیکن اس میں ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی دمشقی بلاطی ائمہ کے نزدیک ضعیف ہیں جسکی وجہ سے محض اس کی منفرد حدیث سے استدلال و حجت نہیں پکڑی جاسکتی ہاں یہی حدیث ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق (۲) سے نقل کی ہے۔ جس سے اس کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

---

(۱) ذالک الحدیث الذی رواہ ابن ماجہ فی سننہ مترجما علیہ فی کتابہ "باب استیجار الاجیر علی طعام بطنہ" ، حدثنا محمد بن المصفی الحمصی، حدثنا بقیہ بن الولید، عن مسلمۃ بن علی، عن سعید بن ابی ایوب، عن الحارث بن یزید، عن علی بن رباح قال سمعت عتبۃ بن الندر ...... الخ

(۲) فقال ابن ابی حاتم حدثنا ابوزرعہ حدثنا صفوان حدثنا الولید، حدثنا عبداللہ بن لہیعۃ، عن الحارث بن یزید الحضرمی عن علی بن رباح اللخمی قال سمعت عتبۃ بن الندر السلمی صاحب رسول اللہ ﷺ یحدث ان ...... الخ

آگے معاہدے کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔

موسیٰ نے کہا یہ (عہد و پیمان) میرے اور آپ کے درمیان ہوا، جو مدت میں پوری کروں، مجھ پر کوئی جبر نہیں۔ اور جو ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔(۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر کو فرمایا کہ جو آپ نے فرمایا وہ طے ہو گیا ہے اور اب جو مدت بھی میں پوری کروں مجھے اختیار ہے اور عہد و پیمان وغیرہ قول و قرار پر خدا شاہد ہے اور ہم پابند ہیں پورا کرنے کے۔

اور اس اختیار کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے بڑی اور کامل مدت کو پورا فرمایا یعنی پورے دس سال تک بکریاں چرائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں روایت فرماتے ہیں (۲) کہ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مجھ سے اہل حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پوری فرمائی تھی۔ میں نے کہا مجھے علم نہیں جب تک عرب کے بڑے عالم کے پاس جا کر پوچھ نہ لوں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور عمدہ کو پورا فرمایا تھا۔ بے شک اللہ کے رسول نے جب کہا تو کر دکھایا (۳) اور یہی روایت نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت موسیٰ علیہ السلام نے پوری فرمائی۔ تو کہا دونوں میں سے کامل اور تمام (یعنی دس سال والی مدت) پوری فرمائی۔(۴)

(۵) اور حضرت مجاہد سے مرسلاً حدیث مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آگے حضرت میکائیل علیہ السلام سے استفسار کیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے پروردگار عزوجل سے استفسار کیا تو پروردگار عزوجل نے فرمایا دونوں مدتوں میں سے زیادہ پاکیزہ (یعنی جو سب سے طویل والی) اور زیادہ وفا والی مدت کو پورا فرمایا۔

اسی طرح ابن جریر نے محمد بن کعب سے بھی روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا دونوں عرصوں میں سے کونسا عرصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا فرمایا۔ آپ نے جواب مرحمت فرمایا دونوں میں سے زیادہ وفا والا عرصہ۔

(۶) بزار اور ابن ابی حاتم نے (اضافے کے ساتھ یوں) روایت کیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت مکمل فرمائی؟ آپ نے جواب دیا دونوں میں سے زیادہ وفا والی اور حسن سلوک والی۔ اور فرمایا اگر تم یہ پوچھو کہ دونوں عورتوں میں سے کونسی سے شادی فرمائی تو چھوٹی سے شادی فرمائی۔

(۷) اور کئی دوسرے حضرات نے ایک دوسرے طریق سے اور کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بھی روایت کی ہے کہ عتبہ بن المنذر سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور اپنے شکم کی کفالت (یعنی شادی و طعام) کے بدلے اپنے آپ کو اجرت پر دیا۔ (اور مدت اجرت کو مکمل کیا) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کونسی مدت کو پورا کیا؟ تو فرمایا دونوں میں سے زیادہ حسن سلوک والی اور زیادہ وفاداری والی۔

---

(۱) القصص ۲۸ (۲) رواه البخاري حدثنا محمد بن عبد الرحيم حدثنا سعيد بن سليمان حدثنا مروان بن شجاع عن سالم الأفطس عن سعيد بن جبير الخ (۳) تفرد البخاري من هذا الوجه وقد رواه النسائي في حديث الفتون، كما سبق من طريق القاسم بن أبي أيوب عن سعيد بن جبير (۴) وقد رواه ابن جرير عن أحمد بن محمد الطوسي وابن أبي حاتم عن أبيه كلاهما عن الحميدي عن سفيان بن عيينة حدثني إبراهيم بن يحيى بن أبي يعقوب عن الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس الخ عن إبراهيم بن أعين عن الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس الخ (۵) وقد رواه سنيد عن حجاج عن ابن جريج عن مجاهد مرسلاً

(۶) وقد رواه البزار وابن أبي حاتم من حديث عويد بن أبي عمران الجوني وهو ضعيف عن أبيه عن عبد الله بن الصامت عن أبي ذر الخ

(۷) وقد رواه البزار وابن أبي حاتم من طريق عبد الله بن لهيعة عن الحارث بن يزيد الحضرمي عن علي بن رباح اللخمي عن عتبة بن المنذر الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے کوچ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے الوداع ہونے کا قصد فرمایا تو اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے والد سے کہہ کر اتنی بکریاں لے لو جس کے ساتھ ہم گذر بسر کر سکیں۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سال ہر بکری کا جو بچہ پیدا ہوا اور ان کے رنگ میں مختلف ہو وہ تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عطیہ کر دیے۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تمام بکریاں سیاہ اور خوبصورت تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ترکیب اختیار فرمائی (جو آپ کے لئے بطور معجزہ کے تھی) کہ آپ نے اپنی لاٹھی لی اور سب بکریوں کو حوض پر پانی پلانے لے گئے اور خود حوض کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ تو جب بھی کوئی بکری پی کر سیراب ہو کر واپس آتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پہلو پر مارتے اس طرح ایک ایک بکری کر کے تمام کو گذارا اس کی وجہ سے اللہ کے حکم سے ہر بکری نے دو دو بچے جنے اور وہ بھی اپنے رنگ سے مختلف رنگ کے سوائے ایک یا دو بکریوں کے جنہوں نے اپنی رنگت کے بچے جنے اور وہ بچے جانور جنہوں نے جنا ان کی اچھی نسل والی بکریاں بہت ہونے والی اور دودھ سے کمی نہ کرنے والی ہو گئیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: اگر تم شام کو فتح کر لو تو ان بکریوں کی باقی ماندہ نسل کو ضرور پاؤ گے اور وہ سانولے رنگ کی ہوں گی۔

اس حدیث کی مرفوعیت میں نظر ہے۔ اور بعض جگہ یہ موقوف بھی وارد ہوئی ہے جیسے ابن جریر نے فرمایا [1] کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر کے ساتھ باہمی مدت کو مکمل کر دیا تو خسر نے ان کو کہا ہر بکری کا ہر وہ بچہ جو اپنی ماں سے رنگت میں مختلف ہو وہ آپ کا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پینے کی جگہ پر کچھ رسیاں اسی طرح باندھ دیں کہ بکریوں نے جب ان کو دیکھا تو وہ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگیں۔ پھر تمام بکریوں نے چتکبرے مختلف رنگ کے بچے دیے سوائے ایک بکری کے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال کے تمام بچوں کو لے کر چل دیے۔

یہ حدیث مسند صحیح ہے اور اس کے روات ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی طرح کا واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے ماموں جو ان کے خسر بھی تھے دونوں کے درمیان ہوا تھا جس کا ذکر گذر چکا ہے کہ ماموں "لایان" نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہی تمام بکریوں کے بچے عطیہ کر دیے تھے جو چتکبرے رنگ کے ہوں اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ واللہ اعلم۔

آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم ٹھہرو۔ مجھے آگ محسوس ہوئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو۔ جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں تو خدائے رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا کہ) اے موسیٰ علیہ السلام آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔ (اور پھر ہم نے دوسری نشانی دی کہ کہا) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا۔ اور خوف دور ہونے کے لیے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔ یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (جاؤ) کیونکہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ (۲)

جیسے گذرا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کامل مدت پوری فرمائی تھی تو یہ ابن اللہ کے لیے فرمان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرمایا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت کو پورا کر لیا اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ مروی ہے کہ آپ نے دس سال مکمل کرنے کے بعد بھی دس

---

[1] تاریخ ابن جریر حدثنا محمد بن المثنی حدثنا معاذ بن ہشام حدثنا ابی عن قتادۃ حدثنا انس بن مالک

(۲) القصص ۲۹ تا ۳۲

سوال اور تفصیل فرمائے۔

اور فرمایا کیا آپ اپنے اہل کو لے کر چلے۔ یعنی آپ نے قصبہ مدین سے اپنے وطن کا قصد کیا کہ کئی مفسرین کے مطابق آپ مصر میں اپنے گھر والوں سے ملنے گئے تھے اور ان کی زیارت کے مشتاق تھے تو آپ ساتھ لے چلے اپنی بیوی اور بکریاں اور ان کے بچے جو آپ کی ملکیت میں جو بچے پیدا ہوئے تھے سب کو لے کر چلے اور آپ خفیہ طور پر مصر میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ راستے میں دوران سفر ایک مرتبہ انتہائی تاریک اور ٹھنڈی رات نے ان کو آلیا۔ جس کی وجہ سے آپ جنگل کے راستہ میں بھٹک گئے ... اور معروف راستے کو بھول گئے۔ پھر چقماق سے آگ جلانے کی بار بار کوشش کی لیکن ظلمت و شدت اور انتہائی ٹھنڈ کی وجہ سے آگ نہ جلی اور سخت پریشان ہو گئے۔

تو آپ اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ دور طور پر آگ کا شعلہ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ اگر طور کے دائیں طرف مغربی سمت میں تھا تو آپ نے آگ دیکھی تو اپنے اہل کو کہا تم ٹھہرو میں نے آگ محسوس کی ہے (دیکھی ہے) تو آپ نے اس کو آگ محسوس زیادہ کیا جبکہ حقیقت میں وہ نور الٰہی تھا اور کوئی نیک ہی اس کو دیکھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔

پھر فرمایا (شاید میں وہاں سے کوئی خبر (راستے کی) لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں جس سے تم سینک سکو) تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت انتہائی ٹھنڈی اور تاریک رات میں تھے اور راستہ بھٹک چکے تھے۔

جیسے کہ بات کو دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا اور کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی۔ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے اہل کو کہا تم ٹھہرو میں نے آگ محسوس کی ہے شاید اس سے کوئی چنگاری لے آؤں یا آگ (کے مقام) سے راستہ معلوم کر لوں۔[1] اس عبارت سے یہ بھی اور حضرت موسیٰ کا راستہ گم کرنا معلوم ہوا اور اسی قصہ کو سورۃ نمل میں یوں ارشاد فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو کہا میں نے آگ محسوس کی ہے عنقریب میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارہ شعلہ لاتا ہوں تاکہ تم سینک سکو۔[2]

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو کہا میں وہاں سے خبر لاتا ہوں تو بے شک آپ عظیم خبر لائے کوئی خبر!

اور بے شک وہاں سے سیدھی راہ معلوم کر لی کون سا سیدھا راستہ؟ اور بے شک وہاں آگ کی بجائے نور حق پا لیا تو؟

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو برکت والی جگہ میں وادی کی دائیں طرف ایک درخت سے آواز دی گئی اے موسیٰ میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار۔[3]

اور سورۃ نمل میں یوں فرمایا پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو ان کو ندا دی گئی کہ وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہے بابرکت کیا گیا ہے۔ اور اللہ پاک ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[4] یعنی وہ ذات پاک ہے صفات اور قدرت والی ذات ہے جو چاہتی ہے کرتی ہے اور جس چیز کا ارادہ کر لی ہے کر دیتی ہے۔ آگے فرمایا اے موسیٰ سنو بے شک میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔[5]

اور پھر اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وادی مقدس میں طلب فرمایا اور ان کے آداب کے لئے جوتے اتارنے کا حکم فرمایا۔ پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو ان کو آواز دی گئی اے موسیٰ۔ میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دو بے شک تم مقدس وادی طویٰ میں ہو اور میں نے تم کو چن لیا ہے پس جو حکم دیا جائے اس کو (کان لگا کر) سنو۔ کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ گے۔[6]

متعدد بلکہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ جب آگ کے پاس پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک کانٹے دار سبز درخت میں روشنی بھڑک رہی ہے آگ والی یعنی روشنی خوب بھڑک رہی ہے اور اس کے باوجود درخت کی ہریالی سرسبزی و شادابی کی انتہا ہو رہی ہے تو حضرت موسیٰ متعجب ہو کر دیکھتے رہ گئے اور وہ درخت پہاڑ کے کنارے پہاڑ کے دائیں طرف مغربی سمت میں تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] طٰہٰ: ۱۰ [2] النمل: ۷ [3] القصص: ۳۰ [4] النمل: ۸ [5] النمل: ۹ [6] طٰہٰ: ۱۶-۱۱

کلام مقدس میں فرماتے ہیں۔ [۱] (اے محمد) آپ (طور کی) غربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا فیصلہ کیا اور نہ آپ حاضرین میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ طویٰ نامی وادی میں تھے۔ اور قبلہ رو تھے۔ اور وہ درخت آپ کے دائیں غربی جانب میں تھا۔ تب ان کے پروردگار نے ان کو مقدس وادی میں ندا دی۔ اور سب سے پہلے ان کو اس مقدس و پاکیزہ وادی کی تعظیم تکریم اور توقیر کے لئے جوتے اتارنے کا حکم فرمایا۔

اور پھر اس رات کی بھی اپنی ایک خاص عظمت تھی۔ کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائے عزوجل سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل کتاب کے ہاں ہے کہ آپ نے اس نور کی شدت چمک دمک کی وجہ سے اپنی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اپنی نگاہوں پر بھی خطرہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا ان کے ساتھ کلام فرمایا اور فرمایا بے شک میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں۔

اور دوسری جگہ فرمایا۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے ہر نماز قائم کر۔ [۲] (یعنی صرف میں ہی یکتا سب جہانوں کا پروردگار ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور عبادت اور نماز قائم کرنا بھی محض اسی کے واسطے زیبا ہے اور کسی کی عبادت وصلوٰۃ جائز نہیں۔

پھر اس کے بعد اللہ پاک نے قیامت کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ مبذول کروائی اور خبر دی کہ یہ دنیا دارالقرار نہیں ہے۔ اور بے شک دارالقرار جسے فنا نہیں وہ تو دارالآخرت ہے جس کا واقع ہونا اور موجود ہونا از حد ضروری ہے فرمایا تاکہ ہر نفس کو اس کی کوششوں کا بدلہ دیا جائے۔ [۳] (یعنی ہر شخص جو بھی خیر یا شر کرے گا اس کا بدلہ اس کو ملے گا۔ اس طرح اللہ پاک نے اسی کیلئے عمل کرنے پر ابھارا اور اکسایا۔ اور آگے ان لوگوں کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرنے سے منع فرمایا جو خواہشات کی پیروی میں آخرت کے منکر ہو بیٹھے ہیں فرمایا پھر اللہ آپ کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں اور آپ کو خوب واضح کر دکھاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے اور ہر چیز اس کے کُن کی محتاج ہے پھر وہ چیز فیکون کا مظاہرہ کر دکھاتی ہے۔ آگے عجیب معجزہ کا ظہور ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ (اور اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟) یعنی وہ عصا جو آپ نے عرصے سے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے جس کو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ محض ایک لکڑی ہے آپ اس کے متعلق کیا کیا کہتے ہیں؟ موسیٰ نے (کہا یہ میری لاٹھی ہے اس کے ساتھ میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ میں اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں)۔ یعنی میں اس کو عرصے سے پہچانتا ہوں اور ان ان کاموں میں استعمال کرتا ہوں تو اللہ نے (فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دے۔ ڈالا تو وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔) [۴]

یہ عظیم عادت کے خلاف بات تھی اور قطعی برہان و دلیل تھی کہ جو ذات اے موسیٰ علیہ السلام تیرے ساتھ ہمکلام ہے بے شک اس کی شان یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو کن (ہو جا) کہے تو وہ فیکون یعنی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ذات بے شک جو چاہے کرنے والی ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے از خود معجزے۔ اور نشانی کو طلب فرمایا تھا تاکہ مصر میں جو ان کو جھٹلائیں ان کو دکھائیں تب اللہ نے ان سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا لاٹھی ہے۔ فرمایا اس کو (زمین پر) ڈال دو۔ (پھر ڈال دیا وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا) موسیٰ علیہ السلام اس کے آگے دوڑنے لگے اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور اس کو دم سے پکڑ لو تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس پر ہاتھ پڑا وہ واپس عصا کی صورت میں آ گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔ ہم نے حکم دیا (اور اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر (موسیٰ نے) اس کو دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ سانپ ہے تو موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر دوڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔) [۵]

یعنی بہت بڑا عظیم جسم والا سانپ ہے۔ جو انتہائی موٹا اور ہولناک ہے اس کا عظیم منہ کھلا ہوا ہے۔

جس کو اژدھا کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ انتہائی تیز دوڑ رہا ہے جیسے کہ "جان" سانپ تیزی سے دوڑتا ہے۔ اور یہ سانپوں میں ایک انتہائی چھوٹی اور سریع الحرکت قسم ہے یعنی جسم میں تو پتلا اور چھوٹا ہوتا ہے اور حرکت و دوڑ میں بہت تیز ہوتا ہے جس کو جان اور جنان کہا جاتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے بنے ہوئے اژدھے میں یہ تمام متضاد صفات یکجا جمع تھیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو پیٹھ

---

(۱) القصص ۴۴ (۲) طٰہٰ ۱۴ (۳) طٰہٰ ۱۵ (۴) طٰہٰ ۱۷-۲۰ (۵) القصص ۳۱

پھیر کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت اسی کا تقاضا کرتی تھی۔ اور حضرت موسیٰ نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تب ان کے پروردگار نے ان کو ندا دی (اے موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ اور خوف نہ کر۔ بے شک تو امن پانے والوں میں سے ہے)۔ (۱)

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی سنتے ہی واپس مڑے تو پھر حکم الٰہی ہوا (فرمایا: اس کو پکڑ اور خوف مت کر ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔) (۲) کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ازحد خوفزدہ ہو چکے تھے اور جب پکڑنے لگے تو اپنے کرتے کی آستین میں ہاتھ لپیٹ کر اس کے منہ میں رکھا۔ اور اہل کتاب کے نزدیک اس کی دم سے پکڑا۔ تو جیسے ہی سانپ پر آپ کا ہاتھ پڑا سانپ لکڑی کی صورت میں واپس آ گیا۔ اور اب یہ پہلے کی طرح دوسروں والی لاٹھی تھی اور بس۔ پس بے شک وہ اللہ پاک ہے، عظیم قدرت والا ہے مشرق و مغرب کا رب ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسری نشانی عطا کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور پھر نکالو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ ڈال کر دوبارہ نکالا تو وہ ایک چاند کی طرح بالکل سپید چمک رہا ہے اور بغیر کسی بیماری کے نہ ہی برص کی بیماری ہے نہ ہی کوئی اور۔ الغرض صرف معجزہ کی بناء پر انتہائی چمکتا ہوا آفتاب بن گیا ہے اسی کو اللہ نے یوں فرمایا (اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی بیماری کے (چمکتا ہوا) سفید نکلے گا اور (جب) خوف ہو تو (واپس) اندر ڈال دے (تو وہ پہلے کی طرح عام ہاتھ ہو جائے گا)۔ (۳)

یعنی جب ہاتھ کو اس نئی حالت میں دیکھ کر خوف ہو تو واپس اپنے دل پر ہاتھ رکھو اور پہلے جیسا عام ہاتھ ہو جائے گا۔

یہ ہاتھ کو دل پر رکھنے سے خوف کا زائل ہو جانا۔ اگرچہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاصیت ہے۔ مگر ایمان کی برکت سے جو شخص بھی یہی وحی رسول کرتے ہوئے ایسا کرے گا اس کا خوف جاتا رہے گا یعنی جب بھی کوئی خوف و ڈر لاحق ہو تو وہ شخص اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لے۔ انشاء اللہ ڈر اور خوف زائل ہو جائے گا۔

اور سورہ نمل میں فرمایا (اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید (اور چمکتا ہوا) نکلے گا تو نشانیوں میں (سے دو نشانیاں ہوئیں ان کو لے کر جاؤ) فرعون اور اس کی قوم کے پاس بے شک وہ مجرم قوم ہے) یعنی یہ دو نشانیاں لاٹھی اور ہاتھ تمہارے پاس خدائی دلیل ہے جس کی طرف سورہ قصص میں اشارہ فرمایا کہ (پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے رب کی طرف سے (ان کو لے کر جاؤ) فرعون اور اس کی قوم کے پاس بے شک وہ فاسق قوم ہیں)۔ (۴)

ان آیات میں نو نشانیوں کا ذکر فرمایا جن میں سے دو کی صراحت فرما دی اور بقیہ سات ان نشانیوں سمیت سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں مذکور ہیں فرمان باری ہے اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں پس بنی اسرائیل سے سوال کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان کو کہا اے موسیٰ میں تو تجھ کو سحر (جادو زدہ) سمجھتا ہوں۔ کہا تو خوب جانتا ہے ان (نشانیوں) کو سوائے آسمانوں و زمین کے پروردگار کے اور کسی نے نازل نہیں کیا۔ (تمہارے) سمجھانے کے لئے اور اے فرعون میں خیال کرتا ہوں تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (۵)

یہاں صرف ان کی تعداد کا ذکر فرمایا ہے اور سورہ اعراف میں ان کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا۔ فرمایا باری تعالیٰ نے: اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ تو جب ان کو آسائشیں حاصل ہوتیں تو کہتے ہیں ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بدشگون کرتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے تم ہمارے پاس (خواہ) کیسی ہی نشانی لاؤ تاکہ تم ہم پر جادو کرو مگر ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون۔۔۔ کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ اکڑتے ہی رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔ (۶) اور یہ نو آیات اللہ کی قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچا ہونے پر دلیل ہیں اور ان کے علاوہ وہ دس شرعی آیات یعنی احکامات جو اللہ نے بنی اسرائیل کو فرمائے تھے۔ مثلاً سود نہ کھانا، ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو وہ دس آیات شرعیہ ہیں اور یہ نو آیات قدرتیہ ہیں۔ دونوں جدا جدا ہیں۔ یہ تفصیل اسلئے عرض کی گئی کہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں یعنی وہ دس کلمات شرعیہ ہی ہیں جن کا ذکر آیت میں ہوا جو صحیح نہیں۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت موسیٰ نے کہا پروردگار میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا تھا تو مجھے خوف ہے کہیں وہ مجھے قتل کر

---

(۱) القصص ۳۱ (۲) طٰہٰ ۲۱ (۳) القصص ۳۲ (۴) القصص ۳۲ (۵) بنی اسرائیل ۱۰۱-۱۰۲ (۶) اعراف ۱۳۰-۱۳۳

ڈالیں اور میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ واضح ہے تو اسے بھی میرے ساتھ مددگار بنا کے بھیج دے تا کہ وہ میری تصدیق کرے (کیونکہ) مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا ہم جلد تیرے بھائی کے ساتھ تجھے تقویت دیں گے اور تم دونوں کے لئے دلیل بنا دیں گے کہ پس وہ (فرعون اور اس کی آل) تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی وجہ سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (۱)

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ان کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ پروردگار میں مصر میں ان کی ایک جان کو قتل کر کے فرعون سے بچا ہوا آیا تھا۔ لہٰذا میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بطور وزیر کے بھیج دیجئے تا کہ وہ میری مدد کریں اور وہ مجھ سے زبان میں بھی زیادہ واضح بولنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کو میرا وزیر بنا دیجئے جو میرے لئے مددگار اور ساتھی ثابت ہوں۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلیم کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے فرمایا ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لئے اپنی طرف سے غالب نشانی دیں گے یعنی ایسی دلیل و برہان عطا کریں گے کہ وہ تم کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہیں گے۔

اور سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: کہا پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے اور میرا کام مجھ پر آسان فرما دیجئے اور میری زبان سے گرہ (لکنت) کھول دیجئے تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔ (۲)

کہا گیا ہے کہ آپ کی زبان مبارک میں کچھ ہکلا پن سا تھا۔ کیونکہ بچپن میں آپ نے اپنی زبان پر انگارہ رکھ لیا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ آپ نے اپنے بچپن میں فرعون کی داڑھی پکڑی تھی تو فرعون آپ کے قتل پر تل گیا تب آسیہ نے کہا یہ تو بچہ ہے (اس نے جان کر نہیں کیا اس کو کچھ شعور نہیں ہے) خیر۔ آپ کے سامنے کھجور اور انگارہ رکھ کر آزمایا گیا فرعون نے آپ کی عقل کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کیا (آپ جب کھجور کی طرف ہاتھ بڑھانے لگے تو فرشتے نے آپ کا ہاتھ انگارے کی طرف پھیر دیا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ انگارے میں پہنچا تو آپ نے جلدی سے اس کو زبان پر رکھ لیا جس کی وجہ سے آپ کی زبان میں ہکلا پن ہو گیا۔ تو اب خدا سے ہکلاہٹ کے وقت آپ نے اس کے اس حد تک دور ہونے کی دعا کی کہ صرف بات سمجھ سکیں جیسے حاجت ہو پوری ہو جائے۔

اور مکمل ختم کی دعا نہ فرمائی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول صرف اسی قدر سوال کرتے ہیں کہ ان کی حاجت پوری ہو جائے اور بس۔ اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں پھر کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی۔ اور اسی وجہ سے فرعون نے طعنہ کا عار کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ عیب بھی لگایا تھا کہ تھا (اور وہ اپنے دل کی بات (ضمیر کو) بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا) (۳) جیسے پیچھے سوال ہوا۔

اور زبان کی صحت کی درخواست کے بعد ایک دوسری التجا کی کہ (اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری قوت کو مضبوط کر دیجئے۔ اور اسے میرے کام میں شریک فرما دیجئے تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں۔ اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ تو ہم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے فرمایا اے موسیٰ تمہاری دعا قبول کی گئی (۴)

یعنی تمہاری سب درخواستوں کو ہم نے قبول کیا اور جو آپ نے طلب کیا وہ سب ہم نے آپ کو عطا کیا۔

یہ حضرت موسیٰ کی خدائے عزوجل کے ہاں وجاہت و مرتبہ ہے کہ اپنے بھائی کے لئے رسالت کی سفارش کی تو فوراً قبول ہوئی اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں وجیہ یعنی صاحب مرتبہ تھے اسی وجہ سے اللہ نے ان کے بھائی کو بھی رسالت کے رفیع مرتبے پر سرفراز فرما دیا۔ فرمایا (اور ہم نے اپنی رحمت سے اس کے لئے اس کے بھائی ہارون کو نبی (بنا کر) دیا)۔ (۵)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سفر حج کے موقع پر ایک آدمی کو یہ سوال کرتے سنا کہ وہ کون سا بھائی ہے جس نے اپنے بھائی پر احسان و بھلائی کیا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہودج (اونٹ) کے ارد گرد لوگوں سے فرمایا وہ موسیٰ بن عمران ہیں انہوں نے اپنے

---

(۱) القصص:۳۴-۳۵ (۲) طٰہٰ:۲۵-۲۸ (۳) الزخرف:۵۲۔ (۴) طٰہٰ:۲۹-۳۶ (۵) مریم:۵۳۔

بھائی ہارون کے متعلق یہ کہہ کر موسیٰ نے سفارش کی تھی کہ ان کو نبی بنا دیجئے وہ میرے مددگار ہوں گے اور میری تصدیق کرتے ہیں) اور ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کا بھائی (وزیر بنا کر) عطا کیا۔

سورۃ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں

اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو ندا دی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ (یعنی) فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا یہ ڈرتے نہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے جھوٹا سمجھیں اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے تو ہارون کو حکم دیجئے (کہ میرے ساتھ چلیں) اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے۔ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

فرمایا ہرگز نہیں۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ پس فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (اور اس لئے آئے ہیں) کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ (فرعون نے موسیٰ سے) کہا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا؟ اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر نہیں کی؟ اور تم نے ایک وہ (قتل کا) کام کیا تھا جو تم سے ہوا اور تم (اب) ناشکرے ہو رہے ہو۔(۱)

مذکورہ بالا مضمون کی تفصیل یہ ہے کہ یہ دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر بھیجا تھا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور اپنی قید سے ظلم و ستم اور شکنجے سے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو چھوڑ دے تاکہ وہ جہاں چاہیں اپنے رب کی توحید و عبادت بجا لائیں اور اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لئے فارغ ہو جائیں۔ لیکن فرعون نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور سرکشی و فساد پر اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ذلت و تحقیر سے ملامت کرنے لگا۔

کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے ہاں تیری پرورش نہیں کی؟ اور کیا تو عرصہ دراز تک ہم میں زندگی بسر نہ کرتا رہا؟

یعنی کیا تو وہی نہیں ہے جس کی ہم نے اپنے گھر میں پرورش کی، اور جس پر احسان کئے اور ہم میں ایک عرصہ دراز گذار دیا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس فرعون سے فرار ہوئے تھے تو دوبارہ بھی اسی کی طرف جا کر بھیجے گئے۔

(کیونکہ فرعون کا یہ کہنا کہ ہم نے تیری بچپن میں پرورش کی اور تو ہم میں رہا اس سے اس امر کی صراحت ہو گئی ہے۔) جبکہ اہل کتاب اس پر مصر ہیں کہ یہ فرعون دوسرا تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاگ کر گئے تھے چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں اقامت کے دوران فوت ہو گیا تھا اور پھر آپ کو دوسرے فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ (لیکن اہل کتاب کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ مذکورہ بالا آیت قرآنی کے خلاف ہے)۔

اور آگے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو کہتا ہے اور تو نے وہ کام کیا جو کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے (یعنی پہلے تو یہاں ایک قبطی کو قتل کر کے گیا تھا۔ اب یہاں آ کر ہم سے بغاوت کر رہا ہے اور اب ان تمام احسانات کا انکار کرتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ "وہ مجھ سے اس وقت ہو گیا تھا جب میں (اس وقت) راہ بھٹکنے والوں میں سے (ہوا) تھا" (یعنی اس وقت مجھ پر نبوت نازل نہیں ہوئی تھی) "پھر جب مجھے تم سے خوف ہوا تو تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے نبوت دی اور مجھے رسولوں میں سے بنایا" اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے تربیت و پرورش کے احسان جتلانے کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں "اور (کیا) یہی احسان ہے جو آپ مجھ پر رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے" (یعنی جن انعامات و احسانات کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ تو بنی اسرائیل کے ساتھ برے برتاؤ کے عوض ہیں کیونکہ تم نے اس کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کا پورا قبیلہ غلام بنا رکھا ہے ان سے خدمت لیتے ہو اور ان کو کام میں لگا رکھا ہے تو کیا ایک آدمی پر احسان بنی اسرائیل کے ساتھ برے سلوک کا بدلہ ہو سکتا ہے؟

فرعون نے کہا سب جہانوں کا مالک کون ہے؟ کہا (وہ) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے (وہی سب جہانوں کا مالک ہے) بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔ (فرعون نے) اپنے اردگرد لوگوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (کہ یہ کیسی عجیب باتیں کر رہا ہے) موسیٰ

---

(۱) الشعراء ۱۰۔۱۹

نے) کہا (وہ) تمہارا اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے (فرعون نے) کہا کہ یہ پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے۔ (موسیٰ نے) کہا وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔(۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان جو بات چیت اور مناظرہ واقع ہوا اس کو اللہ پاک نے یہاں آیات میں بیان فرمایا ہے اور فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دلیل عقلی و حسی قائم کی اس کا ذکر فرمایا ہے جس سے پروردگار عالم کے وجود حقیقی کو ثابت کیا کیونکہ پہلے فرعون نے تو رب حقیقی کے وجود ہی اور قدرت سے ہی انکار کر رکھا تھا۔

اور اپنے جھوٹے وہم و خیال میں اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا(۲) جس کے بارے میں قرآن میں یوں ہے کہ فرعون نے پھر لوگوں کو جمع کیا پھر پکارا اور کہنے لگا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں اور دوسری جگہ یوں آتا ہے۔

(اور فرعون نے کہا کہ اے اہل دربار میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا)۔ (۳)

اور فرعون محض ضد اور سرکشی کی بنا پر خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا ورنہ اس کو بھی خود یقین تھا کہ وہ صرف ایک بندہ ہی ہے اور اللہ ہی اصل رب ہے اور اللہ جو خالق اور باری اور مصور ہے وہی سچا معبود برحق ہے۔ جیسے قرآن میں ہے (اور انہوں نے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے ان کا انکار کیا اور ان کے دل ان کا یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لو فسادیوں کا انجام کیا ہوا)۔ (۴)

اور فرعون کو اللہ کے معبود برحق ہونے کا یقین تھا لیکن اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور پوچھا کہ پھر وہ پروردگار جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے (وہ کون ہے؟) کیونکہ دونوں بھائی پہلے یہ کہہ چکے تھے (بیشک ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں) تو اس پر فرعون نے پوچھا کہ یہ رب العالمین کون ہے؟ جس نے تمہیں بھیجا ہے اور نبی بنایا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جواب دیا (کہ وہ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا پروردگار ہے اگر تم کو یقین ہو)۔ (۵) یعنی یہ جو آسمان اور زمین مشاہدے میں نظر آ رہے ہیں ان کا جو خالق و مالک ہے اور آسمان و جہان کے درمیان بے شمار مخلوقات ہوا، پرندے، بادل اور حیوانات ہیں جن کے متعلق ہر ایک کا خیال ہے کہ یہ خود وجود میں نہیں آ سکتیں، بلکہ ان سب کے لئے کوئی موجد اور پیدا کرنے والا خالق ضروری ہے تو وہ ذات اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی نے ہم کو تیری طرف بھیجا ہے۔

فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھے امراء و وزراء اور مصاحبین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے ان کی بات پر تعجب کرتے ہوئے کہا کیا تم سنتے ہو؟

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے تمام مشیروں سب کو مخاطب ہو کر فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے سے پہلے آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے۔ یعنی اس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کو بھی پیدا کیا ہے اور گزشتہ تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے اور بیشک تمام لوگوں کو تو یقین ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا اور نہ ہی ان کے ماں باپ نے بلکہ وہ تو محض ایک ذریعہ ہیں۔ اور پھر کوئی چیز بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق اللہ رب العالمین ہی ہے جو پیدا فرماتا ہے۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے زمین و آسمان اور تمام اشیاء کی تخلیق کا ذکر فرمایا پھر خود ان مخاطبین انسانوں اور ان کے آباؤ اجداد کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی اس کو قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:

(عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں یہاں تک کہ ان کے لئے یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ وہ (اللہ) حق ہے۔ (۶)

لیکن فرعون ان تمام نصائح کے باوجود غفلت سے بیدار نہ ہوا اور اپنی گمراہی سے نہ نکلا بلکہ اپنی سرکشی اور عناد و کفر میں پکا ہو گیا۔ اور (کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے بے شک مجنون ہے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی ربوبیت کو مزید بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کا پروردگار

---

(۱) الشعراء ۲۳ تا ۲۸ (۲) النازعات ۲۳۔۲۴ (۳) القصص ۳۸ (۴) النمل ۱۴ (۵) الشعراء ۲۴ (۶) فصلت ۵۳

نگار ہے اگر تم کو عقل ہو۔ (1) یعنی یہ چمکدار ستارے، سیارے جو آسمان میں اپنے اپنے مدار کے اندر مسخر ہیں ان کو اس کام میں لگانے والا وہ اللہ ہی ہے اور اسی نے تاریکی اور روشنی کو پیدا فرمایا ہے وہ وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور اولین اور آخرین کا پروردگار ہے آفتاب و ماہتاب اور چلنے اور ٹھہرے رہنے والے تمام ستاروں اور سیاروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ رات کو تاریکی بخشنے والا اور دن کو روشنی سے منور کرنے والا ہے۔ اور یہ تمام اس کے قہر اور اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہیں اور آسمان میں تیرتے رہتے ہیں اور تمام اوقات ایک دوسرے کے پیچھے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ تو وہی سب کچھ کرنے والا وہ اللہ عزت ہے جو خالق ہے مالک ہے اور اپنی مخلوق میں اپنی چاہت کے مطابق تصرف کرنے والا ہے۔

الغرض جب فرعون پر حجت تمام ہوگئی اس کا شبہ ختم ہوگیا اور اس کے پاس سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے کچھ باقی نہ رہا تو پھر اپنی وجاہت و سطوت کا سہارا لیتے ہوئے (کہنے لگا) اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔ کہا اگرچہ میں تیرے پاس واضح چیز لے آؤں تو بھی۔ کہا اگر تو سچا ہے تو (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنے عصا کو ڈال دیا تو وہ کھلا اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان میں سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے روشن چمکدار ہو گیا۔ (2)

ان دو دلیلوں کے ساتھ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی تقویت فرمائی تھی اور یہ عصا (لاٹھی) اور ہاتھ تھا اور یہ خلاف عادت اور عظیم ترین معجزے تھے جن سے عقلیں دنگ اور نگاہیں دنگ رہ گئی تھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ڈالی تو وہ ایک بہت بڑا اژدہا ہو گیا جو عظیم منہ والا اور انتہائی بڑی جسامت والا اژدہا تھا اور ایسا خوفناک گھبراہٹ طاری کرنے والا منظر پیش کر رہا تھا کہ جب فرعون نے یہ صورتحال دیکھی اور مشاہدہ کیا تو اس پر انتہائی رعب اور خوف طاری ہو گیا حتی کہ اتنا سخت تنگ ہو گیا کہ ایک دن میں چالیس مرتبہ سے بھی زائد اس کو قضاء حاجت پیش آنے لگی۔ جبکہ پہلے چالیس دن میں ایک مرتبہ اس کو قضاء حاجت پیش آتی تھی اور اب معاملہ بالکل برعکس ہو چکا تھا۔ (یعنی ایک دن میں چالیس مرتبہ)

اور اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دست مبارک اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو سب نے دیکھا کہ وہ چاند کی ٹکیہ کی طرح چمک رہا ہے اور تیز روشنی سے آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے پھر اس کو دوبارہ گریبان میں ڈال کر نکالا تو پہلے کی طرح کا ہو گیا تھا۔ لیکن فرعون ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان سے سرفراز نہ ہوا۔ اور ان نشانیوں سے کچھ بھی نفع نہ اٹھایا بلکہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور ان نشانیوں کے جواب میں کہنے لگا یہ تو کھلا جادو ہے اور یہ سب کچھ جادو کے سوا کچھ نہیں۔ پھر جادوگروں کو جمع کر کے ان کے مقابلے کی سوچ میں پڑ گیا۔ اور اپنے کارندوں کو اپنی سلطنت کے اطراف و اکناف میں پیغام دے کر بھیج دیا کہ جو بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں فرعون کے دربار میں جمع ہو جائیں جس کا بیان آگے مکمل تفصیل کے ساتھ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(اے موسیٰ) پھر تم کئی سال اہل مدین میں ٹھہرے رہے پھر اے موسیٰ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آپہنچے اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ دونوں کہنے لگے ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا سرکش ہو جائے۔ فرمایا ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ (3)

ان آیات میں اللہ عزوجل اپنے رسول موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا ذکر فرما رہے ہیں جس رات میں تم پر وحی کی گئی اور نبوت کے عظیم مرتبے پر فائز کئے گئے اور بڑی عظیم نشانیاں دی گئیں اور ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب تم فرعون کے گھر میں تھا تب بھی میں تجھے دیکھ رہا تھا اور تیری حفاظت کر رہا تھا اور میرے ہی حکم و کرم پر تم تھا پھر میں نے تم کو اپنی مشیت و قدرت اور تدبیر کے ساتھ سرزمین مصر سے نکال کر سرزمین مدین میں پہنچایا۔ اور وہاں تم نے کئی سال بسر کئے اور پھر میری طرف سے اس مدت کا جو وقت تھا اس کو پورا کر کے واپس آیا۔ وہ یہ تمام کچھ میری تقدیر کے مطابق ہوا اور پھر میں نے تجھے اپنے لئے چن لیا اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کے لئے تجھ کو منتخب کر لیا۔

پھر ہم نے تجھ کو وصیت کے لئے بھیجا (کہ) تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا یعنی جب تم فرعون کے

---

(1) الشعراء ۲۴۔۲۸ (2) الشعراء ۲۹۔۳۳ (3) طٰہٰ ۴۰۔۴۶

پاس آؤ تو میں عطا کرتا ہوں کہ یہ چیز تمہارے لئے اس کے ساتھ گفتگو اور جواب دہی اور اقامت حجت اور اس کو نصیحت کرنے میں مددگار ثابت ہو گی۔

بعض احادیث میں آیا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک میرا بندہ اپنے ساتھی سے ملاقات کے وقت میرا ذکر کرتا ہے۔

اور اسی کی تائید میں فرمان خداوندی ایک اور جگہ یوں آیا ہے: اے ایمان والو جب تمہاری (دشمن کی) جماعت سے مڈبھیڑ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ [1]

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم تھا کہ فرعون اپنے کفر اور فساد پر اڑا رہے گا۔ اور جس کی وجہ سے یہ قول میں عذاب کے لائق ہے سب سے بڑا بھی تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نرمی اور لطف و ملاطفت کا لحاظ رکھیں کیا بعید ہے کہ اس طرح اس وقت کی عظیم الشان شخصیت کو اس کافر کے متعلق فرمایا ہے کہ نرمی سے بات کرو۔ یہ اللہ کا اپنی مخلوق پر حجت اور لطف و کرم تھا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو بھی اسی طرح وعظ و نصیحت فرمائی۔ فرمایا

(اے پیغمبر) تم لوگوں کو حکمت اور اچھے طریقے سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔ [2]

اور دوسری جگہ فرمایا: اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا۔ [3]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرمان الٰہی ہے۔

دونوں اس کو نرم بات کہو: یعنی یہ بات معذرت و مہربانی کے ساتھ اس سے کہو کہ تیرا پروردگار ہے اور تجھے دوبارہ آخرت میں لوٹایا جائے گا۔ اور تیرے سامنے جنت و جہنم ہوں گے لہٰذا اپنی عاقبت کا دھیان کر۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا مطلب ہے اے موسیٰ اور ہارون اس کو نرم بات کہو اسے کہو کہ میں غضب و عذاب کی نسبت عفو اور درگزر کے زیادہ قریب ہوں تیرے لئے بھی عفو اور رحمت کا در کھلا ہے۔ یہ سن کر حضرت یزید رقاشی اس آیت کے موقع پر فرماتے ہیں اے وہ ذات جو اپنے دشمن سے بھی اس قدر محبت و نرمی کا برتاؤ کرتی ہے تو جو تیرا دوست ہے اور تجھ سے سرگوشیاں کرتا ہے اس کے ساتھ تیری محبت کا کیا عالم ہوگا؟

تو جب اللہ پاک کا حکم ہوا کہ جاؤ اور بہ نرمی سے نصیحت کرو (دونوں نے عرض کیا: ہمارے پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکش ہو جائے گا) کیونکہ فرعون بڑا ظالم اور کینہ پرور مردود شیطان تھا مصر کے اطراف و اکناف میں دور دراز تک اس کی سلطنت تھی۔ دبدبہ اور رعب تھا بڑے بڑے لشکر تھے۔ (اس سے بشری طور پر دونوں نے کچھ خوف محسوس کیا کہ کہیں فرعون پہلے ہی ہم پر حملہ کر کے ان کے ساتھ ظلم و ستم کا برتاؤ شروع کر دے تب خداوند عالم نے ان کو ثابت قدمی اور تسلی دی اور سب کچھ ذات بلند و بالا نے فرمایا [4] (خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) اور اسی طرح دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: (ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں)۔

پھر اللہ پاک نے ان کو فرعون کے پاس جانے کا یوں فرمایا (پس دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے پروردگار کی طرف سے قاصد ہیں۔ لہٰذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور ان کو عذاب مت دے۔ بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلامتی اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ [5]

اللہ نے ان کو حکم دیا کہ فرعون کو خدائے واحد کی طرف بلاؤ کہ اس کی عبادت کرو وہ وحدہ لا شریک ہے اور بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج اور ان کو چھوڑ دے اور ان کو عذاب مت دے اور تیری قید سے ان کو رہائی دے۔ ہم خداوند تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس اس کی چمکتی دمکتی نشانی لائے ہیں۔ اور سلامتی تو اس پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے اور یہی فرمان رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے جو خط ہرقل بادشاہ کو لکھا تھا اس میں بھی لکھا: اسلام لے آ سلامت رہے گا اس اسلام کی دعوت کا مضمون تھا پھر فرمایا: (بے شک ہم کو وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے گا اور منہ موڑے گا اس پر عذاب ہے) یعنی جو اپنے دل کے ساتھ حق کو جھٹلایا اور اپنے جسم کے ساتھ عمل سے منہ موڑا تو وہ شخص عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے تشریف لائے تو اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے پاس پہنچے

---

(۱) انفال ۴۵ (۲) النحل ۱۲۵ (۳) العنکبوت ۴۶ (۴) طہ ۴۶ (۵) طہ ۴۷-۴۸

اور دعوت کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ وہ کھانے میں مشغول تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے ساتھ کھانا تناول کرنے میں شریک ہو گئے فراغت کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا اللہ نے ہم دونوں کو حکم دیا ہے کہ ہم فرعون کو رب العزت کی عبادت کی طرف بلائیں۔ لہٰذا میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے اور قصر فرعون کی جانب چلے۔ پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربانوں کو فرمایا: فرعون کو جا کر بتا دو کہ دروازے پر اللہ کے رسول آئے ہوئے ہیں۔ تبھی وہ آپ سے استہزاء اور مذاق کرنے لگے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ دونوں حضرات کو ایک طویل عرصے بعد اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں ان کو دو سال بعد اجازت ملی تھی۔ کیونکہ کسی نے بھی اندر جا کر ان کے متعلق اجازت نہ مانگی تھی۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کے ساتھ قصر فرعون کے دروازے پر گئے اور اپنے عصا سے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرعون گھبرا گیا اور غضبناک ہو کر حکم دیا۔ چنانچہ دونوں برادران فرعون کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر جیسے اللہ نے دعوت کا حکم دیا تھا اسی طرح اس کو اللہ رب العزت کی طرف دعوت دی۔

اور اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ ہارون بن لاوی یعنی جو لاوی بن یعقوب کی نسل سے ہے۔ وہ نکلے گا اور تجھ سے ملاقات کرے گا۔ (اس کو بھی ساتھ لے لینا) اور حکم دیا کہ اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے مشائخ کو بھی فرعون کے پاس لے چلنا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ نشانیاں ہم نے تجھے عطا کی ہیں ان کو ظاہر کرنا۔ تبھی میں فرعون کا دل میں سخت کر دوں گا اور وہ بنی اسرائیل کو نہ چھوڑے گا۔ اور تم میری نشانیاں اور عجائبات کو سرزمین مصر میں خوب پھیلا دینا۔

پھر اللہ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی کی کہ جنگل میں کوہ حوریب کے پاس پہنچو وہاں تمہاری اپنے بھائی سے ملاقات ہو گی۔ تو حضرت ہارون مصر سے نکلے وہاں پہنچے تو دونوں بھائیوں کی آپس میں ملاقات ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ پروردگار نے کیا کیا حکم فرمایا ہے۔ تو دونوں حکم کے مطابق مصر میں داخل ہوئے اور بنی اسرائیل کے بزرگوں اور مشائخ کو اکٹھا کیا اور فرعون کے پاس پہنچے جب اس کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو کہنے لگا اللہ کون ہے؟ (نعوذ باللہ من قولہ)

مگر قرآن کریم جو سچا اور حق ہے بنی اسرائیل کو جھٹلاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے

(غرض موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے تو) اس نے کہا کہ اے موسیٰ تمہارا پروردگار کون ہے؟

کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھائی۔ بولا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال؟ کہا ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ وہ (وہی تو ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے انواع و اقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں۔ (کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چار پایوں کو بھی چراؤ بے شک ان میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق خبر دی کہ وہ صانع تعالیٰ (یعنی دنیا کو بنانے والے) کا انکار کرتے ہوئے اس طرح کہ اس نے پوچھا تھا اے موسیٰ علیہ السلام تمہارا رب وہ کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر اس کو راہ دکھائی۔

یعنی ہم سب کا رب اور مالک وہ ہے جس نے پہلے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کو شکل و صورت بخشی پھر اس کے لئے اس کے اعمال، رزق اور عمر کو مقدر کیا اور لکھا گیا تھا کہ کیا صورت ہو گی کب مرے گا، خیر و شر سب چیزیں مقرر کر دی ہیں اور پھر سب کو اپنے پاس لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اور پھر ہر مخلوق کو اس کے کام اس کے رزق وغیرہ کی راہ دکھائی کہ وہ کیسے حاصل کیا جائے اسی طرح اللہ کا علم تو حق ہے، اپنے اندازے اور تقدیر کے عین مطابق عمل پر چلا رہا ہے۔ پہلے سے تقدیر نے اپنے کتاب میں ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے اور یہ آیت اپنے مفہوم و مضمون میں سورۃ الاعلیٰ کی آیت مبارکہ کی طرح ہے فرمان باری ہے (اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو) جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی شکل و صورت اور حالات کو درست کیا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا (اور پھر) راہ دکھائی۔[2]

---

(۱) طٰہٰ ۴۹-۵۵ (۲) الاعلیٰ ۳

یعنی ہر چیز کو اس کی شکل کے علاوہ ایک اندازے سے شکل دی پھر ہر ایک کو اس کی طرف حصول کا راستہ بتایا۔ پھر جب یہ بات ہو گئی تو فرعون نے یہ سوال کیا کہ پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟

یعنی جب تیرا رب تمام مخلوقات کا خالق اور تمام جہان کی ہدایت دینے والا اور مقرر کرنے والا ہے اور صرف یہی رب ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو پھر پہلے لوگوں نے اس کے غیر کی پرستش کیوں کی؟ اور ستاروں یا سورج یا چاند وغیرہ کو کیوں معبود بنایا؟ تیرے کہنے کے مطابق ان لوگوں نے راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کیوں اختیار کی؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب کسی بات سے چوکتا نہیں نہ بھولتا ہے۔

لہٰذا اگر پہلے لوگوں نے اس کے غیر کی پرستش کی ہے۔ تو پھر تیرے معبود بننے پر حجت اور دلیل نہیں اور نہ ہی میری باتوں کے خلاف دلیل کیونکہ وہ بھی تیرے جیسے جاہل ہی تھے انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب اللہ کے ہاں کتابوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے جس کا وہ بدلہ ہر چیز کا بدلہ دے گا میرا رب ان کی برائی کے بدلے میں بھی ظلم نہیں کرے گا اس لئے کہ بندوں کے تمام افعال و اعمال اس کے پاس ایک کتاب میں لکھے ہوئے ہیں کہ اس سے کوئی چیز بھی نکل نہیں سکتی اور نہ میرا رب کسی چیز کو بھول سکتا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے اللہ عزوجل کی عظمت اور تخلیق اشیاء کی قدرت کو بیان فرماتے ہیں کہ اس ذات نے زمین تمہارے لئے بچھونے کی طرح بنائی اور اس میں تمہارے لئے بہت سے راستے بنائے اور انسانوں اور حیوانوں کے رزق کے لئے پھلوں اور کھیتوں کو پیدا کیا جیسے فرمایا تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ بے شک اس میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی عقل سلیم اور صحیح فطرت رکھنے والوں کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں جن سے ان کو پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ ہی خالق و رازق ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں فرمان الٰہی ہے اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے پھلوں کو نکالا جو تمہارے لئے رزق ہیں۔ پس اللہ کے لئے شریک مت بناؤ اور تم جانتے ہو۔ (1)

تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بارش کے ذریعے سے زندہ کر دیا اور اس میں کھیت اور پھل پیدا کئے اسی طرح قیامت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا۔ فرمایا: اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی میں سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: جیسے کہ اس نے تم کو پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے (2) اور فرمایا: اور وہی ذات ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ بات اس کے لئے آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان بلند ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے (3)

تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جو بات سمجھا رہے تھے اس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ بے شک ہم نے اس کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور پر ہم کو ہماری زمین سے نکال دے۔ سو ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے پس ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر دے کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں گے اور نہ تم۔ (وہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہو) کہا کہ تمہارے وعدے کا وقت جشن کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چاشت کے وقت اکٹھے کئے جائیں۔ (4)

اللہ تعالیٰ فرعون کی بدبختی اور اس کی کثرت جہالت اور قلت عقل کو بیان فرماتے ہیں کہ اس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کی اتباع سے تکبر کیا اور موسیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ یہ جو تو لایا ہے یہ جادو ہے اور اس کے مثل ہم بھی کر سکتے ہیں پس ہمارے اور اپنے درمیان وقت مقرر کر دو کہ ہم دونوں مقابلہ کریں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو یہی چاہتے تھے کہ ایسا موقع پیش آئے کہ تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تاکہ معجزات کی نشانیوں اور دلائل کو سب کے سامنے واضح کر دیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا مقابلہ کا دن مقرر کر دیا کہ تمہارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے (اور یہ ان کی عید کا دن تھا جس میں سب اکٹھے ہوتے تھے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہوں یعنی جب سورج بلند ہو جائے تاکہ اس وقت تمام لوگ جمع ہو جائیں اور جو کچھ ہو سب پر حق واضح ہو جائے اور آپ علیہ السلام نے رات کا وقت طلب نہیں کیا تاکہ وہاں سب کے سامنے واضح ہو سکے کیونکہ آپ

---

(1) البقرۃ ۲۱، ۲۲ (2) الاعراف ۲۹ (3) الروم ۲۷ (4) طٰہٰ ۵۶-۵۹

اپنے رب کی طرف سے بصیرت اور اس یقین کامل پر تھے کہ اللہ ضرور ان کے اوپر ان کو غلبہ دیں گے اگرچہ (فرعونیوں) کے ناک مٹی آلود کیوں نہ ہوں۔ اور پھر فرعون جادوگروں کے ساتھ آپہنچا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے مکر (کا سامان) جمع کر کے آیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا ہائے افسوس تمہاری کم بختی، خدا پر جھوٹ افتراء نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا۔ اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا۔ تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے شائستہ مذہب کو نیست و نابود کر دیں تو تم اپنا جادو کا طریقہ اکٹھا کر لو اور پھر قطار باندھ کر آؤ۔ آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا۔(1)

اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ اس نے جا کر اپنے علاقوں کے جادوگروں کو جمع کیا اور اس زمانے میں مصر کے علاقوں میں بڑے بڑے جادوگر کثرت سے ہوتے تھے اور اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

لہٰذا فرعون کے کارندوں نے تمام شہروں اور علاقوں سے جادوگروں کو جمع کیا اور وہ انتہائی کثیر تعداد میں اکٹھے ہو گئے ایک قول ہے کہ وہ اسی ہزار تھے اور یہ محمد بن کعب کا فرمان ہے۔ اور قاسم بن ابی بزہ کا قول ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔ اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تیس ہزار اور چند ہزار اوپر تھے۔ اور ابو امامہ سے مروی ہے کہ انیس ہزار تھے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ستر آدمی تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے غلام تھے۔ ان کو فرعون نے حکم دیا تھا کہ وہ [illegible] جادوگروں کے پاس جا کر جادو سیکھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرتبہ کہا تھا: بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور (اس کو بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا۔(2)

لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے۔

پھر فرعون اور جادوگروں کو لے کر اپنے امراء، وزراء اور ارکان دولت سمیت مجمع کو حاضر ہو گیا۔ اور فرعون کی طرف سے پہلے منادی کرادی گئی تھی کہ اس عظیم مجمع پر سب جمع ہو جائیں۔ لہٰذا لوگ نکلے اور وہ یہ کہہ رہے تھے۔

(شاید ہم جادوگروں کے پیروکار ہو جائیں اگر وہ غالب آ گئے)۔(3)

پھر جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے پاس تشریف لائے اور ان کو نصیحت کی۔ اور باطل سحر کے ساتھ معجزوں کا مقابلہ پر آنے سے منع کیا کیونکہ اس طرح وہ اللہ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کا مقابلہ کر رہے تھے۔ جو سراسر کفر ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کو فرمایا (افسوس تمہاری بدبختی خدا پر جھوٹ افتراء کرو گے تو وہ تمہیں عذاب کے ساتھ فنا کر دے گا۔ اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا۔

پھر وہ اپنے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

اس کی تشریح میں ایک قول ہے کہ ان کے آپس میں اختلاف ہوا اور کچھ کہنے لگے کہ پیغمبر کا کلام ہے یہ جادوگر نہیں ہے۔ کچھ نے کہا بلکہ یہ جادوگر ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اس قسم کی گفتگو کے ساتھ سرگوشیاں کرنے لگے۔

فرمان باری ہے: (کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کا بھائی ہارون بہت بڑے ماہر جادوگر ہیں۔ اور اس فن جادو میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اور ان کا مقصد اس جادو سے صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کر لیں اور پھر بادشاہ اور اس کے مصاحبین پر حملہ کر کے غالب آ جائیں اور تم سب کا صفایا کر دیں اور اس طرح اس جادو کے ذریعے تم پر تسلط حاصل کر لیں۔

کہنے لگے (ہاں (اے فرعونیو) تم اپنے مکر کو جمع کر کے صف کی صورت میں آ جاؤ اور بے شک آج (وہ) جس نے غلبہ حاصل کر لیا وہ کامیاب ہو گیا)۔

---

(1) طٰہٰ: ۶۰-۶۴ (2) طٰہٰ: ۷۳ (3) الشعراء: ۴۰

پہلی گفتگو باہمی خفیہ تھی اور دوسری ایک دوسرے کو مقابلہ پر ابھارنے کے لئے تھی کہ سب جادوگر اپنے کرتب یکبارگی دکھائیں اور جادوگر خوب زور شور سے حق کو [illegible] کریں۔ اور اب جس نے ایک دوسرے سے آگے ہو جانا ہے کہتے تھے اور فرعون کے انعام پر عوض کی آس لگا بیٹھے تھے۔ ان پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہو بے شک ان کے اوہام خیالی جھوٹ تھے۔ مگر اللہ کی امانت غالب آ گئی اور [illegible] جادوگر اور [illegible] اللہ کے معجزات کا مقابلہ بیان کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے کلیم اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے اور جسے دلائل و براہین کے ساتھ ان کی حمایت و نصرت کی۔ جن دلائل کی وجہ سے بہت سارے انسان ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تو انہوں نے کہا کہ اپنے مکر و فریب کے سامان کو جمع کر لو اور صف کی صورت میں آؤ۔ یعنی سب مل کر یکبارگی اپنے جادو کے کرشمے دکھاؤ۔ پھر وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے پر مقابلہ کرنے لگے۔ کیونکہ فرعون نے ان سے طرح طرح کے وعدے کئے تھے اور بڑی امیدیں دلائی تھیں۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا اور شیطان نے ان سے جھوٹے وعدے کر کے دھوکا دیا ہے۔

تو جب دونوں طرف سے بالکل تیاری ہو گئی اور آمنا سامنا ہو گیا تو (کہنے لگے کہ موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ کہا نہیں تم ہی ڈالو (جب انہوں نے چیزیں ڈالیں) تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ میدان میں ادھر ادھر سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔ (اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب ہو گے۔ اور جو چیز تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (یعنی لاٹھی) اسے ڈال دو کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں۔ اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔[1]

جب جادوگر صف بستہ کھڑے ہو گئے اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی ان کے مقابل آ کھڑے ہوئے تو جادوگروں نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ ہم سے پہلے ڈالتے ہیں یا ہم آپ سے پہلے ڈالیں؟ تو آپ نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو۔ تو انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں لے رکھی تھیں اور ان کو پارے وغیرہ [illegible] سے [illegible] دھوپ میں [illegible] اس طرح [illegible] لگتے ہیں کہ ان میں ہر ایک حرکت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ (وضاحت از مترجم)

تو ان لاٹھیوں اور رسیوں میں بھی ایسی ہی حرکت کی حالت پیدا ہو گئی کہ دیکھنے والوں کو وہ واقعی معلوم ہوتی تھیں حالانکہ حقیقت میں [illegible] کوئی [illegible] تھیں۔ تو لوگوں کی نظروں میں ان کا جادو [illegible] اور وہ مرعوب ہو گئے اور ایسے ہو گئے [illegible] جادوگر اپنے کرتبوں کو دیکھتے ہوئے صدا لگا رہے تھے کہ فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ اس کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں (یعنی جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں میں جادو کر دیا اور ان سے مرعوب ہو گئے۔ اور بڑا عظیم جادو لائے تھے۔)[3] اور دوسری جگہ یوں فرمایا کہ پس ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ان کے جادو سے ایسے نظر آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر سے ادھر سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ (اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔[4] یعنی حضرت موسیٰ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ جادوگروں کا معاملہ ان کے جادو اور [illegible] کی وجہ سے [illegible] نہ جائے اس سے پہلے کہ آپ اپنی لاٹھی ڈالیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی سے پہلے کچھ نہ کر سکتے تھے تو اللہ پاک نے بھی اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دلانے کے لئے وحی فرمائی (کہ خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب ہو گے۔ اور جو چیز تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (لاٹھی) اسے ڈال دو۔ وہ ان کے بنائے کو نگل جائے گی۔ بے شک جو انہوں نے بنایا ہے محض جادوگر کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں جائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔[5]

تو جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھی ڈال دی (کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے۔ بے شک اللہ اس کو ابھی باطل کر دے گا۔ اللہ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا۔ اور اللہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دیتا ہے اگرچہ گنہگار برا ہی مانیں۔[6]

اور اس بات کو سورۃ اعراف میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

اور ہم نے (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے

---

(۱) طٰہٰ: ۶۵-۶۹ (۲) الشعراء: ۴۴ (۳) الاعراف: ۱۱۶ (۴) طٰہٰ: ۶۶-۶۷ (۵) طٰہٰ: ۶۸-۶۹ (۶) یونس: ۸۱-۸۲

(ساحروں) کا نگلنے لگی۔ (پھر) حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ (جادوگری) کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب ہو کر ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔"[1]

کئی علماء سلف کے اقوال کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو پھینکا تو وہ عظیم الجثہ صورت والا اژدہا بن گیا جس کے پاؤں بھی تھے۔ اور بڑی سی گردن اور ہیبت ناک جسامت اور گھبرا دینے والی شکل تھی۔ جس کو دیکھ کر لوگ ادھر ادھر بھاگ پڑے حتیٰ کہ اپنی جگہوں سے ہٹ گئے۔ اور یہ اژدہا جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کی طرف لپک کر جھپٹا اور ان کو ایک ایک کر کے سب نگلتا گیا اور لوگ تعجب سے دیکھتے رہے اور تعجب کے مارے ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اور جادوگروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ سب ان کے علم اور ان کے گمان سے بھی باہر تھا۔ تب ان کو دل کی گہرائی سے اپنے علم کے مطابق یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں ہے نہ شعبدہ ہے۔ نہ خیال ہے نہ جھوٹ ہے نہ بہتان ہے نہ ضلال ہے۔ بلکہ یہ تو حق ہے جس پر حق کے سوا کوئی قادر نہیں ہو سکتا اور حق تعالیٰ نے یہ سب نشانی کے ساتھ تائید رسالت کے لئے کیا ہے۔

تو حق نے ان کے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے اور ہدایت کے ساتھ ان کو روشن کر دیا اور قساوت اور سختی دور ہو گئی۔ پھر وہ گر کر اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں متوجہ ہو گئے اور پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور حاضرین کے سامنے بلند آواز سے کسی سزا اور عقوبت کا خوف نہ کیا۔ پکار اٹھے

ہم رب العالمین اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ اس ساری کیفیت کو اللہ نے یوں بیان فرمایا "پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (فرعون نے) کہا کیا تم ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بے شک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کٹوا دوں گا۔ اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔ اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجئے۔ اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں۔ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا۔ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔"[2]

حضرت سعید بن جبیر اور عکرمہ اور قاسم بن ابی بزہ اور اوزاعی وغیرہ علماء فرماتے ہیں جب جادوگروں نے سجدہ کیا تو جنت میں جو منازل اور محلات ان کے لئے تیار کئے گئے تھے وہ ان کو دکھائے گئے۔ اور ان کی آمد کے استقبال میں آراستہ و مزین کئے گئے۔ تو اسی وجہ سے انہوں نے فرعون کی دھمکی اور ڈانٹ کی کوئی پرواہ نہ کی۔

اور فرعون نے دھمکیاں اس وجہ سے دی تھیں کہ جب اس نے ان جادوگروں کو دیکھا کہ مسلمان ہو چکے ہیں اور تمام لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ساتھ اعتراف کے ساتھ ان کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو اس چیز نے فرعون کو بہت پریشانی میں مبتلا کر دیا اور اس چیز نے اس کو بہت رسوا کیا اور اس کی شکست و ہزیمت کو ظاہر کر دیا۔ فرعون ان جادوگروں کو اس لئے لایا تھا کہ موسیٰ کا مقابلہ کریں تو وہ مقابلہ کرنے کے بجائے ایمان لے آئے تو اس نے بہت گھٹیا طریقہ اختیار کیا اور جادوگروں کو دھمکاتے ہوئے ان کو مخاطب ہو کر کہا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں تم ایمان لے آئے؟ (اتنا ہی نہیں) بلکہ جادوگروں کو موسیٰ کا شاگرد بتایا اور عجیب حیلہ اور بہتان باندھا کہ بے شک یہ تمہارا فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے۔[3]

---

(۱) الاعراف ۱۲۲ (۲) طہٰ ۷۶-۷۰ (۳) الاعراف ۱۲۳

اور یہ کہ فرعون نے جو یہ کہا تھا کہ یہ حیران و پریشان ہو کر بھاگ گئے ہیں یہ سراسر کذب بیانی ہے کیونکہ اس کی یہ بات تو بچوں سے بھی مخفی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ لوگ تو مصر کے کونے کونے سے بلائے گئے تھے اور سب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے بڑے استاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمع نہیں کیا تھا نہ ہی ان کے جمع ہونے کا باعث بنے تھے۔ بلکہ فرعون ہی نے ان کو طلب کیا تھا۔ اور ہر قریب و دور شہر سے اور ہر گاؤں اور ہر بستی سے اور ہر جانب سے ملک مصر کے تمام شہروں اور اطراف و اکناف سے۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے ان کو جمع کیا تھا تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا بڑا تھا ایسی بات ہے جو عقل سے بعید ہے۔

اسی قصے کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں مختلف جگہوں پر مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا۔ سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے فرعون! میں تمام جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔ فرعون نے کہا اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ دکھاؤ اگر سچوں میں سے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت بالکل صریح اژدہا ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق معلوم ہونے لگا تو قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا علامہ جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا رائے ہے؟

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھئے اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجئے کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے (اور) کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے۔ کہا ہاں (ضرور) اور اس کے علاوہ تم میرے مقربوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (جب فریقین روز مقررہ پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔

(موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی۔ پھر تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا۔ اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔

فرعون نے کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے؟ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ بےشک یہ فریب ہے جو تم نے آپس میں مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔

اے ہمارے رب ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں موت دیجیو۔[1]

اور سورۃ یونس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی تو

---

[1] الاعراف/۱۰۳-۱۲۶

جب ان کے پاس ہمارے پاس سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔

وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ہیں اس سے ہم کو پھیر دو اور (اس) ملک میں تم دونوں کی سرداری ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جو تم کو ڈالنا ہے ڈالو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ جو چیزیں تم بنا کر لائے ہو جادو ہے۔ خدا اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا۔ خدا شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا اور خدا اپنے حکم سے حق کو سچ کر دے گا اگرچہ مجرم لوگوں کو برا ہی گزرے۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کرا دوں گا۔ (موسیٰ نے) کہا خواہ میں تمہارے پاس روشن چیز (یعنی معجزہ) لاؤں (تو بھی؟) (فرعون نے) کہا اگر سچے ہو تو اسے لاؤ (دکھاؤ)۔ (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدہا بن گئی اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کے لئے سفید (براق) (نظر آنے لگا)۔ فرعون نے اپنے گرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو کامل فن جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے تو تم کیا رائے دیتے ہو۔

انہوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی کے بارے میں کچھ توقف کیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ سب ماہر جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے پاس لے آئیں۔ تو جادوگر ایک مقرر دن کی میعاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہیے تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی ملے۔ فرعون نے کہا ہاں۔ اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنی چاہتے ہو ڈالو۔ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ضرور غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ جادوگروں کے تمام کرتبوں کو نگلنے لگی۔

تب سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے، جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے کہا کچھ نقصان نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا اس لئے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرعون نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا اور اپنی اس بات میں انتہائی درجے کا کفر کیا۔ یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور یہ ایسا بہتان ہے جس کا جھوٹا ہونا ہر جاننے والا جانتا ہے کہ یہ تم نے مکر کیا ہے؟ تاکہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے۔

اور فرعون کا یہ کہنا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا اس کے برعکس۔ اور اس کا یہ دھمکی دینا کہ پھر میں تم کو سولی پر چڑھا دوں گا، اس سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں کے لئے عبرت کی مثال بن جائیں اور کوئی اس کی رعیت اور ملت میں سے ان کی اقتداء نہ کرے۔ اسی وجہ سے کہا کہ میں تم کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔ کیونکہ وہ لمبے ہوتے ہیں اس سے خوب مشہور اور نمایاں ہوتا ہے۔ کہا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون عذاب کے اعتبار سے زیادہ سخت اور عذاب باقی رہنے والا ہے یعنی دنیا میں۔

لیکن ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا اسی وجہ سے (انہوں نے) کہا جیسا کہ ہم ہرگز تجھ کو ترجیح نہ دیں گے ان پر جو ہمارے پاس آ چکی ہیں

نشانیوں اور تخلیق و ابداع کی حقیقت دیکھ چکی ہے اس لئے ہم ہرگز تجھ کو ترجیح نہیں دیں گے اور آگے جو لفظ ہے کہ والذی فطرنا ایک قول تو یہ ہے کہ پچھلے جملے پر اس کا عطف ہے اور ایک قول ہے کہ یہ قسم ہے (پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ اے فرعون ہم تجھ کو ترجیح نہیں دیں گے اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس نے ہم کو پیدا کیا۔ جو کچھ تجھے کرنا ہے کر لے) یعنی جو کچھ تیری قدرت اور بس میں ہے وہ کر لے ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ (تو صرف اسی دنیوی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے) کیا اس دنیوی زندگی میں حکم دے کر کوئی عذاب دلا سکتا ہے۔ پھر جب ہم یہاں سے آخرت کے گھر کی طرف منتقل ہو جائیں گے تو پھر اس کے زیر حکم ہو جائیں گے جس کے لئے ہم نے اطاعت کی اور اس کے رسول کی اتباع کی (بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کی مغفرت کرے اور اس کی بھی جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کروایا ہے۔ اور وہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے) یعنی جس عمل کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے خدا کا عطا کردہ ثواب بدرجہا بہتر ہے اور باقی ہے یعنی اس دار فانی سے اس کا ثواب بہتر اور دائمی ہے۔

اور دوسری آیت میں جادوگروں نے جواب میں کہا (کہ کچھ نقصان نہیں ہے۔ بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہم اس سے طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کی مغفرت کرے) یعنی جو گناہ اور جرائم ہم سے سرزد ہوئے ہیں اور ان پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ اور ہمیں اپنے رب سے اس کی پوری امید ہے کیونکہ اس کے فضل سے (ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں) قبطیوں میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر۔

اور ان مومنین نے فرعون کو یہ بھی کہا تھا کہ (اور تو ہم پر اس کے سوا اور کوئی بدلہ نہیں چاہتا کہ ہمارے رب کی آیات جب ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے) یعنی تیرے نزدیک ہمارا اور کوئی گناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ کے رسول پر ہم ایمان لے آئے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ہم ایمان لے آئے جب وہ ہمارے سامنے منکشف ہو گئیں۔

اور اللہ کی شان ہے۔ ان کا ایمان آن کی آن میں اتنا گہرا اور مضبوط ہو چکا تھا کہ پھر انہوں نے فرعون کو بھی نصیحت کی۔ اور اپنے رب عظیم کے عذاب کا ذکر کیا اور اس سے خوف کیا اور ڈرایا۔ کہا (بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہونے کی حالت میں آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا) تو اے فرعون تو بچ اس سے کہ کہیں تو ان میں سے نہ ہو جائے اور ایمان لے آ کیونکہ (اور جو شخص اس کے پاس ایمان کی حالت میں آئے گا کہ اس نے نیک اعمال کئے ہوں گے تو یہی ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشگی کے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ ہے اس شخص کا جو پاک ہوا) لہٰذا اے فرعون تو کوشش کر کہ انہیں میں شامل ہو جائے۔

لیکن فرعون اور ان اہل فیصلوں کے درمیان فیصلہ ہو گیا جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور بلند و بالا ذات کی طرف سے فیصلہ اور حکم نافذ ہو گیا کہ فرعون اہل جہنم سے ہے تاکہ وہ دردناک عذاب کا مزہ چکھے اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے۔

اور اس کو ذلت و تحقیر کے طور پر کہا جائے (چکھ بے شک تو زبردست (اور) کریم ہے) یا اس کو بطور استہزاء کہا جائے گا کیونکہ یہ انتہائی قبیح گالی کے ماتحت لوبھی اور کمینہ شخص تھا۔

اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون ملعون نے ان ایمان لانے والوں کو سولی اور عذاب سے دوچار کر دیا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

عبداللہ بن عباس اور عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ شروع دن میں یہ لوگ جادوگر تھے اور آخر دن میں (انتہائی بلند مرتبہ) شہداء اور نیک لوگ ہو گئے اور ان کی بات کی تائید ان کی یہ دعا کرتی ہے۔

ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین

(۱) ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہم کو اسلام کی حالت میں وفات دے۔

---

(۱) اعراف ۱۲۶

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بڑے بڑے معاند قبطیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کو ابھارنا انتقام اور اذیت کے لئے

جب مذکورہ امر عظیم کا واقعہ پیش آچکا یعنی فرعون پر مومنین عظیم واقع میں غالب آگئے اور قبطی لوگ شکست سے دوچار ہو گئے۔ اور جن جادوگروں کے ذریعے انہوں نے موسیٰ کے خلاف مدد طلب کی تھی وہی موسیٰ کے پیروکار ہو کر اللہ کے مطیع فرماں بردار ہو گئے پھر بھی ان عبرتوں نے قبطیوں میں کچھ اثر ورسوخ کی زیادتی نہ کی بلکہ مزید اپنے کفر عناد اور حق سے دوری میں بڑھ گئے۔ تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا؟ تو اس کے متعلق سورۃ اعراف میں مذکورہ قصے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتے ہیں تا کہ وہ ملک میں فساد مچاتے پھریں اور آپ سے اور آپکے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔ وہ بولا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اور بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو بے شک دھرتی اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے گا اور بہترین انجام ڈرنے والوں کا ہے۔ (بنی اسرائیل کے لوگ) بولے کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپکے آنے کے بعد بھی۔ کہا (اب) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے۔ اور اسی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے۔ پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیات میں قوم فرعون کے سرداروں کے متعلق خبر دی ہے اور وہ اپنی اپنی قوم کے مالدار اور رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ فرعون کو برانگیختہ کیا کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کو ستائے اور جو کچھ وہ ایمان وغیرہ لیکر آئے تھے اس پر بجائے ایمان وتصدیق کے کفر ورد اور اذیتوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے۔

اسی بارے میں انہوں نے کہا (کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے دیتے ہیں کہ وہ زمین میں فساد مچاتے پھریں اور آپکو اور آپکے معبودوں کو پس پشت ڈال دیں)۔

اللہ انکا ناس کرے۔ انکا مقصد تھا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانا اور دوسروں کی عبادت سے روکنا یہ قبطیوں کے اعتقاد کے مطابق فساد اور خرابہ مچانا ہے۔

اور آیت ویذرک والھتک اس کو بعض قراء نے یوں بھی پڑھا۔

ویذرک والاھتک پہلی صورت میں معنی ہوگا اور وہ آپکو اور آپکے معبودوں کو چھوڑتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا اور وہ آپ کو اور آپکی عبادت کو چھوڑتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں الٰہ کی جمع الہ ہے اور دوسری صورت میں جمع نہیں ہے۔ م۔

اور اس آیت میں دو چیزوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ موسیٰ تیرا دین چھوڑ رہا ہے اور اس معنی کی تائید وتقویت دوسری قرآت سے ہوتی ہے۔ اور دوسری چیز یعنی موسیٰ تیری عبادت کو چھوڑتا ہے۔ کیونکہ اس مردود فرعون کا گمان تھا کہ وہ خدا ہے۔ اللہ کی اس پر لعنت پڑے۔

تو جب فرعونیوں نے فرعون کو ظلم وبربریت پر اکسایا تو ان کی کاوش کامیاب رہی اور فرعون نے (کہا ہم جلدی ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے) تا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں کو لے کر ہم سے نبرد آزما ہو بھی تو ان کی افرادی اور عسکری قوت کم رہ جائے۔ اس طرح ہم (اور بے شک ہم ان پر غالب رہیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو) یعنی جب وہ تمھیں ستانے اور قتل کرنے کا ارادہ کریں تو تم اپنے رب سے ان کے خلاف مدد مانگو اور اپنی آزمائشوں پر صبر کرو (بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اس کا وارث بنائے گا اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا۔ اور بہترین انجام متقیوں کے لئے ہے) یعنی تم تقویٰ وایمان اختیار کرو تو فتح وکامرانی نصرت الٰہی سے تمہارے قدم چومے گی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے (اور موسیٰ نے کہا اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو بس اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو تو انہوں نے کہا

---

(۱) الاعراف ۱۲۷ تا ۱۲۹

ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور آگے دعا کی)

ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمين. ونجنا برحمتك من القوم الكافرين (۱)

ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے عذاب (کا مورد) نہ بنا۔ اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات مرحمت فرما۔

اور جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی تھی، (کہنے لگے ہم آپ کی آمد سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کی آمد کے بعد بھی) انکا مطلب تھا کہ آپ کی آمد سے پہلے آپکے وجود کو ختم کرنے کے لئے ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا اور آپکی آمد کے بعد بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کیا گیا تاکہ بنی اسرائیل کی افرادی قوت کمزور پڑ جائے تو حضرت موسیٰ نے (کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں خلافت دے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو)۔

اور سورۃ مومن میں فرمان ایزدی ہے (اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔ تو وہ کہنے لگے کہ تو جادوگر (اور) بڑا جھوٹا ہے)۔ (۲)

ان میں فرعون بادشاہ تھا اور ہامان اسکا وزیر تھا۔ اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم جنس اسرائیل میں سے تھا۔ مگر وہ بھی در حقیقت فرعون اور اس کے درباریوں کے دین پر تھا۔ اور اللہ نے اس کو بے انتہا مال و دولت سے نوازا تھا۔ عنقریب ان شاء اللہ اسکا قصہ آئے گا۔

مذکورہ سورۃ میں آگے فرمان باری ہے (غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ (خدا پر) ایمان لائے ہیں تم ان کے بیٹوں کو قتل کردو اور بیٹیوں کو رہنے دو اور کافروں کے مکر بے راہ ہی ہوتے ہیں)۔ (۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و دعوت کے بعد لڑکوں کے قتل کے حکم کا اجراء ان کی تذلیل و توہین اور ان کی افرادی قوت گھٹانے کے لئے تھا کہ کہیں ان کو دوبارہ شان و شوکت نہ حاصل ہو جائے جس سے یہ اپنا دفاع کرسکیں اور پھر قبطیوں پر بھی حملہ آور ہو سکیں۔ کیونکہ قبطی بنی اسرائیل سے ڈرتے تھے۔

لیکن ظلم و ستم کی اس تدبیر نے بھی ان کو کوئی ذرہ بھر نفع نہ دیا اور اس ذات کی تقدیر کو کچھ بھی نہ ہٹا سکی جو ذات کسی شی کو کن کہہ دے تو بس وہ فیکون ہو جاتی ہے۔ آگے فرمان ہے

(اور فرعون بولا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کردوں اور (خود وہ) وہ اپنے رب کو بلا لے۔

مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو نہ بدل ڈالے یا ملک میں فساد پیدا کردے)۔ (۴)

گویا فرعون اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کے جھانسے میں ورغلانے لگا اسی وجہ سے عرب میں بطور ہنسی مذاق کے یہ مثل مشہور ہوگئی **صار فرعون مذكرا** کہ اب تو فرعون بھی نصیحت کرنے والا (واعظ) بن گیا ہے۔

تو فرعون نے اپنے باطل خیال میں گمان کیا کہ کہیں موسیٰ لوگوں کو گمراہ نہ کردے۔ تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا (اور موسیٰ بولے میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) (۵) میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں اور اسی کی طرف التجا و زاری کرتا ہوں اور اسی کی جناب میں پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ فرعون اور اس کی ذریت سے کوئی مجھ پر برائی کے ساتھ پیش آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں فرمایا تھا کہ ہر متکبر سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں، یعنی ایسا سرکش اور ضدی جو کسی کا لحاظ نہ کرے اور اپنی برائی اور ظلم سے باز نہ آئے اور نہ اللہ اور اس کے عذاب کا خوف کرے۔ کیونکہ وہ نہ آخرت کا اعتقاد رکھتا ہے اور نہ جزاء و سزا کا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے اس کی صفت میں فرمایا ہر ایسے متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس گفتگو کے بعد ایک مومن شخص حضرت موسیٰ کی طرفداری کرتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری ہے (اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور اگر سچا ہوگا تو وہ عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا

---

(۱) یونس ۸۵-۸۶ (۲) مومن ۲۳-۲۴ (۳) مومن ۲۵ (۴) مومن ۲۶ (۵) مومن ۲۷

ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذرنے والا (اور) جھوٹا ہے۔

اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں غالب ہو (لیکن) ہم پر اگر خدا کا عذاب آ گیا تو ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون بولا میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے۔ اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے)۔ (۱)

اور یہ مرد مومن فرعون کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور اپنی جان کا خوف کرتے ہوئے ان سے اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ قبطی نہیں تھا بلکہ اسرائیلی تھا۔ لیکن یہ بات بعید از حقیقت اور (قرآنی) گفتگو کے خلاف ہے لفظاً بھی معنی بھی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبطیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی ایمان نہیں لایا سوائے اس مرد مومن کے جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ شخص شہر کے پچھلے کنارے سے آیا اور فرعون کی بیوی کے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور دار قطنی فرماتے ہیں یہ فرعون کی آل سے تھا اور اس کا نام صرف شمعان مشہور تھا، سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ اور تاریخ طبرانی میں اس کا نام "خیر" مذکور ہے واللہ اعلم

الغرض وہ مرد مومن اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا، جب ملعون فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی ٹھان لی اور اس پر کاربند ہونے کے لئے پختہ عزم کر لیا اور اپنے سرداروں سے اس بارے میں مشاورت کرنے لگا تو اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کا خطرہ محسوس ہوا تب اس نے فرعون کو ترغیب و ترہیب کے ساتھ نرمی و لطافت سے سمجھایا اور بطور رائے اور مشورہ کہ اس حرکت سے باز رہنے کا کہا۔

اور حضور اکرم ﷺ سے حدیث ثابت ہے آپ نے فرمایا افضل جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو انصاف کی بات کہنا ہے۔ (۲)

تو اس مرد مومن نے اس شرف و مرتبے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا کیونکہ فرعون سے ظلم و ستم میں کوئی بادشاہ زیادہ ظالم نہیں ہو سکتا، اور مرد مومن کی مذکورہ بات انتہائی درجہ انصاف و حق سے پر ہے، کیونکہ اس میں ایک پیغمبر خدا کی عصمت و حفاظت تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے کیا ہو، لیکن پہلی صورت زیادہ درست اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

تو اس مرد مومن نے کہا (کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے)؟ یعنی کیا اس وجہ سے کہ اس نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیا تم اس کو قتل کے درپے ہوتے ہو؟ ایسے عظیم شخص کے ساتھ یہ گھٹیا سلوک تو بالکل ناروا ہے بلکہ ایسے شخص کے لئے تم پر اکرام و احترام لازم ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو صلح کے ساتھ الوداع کہہ دو اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر دو۔

(اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟) یعنی ایسے خلاف عادت معجزات جو دلالت کرتے ہیں کہ جس ذات نے اس کو جو کچھ دے کر بھیجا ہے ان میں وہ بالکل سچا ہے لہذا اگر تم اس کے ساتھ صلح کر لو اور اس کی بات مان لو تو سلامتی و عافیت میں رہو گے کیونکہ وہ (اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر سچا ہے تو تم کو وہ عذاب ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے) یعنی اگر وہ جھوٹا ہے تو تم کو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر سچا ہے اور پھر بھی تم اس کو ستاؤ گے تو ضرور تم کو کچھ نہ کچھ عذاب بھگتنا پڑے گا، یعنی تم تو اس تھوڑے عذاب سے ڈرتے ہو جس کا وہ تم کو کہہ رہا ہے اور اگر وہ عذاب مکمل طور پر تم کو گھیر لے تو تمہارا کیا حال ہوگا کچھ سوچو تو سہی۔

اور مومن کا اس انداز سے گفتگو کرنا انتہائی کامل عقلمندی کا ثبوت اور نرمی و مہربانی سے پیش آنا اور جنگ و جدال سے بچنا ہے۔

آگے مومن کہتا ہے (اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی غالب ہو) یعنی ان کو ڈرا رہا ہے کہ کہیں یہ عظیم سلطنت تم سے چھن نہ جائے کیونکہ پہلی جن سلطنتوں نے بھی دین الٰہی سے ٹکر لی وہ پاش پاش ہو گئیں اور عزت کے بعد ذلت میں مبتلا ہو گئے۔

اور پھر چشم حقیقت نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم کا بھی یہی حشر نشر ہوا۔ اور جبکہ یہ برابر شک و شبہ میں گرفتار تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی مخالفت و عناد میں تھے کہ اللہ عزوجل نے ان کو ان کے ملک و مال، گھروں اور محلوں نعمتوں اور آرائشوں سے نکالا اور بڑی ذلت و اہانت کے ساتھ سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا اور ان کی روحوں کو رفعت و بلندی سے (جہنم کے انتہائی نچلے طبقے) اسفل السافلین میں پہنچا دیا اسی وجہ سے اس کی تصدیق کرنے والے نیک صالح، رہنما حق کے تابع اپنی قوم کے ناصح عقل کے کامل مرد مومن نے کہا تھا (اے قوم آج تو تمہاری ہی

---

(۱) المومن ۲۸، ۲۹ (۲) صحیح الترمذی (۲۱۷۴) فی الفتن۔ ابو داود ۴۳۴۴ فی الملاحم

سلطنت ہے اور تمہارا ہی زمین پر غلبہ ہے یعنی تمہی کو لوگوں پر بلندی و برتری حاصل ہے اور ان پر حکومت تو تم ہے لیکن (اگر) ہمارے پاس عذاب الٰہی آ گیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا؟ یعنی مان لیا کہ تم گنتی شمار اور قوت و طاقت میں کئی گنا زیادہ ہو لیکن یہ سب کچھ چیزیں ہمیں طلب کے وقت کچھ فائدہ نہ دیں گی اور تمام سلطنتوں کے مالک اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گی۔

لیکن اس مرد مومن کے جواب میں بھی فرعون نے (کہا) میں تم کو وہی رائے دیتا ہوں جو میں دیکھتا ہوں اور میں تمہاری درستی ہی کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں یعنی جو کچھ میرے پاس ہے میں اسی کی طرف تم کو بلاتا ہوں اور وہ درست معاملہ ہے حالانکہ ایسی بات نہ تھی۔

اور فرعون نے دونوں باتوں میں جھوٹ کہا کیونکہ اس کے دل و دماغ میں اچھی طرح یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام پیش کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن فرعون ظاہری طور پر محض دشمنی اور کفر و سرکشی کی وجہ سے اس کا اختلاف ظاہر کر رہا تھا۔

اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جو کہا قرآن نے نقل کیا ہے (موسیٰ نے) کہا تم خوب جانتے ہو کہ ان کو آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں نازل کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون میرا خیال ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔ (۱)

معلوم ہوا کہ فرعون کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں لیکن اپنی سرکشی کی وجہ سے مردود ہوا اسی طرح دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کو واضح کیا گیا ہے فرمان خداوندی ہے (پھر جب ان (فرعونیوں) کے پاس ہماری واضح نشانیاں آ پہنچیں تو کہنے لگے یہ صریح جادو ہے اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کر دیا لیکن ان کے دل ان (نشانیوں) کا یقین کر چکے تھے سو دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ (۲) فرعون کی گفتگو سے مخفی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرعون کا یہ کہنا جھوٹا تھا کہ میں تم کو وہی رائے دیتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اسی طرح اس کی دوسری بات (اور میں درست راستہ کی طرف ہی تمہاری رہنمائی کرتا ہوں) یہ بھی اس کا کھلا جھوٹ تھی کیونکہ وہ رشد و ہدایت کی راہ پر نہیں تھا بلکہ بے وقوفی و گمراہی اور باطل وہم اور خام خیال کی وادیوں میں گرفتار تھا جس کی وجہ سے بتوں اور مورتیوں کے پجاریوں میں سے سب سے پہلے پجاری وہ خود تھا پھر اپنی جاہل گمراہ قوم کو بھی بلایا کہ وہ کفر اور معاصی کو خیال کے چیتا ہے اس میں اس کی اتباع کریں اور تصدیق کریں کہ وہی رب ہے اللہ عزوجل ان کا فرمان، فرعون کی حکایت کرتے ہوئے اس کے بعد ہی واضح ہیں (ملاحظہ کیجئے [illegible])۔

فرمان الٰہی ہے (اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا کہ اے قوم کیا مصر کی سلطنت میرے قبضہ میں نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں؟

بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا (اور اگر وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا یہ فرشتے ہی اس کے ساتھ جمع ہو کر آتے؟ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر سب کو ڈبو دیا اور ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا)۔ (۳)

دوسری جگہ فرمان باری ہے: غرض اس (موسیٰ علیہ السلام) نے اس کو بڑی نشانی دکھائی مگر اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا اور تدبیریں کرنے لگا پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا کہنے لگا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا مالک ہوں، تو خدا نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا جو شخص ڈرنا چاہے اس کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ (۴)

ایک اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے گئے وہ برا ہے اور اس جہاں میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے برا ہے۔ (۵)

---

(۱) سورۃ اسراء ۱۰۲-۱۰۴ (۲) نمل ۱۳-۱۴ (۳) زخرف ۵۱-۵۶ (۴) نازعات ۲۰-۲۶ (۵) ہود ۹۶-۹۹

حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی دونوں باتوں میں جھوٹ اور مکاری تھی ایک بات یہ کہ میں تم کو وہی راہ دکھاتا ہوں جو میں ٹھیک سمجھتا ہوں۔ اور دوسری بات اور یہ کہ میں تم کو سیدھی راہ ہی دکھلاتا ہوں۔

آگے فرعون کی قوم کے مومن شخص کا ذکر ہے فرمان باری ہے اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا اے قوم میں تمہاری نسبت خوف کرتا ہوں کہ کہیں تم پر دوسری امتوں کی طرح عذاب آ جائے (یعنی کہیں) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے؟) اور خدا تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے قوم مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے میدان سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس شخص کو خدا گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور پہلے یوسف بھی تم (مصریوں) کے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو وہ لائے تھے تم ہمیشہ اس سے شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا ہو اور جو لوگ بغیر کسی کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (تو وہ جان لیں) کہ خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔[1]

مذکورہ آیتوں میں مرد مومن نے اعلان واضح کیا ہے کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلائیں گے تو ان کو وہی عذاب اپنی گرفت لپیٹ میں لے سکتا ہے جو ان سے پہلی نافرمان امتوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے کہ ان پر ایسے ایسے عذاب آئے کہ ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں اور ان کو تباہ کر دیا گیا اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کو رسوائی ہوئی ہے جو عذاب قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد آنے والے زمانے تک کے نافرمان لوگوں پر ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اہل زمین پر یہ بات دلائل کے ساتھ روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جو بھی انبیاء علیہم السلام نبوت لے کر آئے وہ حق ہے کیونکہ ان کے جھٹلانے والے عذاب الٰہی میں پکڑے گئے اور ان کی اتباع و تصدیق کرنے والے نجات و فلاح پا گئے اور قیامت کے خوف سے مامون ہو گئے۔

اور قیامت کے روز کا بات مذکورہ میں پکار کا دن فرمایا گیا ہے کیونکہ اس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

اور اس دن پیٹھ دے کر ادھر ادھر بھاگیں گے لیکن کہیں جائے فرار نہ پائیں گے فرمان باری ہے: (اس دن انسان کہے گا کہاں ہے بھاگنے کی جگہ؟ ہرگز کہیں پناہ نہیں اس روز تو پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے)۔[2]

اسی موضوع کی مناسبت سے دوسری جگہ فرمان ربانی ہے: (اے گروہ جن و انس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، اور زور کے سوا تم نکل ہی نہیں سکتے، پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)[3]

اور مذکورہ آیتوں میں جو مومن نے کہا کہ میں تم پر پکار کے دن سے ڈرتا ہوں بعض قراء نے اس لفظ یوم التناد کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوں گے میں تم پر فرار کے دن سے ڈرتا ہوں اور اس صورت میں شاید یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن اللہ کا تم پر عذاب اترے پھر تم بھاگنے کی کوشش کرو اور اس روز بھاگنا فائدہ نہ دے جیسے دوسری جگہ فرمان ہے: (جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو لگے بھاگنے (اب) مت بھاگو اور جن (نعمتوں) میں تم عیش و عشرت کرتے تھے ان کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ شاید تم سے پوچھ گچھ کی جائے)۔[4]

پھر مومن آگے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کے متعلق خبر دیتا ہے کہ وہ مصر کے شہروں میں آئے تھے احسان سے مخلوق کو دنیاوی اور اخروی نیکی کی طرف بلاتے تھے اسی مرتبہ پر موسیٰ علیہ السلام ہیں، نبی کی آل و اولاد میں سے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں اور پھر مومن نے مصری لوگوں کی عادت و خصلت کی خبر دی کہ تم پہلے تو ہر شخص جو حق لے کر آئے اس کی تکذیب اور رسولوں کی مخالفت کرتے رہے اسی وجہ سے ان کو کہا کہ پھر تم اس میں مسلسل شک و شبہ میں پڑے رہے جو یوسف

---

(۱) المومن ۳۰-۳۵۔ (۲) القیامۃ ۱۰-۱۱۔ (۳) الرحمن ۳۳-۳۴۔ (۴) الانبیاء ۱۲، ۱۳۔

تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ وہ بھی چلے گئے تو تم کہنے لگے اب اللہ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

تو اس طرح پہلے سے ہی اہل مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلا دیا تھا کہ اب اللہ کا رسول نہ آئے گا حالانکہ بعد میں آنے والے موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے عقیدے کے مطابق رسول ہی نہیں تھے۔

اس مرد مومن نے کہا (اسی طرح اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے گزرنے والا اور شک میں پڑنے والا ہو جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو) یعنی اللہ کی حجتوں اور اس کی توحید کے براہین و دلائل کو بغیر حجت اور کسی دلیل کے جھٹلا دیتے ہیں تو یہ ایسی بات ہے جو اللہ کے غضب کو بھڑکا دیتی ہے اور اللہ عزوجل ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو حق میں شک کرے اور جھٹلائے آگے فرمایا (اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں)

آیت مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کذلک یطبع اللہ علی قلب کل متکبر جبار

اور یہ لفظ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور موصوف صفت بنا کر بھی مطلب دونوں صورتوں میں قریب قریب ہے۔

یہاں تک کہ جب مومن کی حق گوئی پوری ہوئی اور فرعون دلائل کی جنگ ہار گیا تو گستاخی اور سرکشی پر اتر آیا فرمان باری (اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک محل بناؤ تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی آسمانوں کے راستوں پر) پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں، اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اسی طرح فرعون کو اس کے اعمال اچھے معلوم ہوتے تھے جس نے اس کو حق راستے سے روک دیا تھا اور فرعون کی تدبیر بیکار اور تباہ ہے۔(۱)

فرعون لعین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے رسول ہونے کے دعویٰ میں جھٹلایا اور اپنی قوم کو آپ کی اتباع سے روکے رکھنے کے لئے ایک گستاخی کی بات کی کہ میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی اور معبود نہیں جانتا تو اے ہامان میرے لئے گارے کی اینٹیں پکوا کر میرے لئے ایک محل تعمیر کر تاکہ میں موسیٰ کے رب کو جھانک (کر دیکھ) لوں اور میں تو اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔(۲) جبکہ دوسری آیت کے مطابق یوں کہا شاید میں راستوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمان کے راستوں تک پھر موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اس عبارت کے دو معنی نکلتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ جہاں کا میرے سوا کوئی اور رب ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اس بات میں کہ اللہ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پہلا مطلب حقیقی ظاہر حال کے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون اس کائنات کے بنانے والے ہی کا انکار کرتا تھا۔

لیکن لفظوں کو دیکھا جائے تو دوسرا مطلب زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے۔ کیونکہ فرعون یوں کہتا ہے (تاکہ میں موسیٰ کے الہٰ کو دیکھوں) یعنی پھر اس سے پوچھوں کیا اس نے موسیٰ کو بھیجا ہے؟ (اور میں تو اس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) کہ وہ رسول ہے۔

بالغرض فرعون کا مطلب تھا کہ عوام الناس کو حضرت موسیٰ کی پیروی سے روک سکے اور آپ کی تصدیق نہ کرنے دے بلکہ اسی طرح ان کو تکذیب و انکار پر خوب پختہ کرے۔

اس کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (اور فرعون کے لئے اس کے اعمال اچھے کر دیئے گئے تھے اور سیدھی راہ سے روک دیا گیا تھا)

اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں (وصد عن السبیل) اور یہ صد بھی پڑھا گیا ہے اور آگے فرمایا (اور فرعون کی تدبیر گھاٹے اور نقصان میں گئی)۔

ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس کی تدبیر بیکار اور گھاٹے والی ہے کیونکہ آسمان پر جھانکنا یہ سب گمان میں پڑ گیا اور وہ اپنے مقصد کو دور سے بھی حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے کہ اپنے ہاتھوں کے ساتھ عمارت کے بلند سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچ جائے اور

---

(۱) مومن ۳۶-۳۷ (۲) القصص ۳۸

پہنچا جاسکتا ہے تو کسی کی رسائی ہو بھی سکتی ہے چہ جائیکہ یہ فرعون ساتوں آسمان کے بھی اوپر اس بلندی پر جائے جہاں اللہ کی تجلی ہے جس کی انتہا بلندی کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرعون نے یہ محل جو کہ اینٹ سے بنایا گیا تھا بلند تھا کہ زمین سے اس کی چوٹی نظر نہ آتی تھی۔ اور یہ پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا جو آگ پر خوب پکائی گئی تھیں اسی کے متعلق آیت میں ہے کہ فرعون نے کہا (کہ اے ہامان میرے لئے گارے پر آگ لگا کر اینٹیں بناؤ اور محل تعمیر کرو۔)

اور اہل کتاب سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل اینٹوں کے کام میں بیگار میں لگائے گئے تھے۔ اور فرعون نے جو مشقتیں اور بیگاریں ان کے ذمہ لگائی تھیں ان سے خوب خوب لئے جاتے تھے ان میں سے یہ کام بھی تھا اور بے چارے خود اپنا کام بھی نہیں کر سکتے تھے بلکہ یہ لوگ مٹی بھگوتے اور پانی جمع کرتے اور فرعون کے کارندے ان کے ذمے مشقتیں تقسیم کرتے تھے کہ تمہیں اتنا اتنا کام ضرور کرنا ہے پھر اگر نہ کرتے تو مارتے پیٹتے اور انتہائی توہین کرتے اور خوب ظلم و ستم کا بازار گرم کرتے اسی سبب سے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا تھا۔

”ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی تکالیف دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ کہا موسیٰ نے: قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنا دے پھر دیکھے کہ تم کیا عمل کرتے ہو؟“(۱)

اس طرح حضرت موسیٰ نے انہیں وعدہ فرمایا کہ عنقریب تمہارا دشمن تباہ ہو جائے گا اور تم زمین میں خلیفہ ہو گے۔ اور پھر حق تعالیٰ نے خوب ظاہر کیا کہ اسی طرح ہوا اور یہ نبوت کے دلائل میں سے ہے۔

اب ہم دوبارہ مومن شخص کی نصائح اور وعظ کی طرف لوٹتے ہیں۔

فرمان باری ہے اور وہ مومن شخص نے کہا اے قوم میری اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھلاؤں گا۔ اے قوم بے شک یہ دنیاوی زندگی (تھوڑی سی) متاع ہے اور بے شک آخرت کا گھر وہ ہمیشگی کا ٹھکانہ ہے تو جس نے برا عمل کیا اسے صرف اسی کے بدلے (سزا) دی جائے گی اور جس شخص نے اچھے عمل کئے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے (اور) اس میں بغیر حساب کے رزق دیئے جائیں گے۔(۲)

تو یہ مومن رضی اللہ عنہ حق اور سیدھے راستے کی طرف مخلوق خدا کو بلا رہا ہے اور یہی چیز اللہ کے پیغمبر کی متابعت اور اس کی باتوں کی تصدیق ہے پھر اس کو دنیا کے فانی اور جلد ختم ہونے والی ہونے سے بچنے اور آخرت کی تعلیم دے رہا ہے اور اس کی رغبت دلا رہا ہے کہ آخرت وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے ختم ہونے والا نہیں اور اس کے ہاں کوئی عمل کسی کا ضائع نہیں ہوتا اور وہ مطلق ہے ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وہ ذات بہت بڑی ہے اور اس کے فضل پر قربان جائیے کہ گناہ کا بدلہ صرف گناہ کے بقدر ہی دیتا ہے زیادہ نہیں کرتا اور پھر فرمایا کہ آخرت کا گھر ہمیشگی کا ٹھکانہ ہے۔ پس جو شخص ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ اس میں آگیا تو ان کے لئے اس میں بلند درجات اور تمام خوف و خطرے سے پاک بالاخانے اور بہت عمدہ عمدہ چیزیں ہوں گی اور ایسے محل ہوں گے اور بہت اچھی قسم کے رزق ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے اور ہر نعمت ان کی ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔

پھر مرد مومن نے گمراہی اور نامرادی کو اجاگر کیا ہے اور ان کے انجام بد سے ڈرانا شروع فرمایا۔

اور اے قوم کیا ہے مجھے؟ کہ میں تو تم کو نجات (و فلاح) کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس کو شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور جبکہ میں تم کو زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔

یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلا رہے ہو اس کو دنیا و آخرت میں دعا (قبول کرنے) کی طاقت نہیں ہے اور بے شک ہم سب کا اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔

غرض حق تعالیٰ نے (موسیٰ کو) ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے بچا لیا اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا (یعنی) آگ جہنم جو صبح شام

---

(۱) اعراف ۱۲۹ (۲) سورۃ مومن ۳۸ تا ۴۰

ان پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (تو حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔[1]

اس طرح مومن شخص نے ان کو اس ذات کی عبادت کی طرف بلایا جو آسمان و زمین کا رب ہے اور جو کسی چیز کو (کن) ہو جا کہنے سے وجود بخش دیتا ہے جبکہ یہ گمراہ بھٹکے ہوئے لوگ اس کو چھوڑ کر ملعون فرعون کی عبادت کو بلاتے۔

اسی وجہ سے مومن نے ان کو انکار کرتے ہوئے اور تعجب کرتے ہوئے کہا (اور اے قوم مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شریک کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور جبکہ میں سب کی زبردست مغفرت کرنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔)[2]

پھر ان کو ان کے معبودان باطلہ کی کمزوری اور ان کا بے حقیقت ہونا دکھلایا کہ یہ سب فقط وہ نہ کسی نفع کا فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ کسی نقصان سے حفاظت کر سکتے فرمایا (یقیناً تم مجھے اس کی طرف بلاتے ہو جس کو دنیا و آخرت میں کسی دعا (قبول کرنے) کی طاقت ہی نہیں ہے اور بے شک ہم کو لوٹنا اللہ کے پاس ہوگا اور حد سے گزرنے والے جہنمی لوگ ہوں گے)۔

یعنی یہ تمہارے معبودان بے حقیقت ہیں نہ اس دنیا میں کسی قسم کا تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں پھر آخرت میں ہمیشگی کے گھر میں کیسے ان کو قدرت ہوگی، بہرحال وہ رب جس کی طرف میں بلا رہا ہوں وہ عزت اور عظمت والا ہے اور وہ خالق ہے، رازق ہے، نیکوں اور بدوں کا بھی وہ رازق ہے جس نے بندوں کو زندہ کیا۔

اور وہی ان کو موت کا مزہ چکھاتا ہے اور وہی پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، پھر اپنے فرمانبرداروں کو جنت میں اور اپنے نافرمانوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

پھر مومن شخص نے ان کی ہٹ دھرمی پر برقرار رہنے پر دھمکی دی اور کہا (پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے ہاں سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے)۔

آگے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (پھر اللہ نے اس کو ان کے مکروں کی برائیوں سے بچا لیا)۔

یعنی جب اس نے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا تو پھر اللہ نے بھی عذاب سے ان کو بچا لیا جو فرعونیوں پر ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے داعیوں میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے نازل کیا۔ یعنی انھوں نے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے خرافات و شبہات اور پروپیگنڈے ظاہر کیے کہ ان کی وجہ سے عوام الناس اور سیدھے سادے لوگوں کو حق سے شبہ میں ڈال دیں۔

جس کے جواب میں اللہ نے عذاب نازل کیا فرمایا (اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ آگ پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں)

یعنی ان کی روحوں کو عالم برزخ میں آگ پر صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔

اور فرمایا (جب قیامت قائم ہوگی تو (ان کو حکم ہوگا) کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو) اور ہم تفسیر قرآن میں اس آیت کے تحت عذاب قبر پر گفتگو کر چکے ہیں اور متلاشیوں کے لیے تمام تحریر کر دی ہیں۔

الغرض مقصود یہ کہ اللہ نے ان کو اچانک ہلاک نہیں فرمایا بلکہ پہلے ان پر خوب حجت و دلائل کا ذکر کر دیا اور اپنے پیغمبر ان کے پاس بھیجے اور ان کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا اور ان پر حجت تمام کر دی کہ ڈرایا اور ترغیب دی جیسے فرمان الٰہی ہے:

"اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں (مقدر) ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون (الغرض) کتنی ہی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار۔"[3]

---

[1] المومن: ۴۶،۴۵ [2] المومن: ۴۲،۴۱ [3] الاعراف: ۱۳۳،۱۳۰

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے آل فرعون کو آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ قبطی تھے اور وہ آزمائش قحط سالیوں پر مشتمل تھی یعنی جس میں سے ایک قحط سالی تھی جس میں کھیتی کی سرسبزی کم اور پھلوں سے محروم تھا۔

اور دوسرا عذاب پھلوں کی کمی کی شکل میں تھا لیکن ان کے بعد بھی وہ نصیحت حاصل کرنے والے نہ بنے بلکہ اپنی گمراہی سے باز نہ آئے بلکہ تکبر اور سرکشی کے ساتھ اپنے کفر و عناد پر پکے ہو گئے اور فرمایا جب ان کے پاس کوئی اچھائی پہنچتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر کوئی برائی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھ کے مومنین کی نحوست خیال کرتے۔

اور مطلب یہ کہ جب کوئی بھلائی سرسبزی و شادابی ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ یہ موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کی برکت اور ان کے اچھے پن کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے قلوب دلائل و حق کا انکار اور اس سے تکبر اور نفرت کرنے میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور جب بھی کوئی عذاب آتا تو اس کی طرف اسی کی نسبت کر دیتے اور اگر کوئی بھلائی پہنچتی تو اپنی جانوں کو مستحق یقین کرتے اس پر اللہ نے فرمایا: (آگاہ رہو ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے لیکن اللہ اس پر خوب جلد عذاب فرمائے گا (اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) اور (فرمایا) کہنے لگے اور جب بھی تم ہمارے پاس کوئی نشانی ہم پر جادو کرنے کے لئے لے آؤ گے تو ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں گے اور وہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو معجزات اور خدا کی نشانیاں دکھلاتے تھے اس پر یہ کہا کرتے کہ آپ اگرچہ ہر قسم کی نشانی اور معجزہ دکھا دیں مگر ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ آپ کی پیروی کریں گے اسی وجہ سے اللہ نے ان سے متعلق خبر دی کہ:

(بے شک جن لوگوں کے متعلق خدا کا حکم ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لاتے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں خواہ ان کے پاس ہر نشانی آ جائے)۔[1]

آگے فرمان باری ہے (پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھے)۔

طوفان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ بارش تھی۔ بارشیں ہوئیں کہ کھیتیاں اور پھل غرق ہو گئے اور حضرت سدی اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور ضحاک سے بھی یہی قول مروی ہے۔

اور دوسری روایت میں ابن عباس اور عطاء سے یہ منقول ہے کہ اس سے مراد کثرت اموات ہے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ طوفان ہر حالت میں پانی اور طاعون کی صورت میں ہوتا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ عذاب تھا جس نے ان کو گھیر لیا۔

[2] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا طوفان موت ہے۔

لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

طوفان کے بعد جراد یعنی ٹڈیوں کے عذاب کا ذکر ہے۔

[3] اس کے متعلق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ٹڈیوں کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا اللہ کے کثیر لشکر ہیں (جانوروں) کو میں نہ کھاتا ہوں نہ حرام کرتا ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے تناول فرمانے کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔

اسی طرح گوہ کو بھی چھوڑ دیا تھا اور آپ پیاز، لہسن اور گندنا (ایک بدبودار سبزی) کو بھی کھانا ناپسند فرماتے تھے اور اس کے متعلق صحیح حدیث میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے بھی مروی ہے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوے کئے اور ہم ٹڈیاں کھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا ٹڈیاں اور مچھلی بغیر ذبح حلال ہیں اور حضور پسند فرماتے تھے۔

اور ان احادیث کو ہم نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں نقل کی ہے

غرض یہ کہ اس کی تفصیل تو ہم نے اس کے صحت و ضعف کے متعلق کیا ہے اور اصل مقصد یہاں یہ ہے کہ ان ٹڈیوں نے ان کے جبر و [illegible] بالکل

---

(۱) یونس ۹۶، ۹۷۔ (۲) والطبری ابن جریر و ابن مردویہ من طریق یحییٰ بن یمان عن المنہال بن خلیفۃ عن الحجاج عن الحکم بن میناء عن عائشۃ عن النبی ﷺ انہ قال (۳) روی ابوداؤد عن ابی عثمان عن سلمان الفارسی

جانے لگی تھی کہ کوئی فصل چھوڑی اور نہ پھل، ہر چیز ہی کھا گئے۔

اور اس کے آگے جوؤں کے عذاب کا ذکر ہے۔ تو ان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قمل وہ کیڑا ہے جو گندم (گیہوں) سے نکلتا ہے۔ اور آپ ہی سے مروی ہے کہ یہ ایسی چھوٹی ٹڈیاں ہوتی ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ اور حضرت مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں۔

اور حضرت سعید بن جبیر اور حسن فرماتے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے سیاہ کیڑے ہوتے ہیں۔

اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں "قمل" سے مراد پسو ہوتے ہیں۔ اور ابن جریر نے اہل عرب سے نقل کیا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی چیچڑیاں ہوتی ہیں۔

تو جب یہ بھی ان قبطیوں کے گھروں میں بستروں میں جگہ جگہ گھس گئیں اور ان کے لئے کہیں چین نہ چھوڑا اور ان کے ساتھ چمٹ پٹی کرتے ہوئے زندگی کی مسرتیں تلخ کر دیں کہ کھانا پینا حرام ہو گیا تھا اور حضرت عطاء بن سائب نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ آج کل کی مشہور جوئیں ہیں یہی مراد ہیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ "قمل" کو میم کی شد کے بغیر پڑھا ہے۔

اس کے بعد مینڈکوں کے عذاب کا ذکر فرمایا اور یہ ان کے ہاں اس قدر زیادہ ہو گئے تھے کہ ان کے کھانے پینے کی اشیاء اور برتنوں میں بھرے رہتے تھے کہ اگر کوئی انسان کچھ کھانے کے لئے کھولتا تو یقیناً کوئی نہ کوئی مینڈک اس میں گرا ہوتا۔

اس کے بعد خون کے عذاب کا ذکر ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ خون ان کے تمام پانیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور جس پانی کو بھی وہ پینے لگتے پہلے سے ہی تازہ خون بن جاتا۔ نہ ہی کوئی کنواں بچا نہ نہریں اور بلکہ جب بھی یہ قبطی لوگ قریب آتے تو وہ خون بن جاتا۔

اور یہ تمام انواع عذاب صرف قبطی لوگوں پر ہی تھیں اور بنی اسرائیل کا کوئی فرد بھی ان سے متاثر نہ تھا۔ اور یہ کمال معجزہ اور قطعی حجت تھی کہ یہ برکت محض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ تو جب یہ تمام قبطیوں پر عذاب رہا آپ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سب محفوظ و سالم رہے۔ اور یہ بڑی ہی مضبوط دلیل ہے موسیٰ علیہ السلام کے صدق و سچائی کی۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب جادوگر ایمان لائے تو فرعون مغلوب و ناکام ہو کر لوٹا۔ پھر بھی ایمان لانے سے ہٹ دھرم رہا بلکہ کفر پر ڈٹا رہا اور شر و فساد کے پھیلانے میں مزید اضافہ ہو گیا تو تب جا کر اللہ نے یہ عذابات یکے بعد دیگرے نازل فرمائے۔ پہلے قحط سالی کے ایام آئے، پھر طوفان، پھر ٹڈیاں، پھر جوئیں، پھر مینڈک، پھر خون۔

تو پہلے طوفان پانی کی صورت میں آیا۔ اور اس نے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سطح زمین کو ڈھانپ لیا اور اسی طرح ٹھہرا رہا۔ قبطی لوگ نہ کھیتی باڑی کر سکتے تھے اور نہ ہی اور کوئی کام کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ فاقوں کی زد میں آ گئے جب نوبت یہاں تک آ گئی تو پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے عرض گزار ہوئے (کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے۔)(۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کے ایمان کے کافی حریص تھے ہی۔ لہٰذا دعا مانگی جس کے نتیجہ میں اللہ نے عذاب دور کر دیا لیکن جب مقصد پورا ہوا تو قبطی اپنی بات اور وعدے سے پھر گئے۔ اور جب انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا تو اللہ نے ان پر دوسرا عذاب مسلط فرمایا۔ وہ ٹڈیوں کا عذاب تھا۔

ان ٹڈیوں نے آ کر ان کے پھلوں اور فصلوں کو کھا لیا حتیٰ کہ درختوں کو بھی کھا گئیں اور گھروں دروازوں کی لکڑیوں اور کیلوں کو چاٹ گئیں۔ پھر وہ پریشان ہو کر پھر پہلے والا ذکر کہنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے پھر دعا فرمائی اور عذاب ٹل گیا لیکن پھر سے

---

(۱) الاعراف: ۱۳۴

والے گھاں تھے تو اللہ نے پھر جوؤں کا عذاب نازل فرمایا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے بتلایا گیا ہے کہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اپنی لاٹھی لے کر ریت کے ٹیلے پر پہنچیں اور اس کو لاٹھی سے ماریں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ریت کے بڑے عظیم ٹیلے پر گئے اور اس کو عصا سے مارا تو جوؤں سے پھٹ پڑا اور وہاں سے نکل کر گھروں، کھانے پینے کے اشیاء میں جگہ جگہ گھس گئیں اور ان کی نیند و سکون کو حرام کر دیا۔ جب یہ لوگ خوب تھک آ گئے تو پھر دوبارہ پہلے کی طرح عرض کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور ان سے عذاب دفع کر دیا گیا۔ لیکن اب کے بھی انہوں نے وعدے کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر اللہ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا ان سے گھر، برتن اور کھانے پینے کی اشیاء سب بھر گیا۔ حتیٰ کہ کوئی کپڑا یا کھانا کھولتے تو اس میں مینڈک بھرے پاتے۔ پھر جب یہ عذاب اسی طرح مکمل ہو گیا تو پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض گزار ہوئے آپ نے پھر دعا فرمائی اور عذاب ٹل گیا لیکن ان بدبختوں نے پھر وعدہ خلافی کی تو اللہ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا تو ان آل فرعون کے سب برتن خون سے بھر گئے اب وہ نہ کسی کنویں سے پانی پی سکتے تھے نہ کسی نہر سے حالانکہ کسی برتن سے پانی کا جام بھر لیتے اور اگر بھرتے بھی تو فوراً پانی تازہ خون سے بدل جاتا۔

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ خون سے مراد نکسیر کا خون ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

فرمان الٰہی ہے (اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے دیں گے پھر ہم جب ایک مدت کے لئے جس تک ان کو پہنچنا تھا ان سے عذاب ٹال دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پرواہی کرتے تھے)۔

اللہ عزوجل ان کے کفر و سرکشی اور گمراہی و جہالت پر جمے رہنے اور اللہ و رسول کی آیتوں سے اعراض کرنے کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ باوجود انبیاء علیہ السلام کو معجزات عظیمہ اور متعدد دلائل کے ساتھ بھیجا تھا اور انہوں نے تمام لوگوں پر حجت کو واضح و مکمل طور پر قائم کر دی۔

لیکن وہ جب بھی کسی معجزہ و نشانی کو دیکھتے اور یہ معجزات ان کی گمراہی، سرکشی اور عذاب و مشقت میں اضافہ کر دیتے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کرتے کہ اگر آپ یہ عذاب ہٹوا دیں تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔

اور آپ علیہ السلام کے ساتھ آپ کی قوم بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے لیکن پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جب بھی ان سے عذاب ٹل جاتا تو پہلے سے زیادہ شر و فساد پر اتر آتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں اور ایمان لانے سے صرف نظر کر لیتے اور پھر انتقامی کاروائیاں شروع کر دیتے۔ پھر اللہ دوسرے عذاب کی نشانی بھیج دیتے جو ان کے شر کے باعث پہلے سے زیادہ سخت اور دشوار ہوتی۔ اس پر پھر وہ اپنا وعدہ دہراتے اور جھوٹ بولتے اور وعدے کی قسمیں کھاتے اور واویلا کرتے کہ اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے تو پھر ان سے عذاب دور کر دیا جاتا لیکن یہ وعدہ خلاف پھر اپنی جہالت کی طرف لوٹ جاتے۔

ایک طرف تو ان کے کفر کی یہ تیزیاں اور دوسری طرف خدائے رحیم و کریم عظیم بردبار قدرت والے کی بے پناہ رحمت دیکھو کہ ان کو مہلت دیے جا رہے ہیں لیکن پھر بھی ان پر سخت عذاب کی پکڑ نہیں کی۔ مولا نے ان کو خوب مہلت دے رکھی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اس کے پاس بار بار مہلت دینے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے کہ پکڑ اچانک آ جائے۔

لیکن پانی جب سر سے گزر گیا تو اللہ نے حجت تمام کرنے کے بعد ان کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا اور بڑی سخت پکڑ میں پکڑا اور ان کے قصہ کو پیچھے آنے والے کافر مومنوں کے لئے مثال و نصیحت بنا دیا اور حضرت موسیٰ کے مومن پیروکاروں کو نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے۔

جیسا کہ اللہ سب سے سچی حکمت والی ذات نے اپنی کتاب مبین (قرآن مجید کتاب مبین) میں فرمایا ہے (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانیوں سے ہنسی کرنے لگے۔ اور جو نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی۔ اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ باز آئیں۔ اور کہنے لگے اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کر رکھا ہے اس سے دعا کر بیشک ہم ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

تو جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا اے میری قوم کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (کیا میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں ہو بے شک میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گو بھی نہیں ہے۔

(اور اگر وہ نبی ہی ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے ہی اس کے ساتھ جمع ہو کر آ جاتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی۔ اور انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو ڈبو کر چھوڑا۔ اور ان کو گئے گذرے کر دیا اور پچھلے آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا)۔[1]

درج بالا آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھیجنے کے متعلق تذکرہ فرما رہے ہیں اور یہ رسول اللہ کا ہمکلام کریم شخص تھا ان کو فرعون یعنی کمینے خسیس کی طرف بھیجا گیا۔ اور پھر اللہ نے اپنے رسول کی تقویت فرمائی واضح نشانیاں اور معجزات دیکر۔ جو اس کے پورے لائق تھے کہ انکا تعظیم وتصدیق کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اور اپنی بات سے باز آ جائیں اور حق اور سیدھے رستے کی طرف چل پڑیں لیکن یہ کہاں باز آنے والے تھے بلکہ بجائے سر تسلیم خم کرنے کے ان معجزات سے ہنسی مذاق کرنے لگے اور ان کی توہین کرتے اور اللہ کے راستے سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ پھر اللہ نے ان کو منوانے کے لئے پے در پے کئی نشانیاں بھیجیں پہلے ایک پھر دوسری اسی طرح سب آ گئیں اور ہر بعد والی بڑی تھی لیکن یہ پھر بھی وہیں کے وہیں۔

ان کی ہرزہ سرائی کے متعلق اللہ نے فرمایا "اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ لوٹ جائیں۔ اور وہ کہنے لگے اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا مانگ اس واسطے سے جو اس نے تیرے ساتھ عہد کر رکھا ہے تو ہم ہدایت حاصل کرنے والے ہوں گے۔"

اس زمانے میں لفظ ساحر یعنی جادوگر کوئی برا لفظ نہ تھا اور نہ ہی کوئی عیب تھا کیونکہ اس وقت کے علماء جادوگر ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے قبطیوں نے اپنی سخت حاجت کے وقت بھی اسی نام سے موسیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کھول دیا۔ فرمایا (پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکن ہو گئے) پھر اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ فرعون اپنے ملک کی شان وشوکت اور اپنے شہر کی عظمت وحسن اور اس میں پانی کی فراوانی وغیرہ کے ساتھ اکڑ رہا تھا۔

فرعون نے جو کہا کہ نہریں میرے محل کے نیچے سے بہہ رہی ہیں وہ ایسی نہریں تھیں جو دریائے نیل کی بعض اوقات طغیانی کی وجہ سے بنائی گئی تھیں۔

پھر ملک وسلطنت کے ساتھ فخر کے بعد اپنی ذات کے متعلق فخر وغرور میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اللہ کے رسول موسیٰ کی عیب جوئی کرتا ہے کہ وہ تو صحیح طرح سے کلام بھی نہیں کر سکتا چونکہ آپ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے انگارہ لے لینے سے لکنت آ گئی تھی اور اسکا کچھ اثر باقی تھا تو اس پر فرعون نے طعن کیا جبکہ یہ آپکا شرف وکمال وجمال ہے کہ اس کے باوجود اللہ نے آپ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آپکی طرف وحی فرمائی اور اس کے بعد آپ پر تورات بھی نازل فرمائی پھر اس کے بعد لعین فرعون آپ پر عیب لگاتا ہے۔ بے سروسامانی کی وجہ سے کہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں تو سونے کے کنگن بھی نہیں ہیں اور نہ زیب وزینت ہے جبکہ اس عقل کے بہرے کو معلوم نہیں ہے کہ یہ تو عورتوں کا ذریعہ ہے۔ مردوں کی مردانگی اور شان کے خلاف ہے۔ تو پھر رسولوں کے کیسے لائق ہو سکتا ہے؟ جو عقل میں سب سے کامل، موقف میں سب سے آگے، ہمت وعزم کی بلندی پر اور دنیا سے کوسوں دور ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے دوستوں کے لئے آخرت میں کیا کیا نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں۔

پھر آگے فرعون کہتا ہے (یا اس کے ساتھ فرشتے ہی جمع ہو کر آ جاتے؟)

جبکہ آپکو اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر فرشتوں کے آنے سے مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان سے تعظیم وتکریم کروانا ہو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ فرشتے تو آپ سے کہیں ادنیٰ طالب علم کے لئے ہی عزت واکرام کے ساتھ پر بچھا دیتے ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے کہ

---

[1] الزخرف ۴۹ تا ۵۶

(بے شک فرشتے اپنے پروں کو طالب علم کے لئے بچھا دیتے ہیں اس پر خوشی ورضا کے ساتھ جو کچھ وہ کر رہا ہے)۔

لہٰذا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی فرشتے کس قدر تعظیم وتکریم کرتے ہوں گے۔

اور اگر فرشتوں کے ساتھ آنے سے مقصود فرشتوں کا حضرت موسیٰ کی سچائی کے متعلق گواہی دینا ہو تو یہ بھی کوئی بات نہیں کیونکہ آپ کے ساتھ ایسے ایسے معجزات نازل فرما دیئے گئے تھے جو اہل عقل وحق کیلئے قطعی ثبوت ہیں اور ان کے برعکس جو دل ودماغ کو چھوڑنے والا ہو اور رب الارباب نے جس کے دل پر مہر ثبت کر دی ہو تو وہ شخص اس فرعون کی طرح اوپر کے چھلکے کو دیکھ کر واضح دلائل اور قطعی ٹھوس ثبوت کے باوجود اندھا بن جاتا ہے۔ اور پھر اس کی نافرمانی وہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس کے ذہن میں شکوک وشبہات ہی جنم لیتے رہتے ہیں جیسے کہ فرعون قبطی اندھے کذاب کا حال تھا آگے فرمان الٰہی ہے: پھر اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی پھر انہوں نے اس کی اطاعت کر لی۔ یعنی ان کی عقلوں کو بہرہ کر دیا اور ان کو یکے بعد دیگرے مختلف درجوں میں اتارتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے اس کی دعوائے خدائی میں تصدیق کر دی اللہ اس پر لعنت کرے اور اسکا برا کرے۔

آگے فرمایا (بے شک وہ فاسق قوم تھی پھر جب انہوں نے ہم کو غضب ناک کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا) یعنی دریائے نیل کی تند وتیز موجوں میں غرق کر دیا۔ اور عزت کی بلندیوں سے اتار کر قعر ذلت میں دھکیل دیا۔ اور نعمتوں وآرائشوں کے بعد رسوائی اور عذاب سے دوچار کر دیا اور اچھی عیش وعشرت کے بعد آگ وجہنم میں پہنچا دیا۔

اللہ بزرگ وبرتر لازوال ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے

آگے فرمایا (پھر ہم نے ان کو پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا) یعنی جو بھی ان کی اتباع وپیروی کریں۔ اور (مثال) بنایا ان کے لئے جو ان سے نصیحت پکڑیں اور ان کے عذاب سے خوف کریں اور یہ وہ لوگ ہوں گے جنکو ان فرعونیوں کی واضح اور صاف صاف خبریں پہنچی ہوں۔

فرمان الٰہی ہے: اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنیں ہی نہیں۔

اور موسیٰ نے کہا میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے۔ جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ اور جس کے لیے عاقبت کا گھر ہے بے شک ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔ پس اے ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگا کر (اینٹیں) دو پھر ایک (اونچا) محل بنا دو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں ڈال دیا۔ پس دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں سے ہوں گے۔ (۱)

اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں کہ جب انہوں نے تکبر کیا اور حق سے منہ موڑا اور ان کے بادشاہ فرعون نے باطل چیز یعنی اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کیا اور انہوں نے اس کی موافقت وحمایت واطاعت کی تو زبردست قادر مطلق الٰہی کا غضب ان پر برسا۔ وہ ذات جس پر کسی کو غلبہ نہیں اور نہ اس کو کوئی ان کے انتقام سے روک سکتا ہے تو پس ایسی ذات عظیم کا سخت انتقام آ گیا۔

اور فرعون کو مع اس کے پجاریوں کے ایک ہی وقت میں غرقاب کر دیا اور ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا اور نہ کوئی پیچھے باقی بچا بلکہ ہر ایک دریائے نیل کی طوفانی موجوں کی بھینٹ چڑھا اور داخل جہنم ہوا۔

اور اس دنیا میں ان کے لئے صرف ایک چیز باقی رہ گئی اور وہ ہمیشگی کی لعنت ہے۔

اور قیامت میں بہت برا انعام ان کو دیا جائیگا۔ اور وہ قیامت کے دن بدحالوں میں سے ہوں گے۔

---

(۱) القصص ۳۶ تا ۴۲

فرعون اور اس کے لشکریوں کی ہلاکت

جب قبطی لوگ اپنے بادشاہ فرعون کی اتباع میں اللہ کے رسول اور اس کے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر اتر آئے اور اپنے کفر و نافرمانی، عناد اور ہٹ دھرمی پر اڑ گئے۔ تو اللہ نے اہل مصر پر ہر قسم کے قوی دلائل اور قطعی براہین قائم کر دیے اور ایسے ایسے معجزات دکھلا دیے جو عقلوں اور آنکھوں کو حیرت زدہ کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ سے نہ ڈرے اور نہ اپنی سرکشی سے باز آئے اور نہ کفر سے دستکش ہوئے اور ان سے حاصل ہوئے بلکہ صرف چند لوگ ہی ایمان کی لازوال دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک قول کے مطابق وہ صرف تین تھے ایک فرعون کی بیوی دوسرا ایک آل فرعون کا شخص جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اور تیسرا وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارے سے حضرت موسیٰ کے پاس دوڑتا آیا تھا اور خبر دی تھی کہ فرعونی لوگ آپ کے قتل کا منصوبہ کر رہے ہیں لہذا آپ یہاں سے ہجرت اختیار فرمالیجئے۔ تو یہ بھی باقاعدہ مسلمان با ایمان ہو گئے تھے۔

ابن ابی حاتم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبطیوں میں مومن ہوئے تھے اور غیر قبطیوں سے فقط وہی مومن ہوئے تھے جیسے جادوگر جو قبطی نہ تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام پر قبطی لوگوں کی ایک جماعت اور تمام جادوگر اور بنی اسرائیل کے تمام قبائل ایمان لائے تھے۔ اور اس قول کی تائید قرآنی آیت کرتی ہے۔ فرمان ہے: (تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور حد سے بڑھا ہوا تھا۔)[1]

تو یہاں فرمایا کہ مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے تو اس سے مراد فرعون کی قوم کے چند لڑکے ہیں۔ سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے اور ایک قول ہے کہ ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی حضرت موسیٰ کی قوم کے افراد مراد ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قریب ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ قوی ہے اور تفسیر قرآن میں مشہور ہے۔

اور ان کا ایمان بھی چھپا ہوا تھا فرعون اور اس کے ظلم و ستم کے ڈر سے۔

اور فرعون کی قوم کے دوسرے لوگ ایسے مومنوں کی چغل خوری کے پیچھے تلاش میں رہتے تھے۔

اللہ عزوجل فرعون کے متعلق خبر دیتے ہیں (اور بے شک فرعون زمین میں ناحق بڑا بنا ہوا تھا اور حد سے گزرنے والا تھا) یعنی تخت پر بیٹھا تھا اور ناحق اکڑتا تھا اور اپنے تمام احوال و امور اور ہر چیز میں حد سے نکل چکا تھا۔ اور وہ درخت کی مانند جڑ بن چکا تھا جس کے کاٹنے کا وقت قریب آ پہنچا تھا اور ایسا خبیث پھل تھا جس کے گرنے کا وقت آ پہنچا تھا یا لعنت زدہ طریقہ تھا جس کی تباہی بھی ہو چکی تھی۔ تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں (اے قوم! اگر تم ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو تو انہوں نے کہا اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے لئے تجربہ گاہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے۔)[2]

یعنی جب دشمن قوم پر عذاب کا وقت آ پہنچا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے اور اسی سے التجاء و آہ و زاری کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے بھی اپنی تسلیم کی گردنیں جھکا دیں۔ اس پر اللہ نے ان سب کے لئے ان تکالیف سے خلاصی و چھٹکارے کی راہ نکال دی۔ اس وقت اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دے دو)۔[3]

یعنی اللہ عزوجل نے دونوں پیغمبر بھائیوں کو یہ وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے گھروں کو قبطیوں کے گھروں سے جدا کر کے علیحدہ علیحدہ تعمیر کراؤ تاکہ جب کوچ کا حکم ملے تو آسانی سے خفیہ نکل سکیں اور بعض بعض کو اطلاع دے کر سب جلد تیار ہو جائیں۔ اور یہ فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اس کا مطلب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اپنے گھروں میں مسجدیں بنا لو۔ اور دوسرے قول کے مطابق مطلب ہے کہ اپنے گھروں

---

[1] یونس: ۸۳ [2] یونس: ۸۴، ۸۵، ۸۶ [3] یونس: ۸۷

میں کثرت سے نماز قائم کرو۔

اور یہی آخری قول بہت سے اکابر کا ہے مثلاً مجاہد، ابو مالک، ابراہیم نخعی، ربیع، ضحاک، زید بن اسلم اور عبدالرحمن بن زید۔

اور اس قول کے مطابق اس کی توضیح و تشریح یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی تکلیف و شدت لاحق ہو تو نماز کے ساتھ اللہ سے خوب مدد مانگی جائے۔ جیسے دوسری جگہ وضاحت سے فرمایا (اور صبر و نماز کے ساتھ مدد طلب کرو) اور حضور علیہ السلام کو جب بھی کوئی امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

اور مذکورہ آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اپنی عبادت گاہوں اور اجتماعوں میں اپنی عبادات کو کھلے عام کرنے پر قادر نہ تھے۔ تو اس وجہ سے اللہ نے ان کو اپنے گھروں ہی میں نماز کی جگہیں بنا لینے کا حکم فرمایا اس طرح اللہ نے ان کی کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے ایک آسان حکم فرمایا جو اس زمانے میں شعائر دین کو کھلے عام کرنے کا بدل تھا کیونکہ ان کی زبوں حالی نماز و عبادات کو چھپانے کا تقاضا کرتی تھی۔

لیکن پہلا معنی زیادہ قوی ہے جو کثرت نماز کا ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے آگے کے اس جملے سے کہ فرمایا (اور مومنین کو خوشخبری دیدو) کیونکہ کثرت صلاۃ پر ہی خوشخبری مرتب ہوگی اور اصل یہ ہے کہ دونوں معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ (اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ) اس کا مطلب ہے آمنے سامنے اپنے گھر بناؤ۔ کیونکہ قبلہ کا معنی سامنے کے بھی ہیں۔

آگے فرمان الٰہی ہے (اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا سامان) زینت اور اموال، دنیاوی زندگی میں دے رکھا ہے اے پروردگار ان کا حال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کریں۔ اے پروردگار۔ ان کے اموال کو برباد فرما اور ان کے دلوں کو سخت فرما دے تاکہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں۔ (خدا نے) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے پر نہ چلنا)۔[1]

یہ عظیم دعا تھی جو اللہ کے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے دشمن فرعون کے خلاف اٹھائی اور اللہ کے غضب کو ان پر پکارا کیونکہ وہ حق کی اتباع سے تکبر کرتا تھا اور اللہ کے رستے سے روکتا تھا اور اپنے عناد، سرکشی، ہٹ دھرمی، اور باطل و انہونی بات پر اڑ چکا تھا اور حق سے روگردانی و بے رخی کرتا تھا وہ حق جو بالکل خوب حساً اور معناً ظاہر بھی ہو چکا تھا۔ اور قطعی و ٹھوس ثبوت سے مضبوط ہو چکا تھا۔ تو ان باتوں کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا (پروردگار آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں (یعنی اس کی قبطی قوم کو اور جو بھی ان کے دین و ملت پر تھے سب کو) زینت اور اموال عطا کئے ہیں دنیوی زندگی میں۔ پروردگار وہ اس سے تیرے رستے سے گمراہ کرتے ہیں) یعنی ان باتوں کی وجہ سے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنے والا دھوکہ میں آ جاتا ہے۔ پس جاہل سمجھتا ہے یہ کیسے گمراہ ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ نے ان کو سب کچھ عنایت فرمایا ہے زیب و زینت کی نرالیاں عمدہ لباس، عمدہ سواریاں، سجے گھر، آراستہ محلات، لذیذ و مرغوب کھانے، دلفریب عمدہ مناظر، قوت و سطوت والی بادشاہت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ سب کچھ صرف دنیاوی زندگی میں ہے ورنہ آخرت میں یہ سخت عذاب میں ہوں گے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کہ (ربنا اطمس علی اموالھم) اے پروردگار ان کے اموال کو برباد فرما۔ اس کے مطلب میں ابن عباس، مجاہد فرماتے ہیں یعنی اے اللہ ان کو ہلاک و برباد فرما۔ اور ابو العالیہ اور ربیع بن انس اور ضحاک فرماتے ہیں اس بددعا کا مطلب ہے کہ اے اللہ تو پہلے کی ہی حالت میں منقش پتھر بنا دے (اور یہ ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکیں) اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان کی کھیتیاں پتھر ہو گئیں تھیں اور محمد بن کعب فرماتے ہیں ان کی مرغوب و نشہ آور اشیاء پتھر ہو گئی تھیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے تمام اموال پتھر ہو گئے تھے۔ اور جب یہ بات حضرت عمر بن العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر کی گئی تو آپ نے اپنے غلام کو فرمایا جا ایک تھیلی لے آ۔ وہ تھیلی لایا تو دیکھا اس میں جو چنے اور انڈے تھے وہ پتھر سے تبدیل شدہ تھے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا۔

اور آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ (اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔ (کیونکہ) یہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں

---

[1] یونس ۸۸۔۸۹

کے ایمان نہ لائیں گے) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بددعا ہے۔

تو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور اس کو حقیقت و ثابت کر دیا جیسے کہ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کو ان کی قوم کے خلاف قبول فرمایا تھا اور حضرت نوح نے یوں بددعا فرمائی تھی (پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکری ہوگی)۔[1]

تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی اور حضرت ہارون نے ان کی دعا پر آمین کہا تو دونوں کو دعا کرنے والا قرار دے کر دونوں کو یوں جواب مرحمت فرمایا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے رستے پر نہ چلنا۔

مفسر علماء اہل کتاب فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے اپنی عبادت کے لیے میدان میں نکلنے کی اجازت طلب کی تو فرعون نے ناپسند کرتے ہوئے بھی اجازت دے دی۔ اور درحقیقت یہ ان شہروں سے نکلنے کی تیاری کئے بیٹھے تھے۔ اور پھر پوری تیاری مکمل کر لی۔ لیکن یہ ترکیب ان سے پھٹکارے اور خلاصی کے لئے استعمال کی تھی۔

اور اہل کتاب کے ذکر کے مطابق اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم قبطیوں سے ان کے سونے اور زیورات وغیرہ کچھ دن کے لئے مانگ لو یعنی عاریت پر لے لو۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے مانگ کر ان سے بہت سا مال اکٹھا کر لیا پھر ایک رات ایسا کیا کہ فوراً جلدی جلدی ملک شام کا ارادہ کر کے نکل بیٹھے۔

جب فرعون کو ان کے نکل جانے کے متعلق معلوم ہوا تو سخت پریشان اور غضب آلود ہوا اور جلدی جلدی اپنے لشکر کو اکٹھا کیا اور حتمی طے پکا کیا اور ان کے پیچھے لے چلا تاکہ ان کو پکڑ کر نیست و نابود کر دے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے اللہ عزوجل فرماتے ہیں (اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل پڑو کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں قاصد روانہ کئے (اور کہا) یہ تھوڑی سی چھوٹی جماعت ہے اور انہوں نے ہم کو غضب میں بھر دیا ہے۔ اور ہم سب سازو سامان والے ہیں۔ پھر (اس طرح) ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور عمدہ مکانات سے۔ (ان قبطیوں کے ساتھ تو ہم نے اس طرح کیا) اور پھر ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

پھر انہوں نے طلوع آفتاب کے وقت ان کا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بتائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا بڑا پہاڑ ہے۔ اور وہاں دوسروں کو ہم نے قریب کر دیا۔ اور موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس (قصے) میں نشانی ہے۔ لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب مہربان ہے۔)[2]

علماء تفسیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب فرعون اپنے لشکروں کے جلوس میں بنی اسرائیل کے پیچھے چلا تو فرعون کے لشکری بے شمار تھے۔ حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ اس کے لشکریوں میں صرف ایک لاکھ تو سخت گھوڑ سوار بڑے جری بہادر تھے اور کل تعداد کے اعتبار سے کل لشکر تقریباً سولہ لاکھ سے بھی متجاوز تھے واللہ اعلم۔ اور ایک قول کے مطابق فرعونیوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل جو کوچ کر گئے تھے وہ صرف چھ لاکھ تھے سوائے بچوں اور عورتوں کے۔

اور اب موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکل رہے تھے اور اس وقت سے چار سو چھبیس شمسی سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل علیہ السلام مصر میں (چند سو افراد کے ساتھ) داخل ہوئے تھے۔ یعنی بنی اسرائیل کا درمیانی رہائش کا وقفہ مصر میں چار سو چھبیس سال کا تھا۔

تو الغرض فرعون اپنے ٹڈی دل لشکروں کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا اور سورج طلوع ہونے کے وقت ان کو جا لیا۔ اور دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا اور پھر وہاں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا کہ دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو دیکھ لیا اور اچھی طرح جان لیا اور

---

[1] نوح: ۲۶-۲۷ [2] الشعراء: ۵۲تا۶۸

دلوں کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی اور اب صرف جنگ وجدل باقی رہ گیا تو اس وقت انتہائی بے کسی اور بے سروسامانی کی حالت میں بنی اسرائیل نے خوفزدہ ہو کر حضرت موسیٰ سے عرض کیا (ہم تو پکڑے گئے)۔ اور ان کی پریشانی کی وجہ ظاہری طور پر بجا تھی کیونکہ پیچھے دشمنوں کا لشکر جرار تھا اور آگے سمندر راستہ روکے کھڑا تھا اب کوئی راستہ باقی نہ رہا تھا سوائے اس کے کہ دریا میں غوطہ زن ہو جائیں۔ لیکن اس کی کوئی بھی طاقت وقدرت نہ رکھتا تھا بلکہ اسکا اثر اس سے بھی المناک تھا۔ اور یہ تو آمنے سامنے کا حال تھا اور دائیں بائیں بلند و بالا پہاڑوں نے راستہ گھیر رکھا تھا۔ اور پیچھے سے فرعون آڑے کھڑا تھا اور انتہائی غیض وغضب میں اپنے لشکر کے ساتھ بپھر رہا تھا۔ اور بنی اسرائیل اس کو اپنے لشکر میں پہنچا ہوا محسوس کر رہے تھے جسکی وجہ سے سخت خوف وگھبراہٹ میں مبتلا تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ دراز تک پہلے اس سے اذیتیں اور رسوائیاں اٹھا چکے تھے۔

تو تب بنی اسرائیل نے اللہ کے پیغمبر سے اپنی بے کسی اور بے داوری کی حالت کا اظہار بصورت شکوہ کیا تو اللہ کے پیغمبر صادق ومصدق نے زبردست اعتماد اور عزم کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے جواب دیا (ہرگز نہیں بے شک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے) اور آپ علیہ السلام لشکر کے درمیان تھے پھر درمیان سے نکل کر لشکر کے آگے سمندر کے سامنے آئے اور اپنی جلالی نظریں سمندر کی طرف اٹھائیں دیکھا کہ سمندر بھی اپنی سخت موجوں میں جوش سے پر ہے اور جھاگیں اور زور شور بڑھ رہا ہے اور آپ علیہ السلام اپنی زبان مقدس سے فرما رہے ہیں، اسی جگہ کا مجھے حکم ہوا ہے۔

اور آپ کے ہمراہ آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون اور یوشع بن نون تھے اور یہ یوشع اس وقت بنی اسرائیل کے بڑے سردار وسید علماء میں سے تھے اور بہت بڑے عبادت گذار تھے اور حضرت موسیٰ وہارون کے بعد اللہ نے ان کو پیغمبری بھی عطا فرمائی تھی۔ جیسے کہ بعد میں انکا بھی ذکر آئے گا انشاء اللہ العزیز۔

اور ان تین حضرات کے ساتھ آل فرعون کا مرد مومن حق کا پاسبان بھی موجود تھا چاروں اولوالعزم حضرات ساتھ کھڑے تھے۔ اور تمام بنی اسرائیل ان کے کمالات کی وجہ سے ان کے سامنے سرنگوں تھے اور کہا گیا ہے کہ آل فرعون کا یہ مرد مومن بار بار اپنے گھوڑے کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر رہا تھا اور گویا گھوڑے کو سمندر میں تیراکی سکھا رہا تھا۔ کہ آیا کیا اس میں چلنا ممکن ہے؟ لیکن نہیں۔ پھر مومن حضرت موسیٰ کو عرض کرتا اے اللہ کے پیغمبر اسی جگہ کا حکم ملا ہے۔ اور حضرت فرماتے ہاں، جی۔

پھر جب معاملہ پیچیدہ ہو گیا اور حالت سخت ہو گئی اور صبر لبریز اوقات آ پہنچے اور سخت سامنا ہو گیا اور فرعون اپنے پجاریوں کے غیظ وغضب میں بھڑک کر تیز ہو گیا اور آنکھیں ڈبڈبانے لگیں دل حلقوں کو پہنچ گئے اس کٹھن وقت میں عظیم قدرت والے بردبار عرش کریم کے پروردگار نے اپنے ہمکلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔

"ان اضرب بعصاک البحر"

(اے موسیٰ) سمندر پر اپنا عصا ماریئے۔

تو حضرت موسیٰ نے لاٹھی سمندر پر ماری۔ اور ایک قول کے مطابق ساتھ ساتھ یہ بھی کہا "اللہ کے حکم سے (راستوں میں) پھٹ جا" اور کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے سمندر کی کنیت ابوخالد کہہ کر پکاری واللہ اعلم۔

اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا گویا وہ بڑا پہاڑ ہے۔

کہا جاتا ہے وہ سمندر سامنے سے بارہ راستوں میں منقسم ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل کل بارہ قبیلوں میں تھے لہٰذا ہر قبیلہ ایک ایک راستہ پر ہو گیا اور ایک قول ہے کہ درمیان میں ایک دوسرے کی طرف کھڑکیاں بھی کھل گئیں تھیں اور سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن اس بات میں نظر ہے۔ کیونکہ پانی ایسا صاف آئینہ ہے کہ خود ہی دوسری طرف کی اشیاء نظر آتی ہیں۔

تو اس طرح سمندر کا پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا تھا اور اس عظیم قدرت کی وجہ سے رکا ہوا تھا جسکی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو "کن" (ہو جا) کہہ دے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے پچھم کی ہواؤں کو حکم دیا کہ سمندر پر خوب چلیں اور انہوں نے درمیانی آلودگیوں کو ختم کر دیا اور صاف شفاف کر کے دیواروں اور راستوں میں تبدیل کر دیا۔ اور پانی اس طرح خشک ہو گیا تھا کہ جانوروں کے کھر بھی صاف شفاف رہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بناؤ

پھر تم کو نہ تو آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ ڈر۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ انکا تعاقب کیا تو دریا نے ان پر چڑھ کر ان کو ڈھانک لیا (یعنی غرق کر دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا۔ اور سیدھے رستے پر نہ ڈالا۔)(۱)

الحاصل جب سمندر کا معاملہ حکم خدا سے یہاں تک پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو لیکر دریا پار کرو۔ تو لہذا اب جلدی جلدی ان راستوں میں اتر پڑے۔

اور ساتھ ساتھ سب ایک دوسرے کو انتہائی خوشی سے مبارکبادیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ عظیم نصرت خداوندی کا معجزہ دیکھ رہے تھے جو ناظرین کو حیرت زدہ کر دے۔ اور مومنین کے دلوں کو ہدایت یاب کر دے۔

پھر جب حضرت موسیٰ سمیت تمام افراد شروع سے آخر تک دریا سے پار ہو گئے اور بالکل دریا سے جدا ہو گئے اس وقت فرعون کے لشکر کا پہلا حصہ ان راستوں میں داخل ہوا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ سمندر کو دوبارہ لاٹھی ماریں تا کہ سمندر اپنی ہیئت سابقہ پر لوٹ آئے اور فرعونیوں کو ان کی طرف کوئی راستہ نہ ملے۔ لیکن رب ذوالجلال قدرت والے نے حکم فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ سمندر کو اپنی اسی حالت پر چھوڑ دو اور اس صورت حال کو صادق و کریم نے بڑے زبردست انداز میں فرمایا۔

(اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس عالی مرتبہ پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے آ کر کہا) یہ کہ خدا کے بندوں کو میرے حوالے کر دو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ اور خدا کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لیکر آیا ہوں۔ اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ اور اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ تب (موسیٰ نے) پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ (خدا نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو اور ضرور تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور دریا سے جو خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ۔ (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔ وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (سب کچھ ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو انکا وارث بنا دیا۔ پھر ان (فرعونیوں) پر نہ تو آسمان رویا نہ زمین۔ اور نہ ان کو مہلت ہی دی گئی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ (یعنی) فرعون سے۔ بے شک وہ سرکش اور حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے جان کر بنی اسرائیل کو تمام عالم پر منتخب کیا تھا۔ اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں۔ جن میں صریح آزمائش تھی۔)(۲)

پہلے بات چل رہی تھی کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر کو اپنی ہیئت موجودہ پر رہنے دو۔ ان مذکورہ آیات میں سے ایک "واترک البحر رھوا" کا یہی مطلب ہے کہ اس کو اپنی ہیئت موجودہ ساکن پر رہنے دو۔ اور اس صفت سے اس کو بتلایا حضرت عبداللہ بن عباس مجاہد، عکرمہ، ربیع، ضحاک، قتادہ، کعب احبار، سماک بن حرب اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔

پھر فرعون اس کے راستے بنی ہوئی حالت پر قریب آیا عجیب کرشمہ قدرت کا نظارہ کیا اور بہت حیران و مرعوب ہوا اور جو بات جو اس کو پہلے متحقق ہو چکی تھی وہ اور خوب پختہ ہو گئی کہ یہ سب کچھ کرنے دھرنے والی ذات عرش کریم کے پروردگار کی ذات ہے یہ سوچ کر پیچھے ہٹ آیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور بنی اسرائیل کی پکڑ کے لئے آنے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہنے سے نادم و پشیمان ہوا۔ لیکن اب ندامت و سوچ بچار نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ پھر دوبارہ اپنی حالت پر پلٹا اور اپنے لشکر کے سامنے جنگ کا مظاہرہ کیا اور بنی اسرائیل کے متعلق دشمنی اور عناد کا اظہار کیا۔ اور پھر اس کے کافر نفس اور فاسق طبیعت نے اس پر اکسایا اور برانگیختہ کیا کہ اپنے پاگل پجاریوں کو اور بیوقوف بنائے اور لہذا سوچ بچار کر پکارا۔

دیکھو سمندر کیسے میرے لئے (اپنے سینے کو چیر کر) راستے مہیا کر رہا ہے تا کہ میں اپنے بھگوڑے غلاموں کو اپنے قبضے میں دوبارہ لے آؤں جو میرے علاقے اور میرے فرماں برداری سے چھوٹ کر بھاگے ہیں

لیکن درحقیقت اندرونی کیفیت کو لشکر والوں سے چھپا رہا تھا کہ میں تو ان کے پیچھے اب جانا نہیں چاہتا۔

کیونکہ وہ خدائی عذاب کو قریب محسوس کر رہا تھا اور سخت پیچ و تاب میں تھا کہ بس اب تو چھٹکارا مل جائے یہی بہت ہے لیکن پیچھے کے بیوقوف

---

(۱) طٰہٰ ۷۷-۷۹ (۲) دخان ۱۷-۳۳

بنی اسرائیل کے سامنے اپنی خدائی برتری کو بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا اس تذبذب میں کبھی آگے بڑھتا کبھی پیچھے ہٹتا اسی طرح کچھ دیر ہوتا رہا قریب تھا کہ فرعون پیچھے ہٹ آتا لیکن عجیب کرشمۂ قدرت پیش آیا۔

کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک جوان خوبصورت گھوڑی پر سوار ہوئے اور وہ گھوڑی فرعون کے گھوڑے کے آگے سے چہل قدمی کرتی ہوئی گذری، گھوڑا اس کو دیکھتے ہی فوراً لپکا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی کو تیز کرتے ہوئے خوب بھگایا وہ پیچھے سے فرعون کا گھوڑا فرعون ملعون کو لادے تیزی سے پیچھے دوڑا اور فرعون کو کچھ تصرف کا مالک نہ رہ سکا اور اپنے گھوڑے کو نہ روک سکا۔ اور حضرت جبرئیل اپنی گھوڑی کو لیکر سمندری راستوں میں چلے پیچھے سے فرعون کا گھوڑا بھی سمندری راستے میں داخل ہو گیا پیچھے سے لشکر نے دیکھا تو وہ بھی فرعون کی اتباع کرتے ہوئے راستوں میں دوڑتے ہوئے داخل ہو گئے اور جب فرعون سے لیکر آخر تک کا ہر شخص سمندری راستوں میں گھس گیا تو تب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اب اپنی لاٹھی سمندر پر مارو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا تھا اور سمندر کا غیض وغضب سے تلاطم برپا کرنا تھا اور اسی طرح سب کے سب ہلاکت سے دوچار ہو گئے اور کوئی انسان نجات نہ پا سکا۔ فرمان باری ہے

اور ہم نے موسیٰ اور آپ کے ساتھ والوں کو نجات دی۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اس میں نشانی (عبرت) ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہ تھے۔ اور بے شک تیرا پروردگار زبردست رحم کرنے والا ہے۔ (۱)

یعنی اللہ زبردست رحیم ہے کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو غرق نہ ہونے دیا اور زبردست منتقم بھی ہے کہ اپنے دشمنوں میں سے کسی کو بھی نجات پانے نہ دی تو اس میں عظیم نشانی ہے اور قطعی دلیل ہے اللہ عزوجل کی قدرت بے مثال پر۔ اور واقعہ کے پیغمبر کی تصدیق ہے تمام باتوں میں جو کچھ بھی وہ شریعت عظیم مقدسہ لے کر آئے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تیزی سے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اس کو غرق نے آن پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا اس ذات پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب؟ حالانکہ پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ پس آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لئے عبرت ہو اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرعون کے عین غرقاب کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔

کہ جب سمندری تلاطم خیز موجیں اس کو اٹھا رہی تھیں اور کبھی غوطے دے رہی تھیں اور بنی اسرائیل اپنی آنکھوں اور دلوں کو قرار اور ٹھنڈک پہنچا رہے تھے کہ کیسا عظیم عذاب اور مہلک مرحلہ پیش آ رہا ہے تو ایسے موقع پر فرعون نے جب ہلاک ہونے والوں کو اپنی نظروں سے سامنے ہلاکت میں دیکھا اور اس کے سامنے موت کی سختیاں پیش آنے لگیں تب وہ توبہ تائب ہوا اور ایمان لایا اور یہ ایسا وقت تھا کہ اب ایمان کچھ بھی سودمند نہ تھا جیسے فرمان باری ہے۔

بے شک تیرے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ (۲)

تو یہاں بھی فرعون نے آنکھوں سے عذاب دیکھا اور خود جھٹلانے کے عذاب ہوا تب ایمان لانے کی کوشش کی جبکہ اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر باری عزوجل کا فرمان ہے۔

پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور جن کو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے ان سے کفر کیا۔ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (تو اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) خدا کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔ (۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح ان کے متعلق بددعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ان کے اموال کو تباہ فرما اور ان کے قلوب کو سخت فرما حتیٰ کہ عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور اس وقت ایمان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ پھر ایمان کی حسرت ہو گی اور جب دونوں بھائیوں نے بددعا کی تھی اللہ

---

(۱) الشعراء ۶۵-۶۸ (۲) یونس ۹۶-۹۷ (۳) المؤمن ۸۴-۸۵

نے [illegible] فرمایا تھا۔

بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔

اور اسی طرح موسیٰ کلیم اللہ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی دعا قبول کی گئی۔

فرعون کے غرق ہونے کے منظر کے متعلق حدیث مبارکہ ہے۔ (۱)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب فرعون نے یہ کہا میں ایمان لایا کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو مجھے جبرئیل نے کہا کہ اے محمد ﷺ کاش کہ آپ اس وقت دیکھ لیتے (یہ عجیب منظر تھا) کہ میں سمندر کا کیچڑ لے کر اس کے منہ میں ٹھونس رہا تھا کہ کہیں اسے رحمت خداوندی کو جوش نہ آ جائے۔ (۲) امام احمد نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

(۳) اور ابوداؤد طیالسی نے بھی فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبرئیل نے کہا کاش آپ مجھے دیکھتے کہ میں سمندر کا کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس رہا تھا اس خوف سے کہ کہیں رحمت اس کو نہ پہنچ جائے۔ (۴)

(۵) اور ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے فرعون کو غرق فرمایا تو فرعون نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور زبان سے کہا۔

میں ایمان لایا کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خوف کیا کہ کہیں اس کے متعلق رحمت خداوندی غضب خداوندی پر سبقت نہ کر جائے لہٰذا حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے پروں سے کیچڑ لے لے کر اس کے چہرے پر مارنے لگے اور اسی طرح منہ کو بھی کالا کر کے بند کر دیا۔

ابن جریر نے اس مذکورہ حدیث کو ایک اور طرح کی حدیث سے روایت کیا ہے

(۶) اور ابن جریر کی روایت ہے جو کثیر بن زاذان کے طریق سے ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے محمد ﷺ اگر آپ مجھے دیکھتے کہ میں فرعون کے منہ میں مٹی ڈال رہا تھا اور اس کو بند کر رہا تھا اس ڈر سے کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو نہ پہنچ جائے اور پھر اس کی مغفرت کر دی جائے۔

اور کئی اکابر سلف نے اس روایت کو مرسلاً بھی ذکر کیا ہے مثلاً ابراہیم تیمی، قتادہ، میمون بن مہران وغیرہ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ضحاک بن قیس نے یہ روایت تقریر میں برسر عام سنائی اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے تھے فرعون سے جیسا میرا بغض تھا ایسا کسی سے نہ ہوگا جس وقت اس نے یہ کہا تھا "میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں"۔

اور میں اس کے منہ میں گارا ٹھونس رہا تھا جب اس نے وہ (ایمان کے) کلمات کہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ کیا اب ..... اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔

یہ استفہام انکاری ہے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے صراحۃً دلیل ہے کہ اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہوا اور اگر اس کو واپس دنیا کی طرف بھی لوٹا دیا جاتا تو پھر وہ اسی سرکشی اور طغیانی پر اتر آتا جیسے کہ اللہ عزوجل نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ جب وہ جہنم کو دیکھیں گے اور خوب عذاب کا مشاہدہ بھی کر لیں گے تب کہیں گے۔

---

(۱) رواه الإمام أحمد حدثنا سليمان حدثنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن يوسف بن مهران عن ابن عباس قال.

(۲) رواه الترمذي وابن جرير وابن أبي حاتم عند هذه الآية من حديث حماد بن سلمة وقال الترمذي حديث حسن

(۳) وقال أبو داود الطيالسي حدثنا شعبة عن عدي بن ثابت وعطاء بن السائب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ

(۴) ورواه الترمذي وابن جرير من حديث شعبة وقال الترمذي حسن غريب صحيح وأشار ابن جرير في رواية إلى وقفه.

(۵) وقال ابن أبي حاتم حدثنا أبو سعيد الأشج حدثنا أبو خالد الأحمر، عن عمر بن عبد الله بن يعلى الثقفي، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال.

(۶) وله رواه ابن جرير من طريق كثير بن زاذان وليس بمعروف، عن أبي حازم عن أبي هريرة قال.

فرمان الٰہی:

"کاش کہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور مومنین میں سے ہو جائیں گے"

تو اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

بلکہ یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے ان پر آج ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ لوٹائے بھی جائیں تو جس سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی کچھ پھر کرنے لگیں کچھ شبہ نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔(۱)

آگے فرمایا:

"آج ہم تیرے بدن کو بچا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لئے نشانی بن جائے۔"(۲)

حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو شک ہو گیا تھا کہ فرعون مرا نہیں ہے حتیٰ کہ بعض کہتے تھے: کبھی یہ مرا نہیں۔ تب اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینک دے اور ایک قول ہے کہ پانی کی سطح پر پھینکنا تھا اور ایک قول ہے کہ زمین کی ایک ابھری ہوئی بلند جگہ پر پھینکنے کا سمندر کو حکم ہوا تو بہر صورت یہ اپنے پہلے والے لباس کے ساتھ باہر لایا گیا جس سے اس کو پہچانا جاتا تھا۔ اور اللہ عزوجل نے یہ اس لئے فرمایا تھا تاکہ بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے (چونکہ وہ فرعون سے بہت خوف زدہ تھے اور بہت کم تھے کہ اس کی موت کا یقین ہی نہ کرتے تھے) نیز تاکہ یہ اللہ کی قدرت کا نظارہ بھی کر لیں۔ تو اللہ نے فرمایا "آج ہم تیرے بدن کو نجات دیتے ہیں" یعنی اسی قمیص وغیرہ کے ساتھ جس کے ذریعے تو پہچانا جاتا تھا "تاکہ تو پیچھے والوں کے لئے نشانی عبرت بن جائے" وہ پچھلے بنی اسرائیل اور دوسرے بعد والے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی عظیم الشان قدرت پر بے مثال دلیل ہے کہ جیسا اللہ نے ان کا جادو بے کار کیا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیچھے والوں کے لئے نشانی ہو بعض قرآء نے پڑھا ہے لتكون لمن خلفك آية (اور یہی قرآت حضرت سے بھی تلاوت ہوئی ہے جبکہ امام ابن کثیر کے ہاں لتكون لمن خلفك آية یعنی اس کا اختلاف ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم تجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیتے ہیں تاکہ تو بنی اسرائیل کے لئے نشانی بن جائے اور وہ تجھ کو پہچان لیں کہ تو بالکل مر چکا ہے۔

اور فرعون کی ہلاکت تمام لشکر والوں سمیت یوم عاشوراء کو ہوئی تھی۔

جیسے امام بخاری نے فرمایا:(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے تو حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے جو تم رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ ملا تھا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا: تم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہو لہٰذا تم بھی روزہ رکھو۔

اس حدیث کی اصل صحیحین وغیرہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل کی حالت فرعون کی ہلاکت کے بعد

فرمان الٰہی ہے:

تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پرواہی کرتے تھے اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو زمین (شام کے) مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب

---

(۱) الانعام ۲۸،۲۷ (۲) یونس ۹۲

(۳) حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال

کو ہم نے تباہ کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ) سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔ (۱)

اللہ عزوجل فرعون اور اس کے لشکریوں کے غرق کے متعلق ذکر فرما رہے ہیں کہ کیسے ان کی عزت و حشمت کو خاک میں ملا دیا اور ان کے جان و اموال کو تباہ و برباد کیا اور پھر بنی اسرائیل کو ان کے تمام اموال اور املاک کا مالک بنا دیا جیسے فرمایا (اور ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا) (۲) اور فرمایا (اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین (ملک شام) میں کمزور کر دیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (اموال کا) وارث بنائیں) (۳)

اور پہلی آیت میں یہ فرمایا (اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو ہم نے زمین (شام میں) مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور بنی اسرائیل کے متعلق ان کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کا وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور اس کی قوم جو بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔

یعنی ان تمام مزعومہ نعمتوں کو نیست و نابود کر دیا اور ان کی دنیاوی عزت طویل جاہ و حشمت کو ختم کر دیا۔ بادشاہ اور اس کے حاشیہ برداروں اور امراء وزراء وغیرہ سب کو ہلاک کر دیا اور مصر شہر میں سوائے عام اور بے ضرر افراد کے کوئی باقی نہ بچا۔

ابن عبدالحکم نے اپنی تاریخ مصر میں ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں مصری عورتوں نے مردوں پر تسلط و غلبہ پا لیا تھا کیونکہ امراء اور بڑے لوگوں کی خواتین اپنے سے کمتر شہریوں سے شادیاں کروا لی تھیں تو اس طرح ان عورتوں کو مردوں پر غلبہ ملتا تھا اور یہ طریقہ اب تک جاری ہے (یعنی مصنف کے زمانے تک بعد میں کیا احوال ہے؟ واللہ اعلم) اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ بنی اسرائیل کو جب مصر سے نکلنے کا حکم ملا تو اللہ نے اس مہینے کو ان کے سال کا شروع قرار دے دیا اور حکم دیا کہ سب گھر والے بکری کا ایک بچہ (اور اگر تنہا ہیں تو پڑوسی) بطور شکرانے کے ذبح کریں اور اگر بکری کے بچے سے زیادہ کی وسعت ہو اور اس کی ضرورت نہ ہو تو بکری ذبح کر لیں اور پڑوسیوں کو بھی اس میں شریک کر لیں پھر جب ذبح کریں تو اس کے خون کے چھینٹے اپنے دروازوں کی چوکھٹوں پر ماریں تاکہ یہ ان کے گھروں کی علامت بن جائے اور پھر اس گوشت کو پکا کر نہ کھائیں بلکہ بھون کر اس کا سر اور پائے اور انتڑیاں کھائیں اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑیں اور اس کی کوئی ہڈی بھی نہ توڑیں اور گھروں سے باہر کچھ بھی نہ لے جائیں اور یہ روٹی سات دن پہلے تیار کی جائے اور یہ ذبح کے عمل کی ابتداء ان کے اپنے سال کے مہینے کی چودھویں تاریخ کو ہو اور یہ موسم ربیع ہو۔ ہر کا زمانہ تھا اور جب یہ بکری وغیرہ کھانا شروع کریں تو ان کے حصے کسی چیز سے بندھے ہوئے ہوں اور پاؤں میں موزے ہوں اور لکڑی کی چند لکڑیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں یعنی اوپری حصہ تمہارے ہاتھوں اور منہ کے مقابلے میں ہو اور پھر کھڑے کھڑے جلدی سے کھائیں اور جو شام کے کھانے سے بچ جائے اور اگلی صبح تک رہ جائے اس کو آگ میں جلا ڈالیں۔ پھر یہ دن ان کے لئے ہمیشہ کے واسطے جب تک کہ تورات پر عمل ہو عید کا دن قرار پایا پھر جب تورات منسوخ ہو جائے تو اس کی شریعت بھی باطل ہو جاتی ہے اور اب بے شک تورات منسوخ ہو چکی ہے۔

اور اہل کتاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس رات میں قبطیوں کی تمام کنواریوں اور ان کے جانوروں کی تمام کنواریوں کو ہلاک فرما دیا تھا تاکہ یہ ان سے مشغول رہیں اور پھر بنی اسرائیل نصف نہار کے وقت نکلے اور اہل مصر بچیوں کو دفن کرنے والوں کی ذلت پر نوحہ خوانی کر رہے تھے اور کوئی گھر نہ بچا تھا جس میں سے رونے کی آواز نہ آ رہی ہو اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ آپ نکل جائیں تو سب تیزی سے نکلے اور اتنی جلدی کی کہ جو گندھا ہوا آٹا تھا ویسے ہی ساتھ لے لیا اور ٹھہرے نہیں اور روٹی بھی نہ کھائی۔ بچا کھچا شیرہ وغیرہ تھیلوں میں باندھ کر کندھوں پر ڈال لیا اور پہلے قبطیوں سے بہت سا زیورات و جواہر

---

(۱) اعراف ۱۳۷، ۱۳۸۔ (۲) الشعراء ۵۹۔ (۳) قصص ۵۔

عاریت لے رکھے تھے اور یہ چوپائے تھے اور بچے اور عورتیں وغیرہ بھی تھیں اور اسی طرح بہت سارے مویشی جانور بھی تھے اور بنی اسرائیل کی مدت اقامت مصر میں چار سو تیس سال تھی اور یہی ان کی کتاب میں مرقوم ہے اور اس سال کا نام ان کے ہاں (فسح) رکھا جاتا ہے یعنی فصح کا اور اس عید کا نام بھی فسح رکھا جاتا ہے اور ان کے لئے ایک عید الفطیر ہوتی تھی اور ایک عید الحمل ہوتی تھی اور یہ شروع سال میں ہوتی تھی اسی طرح کل تین عیدیں ہو گئیں اور یہ ان کی کتاب میں موجود ہیں اور ان کی عیدوں میں سے سب سے بڑی اور اہم یہی تین عیدیں تھیں۔ اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو اپنے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی لے چلے اور وہاں سے کوچ کرنے کے لئے "بحر سوف" کا راستہ بنایا اور جب یہ بنی اسرائیل دن کو چلتے تھے تو بادل سامنے ان کے ساتھ ساتھ سایہ کئے رہتے تھے اور ان سے نور کی لکیریں نکل کر ان پر پڑتی تھیں اور رات کے وقت ان کے آگے آگ کے ستون ہوتے تھے تاکہ سیدھی راہ پر چلتے رہیں یہاں تک کہ ساحل سمندر پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر پیچھے آکر فرعون اور اس کے مصری فوجیوں نے ان کا پیچھا کیا اور بنی اسرائیل بھی سمندر کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے تو تب بہت سے بنی اسرائیل کو انتہائی خوف اور افسوس لاحق ہوا حتیٰ کہ کسی نے کہا ہمارا مصر میں ہی رہنا زیادہ بہتر تھا اس جنگل کی موت سے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا خوف نہ کرو اس لئے کہ آج کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکو گے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ سمندر پر اپنی لاٹھی ماریں اور اس کو تقسیم کر دیں تاکہ بنی اسرائیل سمندر اور خشکی میں داخل ہوں اور پھر پانی ادھر ادھر ایسے ہو گیا جیسے کہ دو بڑے پہاڑ ہیں اور درمیانی جگہ خشک ہو گئی کیونکہ اللہ نے اس پر جنوبی ہوا اور باد سموم مسلط فرما دی تھی اور اسی طرح بنی اسرائیل خیر و عافیت سمندر پار ہو گئے اور ان کے بعد فرعون مع اپنے لشکروں کے پیچھے آیا اور جب یہ سب سمندر کے وسط میں پہنچ گئے تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری اور پانی ویسے ہی سیلاب کی طرح امنڈ پڑا جیسے پہلے بہہ رہا تھا اور اہل کتاب کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کے وقت ہوا تھا اور سمندر ان پر صبح کے وقت تک ٹھہرا ہوا تھا لیکن یہ آخری بات ان کی محض غلطی ہے واللہ اعلم۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے یہ تسبیح پڑھی۔

نسبح الرب البهي، الذي قهر الجنود، ونبذ فرسانها في البحر المنيع المحمود

ہم تسبیح کرتے ہیں اس پروردگار کی جو انتہائی حسن و جمال والا ہے جس نے لشکروں کو برباد کیا اور ان کے لشکروں کو سمندر کی طغیانی موجوں کے حوالے کیا اور اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ بہت تعریف کے لائق ہے۔

اور یہ تسبیح بہت لمبی ہے

اور اہل کتاب کہتے ہیں اس موقع پر حضرت ہارون علیہ السلام کی ہمشیرہ جس کا نام مریم نبیہ تھا اس نے اپنے ہاتھ میں دف لیا اور پھر ان کی اتباع میں بنی اسرائیل کی دوسری عورتیں بھی دف اور طبلے لے کر نکلیں اور حضرت مریم یہ گا گا کر پڑھ رہی تھیں۔

سبحان الرب القهار الذي قهر الخيول وركبانها القاها في البحر

پاک ہے وہ ذات جو پروردگار ہے غلبہ والا ہے جس نے گھوڑوں کو برباد کیا اور ان کے سواروں کو سمندر میں جا ڈبو دیا۔

(ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے بھی اسی طرح ان کی کتابوں میں دیکھا ہے اور شاید یہی وہ باتیں ہیں جنہوں نے محمد بن کعب قرظی کو یہ فرمانے پر مجبور کیا کہ مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ وہی مریم ہیں جو حضرت ہارون اور موسیٰ کی بہن ہیں اور یہ ان کا قول اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے یا اخت ھارون اور اسی بنا پر ہم نے حضرت محمد بن کعب کی غلطی کو بیان کر دیا ہے کہ کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں اور اس قول کا قائل اور کوئی بھی نہیں بلکہ تمام مفسرین نے ان کی مخالفت فرمائی ہے اور اگر یہ بنی اسرائیل کی ذکر کردہ روایت کو درست تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی مطلب ہوگا کہ یہ مریم بنت عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی بہن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران دونوں مریم کی ہم نام ہیں اور باپ اور بھائی کے نام میں بھی شریک ہیں لہٰذا اگر کسی وجہ سے دو مریم کہا جائے تو محمد بن کعب کے مطابق دونوں ایک ہو جائیں گی اور اس پر ایک حدیث سے دلالت بھی ملتی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ سے اہل نجران نے اللہ کے قول یا اخت ھارون کے متعلق دریافت کیا تو ان کو

جہالت تھی؟ پھر انہوں نے حضور سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کیا آپ کو پتہ نہیں کہ وہ لوگ اپنے انبیاء کے نام پر نام رکھتے تھے

امام مسلم نے اسی کو روایت فرمایا:

اور پہلے جو "نبیہ مریم" نام آیا اس میں نبیہ سے مراد ہے جیسے "ملک" بادشاہ کی بیوی کو ملکہ کہا جاتا ہے اور امیر کی بیوی کو امیرہ کہا جاتا ہے یہ اسی طرح ہے کہ ان کو بھی نبیہ کہہ دیا گیا ورنہ وہ حقیقت میں نبیہ نہیں تھیں۔

اور ان کا دف بجانا اور ڈھول وغیرہ بجانا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے عیدین اور خوشیوں کے مواقع میں یہ بجانا مشروع تھا اور ہمارے یہاں بھی عورتوں کیلئے صرف دف بجانے کی اجازت ہے شادی وغیرہ کے موقع پر اس کی دلیل ہے کہ دو لڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایام منیٰ میں دف بجا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ ان کی طرف اپنی پشت مبارک کئے ہوئے دیوار کی طرف لیٹے ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ دیوار کی طرف تھا تو پھر حضرت ابوبکر داخل ہوئے اور یہ صاحب ڈانٹنے لگے اور فرمایا کیا شیطان کا باجہ رسول کے گھر میں؟ تو حضور نے فرمایا چھوڑو ان کو اے ابوبکر ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اور ہماری شادی اور کسی خوشی کے ہونے پر بھی اسی طرح خوشی کی وجہ سے اجازت ہے جیسے کہ یہ مقام پر اس کی خوب وضاحت کی گئی ہے واللہ اعلم۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ سمندر پار ہو کر ملک شام کی نیت سے چلے تو تین دن تک ان کو پانی میسر نہ آیا اس کے متعلق انہوں میں بدسلوکی کی باتیں شروع ہو گئیں تو پھر انہوں نے کڑوا پانی پایا جس کے پینے کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے تو پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تو آپ نے ایک لکڑی لی اور وہ پانی میں رکھ دی جس سے پانی میٹھا ہو گیا اور پینے کے لائق ہو گیا اور اس مقام پر اللہ نے ان کو بعض احکام اور سنن سے روشناس کرایا اور بہت سی ان کے متعلق نصیحتیں کیں۔

اور اللہ عزوجل اپنی کتاب مبین میں جو اہل کتاب کے بیان کے خلاف دوسری کتب کے اس میں اللہ نے فرمایا ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کر دیا پھر وہ ایک قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں پر جمی بیٹھی تھی تو کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں تو حضرت (موسیٰ نے) کہا تم جاہل قوم ہو یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں باطل ہے)۔ (۱)

فرمایا کہ یہ باتیں جہالت و گمراہی کی ہیں کیونکہ پہلے یہ اللہ کی نشانیاں اور اس کی قدرت کا خود مشاہدہ کر چکے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی سچائی پر خوب دلالت کرتی ہیں اور اب یہ بتوں کی پجاری قوم کے پاس سے گزرے ہیں جو ان کی اعتکافاً عبادت کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بت گائے کی صورت پر تھے تو بنی اسرائیل نے ان پجاریوں سے پوچھا کہ تم کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ان کو نفع نقصان دیتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان سے رزق طلب کرتے ہیں تو پھر بعض بنی اسرائیلی جو جاہل تھے انہوں نے ان کی تصدیق کر دی پھر انہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ کلیم سے خواہش ظاہر کی کہ ان جیسے معبود ہمارے لئے بھی مقرر کیے جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جاہل اور بے وقوف خیال کرتے ہوئے فرمایا (یہ سب جس میں مشغول ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے)۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اللہ کے انعامات جتلاتے کہ اس نے تم کو جہان والوں پر فضیلت دی کہ تم کو شریعت والے نبی اور رسول تمہارے درمیان موجود ہے اور اس نے تم پر کس کس قدر راحت کے لئے تمہاری قوم کو ظالم فرعون کے قبضے سے نجات دلوائی اور تمہارے دیکھتے دیکھتے ان کو جو ہوا اور جو کچھ فرعونیوں نے جمع کیا تھا اس کا تم کو وارث بنایا۔ پھر اللہ نے تمہارے لئے واضح کیا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے کیونکہ وہی خالق رازق اور غلبہ دینے والا ہے اور تم پھر اس کے سوا کسی پر عمل کرنا چاہتے ہو؟

اور یہ سوال اور خواہش چند بنی اسرائیل کی تھی نہ کہ سب کی کیونکہ آیت میں جو ہے قالوا یا موسی اجعل لنا الها كما لهم آلهة اس میں "قالوا" میں ضمیر جنس کی طرف راجع ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت ہے۔

---

(۱) الاعراف ۱۳۸، ۱۳۹

بل زعمتم الن نجعل لکم موعدا
بلکہ تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے کوئی وعدہ کا وقت نہیں بنایا۔ (۱)
تو یہاں بھی سب کا یہ گمان و خیال نہیں ہے بلکہ کافروں کا ہے۔

اور مسند احمد میں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین کی طرف نکلے تو ہم بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بیٹھنے اور ہتھیار لٹکانے کی جگہ ہے اسی طرح ہمارے لئے بھی بنا دیجئے؟ کیونکہ کفار اپنے اسلحے بیری کے درخت پر لٹکا کر اس کے گرد بیٹھا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اللہ اکبر یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا ہمارے لئے کوئی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں بے شک تم پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔ (۲)

(۳) اور ابن جریر میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں ہے کہ ابو واقد لیثی سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے اور کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور اپنا اسلحہ وغیرہ بھی اس پر لٹکاتے تھے اور اس کو گھومنے کی جگہ کہا جاتا تھا تو ہم بھی ایک انتہائی سرسبز بیری کے بڑے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی لٹکانے کی جگہ بنا دیجئے جیسی ان کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نے اسی طرح کہا ہے جیسے موسیٰ کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لئے معبود بنا دیجئے جیسے ان کے لئے ہیں پھر آپ نے پوری آیت تلاوت فرمائی۔

بیت المقدس کو کوچ

جب حضرت موسیٰ مصر سے نکلے تو بیت المقدس میں موجود قوموں سے بیت المقدس چھڑانے کا حکم ملا اور یہ بھی قوم جبارین اور قوم حیثارین اور قوم سبقا کنعانی اور قوم کنعانین تھیں یہ ساری قوم سے اللہ نے جہاد بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا اور بیت المقدس کا وعدہ ابراہیم خلیل علیہ السلام اور موسیٰ کلیم علیہ السلام کے ذریعہ کیا تھا لیکن بنی اسرائیل نے لڑنے سے منع کر دیا تو اللہ نے ان کو میدان تیہ میں قید کر دیا چالیس سال اسی میں بھٹکتے رہے اور اللہ نے ان پر خوف اٹھایا غضب حیرت و ذلت کو مسلط کر دیا جیسے فرمان الٰہی ہے۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم پر خدا نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ تو بھائیو! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے۔ جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی عنایت تھی۔ کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو۔ وہ بولے کہ موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ موسیٰ نے (خدا سے) التجا کی کہ اے پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں

---

(۱) وقد قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن الزہری عن سنان بن ابی سنان الدیلی عن ابی واقد اللیثی، قال

(۲) ورواہ النسائی عن محمد بن رافع عن عبد الرزاق بہ ورواہ الترمذی عن سعید بن عبدالرحمن المخزومی عن سفیان بن عیینہ، عن الزہری، بہ ثم قال حسن صحیح

(۳) وقد روی ابن جریر من حدیث محمد بن اسحاق و معمر و عقیل عن الزہری عن سنان بن ابی سنان عن ابی واقد اللیثی

رکھتا تو تم میں اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی کر دے۔ خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس کے لئے حرام کر دیا گیا کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر۔(۱)

جس طرح کا انتظام پیغمبران پر اللہ کے احسانات کو جتلا رہا ہے کہ جیسا اس نے تم پر دینی و دنیوی نعمتوں کی بارش کی اور اب اس نے تم کو اپنے راستے میں اپنے دشمنوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ پس فرمایا اے قوم! ارض مقدس (زمین مقدس) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور تم پیٹھ کے بل نہ پھرو۔

یعنی اپنی ایڑیوں کے بل واپس نہ لوٹو ورنہ تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعنی فتح کے بعد محروم اور کامیابی کے بعد نقصان میں پڑ جاؤ گے تو وہ کہنے لگے اے موسیٰ! وہاں تو جبار قوم ہے یعنی انتہائی سخت سرکش اور کافر لوگ اور ہم تو ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ نکل نہ جائیں اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے یعنی اس طرح یہ ان سرکشوں سے خوفزدہ ہو گئے حالانکہ پہلے فرعون و قبطیوں کی ہلاکت کو خوب دیکھ چکے تھے جو ان سے بہت سخت اور بہت مال و دولت اور لشکروں والا تھا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بات میں ملامت زدہ تھے اور اپنی انتہائی بزدلی کی وجہ سے حالت خیال کرتے تھے کہ دشمنوں سے مقابلہ میں بزدل ہو گئے اور بدبختوں سرکشوں سے مقابلہ نہ کر سکے۔

اور اس مقام پر مفسرین نے بہت سی خرافات لکھی ہیں جو باطل ہیں اور عقل و نقل کے خلاف ہیں جیسے کہ یہ قوم جبارین بڑے بہت ناک جسموں اور شکلوں والی قوم تھی یہاں تک کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول کے قاصدین ان کے علاقے میں گئے تو ان کو ایک جبار جس کا نام عوج تھا اس نے ان کو ایک ایک کر کے اٹھایا اور اپنی آستین کی جیب میں ڈال لیا اور کھیتی کے کنارے میں رکھ دیا اور یہ بارہ آدمی تھے وہ اپنے جبار بادشاہ کے پاس جا کر ان کو اپنے کپڑے سے جھاڑ دیا اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو کہنے لگے بنی آدم ہیں۔

تو یہ سب خرافات اور افواہیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اور پھر ذکر کرتے ہیں کہ بادشاہ نے انگوروں کا گچھا بھیجا جس میں سے ہر ایک انگور ایک آدمی کے لئے بہت تھا اور یہ اس لئے بھیجا تا کہ بنی اسرائیل کو ان کے قد و قامت اور ان کی اشیاء کی جسامت کا پتہ چل جائے اور یہ بھی باطل غلط ہے اور پھر ذکر کیا گیا کہ ایک شخص عوج بن عنق تھا اور بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کے لئے آیا اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ہاتھ چھ انچ اور تین ہاتھ تھا اور علامہ بغوی نے بھی یہی ذکر کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے اور ہم اس کی تفصیل ذکر کر آئے ہیں حضور کے اس فرمان کے تحت کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو ساٹھ ہاتھ لمبا پیدا فرمایا تھا پھر مخلوق مسلسل کمی کی طرف رہی پھر عوج کے متعلق آگے لکھتے ہیں کہ عوج نے ایک پہاڑ کی چوٹی ساری چٹان کو اکھاڑا اور اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چل پڑا تاکہ بنی اسرائیل کے لشکروں پر پھینک کر ان سب کو نیست و نابود کر دے پھر ایک پرندہ آیا اور اس نے اوپر سے پتھر میں سوراخ کرنا شروع کر دیا اور چونچ سے اتنا سوراخ کر دیا کہ وہ عوج کی گردن میں طوق بن کر پڑ گیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کے ارادے سے بڑھے اور آپ کا قد دس ہاتھ تھا اور آپ نے دس ہاتھ لمبی چھلانگ لگائی اور دس ہاتھ لمبا آپ کا عصا تھا اس طرح تیس ہاتھ اونچائی پر پہنچ کر آپ کی ضرب عوج کے ٹخنے پر پہنچی اور اس کو قتل کر دیا۔

اور یہ روایت نوف بکالی سے مروی ہے اور ابن جریر نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں بہت نظر ہے پھر جو کچھ بھی ہو سب اسرائیلی روایت ہے اور یہ بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں، تمام ان کے ہاں بہت سی بگڑی ہوئی تھیں اور ان کو حق و باطل کی تمیز بھی نہیں پھر اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو بنی اسرائیل کا جنگ سے معذرت کرنا درست بن جاتا ہے کیونکہ وہ کیسے ان جیسے ہیکل جسموں سے لڑ سکتے تھے حالانکہ اللہ نے ان کی لڑائی نہ کرنے پر مذمت فرمائی ہے اور ان کو سزا میں چالیس سال میدان تیہ میں چکر کٹوائے ہیں کیونکہ انہوں نے رسول کی مخالفت کرتے ہوئے جہاد کو ترک کیا اور اس موقع پر حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا نے لڑائی کے لئے آگے بڑھنے کی دعوت بھی دی اور ان کو پیچھے ہٹنے سے منع کیا ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطیہ، سدی، ربیع بن انس وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

آیت مبارکہ شدہ (دو لوگ بولے) تھے خوف رکھنے والوں میں سے دو آدمی بولے جن پر اللہ نے انعام کیا تھا) تو بھی مفسرین کی ان سے یہی مراد ہیں اور آیت میں یخافون کو یُخافون

---

(۱) المائدہ: ۲۶

بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب ہوا کہ وہ لوگ جو ڈرائے گئے یعنی ہیبت زدہ کر دیئے گئے۔ ان میں سے ان دو آدمیوں نے نصیحت کی اور (اللہ نے ان دونوں پر انعام کیا) اسلام اور ایمان اور فرمانبرداری و بہادری کے ساتھ۔ تو ان دو شخصوں نے فرمایا (ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کرو، جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے۔ اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو؟)

یعنی جب تم نے اس کی ذات پر بھروسہ کر لیا اور اس سے مدد مانگ لی اور تم نے اس کی طرف التجا کر لی تو وہ تمہارے دشمنوں پر مدد فرمائے گا اور تمہیں ان پر تقویت دے گا اور تم کو فتح یاب فرمائے گا تو بنی اسرائیل ان کے جواب میں حضرت موسیٰ کو (کہنے لگے اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضروری ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔

اس طرح ان کے امراء اور سردار حضرات جہاد سے پیٹھ پھیر کر بیٹھ گئے اور ان میں عجیب اور سخت بزدلی کی فضا قائم ہو گئی کہا جاتا ہے کہ جب یوشع ابن نون اور کالب بن یوقنا نے ان کی یہ سخت بات سنی تو انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ لیے اور حضرت موسیٰ و ہارون اس بات کی گستاخی کو عظیم سمجھتے ہوئے خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور خدا کے غضب سے ڈرتے ہوئے اور سخت خوف زدہ ہو کر کہ کہیں ان کی بدزبانی کی بنا پر کوئی عذاب نہ ان کو آ پکڑے اور حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

اور کہا کہ پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے خدا نے فرمایا وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو)

اس طرح سرکشی کی بدولت ان کو زمین میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی گئی ہے کہ بے مقصد چلتے رہے ہیں دن کی رات کی ہیں صبح بھی شام بھی اور کوئی نکل نہ سکا۔ کہا گیا ہے کہ ان میں سے جو بھی داخل ہوا تھا کوئی بھی یہاں سے نہ نکل سکا۔ بلکہ چالیس سال کی مدت میں سب مر کھپ گئے اور ان کی اولاد باقی رہ گئی اور وہاں یوشع بن نون اور کالب علیہما السلام ہی باقی رہ گئے۔

یہ تو اصحاب بنی اسرائیل کا حال تھا مگر قربان جائیے اصحاب محمد ﷺ پر کہ انہوں نے بدر کے دن یوں نہ کہا جیسے کہ قوم نے کہا تھا بلکہ جب حضور ﷺ نے ان سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اور زبردست جواب دیا اور اسی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی سرفروشانہ گفتگو کی۔

پھر حضور بار بار فرمانے لگے مجھے مشورہ دو مجھے مشورہ دو تو حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر آپ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا فرمائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا اور ہمیں کوئی ناپسند نہیں ہے کہ ہم کل اپنے دشمنوں سے بھڑ جائیں۔ ہم جنگ میں صابر ہیں اور ملاقات میں سچے ہیں تو امید ہے کہ شاید اللہ ہم سے وہ کام آپ کو دکھائے جو آپ کو خوش کر دیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں پس اللہ کی برکت کے ساتھ آپ ہمیں لے چلیں۔

تو رسول اکرم ﷺ حضرت سعد کی گفتگو سے انتہائی خوش ہو گئے اور حضرت سعد کی گفتگو نے آپ کو ہشاش بشاش فرما دیا۔

[1] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر والے دن حضور کو عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم آپ کو وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو کہا تھا کہ (تم اور تیرا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ
آپ چلیے رب کے ساتھ ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر خوب جہاد کریں گے

اور اس حدیث کی اسناد عمدہ ہیں اور اس کے دوسرے طرق بھی ہیں۔

[2] اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مقداد رضی اللہ عنہ سے ایک چیز دیکھی کہ کاش ان کی جگہ میں ہوتا

---

(۱) قال الامام احمد حدثنا وکیع، حدثنا سفیان، عن مخارق بن عبداللہ الاحمسی، عن طارق ان المقداد قال

(۲) قال احمد حدثنا اسود بن عامر، حدثنا اسرائیل، عن مخارق، عن طارق بن شہاب، قال قال عبداللہ بن مسعود

بہت پسند کرتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ مشرکین کے خلاف بددعا فرما رہے تھے تو حضرت مقداد نے عرض کیا۔

اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم لڑیں گے آپ کے دائیں سے آپ کے بائیں سے آپ کے سامنے سے آپ کے پیچھے سے (غرض ہر طرح سے ہر طرف لڑیں گے) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں پھر میں نے حضور کے چہرے کو دیکھا کہ اس بات کی وجہ سے آپ کا چہرہ چمک رہا ہے اور آپ انتہائی خوش ہیں۔ (۱)

(۲) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب میدان بدر کی طرف چلے تو آپ نے مسلمانوں سے (جنگ کرنے کے متعلق) مشورہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار (کے سرداروں) نے کہا اے انصار کی جماعت! رسول اللہ ﷺ کی تمہاری طرف اشارہ ہے تو ہم انصار بولے اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا (آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ برک غماد (دور دراز جگہ) بھی جائیں گے تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ (۳)

بنی اسرائیل کا میدان تیہ میں داخل ہونا اور وہاں عجائبات کا پیش آنا

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل نے جبارین سے قتال کرنے سے گریز کیا تھا اور اس پر اللہ نے ان کو میدان تیہ میں بھٹکتے رہنے کی سزا دی اور یہ فیصلہ فرما دیا کہ یہ لوگ چالیس سال تک اس میدان سے نہ نکل سکیں گے۔

(ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اور میں نے اہل کتاب کی کتب میں نہیں دیکھا کہ بنی اسرائیل نے جبارین کے ساتھ قتال کرنے سے منع کیا ہو۔ لیکن یہ ہے کہ یوشع بن نون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کچھ جماعت کے ساتھ) تیار کر کے کفار کی ایک قوم سے لڑنے کے لئے بھیجا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حور تینوں افراد ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے اور حضرت موسیٰ اپنے عصا کو بلند کرتے تو اللہ وہاں حضرت یوشع کو بلند فرماتے اور غلبہ عطا فرماتے اور جب بھی ہاتھ تھک جاتا کسی اور وجہ سے ہاتھ نیچے ہو جاتا تو حضرت یوشع پر دوسرے کافر غلبہ پا لیتے اسی طرح ہوتا رہا تو حضرت ہارون اور حضرت حور دونوں نے آپ کے ہاتھ کو اٹھا کر عصا سمیت دائیں بائیں پکڑے رکھا اور صبح سے غروب شمس تک یوں ہوتا رہا بالآخر حضرت یوشع غالب ہو گئے۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی قصہ مروی ہے کہ مدین شہر کا کاہن یثرون تھا جو حضرت موسیٰ کا سسر بھی تھا اس کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے پر فتح حاصل ہوئی اور ایسے ایسے معجزات ظاہر ہوئے تو وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا اور اس کے ساتھ اس کی دختر نیک صفورا نامی خاتون بھی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھی اور ساتھ میں ان کے دو بیٹے جرشون اور عازر بھی تھے یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے حضرت موسیٰ نے ان کا اکرام کیا پھر اس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں نے بھی اس کی تعظیم کی اور

---

(۱) رواہ البخاری فی التفسیر والمغازی من طرق عن مخارق بہ

(۲) قال الحافظ ابوبکر بن مردویہ حدثنا علی بن الحسین بن علی، حدثنا ابو حاتم الرازی، حدثنا محمد بن عبد اللہ الانصاری حدثنا حمید عن انس بہ

(۳) رواہ الامام احمد عن عبیدہ بن حمید الطویل عن انس بہ ورواہ النسائی عن محمد بن المثنی عن خالد بن الحارث عن حمید عن انس بہ نحوہ، ورواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی یعلی عن عبد الاعلی عن معتمر عن حمید عن انس بہ نحوہ

ان کا یہ مشورہ تسلیم کیا۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ یثرون نے دیکھا کہ جھگڑوں کے نمٹانے کے وقت بنی اسرائیل سب کے سب حضرت موسیٰ کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں اور تمام فیصلے حضرت موسیٰ علیہ السلام خود ہی نمٹاتے ہیں تو یثرون نے حضرت موسیٰ کو مشورہ دیا کہ آپ ایسے افراد منتخب کریں جو امانت دار اور متقی ہوں، پاکدامن ہوں، رشوت اور خیانت سے نفرت کرتے ہوں پھر ان کو ہزاروں پر سردار بنا دیں اور پھر ہزاروں میں سے سو سو پر سردار بنا دیں پھر پچاس پچاس پر سردار بنا دیں پھر دس دس پر سردار بنا دیں اور یہ سردار ہی لوگوں کے فیصلے نمٹائیں اور جب کوئی معاملہ ان پر مشکل ہو جائے تب یہ آپ سے رجوع کریں تو پھر آپ فیصلہ فرما دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی رائے پسند آئی اور اس پر عمل فرما دیا۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو تیسرے مہینے میں جبل سینا کے قریب پہنچے اور جو مہینہ ان کے لئے سن کی ابتدا قرار دیا گیا تھا اس مہینے میں وہ نکلے تھے اور وہ موسم بہار کا پہلا مہینہ تھا تو اس حساب سے گویا کہ بنی اسرائیل رمضان کے ابتدائی دنوں میں میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل طور سینا کے گرد و پیش اترے تھے اور موسیٰ پہاڑ پر چڑھے تھے پھر ان کے رب نے ان سے کلام کیا ہے۔ اور موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اپنے رب کے احسانات کا تذکرہ کریں کہ تم کیسی اذیت و کرب میں مبتلا تھے فرعون کی وجہ سے پھر اللہ نے تم کو اس سے نجات عطا فرمائی اور ان کو اس کے عذاب و خوف سے بالکل ہی خلاصی عطا فرما کر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔

اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم کریں کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں اور غسل کریں اور اپنے کپڑوں کو دھو لیں اور تیسرے دن کے لئے تیار ہو جائیں اور جب تیسرا روز آ جائے تو سب کے سب جبل سینا کے گرد اکٹھے ہو جائیں لیکن پہاڑ کے بالکل قریب کوئی نہ آئے اور جو شخص قریب ہوا وہ قتل کر دیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی جانور بھی اس کے قریب نہ آئے۔ یہ حکم جب تک جاری رہے گا جب تک کہ نرسنگے میں سے آواز آتی رہے (پہلے بانسری کی طرح پھونک کر بجایا جاتا تھا) پھر جب آواز موقوف ہو جائے پھر تمہارے لئے پہاڑ پر چڑھنا بھی حلال ہو جائے گا چنانچہ بنی اسرائیل نے ایسا کیا فرمانبرداری کی اور غسل کیا نظافت حاصل کی اور خوشبو وغیرہ لگائی۔

پھر جب تیسرا روز آیا تو پہاڑ کو عظیم گہرے بادلوں نے ڈھک لیا اور اس کے بیچوں بیچ سے نور کا ستون ظاہر ہوا اور وہاں بجلی کی چمک تھی اور بادلوں میں مختلف آوازیں اور بجلی کی گرج اور صور پھونکنے کی سخت آواز کا شور ہوا جس سے بنی اسرائیل سخت خوفزدہ ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے اور پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد پہاڑ کو دھوئیں نے گھیر لیا اور انہوں نے اپنے بیچ میں لے لیا اور پہاڑ خود بھی انتہائی سخت زلزلے کی زد میں آ گیا اور ہلنے لگا۔ اور موسیٰ پہاڑ پر تشریف لائے تھے اور اللہ عزوجل ان سے راز و نیاز فرما رہے تھے اور شرف ہمکلامی سے مشرف فرما کر کلیم اللہ کا لقب عطا فرما رہے تھے۔ پھر جب راز و نیاز ختم ہوئی تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ نیچے اتریں اور بنی اسرائیل کو حکم کریں کہ سب پہاڑ کے قریب ہو جائیں۔ یہ قرب اللہ کی نعمت تھی۔ اور ان میں سے جو احبار یعنی علماء تھے ان کو حکم ہوا کہ پہاڑ پر چڑھ جائیں تا کہ قریب میں کھڑے ہو جائیں۔

لیکن ان کی کتاب کے موجب یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

کیونکہ پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار وہ پہاڑ پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور تو نے ان کو اس سے منع کر دیا ہے پھر اللہ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اور اپنے بھائی ہارون کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

اور دوسرے کاہن علماء اور بنی اسرائیل کے دوسرے گروہ دور رہیں۔ پہاڑ کے قریب نہ جائیں تو حضرت موسیٰ نے حکم کی بجا آوری فرمائی۔

اور اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور دس باتوں کی نصیحت فرمائی اور اہل کتاب کے ہاں ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے کلام کو سنا لیکن سمجھ نہ سکے پھر حضرت موسیٰ نے ان کو سمجھایا۔ حضرت موسیٰ سے بنی اسرائیل کے لوگ کہنے لگے۔ ہم کو تو آپ ہی سے یقین ہو گیا کہ آپ پروردگار عزوجل کی طرف سے مخبر ہیں۔ پس ہم خوف کرتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دس باتیں پہنچائیں جو یہ ہیں۔

(۱)...... اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنا۔

(۲)...... خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے بچنا۔

(۳)...... شنبہ (ہفتہ) کے دن کی حفاظت کرنا یعنی پورے ہفتہ میں عبادت کے لئے یہ ایک دن خاص رکھنا اور اس میں کام کاج سے چھٹی کرنا اور عبادت کرنا، اور یہ چیز اب جمعے کے دن حاصل ہے اور جمعے کے دن کی وجہ سے ہفتہ کا دن منسوخ کر دیا گیا۔

(۴)...... اپنے والدین کا اکرام کرنا تاکہ تیری عمر زمین میں زیادہ کر دی جائے۔

(۵)...... جو تجھ سے پہلے ہوا اور جو تیرا ایسا ہو اس کو قتل نہ کر۔

(۶)...... زنا نہ کر۔

(۷)...... چوری نہ کر۔

(۸)...... اپنے ساتھی پر جھوٹی گواہی نہ دے۔

(۹)...... اپنے ساتھی کے گھر کی طرف نگاہ مت اٹھا۔

(۱۰)...... اپنے ساتھی کی بیوی کی طرف مت التفات کر، اور نہ اس کے غلام، باندی، اس کے کسی جانور بیل یا گدھے کی طرف خواہش مت کر، الغرض اپنے ساتھی کی چیز پر حرص مت کر۔

اور اکثر علماء سلف وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ان دس کلمات کا زیادہ تر مضمون قرآن کی ان دو آیتوں میں آگیا ہے:

ترجمہ: ...... کہو کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بےحیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کی طرف نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور خدا کے عہد کو پورا کرو ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔[1]

اور ان نصائح کے بعد بھی بہت سی وصیتیں اور متفرق احکامات نازل ہوتے رہے جو مجموعہ وصایا ہے پھر نازل ہو گئے اور ایک زمانے تک ان پر عمل ہوتا رہا پھر وہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی نحوست سے چھوٹ گئے پھر انہوں نے ان کو تحریف و تغیر کیا پھر تمام ہی میں تغیر کر ڈالا پھر یہ خدا کی طرف سے بھی ایک زمانے تک رائج و مشروع رہنے کے بعد منسوخ و تحریف ہو گئے۔

یعنی اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی وہ جو چاہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرمائے کر گزرتا ہے اسی کی ساری مخلوق ہے اسی کا ہر چیز پر حکم ہے اللہ رب العالمین بابرکت اور بلند ہے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

(اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طور کی دائیں جانب تم سے وعدہ کیا اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا کھاؤ پاکیزہ رزق جو تم کو ہم نے دیا ہے اور اس میں سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب اتر جائے گا اور جس پر غضب اترا وہ ہلاک ہوا اور میں مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کی جو توبہ کرے اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت یاب ہوا۔)[2]

اللہ عزوجل نے اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے یعنی کہ ان کو ان کے دشمن سے نجات دی اور تنگی و پریشانی سے خلاصی دلائی اور دے دی

---

[1] الانعام: ۱۵۱ تا ۱۵۳
[2] طٰہٰ: ۸۰، ۸۲

کے ساتھ طور کی دائیں جانب میں ان سے وعدہ لیا اور بہتر دنیاوی واخروی فوائد کے متعلق ان پر احکام نازل فرمائے۔

اور سفر وحضر کی حالت میں شدت ضرورت کے موقع پر جب کھیتی باڑی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا ایسے وقت ان پر من وسلویٰ کی نعمت نازل فرمائی۔ جب صبح کرتے تو من (جو دانے ہوتے تھے) اپنے گھروں کے درمیان میں پاتے اور یا پھر ایک دن کی حاجت کے لئے اٹھا لیتے۔ جو زیادہ اٹھاتا تو خراب ہو جاتے۔

اور جو کم اکٹھا کرتا تو وہ اس کو کافی ہو جاتے، اور زیادہ ہوتے تو بچتے ہی نہیں یا خراب ہو جاتے پھر ان سے روٹی بناتے اور وہ خوب سفید میٹھی ہوتی تھی پھر شام ہوتی تو پرندے جو سلویٰ کہلاتے ان کے گرد وپیش آ جاتے تو یہ بغیر کسی مشقت کے آسانی سے ان کو پکڑ لیتے اور اپنے بقدر اکٹھا کرتے اور جب گرمیوں کا موسم ہوتا تو ان پر بادل آ جاتے جو ان کو گرمی وتپش سے بچاتے جیسے درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے آل یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ اور میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس سے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کرکے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو اور مجھی سے خوف رکھو اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو (یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کے لئے کہتے ہو اور اپنے کو فراموش کئے دیتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اور (رنج اور تکلیف میں) نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اے یعقوب کی اولاد! میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی، اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں، اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے مخلصی بخشی وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (سخت) آزمائش تھی اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو تو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے، اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا کہ موسیٰ جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو، اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لئے) من اور سلویٰ اتارتے رہے جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پیو) (مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔(۱)

جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انھوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد کرتے پھرنا اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے، انھوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا اور آخرکار ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی)

---

(۱) البقرۃ ۴۰ تا ۵۷

ان سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے یہ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھتے چلے جاتے تھے۔[1]

ان مذکورہ آیات میں احسانات باری تعالیٰ کا تفصیلی ذکر ہوا ان کے لئے من و سلویٰ جیسی نعمت آسمانی سے مہیا فرمائی جو لذیذ اور ذائقہ دار کھانا تھا اور بغیر کسی مشقت و تکلیف کے حاصل ہو جاتا تھا صبح کو من گندم کے بدلے مل جاتا اور شام کو پرندے گوشت کا کام دے جاتے اور پانی کا انتظام بھی خوب ہوا کہ حضرت موسیٰ نے بحکم الٰہی پتھر پر عصا مارا تو چشمہ پھوٹ پڑا اس سے بارہ چشمے بہے ہر فریق کا اپنا جدا چشمہ اور سب سے میٹھا صاف شفاف پانی اس سے خود بھی سیراب ہوتے اور اپنے مویشیوں کو بھی سیراب کرتے اور بقدر کفایت ذخیرہ کر لیتے اور گرمی کے وقت بادل ان پر سایہ فگن ہو جاتے۔

اور یہ خدا کی طرف سے عظیم نعمتیں تھیں اور بڑے عطیات تھے لیکن اللہ کے بندوں نے ان کا حق ادا نہ کیا، جیسا کہ حق ادا کرنا تھا اور نہ ان کا شکر ادا کیا اور نہ ان کے بدلے خدا کی عبادت کی، پھر ان نعمتوں سے تنگ دل ہو گئے اور اکتاہٹ میں پڑ گئے اور عرض کیا کہ ہمیں اس کھانے کے بدلے کچھ اور ملنا چاہئے مثلاً ککڑی ہو ترکاریاں ہوں، گندم ہو مسور کی دال ہو، پیاز ہو تو ان چیزوں کی بنی اسرائیل نے درخواست کی پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹا اور زجر و تنبیہ کی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا (بھلا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں تو کسی شہر میں اترو جو مانگتے ہو وہاں مل جائے گا)۔

یعنی جو کچھ خواہش و طلب رکھتے ہو اور ان نعمتوں کو چھوڑنا چاہتے ہو تو ان تمہاری پسند کی چیزوں سے ہر چھوٹا بڑا شہر بھرا پڑا ہے جب تم وہاں اترو گے اور اس مرتبے سے اترو گے جس کے تم حامل نہیں بلکہ خود اس کو چھوڑ رہے ہو تو یہ سب خواہش تمہاری وہاں پوری ہو جائیں گی، اور یہ دنیاوی گھٹیا ردی غذائیں تم کو دستیاب ہوں گی لیکن میں وہاں تمہاری بات کا جواب نہ دوں گا اور نہ تم کو وہاں تمہاری خواہشات تک پہنچاؤں گا۔

اور یہ مذکورہ صفات دلالت کرتی ہیں کہ یہ لوگ ممنوع چیزوں سے باز نہ آنے والے تھے اور اس کے متعلق فرمان باری ان کو پہلے مل بھی چکا تھا کہ۔

اور تم اس (کھانے کی چیز) میں سرکشی نہ کرنا ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا وہ ہلاک ہوا)۔

یعنی ان کے لئے جبار بادشاہ کا غضب اتر گیا اور ہلاکت و تباہی کا مستحق ہوا۔

لیکن ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے اس سخت وعید کو امید و مغفرت کے ساتھ ملا دیا لیکن اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہو کر ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہو اور پھر ہدایت کی راہ چلنے لگ جیسے آگے ہی فرمایا۔

اور میں بہت مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو توبہ تائب ہو اور ایمان لایا اور عمل صالح کئے پھر ہدایت کی راہ چلا)۔

چلہ کشی اور دیدار الٰہی کی درخواست

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو ان کی اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا، اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار بھی دیکھوں، پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے جب ان کے پروردگار کی تجلی پہاڑ پر نمودار ہوئی تو (تجلی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے

---

[1] بقرہ ۶۰، ۶۱

ہیں ان میں سب سے اول ہوں، (خدا نے) فرمایا (موسیٰ) میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجالاؤ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں) بہت بہترین پکڑے رہیں، میں عنقریب تمہیں نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا، جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنالیں، یہ اس لئے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہ جیسے عمل کرتے ہیں ان کو ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

بزرگوں کی ایک جماعت جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مسروق اور مجاہد ہیں فرماتے ہیں کہ تیس راتیں، وہ مکمل ذوالقعدہ کا مہینہ تھا، اور ذوالحجہ کے دس دن کے ساتھ پورے چالیس دن ہو گئے تو اس حساب سے اللہ کا کلام ان پر عیدالاضحیٰ کو اترا اور اسی کے مثل برکت والے دن میں ہی اللہ نے محمد ﷺ پر بھی اکمال دین مکمل کیا اور اپنی حجت و براہین سے اس کو مضبوط کیا، مقصود یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے وقت مقرر، پورا کر لیا اور آپ اس میں روزہ دار بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس پورے عرصے میں کوئی کھانا نہ چکھا تھا پھر جب مہینہ پورا ہوا تو ایک درخت کی مسواک اپنے منہ میں کی تا کہ اس عرصے میں جو منہ کے اندر ایک خاص بو پیدا ہوئی ہے وہ ختم ہو اور منہ خوشبودار ہو جائے، پھر اللہ نے حکم کیا کہ اب دس دن اور ٹھہرے رہو (اور روزہ رکھو) اور اس بو کو دوبارہ پیدا کرو جو تم نے ختم کر دی ہے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت پسند ہے (اسی وجہ سے حدیث میں ہے (بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے)

پھر جب آپ نے جانے کا پختہ عزم فرمایا تو بنی اسرائیل کی تمام جماعتوں پر اپنا خلیفہ بھائی ھارون کو مقرر کیا جو آپ کے محبوب، معظم اور بزرگ تھے اور آپ کے حقیقی بھائی یعنی ماں باپ شریک تھے اور اللہ کی دعوت پہنچانے میں آپ کے وزیر تھے تو آپ نے ان کو وصیت فرمائی اور حکم فرمایا اور یہ بات حضرت ھارون کی نبوت کے شایان شان تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ اپنے مقررہ وقت پر آ گئے اور ان کے رب نے ان سے کلام (فرمایا) یعنی اللہ نے پردوں کے پیچھے سے کلام فرمایا مگر خطاب صاف سنائی دے رہا تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا اور خوب مناجات کی تو اللہ نے ان کو اپنے قریب کیا۔ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو یہ مقام رفیع ہے اور عقل سے ماوراء ہے اور عمدہ منصب بلند رتبہ ہے پس اللہ کی رحمتیں ان پر اترتی رہیں اور اس کا سلسلہ ان پر نازل ہوتا رہے۔

تو جب اللہ نے ان کو یہ بلند رتبہ عطا فرما دیا اور انھوں نے خطاب الٰہی سن لیا تو اب شوق عشق نے اور کروٹ لی اور حضرت موسیٰؑ سے پردے اٹھا دیئے جانے کا سوال کر بیٹھے۔ فرمان الٰہی ہے:

اور وہ ذات جس کو نگاہیں اس (دنیا میں) دیکھ نہیں سکتیں جو بہت قوی ہے اس کے سامنے یہ استدعا کر بیٹھے۔

"پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا میں آپ کی طرف دیکھوں گا؟ فرمایا تو ہرگز مجھ کو نہ دیکھ سکے گا"۔ تو اللہ نے واضح فرمایا کہ اللہ عزوجل کی تجلی کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، وہ پہاڑ جو انسان سے کہیں زیادہ طاقت وقوت میں آگے ہے اور ایسا ثابت قدم اور پکا ہے جس کو کوئی چیز جنبش نہیں دے سکتی وہ بھی رحمٰن کی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتا تو اے موسیٰ علیہ السلام تم کہاں کر سکتے ہو جب یہ حکم فرمایا۔

قولہ تعالیٰ:

(اور لیکن (اے موسیٰ علیہ السلام) جبل کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا)۔

اور پہلی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا مجھے کوئی زندہ نہیں دیکھ سکتا اگر دیکھے گا تو فنا ہو جائے گا اور نہ کوئی خشک چیز دیکھ سکتی ہے اگر دیکھے گی تو وہ پانی پانی ہو جائے گی اور صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کا حجاب نور کا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے اللہ کا حجاب آگ کا ہے۔

اگر اللہ پاک اس کو اٹھادیں تو اللہ کے چہرہ اقدس کی نور کی کرنیں وہاں تک پہنچیں گی جہاں تک اللہ کی نظر جائے گی اور جس مخلوق تک نظر جائے گی سب کچھ جل جائے گا اور بھسم ہو جائے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں۔

اس کو نگاہیں نہیں ادراک کر سکتیں یعنی اللہ کا نور ایسا ہے جب وہ کسی چیز پر تجلی ڈالے یعنی اس پر ظاہر ہو تو وہ چیز اس کی تاب نہ لا کر ختم ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا:

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کیا (اے اللہ) بے شک تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں اور ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ہوں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (اور لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا) کیونکہ پہاڑ تجھ سے بڑا اور خلقت میں سخت ہے (پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی) پھر موسیٰ نے پہاڑ کی طرف دیکھا کہ وہ بھی زیارت تجلی کی طاقت نہ رکھ سکا بلکہ شدت جمال کے نظارے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام اس کی یہ حالت دیکھ کر ہی بے ہوش ہو گئے۔

اور ہم اپنی تفسیر میں امام احمد اور ترمذی کی مروی روایت ذکر کر چکے ہیں جس کو ابن جریر اور حاکم نے حماد بن سلمہ عن ثابت کے طریق سے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر نے یہ زائد کیا ہے کہ لیث حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسیٰ صعقا

اور اپنی چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر انگوٹھا رکھ کر (اس کو اٹھایا) اور فرمایا اتنی تجلی سے پہاڑ اڑ گیا۔ یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔

اور سدی عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے عظمت کی تجلی فقط چھوٹی انگلی کے پورے کے بقدر ظاہر فرمائی تھی، اس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا فرمایا یعنی مٹی مٹی ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے) اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موت واقع ہو گئی اور صحیح پہلی بات ہے کیونکہ آگے فرمان باری ہے۔

(پس جب افاقہ ہوا) یعنی صحیح ہوئے (تو کہا پاک ہے تیری ذات) یعنی بزرگی اور عظمت وجلال کی وجہ سے کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا ابد الآباد (میں آپ سے توبہ کرتا ہوں) کہ آئندہ بھی دیدار کا سوال نہ کروں گا (اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں) کہ کوئی زندہ تجھ کو نہیں دیکھ سکتا مگر وہ مر جائے گا اور کوئی خشک وسخت چیز تجھ کو نہیں دیکھ سکتی مگر وہ پانی پانی ہو جائے گی۔

(۱) اور صحیحین میں ثابت ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء میں سے کسی پر فضیلت نہ دو پس قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں سب سے پہلے افاقہ میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ تھامے کھڑے ہوں گے پس میں نہ جانوں گا کہ مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا طور پر بے ہوشی کی وجہ سے اب بچ گئے۔

اس مذکورہ حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں، اور اس کے شروع میں یہودی کا قصہ ہے کہ اس نے ایک انصاری صحابی کو کہا کہ خدا کی قسم موسیٰ (پوری) انسانیت پر فوقیت والے ہیں تو انصاری نے (حضور کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے) اس کو طمانچہ مارا اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

مجھے انبیاء میں سے کسی پر فوقیت نہ دو۔

(۲) صحیحین ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا اور اس میں یہ بھی ہے کہ مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو اور پھر پوری وہی حدیث ذکر کی ہے۔

لیکن یہ حضور کی عاجزی وانکساری اور فروتنی ہے اور انبیاء میں سے کسی کو عصبیت اور بطور غصے کے کسی کو برتری دینے سے ممانعت ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ فضیلت کسی کو کسی پر دینا اللہ کا کام ہے نہ کہ تمہارا البتہ تم اس بات کو چھوڑو کیونکہ یہ بات محض اپنی رائے وخیال سے حل نہیں

---

(۱) وفی الصحیحین من طریق عمرو بن یحیی بن عمارۃ بن ابی حسن المازنی الانصاری عن ابیہ عن ابی سعید الخدری

(۲) وفی الصحیحین من طریق الزهری عن ابی سلمة و عبدالرحمن الاعرج عن ابی هریرة

موقع محل پر موقوف ہے

بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضور نے یہ بات اپنی افضلیت کی اطلاع کے وقت سے قبل کہی تھی جب آپ کو آپ کی افضلیت بتادی گئی تو پہلا فرمان منسوخ ہو گیا۔ لیکن اس تاویل میں نظر ہے کیونکہ یہ روایت جو بخاری و مسلم کی ہے وہ ابو ہریرہ اور ابو سعید سے مروی ہے ابو ہریرہ تو خیبر کے سال مسلمان ہوئے تھے اور یہ بات حضور نے اس کے بعد فرمائی ہے بعید ہے کہ حضور کو اس کے بعد بھی اس بات کا علم نہ ہوا ہو واللہ اعلم

اس میں حقیقتاً کوئی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ افضل البشر ہیں بلکہ افضل الخلائق ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

تم بہترین امت ہو اور امت کا شرف محض حضور کے شرف کی وجہ سے ملا ہے۔

اور آپ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں اور حضور نے اپنے ساتھ مقام محمود کی خصوصیت کو فرمایا جس پر اولین و آخرین تمام رشک کریں گے۔ تمام انبیاء اور رسل بھی اس شفاعت کی طلب سے عاجز ہوں گے حتیٰ کہ اولوالعزم نوح ابراہیم موسیٰ عیسیٰ بھی اس مقام کی ذمہ داری لینے سے عاجز ہوں گے اور حضور اکرم ﷺ اس کا کشف فرمائیں گے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بچ گئے ہیں۔

یہ بے ہوشی جب طاری ہوگی جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کے لئے تجلی فرمائیں گے تو تمام اہل محشر کی یہ حالت ہوگی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے تو ان میں سب سے پہلے خاتم الانبیاء اٹھائے جائیں گے تو آپ موسیٰ علیہ السلام کو عرش الٰہی کا پایہ تھامے پائیں گے اسی پر صادق و مصدوق نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یعنی ان کی بے ہوشی ہلکی ہوئی کیونکہ پہلے دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے یا دنیا کی طور کی بے ہوشی کے بدلے میں اللہ نے ان کو بے ہوش نہیں کیا۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرف بہت بڑا ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن اس اعتبار سے مطلق افضلیت لازم نہیں آتی اسی وجہ سے حضور نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرف و افضلیت صرف اسی ایک صفت کے ساتھ بیان فرمائی کیونکہ جب یہودی نے کہا تھا کہ قسم موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت دینے والے کی تو یہ سن کر مسلمان انصاری نے اس کو منہ پر طمانچہ مارا پھر یہ واقعہ حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو اس سے یہ شک تھا کہ شاید حضرت موسیٰ کی عزت و عظمت کو کم سمجھا جا رہا ہے اس لئے حضور نے حضرت موسیٰ کی شرافت و افضلیت کا اظہار فرمایا۔

اللہ کا فرمان کہ "اے موسیٰ میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی کی وجہ سے چن لیا ہے۔"

اس کا مطلب ہے کہ آپ کے زمانے میں موجود تمام انسانوں میں سے آپ کو یہ فضیلت دی گئی پہلے اور بعد کے لوگوں کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ان سے پہلے حضرت ابراہیم ان سے افضل تھے جیسے کہ حضرت ابراہیم کے قصے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح آپ کے بعد حضور اکرم ﷺ سب سے ہی افضل و برتر تھے جیسے آپ کا شرف معراج کی رات تمام انبیاء سے بلند و بالا ہوا اسی طرح آپ ﷺ بلند و بالا شان ہیں۔

جس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ قیامت کے روز میں ایسا کھڑا ہوں گا کہ تمام مخلوق مجھ پر رشک کرے گی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔ اور فرمان الٰہی ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جو کچھ تجھے دیا ہے وہ لے لے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا یعنی رسالت اور اپنے ساتھ ہم کلامی اس میں قدر و شرف ہے جب آپ کو عطا کیا جائے اس پر شکر کیا جائے اور زیادتی کی خواہش نہ فرمائیں بلکہ اسی پر قناعت کر کے شکر بجا لائیں۔

اور فرمان الٰہی ہے اور ہم نے اس کے لئے ہر نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل تختیوں میں لکھ دی ہے۔

اور وہ تختیاں عمدہ قیمتی جواہر کی تھیں اور صحیح میں ہے کہ تورات اللہ نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس میں تمام عیوب سے بچنے کی نصیحت اور تمام امور کے متعلق حلال و حرام کی تفصیل تھی۔ اور کتاب کے متعلق فرمایا کہ اس کو قوت سے تھام لے یعنی مضبوط نیت اور سچائی کے ساتھ اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی اچھی باتوں پر عمل کریں یعنی اچھی سے اچھی باتوں پر عمل کریں اور ان کو بہترین طریقہ پر سمجھیں۔ اور عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا یعنی جو میری اطاعت سے نکل چکے ہیں اور میرے رسولوں کی مخالفت پر ڈٹ گئے ہیں اور میرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

[illegible] ہو گیا ہے۔

([illegible])

بچھڑے کو معبود بنانا اور اس کی عبادت کا قصہ

اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے۔ اس کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا۔ اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا؟ (یہ کہا) اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کیجئے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے۔ تب (موسیٰ نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (خدا نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا اور) رحمت کرے گا۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا ہوا تھا وہ ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی۔[۱]

اور اے موسیٰ تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) کیوں جلدی کی؟ کہا وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں اور اے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا

---

(۱) الاعراف ۱۴۸-۱۵۴

جواب نہیں دیتا۔ اور نہ ان کے کچھ نفع اور نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے۔ تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا (یعنی) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا۔ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔

پھر اس کو (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا۔ موسیٰ نے کہا جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ سزا ہے کہ کہتا رہے کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا۔ اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا۔ اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا اس کو دیکھ ہم اسے جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے تمہارا معبود خدا ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔(۱)

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب کے پاس چلے جانے کے بعد قوم کو پیچھے سے کیا ہوا؟ اس کے متعلق اللہ عزوجل خبر دے رہے ہیں۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے مقرر ملاقات تھی حضرت موسیٰ تو وہاں تشریف لے چلے اور مقام طور پر اپنے رب سے مناجات شروع کر دی اور حضرت موسیٰ نے اللہ عزوجل سے بہت سی اشیاء کے متعلق سوالات عرض کئے تو اللہ عزوجل نے سب کے جواب مرحمت فرمائے۔ تو پیچھے کیا ہوا؟

پیچھے بنی اسرائیل کے ایک شخص جس کو ہارون سامری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے وہ تمام سونا زیورات بنی اسرائیل سے لئے جو وہ قبطیوں سے عاریۃً مانگ لائے تھے۔ پھر ان سے ایک بچھڑا بنایا اور کسی مٹی کی ایک مٹھی اس میں ڈالی جو در اصل اس سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں پڑنے کی جگہ سے لی تھی۔ اور سامری نے جبرائیل کو اس وقت دیکھا تھا جب اللہ نے فرعون کو غرق کیا۔ بہر حال سامری نے یہ مٹی اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈال دی۔ تو وہ بھی ایسے ہی ڈکارنے لگا جیسے حقیقی بچھڑے ڈکارتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی بچھڑے کے جسم میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یعنی خون اور گوشت اور زندگی اس میں پیدا ہو گئی تھی اور یہ قول قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہوا جب اس کے پچھلے مقام سے داخل ہوتی پھر وہی اس کے منہ سے نکل جاتی تو اس سے بیل کی سی آواز نکلتی۔

بہر صورت جب اس میں سے آواز نکلنا شروع ہوئی تو بنی اسرائیل حیرانگی سے خوش ہوئے اور اس کے گرد و پیش رقص کرنے لگے۔

(پھر کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اور وہ بھول گئے ہیں)۔

یعنی موسیٰ اپنے خدا کو ہمارے پاس بھول کر چلے گئے ہیں۔ اور وہاں جا کر اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ جبکہ یہ ہمارے پاس ہے۔ اللہ پاک ان کی بے ہودہ خرافات سے بہت ہی بلند اور پاک صاف ہیں۔ اور اس کی ذات، اسماء اور تمام صفات پاکیزہ ہیں اور اس کی نعمتیں اور عطیے بے انتہاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی بکواس کو باطل قرار دیتے ہیں اور ان کے اس معبود کی نفی فرماتے ہیں جو حیوان مجسم ہے یا مردود شیطان ہے فرماتے ہیں (کیا یہ وہ نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) ان کی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے لئے نفع نقصان کا مالک ہے۔) اور فرمایا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات چیت نہیں کر سکتا اور نہ ان کی اس راہ کی رہنمائی کر سکتا جو انہوں نے اپنائی ہے۔ اور وہ تو ظالم لوگ ہیں)

پس فرمایا کہ یہ تو حیوان ہے جو بات بھی نہیں کر سکتا اور نہ جواب دے سکتا۔ اور نہ کسی نفع و نقصان کا مالک ہے اور نہ سیدھی رہنمائی کر سکتا اور انہوں نے ایسے بیوقوف کو معبود بنا رکھا ہے بے شک وہ ظالم لوگ ہیں اور خود جانتے بھی ہیں کہ یہ جو کچھ وہی جاہلی چیز ہم نے گھڑی ہے یہ معبود نہیں ہو سکتا۔

فرمایا (اور جب وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے، اور دیکھا کہ وہ تو گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری مغفرت نہ فرمائے گا تو ہم خاسرین میں سے ہو جائیں گے)۔(۲)

---

(۱) طٰہٰ: ۸۳۔۹۸۔ (۲) اعراف ۱۴۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی گمراہ شدہ قوم کی طرف واپسی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کی قوم بچھڑے کی عبادت میں لگی پڑی ہے۔ آپ کے ساتھ تختیاں تھیں جو تورات کے مضامین پر مشتمل تھیں۔ آپ نے ان کو نیچے ڈال دیا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ ڈالنے سے ٹوٹ گئیں۔ اہل کتاب کے نزدیک یہی قول مقبول ہے اور پھر اللہ نے آپ کو دوسری تختیاں عطا فرما دی تھیں۔ لیکن قرآن میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جو ٹوٹنے اور ان کے بدلے دوسری تختیاں ملنے پر دلالت کریں فقط اتنا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو غضب میں آ گئے اور پھر تختیاں ڈال دیں۔

اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ صرف دو تختیاں تھیں جبکہ قرآن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی تختیاں تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اللہ کی طرف سے بھی اپنی قوم کی گمراہی کی اطلاع مل چکی تھی لیکن اس وقت اتنا غصہ نہ آیا مگر جب خود آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو انتہائی رنج و غم ہوا اور غصے میں تختیاں بھی نیچے گر گئیں اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ خبر معائنے (خود دیکھنے) کی طرح نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان کے شنیع فعل پر خوب زجر و تنبیہ کی تو انہوں نے آپ سے اس پر ایک عذر بیان کیا جو غلط عذر تھا۔

انہوں نے کہا ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

بنی اسرائیل نے آل فرعون کا زیور وغیرہ مانگے سے لے لیا تھا۔ اور اس میں بنی اسرائیل نے اپنے لئے گناہ قرار دے دیا تھا۔ جبکہ اللہ عزوجل ہی نے ان کو لینے کا حکم فرمایا تھا اور ان کے لئے قبطیوں کا تمام مال مباح (جائز) کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ اہل حرب تھے۔

تو اس کو تو انہوں نے گناہ سمجھا اور اپنی جہالت اور قلت عقل کی کوتاہی کی وجہ سے جو بچھڑے کی عبادت میں منہمک ہوئے اس کو اپنے لئے گناہ نہ قرار دیا۔ اور اس بچھڑے کو خدائے واحد و یکتا معبود و قہار کا شریک ٹھہرا لیا۔ جو ظلم کی انتہا تھی اور اس میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ (اسی کو کہا جاتا ہے عذر گناہ بدتر از گناہ)۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مخاطب ہوئے (اے ہارون جب تم نے ان کو گمراہ دیکھا تو کس چیز نے تم کو (روکنے سے) باز رکھا (اور) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ) یعنی جب تم نے ان کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو تم میرے پیچھے کیوں نہ آئے پھر آ کر مجھے ان کے کرتوت بتاتے تو حضرت ہارون نے کہا (میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ تب حضرت موسیٰ نے کہا اور (دعا کی اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

اور حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو اس قبیح و شنیع فعل سے شدت سے منع کر چکے تھے۔ اور اس پر خوب زجر و تنبیہ بھی کی تھی۔ فرمان باری ہے (اور بے شک ہارون نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے) یعنی اللہ نے اس بچھڑے کو تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے کہ اس میں سے آواز بھی نکلتی ہے تو کہیں تم اس کو معبود سمجھ لو۔ اور آگے حضرت ہارون نے فرمایا (اور بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا میری پیروی کرو اور میری فرماں برداری کرو) یعنی رب تو تمہارا اللہ رحمٰن ہے نہ کہ یہ بچھڑا لہٰذا تم میری یہ بات مان لو اور اس کی اتباع کرو لیکن وہ (کہنے لگے جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس پر قائم رہیں گے۔)

مذکورہ آیتوں میں اللہ عزوجل نے حضرت ہارون کی حمایت میں گواہی دی اور اللہ گواہ بننے میں کافی ہے۔

ہارون علیہ السلام نے واقعی ان کو روکا تھا اور زجر و تنبیہ کی تھی لیکن انہوں نے آپ کی اتباع نہ کی۔

اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے (فرمایا اے سامری تمہارا کیا مقصد ہے؟) یعنی کس چیز نے تجھے اکسایا اور ابھارا کہ تو ان کو گمراہ کر بیٹھا تو وہ (کہنے لگا میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی)۔ یعنی میں نے جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ (پھر

میں نے فرشتے کے نقش پا سے ایک مٹھی بھری) یعنی جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم سے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل کو یوں دیکھا تھا کہ ان کا گھوڑا جب بھی کسی جگہ پاؤں ڈالتا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی اور سامری وہاں سے کچھ مٹی اٹھا لیتا۔ پھر اب سامری نے اس کو سونے کے جلتے ہوئے بچھڑے میں ڈالا تو یہ آواز نکالنے لگا۔

اور عجیب و غریب چیز بن گئی اسی سے کہا (پھر میں نے اس کو بچھڑے کے قالب میں ڈال دیا اور مجھے میرے نفس نے (اس کام کو) اچھا بتایا (موسیٰ نے) کہا جا۔ تجھ کو (دنیا کی) زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا رہے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا) اور یہ سامری پر بددعا تھی کہ وہ کسی کو چھو بھی نہ سکے۔ کیونکہ اللہ نے اس پر کوئی بیماری مسلط فرمادی تھی اور اب اگر (کوئی اس کو یا) یہ اس کو چھوئے گا تو دوسرے کو بھی وہی بیماری پڑ جائے گی۔ اور یہ دنیاوی زندگی میں اس پر عذاب مسلط کر دیا گیا اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی گئی فرمایا (اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا)۔ یہ آیت مبارکہ یوں ہے وان لک موعدا لن تخلفه اور ایک قرآت لن نخلفه بھی ہے۔ آگے حضرت موسیٰ سامری کو فرماتے ہیں۔ (اور جس معبود کی پوجا پر تو جما کھڑا ہے دیکھ ہم اس کو جلا دیں گے، پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو لیا اور جلا ڈالا۔ اور جلایا کس چیز سے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ آگ کے ساتھ جلایا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی فرمان ہے۔ اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تخت ٹھنڈی چیز کے ساتھ اس کو ختم کیا اور اہل کتاب کے ہاں بھی اسی کی تصریح ہے۔ پھر اس کو سمندر میں پھینک دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ اب اس سمندر کا پانی پئیں تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر جو بھی بچھڑے کے پجاریوں میں سے تھا، تو اس بچھڑے کی راکھ اس کے حلق میں پھنس جاتی اور ایک قول ہے کہ ایسے شخص کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دوبارہ خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت و وحدانیت کی طرف بلایا فرمایا (بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے) فرمان الٰہی ہے (بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور اس آیت و کذلک نجزی المفترین میں لفظ نجزی کو تجزی بھی پڑھا گیا ہے۔

اور آیت سے معلوم ہوا کہ ہر صاحب بدعت و شرک کو ہم قیامت کے دن عذاب سے دوچار کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر حلم و بردباری اور رحمت و احسان کا ذکر ہے کہ اگر ان سے گناہ سرزد ہو چکے ہیں تو پھر وہ توبہ کریں تو اللہ عزوجل ضرور ان کی توبہ قبول فرمائیں گے اس کے متعلق فرمایا (اور جو لوگ برے عمل کر چکے ہیں پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو بے شک تیرا پروردگار اس کے بعد بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔(۱)

یعنی ہر گناہ کی معافی فقط توبہ و ایمان و عمل صالح سے ہو جائے گی مگر بچھڑے کی عبادت کے عظیم گناہ کی معافی میں تمہیں اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ جیسے فرمان الٰہی ہے (اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے)۔(۲)

مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے اس عظیم گناہ کی معافی اپنے آپ کو قتل کرنا ٹھہرایا گیا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جو لوگ اس گناہ سے پاک تھے انہوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں (اور گناہ گار لوگ دوزانو سر جھکا کر صفوں میں بیٹھ گئے) اور پھر اللہ نے اپنی رحمت سے ایسی گھٹا چھا دی کہ قریب والے کو اپنا ساتھی بھی نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ کسی کو اپنے رشتہ دار کی خبر ہوتی تھی پھر گناہ سے پاک لوگوں نے ان کی گردنیں اڑانا شروع کیں۔ اور قتل کرتے رہے اور بندگان خدا قتل ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک ہی صبح میں ستر ہزار بنی اسرائیل اپنے گناہ سے برأت کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کر بیٹھے یعنی ستر ہزار قتل ہو گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو تختیاں لیں اور اس کے نسخوں میں ہدایت و رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے

---

(۱) الاعراف ۱۵۳

(۲) البقرہ ۵۴

رب سے ڈرتے ہیں۔)(1) اور یہ الفاظ کہ "ان کے نسخوں میں" ان سے بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے اور ان لفظوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جو تختیوں کے ٹوٹنے پر دلالت کرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث فتون میں ذکر فرمایا ہے جس کا ذکر عنقریب آجائے گا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت سمندر سے نکلنے کے بعد کی تھی۔ اور یہ بات بعید نہیں ہے۔ کیونکہ جب سمندر سے نکلے تو (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیجئے جیسے معبود ان کے ہیں) اور اسی طرح اہل کتاب کے نزدیک ہے کہ انہوں نے بچھڑے کی عبادت بیت المقدس کے علاقوں میں آنے سے پہلے کی تھی۔ اور بیت المقدس میں آنے کی صورت یہ ہوئی کہ جب گوسالہ کے پجاریوں کو قتل کیا گیا اور تین ہزار مقتولین ہو چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے مغفرت طلب کرنے تشریف لے گئے تو اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی لیکن یہ شرط مقرر فرمائی کہ وہ بیت المقدس کی ارض مقدسہ میں داخل ہوں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

(اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کرکے کوہ طور پر حاضر) کئے۔ جب ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا اے پروردگار تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تو تیری آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو (محمد رسول اللہ ﷺ) نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کام سے روکتے ہیں۔ اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے۔ اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔)(2)

سدی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ ستر اشخاص بنی اسرائیل کے علماء تھے اور ان کے ساتھ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور یوشع اور ناداب اور ابیہو بھی تھے۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس لئے گئے تھے تاکہ بنی اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کا گناہ کیا تھا اس کی معذرت اور معافی مانگ آئیں۔ اور ان کو حکم ملا تھا کہ پہلے غسل اور پاکیزگی اختیار کریں پھر خوشبو استعمال کریں۔

پھر جب یہ حضرات کوہ طور کے پاس پہنچے تو ابر پہاڑ پر چھا گئے اور نور کا ستون ان بادلوں کے پیچھے بلندی کی طرف چمکنا شروع ہوا چھا گئے حضرت موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گئے۔

بنی اسرائیل ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ کا کلام سنا تھا۔ اور مفسرین کی ایک جماعت نے بھی ان کی تائید و حمایت کی ہے اور اللہ کے اس فرمان کو اسی پر محمول کیا ہے جو بقرہ میں ذکر ہے (اور بے شک ان میں سے بعض لوگ کلام خدا کو سنتے ہیں۔ پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتے ہیں۔)(3)

لیکن یہ کہنا اس کے متعلق لازم نہیں ہے یہ ضروری نہیں کہ براہ راست سنا ہو بلکہ یہ مطلب بھی ممکن ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ اس طرح الفاظ ہیں۔ فرمان ہے (اگر آپ اس کو پناہ دیدیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے۔)(4)

یعنی اس کا قرآن کے متعلق ذکر ہے کہ جب یہ پڑھا جائے تو اس کو پناہ دیدی جائے تاکہ وہ کلام اللہ سن لے پھر کوئی فیصلہ کرے۔

اب یہاں بھی اللہ کا کلام ان تک پہنچنا مراد ہے۔ چنانچہ اسی طرح ان ستر لوگوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام الٰہی سنا تھا۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل نے آگے بڑھ کر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان ستر اشخاص نے اللہ عزوجل کی زیارت بھی کی تھی اور

---

(1) ... الاعراف ۱۵۴ (2) سورۃ الاعراف ۱۵۵۔۱۵۷ (3) بقرہ ۷۵ (4) توبہ ۶

یہ ان کی کھلی غلطی ہے کیونکہ جب انہوں نے باری تعالیٰ عزاسمہ سے زیارت کا سوال کیا تو ان کو بجلی کے زلزلے اور جھٹکے کے عذاب نے دوچار کر دیا تھا جیسے فرمان الٰہی ہے۔ (اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو ازسر نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو۔)(1)

اور یہاں پر فرمایا (پھر جب ان کو بجلی نے آپکڑا تو (موسیٰ نے) کہا پروردگار اگر آپ چاہتے تو مجھ کو اور ان کو پہلے ہی سے ہلاک فرما دیتے۔)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر اشخاص کو منتخب فرمایا تھا اور ان میں الخیر فالخیر کے قاعدے کو ملحوظ رکھا تھا۔ اور فرمایا تھا۔

چلو اللہ عزوجل کی طرف اور جو کچھ تم سے سرزد ہوا اس کی توبہ کرو اور اپنی قوم کے پیچھے والے لوگوں کے لئے بھی خدا سے توبہ کرو اور پہلے روزے رکھو اور اپنے کپڑوں اور جسموں کو پاکیزہ کرو۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لے کر اپنے رب سے ملاقات کے وقت مقررہ پر طور سیناء کو چلے۔ اور طور سیناء پر اللہ کی اجازت وعلم کے بغیر کوئی نہ آسکتا تھا۔ تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر آدمیوں کے لئے اجازت طلب کی کہ وہ بھی کلام الٰہی سنیں تو اللہ کی اجازت سے یہ آگئے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے۔ تو بادلوں کے ستون پہاڑ پر چھاگئے حتیٰ کہ پورا پہاڑ ڈھانک لیا گیا۔ اور پھر موسیٰ بادلوں میں داخل ہوئے اور قوم کو کہا قریب ہو جاؤ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ عزوجل کلام فرماتے تو آپ کی پیشانی پر نور چمکنا شروع ہو جاتا۔ اور پھر کوئی بنی آدم آپکی طرف دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پردہ پڑ گیا اور آپ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور قوم بادلوں میں داخل ہو گئی اور جب آگے پہنچی تو سب سجدہ ریز ہو گئے اور اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنا کہ اللہ سے کلام اور راز ونیاز میں مصروف ہیں اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمارہے منع فرمارہے یہ کرو یہ نہ کرو۔

جب گفتگو سے فراغت ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بادل چھٹ گئے تو آپ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے تب قوم نے کہا۔

”اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں“ اتنا کہنا تھا کہ ان کو بجلی کے جھٹکے نے آپکڑا اور ان کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور وہ سب مر گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھے اور اپنے رب سے مناجات کی اور آہ وزاری سے پکارا اور عرض کیا اے پروردگار اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی مجھ کو اور ان کو ہلاک فرما دیتے آپ اس وجہ سے ہم کو ہلاک فرماتے ہیں جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا)

یعنی ان لوگوں کے سبب ہماری پکڑ نہ فرمایئے جنہوں نے گوسالے کی پرستش کی، کیونکہ ہم ان کے کرتوتوں سے بری ہیں۔ اور ابن عباس مجاہد، قتادہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو بجلی کے عذاب نے اس وجہ سے پکڑا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت سے روکا نہ تھا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ عزوجل کو عرض کرنا کہ (یہ صرف آپ کا فتنہ ہے) اسکا مطلب ہے کہ یہ آپکی طرف سے آزمائش وابتلاء ہے اور ابن عباس سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس وغیرہ یہی فرماتے ہیں کہ آپ نے ہی ان کو اس بچھڑے بنانے اور اس کی عبادت کرنے پر قدرت عطا کی تاکہ آپ آزمائیں جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اپنی اسی قوم کو یہی فرمایا تھا۔ فرمان باری ہے۔

(ان کو ہارون نے پہلے ہی کہا کہ اے قوم بے شک تمہاری اس (بچھڑے) کے ساتھ آزمائش کی گئی ہے) اور اسی وجہ سے فرمان باری ہے۔

(اے پروردگار آپ اس کے ذریعے جسکو چاہیں گمراہ کریں اور جسکو چاہیں ہدایت فرمائیں آپکی مشیت سبقت کرتی ہے اور آپ کی مشیت وارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں پس ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر معاف کرنے

---

(1) البقرہ ۵۵، ۵۶

والے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم آپ کی طرف چلنے والے ہیں)۔

یعنی ہم نے آپ کی جناب میں توبہ کی اور اپنے گناہوں سے رجوع کیا اور خبردار ہو گئے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ابراہیم تیمی، ضحاک، سدی، قتادہ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور لغت بھی اسی کے موافق ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا میرا عذاب جسے میں چاہوں پہنچاؤں۔ اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) یعنی میں جسکو چاہوں مبتلائے عذاب کروں اور وہ گناہ میرے پیدا کئے ہوئے ہیں (اور انکا اختیار کرنا بندوں کی کمائی ہے جس کی وجہ سے ان کو گناہ ہوتا ہے۔

اور فرمان الٰہی ورحمتی وسعت کل شئی کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اس کے متعلق صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

جب اللہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو ایک کتاب لکھی جو آپ کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے جس میں لکھا ہے بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (پس عنقریب میں اس کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) یعنی جو لوگ ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے ان کے لئے قطعی وحتمی طور پر اپنی رحمت لکھ دوں گا۔ اور (وہ لوگ اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو پیغمبر امی ہے)

تو آخری ٹکڑے میں بنی اسرائیل کی کامیابی کے لئے محمد ﷺ پر ایمان لانے کی شرط قرار دی گئی جس سے امت محمدیہ اور ان کے پیغمبر محمد ﷺ کی عظمت شان اور موسیٰ علیہ السلام سے برتری ظاہر ہوتی ہے اور یہ شرط و نصیحت ان راز و نیاز اور جملہ باتوں میں سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے درمیان ہوتی ہیں اور ہم اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں پر خوب تفصیل سے اپنی تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔

۱..... حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک ایسی امت آئے گی جو بہترین امت ہوگی لوگوں کے نفع رسانی کے لئے نکالی گئی ہوگی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گی پس اے میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۲..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو مخلوق میں سب سے آخر میں آئے گی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو اے پروردگار ان کو میری امت بنا دیجئے۔ اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۳..... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار..... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جنکی کتاب (قرآن مجید) ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور اس کو وہ (بغیر دیکھے) پڑھیں گے۔

اور پہلے لوگ اپنی اپنی کتاب کو دیکھ کر ہی پڑھ سکتے تھے۔ حتی کہ جب وہ کتاب اٹھا کر رکھ دیتے تو کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

اور اللہ نے اس امت کو اس قدر حافظہ عطا فرمایا ہوگا جو کسی امت کو نہیں ملے گا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۴..... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو پہلی کتاب پر ایمان لائیں گے اور آخری کتاب (یعنی سب کتابوں پر) ایمان لائیں گے۔ اور وہ گمراہی و بدعت کے فضول لوگوں سے قتل و قتال کریں گے حتی کہ آخر میں کانے کذاب (دجال) سے قتال کریں گے پس آپ اس امت کو تو میری امت بنا دیجئے۔ اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۵..... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار..... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے صدقات و زکوٰۃ اپنے

گھروں میں کھائیں گے اور پھر بھی اس کا اجر پائیں گے۔

اور پہلے لوگ جو قربانی کرتے وہ قبول بھی ہو جاتی تو آسمان سے آگ آتی اس کو کھا جاتی اور اگر قبول نہ ہوتی تو آگ اس کو نہ جلاتی بلکہ پڑے پڑے درندے اس کو کھا جاتے۔ جبکہ اس امت کے غنی مالداروں سے صدقات لے کر ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا تو میں اسے پروردگار! اس امت کو میری امت بنا دیجئے تو اللہ عزوجل نے فرمایا:

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۲. پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! میں تورات کی تختیوں میں ایک امت پاتا ہوں جو کسی نیکی کا ارادہ کریں گے اور ابھی عمل بھی نہ کریں گے کہ ان کو اس کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی جو سات سو تک زیادہ ہو سکتی ہیں تو پروردگار! اس کو تو میری امت بنا دیجئے اللہ عزوجل نے فرمایا:

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

۴..... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! میں (تورات کی) تختیوں میں ایک امت پاتا ہوں جو سفارش کریں گے اور پھر ان کی سفارش قبول کی جائے گی تو آپ اس کو تو میری امت بنا دیجئے تو اللہ نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ۔

آگے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذکر کیا گیا ہے کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور عرض کیا

اللھم اجعلنی من امۃ احمد

اے اللہ! مجھے احمد کی امت سے بنا دیجئے۔

اور بہت سے مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کا ذکر کیا ہے علاوہ بہت سی ایسی باتیں بھی ذکر کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ہم یہاں بھی وہ باتیں انشاء اللہ کی مدد سے ذکر کرتے ہیں جو احادیث و آثار سے معلوم ہوئی ہیں۔

حافظ ابو حاتم محمد بن حاتم بن حبان اپنی صحیح میں اس عنوان "کلیم اللہ کا اپنے رب سے ادنیٰ جنتی کے متعلق سوال کرنا" سے ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مغیرہ بن شعبہ برسر منبر حضور کریم ﷺ سے منقول حدیث نقل کر رہے تھے کہ:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ کونسا جنتی سب سے کم مرتبہ والا ہوگا؟ ارشاد ہوا وہ شخص کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تب وہ آئے گا اس کو کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ وہ کہے گا میں کیسے جنت میں داخل ہو جاؤں جبکہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اتر چکے ہیں اور اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے ہیں (یعنی اب یہاں سے جگہ خالی ہوگی؟) تو اس کو کہا جائے گا کیا تو راضی ہے کہ تیرے لئے اتنی جنت ہو جائے جتنی دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت ہوتی تھی۔ عرض کرے گا میں راضی ہوں پروردگار تو کہا جائے گا تجھے اتنا اور اس کے بقدر اور بھی دیا جاتا ہے وہ کہے گا اے پروردگار میں راضی ہوں اس کو پھر کہا جائے گا اس کے ساتھ وہ بھی تیرے لئے ہے جس کی تیرا دل خواہش کرے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ جنتی سب سے بلند درجہ والے کون ہوں گے؟ فرمایا ان کے متعلق عنقریب میں بتاؤں گا ان کی کرامت (عزت و کرامت) میرے ہاتھوں میں بالکل محفوظ ہے اور پھر کرامت ختم ہو چکی ہے ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خیال تک گزرا۔

اور اس کا مصداق قرآن کی آیت میں ہے (پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے (کیا کیا چیزیں) چھپائی گئی ہیں؟ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے)۔ (۲)

---

(۱) اخبرنا عمر بن سعید الطائی بمنبج، حدثنا حامد بن یحیی البلخی، حدثنا سفیان حدثنا مطرف بن طریف وعبد الملک بن ابجر شیخان صالحان قالا سمعنا الشعبی یقول سمعت المغیرۃ بن شعبۃ ...... الخ

(۲) السجدۃ

امام مسلم اور ترمذی نے بھی اسی طرح اس کو روایت کیا ہے اور ان دونوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے اور سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور حدیث مسلم میں یہ الفاظ یوں ہیں۔

اس کو کہا جائے گا کہ کیا تو راضی ہے اس بات پر کہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی سلطنت جتنا تجھے مل جائے؟ وہ عرض کرے گا پروردگار میں راضی ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ تجھے اس کے مثل اور ایک گنا اور ایک گنا اور ایک گنا اور دیا، پانچویں مرتبہ میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا اے رب میں راضی ہو گیا پھر کہا جائے گا کہ تجھے اس سے دس گنا ملا اور اس کے ساتھ جو بھی تیرا نفس چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں سب تجھے ملا وہ پھر کہے گا اے رب میں بھی راضی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے رب پھر مرتبے میں سب سے بڑھ کر کون ہوگا؟ فرمایا وہ لوگ جن کی عزت (و کرامت کے درخت) میرے ہاتھ سے لگائے گئے ہیں اور ان پر مہر نعمتیں میں نے ختم کر دی ہیں وہ ایسی نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور کسی بشر کے دل پر ان کا خیال بھی گزرا تھا۔

فرمایا اس کا مصداق قرآن کی آیت فلا تعلم نفس الآیۃ ہے۔ جس کا معنی ترجمہ گزر چکا۔

اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ فرمایا اور یہ حدیث بعض نے شعبی کی مغیرہ سے روایت کی ہے مگر اس کو مرفوع نقل نہیں کیا۔ جبکہ مرفوعاً زیادہ صحیح ہے۔

موسیٰ کلیم کا اپنے رب سے سات باتوں کا سوال

اور ابن حبان نے ایک دوسرے عنوان "کلیم کا اپنے رب سے سات خصلتوں کا سوال کرنا" سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے چھ باتوں کا سوال کیا جن کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام گمان کرتے تھے کہ وہ انہی کے لئے خاص ہیں اور ساتویں خصلت کو حضرت موسیٰ پسند نہ فرماتے تھے۔

(۱) ... تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ متقی ہے۔
فرمایا جو ذکر کرتا رہے اور بھولے نہیں۔

(۲) ... دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر چلنے والا ہے؟
فرمایا... جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(۳) دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے؟
فرمایا: جو لوگوں کے لئے بھی ویسا ہی فیصلہ کرے جو فیصلہ اپنے لئے کرے۔

(۴) دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ علم والا ہے؟
فرمایا وہ عالم جو علم سے سیر نہ ہو اور لوگوں کے علم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرتا رہے۔

(۵) دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ عزت والا ہے؟
فرمایا جب وہ (بدلے یا انتقام وغیرہ پر) قادر ہو جائے تو معاف کر دے۔

(۶) دریافت کیا: تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ مالدار ہے؟
فرمایا وہ شخص جتنا بھی اس کو دیا جائے وہ اسی پر راضی ہو جائے۔

(۷) دریافت کیا ---- تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ سب سے زیادہ محتاج وفقیر ہے؟

فرمایا کم مال والا (یعنی اپنے مال کو کم سمجھنے والا)

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے غنی کثرت مال سے نہیں ہے بلکہ غنی تو نفس کے غنی سے ہوتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اس کے نفس میں غنی رکھ دیتے ہیں اور اس کے دل میں تقویٰ رکھ دیتے ہیں۔ اور جب کسی کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے فقر رکھ دیتے ہیں۔

ابن حبان صاحب منقوص یعنی کم مال والے کا مطلب بیان فرماتے ہیں جسکی حالت ناقص ہو اور اپنے مال کو کم سمجھتا ہو۔ اور زیادتی کا خواہش مند رہتا ہو۔

[۱] اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا ---- پھر مذکورہ حدیث کے مانند روایت ذکر کی اور اس میں یہ بھی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرے بندوں میں سے کونسا بندہ زیادہ علم والا ہے؟ فرمایا: جو لوگوں کے علم کی تلاش میں رہتا ہو اور ان کے علوم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرتا رہتا ہو۔ اس امید و خواہش میں کہ شاید کوئی ایسی بات مل جائے جو اس کی ھدایت کا ذریعہ بن جائے یا ایسی بات مل جائے جو اس کو ہلاکت سے بچالے پھر پوچھا اے پروردگار کیا روئے زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی علم والا ہے؟ فرمایا جی ہاں خضر علیہ السلام ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملنے کا راستہ معلوم کیا۔ پھر آگے طویل قصہ ہے جسکا ذکر انشاءاللہ آئندہ اوراق میں کریں گے۔

اسی کے معنی میں ایک دوسری حدیث ہے جو مسند احمد کی ہے۔

[۲] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرا مومن بندہ تو دنیا میں تنگی و پریشانی میں ہے فرمایا پھر اس کے لئے جنت کا دروازہ بھی تو کھل جاتا ہے پس دیکھ اس کی طرف اے موسیٰ یہ سب میں نے اپنے اس مومن بندے ہی کے لئے تو تیار کیا ہے پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔

اے پروردگار تیری عزت کی قسم اور تیرے جلال کی قسم اگر دونوں ہاتھ کٹا ہوا اور دونوں پیر سے لنگڑا جب آپ نے اس کو پیدا کیا ہے قیامت تک اسی حالت پر رہے اور پھر یہ ٹھکانا اس کا ہو تو پس بے شک اس نے کبھی بھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیرا کافر بندہ تو دنیا میں خوشحالی اور خوش عیشی میں نظر آتا ہے؟ فرمایا پھر اس کے لئے جہنم کا دروازہ بھی تو کھول دیا جاتا ہے۔ اے موسیٰ یہ میں نے اس کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔

اے پروردگار تیری عزت کی قسم تیرے جلال کی قسم اگر ساری دنیا اس کے لئے ہو جب سے آپ نے اس کو پیدا فرمایا ہے قیامت کے دن تک۔ لیکن پھر یہ ٹھکانا اسکا ہو تو پس اس نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔ امام احمد اس کی روایت میں منفرد ہیں اور اس کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے کسی ایسے کلمے کا سوال کرنا جس کے ساتھ وہ ذکر الٰہی کرتے رہیں۔

[۳] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے ایسا ذکر سکھلا دیجئے جس کے ساتھ میں آپ کو یاد کرتا رہوں۔

اور اس کے ساتھ تجھے پکارتا رہوں فرمایا اے موسیٰ کہو **لا الہ الا اللہ**. عرض کیا اے پروردگار یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں۔ فرمایا کہ **لا الہ الا اللہ**. عرض کیا اے پروردگار میں تو چاہتا ہوں ایسا کوئی کلمہ ہو جو میرے ساتھ خاص ہو فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں آسمان مع سب کچھ

---

[۱] وقد رواه ابن جریر فی تاریخه عن ابن حمید، عن یعقوب القمی، عن هارون بن هبیرة، عن ابیه عن ابن عباس قال

[۲] قال الامام احمد حدثنا یحیی ابن اسحاق، حدثنا ابن لهیعة عن دراج عن ابی الهیثم عن ابی سعید الخدری قال ---- حدثنا یحیی بن اسحاق، حدثنا ابن سلمة، حدثنا حرملة بن یحیی، حدثنا ابن وهب، اخبرنی عمرو ابن الحارث ان دراجا حدثه عن ابی الهیثم عن ابی سعید

اور ساتوں زمینیں یا ان کی تمام چیزیں ان کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا اور اس حدیث کی شہادت حدیث بطاقہ سے ہوتی ہے

اور اس کے علاوہ اس کے حق میں وہ حدیث بھی ہے جو سنن میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا افضل دعا عرفہ کی دعا ہے اور افضل کلمہ جو میں کہوں اور جو مجھ سے پہلے انبیاء نے بھی کہا وہ۔

"لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" ہے۔

اور ابن ابی حاتم نے آیت الکرسی کی تفسیر کے موقع پر لکھا ہے۔ ..(۱) کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کیا آپ کا پروردگار سوتا ہے؟ فرمایا اللہ سے ڈرو۔

پھر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوچھا اے موسیٰ کیا انہوں نے تجھ سے پوچھا ہے کہ کیا تیرا رب سوتا ہے؟ تم دو شیشے اپنے ہاتھوں میں لو اور پوری رات کھڑے رہو تو حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور جب رات کا تہائی حصہ گذر گیا تو حضرت موسیٰ کو اونگھ آئی اور آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے پھر چونک کر بیدار ہوئے اور مضبوطی سے شیشوں کو تھام لیا حتیٰ کہ جب آخری رات آئی تو آپ کو پھر اونگھ نے لے لیا اور دونوں شیشے گر پڑے اور ٹوٹ گئے؟ تب اللہ عزوجل نے موسیٰ سے کہا۔

اگر میں بھی سوتا تو آسمان اور زمین گر کر یوں ہی ہلاک ہو جاتے جیسے شیشے تیرے ہاتھ میں ہلاک ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر اللہ پاک نے اپنے پیغمبر پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

اور ابن جریر میں ہے (۲) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ برسر منبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نقل فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیا اللہ عزوجل سوتے ہیں پھر اللہ نے ایک فرشتہ حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا اس فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تین راتوں تک جگا کر رکھا اور سونے نہ دیا پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے اور ہر ہاتھ میں ایک شیشہ تھما دیا اور حکم دیا کہ ان کی حفاظت کریں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اونگھ آنے لگی اور آپ کے ہاتھ جھکنے لگے حتیٰ کہ جب نیند نے بھرپور حملہ کیا تو آپ نے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ لیا اور اسی طرح ہوشمند ہو کر رہے پھر نیند کا ایک جھٹکا لگا تو دونوں شیشے ہاتھ سے چھوٹے اور گر کر ٹوٹ گئے۔

تو حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایک مثال سمجھائی کہ اگر اللہ بھی سوتے تو آسمان و زمین یوں ہی اپنی جگہ قائم نہ رہتے۔

اور اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی اصل اسرائیلی ہو۔

اور فرمان الٰہی ہے (اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کر کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ (عذاب سے) محفوظ رہو تو تم اس کے بعد پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔) (۳)

اور دوسری جگہ فرمایا (اور جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھا کر کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے تو (ہم نے کہا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اسے یاد کرو تاکہ بچ جاؤ)۔ (۴)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات کی تختیاں لے کر آئے تو ان کو حکم دیا کہ اس تورات کو قبول کر لو اور اس کو قوت سے تھام لو۔ لیکن انہوں نے کہا اس کو ہم پر کھول کر بیان کریں اگر اس کے اوامر و نواہی آسان ہوئے تو ہم قبول کر لیں گے (ورنہ) اگر مشکل

---

(۱) وصلہ احمد بن القاسم بن عطیہ، حدثنا احمد بن عبدالرحمن الدشتکی، حدثنی ابی عن ابیہ، حدثنا اشعث بن اسحاق عن جعفر بن ابی المغیرہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان بنی اسرائیل

(۲) حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل، حدثنا ہشام بن یوسف عن امیہ بن شبل، عن الحکم بن ابان عن عکرمہ عن ابی ہریرہ......

(۳) البقرہ ۶۳ (۴) الاعراف ۱۷۱

ہوئے تھے ہم پر گرنے لگا ہے]۔

حضرت موسیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تورات کو قبول کر لیں اور اس کی طرح کی اطاعت کریں یہ بات ان پر گراں گزری تب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے پہاڑ اکھاڑ کر ان کے سروں پر معلق کر دیا اور کہا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تورات میں جو احکام ہیں ان کو قبول کر لو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔ تب انہوں نے قبول کیا۔ پھر ان کو سجدے کا حکم ہوا تو انہوں نے سجدہ کیا اس طرح سے کہ ان کی آنکھیں تو پہاڑ کی طرف دیکھ رہی تھیں جب سے یہ یہودی اپنی سجدہ کے لئے حسن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سجدہ سے بڑھ کر کوئی سجدہ نہیں جس کے ذریعے ہم پر سے عذاب ٹال دیا۔

امام سنید بن داؤد نے حجاج بن محمد سے وہ ابوبکر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تورات کو کھول کر دکھایا گیا تو روئے زمین پر کوئی پہاڑ درخت پتھر وغیرہ حرکت کرنے لگا۔

اور روئے زمین پر تمام یہودی خوف کھا گئے اور جس پر بھی تورات پڑھی گئی وہ (مشقت کے خوف) سے حرکت کرنے لگا۔ اور اپنے سر کو جھکانے لگا۔

اسی کے متعلق اللہ فرماتے ہیں (پھر تم اس کے بعد پھر گئے یعنی پہلے پیمان اور عہد کے بعد اور عظیم الشان میثاق کے بعد پھر گئے تم اس کے خلاف تو بیٹھے تھے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (کہ تم کو پیغمبر بھیج کر تمہاری اصلاح کی اور تمہاری طرف توبہ نازل کی) تو تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے ہوتے]۔

بنی اسرائیل کی گائے کا ذکر

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو (موسیٰ نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔

انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟

(موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو۔ سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والے (دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا (اب کے) اپنے پروردگار سے پھر درخواست کیجئے کہ ہم کو بتا دے کہ وہ کس طرح کی ہو۔ کیونکہ بہت سی گائیں ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں (پھر) اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ کام میں لگی ہوئی نہ ہو نہ تو زمین جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔

ابن عباس اور عبیدہ سلمانی اور ابو العالیہ اور مجاہد اور سدی اور دیگر کئی بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو بہت مالدار تھا اور بوڑھا ہو گیا تھا۔ اور اس کے کئی بھتیجے تھے۔ جو اس کی موت کی تمنا اور آرزو کرتے رہتے تھے۔ تاکہ اس کے مال کے وارث بن جائیں۔ لہذا ان میں سے ایک نے رات کے وقت اس کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو راستہ میں پھینک دیا۔ اور کوئی کہتا ہے کہ کسی کے گھر کے دروازے پر ڈال دی۔

پھر جب لوگوں نے صبح کی تو اس کے متعلق جھگڑنے لگے۔ اور بھتیجا بھی چیخنے چلانے اور ظلم کی شکایت کرنے لگا۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ تم اللہ کے نبی کے پاس کیوں نہیں جاتے تو بھتیجا اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور شکایت

کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ایک شخص کو اس مقتول کے متعلق معلوم تو ہے لیکن وہ کون ہے اس کے متعلق علم ہو جائے گا۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے اس کے متعلق سوال کریں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے متعلق دعا کی تو اللہ نے حکم فرمایا کہ ایک گائے ذبح کریں۔

(فرمایا) بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو تو کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟) یعنی ہم تو آپ سے اس مقتول کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ہم کو گائے ذبح کرنے کا فرما رہے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلین میں سے ہو جاؤں)۔

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ وحی کے علاوہ تم سے بات کہوں اور یہی مجھے میرے رب نے جواب دیا ہے جب میں نے تمہارے کہنے پر اپنے اللہ سے سوال کیا۔

ابن عباسؓ، عبیدہ، مجاہد، عکرمہ، سدی اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا لیکن انہوں نے خود اپنے پر سختی کروائی اور اس طرح ان پر سختی کر دی گئی اور اسی بات کے متعلق حدیث مرفوع بھی منقول ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے جیسے پہلے انہوں نے اس کی صفت پھر اس کے رنگ پھر اس کی عمر وغیرہ کے متعلق سوالات کئے اور ان کو ایسے ایسے جوابات دیئے جاتے رہے جو ان پر شاق اور گراں ہوں۔ اور اس تمام کی تفسیر ہم نے اپنی تفسیر میں کر دی ہے

حاصل مقصود یہ ہے کہ جب ان کو درمیانی عمر کی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا یعنی جو نہ بڑی بوڑھی ہو اور نہ چھوٹی بچھیا تو ابن عباس، مجاہد، ابوالعالیہ، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ پھر انہوں نے خود پر سختی کی اور اس کے رنگ وروپ کے متعلق سوال کرنے بیٹھے تو ان کو گہرے زرد رنگ کی گائے کا حکم ملا جو دیکھنے والوں کو بھی بھلی معلوم ہو۔ اور یہ رنگ چمکدار رنگ ہے اور اس پر بھی انہوں نے بس نہ کی بلکہ اپنے اوپر سختی چاہی اور کہا (اے موسیٰ) ہمارے لئے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ بیان کرے ہمیں کہ وہ کیسی ہو؟ کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم انشاء اللہ راہ پانے والے ہیں)۔

حدیث مرفوع جس کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ:

اگر بنی اسرائیل استثناء (یعنی ان شاء اللہ) نہ کہتے تو مقصود تک نہ پہنچ پاتے۔

اور اس حدیث کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔

(تو جب موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گائے ایسی ہو جو کام میں لگی ہوئی نہ ہو اور نہ ہل جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتی ہو اس میں کسی طرح کا عیب نہ ہو۔ تب کہنے لگے اب آپ نے حق بیان کر دیا پس انہوں نے اس کو ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کر لیتے۔)

اور یہ صفات پہلی صفات سے زیادہ سخت ہیں کہ ایسی گائے ہو جو کام میں کسی جگہ لگی ہوئی نہ ہو یعنی نہ ہل چلاتی ہو اور نہ پانی وغیرہ نکالنے میں بلکہ بالکل فارغ اور عیب سے پاک ہو اور یہ شرط کہ اس میں کوئی داغ نہ ہو اس کے متعلق ابوالعالیہ اور قتادہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس میں کوئی دوسرا رنگ بالکل نہ ہو۔ بلکہ تمام عیب ونقص سے پاک وصاف ہو اور اسی طرح کسی غیر رنگ کی اس کے رنگ میں شمولیت نہ ہو۔ یوں ان حدود وقیود کے ساتھ تعیین کر دی گئی اور ان صفات اور حالات کے ساتھ اس کی شان بیان کر دی گئی تو تب کہنے لگے کہ

اب آپ نے پوری طرح حق بیان کر دیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس گائے کو ان صفات کے ساتھ صرف ایک شخص کے پاس پایا جو اپنے والدین کا انتہائی فرمانبردار تھا تو بنی اسرائیل نے اس سے طلب کی تو اس نے انکار کر دیا پھر اس کی قیمت بڑھاتے اور زیادہ پیش کش کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اس بیل کے برابر سونے کی قیمت لگ گئی پھر بھی اس نے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس کے وزن سے دس گنا سونے پر راضی ہو گیا پھر اس شخص نے اس گائے کو بیچا۔

پھر اللہ کے نبی نے اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا (پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا اور قریب نہ تھے کہ وہ کر گزرتے) یعنی وہ اس معاملے میں متردد اور

پریشان تھے اور کامیاب ہونے کے قریب نہ تھے لیکن اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئے۔

پھر حکم ملا کہ مقتول کو گائے کے کسی گوشت کے حصے سے ملایا جائے اور ایک قول ہے کہ گائے کی ران سے ملایا گیا اور ایک قول ہے کہ اس ہڈی کے ساتھ ملایا گیا جو ناک کی نرم ہڈی سے ملی ہوئی ہے اور ایک قول ہے کہ شانوں کے درمیان کے ٹکڑے سے ملایا گیا۔

الغرض کسی بھی حصے سے ملایا تو اللہ نے مقتول کو زندہ کر دیا، وہ کھڑا ہوا اور اس کی رگیں خون بہا رہی تھیں۔

پھر اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کس نے قتل کیا؟

جواب دیا کہ مجھے میرے فلاں بھتیجے نے قتل کیا۔

پھر یہ کہہ کر مر گیا اور جیسے تھا ویسے ہی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے شاید تم عقل کرو) یعنی جیسے تم نے اس مقتول کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کیا اسی طرح تمام مردوں میں اللہ کا حکم چلتا ہے، جب وہ ان کو زندہ کرنا چاہے گا تو ایک ہی لمحے میں سب کو زندہ کر دے گا، جیسے فرمان ہے۔

نہیں ہے تمہاری پیدائش اور دوبارہ اٹھانا مگر صرف ایک جان کی طرح۔ (۱)

موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں، خواہ برسوں چلتا رہوں، جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح رستہ بنا لیا، جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا، اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا، (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ آئے، (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا، موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں، (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے، اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر بھی کیوں کر سکتے ہو، موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا، (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر نہ کروں۔ تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا، (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ آپ لوگوں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی، (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے، (موسیٰ نے) کہا، جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا، (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا، (یہ تو) آپ نے بری بات کی، (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا، انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا، کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا، انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرنا

---

(۱) لقمان ۲۸

پا رہی تھی تو (حضرت خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا: اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تو خضر نے کہا کہ اب) مجھ سے آپ جدا ہو جائیں (مگر) جن باتوں پر آپ صبر نہ کر سکے میں ان کا بھید بتائے دیتا ہوں (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے اور ان کے سامنے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کرے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے لیکن وہ کافر تھا۔ اور (ہم ڈرے) کہ وہ (بڑا ہو کر) بدکردار ہوتا کہیں ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاکیزگی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو اور وہ جو دیوار تھی سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے[1]

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ جو خضر کے پاس گئے تھے موسیٰ بن منشا بن یوسف بن یعقوب ہیں یہ ایسا خیال ہے جس میں ان کی اتباع بعض مسلمان اور دوسرے لوگوں نے بھی کی ہے جو ان کی کتابوں اور صحیفوں سے روایات کو لیتے ہیں ان میں سے نوف بن فضالہ حمیری شامی بکالی ہیں ان کے متعلق دمشقی ہونے کا خیال بھی کیا گیا ہے اور ان کی والدہ حضرت کعب احبار کی بیوی ہیں۔

لیکن صحیح بات جس پر قرآن اور حدیث سے دلیل ملتی ہے اور وہ تحقیق شدہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کے پیغمبر اور صاحب تورات ہیں۔

امام بخاری نے فرمایا: کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ موسیٰ جو خضر کے ساتھ ہوئے وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر نہیں ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا کیونکہ ہمیں ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ سے میں نے سنا فرماتے ہوئے کہ موسیٰ بنی اسرائیل کے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں“ تو اللہ پاک ان پر ناراض ہو گئے کہ علم کی نسبت میری طرف کیوں نہ کی تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب کیا اور (فرمایا) خضر علیہ السلام تم سے زیادہ علم والے ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا اے پروردگار ان تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ تو فرمایا کہ آپ اپنے ساتھ مچھلی لے لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں اس کا پتہ ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی تھیلے میں رکھی اور آپ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کا شاگرد یوشع بن نون بھی تھا چلتے چلتے ایک چٹان پر پہنچے تو سر رکھ کر لیٹ گئے اور سو گئے۔ مچھلی (جو) تھیلے میں تھی مضطرب ہوئی اور تھیلے سے نکل کر سمندر میں جا پڑی اور سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا جہاں جہاں سے وہ گزری اللہ نے اس جگہ پانی جاری ہونے سے روک دیا تو وہاں خلا بن گیا پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے۔

(یوشع بن نون) تو مچھلی کی خبر حضرت موسیٰ کو دینا بھول گئے۔

پھر بقیہ دن اور رات دونوں ساتھی چلتے رہے۔ جب دوسرا دن آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع سے فرمایا: (ہمارا ناشتہ) (مچھلی) لے آؤ ہمیں اس سفر میں بڑی تکان ہو گئی ہے (جب تک مقررہ جگہ جہاں اللہ نے پہنچنے کا حکم دیا تھا (یعنی) مچھلی کے گم ہونے کی جگہ تب تک کوئی تھکاوٹ محسوس نہ کی جب اس سے آگے بڑھ گئے تب تھکاوٹ محسوس ہوئی تو یوشع بن نون نے جواب دیا: کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے چٹان پر پڑاؤ کیا تو میں مچھلی بھول گیا تھا۔ اور مجھے بھلانے والا شیطان ہے کہ میں اس کا تذکرہ کروں اور اس (مچھلی) نے سمندر میں عجیب سا راستہ بنایا تھا، مچھلی جہاں جہاں سے گزری وہاں پانی طاق کی طرح ہو گیا تھا تو تعجب ہوا۔ پھر موسیٰ نے یوشع سے فرمایا (یہی تو وہ جگہ) ہے جس کی ہم تلاش کر

---

[1] الکہف: ۸۲

۔ بے تحاشا دونوں اپنے نقش قدم پر پیچھے ہو لیے گئے۔

واپس چلتے چلتے اسی چٹان تک پہنچے تو وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے لیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو حضرت خضر نے جواب میں فرمایا تیری سر زمین میں سلام کہاں ہے؟

آپ نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔

خضر علیہ السلام نے کہا: بنی اسرائیل والے موسیٰ؟

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔ میں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ جو علم جانتے ہیں مجھے بھی سکھا دیں۔

خضر علیہ السلام نے فرمایا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر کی طاقت نہ رکھ سکیں گے۔ اے موسیٰ علیہ السلام میرے پاس اللہ کا عطا کردہ ایک علم ہے جو آپ کو نہیں اور آپ کے پاس بھی ایسا علم ہے جو مجھے نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

خضر علیہ السلام نے کہا اچھا اگر آپ میرے پیچھے چلتے ہیں تو پھر مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں جب تک میں خود نہ بتاؤں۔

پھر دونوں چل پڑے۔ ساحل سمندر پر دونوں چلتے رہے پھر وہاں کے پاس سے کشتی گزری تو انہوں نے کشتی والوں سے سوال کیا کہ ہمیں بھی سوار کر لو انہوں نے خضر کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا جب سوار ہو کر بیٹھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ توڑ ڈالا تو موسیٰ نے کہا ایک تو انہوں نے ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کو توڑ دیا کیا اس لیے (تا) کہ آپ اس کے سواروں کو غرق کر دیں آپ نے (عجیب و غریب) کام کیا ہے۔

خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو میں بھول گیا اس پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا پہلی دفعہ حضرت موسیٰ سے بھول ہوئی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر میں چونچ ماری تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اللہ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال یہ چڑیا ہے جس نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا ہے۔ (یعنی علم سمندر کی طرح ہے اور ہمارا علم چونچ کے پانی کی طرح ہے)۔

پھر دونوں حضرات کشتی سے اترے اور ساحل پر چلتے جا رہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سر اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور ہاتھوں سے اس کو قتل کر دیا تو حضرت موسیٰ نے منع کیا اور بول اٹھے کہا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر ڈالا ہے؟ آپ نے برا کام کیا ہے۔ فرمایا کیا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکیں گے؟ کہا اگر میں اس کے بعد کبھی آپ سے سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھئے گا بے شک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) تک پہنچ چکے۔

پھر دونوں چل پڑے حتیٰ کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے دونوں نے وہاں سے کھانا (یعنی مہمانی) طلب کی انہوں نے انکار کر دیا کہ ان دونوں کی مہمانی کریں۔

پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی (حضرت خضر نے اس کو سیدھا کر دیا) تو موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ یہ تو ایسی قوم ہے کہ ہم ان کے پاس آئے انہوں نے نہ ہمیں کھانا کھلایا اور نہ ہماری مہمانی کی اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔ خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے (الخ) یہ جان لیں کہ ان کی حقیقت یہ ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو پسند تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ ہم پر ان دونوں کی مزید خبریں بیان کی جاتیں۔

مذکورہ قصے کے متعلق متفرق باتیں

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت ابن عباس ان دو آیتوں کو اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔
پہلے قرآت ابن عباس پھر قرآت مشہورہ درج ہیں:

وکان امامهم ملک یاخذ کل سفینۃ صالحۃ

وکان وراءهم ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا

ابن عباس:

واما الغلام فکان کافراً وکان ابواہ مومنین

مشہورہ

واما الغلام فکان ابواہ مومنین

[1] پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد یوشع بن نون بھی چلے۔ اور دونوں نے ساتھ مچھلی لے لی حتیٰ کہ چٹان تک پہنچے اور دونوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ آگے راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سر رکھا اور سو گئے۔

مچھلی کے زندہ ہونے کا سبب۔

[2] سفیان کہتے ہیں اس چٹان (جہاں وہ حضرات آرام فرما رہے تھے اس کے نیچے) جڑ میں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ جس کو حیات کہا جاتا تھا (یعنی وہی آب حیات جو لوگوں کے درمیان ضرب المثل کے طور پر مشہور اور رائج ہے) اور اس کا پانی جس چیز کو پہنچتا تھا وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ تو مچھلی کو بھی اس پانی کا کچھ حصہ پہنچا اور زندگی کی لہر اس میں بھی دوڑ گئی اور پھر وہ حرکت میں آئی اور تڑپتی ہوئی اپنے وطن سمندر میں جا پہنچی۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو بھوک کے وقت فرمایا ہمارا ناشتہ پیش کرو کیونکہ (بھوک کی) تکاوٹ محسوس ہوتی ہے الخ

راوی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام دونوں جبکہ وہ کشتی میں سوار تھے (اسی دوران) ایک چڑیا کشتی کے کنارے آ بیٹھی اور پانی میں چونچ ڈبو کر سمندر میں ماری اور اپنے ظرف کے مطابق پانی لے لیا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو متنبہ فرمایا کہ میرے اور آپ کے علم کی نسبت خدا کے علم سے ایسی ہے جیسی اس چڑیا کے سمندر سے پانی لینے اور سمندر کے درمیان نسبت ہے الخ

[3] بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا مجھ سے کوئی بھی سوال کرو! تو میں نے عرض کیا اے ابن عباس، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ کوفہ میں ایک شخص ہے جو قصہ گوئی کرتا ہے۔ وہ اس کو نوف کہا جاتا ہے تو اس کا خیال ہے کہ (حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جو تحصیل علم جانے والے موسیٰ) بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ دوسرے کوئی ہیں؟

تو اس حدیث کے راویوں میں سے ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے تو کہا کہ حضرت ابن عباس نے حضرت سعید بن جبیر کو جواب دیا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا اور ابن جریج کہتے ہیں مجھے یعلیٰ نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے سعید (سے فرمایا) جواب دیا کہ مجھے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

---

[1] رواه البخاري ايضا من حديث سفيان بن عيينة باسناده نحوه وفيه: فخرج موسى ومعه فتاه يوشع بن نون ... الخ

[2] قال سفيان وفي حديث غير عمرو قال

[3] قال البخاري حدثنا ابراهيم بن موسى، حدثنا هشام بن يوسف ان ابن جريج اخبرهم قال: اخبرني يعلى بن مسلم وعمرو بن دينار، عن سعيد بن جبير قال:

اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام ایک روز لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ اور دل نرم ہو گئے پھر ایک شخص نے اللہ کے پیغمبر سے پوچھا کہ اے رسول خدا کیا روئے زمین پر آپ سے زیادہ بھی کوئی علم والا ہے؟

فرمایا نہیں۔ اس پر اللہ کی خفگی ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ نے علم کی نسبت کو اللہ کی طرف نہ لوٹایا۔ تو اللہ نے فرمایا آپ سے زیادہ علم والا بھی دنیا میں موجود ہے۔ عرض کیا اے پروردگار اس تک پہنچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ فرمایا مجمع البحرین میں یعنی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پروردگار مجھے کوئی نشانی مرحمت فرما دیجئے کہ اس سے میں اس جگہ کو پہچان لوں راوی ابن جریج کہتے ہیں مجھے عمرو نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے جواب دیا کہ جہاں تم سے مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا راوی کہتے ہیں کہ مجھے یعلیٰ نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔

جواب ملا کہ ایک مردار مچھلی لو جس میں روح پھونکی جائے۔

تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں ڈال لی۔ پھر اپنے ساتھی کو فرمایا مجھے اس کے متعلق اس وقت خبر ضرور دینا جب یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے کوئی زیادہ کام نہیں۔

اور یہی اللہ کا فرمان ہے (واذ قال موسیٰ لفتاہ) اور اس میں فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہی ہیں اور یہ روایت سعید بن جبیر سے نقل ہے۔

تو پھر یہ حضرات ایک چٹان کے سائے میں آرام فرما رہے تھے اور وہ نم آلود مٹی تھی کہ اچانک مچھلی پھڑکنے لگی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خوابیدہ ہو چکے تھے۔ اور حضرت یوشع کو اس کی خبر بھی ہو گئی مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ بیدار ہونے پر عرض کر دوں گا لیکن جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو بتانا بھول گئے۔ اور مچھلی تڑپتے ہی دریا میں جا چکی تھی اور عجیب طرح سے گئی تھی کہ پانی میں سوراخ سا بنتا چلا گیا اور اس جگہ پانی نہ جاری ہوا۔ راوی ابن جریج کہتے ہیں عمرو نے مجھے کہا کہ مچھلی پانی میں گئی اور نشان سوراخ سا بن گیا۔

جب دونوں آگے چلے اور دونوں کی ایک ایک انگلیاں آپس میں ملا لیں۔

(لقد لقینا من سفرنا هذا نصبا) کہ ہمیں اس سفر میں (بھوک کی تکلیف ہوئی ہے)۔

حضرت یوشع نے عرض کیا اللہ نے آپ سے یہ مشقت ختم کر دی ہے پھر یہ بھوک لگنا بھی علامت نہیں ہے؟ پھر حضرت یوشع نے عرض کیا۔ مچھلی کا تو یہ ماجرا ہوا۔ تو دونوں واپس لوٹے اور حضرت خضر کو اسی جگہ پایا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت خضر کپڑا اوڑھے لیٹے تھے۔ اور اس کا آخری کنارہ اپنے قدموں تلے دبا رکھا تھا اور پہلا کنارہ سر کے نیچے رکھا ہوا تھا تو حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا انہوں نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور کہا یہ اس میری زمین پر سلام کرنے والا کون آیا؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں دریافت کیا بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام فرمایا جی ہاں۔ پوچھا کس مقصد سے آئے ہو؟ فرمایا میں حاضر ہوا ہوں تاکہ مجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں حضرت خضر نے فرمایا یہ کافی نہیں ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات ہے اور آسمانی وحی آپ کے پاس آتی ہے پھر اے موسیٰ میرے پاس وہ علم ہے جس کا آپ کو سیکھنا مناسب نہیں اور علم آپ کے پاس بھی ہے جو مجھے سیکھنا مناسب نہیں۔ اس دوران ایک پرندے نے اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی لیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہے جیسا اس پرندے نے اپنی چونچ سے سمندر سے پانی لیا۔

(حتی اذا رکبا فی السفینة) یہاں تک کہ دونوں سمندر میں سوار ہوئے۔ اور یہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلا کرتی تھیں جو اس ساحل والوں کو اس پار اور وہاں سے اس ساحل پر لوگوں کو آمد و رفت کرتی تھیں تو ایک کشتی والوں نے پہچان لیا اور کہا یہ اللہ کا نیک بندہ ہے۔ راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کیا یہ خضر مراد ہیں فرمایا ہاں۔ پس پھر کشتی والوں نے کہا ہم ان کو اجرت کے ساتھ نہیں اٹھائیں گے۔ پھر دونوں سوار ہو گئے اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک تختی کو اکھاڑ ڈالا اور ایک کیل ٹھونک دی موسیٰ نے کہا کیا آپ نے اس لئے اکھاڑا ہے کہ آپ اس کے اہل کو غرق کر دیں؟ آپ نے عجیب کام کیا ہے)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی آپ نے ناپسند کام کیا ہے

حضرت خضر نے (کہا کیا میں نے آپ کو نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکیں گے؟)

اس سفر میں حضرت موسیٰ سے حضرت خضر کو ٹوکنے کے متعلق تین بھول سرزد ہوئے پہلا تو اصل تھا یعنی واقعی بھول کی وجہ سے بول پڑے تھے۔ دوسری مرتبہ شرط کے طور پر تھا اور تیسرا جان بوجھ کر بولے تھے تو پھر حضرت موسیٰ نے (فرمایا جو مجھ سے بھول ہوئی اس پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے کام (عسرا) مجھ پر مشکل نہ کریں۔ (پھر چلے، یہاں تک کہ ایک بچے کو پایا سو اس کو قتل کر دیا)

یعلیٰ کہتے ہیں: سعید نے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے بچوں کو دیکھا کہ کھیل کود میں مشغول ہیں تو ان میں سے ایک کافر بچے کو جو بہت منچلا تھا، پکڑا اور چھری سے اس کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (بول اٹھے۔ کیا آپ نے پاکیزہ جان کو بغیر کسی بدلے کے قتل کر ڈالا؟) جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور حضرت ابن عباس (اس کو پڑھتے تھے زکیۃ مسلمۃ)

پھر دونوں چلتے رہے (تو دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرنے والی تھی) حضرت سعید اس کی تشریح فرماتے ہیں اور اپنے ہاتھ کو یوں بلند کر کے اشارہ کیا پھر ہاتھ اٹھایا اور یوں سیدھی فرمادی۔ یعلیٰ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت سعید کا مقصد تھا کہ حضرت خضر نے اپنے ہاتھ سے (کرامت اور معجزے کے طور پر) چھو کر اس کو سیدھا کر دیا (تو حضرت موسیٰ پھر) (فرمانے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے) حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی اس کی مزدوری کے طور پر کھانے پینے کو لے لیا جاتا۔

(وکان وراءھم) اور ان کے آگے بادشاہ تھا اور ابن عباس نے معنی کے مطابق اس کے الفاظ کو یوں پڑھا ہے (وکان امامھم) اور حضرت سعید کے علاوہ یعلیٰ کا خیال ہے کہ اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا اور اس مقتول بچے کا نام جیسور تھا۔

(ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا) یعنی حضرت خضر نے اس خیال سے کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا تھا کہ جو ظالم بادشاہ آئے گا وہ اس کو اس کے عیب و نقص کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔ لہٰذا ایسا ہوا پھر آگے جب بادشاہ کے پاس سے نکل گئے تو دوبارہ کشتی کو درست کر لیا اور پہلے کی طرح نفع اٹھانے لگے۔

اور اس کو تارکول سے درست کیا۔

(فکان ابواہ مومنین) یعنی اس کے والدین مومن تھے اور وہ خود کافر تھا (تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے) یعنی اس کی محبت ان کو اس پر ابھارے کہ وہ اس کا دین قبول کر لیں (پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس سے بہتر پاکیزہ عطا فرمادے اور یہ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے فرمایا (کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو قتل کر دیا تھا) پھر اللہ نے ان کو دوسرا بچہ دیا اور یہ نیکی اور مہربانی میں زیادہ قریب ہو بنسبت پہلے بچے کے جس کو خضر نے قتل کیا تھا۔ سعید بن جبیر کے علاوہ حضرات نے یہ خیال فرمایا ہے کہ ان والدین کو اس لڑکے کے بدلے ایک لڑکی عطا ہوئی تھی اور ابی عاصم کا بھی یہی قول ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ دیا اور فرمایا کوئی شخص اللہ اور اس کے امر کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ اس شخص (یعنی خضر) سے ملیں۔ پھر آگے پہلے کی طرح پوری حدیث ہے۔

(۲)(۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا اور حر بن قیس بن حصن الفزاری کا اختلاف ہو گیا کہ موسیٰ کے ساتھی جن سے حضرت موسیٰ نے علم حاصل کیا وہ کون تھے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ خضر علیہ السلام تھے اور ان کے پاس سے ابی بن کعب گزرے تو حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور عرض کیا کہ میرا اور اس ساتھی کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ موسیٰ کے ساتھی جن کے پاس پہنچنے کا راستہ موسیٰ نے اللہ سے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو (اے ابی بن کعب) کیا آپ نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور آگے پیچھے والی

---

(۱) ورواہ عبدالرزاق عن معمر عن ابی اسحاق عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال

(۲) وھکذا رواہ محمد بن اسحاق عن الحسن بن عمارۃ عن الحکم بن عتیبۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن ابی بن کعب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنحو ما تقدم ایضاً

(۳) ورواہ العوفی عنہ موقوفاً، وقال الزھری عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ عن ابن عباس الخ

حدیث ذکر کی ہے اور اس حدیث کے الفاظ اور طرق سے ہم تفصیلی بحث اپنی تفسیر میں سورۂ کہف میں کر آئے ہیں۔

اور فرمان الٰہی (اور وہ دیوار شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی) عکرمہ کہتے ہیں ان کے نام اصرم اور صریم تھے اور ان کے والد کا نام کاشح تھا (اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا) ایک قول ہے کہ وہ سونا تھا اور یہ عکرمہ کا فرمان ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس میں علم تھا اور مناسب یہ ہے کہ وہ سونے کی تختی تھی اور اس میں علم لکھا ہوا تھا۔ بزار(۱) کہتے ہیں کہ ابوذر سے مرفوعاً مروی ہے۔

کہ وہ خزانہ جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا وہ سونے کی ٹھوس تختی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھے پھر بھی تھک جائے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو جہنم کا ذکر کرے اور پھر بھی ہنسے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا ذکر کرے پھر بھی غافل رہے؟

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

اسی طرح حضرت حسن بصری اور غفرہ کے آزاد کردہ عمر اور حضرت علی اور جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے (وکان ابوھما صالحا) کہا گیا ہے کہ وہ ساتواں باپ (یعنی ساتویں پشت کے دادا۔ مترجم) تھا اور ایک قول ہے کہ دسویں پشت کے دادا تھے بہر صورت اس میں دلالت ہے اس بات کی کہ نیک انسان کی اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔ واللہ المستعان۔

اور فرمان الٰہی (رحمۃ من ربک) یعنی جو سب ہوا یہ تو اشتعال نفس سے نہیں اور اللہ نے حکم دیا تھا اپنی طرف سے نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ سب کام وہ اللہ کی طرف سے کرتے تھے نہ کہ اپنی عقل کی طرف سے اور ایک قول یہ کہ وہ رسول ہیں اور ایک قول ہے کہ ولی ہیں اور سب سے غریب اور عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے (مصنف ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) مجھے سب سے زیادہ غریب اور عجیب قول یہ معلوم ہوا کہ وہ ابن فرعون تھا اور ایک قول ہے کہ وہ ضحاک بادشاہ کا بیٹا ہے جو ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی کرتا رہا۔

ابن جریر کہتے ہیں: کہ جمہور اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر "افریدون" نامی بادشاہ کے زمانے میں تھے اور ایک قول ہے کہ خضر ذوالقرنین سے پہلے تھے اور یہ "ذوالقرنین" کے متعلق خیال ہے کہ یہی افریدون بھی تھا اور ذوالقرنین وہ ہے جو ابراہیم خلیل کے زمانے میں تھا۔

اور لوگوں کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام نے آب حیات نوش فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کی زندگی اب تک باقی ہے اور ایک قول ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ بابل کی طرف ہجرت کرنے والے کسی شخص کی اولاد میں سے تھے اور ان کا نام ایک قول کے مطابق ملکان تھا اور ایک قول ہے کہ ارمیاء بن حلقیا تھا اور ایک قول ہے کہ حضرت خضر بشتاسب بن لہراسب کے زمانے میں پیغمبر تھے۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افریدون اور بیوراسب بادشاہوں کے درمیان بہت طویل زمانے گزرے ہیں اور کوئی ان سے جاہل نہیں ہو سکتا ابن جریر کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ افریدون کے زمانے میں تھے اور پھر باحیات رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور حضرت موسیٰ کی بعثت "منوشہر" کے زمانے میں ہوئی اور یہ منوشہر ابن ایرج بن افریدون کی اولاد میں سے تھا اور افریدون فارس کا فرمانروا بادشاہ تھا اور منوشہر نے سلطنت اپنے دادا سے میراث در میراث لی تھی اور یہ عادل بادشاہ تھا اور یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے خندقیں کھودنے کے طریقے (جنگوں میں) ایجاد کیے اور پہلا بادشاہ ہے جس نے بستی میں دہقان بنائے اور شہر میں تنگ الگ کر کے مقرر کیے اور اس کی بادشاہت تقریباً ڈیڑھ سو سال تھی اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور اس شخص سے بہت سے خطبے اور بلیغ کلام جو عقلوں کو حیران کرنے والے ہیں منقول ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خلیل اللہ کی نسل سے ہے۔ واللہ اعلم

فرمان الٰہی ہے۔

"اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو

---

(۱) قال البزار: حدثنا ابراهيم بن سعيد الجوهري، حدثنا بشر بن المنذر، حدثنا الحارث بن عبدالله اليحصبي عن عياش بن عباس القتباني عن ابن حجيرة عن ابي ذر رفعه قال

تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) اللہ نے پوچھا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا؟ (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے عرض کیا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔"[1]

یعنی اللہ نے ہر نبی سے اس پر عہد لیا کہ جو بھی نبی اس کے بعد آئے تو وہ اس کی مدد کرے اس پر ایمان لائے اور یہ چیز اس کے ایمان کے لئے ضروری ہے اور محمد ﷺ کے لئے تو سب سے عہد لیا گیا کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں لہذا ہر نبی جو آپ کو پائے اس پر ایمان لانا لازم ہے کہ آپ کی مدد کرے اور اس پر ایمان لائے لہذا اگر حضرت خضر علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے حضور پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوگا، آپ کے ساتھ ان کو ملنا ضروری ہوگا اور اگر وہ زندہ ہیں تو پھر ضرور یہ بدر میں حضور کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

جیسے کہ جبرئیل اور دیگر بڑے بڑے سردار فرشتے بھی آپ کے جھنڈے تلے تھے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہوں گے تو یہ حق ہے یا رسول ہوں گے جیسے کہا گیا یا فرشتے ہوں گے جیسے ذکر ہوا اور کوئی بھی ہوں تو جبرئیل جو فرشتوں کے سردار ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جو حضرت خضر سے بڑے ہیں اگر یہ زندہ ہوں تب بھی ان کو حضور پر ایمان لانا ضروری ہے تو خضر جو ان سے کم ہیں یا ولی ہیں اگر جیسا کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق تو پھر ان کو کیوں حضور کی اتباع ضروری نہ ہو اور ان کے لئے ملاقات کیوں ضروری نہ ہو؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہی نہیں اگر ہوتے تو کبھی تو کسی دن حضور سے ملاقات ثابت ہوتی۔ اور کسی کی حسن حدیث بلکہ ضعیف حدیث میں بھی یہ بات نہیں اور تعزیت کی حدیث کا ذکر جو حاکم نے روایت کیا۔ پھر اس کی اسناد ضعیف ہے واللہ اعلم

اور حیات خضر علیہ السلام کے متعلق علیحدہ تفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی: آزمائشوں کے جال میں

یعنی حدیث الفتون

ایک حدیث ، حدیث فتون کے نام سے کتب میں موجود ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر آشوب اور تمام کٹھن مراحل اور واقعات و مصائب کا تذکرہ ہے۔

امام ابو عبدالرحمن النسائی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اللہ عزوجل کے مندرجہ ذیل فرمان کے تحت یہ حدیث ذکر کیا ہے۔

وقتلت نفسا فنجيناك من الغم وفتناك فتونا

اور آپ نے ایک جان کو قتل کیا پھر ہم نے آپ کو غم سے نجات دی اور ہم نے آپ کو کئی آزمائشوں میں ڈالا۔

[2] سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس (مذکورہ بالا) قول کے متعلق پوچھا (کہ فرمان ہے ہم نے آپ کو کئی آزمائشوں میں ڈالا) تو اس سے کیا مراد ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگلے دن پوچھنا اے ابن جبیر کیونکہ یہ طویل بات ہے تو میں صبح ہوتے ہی پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ حدیث فتون سنائیں گے اسی کو سننے آ گیا۔

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمانا شروع کیا:

فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے درمیان اللہ کے وعدے کا تذکرہ چلا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا کہ اللہ عزوجل حضرت ابراہیم

---

(۱) آل عمران ۸۱

(۲) حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا يزيد بن هارون، حدثنا اصبغ بن زيد، حدثنا القاسم بن ابي ايوب، اخبرني سعيد بن جبير

علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہوں کا سلسلہ قائم فرما دیں گے۔

تو بعض مصاحب نے کہا کہ اب بستی میں اسرائیل ایسے کسی اپنے بادشاہ کے آنے کے منتظر ہیں جو ان کے ملک کا دعویٰ کرے اور ان کو ان کے شہر سے نکالیں۔ جبکہ فرعون اور اس کے تمام متعلقین کا مراد اور زیادہ کا خیال تھا کہ یہ بشارت حضرت یوسف علیہ السلام کی آمد کی وجہ سے پوری ہو چکی تھی اور وہ بادشاہ ہو چکے والوں ہے لیکن پھر جب عرصہ دراز گزر گیا اور حکومت بالکل ان کے ہاتھ سے نکل گئی تو یہ سمجھ لیا کہ یہ سلسلہ یوسف علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ لیکن ان کو پھر بھی یہ خطرہ دامن گیر رہا کہ اب بھی کوئی اللہ کا پیغمبر پیدا ہو سکتا ہے جس سے ہماری حکومت کو نقصان کا اندیشہ ہے۔

تو اسی خیال کے تحت فرعون نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

درباریوں نے مشورہ دیا اور سب اس مشورے پر متفق ہو گئے کہ ایک جماعت بنائی جائے اور وہ بنی اسرائیل کے گھروں میں پھرے اور ان کے ساتھ چھریاں ہوں اور جس لڑکے کو دیکھیں قتل کر دیں۔ تو اس پر عمل شروع ہو گیا اور اس پر کچھ عرصہ تک عمل ہوتا رہا۔

پھر فرعونیوں کو خیال آیا کہ بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھے تو اپنی زندگیاں پوری کر کے مر رہے ہیں اور بچے قتل ہو رہے ہیں اور قریب ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد ختم ہو جائیں اور پھر جو کام اور خدمت اور محنتیں وہ لوگ کرتے ہیں وہ ہمیں خود کرنے پڑیں۔ تو یہ مصیبت ہماری ہوگی۔

اور اب یہ طے کیا گیا کہ ایک سال لڑکوں کو قتل کیا جائے اور دوسرے سال جو پیدا ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ یعنی ایک سال تو پیدا ہونے والے لڑکے قتل ہوں اور دوسرے سال کوئی قتل نہ ہو تاکہ بڑے مرنے والوں کی جگہ بچے جا لیں گے اور ہمارے کام کاج بھی چلتے رہیں گے کیونکہ بڑے مرنے والے کسی طرح ان سے زیادہ نہیں ہو سکتے جن کو تم ایک سال زندہ چھوڑو گے)

اس طرح بنی اسرائیل کی جمعیت بھی کم رہے گی یعنی افرادی عسکری طاقت نہ ہوگی وہ زیادہ لوگوں سے تم کو خطرہ ہو سکتا ہے اور جو کچھ بچے رہیں ان سے تم اپنے کام کاج بھی لیتے رہو گے۔

تو اس پر اتفاق ہو گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حمل ٹھہرا اور جو سال بچے زندہ چھوڑنے کا تھا اس سال ان کے شکم مبارک سے حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس لئے ان کی والدہ نے ان کو بے خوف و خطر جنم دیا۔

لیکن آئندہ سال جس میں بچے چونکہ بطور احتیاط قتل ہونے تھے اسی سال میں حضرت ام موسیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہو گئیں یعنی حمل ٹھہر گیا اور اس کے ساتھ ہی سخت پریشانی اور خوف بھی دامن گیر ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن جبیر یہی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے یعنی یہ ایک سخت آزمائش تھی۔

جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی والدہ کے شکم مبارک میں آتے ہی لاحق ہوئی یعنی آزمائشوں کا سلسلہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ تو حضرت ام موسیٰ ابھی پیچ و تاب میں مبتلا تھیں کہ اللہ عزوجل نے ان کو دل میں الہام فرمایا (یعنی دل میں بات ڈالی) نہ خوف کر نہ غم کر بے شک ہم اس کو تیرے پاس واپس لوٹائیں گے اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے پھر اللہ نے ان کو حکم دیا کہ جب بچہ جن لے تو اس کو تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دینا۔

تو ایک دن جب کہ ام موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچے کو جنا تو اسی دن اس کو دریا میں اسی طرح بہا دیا جب تابوت ام موسیٰ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو (ام موسیٰ) اور شیطان ان کے پاس آیا اور ان کو وسوسہ ہوا کہ میں نے اپنے ننھے بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اگر میرے پاس وہ ذبح بھی کر دیا جاتا پھر بھی میں اس کو اپنے ہاتھوں کفن دے سکتی یہ میرے لئے بہت اچھا تھا اس سے کہ میں نے اس کو سمندر میں ڈال کر سمندری جانوروں اور مچھلیوں کے سپرد کر دیا؟

ادھر تابوت کو پانی لئے چلا جا رہا یہاں تک کہ وہ دریا کے اس دہانے تک پہنچ گیا جہاں سے فرعون کی محل کی خادمائیں پانی بھرتی تھیں۔

انہوں نے تابوت کو دیکھا تو لپک کر لے لیا اور رکھ لیا اور کھولنے کا ارادہ کیا مگر پھر بعض نے کہا کہ اس میں کوئی خزانہ ہو اگر ہم نے کھول لیا تو

پھر ملکہ ہم پہ یقین نہ کرے گی کہ ہم نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ تو اس خیال کے آتے ہی اس کو اسی طرح اٹھا کر کہ بالکل کھولا ہی نہ تھا لے چلیں اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیں۔

ملکہ نے کھولا تو اس میں بچے کو پایا اور بچے کو دیکھتے ہی اللہ نے ملکہ کے دل میں بچے کی محبت ایسی جاگزیں کر دی کہ کبھی کسی سے اس کو ایسی محبت ہی نہ ہوئی۔

ادھر ام موسیٰ کا کیا حال ہوا؟

(واصبح فؤاد ام موسٰی فارغا) یعنی موسیٰ کی والدہ کا دل ہر چیز سے خالی سوائے موسیٰ کے متعلق غم و فکر کی آگ ان کے دل و دماغ میں جلتی رہی۔

اور ادھر جب بادشاہ کے محل میں بچے کی اطلاع ذبح کرنے والے قصائیوں کی جماعت کو ہوئی تو وہ چھریاں لے کر ملکہ کے پاس پہنچ گئے تاکہ اس کو ذبح کریں۔

اے ابن جبیر یہ بھی انہی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

ملکہ نے کہا اس کو چھوڑ دو ایک بچے سے بنی اسرائیل میں کوئی بڑا اضافہ نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں فرعون کے پاس جاؤں تو میں اس سے اس کو مانگ لوں گی۔ پس اگر اس نے مجھے دیا تو تمہارے عمل کرنے کی بجائے تم نے بہت اچھا کیا اور اگر اس نے اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو میں تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گی۔ پھر بیوی بادشاہ کے پاس آئی اور کہا۔

قرۃ عین لی ولک

یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون بدبخت نے کہا تیرے لئے ہوگی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقام پر رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے اگر فرعون بھی اس کے بارے میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا جیسے کہ اس کی بیوی نے کیا تو اللہ پاک اس کو ضرور ہدایت عطا فرما دیتے جیسے کہ اس کی بیوی کو ہدایت عطا فرمائی لیکن فرعون پر ہدایت (اس کی بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے) حرام کر دی۔

تو فرعون نے جیسے چاہا تھا ہوا۔ پھر بیوی نے اپنی باندیوں سے کہا کہ جاؤ اس کے لئے کوئی "ظئر" (دودھ پلانے والی) تلاش کر لاؤ۔ پھر جو عورت بھی اس کا پستان منہ میں دیتی یہ نہ لیتے۔

اور کسی عورت کے پستان کا دودھ بچے نے قبول نہ کیا۔ یہاں تک فرعون کی بیوی کو یہ خطرہ لگا اور دل میں دھڑکا کہ کہیں یہ بچہ بھوک سے مر ہی نہ جائے اس طرح فرعون کی بیوی کو انتہائی خوف اور خطرہ لاحق ہوا پھر بچے کو ساتھ باندیوں کی گود میں دے کر باہر بازار وغیرہ کی طرف روانہ کیا کہ کسی نہ کسی عورت کا دودھ شاید کہیں پی لے۔

ادھر ام موسیٰ کی حالت یہ تھی کہ جب صبح ہوئی تو اس کے بعد فکر مند ہو گئیں۔ پھر اپنی بیٹی یعنی موسیٰ کی بہن کو کہا جاؤ اس کے پیچھے پیچھے اور اس کو تلاش کرو اور کوشش کرو کہ اس کا کوئی ذکر سنو کہ اب وہ زندہ ہے یا اس کو سمندر کی مچھلیوں نے کھا لیا ہے یا جانور وغیرہ کھا گئے؟ اور اللہ نے جو موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے وعدہ فرمایا تھا وہ اپنی فکر کی شدت کی وجہ سے بھول گئی تھیں۔

پھر وہ اس کو دیکھتی رہی ایک طرف سے اور ان کو کچھ احساس نہ تھا۔ بعض کہتے ہیں عن جنب یعنی وہ ایک طرف سے دیکھتی رہی۔ اور جنب کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کی تلاش کے لئے نگاہ اٹھائے اور وہاں کے لوگوں میں رہے اور ان کو اس کا پتہ نہ چلے۔

خیر بہن دیکھتی رہی کہ دایوں کا سلسلہ چل رہا ہے اور جب دیکھا کہ اب تمام آ چکیں (دودھ پلانے والی عورتیں) اور پھر بھی موسیٰ نے کسی کی گود کو دودھ کے لئے قبول نہیں کیا تو بہن خوشی سے بے قرار ہو گئی اور فرط خوشی میں کہہ گئی۔

" کیا میں تم کو ایسا گھر بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی کفالت کریں گے اور وہ اس کے لئے خیر خواہ

ثابت ہوں گے۔"

تو لوگوں نے بچی کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ تجھے کیا پتہ کہ وہ گھر والے بچے کے ساتھ خیر خواہی کریں گے (اور یہ ان کا دودھ قبول کرے گا) کیا تو اس بچے کو پہچانتی تو نہیں؟ تو اس کے متعلق لوگوں کو شک پڑ گیا۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ہے۔

پھر اللہ کے فضل سے بچی سے جواب بن پڑا اور بولی میں نے یہ سمجھ کر کہا ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خاندان کی خدمت میں بہت رغبت رکھتے ہیں اور بادشاہ سے نفع کی رغبت بھی رکھتے ہیں شاید اسی لئے وہ قبول کر لے اور وہ بچے کی بہت شفقت والے ہیں۔

تو لوگوں نے بچی کو چھوڑ دیا اس نے کہا کہ چلا جاؤ تو بچی وہاں سے خوشی کے تیزی سے والدہ کے پاس پہنچی اور عظیم خوشخبری سنائی۔ تو والدہ فوراً چلی آئیں اور وہاں بچہ کو اٹھا کر اپنے لخت جگر کو سینے کی گود میں لیا (گویا بچہ پہچان گیا ہو) اور فوراً جھپٹ کر چھاتیوں میں آیا اور پستانوں سے چمٹ گیا۔ حتیٰ کہ بچے کے دونوں پہلو سیر ہونے کی وجہ سے ابھر آئے۔ اور پھر ایک خوشخبری دینے والا بھاگا بھاگا فرعون کی بیوی کے پاس پہنچا اور خوشخبری دی کہ ہم نے تیرے بیٹے کے لئے آیا حاصل کر لی ہے بادشاہ اور فرعون کی بیوی نے والدہ کو بلوایا تو ماں اور بچہ دونوں پہنچ گئے۔

بیوی نے ام موسیٰ کے ساتھ موسیٰ کا تعلق دیکھا تو کہا آپ یہیں رہا کریں تاکہ بیوی نے کہا کہ تم میرے پاس (محل) میں ٹھہر جاؤ اور اس کو دودھ پلانے کی خدمت سر انجام دو۔ اس لئے کہ مجھے اس کی محبت کے مقابلے کسی اور چیز سے اتنی محبت نہیں رہ گئی۔ ام موسیٰ نے فرمایا: میں اپنے گھر بار اور بچوں کو نہیں چھوڑ سکتی وہ ضائع ہو جائیں گے اگر آپ کو اچھا لگے تو اس کو مجھے دے دیں میں اس کو اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس لے جاؤں گی۔ در حقیقت ام موسیٰ کو اللہ کا وعدہ یاد آ گیا تھا (کہ بچہ تمہارے پاس واپس لوٹا دیا جائے گا اور مرسل بنایا جائے گا) اس وجہ سے فرعون کی بیوی پر تل گئی۔ اور یقین کر لیا کہ اللہ عزوجل اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائیں گے۔ تو اسی دن واپس اپنے گھر چلی گئیں۔ اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بہتر طریقے سے پرورش فرمائی اور تمام نازل ہونے والے مصائب سے ہر موڑ پر خوب حفاظت فرمائی۔ اور بنی اسرائیل بھی ملک کے کونے میں ظلم و ستم سے بچ کر محفوظ رہنے لگے۔ اور جب بچہ والدہ کے پاس کچھ بڑا ہو گیا۔ تو ایک مرتبہ بادشاہ کی بیوی نے ام موسیٰ سے کہا کیا میرے بیٹے کی مجھے زیارت کراؤ گی؟ تو ام موسیٰ نے ایک دن کے لئے وعدہ کر لیا۔

پھر فرعون کی بیوی نے اپنے خزانچیوں اور اپنی کنیزوں اور اپنے خادموں سے کہا کہ تم سب کے سب جب میرا فرزند آئے تو اس کے لئے ہدیے اور تحائف کے ساتھ استقبال کرنا اور میں خود تمہاری نگرانی کروں گی کہ تم میں سے ہر ایک نے کیا کیا؟ اور ویسے بھی بادشاہ کی بیوی موسیٰ کے آنے کے بعد ان کے لئے تحائف اور ہدایا منتخب کرتی رہتی تھی۔ پھر جب ماں اپنے بچے کو لے کر محل میں آئیں تو بادشاہ کی بیوی نے بھی بہت مسرت و خوشی سے انعام و اکرام کی بارش کر دی اور ام موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوب خوب انعام دیا کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہترین پرورش کی تھی۔ پھر بادشاہ کی بیوی نے کہا کہ میں اس کو فرعون کے پاس بھی لے کر جاؤں گی اور پھر اس پر وہ بھی ہدیے تحائف اور ہدایا پیش کریں گے اور اس کی عزت افزائی کریں گے۔

تو اسے لے کر بادشاہ کی بیوی بادشاہ کے پاس لے گئی۔ بادشاہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں بھی لے لیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی اور زور سے کھینچ کر نیچے کی طرف جھکا دی۔ اس وقت خدا کے دشمنوں میں سے ہر کسی نے فرعون کے کانوں میں کہا:

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ابراہیم سے اپنے نبی کے متعلق کیا وعدہ فرمایا تھا؟

کہ وہ تیرے زوال و حکومت کا وارث ہوگا اور تجھ پر غلبہ پائے گا اور تجھے شکست دے گا پچھاڑ کر رکھ دے گا (تو یہ نشانی اس بچے نے ظاہر کر دی ہے) تو فرعون نے قصائیوں کو بلایا تا کہ اس کو ذبح کر ڈالے۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے بڑی آزمائش تھی۔

چنانچہ فرعون کی بیوی دوڑی دوڑی فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی اس بچے کے متعلق آپ کو کیا ہو گیا جو آپ نے مجھے دیدیا ہے؟ فرعون نے کہا: کیا تو اس کو نہیں دیکھ رہی کہ وہ مجھے (داڑھی کھینچ کر) پچھاڑ رہا ہے اور مجھ پر غلبہ پا رہا ہے؟ بیوی نے کہا: آپ اپنے اور میرے درمیان ایک چیز

پیش کر دے جس سے حق ظاہر ہو جائے کہ وہ واقعی بچے نے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لئے تو وہ انگارے اور وہ موتی منگوا اور وہ اس بچے کے سامنے رکھ دے پس اگر یہ انگارے پکڑے اور موتیوں کو نہ پکڑے تو پھر آپ سمجھئے کہ کوئی سمجھ والا بھی موتیوں کو چھوڑ کر انگاروں کو نہیں پکڑ سکتا۔

تو فرعون کی کھوپڑی میں بات بیٹھ گئی اور اس نے یہ چیزیں سامنے رکھوا دیں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگاروں کو جھپٹا مارا۔ پھر فرعون نے انگارے ہاتھ سے چھین لئے کہ کہیں اس کے ہاتھ کو نہ جلا ڈالیں۔ یہ دیکھ کر فرعون کی بیوی نے کہا دیکھ لیا؟

تو وہ برائی جس کا فرعون ارادہ کر چکا تھا اللہ نے دفع فرما دی اور اللہ پاک اپنے کام کو خوب انجام تک پہنچانے والا ہے پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بالغ ہو گئے اور مردوں میں شمار ہونے لگے۔ تو کوئی فرعونی شخص کسی بنی اسرائیل پر ظلم نہ کرتا تھا اور پہلے سے بہت فرق آ چکا تھا بلکہ پوری طرح فرعونی باز آ چکے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے جا رہے تھے کہ دیکھا شہر کے کونے میں دو آدمی برسر پیکار ہیں ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ تو اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف مدد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا۔ تو موسیٰ علیہ السلام انتہائی غصے میں آ گئے کیونکہ فرعونی نے اسرائیلی کو دبا رکھا تھا اور قبطی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسرائیلی لوگوں سے صرف اتنا تعلق سمجھتے تھے کہ صرف اس نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے باقی ہے یہ ہماری طرف۔ لیکن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات اور کی اطلاع کر دی تھی جو غیروں کو بالکل پتہ نہ تھی۔

تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونی پر کود پڑے اور اسے ایک گھونسا رسید کیا تو نبی کا زور وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا لہذا اگلے جہاں پہنچ گیا۔ لیکن اس وقت کوئی اور شخص سوائے اللہ اور اس اسرائیلی کے موجود نہ تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اتنے سے یہ سدھار جائے گا لہذا فرمانے لگے (یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے۔ پھر کہا پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس میری مغفرت فرما دیجئے۔ تو اس نے اس کی مغفرت کر دی۔ بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ کہا پروردگار آپ نے جو مجھ پر انعام کئے ہیں پس آئندہ میں مجرموں کا پشت پناہ نہ ہوں گا۔ پھر شہر میں خوف کے ساتھ صبح کی (کسی خبر کا) انتظار کرتے ہوئے)۔(۱)

ادھر فرعون کے پاس شکایت پہنچی کہ کسی اسرائیلی نے ہمارے فرعونی شخص کو قتل کر دیا ہے لہذا ہمیں ہمارا حق بدلہ دلوایا جائے۔ اور اسرائیلیوں کو مہلت نہ دی جائے تو فرعون نے کہا میرے پاس قاتل کو تلاش کر لاؤ اور قتل پر کوئی گواہ بھی پیش کرو۔ کیونکہ اگرچہ بادشاہ اپنی قوم کے لئے خیر خواہ اور جانبدار ہے لیکن اس کے لئے بغیر گواہ اور ثبوت کے کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے لہذا مجھے کوئی پتہ کر کے بتاؤ میں تمہارا حق دلواؤں گا۔

لہذا وہ اسی غرض کی خاطر شہر میں چکر لگاتے رہے مگر کوئی قاتل اور اس کا ثبوت نہیں پا رہے تھے۔

پھر ادھر موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دوبارہ شہر میں اسی اسرائیلی کو دیکھا کہ وہ کسی اور فرعونی سے لڑ رہا ہے۔ تو اسرائیلی نے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی صدا لگائی اور مدد کے لئے پکارا۔ تو موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور وہ اس مرتبہ اپنے پچھلے کئے پر نادم و پشیمان تھے اور اس اسرائیلی ہی پر غصہ کھا رہے تھے اور اس کو کچھ کہا۔ اسرائیلی نے دیکھا کہ اب تو میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو فرمایا (بے شک تو ہی کھلا سرکش آدمی ہے)

اسرائیلی سمجھ گیا کہ گزشتہ روز بھی اسی طرح غصہ اور الفاظ کے بعد ایک گھونسے سے قبطی کا کام تمام کر دیا تھا اور اب مجھ پر غصہ ہے اور مجھے سخت برا کہہ رہے ہیں لہذا اب میرے قتل کے درپے ہیں۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خیال بھی نہ تھا۔ اور اسرائیلی نے جو نہ کہنا تھا وہ کہہ بیٹھا۔

اے موسیٰ علیہ السلام کیا تیرا ارادہ (آج) مجھے قتل کرنے کا ہے جیسے کل گزشتہ تو نے ایک جان کو قتل کر ڈالا تھا؟

یہ لڑائی تو بند ہو گئی لیکن۔ فرعونی شخص کو زبردست ثبوت مل گیا تھا۔ اور وہ فوراً فرعون کے پاس پہنچا اور ساری خبر سنائی حتیٰ کہ یہ بھی بتایا کہ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ (تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک جان قتل کر ڈالی)۔ تو معلوم ہوا کہ موسیٰ ہی اس قبطی شخص کے قاتل ہیں۔

تو فرعون نے فوراً جلادوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

---

(۱) القصص ۱۵۔ ۱۹

فرعون کا یہ قصائی قافلہ ایک بڑے راستے پر چلا جا رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے اور یہ امید تھی کہ موسیٰ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اتنے میں ایک حضرت موسیٰ کی قوم کا آدمی شہر کے دوسری طرف سے مختصر راستے سے ہوتا ہوا حضرت موسیٰ کو پہلے جا ملا اور یہ خبر سنا دی۔

اے ابن جبیر یہ بھی فتون (آزمائشوں) میں سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً شہر سے نکل کر مدین کے راستے پر ہو لئے جبکہ پہلے کبھی ان کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا بلکہ شاہی سہولتیں میسر تھیں۔ اور آگے راستے کا بھی کوئی علم نہ تھا۔ بلکہ اپنے پروردگار کے ساتھ حسن ظن پر چل دئے (اور کچھ پتہ نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں بس یہاں سے نکل لو) اور راستے کی رہنمائی اللہ کرے گا۔ اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان کے پیچھے دو لڑکیاں (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا (تمہارا کیا مقصد ہے) کہ تم لوگوں سے الگ کھڑی ہو اور جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو۔ تو لڑکیاں بولیں کہ ہمارے اندر اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کا مقابلہ کریں اور گھس گھس کر پانی پلا لیں۔ بلکہ ہم بچے کچے پانی کا انتظار کر رہی ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بکریوں کو پانی پلا دیا اور سب سے پہلے بھرا ہوا ڈول نکالا اور سب بکریاں سیر ہو گئیں۔ اور دونوں حیادار لڑکیاں واپس چلی گئیں۔ اور حضرت موسیٰ واپس آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال تھے زبان سے دعا نکلی (پروردگار جو بھی آپ (میرے گذر بسر کے لئے) خیر نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں) اور ادھر لڑکیاں جلدی واپس پہنچیں تو ان کے والد کو تعجب ہوا کہ بکریاں پانی سے سیر ہیں اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنی جلدی؟ پوچھا کہ کیا بات ہے تو دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی کہ ایک جوان ہے جس نے ہمدردی کی ہے۔

تو والد محترم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا اور جب ایک لڑکی کو بھیج کر بلوایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے والد سے ساری داستان سنائی تو انہوں نے تسلی دی اور (کہا خوف نہ کرو آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں) یعنی فرعون اور اس کی قوم کو ہم پر کوئی برتری اور حکومت نہیں ہے اور نہ ہم اس کی سلطنت میں ہیں۔ اتنے میں ایک لڑکی بولی (اے ابا جان ان کو کام پر رکھ لیجئے بے شک جسے آپ کام پر رکھیں ان میں طاقت ور اور امانت دار زیادہ بہتر ہے) اور اس میں دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لیکن اس بات سے والد کو غیرت آئی اور پوچھا کہ تجھے کیا علم اس کی قوت اور امانت کا؟ لڑکی نے کہا قوت کا اندازہ اس کے ڈول بھرنے سے لگایا کہ اس قدر وزنی بھی کسی شخص نے اکیلے ڈول نہیں بھرا۔ اور امانت کا اندازہ اس طرح لگایا کہ جب میں اس کے پاس پہنچی تو اس کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی اور پتہ چلا کہ کوئی لڑکی ہے تو فوراً سر جھکا لیا اور پھر بالکل سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کا پیغام پورا پہنچا دیا۔ پھر اس نے مجھ کو کہا تو میرے پیچھے پیچھے چلتی رہو اور راستہ پیچھے سے بتاتی رہو۔ اور ایسی احتیاط کوئی بہت امانت دار ہی کر سکتا ہے۔ تو والد لڑکی کی بات سے انتہائی خوش ہو گئے اور لڑکی کی بات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق حسن ظن قائم کر لیا پھر حضرت موسیٰ کو کہا۔

(میرا خیال ہے کہ میں اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میرا کام کرو اگر دس سال کر لو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا اور میں تم پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ عنقریب آپ مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔)(1)

سعید بن جبیر کہتے ہیں مجھے ایک نصرانی عالم ملا اور پوچھا کہ کیا آپ کو پتہ ہے کہ موسیٰ نے کونسی مدت پوری کی تھی؟

میں نے کہا نہیں۔ اور مجھے واقعی اس دن کوئی علم بھی نہ تھا۔ پھر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں پتہ نہیں کہ آٹھ سال تو اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کچھ کمی نہیں کر سکتے تھے)

اور کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ وعدہ ضرور پورا کرنا تھا جو انہوں نے فرمایا تھا۔

تو بس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال ہی پورے فرمائے تھے۔

تو میں پھر اس نصرانی سے ملا اور اس کو خبر دی اس نے کہا جس سے تم نے سوال کیا ہے سو تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ میں نے کہا بالکل اور وہ مجھ سے بہت بہتر ہیں۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کو لیکر چلے تو لاٹھی اور ہاتھ وغیرہ کا معجزہ اور نبوت وغیرہ تمام امور پیش آئے جو آپ قرآن میں پڑھ چکے۔

---

(1) القصص ۲۷

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی زبان کی لکنت اور فرعونی کے قتل ہو جانے کی شکایت کی کہ زبان میں لکنت صاف فصیح گفتگو سے مانع ہے لہذا مجھے میرا بھائی بطور وزیر کے عطا کیا جائے۔ اور وہ میرے لئے پشت پناہ بھی ثابت ہوں گے اور میری جگہ بات چیت بھی مشکل ہو تو پیش کریں گے تو اللہ نے ان کی مراد عطا کردی اور زبان کی لکنت بھی کافی حد تک دور فرما دی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی بھیج دی اور فرمایا کہ آگے جا کر آپ موسیٰ سے ملاقات کریں (اور استقبال کریں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو ٹیک لگائے چلتے رہے حتیٰ کہ ہارون سے جا ملے۔ پھر دونوں فرعون کے دربار پہنچے اور ایک عرصے تک دروازے پر ٹھیرے رہے کیونکہ اجازت نہیں مل رہی تھی۔ پھر سخت حجاب کے بعد اجازت ملی تو دونوں نے یہ کہا۔

انا رسولا ربک

ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں۔

پوچھا:

فمن ربکما

تمہارا پروردگار کون ہے؟

پھر آگے وہی ساری خبر ہے جو قرآن میں آپ پڑھ چکے

پھر فرعون نے کہا اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اور ساتھ ہی پہلے قتل کا ذکر چھیڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا ارادہ مقصد ہے کہ تو مجھ پر ایمان لے آئے اور میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ لیکن اس نے انکار کردیا اور کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو لے آ (کوئی نشانی) پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی وہ اژدھا بن گیا (یعنی لاٹھی پھینکتے ہی عظیم الشان بڑے اژدھے کی شکل میں آ گئی) وہ اژدھا منہ کھولے فرعون کی طرف تیزی سے لپکا فرعون نے دیکھا کہ میری طرف بڑھ رہا ہے تو اپنے تخت پر خوف سے پیچھے کو دبک گیا۔ اور موسیٰ سے فریاد کی کہ اس کو روک لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو روک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی پیش کی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا وہ بغیر کسی برص وغیرہ کی بیماری کے انتہائی تیز روشن چمکدار ہو گیا۔ پھر واپس اپنے گریبان میں ڈالا تو اپنی پہلی اصلی شکل میں آ گیا۔

تو فرعون نے اپنے گرد و پیش درباریوں سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے یہ جادوگر ہیں جو تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریقے کو مٹانا چاہتے ہیں (یعنی اس ملک سے تم کو نکالنا چاہتے ہیں جس میں تم عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہے ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے ہر بات کا انکار کر دیا جو بھی آپ نے ان سے طلب کی تھی اور فرعون سے کہا کہ تیری سلطنت میں جادوگر بہت ہیں ان کو جمع کر کہ وہ اپنے جادو کے ساتھ یہ ان دونوں پر غالب رہے۔

پھر فرعون نے شہروں کی طرف قاصد بھیجے اور تمام جادوگر فرعون کے دربار میں اکٹھے ہو گئے جب فرعون کے پاس آئے تو کہنے لگے یہ جادوگر جس سے ہمارا مقابلہ ہوگا کس چیز سے کرتا ہے۔ کہا کہ یہ جو سانپ بنا کر۔ تو انہوں نے کہا صاحب۔ کہ زمین پہ جادوگر بھی اللہ کی قسم ہم سے زیادہ زمین پر ساحر نہیں رسیاں اور لاٹھیوں کے جادو میں کوئی ہم سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اور مقابلے کے لئے زینت کا دن طے ہوا اور حکم ہوا کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔

سعید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زینت کا دن جس میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر غلبہ عطا فرمایا تھا وہ عاشوراء یعنی دس محرم کا دن تھا۔

پھر جب وہ دن آیا اور لوگ جمع ہونا شروع ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے چلو چلو اس حد سے کہ دیکھیں شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب آ گئے (اصل میں یہ ان کا مقصد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کی اتباع کریں اگر وہ غالب آ گئے۔ وہ یہ مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے کے لئے کہتا تھا اور نبیوں سے تمسخر کرنے والے تھے۔

جب سب اکٹھے ہو گئے اور جادوگر اپنے جادو کی چیزوں کو ٹھیک کر کے تیار ہو گئے تو حضرت موسیٰ کو بولے اے موسیٰ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو پہلے (پھر ان جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور بولے کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی ضرور غالب آنے والے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو دل میں کچھ خوف کی آہٹ محسوس کی تو اللہ نے ان کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی ڈالیں، وہ لاٹھی ڈالی تو وہ ایک عظیم الشان سانپ بن گیا جس کے پاؤں تھے بڑی گردن تھی اور بہت بڑا اور خوفناک ہو گیا اور سب کے سب لوگ جو سامنے اس طرف میں تھے وہاں سے ادھر ادھر منتشر ہونے لگے اور پھر جو کچھ بھی رسیاں لاٹھیاں تھیں سب کو اژدہا نگل گیا۔

جب جادوگروں نے یہ خوفناک صورت حال دیکھی تو اس معجزہ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے جادو سے ایسی بات نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ معجزہ ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ پس سجدہ میں گر پڑے اور کہا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ موسیٰ لائے ہیں سب کو مانتے ہیں۔ اور اپنی غلطیوں سے توبہ کرتے ہیں اور اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

یہ ماجرا دیکھ کر فرعون کی کمر ٹوٹ گئی اور سب کے سامنے جادوگروں اور شاہی لوگوں کے درمیان شکست سے دو چار ہوا اور ذلت کا غصہ ہوا۔ (اور جو کچھ وہ کر رہے تھے سب باطل ہو گیا۔ پس وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے)

اہل مصر میں فرعون کی سرکشی یعنی نافرمانی کی وجہ سے ایک مدت رہی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور فرعون کی مخالفت کے لئے دعا کرتی رہی اور جادوگروں کی قربانی دیکھا تو کہا کہ یہ فرعون اور اس کی جماعتوں کے ظلم کے سبب دل سے جھکاؤ حقیقت اسی طرح مصیبتیں اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی پھر کل جماعت پر فرعون کے ہاتھ سے ظلم ہوتے رہے۔ جب کوئی نشانی آتی تو وہ وعدہ کر لیتے کہ اب وہ بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ چھوڑ دیں گے۔ پھر جب وہ عذاب ٹل جاتا تو وعدہ خلافی کر جاتے۔ اور بہت جھگڑے سے کہا کرتے کہ تمہارا رب تمہارے علاوہ کوئی عذاب بھیج سکتا ہے؟ اسی طرح اللہ نے فرعون پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کا کھلا عذاب بھیجا۔ پھر آپ موسیٰ سے کہتے اب کی ہم سے وعدہ کر لو ایمان لے آئیں گے کیونکہ ہم سے عذاب ہٹا دو۔ پھر جب وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو وعدہ توڑ دیتے۔ آخر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات لے کر نکل جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو رات میں لے کر نکل گئے۔

جب فرعون نے صبح کی اور دیکھا کہ بنی اسرائیل تو رات ہی کو نکل گئے تو بڑی تیزی سے مصر کے شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لئے بھیجے پھر عظیم لشکروں کو لے کر بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔

اور اللہ نے سمندر کو پہلے سے حکم فرما دیا کہ جب موسیٰ تجھ پر اپنی لاٹھی مارے تو پھٹ جانا بارہ راستے کہ وہ پار ہو جائیں۔ پھر باقی آنے والوں پر مل جانا اور غرق کر دینا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام سمندر کو لاٹھی مارنا بھول گئے اور سمندر بہت تیز تیز آوازیں موجوں کی شکل میں اور حقیقت سمندر میں پیدا ہوئیں سمندر کے کنارے خوف کی وجہ سے پیدا ہوا کہ کہیں موسیٰ لاٹھی مار دیں اور یہ غافل ہو پھر اللہ کے حکم کی فرمانبرداری ہو جائے۔

پھر جب موسیٰ کی قوم نے دشمن لشکروں کو اپنے سامنے دیکھا تو (کہا موسیٰ کے ساتھیوں نے ہم تو پکڑے گئے) کہا اے موسیٰ سب نے جمع ہم دیکھیے پس آپ ہمیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں سمندر پر پہنچوں گا تو وہ راستہ جس سے میں سمندر پار کر جاؤں گا۔

پھر اچانک حضرت موسیٰ کو لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا اور پھر سمندر پر لاٹھی ماری اور موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو سمندر کے قریب کیا پھر سمندر بارہ راستوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ اپنی قوم سمیت سمندر پار ہو گئے اور فرعون تمام لشکروں سمیت سمندر کے راستوں میں داخل ہو گیا تو سمندر نے راستے ختم کر دیے اور ان کو غرق کر دیا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام پار ہو گئے تو آپ کے ساتھیوں نے خوف کا اظہار کیا کہ شاید فرعون غرق نہ ہوا ہو پھر کہیں سے نکل دیں

گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو سمندر نے فرعون کی نعش کو باہر پھینکا اور سب نے اس کی لاش دیکھی تب یقین آیا کہ بے شک مر کھپ چکا ہے۔

پھر بنی اسرائیل کا ایک قوم پر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے بتوں پر عبادت کی حالت میں جھکے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے۔ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں فرمایا تم جاہل قوم ہو بے شک یہ لوگ جس میں مشغول ہیں ہلاک ہونے والا ہے اور جو یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے)۔

تم کس قدر عبرتیں دیکھ چکے ہو اور کس قدر نصیحت سن چکے ہو جو تمہارے لئے کافی ہیں بلکہ خوف خدا کرو اور یہ معاملہ گزر گیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے ان کو ایک جگہ اتارا اور کہا ہارون کی فرماں برداری کرتے رہنا بے شک اللہ نے اس کو تم پر خلیفہ منتخب فرمایا ہے اور میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں اور یہ مدت تیس دن ہو گی۔ اس کے بعد تم تک واپس ہو جاؤں گا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس آئے اور تیس دن روزوں میں گزارے جب تیس دن پورے ہو گئے تو خیال آیا کہ منہ میں کچھ بو ہے جب رب سے کلام کرنا ہے لہٰذا کچھ مسواک وغیرہ کر لی اور دانتوں پر رگڑ ڈالی پھر پروردگار کے پاس آئے تو رب نے پوچھا کیوں افطار کیا (یعنی مسواک کر کے منہ کی بو کیوں توڑ دی) حالانکہ رب العزت ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے ناپسند خیال کیا کہ میں آپ سے ہمکلام ہوں اور منہ سے بو آئے۔ تو رب نے فرمایا۔

اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو معلوم نہیں ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ پھر واپس جاؤ اور دس روزے مزید رکھ کر آؤ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل فرمائی۔

ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف نہیں لائے تو ان کو یہ بات بری لگی۔ اور اس سے پہلے حضرت ہارون ان کو وعظ و نصیحت فرما چکے تھے۔

کہ تم مصر سے نکلے ہو اور فرعونی قوم کا تمہارے پاس عاریتاً اور امانت کا زیور ہے اور تمہارے پاس اپنا بھی موجود ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ جو مال تمہارا ان کے پاس رہ گیا ہے تم خدا سے اس کے ثواب کی امید رکھو اور ان کے مال کو بھی تمہارے لئے حلال نہیں لیکن جو تم نے امانت کے طور پر لیا ہے وہ بھی عاریت کے طور پر ہے اور اب ہم ان کو تو واپس نہیں کر سکتے اور نہ اپنے لئے روک سکتے ہیں تو حضرت ہارون نے ایک گڑھا کھودا اور قوم کو حکم فرمایا کہ سارا مال اور زیور اس میں ڈال دو پھر حضرت ہارون نے اس کو آگ لگا دی اور فرمایا نہ یہ ہمارے لئے ہے اور نہ ان کے لئے اور سامری کی قوم سے تھا جو گائے کی عبادت کرتے تھے اور اس کی قوم بنی اسرائیل کی پڑوسی تھی۔ لیکن بنی اسرائیل میں سے نہیں تھی۔ تو یہ بھی حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ساتھ آ گیا اور سامری کے لئے ایسا ہوا کہ اس نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے نقش قدم میں سے کچھ مٹی اٹھائی ہوئی تھی اور اب جب حضرت ہارون نے لوگوں کا زیور گڑھے میں جلا ڈالا تو یہ بھی مٹی کو مٹھی میں بند کئے آ گیا حضرت ہارون نے دریافت کیا: اے سامری! کیا جو تیرے ہاتھ میں ہے وہ نہ ڈالے گا؟ اس نے کہا یہ اس رسول کے نقش قدم کا اثر ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے تم کو سمندر پار کرایا۔ اور میں اس کو کسی وجہ سے نہیں ڈال سکتا سوائے ایک شرط کے کہ اے ہارون آپ اللہ سے دعا کریں کہ میرے ڈالنے کا جو مقصد ہے اللہ اس کو پورا کر دے۔ تو میں ڈال دوں گا۔ حضرت ہارون نے دعا فرما دی۔ تو اس نے ڈال دیا۔

پھر کہا کہ میں نے اس کے بچھڑے ہو جانے کا ارادہ کیا ہے۔ تو جو کچھ گڑھے میں سونا چاندی لوہا اور پیتل تھا سب کا سب ایک کھوکھلے بچھڑے کی صورت میں ہو گیا۔ اور کوئی روح وغیرہ اس میں نہ تھی۔ صرف کچھ آواز تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم اس میں کوئی آواز نہ تھی بس اتنا تھا کہ اس کے پچھلے مقام سے ہوا داخل ہوتی تھی اور منہ سے نکل جاتی تھی۔ بس اسی وجہ سے آواز پیدا ہو جاتی تھی۔ (خود اس کی کوئی آواز نہ تھی)

پھر بنی اسرائیل کئی گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ نے کہا: اے سامری یہ کیا ہے؟ اور تو تو اس کو زیادہ جانتا ہے۔ سامری نے کہا یہی تمہارا پروردگار ہے اور موسیٰ راستہ بھٹک چکے ہیں۔

اور آپ کہہ دیتے کہ تم نے میری بات کی حفاظت نہیں کی۔ [illegible] [illegible] حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible]

«بے شک [illegible] بنی اسرائیل میں [illegible] نہیں کیا۔»

اس طرح [illegible] سامری [illegible] کا اعلان کر دیا۔

تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو فرمایا [illegible] { [illegible] چکی ہے۔

کہنے لگے [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] ہمارے پاس [illegible]

اور [illegible] سے [illegible]

پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible] ہے تو [illegible]

موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غضب آلود افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے }

اور پھر جیسا کہ قرآن مجید میں [illegible] تختیاں پھینک دیں [illegible] اور موسیٰ نے اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا [illegible] سب ڈال دیا۔ پھر بھائی کے عذر [illegible] غصہ [illegible] پھر سامری کے پاس لوٹے اس کو کہا تجھے یہ سب کچھ کرنے پر کس چیز نے ابھارا؟ سامری نے کہا [illegible] قدم [illegible] [illegible] لیکن تم [illegible] (پھر موسیٰ نے اس کو [illegible]) [illegible] نفس نے مجھے [illegible] جا تیرے لئے زندگی میں یہ ہے کہ کہا کر مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ اور تیرے لئے (عذاب کا) وعدہ [illegible] جس پر تو جما بیٹھا ہے ہم اس کو جلا ڈالیں گے پھر اس کو [illegible] دریا میں [illegible]

پھر بنی اسرائیل نے یقین کر لیا کہ [illegible] تھی جو حضرت ہارون کے ساتھ تھے۔ پھر لوگوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا

اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سوال کریں [illegible] موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو [illegible] جن سے کسی قسم کا [illegible] شرک [illegible] کو لے کر چلے تاکہ ان کے لئے توبہ کا سوال کریں۔ پھر زمین [illegible] ہلا ڈالا۔

تو اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام [illegible] اپنے [illegible] سے [illegible] اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی ان کو [illegible] ہلاک کر دیتے۔ کیا آپ ہم کو [illegible] بے وقوفوں [illegible] ایسے لوگ بھی تھے [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور میری رحمت ہر چیز [illegible] [illegible] علیہ السلام نے [illegible] [illegible]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] قتل [illegible]

[illegible] حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible]

والوں کی مغفرت فرمادی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر وادی مقدس کی طرف چلے، اور طور سے لوٹنے کے بعد تختیاں اٹھائیں۔

اور جو کچھ ان میں لکھا تھا ان کو بنی اسرائیل کو حکم فرمایا۔ لیکن وہ بھی ان پر بوجھل اور مشکل ہو گیا اور انہوں نے انکار کر دیا کہ اس کا اقرار کریں۔ پھر اللہ نے پہاڑ کو معلق فرمادیا گویا کہ وہ سائبان ہے۔ اور پھر اتنا قریب ہو گیا کہ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ اب گرے۔ پھر لاچار فوراً کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہاڑ کی طرف دیکھنے لگے کہ کہیں گر ہی نہ جائے۔ اس لئے کتاب ہاتھ میں لے کر اقرار کر لیا کہ ہم ضرور اس کی ہر بات مانیں گے۔ تو اللہ پاک نے ان سے پہاڑ کو اٹھا دیا۔ پھر چل پڑے حتیٰ کہ وادی مقدس جا پہنچے۔

پھر ایک شہر پایا جس میں جبار بڑی قوم تھی۔ ان کی عجیب تخلیق و خلقت تھی۔ اور پھر ان کے پھلوں وغیرہ کی عجیب کیفیات ذکر کی گئی ہیں ایسے ایسے والے ہیں۔ پھر بنی اسرائیل نے کہا (اے موسیٰ علیہ السلام اس میں جبار بڑی قوم ہے) ہمیں ان سے مقابلے کی سکت نہیں اور وہ جب تک شہر میں رہیں گے ہم داخل نہ ہوں گے (ہاں اگر وہ اس سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے)۔

(کہا دو آدمیوں نے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے) آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رجلان من الذین یخافون

تو یزید راوی سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ تو یہ دو آدمی ان کے اور کہا ہم موسیٰ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کہا تم صرف ان کے اجسام اور ان کی تعداد سے ڈرتے ہو درحقیقت ان کے پاس دل نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس حفاظت وطاقت ہے پس اور دروازے سے ہی داخل ہو جاؤ پس جب تم داخل ہو گئے تو تم ہی غالب ہونے والے ہو اور لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھے اور جو لوگ ڈرتے تھے وہ بولے اے موسیٰ علیہ السلام ہم تو ہرگز اس میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں۔ پس آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔

اس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غضبناک کر دیا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف بددعا کی اور ان کو فاسقین کے نام سے پکارا۔ اور اس سے پہلے کی طرح کی معصیت اور برائیاں بھی دیکھ چکے تھے مگر بددعا نہ فرمائی تھی مگر اب ایسے الفاظ سے انکار برداشت نہ ہو سکا کہ آپ اس پر مجبور ہو گئے۔

پھر اللہ نے اپنے نبی کی بددعا کی لاج رکھی اور قبول فرمائی اور اللہ نے بھی ان کو اپنے نبی کی طرح فاسق کے نام سے موسوم فرمایا۔ اور پھر اللہ نے ان پر سزا مقرر فرمائی کہ چالیس سال تک ایک میدان میں قید فرما دیا جس سے وہ کسی طرح باہر نہ نکل سکتے تھے۔ صبح سے سارا دن بھاگتے چلتے رہتے اور کہیں نہ ٹھہرتے۔ اور دھوپ میں اللہ نے ان کے لئے بادل مہیا کر دیے تھے اور گذر بسر کے لئے من وسلویٰ کھانا مقرر فرما دیا تھا۔ اور ایسے کپڑے ان کو عطا کر دیے تھے جو نہ پرانے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے درمیان ایک چوکور پتھر عطا فرمایا تھا اور موسیٰ کو حکم دیا کہ اس پر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ہر طرف تین تین چشمے۔ اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا تھا اور جب بھی آگے ان کی دوسری جگہ کوچ کرتے تھے پھر وہیں وہ پتھر موجود پایا جاتا۔

حدیث فتون ختم ہوئی۔

اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف مرفوع فرمایا ہے (یعنی آپ سے نقل کی ہے) اور مصنف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات حق ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو حدیث بیان کرتے سنا تو ایک مقام پر ان کو ٹوکا کہ یہ فرعونی کیسے جس نے موسیٰ علیہ السلام کی مخبری والے راز کو فاش کیا، اور وہ کیسے فاش کر سکتا ہے اور اس کو تو کوئی علم نہ تھا اور نہ اس وقت حاضر تھا۔ ہاں اسرائیلی ہے جس نے فاش کیا اور وہی حاضر تھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ غصے میں بھر گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور سعد بن مالک الزہری رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا اے ابو اسحاق کیا آپ کو یاد ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے مقتول فرعونی کے متعلق حدیث بیان کی تھی (معلوم ہوا کہ یہ مرفوع ہے) تو کیا وہ اسرائیلی تھا جس نے راز فاش کیا یا فرعونی؟ تو سعد نے فرمایا راز فاش کرنے والا تو فرعونی ہی تھا جس نے راز کو اسرائیلی سے سنا تھا۔ اور

اسرائیل قتل کے موقع پر حاضر تھا۔

اسی طرح حدیث کو امام حنبل نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس کی اپنی تفسیر میں یزید بن ہارون کی حدیث سے تخریج فرمائی ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہو اور اس کے مرفوع ہونے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم اور اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اسرائیلیات میں سے حاصل کردہ ہے اور اس میں کچھ نظر ہے اور ان کا اس کے مرفوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور جن قصص میں نظر اور نکارت ہے غالب یہ ہے کہ وہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ماخوذ ہے اور میں نے اپنے شیخ حافظ ابو الحجاج المزی کو بھی فرماتے سنا ہے۔ واللہ اعلم۔

قبۃ الزمان کی تعمیر کا تذکرہ

اہل کتاب کہتے ہیں: کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک قبہ بنانے کا حکم فرمایا تھا جو شمشاد نامی لکڑی اور مویشیوں کی کھالوں اور بکریوں بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہو۔ اور اس کی زیب و زینت حریر یعنی رنگے ہوئے ریشم اور سونے چاندی کے ساتھ ہو۔ اور جس کی تفصیلات اہل کتاب کے ہاں بہت ہیں۔ اور اس کے دس خیمے ہوں ہر ایک کی لمبائی اٹھائیس ہاتھ اور چوڑائی چار ہاتھ ہو اور اس کے چار دروازے ہوں۔ اور ان پر پردے رنگے ہوئے ریشم کے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر طویل ہے۔ پھر ایک تابوت بنایا جائے وہ شمشاد لکڑی کا ہو اس کا طول ڈھائی ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور اس کی اونچائی ڈیڑھ ہاتھ ہو۔ اور خالص سونے کے ساتھ اس کے اندر اور باہر سے ملمع سازی ہو اور اس کے چار کنڈے چاروں کونوں میں ہوں۔ اور دونوں جانبوں میں ایک ایک فرشتے کا مجسمہ ہو اور وہ سونے کے ہوں اور باقاعدہ ان کے پر ہوں۔ اور آمنے سامنے ہوں۔

اسے بنانے والا ایک شخص بصلیال نامی تھا۔

اور یہ بھی حکم ملا کہ ایک دستر خوان اسی لکڑی کا بنایا جائے جس کی طوالت دو ہاتھ اور عرض ڈیڑھ ہاتھ ہو اور اس کی رنگائی سونے سے ہو اور سونے کے حاشیے ہوں اور سونے کا بنایا تاج ہو۔ اور چاروں کونوں میں چار حلقے سونے کے ہوں۔ اور چار ڈنڈے انار کی طرح اسی لکڑی میں باندھے گئے ہوں اور وہ لکڑی سونے سے رنگ شدہ ہو۔ اور پھر دستر خوان پر تھالیاں اور پیالے اور ڈبے ہوں۔ اور پھر ایک سونے کا منارہ بنایا جائے جس میں چھ سونے کی سرکنڈے کی طرح ڈالیاں لگی ہوں ہر جانب سے تین تین ہوں۔ اور ہر ڈالی پر تین تین چراغ ہوں۔ اور منارے میں چار قندیلیں روشن ہوں اور یہ سب برتن اور اشیاء سونے کی ہوں۔

اور اس کو بھی بصلیال نے بنایا۔

اور یہ قبہ ان کے سال کے پہلے دن میں نصب کیا گیا اور یہ ربیع کا پہلا دن تھا۔

اور اس تابوت کی شہادت (واللہ اعلم) قرآن سے بھی ملی ہے فرمایا گیا ہے:

اس کی سلطنت کی علامت یہ ہوگی کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ (یعنی ان کی نشانیاں ہوں گی اور) اس کو فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو)۔ [۱]

اور اس کی شرح و تفصیل اہل کتاب کی کتاب میں بھی بہت طویل ہے۔ اور اس میں ان کی شریعت اور اس کے احکام اور ان کی قربانی

---

[۱] البقرۃ ۲۴۸

کی صفت وکیفیت تھی اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ قبۃ الزمان تعمیر سے کی عبادت سے پہلے کا ہے اور تعمیر سے کی عمارت بیت المقدس آنے سے پہلے ہوئی۔

اور قبۃ الزمان ان کے لئے کعبہ کی مانند تھا اسی کی طرف نماز وغیرہ میں رخ کیا جاتا تھا اور اس کے قریب تو لوگ کھڑا ہوتا تھا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہوتے تو لوگ اس کے آس پاس کھڑے ہو جاتے۔

اور پھر اس کے دروازے پر بادلوں کے ستون سے چھا جاتے تھے اور سب خدا کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اور یہ بادل نور کا ہوتا جو بیچ میں پردے کے طور پر حائل ہوتا اور اس کے اوپر سے اللہ عزوجل کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنائی دیتا اور دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوتیں اور اللہ کی طرف سے احکام وحی اور امر و نواہی کا سلسلہ چلتا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اثناء میں تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہوتے۔ پھر جب خطاب ختم ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو وحی میں جو امر و نواہی نازل ہوتے ان کی خبر دیتے۔

اور جب بنی اسرائیل کوئی ایسا جھگڑا یا مسئلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لاتے جس کا اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی حکم نہ ہوتا تو آپ اسی قبۃ الزمان کے پاس آتے اور تابوت کے پاس دونوں مجسموں کے درمیان کھڑے ہوتے۔ پھر ان کے پاس اس مسئلے کا فیصلہ نازل ہوتا۔

اور یہ چیز یعنی ان کے مذہب و دین میں مشروع تھی یعنی سونے چاندی کے مجسمے جیسے سونے وغیرہ کے وہ اپنے عبادت خانوں میں بنا سکتے ہیں۔ لیکن ہماری شریعت میں جائز نہیں بلکہ ہمیں مساجد کی زیادہ زیب و زینت سے منع کیا گیا ہے کہ نمازی ان میں مشغول نہ ہو جائیں۔

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جب مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کی گئی تو اس کے معمار جس کی کنیت ابن الوانی تھی تو اس کو حضرت عمر نے فرمایا:

مسجد کو سرخ و زرد کرنے سے بچ کیونکہ تو لوگوں کو فتنے میں ڈال دے گا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مسجدوں کو اس طرح مت سجاؤ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے گرجوں کو سجایا۔ اور یہ ہم امت محمدیہ کے لئے شرافت و کرامت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ یہ امت پہلی امتوں جیسی نہیں ہے اس لئے کہ اللہ نے ان کی فکروں کو اپنی طرف نماز میں مشغول کروایا اور بچے علاوہ ہر چیز سے ان کی نگاہوں اور دلوں کو محفوظ رکھا اور یہ عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے اور مخلوق کے لئے قابل ترجیح ہیں۔

اور یہ قبۃ الزمان بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ میں بھی تھا اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور یہی ان کا قبلہ و کعبہ تھا اور ان کے امام موسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کی قربانیاں وغیرہ آگے پیش کرنے والے تھے۔

پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اور اب تک ہارون علیہ السلام کی اولاد اپنے باپ کے رسم پر ہے قربانی وغیرہ کا جو بھی ان کے فرائض تھے اور نبوت اور اس کے امور و حاجات کے تکفل ان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون جو آپ کے ساتھ تھے نبی بنے اور پھر یوشع بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس میں بھی داخل ہوئے اس کا تذکرہ آگے آنے والا ہے اور یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جب آپ بیت المقدس پر غالب آئے تو آپ نے یہ قبۃ الزمان اس کی چٹان پر نصب کروا دیا۔ پھر اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جانے لگی۔ اور جب یہ معدوم ہو گیا تو اسی چٹان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی رہی اور حضور اکرم ﷺ نے بھی ہجرت سے پہلے اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی ہے۔ اور وہ اس طور پر کعبہ بیت اللہ سامنے رکھتے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ملا تو پھر دوبارہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ملا۔ پھر سولہ مہینے اسی کی طرف رخ فرمایا اور ایک قول ہے سترہ مہینے پھر قبلہ کعبہ ابراہیمی کی طرف منتقل ہوا اور یہ تبدیلی دوسرے سال ماہ شعبان کو عصر یا ظہر کی نماز میں ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل ہم اپنی تفسیر میں سیقول سے سورہ بقرہ کی ۱۴۲ سے ۱۴۴ تک کی آیات کے تحت کر چکے ہیں۔

قارون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اس نے ان پر زیادتی کی تھی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔ جب اس کی قوم نے کہا اترا مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی تم سے خدا نے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی لوگوں سے بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ ہو کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قارون نے کہا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا نے اس سے پہلے بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں۔ اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔ تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش ایسا ہی ہمیں بھی ملے۔ وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے (جو) ثواب خدا (کے ہاں تیار ہے) وہ کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔ پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت خدا ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی کافر نجات نہیں پا سکتے۔

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ (۱)

اعمش منہال بن عمرو سے اور وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن حارث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج سب کا یہی قول ہے۔

انہوں نے یہ اضافہ فرمایا کہ اس کا نسب یوں ہے قارون بن یصہر بن قاہث اور موسیٰ بن عمران بن قاہث۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول مروی ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو منور کہا جاتا تھا کیونکہ اس کی تورات پڑھنے کی آواز بہت حسین تھی لیکن خدا کا دشمن منافق ہو گیا جیسا کہ سامری تھا پس ہلاک ہو گیا اس کی سرکشی کی وجہ سے۔ شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے لباس کو ایک بالشت دراز کر لیا تھا اپنی قوم پر بڑائی جتاتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں کی کثرت بیان فرمائی ہے کہ اس کے خزانوں کی چابیاں بھی ایک طاقتور جماعت نہ اٹھا سکتی تھی اور جماعت کی طاقت ور لوگوں کی ایک تعداد ہے کہ وہ چابیاں جن کو یہ لوگ بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔

اور اس کی قوم کے واعظین نے خیر خواہی کے ساتھ نصیحت فرمائی کہ اتراؤ نہیں اور کثرت مال پر جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اس پر ناز نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کا گھر (یعنی جنت) حاصل کر اور اس عمل کی کوشش کر جس سے آخرت حاصل کر سکے اور دنیا سے اپنا حصہ بھی نہ بھول (یعنی) ساتھ ساتھ

---

(۱) القصص ۷۶ تا ۸۳

لوگوں پر) (احسان کر جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے)۔

تو اس کا جواب بس یہ ہوتا کہ (کہتا مجھے تو میرے علم کی وجہ سے (یہ مال و دولت) عطا کیا گیا ہے) یعنی جو تم ذکر کرتے ہو میں اس کی طرف محتاج نہیں ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عطا کیا ہے یہ میرے علم کی بدولت عطا کیا ہے جسکا میں حقدار تھا۔ اگر میں اللہ کے ہاں مرتبہ نہ ہوتا اور میں اسکا حبیب نہ ہوتا تو وہ مجھے اتنا مال نہ عطا کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو رد کرنے کے لئے فرمایا (کیا اس کو پتہ نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کئی زمانے والوں کو ہلاک کیا جو اس قوت اور (مال) جمع کرنے میں بہت زیادہ تھے اور مجرمین سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔)

یعنی ہم نے پچھلی امتوں کو نیست و نابود اور اپنے عذاب سے بری طرح دوچار کیا ان کے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اور وہ اس سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ مالدار اور اولاد والے تھے پس اگر اس قارون کی بات صحیح ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مالداروں پر عذاب نہ کرتے۔ اسی طرح مالداری اس کے ہمارے ہاں محبوب ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہماری اس کی طرف توجہ کی دلیل ہے جیسے فرمان الٰہی ہے۔

(اور تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارے قریب کا کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے) اور فرمان الٰہی ہے (کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے مال اور بیٹوں کی وجہ سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ہم ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور یہ تردید ہمارے قول کی تصحیح کرتی ہے کہ اسے مال و دولت کیمیا اور اسم اعظم کی وجہ سے نہیں ملا۔

بہر حال بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ وہ کیمیا کا فن جانتا تھا۔ یا بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا جسکی وجہ سے اس نے مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیمیا تو اس وجہ سے کہ وہ خیالی اور تخمینی چیز ہے حقائق کو نہیں بدل سکتی۔ اور نہ خالق کی صنعت کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ اور اسم اعظم تو اس کے ساتھ کافر کی دعا قبول نہیں ہو سکتی اور قارون باطن میں کافر اور ظاہر میں منافق تھا۔ پھر اسکا جواب جو گذر چکا ان دو تقدیروں پر صحیح نہیں بیٹھ سکتا اور دونوں باتوں کے درمیان کوئی تلازم اور موافقت نہیں رہتی۔ اور اپنی کتاب تفسیر ابن کثیر میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اور اسپر تمام تعریفیں اور احسان اللہ ہی کے لئے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

قارون اپنی زینت میں اپنی قوم کے پاس نکلا مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ انتہائی عظیم شان و شوکت اور ہیئت و سنگھار میں نکلا۔ اور ساتھ میں اسی طرح عمدہ سواریاں اور حشم و خدام تھے۔ پس جب دنیا کے لالچیوں نے اس کو دیکھا تو حسرت و تمنا کرنے لگے کہ کاش ان کو بھی اسی طرح مال و دولت ملتا۔ اور اس کے مال و دولت پر رشک کیا۔ ان کی بات کو علماء حضرات جو عقل مند اور دنیا سے بے رغبت تھے انہوں نے سنا تو کہا (افسوس تم پر اللہ کا ثواب زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے) یعنی اللہ کا ثواب آخرت کے گھر میں زیادہ بہتر اور باقی رہنے والا اور بڑا اور بہت اعلیٰ ہے۔ فرمان الٰہی ہے (اور نہیں پاتے اس (نصیحت) کو سوائے صابرین کے۔) یعنی یہ نصیحت اور یہ گفتگو اور یہ بلند ہمت جو آخرت کے عالی گھر کے لئے ہے جب انسان اس کمینی دنیا کو اپنی شان و شوکت کے ساتھ دیکھے تو یہ اسی کے لئے حاصل ہو سکتی ہے جسکے دل میں اللہ ہدایت روشن کر دیں اور اس کے دل کو ثابت و مضبوط فرما دیں اور اس کی عقل کو اپنی تائید عطا فرمائیں۔ اور اس کی مراد کو حق کر دیں۔ اور کس قدر اچھی بات ہے جو بعض بزرگوں نے فرمائی۔

کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس نگاہ کو پسند فرماتا ہے جو شبہات کے موقعے پر (احتیاط کے ساتھ) گذر جائے اور عقل کامل کو شہوات کے موقع پر محفوظ رکھے۔

فرمان الٰہی ہے (پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے لئے کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کر سکے۔ سوائے خدا کے اور وہ نہ بدلہ پانے والوں میں سے تھا۔)

جب اللہ نے اس کے زیب و زینت اور شان و شوکت کے ساتھ قوم پر نکلنے کو بیان فرمایا تو آگے یہ فرمایا کہ ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا)۔

اسی طرح امام بخاری نے زہری عن سالم عن ابیہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

اور ابن عباس اور سدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قارون نے ایک بدکار عورت کو مال کے لالچ میں اس بات پر تیار کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب وہ لوگوں کے مجمع میں ہوں یہ کہہ دے کہ تو نے میرے ساتھ ایسے ایسے یعنی برا کام کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو قسم دی کہ سچ سچ بتا کہ کس بات نے تجھے اس پر اکسایا ہے؟

تو عورت نے سچ اگل دیا کہ قارون نے اس کو اکسایا تھا۔ اور پھر اس نے استغفار کیا اور اللہ سے توبہ کی تو تب موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے اور قارون کے خلاف بددعا کی تو اللہ نے وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو آپ کی اطاعت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو قارون اور اس کے گھر کو نگل جانے کا حکم دیا تو وہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

کہا گیا ہے کہ جب قارون زیب و زینت اور لباس و گھوڑوں کے اور حشم و خدم کے ساتھ نکلا تو (جان کر) موسیٰ علیہ السلام کی مجلس پر گذرا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو اللہ کے ایام بتا رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو اکثر لوگوں کے چہرے موسیٰ علیہ السلام سے ہٹ کر قارون کی طرف مڑ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلایا اور پوچھا (قارون) تجھے اس قدر (بھڑک کر) چلنے پر کس نے مجبور کیا؟ تو اس نے کہا اے موسیٰ اگر آپ کو نبوت کے ساتھ فضیلت دی گئی تو مجھے تم پر مال کے ساتھ فضیلت دی گئی۔ اور اگر تو چاہے تو نکل اور میرے خلاف بددعا کر اور میں تیرے خلاف بددعا کرتا ہوں تو دونوں اپنی قوم کے ساتھ نکلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو بددعا کرتا ہے یا میں کروں؟

تو قارون نے کہا: میں کرتا ہوں۔ پھر بددعا کی مگر قبول نہ ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا میں کروں؟ کہا ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! زمین کو حکم فرمایئے کہ وہ میری اطاعت کرے تو اللہ نے وحی فرمائی کہ میں نے تابع کر دیا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! اے زمین ان کو پکڑ لے۔ تو زمین نے ان کو قدموں تک نگل لیا پھر فرمایا نگل لے پھر گھٹنوں تک نگل لیا پھر شانوں تک نگل لیا پھر فرمایا ان کے خزانوں اور اموال کو بھی لے لے پھر زمین نے ان کے اموال کو نگلنا شروع کیا اور یہ بھی دیکھ رہے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ اے زمین بنی لاوی (یعنی قارون اور اس کے ساتھ والوں کو) لے جا۔ تو زمین ان کے ساتھ برابر ہوگئی۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ہر روز ایک قد آدم کی بقدر دھنسائے جاتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ساتویں زمین تک دھنس جائیں گے اور اکثر مفسرین نے بہت سی اسرائیلی روایات کو ذکر کیا ہے۔ جن سے ہم پہلو تہی کرتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

پس اس کے لئے کوئی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کرتی سوائے اللہ کے۔ اور وہ بدلہ لینے والوں میں سے بھی نہ تھا۔ یعنی نہ خود اپنی حفاظت کر سکا اور نہ کوئی دوسرا۔

اسی طرح سورہ طارق میں فرمایا (پس نہیں ہے اس کے لئے کوئی قوت اور نہ مددگار۔)

اور جب عذابوں کی بارش اتر چکی۔ دھنسنا اور مال کا تباہ ہونا گھروں کا ویران ہونا جانوں اور اہل و عیال اور زمینوں کا جاہ و برباد ہونا سب کچھ نازل ہو چکا تو جن لوگوں نے قارون کے مال کی مثل کی تمنا کی تھی وہ اپنی سوچ اور غلط بات پر انتہائی نادم و پشیمان ہوئے۔ اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں کے لئے بہت اچھی اچھی تدبیریں فرماتا ہے اور اسی وجہ سے فرمایا (اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہمیں زمین میں دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی! کافر لوگ فلاح نہ پائیں گے)

اور آیت کے لفظ (ویکأنّ) پر ہم تفسیر میں کلام کر چکے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں (ویکأنّ) کا معنیٰ ہے الم تر ان۔ یہ بات معنوی اعتبار سے بہت اچھی ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ (آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر نہ برائی چاہتے ہیں نہ فساد)

اور آخرت کا گھر دائمی گھر ہے۔ اور یہ گھر جس کو ملے گا وہ رشک کرے گا۔ اور جو محروم ہوگا وہ افسوس وندامت کرے گا اور یہ گھر ان کے لئے ہے جو بڑائی نہیں چاہتے بڑائی کا مطلب ہے تکبر، فخر، اکڑ، شرارت اور وہ فساد بھی نہیں چاہتے۔ فساد کہتے ہیں ایسے گناہ کے کام جو لازمی اور متعدی ہوں یعنی الکا وبال دوسروں تک بھی پہنچے جیسے لوگوں کا مال ناجائز حاصل کرے۔ اور ان کی معیشت کو خراب کرنا اور ان کے ساتھ برائی کرنا اور خیر خواہی کو چھوڑنا۔

اور فرمایا بہترین انجام متقین کے لئے ہے۔

اور قارون کا یہ بدترین انجام ان کے مصر میں سے نکلنے سے پہلے کا ہے کیونکہ فرمان ہے (پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا) اور گھر عمارتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ اور مصر کے نکلنے کے بعد تو وہ میدانوں ہی میں گھومتے پھرتے رہے تھے۔

اور دار یعنی گھر محلہ کو بھی کہا جاتا ہے جس میں کئی بیت اور منزلیں ہوتی ہیں۔

یادار علبة بالجواء تکلمی   وعمی صباحاً دار علبة واسلمی

اور اللہ عزوجل نے قارون کی مذمت کئی جگہ آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

(اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف پھر وہ کہنے لگے یہ جھوٹا جادوگر ہے)۔ (۱)

اور اللہ عزوجل سورہ عنکبوت میں عاد وثمود کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں (اور قارون اور فرعون اور ھامان کے پاس موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ لوگ ملک میں مغرور ہوگئے اور وہ ہمارے قابو سے باہر ہونے والے نہ تھے۔ مگر ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کی بدولت پکڑ لیا۔ پس ان میں سے کچھ کے اوپر ہم نے پتھر (کا عذاب) بھیجا اور بعض وہ ہیں جن کو چیخ نے پکڑ لیا اور بعض وہ ہیں جنکو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنکو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ نہیں ہے جو ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)۔ (۲)

تو جو زمین میں دھنسائے گئے وہ قارون ہے اور جو غرق کر دیے گئے وہ فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر ہیں بے شک وہ خطا کار تھے)

(۳) مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا۔ فرمایا:

جس شخص نے نماز پر محافظت کی تو نماز ان کے لئے قیامت میں حجت اور نجات کا سبب ہوگی۔ اور جو نماز پر محافظت نہ کرے گا تو نہ اس کے لئے نور ہوگا نہ حجت اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔

اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ اس کی روایت میں امام احمد منفرد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل، عادات، صفات اور وفات کا تذکرہ

فرمان الٰہی ہے (اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بے شک وہ برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے۔ اور ہم نے ان کو طور کی داہنی طرف پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا۔ اور اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا)۔ (۴)

اور دوسری جگہ فرمایا: (کہا: اے موسیٰ: بے شک میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا پس لے لے وہ جو میں نے تجھ کو دیا اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیے)۔ (۵)

اور صحیحین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو بے شک قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہو گئے پس سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو میں موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے پاؤں گا۔ تو مجھے پتہ نہ چلے گا کہ ان کو بے ہوشی طاری ہوئی ہے

---

(۱) مومن ۲۳۔ ۲۴   (۲) عنکبوت ۳۹۔ ۴۰

(۳) قال الامام احمد: حدثنا ابو عبدالرحمن، حدثنا سعید، حدثنا کعب بن العلقمة عن عیسی بن هلال، عن عبداللہ بن عمرو: النبی ﷺ

(۴) مریم ۵۱۔ ۵۳   (۵) اعراف ۱۴۴

اور مجھ سے پہلے ہوش آ گیا ہے یا پھر طور کی بے ہوشی کے بدلے (ان کو اب بے ہوشی نہ) ہوئی۔

اور اسی کے ضمن میں یہ بات بھی پہلے ذکر کی جا چکی کہ یہ فرمان رسول آپ کی تواضع اور عاجزی وانکساری کی بناء پر تھا ورنہ تو آپ صلوت اللہ وسلامہ علیہ۔ خاتم الانبیاء اور اولاد آدم کے دنیا و آخرت میں سردار تھے اور یہ بات قطعی یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور نہ اس کے خلاف کا احتمال ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے (بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جنکے حالات ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جنکے حالات تم سے بیان نہیں کئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔)(۱)

اور ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے (اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے ان کو ان کے بہتان سے بری فرمایا اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے۔)(۲)

(۳) بخاری فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیادار پردے دار شخص تھے کوئی شخص حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ نہ دیکھ سکتا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آپ کو اذیت دی اور کہنے لگے یہ اس قدر سخت پردہ جسم کے کسی عیب کی وجہ سے کرتے ہیں ان کو یا تو برص ہے یا خصیتین پھولے ہوئے ہیں یا (اس قسم کی) کوئی اور آفت ہے تو اللہ عزوجل نے ان کو اس الزام سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو ایک دن حضرت موسیٰ تنہا ہوئے اور اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے اور غسل فرمانے لگے جب فارغ ہوئے تو کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ اٹھالیں۔ لیکن پتھر کپڑے لیکر دوڑ پڑا۔ اور موسیٰ نے اپنی عصا لی اور پتھر کو پکڑنے کے لئے پیچھے آئے اور زبان سے فرماتے جا رہے تھے میرے کپڑے اے پتھر میرے کپڑے اے پتھر بھاگتے بھاگتے بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انہوں آپ کو برہنہ حالت میں اس قدر حسین جسم کے ساتھ دیکھا کہ (گویا) مخلوق میں سب سے اچھے ہیں۔ اور اس طرح اللہ نے ان کو ان کی افواہوں سے بری فرمادیا۔

اور پتھر بھی ٹھہر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لئے اور زیب تن فرمائے۔ اور پھر لاٹھی لیکر پتھر کو مارنا شروع ہوئے اللہ کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین یا چار یا پانچ چوٹوں ہی سے پتھر رو پڑا۔

اور یہی مطلب ہے اس آیت کا (اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے ان کو ان کی افواہوں سے بری فرمایا اور وہ اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ تھے)۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ بعض سلف کہتے ہیں کہ ان کے اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ ہونے کی مثال دیکھ لیجئے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے بھائی کے متعلق سفارش کی اور عرض کی کہ ان کو میرا وزیر بنا دیا جائے۔ تو اللہ نے ان کی مراد پوری فرمائی اور مزید ان کو نبوت بھی عطا کی۔ جیسے فرمایا (اور ہم نے (موسیٰ) کو اپنی رحمت سے انکا بھائی ھارون نبی (عطا کر دیا)۔(۴)

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و مرتبہ پر سند جید والی حدیث ہے کہ بخاری میں ہے۔

کہ حضرت عبداللہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک تقسیم فرمائی پھر ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی رضا مطلوب نہیں تو میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ غصے میں آ گئے حتی کہ میں نے غصے کے آثار آپ کے چہرے میں ملاحظہ کئے پھر آپ نے

---

(۱) النساء ۱۶۳، ۱۶۴ (۲) الاحزاب ۶۹

(۳) قال الامام ابو عبداللہ البخاری: حدثنا اسحاق بن ابراہیم عن روح بن عبادۃ، عن عوف عن الحسن ومحمد وخلاس عن ابی ہریرۃ قال

(۴) وقد رواہ الامام احمد من حدیث عبداللہ بن شقیق وھمام بن منبہ عن ابی ہریرۃ بہ و ھو فی الصحیحین من حدیث عبدالرزاق عن معمر عن ھمام عنہ بہ۔ ورواہ مسلم من حدیث عبداللہ بن شقیق العقیلی عنہ

فرمایا: اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیتیں دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا۔ (١)

(٢) اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کے متعلق کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے صاف دل کے ساتھ ملوں۔ اور راوی نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مال آیا آپ نے تقسیم فرما دیا تو پھر میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرا تو ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا اللہ کی قسم محمد (ﷺ) نے اس تقسیم کے ساتھ اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کو طلب نہیں کیا۔ پھر وہ ٹھہر گیا حتیٰ کہ میں نے دونوں کی بات سنی پھر میں حضور کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی بات مجھ تک نہ پہنچائے اور میں فلاں شخص کے پاس سے گذرا اور وہ ایسی ایسی بات کہہ رہے تھے تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا اور یہ بات ان کی آپ کو انتہائی شاق گذری پھر فرمایا۔

بس ہمیں چھوڑ دو بے شک موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں پھر آپ نے صبر فرمایا۔ (٣)

اور صحیحین میں حدیث معراج میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے ہیں۔ اور مسلم نے اس کو انس سے روایت فرمایا۔

اور صحیحین میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انس بن مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ معراج والی رات چھٹے آسمان میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو فرمایا یہ موسیٰ ہیں تو حضور ﷺ نے ان کو سلام کیا حضور فرماتے ہیں: میں نے ان کو سلام کیا تو کہا کہ خوش آمدید ہو نبی صالح! ایک میرے بعد بھیجا گیا اور اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ساتویں آسمان میں ہے اور یہی صحیح و محفوظ ہے۔ اور شریک بن ابی نمر کی حدیث میں انس سے مروی ہے کہ ابراہیم چھٹے آسمان اور موسیٰ ساتویں آسمان میں ملے۔ تو یہ کلام اللہ کو فضیلت دینے کی وجہ سے کیا۔ ورنہ کئی حفاظ (حدیث) نے ذکر کیا ہے کہ اکثر جید یعنی صحیح اور سند کی عمدہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں ملے اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان میں ملے۔ اور حضرت ابراہیم کی پشت کی ٹیک بیت معمور تھی۔ جس پر روز ستر ہزار فرشتے طواف کی غرض سے داخل ہوتے ہیں اور پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں تھیں۔ تو آپ پھر موسیٰ کے پاس سے گذرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

واپس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ میں بنی اسرائیل کو بہت آزما چکا ہوں۔ اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں دلوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بار بار آتے جاتے رہے۔ اور ہر مرتبہ نماز میں تخفیف ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ دن و رات میں پانچ نمازوں تک تخفیف ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہیں پانچ لیکن ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔

پس اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور ہماری طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

(۴) بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ مجھ پر امتیں

---

(١) حدثنا ابو الوليد حدثنا شعبة عن الاعمش قال وكذا رواه مسلم من غير وجه عن سليمان بن مهران الاعمش به

(٢) وقال الامام احمد: حدثنا احمد بن حجاج سمعت اسرائيل بن يونس، عن الوليد بن ابي هاشم مولى لهمدان، عن زيد بن ابي زائدة عن عبدالله بن مسعود

(٣) وهكذا رواه ابو داود والترمذي من حديث اسرائيل عن الوليد بن ابي هشام به وفي رواية للترمذي لابي داود من طريق ابن عبد عن اسرائيل عن السدي عن الوليد به وقال الترمذي: غريب من هذا الوجه

(۴) وقال البخاري حدثنا مسدد، حدثنا حصين بن نمير عن حصين بن عبدالرحمن، عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال

پیش کی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت کو دیکھا جس نے افق کو بھی ڈھک دیا تھا تو کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں اپنی قوم کے درمیان۔ اس حدیث کو امام بخاری نے یہاں مختصر بیان فرمایا ہے اور امام احمد نے اس حدیث کو کچھ طویل بیان فرمایا ہے کہ (۱) حصین بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کسی نے گزشتہ رات ٹوٹتا ستارا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا میں نے دیکھا لیکن میں نماز میں نہ تھا لیکن مجھے بچھو وغیرہ نے ڈس لیا تھا تو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا اور پھر تو نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے جھاڑ پھونک کرائی تھی پوچھا کس بات نے اس پر اکسایا؟ میں نے عرض کیا ایک حدیث ہے جو ہمیں شعبی نے بریدہ اسلمی سے بیان کی ہے کہ فرمایا نہیں ہے جھاڑ پھونک سوائے بدنظری کے یا بخار کے۔ تو سعید نے فرمایا بے شک بہت اچھا کیا جس نے مجھ تک اپنا سنا ہوا پہنچایا۔

پھر حضرت سعید نے فرمایا ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کی کہ حضور نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں تو میں نے ایک نبی کے ساتھ قوم دیکھی اور ایک نبی کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے اور ایک نبی کو دیکھا اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ پھر میرے سامنے بڑی عظیم جماعت آئی میں نے پوچھا یہ میری امت ہے؟ فرمایا گیا نہیں یہ موسیٰ اور اس کی قوم ہے۔ پھر آپ نے افق کی طرف دیکھا تو وہاں عظیم بہت بڑی جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا اس جانب بھی دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی عظیم جماعت تھی پھر کہا گیا کہ یہ سب آپکی امت ہے اور انمیں ستر ہزار ایسے آدمی ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور بغیر عذاب کے داخل ہو نگے۔

پھر حضور اکرم ﷺ اٹھے اور گھر تشریف لے گئے پھر قوم اس کے متعلق بات چیت میں مصروف ہو گئی کچھ کہنے لگے کہ یہ بغیر حساب کتاب کے داخل ہونے والے کون ہو سکتے ہیں؟ تو بعض نے کہا شاید یہ وہ ہیں جنہوں نے حضور کی صحبت مبارک اٹھائی ہوگی بعض نے کہا شاید وہ ہو سکتے ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک بھی اللہ کے ساتھ بالکل نہیں کیا۔ اور لوگوں نے بھی اپنی رائے دی۔

پھر حضور اکرم ﷺ دوبارہ تشریف لائے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ جس میں لگے پڑے ہو؟

تو لوگوں نے آپکو اپنی اپنی بات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا۔

یہ وہ لوگ ہو نگے جو داغتے نہ ہوں گے (پہلے لوگ جانوروں کو اور اپنے جسموں کو لوہے سے مرض کی وجہ سے داغ دیتے تھے اس سے منع فرمایا) اور وہ (ناجائز) جھاڑ پھونک بھی نہ کرتے ہوں اور نہ بدفالی لیتے ہوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

پھر عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن اسدی اٹھے اور پوچھا کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا ہاں۔ پھر ایک اور صحابی اٹھا اور یہی سوال کیا تو فرمایا یا رسول اللہ میں بھی انہی میں سے ہوں؟ فرمایا تجھ سے عکاشہ سبقت لے گیا۔

اور اس حدیث کے بہت سے عمدہ طرق ہیں اور یہ صحاح (یعنی بخاری و مسلم) اور حسان (یعنی بقیہ بڑی کتب حدیث جو احادیث صحیحہ پر مشتمل ہوں ان میں بھی ہے۔ اور ان کو ہم نے قیامت کے احوال میں ہولناکیوں کے ذکر کے موقع پر جنت کی صفات میں ذکر کیا ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت زیادہ ذکر فرمایا ہے اور ان کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے قصہ کو بار بار ذکر فرمایا ہے اور بہت تکرار فرمایا ہے کہیں طویل کہیں متوسط کہیں مختصر اور اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بہت عمدہ تعریف فرمائی ہیں۔

اور اکثر مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر فرمایا ہے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر (آخر الزمان) آئے اور ان کی (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے خدا کی

وقد رواه الامام احمد فقال، حدثنا شريح حدثنا هشام، حدثنا حصين بن عبدالرحمن قال كنت عند سعيد بن جبير فقال

کتاب کو جو پڑھتے تھے ہم ان کو پڑھنا جانتے ہی نہیں۔ (۱)

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا خدا (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہمیشہ زندہ رہنے والا اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل نازل کی (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لئے (تورات اور انجیل اتاری) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور خدا زبردست اور بدلہ لینے والا ہے۔ (۲)

اور سورۃ الانعام میں فرمایا ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ خدا نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔ اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے ان (کے بعض حصوں) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔ اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو (اس کتاب کو) خدا ہی نے (نازل کیا تھا) پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔ (۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعریف کا ذکر فرمایا اس کے بعد قرآن مجید کی تعریف وغیرہ بیان کی۔

اور سورۃ انعام میں فرمایا (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔ اور (اے کفر کرنے والو) یہ کتاب بھی ہمیں نے اتاری ہے برکت والی تو اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔ (۴)

اور سورۃ مائدہ میں فرمایا بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں یہاں تک کہ فرمایا:

اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو۔ (۵)

تو قرآن کریم نے تمام کتابوں کے متعلق حکم نازل فرمایا ہے اور قرآن کو ان کے لئے مصدق اور مہیمن بنایا گیا ہے اور [illegible]

یہ سے علوم کی کتابوں میں بعض کے خواص، مسائل، معانی، خواص ہیں اور تقاضیاں پائی جاتی ہیں جو ان کے لائق تھیں اور ان کی صفات ہیں ہم ان کے ساتھ ایسی کوئی بات پائی جاتی تھی اور نہ پائی جاتی ہے۔

اور سورۂ انبیاء میں فرمایا:

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سراپا) روشنی اور نصیحت کی کتاب عطا کی (یعنی) پرہیز گاروں کے لئے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔ اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟

اور سورۂ قصص میں فرمایا:

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انہوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے کہ ہم سب سے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔ (۲)

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کتابوں اور دونوں رسولوں کی تعریف فرمائی ہے۔

اور جنوں نے اپنی قوم سے کہا

ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ (۳)

جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اقرأ باسم ربک الخ تو آپ نے ورقہ بن نوفل کو یہ واقعہ بیان کیا تو ورقہ نے فرمایا کہ یہ وہی (فرشتہ) ناموس ہے جس کو خدا نے موسیٰ بن عمران پر نازل کیا۔

حاصل کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عظیم و عظیم شریعت تھی۔ اور آپ کی امت بہت بڑی امت تھی اور اس امت میں بہت انبیاء، علماء، عابد، زاہد، اور بہت سے عبادت گزار اور ادیب ہوئے اور ان میں بادشاہ، امراء اور سردار اور بڑے بڑے لوگ تھے لیکن پھر ختم ہو گئے اور بعد والوں نے اپنی شریعت کو بدل دیا اور وہ بندروں اور سوروں کی شکل میں بدل دیئے گئے اور ان کی ملت کلیۃً منسوخ ہو گئی اور بہت سے واقعات اور عجیب امور ان پر آئے جن کا ذکر بہت طویل ہے۔ لیکن اس میں سے کچھ ہم آگے قصص کے ساتھ بیان کریں گے تاکہ جو چاہے فائدہ حاصل کرلے۔

ان شاء اللہ اور اسی پر ہمارا اعتماد اور بھروسہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیت عتیق (یعنی کعبۃ اللہ) کے حج فرمانے کا ذکر اور اس کی صفت

"امام احمد فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وادی ازرق کے پاس سے گزرے تو دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا وادی ازرق ہے۔ فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ ثنیہ "گھاٹی" سے اترتے (آ رہے) ہیں اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتے تھے یہاں تک کہ حضور ﷺ "ہرشا" گھاٹی پر پہنچے اور پوچھا یہ کونسی جگہ ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا "ہرشا" ہے (یعنی ہرشا نامی پہاڑی گھاٹی ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گویا میں یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں جو سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور ان کا اونی جبہ ہے اور ان کی اونٹنی کی لگام کھجور کی چھال کی ہے۔

---

(۱) [illegible] (۲) القصص [illegible] (۳) الاحقاف [illegible]

مسند الامام احمد [illegible]

امام مسلم نے اس حدیث کو داؤد بن ابی ہند کی حدیث سے تخریج فرمایا ہے

اور امام طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

موسیٰ علیہ السلام نے سرخ بیل پر حج فرمایا۔

اور یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی صفت

(۱) مسند احمد میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو لوگوں نے دجال کا ذکر چھیڑا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا تو مجاہد نے پوچھا لوگوں کا تب کیا کہنا ہوگا؟ فرمایا اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

بہر حال ابراہیم علیہ السلام کی شکل تو تمہارے ساتھی (یعنی حضور اکرم ﷺ) کی طرح ہے اور موسیٰ ایک ایسے آدمی ہیں جو گھنے بالوں والے ہیں اور سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔ اور گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ وادی سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کہتے ہوئے اتر رہے ہیں

پھر امام احمد نے مسند احمد (۲) میں روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ ابن مریم اور موسیٰ اور ابراہیم کی طرف دیکھا بہر حال عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ تھے، پر گوشت سینہ کے مالک تھے اور موسیٰ علیہ السلام گٹھے ہوئے جسم والے اور درمیانے بال والے تھے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ پھر ابراہیم فرمایا

اپنے ساتھی (یعنی رسول اکرم ﷺ) کی طرف دیکھ لو۔

(۳) اور مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریق سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں نے معراج والی رات موسیٰ بن عمران کو دیکھا جو دراز قد اور گھنے بالوں والے تھے۔ گویا وہ شنوءہ (یمن کا ایک قبیلہ ہے اس) کے لوگوں میں سے ہے۔ اور میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا جو میانے قد اور سرخ و سپید ہیں اور بال نہ زیادہ [illegible] سیدھے۔

اور اس حدیث کو قتادہ کی حدیث سے بھی تخریج فرمایا ہے

(۴) اور مسند احمد میں دوسرے طریق سے ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے تو فرمایا میں نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

پھر حضور نے ان کی صفت و حلیہ بیان فرمایا کہ وہ دبلے پن میں درمیانے اور سیدھے سر والے گویا وہ شنوءہ قبیلے کے ہیں اور میں عیسیٰ بن مریم سے ملا پھر آپ نے ان کی صفات بیان فرمائی کہ وہ میانے قد والے سرخ رنگ کے ہیں گویا کہ حمام سے نکلے ہیں اور فرمایا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ اور میں ان کی اولاد میں ان سے زیادہ مشابہ ہوں الحدیث۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں ان احادیث کے اکثر حصے گذر چکے ہیں۔

---

(۱) وقال الامام احمد: حدثنا محمد بن ابی عدی، عن ابن عون، عن مجاهد

(۲) ثم رواه الامام احمد عن اسود، عن اسرائيل عن عثمان بن المغيرة، عن مجاهد عن ابن عباس.

(۳) وقال الامام احمد حدثنا يونس، حدثنا شيبان قال حدثنا قتادة عن ابی العالية، حدثنا ابن عم نبيكم ابن عباس قال: قال

(۴) وقال الامام حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر قال الزهری، واخبرنی سعيد بن المسيب عن ابی هريرة

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر

(۱) بخاری کی صحیح میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے ایک تھپڑ رسید فرمایا تو ملک الموت واپس اپنے رب کے پاس پہنچے اور عرض کیا: آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اللہ نے فرمایا واپس جاؤ اور اس کو کہو کہ بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں تو ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آجائیں تو ہر بال کے بدلے میں ایک سال زندگی ملے گی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے پروردگار پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت ہے فرمایا تو اب ہی سہی۔ فرمایا کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے پوچھا کہ مجھے مقدس سرزمین کے قریب کر دیا جائے۔

پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (غالباً بیت المقدس مراد ہے)۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا پس اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم لوگوں کو (سرخ ٹیلے) کثیب احمر کے راستے میں بنی ہوئی ان کی قبر دکھاتا۔

(۲) مسند احمد میں ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ مرفوع نہیں ہے)۔

کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے رب کے حکم کا جواب دو (یعنی وفات کیلئے جان پیش کرو) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوڑ دی تو فرشتہ اللہ پاک کے پاس واپس گیا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے اپنے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ تو اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا واپس جاؤ اور پوچھو کہ اور زندگی چاہو تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیجئے پس جتنے بالوں کو آپکا ہاتھ چھپا لے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک سال زندگی عطا کر دی جائی گی۔ تو حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت تو عرض کیا پھر ابھی جلدی ہی سہی اے پروردگار رب العلمین۔ (۳)

امام احمد اس کی روایت میں منفرد ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موقوف ہے اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں معمر کے طریق سے اس کو نقل کیا ہے۔

لیکن پھر ابن حبان نے اسپر ایک اشکال فرمایا ہے۔ اور پھر اسکا جواب تحریر فرمایا ہے

اشکال یہ فرمایا ہے کہ ملک الموت نے جب حضرت موسیٰ کو موت کی خبر سنائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں کیونکہ وہ ایسی شکل وصورت کے ساتھ آئے تھے جو موسیٰ پہچانتے نہ تھے۔ جیسے کہ حضور کے پاس جبرائیل اعرابی کی صورت میں آتے تو آپ پہچان نہ سکے۔ اور جس طرح فرشتے حضرت ابراہیم ولوط علیہ السلام کے پاس نوجوان لڑکوں کی صورت میں آئے تھے تو نہ ابراہیم اور نہ لوط علیہ السلام ان کو پہچان سکے۔ تو اسی طرح حضرت موسیٰ بھی ان کو پہچان نہ سکے تھے

تو اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ رسید فرمایا جس سے فرشتے کی آنکھ بھی ضائع ہوگئی کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے گھر آپکی اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔

---

(۱) قال البخاري في صحيحه: وفاة موسى عليه السلام: حدثنا يحيى بن موسى، حدثنا عبدالرزاق، انبانا معمر عن ابن طاوس، عن ابيه، عن ابي هريرة قال.

(۲) وانبانا معمر عن همام عن ابي هريرة عن النبي ﷺ نحوه. وقد روى مسلم الطريق الاول من حديث عبدالرزاق به. ورواه الامام احمد من حديث حماد بن سلمة عن عمار بن ابي عمار، عن ابي هريرة مرفوعاً وسياتي. وقال الامام احمد حدثنا الحسن، حدثنا ابن لهيعة حدثنا ابو يونس يعني سليم بن جبير عن ابي هريرة

(۳) وقد رواه ابن حبان في صحيحه من طريق معمر، عن ابن طاوس، عن ابيه، عن ابي هريرة قال معمر واخبرني من سمع الحسن عن رسول الله ﷺ فذكره

پھر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریق (۱) سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تا کہ ان کی روح قبض کرلیں اور آ کر کہا اپنے رب کو جواب دیجئے (یعنی آپکے رب نے آپکی جان کا سوال فرمایا ہے تو آپ اپنی جان پیش فرما کر اپنے رب کی بات قبول فرمالیجئے) تو موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی پھر آگے پوری حدیث اسی طرح ذکر فرمائی ہے جس طرح بخاری نے ذکر فرمائی ہے۔

پھر حضرت امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کے جواب میں حدیث کی کچھ تاویل فرمائی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ہاتھ طمانچہ مارنے کے لئے اٹھایا تب انہوں نے یہ کہا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔ لیکن یہ تاویل حدیث کے ظاہر کے معارض ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ نے طمانچہ مارا تو فرشتے نے عرض کیا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔

لیکن اگر پہلا جواب ہی تسلیم کرلیا جائے (جو اشکال کی صورت میں ذکر کیا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وجہ سے تھپڑ مارا تھا کہ آپ فوراً پہچان نہ سکے تھے کہ یہ فرشتہ ہے۔

اور اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ تو اپنی زندگانی میں بہت سی باتوں کے واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ کہ انشاءاللہ میری زندگی میں میدان تیہ سے نکلنا ممکن ہوگا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوگا۔ جبکہ اللہ کی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں ہی اپنے بھائی ہارون کے بعد وفات پاجائیں گے۔ جیسے کہ ابھی ہم انشاءاللہ بیان کرنے والے ہیں۔

اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں سے نکالنے والے حضرت موسیٰ ہی ہیں اور حضرت موسیٰ ہی ان کو بیت المقدس میں لے جانے والے ہیں۔ جبکہ یہ اہل کتاب اور جمہور دونوں کے خلاف ہے۔

اور یہ بات کہ حضرت موسیٰ نے میدان تیہ میں ہی وفات پائی اس پر حضرت موسیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے کہ جب انہوں نے موت کو اختیار فرمایا تو دعا کی اے پروردگار مجھے سرزمین مقدس حجر کی طرف قریب فرما دیجئے۔ اور اگر حضرت موسیٰ داخل ہو چکے ہوتے تو یہ دعا نہ فرماتے۔ اور جب آپ میدان تیہ میں وفات کے قریب ہوئے تو تب چاہا کہ چلو بیت المقدس کے قریب ہی ہو جائے۔ اور آپ نے گویا اپنی قوم کو بھی ابھارا کہ وہ اس بارے میں کوشش کریں۔

اور آپ کی قبر حجر کے قریب ہے۔

اسی وجہ سے سید البشر ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھلا دیتا اور مسند احمد (۲) میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انس بن مالک سے روایت فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو موسیٰ کے پاس سے گذرا آپ وہاں سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے اور اس حدیث کو امام مسلم نے احمد بن سلمہ کی حدیث سے بھی نقل کیا ہے۔

اور (۳) کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں ھارون کو فلاں فلاں پہاڑ کے پاس وفات دینے والا ہوں تو موسیٰ اور ہارون علیہ السلام دونوں اس پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے وہاں ایک ایسا درخت تھا جسکے مثل کوئی درخت نہ دیکھا گیا تھا۔ اور وہاں ایک گھر بھی تعمیر شدہ تھا اور اس میں ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا اور اس سے عمدہ خوشبو مہک رہی تھی جب ہارون علیہ السلام نے وہاں پہاڑ درخت پھر مکان کے اندر عجیب پسندیدہ اشیاء دیکھیں تو ان چیزوں نے ان کے دل کو بہت بھایا اور حضرت موسیٰ سے عرض کیا اے موسیٰ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس چارپائی پر لیٹوں؟ تو موسیٰ نے فرمایا سو جاؤ۔ حضرت ہارون نے عرض کیا لیکن مجھے خوف ہے کہ اس مکان کا مالک آ جائے اور مجھ پر ناراض ہو جائے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مت ڈرو، میں اس کو کافی ہو جاؤں گا آپ سو جائیں تو عرض کیا اے موسیٰ علیہ السلام آپ بھی میرے ساتھ سو جائیں اگر مالک مکان آیا تو دونوں پر غصہ

---

(۱) عبدالرزاق عن معمر، عن همام، عن ابی هریرة

(۲) وقال الامام احمد حدثنا عفان، حدثنا حماد حدثنا ثابت وسليمان التيمي عن انس بن مالک

(۳) وقال السدی عن ابی مالک وابی صالح عن ابن عباس، وعن مرة، عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابة قالوا

ہوگا تو دونوں سو گئے۔

لیکن موت نے صرف حضرت ہارون علیہ السلام کو اچک لیا۔

پھر حضرت موسیٰ نے خواب میں ان کو دیکھا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا اے موسیٰ آپ نے مجھے فریب میں مبتلا کر دیا پھر موسیٰ اٹھے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا اور تخت چارپائی سمیت حضرت ہارون علیہ السلام سب کچھ آسمان پر پہنچ گیا تھا پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس تنہا تشریف لائے تو لوگوں نے افواہ پھیلانا شروع کر دی کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل کر دیا ہے اور وہ ہارون پر حسد کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی ان سے محبت زیادہ کیوں ہے؟

چونکہ ہارون بنسبت موسیٰ کے زیادہ نرم مزاج اور سختیوں کو ان سے دفع کرنے والے تھے اور جبکہ موسیٰ کچھ طبعاً سخت مزاج تھے۔ تو یہ بات موسیٰ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا افسوس تم پر! کیا میں خود اپنے ہی بھائی کو قتل کروں گا؟ لیکن جب لوگ افواہوں سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ نے دعا کی تو اللہ نے حضرت ہارون کو چارپائی سمیت دکھلایا لوگوں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان دیکھا۔

پھر ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام چلے جا رہے تھے کہ تیز کالی آندھی آئی حضرت یوشع علیہ السلام نے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کو چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ قیامت قائم ہوگئی قیامت قائم ہوگئی۔

تو موسیٰ علیہ السلام ان کپڑوں میں سے آہستہ آہستہ نکلے اور قمیص حضرت یوشع کے ہاتھ رہ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے (یعنی خدا کے پاس پہنچ گئے) تو حضرت یوشع ان کا قمیص لئے بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت یوشع پر ان کے قتل کا الزام دھر دیا اور پھر حضرت یوشع کے قتل کے درپے ہو گئے تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ان سے تین دن کی مہلت طلب کی۔ جو دیدی گئی۔ تو پھر ان دنوں میں اللہ کی طرف سے ہر ایسے شخص کو خواب آیا جو ان کے قتل کے درپے تھا کہ انہوں نے موسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو ہم نے اپنے پاس اٹھا لیا ہے۔ پھر کہیں جا کر بنی اسرائیل نے حضرت یوشع علیہ السلام کو چھوڑا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب نے جبارین کی بستی یعنی بیت المقدس میں جانے سے انکار کر دیا تھا سوائے حضرت یوشع علیہ السلام بن نون اور کالب بن یوفنا کے اور یہ کالب حضرت موسیٰ اور ہارون کی ہمشیرہ مریم کے شوہر تھے۔ اور ان دو اشخاص کے جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

وھب بن منبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ ایک قبر کھود رہے ہیں تو حضرت موسیٰ نے اس سے حسین اور تروتازہ اور خوش منظر قبر کوئی نہ دیکھی تھی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے فرشتو! کس کے لئے یہ قبر کھود رہے ہو؟ عرض کیا اللہ کے بندوں میں سے کسی کریم بندے کے لئے کھود رہے ہیں اور اگر آپ اس بندے کے ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس قبر میں داخل ہو جایئے اور دراز ہو جائیں اور اپنے رب کی طرف لو لگائیں اور اپنی جان کو ہلکا اور آسان کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کر گذرے۔ اور پھر وہیں وفات ہوگئی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ پھر فرشتوں نے آپ پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور دفن کیا اور اہل کتاب وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

(۱) اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت (پہلے زمانے میں) کھلے طور پر آتے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی وہ اپنے رب کے پاس جا کر عرض گذار ہوئے کہ تیرے بندے موسیٰ نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے اگر وہ آپ کے ہاں باعزت نہ ہوتے تو میں بھی ان کو بتاتا۔ تو اللہ نے فرمایا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی کھال پر یا بیل کی کھال پر رکھ دیں تو جتنے بالوں کو ان کا ہاتھ چھپالے ہر بال کے بدلے ایک ایک سال ان کی عمر کا اضافہ کر دیا گیا تو فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور خبر دی حضرت موسیٰ نے پوچھا پھر کیا ہوگا عرض کیا پھر بھی موت ہے تو فرمایا پھر اب ہی سہی۔

تو فرشتے نے ان کو ایک عمدہ خوشبو سونگھائی اور روح قبض کر لی۔

راوی یونس کہتے ہیں اللہ عزوجل نے پھر فرشتے کی آنکھ واپس لوٹا دی تھی اور وہ لوگوں کے پاس چھپ کر آنے لگے تھے۔ (۲)

---

(۱) و كذا قال الإمام أحمد: حدثنا ابو خالد ويونس قالا: حدثنا حماد بن سلمة، عن عمار بن ابی عمار عن ابی هريرة، عن النبی ﷺ نحو

(۲) و كذا رواه ابن جرير عن ابی كريب، عن مصعب بن المقدام عن حماد بن سلمة به، ورفعه ايضا

حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نگہبانی فرمانا

ان کا نسب نامہ یہ ہے یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ۔ اہل کتاب کا یہ کہنا ہے کہ یوشع ہود علیہ السلام کے چچازاد ہیں ۔

اور اللہ عزوجل نے قرآن میں ان کا ذکر فرمایا ہے لیکن نام کی صراحت نہیں فرمائی واذ قال موسیٰ لفتٰہ.

اور فرمایا فلما جاوزا قال لفتٰہ. اور یہ (خضر) کے قصہ سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ابی بن کعب حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ یوشع بن نون ہی ہیں۔

اور اہل کتاب کے ہاں ان کی نبوت متفق علیہ ہے کیونکہ سامریوں کی ایک جماعت حضرت موسیٰ کے بعد سوائے یوشع علیہ السلام کی نبوت کے اور کسی کی نبوت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کی تورات میں تصریح آئی ہے اور باقیوں کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ ان کے ہاں ان کی کتاب میں دوسرے انبیاء کی تصدیق موجود ہے خصوصاً حضور علیہ السلام کی۔ لیکن ان کو خدا کی لعنت پر لعنت ہو قیامت تک۔

اور جو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی آخری عمر میں نبوت حضرت یوشع علیہ السلام ہی کی طرف منتقل کر دی گئی تھی تو موسیٰ علیہ السلام یوشع سے ملتے تو ان سے وحی کے احوال دریافت فرماتے کہ پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ ایک مرتبہ حضرت یوشع نے (یوں ہی) عرض کر دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی میں تو سوال نہ کرتا تھا کہ اللہ نے کیا نازل فرمایا تھی کہ آپ خود ہی بتا دیتے تھے تب موسیٰ علیہ السلام موت کی تمنا کرنے لگے اور موت کو پسند فرمانے لگے۔ لیکن اس روایت میں بھی نظر ہے۔

کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر آخر عمر تک برابر وحی کا سلسلہ اور اللہ تعالیٰ کی وحی آتی رہی تھی کیونکہ اللہ نے آپ کو چن ہی لیا تھا اور آپ برابر اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ اور محترم و مکرم رہے ہیں جیسا کہ ملک الموت کے واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اور محمد بن اسحاق نے اہل کتاب کی کتاب سے نقل فرمایا ہے کہ ان کی کتاب تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی آخری عمر میں تنزیل وحی ہوتی رہی اور جب ان کو کسی مسئلے میں کچھ پوچھنا ہوتا تو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی خدمت میں آتے۔

اور یہ بات ان کی کتاب میں تیہ سے ان کے نکلنے کے واقعات کے تحت مذکور ہے۔

اہل کتاب نے سفر عدد میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے قبیلوں کے مطابق تقسیم کریں اور ہر قبیلے میں سے ایک ایک سردار مقرر فرمائیں جو ان کی نگہبانی کرے اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ تیہ سے نکلنے کے بعد جبابرہ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں اور یہ واقعہ چالیس سال ختم ہونے کے قریب کا ہے اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو چونکہ بیت المقدس کی فتح کا حکم ہو چکا تھا اور ان کو امید تھی کہ پہلے اللہ عزوجل میرے ہاتھوں اس کو فتح کرائے گا اس لئے ملاقات ہوئی اور پھر حضرت موسیٰ فرشتے کی صورت کو نہ پہچان سکے تو اس کو طمانچہ مار دیا تھا اور اللہ کی تقدیر میں یہ تھا کہ بیت المقدس کی فتح ان کے بعد ہو۔ چنانچہ حضرت یوشع بن نون کے ہاتھوں ہوئی۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے شام میں رومیوں سے جہاد کا ارادہ فرمایا تھا اور تبوک تک جا پہنچے تھے لیکن پھر واپس تشریف لے آئے اور ۱۰ ہجری میں حج فرمایا پھر وفات ہو گئی۔ اور آپ ﷺ نے جیش اسامہ تیار فرمایا۔ اور شام کی فتح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہی ہوئی ہے

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا اور دین حق کو نہیں اپناتے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی (ان سے قتال جاری رکھو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں۔(۱)

تو اس حکم کی تعمیل میں حضور نے تبوک کا سفر اختیار فرمایا لیکن حضور علیہ السلام پہنچے تو آپ لوٹ گئے اور اسامہ مقام جرف میں لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھے کہ آپ ﷺ کے خلیفہ برحق حضرت صدیق نے اس کو تیار کر کے اپنے مقصد کے لئے روانہ فرمایا۔

اور جب آپ کے بعد اسلام دین حق پورے طور پر قائم ہو گیا اور اس کی ترتیب کی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے چاروں اطراف لشکر کشی کی۔ انہوں نے کسریٰ کی طرف بھی لشکر بھیجا اور شام قیصر روم کی طرف بھی لشکر بھیجا پھر اللہ نے ان کو فتح یاب کیا اور سرفراز فرمایا اور دشمنوں کی جان اور ان کا مال ان کو عطا کر دیا۔

تو یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا کہ اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ شام اور اس کے باشندوں کی مسجد میں داخل ہوں اور قبضہ کر لیں اور ان کی تشریح پیچھے بیان ہو چکی ہے۔

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور انہی میں بارہ سردار ہم نے مقرر کئے اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی پھر جس نے تم میں سے اس کے بعد کفر کیا تو بے شک وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہوا۔(۲)

یعنی اگر تم میری بات پر عمل کرو گے اور پہلے کی طرح قتال سے ناطاقتی نہ کرو گے تو میں اس کی وجہ سے تم کو جنت میں داخل کروں گا اور تمہیں جنت عطا کروں گا۔ اسی طرح حضور کے ساتھ بعض اعرابیوں نے غزوہ حدیبیہ میں شرکت سے انکار کر دیا تو ان کے متعلق بھی یہی حکم قرآن میں نازل ہوا۔

قرآن پاک میں ہے۔

آپ پیچھے رہ جانے والے اعرابیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم قتال کرو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم پہلے کی طرح پیٹھ پھیر لو گے تو وہ تم کو دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔(۳)

اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا (یعنی جو شخص تم میں سے اس کے بعد انکار کرے گا وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہو گیا) پھر اللہ نے ان کے برے عمل اور عہد شکنی پر مذمت و ملامت فرمائی جیسا کہ اس کے بعد نصاریٰ کی مذمت فرمائی جب انہوں نے اپنے دین میں گروہ بندی کر لی اور اختلاف کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں بیان کی ہے۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لوگ ہتھیار اٹھانے کے قابل ہیں اور بیس سال یا اس سے زائد سال کی عمر کے ہیں ان کے نام لکھے جائیں اور ہر جماعت پر سردار بھی مقرر کر دیا جائے۔

پہلا گروہ روبیل کی اولاد کا تھا کیونکہ یہ سب سے پہلا حضرت یعقوب کا فرزند تھا اور ان کے جنگجوؤں کی تعداد ساڑھے چھیالیس ہزار تھی اور ان کا سردار الیصور بن شدیئور مقرر کیا گیا۔

دوسرا گروہ شمعون کا تھا ان کی تعداد انسٹھ ہزار تین سو تھی اور ان کے سردار شلومی ایل بن صوریشدی تھے۔

تیسرا گروہ آل یہودا کا تھا جن کی تعداد چوہتر ہزار چھ سو تھی ان کے سردار نحشون بن عمیناداب تھے۔

چوتھا گروہ آل یساکار کا تھا ان کی تعداد چون ہزار چار سو تھی ان کا سردار نتنائیل بن صوعر تھا۔

پانچواں گروہ آل یوسف علیہ السلام کا تھا جن کی تعداد چالیس ہزار پانچ سو تھی اور ان کے سردار یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔

---

(۱) توبہ ۲۹ (۲) مائدہ ۱۲ (۳) فتح ۱۶

چھٹا لشکر آل یجنا کا تھا ان کی تعداد اکتیس ہزار ساڑھے چھ سو تھی ان کے سردار شمعیل بن زخمور تھے۔

ساتواں لشکر آل بنیامین کا تھا ان کی تعداد چھتیس ہزار چار سو تھی اور ان کا سردار ابیدن بن جدعون تھے۔

آٹھواں لشکر آل حارد کا تھا یہ لشکر پینتالیس ہزار چھ سو پچاس جوانوں پر مشتمل تھا۔ جن کے سردار الیساف بن دعوئیل تھے۔

نواں لشکر آل اشیر کا تھا اور ان کی تعداد ساڑھے اکتالیس ہزار تھی ان کے سردار فجعیل بن عکرن تھے۔

دسواں لشکر آل دان کا تھا اور ان کی تعداد باسٹھ ہزار سات سو تھی اور ان کا سردار اخیعزر بن عمیشدای تھا۔

گیارھواں لشکر آل نفتالی کا تھا اور ان کی تعداد ترپن ہزار چار سو تھی اور ان کا سردار اخیرع بن عینن تھے۔

بارھواں لشکر زبلون کا تھا جن کی تعداد ستاون ہزار چار سو تھی ان کا سردار الیاب بن حیلون تھا۔

یہ ان کے باقیوں کی کتاب کی تصریح ہے واللہ اعلم۔

اور ان میں آل لاوی شامل نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ ان کو ساتھ شمار نہ کریں کیونکہ ان کی ذمہ داری سب سے جدا تھی کہ وہ قبۃ الشہادۃ کو اٹھائیں اور اس کو بنائیں اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کریں اور اس کو نصب کریں اور اٹھانا وغیرہ وغیرہ سب ذمہ داری ان کی تھی۔

اور یہ موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کا قبیلہ تھا اور ان کی تعداد بائیس ہزار تھی۔

اور پھر کام کاج کے اعتبار سے انہوں نے جماعتیں بنائیں تھیں یہ تمام لوگ اس کی حفاظت جو کہ رہی اور اس کے سامان کی نگہبانی اور اس کو نصب کرنے اور اکھاڑنے کی ذمہ داری کرتے تھے اور یہ سب لوگ اسی کے گرد و پیش دائیں بائیں آگے پیچھے رہتے تھے۔

اور اس بنی لاوی کے علاوہ گیارہ قبیلوں کی کل تعداد پانچ لاکھ اکہتر ہزار پانچ سو چھپن تھی۔

تو اس آخری قول میں نظر ہے کیونکہ پہلے اعداد و شمار جو ان کی کتابوں میں ملتے ہیں، اگر صحیح ہوں تو پھر یہ آخری تعداد اس طرح موافق نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

اور آل لاوی بنی اسرائیل کے وسط میں رہتی تھی اور قبۃ الزمان کی حفاظت پر مامور تھی اور پورے بنی اسرائیل کے قلب میں ان کا مقام ہوتا تھا اور میمنہ پر آل روبیل تھے اور میسرہ پر بنو دان تھے اور بنو نفتالی پیچھے رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے علاوہ کو اس اعتراف کو بنی ہارون میں منحصر فرما دیا تھا جیسے کہ ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد میں یہ لوگ چلے آتے تھے اور ان کے بعد بھی ان سے یہ سلسلہ چلا آیا تھا اور انہیں ناداب پہلا تھا پھر ابیہو اور العازار پھر ایتمر تھے۔

الغرض جن لوگوں نے بھی یہ کہا تھا کہ تو اور تیرا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں تو ان لوگوں میں کوئی نہ بچا تھا۔

اور یہ قول ثوری ابو سعید عکرمہ اور عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور قتادہ و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور سدی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ سے اس کو نقل فرمایا ہے۔

حتیٰ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے متقدم و متاخر علماء نے نقل فرمایا ہے کہ دونوں بھائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی میدان تیہ ہی میں ان سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والے وہ موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں اور یوشع ان کے لشکر کے مقدمہ میں تھے۔

اور پھر ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بیت المقدس کی طرف سفر میں بلعام بن باعوراء کا قصہ بھی ذکر کیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور اگر یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے اور انہوں نے نقصان اپنا ہی کیا۔ (۱)

اور اس بلعم بن باعوراء کا قصہ ہم اپنی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

---

(۱) اعراف ۱۷۵ تا ۱۷۷

بلعم بن باعورا کا قصہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول کے مطابق یہ شخص اسم اعظم جانتا تھا۔ اور اس کی قوم نے اس کو کہا تھا کہ وہ موسیٰ اور ان کی قوم کے خلاف بددعا کریں۔ لیکن اس نے اول تو انکار کر دیا۔ پھر جب قوم نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب ان کے قریب پہنچا تو اس کی گدھی بدکنے لگی بلعم نے اس کو مارا تو پھر چل پڑی پھر تھوڑی دور ہی چلا ہوگا کہ پھر گدھی بول پڑی کیا آپ دیکھتے نہیں کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے چہرے پر مار مار کر واپس لوٹا رہے ہیں کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی طرف بددعا کرنے کے لئے جا رہا ہے؟ لیکن بلعم نے پھر بھی گدھی کو مارا اور گدھی مجبوراً چل پڑی جب جبل حسبان تک پہنچ کر قریب ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کی طرف دیکھا اور ان کے خلاف بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بددعا کرنا شروع کر دی لیکن۔ زبان نے اس کی فرماں برداری نہیں کی۔ وہ موسیٰ کے لوگوں کے خلاف بددعا کرنا چاہتا لیکن زبان ان کی حمایت میں مدد کی دعا کرتی اور اپنی قوم پر بددعا کرتی اس کی قوم نے اس کی مذمت اور ملامت کی تو اس نے عذر کیا کہ میں کیا کروں زبان پر یہی جاری ہوتا ہے۔

پھر اس کی زبان باہر کو لٹک گئی حتی کہ اس کے سینے تک جا پہنچی تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اب تو میری دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔ بس مکر اور حیلہ باقی رہ گیا ہے۔

لہٰذا میری بات سنو کہ عورتوں کو مزین کرو اور سامان دے کر انہیں بنی اسرائیل کے لشکر میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دو اور وہ عورتیں ان کو اپنی طرف مائل کریں شاید وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں پس اگر ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو تمہارا کام ہو گیا اور وہ پھر صاف نہیں ہو سکتے۔

تو انہوں نے یہ ترکیب استعمال کی اور اپنی عورتوں کو مزین کر کے ان کے لشکروں میں بھیج دیا۔ ایک عورت جس کا نام کسبی تھا بنی اسرائیل کے بڑے آدمیوں میں سے ایک شخص "زمری بن شلوم" کے پاس سے گذری کہا جاتا ہے کہ وہ شخص آل شمعون بن یعقوب کا سردار تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے خیمے میں لے گیا اور جب دونوں تنہا ہوئے تو ادھر بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا پھیلنا شروع ہو گئی تو اس کا سبب ڈھونڈنا شروع کیا گیا۔ پھر اصل خبر ایک فنحاص بن عیزار بن ہارون کو پہنچی تو اس نے اپنا برچھا اٹھایا اور دونوں بدکاروں کے پاس پہنچ گیا اور دونوں کو خیمہ میں گھیر لیا پھر دونوں کو گھیر کر لوگوں تک لایا اور برچھے میں اس کو لٹکایا اور پھر برچھے کو آسمان کی طرف کر کے عرض کیا۔

اے اللہ ہم ایسا حال کرتے ہیں اس شخص کا جو تیری نافرمانی کرے۔

پھر طاعون ختم ہو گیا۔ اور صرف اسی گھڑی میں مرنے والوں کی تعداد ستر ہزار ہو چکی تھی۔ اور بعض بیس ہزار بتلاتے ہیں اور فنحاص اپنے والد عیزار بن ہارون کا اکلوتا لڑکا تھا۔ بنی اسرائیل فنحاص کی اولاد کے لئے قربانیوں میں سے ہمیشہ سینے اور دستیوں اور جبڑوں کا گوشت مقرر کرتے تھے اور اس کے علاوہ جو پہلے کا عمدہ مال ہوتے تھے وہ ان کو عطا کرتے تھے۔

اور جو قصہ بلعام کا محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے صحیح ہے۔ اور اس کو کئی علماء سلف نے ذکر فرمایا ہے اور شاید محمد بن اسحاق کی مراد ہو کہ جب حضرت موسیٰ نے پہلی مرتبہ بیت المقدس جانے کا ارادہ فرمایا تھا تب کا قصہ ہے اور شاید مطلب ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ہو لیکن بعض ناقلین سمجھ نہ سکے ہوں۔

اور ہم تورات کی تصریح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

یا پھر شاید یہ دوسرا قصہ ہو جو میدان تیہ میں گھومتے وقت پیش آیا ہو اس لئے کہ اس کے تذکرے میں جبل حسبان کا ذکر ملتا ہے اور یہ بیت المقدس سے کافی دور ہے۔

یا مطلب ہو کہ وہ بیت المقدس کا قصد فرما رہے تھے تب کی بات ہے جیسے سدی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی۔ واللہ اعلم۔

اور ہر تقدیر پر جمہور کا یہی قول ہے کہ حضرت ہارون میدان تیہ میں وفات پا گئے اور اس کے دو سال بعد حضرت موسیٰ بھی وفات پا گئے اور انہوں نے اپنے رب سے بیت المقدس کے قریب کر دیئے جانے کا سوال کیا تھا جو قبول ہوا۔

پس حاصل یہ کہ بنی اسرائیل کو تیہ میدان سے نکالنے والے اور بیت المقدس میں داخل ہونے والے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

اور اہل کتاب اور دیگر اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر نہر "اردن" پار کی اور "اریحا" مقام تک پہنچے اور "اریحا" شہر کے قلعوں میں سے سب سے بلند فصیلوں والا قلعہ تھا اور ان کے محلات اور اہل بھی سب سے زیادہ تھے۔ تو قوم بنی اسرائیل نے چھ مہینوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک دن احاطہ کر کے رسے کا مضبوط کچھا قلعہ کی کسی جانب کی دیوار پر ڈال کر سب نے یک آواز تکبیر لگا کر کھینچا تو وہاں سے راستہ بن گیا اور دیوار گر گئی۔

اور پھر تو اندر گھس گئے اور تمام اموال و دولت کو غنیمت میں سمیٹ لیا اور بارہ ہزار مردوں عورتوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے بادشاہوں سے جنگ چھڑی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے شام کے اکتیس بادشاہوں پر غلبہ پایا تھا۔

اور اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ انکا محاصرہ جمعے کے دن عصر تک جاری رہا تھا پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا اور پھر اگلا ہفتہ کا دن داخل ہونے والا تھا جس میں ان کے لئے پابندی تھی۔ کہ کوئی جنگ وغیرہ اور شکار وغیرہ نہ کر سکتے تھے۔ تو حضرت یوشع نے فرمایا اے ہفتہ کے دن تو بھی خدا کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدا کے حکم کا پابند ہوں۔ پس اے اللہ تو اس چاند کو طلوع ہونے سے روک دے۔ تو اللہ نے چاند کو طلوع سے روک دیا حتی کہ یوشع علیہ السلام نے شہر فتح فرما لیا۔

اور اسی بات کا تقاضا ہے کہ یہ رات پہلے مہینے کی چودھویں رات ہو اور یہ وہی شمس کا قصہ ہے جو حدیث میں مذکور ہے جسکو بندہ عنقریب ان شاء اللہ بیان کرے گا۔ اور چاند کا قصہ جو اہل کتاب کی کتاب میں مذکور ہے یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے بلکہ اس قمر والی روایت میں کچھ اضافہ ہے جسکی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ لیکن اہل کتاب نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اریحا کی فتح کا واقعہ ہے تو اس میں نظر ہے اور زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح میں معجزہ پیش آیا ہو اور بیت المقدس کی فتح ہی سب سے اہم تھی۔ اور فتح اریحا وسیلہ تھی۔ واللہ اعلم۔

وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

مسند احمد میں ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔(۱)

سورج کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا سوائے یوشع کے چند راتوں میں جب وہ بیت المقدس کی طرف کوچ فرما رہے تھے۔

اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور یہ حدیث بخاری کی شرط پر (صحیح) ہے

اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی فتح کرنے والی شخصیت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ اور شمس کا واقعہ بیت المقدس کی فتح میں پیش آیا جیسے کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس سے اس حدیث ذیل کے ضعف کا بھی علم ہوا کہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کہ سورج واپس لوٹ گیا حتی کہ علی بن ابی طالب نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

کیونکہ حضرت علی کی عصر فوت ہوئی تھی اس وجہ سے کہ حضور ان کی ران پر سر مبارک رکھ کر آرام کئے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا؟ کہ سورج کے لوٹ جانے کی دعا کر دیجئے تاکہ وہ نماز ادا کر لیں پھر وہ لوٹ گیا۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے اور احمد بن ابی صالح المصری نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لیکن صحیح احادیث میں اسکا کچھ وجود نہیں اور نہ ہی حسن احادیث میں اسکا کچھ اعتبار ہے۔ اور اس کی روایت میں ایک اہل بیت کی مجہول عورت شامل ہے جس کی حالت کا کچھ علم نہیں۔ واللہ اعلم۔

اور مسند احمد(۲) میں ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

---

(۱) قال الامام احمد، حدثنا اسود بن عامر حدثنا ابو بکر عن هشام عن ابن سیرین عن ابی هریرة

(۲) وقال الامام احمد: حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن همام عن ابی هریرة ...... الخ

انبیاء میں سے کسی نبی نے جہاد فرمایا اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے پیچھے وہ شخص نہ آئے جس نے ابھی شادی کی ہو۔ یعنی ابھی سہاگ رات منائی ہو۔ اور نہ ایسا شخص جس نے اپنی عمارت بنائی ہو لیکن اس کی چھت نہ بنائی ہو اور نہ ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کی اولاد ہونے کا منتظر ہو۔

تو پھر اس نبی نے جہاد فرمایا پھر عصر کے وقت بستی کے قریب ہوا اور نبی نے سورج کو کہا تو بھی خدائی حکم کا پابند ہے اور میں بھی خدائی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ تو اس کو مجھ پر کچھ دیر روک دے تو اللہ نے اس نبی پر اس دن کے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا حتی کہ انہوں نے فتح فرمائی۔ پھر انہوں نے اپنے غنیمت کا مال جمع کیا تاکہ آگ آ کر اس کو کھالے لیکن آگ نے کھانے سے انکار کر دیا تو اللہ کے نبی نے فرمایا۔

تمہارے درمیان کوئی خیانت دار شخص ہے لہذا اب کے سب میری بیعت کرو (یعنی میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے جاؤ) تو سب نے ایسا کیا پھر ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ تو نبی نے کہا کہ تیرا قبیلہ اب بیعت کرے پھر اس کے قبیلے نے ہاتھ ملایا تو دو یا تین شخصوں کے ہاتھ چپکنے لگے تو ان کو اللہ کے نبی نے فرمایا تم خائن ہو جو کچھ ہے وہ نکال لاؤ۔

تو انہوں نے گائے کے سر کے برابر سونا نکالا پھر اس سونے کو مال میں ملا کر رکھا گیا تو آگ نے آ کر جلا ڈالا۔ کیونکہ پچھلی امتوں میں سے کسی کے لیے غنیمت حلال نہ تھی بلکہ ہماری (امت محمدیہ) کی کمزوری کی وجہ سے حلال کر دی گئی۔

اسی طریق میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (۱)

اور پھر جب وہ شہر کے دروازے میں داخل ہوئے تو ان کو حکم ملا کہ سجدہ یعنی رکوع کی حالت میں جھکتے ہوئے عاجزی کے ساتھ اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے تم پر احسان و انعام کیا کہ تم کو فتح سے ہمکنار فرمایا جس کا اس نے تم سے وعدہ بھی فرمایا۔ اور ساتھ میں زبانوں پر یہ بھی جاری ہو ”حطۃ“

یعنی یا اللہ ہم سے پہلے گناہ درگذر فرما۔

اسی وجہ سے رسول اکرم محمد ﷺ مکہ میں فتح یاب داخل ہوئے تو سواری پر آپکا سر مبارک عاجزی و انکساری کے ساتھ خدا کا شکر بجا لاتے ہوئے اس طرح جھک گیا تھا کہ ان کی داڑھی مبارک کجاوے کی لکڑی کو لگ رہی تھی۔ اور یہ سب اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و نیاز مندی اور خشوع و خضوع تھا۔ اور آپکے ساتھ ایسا بھرپور لشکر تھا جس نے ہر طرف سے ہر چیز کو گھیر رکھا تھا۔

خصوصاً وہ سرسبز و شاداب لشکر جس میں رسول اکرم ﷺ موجود تھے۔ تو جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعات بطور شکرانے کے ادا فرمائیں اور یہی علماء کا مشہور قول ہے اور ایک قول ہے کہ وہ چاشت کی نماز تھی۔ اور اس قول کے قائل کی وجہ یہ تھی کہ وقت بھی یہی تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس حکم کی مخالفت کی قول میں بھی اور عمل میں بھی۔ تو وہ اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے یوں کہتے داخل ہوئے حبة فی شعرة. حطة فی شعرة دانہ بالی میں گندم بالی میں۔

حاصل کلام یہ کہ حکم کی مخالفت کی اور استہزاء کیا جیسے اللہ نے فرمایا

اور (یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں جی چاہے کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حطة کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا۔ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے وہ بات بدل ڈالی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب کا کوڑا بھیجا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (۲)

اور جب ہم نے (ان سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطة کہنا، ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے پھر ان لوگوں نے وہ بات جو ان سے کہی تھی بدل ڈالی جو ان

---

(۱) وقد روی البزار من طریق مبارک بن فضالة عن عبیدالله بن سعید المقبری، عن ابی هریرة، عن النبی ﷺ نحوه. قال ورواه محمد بن عجلان عن سعید المقبری. قال ورواه قتادة عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی ﷺ

(۲) اعراف (۱۶۱، ۱۶۲)

سے کہی گئی تھی تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب کا ٹکڑا نازل کیا اس سبب سے کہ وہ فسق کرتے تھے۔ (۱)

(۲) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمان الٰہی (اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا) اس سے مراد ہے کہ رکوع جیسی حالت میں یعنی عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے داخل ہونا۔ (۳)

اور مجاہد، سدی، اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب یعنی دروازے سے مراد وہ باب حطہ ہے جو بیت المقدس (شہر) کے بیت ایلیاء کا باب ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ خدائی فرمان کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے سروں کو اکڑ کر بلند کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ تو دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مانند ہی حدیث رسول میں بھی موجود ہے۔ جبکہ ذکر ابھی آگے آجاتا ہے۔ تو دونوں باتوں کا مطلب ہوگا کہ وہ سروں کو اٹھائے ہوئے اور سرینوں کے بل (یعنی جسم کے درمیان حصے کو آگے کی طرف اچھی طرح کر کے اور ہاتھ سرینوں) گھٹنوں پر رکھ کر اکڑتے ہوئے تکبر سے داخل ہوئے۔

اور فرمان باری "**وقولوا حطة**" میں واو حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ تو مطلب ہوگا کہ یعنی حالت میں حطہ کہتے ہوئے داخل ہونا۔ (اور **حطۃ** کا معنی ہے معافی اور بخشش) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء اور حسن، اور قتادہ اور ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو حکم کیا گیا تھا کہ مغفرت طلب کرتے ہوئے داخل ہوں۔

(۴) بخاری نے فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا "دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور اس حال میں کہ حطہ کہتے جاؤ تو ہم تمہاری خطاؤں کی مغفرت کریں گے" تو انہوں نے بات بدل ڈالی اور اپنی سرینوں کے بل داخل ہوئے اور یہ زبان پر جاری رکھا **حبة فی شعرة** یعنی بال جو میں یعنی ہم کو گندم بٹے میں چاہئے۔ (۵)

(۶) اور دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا" دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے" تو انہوں نے بات بدل دی اور اپنی سرینوں کے بل یوں کہتے ہوئے داخل ہوئے کہ **حبة فی شعرة** کہ دانہ بال میں چاہئے۔ (۷)

(۸) اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہوں نے تبدیلی کی تھی اس طریق کے اعتبار سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ وہ اس دروازے میں جس میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم تھا اپنی سرینوں کے بل یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے **حطة فی شعیرة** کہ گندم جو میں یعنی ہمیں گندم اور جو چاہئے۔

اور ایک دوسرے طریق (۹) سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمان باری (**فبدل الذين ظلموا قولا غير الذي قيل لهم**) کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے یہ بات بدل کر کہی تھی (**هطي سمقاثا ازبة مزبا**) جس کا مطلب ہے کہ ہمیں گندم کے سرخ دانے جن میں

---

(۱) البقرہ ۵۸_۵۹ (۲) وقال الثوري عن الاعمش، عن المنهال بن عمرو عن سعيد بن جبير عن ابن عباس...

(۳) رواه الحاكم وابن جرير وابن ابي حاتم، وكذا روى العوفي عن ابن عباس، وكذا روى الثوري عن ابي اسحاق عن البراء

(۴) قال البخاري حدثنا محمد، حدثنا عبدالرحمن بن مهدي، عن ابن المبارك، عن معمر عن همام بن منبه، عن ابي هريرة

(۵) وكذا رواه النسائي من حديث ابن المبارك يرفعه، ورواه عن محمد بن اسماعيل بن ابراهيم عن ابن مهدي به موقوفاً

(۶) وقد قال عبدالرزاق: انبانا معمر، عن همام بن منبه انه سمع ابا هريرة

(۷) ورواه البخاري ومسلم والترمذي من حديث عبدالرزاق وقال الترمذي حسن صحيح.

(۸) كما حدثني صالح بن كيسان، عن صالح مولى التوأمة عن ابي هريرة و عمن لا اتهم عن ابن عباس

(۹) وقال اسباط عن السدي عن مرة عن ابن مسعود

یا جو کے دانے ملے ہوں وہ چاہئیں۔

اور آگے اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کو اس مخالفت اور گستاخی پر عذاب خداوندی نے گرفت میں لے لیا اور وہ آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ جو طاعون تھا۔ ان میں بری طرح سے پھیل گیا۔ (اور اس طاعون عذاب کی ابتداء بھی ایسے ہی لوگوں سے ہوئی) جیسے کہ اشارہ درج ذیل حدیث رسول علیہ السلام سے ملتا ہے۔

(۱) صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک یہ بیماری (یعنی طاعون) اس عذاب کا ٹکڑا ہے جس کے ساتھ تم سے پہلی بعض امتوں کو عذاب دیا گیا۔

(۲) اور امام نسائی اور ابن ابی حاتم نے بھی دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا طاعون اس عذاب کا ٹکڑا ہے جس کے ساتھ تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا۔

اور ضحاک، رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "الرجز" (جس کا آیت میں ذکر آیا ہے اس سے مراد) عذاب ہے۔ اور یہی مجاہد اور ابو مالک اور سدی اور حسن اور قتادہ کا فرمان ہے۔ اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ "الرجز" خدائی غضب ہے۔ اور شعبی فرماتے ہیں "الرجز" یا تو طاعون ہے یا (برف کے) اولے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے فرمایا یہ طاعون ہے۔

اور جب بنی اسرائیل کا قبضہ بیت المقدس پر مستحکم ہو گیا تو وہ اسی میں رہتے رہے۔ اور ان کے درمیان اللہ کے پیغمبر یوشع اللہ کی کتاب تورات کے ساتھ ان میں فیصلے فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا اور اس وقت ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ ستائیس سال حیات رہے۔ یعنی وفات موسیٰ علیہ السلام کے وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

---

(۱) كما ثبت في الصحيحين من حديث الزهري، عن عامر بن سعد، ومن حديث مالك، عن محمد بن منكدر وسالم ابي النضر، عن عامر بن سعد، عن اسامة بن زيد

(۲) وروى النسائي وابن ابي حاتم وهذا لفظه من حديث الثوري عن حبيب بن ابي ثابت، عن ابراهيم بن سعد بن ابي وقاص عن ابيه واسامة بن زيد وخزيمة ابن ثابت قالوا: قال رسول ﷺ الخ

پراسرار شخصیت

حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ مبارک

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے ان کے پاس گئے تھے تاکہ جو ان کو علم لدنی حاصل ہے وہ سیکھ آئیں۔

اور اللہ عزوجل نے سورہ کہف میں اپنے کلام مقدس میں ان دونوں کا قصہ بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اس کی تفسیر و تشریح ہم پہلے کر آئے ہیں۔ اور اب ہم یہاں اس بات کو ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت خضر علیہ السلام کے ذکر کی صراحت آئی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے نام و نسب، نبوت اور اب تک کی زندگی کے متعلق مختلف اقوال ذکر ہوتے ہیں اللہ نے چاہا تو اس کی قوت و طاقت کے ساتھ ہم ان کو یہاں ذکر کریں گے۔

حافظ ابن عساکر نے فرمایا ہے کہ وہ خضر علیہ السلام بن آدم علیہ السلام ہیں یعنی عین آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اس طریق (۱) سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا خضر بن آدم آدم کی صلبی اولاد ہیں۔ اور ان کی وفات میں مہلت دیدی گئی ہے حتی کہ وہ کذاب دجال کی بھی تکذیب فرمائیں گے۔ یعنی تب تک زندہ رہیں گے۔

اور یہ روایت منقطع اور غریب ہے۔

اور ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان السجستانی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مشائخ جن میں ابو عبیدہ وغیرہ تھے۔

ان سے سنا ہے کہ اولاد آدم میں سب سے طویل عمر والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور انکا نام گرامی "خضرون بن قابیل ابن آدم" ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو خبر دی کہ ایک طوفان انسانوں پر واقع ہوگا۔ اور ان کو وصیت کی کہ جب وہ طوفان آئے تو تم کشتی میں میرے جسد (اطہر) کو بھی ساتھ لے لینا۔ اور جو مکان ان کے اترنے کے لئے مقرر ہو وہاں مجھے دفن کر دینا۔ تو جب طوفان آیا تو انہوں نے اپنے ساتھ اس جسد مبارک کو بھی لے لیا تو جب زمین پر اترے تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم فرمایا کہ جسد اطہر کو جہاں انہوں نے وصیت فرمائی تھی دفن کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ زمین ان کے جسد اطہر کے ساتھ مانوس نہیں ہے اور جسد اطہر کو وحشت ہوگی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر ان کو ابھارا اور ترغیب دلائی۔ اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ ان کو وہ شخص دفن کرے جو سب سے طویل عمر والا ہو تو تب انکا جسد اطہر ان کے پاس ساتھ ساتھ رہا حتی کہ خضر علیہ السلام نے ان کے دفنانے کی ذمہ داری اٹھائی۔ اور اللہ نے ان کے وعدے کو پورا فرمایا تو وہ جب تک بھی اللہ چاہیں زندہ ہیں۔

اور ابن قتیبہ نے "المعارف" میں وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کا نام بلیا تھا اور ان کا نسب یوں بھی بیان کیا جاتا ہے ایلیا ابن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اور اسماعیل بن ابی اویس نے فرمایا ہم تک جو روایت پہنچی۔ واللہ اعلم۔ اس کے مطابق تو حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی المعمر ابن مالک بن عبداللہ بن نصر بن الازد ہے۔

---

(۱) ثم روی من طریق الدارقطنی، حدثنا محمد بن الفتح القلانسی، حدثنا العباس بن عبداللہ الرومی، حدثنا رواد بن الجراح، حدثنا مقاتل بن سلیمان، عن الضحاک عن ابن عباس قال۔۔۔

اور ان کے علاوہ دوسرے بعض حضرات نے فرمایا وہ خضرون بن عمیائیل بن الیفز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا اسم گرامی ارمیا بن حلقیا ہے واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کے صاحبزادے ہیں۔ اور یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت کے ناقل ہیں محمد بن ایوب جنہوں نے ابن لہیعہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ ابن مالک ہیں اور مالک حضرت الیاس علیہ السلام کے برادر ہیں۔ اور اس کے قائل سدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جیسا کہ ذکر ابھی آچکا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ بادشاہ ذوالقرنین کے لشکر کے ہراول یعنی شروع کے لشکر پر امیر مقرر تھے۔ اور ایک قول ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت بھی فرمائی انہیں سے کسی کے صاحبزادے ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ وہ بشتاسب بن لہراسب کے زمانے میں پیغمبر رہے ہیں۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ وہ پہلے افریدون بن اثفیان بادشاہ کے زمانے سے تھے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک رہے۔

اور حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کی والدہ رومیہ تھی اور ان کے والد فارسی تھے۔

اور پہلے یہ بھی گذر چکا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور فرعون کے زمانے میں تھے۔

اور ابو زرعہ "دلائل النبوۃ" میں اس طریق[1] سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے انہوں نے نقل فرمایا کہ جب آپ کو ایک رات میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے ایک عمدہ خوشبو پائی تو فرمایا اے جبرئیل یہ کیسی عمدہ خوشبو ہے؟ تو عرض کیا یہ ماشطہ اور اس کے دو بیٹوں اور اس کی بیوی کی قبر کی خوشبو ہے۔

اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ حضرت خضر علیہ السلام بنی اسرائیل کے شرفاء اور بزرگ لوگوں میں سے تھے اور ان کی گذرگاہ میں ایک راہب اپنے صومعے میں رہتا تھا۔ تو راہب ان کے پاس آتا اور ان کو اسلام سکھاتا۔

جب خضر علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کے والد نے ان کی شادی ایک خاتون سے کر دی۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو بھی دین سکھایا اور عہد لیا کہ اب یہ باتیں آگے کسی کو نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔ اور چونکہ حضرت خضر علیہ السلام عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اس لئے آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ پھر والد نے دوسری عورت سے شادی کرادی تو اس کو بھی اسلام سکھایا اور وہی عہد لیا اور پھر طلاق دیدی۔ تو دونوں عورتوں میں سے ایک نے تو راز کو راز میں رکھا دوسری نے راز فاش کر دیا۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام وہاں سے بھاگ کر سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے۔ تو دو آدمی جو لکڑیاں چن رہے تھے انہوں نے آپکو دیکھ لیا۔ تو ایک نے تو آپکو ظاہر کرنے سے چھپایا اور دوسرے نے علی الاعلان کہہ دیا میں نے خضر کو دیکھا ہے۔ اس سے پوچھا گیا اور تیرے ساتھ کس نے دیکھا ہے؟ کہا فلاں نے۔ تو فلاں سے پوچھا گیا تو فلاں نے جیسے پہلے چھپایا تھا اب بھی چھپائے رکھا۔ جس سے دوسرا جھوٹا ہو گیا اور اس وقت جھوٹے کی سزا ہی موت تھی۔ تو اس کو قتل کر دیا گیا اور راز چھپانے والے نے اسی عورت سے شادی کر لی تھی جس نے پہلے حضرت خضر کا راز چھپایا تھا۔

اور یہ عورت فرعون کے محل میں خادمہ تھی۔ تو ایک مرتبہ یہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کر رہی تھی کہ ہاتھ سے کنگھی چھوٹ کر نیچے گر گئی تو اچانک عورت کے منہ سے نکل گیا کہ فرعون تباہ ہو۔ تو لڑکی نے باپ کو خبر دی اور اس خادمہ کے دو لڑکے اور ایک شوہر تھا۔ فرعون نے ان کے پاس قاصد بھیجا تو اس نے دونوں میاں بیوی کو ان کے دین اسلام سے پھسلانا چاہا لیکن وہ مرتد ہونے سے باز رہے۔

جس پر اس نے کہا کہ میں تم کو قتل کر دوں گا؟ انہوں نے کہا کہ تیرا احسان ہوگا کہ اگر ہمیں قتل کرے تو ہم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دے۔ تو اس نے قتل کر کے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔

---

[1] حدثنا صفوان بن صالح الدمشقی، حدثنا الولید، حدثنا سعید بن بشیر، عن قتادۃ عن مجاهد، عن ابن عباس عن ابی بن کعب ... الخ

تو پھر حضرت جبریل نے عرض کیا (یا رسول اللہ) آپ نے اس سے اچھی خوشبو پائی ہوگی حالانکہ آپ جنت میں بھی داخل ہوئے ہو گئے۔ اور یہاں کی قبر سے مہک رہی ہے۔

اور ماشطہ بنت فرعون کا قصہ پہلے گذر چکا۔ اور اس کنگھی وغیرہ کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں شاید ابی بن کعب کے کلام سے درج ہوا ہے یا پھر عبداللہ بن عباس کے کلام سے۔ واللہ اعلم۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس تھی۔ اور زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ "خضر" حضرت خضر علیہ السلام کا لقب تھا۔ جو نام پر غالب آ گیا۔ واللہ اعلم۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [1] کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا آپکا نام خضر اس وجہ سے پڑا کہ آپ ایک خشک سفید گھاس کی جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو وہ آپ کے بعد سرسبز و شاداب لہلہانے لگی۔

اس کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں اسی طرح عبدالرزاق نے معمر سے اس کو روایت کیا ہے۔

پھر عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ فروہ سے مراد سفید خشک گھاس ہے۔ اور خطابی اور ابو عمر فرماتے ہیں فروہ سے مراد زمین ہے جس میں گھاس نہ اگتی ہو اور دوسرے بعض نے فرمایا وہ خشک گھاس ہے جس کو فروہ کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسی سے فروۃ الراس بولا جاتا ہے اور اس سے مراد ہوتا ہے وہ جلد جس پر بال ہوں۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔

اور وہ حبشی کو ہمارے گھروں کے درمیان دیکھے گا کہ فرش بچھاتا ہے جبکہ وہ کسی دن کھانے کی جگہ پاسے اور وہ بالکل تنگدست فقیر ہے اور اس کے سر کے فروہ (یعنی کھال) میں پیچ ڈالے جاتے ہیں پھر اس کی دونوں جانبیں مرچیں اگاتی ہیں۔

عجیب شعر ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ یہاں لفظ فروۃ الراس استعمال ہو چکا ہے جس کا معنی ہے سر کی وہ کھال جس پر بال اگے ہوں۔

تو یہاں حدیث میں فروہ سے خشک گھاس مراد ہے۔ جس کو اس سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس پر بال ہوں (اور وہ سفید ہو چکے ہوں)

خطابی کہتے ہیں کہ خضر کو خضر اس وجہ سے کہا جاتا ہے ان کے چہرے کی تروتازگی اور حسن و چمک کی بناء پر اور یہ مذکورہ حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی وجہ ہو سکتی ہیں ورنہ حدیث سے کسی طرح بھی منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ اور وہی اولیٰ اور اقویٰ ہے۔ بلکہ اس کے غیر کی طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے طریق [2] سے یہ حدیث یوں نقل فرمائی ہے۔

کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

خضر کا نام خضر اس وجہ سے رکھا گیا کہ انہوں نے خشک گھاس پر نماز ادا فرمائی تو وہ سبز ہو کر لہلہانے لگی۔

اور یہ حدیث اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔

اور قبیصہ ثوری سے وہ منصور سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خضر کو خضر اسلئے کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ نماز ادا فرماتے تو ان کے ارد گرد کی جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔

اور پہلے گذر چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام جب نشانات قدم پر واپس لوٹے تو سمندر کے کنارے سرسبز بچھونے پر آپ کو پڑا پایا۔ اور کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور کپڑے کے دونوں سرے سر اور قدم کے نیچے تھے موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا تو چہرے سے کپڑا ہٹایا اور جواب دیا اور پوچھا کہ یہاں سلام کرنے والا کون ہے؟ کیا آپ موسیٰ ہیں؟ فرمایا ہاں

پھر پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں آپ نے فرمایا جی۔ پھر آگے تمام قصہ ہے جو قرآن میں ذکر ہوا۔

---

(۱) وقال البخاري حدثنا محمد بن سعيد الاصبهاني۔ حدثنا ابن المبارك۔ عن معمر۔ عن همام عن ابي هريرة ...... الخ

(۲) من طريق اسماعيل ابن حفص بن عمر الأبلي: حدثنا عثمان وابو جري وهمام بن يحيى عن قتادة عن عبدالله بن الحارث بن نوفل عن ابن عباس

اور اس قصے کی کئی باتیں آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک تو فرمان الٰہی:

فوجدا عبداً من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا و علمناہ من لدنا علما

پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسکو ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔

دوسرا فرمان باری **ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا** الخ آیت ۶۶ تا ۷۰ تک کی آیات مبارکہ۔

جن کا ترجمہ ہے۔ موسیٰ نے ان سے (جنکا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم آپکو (خدا کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں، کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہو؟ موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپکے ارشاد کے خلاف نہ کروں گا۔ کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اسکا ذکر تم سے نہ کروں۔

تو اگر یہ نبی نہ ہوتے بلکہ صرف ولی ہی ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا یوں کلام نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ بھی ان سے یوں خطاب نہ کرتے۔

اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی خدمت، طلب علم کے لئے بھیجا۔ اور کسی کے پاس نہ بھیجا۔

اور اگر یہ نبی نہ ہوتے تو معصوم نہ ہوتے اور جبکہ حضرت موسیٰ تو واجب العصمۃ تھے۔ تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے ایک ولی جو غیر واجب العصمۃ تھے کے علم میں اس قدر رغبت و طمع فرماتے۔ اور آپ نے ان کے پاس جانے کا کتنا اہتمام اور عزم مصمم فرمایا کہ اگر حقب کا زمانہ بھی گذر جائے جو بہت طویل عرصہ ہے تب بھی ان کی تلاش میں رہیں گے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔

اور پھر حضرت موسیٰ ملاقات ہونے پر کس قدر ان کا اکرام اور ان سے عجز و انکساری برتتے ہیں اور ان کی شرائط تسلیم کر کے بھی ان کی معیت حاصل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی وحی آتی تھی اور پھر مزید اضافہ کہ حضرت خضر کو علم لدنی اور اسرار نبوت کے ساتھ نوازا گیا تھا جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہ نوازا گیا تھا، تو ان تمام باتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور قرآنی دو آیتیں اس پر دلالت کے ساتھ گزریں۔ اس طرح تیسری بات یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بچے کے قتل کا ارتکاب فرمایا اور یہ صرف اللہ کی طرف سے وحی کی وجہ سے تھا اور یہ بھی آپ کی نبوت پر مستقل دلیل ہے اور ان کی عصمت پر بالکل ظاہر برہان ہے۔

اس لئے کہ کسی بھی ولی کو اپنے دلی قلبی الہام کے ساتھ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

اس لئے کہ اسکا دل واجب العصمۃ نہیں ہے۔ کیونکہ بالاتفاق اس سے خطا کا صدور ہو سکتا ہے اور جب خضر نے نابالغ بچے کے قتل کا ارتکاب کیا تو اس علم (یقین) پر کیا تھا کہ یہ بڑا ہو کر کفر کے زمرے میں پھنسے گا اور اپنے والدین کے لئے بھی خطرہ بنے گا۔ تو آنے والے زمانے کا علم یقینی اللہ کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے اور نیز ان کی تائید و حمایت بھی اللہ کی طرف سے تھی۔

اور (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے شیخ ابو الفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کو بعینہ ان دلائل کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلیل پکڑتے دیکھا ہے۔ اور علامہ رمانی نے بھی اس پر دلیل پکڑی ہے۔

چوتھی دلیل، نبوت خضر یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جب تمام کاموں کا اصل مقصد بتلا دیا تو حضرت موسیٰ کو بھی بات کھل کر سامنے آ گئی تب حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا **رحمۃ من ربک وما فعلتہ عن امری**۔

کہ یہ تیرے رب کی رحمت سے ہوا ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا اس سے ان کی نبوت صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ولایت خود اس میں آ جاتی ہے اور رسالت بھی کوئی منافی نہیں ہے۔ بہر حال فرشتے ہونے کا قول انتہائی غریب ہے۔

اور جب ہماری بات دلائل سے ثابت ہوئی کہ وہ نبی تھے تو اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ولی بھی غائب کاموں کی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں نہ کہ شریعت کے علم پر۔ تو اب کوئی دلیل اور ایسی مقدمات نہیں جنکے ساتھ اس قول میں سہارا لیا جائے۔

کیا اب بھی خضر علیہ السلام باقی ہیں؟

جمہور فرماتے ہیں خضر علیہ السلام اب تک باقی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ انہوں نے طوفان نوح کے بعد آدم علیہ السلام کو دفن فرمایا تھا اس لئے ان کو والد کی دعا کے طفیل لمبی زندگی ملی۔ اور ایک قول ہے کہ انہوں نے آب حیات نوش فرمایا تھا۔ تو اس وجہ سے زندہ ہیں اور کئی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور ان کو ہم آگے ان شاء اللہ دوسری روایات کے ساتھ بیان کریں گے۔

اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر جدا ہونے لگے تو خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

”کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا وقت) ہے میں عنقریب آپ کو ان کی تاویل بتا دوں گا جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔“

تو اس نصیحت کے بارے میں بہت سی متعدد اخبار مروی ہیں بیہقی فرماتے ہیں کہ اس طریق (۱) سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے فراق فرمانے لگے تو فرمایا کہ مجھے کچھ نصیحت و وصیت فرمائیے۔ فرمایا کہ

نفع رساں بن ضرر رساں مت بن۔ خوش رہا کر، غصے میں مت رہا کر۔ بلا حاجت خوش طبعی کو چھوڑ دے اور بغیر مقصد (نہ سفر کر) نہ چل۔

اور دوسرے طریق سے یہ زیادتی ہے سوائے تعجب کے مت ہنسا کر۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں: خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ۔ لوگ دنیا کے خیالوں میں اسی قدر مبتلا کئے جاتے ہیں جس قدر ان کی دنیا کے متعلق فکریں ہوتی ہیں۔

اور بشر بن حارث الحافی فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ تو فرمایا

اللہ تجھ پر اپنی اطاعت کو آسان فرمائے۔

اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث آئی ہے جس کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زکریا ابن یحییٰ الوقاد کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ شخص زکریا۔ بڑے کذابوں میں سے ہے۔ یہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن وہب کو یہ بات بتلائی گئی جبکہ میں بھی ان کے پاس تھا کہ ثوری اور مجالد اور ابوالوداک سب کہتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

کہ میرے بھائی موسیٰ نے کہا اے پروردگار...... پھر تمام قصہ ذکر کیا پھر ان کے پاس حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور وہ عمدہ مہکتی خوشبو والے انتہائی سفید کپڑوں والے نوجوان تھے۔ اور آکر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اے موسیٰ بن عمران تیرا رب تجھ کو سلام فرماتا ہے موسیٰ نے فرمایا وہ ہی سلامتی والا ہے اور اس کو بھی سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس کی نعمتوں کا میں شمار نہیں کر سکتا اور اس کے شکر پر قادر ہو سکتا مگر اس کی مدد سے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا خیال ہے کہ آپ مجھے ایسی کوئی وصیت فرمائیں جو مجھے آپ کے بعد نفع دے تو خضر علیہ السلام نے فرمایا اے طالب العلم۔ کہنے والا (واعظ وغیرہ) اکتاہٹ میں سننے والے سے کم پڑتا ہے۔ یعنی کہنے والے کو اکتاہٹ کم ہوتی ہے۔ سننے والا زیادہ اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔

پس جب آپ ان کو کچھ بیان کریں تو اپنے ہم نشینوں کو اکتاہٹ میں نہ ڈالیں۔

اور جان کہ تیرا دل برتن ہے پس دیکھا کر کہ کس چیز سے برتن کو پر کر رہا ہے؟

اور دنیا سے کنارہ کش رہو اور اس کو اپنے پیچھے پھینک دو وہ تیرا گھر نہیں ہے اور نہ اس میں ٹھکانہ ہے اور تجھ کو لوگوں تک پیغام پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں سے آخرت کے لئے توشہ لے لو اور اپنے نفس کو صبر پر ثابت قدم رکھو تو گناہوں سے چھٹکارا پا جاؤ گے۔

اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ علم چاہتے ہیں تو اس کے لئے اپنے کو فارغ کر لو کیونکہ علم اسی کا ہے جو اس کے لئے فارغ ہو جائے اور کثرت کلام

---

(۱) اخبرنا ابوسعید بن ابی عمرو، حدثنا ابو عبداللہ الصفار، حدثنا ابوبکر بن ابی الدنیا، حدثنا اسحاق بن اسماعیل، حدثنا جریر، حدثنی ابو عبداللہ الملطی قال لما اراد موسیٰ الخ

کرنے والے نہ بنو اور بیکار بات سے بچو کیونکہ کثرت گفتگو علماء کو عیب دار کرتی ہے اور کم عقلی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اپنے لئے میانہ روی کو لازم کر لو کیونکہ یہ چیز توفیق الٰہی اور درستگی کی علامت ہے اور جاہلوں اور باطل مشغول کرنے والوں سے بچو اور بے وقوفوں سے بردباری کرو۔ کیونکہ یہ حکماء کا فعل ہے اور علماء کی زینت ہے۔ اور جب تجھ کو جاہل گالی دے تو اس سے بردباری کے ساتھ چپ ہو جاؤ اور احتیاط کے ساتھ کنارہ کرلو۔ کیونکہ ابھی بھی جو اس کی جہالت اور گالم گلوچ باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ ہے۔

اے ابن عمران اپنے کو کم علم خیال کرتے رہو۔ بے شک خود سری اور بے پروائی اپنے کو مشقت میں ڈالنا اور تکلیف میں پڑنا ہے۔

اے ابن عمران ایسے دروازے کو نہ کھول جسکے متعلق آپ نہیں جانتے کہ کس نے اس کو بند کیا ہے اور ایسے دروازے کو بند نہ کرو کہ آپ نہیں جانتے کہ کس نے اس کو کھولا ہے۔

اے ابن عمران جس شخص کی دنیاوی حاجتیں پوری نہ ہوں اور دنیا سے اس کی رغبت ختم نہ ہو اور اپنی حالت کو حقیر سمجھے یعنی غریب و مفلس سمجھے اور زیادتی مال کی طلب میں رہے اور جو اس کے لئے فیصلہ کر دیا گیا ہے اس میں خدا سے شکوہ کرے تو ایسا شخص کیسے زاہد ہو سکتا ہے؟

جس کی خواہش نفسانی اس پر غالب آجائے تو کیا وہ شہوات سے بچ سکتا ہے؟ کیا اس کو طلب علم نفع دے سکتا ہے؟ جبکہ جہالت کی تاریکی نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ کیونکہ ظاہر میں اس کی کوشش تو آخرت میں ہے اور درحقیقت وہ دنیا پر مرتا ہے۔

اے موسیٰ علیہ السلام! وہی سیکھ جس پر تو عمل بھی کرنا چاہتا ہے۔ اور اسلئے نہ سیکھ کہ تو اس کے ساتھ تقریر کرے تو پھر ایسا علم تیرے لئے تنگی اور تیرے غیر کے لئے نور ہوگا۔

اے موسیٰ بن عمران زہد اور تقویٰ کو اپنا لباس بنالے۔ اور علم و ذکر کو اپنا کلام بنالے اور نیکیوں کی کثرت کر کیونکہ برائیاں تو خود ہی ہوتی رہتی ہیں اور اپنے دل کو خوف کے ساتھ ساتھ رکھ یہ تیرے رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہوگا۔ اور خیر کرتا رہ اگر تو نے ان باتوں کو محفوظ کر لیا تو نصیحت پا گیا۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام رنج زدہ ہو کر چل دیئے اور موسیٰ رنجیدہ و کرب زدہ روتے رہ گئے۔

یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے میں سمجھتا ہوں یہ زکریا بن یحییٰ الوقاد المصری کی کارستانی ہے اور اس کو کئی علماء کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ حافظ ابن عساکر جیسا انسان اس کے متعلق سکوت اختیار کر گیا ہے۔

ایک عجیب قصہ

(۱) اور حافظ ابونعیم اصبہانی اس طریق سے حضرت ابو امامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا: کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں رسول خدا! تو آپ گویا ہوئے۔

خضر علیہ السلام ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپکو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی: مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں تو فقیر نے پھر صدا لگائی: میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپکے پاس برکت پہچان لی خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کر دے مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔

---

(۱) وقال ابونعیم الاصبہانی حدثنا سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، حدثنا عمرو بن اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الحمصی، حدثنا محمد بن الفضل بن عمران الکندی حدثنا بقیۃ بن الولید عن محمد بن زیاد عن ابی امامۃ الخ

حضور نے فرمایا کہ پھر مسکین نے انہیں بازار لے جا کر چار سو درہم میں فروخت کر دیا۔ وہ آپ خریدار کے پاس ایک مدت تک رہے لیکن وہ کسی چیز کا کام نہ لے سکا تو انہوں نے اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لئے خریدا ہے لہٰذا مجھے کسی کام کا حکم کیجئے۔ مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ بہت بوڑھے اور بزرگ ہیں۔ فرمایا مجھ پر یہ بات گراں نہ ہوگی۔ مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کر دو۔ حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہیں ہو سکتا تھا (مگر آپ نے وہ پہلی مرتبہ اٹھا دیا) تو مالک اپنی کسی ضرورت کے لئے باہر نکلا اور جب واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اسی وقت میں منتقل ہو چکا تھا۔ مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہیں تھی۔ پھر مالک کو سفر پیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کسی کام کا حکم دیتے جاؤ۔ مالک نے کہا میں نہیں چاہتا کہ آپ پر مشقت ڈالوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہیں۔ تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لئے اینٹیں بناؤ۔

تو آپ (مالک) سفر پر چلا گیا۔ آ کر دیکھا تو مکان تعمیر شدہ پایا تو مالک نے تعجب کے ساتھ کہا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟

فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے۔ چنانچہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا۔ مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا لیکن میرے پاس کچھ نقد دینے کو نہ تھا پھر جب اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دی کہ مجھے فروخت کر دے تو اس نے مجھے فروخت کر دیا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور اس کی ہڈی حرکت کر رہی ہوگی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا اے اللہ کے نبی میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا۔ تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے نبی میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو فیصلہ کرنا چاہیں حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے چاہیں تو آپ کو اختیار دیتا ہوں یا آپ کا راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔

تو آپ نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کروں تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اس نے مجھے اس سے نجات دی۔ اور اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں غلطی ہے اور مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس کے راویوں میں ایسے لوگ ہیں جن کو پہچانا نہیں جا سکتا واللہ اعلم۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عجالۃ المنتظر فی شرح حال الخضر" میں اس کو عبدالوہاب بن ضحاک کے طریق سے نقل کیا ہے اور وہ متروک ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ خضر اور الیاس علیہما السلام دونوں بھائی تھے اور ان کے والد محترم بادشاہ تھے۔

ایک مرتبہ الیاس نے والد کو کہا کہ میرا بھائی خضر بادشاہی میں کوئی رغبت نہیں رکھتا اگر آپ اس کی شادی کر دیں تو شاید اس کی کوئی اولاد ہو جائے جو سلطنت کی وارث ہو۔ جب وہ بادشاہت کا وارث نہیں بن سکے تو بادشاہ نے اپنے بیٹے خضر علیہ السلام کی شادی کر دی۔ لڑکی بھی حسین اور کنواری تھی تو خضر علیہ السلام نے اس کو کہا کہ مجھے عورتوں کی حاجت نہیں ہے لہٰذا اگر تو چاہے تو میں تجھے آزاد کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو میرے ساتھ رہ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہ اور میرے معاملے پر پردہ پوشی کئے رکھنا۔ تو لڑکی نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر ان کے ساتھ رہتی رہی۔ حتیٰ کہ ایک سال گزر گیا۔

پھر بادشاہ نے لڑکی کو بلایا اور کہا کہ تم ابھی تک نوجوان اور خوبصورت ہو، تمہارا کوئی بچہ کیوں نہیں ہوا؟ تو لڑکی نے عرض کیا اولاد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگر وہ چاہے تو ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔

بادشاہ نے اپنے لڑکے کا نکاح کر دیا مگر اس بیوی نے طلاق [illegible] تو خضر نے طلاق دے دی۔ پھر بادشاہ نے دوسری ایک عورت سے شادی کر دی جس سے پہلے اولاد بھی ہو چکی تھی۔

تو خضر علیہ السلام نے جب اس کے ساتھ [illegible] اس کو بھی ویسا ہی رکھا جیسا کہ پہلی کو رکھا تھا تو اس نے بھی [illegible] بادشاہ کے پاس [illegible] پھر سال بعد گئی اور بادشاہ نے عورت سے اولاد کے متعلق سوال کیا تو عورت نے کہا کہ آپ کے لڑکے کو عورتوں کی طرف خواہش اور رغبت نہیں۔ تو بادشاہ نے خضر علیہ السلام کو طلب کیا تو آپ بھاگ گئے۔ پھر لوگوں کو ان کے پیچھے ڈھونڈنے بھیجا [illegible] کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھاگ جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دوسری عورت [illegible] قتل کر دینے کی پاداش میں [illegible] اسی وجہ سے بھاگ گئے۔ [illegible]

پھر وہ عورت جس کو طلاق ملی تھی وہ کسی شہر کے مضافات میں جا کر عبادت خداوندی میں مصروف ہو گئی۔ ایک مرتبہ اس کے پاس سے ایک شخص [illegible] اس شخص سے شادی کر لی [illegible] عورت فرعون کی لڑکی کی ملازمت [illegible] کے بالوں میں کنگھی کرنے کی خدمت پر مامور ہوئی۔

ایک مرتبہ یہ کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تو زبان سے بسم اللہ نکل گیا۔ فرعون کی لڑکی نے کہا کیا میرے باپ کا [illegible] نہیں میرا اور تیرے باپ کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

تو لڑکی نے فرعون اپنے باپ کو اطلاع پہنچا دی۔ فرعون نے حکم جاری کیا اور [illegible] آگ میں تپا کر لائی گئی تو اس میں مسلمان عورت کو ڈالے جانے کا حکم ملا۔

اس عورت نے جب آگ کی وحشت دیکھی تو گھبرا اٹھی لیکن خدا کی قدرت کہ [illegible] بول اٹھا اماں [illegible] آپ حق پر [illegible] تو پھر عورت نے اپنے [illegible] آگ کے حوالے [illegible] وفات پا گئی [illegible]

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد الاعمیٰ کی سند سے روایت کی ہے (اور یہ شخص کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا ہے) انہوں نے ابی بن کعب سے روایت کی اور اسی طرح کی روایت عبداللہ بن عمرو بن عوف (اور یہ بھی کذاب ہے) نے اپنے باپ اور اپنے دادا کے طریق سے روایت کی ہے کہ جس شب حضرت خضر تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے: اے اللہ [illegible] مجھے اس سے بچا لے جس سے تو نے مجھے خوف دلایا ہے (یعنی عذاب سے) اور مجھے صالحین کا شوق عطا فرما جیسا کہ تو نے ان کو عطا کر رکھا ہے۔

تو حضور ﷺ نے انس رضی اللہ عنہ کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا اور سلام کا جواب ملا تو خضر نے کہلا بھیجا کہ آپ کو اللہ نے انبیاء پر ایسی فضیلت عطا فرمائی ہے جیسی رمضان کو تمام مہینوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور آپ کی امت کو دوسری امتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی جمعہ کو تمام ایام پر فضیلت بخشی گئی۔

۱۔ یہ حدیث صحیح نہیں [illegible] کے اعتبار سے [illegible] یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان طالب علم [illegible] آئے لیکن حضور اکرم ﷺ کے سامنے صورت ظاہر نہ کرے۔

اور [illegible] قول کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ان کے پاس آتے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے [illegible] تمام لوگوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔

[illegible]

۲۔ [illegible] اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث [illegible] ظاہر ہے۔

حدیث تعزیت بعد رسول اکرم ﷺ

حافظ ابو بکر بیہقی نے بیان فرماتے ہوئے حدیث روایت کی کہ ہمیں محمد بن ابو عبد اللہ الحافظ نے کہ ہمیں ابو بکر بن بالویہ نے کہ ہمیں محمد بن بشر بن مطر نے بیان کیا کہ ہمیں کامل بن طلحہ نے بیان کیا کہ ہمیں عباد بن عبد الصمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔

جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کے ارد گرد رونے میں مصروف ہو گئے اتنے میں ایک شخص جس کی داڑھی بھری ہوئی جسم والے خوبصورت شکل والے آئے اور اصحاب کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور رونے لگے اور پھر وہ رونے میں مصروف ہو گئے پھر اصحاب رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک اللہ کی رضا میں ہے ہر مصیبت سے صبر کرنے والا اور اللہ کے ہاں ہر فوت شدہ چیز کا عوض اور بدلہ ہے اور ہر جانے والے کے بدلے دوسرا ہے پس اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسی کی طرف رغبت کرو اور اسی نے تمہاری طرف مصیبت کے متعلق نظر رحمت کرنی ہے پس تم بھی اسی کی طرف نظر کرو بے شک مصیبت زدہ وہ ہے جس کا نقصان پورا نہ ہو، پھر وہ شخص چلا گیا۔

آپس میں اصحاب کہنے لگے کیا تم اس کو جانتے ہو؟ کون تھا؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں یہ رسول اکرم ﷺ کے بھائی خضر علیہ السلام تھے۔

اس حدیث کو ابو بکر بن ابی الدنیا نے کامل بن طلحہ سے روایت کیا ہے اور اس کے مضمون حدیث میں بیہقی والے (گزشتہ) متن کی مخالفت ہے۔

پھر امام بیہقی جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راوی عباد بن عبد الصمد ضعیف ہے اور یہ ایک مرتبہ منکر ہے البتہ بعض اوقات کہا ہے کہ عباد بن عبد الصمد بن معمر بصری ہی ہے جس نے انس رضی اللہ عنہ سے ایک نسخہ نقل کیا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نسخے کی اکثر حدیثیں من گھڑت ہیں اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بہت ہی کمزور حدیث والا اور منکر شخص ہے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی عام احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہیں اور یہ ضعیف ہے اور غالی شیعہ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن عبد اللہ بن عمر نے خبر دی کہ جعفر بن محمد سے مروی ہے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن الحسین سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی اور تعزیت کرنے والوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ بے شک اللہ کی رضا میں ہے ہر مصیبت سے صبر کرنے والا اور ہر جانے والے کے پیچھے جانشین ہے اور ہر فوت شدہ چیز کا بدلہ ہے پس اللہ پر بھروسہ کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو بے شک مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو گیا۔ علی بن الحسین نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

اس میں حضرت شافعی کے شیخ قاسم العمری متروک ہیں۔ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص قاسم جھوٹا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ فرمایا کہ یہ حدیث گھڑتا ہے۔ پھر یہ حدیث بھی مرسل یعنی منقطع ہی ہے اور یہاں اس جیسی حدیث پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، واللہ اعلم۔

اور ایک دوسرے ضعیف طریق سے بھی اس کو روایت فرمایا ہے جس میں جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ علی سے روایت کرتے ہیں اور یہ طریق بھی ٹھیک نہیں ہے۔

ابن عبد البر نے بھی ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ میں ایمان ... عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنازہ پر نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی کی آواز پیچھے سے سنی ...

ہم سے آگے نہ بڑھو اللہ تم پر رحم فرمائے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انتظار فرمایا حتیٰ کہ وہ صف میں لاحق ہو گیا۔ پھر اس نے میت کے لئے دعا فرمائی۔

اے اللہ اگر آپ اس کو عذاب کریں تو تیرے بہت سے بندے گنہگار ہیں اور اگر تو اس کو بخش دے تو تیری رحمت کا فقیر ہے۔

اور جب آپ اس کو دفن کر دیئے گئے تو وہی شخص کہنے لگا اے صاحب قبر تجھ کو خوشخبری ہو اگر آپ چودھری یا کاہن تھا اور مال جمع کرنے والے تھے اور دفتری تھے اور نہ کاتب تھے اور نہ شرطی تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو پکڑو تاکہ ہم اس سے اس کی نماز اور اس کے کلام کے متعلق پوچھ گچھ کریں کہ وہ کون ہے؟ تو محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا پھر لوگوں نے دیکھا تو اس کا نشان قدم ایک ہاتھ جتنا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اللہ کی قسم یہ حضرت علیہ السلام خضر علیہ السلام تھے جو ہمیں رسول اکرم ﷺ کے متعلق بتا رہے تھے۔ اور یہ منقطع ہے۔ حدیث صحیح نہیں اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ثوری سے اور ثوری نے عبداللہ بن المحرز سے اور عبداللہ نے یزید بن الاصم سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات طواف کی غرض سے مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص کعبے کے غلاف تھامے کہہ رہا تھا۔

اے وہ ذات جس کو کسی کا سننا دوسرے کے سننے سے نہیں روکتا کیونکہ وہ بیک وقت تمام کی آوازیں بخوبی سنتا ہے۔ اور اے وہ ذات جس کو مختلف سوال و مسائل غلطی میں نہیں ڈالتے اور اے وہ ذات جس کو اصرار اور الحاح و زاری کرنے والوں کی الحاح و اصرار اکتاہٹ میں نہیں ڈالتی۔ اور نہ سائلین کا سوال اس کو اکتاہٹ میں ڈالتا ہے۔

مجھے اپنے عفو و درگزر کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی حلاوت عطا کر۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کو کہا کہ جو تو نے دعا کی ہے وہ دوبارہ مجھے سنا تو اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ سن رہے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو اس نے مجھے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں خضر کی جان ہے۔ (یعنی وہ خضر تھے)۔

کہ جو شخص بھی فرض نماز کے بعد ان الفاظ کو کہے تو ضرور اس کی مغفرت کر دی جائے اگرچہ وہ گناہ سمندر کی جھاگوں کے برابر ہوں اور درختوں کے پتوں اور ستاروں کے شمار کے برابر ہوں تو بھی اللہ ان تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔

دعا کے عربی الفاظ درج ذیل ہیں:

یامن لا یمنعه سمع عن سمع، ویامن لا تغلطه المسائل، ویامن لا یبرمه الحاح الملحین ولا مسألة السائلین اذقنی برد عفوک وحلاوة رحمتک

اور یہ عبداللہ بن المحرز کی جہت سے ضعیف ہے کیونکہ وہ متروک الحدیث ہے اور یزید بن الاصم نے علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور ایسی روایت صحیح قرار نہیں دی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

اور اس کو ابو اسماعیل ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہمیں صالح بن ابی الاسود نے محفوظ بن عبد اللہ الحضرمی سے روایت کی کہ محمد بن یحییٰ سے مروی ہے کہ اس دوران کہ حضرت علی بن ابی طالب کعبہ کا طواف فرما رہے تھے کہ ایک شخص کعبے کے پردے کو پکڑے یوں کہہ رہا تھا۔

یامن لا یشغله سمع عن سمع، ویا من لا یغلطه السائلون ویا من لا یتبرم بالحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوة رحمتک

(اس کا ترجمہ پہلے گزر چکا)۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا اے اللہ کے بندے اپنی دعا مجھے دوبارہ سنا تو اس نے پوچھا کیا آپ نے سنا ہے؟ فرمایا جی ہاں تو اس شخص نے کہا ہر نماز کے بعد اس کو پڑھا کر پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں خضر کی جان ہے اگر تجھ پر گناہ آسمان کے ستاروں کے برابر اور آسمان کی بارش کے برابر اور زمین کے کنکر اور اس کی مٹی کے برابر ہوں تو پلک جھپکنے سے بھی پہلے اللہ تیری مغفرت فرما دے گا۔

یہ روایت بھی منقطع ہے اور اس کی اسناد میں غیر معروف راوی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اس کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بکر بن ابی الدنیا سے

طریق سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یعقوب بن یوسف نے بیان کیا کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے بیان کیا اور پھر اس روایت کے مثل الفاظ ذکر کئے۔ پھر علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اسناد مجہول اور منقطع ہے اور اس میں ایسی کوئی بات بھی نہیں جو اس شخص کے خضر علیہ السلام ہونے پر دلالت کر سکے۔

اور حافظ ابو القاسم بن عساکر نے فرمایا ہمیں ابو القاسم بن الحصین نے خبر دی کہ ہمیں ابو طالب محمد بن محمد نے خبر دی کہ ہمیں ابو اسحاق المزکی نے خبر دی کہ ہمیں محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے بیان کیا کہ محمد بن احمد بن یزید نے یہ حدیث بیان کی اور اس کو انہوں نے ہم پر املاء کروایا جب ان کے ساتھ کہ ہمیں عمرو بن عاصم نے خبر دی کہ ہمیں حسن بن رزین نے انہوں نے عطاء سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں اس کو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہی جانتا ہوں کہ آپ نے فرمایا حضرت خضر اور الیاس علیہ السلام ہر سال موسم حج میں ملاقات کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کے سر کا حلق کرتے ہیں (یعنی بال مونڈتے ہیں) اور ان کلمات کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

بسم اللہ ماشاء اللہ، لایسوق الخیر الا اللہ، ماشاء اللہ لا یصرف الشر الا اللہ ماشاء اللہ، ما کان من نعمۃ فمن اللہ، ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

راوی کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو صبح و شام تین تین مرتبہ کہے گا تو وہ غرق ہو جانے، جل جانے اور مال چوری ہو جانے سے محفوظ ہو گا اور راوی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا اور شیطان اور بادشاہ (کے ظلم) اور سانپ اور بچھو کے ڈنک سے بھی محفوظ رہے گا۔

الدار قطنی "افراد" میں کہتے ہیں کہ ابن جریج کی یہ حدیث غریب ہے اس کو اس شیخ یعنی حسن بن رزین کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا اور محمد بن کثیر العبدی سے بھی مروی ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابو احمد بن عدی کہتے ہیں کہ یہ معروف نہیں ہے۔ اور حافظ ابو جعفر عقیلی کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ اور ابو الحسین بن المنادی کہتے ہیں کہ یہ حسن بن رزین کی عجیب حدیث ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل اس طریق سے بھی نقل کیا ہے کہ علی بن حسن جہضمی سے۔ جو کذاب حدیث ہے۔ ضمرہ بن حبیب المقدسی سے اور ضمرہ اپنے والد سے وہ علاء بن زیاد القشیری سے اور علاء عبد اللہ بن الحسن سے وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر عرفہ کے روز میدان عرفات میں جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور خضر علیہ السلام اکٹھے ہوتے ہیں اور آگے موضوع حدیث جو طویل ہے ذکر کی ہے جس کو ہم نے قصداً ترک کر دیا ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ... طریق سے نقل کیا ہے کہ الیاس اور خضر علیہ السلام رمضان کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور پھر آب زمزم کا ایک مرتبہ پانی پی لیتے ہیں پھر آئندہ سال اس دن میں پیتے ہیں۔

(۱) ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ولید بن عبد الملک بن مروان جو بانی جامع مسجد دمشق ہیں۔ انہوں نے ایک رات خواہش کی کہ اس مسجد میں عبادت گزاری کریں۔ تو ولید نے حکم دیا کہ مسجد کو اس کے لئے اس رات خالی کروا دیا جائے تو مسجد خالی کروا دی گئی جب رات شروع ہوئی تو ولید جامع مسجد میں داخل ہو گیا۔ تو دیکھا کہ ایک شخص اس کے اور باب الخضراء کے درمیان کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو ولید نے محافظوں کو کہا کیا میں نے نہ کہا تھا کہ مسجد کو بالکل میرے لئے خالی کروا دو۔

تو وہ کہنے لگے اے امیر المومنین یہ خضر علیہ السلام ہیں جو ہر رات آ کر یہاں عبادت کرتے ہیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے (۲) کہ رباح بن عبیدہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے چل رہے ہیں پھر میں نے خیال کیا کہ یہ شخص تو ننگے پاؤں ہے پھر نماز پڑھ کر لوٹنے لگے تو میں نے پوچھا کہ جو ابھی

---

(۱) وروى ابن عساكر من طريق هشام بن خالد عن الحسن بن يحيى الخشني عن ابن أبي داود قال.

(۲) انبانا ابو القاسم بن اسماعيل بن احمد، انبانا ابو بكر ابن الطبري، انبانا ابو الحسين بن الفضل انبانا عبد الله بن جعفر، حدثنا يعقوب هو ابن سفيان الفسوي، حدثني محمد بن عبد العزيز، حدثنا ضمرة عن السري بن يحيى، عن رباح بن عبيدة قال:

آپ کے گرد تھوڑی دیر تک گھومتے رہے آپ نے فرمایا اے ریاح! کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے؟
میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا میں تمہیں نیک شخص خیال کرتا ہوں۔ وہ میرے بھائی خضر علیہ السلام تھے جو مجھے خوشخبری دے رہے تھے کہ میں والی بنوں گا اور عدل کرنے والا ہوں۔

شیخ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابوبکر بن ابی الدنیا سے بھی مروی ہے۔ اور ابوالحسین بن المنادی نے عمر بن عبدالعزیز کے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔ پھر دوسرے طریق سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ خضر کے ساتھ اکٹھے ہوئے تھے اور اس کا راوی ضعیف تھا۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے خضر علیہ السلام کے ساتھ ابراہیم تیمی، سفیان بن عیینہ اور ایک جماعت کے ساتھ اکٹھے ہونے کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر طویل ہے۔

اور یہ تمام روایات و حکایات مدار دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو حضرت خضر علیہ السلام کی اب تک حیات کے قائل ہیں۔ لیکن یہ تمام احادیث بھی موضوع ہیں انتہائی کمزور ہیں جن سے دین میں دلیل و حجت قائم نہیں ہو سکتی اور حکایات میں سے کم ضعف اسناد کے ساتھ ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی صحابی یا غیر نبی کی طرف بھی روایت منسوب کی جائے اور اس کا احتمال بھی ہے غیر معصوم کی ہیں۔ کیونکہ ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ابو عبیدہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی کہ دجال آئے گا اور اس پر مدینہ منورہ کی گلیاں حرام ہوں گی تو ایک شخص جو لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا اس کی طرف آئے گا اور دجال کو کہے گا کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اکرم ﷺ بیان کر چکے ہیں۔ تو دجال کہے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ
اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں پھر اس کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی تم میرے معاملے میں شک کرو گے؟
لوگوں نے کہا نہیں۔ تو وہ اس شخص کو قتل کر دے گا پھر اس کو زندہ کرے گا۔ پھر وہ شخص کہے گا کہ اللہ کی قسم اب میں پہلے سے بہت زیادہ تمہاری طرح تم کو پہچان گیا کہ تو واقعی دجال ہے۔ پھر دجال اس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا لیکن اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

معمر راوی کہتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ دجال کی گردن پر ایک تانبے کی پلیٹ رکھی ہوگی۔ اور یہ کہ وہ شخص جس کو دجال نے قتل کر کے زندہ کیا تھا اور اس کے قتل پر قادر نہ ہو سکا وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔
اور یہ حدیث صحیحین میں بھی زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے تخریج شدہ ہے۔

اور ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الراوی مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔ اور معمر وغیرہ کا یہ کہنا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے یہ کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اور صحیح حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ دجال ایک نوجوان شخص کے پاس آئے گا اور اس کو قتل کر ڈالے گا۔ اور اس کا ظاہر آخری الفاظ کا یہ قول کہ جس کو رسول اکرم ﷺ نے بیان کیا۔ یہ الفاظ بھی اس پر صراحت نہیں کرتے بلکہ تو اس کے لئے کافی ہے۔

اور شیخ ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عجالۃ المنتظر فی شرح حالۃ الخضر" میں خضر علیہ السلام کے متعلق ایسی احادیث جو مرفوعات منقول ہیں ان کے موضوع ہونے کی کثرت سے تصریح کی ہے۔ اور صحابہ و تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے جو منقول ہیں تو ان کی اسانید میں صاف ضعف ہے یا تو راوی کی جہالت کی وجہ سے یا راوی کی حالت کی جہالت کی وجہ سے اور ان کے متعلق بھی تحقیق کی گئی ہے۔

اور کئی حضرات حضرت خضر علیہ السلام کے انتقال ہو جانے کا قول کر چکے ہیں۔ جن میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم حربی، ابوالحسین بن المنادی، شیخ ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شیخ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے جس کا نام "عجالۃ المنتظر فی شرح حالۃ الخضر علیہ السلام" ہے۔

اور ان حضرات نے کئی دلائل سے کام لیا ہے ان کی وفات پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کی یہ آیت "وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد" اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشگی مقرر نہیں کی۔ پس اگر خضر علیہ السلام بشر ہیں تو اس عام حکم میں شامل ہیں۔ اور ان کی

تخصیص کی گئی۔ حدیث کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور اصل یہی ہے کہ کسی کی کوئی حدیث ثابت نہیں اگر ثابت ہو تو پھر وہ ضروری بات ہے۔ اور وہاں کسی کی کوئی روایت اور حدیث کسی معصوم (یعنی نبی ﷺ) سے منقول نہیں ہے جس کا قبول کرنا واجب ہو۔

اور یہ فرمان باری بھی اس میں معاون ہے۔

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آ جائے جو تمہارے پاس والی (موجودہ کتاب شریعت) کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر میرا عہد قبول کیا؟ کہنے لگے ہم اقرار کرتے ہیں تو فرمایا کہ پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ نے جس کسی نبی کو بھیجا تو اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو وہ ان پر ضرور ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر محمد ﷺ ان کی زندگی میں مبعوث ہو گئے تو سب کو ہی ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا ہوگی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استدلال کیا ہے۔

اگر خضر علیہ السلام نبی یا ولی ہوتے تو وہ اس عہد کے تحت ضرور داخل ہوتے۔ اور اگر وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو سب سے بڑی عزت و شرافت یہی ملتی کہ وہ حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور مدد کرتے اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے۔ کیونکہ اگر وہ ولی ہیں تو صدیق ان سے افضل ہیں اور اگر نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں۔

امام احمد اپنی مسند میں فرماتے ہیں ... کہ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

یہ حدیث قطعی طور پر معلوم شدہ امر کو بتاتی ہے جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس پر گذشتہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر تمام انبیاء بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں زندہ فرض کر لیے جائیں تو سب کو آپ کی اتباع کرنا ضروری ہے اور آپ ہی کا امر اور آپ کی شریعت مطہرہ ان سب پر فرض ہوگی۔

اسی طرح جب معراج کی رات آئی تو حضور اکرم ﷺ سب کے مرتبوں سے اوپر اٹھائے گئے پھر جب آپ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نیچے اتارے گئے اور بیت المقدس میں لے جایا گیا تو نماز کا وقت قریب ہو گیا اور انبیاء بھی وہیں جمع تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضور اکرم ﷺ کو آگے کر دیا کہ وہ تمام انبیاء کی امامت کرائیں۔ تو حضور نے ان کے مقام پر سب کو نماز پڑھائی جس سے معلوم ہوا کہ آپ سب سے بڑے امام اور نبی اعظم ہیں۔

اور رسول خاتم کی عظمت و شرف کی عادت ان کو معلوم ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ جب یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو گئی تو جب یہ بات ثابت ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو امت محمدیہ ﷺ میں سے ہوتے اور آپ کی شریعت کی اقتدا فرماتے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ بھی اسی شریعت مطہرہ کے مطابق حکم فرمائیں گے اور اس سے نہ نکلیں گے اور نہ اس سے انحراف کریں گے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں اور بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں۔ اور کسی جگہ کسی صحیح یا حسن حدیث میں منقول نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کبھی جمع ہوئے ہوں یا ملاقات کی ہو یا کسی جہاد میں آپ کے ساتھ شرکت کی ہو۔ یوم بدر کو صادق مصدوق ﷺ اپنے رب عزوجل سے دعا کر رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے اور کفار پر فتح مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! اگر آپ نے اس جماعت کو ہلاک ہونے دیا تو اس کے بعد سے زمین پر آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

اور اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار اور ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس میں شامل تھے جیسا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قصیدے میں کہا ہے۔

---

[1] آل عمران ۸۱

ويوم بدر الأبرار و حولهم جبريل تحت لواء محمد

اور مقام بدر میں جب کہ فرشتوں کے جھرمٹ کو جبرئیل اور محمد ﷺ لا رہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام بھی ہمارے جھنڈے کے تلے تھے

تو اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ وحیات ہوتے تو اس دن ان کا اس جھنڈے کے تلے آنا تمام مقامات اور غزوات سے بڑھ کر ہوتا۔

قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین بن الفراء حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے کسی ساتھی سے خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ مر گئے؟ تو فرمایا جی ہاں۔ اور مجھ کو خود ابو طاہر بن الغباری سے بھی اسی بات کے مثل خبر پہنچی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور فرمایا کہ اگر آپ علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضور اکرم ﷺ کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ ابن جوزی نے بعض اہل علم سے یہ نقل فرمایا ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ ان تمام مقامات پر حاضر ہاں تھے لیکن کوئی ان کو دیکھ نہ سکا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل یہ کہ ان احتمالات کو نظر انداز کر دیا جائے جس سے عام ہو جاتا ہے تو آپ کی خبر عمومی کرنا لازم آتا ہے علاوہ یہ بھی محض تو ہم عقلی بات ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اور پھر ان کے غائب رہنے پر کیا شئی ابھارتی ہے اور اکساتی ہے؟ بالفرض اگر آپ کے بعد زندہ ہوتے تو ان کا اہم ترین منصب یہی تھا کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن و حدیث کو نقل کرتے اور پہنچانے کا اہم فریضہ بجا لاتے اور جعلی احادیث جو مشہور ہیں ان کو تبدیل کرتے اور ان کو بدعت اور معصیت سے دور رکھتے، اور جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑتے، اور جمعوں اور جماعتوں میں مسلمانوں کے ساتھ حاضر ہوتے اور مسلمانوں کو نفع پہنچاتے اور کافروں کے شر سے ان کو بچانے کی کوشش کرتے، نیز علماء و حکام کو درست رکھتے اور ان کی نگرانی کرتے اور اللہ کے احکام کو نافذ کرتے۔

ہمارا تو یہ کہنا ہے کہ خضر کے متعلق مشہور یہ کیا جاتا ہے کہ ان کے لئے شہروں سے چھپ کر رہنا اور جنگلوں اور بیابانوں میں پھرنا ان کا کام ہے، اور اگر ملاقات کرنی ہے تو ایسے لوگوں سے جن میں سے اکثر کے احوال عام طور پر مجہول ہیں۔ اور حضرت خضر کے لئے نگہبان اور ان کی علامات کو بیان کرنے والے ہیں۔

اور یہ احتمال کی گنجائش جو ہم نے آپ کے سامنے عرض کی کہا جائے تو کوئی اس میں توقف نہ کرے گا بلکہ یقین کی طرف مائل ہو جائے گا۔ اور ہم تو اللہ ہی سے، جو چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

اور اس بات کی دلیل وہ بھی ہے جو صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا: کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی؟ بے شک جو شخص بھی آج روئے زمین پر باقی ہے (زندگی کے سانس لے رہا ہے ان میں سے) سو سال تک کوئی بھی ایک زندہ نہیں رہے گا۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی نہ رہے گا تو یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ آپ نے اپنے زمانے کے ختم ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

(۱) مسند احمد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری حصے میں ایک رات عشاء کی نماز ادا فرمائی تو پھر فرمایا تمہارا اس رات کے متعلق کیا خیال ہے؟ بے شک سو سال کے بعد کوئی شخص باقی نہیں رہے گا ان میں سے جو بھی زمین پر بستے ہوں۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم نے بھی زہری کی حدیث سے فرمائی ہے۔

(۲) مسند احمد میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل یا ایک مہینہ قبل فرمایا: کوئی سانس لینے والا نفس۔ یا فرمایا کہ تم میں سے جو بھی آج سانس لے رہا ہے پھر سو سال نہیں گزر سکتے مگر وہ اس وقت مر چکا ہوگا۔

(۳) اور مسند احمد میں دوسرے طریق سے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ

---

(۱) قال الإمام أحمد حدثنا عبد الرزاق، أنبأنا معمر عن الزهري قال: أخبرني سالم بن عبد الله وأبو بكر بن سليمان بن أبي حثمة أن عبد الله بن عمر

(۲) وقال الإمام أحمد حدثنا محمد بن أبي عدي، عن سليمان التيمي، عن أبي نضرة، عن جابر بن عبد الله قال

(۳) وقال أحمد حدثنا موسى بن داود حدثنا ابن لهيعة، عن أبي الزبير، عن جابر

قبل فرمایا۔

لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں جبکہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ آج کوئی روئے زمین پر سانس لینے والا موجود نہیں جس پر سو سال گذر جائیں (اور وہ زندہ ہو۔)(1)

اور ترمذی میں بھی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا روئے زمین پر کوئی نفس سانس لینے والا ایسا نہیں ہے جس پر سو سال گذر جائیں۔ یہ حدیث بھی مسلم کی شرط پر ہے۔ تو علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث بھی حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے دعویٰ کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں تو علماء فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام نے حضور ﷺ کی زندگی کو نہ پایا جو قوی اور اقرب یا یقینی بات ہے تو کوئی نقصان نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور کے زمانے کو پایا تھا تو یہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اب زندہ نہ ہوں۔ تو لہٰذا اب وہ مفقود ہیں نہ کہ موجود۔ کیونکہ وہ احادیث کے عموم میں داخل ہیں اور اب تک کوئی صحیح حدیث ایسی ثابت نہیں ہوئی جو اس عموم میں تخصیص کرے۔

اور اسی کا قبول کرنا واجب ہے واللہ اعلم۔

اور حافظ ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب "التعریف والاعلام" میں امام بخاری اور ان کے شیخ ابو بکر العربی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ پائی ہے لیکن ان احادیث کی رو سے آپ کے بعد وفات پا چکے ہیں۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں نظر ہے کہ وہ حضور کے زمانے تک بھی موجود رہے ہیں۔

جبکہ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان کی حیات کو ہی ترجیح دی ہے اور اکثر لوگوں سے اسی کو نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ ان کے جمع ہونے کو ذکر کیا ہے اور آپ کی وفات کے بعد تعزیت کا بھی ذکر کیا ہے اور تعزیت والی احادیث صحیح کے طریقے سے نقل کی ہیں۔ لیکن ان کی اسناد ذکر نہیں فرمائیں اور اسنادوں میں ہم پہلے ضعف کو ثابت کر چکے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(1) وهكذا رواه مسلم من طريق أبي نضرة وأبي الزبير كلاهما عن جابر بن عبد الله به نحوه

(2) وقال الترمذي حدثنا هناد حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابر

حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ مبارک

اللہ عزوجل سورۃ صافات میں موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے قصے کے بعد فرماتے ہیں

وان الیاس لمن المرسلین (الصافات: ۱۲۳تا۱۳۲)

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو؟) اور سب سے بہتر پیدا فرمانے والے کو چھوڑتے ہو؟ خدا کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے۔ صرف خدا کے بندگان خاص (جو موحد ہے مبتلائے عذاب نہ ہوں گے) اور ہم نے ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاسین پر سلام ہو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

علماء نسب فرماتے ہیں کہ یہ الیاس نشبی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نسب نامہ یوں ہے ابن یاسین بن فنحاص بن العیزار بن ہارون اور ایک قول یہ ہے الیاس بن العاذر بن العیزار بن ہارون بن عمران۔

علماء نے فرمایا ہے کہ ان کو اہل بعلبک کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور بعلبک دمشق کے غربی جہت کا ایک شہر ہے۔ تو اللہ کے پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ اپنے بتوں کی عبادت ترک کر دیں اور ان کا بت بعل نامی تھا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ ایک عورت تھی جس کا نام بعل تھا۔ واللہ اعلم۔

اور پہلا قول صحیح ہے کہ یہ ان کا بت تھا۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو (یعنی) اللہ جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء کا رب ہے۔)

بہر حال کافروں نے آپ کی تکذیب کی اور مخالفت کی حتیٰ کہ آپ کے قتل کی ٹھان بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر آپ بھاگے اور چھپ گئے (۱) اور حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ گئے تھے اور جا کر ایک غار میں جو نیچے تھا اس کے اندر رہے۔ اور دس سال کا عرصہ روپوشی میں بسر کر دیا۔ پھر اللہ نے اس بادشاہ کو ہلاک فرمایا اور دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا تو حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس کی قوم سے اس وقت ایک خلق عظیم مسلمان ہوگئی صرف دس ہزار باقی رہ گئے پھر سب کو قتل کر دیا گیا۔

(۲) ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں بیس رات روپوش رہے یا چالیس رات پوشیدہ رہے۔ اور اللہ کی بھیجی مخلوق ان کو رزق پہنچاتی تھی۔

اور محمد ابن سعد جو واقدی کے کاتب ہیں نے فرمایا کہ ہمیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے خبر دی کہ ان کے والد نے فرمایا پہلے پیغمبر (حضرت آدم علیہ السلام کے بعد) ادریس علیہ السلام ہیں پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام پھر اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پھر یعقوب علیہ السلام پھر یوسف علیہ السلام پھر لوط علیہ السلام پھر ہود علیہ السلام پھر صالح علیہ السلام پھر شعیب علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جو عمران کے فرزند تھے پھر ہیں حضرت الیاس علیہ السلام نشبی بن العاذر بن ھارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔

---

(۱) قال ابو یعقوب الاذرعی، عن یزید بن عبدالصمد، عن هشام بن عمار قال وسمعت من یذکر عن کعب الاحبار

(۲) وقال ابن ابی الدنیا حدثنی ابو محمد القاسم بن هاشم، حدثنا عمر بن سعید الدمشقی حدثنا سعید بن عبدالعزیز عن بعض مشیخة دمشق قال

اسی طرح انہوں نے فرمایا لیکن یہ ترتیب محل نظر ہے۔

اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب سے نقل کیا ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں دو زمین میں ہیں وہ الیاس اور خضر علیہما السلام ہیں اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰ علیہما السلام اور ہم پہلے کچھ حضرات کے اقوال اس کے متعلق بیان کر چکے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ہر رمضان میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ہر سال حج کرتے ہیں اور آب زمزم نوش کرتے ہیں جو ان کو سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور یہ حدیث بھی ذکر ہو چکی ہے کہ وہ میدان عرفات میں ہر سال جمع ہوتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اور پہلے دلائل سے یہ بات صاف ہو گئی کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں لہذا اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے متعلق ایک گفتگو ذکر فرمائی ہے جو نظر سے غائب نہیں اور شاید یہ احتمال بھی ہے کہ وہ اسرائیلی روایت ہے جس کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی صحت بعید ہے واللہ اعلم۔

وہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔

کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی جب تکذیب ہوئی اور ان کو لوگ اذیت پہنچانے کے درپے ہو گئے تو انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اپنے پاس اٹھا لے۔ تو پھر ان کے پاس ایک جانور بھیجا گیا جس کا رنگ آگ جیسا تھا آپ اس پر سوار ہو گئے اور اللہ نے آپ کو نور کے پر عطا فرمادیئے اور آپ کو نور سے منور فرمادیا اور آپ سے کھانے پینے کی لذت ختم کردی اور آپ کو ایسا یعنی بشری بھی اور ملکی بھی بنادیا اس طرح ارضی بھی سماوی بھی بنادیا۔

تو یہ روایت محل نظر ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت بھی نقل کی ہے۔

(۱) بیہقی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم ایک جگہ اترے تو وہاں وادی سے ایک شخص کی آواز آرہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

اے اللہ مجھے محمد ﷺ کی امت سے بنادے جو امت مرحومہ اور مغفورہ ہے اور اس کی توبہ قبول ہے انس کہتے ہیں کہ میں نے وادی میں آواز کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ ایک شخص جس کا قد تین سو گز سے زیادہ تھا موجود ہے اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا میں انس بن مالک رسول ﷺ کا خادم ہوں اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ قریب ہی موجود ہیں تیرا کلام سن رہے ہیں تو اس نے کہا کہ ان کو جا کر میرا سلام کہنا اور کہو کہ تمہارا بھائی الیاس آپ کو سلام عرض کرتا ہے انس کہتے ہیں پھر میں حضور کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی آپ خود تشریف لائے اور ان سے سلام و معانقہ کیا پھر دونوں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔

الیاس علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ میں سال میں صرف ایک دن کھاتا ہوں اور یہ میرا کھانے پینے کا دن ہے تو آپ اور میں دونوں ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر دونوں کے پاس آسمان سے ایک دسترخوان اترا جس پر روٹیاں اور مچھلی اور اجوائن تھی۔ تو دونوں نے کھانا تناول کیا اور مجھے بھی کھلا دیا اور پھر ہم نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کو الوداع کیا اور میں نے ان کو بادلوں میں آسمان کی طرف جاتے دیکھا۔

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

اور یہ بات تعجب کی ہے کہ امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اس کو اپنی مستدرک میں تخریج فرمایا اور وہ بھی تحسین ہے۔

اور اسی طرح کی اشیاء کے ساتھ مستدرک سے استدراک (امام ذہبی) کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث موضوع ہے جس کی کمزوری بہت سی صحیح احادیث کے کئی اعتبار سے خلاف ہے اور اس کے معنی بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلے صحیحین کے حوالے سے گزر چکا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد آسمان میں ساٹھ گز تھا..... پھر مخلوق تب سے اب تک گھٹتی جارہی ہے اور پھر حدیث میں یہ بھی ہے۔

---

(۱) اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ، حدثنی ابو العباس احمد بن سعید المعدانی بمرو، حدثنا عبد اللہ بن محمود، حدثنا عبدان بن سنان، حدثنی احمد بن عبد اللہ البرقی، حدثنا یزید بن یزید البلوی حدثنا ابو اسحاق الفزاری، عن الاوزاعی عن مکحول، عن انس بن مالک قال

کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے پاس حضور ﷺ خود تشریف لے گئے اور وہ خود نہیں آئے۔ حالانکہ آپ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اس میں یہ بھی محل اشکال ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ کھاتے ہیں جبکہ پہلے گذر را کہ اللہ نے ان سے کھانے پینے کی کیفیت کو سلب کر دیا ہے اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ وہ سال میں زمزم کا ایک مرتبہ اتنا پانی نوش کر لیتے ہیں جو آئندہ سال اس دن تک کافی ہو جاتا ہے۔ تو یہ متعارض باتیں ہیں اور سب باطل ہیں جن میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے طریق سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کے ضعف کا اعتراف فرمایا ہے اور یہ آپ کی طرف سے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی حدیث کو ذکر کیا۔ کیونکہ آپ نے یہ اس (۱) طریق سے نقل فرمائی ہے کہ ابن الاسقع سے پہلے کی طرح طویل حدیث مذکور ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو ان کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے آ کر جواب دیا کہ وہ ہم سے دو یا تین ہاتھ بڑے قد والے ہیں۔ اور (شاید خود آنے) کی قدرت نہ ہونے کی بناء پر معذرت کی۔ اور اسی میں مذکور ہے کہ جب دونوں اکٹھے ہوئے تو دونوں نے جنتی کھانا تناول کیا۔ اور حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چالیس دن میں صرف ایک لقمے پر قناعت کرتا ہوں۔ اور دسترخوان پر روٹی، انگور، کیلے اور ترکاریاں اور سبزیاں تھیں اور لہسن و پیاز وغیرہ نہ تھے۔ اور اسی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میری ان سے سال کے شروع میں ملاقات ہوئی ہے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ آپ سے جلد ہی ملاقات کرنے والے ہیں تو آپ ان سے ملاقات کے وقت ان کو میرا سلام کہیے گا۔

تو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اگر دونوں بھائی خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو موجود فرض کر لیا جائے اور حدیث بھی صحیح فرض کر لی جائے تو تب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی ملاقات حضور سے سب سے پہلے ۹ ہجری میں ہوئی اور یہ شرعاً درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حدیث منگھڑت ہے جس میں شبہ نہیں۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے متعلق بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں جن کا حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ جمع ہونا منقول ہے۔ اور وہ تمام غیر درست ہیں کیونکہ یا تو ان کی اسناد میں ضعف ہے یا خود منسوب الیہ مجہول ہے۔ اور ایسی روایتوں میں سے سب سے حسن درج ذیل روایت ہے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ (۲) ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کے سواد مقام پر تھے تو میں ایک باغ میں دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے داخل ہوا تو میں نے نماز میں **حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول۔** کی تلاوت کی ترجمہ: اس کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب و دانا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور سخت عذاب دینے والا صاحب کرم ہے۔ (۳)

ابھی تلاوت کی تھی کہ ایک شخص چتکبرے خچر پر سوار ہوا اس پر چادر کے ٹکڑوں کا لباس تھا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ جب تو نے **غافر الذنب** یعنی گناہوں کو بخشنے والا۔ کہا تو اس کے بعد یہ کہہ **یا غافر الذنب اغفرلی** اے گناہ بخشنے والے میرے گناہ بخش دے۔ اور جب تو نے کہا **قابل التوب** تو قبول کرنے والا ہے تو اس کے بعد یہ کہہ **یا قابل التوب تقبل توبتی**۔ اے توبہ قبول فرمانے والے میری توبہ قبول فرما۔ اور جب تو نے کہا **شدید العقاب** تو اس کے بعد یہ کہہ **یا شدید العقاب لا تعاقبنی** اے سخت عذاب والے مجھے سزا نہ دے۔ اور جب تو نے کہا **ذی الطول** تو پھر یہ کہہ **یا ذالطول تطول علی برحمۃ** اے صاحب کرم مجھ پر کرم فرما۔

حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے پھر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تو میں وہاں سے نکلا اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس سے ایک سفید خچر پر جس کا لباس یمنی چادر کے ٹکڑوں کا تھا کوئی ایسا شخص گذرا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمارے پاس سے کوئی نہیں گذرا۔ تو اس وقت ہمارے

---

(۱) من طریق حسین بن عرفۃ، عن هانی بن الحسن، عن بقیۃ، عن الاوزاعی، عن مکحول، عن واثلۃ بن الاسقع

(۲) ابو بکر بن ابی الدنیا: حدثنی بشر بن معاذ، حدثنا حماد بن واقد، عن ثابت قال کنا مع مصعب بن الزبیر

(۳) غافر ۱۔۲

اصحاب کا قبائل اور بستیوں میں معروف ہے کیونکہ حضرت الیاس علیہ السلام نبی تھے۔

یہ گزشتہ تفصیل اس کی زندگی وغیرہ کے متعلق تھی۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ قرآن میں ان کے متعلق کیا آیا ہے؟

"پھر لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو یہی بے شک وہ حاضر کئے جائیں گے" یعنی عذاب کے لئے یا تو دنیا میں یا آخرت میں، یا صرف آخرت میں اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان پر عذاب آنا چند یادداشتوں سے معلوم ہے جیسا کہ بعض مفسرین اور مورخین نے ذکر کیا ہے۔

اور آگے فرمایا ہے "سوائے خدا کے خالص بندوں کے" یعنی جو ایمان لائے وہ محفوظ رہے۔ پھر آگے فرمایا "اور ہم نے پچھلوں میں ان کا ذکر چھوڑ دیا" یعنی ان کے اچھے ذکر کو عام کر دیا، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آگے فرمایا "سلام ہو الیاسین پر" یعنی حضرت الیاس پر سلام ہو۔ یہاں نون کا اضافہ ہے جیسا کہ عرب بہت سے ناموں میں نون کا اضافہ کر دیتے تھے جیسے اسماعیل کو اسماعین بولتے تھے جیسے اسرائیل کو اسرائین پڑھتے تھے تو الیاس کو بھی اسی وجہ سے پڑھا گیا۔ اور اس کی ایک قرأت یہ بھی ہے "سلام علی آل یاسین" اور ایک قرأت میں "سلام علی آل یاسین" یعنی آپ علیہ السلام کے گھر والے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کو "سلام علی ادراسین" بھی پڑھا ہے اور اسی طریق سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الیاس ہی ادریس ہیں۔ ضحاک بن مزاحم نے اس کو اختیار کیا ہے اور قتادہ اور محمد بن اسحاق نے بھی نقل کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ دو جدا جدا شخصیت ہیں۔ واللہ اعلم۔

ختم شد تاریخ ابن کثیر جلد اول حصہ اول

البدایہ والنہایہ

(معروف بہ)

تاریخ ابن کثیر

(حصہ دوم)

حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۷۷۴ھ

انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور تاریخ عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید وپیش لفظ

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں۔

کہ اخبار ماضیہ کے اہل علم خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے درمیان اس بارے میں بالکل کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے امور کا نگہبان اور ان کے پیشوا و مقتدا حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا ہی تھے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے اور آپ کی ہمشیرہ مریم کے شوہر بھی تھے اور یہ یوشع اور کالب ان دو شخصوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ (جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کا انعام تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو تو فتح تمہاری ہی ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان لانے والے ہو؟

تو یہ دو شخص حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا تھے۔

تو علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو حضرت کالب بن یوفنا کے بعد بنی اسرائیل کے پیشوا حضرت حزقیل علیہ السلام بن بوذی تھے اور یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ان کی قوم کے مردوں کو ان کے لئے زندہ فرما دیا جن کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا اور وہ کئی ہزار تھے اور خوف کے مارے ان کو نکالا تھا۔

تفصیل آگے حالات میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا قصہ

فرمان باری تعالیٰ ہے

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مر جاؤ (اور وہ) سب مر گئے۔ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔ بے شک خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔"[1]

محمد بن اسحاق وہب بن منبہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد حضرت کالب بن یوقنا کو اپنے پاس بلا لیا (تو) بنی اسرائیل میں ان کا خلیفہ حضرت حزقیل بن بوزی کو بنا دیا اور آپ ایک ضعیفہ بڑھیا کے بیٹے تھے اور آپ ہی نے اس قوم کے زندہ ہو جانے کے لئے دعا فرمائی تھی جن کا ذکر اللہ نے اپنے قرآن میں فرمایا جیسا کہ ذکر کیا "بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں تھے اور اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے تھے۔"

محمد بن اسحاق حضرت ... فرماتے ہیں کہ ان لوگوں میں ایک بار وبا پھیلی تھی جس میں یہ لوگ مر رہے تھے تو یہ موت کے ڈر سے وہاں سے نکل کر دور ایک جنگل میں ٹھہر گئے تو اللہ نے ان کے متعلق وہاں ہی حکم فرمایا کہ مر جاؤ تو یہ سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے پھر اللہ نے ان کی لاشوں کو درندوں اور پرندوں سے محفوظ کر لیا۔ اور ان سے حفاظت فرمائی۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک مرتبہ حضرت حزقیل کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ ان کی لاشوں کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور سوچنے لگے تو ان سے کہا گیا کہ "آپ پسند کرتے ہیں کہ اللہ ان کو زندہ کر دے اور آپ دیکھ رہے ہوں؟" عرض کیا ہاں۔

تو اللہ نے حزقیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان ہڈیوں کو پکار کر کہیں کہ گوشت پہن لو اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے حکم خداوندی سے ان کو ایسا ہی حکم دیا۔

تو وہ سب قوم بیک آواز تکبیر کہتی ہوئی زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسباط "سدی صحابہ کرام کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمان باری تعالیٰ کی تفسیر میں فرمایا

یہ ایک بستی تھی جس کا نام داوردان تھا جو واسط شہر سے پہلے تھی اس بستی میں طاعون کی وبا پھیل گئی تو اس کے اکثر باشندے بستی سے نکل کر ایک دوسری بستی میں جا بسے تو جو پیچھے رہ گئے تھے وہ طاعون کی وبا سے مر گئے اور بچ جانے والے بہت کم تھے۔ تو جب طاعون ختم ہو گیا تو لوگ واپس بستی میں آ گئے تو پیچھے جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان کے گھر پہنچے تو جن میں سے بچ گئے تھے وہ ان باہر نکلنے والوں سے کہنے لگے کاش ہم بھی ایسا کرتے کہ ان کے ساتھ نکل جاتے تو ہمارے ساتھی نہ مرتے جب اگلے سال طاعون آیا تو ہم ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔

پھر اگلے سال جب طاعون پھیلا تو سب لوگ نکل کر بھاگے اور تقریباً تیس ہزار سے زائد نکل گئے اور ایک وادی میں جا ٹھہرے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ... ایک فرشتے نے وادی کے نیچے سے اور ایک فرشتے نے وادی کی اوپر کی جانب سے ان کو آواز دی کہ مر جاؤ ... تو سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے۔ حتیٰ کہ جب ان کے جسم گل سڑ گئے تو ایک پیغمبر

---

[1] البقرۃ ۲۴۳۔

[2] [illegible]

حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے ان کی یہ عجیب صورت حال دیکھی تو انتہائی فکر و حیرت کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور اپنے جبڑے ہلانے لگے اور انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ میں دے کر پریشان صورت میں غور فرمانے لگے۔ تو اللہ نے ان کی حالت دیکھ کر وحی فرمائی کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دکھلاؤں کہ میں ان کو کیسے زندہ کروں گا؟ عرض کیا جی ہاں دراصل در حقیقت حضرت حزقیل علیہ السلام اسی غور و فکر اور تعجب کے عالم میں تھے کہ قدرت الٰہی ان کو کیسے دوبارہ زندہ فرمائے گی۔

تو ان کو حکم ملا کہ ان کو آواز دو۔ حزقیل علیہ السلام نے آواز دی اے (بوسیدہ) ہڈیو! اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گوشت والی ہو جاؤ۔ تو ہڈیاں گوشت سے پر ہونے لگیں اور جسموں میں خون دوڑنے لگا اور پھر وہی لباس بھی از خود بدن پر آ گئے جن میں وہ مرے تھے حزقیل علیہ السلام کو پھر پکارنے کا حکم ملا تو انہوں نے پکارا اے جسمو! اللہ تمہیں کھڑے ہو جانے کا حکم فرماتا ہے۔ تو وہ کھڑے ہو گئے۔

راوی اسباط فرماتے ہیں کہ منصور مجاہد سے نقل کرتے ہوئے خیال فرماتے ہیں کہ جب وہ زندہ ہوئے تو انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے۔

سبحانک اللھم وبحمدک لا الہ الا انت

اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر وہ زندہ ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس پہنچے جو ان کو مردہ سمجھے ہوئے تھے۔ اور موت کی زردی ان کے چہرے پر بھی برقرار رہی۔ اور وہ کسی بھی کپڑے کو زیب تن کرتے تو وہ پرانا ہو جاتا تھا حتیٰ کہ پھر اپنی اپنی مقررہ موت کے وقت وفات پا گئے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چار ہزار تعداد میں تھے۔ اور ایک روایت آپ سے آٹھ ہزار کی بھی منقول ہے ابو صالح سے نو ہزار کا شمار منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے چالیس ہزار کی تعداد بھی مروی ہے۔

اور ابن جریج عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ظہور پذیر ہوا کہ حذر (احتیاط و تدبیر) تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔ اور یہ لوگ محض بازی اور مسخری والے تھے۔

اور جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ روشن ہے۔

(۱) مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کو چلے جب مقام سرغ پر پہنچے تو اجناد کے امراء ابو عبیدہ بن الجراح اور آپ کے ساتھی آپ سے ملاقات کے لئے پہنچے اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب کو خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے پھر آپس میں مہاجرین و انصار کا مشاورہ ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اختلافی نوعیت پیش آئی پھر عبدالرحمن بن عوف تشریف لائے آپ کسی حاجت کی وجہ سے غائب تھے۔ تو آپ نے فرمایا مجھے اس کے متعلق علم ہے میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے۔

جب کسی علاقے پر (وبا) پھیل جائے اور تم اس میں ہو تو وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو اور جب کسی علاقے کے متعلق سنو کہ وہاں وبا ہے تو وہاں مت جاؤ۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدا کی حمد و ثنا بجا لائی اور واپس ہو گئے۔

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کو خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ (۲)

کہ یہ بیماری ہے جس کے ساتھ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا۔ لہذا جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اس میں یہ بیماری ہے تو وہاں داخل مت ہو۔ اور جب کسی زمین میں یہ پیدا ہو جائے۔ اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر مت نکلو۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے واپس ہو گئے۔

---

(۱) وقال الامام حدثنا حجاج و یزید المعنی قالا حدثنا ابن ابی ذئب عن الزھری عن سالم عن عبداللہ بن عامر بن ربیعۃ ان عبدالرحمن بن عوف الخ

(۲) حدثنا حجاج و یزید المعنی قالا حدثنا ابن ابی ذئب عن الزھری عن سالم عن عبداللہ بن عامر بن ربیعۃ ان عبدالرحمن بن عوف اخبر عمر

محققین نے اس کی سند پر جرح کی ہے، اسی لئے نقل کرنا ترک فرمایا ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حزقیل علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ٹھہرنے کی مدت ہم سے بیان نہیں کی گئی ہے۔ الغرض آپ ایک عرصے تک بنی اسرائیل میں ٹھہرے، پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ جب یہ گزر گئے تو بنی اسرائیل اللہ کے عہد کو بھلا بیٹھے اور نئی نئی چیزیں ان میں پیدا ہونے لگیں حتی کہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے اور ان کا معبود بتوں میں سے ایک خاص بت "بعل" نامی تھا۔ پھر اللہ نے ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران کو۔

بندہ کہتا ہے کہ ہم نے حضرت الیاس کا قصہ حضرت خضر علیہ السلام کے قصے کی وجہ سے یہاں مقدم کیا ہے کیونکہ اکثر طور پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر ہوتا ہے۔

اور پھر حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ سورۂ صافات میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا ہے لہٰذا ہم نے اس ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر یہ ترتیب رکھا۔ واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد آپ کے وصی حضرت یسع بن اخطوب علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔

حضرت یسع علیہ السلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے حضرت یسع علیہ السلام کا ذکر سورۃ انعام میں انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے۔

فرمان الٰہی ہے

اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل اور یسع کو اور یونس اور لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (اس زمانے کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) فضیلت دی۔ اور سورۃ ص میں اللہ نے فرمایا: اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب ہی سب اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام تھے۔ جب تک اللہ نے چاہا آپ بنی اسرائیل کو حضرت الیاس علیہ السلام کے راستے اور شریعت پر چلاتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر ان میں پیچھے کے بعد ناخلف آگئے جن میں بدعات اور خطائیں بڑھ گئیں، ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا اور انبیاء کو بنی اسرائیل نے قتل کیا۔ تب بنی اسرائیل کے اندر ان میں ایک جابر اور سرکش ظالم بادشاہ مسلط کیا جا چکا تھا۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام اسی بادشاہ کے لئے اس بات کے کفیل بنے تھے کہ اگر وہ توبہ کرلے اور اپنے جرائم سے باز آ جائے تو میں اس کے لئے جنت کے کفیل ہیں۔

تو اسی وجہ سے ان کو ذوالکفل کہا جانے لگا۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت یسع کے والد کا نام اخطوب تھا۔

[1] حافظ ابو القاسم بن عساکر اپنی تاریخ کے حرف یاء میں فرماتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت یسع اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل ہیں۔

اور کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت الیاس بعلبک کے بادشاہ سے چھپ کر جبل قاسیون میں چھپے تھے تو حضرت یسع بھی آپ کے ساتھ تھے پھر الیاس اٹھا لیے گئے تو حضرت یسع علیہ السلام قوم میں ان کے خلیفہ بنے اور ان کو بھی اللہ نے نبوت کی خلعتوں سے نوازا۔

[2] وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ آپ بانیاس میں تھے۔

پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ یسع کو تخفیف و تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ انبیاء میں سے ایک ہی نبی کا نام ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ذوالکفل علیہ السلام کے قصے کو ایوب علیہ السلام کے قصے کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام ہی کے لخت جگر تھے۔

واللہ اعلم۔

---

[1] قال اسحاق بن بشر ابو حذيفة انبانا سعيد، عن قتادة، عن الحسن. قال.

[2] عبد المنعم بن ادريس عن ابيه، عن وهب بن منبه قال وقال غيره.

یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام کی پیغمبری تک بنی اسرائیل کے معاشرے کی کیفیت

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پھر بنی اسرائیل کا معاملہ درہم برہم اور خراب ہو گیا اور ان کے درمیان خرافات اور جرائم خوب ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ تو اللہ عزوجل جبار و قہار نے انبیاء کے بدلے ان پر ظالم جابر بادشاہ مسلط فرما دیئے۔ جو ان پر ظلم و ستم خوب روا رکھتے اور ان کے خون بہانے سے ذرہ بھر دریغ نہ کرتے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ نے دشمنوں کو بھی ان پر مسلط فرما دیا۔

اور پہلے یہ کہ جب یہ کسی دشمن سے معرکہ آرا ہوتے تو ان کے ساتھ تابوت میثاق بھی ہوتا جس میں قبۃ الزمان تھا۔

جس کا تفصیلی ذکر گزر چکا۔ تو بنی اسرائیل اسی کی برکت سے فتح یاب ہوتے کیونکہ اس میں اللہ نے سکینت و برکت اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ تبرکات رکھا تھا۔ جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔

پھر ایک مرتبہ اہل غزہ اور عسقلان سے ان کی جنگ چھڑی تو وہ ان پر غالب آ گئے اور زبردستی انہوں نے یہ تابوت ان سے چھین لیا۔ اس طرح یہ تبرکات ان کے ہاتھوں سے جاتے رہے۔ اس وقت کے بنی اسرائیل کے بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی تو صدمے اور غم سے وفات پا گئے۔

اور بنی اسرائیل بغیر چرواہے کی بکریوں کی طرح رہ گئے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ان پر متوجہ ہوئی اور ان کی سرفرازی کے لئے اللہ نے ان میں ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ جس کو شمویل کہا جاتا تھا۔

تو بنی اسرائیل نے اس پیغمبر کو درخواست کی کہ وہ ہمارے لئے بطور بادشاہ بھی ہو جائیں تاکہ ہم آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے معرکہ آرا ہوں۔ پھر یہ واقعہ پیش ہوا جس کا قرآن میں ذکر ہے اور جس کو ہم اب تفصیل سے بیان کریں گے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے چار سو ساٹھ برس بعد اللہ نے حضرت شمویل کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور علامہ ابن جریر نے ان کے درمیان آنے والے بادشاہوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت شمویل علیہ السلام کا قصہ

جن کے زمانے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ابتداء ہوئی

یہ شمویل یا اشمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہو بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا ہیں۔

اور مقاتل فرماتے ہیں یہ ہارون علیہ السلام کے ورثاء میں سے ہیں اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اشمویل بن ھلفاقا ہیں اور آپ نے آگے نسب کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ سے نقل کیا ہے اور ثعلبی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ

جب عمالقہ قوم بنی اسرائیل پر غزہ اور عسقلان کی سرزمینوں سے غالب آگئے تو عمالقہ نے بنی اسرائیل کی خلق کثیر کو تہ تیغ کیا اور ان کے اکثر بیٹوں کو اپنا قیدی بنالیا اور بنو لاوی میں سلسلہ نبوت منقطع ہوگیا۔ اور صرف ایک حاملہ عورت ان میں باقی رہ گئی جس نے دعا کی کہ اس کو مذکر اولاد عطا ہو تو اللہ نے اس کو ایک بچہ عطا فرمایا جس کا نام اس نے اشمویل رکھا اور عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

پھر جب وہ کچھ جوان ہوئے تو ماں نے اپنے لخت جگر کو مسجد بھیجا اور مسجد کے ایک صالح شخص کے سپرد کیا تا کہ اس سے تعلیم وعبادت سیکھ لے۔

پھر آپ کچھ جوان ہو گئے تو ایک مرتبہ اپنے استاد کے پاس ہی خوابیدہ تھے کہ مسجد کے کونے سے ان کو آواز آنا شروع ہوئی تو یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے شیخ استاد نے سمجھا کہ شاید مجھے بلا رہا ہے شیخ نے پوچھا تو شمویل نے ان کو گھبراہٹ میں ڈالنا ناپسند سمجھا اور کہا ہاں بس کچھ نہیں سو جایئے۔ تو پھر سو گئے۔

حضرت شمویل کو دوبارہ پھر آواز آئی اور پھر وہی معاملہ ہوا پھر تیسری مرتبہ بھی نوبت آئی تیسری مرتبہ دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو پکار رہے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ:

اللہ نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر وہی قصہ پیش آیا جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا۔

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا تمام لوگ پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے۔ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں۔ اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے۔ اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے وہ بڑا کشائش والا ہے (اور) دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس میں تمہاری طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر کے پانی پی لے تو کوئی حرج نہیں تو خیر جب وہ لوگ نہر پر) پہنچے تو چند شخصوں کے علاوہ سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔ اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے ان کو بادشاہی دی اور دانائی بخشی۔ اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا(۱) لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں مذکور اس قوم کے پیغمبر شمویل علیہ السلام تھے۔ اور ایک قول میں شمعون ہی پیغمبر ہیں اور ایک قول ہے کہ دونوں سے ایک ہی مراد ہیں اور ایک قول ہے کہ یوشع علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بات بعید اور حقیقت سے دور ہے اس قول کے مطابق جو علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ حضرت یوشع کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت کے درمیان چار سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔

الحاصل جب اس قوم کو دشمنوں نے جنگوں میں پچھاڑ کر رکھ دیا اور شکست فاش سے دوچار کر دیا تو اپنے وقت کے پیغمبر سے عرض گذار ہوئے اور یہ درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھی تجویز فرما دیجئے تاکہ ہم اس کے جھنڈے اور فرمان برداری کے تحت دشمنوں سے جنگ کریں۔ تو پیغمبر وقت نے ان کو جواب مرحمت فرمایا جس کو باری تعالیٰ نے نقل فرمایا۔

اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو قریب ہے کہ تم پھر لڑائی سے کنارہ کر جاؤ تو کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم راہ خدا میں لڑائی نہ کریں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے۔

یعنی ہم کو جنگ نے اپنی چکی میں پیس کر رکھ دیا ہے تو ہمیں لائق اور ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں اور وطن کی حفاظت میں جنگ و جدل کریں۔

فرمان باری ہے۔ پھر ان پر قتال کو فرض کر دیا گیا تو وہ پیٹھ پھیر گئے سوائے ان میں سے چند لوگوں کے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

جیسے کہ قصے کے آخر میں ان کے تھوڑے رہ جانے کی تفصیل ذکر فرمائی ہے کہ بادشاہ کے ساتھ صرف تھوڑے سے لوگ نہر پار کر سکے باقی سب واپس ہو گئے اور لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے۔

فرمان الٰہی ہے اور ان کو ان کے پیغمبر نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو (بادشاہ بنا کر) بھیجا ہے۔

تو ان طالوت کے نسب کے متعلق علامہ ثعلبی فرماتے ہیں وہ طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن ایس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالوت سقہ تھے یعنی پانی پلانے والے تھے۔ اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ دباغ یعنی کھالوں کو خشک کر کے چمڑہ بنانے کا کام کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ بھی اقوال منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی وجہ سے کہ یہ گھٹیا پیشے کے انسان ہیں (انہوں نے کہا یہ ہم پر بادشاہی کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اس سے زیادہ بادشاہی کے حقدار تو ہم ہیں اور ان کو تو مال کی وسعت فراخی بھی نہیں دی گئی۔

اور اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ نبوت آل لاوی میں جاری تھی اور بادشاہت آل یہودا میں جاری تھی اور یہ طالوت چونکہ آل بنیامین سے تھے تو اس بناء پر ان کو اعتراض ہوا اور آپ کی امارت میں طعن و تشنیع کرنے لگے اور کہا کہ اس سے تو ہم زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں کیونکہ یہ تو ہے بھی فقیر، مال کی وسعت اس کو نہیں ہے۔ تو یہ ہم جیسوں پر کیسے بادشاہ ہو سکتے ہیں؟

---

(۱) البقرۃ ۲۴۹۔۲۵۱

فرمانِ الٰہی ہے پھر پیغمبر نے (کہا کہ اللہ نے اس کو تم پر پسند فرمایا ہے اور اس کو علم و جسم میں کشادگی کے اعتبار سے زیادتی فرمائی ہے۔)

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت شمویل علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی کہ اس لاٹھی کے برابر جس شخص کا قد ہو اور وہ فلاں مخصوص سینگ کے حصول میں کامیاب ہو جائے جس میں القدس کا تیل ہے تو وہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ تو تمام لوگ گئے کہ اپنی قسمتیں آزمانے لگے لیکن طالوت کے سوا کوئی اس شرط پر پورا نہ اتر سکا۔ لہٰذا حضرت شمویل علیہ السلام نے ان کو بادشاہت پر مقرر فرما دیا۔

اور بنی اسرائیل کو فرمایا (بے شک اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور اس کو علم و جسم میں زیادتی عطا فرمائی ہے) یہاں علم سے مراد یا تو جنگوں کے علم کے متعلق زیادہ علم ہے یا مطلقاً علم میں زیادہ ہیں۔ اور جسم میں زیادتی سے مراد یا تو زیادہ قد آور ہیں یا حسن و شباب میں دوسروں سے آگے ہیں۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر کے بعد علم اور حسن و جمال میں سب سے زیادہ ہوں گے۔ (اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے) اور اللہ کا ہی حکم چلتا ہے اور اسی کی تمام چیزیں مخلوق ہیں اور سب کی تقدیر و انتظام اسی کے دست قدرت میں ہے۔ (اور اللہ وسعت والا (اور) خوب علم والا ہے) اور ان کو ان کے پیغمبر نے کہا اس کی بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہوگی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہوگا اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔)

اور یہ حضرت طالوت کی برکت تھی کہ ان کی بدولت اللہ نے ان کی عظیم الشان چیز واپس پہنچا دی جو ان سے دشمنوں نے جبراً چھین لی تھی۔ اور اس کے بدولت ان کو فتح سے نوازا جاتا تھا۔

اور اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی ہے ایک قول کے مطابق اس سے مراد ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو دھویا جاتا تھا اور ایک قول ہے کہ اس میں ایک خاص تیز قسم کی ہوا تھی وہ مراد ہے اور ایک قول ہے کہ اس میں ایک بلی کی شکل کی صورت تھی جب وہ جنگ کے وقت چیختی تو بنی اسرائیل اپنی مدد اور فتح یابی کا یقین کر لیتے تھے۔

اور فرمایا کہ آل موسیٰ اور آل ہارون کا ترکہ کا سامان ہے۔ تو اس کے متعلق ایک قول منقول ہے کہ وہ تورات کی تختیوں کے ٹکڑے تھے اور کچھ من تھا جو ان پر میدان تیہ میں خدا کی طرف سے عطا ہوتی تھی اور فرمایا کہ اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ یعنی کھلی آنکھوں تم دیکھو گے کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا رکھا ہے اور فرشتے تم کو دکھلائے جائیں گے تاکہ تم اللہ کی نشانی اور اس کی حجت کو دیکھ کر یقین کے ساتھ لازم کر لو۔

اور تمہارے نزدیک اس شخص طالوت کی بادشاہی خدا کی طرف سے ثابت ہو جائے۔ اور اسی کو اللہ نے یہی فرمایا بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

کہا گیا ہے کہ جب عمالقہ قوم اس تابوت پر غالب آگئی تھی جس میں سکینت تھا اور وہی اور ترکہ آل موسیٰ و آل ہارون تھا اور ایک قول کے مطابق تورات بھی اس میں تھی۔ تو جب یہ عمالقہ کے ہاتھوں میں آیا تو انہوں نے اس کو اپنے معبود بت کے نیچے رکھ دیا پھر جب دوسرا روز آیا تو پھر تابوت اوپر رکھا ہوا دیکھا تو جب کئی دفعہ یہ بات پیش آئی تو وہ جان گئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر انہوں نے تابوت کو وہاں سے نکالا اور اپنی کسی بستی میں دوسری جگہ رکھ دیا پھر ایک وبا ان میں پھیلنا شروع ہوئی جو ان کی گردنوں پر آ گئی تھی جب یہ بیماری بہت طول اور شدت پکڑ گئی تو انہوں نے تابوت کو ایک بیل گاڑی کی مانند چیز میں رکھا اور دو بیلوں کو آگے باندھ کر ان کو ہنکا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے تو فرشتے اس بیل گاڑی کو ہانک کر بنی اسرائیل کے گروہ کے پاس لے آئے اور بنی اسرائیل نے بالکل اسی طرح مشاہدہ کیا جس طرح ان کے پیغمبر نے ان کو فرمایا تھا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے کہ فرشتے کس طرح اس کو لائے۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خود تابوت کو اٹھائے تھے جیسا کہ آیت کے ظاہر مفہوم سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اگرچہ پہلی صورت کو اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

فرمانِ باری ہے:

پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا اور کہا کہ اللہ تمہاری ایک نہر کے ساتھ آزمائش فرمائیں گے پھر جس نے اس سے پی لیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے نہیں پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے ان کے جنہوں نے ایک چلو ہاتھ سے پی لیا۔

ابن عباس اور دوسرے اکثر مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نہر اردن والی نہر ہے۔ تو اس نہر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ شروع قرآن میں اس کا

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے پھر حضرت طالوت اللہ کے حکم سے آزمائش کے ساتھ لشکر سے کہا کہ جو اس سے ایک چلو سے زیادہ پیئے گا وہ میرے ساتھ غزوے میں شرکت نہیں کرے گا اور جو نہ پیئے گا وہ شرکت کرے گا۔

تو اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے نہر سے پانی پی لیا سوائے چند لوگوں کے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی تو چھہتر ہزار نے پانی پی لیا اور صرف چار ہزار آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں اسرائیل، زہیر اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم کی سند سے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور گفتگو کرتے تھے کہ بدر کی جنگ کے اصحاب کی تعداد صرف اصحاب طالوت کے بقدر ہے جنہوں نے نہر پار کی تھی اور آپ کے ساتھ صرف تین سو دس سے کچھ اوپر تھے۔ جو نہر پار کر گئے تھے۔

لہذا اس لحاظ سے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کے لشکر کی اسی ہزار تعداد بیان کرنے میں نظر ہے کیونکہ بیت المقدس میں ایسا کوئی محل نہیں ہے جو اتنے بڑے لشکر سے جنگ کر سکے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے پھر جب وہ اور ان کے ساتھ کے مومنین نہر پار کر گئے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں۔

یعنی جب ان کی تعداد کم ہو گئی اور سامنے دشمنوں کی کثیر تعداد نظر آئی تو اپنے آپ کو کمزور محسوس کیا اور بزدلی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو گئے تو حضرت طالوت نے ان کو سمجھایا۔

فرمان باری ہے ان لوگوں نے کہا جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے تھے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یعنی ان میں سے جو شہسوار بہادر اور مخلص ایمان والے اور یقین والے تھے اور جنگ میں صبر کرنے والے تھے انہوں نے قدم جمائے رکھے آگے فرمان ہے اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میدان میں آئے تو دعا کی اے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔

یعنی اپنے صبر کے ساتھ اللہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس مشکل وقت میں ہمیں صبر عطا فرما اور ہمارے قدموں کو میدان جنگ میں جما دے اور دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما تو اللہ نے بھی اپنے مخلص بندوں کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا:

پھر انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت اور اس کے لشکر والوں) کو شکست دے دی۔

یعنی صرف اللہ کی طاقت قوت اور اس کی مدد و نصرت کے ساتھ وہ غالب آ گئے نہ کہ اپنی قوت و تعداد کے ساتھ کامیاب ہوئے جیسے اللہ نے اصحاب بدر کے متعلق بھی فرمایا۔

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اس حال میں کہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

اور فرمان الٰہی ہے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی اسی لشکر طالوت میں سپاہی تھے اور یہ آیت ان کی شجاعت و دلیری کا پتہ دیتی ہے کہ آپ نے سب سے بڑے ظالم شخص کو قتل کر دیا جس سے اس کا پورا لشکر ہزیمت خوردہ ہو گیا اور لشکری تتر بتر ہو گئے۔

اور یہ عظیم غزوہ تھا کہ حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اسی سبب سے ان کے بعد سارے معاملات حکومت کے طور پر حاصل کرتے رہے اور مرتبہ ان کو ترقی کرا دی گیا اور ملک میں ان کا مرتبہ سب پر غالب آیا اور حکومت کے علاوہ نبوت کے ساتھ عمر بھر رہے اور دین حق کے حامل ہو اس کے پھیلانے پر غالب آئے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے اور یہ کل تیرہ بھائی تھے۔ حضرت داؤد نے طالوت کی بات سنی جب وہ بنی اسرائیل کو جالوت کے قتل کرنے کی ترغیب دے رہے تھے اور حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ

فرمارہے تھے۔

جو شخص جالوت کو قتل کردے گا میں اپنی دختر نیک کے ساتھ اس کی شادی کردوں گا اور اپنی سلطنت میں اس کو شریک کرلوں گا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام غلیل کے ساتھ بہت تیز پتھر وغیرہ پھینکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل کے ساتھ چلے جارہے تھے کہ راستے میں ایک پڑے ہوئے پتھر نے ان کو آواز دی کہ مجھے لے لے کیونکہ تو میرے ساتھ جالوت کو قتل کرسکتا ہے۔ تو آپ (داؤد) نے اس کو لے لیا اور پھر ایک دوسرے پتھر کے ساتھ بھی ماجرا پیش آیا اسے بھی لے لیا پھر تیسرے کو بھی اسی طرح لے لیا۔ اور تینوں پتھر اپنے تھیلے میں ڈال لیے پھر دونوں صفیں آمنے سامنے ہوگئیں تو سب سے پہلے جالوت نکل کر سامنے آیا اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا تو حضرت داؤد علیہ السلام آگے پہنچے تو جالوت نے کہا تو تو واپس چلا جا میں تیرے قتل کو ناپسند کرتا ہوں حضرت داؤد نے جواب دیا کہ مگر میں تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ پھر آپ نے تینوں پتھر لئے اور ان کو غلیل کی طرح سے اپنے ہتھیار میں رکھ کر گھمایا تو وہ تینوں پتھر ایک ہوگئے اور پھر جالوت کو مارا تو اس کا سر پھٹ گیا اور اس کا سارا لشکر شکست خوردہ ہو کر بھاگ پڑا۔

حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے وعدے کے مطابق ان کی اپنی بیٹی سے شادی کردی اور اپنی سلطنت میں ان کا حکم جاری کروا دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل میں حضرت داؤد کی عظمت بڑھ گئی اور وہ آپ کو پسند کرنے لگے اور طالوت سے بھی زیادہ آپ کی طرف مائل ہوگئے۔

اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ پھر طالوت حضرت داؤد پر حسد کرنے لگا حتیٰ کہ آپ کے قتل کی سوچ بیٹھا اور ایک حیلہ اختیار کیا مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اور علماء طالوت کو اس سے روکتے رہے حتیٰ کہ طالوت نے غصے میں ان علماء کو بھی قتل کرڈالا اور کچھ رہ گئے۔

پھر طالوت کو اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو وہ انتہائی نادم و پشیمان ہوا اور اپنے ماضی کے افعال پر انتہائی قلق و افسوس کرنے لگا اور جنگل کی طرف نکل کر اکثر روتا رہتا تھا حتیٰ کہ زمین اس کے آنسوؤں سے تر ہوجاتی ایک مرتبہ اس کو آواز آئی۔

اے طالوت تو نے ہمیں قتل کیا اور ہم زندہ تھے اور تو نے ہمیں تکلیف دی تو تب ہم مردہ تھے۔

یہ آواز سن کر طالوت کا گریہ وزاری شدت اختیار کرگیا پھر کسی عالم کے متعلق اس نے پوچھا تاکہ پوچھے کہ کیا میری توبہ ہوسکتی ہے؟ تو اس کو کہا گیا کیا تو نے کسی عالم کو چھوڑا ہے؟ حتیٰ کہ ایک عابدہ زاہدہ عورت کا پتہ اس کو دیا گیا تو عورت نے اس کو بلایا اور اس کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر چلی گئی۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ عورت نے اللہ سے دعا کی تو حضرت یوشع قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ کیا قیامت ہوگئی ہے؟ عورت نے کہا نہیں لیکن یہ طالوت آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ان کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ تو حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا جی ہاں یہ سلطنت سے کنارہ کرلے اور اللہ کے راستے میں لڑتے لڑتے شہید ہوجائیں۔ اتنا کہہ کر حضرت یوشع دوبارہ موت کی حالت میں چلے گئے۔

پھر طالوت نے سلطنت کو داؤد علیہ السلام کے سپرد کیا اور خود اپنی ساری اولاد کو لے کر چل دیا اور راہ خدا میں قتل و قتال کیا حتیٰ کہ یہ شہید ہوگئے۔

اور اسی وقت کے متعلق باری تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور اللہ نے اس (داؤد) کو ملک اور حکمت عطا کی اور جو چاہا سکھایا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح اپنی تاریخ میں سدی کے طریق سے ان کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے بعض حصوں میں نظر و اجنبیت ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے جس پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور اس نے طالوت کو توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی وہ یسع بن اخطوب تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

حضرت ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ عورت حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر پر آئی تو یوشع نے طالوت کو صحیح سرزنش کی کہ ان کے بعد اس نے ایسے ایسے کام کیوں کئے۔ اور یہ روایت زیادہ مناسب ہے اور ہوسکتا ہے کہ طالوت نے ان کو خواب میں دیکھا ہو کیونکہ قبر سے اٹھنا معجزہ ہے جو کسی عورت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اور معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر ہی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کتاب کا خیال ہے کہ طالوت کی بادشاہی اس کے اپنی اولاد سمیت قتل ہونے تک چالیس سال رہی۔ واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور فضائل، ایام سلطنت، دلائل نبوت اور علامات کا ذکر مبارک۔

یہ داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل۔

آپ اللہ کے پیغمبر اور بندے اور سرزمین بیت المقدس میں اس کے خلیفہ تھے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل علم کے ذریعے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پست قد نیلی آنکھوں تھوڑے بال اور پاکیزہ وصاف ستھرے دل کے مالک تھے

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ اور اس عظیم کارنامے کی بناء پر بنی اسرائیل بادشاہ طالوت کو چھوڑ کر آپ کی طرف مائل ہو گئے تھے اور آپ سے محبت کرنے لگے حتی کہ طالوت کے بدلے آپ کی سلطنت کے خواہش مند ہو گئے۔ اور پھر جو طالوت اور آپ کے درمیان پیچیدہ معاملات آئے ان کو آپ مطالعہ کر چکے جن کے نتائج حضرت داؤد علیہ السلام کی بادشاہت پر ثمر آور ہوئے۔ اور پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس سے دوسرا عظیم مرتبہ نبوت بھی عطا فرمایا اس طرح دنیا و آخرت کی خیریں آپ کے پاس جمع ہو گئیں جبکہ پہلے نبوت ایک خاندان میں اور سلطنت دوسرے خاندان میں چلی آ رہی تھی (یعنی نبوت آل لاوی بن یعقوب علیہ السلام میں چلی آ رہی تھی اور سلطنت یہوذا ابن یعقوب علیہ السلام میں۔ لیکن اللہ کا فضل وانعام یہاں ایک ہی جامع صفات شخصیت داؤد علیہ السلام میں جمع ہو گیا۔

جیسے فرمان الٰہی ہے۔

اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے ان کو ملک اور حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور جو چاہا علم سکھایا اور اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتے تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور لیکن اللہ جہاں والوں پر فضل والا ہے۔ (۱)

آخری ٹکڑے کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ اگر اللہ دنیا پر سلطنت کا نظام جاری نہ فرماتے تو قوی ضعیف کو کھا جاتا اسی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے۔

بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔

اور امیر المومنین عثمان بن عفان نے فرمایا

بے شک اللہ بادشاہ کے ذریعے اس برائی کی بیخ کنی فرما دیتا ہے جس کی قرآن کے ذریعے بھی نہیں فرماتا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جب جالوت طالوت کے مدمقابل آیا تو طالوت کو کہا۔

تو میری طرف نکل میں تیری طرف نکلتا ہوں (اور زور بازو دکھاتے ہیں)۔

تو طالوت نے لوگوں کو ترغیب دی تو حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے اور میدان کارزار میں پہنچ کر جالوت کو اس کی سرکشی کے ساتھ ٹھکانے لگا دیا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی شہرت کا ڈنکا بج گیا اور طالوت کا کہیں نام سننے کو نہ آتا تھا۔ اور پھر لوگوں نے طالوت سے کنارہ کشی کر کے اپنے پر داؤد کو بادشاہ بنا لیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام حضرت شمویل علیہ السلام کے حکم سے ہوا تھا۔ حتی کہ بعض نے کہا کہ پھر

---

(۱) بقرہ، ۲۵۱

طالوت نے خود جنگ میں شرکت سے پہلے حضرت داؤد کو بادشاہ نامزد کر دیا تھا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ طالوت نے جالوت کی شکست کے بعد ہی امور سلطنت کا حضرت داؤد کو والی بنا دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قصر ام حکیم کے پاس قتل کیا تھا اور جو نہر وہاں قریب موجود ہے اسی کا قرآن میں ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی ہے:(1)

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اسکا حکم کر دیا) اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کو تمہارے لئے ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائیں پس تم کو شکر گزار ہونا چاہئے۔(2)

اللہ عزوجل نے ان کو زرہیں بنانا سکھایا اور مزید اضافہ فرمایا کہ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح بنا دیا کہ جیسے چاہیں آسانی سے ہاتھ کے ساتھ موڑ کر زرہیں بنائیں تاکہ دشمنوں سے اچھی طرح قتل وقتال میں وہ کام آسکیں۔

اور اس کے متعلق اللہ نے حکم فرمایا کہ کڑیوں کو درست اندازے سے بناؤ۔

یعنی نہ اتنا باریک کرو کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنا موٹا کہ وہ بغیر جوڑے ہی توڑنی پڑیں۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور حکم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا حتی کہ بغیر آگ دھونکی کے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کو ہر طرح موڑ لیتے تھے۔

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے شخص جنہوں نے کڑیوں کی انتہائی مضبوط زرہ بنائی وہ داؤد علیہ السلام ہیں ورنہ پہلے صاف چادر کی زرہ بنتی تھی۔ ابن شوذب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ دن میں ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اس کو چھ سو درہم کی فروخت کرتے تھے اور حدیث میں ثابت ہے کہ سب سے پاکیزہ کھانا انسان جو کھاتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی کا ہے اور اللہ کے نبی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ صبح شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے۔ اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کر دیا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور (جھگڑے کی) بات کا فیصلہ (بھی اچھا سکھایا)۔(3)

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت ذا الأید سے مراد ہے کہ وہ اطاعت خداوندی میں قوت والے تھے قتادہ فرماتے ہیں کہ ان کو عبادت میں قوت اور اسلام میں فقہ یعنی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی۔ اور فرمایا کہ وہ رات کو بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے اور دن کو روزہ دار رہتے تھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں نصف شب سوتے پھر تہائی شب بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے پھر چھٹا حصہ دوبارہ سو جاتے تھے۔ اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ

---

(۱) سبا: ۱۰، ۱۱ (۲) انبیاء: ۷۹، ۸۰ (۳) سورۃ ص: ۱۷، ۲۰

رکھتے تھے اور جب (دشمن سے) مڈبھیڑ ہوتی تو کبھی راہِ فرار اختیار نہ کرتے۔

اور مختلف آیتوں میں "پہاڑوں اور پرندوں کے تابع" ہونے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب ہے کہ شام اور صبح کے وقت یہ آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اللہ نے آپ کو ایسی (سریلی) اور اونچی آواز عطا فرمائی تھی جو کسی کو نہیں ملی کہ جب آپ اپنی کتاب زبور کی تلاوت فرماتے تو عجیب سرور اور لہجہ تھا کہ ہوا میں چلتے پرندے بھی ٹھہر جاتے وہ بھی آپ کے ساتھ گنگناتے اور تسبیح کرتے اور اسی طرح پہاڑ آپ کی تلاوت کا جواب دیتے اور صبح شام آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عامر نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی عمدہ حسین آواز ملی تھی جو کسی کو عطا نہیں ہوئی حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور تک بھی آپ کے گرد اکٹھے ہو جاتے اور آپ کی آواز کے سحر میں ایسے محو ہو جاتے کہ وہیں بھوک و پیاس سے مر جاتے۔ اور نہریں بھی آپ کی آواز سن کر ٹھہر جاتی تھیں۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بھی آپ کی آواز سن لیتا تو وہ بے خود ہو جاتا اور پھر اس طرح وجد طاری ہو جاتا جیسے کہ رقص کی حالت ہوتی ہے اور کتاب خداوندی یعنی زبور کی تلاوت ایسی آواز کے ساتھ فرماتے کہ جن وانس اور چرند و پرند آپ کی آواز پر منڈلاتے رہتے۔ کھانے پینے سے بے فکر ہو جاتے۔ حتیٰ کہ کئی بھوک سے وہیں مر جاتے۔

اور ابو عوانۃ الاسفرائینی نے فرمایا۔۔۔۔ (۱) کہ حضرت مالک سے مروی ہے کہ!

داؤد جب زبور کی تلاوت فرماتے تو کنواری عورتوں کے پردۂ بکارت پھٹ جاتے تھے۔

اور یہ روایت غریب ہے۔

اور عبدالرزاق ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے گنگناہٹ کے ساتھ قرات کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے تو حضرت عبید بن عمیر سے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سارنگی وغیرہ بجاتے اور پھر تلاوت کرتے اور پھر سریلی آواز بازگشت کرتی اور خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عروہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا کہ:

ابو موسیٰ کو داؤد علیہ السلام کی بانسری (جیسی سریلی آواز) دی گئی اور یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس طریق سے انہوں نے اس کو نقل نہیں فرمایا۔ (۲)

اور مسند احمد ہی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا!

بے شک ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو داؤد علیہ السلام کی بانسریوں (جیسی آواز سے کافی) حصہ عطا کیا گیا ہے۔ یہ روایت امام مسلم کی شرط پر ہے۔ (۳)

اور ہم نے ابو عثمان نہدی سے مروی روایت ذکر کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بربط اور بانسری دونوں کو سنا ہے مگر ابو موسیٰ اشعری جیسی حسین آواز کسی سے نہیں سنی۔

لیکن اس خوش اور سریلی آواز کے باوجود حضرت داؤد کتاب زبور کی تلاوت انتہائی تیز فرما لیتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کہ داؤد پر قرآت کو آسان و ہلکا کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے جانور پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور اس سے پہلے کہ زین چڑھائی جاتی آپ تلاوت کتاب

---

(۱) وقال ابو عوانة الاسفرایینی: حدثنا ابو بكر بن ابی الدنیا، حدثنا محمد بن منصور الطوسی سمعت صبیحا ابا تراب رحمه الله قال ابو عوانة: وحدثنی ابو العباس المدنی، حدثنا محمد بن صالح العدوی حدثنا سیار هو ابن حاتم عن جعفر عن مالك۔

(۲) وقال الامام احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة قالت ...

(۳) وقال احمد: حدثنا حسن حدثنا حماد بن سلمة، عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة، عن ابی هریرة ... الخ

فرما لیتے تھے۔ اور آپ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔(۱)

اسی طرح امام بخاری اس کی روایت میں عبداللہ بن محمد عن عبدالرزاق کے طریق میں منفرد ہیں اور اس روایت حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

داؤد پر کتاب ہلکی کر دی گئی تھی وہ اپنے جانوروں پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور پھر اس سے پہلے کہ زین کس دی جائے آپ کتاب کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے۔(۲)

روایت میں قرآن کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے کتاب زبور اور یہی ترجمہ بندے نے ذکر کیا ہے تو گویا یہ آپ کا معجزہ تھا کہ باوجود انتہائی سریلی اور عمدہ ترنم والی آواز کے اسی قدر جلدی پڑھ لیتے تھے۔ فرمان باری ہے۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔

زبور مشہور کتاب ہے۔ اور ہم نے اپنی تفسیر میں امام احمد کی مروی حدیث ذکر کی ہے کہ زبور رمضان کے مہینے میں نازل کی گئی تھی۔ اور اس میں عجیب نصیحتیں اور حکمتیں ہیں اس کے لئے جو اس میں نظر و فکر کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کا شاہی پہلو

فرمان خداوندی ہے۔ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور ہم نے اس کو حکمت (یعنی نبوت) اور بات کا فیصلہ عطا کیا ہے۔(۳)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ دو شخص ایک گائے کا جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئے ایک نے دوسرے پر دعویٰ دائر کیا کہ یہ میری گائے ہے اور اس نے غصب کر لی ہے۔ لیکن مدعا علیہ انکار کرتا رہا اور جھگڑے کی بات چیت رات گئے تک چلتی رہی۔ پھر اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ مدعی کو قتل کر دو۔ صبح ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کو کہا کہ مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ تجھے قتل کر دوں لہذا اصل حق کیا ہے بتا دے؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اے اللہ کے نبی میں اپنے دعویٰ کے حق میں بالکل سچا ہوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے پہلے اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمان شاہی صادر فرمایا اور اس قاتل مدعی کو قتل کر دیا گیا اس واقعہ کی بناء پر بنی اسرائیل میں حضرت داؤد کی عزت و عظمت کی ساکھ اور گہری ہو گئی۔ اور تمام لوگ آپ کے لئے عاجزی و انکساری و فروتنی سے پیش آنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی مطلب ہے اس فرمان الٰہی کا کہ:

اور ہم نے اس کی بادشاہی کو مضبوط کر دیا اور اس کو حکمت عطا کی۔ اس کا مطلب ہے نبوت سے نوازا اور آگے فرمایا ”اور فیصلہ کن بات دی“۔

اس کے متعلق شریح شعبی رحمۃ اللہ علیہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ابو عبدالرحمن السلمی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گواہ اور قسمیں ہیں۔ یعنی گواہ مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست فیصلہ اور معاملہ فہمی ہے۔

اور مجاہد نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مراد فیصلہ کن بات کرنا اور حق فرمان صادر کرنا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔

اور دوسرا مطلب حضرت ابو موسیٰ کے فرماتے ہوئے مطلب کے منافی و متعارض نہیں ہے کہ اس سے مراد اما بعد کا قول ہے۔

---

(۱) کما قال احمد: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن همام، عن ابی هریرة

(۲) تفرد البخاری دون مسلم ورواه موسی بن عقبة، عن صفوان، عن ابی سلیم، عن عطاء بن یسار، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ، وقد اسنده ابن عساکر فی ترجمة داؤد فی تاریخه من طرق عن ابراهیم بن طهمان، عن موسی بن عقبة، ومن طریق ابی عاصم عن ابی بکر السبری، عن صفوان عن عطاء بن یسار

(۳) ص: ۲۰

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں شر و فساد اور جھوٹی گواہی عام ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام کو فیصلے فرمانے کے لئے ایک زنجیر دی گئی جو آسمان سے بیت المقدس کی چٹان تک لٹک رہی تھی۔ جب کبھی دو آدمیوں کا کسی معاملے میں جھگڑا ہوتا تو جو حق پر ہوتا وہ زنجیر کو پکڑ لیتا اور جو جھوٹا ہوتا اس سے دور ہو جاتی۔ اسی طرح فیصلے ہوتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک موتی دوسرے کے پاس امانت رکھوایا، لیکن اس نے بعد میں امانت رکھنے والے سے انکار کر دیا اور ایک لاٹھی کے اندر اس کو چھپا دیا۔ جب دونوں زنجیر کے پاس پہنچے تو مدعی نے زنجیر کو پکڑ لیا، پھر دوسرے سے کہا گیا کہ تم بھی پکڑو تو اس نے اپنی لاٹھی دوسرے کو پکڑا دی اور زنجیر کو پکڑ کر کہا

اللهم انك تعلم انی دفعتها اليه

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اس کو اس کا موتی واپس دے دیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ زنجیر کی طرف لپکا تو آسمان سے اس کو چھو گیا۔ پھر جو معاملہ مخفی ہو گیا کہ کسی کو بھی پتا نہ چلا اور عاملین بھی۔ بنی اسرائیل بھی خاصے پریشان ہو گئے تب سے یہ زنجیر ان سے اٹھا لی گئی۔

یہی قصہ مختصر طور پر بہت سے مفسرین نے بیان فرمایا ہے اور اسحاق بن بشر نے بھی ابن حبان سے انہوں نے بھی وہب بن منبہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے

بھلا تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے (پاس) ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔

ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا۔ تو ہم نے ان کو بخش دیا۔

اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

بہت سے متقدمین و متاخرین مفسرین حضرات نے یہاں اس مقام پر مختلف اسرائیلی قصے اور خبریں نقل کی ہیں جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو قطعاً جھوٹے ہیں لہٰذا ہم نے ان کو ترک کر دیا اور قرآنی بیان شدہ قصے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ علیہ نے سورۂ ص کے سجدے میں اختلاف فرمایا ہے کہ کیا یہ سجدہ لازمی ہے یا محض سجدۂ شکر ہے؟ اس کے متعلق دو قول منقول ہیں۔

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عوام رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا کہ میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سورۂ ص کے سجدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے"

ومن ذريته داؤد وسليمان

اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ہیں۔

---

[1] البخاری فی التفسیر سورۃ ص، حدثنا محمد بن عبد اللہ ... عن العوام قال سألت مجاهدا عن سجدة في ص

اور اس سے پہلے گزر گیا ہے:

اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده

یہی لوگ اللہ کی سیدھی راہ پر ہیں پس اے (نبی) انہی کی راہ کی پیروی کر لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوئے جن کی پیروی کرنے کا حضور ﷺ کو حکم ملا۔ اور سورۂ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ فرمایا تھا پھر حضور ﷺ نے بھی سجدہ فرمایا۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سجدہ کرنے کے قول پر بہترین استدلال اور نکتہ پورا ہوا۔)

اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۂ ص کے سجدے کی بابت فرمایا۔

یہ لازمی سجدوں میں سے نہیں ہے لیکن میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس مقام پر سجدہ فرماتے تھے۔ لہٰذا کر لینا بہتر ہے۔

اسی طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ(۱) سمیت صحاح کی کئی کتابوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے (ص) میں سجدہ فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ سجدہ داؤد علیہ السلام نے بطور توبہ کے فرمایا تھا اور ہم یہ سجدہ بطور شکرانے کے ادا کریں گے۔(۲)

اور ابوداؤد میں(۳) ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بر سر منبر سورۂ ص کی تلاوت فرمائی اور جب آیت سجدہ پر پہنچے تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ فرمایا تو لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے پھر دوسرے کسی دن اس کی تلاوت فرمائی اور وقت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے تو آپ نے فرمایا:

یہ سجدہ (داؤد علیہ السلام) ایک پیغمبر کی توبہ کا تھا لیکن میں نے تم کو دیکھا کہ تم (سجدہ کے لئے) اٹھ چکے ہو لہٰذا آپ ﷺ بھی نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا۔(۴)

اور مسند احمد میں ہے کہ ابو صدیق ناجی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

انہوں نے خواب دیکھا کہ سورۂ ص لکھی جا رہی ہے پھر جب آیت سجدہ تک پہنچی ہوئی تو دیکھا کہ قلم دوات اور یہ موجود چیزیں سجدہ ریز ہو گئی۔

پھر حضرت ابوسعید نے حضور ﷺ کو یہ ماجرا بیان کیا تو آپ پھر ہمیشہ اس پر سجدہ کرتے رہے۔(۵)

اس کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

اور ترمذی و ابن ماجہ۔۔۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے خواب میں دیکھا کہ میں درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں تو میں نے سجدہ کی تلاوت کی تو درخت میرے سجدے کے ساتھ سجدہ ریز ہو گیا پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

اے اللہ اس کے بدلے اپنے پاس میرے لئے اجر اور ذخیرہ بنا دے اور اس کی وجہ سے میرے گناہوں کا بوجھ مجھ سے اتار دے اور اس کو مجھ سے

---

(۱) وكذا رواه البخاري وابو داود والترمذي والنسائي من حديث ايوب وقال الترمذي حسن صحيح وقال النسائي اخبرني ابراهيم بن الحسن المقسمي، حدثنا حجاج بن محمد، عن عمر بن ذر، عن ابيه، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس

(۲) تفرد به احمد ورجاله ثقات

(۳) وقال ابو داود حدثنا احمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، اخبرني عمرو بن الحارث عن سعيد بن ابي هلال، عن عياض بن عبدالله بن سعد بن ابي سرح عن ابي سعيد الخدري

(۴) وقال الامام احمد: حدثنا عفان، حدثنا يزيد بن زريع، حدثنا حميد، حدثنا بكر، هو ابن عمر وابو الصديق الناجي انه اخبره ان ابا سعيد الخ

(۵) وروى الترمذي وابن ماجه من حديث محمد بن يزيد بن خنيس عن الحسن بن محمد بن عبيد الله بن ابي يزيد، قال: قال لي ابن جريج حدثني جدك عبيد الله بن ابي يزيد عن ابن عباس

قبول فرما جیسے تو نے اس کو اپنے بندے داؤد علیہ السلام کی طرف سے قبول فرمایا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور سجدہ کی تلاوت فرمائی۔

اور پھر میں نے حضور کو سجدہ میں وہی الفاظ دہراتے سنا جو اس شخص نے نقل کئے تھے۔

دعا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اللھم اکتب لی بھا عندک اجراً واجعلھا لی عندک ذخراً وضع عنی بھا وزراً واقبلھا منی کما قبلت من عبدک داؤد.

اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے اور ہم کو صرف اسی طریق سے پہنچی ہے۔

اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ چالیس یوم تک سجدہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ اور اس قول کے قائل مجاہد، حسن، وغیرہ ہیں اور یہ روایت ایک حدیث مرفوع میں بھی آئی ہے لیکن وہ روایت یزید رقاشی کی روایت میں سے ہے اور یہ شخص ضعیف ہے اور اس کی روایت متروک ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔ پھر ہم نے اس چیز کی ان کے لئے بخشش کر دی۔ اور بے شک ان کے لئے ہمارے پاس قرب کا ذریعہ اور بہترین ٹھکانا ہے۔ (۱)

یعنی یوم آخرت میں ان کو ہمارا قرب نصیب ہوگا اور وہ یہاں بارگاہ عزت وعظمت میں مرتبہ پائیں گے جیسے حدیث میں آیا کہ منصف لوگ قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اور رحمٰن کے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں اور بابرکت ہیں۔ اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو اپنے اہل میں اور اپنے حکم میں اور جو کام بھی ان کو سپرد کیا گیا سب میں انصاف برتنے والے ہوں گے۔

اور مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور اللہ کے سب سے زیادہ قریب نشست میں منصف حاکم ہوگا۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک ناپسند اور سب سے زیادہ عذاب میں گھرنے والا شخص ظالم حاکم ہوگا۔ (۲)

(۳) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔۔۔۔ کہ جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں میں نے مالک بن دینار سے خدا کے اس فرمان اور ہمارے پاس اس کے لئے قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے، کا مطلب سنا آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام قیامت کے روز عرش کی تجلی کے پاس کھڑے ہوں گے تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے اے داؤد: آج اسی حسین عمدہ آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جس کے ساتھ تم دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام عرض کریں گے الٰہی اب کیسے ہو سکتا ہے آپ نے مجھ سے وہ آواز لے لی ہے؟

تو فرمان باری ہوگا آج میں دوبارہ تم کو عطا کر دیتا ہوں

تو پھر حضرت داؤد علیہ السلام اہل جنت کی آسودہ حالی کے ساتھ اپنی پوری قوت عمدہ آواز میں صرف کر دیں گے۔

فرمان الٰہی ہے:

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار ہے) کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ (ص ۲۶)

یہ اللہ عزوجل کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کلام ہے۔ اور خلیفہ بنانے سے مراد لوگوں کا حاکم اور ان کے معاملات کا والی ونگہبان بنانا ہے اور اللہ نے ان آیتوں میں آپ کو حق کی اتباع اور عدل وانصاف کا حکم فرمایا ہے اور حق وہ ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور جو اس کے علاوہ ہے وہ

---

(۱) سورۃ ص: ۲۵ (۲) وھکذا رواہ الترمذی من حدیث فضیل بن مرزوق الاغر بہ، وقال: لانعرفہ مرفوعاً الا من ھذا الوجہ

(۳) وقال ابن ابی حاتم: حدثنا ابو زرعۃ: حدثنا عبداللہ بن ابی زیاد، حدثنا سیار، حدثنا جعفر بن سلیمان، سمعت مالک بن دینار فی قولہ

تو اہل داؤد شکر کی توجہ ہی ہیں ساتھ ساتھ ان پر پہلے کا ان کے لئے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانے کے لوگوں کے مقتدا و پیشوا تھے اور عدل و انصاف اور عبادت و زہد و تقویٰ میں آپ مشہور تھے حتیٰ کہ آپ اور آپ کے اہل خانہ کا دن رات میں کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گزرتا تھا جیسے فرمان باری ہے۔

(اے آل داؤد شکر کا کام کرو اور میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔

[1] ابن ابی الدنیا کی روایت ہے کہ ... ابی الجلد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں پڑھا آپ نے دعا کی اے پروردگار! میں تیرا شکر کیسے بجا لاؤں؟ جبکہ میں تیرے شکر کی طرف تیری نعمت کے واسطے ہی پہنچ سکتا۔

تو ان پر وحی آئی کہ اے داؤد! کیا تجھے پتہ نہیں کہ جو نعمتیں تیرے ساتھ ہیں وہ میری طرف سے عطا ہیں؟ عرض کی کیوں نہیں پروردگار تعالیٰ نے کہا میں ان کے ساتھ آپ سے خوب راضی ہوں۔

امام بیہقی نے فرمایا ... [2] کہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی یوں تعریف کی:

الحمد لله كما ينبغي لكرم وجهه وعز جلاله

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جیسی اس کی کرم ذات کے مناسب ہوں اور اس کی بزرگی کی عزت کے مناسب ہوں۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! تم نے محافظ فرشتوں کو اس کے ثواب لکھنے میں تھکا دیا ہے۔ اور ابوبکر بن ابی الدنیا نے بھی علی بن الجعد کے واسطے سے حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے مثل نقل کیا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک "الزہد" کتاب میں فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کے واسطے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے حضرت وہب نے فرمایا: آل داؤد کی حکمت میں ہے

کہ عقل مند شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ چار گھڑیوں میں بھی غافل نہ رہے۔ ایک وہ گھڑی جس میں اپنے رب سے مناجات کرے اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ایک وہ گھڑی جس میں اپنے ان احباب یا رشتہ داروں یا دوستوں کے پاس جائے جو اس کو اس کے عیب پر مطلع کریں اور اس کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کریں اور ایک وہ گھڑی جس میں اپنے نفس و جان کو آرام لینے دے جو جائز لذت اور خوش دلی کو سونپ دے۔

کیونکہ یہ آخری گھڑی باقی گھڑیوں کے کاموں میں معاون اور مددگار ثابت ہوگی۔

اور عقل مند پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے زمانے کو پہچانے اور اپنی زبان کو کنٹرول رکھے۔ اور اپنے حالات کی طرف توجہ رکھے اور عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ تین مقاصد کے علاوہ سفر نہ کرے یا تو آخرت سنوارنے کے لئے۔ یا اپنی روزی و معاش کو سنبھالا دینے کے لئے۔ یا حلال چیز کی لذت کے لئے۔[3]

---

[1] قال ابو بكر بن ابي الدنيا: حدثنا اسماعيل بن ابراهيم بن بسام، حدثنا صالح المري، عن ابي عمران الجوني، عن ابي الجلد قال: قرأت في مسألة داود

[2] وقال البيهقي: انبانا ابو عبد الله الحافظ، انبانا ابو بكر بن بالويه، حدثنا محمد بن يونس القرشي، حدثنا روح بن عبادة، حدثنا [illegible] بن لاحق، عن ابن شهاب قال: ... سمع

[3] وقد رواه ابو بكر بن ابي الدنيا عن ابي بكر بن ابي خيثمة عن ابن مهدي، عن سفيان، عن ابي الاغر، عن وهب بن منبه فذكره ورواه ايضا عن علي بن الجعد، عن عمر بن الهيثم الرقاشي عن ابي الاغر عن وهب بن منبه فذكره. وابو الاغر هذا هو الذي ابهمه ابن المبارك في روايته. لكن ابن عساكر قال: عبد الرزاق انا بشر بن رافع، حدثنا شيخ من اهل صنعاء يقال له ابو عبد الله قال: سمعت وهب بن منبه فذكر مثله. وقد اورد هنا ابن عساكر في ترجمة داود عليه السلام

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات زندگی میں بہت سی دلچسپ باتیں ذکر کی ہیں ان میں سے حضرت داؤد کا یہ فرمان بھی ہے۔

کہ یتیم کے لئے شفیق مہربان باپ کی طرح بن جا
اور جان لے کہ جو تو آج بوئے گا کل کو وہی کاٹے گا

اور ایک غریب سند کے ساتھ جو مرفوع ہے یہ روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا

اے برائیوں کے بونے والے تو ان کے کانٹے اور بھوسہ کاٹے گا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ نصیحت بھی مروی ہے آپ نے فرمایا۔

کہ مجلس میں احمق خطیب میت کے سرہانے گانے والے کی طرح ہے۔

اور یہ بھی آپ نے عظیم قیمتی بات ارشاد فرمائی۔

کہ مالداری کے بعد فقر و فاقہ اتنا برا نہیں جتنا کہ ہدایت کے بعد گمراہی بری ہے۔

اور آپ نے سنہری حروف سے لکھی جانے والی یہ نصیحت بھی ارشاد فرمائی۔

غور کرو کہ جس بات کا ذکر تو اپنے متعلق مجلس میں ہونا ناپسند کرتا ہے تو اس کو خلوت میں بھی نہ کر اور فرمایا کہ:

اپنے بھائی سے وہ وعدہ نہ کر جس کو تو وفا نہ کر سکے کیونکہ یہ تیرے اور تیرے بھائی کے درمیان بغض و عداوت کا سرچشمہ ثابت ہوگی۔

(۱) ابن سعد فرماتے ہیں...... کہ حضرت عفرہ کے غلام عمر سے مروی ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ آپ ﷺ عورتوں سے شادی فرماتے ہیں تو طعن و تشنیع کرنے لگے کہ اس کو دیکھو جو کھانے سے سیر نہیں ہوتا اور عورتوں سے شادی کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

تو اس طرح یہود آپ کی ازواج مطہرات کی وجہ سے حسد و بغض میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوتا تو عورتوں میں رغبت نہ کرتا۔

اور یہودیوں میں سب سے زیادہ اس معاملہ میں حسد کرنے والا حیی بن اخطب تھا تو اللہ نے ان کی تردید کی اور حضور کی مدحت فرمائی اور فرمایا۔

کیا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت (نبوت) دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت عطا فرمائی۔ (۲)

یعنی اللہ نے پہلے پیغمبروں کو جو حضرت یعقوب بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے ان کو بھی بڑی طرح نعمتیں عطا فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں اور سات سو حرم والی تھیں اور تین سو باندیاں تھیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں ایک کا نام اوریا تھا جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنم لیا اور آزمائش کے بعد ان سے شادی کی گئی۔

تو یہ حضور ﷺ کی بیویوں سے بہت زیادہ ہیں۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قسم کا ذکر کرتے ہیں۔

(۳) ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روزوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ (اس بارے میں) میں تم کو ایک عظیم خزانے کی بات بتلاتا ہوں [illegible] حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں کے متعلق بتاتا ہوں آپ بہت بڑے روزہ دار اور شب بیدار تھے اور بہت بڑے بہادر [illegible] بھی تھے جب بھی لڑائی کا موقع آتا تو کبھی پیٹھ نہ دکھاتے تھے۔ آپ نے روزوں کی یہ ترتیب کی کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا۔

روزوں میں سب سے بہتر روزے داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔

اور آپ زبور کتاب کی ستر لحنوں میں پڑھتے تھے۔ اور آپ رات کی عبادت میں ایک رکعت ایسی ادا فرماتے کہ سب خود کو [illegible] دیتے اور

---

(۱) قال ابن سعد: انبأنا محمد بن عمر الواقدي، حدثني هشام بن سعيد، عن عمر مولى عفرة قال: قالت اليهود

(۲) النساء ۵۴ (۳) روى ابن عساكر في تاريخه في ترجمة [illegible] عن ابن عباس [illegible]

[illegible] عن ابي هريرة [illegible] عن [illegible] سئل ابن عباس [illegible] الخ

آپ کے رونے سے قریب کی ہر چیز پر گریہ وزاری طاری ہو جاتی۔

آپ کی آواز (لوگوں کو آخرت کی فکر میں مستغرق کر دیتی) اور لوگوں کے دل دہل کر رہ جاتے۔

آگے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے روزوں کے متعلق بھی بتا دیتا ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام شروع مہینے میں بھی تین دن روزہ رکھتے گویا ہر مہینے کو روزوں سے شروع کرتے اور درمیان میں بھی روزہ رکھتے۔ اور مہینے کے ختم پر بھی روزوں پر کرتے اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں غیر شادی شدہ کنواری پاکدامن کے بیٹے یعنی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے روزوں کے متعلق خبر دوں آپ ہمیشہ روزہ رکھتے اور جو کی روٹی کھاتے اور بالوں کے لباس پہنتے جب تک رکھتے جو پاتے کھا لیتے جو نہ ہوتا اس کے متعلق بھی سوال نہ کرتے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی جس کے مرنے (یا مر جانے وغیرہ) کا اندیشہ ہوتا اور نہ کوئی گھر تھا جس کے ویران ہونے کا خطرہ ہوتا۔ پس جہاں کہیں رات ہو جاتی صف بستہ قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے اور بارگاہ خداوندی میں مشغول ہو جاتے اور نماز ادا فرماتے رہتے حتیٰ کہ صبح کر دیتے اور آپ بڑے ماہر تیر انداز کرنے والے تھے آپ جس کا شکار کرتے وہ بھی نہ بچ سکتا اور بنی اسرائیل کی مجلسوں میں ہوتے ان کی پریشانیوں کو دور کرتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے۔

اور اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کی والدہ حضرت مریم بنت عمران کے روزوں کے متعلق بتا دیتا ہوں آپ ایک دن روزہ رکھتیں اور دو دن بغیر روزے کے رہتیں۔ اور اگر تم چاہو تو میں تم کو نبی عربی امی ﷺ کے روزوں کے متعلق بتاؤں آپ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے اور فرماتے تیرہ چودہ پندرہ تاریخ قمری کے ہر ماہ فرماتے کہ یہ زمانے بھر کے روزے ہیں۔(۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر اور وفات کا تذکرہ

حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں آپ علیہ السلام (حضرت آدم) کی تخلیق کے متعلق بیان احادیث میں پہلے گزر چکا کہ اللہ نے آپ کی پشت سے آپ کی ساری اولاد کو نکالا تو حضرت آدم علیہ السلام نے انبیاء کو بھی ان میں دیکھا اور ایک نور دیکھا جو چمک رہے تھے تو حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار یہ کون ہے؟ تو جواب آیا یہ تیرا فرزند داؤد ہے۔ عرض کیا اے پروردگار اس کی کتنی عمر ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا پروردگار اس کی عمر میں اضافہ فرما دیجئے۔ فرمان صادر ہوا ایسا نہیں ہو سکتا ہے ہاں اگر تو تمہاری عمر میں سے ان کو میں کچھ دے دوں؟ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی۔ تو آدم علیہ السلام نے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں۔

تو حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ تو اللہ نے آدم علیہ السلام کو بھی پورے ہزار سال دے دیئے اور حضرت داؤد کو بھی پورے سو سال عطا فرما دیئے۔ یہ حدیث کی کتب حدیث میں نقل ہو چکی ہے۔(۲)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ستر سال تھی۔

تو یہ بالکل غلط ہے جو ان کا دعویٰ ہے اور اہل کتاب کا یہ کہنا کہ چالیس سال آپ کی بادشاہی رہی اس کو ہم قبول کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کے منافی و متعارض کوئی روایت نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) رواه الامام احمد عن ابی النضر، عن فرج بن فضالة، عن ابی هرم عن صدقة عن ابن عباس مرفوعاً فی صوم داؤد۔ الخ

(۲) رواه احمد عن ابن عباس، والترمذی وصححه عن ابی هريرة، وابن خزيمة وابن حبان، وقال الحاكم: على شرط مسلم، وقد تقدم ذكر طرقه والفاظه في قصة آدم

(۳) قال احمد في مسنده حدثنا قتيبة، حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن بن محمد بن عمرو، عن المطلب، عن ابی هريرة۔ الخ

وفات:...... مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام میں بہت سخت غیرت ودیعت تھی۔ آپ جب باہر جاتے تو باہر سے دروازے بند کر جاتے اور کوئی آپ کے آنے تک داخل نہ ہو سکتا۔ تو ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے اچانک گھر کے بیچ میں کسی کو کھڑے پایا تو اس کو کہنے لگی اللہ کی قسم ہم کو حضرت داؤد رسوا کر دیں گے۔ [۱]

اتنے میں حضرت داؤد بھی آگئے پوچھا تو کون ہے؟ اس شخص نے کہا میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور کوئی مجھ کو آنے سے نہیں روک سکتیں۔

تو حضرت داؤد نے فرمایا کہ پھر اللہ کی قسم آپ ملک الموت ہیں اللہ کے فرمان (موت) کو مرحبا ہو۔ پھر کچھ دیر بعد روح قبض ہو گئی۔ جب غسل وکفن اور دوسرے معاملات سے فارغ ہوئے تو سورج اپنی تپش ڈالنے لگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو فرمایا داؤد علیہ السلام پر سایہ فگن ہو جاؤ۔ تو پرندوں نے آپ (داؤد علیہ السلام) کی نعش مبارک پر سایہ کر لیا حتیٰ کہ ماحول نے ظلمت طاری کر دی تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو فرمایا پر سمیٹ لو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں ساتھ ساتھ اشاروں سے سمجھا رہے تھے کہ کیسے پرندوں نے پر پھیلائے اور کیسے سمیٹے۔ اور وہ پرندے بڑے پروں والے باز تھے اور یہی تھے جو سایہ فگن تھے اس روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور سب راوی ثقہ ہیں اور سند جید ہے۔

اور سدی رحمۃ اللہ علیہ سے ...... منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا داؤد علیہ السلام شنبہ (ہفتہ) کے دن اچانک وفات پا گئے تھے اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے۔ [۲]

اور [۳] حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وفات سو سال کی عمر میں ہوئی اور چہار شنبہ (یعنی بدھ) کے روز اچانک وفات ہوئی۔

اور ابو سکن ہجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی اور آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کی بھی اچانک وفات ہوئی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا۔

اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ ملک الموت آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ داؤد علیہ السلام اپنی محراب کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو فرشتے نے عرض کیا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ اتروں یا چڑھوں۔

پھر کہا اے اللہ کے نبی سال، مہینے، آثار اور روزی سب کچھ ختم ہو گئے ہیں۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام وہیں سیڑھیوں پر سجدے میں گر گئے اور فرشتے نے سجدے کی حالت میں آپ کی روح قبض کر لی۔

اور [۴] وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عوام الناس حضرت داؤد علیہ السلام کے جنازے میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے اور دھوپ میں بیٹھ گئے۔ اور صرف چالیس ہزار علماء بنی اسرائیل تھے اور عوام الناس ان کے علاوہ تھے اور علماء نے برانس (ٹوپیاں) پہن رکھے تھے اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد اب تک اس قدر رنج وغم کسی کی وفات پر نہ ہوا تھا۔

---

[۱] بطریق السدی عن ابی مالک عن ابن عباس الخ

[۲] بطریق السدی ایضاً عن ابی مالک وعن سعید بن جبیر قال مات داؤد علیہ السلام الخ

[۳] بطریق اسحاق بن بشر عن سعید عن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن الحسن۔

[۴] وقال اسحاق بن بشر انبانا وائل بن سلیمان عن ابی سلیمان الفلسطینی عن وہب بن منبہ

پھر لوگوں کو گرمی و دھوپ نے تنگ کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ کوئی گرمی سے بچاؤ کی تدبیر فرمائیں۔ تو حضرت سلیمان نکلے اور پرندوں کو آواز دی تو پرندے اکٹھے ہو گئے پھر آپ نے ان کو لوگوں پر سایہ کرنے کا حکم فرمایا۔ تو وہ لوگوں پر سایہ فگن ہو گئے اور لوگ ایک دوسرے سے چمٹے بیٹھے تھے۔ اور صورت یہ ہو گئی تھی کہ پرندے اوپر تھے جس سے ہوا رک گئی تو بنی اسرائیل نے پھر شکوہ کیا تو سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم فرمایا کہ سائے کے رخ سے بچاؤ کریں بلکہ آفتاب کی طرف سایہ ڈالیں۔ تو پرندوں نے فوراً حکم کی بجا آوری کی۔ تو پھر تمام لوگ سائے اور ہوا میں ہو گئے۔ تو یہ پہلی نشانی اور دلیل تھی جو لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کے متعلق دیکھی۔

اور حافظ ابو یعلیٰ کی روایت (1) میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا داؤد علیہ السلام اپنی امت کے درمیان سے اٹھائے گئے تھے ان کی قوم فتنے میں نہ پڑی اور نہ انہوں نے تبدیلی کی۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اصحاب مسیح کے طریقے اور ہدایت پر دو سو سال تک رہے۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں نظر ہے اور وضین بن عطا حدیث میں ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(1) مسند ابو یعلیٰ حدثنا الولید بن شجاع، حدثنی الولید بن مسلم عن الهيثم بن حميد عن الوضين بن عطاء عن نصر بن علقمة عن جبير بن نفير عن أبي الدرداء

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا نسب نامہ یوں ہے:

سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمیناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔

آپ کی کنیت ابو الربیع ۔ نبی اللہ بن نبی اللہ تھی۔

بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ ابن ماکولا نے کہا ہے کہ آپ کے نسب فارص نام میں فارس ہے اور یہ قول غلط ہے۔

انہوں نے ایک نسب نامہ پہلے سے مختصر ذکر کیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ لوگو ہمیں (خدا کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عنایت فرمائی گئی ہے بے شک یہ (اس کا) صریح فضل ہے۔ (النمل ۱۶)

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے نبوت و سلطنت میں وارث و جانشین تھے۔ نہ کہ مال کے صرف حضرت سلیمان تنہا وارث کیسے بن سکتے تھے اور اسی بات پر یہ حدیث رسول بھی دلیل ہے جو کہ کئی طرق سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہم اپنے چھوڑے ہوئے مال کا کسی کو وارث نہیں کرتے۔ تو صادق مصدوق ﷺ نے کس قدر وضاحت سے فرمایا کہ ہم دوسرے لوگوں کی طرح اموال کے وارث کسی کو نہیں کرتے۔

کہ جس سے یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام اور خاندان کے لوگ اس کو حاصل نہیں کرتے بلکہ فقراء اور ضرورت مند حضرات میں وہ تقسیم کر دیا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام اپنے ساز و سامان کے انبیاء کے ہاں اسی طرح بالکل حقیر چیز ہوتی ہے جس طرح ان کے بھیجنے اور منتخب کرنے والے عظمت و جلال کے مالک کے ہاں بالکل حقیر چیز ہوتی ہے۔

اور فرمانِ الٰہی ہے:

اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عطا کی گئی ہے۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام تمام پرندوں کی بولیاں سمجھ جاتے تھے اور لوگوں کو ان کا مطلب و تعبیر بتاتے تھے۔

ابوبکر بیہقی کی روایت (۱) میں ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہما السلام ایک چڑے کے پاس سے گزرے جو چڑی کے گرد چکر لگا رہا تھا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے یہ چڑا کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ فرمائیے یہ کیا کہہ رہا ہے آپ نے فرمایا وہ چڑیا کو اپنے سے شادی (قریب ہونے) کی دعوت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ شادی کر لو میں تمہیں دمشق کے جس بالا خانے میں چاہو رہائش دلا دوں گا۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ دمشق کے بالا خانے پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ان میں کوئی شخص نہیں رہ سکتا لیکن ہر پیغام دینے والا کذاب ہوتا ہے (گویا یہ چڑا اپنی محبوبہ کو دھوکہ دے کر پھسلانے کی کوشش کر رہا ہے)۔

---

(۱) قال الحافظ أبو بكر البيهقي: أنبأنا أبو عبد الله الحافظ، أنبأني علي بن حمشاذ، حدثنا إسماعيل بن قتيبة، حدثنا علي بن قدامة، حدثنا أبو جعفر الأسواري يعني محمد بن عبد الرحمن، عن أبي يعقوب القمي، حدثني أبو مالك قال ....

اس کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے ابو القاسم زاہر بن طاہر سے جنہوں نے بیہقی سے بیان کی روایت کی ہے جیسا کی طبرانی اور ابن مردویہ سے صحیح الاسناد اور ہر قسم کی مخلوق کے ساتھ آپ کا یہ حال تھا۔ اور یہ معجزہ بہت بڑی بات ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا (اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی پوری دنیا کی بادشاہت کی جو بھی ضروریات ہو سکتی ہیں لشکر، سامان حرب، جن وانس کی جماعات، پرندے، چرند، سانپ وغیرہ جتنی جاندار ہیں ان کی جماعات کی اور ان کے متعلق تمام علوم وتعبیرات اور ان کے ساتھ ہمکلام ہونے کی تمام رموز غرض یہ کہ سب کچھ عطا کر دیا گیا تھا۔ اس پر حضرت سلیمان نے فرمایا (بے شک یہ کھلا فضل ہے) یعنی یہ تمام ہدایات کے خالق کی طرف سے ہم کو عطا کردہ فضل ہے وہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔

اس کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے: اور سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور وہ قسم وار کیے گئے۔ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان تک پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ تو وہ اس کی بات سے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔ (۱)

اللہ عزوجل اپنے بندے اور اپنے پیغمبر اور فرزند پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ اپنے جن وانس اور پرندوں کے تمام لشکروں کے ساتھ سفر کے لیے سوار ہوئے۔ جن وانس آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پرندے آپ پر سایہ فگن تھے اور اپنے پروں کو بچھائے گرمی دھوپ اور دوسری چیزوں سے سب کی حفاظت کر رہے تھے اور سب کے سب اپنی منظم ترتیب کے ساتھ صف در صف تھے کہ کوئی پرندہ صف میں اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوتا تھا اور اس کے بعد جب سب ہواؤں کے دوش پر گزر رہے تھے چلتے چلتے ایک وادی پر گزر ہوا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حتیٰ کہ جب چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تم کو ہلاک نہ کر ڈالے۔

تو اس سردار چیونٹی نے اپنی چیونٹیوں کو بچنے اور احتیاط کرنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر سے معذرت کی کہ ہم نے یہ حکم اس لئے دیا ہے کہ ہو سکتا ہے آپ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور کسی صورت میں آپ کا لشکر ہم کو کچل ڈالے۔ تو اس طرح ظلم کی نسبت کرنے سے چیونٹی نے احتراز کیا۔

وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ایک قالین پر تشریف فرما طائف کی وادی میں سے گزرے تو یہ چیونٹی جس کا نام حرس تھا اور اپنے قبیلہ بنو شیصبان کی سردار تھی اور پاؤں سے لنگڑی تھی۔

اس پہلی روایت میں غلطی ہے۔ اس کا طرز بیان بھی اس کے خلاف ہے بظاہر یہاں بھی ہے کہ آپ ایک چٹائی پر تشریف فرما اور ہوا کے دوش پر محو سفر تھے۔ جبکہ اس صورت میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عظیم تخت (قالین) سب لشکروں اور تمام سامانوں کو اٹھائے ہوئے تھا بلکہ یہ سفر جس میں چیونٹیوں کے کچلے جانے کا احتمال تھا گھوڑوں پر سفر تھا۔ اور اس عظیم تخت (قالین) کے متعلق ہم جلد ہی بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حاصل المقصود یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سمجھ گئے جو اس نے اپنی قوم سے کی اور وہ بات بڑی درست رائے اور لائق تعریف تھی۔ جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور زیادہ مسرور ہو کر تبسم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے علاوہ کیسے کیسے انعامات سے نوازا۔

اور وہ بات نقل کرنا بے جا ہے جو بعض جاہلوں نے کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے قبل چرند پرند انسانوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ آئندہ میرے علاوہ کسی سے بات نہیں کریں گے۔ تو یہ جاہلوں کی بات کم فہمی کے سبب ہی ہو سکتی ہے اور وہی کہہ سکتا ہے جس کو کچھ بھی سمجھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پرندوں کی بولی سمجھنا باعث فخر نہ ہوتی۔ کیونکہ ہر کوئی ان کی بولی سمجھنے والا ہوتا اور یہ بات کہ آپ نے چرند پرند سے عہد لیا ہو یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔

---

(۱) النمل ۱۷ تا ۱۹

حضرت سلیمان علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی اس کا ناقل ہے۔

پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق دے جس سے آپ راضی ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

پس انہوں نے اللہ عزوجل سے چاہا کہ ان کو ایسی عطا کریں کہ جو نعمتیں اور خصوصی نوازشات ہیں بے انتہا شکر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ایسے عمل صالح کو آسان بنا دیں اور جب وفات دیں نیک بندوں کے ساتھ ان کا حشر فرمادیں۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نیک بندے کی سب دعائیں قبول کرلیں۔

اور والدین کا جو ذکر ہے اس سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ہیں جو بڑی اعلیٰ عبادت گزار اور نیک خاتون تھیں جیسے کہ سنید بن داؤد نے اس (۱) طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ام سلیمان بن داؤد نے فرمایا: اے میرے بیٹے رات کو نیند زیادہ نہ کر بے شک رات کو زیادہ نیند کرنا بندے کو قیامت کے روز فقیر بنا کر چھوڑے گا۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مثل حدیث کو اپنے چار مشائخ سے نقل کیا ہے۔

اور عبدالرزاق، معمر سے اور وہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ بارش کی طلب میں نکلے (یعنی دعائے استسقاء وغیرہ کے لئے) تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیروں میں سے ایک پیر کو اٹھائے ہوئے بارش طلب کر رہی ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تم لوٹ جاؤ تم بارش سے سیراب ہو چکے ہو کیونکہ اس چیونٹی نے بارش طلب کی ہے اور اس کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے لیکن اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ وہ اس طریق سے (۲) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ساتھ لے کر بارش طلب کرنے کے لئے نکلے وہاں دیکھا کہ ایک چیونٹی ایک پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے تو اس نبی نے فرمایا تم واپس لوٹ جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کرلی گئی ہے۔

اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں قحط پڑا تو آپ نے لوگوں کو استسقاء کے لئے نکلنے کا حکم دیا وہیں ایک چیونٹی اپنے قدموں پر کھڑی ہاتھوں کو پھیلائے دعا کر رہی تھی اے اللہ میں بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں مجھے بھی تیرے فضل کے بغیر چارہ کار نہیں تو اللہ نے ان پر بارش برسادی۔

فرمان الٰہی ہے۔ اور جب انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا۔ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آموجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے۔ پس وہ رستے پر نہیں آئے (اور نہیں سمجھتے) کہ خدا کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں۔ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ (سلیمان علیہ السلام نے) کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے پھر آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ دربار والو میری طرف ایک نامہ

---

(۱) بطریق سنید بن داؤد عن یوسف بن محمد بن المنکدر عن ابیہ عن جابر

(۲) من طریق محمد بن عزیز عن سلامۃ بن روح عن عقیل عن ابن شہاب حدثنی ابو سلمۃ عن ابی ہریرۃ

سامنے ڈالا گیا ہے اور سلیمان کی طرف سے ہے اور (مضمون یہ ہے) کہ شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ اے اہل دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو اور جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کو فیصل کرنے والی نہیں وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا۔ اس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔

اس مقام پر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہد ہد کا عجیب قصہ ذکر فرمایا ہے۔ پرندے آپ کے پاس اپنی اپنی باری پر حاضر ہوتے تھے جیسا کہ یہ ہد ہد پرندوں کی باری ہے جیسا کہ دوسری قسم کے پرندوں کی باری ہے اور ایسے ہی آپ جس کو طلب کرتے وہ حاضر ہو جاتے۔ اور ہد ہد کا کام آپ کے ہاں یہ تھا کہ آپ کسی سفر میں ہوتے اور جنگلوں میں پانی کی ضرورت پیش آتی تو ایک ہد ہد کو پانی کی تلاش کے لئے بھیجتے تھے اور اللہ نے ہد ہد کو یہ صلاحیت و استعداد عطا فرمائی تھی کہ پانی کو زمین کے نیچے ہونے کے باوجود دیکھ لیتا تھا پھر یہ ہد ہد آپ کو راہنمائی کرتا تب وہاں کھود کر پانی تلاش کر لیتے۔

تو اسی طرح ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو بلوایا تو وہ موجود نہ تھا اور اپنی خدمت کی جگہ نہ تھا تو آپ نے فرمایا (کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا یا وہ کہیں غائب ہے) یعنی یا تو وہ موجود ہی نہیں یا مجھے نظر نہیں آ رہا۔ اگر موجود نہیں ہے (تو میں اس کو سخت سزا دوں گا) یہاں سزا عذاب کی دھمکی دی جس کی مفسرین نے کئی تفسیریں بیان کی ہیں۔ اور مقصود ان کے قول سے حاصل ہو جاتا ہے فرمایا (یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا تو وہ کوئی ظاہر دلیل لے کر آئے) (اپنے عذر پر) جو اس کو اس عذاب سے نجات دلا دے اللہ نے فرمایا (پھر تھوڑی دیر ٹھہرا تھا) یعنی ہد ہد تھوڑی دیر ہی غائب ہوئے تھے کہ وہ آ گیا اور سلیمان علیہ السلام سے کہا (میں ایسی چیز کو جان کر آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور میں (قوم) سبا کی ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں میں نے ایک عورت کو ان پر سلطنت کرتے ہوئے پایا ہے اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا عظیم تخت ہے)۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ سبا ملک یمن کی عظیم سلطنت ہوا کرتی تھی اور بادشاہت ایک خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ چلتے چلتے ایک بادشاہ کی بیٹی اور کسی خلیفہ بھی اور اس کے بعد وہ کوئی لڑکا نہ تھا تو سلطنت کی وارث بیٹی ہوئی بلقیس وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ عورت بلقیس اپنے والد کی وفات کے بعد سلطنت کی وارث تھی ایک دوسری قوم ان پر غالب آ گئی اور انہوں نے وہاں ظلم و ستم برپا کر دیا تو بلقیس نے اس کو پیغام نکاح بھیجا اور اس ظالم بادشاہ نے اس کے ساتھ شادی کر لی تو بلقیس نے اس کو شراب پلا دی پھر اس کے سر کو کاٹ کر اپنے دروازے پر لٹکا دیا۔ تو لوگوں نے اس کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا اور یہ بلقیس بنت سیرح ہدہاد تھی۔ اور ایک قول ان کے نسب کے متعلق یہ ہے شراحیل بن ذی جدن بن سیرح بن الحارث بن قیس بن صیفی ابن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

اور اس بلقیس کا باپ بڑے بادشاہوں میں سے گزرا تھا اس نے عہد کیا تھا کہ میں اہل یمن کی کسی عورت سے شادی نہ کروں گا تو پھر اس نے ایک جنی سے شادی کی جس سے یہ لڑکی بلقیس پیدا ہوئی اس کی ماں کا نام رواحہ بنت سکن تھا اور بلقیس کا ایک نام تلقمہ تھا۔

اور ثعلبی روایت (۱) کرتے ہیں کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنی سرداری عورت کو دے دے۔

اس روایت میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہے البتہ صحیح میں یہ حدیث ہے۔

---

(۱) قال الثعلبی: اخبرنی ابو عبد اللہ بن فنجویہ حدثنا ابو بکر بن خرجة حدثنا ابن ابی الثلج حدثنا ابو کریب حدثنا ابو معاویة عن اسماعیل بن مسلم عن الحسن عن ابی بکرة

(۱) ثعلبی کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عوف سے وہ حسن سے وہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کے پاس یہ بات پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے اوپر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا رکھا ہے تو آپ نے فرمایا ایسی قوم ہرگز فلاح کو نہیں پہنچ سکتی جو اپنا والی عورت کو بنا دے۔

اور اس حدیث کے مثل کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے (۲) اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح فرمایا ہے۔ الغرض ہدہد نے کہا کہ (اس کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) یعنی بادشاہی کا تخت جو جواہرات کے ہیروں موتیوں اور سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے۔

پھر ہدہد نے ان کے کفر کا ذکر کیا کہ شیطان نے ان کو خدا کی راہ سے بھٹکا رکھا ہے جو زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور جو کچھ لوگ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں سب کو جانتا ہے۔ یعنی ہر حسی اور معنوی کو خوب جانتا ہے۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش عظیم کا پروردگار ہے) اس کے لئے ہے عرش عظیم جو اس کا تخت ہے پوری مخلوق اس کے تحت ہے۔ لیکن انہوں نے یعنی قوم سبا نے اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کو اپنی عبادت بنا لیا ہے۔ ہدہد نے یہ خبر سلیمان کو پوری طرح سنائی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط اس کو لکھا جو خدا کی طرف دعوت پر مشتمل تھا اور یہ دعوت بھی تھی کہ تم میری سلطنت کے تحت آ جاؤ اور عاجزی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کردو۔ جیسے فرمایا (اور مجھ پر بڑائی مت کرو) یعنی میری فرمان برداری سے انحراف مت کرو بلکہ (فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ) یعنی بغیر کسی کشمکش اور جنگ میں الجھے ہوئے فوراً اپنے آپ کو تسلیم کردو۔ تو جب ہدہد خط لے کر پہنچا (اور تب ہی سے خط و کتابت کا سلسلہ پرندوں کے ذریعے مشہور اور زبان زد ہوا۔ لیکن اس حد سے کبوتر تک پہنچ گئی ہے کہ وہ خط تو حضرت سلیمان نے پرندے کو دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت پرندے ایسی ہی کرتے تھے جیسے غلام اپنے آقا کی کرتا ہے۔

تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ہدہد ان کے محل میں پہنچا اور وہ خط اس کے آگے ڈالا کہ بلقیس اپنی خلوت گاہ میں تھی پھر ہدہد نے خط اس کے سامنے ڈال دیا اور خود پرے ہٹ کر دیکھنے لگا کہ بلقیس کیا جواب دیتی ہے۔ تو ہدہد نے دیکھا کہ بلقیس ملکہ نے اپنے امراء وزراء اور ارکان دولت کو اکٹھا کر لیا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط پر غور و خوض اور مشاورت کی جائے۔

(کہنے لگی اے جماعت میری طرف ایک کرم نامہ ڈالا گیا ہے) پھر اس کے عنوان کو پڑھ کر اور اس کے مضمون کو پڑھ کر سنایا کہ (بے شک سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ بے شک اللہ کے نام سے ہی شروع کرتا ہوں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے تم لوگ مجھ پر بڑائی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ) خط سنانے کے بعد مشورہ کیا پھر خود ہی اپنے امراء وزراء کو مخاطب ہوئی (کہنے لگی اے جماعت مجھے میرے معاملے میں مشورہ دو میں کسی معاملے کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم حاضر نہ ہو) یعنی تمہاری رائے کے بغیر میں فیصلہ صادر نہیں کر سکتی (تو وہ کہنے لگے ہم بڑے زور والے اور سخت جنگجو ہیں اور معاملہ آپ کی طرف ہے تو جو حکم آپ دیں گی) یعنی کہ آپ کا فیصلہ ہی ہے۔ یعنی اگر جنگ مقصود ہے تو ہم بہت بڑے جنگجو اور طاقتور بہادر ہیں اور ہم کسی طرح جنگ سے گریز نہیں کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم آپ کی اطاعت سے نکلنے والے نہیں اور جو آپ فیصلہ دیں گی ہم سر تسلیم خم کرلیں گے۔

لہٰذا آپ خود ہی اپنی اور ہماری بہتری کے لئے کوئی راہ جو مناسب اور درست معلوم ہو منتخب کر لیجئے پھر بلقیس نے جو رائے اور فیصلہ دیا وہ ان کی رائے سے بہت ہی بہتر تھا اور بلقیس جان گئی کہ یہ صاحب خط کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے اور ان سے جنگ میں جیتنا ناممکن ہے اور ان کی مخالفت میں ان کا نام و نشان کو مٹا دیا جا سکتا۔

تو تمام پہلوؤں پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد اس نے کہا بے شک بادشاہوں کی یہی عادت ہے کہ جب وہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ

---

(۱) وقد روی الثعلبی من طریق سعید بن بشیر عن قتادة عن النضر عن بشیر بن نهیک عن ابی هریرة

(۲) وروی الترمذی والنسائی من حدیث حمید عن الحسن عن ابی بکرة عن النبی ﷺ بمثله

ویران کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ بھی اسی طرح کیا کرتے ہیں) یعنی یہ بادشاہ اگر اس مملکت پر غالب آ گیا تو سارے کی ساری سختی اور تنبیہ میری ذات پر ختم ہوگا اور تمام تر سختی عذاب اور رسوائی یہ تو میرے سامنے ہی آئے گی۔ لہٰذا (ارادہ ہے کہ) میں ان کی طرف ہدیہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد یہ کیا بات کے ساتھ واپس آتے ہیں) یعنی بلقیس نے اپنے اہل مملکت کی طرف سے چند تحائف کے ہدیے بھیجنا چاہا کہ شاید اس طرح حضرت سلیمان نرم پڑ جائیں اور نرمی اختیار کر لیں لیکن اس کو یہ پتہ نہ تھا کہ حضرت سلیمان مسلمان ہیں اور وہ ان کافروں سے کچھ بھی قبول نہ کریں گے چہ جائیکہ آپ کے لشکر کے لئے ان تمام چیزوں کا ذکر کرنا معمولی سی بات تھی۔ اسی وجہ سے (جب قاصد سلیمان کے پاس آیا) تو آپ نے فرمایا کیا تم مال کے بدلے مجھے مدد پہنچانا چاہتے ہو جو اللہ نے مجھے دیا وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے کے سبب خوش ہوتے ہوگے) حالانکہ یہ تحائف عظیم تر اموال پر مشتمل تھے جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے پھر آپ نے بلقیس کے قاصد کو تمام لوگوں کی موجودگی میں فرمایا (ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے)

اور ساتھ اپنے تحائف بھی لیتے جاؤ جس کے پاس تم یہ تحائف لائے ہو اس کو اللہ نے اس سے بہت زیادہ بہتر عطا کیا ہے اور اب ہم تمہارے پاس ایسا زبردست لشکر لے کر آ رہے ہیں جن سے مقابلے پر تم میں بالکل سکت نہیں۔ تو جب اللہ کے پیغمبر کی طرف سے یہ فرمان جاری پہنچا تو ان کو سوائے مطیع اور تابع ہو جانے اور عاجزی و انکساری سے جھک جانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ان کے آنے کی خبر سنی تو آپ نے جنوں سے ایک عظیم الشان محل بنوایا جس کا مفصل ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے۔ جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو (سلیمان نے) کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحفے سے تم ہی خوش ہوتے ہوگے۔ ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔ اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ فرمان باری تعالیٰ میں اسی طرح مذکور ہے

(سلیمان نے) کہا اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے۔ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت (بھی حاصل) ہے اور امانت دار (بھی) ہوں۔ ایک شخص جس کو کتاب (الٰہی) کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں جب (سلیمان نے) تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے۔ (سلیمان نے) کہا کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو۔ دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے۔ جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ گویا ہو بہو وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی) عظمت و شان کا علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔

اور وہ جو خدا کے سوا (اور کی) پرستش کرتی تھی (سلیمان نے) اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا) اٹھا کر اپنی پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس کے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی اور (اب) سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ (1)

(جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے بلقیس کا عظیم تخت منگوایا جیسے فرمان شاہی کے تحت منتقل کیا گیا تھا اور حضرت سلیمان نے قاصد کے بلقیس کے آنے سے پہلے تخت منگوایا (تو) ایک عفریت جن نے کہا میں اس کو آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے لا دوں گا) یعنی آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے کیونکہ آپ کی مجلس اول دن سے زوال شمس کے وقت برخاست ہوتی تھی تو تب تک میں واپس آ جاؤں گا

---

(۱) سورۂ نمل ۳۶ تا ۴۴

مسافت سے ضرور لے آؤں گا۔ (اور میں اس پر قوی اور امانت دار ہوں) یعنی میں اس کے تخت کو آپ تک پہنچانے پر پوری طاقت رکھتا ہوں اور جو جواہر اس میں ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں ان سب کو امانت آپ کے حوالے کر دوں گا۔ (تو اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا) یعنی دوسرے جن نے کہا جس کو کتاب الٰہی یعنی آسمانی علم سے واقفیت تھی۔ اس نے کہا۔ اور یہ ابن عباسؓ سے مشہور ہے کہ یہ آصف بن برخیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس صورت میں یہ انسان تھا۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ مومن جن تھا اور اسم اعظم جانتا تھا۔ دوسرا قول ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ اور ایک انتہائی ضعیف قول یہ بھی ہے کہ آپ خود حضرت سلیمان تھے اور سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام کے ظاہر سے اس کی تردید معلوم ہوتی ہے۔ اور ایک چوتھا قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ (جس شخص نے کہا میں اس کو آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا) اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی نگاہ انتہائی دور نظر کے پہنچنے تک ڈالیں اور وہ آپ کے پاس آئے تو اس سے پہلے عرش حاضر ہوگا اور ایک مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے مجمع میں جس آدمی کو دیکھ رہے ہیں جب تک وہ آپ کے پاس پہنچے اس سے پہلے عرش پہنچ جائے گا۔ تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آدمی کسی کو اپنی آنکھ جتنی دیر تک دیکھے تو تھک کر جھپکنے سے پہلے تخت حاضر کر دیا جائے گا۔ اور سب سے صحیح یہی اور راجح قول یہی ہے

کہ آپ اپنی آنکھ کو حد نگاہ تک اٹھائیں اور واپس لائیں تو اس نے کہا آپ آنکھ بند کریں تو اس سے پہلے پہلے عرش بلقیس اپنی تمام آرائش کے ساتھ حاضر خدمت ہوگا۔

آپ نے خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیا کہ (پھر آپ نے اس کو اپنے پاس رکھا دیکھا) یعنی بلقیس کے عرش کو اس پلک جھپکنے کی مدت میں اپنے پاس پایا حالانکہ یہ عرش یمن کے شہر صنعا سے بیت المقدس لے جایا گیا تھا اور وہ بھی پلک جھپکنے کی مدت میں تو آپ نے (کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے) یعنی اس کا نتیجہ اسی کو ملتا ہے (اور جو ناشکری کرے گا تو بے شک میرا رب بے پرواہ کریم ہے) یعنی اس کو شکر کرنے والوں کے شکر کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ناشکروں کے کفر سے اس کو کوئی ذرہ بھر ضرر پہنچتا ہے۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو حکم فرمایا کہ اس عرش کے زیورات کو آگے پیچھے کر دیا جائے اور کچھ شکل بدل دی جائے تاکہ بلقیس کی عقل و فہم کا امتحان لیا جائے اس لئے فرمایا (ہم دیکھیں گے کہ وہ درست راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو درست راہ نہیں پاتے تو جب وہ آئی اس کو کہا گیا کیا تیرا عرش ایسا ہی ہے؟)

اس نے کہا گویا یہی ہے۔ یہ اس کی ذہانت و دانائی تھی کہ اس نے پورے یقین کے الفاظ کے ساتھ نہیں کہا کہ یہی ہے کیونکہ اس کو دور دراز شہر میں پیچھے چھوڑ کر آئی تھی اور یہ بھی نہ جانتی تھی کہ کوئی اللہ کی طرف سے ایسی قدرت بھی رکھتا ہے جو پلک جھپکنے میں یمن سے بیت المقدس تک اس کو لا سکتا ہے تو اسی لئے اس نے کہا اس جیسا ہے اور بالکل اس کے قریب ہے (گویا یہی ہے) آگے فرمان الٰہی ہے کہ حضرت سلیمان پر اس حقیقت کی صحت کا اظہار ہے جس کا بلقیس نے اقرار کیا فرمان الٰہی ہے (اور ہم کو اس سے پہلے ہی) (یعنی سلیمان کی امت سمیت سب کو) (علم مل گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں اور روکا اس کو اس چیز نے جس کی وہ خدا کے سوا (اور کسی کی) پرستش کرتی تھی (یعنی سلیمان نے اس کو اس سے منع کیا) اس سے پہلے وہ کافروں میں سے تھی)۔

یعنی حضرت سلیمان نے اس کو آفتاب کی پرستش سے روکا اور یہ اپنی قوم کے ساتھ اس کی عبادت کرتی تھی اور یہ ان کو اپنے آباء سے ورثہ میں ملا تھا اس کے علاوہ ان کے پاس سچے خدا کے حق ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

اور اس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک عمارت کی تعمیر کا حکم فرمایا جو ایسی تھی کہ شیشے کی ہو جس میں پانی چلتا ہو اور بہت کچھ کی ہو نیچے پانی جاری ہو اور پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور ہوں اور پھر جب بلقیس کی آمد پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اس عمارت میں داخل ہونے کا حکم دیا اور حضرت سلیمان پہلے سے اس عمارت میں اپنے شاہی تخت پر جلوہ افروز تھے اور بیٹھنے کے پیچھے سے بالکل پانی ایک آب کے ساتھ بہہ رہا تھا کہ شیشے کے درمیان میں نظر نہ آتا تھا تو اس کے متعلق فرمان الٰہی ہے بلقیس (سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو تو اس نے جب اس کو دیکھا تو اس کو پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس کے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تو وہ بول اٹھی

کہ پروردگار میں (اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں)

کہا گیا ہے کہ بعض جنات کا اس وقت یہ خیال تھا کہ کسی طرح بلقیس حضرت سلیمان کو بری لگے اور وہ اپنی پنڈلیاں کھول دے تا کہ اس پر بال نظر آجائیں اور حضرت سلیمان پھر اس سے شادی نہ کریں رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ بلقیس کی ماں جنی تھی۔ اور اگر شادی ہوگئی تو ان پر وہ بھی مسلط ہو جائے گی۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس کے پاؤں جانور کے مانند تھے جو بالکل کمزور بات ہے اور پہلی بات میں بھی نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

اور کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کا ارادہ فرمایا تو پہلے اس کے نچلے بال اتروانے کے متعلق انسانوں سے سوال کیا کہ اس کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے جواب دیا کہ بلقیس استرا استعمال کرے لیکن بلقیس اس پر آمادہ نہ ہوئی تو پھر آپ نے جنوں سے سوال کیا تو انہوں نے نورہ بنا کر دیا (یعنی وہ معلوف جو آجکل بھی عورتیں استعمال کرتی ہیں) اور پھر جنوں نے آپ کے لئے ایک حمام بھی بنایا۔ آپ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی کو محسوس کر کے منہ سے نکلا او عذاب او ہ یہ تو عذاب ہے۔

ثعلبی وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس سے شادی کر لی تو اس کو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا اور اس کو واپس لوٹا دیا پھر آپ ہر مہینے اس کے پاس تین دن ٹھہر کر تخت ہوائی پر واپس آجاتے اور آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ یمن میں تین محل ان کے لئے بنائے جائیں جن کے نام غمدان۔ سالحین۔ بیتون تھے۔ واللہ اعلم۔

اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم کے واسطے سے حضرت وہب بن منبہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ ہمدان کے بادشاہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی تھی۔ اور بلقیس کو یمن کی سلطنت پر برقرار رکھا تھا۔ اور ملک یمن کے بڑے زوبعہ جن بادشاہ کو بلقیس کے تابع کر دیا تھا جس نے اس کے لئے مذکورہ تین محل تعمیر کرائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح اور مشہور و ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمان الٰہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق: ......اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔ وہ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے جب ان کے سامنے خاص قسم کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) ان کو میرے پاس لاؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کر دو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام عطا کئے جانے کا ذکر فرما رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کی تعریف فرماتے ہیں (بہترین بندے تھے بے شک وہ خوب رجوع کرنے والے تھے) یعنی اللہ کی طرف ہر وقت لو لگائے رکھتے تھے اور خوب آہ وزاری کرتے تھے۔ اور پوری اطاعت کرتے تھے۔ پھر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر فرمایا جو صافنات تھے۔ یعنی تین پاؤں پر کھڑے ہو کر چوتھا اٹھائے رکھتے تھے۔ جو ان کے عمدہ اور اعلیٰ نسل ہونے اور تیز رفتار ہونے کی نشانی ہے۔

(تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب اپنے) پردے میں چھپ گیا۔ (پھر بولے کہ) ان کو میرے پاس لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اس سے مراد ہے کہ گردنوں اور ایڑی کے اوپر کے پٹھے کو تلوار سے کاٹنے لگے۔

اور پردوں میں چھپ گیا اس سے غروب شمس مراد ہے اور یہی اکثر سلف کے نزدیک راجح ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں

---

(۱) سورۃ ص ۳۰ تا ۴۰

کے معاملے میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ عصر کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے۔ لیکن اس صورت میں ظاہر نظر میں اشکال ہوتا ہے کہ نماز کو بغیر عذر کے چھوڑنا یعنی وقت سے مؤخر کرنا کیسے صحیح و جائز ہے؟ تو اللہ سے مدد لیتے ہوئے ہم اس کا جواب یہی دے سکتے ہیں کہ شاید ان کی شریعت میں کچھ گنجائش تھی۔ اور آپ سے اسباب جہاد کی وجہ سے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں نماز مؤخر ہو گئی تھی۔

اور علماء کی ایک جماعت اس قول کی قائل ہے کہ یوم خندق میں نبی ﷺ نے نماز عصر مؤخر فرمائی تھی اور یہ اس وقت مشروع تھا۔ پھر نماز خوف کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کے قائل ہیں اور اس کی تقریر و وضاحت ہم اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ نساء میں صلوۃ الخوف کے تحت کر آئے ہیں۔

اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ آپ سے بھول کر یوم خندق کو نماز عصر مؤخر ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے فعل کو بھی بھول پر محمول کیا جائے گا ۔۔۔۔ واللہ اعلم۔

اور یہ تمام تر تفسیر و تفصیل اسی صورت میں ہے جب ہم چھپ جانے سے آفتاب مراد لیں۔

اور بعض حضرات نے اس کے مخالف یہ فرمایا ہے کہ توارت ۔۔۔ کی ضمیر خیل کی طرف لوٹ رہی ہے لہٰذا آیت کا مطلب ہے کہ گھوڑے چھپ گئے۔ اور نماز کا وقت ختم نہیں ہوا۔ اور اگلا فرمان کہ ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا اس کا مطلب ہوگا کہ گردنوں اور ایڑی کے پٹھوں کے پسینے کو صاف کیا یہ قول حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور والبی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پسینہ پونچھنے کے متعلق اس کو روایت کیا ہے اور حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو اختیار فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر اپنے مال کو بغیر کسی وجہ اور ان کے گناہ کے یوں قتل نہیں کر سکتا لیکن اس دلیل میں کچھ نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی ملت میں جائز ہو۔ جیسے ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنے مویشیوں بکریوں بھیڑ اور بھی دوسرے جانوروں پر دشمن کافرین کے غلبے کا خطرہ رکھتے ہوں تو مسلمان کے لئے ان کو ذبح کرنا اور ہلاک کرنا اس وجہ سے جائز ہے تا کہ کافر قبضہ کر کے اس کے ساتھ تقویت حاصل نہ کریں۔

اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کا جنگ موتہ میں گھوڑوں کو قتل کروانا اسی وجہ سے تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ ان گھوڑوں کی عظیم تعداد تھی۔ دس ہزار یا بیس ہزار، دو قول ہیں۔ اور انہی کے اندر بیس گھوڑے پروں والے بھی تھے۔ یعنی انتہائی تیز رفتار تھے۔

ابوداؤد میں ہے (۱) کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ کی الماری پر پردہ پڑا ہوا تھا تو ہوا کا جھونکا آیا اور پردے کا گوشہ ہٹ گیا تو سامنے عائشہ کی گڑیاں نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کیا؟ عرض کیا میری گڑیاں ہیں۔ پھر آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس پر کپڑے کے دو پر بھی تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اور ان کے درمیان میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر بھی تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی داڑھوں کو دیکھ لیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو خدا کی خاطر چھوڑا تو خدا نے اس کا نعم البدل عطا فرمایا یعنی وہ ہوا جو آپ کو ایک صبح میں مہینے کا سفر کرا دیتی تھی اسی طرح ایک شام میں مہینے کی مسافت طے کرا دیتی تھی۔

جیسے مسند احمد میں (۲) ہے ابو دہماء اور ابو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے یہ دونوں حضرات بیت اللہ کا سفر بہت کیا کرتے تھے تو کہتے ہیں کہ ہم ایک دیہاتی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے علم سکھانے لگے جو اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔ اور فرمایا تم کسی بھی چیز کو اللہ کے واسطے چھوڑو گے تو اللہ عزوجل تجھے اس سے بہت بہتر عطا فرمائیں گے۔

آگے فرمان الٰہی ہے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر وہ تائب ہوئے۔

---

(۱) رواه ابو داود فی سننه حدثنا محمد بن عوف، حدثنا سعيد بن ابی مريم حدثنا يحيی بن ايوب، حدثنی عمارة بن غزية ان محمد بن ابراهيم حدثه عن محمد بن ابی سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة قالت: قدم (۲) كما قال الامام احمد: حدثنا اسماعيل حدثنا سليمان بن المغيرة عن حميد ابن هلال عن ابی قتادة و ابی الدهماء ۔۔۔ الخ

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس مقام پر بزرگوں سے بہت سے قصے نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر بلکہ تمام اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ اور اکثر میں سخت نکارت (اجنبیت) ہے اور ان پر ہم نے اپنی تفسیر میں تنبیہ کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف آیت کی تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے شاہی تخت سے چالیس دن غائب رہے تھے پھر واپس آ گئے تھے اور جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کی بناء کا حکم فرمایا تھا تو پھر اس کی انتہائی مضبوط تعمیر کی گئی تھی۔

اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پہلے شخص جو بانی بیت المقدس ہیں وہ حضرت اسرائیل علیہ السلام ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اور یہ بات اس حدیث کے تحت گذر چکی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی فرمایا مسجد حرام۔

پوچھا پھر؟ فرمایا بیت المقدس کی مسجد۔ عرض کیا دونوں کے درمیان کتنا وقت ہو؟ فرمایا چالیس سال۔

اور یہ تو ظاہر معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبۃ اللہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ مدت ہے۔ لہٰذا مطلب ہوگا کہ حضرت یعقوب جو حضرت ابراہیم کے پوتے تھے تو انہوں نے بیت المقدس کی مسجد بنوائی۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی تعمیر کے بعد خدائے عزوجل سے ایسی بادشاہت طلب کی تھی جیسی ان کے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے اور اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جس کو کئی کتب حدیث نے ذکر کیا ہے مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم سب نے اپنی سندوں کے ساتھ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے عبداللہ بن فیروز نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ۔

سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر فرمائی تو اپنے پروردگار عزوجل سے تین باتوں کا سوال کیا ان کو وہ عطا کر دی گئیں تھیں ہم چاہتے ہیں کہ تیسری ہمارے لئے قبول ہو جائے انہوں نے ایک دعا کی کہ ان کو ایسا حکم و فرمان ملے جو آپ کے حکم کی طرح ہو، تو یہ بھی قبول ہوئی۔ پھر دعا کی ایسا ملک عطا ہو جو ان کے بعد کسی کو نہ ملے یہ بھی مل گیا۔

پھر دعا کی کہ جو شخص بھی اس مسجد بیت المقدس کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے اور اس کا مقصد صرف اس مسجد میں نماز ادا کرنا ہو تو اس کی خطائیں یوں معاف کر دی جائیں جس طرح کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔ تو ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے لئے اس دعا کو قبول کر لیا ہے (یعنی کعبۃ اللہ کی نماز کیلئے)۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلی دعا کی تھی کہ ایسا حکم ملے جو اللہ کے حکم کی طرح ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹا کے متعلق فرماتے ہیں۔

اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں۔ اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا)۔[1]

اس آیت سے ایک قصے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے بارے میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اسلاف فرماتے ہیں کہ اس قوم کے انگوروں کے بیل کے باغ تھے۔ تو دوسری قوم کی بکریوں نے رات کے وقت ان کو چر لیا اور سب کچھ کھا گئیں۔ تو دونوں فریق حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے کر گئے تو آپ نے انگوروں والوں کے لئے قیمت کا حکم فرما دیا۔ تو یہ نکل کر واپس جا رہے تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام پر سے ان کا گذر ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا اللہ کے نبی نے کیسا فیصلہ تمہارے لئے کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایسا ایسے۔ تو آپ نے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو یوں کرتا کہ بکریاں باغ والے کو دے دیتا۔ وہ اس کے دودھ اور ہونے والے بچوں کو فائدہ میں رکھتے اور جب تک بکریوں والے انگوروں کی

---

(۱) سورۃ انبیاء ۷۸۔۷۹۔

اور بوجھل کر نے اور مزدوری وغیرہ حاصل کر پاتے۔ پھر بکریاں واپس لے لیتے اور باغ کھیتوں کے مالکوں کے سپرد کر دیتے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کو پہنچا تو آپ نے اسی کو نافذ فرما دیا۔

اسی قصہ کی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہما میں ابو الزناد کی حدیث سے ثابت ہے وہ اعرج سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

دو عورتیں، بچے بیٹوں کے ساتھ چلی جا رہی تھیں کہ بھیڑیے نے ایک کے بیٹے پر حملہ کر دیا اور اسے لے گیا۔ پھر دوسری نے بچے کے بارے میں اختلاف، جھگڑا کیا (دونوں میں) ہر ایک بول رہی تھی۔ بڑی نے کہا تیرا بیٹا لے جایا گیا ہے۔ چھوٹی نے کہا تیرا بیٹا لے جایا گیا ہے۔ تو دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئیں آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پھر دونوں کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا آپ نے فرمایا مجھے چھری لا کر دو میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تا کہ ہر ایک کو آدھا آدھا مل جائے۔ یہ سنتے ہی چھوٹی سے نہ رہا گیا وہ بول پڑی اللہ آپ پر رحم کرے یہ اسی کا بیٹا ہے۔ لہٰذا یہ اسی کو عطا کر دیں۔

پھر آپ نے اس چھوٹی کے حق میں بچے کا فیصلہ فرما دیا۔ کیونکہ ماں کو بیٹے پر یہ زیادتی گوارا نہیں ہو سکتی۔

شاید دونوں حکم ان کی ملت میں جائز ہو سکتے تھے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا اسی وجہ سے اللہ نے اس فیصلے کے متعلق حضرت سلیمان کی تعریف و توصیف فرمائی اس کے بعد فرمان الٰہی ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا جو آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم (ایسا) کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کو زرہ کی صنعت کری سکھائی تا کہ تم کو جنگ سے بچائے پس کیا تم شکر کرنے والے ہو؟ اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی (یعنی ملک شام) اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اور دیووں کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان میں سے بعض ان کے لئے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے۔

(سورۃ انبیاء ۷۸-۸۲)

اور سورۃ ص میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی اور دیووں کو بھی ان کے زیر فرمان کر دیا یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے چاہو تو احسان کرو یا (چاہو تو) روک رکھو (تم سے) کچھ حساب نہیں۔ اور ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔(۱)

اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی رضا کی طلب کی خاطر گھوڑوں کو چھوڑ دیا تو اللہ نے اس سے بہتر اور تیز رفتار چیز ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا۔ جو تیز ہوا کے ساتھ نرم اور بلا مشقت چلتی تھی فرمانبردار ان کے حکم سے جہاں چاہتے پہنچ جاتی تھی۔

جس کی کیفیت یہ تھی کہ آپ کا ایک بڑا تخت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا اور وہ ایسا عجیب و عظیم تخت تھا کہ حضرت سلیمان جو سامان بھی چاہتے اس پر رکھ دیا جاتا تھا۔ مکانات، خیمے، گھر، ساز و سامان، سواری، گھوڑے، اونٹ، انسان، جن، پرند وغیرہ سب سوار ہو جاتے پھر ہوا اس کو تیز رفتار سے اڑا لے جاتی۔

پھر کیا مجال کہ کوئی نکلا ہو، بقدر ضرورت ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے داخل ہو جاتی اور پہلے سے مقررہ جگہ کے لئے اٹھا لیتی۔ پھر ہوا اس تخت کو آسمان و زمین کے درمیان لے جاتی تو پھر آپ (رخاء) نرم ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کے تخت کو لے کر چلتی جب مزید تیز رفتار مطلوب ہوتی تو (عاصفہ) تیز ہوا کو حکم کرتے پھر وہ آپ کے تخت کو انتہائی تیز رفتار سے اڑا لے جاتی۔ اور جہاں کا رخ ہوتا اس طرف لے جاتی۔ آپ صبح بیت المقدس سے شروع میں روانہ ہوتے اور ایک مہینے کی مسافت دوپہر تک طے کر کے پہنچ جاتے اور دن میں یہ مسافت طے ہو جاتی پھر شام تک اتنی ہی مسافت طے کر کے شام کو بیت المقدس پہنچ جاتے۔

(۲) جیسے فرمان الٰہی ہے: اور (ہم نے) ہوا کو سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی

---

[۱] سورۃ ص ۳۶-۴۰

(۲) سورۃ سبا ۱۲-۱۳

ہوتی۔ سلیمان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔ اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے یہ ان کے لئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ آپ صبح کو دمشق سے روانہ ہوتے تو دوپہر کو کھانا اصطخر میں جا کر تناول فرماتے پھر شام کو وہاں سے روانہ ہوتے تو کابل میں رات بسر کرتے۔ اور دمشق اور اصطخر کے درمیان بھی اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان بھی ایک ایک مہینے کی مسافت تھی۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ علاقوں اور آبادیوں کے عالم کہتے ہیں کہ اصطخر شہر تو جنوں نے سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا تھا اور یہ شہر قدیم زمانے سے ملک ترکیہ کا ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح دوسرے مختلف علاقے بھی جنوں نے آپ کے لئے بنائے تھے جیسے تدمر (یہ شام میں حلب کے قریب ہے) اور بیت المقدس۔ اور باب جیرون اور باب البرید جو دمشق میں ہے۔

آگے فرمان الٰہی ہے کہ ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔

اس کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ، قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں القطر سے مراد تانبا ہے یعنی پگھلا ہوا تانبا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ یمن میں ہوتا تھا۔ جو اللہ نے آپ کے لئے جاری کیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تانبا اور دوسری جس چیز میں اس کی ضرورت پیش آئی تو صرف تین یوم میں وہ ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

آگے فرمان الٰہی ہے اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو ان میں سے ہمارے حکم سے سرکشی کرے گا ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

یعنی اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایسے جن تابع کر دیئے تھے جو آپ کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے مگر جو حکم جس کا ہوتا وہ اس کی تعمیل کرتے۔ اور اگر کوئی سرکشی کرتا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو سزا دیتے اور سزا وہ قتل کرتے (وہ ان کے لئے بناتے قلعے (وغیرہ) جو بڑے محلات ہوتے ہیں جن کو بہت خوبصورت مکان اور صدر مقام بنایا جاتا تھا۔

(اور مجسمے) یہ تانبے، شیشے اور کانسی کی ڈھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور ان کی ملت و شریعت میں اس کی گنجائش تھی اور بڑے بڑے حوض جیسے تالابوں کی طرح۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی تشریح فرمائی ہے یہی ایک قول دوسروں کا بھی منقول ہے۔

اور یہی مجاہد، حسن، قتادہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔

(اور ایک ہی جگہ رکھی رہنے والی بڑی دیگیں) عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ جہاں ڈال دی جاتی تھیں وہاں سے ہل نہ سکتی تھیں۔ بڑی بڑی دیگوں سے متعلق عربی کا شعر ہے:

تروح علی آل المحلق جفنة
کجابیة الشیخ العراقی تفهق

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

اور یہ سب کچھ اللہ نے حضرت سلیمان کو تمام مخلوق انسان و جنات پر احسان و انعام کرنے کے لئے مہیا فرمایا تھا۔ پھر اس کے متعلق شکر کا حکم ہوا آگے فرمایا: اے آل داؤد شکر کرو اور میرے بندوں میں تھوڑے ہیں جو شکر کرتے ہیں۔ اور جنوں کے متعلق فرمایا (اور شیاطین کو۔ جو سب عمارت بنانے والے اور غوطہ خور تھے اور کچھ دیگر زنجیروں میں جکڑے ہوئے) یعنی بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کو عمارتوں کا کام دیتے اور بعض پانی میں سے موتی وغیرہ نکالنے کا کام دیتے اور کچھ نافرمانی کی وجہ سے بیڑیوں میں بندھے ہوتے۔ الغرض اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان کو یہ تعمیر و کائنات کی ایسی ایسی اشیاء سے نوازا تھا جو آپ کے بعد کسی بادشاہ کو نہیں عطا ہوئیں۔

بخاری[1] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] رواه البخاري: حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن محمد بن زياد عن ابي هريرة

ایک عفریت جن نے گزشتہ رات مجھے نماز میں تنگ کیا تاکہ میری نماز خراب کر دے تو اللہ نے مجھے اس پر قدرت دیدی تو میں نے اس کو پکڑ لیا پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کو مناسب نہ ہو تو پھر میں نے اس کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

اسی طرح مسلم اور نسائی نے بھی اس حدیث کو شعبہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم[1] میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز ادا فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا۔ میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں تجھ سے میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھ کو لعنت کرتا ہوں۔ یہ دعا آپ نے تین مرتبہ فرمائی اور اپنا ہاتھ یوں بڑھایا جیسے کوئی کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہوں۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے نماز میں آپ سے ایسی بات کرتے سنا جو پہلے نماز میں نہ سنتے تھے اور ہم نے آپ کو ہاتھ بھی پھیلاتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ایک آگ کا شعلہ لایا تھا تو اس نے کوشش کی تاکہ وہ شعلہ میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی پھر میں نے تین مرتبہ اللہ کی اس پر پوری لعنت کی۔ پھر تین مرتبہ وہ پیچھے ہوا تو میں نے چاہا کہ اس کو پکڑ لوں۔

اللہ کی قسم اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک بندھا ہوا رہتا جس سے مدینے کے بچے اس سے کھیلتے۔ امام نسائی نے بھی محمد بن سلمہ سے اس کو روایت کیا ہے

مسند احمد میں[2] مروی ہے ابو عبید کہتے ہیں میں نے عطاء بن یزید اللیثی کو نماز میں کھڑے دیکھا تو میں ان کے سامنے سے گذرنے لگا تو انہوں نے مجھے واپس کیا پھر کہا مجھے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز ادا کر رہے تھے اور میں پیچھے تھا۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی تو آپ پر قرأت میں شبہ ہونے لگا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

تم نے مجھے دیکھا یہاں ابلیس بھی تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا پھر میں برابر اس کی گردن گھونٹتا رہا حتی کہ میں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ کی انگلی میں اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس کی۔ اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کے ایک ستون سے بندھا ہوا صبح کرتا پھر اس سے مدینے کے بچے کھیلتے۔

لہٰذا جس سے ہو سکے کہ وہ نمازی اور قبلے کے درمیان سے گزرنے کو روکے وہ ایسا کرے۔

ابو داؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

اور کئی بزرگوں نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں سات سو مہر والی اور تین سو باندی والی یعنی باندیاں۔ اور ایک قول اس کے عکس کا ہے اور آپ کو اللہ نے اس کی بھرپور طاقت عطا فرمائی تھی۔

بخاری میں[3] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

ایک مرتبہ سلیمان بن داؤد نے کہا آج رات میں ستر عورتوں پر چکر لگاؤں گا پھر ہر ایک ایک شہسوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ تو آپ کے ساتھی نے آپ کو ان شاء اللہ کہا مگر حضرت سلیمان نے نہ فرمایا۔

تو پھر کسی کو بھی حمل نہ ہوا سوائے ایک عورت کے وہ بھی ایسے بچے کے ساتھ حاملہ ہوئی جس کی ایک جانب گری ہوئی تھی پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو سب جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اور شعیب اور ابو الزناد سے بھی نوے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طریق سے اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور ابو یعلیٰ کی

---

[1] اخرجه مسلم حدثنا محمد بن سلمة المرادي. حدثنا عبد الله بن وهب عن معاوية بن صالح. حدثني ربيعة بن يزيد عن ابي ادريس الخولاني عن ابي الدرداء قال

[2] اخرجه احمد. حدثنا ابو احمد. حدثنا مرة بن معبد. حدثنا ابو عبيد صاحب سليمان قال رأيت عطاء بن يزيد الليثي قائما يصلي الخ

[3] اخرجه البخاري. حدثنا خالد بن مخلد. حدثنا مغيرة بن عبد الرحمن عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة

روایت میں [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات کو ستر عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ہر ایک سے بچہ پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا لیکن آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا تو پھر آپ نے ستر عورتوں کے پاس چکر لگایا تو صرف ایک عورت نے آدھا بچہ جنم دیا اور نبی ﷺ نے آگے فرمایا اگر آپ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو ہر عورت کے بچہ پیدا ہوتا جو راہ خدا میں جہاد کرتا۔

اس کی اسناد صحیح بخاری کی شرط پر ہے لیکن اس طریق سے صاحبین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

[2] مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد نے کہا آج رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک کے بچہ پیدا ہوگا جو راہ خدا میں لڑے گا۔ اور آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا تو کسی کے بچہ پیدا نہ ہوا سوائے ایک عورت کے کہ اس نے بھی بچے کا ایک حصہ جنم دیا تھا آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا اگر آپ ان شاء اللہ کہتے تو سو بچے ہوتے جو راہ خدا میں قتال کرتے۔

امام احمد بھی اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

مسند احمد میں اس [3] طریق سے بھی ایک روایت مذکور ہے اور اسی طریق سے صحیحین میں عبد الرزاق کی حدیث سے اس کی تخریج کیا گیا ہے۔

[4] اور اسحاق بن بشر کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضرت سلیمان کی چار سو آزاد اور چھ سو باندی بیویاں تھیں۔ تو آپ نے ایک ہی رات ہزار کے پاس جانے کا قصد کیا اور وہی بات کی لیکن صرف ایک عورت نے بچہ جنم دیا وہ بھی آدھا تھا اور حضور نے اس موقع پر پھر وہی بات فرمائی۔

لیکن یہ سند اسحاق بن بشر کی حالت کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ شخص منکر الحدیث تھا خصوصاً اس نے صحیح کی احادیث سے بھی مخالفت کی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے ملک کے پورے اختیارات عطا کئے تھے اور آپ کی سلطنت بھی انتہائی وسیع تھی۔ اور لشکروں کی بھرمار تھی۔ اور ایسے ایسے لشکر مختلف اقسام آپ کو عطا ہوئے تھے جو نہ پہلے نہ بعد میں کسی کو ملے جیسے آپ نے فرمایا (اور ہم کو ہر چیز عطا کی گئی ہے) اور دعا کی تھی (کہ اے پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو بے شک آپ خوب عطا کرنے والے ہیں)

اور خدائے تعالیٰ نے یہ نعمتیں اور احسانات عطا کرنے پر بس نہ فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا یہ ہماری عطا ہے چاہیں آپ احسان کریں یا بغیر حساب کے روک لیں یعنی جس کو چاہیں عطا کریں جس کو چاہیں منع کریں۔ آپ سے کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔

اور یہ شان بادشاہت ہے اور شان نبوت یہ ہوتی ہے کہ صرف اللہ کی اجازت سے دیا جائے۔

اور ہمارے پیغمبر عظیم المرتبت محمد ﷺ کو ان دونوں منصبوں میں اختیار دیا گیا تھا پھر آپ نے صرف عبد اور رسول ہونے کو پسند فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے اشارہ دیا کہ عاجزی پسند کریں تو آپ نے عبد اور رسول بننے پر اکتفا کیا۔ پھر اللہ نے آپ کے بعد خلافت کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔

لہٰذا آج تک مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ غلبے کے ساتھ رہے گا اللہ تعالیٰ کا اس میں بڑا احسان ہے۔

اور جب اللہ نے دنیا میں حضرت سلیمان کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا تو ساتھ ہی دوسرے جہاں کی کامیابی کا بھرپور ذکر بھی فرمایا۔

اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔

---

[1] وقال ابو يعلى، حدثنا زهير، حدثنا يزيد، انبانا هشام بن حسان عن محمد، عن ابي هريرة

[2] وقال الامام احمد حدثنا هشيم، حدثنا هشام عن ابن سيرين، عن ابي هريرة

[3] وقال الامام احمد: حدثنا عبد الرزاق انبانا معمر، عن ابن طاؤس، عن ابيه، عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

[4] واسحاق بن بشر عن مقاتل، عن ابي الزناد، وابن ابي الزناد، عن ابيه، عن عبد الرحمن عن ابي هريرة

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور مدت سلطنت اور حیات کا ذکر

اللہ عزوجل کا فرمان عالی ہے: جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی موت کا پتہ ان (جنوں اور انسانوں) کو زمین کے کیڑے ہی نے دیا۔ جو ان کی لاٹھی کو کھاتا رہا، جب آپ گر پڑے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کے عذاب میں نہ رہتے۔ (۱)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابراہیم بن طہمان کی حدیث سے ابراہیم نے عطاء بن سائب سے عطاء نے سعید بن جبیر سے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نماز ادا فرماتے تو سامنے ایک درخت اگا دیکھتے آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام ہے؟ وہ کہتا فلاں۔ آپ پوچھتے تو کس فائدے کے لئے ہے؟ آیا نسل چلانے کے لئے یا کسی دواء کے لئے۔ تو ایک مرتبہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک درخت کو سامنے دیکھا تو اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا خروب۔ آپ نے پوچھا کس چیز کے لئے ہے؟ تو عرض کیا اس گھر کی خرابی ویرانی کے لئے (یعنی آپ کو اشارہ کیا گیا کہ آپ کی وفات قریب ہے۔) تو آپ نے دعا کی اے اللہ جنات پر میری موت کو مخفی رکھنا تا کہ انسان جان لیں کہ جن غیب کا علم نہیں جانتے۔

پھر آپ نے اس درخت کی عصا بنائی۔ اور اس پر ٹیک لگالی اور ایک سال تک یوں ہی کھڑے رہے اور جن کام کرتے رہے۔ پھر لکڑی کو کیڑے نے کھالیا۔ (تو آپ گر پڑے) اور پھر پتہ چلا کہ آپ تو ایک سال سے وفات پا چکے ہیں تو پھر (انسانوں کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب جانتے تو ایک سال تک ذلت کے ساتھ کام میں نہ پھنسے ہوتے۔ ابن عباس نے اسی طرح قرات فرمائی ہے۔

پھر جنوں نے زمین کے کیڑے کا شکریہ ادا کیا پھر وہ پانی کے ساتھ ان کے پاس آنے لگا۔

یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ اور ایک راوی عطاء خراسانی ہیں جن کی حدیث میں نکارت ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن کہیل عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس کو موقوفا نقل کیا ہے۔ اور یہی درستی کے زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔

اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ ابو مالک اور ابو صالح کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مرۃ، ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں ایک ایک دو دو سال اور ایک ایک ماہ بیچ تنہائی میں بسر کرتے تھے اور کبھی اس سے کم و زیادہ مدت بھی رہتے تھے۔ اور اپنا کھانا پانی بھی ساتھ کر لیا کرتے تھے۔ اور جس مرتبہ آپ نے وفات پائی آپ اس میں داخل ہوئے۔ اور وفات کے آثار یوں شروع ہوئے کہ جب بھی آپ صبح کرتے تو بیت المقدس میں کوئی پودا اگا ہوتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا کیا نام ہے؟ وہ کہہ دیتا یہ۔ پھر آپ پوچھتے کہ صرف درخت کے لئے یا کسی دواء کے لئے اگایا گیا ہے؟ عرض کرتا فلاں دواء کے لئے تو آپ اس کو اسی طرح دواء کے لئے استعمال کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نیا پودا اگا اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا "الخروب" یعنی خرابی و ویرانی۔ کہ میرے اگنے سے اب اس گھر کی ویرانی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کس کام کے لئے ہے؟ عرض کیا اس مسجد بیت المقدس کی خرابی و ویرانی کے لئے ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور اللہ پاک اس بیت المقدس کو ویران فرما دیں (ہاں اب میری وفات کا وقت قریب معلوم ہوتا ہے) اور تیرے چہرے پر میری ہلاکت اور مسجد بیت المقدس کی ویرانی لکھی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اس پودے کو اکھیڑا اور اپنے ایک باغ میں لگا دیا۔ پھر آپ دوبارہ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا مبارک کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز شروع ہو گئے اور اسی حالت میں کھڑے کھڑے وفات ہو گئی اور حالت اسی رہی کہ شیاطین و جن کو قطعاً آپ کی وفات کا علم نہ ہوا۔

---

(۱) سبا ۱۴

اور جن بدستور سب کے سب پہلے کی طرح اپنے اپنے کام میں منہمک رہے کہ کہیں نکل کر نہ آ جائیں۔ کچھ اور شیاطین جن اسی دوران آپ کی محراب کے قریب گروہ در گروہ جمع ہو جاتے تھے اور محراب میں آگے کی پیچھے کی کھڑکیاں تھیں۔

اور شیطان تو شیطان ہوتے ہیں۔ یہ ایک جانب سے داخل ہوتے اور دوسری جانب سے نکل جاتے اگر کسی کی نظر حضرت سلیمان علیہ السلام پر پڑ جاتی تو وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ مگر پھر بھی ادھر آتے تھے تو ایک شیطان اسی غرض سے داخل ہوا کہ دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ اندر گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آواز یا آہٹ سنائی نہ دی اور نہ ہی جلا تو ہمت کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا اور دیکھا کہ وہ تو مرے پڑے ہیں تو شیطان فوراً نکلا اور سب کو خبر دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو کب کی موت آ چکی ہے لوگوں نے دروازہ کھول کر آپ کو اٹھا کر دیکھا کہ لاٹھی کو تو دیمک کیڑا اندر ہی اندر کھوکھلا کر گیا ہے۔ لیکن اب یہ پتہ نکالنا باقی رہ گیا کہ کتنی مدت سے ان کی وفات ہو گئی تو انہوں نے دیمک کیڑے کو ایک دوسری لاٹھی پر رکھا اور وہ کیڑا دن رات اس کو کھاتا رہا پھر حساب سے پتہ چلا کہ تقریباً ایک سال پہلے آپ وفات پا چکے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قرأت ہے۔ پھر تمام جن و شیاطین ایک پورے سال تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے علم نہ ہونے پر پہلے کی طرح مشقت والی سخت محنت سے کام کاج میں مصروف رہے اور انسانوں نے بھی یقین کر لیا کہ واقعی شیاطین (جن) اگر غیب کا کچھ علم بھی رکھتے تو یوں بے کسی میں مبتلا نہ رہتے اور یہی مطلب ہے قرآن پاک کا۔

(ان کو آپ کی موت کا کسی نے پتہ نہ بتایا سوائے زمین کے کیڑے کے جو آپ کی لاٹھی کو کھاتا رہا پھر آپ گر پڑے تو جنوں نے یقین کر لیا کہ اگر غیب کو جانتے تو ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔)

تو اس طرح لوگوں کو بھی علم ہوا کہ شیطان غیب کا علم نہیں جانتے۔ پھر شیطانوں نے دیمک کیڑے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اگر تو کھانا طلب کرے تو ہم سب سے اچھا کھانا تجھے مہیا کریں گے اور اگر کوئی مشروب پسند کرے تو سب سے اچھا مشروب تجھے لا کر دیں گے لیکن اتنا تو ہم ضرور کریں گے کہ تجھے پانی اور مٹی پہنچاتے رہیں گے۔

یہی کہا جاتا ہے کہ اب جہاں بھی یہ کیڑا ہوتا ہے وہاں اس کو پانی اور مٹی مل جاتی ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھروں میں لکڑی کے بیچ میں صندوں میں مٹی ہوتی ہے۔ یہ شیطان اس کا شکر ادا کرنے کے لئے مہیا کرتے ہیں۔

لیکن یہ صاف اسرائیلیات میں سے اس روایت میں داخل کر دیا گیا ہے جس کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب۔

ابوداؤد شریف میں [1] حضرت خیثمہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام نے ملک الموت کو کہا کہ جب میری روح قبض کرنے کا ارادہ ہو تو مجھے اس کے متعلق بتلا دے۔ ملک الموت نے کہا یہ میرے بس کی بات نہیں کہ میں اس کا علم آپ کو دے سکوں کیونکہ مجھے تو ایک پرچہ دیا جاتا ہے جس میں مرنے والوں کے نام درج ہوتے ہیں۔

[2] عبدالرحمن بن زید سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت کو کہا جب تجھے میرے متعلق حکم ملے تو مجھے بتلا دینا۔ تو ملک الموت ان کے پاس آئے اور کہا اے سلیمان مجھے آپ کے متعلق حکم مل چکا ہے اب آپ کی عمر سے تھوڑی سی گھڑی رہ گئی ہے۔ تو آپ نے شیاطین کو بلایا اور ان سے کروایا ایک شیشے کی عمارت بنائی جس کا دروازہ نہ تھا۔ آپ اس میں عصا پر ٹیک لگا کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ پھر ملک الموت داخل ہوئے اور روح قبض کر لی اور آپ نے یہ فعل محض ملک الموت کی وجہ سے فرار کیلئے نہیں کیا تھا (نعوذ باللہ) بلکہ اس کا عظیم مقصد یہ تھا کہ شیاطین کو علم ہو جائے شیاطین کام میں لگے رہتے تھے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ غیب ہے۔

پھر اللہ نے گھن کھانے والے کیڑے کو بھیجا جو لاٹھی کو کھاتا رہا حتیٰ کہ اندر سے لاٹھی کھوکھلی ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا وجود سنبھال نہ سکی اور آپ گر گئے۔ جب جنوں نے یہ صورت دیکھی تو فوراً بھاگ گئے اور کام کاج چھوڑ دیا۔

---

[1] رواه ابو داود في كتاب القدر حدثنا عثمان بن ابي شيبة حدثنا سفيان عن الاعمش، عن خيثمة،

[2] رواه اصبغ بن الفرج وعبدالله بن وهب، عن عبدالرحمن بن زيد بن اسلم قال ... الخ

سو یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان باری کا ان کی موت کا علم ان کو گرنے کے بعد ہی ہوا۔۔۔۔۔ الخ

اسحاق بن بشر محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اور آپ زہری وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صرف باون سال زندہ رہے اور آپ کی بادشاہت چالیس سال رہی۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہمیں ابو روق نے عکرمہ سے نقل کر کے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بیس سال رہی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر پچاس سے کچھ سال اوپر تھی۔

اور آپ نے اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں بیت المقدس کی بنیاد کی ابتداء کی۔

اور آپ کے بعد آپ کا فرزند رحبعام سترہ سال بادشاہ رہا۔ ابن جریر نے اسی کو روایت کیا۔

اور فرمایا اس کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔

بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء کے قصے جن کا زمانہ متعین طور پر معلوم نہیں مگر یہ یقینی ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد اور حضرت زکریا علیہ السلام و یحییٰ علیہما السلام سے قبل کے ہیں

شعیا بن امصیا علیہ السلام کا قصہ

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ زکریا اور یحییٰ علیہم السلام سے پہلے تھے اور آپ ان انبیاء میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ اور محمد علیہما السلام کی خوشخبری دی تھی۔ اور آپ کے زمانے میں حزقیاہ نامی بادشاہ بیت المقدس کے علاقوں میں بنی اسرائیل کا حاکم تھا اور یہ حضرت شعیا علیہ السلام کا تابعدار اور انتہائی نیک شخص تھا۔ اور بنی اسرائیل میں بڑے حوادثات رونما ہو رہے تھے اور طرح طرح کی بدعتیں جنم لے چکی تھیں۔ اس پر آشوب دور میں بادشاہ وقت بھی بیمار ہو گیا اور اس کی ٹانگ میں ایک پھوڑا نکلا۔ اس طرح سلطنت میں کمزوری پیدا ہو گئی اور بابل کے بادشاہ سنحاریب نے بیت المقدس پر لشکر کشی کی ٹھان لی۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بابل کا بادشاہ اس قدر کثیر تعداد فوجیں لے کر آیا تھا کہ چھ لاکھ جھنڈوں تلے اس کا لشکر تھا (اور جھنڈا تھا تو ہر جھنڈے کا حساب ہو تو اس لشکر کی تعداد کا شمار کس قدر کثیر ہوگا)۔

تو بنی اسرائیل انتہائی سخت پریشانی اور گھبراہٹ میں پھنس گئے۔ بادشاہ نے پیغمبر شعیا علیہ السلام کو کہا کہ سنحاریب اور ان کے لشکروں کے متعلق کچھ اللہ نے آپ پر وحی فرمائی ہے؟ فرمایا ان کے متعلق کچھ بھی نازل نہیں ہوا۔ پھر وحی آئی کہ بادشاہ کی موت کا وقت قریب آچکا ہے بادشاہ کو آپ علیہ السلام نے خبر دی بادشاہ نے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھی اور اللہ کی تسبیح بیان کی اللہ کے حضور خوب گریہ وزاری کی آپ انتہائی خلوص قلب اور پورے توکل و صبر کے ساتھ اللہ سے دعا کر رہے تھے۔

> اے اللہ بادشاہوں کے بادشاہ اور معبودوں کے معبود اے رحمٰن اے رحیم اے وہ ذات جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند مجھے میرے عمل اور بنی اسرائیل پر اچھی حکومت کے ساتھ یاد رکھ اور یہ تمام چیزیں آپ کی ہی طرف سے ہوئی آپ میری دلی خواہش کو خوب جانتے ہیں میرے ظاہر اور پوشیدہ کو بھی میرے مالک تو

تو اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی اور خوشخبری دی کہ اللہ نے بادشاہ کے رونے پر رحم کر دیا ہے اور اس کی عمر میں پندرہ سال کی مدت کا اضافہ فرما دیا ہے اور اس کے دشمن سنحاریب سے نجات دے دی ہے تو حضرت شعیا نے اس کو خوشخبری دی تو اس کی ساری بیماری و تکلیف جاتی رہی اور غم و شر اور رنج و خوف بھی جاتا رہا اور سجدہ ریز ہو کے عرض گزار ہوئے۔

اے اللہ آپ ہی سلطنت جسے چاہیں دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں اور آپ ہی ہیں جو ذلت عزت کے مالک ہیں اور جسے چاہیں ذلت سے دوچار کریں۔ ہر غائب اور حاضر کو جاننے والے ہیں آپ ہی اول بھی ہیں اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔ آپ ہی رحم کرتے ہیں اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔

تو اس طرح بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے رب کائنات کی گریہ و زاری کر کے مراد پالی تو اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی کی کہ تین (انجیر) کا پانی اس کے پھوڑے کے زخم پر رکھ دیں تو وہ صحت یاب ہو کر شفا پا جائیں گے تو حضرت شعیا علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے شفا بخش دی۔

ادھر سنحاریب کے لشکروں پر اللہ نے موت کی وبا پھیلا دی اور صبح کو کلک کرتے ہوئے سب ہلاک ہو گئے سوائے سنحاریب اور اس کے ساتھ پانچ آدمیوں کے ان پانچ میں بخت نصر بھی تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے بادشاہ صاحب نے ان کے پاس لشکر کے کچھ آدمی بھیجے جو ان کو گرفتار کر لائے اور ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر رسوائی و ذلت کی خاطر شہروں میں ستر دن تک گھمایا گیا اور ہر ایک کو ایک دن میں جو کی دو دو روٹیاں کھلائی جاتی تھیں۔ پھر ان کو

پابند سلاسل کر دیا گیا۔ پھر اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ بادشاہ کو کہیں کہ ان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ جا کر اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔

جس کو آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور خود بھگت چکے ہیں۔ لہٰذا یہ سب چھوڑ دیے گئے واپس جا کر سنحاریب نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے ساری صورت حال بیان کی۔ پھر کاہنوں اور جادوگروں نے کہا:

ہم نے پہلے ہی آپ کو ان کے رب اور ان کے نبی کی شان بیان کر دی تھی مگر آپ نے اطاعت نہیں کی۔ اور یہ ایسی جماعت ہے جب تک رب ان کے ساتھ ہے یہ ہلاک نہیں ہو سکتی۔

اور سنحاریب کو اللہ کی طرف سے خوف دلایا گیا۔ پھر سنحاریب نے اپنی زندگی کے بقیہ سات سال پورے کیے اور اس کی موت ہو گئی۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بنی اسرائیل کے بادشاہ حزقیا رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے تو ان کے بعد بادشاہت کی تکرار میں امور سلطنت درہم برہم ہو گئے اور شر و فساد بڑھ گیا۔ تو اللہ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی تو آپ بادشاہ اور اس کے ارکان سلطنت کے بیچ کھڑے ہو کر وعظ کہنے لگے اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا، اس کے عذاب و ہلاکت سے ڈرایا۔ آپ اپنی بات پوری کر کے فارغ ہوئے تو یہ آپ کی طرف دوڑے تاکہ پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ لیکن آپ بھاگ گئے اور ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ تو فوراً اس نے پھٹ کر اپنا سینہ آپ کی پناہ گاہ کے لیے پیش کر دیا آپ اس میں داخل ہو گئے لیکن شیطان نے آپ کے کپڑے کا کنارہ نکال لیا تو باہر سے پہچان لیا گیا کہ یہ کپڑا انہی کا ہے۔ پھر یہ لوگ آرا لائے اور درخت کے اوپر رکھ کر درخت کو چیر ڈالا اس طرح ساتھ میں ایک معصوم نبی خدا کی پاکیزہ شخصیت کے جسم کو بھی چیر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ارمیا بن حلقیا علیہ السلام کا قصہ
جو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی آل میں سے تھے

ان کے متعلق ایک قول حضرت خضر علیہ السلام ہونے کا بھی ہے جس کو ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ احتمال غریب (اجنبی) بات ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ ارمیا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے بعد ان کے خون کے پاس گئے جو کہ جوش مار رہا تھا جس کے سبب بہت عذاب آیا تو آپ نے اس کو کہا اے خون تو نے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے لہٰذا اب ٹھہر جا۔

تو وہ خون ٹھہر گیا اور زمین کے اندر جذب ہو کر غائب ہو گیا۔

[1] ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

اے پروردگار آپ کے بندوں میں سے آپ کو سب سے محبوب بندہ کون ہے؟ فرمایا کہ جو سب سے زیادہ میرا ذکر کرنے والے ہیں اور مخلوق کے ذکر سے ہٹ کر میرے ذکر میں مشغول رہیں۔

جن کو فنا ہونے کا وسوسہ لاحق نہیں ہوتا اور نہ اپنے دلوں میں ہمیشگی کا خیال لاتے ہیں جب ان کو دنیا کی عیش ملتی ہے تو وہ اس کو قلیل سمجھتے ہیں اور جب ان سے اس کو روک لیا جائے تو خوش ہوتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے میں نے اپنی محبت کو لازم کر دیا ہے۔

اور میں ان کو ان کی انتہائی طلب سے بہت زیادہ عطا کرتا ہوں۔

بیت المقدس کی ویرانی کا افسوسناک ذکر

فرمان باری ہے:

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب پہلے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے بندے بھیجے۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا تو (ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھس گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کر دیں۔

---

(۱) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنی علی بن ابی مریم ، عن احمد بن حباب ، عن عبداللہ بن عبید بن عمیر قال

امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔(1)

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی جب بنی اسرائیل میں گناہ بہت پھیل چکے تھے۔ کہا اے پیغمبر! اپنی قوم کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو کہو۔

کہ ان کے دل تو ہیں ...... پر وہ سمجھتے نہیں
ان کی آنکھیں تو ہیں ... پر دیکھتی نہیں
ان کے کان تو ہیں ... پر سنتے نہیں

میں نے ان کے آباؤ اجداد کی صلاح و فلاح کو یاد کیا تو ان کے بیٹوں کی کامیابی کی راہ کا خیال آیا۔ لہٰذا ان سے سوال کرو کہ انہوں نے میری اطاعت کے مزے پانے کے بعد کیا پایا؟ اور کیا جن لوگوں نے میری نافرمانی کی وہ کامیاب ہو گئے؟

کیا جس نے میری اطاعت کی وہ میری اطاعت کے ساتھ کبھی بدبخت ہوا؟ چوپائے بھی اپنے گھروں کو یاد کر کے وہیں ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ اس کام کو چھوڑ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے میں نے ان کے آباؤ اجداد کو عزت بخشی اور ان کی نسل اس کے علاوہ راستے میں عزت و کامیابی کی تلاش کرنے لگی۔ ان کے علماء و احبار نے میرے حق کا انکار کر دیا اور ان کے قاری لوگ میرے غیر کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے عبادت گزار لوگ اپنے طور سے نفع اٹھانے والے ہو گئے۔ اور ان کے بادشاہ اور حکمران میرا اور میرے رسولوں کا انکار کرنے لگے۔ انہوں نے مکر و فریب کو اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ اور اپنی باتوں پر جھوٹ کا ملمع کر دیا ہے۔ بس یہ سب کچھ!

میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں، اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ ان پر ایسے لشکر مسلط کروں گا جو ان کی زبان تک نہ جانیں گے۔ ان کے چہروں کو نہ پہچانیں گے۔ ان کے آنسوؤں اور آہ و بکا پر رحم نہ کریں گے۔ میں ان میں ایسے سخت دل ظالم و جابر بادشاہ بھیجوں گا۔ جس کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کثیر ہوں گے۔

ان کے جھنڈوں کی پھڑپھڑاہٹ شاہین پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ کی طرح ہوگی۔ ان کے شہسواروں کے حملے عقاب کی طرح ہوں گے۔ اور آبادیوں کو بار بار برباد کریں گے۔ اور بستی بستی کو وحشت زدہ کر دیں گے۔ ہائے افسوس ایلیاء اور اس کے باشندوں پر! میں ان کو قتل کے لئے ذلیل و خوار کروں گا۔ اور ان پر غلاموں کو مسلط کر دوں گا۔ ان کی دلہنوں کی چیخ و پکار بلند ہوگی۔ ساتھ میں گھوڑوں کے ہنہنانے، بھیڑیوں کے بھونکنے کی آواز پیدا کر دیں گے۔ اور محلات اور عمارتوں کو کھنڈر بنا دوں گا۔ گرد و غبار، چیخ و پکار ہر طرف چھا جائیں گے۔ عزت کے بعد ذلت سے دوچار ہوں گے۔ نعمت و عیش کے بعد غلامی و ذلت میں چلے جائیں گے۔ ان کی عورتوں کو عطر و خوشبو کے بعد مٹی میں بسا دوں گا۔

اور ان کے نرم و ملائم قدموں پر دشمن مسلط ہو جائیں گے۔ ان کے جسموں کو میں زمین کا فرش اور خاک بنا دوں گا۔

ان کی ہڈیوں کو آفتاب کی تپش کے حوالے کر دوں گا۔ طرح طرح کے عذاب میں ان کو ڈالوں گا۔ پھر میں آسمان کو حکم کروں گا وہ ان کے لئے لوہے کے طبقوں میں بدل جائے گا اور زمین تانبے کی طرح سخت ہو جائے گی۔ سو اگر آسمان کچھ برسائے گا تو زمین کچھ نہ اگائے گی۔ اگر اس کی روئیدگی میں کچھ اگا تو میں اپنی رحمت سے صرف جانوروں کے لئے اگاؤں گا۔

پھر میں کاشت کے زمانے میں اس کو آسمانی پانی سے روک دوں گا اور کٹائی کا وقت ہوگا تو پانی برسا دوں گا۔ پھر اگر کچھ کھیتی ہو گئی تو میں اس پر آفت نازل کر دوں گا۔ پھر اگر کچھ بچ بھی رہا تو اس سے برکت کو کھینچ لوں گا۔

پھر یہ پکاریں گے تب بھی ان کی پکار نہیں سنوں گا۔ اگر سوال کریں گے تو عطا نہ کروں گا۔

اگر یہ آہ و زاری کریں گے تو رحم نہ کروں گا۔ اگر تضرع و زاری اور عاجزی کا اظہار کریں گے تو اپنا چہرہ ان سے پھیر لوں گا۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی الفاظ کے ساتھ اس کو روایت فرمایا ہے۔

---

(1) اسراء ۸

اسحاق بن بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ادریس نے خبر دی کہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو ان میں بڑی معصیت و گمراہی عام ہو رہی تھی اور وہ گناہوں میں لت پت تھے یہاں تک کہ قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے تو جب ان کی سرکشی انتہائی حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان کے متعلق مسلط کرنے کا فیصلہ فرما دیا اور اس کے دل میں ڈالا کہ ان پر لشکر کشی کرے اور ان سے انتقام لے تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت بنی اسرائیل کے لئے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی۔

میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والا ہوں اور ان سے انتقام لینے والا ہوں لہٰذا آپ بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو جائیں میری وحی اور حکم آپ کو پہنچے گا تو حضرت ارمیا علیہ السلام اٹھے اور (رنج و غم سے) اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر خاک ڈالی اور سجدہ میں گر پڑے اور عرض کیا۔

اے پروردگار میری تمنا تھی کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا کہ آپ نے مجھے بنی اسرائیل کا آخری نبی بنایا کیا بیت المقدس اور بنی اسرائیل میری وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں؟

اللہ نے فرمایا کہ سر اٹھاؤ حضرت ارمیا علیہ السلام نے سر اٹھایا اور پوچھا۔

اے پروردگار آپ ان پر کس کو مسلط فرمائیں گے؟ فرمایا آگ کی پرستش کرنے والوں کو جو میرے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ مجھ سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اے ارمیا اٹھو اور میری وحی غور سے سنو میں تمہیں بنی اسرائیل کی اور تمہاری خبر دیتا ہوں۔

میں نے تخلیق سے قبل تجھے پسند کر لیا تھا اور تیری ماں کے رحم میں تیری صورت بنانے سے پہلے تجھے برگزیدہ کیا تھا اور تیری ماں کے شکم سے نکلنے سے پہلے تجھے پاکیزہ کر دیا تھا اور تیری بلوغت سے پہلے تیری پرورش کی تھی اور تیرے جوانی کی عمر پہنچنے سے قبل ہی تجھے منتخب کر لیا تھا اور امر عظیم کے لئے تجھے مقرر کر دیا تھا پس تو بادشاہ کے ساتھ رہ اور اسے راہ راست دکھا اور اس کی رہنمائی کر۔

تو حضرت ارمیا علیہ السلام بادشاہ کے ساتھ رہے اور اسے رشد و ہدایت کی راہ دکھاتے رہے اور ان پر وحی آتی رہی حتیٰ کہ ان میں گناہ بہت بڑھ گئے اور شر پھیل گیا اور وہ بھول گئے کہ اللہ نے کیسے ان کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی کہ سنحاریب اپنے چھ لاکھ لشکر کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑا تھا تو اللہ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ کھڑے ہو جاؤ میں جو کچھ تمہیں حکم دیتا ہوں ان کو بیان کر دو ان پر میری نعمتوں کو ذکر کرو اور ان کی برائیوں پر متنبہ کرو تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار اگر آپ مجھے طاقت نہ دیں تو میں ضعیف ہوں اور میں عاجز ہوں اگر آپ مجھے ہمت نہ دیں۔ میں خطا کار ہوں اگر آپ مجھے درست راہ پر گامزن نہ کریں میں رسوا ہونے والا ہوں اگر آپ میری مدد نہ کریں اور مجھے عزت نہ دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ تمام امور میری مشیت ہی کے ساتھ انجام پاتے ہیں اور تمام مخلوق اور تمام کلام میری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تمام قلوب اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں میں جیسے چاہوں ان کو پھیر دوں پس تم میری اطاعت کرو میں اللہ ہوں میرے مثل کوئی چیز نہیں ہے میرے کلمہ کے ساتھ ہی تمام چیزیں قائم ہیں اور آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں موجود ہے سب قائم ہیں اور وہ میرے ساتھ خاص ہے اور جو میرے پاس ہے میرے سوا کوئی نہیں جانتا اور میں وہ ذات ہوں جس نے سمندر سے بات کی تو وہ میری بات سمجھ گیا اور میں نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے اطاعت کی اور میں نے ان پر حد مقرر کی پس وہ اس حد سے تجاوز نہیں کرتے اور سمندروں کی موجیں پہاڑوں کی طرح آتی ہیں جب وہ میری حد کے پاس پہنچتی ہیں تو وہ عاجزی و ذلت سے میرے حکم کا لباس پہن لیتی ہیں اور میری بات کا اعتراف اور خوف ان پر طاری ہو جاتا ہے۔

(اے ارمیا) میں تیرے ساتھ ہوں اور کوئی چیز تجھ کو میرے ساتھ ہوتے ہوئے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور میں نے تجھے ایک خلق عظیم کی طرف بھیجا ہے تاکہ تو میرے احکامات ان کو پہنچائے اس طرح تیرے لئے ہر اتباع کرنے والے کا اجر بھی حاصل ہو جائے اور ان کے اجر سے بھی کچھ کمی نہ ہو تو اپنی قوم کے پاس جا اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو کہہ کہ اللہ عزوجل نے تمہارے آباء و اجداد کی نیکی کو یاد رکھا ہے اس لئے تم کو بھی باقی رکھا ہے اے انبیاء کی اولاد تمہارے آباء نے میری اطاعت کا کیسا ثمرہ پایا اور تم نے میری نافرمانی کو کیسا پایا؟ کیا تم نے ایسا شخص دیکھا جس نے میری نافرمانی کی اور پھر وہ میری نافرمانی کے ساتھ کامیاب و کامران ہو گیا؟ اور کیا ایسا کوئی شخص ہے جس نے میری اطاعت کی پھر وہ میری اطاعت کے ساتھ نامراد ہو جاتا ہے تحقیق چوپائے بھی اپنے گھروں کو یاد کرتے ہیں اور ان کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور یہ قوم ہلاکت کی چراگاہوں میں چرتی ہے اور اس

امر کو چھوڑ بیٹھی ہے جس کی بدولت میں نے ان کے آباء کا اکرام و اعزاز کیا اور یہ ان کی اولاد اس کے علاوہ دوسرے راستے میں کرامت و عزت کو تلاش کرنا شروع ہوئی ہے۔

ان کے احبار (علماء) اور رہبان (تارک دنیا عابد) نے میرے بندوں کو اپنا غلام بنا لیا کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور میری کتاب کے علاوہ کے ساتھ انہوں نے لوگوں کو جاہل بنا دیا ہے اور میرا ذکر بھلا دیا ہے اور لوگوں کو مجھ سے دھوکے میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے حتیٰ کہ میرے بندے جن کو میری عبادت کے سوا کسی کی عبادت لائق نہیں تھی انہوں نے ان کو اپنا معبود و پروردگار بنا رکھا ہے۔

اور ان کے امراء اور ملوک میری نعمتوں کی وجہ سے اکڑ گئے ہیں اور میرے مکر سے مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور دنیا نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے اور میری کتاب انہوں نے پھینک دی ہے اور میرے عہد و پیمان کو بھول بیٹھے ہیں میری کتاب میں تحریف و تغیر کرتے ہیں اور مجھ سے جرأت کرتے ہوئے اور میرے ساتھ فریب میں مبتلا ہوتے ہوئے میرے رسولوں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ میری بزرگی پاک ہے میرا مرتبہ و مکان بلند و بالا ہے میری شان عظیم ہے کیا کوئی میری سلطنت میں شریک ہو سکتا ہے؟ کیا کسی بشر کے لئے جائز ہے کہ وہ میری معصیت میں کسی کی اطاعت کرے؟ اور کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کروں کہ وہ میرے سوا غیر کو شریک ٹھہرائیں؟ یا میں کسی کو اپنے خلاف کسی کی اجازت دے سکتا ہوں؟ ان کے قراء اور فقہاء جو علم دین پڑھتے ہیں بادشاہوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو وہ ان کو میرے دین کی بدعت و تحریف میں آگے لاتے ہیں اور یہ قراء و فقہاء میری معصیت میں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں اور میری عہد شکنی کرتے ہیں۔ جو جانتے ہیں ان سے عمل کے جاہل ہیں کیونکہ اس علم سے نفع نہیں اٹھاتے اور نبیوں کی اولاد مقہور و مغلوب اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہیں۔ خوب گفتگو کرتے ہیں اور پھر میری مدد کی اس طرح تمنا کرتے ہیں جس طرح ان کے آباء پر ہوئی تھی اور خیال کرتے ہیں کہ وہی ان سب چیزوں کے بغیر سچائی و عمل کے مستحق ہیں اور ان کو یہ یاد نہیں کہ ان کے آباء نے کیسے کیسے صبر و استقامت سے کام لیا اور جب لوگ کفر میں پڑنے والے دھوکے میں پڑ گئے تو وہ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے اپنی جانوں اور خون کا نذرانہ میرے دین اور میرے کام کی عزت میں پیش کر دیا تھا، پس ان کی وجہ سے ان کو میں نے مہلت دی کہ یہ مجھ سے شرمسار ہو کر واپس آ جائیں۔ میں نے ان کو کمال درجہ کی مہلت سے نوازا اور درگزر کیا اور ان کی عمر کو دراز کیا اور ان کو عذر کا موقع دیا تا کہ نصیحت پکڑیں اور سب کچھ میں نے ان کی خاطر کیا، آسمان سے بارش برسائی، زمین کو سرسبز کیا، ان کو امن و عافیت سے نوازا اور دشمنوں پر غلبہ دیا لیکن پھر بھی یہ طغیانی و سرکشی میں بڑھتے اور مجھ سے دور ہوتے چلے گئے ہیں کب تک یہ صورت حال رہے گی؟ کیا یہ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ میرے سامنے اکڑتے ہیں؟ مجھے دھوکہ دیتے ہیں؟ مجھ پر تہمت و بہتان کرتے ہیں؟ میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں میں ان کو ایسے فتنے میں مبتلا کروں گا جس میں عقلمند کی عقل بھی حیران رہ جائے گی اور دانشمندوں کی رائے ضائع ہو جائے گی اور حکیم کی حکمت کا راستہ کھو جائے گا، پھر میں ان پر ایسے سخت ظالم جابر بادشاہوں کو مسلط کروں گا جن کے دلوں کو رعب و ہیبت اور وحشت سے بھر دوں گا اور نرمی اور مہربانی و رحمت ان کے دلوں سے نکال دوں گا اور میں نے قسم اٹھائی ہے کہ ان کے پیچھے ایسے عظیم و کثیر لشکروں کے جتھے ہوں گے جو سیاہ رات جیسے سیاہ ہوں گے ان کے لشکر بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح پھیلے ہوں گے ان کے جھنڈوں کی پھڑپھڑاہٹ گدھوں کی اڑان کی طرح ہوگی اور شہسوار عقاب کی طرح تیزی سے حملے کریں گے بستیوں کو ویرانوں میں بدل دیں گے اور آبادیوں کو جنگلوں میں بدل دیں گے اور زمین میں فساد پھیلا کر رکھ دیں گے خوب خوب ہلاکت و خونریزی کریں گے ان کے قلوب انتہائی سخت ہو چکے ہوں گے نہ کسی سے ڈریں گے نہ رحم کریں گے نہ دیکھیں گے نہ سنیں گے بازاروں میں شیر کی دہاڑ کی طرح آوازیں لگاتے پھریں گے جن کی آوازوں سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے سننے سے ہوش اڑ جائیں گے ایسی زبانوں میں بولیں گے جن کو کوئی نہ سمجھ سکے گا اور ایسے چہرے ہوں گے جن کو کوئی نہ پہچانے گا اور میری عزت کی قسم میں ان کے گھروں کو اپنی کتاب اور اپنی تقدیس سے خالی کر دوں گا ان کی مجالس کو ان کی باتوں اور درسوں سے خالی کر دوں گا اور ان کی مساجد کو ان کے آباد کرنے والوں سے خالی کر دوں گا جو ان کے ذریعے میرے علاوہ غیر کے لئے زینت پاتے تھے اور عبادت وغیرہ کو غیر اللہ کے لئے خوب بجا لاتے تھے اور اس میں شب بیداری کریں گے اور دین کو دنیا کمانے کے لئے سیکھیں گے اور غیر دینی مقصد کی خاطر فقہ سیکھیں گے اور بغیر عمل کی غرض سے علم حاصل کریں گے میں ان کے بادشاہوں کی عزت کے بدلے ذلت سے دوچار کروں گا۔

اور امن کے بدلے خوف دامن گیر کروں گا اور غنی و ثروت اور مالداری کے بدلے فقر و فاقہ کا لباس پہناؤں گا اور نعمت کے بدلے بھوک و

پیاس ہلاک کر ڈالوں گا اور امن و عافیت و سلامتی کے بدلے طرح طرح کے عذابات سے تنگ کروں گا اور دیبا و حریر کے بدلے اون اور موٹے نمدے کی عبا پہنا دوں گا اور عمدہ تیلوں اور خوشبوؤں کے بدلے مرداروں کی لاشیں سپرد کر دوں گا اور تاج و تخت والے لباسوں کے بجائے لوہے اور ڈھالے ہوئے طوقوں سے مزین و آراستہ کروں گا اور ان کے آراستہ محلوں اور مضبوط قلعوں میں رہنے کے بعد ویرانی و بربادی کے سپرد کر دوں گا مضبوط قلعوں اور برجوں کے بجائے ریگستانوں کے علاقے میں رہا کریں گے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کے بجائے بھیڑیوں کی بھوں بھوں سنیں گے اور قندیلوں اور چراغوں کی روشنیوں کے بجائے ہر طرف کی آگ کا دھواں نصیب ہوگا اور ناز و نعمت کے بعد مشقت اور رسوائی کو دیکھیں گے اور عورتوں کو کنگن اور زیورات کے بجائے ہتھکڑیوں سے سابقہ پڑے گا اور موتیوں اور یاقوتوں کے ہار کے بجائے لوہے کے گلے بند ہوں گے اور تیل اور خوشبوؤں کے بجائے گرد و غبار و دھوئیں سے واسطہ ہوگا اور نرم گدوں پر بیٹھنے کے بجائے اپنے شہروں اور بازاروں سے راتوں رات بھاگنا پڑے گا اور پردوں اور زیب و زینت کی بجائے یہ ان پریشان کھلے چہرے لئے شہروں بازاروں سے راہ فرار اختیار کرتے پھریں گے اور زہریلی ہوائیں ان سے ٹکرائیں گی، پھر میں ان کو طرح طرح کے عذاب سے خوب خوب ذلیل و رسوا کروں گا اور ان کو حق کی کرن کا کوئی لالچ ہو اور ہمارا پیارا تمہارا پیارا بنا تو یہ تمام عذابات ان کو کیوں پہنچاؤں گا، پھر میں آسمان کو حکم کروں گا وہ لوہے جیسا ہو جائے گا اور بادلوں میں بند ہو جائے گا اور زمین کو حکم کروں گا وہ پیتل کی طرح سخت ہو جائے گی پھر اگر آسمان برسے گا تو زمین کچھ نہ اگائے گی اور اگر اس دوران کچھ اگا بھی تو اس پر آفتیں نازل ہوں گی اور جو کچھ بچے گا اس سے برکت اٹھا لوں گا اگر وہ مجھے پکاریں گے تو جواب نہ دوں گا اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کریں گے تو ان کو عطا نہ کروں گا اگر روئیں گے تو رحم نہ کروں گا اگر میری طرف عاجزی انکساری اور منت سماجت اور عاجزی پیش کریں گے تو اپنا چہرہ ان سے پھیر لوں گا۔

اگر وہ مجھ سے کہیں گے:

اے اللہ آپ نے ہی اپنی رحمت اور اپنے کرم سے ہم کو اور ہمارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا اور آپ نے ہم کو اپنی ذات کے لئے خاص کیا اور ہمارے اندر نبوت، کتاب اور مساجد کو رکھا، پھر آپ نے ہم کو شہروں میں قدرت دی اور اپنی خلافت سے نوازا، اور آپ نے ہم کو اور ہمارے آباء کو بچپن سے پرورش اور رزق سے احسان فرمایا اور پھر ہم کو اور ان کو اپنی رحمت سے عزت و سربلندی تک پہنچایا، اور آپ ہی پھر نعمت و رحمت سے نوازنے والے ہیں اگر چہ ہم بدل چکے ہیں اور آپ نہیں بدلے، اگر چہ ہم بدل گئے ہیں اور آپ کی نعمت و احسانات اور فضل و کمال ہم پر پورے کئے ہے۔

(تو اگر وہ یہ کہیں گے تو میں ان کو کہوں گا۔

میں اپنے بندوں پر اپنی نعمت و رحمت کی ابتداء کرنے والا ہوں پھر وہ قبول کرتے ہیں تو میں نعمت کو تمام کرتا ہوں اگر وہ مزید چاہتے ہیں تو اضافہ کرتا ہوں اگر وہ شکر کرتے ہیں تو میں مزید عطا کرتا ہوں اگر وہ بدل جاتے ہیں تو پھر میں بھی ان کے ساتھ بدل جاتا ہوں اور جب وہ بدلتے ہیں تو میں غضب میں آجاتا ہوں اور جب میں غضب میں آجاؤں تو پھر ان کو عذاب سے دوچار کرتا ہوں اور پھر کوئی چیز میرے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ پھر حضرت شعیا علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت والجلال میں عرض گزاری اے پروردگار! آپ کی ذات بابرکت کے مثل میں آپ کے سامنے کلام الٰہی کہہ دیا ہوں اور میرے لئے تو مناسب نہیں ہے جب میں اپنی خطاؤں کا اقرار اور ذلت کی بولی کہ میں آپ کے سامنے منہ کھولوں، لیکن آپ نے ہی اپنی رحمت سے مجھے آج کے دن تک زندہ رکھا ہے اور ہر شخص کو آپ کے عذاب سے ڈرنا ضروری ہے اور بنی اسرائیل کا اس نہج تک پہنچ جانا میری کوتاہی کے سبب ہے کہ میں اتنے عرصہ تک ان میں رہا اور پھر بھی یہ میری نافرمانی میں منہمک رہے اور میں ان کو روک نہ سکا بدل نہ سکا، اب اگر آپ مجھے عذاب کریں تو میں اسی کا لائق ہوں اور اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو میرا آپ کے ساتھ اسی بات کا قوی گمان ہے۔

اے پروردگار..... آپ پاک ہیں ہم آپ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور آپ بابرکت ہیں اور بلند و عظمت والے اور آپ بہت بلند ذات ہیں ... کیا آپ اس بستی اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک فرما دیں گے جبکہ یہ آپ کے انبیاء کے مسکن اور پناہ گاہ اور آپ کے گھر کا شہر اور قبلہ ہے اے پروردگار... آپ پاک ہیں اور ہم آپ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور آپ بابرکت اور بلند ذات والے عظمت والے ہیں۔

کیا آپ اس مسجد بیت المقدس کو اور اس کے گرد و پیش مساجد اور ان گھروں کو ویران فرما دیں گے جن کو آپ نے اپنے ذکر کی بدولت بلند کیا اے پاک ذات... کیا آپ اس امت کو تباہ و برباد فرما دیں گے اور ان کو عذاب میں گرفتار کریں گے اور یہ آپ کی محبوب شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں آپ کے ہمراز و نیاز حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی امت ہیں اور آپ کے مقرب کردہ عظیم پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم ہیں؟

اے پروردگار! پھر کونسی بستی اور شہر اس کے بعد آپ کے عذاب و غضب سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ اور کون سے بندے ان کے بعد آپ کے حملہ و جلال سے بچ سکتے ہیں؟

اے پروردگار! کیا آپ اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر آپ کے ہمسایوں کو مسلط فرما دیں گے؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اے ارمیا..... جس شخص نے میری نافرمانی کی وہ میرے عذاب کو ہلکا خیال نہ کرے میں نے ان کے اگلوں کو جو اکرام دیا تھا تو فقط وہ صرف میری اطاعت کی بنا پر تھا اگر ان کے بقیہ لوگ میری نافرمانی کریں گے تو میں ان کو نافرمانوں کے گھروں میں جگہ دوں گا۔ اب تک تو میں اپنی رحمت سے ان کو درگزر کرتا رہا۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار آپ نے ابراہیم کو دوست بنایا اور ان کے طفیل آپ نے ہماری حفاظت فرمائی، اور موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے اپنے ساتھ سرگوشی اور راز و نیاز کرنے کا شرف بخشا۔ پس ہم (ان کے طفیل) آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہماری حفاظت فرمائیے اور ہم پر دشمنوں کو مسلط نہ کیجئے کہ وہ ہمیں اچک لیں۔

تو اللہ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی اے ارمیا میں نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں ہی پاک کر دیا تھا پھر تجھ کو اس دن تک مہلت عطا کی پس اگر تیری قوم یتیموں اور مسکینوں اور فقیروں اور مسافروں کی حفاظت کرتی ان کا خیال رکھتی تو میں ان کو ہر پہلو سے امداد، طاقت و قوت سے نوازتا۔

اور میرے ہاں ان کا ٹھکانا مکان جنت ہوتی جس کے درخت ترو تازہ اور حسین ہیں اور اس کا پانی پاکیزہ ہے وہ پانی کبھی کم نہیں ہوتا اس کے پھل فروٹ کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ خراب ہوتے ہیں۔

لیکن: اے ارمیا میں تو آپ سے بنی اسرائیل کا شکوہ کرتا ہوں کہ میں ان کے لئے انتہائی محبت کرنے والے شفیق چرواہے کی طرح تھا۔ ان کو ہر قسم کے قحط اور ہر تنگی اور پریشانی سے بچاتا تھا۔ اور ان کو سرسبزی و شادابی میں تروتازہ کر رکھا تھا حتیٰ کہ وہ موٹے اونٹوں کی طرح تازی ہو گئے اور ایک دوسرے کو سینگوں سے مارنے لگے ان پر افسوس ہے انتہائی افسوس۔ بے شک میں اس کا اکرام کرتا ہوں جو میرا اکرام کرتا ہے اور میں اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہوں جس کے نزدیک میرا امر ذلیل ہوا ان سے پہلی اقوام میری معصیت سے لرزتی، ندامت اور خوف زدہ ہو جاتی تھی اور یہ میری معصیت کو اعلانیہ طور پر کرتے ہیں حتیٰ کہ مساجد میں بھی اور بازاروں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر درختوں کی چھاؤں میں ہر جگہ گناہ سے پر ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے گناہ کی بو آسمانوں میں بھی بھر گئے ہیں اور زمین بھی بھر گئی ہے یہ پہاڑ بھی ان کے گناہوں سے عاجز آ چکے ہیں۔ زمین کے دور دراز کناروں تک چرند پرند ان سے متنفر ہو گئے ہیں۔ اور یہ کسی جگہ باز نہیں آتے اور میری کتاب سے سیکھے ہوئے سے نفع نہیں اٹھاتے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت ارمیا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان کے پروردگار کے پیغامات اور سب باتیں پہنچا دیں اور انہوں نے وعید و عذاب کو اچھی طرح سن لیا تو آپ کی نافرمانی پر اتر آئے اور آپ کو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کیا اور کہنے لگے آپ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اپنی سرزمین اور اپنی مساجد اپنی کتاب اپنی عبادات اپنی توحید کو بیکار کر دے گا؟ پھر اس کی کون عبادت کرے گا جب زمین میں کوئی عبادت گزار نہ رہے گا اور نہ کوئی مسجد اور نہ کوئی کتاب رہے گی؟ آپ نے اللہ پر بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا ہے اور تحقیق آپ کو جنون لاحق ہو چکا ہے۔

پھر انہوں نے آپ کو پکڑا اور بیڑیوں میں باندھ کر قید کے حوالے کر دیا تب اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر کو بھیجا اور اپنے [illegible]

عظیم لشکر، جس طرح ٹڈیاں فصل پر چھا جاتی ہیں اس طرح کے) لشکر کے ساتھ چلنا شروع ہوا حتی کہ بنی اسرائیل کے علاقوں کے قریب پہنچ گیا پھر ان کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد وہ ...... منظر پیش آیا جس کا تذکرہ قرآن نے کیا فرمایا (پھر وہ شہروں کے درمیان گھس گئے) فرمایا جب ان کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو عاجز آ گئے اور بخت نصر کے حکم کو مان لیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے اور مجوسیوں کے لشکر گلی گلی کوچے کوچے میں گھس گئے یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان الٰہی (۱) کا (پھر وہ شہروں کے درمیان میں گھس گئے) اور بخت نصر نے جاہلیت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان پر سخت حکم جاری کئے اور سخت گیری کی۔

کہ تہائی بنی اسرائیل کو قتل و غارت گری میں نیست و نابود کر دیا اور تہائی کو اپنی غلامی کی ذلت کا لباس پہنا دیا اور صرف لنگڑوں اپاہجوں بوڑھوں بوڑھیوں کو چھوڑ کر ان پر احسان کر دیا۔ اس کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اور بیت المقدس کو منہدم کر دیا اور بچوں کو ساتھ لے لیا اور عورتوں لڑکیوں کو بازاروں میں بے پردہ کھڑا کر دیا اور لڑائی کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالا قلعوں اور محلوں کو ویران کر دیا اور مساجد کو منہدم کر ڈالا اور تورات کو جلا ڈالا۔ پھر بخت نصر نے دانیال علیہ السلام کے متعلق سوال کیا جس کے لئے کتاب لکھی گئی تھی تو بخت نصر نے ان کو شدت میں پایا۔ اور ان کے گھر والوں نے کتاب اس کے حوالے کر دی اور ان کے اہل میں دانیال بن حزقیل (اصغر اور میشائیل اور عزرائیل اور میخائیل تھے۔ پھر بخت نصر اپنے عظیم لشکروں کے ساتھ بیت المقدس کے علاقوں میں داخل ہوا اور پورے وسیع و عریض ملک شام کو روند ڈالا اور بنی اسرائیل کی خوب خونریزی کی حتی کہ ان کو فنا کر دیا۔ پھر ان سے فارغ ہوا تو واپسی شروع کی اور تمام اموال سمیٹ لئے اور قیدیوں کو آگے لگا لیا ان میں سے بادشاہوں اور احبار (علماء) کے قیدی بچوں کی تعداد نوے ہزار بچوں تک جا پہنچی تھی۔ اور بیت المقدس میں گندگی اور کچرے ڈال کر اس کی توہین کی اور سوروں کو اس میں ذبح کیا۔ سات ہزار تمام حضرت داؤد علیہ السلام کی آل اولاد سے تھے۔ اور گیارہ ہزار حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کی اولاد سے تھے۔ اور آٹھ ہزار ایشی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار یعقوب کے دو فرزندان زیالون اور نفتالی کی اولاد سے تھے اور چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ آٹھ ہزار یستاخر بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ دو ہزار زیلون بن یعقوب سے چار ہزار روبیل بن یعقوب اور لاوی بن یعقوب سے اور بارہ ہزار تمام بنی اسرائیل سے الغرض ان تمام کو لے کر بخت نصر چل پڑا حتی کہ اپنی سرزمین بابل میں قدم رکھا۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بخت نصر نے جو کچھ کرنا تھا سب کر لیا تو اس کو کہا گیا۔

کہ ان کا ایک آدمی تھا جو ان کو ان کی اس آفت اور حالت سے ڈراتا تھا اور ان کو سمجھاتا تھا اور آپ کے متعلق ان کو خبردار کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ آپ ان کے بہادروں کو قتل کریں گے اور بچوں کو قید کر دیں گے ان کی مساجد کو منہدم کر دیں گے ان کے کنیسوں (عبادت خانوں) کو نذر آتش کر دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اور اس کو جھوٹا قرار دیا اور تہمت زدہ کر کے مارا اور بیڑیوں میں جکڑ کر قید و بند کے حوالے کر دیا۔

تو بخت نصر نے یہ سن کر حکم جاری کیا پھر حضرت ارمیا علیہ السلام کو جیل سے نکالا گیا پھر بخت نصر نے آپ سے پوچھا: کیا آپ ان کو اس حالت سے ڈراتے تھے؟ فرمایا ہاں بالکل۔ پوچھا: آپ کو یہ پہلے ہی کہاں سے معلوم ہو گیا؟ فرمایا اللہ نے مجھے ان کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا تھا لیکن انہوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا پوچھا اور کیا انہوں نے آپ کو مارا پیٹا اور جیل کے حوالے بھی کیا ہے؟ فرمایا جی!

کہا بہت بری قوم ہے جس نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اور اپنے رب کے پیغام کو جھٹلایا۔ تو اب کیا آپ میرے ساتھ مل سکتے ہیں؟ میں آپ کا اکرام و اعزاز کروں گا اور آپ کی غمخواری کروں گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے وطن بھی چھوڑ دوں گا اور آپ کو امن و امان عطا کروں گا؟ آپ نے فرمایا میں ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہا ہوں۔ اور جب سے میں اللہ کی پناہ اور حکم و تابعداری سے نہیں نکلا تب سے اسی کی امان میں ہوں اگر بنی اسرائیل بھی اس کی تابعداری سے اور اس کی امن و امان سے نہ نکلتے تو وہ بھی تجھ سے نہ ڈرتے اور نہ تیرے کسی غیر سے ڈرتے اور نہ تو ان کا کچھ بگاڑ سکتا تھا۔

---

(۱) الاسراء ۵

بخت نصر نے آپ کی بات مان لی تو آپ کو چھوڑ دیا پھر آپ واپس اپنے مقام ایلیا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ روایت کچھ غریب ہے اور اس میں حکمتیں، نصائح اور عمدہ گفتگو کی خوب ہے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی فرماتے ہیں۔

بخت نصر نے بہراسب بادشاہ وقت کی طرف سے لشکر کشی کا عہدہ پایا تھا۔

اور اس نے بلخ شہر بنایا تھا، جس کا لقب خنساء بھی کہا جاتا ہے اور پھر بخت نصر نے ترکوں سے قتال کیا اور ان کو تنگ جگہوں میں محصور کر دیا اور بنی اسرائیل سے شام میں قتال کرنے کے لیے بھی ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سپہ سالار توریں کا بادشاہ بہمن کو بنایا تو جب بشتاسب بن لہراسب کے بعد تخت نشین ہوا تھا اور اس لشکر کشی کی وجہ یہ بنی کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے رسولوں پر ظلم و ستم ڈھایا تھا۔

اور ابن جریر نے یونس بن عبدالاعلیٰ (1) کے طریق سے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ بخت نصر نے جب دمشق میں قدم رکھا تو وہاں ایک کوڑے سے ملا ہوا خون جوش مارتا دیکھا۔ بخت نصر نے اس کے متعلق ان سے استفسار کیا تو بتایا گیا کہ ہم اپنے آباء کے زمانے سے اس کو اسی طرح دیکھتے آرہے ہیں اور جب بھی اس پر مٹی ڈالتے ہیں پھر یہ خون جوش مار کر اچھلنے لگتا ہے۔

بخت نصر نے اس پر ان سے خوب خونریزی کی حتیٰ کہ ان کے ستر ہزار مسلمان وغیرہ قتل کر دیے پھر کہیں جا کر اس خون کا جوش ختم ہوا۔

روایت کی اسناد سعید بن المسیب تک صحیح ہے اور پہلے حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے گزر چکا ہے کہ یہ خون حضرت زکریا بن یحیی علیہ السلام کا تھا۔

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بخت نصر سے ایک مدت بعد پیدا ہوئے تھے لہٰذا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور پہلے پیغمبر یا پہلے کسی عظیم ولی اللہ کا خون ہے۔ واللہ اعلم۔

ہشام بن کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بخت نصر بیت المقدس آیا تو بیت المقدس کے بادشاہ سے صلح ہو گئی اور یہ بادشاہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آل سے تھا تو اس نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کرتے ہوئے مصالحت کر لی اور بخت نصر خراج اور کچھ یرغمال لے کر واپس چلا گیا۔ بخت نصر جب طبریہ تک پہنچا تو اس کو خبر موصول ہوئی کہ بنی اسرائیل نے اس کے مصالحت کنندہ بادشاہ پر ظلم کیا اور اس سے بغاوت کر کے اس کو قتل کر ڈالا ہے اور یہ سب انہوں نے مصالحت کی وجہ سے کیا۔

پھر تو بخت نصر انتقاماً لشکر سامان سمیت واپس پلٹا اور پورے شہر بیت المقدس کو اجاڑ کر اپنی گرفت میں لے لیا اور جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے لاشوں کا تانتا باندھ دیا ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا۔

راوی نے مزید فرمایا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ جب بخت نصر نے قید میں حضرت ارمیا علیہ السلام کو پایا تھا تو بخت نصر نے آپ کو نکلوایا اور آپ نے ساری آپ بیتی دہرائی تو بخت نصر کہنے لگا کہ بڑی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔

پھر بخت نصر نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا اور آپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا پھر بنی اسرائیل کے باقی ماندہ کمزور بچے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پشیمان نادم ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ہم نے بہت برا کیا اور خود اپنے پر ظلم کیا اب ہم بارگاہ الٰہی میں اپنی خطاؤں سے توبہ تائب ہوتے ہیں۔

لہٰذا آپ اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہماری توبہ کو شرف قبولیت بخش دے تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی کہ یہ اب بھی سچے نہیں ہیں اور اگر یہ سچے ہیں تو آپ کے ساتھ اس شہر میں ٹھہر جائیں۔

آپ نے ان کو وحی سنائی تو وہ کہنے لگے ہم اس شہر میں کیسے ٹھہر سکتے ہیں جب کہ یہ شہر ویران ہو چکا ہے اور اللہ اس کے اہل پر غضب فرما چکے ہیں۔

لہٰذا اس طرح وہ بیت المقدس کی سکونت سے انکار کر گئے۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس زمانے سے اب تک بنی اسرائیل دنیا کے علاقوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ حجاز چلا گیا ایک حصہ یثرب

---

(۱) عن ابن وھب عن سلیمان بن بلال عن یحیی بن سعید الانصاری عن سعید بن المسیب

(مدینے) چلا گیا۔

ایک حصہ وادی قریٰ کی طرف گیا، ایک تھوڑی سی جماعت مصر روانہ ہو گئی۔

تو بخت نصر نے ان تھوڑے سے لوگوں کے لئے شاہ مصر کو پیغام بھیجا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس واپس کر دیا جائے۔ لیکن شاہ مصر نے انکار کر دیا۔

پھر کیا تھا؟ بخت نصر اپنے عظیم لشکر کے ساتھ فوراً روانہ ہوا اور شاہ سے لڑائی کی اور اس پر غلبہ پا لیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا پھر مغربی علاقوں کی سمت چلا حتیٰ کہ مغرب کے آخری علاقوں تک تباہی مچاتا ہوا پہنچ گیا۔

پھر بیت المقدس، مصر، تمام مغربی علاقوں، اردن اور فلسطین کے قیدیوں کا اموال و دولت کو بھی لے کر لوٹ پڑا۔

انہی قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ دانیال بن حزقیل اصغر ہیں نہ کہ اکبر اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی اسی کو بتاتی ہے۔

واللہ اعلم۔

حضرت دانیال علیہ السلام کا قصہ

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[1] عبداللہ بن ابی ہذیل سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ بخت نصر نے دو شیر منگوائے اور دونوں کو ایک اندھے کنویں میں ڈلوا دیا، پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ ڈال دیا لیکن شیروں نے آپ کے ساتھ کوئی بے ادبی یا بیجا اختیار کیا، پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ اس کنویں میں رہے اور جو انسانوں کو بھوک پیاس لگتی ہے آپ کو بھی لگی تو اس کا بندوبست اللہ نے یوں کیا کہ یہاں سے کوسوں دور بیت المقدس میں حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ کھانا وغیرہ تیار کرو تاکہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھلایا جائے۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار ... میں یہاں ارض مقدس میں ہوں اور کہاں وہ ارض بابل سرزمین عراق میں؟ فرمایا جو ہم نے تم کو حکم دیا ہے وہ کرو ہم تمہارے لئے سواری کا بندوبست کر دیں گے تو آپ نے کھانا وغیرہ تیار کر لیا اور اللہ نے سواری بھی فراہم فرما دی حتیٰ کہ آپ آناً فاناً کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے۔

حضرت دانیال نے آواز دے کر پوچھا کون ہے؟ فرمایا میں ارمیا ہوں، پوچھا کیا چیز آپ کو یہاں لائی؟ فرمایا مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے حضرت دانیال نے فرمایا کیا میرے رب نے مجھے یاد فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں تو حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے امیدوار کو اس کی بات کا جواب دیتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو اپنے پر بھروسہ کرنے والے کو غیر کے حوالے نہیں کرتا۔
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو احسان کا بدلہ (اور برائی کا) احسان سے دیتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو صبر کے بدلے نجات مرحمت فرماتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو ہمارے کرب و غم کے بعد ہمیں تکلیف سے چھٹکارا دیتا ہے
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہمارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہمارا گمان برا ہونے لگتا ہے تو وہی اللہ ہماری اعانت کو آتا ہے۔
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ جب ہم سے تمام اسباب کٹ جائیں تو وہی ہماری امیدوں کا محور بن جاتا ہے۔

[2] ابو العالیہ کہتے ہیں جب ہم نے تستر شہر (جو اہواز کے قریب ہے) کو فتح کیا تو ہم نے ہرمزان بادشاہ کے بیت المال میں ایک تخت پایا جس پر ایک شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے پاس ایک مصحف (یعنی کتاب اللہ) تھا۔

تو ہم نے مصحف اٹھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو عربی زبان میں تبدیل کیا پھر عرب میں سے اس کو پڑھنے والوں میں پہلا میں ہی شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا میں نے اس کو ایسے ہی اپنے قرآن کی طرح پڑھا تھا۔

ابو خلدہ بن دینار کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے پوچھا اس میں کیا تھا؟

---

[1] قال ابن ابی الدنیا حدثنا احمد بن عبد الاعلی الشیبانی قال ان لم اکن سمعته من شعیب بن صفوان حدثنی بعض اصحابنا عنه عن الاجلح الکندی، عن عبداللہ بن ابی الہذیل قال

[2] قال یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن ابی خلدۃ بن دینار، حدثنا ابو العالیۃ قال

فرمایا تمہارا حال چلن، معاملات اور تمہارے کلام کی قسمیں وغیرہ اور جو کچھ بعد میں ہونے والا ہے وہ سب تھا۔

میں نے پوچھا پھر آپ لوگوں نے اس میت (شخص) کا کیا کیا؟ فرمایا ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں متفرق جگہوں پر کھودیں، پھر رات کو اس شخص کو ایک قبر میں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو اسی طرح ہموار کر دیا۔

تاکہ لوگوں کو آپ کا پتہ نہ چل سکے اور اس کو نہ کھودیں۔

میں نے پوچھا کہ اس شخص سے کیا امید رکھتے ہیں؟

فرمایا جب بھی آسمان بارش روک لیتا تھا لوگ اس کی چارپائی کو باہر نکالتے تھے جس کی برکت سے ان پر بارش ہوتی تھی۔

پوچھا: آپ اس شخص کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں کہ وہ کون تھا؟ فرمایا اس کو دانیال کہا جاتا تھا۔

پوچھا: آپ کے خیال میں کتنے عرصہ پہلے وہ وفات پا چکا تھا؟ فرمایا تین سو سال۔

پوچھا پھر بھی اس کے جسم میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں ہوا؟ فرمایا ہاں گدی پر کچھ بال (بدل گئے تھے) کیونکہ انبیاء کے اجسام کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ ان کو درندے کھا سکتے ہیں۔

اس روایت کی اسناد ابو العالیہ تک صحیح ہے۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اگر ابو العالیہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی تاریخ وفات یعنی تقریباً تین سو سال کو درست تصور قرار دیا جائے تو پھر یہ شخص نبی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کوئی مرد صالح ہوگا، کیونکہ بخاری کی صحیح حدیث کے مطابق حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گزرا۔

اور ان دونوں پیغمبروں کے درمیان چار سو سال کا عرصہ ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق چھ سو سال اور ایک قول کے مطابق چھ سو بیس سال کا عرصہ ہوا ہے اور حضرت دانیال علیہ السلام کی وفات کو اندازاً تین سو سال کا عرصہ حضور سے پہلے گزر چکا تھا اگر وہ حقیقت میں حضرت دانیال علیہ السلام ہی ہیں تو پھر یہ عرصہ مناسب نہیں لگتا ہے اور خیال قرین قیاس بھی لگتا ہے کہ یہ حضرت دانیال ہوں کیونکہ ان کو فارس کے بادشاہ نے قید میں ڈال دیا تھا جیسے پہلے گزر چکا۔

اور حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ تک صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی ناک کی لمبائی ایک بالشت تھی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک عمدہ سند کے ساتھ مروی ہے کہ ان کی ناک کی لمبائی ایک ہاتھ تھی اس صورت میں احتمال ہے کہ یہ بہت پہلے کے انبیاء میں سے ہوں۔ ابو بکر بن ابی الدنیا نے احکام مقبور کتاب میں کہا کہ[1] ابو الاشعث الاحمری سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنے پروردگار عزوجل سے دعا کی کہ ان کو امت محمدیہ ﷺ دفنائے۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر فتح کیا تو حضرت دانیال علیہ السلام کو ایک تابوت میں پایا جن کی رگیں اور سارا جسم اپنی حالت پر بالکل برقرار تھے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو دانیال کا پتہ بتائے گا تو تم اس کو جنت کی خوشخبری دے دینا۔

تو جس شخص نے ان کے متعلق اطلاع دی اس کا نام حرقوص تھا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ بھیجا تو آپ نے جواب بھیجا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کر دو اور حرقوص کو میرے پاس بھیج دو کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔

یہ روایت اس طریق سے مرسل ہے اور اس کے محفوظ ہونے میں نظر ہے واللہ اعلم۔

[2] پھر ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت دانیال علیہ السلام کے ساتھ ایک مصحف اور مٹکا جس میں

---

[1] حدثنا أبو بلال محمد بن الحارث بن عبد الله بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري، حدثنا أبو محمد القاسم بن عبد الله عن أبي الأشعث الأحمري

[2] ثم قال ابن أبي الدنيا: حدثنا أبو بلال، حدثنا قاسم بن عبد الله عن عنبسة أبي سعيد وكان عالماً

چربی تھی اور درا ہم اور انگوٹھی پائی، تو حضرت ابوموسیٰ نے ان تمام باتوں کی تفصیل حضرت عمرؓ کو لکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب مرحمت فرمایا۔

مصحف شریف تو ہمیں روانہ کردو اور چربی میں سے کچھ حصہ ہمارے لئے بھیج دو، اور پہلے کے مسلمانوں کو کہہ دو کہ ان کے ذریعے سے شفاعت مانگیں، اور درا ہم ان کے درمیان تقسیم کردو اور انگوٹھی ہم نے آپ کو بطور نفل (انعام) عطا کردی۔

ابن ابی الدنیا نے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت دانیال کو بتایا تو اور لوگوں نے آپ کو بتایا گیا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے جسم کو چمٹ گئے اور گلے لگایا اور بوسہ دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا پیغام لکھا اور یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے پاس تقریباً دس ہزار درا ہم پائے گئے ہیں اور جو شخص ان میں سے بطور قرض کے کچھ لے جاتا ہے تو اگر وہ لوٹا دے تو اس کیلئے بہتر ہوتا ہے ورنہ وہ مریض ہو جاتا ہے اور ان کے پاس ایک صندوق رکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب مرحمت فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی میت کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا جائے پھر کفن پہنا کر ایسی طرح دفنایا جائے کہ کسی کو ان کی قبر کے متعلق علم نہ ہو اور مال کے متعلق حکم فرمایا کہ بیت المال میں لوٹا دیا جائے اور صندوق میری طرف روانہ کردیا جائے اور ان کی انگوٹھی آپ کو بطور انعام سے دی گئی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار قیدیوں کو ان کی نعش مبارک دفن کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے ایک نہر کے پانی کو روکا اور کوئی بند لگا کر نہر میں بیچوں بیچ قبر کھودی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کروادیا، اور چونکہ دفنانے والے صرف یہ چار ہی اشخاص تھے۔

جب یہ واپس آئے تو آپ نے ان کی گردن اڑادی (چونکہ ویسے بھی کافروں سے جنگ کے نتیجے میں قید ہوئے تھے، اس لئے ان کا قتل کرنا صحیح تھا) تو اس طرح یہ عظیم راز صرف اور صرف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سینے میں دفن ہوگیا۔

ابن ابی الدنیا نے کہا[1] ابن ابی الزناد سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت ابن ابی بردہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس کے نگینے کا نقش تھا کہ دو شیر ہیں جن کے درمیان میں ایک آدمی ہے اور دونوں شیر اس کو چاٹ رہے ہیں تو حضرت ابن ابی بردہ نے فرمایا یہ اس میت کی انگوٹھی ہے جس کے متعلق اہل شہر کا خیال تھا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کے دفن کے دن ان سے یہ انگوٹھی لی تھی، ابوبردہ فرماتے ہیں تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسی بستی کے علماء حضرات سے پوچھا کہ اس انگوٹھی کا نقش کیا حقیقت رکھتا ہے؟

فرمایا کہ جس بادشاہ کی سلطنت میں حضرت دانیال علیہ السلام حیات تھے اس بادشاہ کے پاس اس کے ملک میں نجومی اور دیگر اصحاب علم آئے اور کہنے لگے اے بادشاہ سلامت ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو ختم کرے گا اور تیری بادشاہی کے لئے وہ زوال کی علامت ہوگا تو بادشاہ نے کہا اللہ کی قسم اس رات کوئی بچہ بھی پیدا ہوگا تو میں اس کو قتل کروادوں گا، مگر پھر چند لوگوں نے مل کر حضرت دانیال علیہ السلام کو شیروں کی کچھار میں رکھ دیا، تا کہ اس طرف کسی کی توجہ مبذول نہ ہو پھر شیروں اور اس کے بچوں نے حضرت دانیال علیہ السلام کو کچھ نقصان نہ پہنچایا بلکہ آپ کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئے اور آپ کو چاٹنے لگے اور آپ سے کھیل کود میں شروع ہو گئے تو اس طرح اللہ نے شیروں کے ذریعے حضرت دانیال علیہ السلام کو نجات دیدی اور آپ اس عمر تک پہنچ گئے کہ (اپنی حفاظت خود کرسکیں) تو ابو بردہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرمایا کہ اس بستی کے علماء نے کہا کہ پھر حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی کا نقش ہی ایسا بنوایا ہے کہ اس کو جب بھی دیکھیں تو اللہ کی اس نعمت کو یاد کریں اور ان دوستوں کو نہ بھولیں، اس کی اسناد حسن ہے۔

---

[1] وقال ابن ابی الدنیا: حدثنی ابراهیم بن عبدالله، حدثنا احمد بن عمرو بن السرح، حدثنا ابن وهب، عن عبدالرحمن بن ابی الزناد، عن [illegible] قال رأیت فی ید [illegible] الخ

بیت المقدس کی ویرانگی وتباہی کے بعد دوبارہ تعمیر اور بنی اسرائیل کے دوبارہ اکٹھے ہونے کا ذکر

اللہ عزوجل جو تمام عالمین میں سب سے سچے ہیں اپنی کتاب مبین میں فرماتے ہیں کہ یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاقاً گزر ہوا تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) سڑی بھی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں جب واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱)

ہشام بن کلبی فرماتے ہیں پھر اللہ عزوجل نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں لہٰذا وہاں جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو تو حضرت ارمیا علیہ السلام چلے گئے اور وہاں تشریف لے جا کر سکونت اختیار کر لی اور بیت المقدس ابھی ویرانی کی لپیٹ میں تھا، تو تب آپ نے اپنے دل میں کہا۔

سبحان اللہ ...... اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اس شہر میں ٹھہروں اور مجھے اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ وہ اس کو آباد فرمائیں گے پھر کب اللہ اس کی تعمیر کروائیں گے اور کب اللہ اس کو زندہ فرمائیں گے؟

پھر حضرت ارمیا علیہ السلام نے سر رکھا اور وادی نیند میں اتر گئے اور آپ کے ساتھ آپ کا گدھا اور کھانے پینے کے سامان کی ٹوکری تھی، پھر آپ ستر سال تک ...... مسلسل نیند میں رہے ...... حتیٰ کہ بخت نصر بھی ہلاک ہو گیا اور اس کے اوپر جو بادشاہ تھا وہ لہراسب تھا اور اس کی سلطنت ایک سو بیس سال تک رہی تھی اس کے بعد بشتاسب بن لہراسب کا فرزند بادشاہ بنا اور بخت نصر کی موت اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہوئی تو اس بادشاہ کو شام کے شہروں سے خبر موصول ہوئی کہ یہ علاقے خراب و ویران ہو چکے ہیں اور سرزمین فلسطین میں درندوں نے اپنا خوب خوب بسیرا کر لیا ہے اور کوئی ذی روح انسان باقی نہیں رہا ہے، تب اس بادشاہ نے بابل میں پیغام جاری کروایا کہ جو بنی اسرائیل اپنے وطن واپس جانا چاہے اسے اجازت دی جاتی ہے اور پھر بادشاہ نے آل داؤد علیہ السلام کے ایک شخص کو ان پر بادشاہ منتخب فرما دیا اور اس کو حکم فرمایا کہ جا کر بیت المقدس کی تعمیر و ترقی کرو اور اس کی مسجد کو تزک و احتشام سے دوبارہ بناؤ اور آباد کرو۔

پھر بنی اسرائیل اپنے وطن واپس ہوئے اور جا کر اس کو آباد کیا اور شہر اپنی رونقوں میں گم ہو گیا ادھر اب اللہ عزوجل نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی آنکھیں کھول دیں اور آپ نے بیدار ہو کر شہر کی طرف نظر دوڑائی تو حیرانگی سے دہشت زدہ رہ گئے کہ یہ آن کی آن میں کیسے آباد ہوا کیسے تعمیر ہوا جبکہ آپ نیند میں سو سال کا عرصہ دراز بسر کر چکے تھے، پھر اللہ نے ان کو اٹھایا اور آپ اس خیال میں تھے کہ صرف چند گھڑیاں آپ نے آرام کیا ہوگا اور اس سے پہلے شہر ویرانی اور تباہی کی سراسیمگی میں تھا اور ہر طرف ہو کا عالم تھا اور اب اس کو آباد تعمیر شدہ دیکھا تو زبان سے کہا۔

میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سرسبزی و شادابی میں غرق کر دیا اور وہ خوشی کھیل دوبارہ اپنے وطن میں بس گئے اور زمانہ گزرتا رہا حتیٰ کہ پھر ان پر رومیوں نے غلبہ کر لیا اور یہ طوائف الملوک کا دور تھا، پھر نصاریٰ کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کے لئے کوئی لشکر اور کوئی بادشاہ نہ تھا۔

ابن جریر اسی طرح اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں۔ (۲)

ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ لہراسب بادشاہ بڑا نیک عادل اور اپنی مملکت کا غمخوار بادشاہ تھا اور اس کی ان خوش خلقیوں کی وجہ سے لوگ اور

---

(۱) البقرۃ: ۲۵۹۔ (۲) ذکرہ ابن جریر (۱/۵۳۹-۵۴۰) ذیل ج ۲

جانے لگے اور پھر بادشاہ اس کی طرف مائل ہو گئے تھے اور یہ بادشاہ شہروں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور جزیہ وغیرہ کی وصولی میں بھی لگے رہتے تھے مصر پہلے انہیں سال سے دیتا تھا پھر جب ساڑھے چھ سال کے عرصہ کے بعد ملک کے کام ختم ہونے کا عرصہ ہو گیا تو افضل کے ساتھ اپنے بیٹے کیلئے جنگ کی پھر اس کے مارنے میں لگے رہے (اسرائیل بہت کم ہیں) پھر دوبارہ اس کی بادشاہی میں ہوئی کہ ایک شخص جس کا نام ہدوشت تھا وہ حضرت ارمیا علیہ السلام کے ساتھ رہتا تھا اس نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو بات کی اور غضب آلود کر دیا تو آپ نے اس کے خلاف بددعا کی اور وہ شخص کر رہا پھر ہلاک ہو گیا تو بعد ازاں اس کو بچا کر کے اس زمانے میں جن کے ملک میں قتل ہو گیا یعنی بخت نصر کا ساتھی بن گیا پھر اس نے اپنا سپاہ کار بادشاہ کی شکل پر اپنی طرف سے بھیجا اور بیت المقدس پر چڑھائی کیا اور بخت نصر بادشاہ کو اس کی بھی خبر کی تو بخت نصر اس کی باتوں سے گمراہ ہو گیا اور اس دین کو قبول کر لیا اور پھر...... اس قدر ملک پر چڑھائی کر کے لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یہ قبول کر لیں اور پھر جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ بہت سے لوگ تھے سب کو قتل کر کے ختم کر ڈالا۔

پھر بخت نصر کے بعد بنی بخت نصر کی اولاد اور بابل کے تخت پر ہوا اور مشہور بادشاہوں میں سے گزرا ہے۔

اور بخت نصر اللہ ہی کیا کرے اس نے ان بچوں کی پرورش کی اور طویل عمر پائی۔

حاصل کلام یہ کہ ابن جریر کے ذکر کے مطابق اس بستی بیت المقدس پر گزرنے والے شخص حضرت ارمیا علیہ السلام ہیں۔ اس قول کے قائل حضرت وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور یہ بات بالکل لفظوں کے مطابق قوی ہوتی ہے۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ سلیمان بن بریدہ وغیرہم اکثر حضرات کا یہ قول ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

اور یہی پہلے اور بعد کے اکثر بزرگوں کے نزدیک مشہور ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کا قصہ

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا نسب یوں ہے عزیر بن جروہ اور ابن سوریق بھی کہا گیا ہے۔ ابن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن اسبوع بن فنحاص بن العازر بن ہارون بن عمران اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ آپ عزیر بن سروخا ہیں۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ کی قبر مبارک دمشق میں ہے پھر حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ابوالقاسم بغوی کے ایک طریق(۱) کے ذریعے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

میں عزیر کے متعلق نہیں جانتا کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں۔

پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ایک اور(۲) طریق کے ذریعے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مرفوعاً نقل کیا ہے۔

پھر اسحاق بن بشر کے طریق سے جو جویبر اور مقاتل کے واسطے سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر ان لوگوں میں سے تھے جنہیں بخت نصر نے قید کیا تھا جب یہ بچے تھے جب چالیس سال کو پہنچے تو اللہ نے انہیں حکمت سے نوازا اور ان کی تورات کو یاد رکھنے میں اور علم میں ان سے کوئی آگے نہ تھا اور انبیاء کے ساتھ ان کا تذکرہ ہوتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے رب سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے انبیاء کی فہرست سے ان کا نام مٹا دیا۔

لیکن یہ روایت غریب ضعیف اور منقطع ہے اور گویا کہ اسرائیلی روایات میں سے ہے واللہ اعلم۔

اور اسحاق بن بشر(۳) ایک دوسری سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر وہی شخص ہیں جن کو اللہ نے سو سال تک موت دے کر پھر زندہ کیا۔

(۴) پھر اسحاق بن بشر کئی طرق اور اسانید سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام حضرات نے مجھے حضرت عزیر کے متعلق بیان کیا اور بعض نے بعض کی بہ نسبت کچھ زیادتی بیان کی ہے اپنی اپنی سند کے ساتھ فرماتے ہیں:

کہ حضرت عزیر بڑے نیک اور حکمت والے شخص تھے ایک دن اپنی زمین کی طرف نکلے تاکہ اس کی دیکھ بھال کریں جب واپس لوٹے تو ایک ویرانے میں دوپہر کے وقت پہنچے گرمی کی شدت تھی آپ اپنے گدھے پر سوار اس ویرانے میں داخل ہوئے اور اپنے گدھے سے اتر پڑے اور آپ کے ساتھ ایک ٹوکری انجیر اور ایک ٹوکری انگور کی تھی آپ اس ویرانے کے سایہ میں اتر گئے پھر آپ نے اپنے ساتھ پیالہ نکالا اور اس میں انگوروں کو نچوڑا پھر خشک روٹی نکالی اور اس کو شیرے میں ڈال دیا تاکہ وہ نرم ہو جائے تو کھا لیں۔

پھر آپ گدی کے بل لیٹ گئے اور اپنے پاؤں دیوار کی طرف سیدھے کر لیے پھر آپ کی نظر اس ویرانے کی چھت کی طرف گئی تو آپ نے دیکھا کہ عمارتیں اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں، اس کے رہنے والے ہلاک ہو چکے ہیں اور ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں تو آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا:

---

(۱) عن داود بن عمرو، عن حبان بن علي، عن محمد بن كريب، عن أبيه عن ابن عباس مرفوعاً

(۲) عن مؤمل بن الحسن، عن محمد بن إسحاق السمري، عن عبدالرزاق، عن معمر، عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري عن أبي هريرة مرفوعاً نحوه

(۳) وقال إسحاق بن بشر عن سعيد، عن أبي عروبة عن قتادة عن الحسن عن عبدالله بن سلام۔

(۴) وقال إسحاق بن بشر: أنبأنا سعيد بن بشير، عن كعب، وسعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن الحسن ومقاتل وجويبر عن الضحاك عن ابن عباس، وعبدالله بن إسماعيل السدي عن أبيه عن مجاهد عن ابن عباس، وإدريس عن جده وهب بن منبه قال إسحاق

انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا؟

اللہ کیسے ان کو موت کے بعد زندہ فرمائے گا؟

آپ کا یہ شک نہ تھا کہ اللہ ان کو زندہ فرمائے گا بلکہ اس کے طریق و کیفیت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔ تو پھر اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا آپ نے حضرت عزیر کی روح قبض فرمالی اور پھر سو سال تک اللہ نے ان کو یوں ہی موت کی نیند سلائے رکھا۔

جب سو سال کا عرصہ بیت چکا اور اس درمیان میں بنی اسرائیل میں بہت سے واقعات و حادثات رونما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس بھیجا جس نے سب سے پہلے آپ کے دل کو بنایا جو سوچ سکے کے قابل ہو گیا پھر آنکھوں کو بنایا جو دیکھنے کے لائق ہو گئیں تاکہ آنکھوں سے دیکھ کر دل سے سمجھ لیں کہ کیسے اللہ مردوں کو زندہ فرمائیں گے؟ پھر تخلیق شروع ہوئی اور آپ ساتھ ساتھ دیکھتے اور سمجھتے جا رہے تھے پہلے اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھا پھر بال ابھرے اور کھال نمودار ہوئی پھر اس میں روح پھونک دی گئی آپ تمام منظر کو بغور دیکھ رہے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر اٹھ گئے فرشتے نے آپ سے پوچھا کتنا عرصہ ٹھہرے؟ فرمایا ایک دن یا کچھ دن کا حصہ۔ کیونکہ آپ دن کے شروع میں سوئے تھے اور اب سورج غروب ہو رہا تھا۔ تو فرشتے نے کہا نہیں بلکہ آپ سو سال تک ٹھہرے ہیں آپ اپنا کھانا پانی دیکھئے

فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ

اپنے کھانے پانی کو دیکھئے جو بدلا تک نہیں۔

ابھی تک خشک روٹی خشک ہی تھی اور انجیر کا شیرہ اپنی حالت پر تھا دونوں میں کوئی تغیر نہ ہوا تھا اسی طرح انجیر اور انگور بھی اپنی حالت پر برقرار تھے۔ پھر آپ کے دل میں اسی وعدے کے انکار کا خیال پیدا ہوا تو فرشتے نے کہا آپ میری بات کو سنئے اور غلط سمجھ رہے ہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھئے۔ دیکھا تو اس کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی تھیں اور بالکل بکھر چکی تھیں تو فرشتے نے ہڈیوں کو حکم دیا اور ہر طرف سے اکٹھی ہو کر ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں اور جڑ گئیں اور عزیر علیہ السلام یہ دیکھتے رہے۔ پھر ان پر رگیں چڑھیں اور پٹھے بنے پھر گوشت چڑھا پھر ان پر کھال اور بال تک آگئے۔ پھر فرشتے نے اس میں پھونک ماری تو گدھا آسمان کی جانب اپنا سر اور کان اٹھائے آواز میں ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا ہوا کھڑا ہو گیا اس کا خیال تھا کہ شاید قیامت قائم ہو گئی ہے۔

یہ مطلب ہے فرمان باری کا:

وانظر الی حمارک ولنجعلک آیۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر[1]

اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو جو مرا پڑا ہے غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے) کی ہڈیوں کو دیکھو ہم کیسے ان پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں جب یہ واقعات ان کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے پھر آپ اپنی اس سواری یعنی گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں واپس تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ بھی اپنا گھر بھول گئے پھر خیال کر کے چلے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو وہاں ایک اندھی اپاہج بوڑھیا تھی جس کی عمر تقریباً ایک سو بیس سال تھی اور یہ وہاں کے رہائشی کام کاج والی تھی۔ اور آپ جب اس گھر سے نکلے تھے تو یہ بڑھیا اس وقت بیس سال کی جوان لڑکی تھی اس وقت آپ کو خوب جانتی تھی۔ تو پھر حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بوڑھیا سے پوچھا کہ کیا یہ عزیر کا گھر ہے؟ تو بوڑھیا نے کہا کہ ہاں اور پھر بڑھیا کے آنسو جاری ہو گئے اور بولی میں نے تو سالوں سے کسی کے منہ سے عزیر کا ذکر نہیں سنا ہے تو لوگ بھی ان کو بھول ہی چکے ہیں تو حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں اللہ نے مجھے سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر مجھے دوبارہ اٹھا دیا ہے جو مرا ہوا تھا۔

بڑھیا نے کہا سبحان اللہ! بے شک عزیر تو ہم سے سو سال سے گم ہو چکے ہیں اور کسی سے ان کے متعلق ہم نے کچھ بھی نہیں سنا (آپ کیسے عزیر ہو سکتے ہیں؟) فرمایا میں ہی عزیر ہوں تو بڑھیا بولی عزیر تو مستجاب الدعوات (جن کی ہر دعا قبول ہوتی ہے) شخص تھے وہ جس مریض و مصیبت زدہ کے لئے دعا

---

(۱) البقرۃ ۲۵۹

کرتے وہ فوراً صحیح ہو جاتا تھا لہٰذا اگر آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے میری بصارت لوٹا دے تو میں آپ کو دیکھ کر بتا دوں گی کہ آپ عزیر ہیں یا نہیں تو آپ نے دعا کی اور اپنے دست مبارک کو اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ فوراً صحیح ہو گئی۔ (اور چونکہ لولی لنگڑی اپاہج تھی اس لئے) آپ نے بڑھیا کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو اللہ نے اس کی ٹانگیں صحیح فرما دیں گویا وہ کسی رسی سے کھل کر آزاد ہو گئی ہو۔ پھر بڑھیا نے آپ کو دیکھا اور فوراً پکار اٹھی۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ ہی عزیر ہیں۔

پھر بڑھیا چل کر بنی اسرائیل کے محلے میں ان کی ایک محفل میں پہنچی۔ اور حضرت عزیر کا ایک لڑکا ایک سو اٹھارہ سال کی عمر کا تھا اور اس کے بھی پوتے مجلس میں بڑے بزرگ سردار تھے تو بڑھیا نے ان کو آواز دی اور بولی یہ عزیر تمہارے پاس آئے ہیں لوگوں نے بڑھیا کو جھٹلایا تو کہنے لگی میں تمہاری فلانی آزاد کردہ ہوں اس عزیر نے میرے لئے اپنے رب سے دعا کی تھی لہٰذا میری آنکھیں بھی صحیح ہو گئیں اور پاؤں بھی صحیح ہو گئے۔ اور میں بالکل صحیح ہو گئی۔ اور انکا خیال ہے کہ اللہ نے ان کو سو سال تک موت کی نیند سلا دیا تھا پھر اب اٹھایا ہے تو سب لوگ اٹھ کر آپ کو حیرت سے بغور دیکھنے لگے پھر آپ کے بیٹے نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ میرے والد کے دونوں شانوں کے درمیان ایک سیاہ جگہ ابھری ہوئی تھی آپ نے اپنے شانوں کو کھولا تو آپ عزیر ہی نکلے۔ تو پھر بنی اسرائیل نے کہا۔

ہمارے اندر کوئی تورات کا حافظ نہ تھا سوائے حضرت عزیر کے اور بخت نصر نے تورات کے نسخے کو جلا دیا ہے۔ لہٰذا اب تورات کا صرف اتنا حصہ رہ گیا ہے جو لوگوں نے یاد کر لیا ہے۔

لہٰذا آپ ہمارے لئے تورات کو لکھ کر دکھا دیجئے؟ اور عزیر کے والد سروخا نے تورات کو بخت نصر کے ایام میں دفن کر دیا تھا اور اس جگہ کا علم حضرت عزیر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ لہٰذا حضرت عزیر علیہ السلام ان کو لے کر چلے اور ایک گڑھا کھودا اور وہاں سے تورات نکال دی جس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی پھر آپ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور بنی اسرائیل کے لوگ آپ کے گرد بیٹھ گئے۔ اتنے میں آسمان سے دو شعلے سے اترے اور آپ کے شکم مبارک میں داخل ہو گئے اور آپ کو پوری تورات خوب یاد آ گئی پھر آپ نے نئے سرے سے ان کو تورات لکھ دی۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ایک تو آپ نے ان کو تورات از سر نو لکھ دی۔ اور دوسرا یہ کہ دو شعلوں والی کرامت و معجزہ آپ کے ساتھ پیش آیا اور یہ کہ آپ بنی اسرائیل کے تمام کاموں کے نگہبان ہوئے۔

اور آپ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کے عبادت خانہ میں جو سرزمین سواد میں ہے تشریف فرما کر تورات شریف لکھی اور جو بستی مر گئی تھی یعنی اس کے باشندے فنا ہو چکے تھے اس کا نام سایرآباذ تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر اس آیت کی حقیقت اور مصداق بن گئے۔

"اور تا کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں۔"

یعنی بنی اسرائیل کے لئے۔ اور یہ نشانی اس طرح تھی کہ آپ بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ بیٹھتے وہ تو بوڑھے ہوتے اور آپ بالکل جوان ہوتے کیونکہ آپ کی وفات چالیس سال کی عمر میں ہوئی اور جب اٹھے تو پھر بھی وہی عمر تھی۔

اور ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان کی روشنی میں چند اشعار فرمائے ہیں۔ جن کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

عنفوان شباب پر سر سیاہ لئے ہوئے ہیں
اور ان کے بیٹوں کے بیٹے بھی ان سے پہلے بوڑھے ہیں

وہ اپنے بیٹے کو بوڑھا عصا کے سہارا چلتا دیکھتے ہیں
اور خود ان کی پشت مبارک سیاہ ہے اور سر سرخ وسیاہ ہے

اور اس کے فرزند کے لئے کوئی بڑھاپے سے چھٹکارے کا حیلہ نہیں
اور نہ کوئی طاقت کھڑا ہوتا ہے تو ایسے جیسے بچہ جو گھر پھسل جائے

وہیں اس بیٹے کی عمر سو سے اور بیس سال شمار ہوتی ہے
جو نہ چل سکتا ہے نہ اٹھ سکتا ہے

اور اس کے باپ کی عمر صرف چالیس سال ہے
جبکہ اس کے پوتے پر نوے برس بیت چکے ہیں

اگر تو جانتا ہے تو یہ کچھ آنے والی بات نہیں
اور اگر تو نہیں جانتا تو پھر جہالت سے معذور ہے

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت

مشہور یہی ہے کہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے جن کا زمانہ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کے بعد اور حضرت یحییٰ و زکریا علیہ السلام سے پہلے کا ہے اور جب بنی اسرائیل میں کوئی شخص بھی تورات کا حافظ نہ رہا تو اللہ عزوجل نے تورات ان کو الہام فرمائی اور آپ نے حفظ کرلی پھر بنی اسرائیل پر آپ نے تورات پیش کی اور لکھوائی۔ لیکن وہب نے اس طرح فرمایا ہے کہ اللہ نے فرشتے کو حکم فرمایا وہ ایک نور لے کر آئے اسے پھر حضرت عزیر میں ڈالا اور حفظ کروا دیا تو آپ نے خدا کی رحمت سے تمام تورات حرف بحرف لکھوادی اور فارغ ہو گئے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ آپ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس فرمان الٰہی کا کیا مطلب ہے

وقالت الیہود عزیر ابن اللہ

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود نے کیوں کہا؟ فرمایا انہوں نے بنی اسرائیل کی خاطر پہلی تورات حفظ کرلی جس پر انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ایسی تورات نہیں لا سکے تھے کہ بغیر کتاب کے پوری تورات سنا سکیں اور پیش کر سکیں جبکہ عزیر نے اسے اپنی پوری تورات علم کی وجہ سے لکھی اور اللہ کی کتاب کے نسخے۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے کئی گروہ اس کے قائل ہو گئے کہ عزیر بیٹا کہا گیا ہے۔

اسی وجہ سے اکثر علماء نے فرمایا کہ تورات کا تواتر حضرت عزیر کے زمانے میں ختم ہو گیا تھا۔

اور یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ عزیر علیہ السلام پیغمبر نہیں اور یہی بات مسلک ہے حضرت عطاء بن ابی رباح کا اور حسن بصری کا اور اسحاق بن بشر نے مقاتل بن سلیمان سے بھی یہی نقل کیا ہے اور عطاء سے بھی منقول ہے اور عثمان بن عطاء الخراسانی بھی اپنے والد سے یہی نقل کرتے ہیں۔

[1] حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ اشعار تین اشخاص سے ہیں:

(۱)..... بخت نصر (۲)..... [illegible] (۳)..... [illegible]

---

(۱) وقال اسحاق بن بشر: انبأنا سعید، عن قتادة عن الحسن، قال:

(۴)... اصحاب الاخدود (۵)... امر جالوت و داؤد (۶)... اصحاب کہف

(۷)... اصحاب فیل (۸)... امر تبع (۹)... حدیث ابو القاسم اور حضرت عزیر... وغیرہ

حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا درمیانی زمانہ (جس میں انبیاء کی آمد کا سلسلہ مبارک منقطع تھا)

امام بخاری میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ابن مریم کے سب سے زیادہ لائق (دوستی اور قرب ابنیت میں) میں ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں گزرا۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرے ہیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک اور حضرت عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر (علیہ السلام) حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے زمانے میں تھے اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت مرحمت نہ فرمائی اس وجہ سے کہ آپ نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تھا آپ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے تھے کہ سو مرتبہ مرنا ذلت کی گھڑی سے بہتر ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کے اس قول کی وضاحت میں بعض شاعر کہتے ہیں:

اور عقل انسان موت پر بھی صبر کر جاتا ہے
اور سخت حالتوں پر صبر کے ساتھ خود داری کرتا ہے
اور تنگی حالت پر موت کو ترجیح دے دیتا ہے
جس حالت میں وہ ملامت زدہ ہو کر جہان کی عزت نہ کر سکے

بہر حال یہ کلمات جن کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نوف البکالی اور سفیان ثوری وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر دیا اور اس کی حقیقت کیا ہے۔

تو یہ بات غلط ہے مگر یہ کہ اس کی صحت میں نظر ہے کیونکہ یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

نوف بکالی سے مروی ہے کہ حضرت عزیرؑ نے اپنی مناجات میں یہ کہہ کر اللہ عزوجل سے عرض کیا۔

اے میرے رب آپ اپنا پیدا کیا ہوا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گمراہی کے گڑھے میں دھکیلتے ہیں (ان کو جواب ملا) اے عزیر! آپ اس بات کو چھوڑ دیں لیکن آپ نے پھر یہی بات دہرائی تو آپ کو کہا گیا کہ آپ اس بات سے کنارہ کشی کر لیں ورنہ ہم آپ کا نام انبیاء کی فہرست سے ختم کر دیتے ہیں۔

میں جو کچھ کرتا ہوں مجھ سے کوئی سوال نہیں کر سکتا اور لوگوں سے سوال کیا جا سکتا ہے اور یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ اگر آپ دوبارہ ایسی بات کریں گے تو آپ کا نام انبیاء کی فہرست سے مٹا دیا جائے گا اگرچہ آپ نے انبیاء کا احترام بھی تو کیا ہے۔[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انبیاء میں سے ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے ٹھہرے تو ان کو چیونٹی نے کاٹ لیا۔

تو اس پیغمبر نے اس کے گھر کو جلانے کا حکم دیا تو اس کو جلا دیا گیا تو اللہ عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی۔

کیا ایک چیونٹی کے کاٹنے سے آپ نے ایک امت کو جلا دیا۔[۲]

[۳] حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس حدیث میں پیغمبر سے حضرت عزیر علیہ السلام مراد ہیں۔

اور یہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔

---

[۱] ابو العیون ... ترجمۃ ... عن جعفر بن سلیمان، عن ابی عمران الجونی، عن نوف البکالی قال

[۲] البخاری ... عن یونس بن یزید عن ابن شہاب عن سعید و ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ و کذلک رواہ شعیب عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ

[۳] الطبری ... اسحاق بن بشر عن ابن جریج عن عبد الوہاب بن مجاہد، عن ابیہ.

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ مبارک

فرمان باری تعالیٰ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھیٰعص (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر شعلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔ اور (اے) میرے پروردگار اس کو خوش اطوار بنائیو۔ اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں کس طرح لڑکا پیدا ہوگا۔ جس حال میں میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح و شام (خدا کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت (ہے)۔ (۱)

اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما۔ تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (خدا کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما خدا نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کو کثرت سے یاد اور صبح و شام تسبیح کرنا۔ (۲) اور زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو ان کے (اولاد کے) قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (یاد کرو)۔ یہ سب نیکوکار تھے۔ (۳)

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب حافل میں فرماتے ہیں آپ کے والد محترم کا اسم گرامی برخیا ہے یعنی زکریا ابن برخیا۔ اور ایک قول ہے زکریا بن دان۔ اور تیسرا قول ہے زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعاطہ بن ناحور بن شلوم بن بہفاشاط بن اینامن بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد۔ اور آپ کی کنیت مبارک ابو یحییٰ نبی علیہ السلام من بنی اسرائیل ہے۔

آپ اپنے لخت جگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طلب (تلاش) میں دمشق کی بستی بثنیہ میں پہنچے تھے۔

---

(۱) مریم ۱-۱۵ (۲) آل عمران ۳۸-۴۱ (۳) الانبیاء ۸۹-۹۰

اور ایک قول ہے کہ جب آپ کا فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کر دیا گیا اسوقت آپ دمشق میں ہی تھے۔ واللہ اعلم۔ آپ کے نسب کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں۔

اور حضرت زکریا کے نام میں زکریا یعنی الف کو کھینچا بھی جا سکتا ہے اور مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ایک قول کے مطابق آپ کا نام زکری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو حکم فرمایا کہ حضرت زکریا کی خبر لوگوں کو بیان کریں کہ اللہ عزوجل نے ان کے بڑھاپے کے باوجود اور ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود جبکہ وہ سن رسیدہ اور سفید سر بھی ہو چکی تھیں۔ تب اللہ نے ان کو نیک اور صالح اولاد سے نوازا لہٰذا کسی کو بھی اللہ کی رحمت و فضل سے ہرگز نا امید نہیں ہونا چاہیے

فرمان الٰہی ہے۔ اپنے پروردگار کی رحمت کو ان کے بندے زکریا پر یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز سے پکارا۔ (۱)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ عزوجل صاف ستھرے دل کو خوب جانتے ہیں اور پست آواز کو سنتے ہیں۔ اور بعض بزرگ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا رات کے وقت بارگاہ رب العزت میں کھڑے ہوئے اور اپنے پاس موجود لوگوں کے لئے دعا کی۔ اے رب اے رب اے رب۔ اللہ نے فرمایا۔ جی بندے جی بندے۔ عرض کیا پروردگار میری ہڈیاں بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میرا سر بڑھاپے میں بھڑک چکا ہے۔

یعنی جس طرح آگ لکڑی میں بھڑک اٹھتی ہے اور بالکل اس کو خاکستر کر کے دم لیتی ہے اسی طرح بڑھاپا مجھ پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور سر کی سیاہی کو جلا کر سفیدی کی راکھ میں تبدیل کر دیا ہے جیسے ابن درید شاعر نے اپنے قصیدے میں کہا۔

کیا تو میرے سر کو نہیں دیکھتا جو اپنے رنگ کو ظاہر کرتا ہے
جیسے تاریکی کے دامنوں میں صبح کی تر و تازگی و روشنی
اور سیاہ مقام میں سفیدی اس طرح بھڑک اٹھی ہے
جیسے جھاؤ کی سوکھی لکڑی میں آگ کا بھڑکنا
اور (جوانی کی) لکڑی خشک و پژمردہ ہو گئی ہے
اس کے بعد کہ وہ ثریا ستارے کی طرح چمک دمک والی تھی

یعنی کمزوری و بڑھاپا حضرت زکریا علیہ السلام کے جسم و جان پر پوری قوت سے حملہ آور ہو چکا تھا۔

یہی مطلب ہے مذکورہ آیت باری کا جس کا مفہوم ہے کہ میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئیں اور سر سفیدی و بڑھاپے میں بھڑک اٹھا ہے۔

اور آگے فرمان باری کہ اور میں آپ سے دعا کرنے میں کبھی ناکام نہ رہا اس کا مطلب ہے کہ میں نے جب بھی آپ سے دعا کی آپ نے فوراً قبول فرمائی ہے اور اس دعا کا اصل محرک اور باعث یہ بنا تھا کہ آپ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان کے کفیل تھے اور وہ آپ کی پرورش میں تھیں اور جب بھی آپ ان کے پاس جاتے تو وہاں غیر موسمی پھل بغیر کسی کے لائے اور بغیر کسی واسطے کے وہاں موجود ہوتے اور یہ اولیاء کی کرامات میں سے ہے تو یہ چیز دیکھ کر حضرت زکریا کے دل میں طلب و تمنا جاگی اور یہ خیال آیا کہ جو غیر موسم میں رزق و پھل عطا کرنے پر قادر ہے وہی ذات بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد کرنے پر بھی بخوبی قادر ہے۔ اسی وجہ سے فرمان باری کا مفہوم ہے جب زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہا پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے بے شک آپ دعا کے سننے والے ہیں۔

اور فرمایا (اور میں اپنے پیچھے موالی (رشتے داروں) سے خوف کرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ موالی سے مراد عصبہ اولاد ہے یعنی جو رشتہ دار میراث والے ہیں ان سے گویا آپ نے خوف کیا کہ کہیں وہ میرے بعد بنی اسرائیل میں خدائی احکام اور ان کی اطاعت کو چھوڑ کر بنی اسرائیل میں ہی فتنہ و فساد نہ کریں اس وجہ سے صلبی اولاد عطا کیے جانے کی دعا کی۔ ایسی اولاد جو متقی و صالح اور رب کے ہاں پسندیدہ شخصیت ہو۔

---

(۱) مریم ۲، ۳

لہذا عرض کیا کہ مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا کر جو میرا وارث ہو (یعنی نبوت اور بنی اسرائیل کی حکومت میں) اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اس کو پسندیدہ بنانا۔

یعنی جس طرح آل یعقوب انبیاء ہوتے چلے آئے ہیں اور آپ ان پر اکرام و انعام کی بارش فرماتے رہے ہیں شمع حق کے ساتھ تو اسی طرح میرے بیٹے کو بھی پیدا فرما کر یہ چیزیں عطا کر اور یہاں وراثت سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے جیسے کہ شیعوں کا غلط عقیدہ ہے ابو صالح جریر نے بھی جن کی اس میں موافقت فرمائی ہے اور بعض علماء سے اس کو نقل کیا ہے جبکہ یہ مسلک غلط ہونے کی چند وجوہ و دلائل ہیں۔

پہلی وجہ و دلیل قرآن پاک کی ہے اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے تو یہاں بھی نبوت اور بادشاہی میں وراثت مراد ہے اسی کے مطابق احادیث صحیحہ مسانید میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ہم اپنے چھوڑے ہوئے مال کا کسی کو وارث نہیں بناتے بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضور نے حضرت صدیق کو منع فرمایا کہ میرا مال کسی کو میرے بعد بطور وراثت عطا کیا جائے اور وہ تھے آپ کے پیچھے حضرت فاطمہ اور آپ کی ازواج مطہرات جو تھیں آپ کے چچا عباس۔

اور جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو وراثت سے منع فرمایا تو اسی حدیث سے استدلال کیا تھا اور حضور سے حضرت صدیق کے اس کو روایت کرنے پر حضرت عمر، عثمان، علی اور عباس اور عبدالرحمن بن عوف، طلحہ رضی اللہ عنہم، سعد اور ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان تمام صحابہ نے موافقت فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت کسی کو وارث نہیں کر جاتے۔

امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دنیا انبیاء کے نزدیک حقیر تھی سو یہ لوگ اس کو ذخیرہ کرنے اور اس کی طرف توجہ کرنے اور مال کا کچھ خیال رکھتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے حقیقی اولاد سے اس کو منع کرنے کی وصیت کریں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ اختیار فرمائے ہوئے تھے اپنے ہاتھ سے کماتے اور کھاتے تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کیلئے کسی طرح یہ شایان شان نہیں کہ وہ اس قدر کمائیں کہ وہ ذخیرہ اندوزی کے قابل ہو سکے اور یہ بات بالکل واضح و روشن ہے۔

(۱) مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا آپ ﷺ نے فرمایا۔

حضرت زکریا بڑھئی تھے

اسی طرح ابن ماجہ اور مسلم نے دوسرے طریق سے حماد بن سلمہ سے اس کو روایت کیا ہے۔

اور فرمان باری کا یہ حصہ کہ ہم آپ کو لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

اس کی تفسیر وہاں سے ہو رہی ہے دوسرا فرمان باری ہے فرمایا بے شک اللہ آپ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی۔ پھر جب حضرت زکریا کو یقین ہو گیا کہ اب اولاد عطا ہو کر رہے گی تو انتہائی فرحت، تعجب اور خوشی سے عرض کیا کہ پروردگار، مجھے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ میری عورت، بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں (کہا گیا) اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی مشہور یہی ہے کہ اس سے کچھ زیادہ تھی۔

اور فرمایا کہ میری عورت بانجھ ہے جو کہ جوانی میں بھی اولاد پیدا نہ کر سکی تھی جس میں بچے کی امید کی جا سکتی تھی اس لئے فرمایا۔

جیسے حضرت ابراہیم خلیل نے بھی ازراہ تعجب عرض کیا تھا۔

کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو اس کے باوجود کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے پس کس چیز کے ساتھ تم مجھے خوشخبری دیتے ہو

---

(۱) قال الامام احمد حدثنا یزید بن ہارون، انبانا حماد بن سلمۃ، عن ثابت، عن ابی رافع، عن ابی ہریرۃ

اور حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کیا تھا: ہائے تعجب کیا میں جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بڑھے ہیں یہ تو عجیب چیز ہے تو (فرشتے) کہنے لگے کیا آپ اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہیں؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اے اہل بیت تم پر، بے شک وہ تعریف کے لائق اور بزرگ ہے۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی جواب دیا گیا۔

اسی طرح ہو گا، یہ تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے پہلے آپ کو پیدا کیا تھا جبکہ آپ کچھ بھی نہ تھے۔

اور فرمایا: پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کیلئے اس کی زوجہ کو بھی درست کر دیا، بے شک وہ خیرات میں سبقت کرنے والے تھے اور ہم کو رغبت اور خوف ہر طرح سے پکارتے تھے اور ہماری بارگاہ میں وہ خشوع خضوع کرنے والے تھے۔

اور بیوی کو درست کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو حیض (ماہواری) نہ آتا تھا تو پھر آنے لگا، اور کہا گیا ہے ان کی زبان میں کچھ خرابی تھی وہ دور کر دی گئی۔

تو جب حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری مل گئی تو (عرض کیا پروردگار میرے لئے اس کی کوئی علامت مقرر فرما دیجئے) یعنی ایسی علامت جس سے پتہ چلے کہ اب میری بیوی مجھ سے کسی بچے کے ساتھ حاملہ ہو گئی ہے تو (فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ بات نہ کرے تین رات مسلسل) یعنی خدا کی طرف سے آپ کے منہ کو بات کا تالا پڑ جائے گا اور آپ صرف اشاروں کے ذریعے بات کرنے پر قدرت رکھیں گے۔

اور اس کے باوجود آپ کی طبیعت بالکل صحیح ہوگی۔ اور اس عرصے میں حضرت زکریا کو زبان سے بجائے دل اور توجہ کے ساتھ کثرت ذکر کرنے کا حکم ملا فرمایا (پھر ان کی طرف وحی کی کہ صبح شام اللہ کی تسبیح کرو) تو جب آپ کو یہ بشارت مل گئی تو آپ اپنی محراب سے مسرور خوشی کے ساتھ نکلے اور لوگوں کو وہ بالا بات اشاروں کے ساتھ سمجھائی کہ اب صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ مجھ سے کوئی کلام کرنے کی کوشش بے جا ہے جیسا کہ مجاہد اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (وحی کی) اس سے مراد ہے کہ آپ نے اشاروں کے ذریعے یا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے قول یا تحریر کے ذریعے سمجھایا اور وہب کا بھی یہی خیال ہے کہ اشاروں کے ذریعے سمجھایا اور مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی زبان مبارک بغیر کسی مرض کے بند ہو گئی تھی۔ اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی زبان تو کھلی ہوئی تھی کیونکہ آپ تسبیح و قرأت کر سکتے تھے مگر کسی شخص سے بات بالکل نہ کر سکتے تھے۔

اور فرمان باری ہے (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں حکم عطا کیا)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے بچے کے ساتھ ساتھ ہی کتاب اور حکمت دیئے جانے کی خوشخبری بھی عطا کر دی۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہ السلام کو بچپن میں کہا آؤ کھیل کود کریں تو حضرت یحییٰ نے فرمایا ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ یہی مطلب ہے مذکورہ فرمان کا اور آگے فرمایا (وحنانا من لدنا) اور ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یعنی جیسا کہ رحمان کا حق ہے اور دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ اس سے رحمت ہی مراد ہے یعنی ہم نے اپنی طرف سے زکریا پر رحمت کی جس کی وجہ سے ان کو یہ بچہ ملا اور عکرمہ سے منقول ہے کہ اس سے محبت مراد ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم نے لوگوں کے دلوں میں یا ان کے والدین کے دلوں میں خوب ان کے لئے محبت و شفقت کو بھر دیا۔ آگے فرمایا (وزکوٰۃ) اس کا مطلب ہے ہم نے ان کو پاکیزہ اخلاق والا اور عیب و نقائص سے پاک صاف پیدا کیا اور اللہ کے تقویٰ سے نوازا۔

پھر آگے والدین کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا ذکر ہے فرمایا (اور وہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے نہ سرکش اور نافرمان تھے اور ان پر سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے) یعنی تین وقت انسان کی زندگی میں سب سے اہم اور سخت ہوتے ہیں کہ ہر ایک وقت میں ایک جہان سے دوسرے جہان کو منتقل ہوتا ہے تو یہی تینوں وقتوں میں ان کے لئے رحمت مقرر کر دی گئی، پیدائش اور موت کے متعلق کچھ ذکر ہو چکا ہے۔

تھو نہ تجھ پر ان سے ظلم ہوا تو تو بھی شریر ہوا یعنی ہوا
اے بیٹے تیرے آس پاس خوشی سے غم دیکھ تھے
بھی بخشش نہ جب لوگ تیرے مرنے کے وقت بدلے گے
تو نہ اٹھے موت میں خوب سے اور خوش ہو

سعید بن ابی عروبہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ ہی مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے خود اپنے پر سلامتی کی تھی (قرآن کی آیت میں اس طرف اشارہ ہے اور اس کا ذکر ہے) اور آپ پر تو اللہ نے خود سلام بھیجا ہے (سلام علیہ)۔

دوسری آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شایان شان فرمایا (اور سردار اور عورتوں سے بچنے والا اور صالحین میں سے نبی تھے) حصور سے مراد لیا ہے اس کے مطابق قرآن سے کئے ہوئے اور دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

اور یہ مطلب اس آیت کے مناسب ہے جب تک اپنی طرف سے پاکیزہ رکھا گیا ہو۔

مسند احمد میں [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اولاد آدم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے خطا سرزد نہ ہوئی یا (گناہ کا) ارادہ نہ کیا ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا کے اور کسی کو لائق نہیں کہ یہ کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن متی سے افضل ہوں [2] لیکن اس روایت کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہیں اور ان کی حدیث آخر کے اس حصہ میں نکارت ہے۔

[3] ابن شہاب سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن اپنے اصحاب کے پاس پہنچے وہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا ذکر کر رہے تھے تو ایک کہنے والے نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم (ہم کلام) ہیں اور ایک نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کے کلمہ ہیں اور ایک نے کہا ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست (خلیل) ہیں وہ اسی طرح گفتگو کر رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

کہاں گئے شہید بن شہید جو ٹاٹ کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھاتے اور گناہ سے ڈرتے کہ کہیں کوئی گناہ سرزد نہ ہو جائے۔

ابن وہب فرماتے ہیں آپ کی مراد شہید سے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھی۔

(اس روایت کے راویوں میں سے ایک ابن لہیعہ ہیں جن کے متعلق کلام ہے) اسی روایت کو محمد بن اسحاق نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں نے یحییٰ بن سعید سے نقل [4] کیا ہے اسی روایت میں ابن العاص سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے ہر آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔

قریب بھی بعینہ اسی طرح کی روایت ہے اور آپ مرسل تھے لیکن جس سے حدیث زبانی یاد کر کے اوپر والے تک آپ سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن یہاں انہوں نے کسی سے روایت کی ہے وہ مجہول ہے جس کا ضعف بیان نہیں کی۔ [5]

---

[1] وقد قال الإمام أحمد حدثنا عفان، حدثنا حماد، أخبرنا علي بن زيد، عن يوسف بن مهران، عن ابن عباس

[2] علي بن زيد بن جدعان تكلم فيه غير واحد من الأئمة، وهو منكر الحديث، وقد رواه ابن خزيمة والدارقطني من طريق أبي عاصم العباداني، عن علي بن زيد بن جدعان به مطولاً ثم قال ابن خزيمة وليس على شرطنا

[3] وقال ابن وهب حدثني ابن لهيعة عن عقيل عن ابن شهاب فذكره

[4] عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب حدثني ابن العاص أنه سمع

[5] وقد رواه عبد الرزاق عن معمر عن قتادة عن سعيد بن المسيب مرسلاً. ثم روى ابن عساكر من طريق أبي صالح عن يحيى بن سعيد الأنصاري عن سعيد بن المسيب ورواه ابن عساكر من طريق أبي أحمد بن عدي حدثنا محمد بن الأصبهاني حدثنا أبو خالد الأحمر عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عبد الله بن عمرو

حضرت عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ کوئی ایسا شخص نہیں جو اللہ سے بغیر گناہ کے ملاقات کرنے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔ پھر آپ نے یہ فرمان باری تلاوت کیا (اور وہ سید اور رکنے والے) تھے، پھر آپ نے زمین سے کچھ چیز اٹھائی اور فرمایا ان کے ساتھ صرف اتنا سا کچھ (میل گناہ) ہو تو ہو سکتا ہے[1] پھر آپ نے ذبیحہ ذبح کیا۔

(2) اور ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں سوائے دو خالہ زاد (بھائیوں) کے یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے یعنی ان کے سردار نہ ہوں گے۔

(3) ابو نعیم کی روایت میں ہے ..... کہ حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام چلے جا رہے تھے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایک عورت سے ٹکراؤ ہو گیا تو حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا آج آپ سے ایسی خطا سرزد ہوگئی کہ میں خیال کرتا ہوں وہ کبھی معاف نہ ہوگی تو حضرت یحییٰ نے پوچھا اے خالہ زاد وہ کیا ہے؟ فرمایا آپ ایک عورت سے ٹکرا گئے فرمایا اللہ کی قسم مجھے تو وہ کچھ پتہ نہیں فرمایا سبحان اللہ..... آپ کا بدن تو میرے ساتھ ہے اور روح کہاں ہے؟ فرمایا وہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور اگر (میری روح وہاں نہ ہوتی بلکہ یہاں ہوتی اور) میرا دل جبرئیل پر بھی مطمئن ہو جاتا تو میں خیال کرتا کہ میں نے اللہ کو پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں جانا۔

لیکن یہ روایت بالکل اجنبی اور غریب ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

اور حضرت اسرائیل، حصین سے وہ خیثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت عیسیٰ اون کا لباس پہنتے تھے جبکہ حضرت یحییٰ جانوروں کے بالوں کا لباس پہنتے تھے اور کسی کے پاس کوئی دینار و درہم نہ تھا نہ کوئی غلام و نہ باندی، نہ کوئی ٹھکانہ جس میں بھی ٹھہر جاتے جہاں کہیں رات آجاتی وہیں ٹھہر جاتے جب بچھڑنے لگے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے کچھ نصیحت کرتے جائیے فرمایا غصہ مت کرنا، یحییٰ نے فرمایا میں طاقت نہیں رکھتا کہ غصہ نہ کروں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مال کے دھوکے میں نہ پڑنا تو فرمایا یہ ہو سکتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بابت مختلف روایتیں منقول ہیں کہ آیا حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنی موت انتقال ہوا ہے یا وہ شہید ہوئے ہیں۔

عبدالمنعم بن ادریس بن سنان اپنے والد سے وہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگے اور ایک درخت کے خلاء میں داخل ہو گئے تو آپ کی قوم آئی اور انھوں نے درخت پر آرا رکھ کر چلا دیا، جب آرا آپ کی پسلیوں کو پہنچا تو آپ رو پڑے تو اللہ عز و جل نے ان کی طرف وحی کی کہ اگر آپ کی آواز بلند نہ ہوئی تو میں ارض اور اہل ارض کو الٹ پلٹ کر دوں گا (تاکہ ان کو آپ پر ظلم کی سزا ملے) پھر آپ کا رونا ختم ہو گیا حتیٰ کہ آپ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

اور یہ روایت ایک مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے جس کو عنقریب ان شاء اللہ ذکر کریں گے جبکہ اسحاق بن بشر، ادریس بن سنان سے وہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جن کے لئے درخت پھٹا وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور زکریا علیہ السلام اپنی موت مرے تھے واللہ اعلم۔
مسند احمد میں (4) حارث اشعری سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ عز و جل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کہ

---

(1) وهذا موقوف من هذا الطريق و كونه موقوفاً اصح من رفعه ..... والله اعلم و اورده ابن عساكر من طرق عن معمر من ذلك ما اورده من حديث اسحاق بن بشر، وهو ضعيف، عن عثمان بن ساج، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان عن معاذ عن النبي صلى الله عليه وسلم بنحوه

(2) وروى من طريق ابي داؤد الطيالسي وغيره، عن الحكم بن عبدالرحمن بن ابي نعيم، عن ابيه، عن ابي سعيد قال

(3) وقال ابو نعيم الحافظ الاصبهاني حدثنا اسحاق بن احمد، حدثنا ابراهيم بن يوسف، حدثنا احمد بن ابي الحوارى، سمعت ابا سليمان يقول

(4) وقال الامام احمد، حدثنا عفان، انبأنا ابو خلف موسى بن خلف، و كان يعد من البدلاء، حدثنا يحيى بن ابي كثير عن زيد بن سلام، عن جده ممطور عن الحارث الاشعرى

ان پر پوری طرح عمل بھی ہو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کریں تو قریب تھا کہ آپ ان پر عمل میں سستی کرتے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو فرمایا آپ کو پانچ باتوں کا حکم ملا ہے کہ خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کا حکم کریں، اب یا تو آپ ان کو پیغام پہنچا دیں یا میں پہنچا دوں گا تو حضرت یحییٰ نے فرمایا اے میرے بھائی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے عذاب میں نہ پکڑا جائے یا مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے پھر حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور بیت المقدس میں سب کو بلایا پھر مسجد لوگوں کے ازدحام سے پر ہو گئی تو آپ شرف والی جگہ کے ساتھ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا اللہ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی عمل کروں اور تم کو بھی ان کا حکم دوں ان پانچ باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو صرف اسی تنہا کی عبادت کرو اس کی مثال ایسی ہے گویا کسی نے کوئی غلام خریدا اور اپنے مال سونے یا چاندی کے ساتھ خریدا پھر وہ غلام کام آپ کے عوض کسی دوسرے کو دے دیتا ہے تو تم بتاؤ کہ کون ایسے غلام کو پسند کرتا ہے اور بے شک اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارا روزی رساں ہے لہذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اور میں تم کو نماز کا حکم کرتا ہوں جب تم نماز ادا کرتے ہو تو اللہ عزوجل اپنا رخ اسی کی طرف متعین کر لیتا ہے لہذا جب تم نماز پڑھو تو نماز میں کسی اور طرف دھیان مت لگاؤ۔

اور میں تم کو روزوں کا حکم کرتا ہوں روزہ دار کی مثال یوں دی ہے کہ کسی جماعت میں ایک شخص کے پاس مشک کی پوٹلی ہے اور بے شک روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور میں تم کو صدقے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا ہے پھر اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے اور پاؤں بھی باندھ دیئے ہیں تاکہ اس کی گردن اڑا دیں تو وہ قیدی شخص کہتا ہے کیا تمہیں مال کی ضرورت ہے جو کچھ تم کہو میں دوں تم مجھے آزاد کر دو؟ پھر وہ مال دیتا رہتا ہے تھوڑا بھی زیادہ بھی حتیٰ کہ وہ اپنی جان کو چھڑا لیتا ہے۔

اور میں تم کو اللہ عزوجل کے ذکر کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے پیچھے اس کے دشمن تعاقب میں ہیں اور بہت تیز ہیں تو وہ ایک بہت ہی مضبوط قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح بندہ ذکر کے ساتھ قلعہ سے زیادہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

راوی کہتے ہیں پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اور میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا مجھے حکم ملا ہے جماعت کو لازم پکڑنا، اللہ رسول کی بات کو سننا، اس کی فرمانبرداری کرنا، ہجرت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔ بے شک جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی نکل گیا تو بے شک اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ مگر یہ کہ واپس لوٹ آئے۔ اور جس شخص نے جاہلیت کا دعویٰ کیا وہ جہنمی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو؟ فرمایا اگرچہ وہ نماز روزہ ادا کرنے والا ہو اور خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ اے لوگو! مسلمانوں کو ان کے ناموں کے ساتھ پکارو جو اللہ عزوجل نے ان کے نام رکھ دیئے ہیں۔

اس روایت کو ابویعلیٰ اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ ( )

(۲) حافظ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ روایت پہنچی جو انہوں نے علمائے بنی اسرائیل سے سنی تھی۔

کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پانچ کلمات کے ساتھ مبعوث ہوئے پھر پچھلا قصہ ذکر کیا ہے اور ان علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ

---

(۱) هكذا رواه ابو يعلى عن هدبة بن خالد، عن ابان بن يزيد، عن يحيى بن ابي كثير به وكذلك رواه الترمذي من حديث ابي داود الطيالسي وموسى بن اسماعيل. كلاهما عن ابان بن يزيد العطار به ورواه ابن ماجه عن هشام بن عمار عن محمد بن شعيب بن سابور، عن معاوية بن سلام عن اخيه زيد بن سلام، عن ابي سلام، عن الحارث الاشعري به، ورواه الحاكم من طريق مروان بن محمد الطاطري، عن معاوية بن سلام عن اخيه به ثم قال تفرد به مروان الطاطري، عن معاوية بن سلام قلت وليس كما قال، ورواه الطبراني عن محمد بن عبدة عن ابي توبة الربيع بن نافع، عن معاوية بن سلام عن ابي سلام، عن الحارث الاشعري فذكر نحو هذه الرواية

(۲) تفرد به الحافظ ابن عساكر من طريق عبدالله بن ابي جعفر الرازي، عن ابيه، عن الربيع بن انس

علیہ السلام لوگوں سے اکثر جدا رہتے تھے اور جنگل و بیابان سے مانوس و محبت رکھتے تھے اور درختوں کے پتے کھا لیتے پھر نہر پر جا کر پانی نوش کر لیتے اور کبھی کبھار ٹڈی کی غذا استعمال کرتے۔

پھر اپنے کو مخاطب ہوتے اے یحییٰ تجھ سے زیادہ نعمتوں والا کون ہوگا؟

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت یحییٰ کے والدین ان کی طلب و تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ بحیرہ اردن کے پاس ہیں جب دونوں ان کے قریب ہوئے تو آپ نے دونوں والدین کو عبادت کے انہماک اور خوف و خشیت خدا سے خوب رلایا۔

[1] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت یحییٰ کا کھانا سبز گھاس ہوتا تھا اور آپ اللہ کے خوف سے اتنا روتے تھے کہ اگر آپ کی آنکھوں پر تارکول ہوتا تو وہ بھی بہا دیتا۔

[2] ابن شہاب کہتے ہیں ایک دن ہم ابو ادریس خولانی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ قصے بیان کر رہے تھے تو فرمایا کیا میں تم کو لوگوں میں سب سے اچھا کھانے والے کی خبر نہ دوں؟ تو لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا یحییٰ بن زکریا لوگوں میں سب سے اچھا کھانے والے تھے آپ جنگل کے وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کے معاش میں خلل نہ پڑ جائے۔

ابن المبارک وہیب بن الورد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو تین دن تک گم پایا تو آپ ان کی تلاش میں جنگل کو نکلے دیکھا کہ وہ ایک قبر کھود کے اس میں کھڑے ہو کر اپنے آپ پر نوحہ کر رہے ہیں تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو قبر کھود کے اس میں کھڑا ہے؟ عرض کی اے ابا جان کیا آپ نے ہی مجھے خبر نہیں دی کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایسا جنگل ہے جس کو آنسوؤں کے بغیر قطع نہیں کیا جا سکتا تو زکریا علیہ السلام نے فرمایا اچھا بیٹے روؤ تو پھر دونوں بیٹھ کر رونے لگے اسی طرح وہب بن منبہ اور مجاہد نے بھی اسی کے مثل نقل کیا ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے منقول لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اہل جنت نعمتوں کی وجہ سے سو نہیں سکتے۔ لہٰذا اصحاب یقین کو چاہیے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی لذت کی وجہ سے نہ سوئیں۔ پھر فرمایا۔

کتنا فرق ہے لذت والوں اور محبت والوں کے درمیان۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت ہی کثرت سے روتے تھے حتیٰ کہ آپ کے رخساروں پر آنسوؤں کی وجہ سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا سبب

علماء تاریخ نے ان کے قتل کے کئی اسباب و محرکات بیان کئے ہیں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ کسی بادشاہ دمشق نے اپنی کسی محرم سے شادی کا ارادہ کیا یا کسی بھی ایسی عورت سے جس سے شادی کرنا اس کیلئے حلال نہ تھا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کو منع کیا تو یہ بات اس عورت کے دل میں کھٹکتی رہی پھر جب بادشاہ اور عورت کے درمیان محبت کا معاملہ طے ہو گیا تو عورت نے بادشاہ سے یحییٰ کا خون مانگا تو بادشاہ نے حامی بھر لی اور کسی کو قتل کرنے والے کو بھیجا پھر بادشاہ نے بعد قتل کے حضرت یحییٰ کا سر اور طشت میں ان کا بہا ہوا خون عورت کے پاس بھیج دیا تو کہا جاتا ہے کہ عورت فوراً اسی گھڑی ہلاک ہو گئی۔

اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے بادشاہ کی بیوی کو حضرت یحییٰ سے محبت ہو گئی تھی اور ان کو بہت پھسلانے کی کوشش کی مگر آپ نے انکار کر دیا تو

---

[1] وقال ابن وهب عن مالك، عن حميد بن قيس عن مجاهد قال

[2] وقال محمد بن يحيى الذهلي، حدثنا الليث، حدثني عقيل، عن ابن شهاب، قال

جب وہ مایوس ہوگئی تو کسی بیٹے سے بادشاہ سے اس کا خون مانگا۔ پہلے تو بادشاہ انکار کرتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیئے اور قاتل کو اور آپ کے سر اور آپ کے خون کو طشت میں عورت کے پاس بھجوا دیا اور اسی معنی میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ ـــــ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب معراج فرمائی تو آسمان میں حضرت زکریا علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نے ان پر سلام کیا اور کہا اے ابو یحییٰ مجھے تم (اور یحییٰ کے) قتل کے متعلق خبر دو کیسے ہوا؟ اور کیوں آپ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا؟ تو عرض کیا اے محمد ـــــ حضرت یحییٰ اپنے زمانے میں سب سے بہتر تھے سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت روشن چہرے والے تھے اور تقویٰ و عزت میں) ایسے تھے جیسا ان کے متعلق خود اللہ نے فرمایا (وسیداً و حصوراً) وہ سردار اور (گناہوں سے) رکنے والے تھے اور عورتوں کی ان کو بالکل خواہش نہ تھی تو ایک عورت کو ان سے محبت ہوگئی جو بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی تھی اور تھی بدکار تو اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اللہ نے حضرت یحییٰ کی حفاظت رکھی اور وہ باز رہے اور اس عورت کو قطعاً انکار کر دیا تو عورت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا تہیہ کر لیا ان کی ایک عید ہوتی تھی جس میں ہر سال جمع ہوتے تھے اور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ (اس دن) جو وعدہ کرتا تو اس کی خلاف ورزی نہ کرتا اور نہ جھوٹ بولتا تو بادشاہ عید کی طرف نکلا وہاں عورت کھڑی ہوگئی اور بادشاہ کو مائل کیا اور بادشاہ ویسے بھی اس سے محبت رکھتا تھا، لیکن یہ عورت پہلے اس سے اتنی محبت نہ کرتی تھی تو جب عورت نے پھسلایا تو بادشاہ نے کہا مجھ سے کوئی بھی سوال کرلے جو تو سوال کرے گی میں ضرور عطا کروں گا تو تب عورت بولی میں یحییٰ بن زکریا کا خون مانگتی ہوں، بادشاہ نے کہا کچھ اور سوال کرو۔ عورت نے کہا نہیں۔ بس یہی چاہیئے۔ تو بالآخر بادشاہ نے کہا چل وہ تیرے لئے ہوا۔ پھر اپنے جلاد کو یحییٰ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا فرما رہے تھے اور میں (حضرت زکریا علیہ السلام) ان کی جانب میں نماز پڑھ رہا تھا تو جلاد نے ایک طشت میں ان کو ذبح کر دیا (یعنی خون سارا طشت میں گرا) اور پھر سر اور خون اٹھا کر عورت کے پاس لے گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا پھر آپ کا صبر کس حد تک تھا؟ تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں اپنی نماز سے دور نہ ہوا بلکہ برابر پڑھتا رہا (اور حضرت یحییٰ آپ کے محبوب فرزند تھے) تو جب جلاد نے سر اٹھا کر عورت کے پاس رکھا تو شام کے وقت بادشاہ (اور اس کی یہ ظالم بیوی اور تمام گھر والے حشم وخدم سب دھنسا دیئے گئے، جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے کہا زکریا کا رب زکریا کے لئے غضب میں آ گیا ہے تو لہذا آؤ ہم اپنے بادشاہ کے لئے زکریا پر غصہ نکالیں اور اس کو قتل کر دیں تو وہ میرے (زکریا کی) تلاش میں نکلے تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے پاس ایک خبر دینے والا آیا تو میں ان سے بھاگ گیا اور ابلیس ان کے آگے آگے ان کو زکریا علیہ السلام کا پتہ بتا رہا تھا، جب میں سمجھ گیا کہ اب میں ان سے نہ بچ سکوں گا تو میرے سامنے ایک درخت آ گیا اور اس سے آواز آئی میری طرف آؤ، پھر درخت بیچ سے شق ہو گیا اور میں اس میں داخل ہو گیا۔

اور ابلیس آیا اور اس نے میری چادر کا کونا پکڑ لیا اور درخت دوبارہ بند ہو گیا اور چادر کا کنارہ درخت سے باہر ہی رہ گیا، اور بنی اسرائیل آئے تو ابلیس نے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس درخت میں داخل ہوا ہے؟ یہ اس کی چادر کا کنارہ ظاہر ہے، اور وہ اپنے جادو کے زور سے اندر اپنی جگہ بنا گیا ہے تو وہ کہنے لگے ہم اس درخت کو جلا ڈالتے ہیں تو ابلیس نے کہا تم اس درخت سمیت اس کو آرے سے کاٹ ڈالو تو حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا پھر مجھے درخت سمیت آرے سے کاٹ دیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ کو آرے کی تکلیف یا کچھ احساس ہوا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اس درخت نے میری تکلیف کو اللہ کے حکم سے سمیٹ لیا تھا اور اس میں اللہ نے میری روح رکھ دی تھی۔

یہ حدیث انتہائی درجہ غریب ہے اور عجیب ہے اور اس کی حضور تک نسبت کرنا (یعنی مرفوع بیان کرنا) غلط ہے اور اس میں وہ باتیں ہیں جو ہر حال میں غلط ہیں، اور اسراء و معراج کی احادیث میں آسمانوں میں حضرت زکریا سے ملاقات کے وقت یہ باتیں کسی حدیث میں منقول نہیں، بعض صحیح احادیث میں فقط اتنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میں دو خالہ زاد یعنی یحییٰ اور عیسیٰ کے پاس سے گزرا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کی خالہ کے بیٹے ہیں۔

لہذا جمہور کے قول کے مطابق آیا ہے جو ظاہر حدیث کے بھی موافق ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ ایشاع بنت عمران تھی جو مریم بنت عمران کی حقیقی

---

(۱) رواہ اسحاق بن بشر فی کتابہ "المبتدأ" حیث قال: انبأنا یعقوب الکوفی، عن عمرو بن میمون، عن ابیہ عن ابن عباس

مشہور تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایشاع تو یہ بھی ہیں یہ ان کی خالہ کی بیٹی تھیں لیکن پھر اس صورت میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے خالہ زاد ہونے کے بجائے ان کی والدہ مریم کے خالہ زاد بھائی ہوں گے واللہ اعلم

پھر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی شہادت کے بارے میں اختلاف ہے آیا وہ مسجد اقصیٰ میں شہید کئے گئے یا دوسری کسی جگہ تو ثوری، اعمش سے وہ شمر بن عطیہ سے نقل کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی چٹان (صخرہ) کے مقام پر ستر نبی شہید کئے گئے انہی میں سے حضرت یحییٰ بھی ہیں۔

(۱) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بخت نصر دمشق آیا تو وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون جوش مار رہا تھا تو بخت نصر نے اس خون کے متعلق پوچھا لوگوں نے حقیقت حال بتلائی کہ کس طرح ایک مظلوم پیغمبر کا خون بہایا گیا ہے تو بخت نصر نے اس کے انتقام میں ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل کیا تو خون جوش مارنے سے ساکن ہو گیا۔

اور اس روایت کی اسناد حضرت سعید تک بالکل صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام دمشق میں قتل کئے گئے اور بخت نصر کا قصہ حضرت مسیح کے بعد واقع ہوا جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے زید بن واقد سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے دمشق کی مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو قبلہ کے ستونوں میں سے جو مشرق کی جانب ہے اس کے نیچے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک نکالا گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کھال اور بال وغیرہ اپنی حالت پر بالکل صحیح سالم ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ گویا ابھی قتل کئے گئے ہیں۔

اور مسجد دمشق کی تعمیر کے ذکر میں ہے کہ آپ کا سر مبارک ایک ستون کے نیچے مدفون ہے جس کا نام عمود السکاسکہ ہے۔

حافظ ابن عساکر (۲) کی روایت میں حضرت معاویہ کے غلام قاسم سے منقول ہے کہ دمشق کا بادشاہ ہداد بن ہدار تھا اس نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی اریل جو صیدا کی ملکہ تھی اس سے کر دی اس اریل کی ملکیت میں سے دمشق کا مشہور سوق الملوک والا بازار بھی تھا ایک مرتبہ اس کے شوہر نے اس کے بارے میں تین طلاق کا حلف اٹھایا پھر نادم ہوا تو دوبارہ رجوع کی کوئی صورت کے لئے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ جب تک وہ دوسرے سے شادی نہ کر لے تب تک آپ کے لئے حلال نہیں کہ آپ اس سے رجوع کریں تو اس سے دل ہی دل میں اس عورت کو حضرت یحییٰ سے کینہ و بغض پیدا ہو گیا اس نے بادشاہ سے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر مانگا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی ماں کے اشارے پر کیا تھا لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا پھر مجبور ہو کر وہاں ایک آدمی کو آپ کے پاس بھیجا آپ محراب میں نماز ادا کر رہے تھے تو اس نے آپ کو شہید کر دیا پھر آپ کا سر مبارک لایا تو سر نے اس کو کہا تیرے لئے نکاح کی صورت نہیں جب تک کہ غیر سے اس کا نکاح نہ ہو جائے تو عورت حضرت یحییٰ کے سر کو طشت میں رکھ کر اپنی ماں کے پاس لے گئی تو آپ کا سر تب بھی یہی کہہ رہا تھا جب آپ کا سر مبارک اس بے غیرت ماں کے سامنے رکھا گیا تو زمین نے اس کو قدموں تک نگل لیا پھر زمین کمر تک اور اس کی ماں چیخ و پکار کر رہی تھی اور اس کی باندیاں بھی صرف اپنے چہروں کو پیٹ رہی تھیں پھر زمین نے اس کو شانوں تک نگل لیا تب اس کی ماں نے حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تا کہ سر تو باقی بچ جائے پھر سر تن سے جدا کر دیا گیا پھر زمین نے اس کے لٹکے ہوئے جسم کو بھی باہر اچھال دیا یہ منظر سب لوگ دیکھ رہے تھے پھر بادشاہ بھی غرق ہو گئے اور یحییٰ کا خون جوش مارتا رہا مسلسل انتقام کے لئے لوگوں کو کشت و خون کرتا رہا حتیٰ کہ بخت نصر آیا اور اس نے اس کے انتقام میں پچھتر ہزار لوگوں کو قتل کیا تب کہیں جا کر خون ٹھنڈا ہوا (۱) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ یہ ایک ہر نبی کا خون تھا اور یہ جوش مار رہا تھا حتیٰ کہ حضرت ارمیا علیہ السلام اس کے پاس پہنچے اور اس کو کہا اے خون تو نے بستی اور اس کے لوگوں کو فنا کر دیا ہے اب اللہ کے حکم سے ٹھہر جا تو یہ ٹھہر گیا اور غائب ہو گیا پھر سے تلوار اٹھا لی اور جو اہل دمشق بچ گئے تھے ان کو بھاگ کر بیت المقدس اپنی جان لے کر بچانی پڑی پھر وہاں گئے ان کا تعاقب کیا اور ایک جم غفیر کو قتل کیا جس کی تعداد شمار سے باہر ہے اور بہت کو قیدی بنایا پھر واپس چلے گئے۔

---

(۱) رواہ ابو عبید القاسم بن سلام حدثنا عبداللہ بن صالح عن اللیث عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب

(۲) رواہ الطبرانی والحافظ ابن عساکر فی المستقصی فی فضائل الاقصی من طریق العباس بن صبح عن مروان عن سعید بن عبدالعزیز عن القاسم مولی معاویۃ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

جن کو کئی عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

(۱)..... مریم بن عمران کا قصہ۔

(۲)... عیسیٰ بن مریم کی پیدائش۔

(۳)..... اللہ کے اولاد سے پاک ہونے کا بیان۔

(۴)..... عیسیٰ بن مریم کی تربیت و نشوونما۔

(۵)..... (آسمانی) کتابوں کا نزول اور ان کا زمانہ۔

(۶)..... دسترخوان کا قصہ۔

(۷)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض احوال اور ان کے کچھ مواعظ۔

(۸)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ۔

(۹)... عیسیٰ علیہ السلام کی صفات۔

(۱۰)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعد آپ کے اصحاب کا اختلاف۔

(۱۱)..... بیت لحم کی تعمیر کا ذکر۔

مریم بنت عمران علیہا السلام کا قصہ

اللہ عزوجل نے سورۂ آل عمران میں شروع کے اندر نصاریٰ پر رد کیا ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدے میں خیال کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے لئے اولاد ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و پاک ہے اسے کوئی ذرہ بھر اولاد کی حاجت و ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ نجران کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے باطل عقائد کا پرچار کرنے لگے کہ تین خدا تین اقنوم میں ہیں، اور اللہ تین کا تیسرا ہے اور یہ ذات مقدسہ ہے اور عیسیٰ اور مریم تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کے شروع میں فرمایا کہ عیسیٰ اللہ کے بندہ محض اور رسول مقرب ہیں فقط، اور اللہ نے ان کی بھی ماں رحم میں اسی طرح شکل و صورت بنائی جس طرح دوسرے بندوں کی بنائی، اور آپ کو بغیر باپ بنایا تو پہلے حضرت آدم کو بغیر باپ کیا بغیر ماں کے بھی پیدا فرما چکے ہیں لہٰذا یہ خدائی کی کوئی دلیل نہیں، اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق (کن) کا حکم فرمایا اور آپ ہو گئے اور آپ کی والدہ نے آپ کو کیسے جنم دیا اور کیسے باامید ہوئیں۔ یہ سب کچھ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایت سے بیان کریں گے۔ جس کا ذکر تفصیل سے سورۂ مریم میں بھی آیا ہے۔ اس تمام کو اللہ نے بڑے شان اعجاز سے سورۂ آل عمران میں اور دوسری جگہ خصوصاً سورۂ مریم میں بیان فرمایا ہے خدا نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور خدا سننے والا (اور) جاننے والا ہے (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی سے قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا زکریا جب بھی عبادت خانے میں ان کے پاس جاتے تو ان کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہے ہیں کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو چن لیا، پھر آپ کی اولاد میں سے برگزیدہ شخصیات کو منتخب فرمایا، آگے فرمایا اور آل ابراہیم کو بھی، تو اس میں حضرت اسماعیل بھی داخل ہو گئے پھر اس پاکیزہ گھرانے کی تعریف فرمائی یعنی آل عمران کی اور اس عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے والد محترم ہیں۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عمران بن باشم بن امون بن میشا بن حزقیا ابن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط ابن ایشا بن ایان بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد ہیں اور ابو القاسم ابن عساکر فرماتے ہیں یہ مریم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اخنز بن صادق بن عیازوز بن الیاقیم بن ایبود بن زربابیل بن شالتال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقیا بن احاز ابن موثام بن عزریا بن یورام ابن یوشافاط بن ایشا بن ایا بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں اور یہ پہلے نسب نامے سے مختلف ہے۔

لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت مریم کے والد حضرت عمران اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کے عابد و زاہد شخص تھے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، اور حضرت مریم کی والدہ حنہ بنت فاقود بن قبیل عابدہ خواتین میں سے تھیں، اور اس زمانے کے مشہور پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کی بہن کے شوہر تھے اس بہن کا اسم گرامی اشیاع تھا اور یہ جمہور کا قول ہے اور ایک قول یہ

---

(۱) سورۂ آل عمران آیات ۳۳ تا ۳۷

ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کی خالہ کے شوہر تھے اور اشیاع ان کا نام تھا، واللہ اعلم۔

اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ ناامید ہو چکی تھیں تو ایک دن وہ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک پرندہ اپنے بچے چوزے کو چوگا دے رہا ہے تو ان کے دل میں بھی بیٹے کی خواہش اٹھی اور بیٹے کے لئے دل تڑپ اٹھا تو تب انھوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ ان کو نرینہ لڑکا عطا فرما دے تو اپنے لڑکے کو محرر یعنی بیت المقدس میں اللہ کے لئے وقف کر دیں گی تاکہ وہاں کا خادم بنے۔

تو پھر آپ کو اسی وقت ماہواری آنا شروع ہو گئی پھر پاک ہوئیں تو ان کے خاوند نے ان کے ساتھ تعلقات کئے تب ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ باامید ہو گئیں، آگے فرمان الٰہی ہے پھر اس کو جنم دیا تو کہنے لگی اے پروردگار میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے یعنی بیت المقدس کی خدمت میں۔

اور لوگ اس زمانے میں بیت المقدس کیلئے اولاد کی نذر مانتے تھے، جو بڑے ہو کر وہاں کی خدمت سرانجام دیتے اور حضرت مریم کی والدہ فرماتی ہیں (اور میں نے ان کا نام مریم رکھا ہے) اس سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ پیدائش کے دن ہی بچے کا نام تجویز کر دیا جائے۔

اسی طرح صحیحین میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے نومولود بھائی کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان کی تحسنیک فرمائی (یعنی کوئی میٹھی چیز اپنے منہ مبارک سے چبا کر بچے کو کھلائی اور بطور تبرک کسی بزرگ سے ایسا کروانا سنت ہے) اور پھر حضور ﷺ نے ان کا عبداللہ نام تجویز فرمایا اور حسن کی حدیث میں سمرۃ سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

ہر بچہ اپنے عقیقے کے بدلے (بلاء و مصیبت سے محفوظ) گروی ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کر دیا جاتا ہے اور اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے اور اس کا سر مونڈ دیا جاتا ہے۔

امام احمد نے اور اہل سنن نے اس کو روایت فرمایا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور بعض روایتوں میں یسمی کی جگہ یدمی کا لفظ آیا ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ بچے کا خون بہایا جائے۔ اور بعض نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور مریم علیہا السلام کا یہ کہنا (اور میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے) تو اللہ عزوجل نے جس طرح نذر قبول کی تو اسی طرح یہ دعا بھی قبول کی لہذا مسند احمد میں ہے(۱) کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان ضرور اس کو چھوتا ہے جس سے وہ چیختا ہوا آواز نکالتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو تم بھی حضرت مریم کی مذکورہ دعا کر سکتے ہو عربی الفاظ قرآن یہ ہیں۔

انی اعیذھابک و ذریتھا من الشیطان الرجیم (۲)

مسند احمد میں دوسری روایت (۳) کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نومولود کو شیطان اپنی انگلی کے ساتھ چھوتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور اس کے بیٹے کے۔ (۴)

اور مسند احمد میں (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر انسان جس کو اس کی ماں جنم دیتی ہے تو شیطان اس کی گود میں کچوکے لگاتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے کیا تو نہیں دیکھتا بچے کو جب وہ گرتا ہے تو کیسے چیختا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا اسی وقت شیطان اس کو گود میں کچوکے لگاتا ہے۔

---

(۱) حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزهری عن ابن المسیب، عن ابی هریرة الخ

(۲) اخرجاه من حدیث عبدالرزاق ورواه ابن جریر عن احمد بن الفرج عن بقیه عن عبد الله بن الزبیدی عن الزهری عن ابی سلمه، عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم نحوه

(۳) وقال احمد ایضا: حدثنا اسماعیل بن عمر، حدثنا ابن ابی ذویب، عن عجلان مولی المشمعل عن النبی صلی الله علیه وسلم ـــ الخ

(۴) انفرد به من هذا الوجه و رواه مسلم عن ابی الطاهر، عن ابن وهب عن عمرو بن الحارث، عن ابی یونس عن ابی هریرة الخ

(۵) وقال احمد حدثنا هشیم، حدثنا حفص بن میسرة، عن العلاء عن ابیه عن ابی هریرةؓ الخ

یہ روایت مذکورہ مسلم کی شرط پر ہے لیکن مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی، یہ روایت قیس سے ان کو (کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ) اعمش سے انھوں نے ابو صالح سے ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو کوکھ میں ٹہوکا دیتا ہے مگر عیسیٰ بن مریم کے پھر حضور نے اس کی تلاوت فرمائی وانی اعیذھا ...الخ (۱)

اور مسند احمد میں (۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر بنی آدم کو شیطان اس کے پہلو میں جب کہ وہ پیدا ہوتا ہے (انگلی وغیرہ) چبھوتا ہے سوائے عیسیٰ بن مریم کے کہ جب وہ ان کو چبھونے گیا تو حجاب میں چبھو کر رہ گیا یہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے مگر انھوں نے اس طریق سے اس کی تخریج نہیں کی۔

تو جب حضرت ام مریم نے یہ دعا کی تو پروردگار نے بھی جواب دیا کہ اس کو اس کے پروردگار نے بڑی اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کی اچھی پرورش کی اور زکریا اس کے کفیل ہوئے۔

اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ مریم کی ماں نے جب ان کو جنم دیا تو ان کو کپڑوں میں لپیٹ کر مسجد بیت المقدس لے گئیں اور عابدوں کے حوالے کر دیا جو وہاں عبادت اور خدمت مسجد وغیرہ کے لیے وقف و مجاور تھے اور یہ بچی چونکہ ان کے نبی اور امام عمران کی بیٹی تھی لہٰذا اس کے متعلق سب جھگڑنے لگے کہ میں اس کا کفیل بنوں گا اگرچہ مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے مگر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام مریم نے مریم کو دودھ پلانے کے زمانے کے بعد اور بچپن کی پرورش کے بعد ان کے حوالے کیا ہوگا تو پھر جب ام مریم نے مریم کو ان کے حوالے کر دیا تو اس بات پر جھگڑا ہوا کہ کون اس کی پرورش و کفالت کرے ہر ایک خواہشمند تھا کہ یہ اس کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری لے اور حضرت زکریا اس زمانے میں پیغمبر بھی تھے اور رشتہ میں وہ بچی کے بہنوئی یا خالو بھی تھے تو اس لیے ان کی خواہش و کوشش تھی کہ یہ ان کا حق ہے مگر لوگ آپ پر مصر ہوئے کہ آپ ان کے ساتھ ہونے کے شریک ہیں معروف اور آپ بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوں تو پھر کار سب قرعہ اندازی پر متفق ہوئے اور تقدیر و قسمت نے حضرت زکریا کی یاوری کی اور ان کے نام سے قرعہ نکل آیا اور چونکہ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے اس لیے یہ بہتر ہوا۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں اور زکریا اس کے کفیل ہوئے۔

یعنی حضرت زکریا چونکہ قرعہ میں ان پر غالب آ گئے تھے جیسے آگے فرمان باری تعالیٰ ہے:

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے (اے محمد) آپ کی طرف وحی کی ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ کون ان میں سے اس کا کفیل بنے گا اور آپ اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

اور اس کی صورت یوں ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنا معروف قلم ڈالا پھر ان سب قلموں کو ایک جگہ رکھ دیا گیا اور ایک کمسن نابالغ بچے کو حکم دیا اس نے ایک قلم اٹھایا اور اس طرح حضرت زکریا کا قلم اٹھا آیا لیکن لوگوں نے پھر مطالبہ کیا کہ دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے تو پھر قرعہ کیا گیا، اور اس مرتبہ یہ تجویز ہوئی کہ سب قلموں کو نہر میں ڈالا جائے پھر جس کا قلم نہر کے پانی کی مخالف سمت چلے تو وہ شخص کامیاب شمار ہوگا تو جب ایسا کیا گیا پھر بھی قسمت نے حضرت زکریا کی مدد کی اور آپ کا قلم پانی کی بہاؤ کی سمت کے مخالف چلا اور باقی تمام لوگوں کے قلم پانی کے ساتھ بہہ پڑے لیکن لوگوں کی اب بھی تسلی نہ ہوئی اور پھر مطالبہ کیا چلو ایک آخری مرتبہ اور کر لو اور اس مرتبہ یہ تجویز ہوئی کہ جس کا قلم مخالف سمت چلا وہ ناکام ہوگا پھر قرعہ اندازی کی گئی اور نشانہ بنا تو اب سب کے قلم مخالف سمت چل پڑے اور حضرت زکریا کا قلم پانی کی روانی کے ساتھ بہہ پڑا اور آپ اللہ کے فضل سے حضرت مریم کے کفیل ہو گئے کیونکہ شرعاً اور عرفاً بھی کئی وجوہ کی بنا پر آپ ہی ان کے مستحق تھے۔

آگے فرمان باری تعالیٰ ہے:

جب بھی زکریا اس کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس رزق پاتے تو کہتے: اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی یہ اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

---

(۱) وکذا رواہ محمد بن اسحاق عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصل الحدیث

(۲) وقال الامام احمد حدثنا عبد الملک حدثنا المغیرۃ عن ابی عبد الرحمن الحزامی عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ... الخ

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مسجد کی ایک ایسی جگہ ان کے لئے بنائی تھی جس میں کوئی اور مریم کے سوا داخل نہ ہو سکتا تھا آپ اس میں خدا کی عبادت میں مصروف رہتیں اور باقی جب مکان کی دیکھ بھال کی ضرورت پڑتی اس کو درست کرتیں پھر بقیہ وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں حتیٰ کہ لوگوں میں آپ کی کثرت عبادت مشہور ہو گئی اور آپ کے کریمانہ احوال اور عمدہ صفات و کرامتوں کا بھی لوگوں میں چرچا ہونے لگا ان میں سے ایک یہ بھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہاں عجیب و غریب میوے اور موسم سے علاوہ پاتے سردیوں میں گرمی کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل پاتے تو آپ پوچھتے اے مریم یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتیں اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

تو ایسے موقعے پر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں اپنی صلبی اولاد کی خواہش نے جنم لیا اگرچہ آپ انتہائی بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے تو تب آپ نے دعا کی فرمان باری ہے اے پروردگار مجھے بھی اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد دے۔ بے شک آپ دعا قبول کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں آپ نے یوں دعا کی اے وہ ذات جو مریم کو بغیر موسم کے پھل و رزق عطا کرتی ہے مجھے بھی اولاد سے نواز اگرچہ اس کا زمانہ نکل چکا ہے تو پھر وہی قصہ پیش آیا جس کا ذکر پچھلے زکریا علیہ السلام کے قصے میں گزر چکا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہاں کی عورتوں میں منتخب کیا ہے مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا (اے محمد ﷺ) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون بنے تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا مریم نے کہا کہ پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بشکل پرند بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے (سچ مچ) جانور ہو جاتا ہے اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (قدرت خدا کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ عزوجل ذکر فرما رہے ہیں کہ ملائکہ نے حضرت مریم علیہ السلام کو خوشخبری دی کہ اللہ نے آپ کو تمام جہاں میں سے چن لیا ہے[1] جو کہ ان کے عمل مبارک سے اعلیٰ عظیم شخصیت کو جنم دلائے گا جو بغیر باپ کے ہوں گے اور اس وقت کا عظیم پیغمبر ہوگا اور وہ گود میں بھی لوگوں سے بات کرے گا یعنی وہ بچپن کے زمانے میں اور بڑی عمر میں بھی اللہ کی توحید اور وحدت کی طرف بلائے گا اور بڑھاپے میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا (جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے) اور پھر اللہ نے حضرت مریم کو حکم دیا کہ کثرت سے عبادت اور خشوع و خضوع اور رکوع و سجود ادا کرو تاکہ تم اس کرامت و شرافت کی اہل بن سکو اور اس کی قدردان ہو جاؤ تو آپ نے بھی اسی طرح اللہ کی عبادت کی آپ کے قدم مبارک پھٹ گئے اللہ آپ پر آپ کی ماں اور باپ اور آپ پر

---

[1] (۱) آل عمران ۴۲ تا ۵۱

کے لخت جگر پر رحم فرمائے۔

اور پہلی آیت کا مطلب ہے اے مریم آپ کو اللہ نے چن لیا ہے اور قبول کر لیا ہے اور آپ کو اخلاق رذیلہ سے پاکیزہ کر دیا ہے اور صفات جمیلہ سے مزین کر دیا ہے اور تمام جہان والوں یعنی اس وقت کے زمانے کی تمام جہان والی عورتوں پر فضیلت دے دی ہے جیسے بنی اسرائیل کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو تمام جہان والوں پر علم کے ساتھ چن لیا ہے اور اس کے باوجود خوب معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہیں اور آپ محمد ﷺ دونوں سے افضل و اشرف ہیں اور یہ امت محمد یہ سب امتوں سے افضل ہے تو حضرت مریم کو بھی اسی طرح فرمان الٰہی ہوا اے مریم اللہ نے آپ کو تمام جہان والی خواتین پر چن لیا ہے۔

لیکن امام ابن حزم کے قول کو اگر لیا جائے کہ عورت بھی نبیہ ہو سکتی ہے تو اس صورت میں یہ سب عورتوں سے افضل ہوں گی اور ام موسیٰ اور سارہ علیہ السلام اور ام اسحاق علیہ السلام بھی نبیہ ہوں گی، اور حضرت مریم نبیہ اور سب سے افضل ہوں گی اور آیت کے بالکل ظاہری مطلب پر دنیا کی تمام عورتوں سے خواہ ان سے پہلے کی ہوں یا بعد کی یا اس وقت کی سب سے افضل ہوں گی۔

لیکن جمہور علماء اسلام کا قول ہے جس کو امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ نبوت صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور عورتوں میں کوئی پیغمبر نہیں گزری تو اس لحاظ سے حضرت مریم پیغمبری کے سوا انتہائی اعلیٰ وارفع مقامات پر فائز ہوں گی، جیسے فرمان الٰہی ہے نہیں ہیں مسیح ابن مریم سوائے رسول کے ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ تھی، تو اس صورت میں یہ اپنے مابعد اور ماقبل سب سے بلند رتبہ والی ہوں گی۔

اور ان کا ذکر آسیہ بنت مزاحم اور خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ بنت محمد ﷺ کے ساتھ احادیث میں آیا ہے رضی اللہ عنھن وارضاھن۔

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی کی طرق سے ہشام بن عروہ سے اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے انھوں نے عبداللہ بن جعفر سے عبداللہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا کہ معمر نے ہم کو قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تجھے جہاں کی تمام عورتوں میں سے چار عورتیں کافی ہیں مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ۔ (۱) اور کئی طرق سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

اور مسند احمد میں ہے کہ (۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرنے والی ہیں ان میں سب سے بہتر قریش کی صالح خاتون ہیں، اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ شفقت کرنے والی ہیں اور اپنے شوہر کی ان کی ماتحتی میں سب سے زیادہ خیال رکھنے والی ہیں، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حضرت مریم اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں۔ (۳) امام مسلم نے بھی اس کو روایت کیا۔

اور مسند احمد ہی میں دوسرے (۴) طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوئیں ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں سب سے زیادہ پرورش مہربانی کرنے والی ہیں اور اپنے

---

(۱) ورواه الترمذی عن ابی بکر بن زنجويه عن عبدالرزاق به وصححه و رواه ابن مردويه من طريق عبدالله بن ابی جعفر الرازی و ابن عساكر من طريق نعيم بن زياد كلاهما عن ابی جعفر الرازی، عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ خير نساء العالمين اربع مريم بنت عمران آسية امراة فرعون، و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد ﷺ

(۲) قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر، عن الزهری عن ابن المسيب قال كان ابوهريرة ـــ الخ

(۳) ورواه مسلم فی صحيحه عن محمد بن رافع و عبد بن حميد كلاهما عن عبدالرزاق به

(۴) قال احمد حدثنا زيد بن الحباب حدثنی موسیٰ بن علی سمعت ابی يقول سمعت ابا هريرة يقول

شوہر پر قلت مال کے باوجود مہربان ہیں آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ جانتے تھے کہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

امام مسلم اس میں منفرد ہیں اور یہ شیخین کی شرط پر ہے اور حضرت ابو ہریرہ ہی سے اس حدیث کے کئی دوسرے طرق ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے پھر دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔ (۲)

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (۳) کہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے تم کو چار عورتیں کافی ہیں جو تمام جہان والی عورتوں کی سردار ہیں فاطمہ بنت محمد، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم، مریم بنت عمران۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا جب تم رسول اکرم ﷺ سے سرگوشی کی اور پھر تم پہلے روئیں پھر ہنسیں اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا انہوں نے مجھے خبر دی کہ آپ اسی مرض میں انتقال فرمائیں گے تو میں روئی، پھر میں دوبارہ حضور کی طرف جھکی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں میں سے آپ سے جا ملوں گی اور میں اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی سوائے مریم بنت عمران کے تو میں ہنس پڑی۔

اور یہ حدیث صحیح میں بھی موجود ہے اور اس کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ عورتیں باقی عورتوں پر بھی فضیلت رکھتی ہیں۔

اسی طرح مسند احمد میں (۵) ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم بنت عمران کے۔ (۶)

حاصل کلام یہ کہ مریم اور فاطمہ چاروں میں سے بھی افضل ہیں پھر حضرت مریم کو حضور نے جدا فرمایا اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم بنت عمران حضرت فاطمہ سے بھی افضل ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک درجہ ہیں اور فضیلت میں برابر ہوں۔

لیکن پہلے احتمال کو ترجیح اور متعین کرنے والی ایک حدیث آئی ہے۔ (۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنتی عورتوں کی سردار حضرت مریم بنت عمران ہیں پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔

اگر یہ حدیث مبارکہ ثم (یعنی پھر) کے لفظ کے ساتھ محفوظ ہو تو یہ حدیث ایک بات کو متعین کر دیتی ہے کہ حضرت مریم سب سے افضل ہیں پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اور کیونکہ اسی حدیث میں واؤ عاطفہ آئی ہے یعنی اور تو اس سے ترتیب معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم نے دوسرے طرق سے اس حدیث کو واؤ کے ساتھ

---

(۱) قال ابو يعلى الموصلي حدثنا يونس بن محمد حدثنا داؤد بن ابي الفرات عن علباء بن احمر عن عكرمة عن ابن عباس

(۲) ورواه النسائي من طرق عن داؤد بن ابي هند

(۳) قال الحافظ ابن عساكر من طريق ابي بكر عبد الله بن ابي داؤد سليمان بن الاشعث حدثنا يحيى بن حاتم العسكري انبأنا بشر بن مهران بن حمدان، حدثنا محمد بن دينار، عن داؤد بن ابي هند عن الشعبي عن جابر بن عبد الله قال

(۴) وقال ابو القاسم البغوي حدثنا وهب بن منبه حدثنا خالد بن عبد الله الواسطي عن محمد بن عمرو عن ابي سلمة عن عائشة انها قالت

(۵) ورواه الامام احمد حدثنا عثمان بن محمد حدثنا جرير عن يزيد هو ابن ابي زياد عن عبد الرحمن بن ابي نعم عن ابي سعيد قال

(۶) اسناده حسن و صححه الترمذي ولم يخرجوه وقد روي نحوه من حديث علي بن ابي طالب ولكن في اسناده ضعف.

(۷) قال الحافظ ابو القاسم بن عساكر انبأنا ابو الحسين بن الفراء و ابو غالب و ابو عبد الله ابنا البناء قالوا انبأنا ابو جعفر بن المسلمة، انبأنا ابو طاهر المخلص حدثنا احمد بن سليمان حدثنا الزبير بن بكار، حدثنا محمد بن الحسن، عن عبد العزيز بن محمد عن موسى بن عقبة عن كريب عن ابن عباس قال ... الخ

ذکر کیا ہے۔ (۱)

اسی مضمون کے مثل ایک حدیث ابن مردویہ شعبہ کی حدیث سے نقل کرتے ہیں شعبہ معاویہ سے وہ اپنے والد قرہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت باکمال گزرے ہیں عورتوں میں سے کوئی نہیں گزری سوائے تین کے مریم بنت عمران آسیہ فرعون کی بیوی خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی توڑ کر ملائے ہوئے طعام) کو تمام طعاموں پر فضیلت ہے اسی طرح دوسری حدیث ہے جس کو جماعت نے نقل کیا ہے سوائے ابوداؤد کے اور کئی طرق سے وہ منقول ہے وہ کئی طرق شعبہ تک جا پہنچے ہیں شعبہ عمرو بن مرۃ سے وہ مرۃ ہمدانی سے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مردوں میں سے بہت باکمال ہوئے مگر عورتوں میں سے صرف دو ہی ہیں سوائے فرعون کی بیوی آسیہ کے اور مریم بنت عمران کے اور تحقیق عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی سب کھانوں پر۔

یہ حدیث صحیح ہے اور محققین نے بھی اس کی تخریج پر اتفاق کیا ہے اور اس کے الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ عورتوں میں کمال صرف مریم اور آسیہ میں منحصر ہو شاید مراد ان کے اپنے زمانے میں ہو کیونکہ دونوں نے دو نبیوں کی ان کے بچپن میں کفالت و پرورش کی آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کی اور مریم نے اپنے بیٹے اللہ کے بندے اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کی لہٰذا اپنے علاوہ دوسری امتوں کی باکمال خاتون کے متعلق نفی نہیں کی اس امت کی خدیجہ اور فاطمہ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے خدمت فرمائی اور پھر بعثت کے بعد بھی دس سال سے زیادہ خدمت فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہا حضور کیلئے بہترین وزیر اور دست راست تھیں اور فاطمہ بنت رسول علیہا السلام اپنی خصوصیات کی بناء پر فضیلت والی تھیں کیونکہ ان کو اپنے والد محترم ﷺ کی وفات کی مصیبت پہنچی جبکہ بقیہ بیٹیاں حضور ﷺ کی زندگی میں وفات ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کی ازواج میں سب سے محبوب اور کنواری خاتون تھیں اور کسی بیوی کو یہ فضل و شرف حاصل ہے کہ صرف حضور کے ساتھ زندگی بسر کی اور کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا اور علم میں آپ سے بڑھ کر نہ اس امت میں نہ پچھلی امتوں کی کوئی خاتون آپ سے بڑی ہوئی اور جب واقعہ افک میں ان پر جھوٹی تہمت لگی تو اللہ کو بھی ان کی عزت و عظمت اور شرافت و پاکیزگی کی بناء پر غیرت آگئی اور اپنے قرآن کی کئی آیتیں ان کی شان میں ساتویں آسمان سے نازل فرمائیں اور حضور کے بعد بھی ان کی پچاس سال زندگی رہی اور طویل زمانے میں آپ قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت میں خوب کام کرتی رہیں اور آپ سے افتاء اور اصلاح کا خوب کام جاری ہوا اور یہ امہات المومنین میں سب سے بڑھ کر افضل ہیں حتیٰ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک قول کے مطابق جس کے قائل علماء سلف و خلف سب ہیں البتہ بہتر بات یہ ہے کہ دونوں کے متعلق توقف کیا جائے کہ کون زیادہ اشرف ہے۔

اور یہ بحث اس وجہ سے کی کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر تو عورتوں سے تمام عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور گذشتہ چار کے علاوہ بھی اس لئے یہ تفصیلی توجیہ پیش کی گئی۔

اب ہم اپنے مقصد اور متعین موضوع کی طرف لوٹتے ہیں یعنی حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی پاکیزگی و طہارت اور فضیلت اللہ نے آپ کو تمام جہان کی خواتین میں سے چن لیا اور ابھی پوری بحث سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت تمام دنیا کی عورتوں سے ہو خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد میں۔

اور حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ روز قیامت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں سے ہوں گی اور آسیہ بنت مزاحم بھی اور تفسیر میں بعض بزرگوں سے اسی مقام پر نقل کیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

(ثیبات وابکارا) کہ حضور کی غیر شادی شدہ اور شادی شدہ بیویاں ہوں گی شادی شدہ حضرت آسیہ ہیں اور کنواری حضرت مریم بنت عمران۔ سورۃ تحریم

---

(۱) وقد روی ھذا فحدثنا ابو حاتم الرازی عن داود المحبری عن عبدالعزیز ابن محمد وھو الدراوردی عن ابراھیم بن عقبۃ عن کریب۔ عن ابن عباس مرفوعا [illegible] اسنادا ومتنا واللہ اعلم

نے آخر میں اس کا ہم ذکر کیا ہے یہ ہیں جو طبرانی[1] میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ اور موسیٰ کی بہن سے میری شادی کر دی ہے۔ ابو یعلیٰ کی روایت[2] میں اضافہ ہے کہ شادی کہتے ہیں میں نے عرض کیا مبارک ہو آپ کو یا رسول اللہ۔

[3] ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس گئے جبکہ آپ مرض الموت میں تھیں تو آپ نے ان کو فرمایا اے خدیجہ جو آپ کے ساتھ تکلیف ہو گی وہ دیکھ رہا ہوں لیکن میری طرف سے پیاری اللہ نے اس تکلیف میں بہت سی بھلائی رکھی ہے کیا آپ نہیں جانتی کہ اللہ نے جنت میں میری شادی کر دی ہے آپ کے ساتھ مریم بنت عمران اور موسیٰ کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کیا اللہ نے آپ کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ فرمایا ہاں عرض کیا آپ کو اللہ کی خوشی اور بیٹوں کی مبارک ہو۔

[4] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور آپ مرض الموت میں تھیں تو آپ نے فرمایا اے خدیجہ جب تو اپنی سوکنوں سے ملے تو میرا سلام کہنا عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے مجھ سے پہلے کسی سے شادی کی ہے؟ فرمایا نہیں لیکن اللہ نے مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم اور موسیٰ کی بہن کلثوم سے میری شادی کر دی ہے۔

[5] ابن عساکر کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کا پیغام لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہاں سے گزریں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ میری امت کی صدیقہ ہے حضرت جبرئیل نے عرض کیا میرے پاس ان کے لیے پروردگار کی طرف سے ایک پیغام ہے کہ اللہ عزوجل ان کو سلام فرماتے ہیں اور ان کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جو ایسا گھر ہے جو موتی اور یاقوت سے بنا ہوا ہے اس میں کوئی تکلیف اور شور شرابہ نہ ہوگا حضرت خدیجہ نے عرض کیا اللہ خود سلامتی والا ہے اور اسی سے سلام ہے اور تم دونوں پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں اللہ کے رسول ﷺ پر ہو یہ جو موتی سے بنا گھر ہے فرمایا کہ یہ لؤلؤ جوف (اندر سے کھوکھلا موتی) ہے اور وہ گھر مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان ہوگا۔ یہ دونوں بھی قیامت کے دن میری بیویوں میں سے ہوں گی۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ اللہ کا سلام اور ان کی بشارت ہے حضرت خدیجہ کو اور بشارت دی گئی ان کو جنت میں گھر کی جو موتی سے بنا ہوا یاقوت سے مرصع ہوگا اور اس جنت میں نہ شور و غل ہوگا نہ تھکاوٹ لاحق ہوگی۔ لیکن یہ حدیث ان زیادتیوں کے ساتھ غریب ہے اور ان تمام احادیث کی اسناد میں نظر ہے۔ ابن عساکر نے الحافظ ابو زرعہ الدمشقی کی روایت[1] نقل کی ہے کہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے صخرہ (بیت المقدس کی چٹان) کے متعلق سوال کیا تو آپ (کعب) نے فرمایا کہ صخرہ اونچی جگہ پر ہے جو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے اور اس کے نیچے حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم جنتی عورتوں کے ہار پرو رہی ہیں اور یہ قیامت تک قائم رہے گا۔

لیکن یہ روایت حضرت کعب احبار کی ہے اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور اللہ ہی بہتر جانتے ہیں یہ بعض کی من گھڑت روایت ہے۔ (۱)

---

[1] رواہ الطبرانی حدثنا عبداللہ بن ناجیہ، حدثنا محمد بن سعد العوفی، حدثنا ابی، اخبرنا عمی الحسین، حدثنا یونس بن نفیع، عن سعد بن جنادہ العوفی قال [2] رواہ ابن عساکر الطیالسی من حدیث عبدالنور به وزاد قالت و لم لا الطیالی ولیس بمحفوظ

[3] رواہ الزبیر بن بکار حدثنی محمد بن الحسن، عن یعلی بن المغیرة عن ابن ابی رواد قال

[4] رواہ ابن عساکر من حدیث محمد بن زکریا الغلابی، حدثنا العباس بن بکار، حدثنا ابو بکر الهذلی عن عکرمة عن ابن عباس

[5] رواہ ابن عساکر من طریق سوید بن سعید، حدثنا محمد بن صالح بن عمر عن الضحاک و مجاهد عن ابن عمر قال

[6] رواہ ابن عساکر من حدیث ابی زرعة الدمشقی، حدثنا عبداللہ بن صالح، حدثنی معاویة عن صفوان بن عمرو عن خالد بن معدان عن کعب الاحبار ان معاویة سأله عن الصخرة فذکر حدیث الصخرة بیت المقدس قال

(۱) رواہ ... من طریق اسماعیل ... الطبرانی ... حدثنا ... بن مسعود ... عن خالد بن معدان عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ بمثله ... ابن عساکر ... هو موضوع ... ابو زرعة عن عبداللہ بن صالح عن معاویة بن صالح ... مسعود ... من کلام کعب ... قلت و کلام کعب الاحبار هذا انما تلقاه من الاسرائیلیات التی منها ما هو مکذوب مفتعل وضعه بعض زنادقتهم او جهالهم ... واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا (مریم) بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں (مریم نے) کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (و مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے تو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں۔ پھر درد زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔ اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے ان کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی تو کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے خدا کے لئے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ پھر وہ اس (بچے) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف لے آئیں وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تو نے برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے کہ ہم اس سے جو گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔ (بچے نے) کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں (بنایا) اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور بے شک خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (یعنی قیامت کے دن) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔ (۱)

حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بطور مقدمہ اور تمہید کے تھا۔ اس وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام کے قصے کو مقدم کیا۔ سورۃ الانبیاء میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ ہے کہ:

زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو ہی سب سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو ان کے قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔ اور بی بی مریم علیہا السلام جنہوں نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی۔ ہم نے ان کو اور ان کے بیٹے کو دنیا جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔ (۲)

اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ نے ان کی پیدائش سے قبل منت مانی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر دیں گی اور ان کے بہنوئی ان کے خالو ان کے کفیل بنے تھے اور انہوں نے آپ (مریم) کے لئے ایک حجرہ بنا دیا تھا جو مسجد کے اندر تھا

---

(۱) مریم ۱۶ - ۳۷ (۲) انبیاء ۸۹ - ۹۱

تھا اور وہاں حضرت مریم اور حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا کوئی اور داخل نہ ہو سکتا تھا اور جب حضرت مریم علیہا السلام حد بلوغت کو پہنچ گئیں تو آپ کی عبادت اور ریاضت و مشقت اور محنت ایسی تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام بھی آپ پر رشک اور تحسین فرمانے لگے اور پھر سب سے بڑی فضیلت کی بات یہ ہوئی کہ حضرت آپ کو تمام عورتوں سے فضیلت عطا فرما کر چن لیا اور منتخب کیا۔ پھر آپ کو بیٹے کی بشارت دی جو نبی ہو گا اور جس کی شان عظیم اور جب یہ بات بتائی جائے گی اور وہ معجزہ ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہو گا جہاں کے لئے قطعی نشانی ہو گا اور آگے چل کر نبی ہو گا تو حضرت مریم علیہا السلام اس پر اظہار تعجب ہوا کہ بغیر خاوند کے بچہ کیسے ہو گا کیونکہ ان کا تو خاوند ہی نہیں تھا تب ان کو تسلی دی گئی کہ تمہارا رب فرشتے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے تب حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیا لیکن یہ سمجھ گئی تھیں کہ یہ ایک عظیم آزمائش ہے اور لوگوں کے طعنوں کا سامنا کرنا ہے کیونکہ وہ حقیقت حال سے واقف نہ ہوں گے صرف ظاہری حال پر نظر رکھیں گے۔

اور آپ (مریم علیہا السلام) اپنے اوقات میں سے کسی وقت مسجد سے نکلتی تھیں تو کسی ضرورت کے تحت یا پانی لینے کے لئے یا لانے کے لئے یا غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ آپ کسی مقصد کے لئے نکلیں اور مسجد اقصیٰ کی شرقی جانب میں اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے تشریف فرما تھیں کہ حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام سامنے آ گئے اور انسانی شکل صورت میں آئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر تو متقی ہے۔

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے آپ سے یہ فرمایا کہ کوئی شخص متقی ہو خیال ہے کہ بدکار نہیں ہے اس لئے کہ پرہیزگار آدمی ہے تو مجھ سے دور رہے گا۔

اور یہ بات غلط ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص تھا اس کا نام تقی تھا تو آپ نے اس کو سمجھا اور اس کو فاسق سمجھ کر پناہ مانگی یہ قول بالکل غلط ہے بلا دلیل ہے اور احتمالی کمزور قول ہے جیسا کہ امام قرطبی نے (کہا اور ابو کثیر کی تفسیر میں بھی ہے سب کا مرجع یہی ہے) ایک کہ حق ابن کثیر ہوں ہم آیا (اس نے جواب دیا کہ آپ جو مجھ سے پناہ مانگتی ہیں مجھے آپ کے رب نے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں) (قرطبی) کہتے ہیں اسی طرح ہو گا تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنائیں) کہ حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور حوا کو بغیر ماں کے اور آپ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور (ہماری طرف سے رحمت ہے) یعنی یہ بچہ نبی ہو گا جو لوگوں کے لئے باعث سعادت و رحمت ہوں گے کہ وہ ان کے لئے دعا کریں گے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلائیں گے اور آگے فرمایا (اور یہ کام ہو چکا ہے) یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اس کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کو کر دینا ہے اور یہی محمد بن اسحاق کا قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے اور ابن قتیبہ کی نقل بھی فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پھونک مارنا مراد ہو اس سے کنایہ ہو جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

کئی ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی تو وہ پھونک نیچے اتر کر شرمگاہ تک پہنچی اور اس طرح حمل ٹھہر گیا جیسے کہ باپ سے نطفہ رحم میں جاتا ہے اور حمل کی طرح تو یہ بالکل مطابق تھا اور یہ قول غلط ہے کہ آپ کے منہ میں پھونک ماری تھی یا یہ کہ آپ کے پیٹ میں پھونکی گئی تھی کیونکہ اس سے قطع بینی کی طرح یہ نہیں ہے بلکہ وہ اس میں جو ہو کر یہ حمل ہو گئی۔ یہ مطلب بعض اقوال مفسرین کے مطابق ہے اور ظاہر ہے اور آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل امین کو آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اور آپ کو روح الامین کہا جاتا ہے اور آپ نے انسانی شکل میں تشریف لائے تھے آپ کے گریبان میں پھونک ماری تو وہ شرمگاہ کے مقام تک پہنچی اور اس سے بچہ بننا شروع ہو گیا تو آپ کو حمل ٹھہر گیا پھر آپ کے پیٹ میں اپنی روح پھونک دی اور وہ پھونک پیٹ میں چلی گئی یہ مطلب جو کہ یہ شکم میں اس میں حلول کر گیا اور وہ آج جسم میں حلول کر گئی اور مشکل فرمایا یہی طرح علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں بعض علماء سے نقل کیا ہے۔

آگے فرمایا ہے (پھر اس کے ساتھ حاملہ ہو گئیں) الخ (پھر اس کو لے کر دور جگہ میں چلی گئیں) اس سے یہ فرمایا کہ حضرت مریم

علیہا السلام جب حاملہ ہوئیں تو تنگ دل ہوئیں کہ لوگ ان کے متعلق غلط الزام عائد کریں گے۔

پس اسی بارے میں ایک قصہ کئی بزرگوں نے ذکر کیا ہے وہب بن منبہ بھی انہی میں سے ہیں کہ جب آپ پر حمل کی علامات ظاہر ہوئیں تو سب سے پہلے بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد شخص کو اس کی جھلک پڑی اس کا نام یوسف بن یعقوب بڑھئی تھا۔

اور وہ آپ کا خالہ زاد بھی تھا اس کو اس بات سے انتہائی تعجب ہوا کیونکہ وہ آپ کی دیانت و پاکیزگی اور عبادت و زہد کو خوب جانتا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کو حاملہ بھی دیکھ رہا تھا، ایک مرتبہ وہ آپ کے سامنے آ کر بات چیت کرنے لگا اور پوچھا اے مریم — کیا بیج کے بغیر کھیتی اگ سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں تو کس نے پہلی مرتبہ کھیتی کو پیدا کیا؟ پھر پوچھا کیا بغیر مرد کے اولاد ہو سکتی ہے؟ فرمایا جی ہاں اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا پھر کہا تو اچھا اپنی خبر بھی دو تو آپ مریم علیہا السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے خوشخبری دی ہے (اپنی طرف سے ایک نشانی کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور وہ) دنیا و آخرت میں صاحب مرتبہ ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا اور لوگوں سے بچپن میں بھی اور بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا)۔

اور حضرت زکریا کے متعلق بھی اسی قسم کی بات چیت منقول ہے آپ (زکریا) نے بھی ان سے یہی سوالات کئے تھے اور آپ (مریم) نے یہی جوابات دیئے تھے ..... واللہ اعلم۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اسناد کیساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مریم ایک مرتبہ اپنی بہن کے پاس گئیں تو بہن نے ان کو کہا کیا آپ کو میں حاملہ لگتی ہوں؟ حضرت مریم نے فرمایا ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں حاملہ ہوں تو پھر اس بہن نے آپ کو گلے لگالیا، اور ام یحییٰ نے آپ مریم علیہا السلام کو کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ آپ کے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرے گا (یعنی اس کی تعظیم بجالائے گا اور تمہارا بچہ اشرف و افضل ہوگا) اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ (اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے) یعنی حضرت عیسیٰ کی حضرت یحییٰ تصدیق فرمائیں گے۔

ابو القاسم کہتے ہیں کہ حضرت مالک کا کہنا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور دونوں کا حمل اکٹھے ظاہر ہوا تھا ام یحییٰ نے حضرت مریم کو کہا میں دیکھتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے شکم والے کو سجدہ کرے گا۔ حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مردوں کو زندہ کرنے اور اندھوں کو اچھا کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے پر قدرت عطا فرمائی تھی، ابن ابی حاتم نے اس کو روایت فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کا کہنا تھا کہ جب میں خلوت میں تنہا ہوتی ہوں تو یہ بچہ میرے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور جب جلوت میں ہوتی ہوں تو پیٹ میں خدا کی تسبیح کرتا ہے۔

پھر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی عام خواتین کی طرح نو مہینے تک ان کے ساتھ حاملہ رہی ہوں گی اور اپنے وقت پر وضع حمل ہوا ہوگا کیونکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت مریم کو آٹھ مہینے تک حالت حمل رہی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ آپ جیسے ہی حاملہ ہوئیں تو آپ نے فوراً بچے کو جنم بھی دیدیا اور بعض کہتے ہیں کہ نو گھڑیوں تک آپ حالت حمل میں رہیں پھر آپ نے جنم دیا اور جلد جنم دینے والی روایات کے راوی اپنے خیال و روایت پر اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں۔

پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور ایک دور جگہ لے کر چلی گئیں پھر درد زہ ان کو ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔

یعنی فوراً حمل کے ساتھ جنم کی تکالیف پھر جنم کے آثار شروع ہو گئے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ ہر چیز کے بعد جو چیز ذکر کی جائے وہ اپنی شان کے مطابق تقدیم و تاخیر کے ساتھ ہوتی ہے جیسے فرمان ہے پھر زمین سرسبز ہوگئی، یعنی ایک زمانے کے بعد اور جیسے فرمایا (پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا پیدا کیا۔)

پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت بنایا پھر گوشت کو ہڈیاں پہنائیں پھر اس کو نئی پیدائش دی پس اللہ بابرکت ہے جو تمام پیدا کرنے والوں میں سب

سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

اب یہاں ہر چیز کو فوراً فوراً بیان فرمایا ہے لیکن بدیہی طور پر معلوم ہے ہر حالت کے درمیان چالیس یوم کی مدت ہوتی ہے جیسے متفق علیہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے درمیان یہ بات مشہور اور عام ہوئی تھی کہ حضرت مریم حاملہ ہو چکی ہیں تو جن کا حضرت آل زکریا کے ہاں آنا جانا تھا انھوں نے آپ کے گھر آنا جانا بند کر دیا تھا۔

اور حضرت مریم کو بعض زندیقوں نے اس یوسف کے ساتھ برائی میں متہم و بہتان زدہ کیا تھا جو آپ کے ساتھ مسجد میں عبادت کرتا تھا، پھر حضرت مریم لوگوں سے چھپ کر رہنے لگیں اور ایک دور دراز جگہ میں اپنے کو ڈال لیا (پھر ان کو درد زہ کھجور کے تنے کی طرف لے آیا) یعنی جب آپ کو مخصوص حالت و تکلیف شروع ہوئی تو آپ انتہائی مجبور ہو کر جیسے ٹیکنے کا سہارا لے رہی ہوں اور کوئی آپ کے پاس موجود تھا نہیں لہٰذا آپ کھجور کے تنے کو پکڑ بیٹھیں، اور امام نسائی کی روایت جو انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اس کی اسناد میں کوئی حرج بھی نہیں اور بیہقی نے بھی ایک اسناد کے ساتھ اس کو شداد سے مرفوعاً صحیح قرار دیا گیا ہے کہ وہ کھجور والی جگہ وہی ہے جہاں اب بیت لحم بنا ہوا ہے جو عظیم الشان عمارت ہے اور روم کے کسی بادشاہ نے اسی یادگار میں اس کو بنوایا ہے۔

تو خیر جب آپ وہاں پہنچیں تو (کہنے لگی ہائے افسوس کاش کہ میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔)

اس سے انتہائی تکلیف و شدت اور فتنے کے وقت موت کی تمنا (نہ کہ خودکشی) کے جواز کا پتہ چلتا ہے، اور آپ (مریم) نے یہ تمنا اس لئے کی تھی کہ آپ کو پتہ تھا کہ لوگ آپ کو برائی اور بدکاری کی طرف تہمت زدہ کریں گے اور آپ کی بات کو سچ نہ جانیں گے بلکہ جھٹلائیں گے باوجود اس کے کہ آپ ان کے ہاں انتہائی عبادت گزار شب بیدار معتکفہ اور منقطعہ تھیں اور نبوت و دیانت والے گھرانے سے متعلق تھیں تو ان خیالات کی گردش میں آپ نے موت کو گلے لگا لینا چاہا۔

آگے فرمان ہے پھر ان کو اس کے نیچے سے پکارا آیت ہے (فناداها من تحتها) اب لفظ "من" کو م کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ پکارنے والا کون تھا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں عوفی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ نے تو صرف لوگوں کی موجودگی میں بات چیت فرمائی ہے۔ سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، ضحاک اور سدی قتادہ کا بھی قول ہے کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، باقی مجاہد، حسن، ابن زید اور سعید بن جبیر کی بھی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ تھے، ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے آگے کہنے والا کہتا ہے (کہ تو رنج نہ کر تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا فرما دیا ہے)

جمہور قول یہی ہے کہ یہ چشمہ تھا، لیکن اس کے متعلق ایک حدیث آئی ہے جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے اور ابن جریر نے اس کو اختیار کیا ہے اور حسن ربیع بن انس اور ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ اس سے ان کا بیٹا حضرت عیسیٰ مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے۔

کیونکہ آگے فرمان ہے (اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

کہا گیا ہے کہ کھجور خشک تھی اور ایک قول ہے کہ پہلے سے پھل دار تھی ۔۔۔۔ واللہ اعلم۔

اور احتمال ہے کہ کھجور کا درخت تو خشک ہی ہو لیکن کرامت سے پھل دار ہو گیا ہو اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سردی میں ہوئی تھی اور یہ وقت پھل کا نہ تھا، اور یہ بات بطور احسان کے اللہ کے فرمان سے بھی مفہوم ہوتی ہے فرمایا تم پر تازہ تازہ کھجور جھڑ پڑیں گی۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ زچہ عورت کے لئے کھجور خشک ہو یا تازہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی پھوپھی کا کھجور کے ساتھ اکرام کرو کیونکہ وہ مٹی سے پیدا

---

(۱) وقال ابن ابی حاتم حدثنا علی بن الحسین، حدثنا شیبان، حدثنا مسرور بن سعید التمیمی، حدثنا عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی، عن عروة بن رويم عن علی بن ابی طالب قال

ہوئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کئے گئے ہیں اور درختوں میں سے کوئی درخت سوائے کھجور کے ایسا نہیں کہ اس کے نر کا شگوفہ مادہ میں ڈالا جائے۔ (لیکن یہ روایت ضعیف ہے سند منقطع ہے کشف الخفاء ۱/۱۹۵) اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی زچہ عورتوں کا اکرام تازہ پکی ہوئی کھجوروں سے کرو پس اگر تازہ پکی ہوئی کھجوریں نہ ہوں تو خشک کھجوریں (یعنی چھوہارے استعمال کرو) اور درختوں میں کوئی درخت اس درخت سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت و اکرام والا نہیں جس کے نیچے حضرت مریم بنت عمران ٹھہری ہیں، (یعنی کھجور)۔ اس حدیث کے ایک راوی ضعیف ہیں۔ (۱)

آگے فرمان الٰہی ہے (پس اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے لہذا میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی) اور یہ بھی پہلے کلام کے متعلق ہے یعنی جس نے نیچے سے آواز دی اسی کا یہ کلام ہے اور کہنے سے مراد ہے اشارے وغیرہ سے سمجھاوے کہ میں نے سکوت اور خاموشی کے روزے کی رحمٰن کے لئے نذر و منت مانی ہے اور یہ روزے ان کی شریعت میں مشروع تھے جس میں طعام کے ساتھ کلام بھی متروک ہوتا تھا، قتادہ، سدی، ابن اسلم کا یہی کہنا ہے جبکہ ہماری شریعت محمدی ﷺ میں خاموشی جائز نہیں اس سے روزہ کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ آگے فرمان ہے (پھر وہ اس (بچے) کو لے کر اپنی قوم کے پاس اٹھائے آئی لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو انتہائی تعجب و حیرت والا برا کام کر لائی ہے؟ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ بد اطوار آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار عورت تھی؟

اکثر بزرگوں نے اہل کتاب سے منقول ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے درمیان سے حضرت مریم کو کچھ عرصہ گم پایا اور پھر آپ کی تلاش جاری کی تو آپ کے محلے کے پاس سے گزرے تو انوار و رحمت کی بارش نے اس محلے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، پھر اچانک حضرت مریم ان کے سامنے آئیں تو آپ کے ساتھ آپ کا بچہ عیسیٰ بن مریم بھی تھا تو تب لوگوں نے اوپر والی بات کہی، کہ تو نے عجیب بری بات پیش کی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ زچگی کے چالیس یوم بعد ان کو لوگوں کے سامنے لائی تھیں، پھر آگے اسرائیلی، باپ اور ماں کے ساتھ اس کو مثال دیتے ہیں اور کہا اے ہارون کی بہن، اس ہارون سے مراد ایک قول ہے کہ اس زمانے کا مشہور عبادت گزار اور بہت بڑا زاہد و پارسا شخص تھا اس کا نام ہارون تھا تو عبادت و تقویٰ کی بساط پر اس کو مریم کا بھائی کہہ دیا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ اور ایک قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر کبیر حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ عبادت و تقویٰ میں تشبیہ دی تھی، اور اس مقام پر محمد بن کعب قرظی سے خطا سرزد ہوئی ہے کہ انھوں نے رشتے میں ان کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبی ہمشیرہ قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں اور حضرت مریم کے درمیان بہت طویل زمانے حائل ہیں، جو ادنیٰ علم والے پر بھی مخفی نہیں، شاید حضرت محمد بن کعب قرظی کو اس سے دھوکہ ہو گیا کہ تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی بہن مریم نجات کے دن دف بجا رہی تھی تو اس سے ان کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ مریم وہی مریم ہیں حالانکہ دونوں کی شخصیات جدا جدا ہیں، اور ایک شخصیت ہونے کا قول جو محمد بن کعب کا ہے وہ حدیث اور قرآن کے صریح مخالف ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مریم کا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی ہارون تھا اور حضرت مریم کے قصے کے کسی گوشے میں اس کی نفی نہیں ملتی کہ ان کا کوئی اور بھائی نہیں۔

مسند احمد میں (۲) حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا انھوں نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ تم (اس) قرآن میں پڑھتے ہو (یا اخت هارون) اے ہارون کی بہن، اور حالانکہ ہارون و موسیٰ حضرت عیسیٰ سے اتنی اتنی مدت پہلے تھے پھر یہ کیسے قرآن میں ہے؟

تو میں نے پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات ذکر کی تو آپ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلا دوں کہ وہ لوگ اپنے پہلے انبیاء و صلحاء کے ناموں

---

(۱) وكذا رواه ابو يعلى في مسنده عن شيبان بن فروخ، عن مسروق بن سعيد وفي رواية مسرور بن سعد، والصحيح مسرور بن سعيد التميمي اورده له ابن عدي هذا الحديث عن الاوزاعي به ثم قال. وهو منكر الحديث ولم اسمع بذكره الا في هذا الحديث وقال ابن حبان، يروى عن الاوزاعي المناكير الكثيرة التي لا يجوز الاحتجاج بمن يرويها

(۲) وقال الامام احمد، حدثنا عبدالله بن ادريس، سمعت ابي يذكره عن سماك، عن علقمة بن وائل عن المغيرة بن شعبة قال

پر نام رکھتے تھے۔

یہ حدیث مسلم، نسائی اور ترمذی میں ہے(۱) اور گزر چکا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تم کو خبر نہیں کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے تھے۔

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہارون نام کثرت سے رکھتے تھے حتیٰ کہ ان کے ایک جنازے میں بہت مخلوق اکٹھی ہوئی اور ان میں جو ہارون نامی تھے وہ چالیس ہزار تھے۔(۲) واللہ اعلم۔

حاصل کلام بنی اسرائیل کے لوگوں نے حضرت مریم کو کہا اے ہارون کی بہن اور حدیث کے مطابق ان کے بھائی ہارون نامی تھے جو زہد و عبادت میں مشہور تھے تو اسے اس شخص کی بہن کی تشبیہ دی گئی اور تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور تیری ماں تو ایسی بدکار نہ تھی یعنی یہ تو بہت برا کام ہے جو تو نے کیا؟ کیونکہ دونوں وصف تیرا حق تھا، پھر تو نے یہ کیسے بہتان ساتھ ملایا ہے؟

تو اس طرح انہوں نے آپ پر الزام تراشی کی اور انتہائی سخت بیہودہ تہمت کا ٹھپہ آپ کی پاک و صاف ذات پر لگایا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ آپ پر تہمت و بہتان باندھا اور پھر حضرت زکریا علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام ان سے بھاگے لیکن آپ کو پا لیا گئے پھر درخت نے آپ کو چھپا لیا اور ابلیس لعین نے آپ کی چادر کا کنارہ کھینچ لیا پھر پورا قصہ ہے۔

اور بعض منافقین نے حضرت مریم علیہا السلام کو آپ کے ماموں زاد یوسف بن یعقوب بڑھئی کے ساتھ تہمت لگائی۔

پھر حالات تنگ ہو گئے اور کوئی جائے فرار نہ رہا، مصیبت بڑی ہو گئی، بات بہت بگڑ گئی اور دروازہ تنگ ہو گیا اور حضرت مریم کا توکل اللہ تعالیٰ پر خوب بڑھ گیا اور اس کی اس پر تنگی بڑھ گئی اور معاملہ اخلاص اور توکل کا ہو گیا اور وہ اسی ذات سے وابستہ ہو گئی تو تب حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

یعنی حضرت مریم نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ اس بچے سے بات کرو تمہارے سوالوں کا جواب اس سے ملے گا تب سرکش لوگوں نے (کہا ہم کیسے اس سے بات کریں جو کہ گود کا بچہ ہے) یعنی تو کیسے ہم کو بچے کے حوالے کر رہی ہے جو ابھی تک دودھ پیتا بچہ ہے اور بات کرنا بھی نہیں جانتا اور ابھی فیصلہ وغیرہ کی اہلیت اس میں نہیں ہے جبکہ تو ہمارے ساتھ مذاق اور استہزا کر رہی ہے تاکہ تم کو جواب نہ دینا پڑے اور ہم تیرا پیچھا چھوڑ دیں اور سرکش لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ محو جبرائیل کے ... پیچھے سے فرمایا (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور اس نے مجھے جب تک میں زندہ رہوں نماز و زکوٰۃ کی وصیت کی ہے اور اس نے مجھے بنایا ہے کہ والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے اور جس دن میں مروں گا اور جس دن اٹھایا جاؤں گا اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہے۔

یہ پہلا کلام تھا جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان اقدس پر جاری ہوا اور سب سے پہلی بات تھی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو سب سے پہلے خود غلام پرستی عیسائیوں کے اس قول کی تردید و مسترد کر دیا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں پر بہتان باندھنے والوں کو ختم کیا اس طرح کہ فرمایا (اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی قدر و فضیلت نہیں عطا فرماتا:

وبکفرهم وقولهم ......

اور ان کی کفریہ باتوں اور مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رد کیا۔ آپ نے کہا (اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے بابرکت بنایا ہے) یعنی جہاں کہیں میں ہوں اور [illegible] وحدت اس کی [illegible] پاکی کو بیان کروں گا (اور اس نے مجھے نماز اور

---

(۱) رواہ احمد و مسلم و النسائی و الترمذی من حدیث عبداللہ بن ادریس وقال الترمذی حسن صحیح غریب لا نعرفه الا من حدیثه وفی روایة

(۲) [illegible]

زکوۃ کی وصیت کی ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں (اور اس سے بھی مقام بندگی ہی معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف زکوۃ سے بندوں کے ساتھ حسن تعلق کی طرف اشارہ ہوتا ہے غرض خدا کے ساتھ اور بندوں کے ساتھ بھی اچھے طریقے اور سلوک کی طرف اشارہ فرمایا۔

پھر فرمایا (اور اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا (ہوں) اور اس نے مجھے سخت و بدبخت نہیں بنایا) کیونکہ آپ کے والد تو تھے نہیں اس لئے پوری خدمت والدہ کے ساتھ صرف کر دی اور فرمایا میں سخت گو اور سخت خو نہیں ہوں اور مجھ سے کوئی قول و فعل یا اللہ کی اطاعت کے خلاف سرزد نہیں ہوگا انشاء اللہ۔

اور پھر تین اہم مواقع تھے یعنی ان سے پیدائش کے وقت اور دنیا سے جانے کے وقت پھر اگلے جہاں سے اٹھائے جانے کے وقت یعنی ہر عالم میں مجھ پر خدا کی سلامتی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے قصے کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور اصل باتوں کی خوب تشریح فرما دی تو فرمایا (اے محمد ﷺ) یہ ہم تم کو (خدا کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ انسان ہو گئے (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال معلوم ہو ہی چکی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک خدا غالب اور صاحب حکمت ہے تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا سرکشوں کو خوب جانتا ہے[1]

اسی وجہ سے جب نجران کا ساٹھ سواروں پر مشتمل وفد آیا جن کے نام آج بھی محفوظ تھے اور ان میں سے بھی اصل گفتگو کرنے والے تین تھے جو ان کے سرداروں کے سردار اور اشراف کے شرفاء تھے اور ان کے نام عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے تو وہ آ کر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بارے میں مناظرہ کرنے لگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سورۂ آل عمران کا شروع والا حصہ نازل فرمایا اور حضرت عیسیٰ مسیح کی ابتدا بلکہ ان سے پہلے ان کی ماں کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور پھر اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ سے مباہلے کا حکم دیا اس صورت میں کہ باز نہ آئیں پھر جب نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ ان کے سر جھک گئے اور آنکھیں جھک گئی ہیں۔ حقائق واضح ہو گئے ہیں تو پھر مباہلے سے ڈر گئے اور صلح و امن کی طرف آ گئے ان کے سردار عاقب جو عبد المسیح کا نمائندہ تھا اس نے کہا:

اے نصاریٰ کی جماعت تم خوب جان چکے ہو کہ محمد (ﷺ) رسول برحق ہیں اور تمہارے ساتھی (عیسیٰ) کے متعلق یہ فیصلہ کن خبر لائے ہیں اور تم خوب جانتے ہو کہ جب کسی قوم نے نبی پر لعنت کی ان کے بڑے اور چھوٹے سب جڑ سے ختم کر دیئے جاتے ہیں اگر تم نے یہ کیا تو تم بھی مغلوب و مقہور ہو جاؤ گے۔ پس اگر تم اس شخص کے دین (مسیحی) کو نہیں چھوڑ سکتے تو اس شخص سے الفت اور صلح کر کے اپنے وطن کو آ جاؤ یعنی پھر چپ کر کے یہاں سے لوٹ چلو۔

پھر یہ بات انہوں نے تسلیم کی اور رسول کریم ﷺ سے واپسی کی اجازت طلب کی اور کہا کہ ہم اسلام تو نہیں لاتے مگر جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں اور آپ ہمارے ساتھ اپنے کسی امانت دار کو بھیج دیجئے تو حضور نے ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بھیجا

اس قصے کو ہم آل عمران میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

الغرض جب اللہ نے حضرت مسیح کے معاملے کو خوب واضح فرما دیا تو فرمایا۔

یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔

یعنی یہ خدا کے فرزند نہیں بلکہ خدا کے بندے اور اللہ تعالیٰ کی ایک بندی کے بیٹے ہیں۔

---

[1] آل عمران ۵۹ تا ۶۲

اسی وجہ سے دوسری جگہ فرمایا:

اللہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لے تو صرف اس کو کہتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

یعنی اس کو کسی چیز کے کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ سب کچھ "کن" سے کر سکتا ہے اور جس کے متعلق حضرت عیسیٰ کا سورہ مریم کے آخر میں یہ فرمان ہے:

اور بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

یہاں تک سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن والا کلام جو گود میں بیٹھ کر کیا وہ پورا ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے آگے فرماتے ہیں۔

پھر جماعتیں آپس میں اختلاف کرنے لگیں پس افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ ان کو بڑے دن میں حاضر ہونے سے (عذاب وجہ سے) خرابی ہے۔

یعنی ان حضرت مسیح کے متعلق کئی گروہ ہو گئے اس زمانے میں بھی اور بعد کے بھی۔

یہود نے کہا:

یہ زانیہ کے بیٹے ہیں اور ملعون تھے (نعوذ باللہ) اور وہ اب تک اپنے کفر و عناد پر بضد ہیں پھر کچھ دوسروں نے کفر میں ان سے بھی بڑھ کر قدم اٹھایا اور کہا یہ اللہ ہیں اور دوسروں نے کہا نہیں اللہ کے بیٹے ہیں۔

مومنین نے کہا:

یہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں اور اس کی باندی اور بندی کے بیٹے ہیں اور اس کی نشانی ہیں اور اس کی روح (یعنی اس کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں بغیر کسی سبب کے)۔

اور یہی آخری موقف رکھنے والا گروہ نجات (پانے والا) اور غالب آنے والا اور تائید و حمایت پانے والا گروہ ہے اور ان چیزوں میں ان سے جن لوگوں نے بھی اختلاف کیا ان کے متعلق ایسی وعید گذر چکی کہ ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے بڑے دن کی حاضری سے۔

بخاری میں [1] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی نشانی ہیں جس کو اللہ نے مریم کی گود میں ڈالا اور آپ کی روح (حکم سے پیدا ہونے والے) ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے۔

تو اللہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے چاہے وہ جیسے بھی عمل لے کر آئے۔ (۲)

ولید دوسرے طریق کے ساتھ یہ الفاظ ذکر کرتے ہیں کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ (۳)

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

---

(۱) قال البخاری حدثنا صدقۃ بن الفضل، اخبرنا الولید، حدثنا الاوزاعی، حدثنی عمیر بن هانئ، حدثنی جنادۃ بن ابی امیۃ، عن عبادۃ بن الصامت به

(۲) قال الولید فحدثنی عبدالرحمن بن یزید بن جابر، عن عمیر، عن جنادۃ: وزاد

(۳) ولفظ رواہ مسلم عن داؤد بن رشید، عن الولید بن مسلم، عن ابن جابر به، ومن طریق اخری عن الاوزاعی به

اللہ عزوجل اولاد سے پاک ہیں اور ظالموں کے اولاد والے قول سے بہت ہی بلند و پاک صاف ہیں

اللہ عزوجل سورۂ مریم کے آخر میں فرماتے ہیں:

اور (کافر لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے بے شک تم بری بات لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس افترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا۔ اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے۔ اس نے ان کو (علم سے احاطے میں) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ (۱)

تو باری تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ

خدا کے لئے اولاد کسی طرح شایان نہیں اس لئے کہ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اس کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور اس کی بارگاہ میں ذلیل و عاجز اور لاچار ہے اور آسمان و زمین کے تمام باشندے اس کے غلام اور بندے ہیں جو اس کی بندگی کرتے ہیں وہ ان سب کا رب الارباب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے (کچھ) زیادہ بھی عنایت کرے گا اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور وہ خدا کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ (۲)

تو بیان فرمایا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اس کی کیسے اولاد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد تو دو ایک جیسی چیزوں کے درمیان ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی نظیر و مثال نہیں اور نہ اس کی کوئی شبیہ و عدیل ہے لہٰذا اس کی نہ کوئی بیوی ہے لہٰذا اس کی کوئی اولاد بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسے فرمایا:

کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اس کے مثل کوئی ایک بھی نہیں۔ (سورۂ اخلاص)

اور آگے فرمایا اور وہی ہے جو آسمانوں سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں پھر اس سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور ان لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان میں) اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ پاک ہے اور اس کی شان ان سے بلند ہے (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے یہی (اوصاف رکھنے والا) خدا تمہارا پروردگار ہے۔

---

(۱) مریم ۸۸ تا ۹۵

(۲) النساء ۱۷۱ تا ۱۷۳

(۱) اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔

اللہ عزوجل اہل کتاب اور ان کے متبعین کو غلو اور گمراہی سے منع فرماتے ہیں اور ان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ صرف اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی پاکباز کنواری نیک بندی مریم کے بیٹے ہیں جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تو اللہ نے ان کی طرف جبرئیل کو بھیجا آپ نے مریم پر پھونک ماری تو اللہ نے اس کے واسطے سے ان کو حمل ٹھہرا دیا اور حضرت عیسیٰ نے جنم لے لیا اور ان کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے روح ہیں اس سے مراد ہے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ، عبد اللہ جس طرح مخلوق ہیں اور خدا کی طرف نسبت کرنے سے ان کی مخلوقیت میں کوئی فرق نہیں بلکہ محض ایک شرافت وکرامت ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بطور شرف اور اعزاز روح اللہ فرمایا اور پھر چونکہ ان کا باپ نہ تھا اس لئے عیسیٰ بن مریم کہا جانے لگا اور اسی طرح کلمۃ اللہ فرمایا یعنی اللہ کی مخلوق ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جن کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گئے۔ (۲) اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ پاک ہے بلکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے ہر ایک اس کا تابعدار ہے وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو "ہو جا" فرما دیتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ (۳)

اور فرمایا اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ (۴)

تو اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ دونوں فریقوں پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اللہ پر بہتان باندھا اور اس کے متعلق اولاد کا خیال کیا۔ جبکہ اللہ اس سے پاک صاف ہے اور کافروں کے پاس کوئی دلیل نہیں محض اٹکل کی باتیں اور پہلے کفار کی نقل ہے۔

اسی طرح گمراہ فلاسفہ پر اللہ لعنت کرے انہوں نے بھی اسی طرح خیال کیا کہ عقل اول اللہ واجب الوجود سے نکلی جس کو وہ علتوں کی علت اور مبدا اول کہتے ہیں اور اس سے دوسری عقل اور نفس اور آسمان پیدا ہوا اور تیسری سے چوتھی عقل یہی کرتے ہوئے "دس" تک پہنچ گئے اور نفوس "نو" تک پہنچ گئے اور افلاک بھی نو تک پہنچ گئے اور پھر اس کے متعلق وہ انتہائی جاہلانہ شکل اور خیالات فاسد پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح عرب کے جاہل مشرکین خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور جنات کی سردار بیٹیوں سے اللہ نے شادی کی جب جن سے ملائکہ پیدا ہوئے ہیں۔ تو اللہ پاک ان کی گفتگو سے بہت ہی بلند بالا ہے اور ان کے شرک سے پاک ہیں۔

اس بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

اور انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمن کے بندے ہیں لڑکیاں بنایا ہے کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے عنقریب ان کی بات لکھی جائے گی اور سوال کیا جائے گا۔ (۵)

ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے دیکھو یہ اپنی بنائی ہوئی جھوٹی (بات) کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیاں پسند کیں؟ تم کیسے لوگ ہو۔ کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔ بھلا تم غور (کیوں) نہیں کرتے یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔ اور انہوں نے خدا میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (خدا کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک ہے۔ مگر خدا کے بندگان خاص (مبتلائے عذاب نہیں ہوں گے)۔ (۶)

اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے وہ پاک ہے (اس کے بیٹا نہیں) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔ اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہو گا وہ سب سے واقف ہے۔

---

(۱) الانعام ۱۰۲، ۱۰۳ (۲) آل عمران آیت ۵۹ (۳) البقرۃ ۱۱۶، ۱۱۷ (۴) التوبہ ۳۰

(۵) الزخرف ۱۹ (۶) الصافات ۱۴۹۔۱۶۰

اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ خدا کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (۱)

سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) عذاب سخت سے جو اس کی طرف سے (آنے والا) ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنا لیا ہے۔ ان کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ (۲)

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اس کی (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ (اے افترا پردازو) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں بیان کرتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہہ دو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ افترا کرتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے) جو فائدے ہیں وہ دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے۔ (۳)

یہ کلی آیتیں تمام کافر فرقوں کے رد پر مشتمل ہیں خواہ فلاسفہ ہوں یا مشرک نصاریٰ ہوں یا یہود (سب) پر مشتمل ہے اور جب سے وہ ان باطل باتوں کے قائل ہوئے ہیں تب سے قیامت تک ان پر اللہ کی لعنت ہوتی رہے گی، اور ان کا آپس میں اختلاف و تفاضل رہے گا کیونکہ کفر و بطلان بہت ہی قسموں والا ہوتا ہے کسی ایک بات پر قرار نہیں ہوتا بخلاف حق کے کیونکہ فرمان الٰہی ہے (اور اگر یہ (حق) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے)۔

تو حق محفوظ ہوتا ہے اور باطل مختلف و مضطرب ہوتا ہے جس طرح ایک گروہ تو کہتا ہے کہ مسیح اللہ ہی ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے معبود کے تیسرے حصے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ مائدہ میں فرماتے ہیں: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں وہ بے شک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴)

تو اس طرح اللہ نے ان کے کفریہ مقالات کو واضح فرما دیا کہ اللہ ہی خالق و رازق اور ہر چیز کا کنٹرول کرنے والا ہے اور سب کا رب ہے مالک ہے اور الٰہ ہے اور اسی سورت کے آخر میں فرمایا: وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اس کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اور ان کی والدہ (مریم خدا کی) ولی (اور سچی فرمانبردار) تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ (۵)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کا ذکر با اصرار کیا کہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کو خدا کا شریک کرتے ہیں جبکہ وہ خود (مسیح) کہا کرتے تھے کہ وہ ان کی طرف صرف اللہ کے رسول ہیں اور بندے ہیں ماں کے پیٹ میں ان کی صورت بنائی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اسی کی توحید کرنے

---

(۱) انبیاء ۲۸-۲۹ (۲) کہف ۱-۵ (۳) یونس ۶۸-۷۰ (۴) مائدہ ۱۷ (۵) المائدہ ۷۲-۷۵

جاتے ہیں اور خود انہوں نے اس کے خلاف پر جہنم کی وعید سنائی اور جنت کے گھر میں ناکامی کی خبر دی۔

اور فرمایا باری تعالیٰ نے:

بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو بے شک اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (۱)

اور پھر حضرت مسیح نے فرمایا بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تین کے تیسرے ہیں تو وہ کافر ہوگئے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اللہ کے۔ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں تین کے تیسرے سے مطلب مراد ہے کہ نصاریٰ خدا کو تین حصوں پر تقسیم کرتے تھے جس کو اقانیم ثلاثہ کہتے تھے یعنی خدا کے تین حصے۔ باپ بیٹا۔ اور روح القدس جو باپ کی طرف سے بیٹے پر نازل ہوئی۔

اور اس اختلاف کو ہم آگے تفصیل و وضاحت سے بیان کریں گے اور یہ اختلاف ان کے درمیان قسطنطین بن قسطس کے زمانے میں ہوا اور یہ حضرت مسیح کے تین سو سال بعد کا واقعہ ہے۔

تو آگے فرمایا اور دھمکی دی (اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا) کیا وہ کیوں اللہ کی طرف توبہ یا استغفار نہیں کرتے واللہ غفور رحیم۔

پھر آگے مسیح اور ان کی ماں کی بشریت والی حالت بیان فرمائی۔

(کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے) یعنی جو بھی ہو وہ پیٹ کے پیچے کی طرف محتاج ہو سکتے ہیں بے شک اللہ ان کے باطل عقیدے سے بری و پاک صاف ہیں۔

علامہ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان باری (بے شک جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے وہ کافر ہوگئے) سے مراد ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق خدائی کا خیال رکھتے تھے جیسا کہ اللہ نے سورۃ مائدہ کے آخر میں یوں بیان کیا۔

اور جب اللہ فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ تو وہ کہیں گے کہ آپ پاک ہیں مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تو آپ غالب (اور) حکمت والے ہیں۔ (۲)

یعنی اللہ عزوجل بطور اکرام و اعزاز کے اور کفار پر اتمام حجت کے لئے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و تنبیہ کے لئے عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے باوجود اس کے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جب میں ان میں تھا تو ان کا خیال رکھتا تھا آپ کے حکم سے اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس اٹھا لیا تو پھر پیچھے آپ ہی ان کے نگران اور نگہبان تھے۔ اب آپ ان کو عذاب دیں یا معاف فرمائیں۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم

اور تفسیر ابن کثیر میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پوری رات نماز میں اس آیت کو پڑھتے پڑھتے گزار دی۔

اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کیا تھا تو مجھے عطا فرما دیا اور وہ شفاعت ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں۔ (۳)

---

(۱) المائدہ ۷۲ (۲) المائدہ ۱۱۶-۱۱۸ (۳) احمد (۱۴۹/۵) ابن ماجہ ۱۳۵۰ نسائی ۱۰۱۰

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو ولعب کے لئے پیدا نہیں کیا اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن وفرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے (نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کی (مخلوق اور اسی کا مال) ہیں۔ اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ کتراتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ تھمتے ہیں۔(۱)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔

وہ پاک ہے وہی خدا یکتا (اور) غالب ہے اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہیں گے۔ دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔(۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دو اگر خدا کے اولاد ہو تو (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا میں ہوں۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا اور عرش کا رب اس چیز سے جس کو (یہ) بیان کرتے ہیں۔(۳)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز وناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔(۴)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس نے کسی کو جنا نہیں اور نہ وہ جنا گیا اور اس کے مثل کوئی ایک بھی نہیں۔(۵)

اور صحیح(۶) میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ابن آدم گالی دیتا ہے اور یہ اس کو لائق نہیں ہے وہ خیال کرتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں واحد صمد ہوں بے نیاز ہوں میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے جنم دیا گیا اور کوئی بھی میرے مثل نہیں ہے۔

اور صحیح(۷) ہی میں حضور اکرم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں تکلیف پر جو اللہ سنتے ہیں۔ (دیکھو) کہ لوگ اللہ کی اولاد مانتے ہیں اور پھر بھی اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور ان کو عافیت سے رکھتا ہے۔

اور صحیح(۸) ہی میں حضور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب پکڑتا ہے تو پھر اس کو چھوڑتا نہیں۔ پھر حضور نے تلاوت فرمائی ترجمہ (اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ کسی بستی کو پکڑتا ہے اور وہ ظالم ہوتی ہے بے شک اللہ کی پکڑ سخت دردناک ہے)۔ (سورہ ہود۔ ۱۰۲) اسی طرح اللہ نے فرمایا۔

(اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے)۔ (حج ۴۸)

اور فرمایا (ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے) (لقمان ۲۴)

اور فرمایا (کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ان کے لئے) دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہم ان کو سخت عذاب چکھائیں گے اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے)۔ (یونس ۶۹-۷۰)

اور فرمایا (پس کافروں کو مہلت دو بس ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو)۔ (طارق ۱۷)

---

(۱) الانبیاء ۱۶-۲۰ (۲) الزمر ۴-۵ (۳) الزخرف ۸۱-۸۲ (۴) الاسراء ۱۱۱

(۵) سورۃ اخلاص مکمل (۶) صحیح بخاری (۴۴۸۲) (۷) صحیح بخاری (۷۳۷۸) صحیح مسلم (۸) صحیح بخاری (۴۶۸۶) تفسیر ابن کثیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور بچپن میں ان کی تربیت گاہ اور پرورش اور وحی کی ابتداء کا بیان

پہلے گزر چکا ہے کہ آپ بیت اللحم کے قریب پیدا ہوئے تھے اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام نے مصر کی طرف سفر کیا تھا اور ساتھ میں یوسف بن یعقوب النجار بھی تھے اور حضرت مریم علیہا السلام گدھے پر سوار تھیں اور دونوں کے درمیان پالان کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔

لیکن وہب کا یہ خیال بالکل غلط ہے اور پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس کی رو سے آپ کی جائے پیدائش بیت اللحم ہے جیسے کہ ہم ذکر کر چکے۔ جو اس کے سوا ہیں وہ باطل ہے۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اس دن مشرق و مغرب میں تمام بت گر پڑے تھے اور شیاطین اس بارے میں حیران و پریشان ہو گئے تھے حتیٰ کہ بڑے ابلیس نے اپنے شیاطین کو حقیقت حال کی خبر دی کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی بنا پر ہوا ہے۔ پھر شیاطین نے دیکھا کہ بچہ اپنی ماں کی گود میں ہے اور ملائکہ اس کے گرد حفاظتی حصار قائم کئے ہوئے ہیں اور آسمان میں اس دن ایک عظیم ستارہ بھی ظاہر ہوا اور فارس کا بادشاہ بھی اس ستارے کے طلوع کی وجہ سے خوفزدہ ہو گیا تھا اور اس نے کاہنوں سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ زمین میں کسی عظیم بچے کے پیدا ہونے کی علامت ہے۔ پھر بادشاہ نے اپنے قاصدوں کو سونا اور دوسرے تحفے دے کر حضرت عیسیٰ کی طرف بھیجا جب یہ قافلہ شام پہنچا تو وہاں کے بادشاہ نے اس کے متعلق سوال کیا پس انہوں نے حقیقت حال کی خبر دی کہ ایک بچہ عیسیٰ ابن مریم کے نام سے پیدا ہوا ہے اور اس نے گود میں بات چیت کی ہے۔ پھر ملک شام کے بادشاہ نے انہیں ان کے سامان سمیت واپس بھیجا اور اپنے کچھ آدمیوں کو ساتھ کر کے حضرت عیسیٰ کے پاس بھیج دیا تاکہ اس کے آدمی بعد میں حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیں لیکن جب قاصدین واپس ہو جائیں تب قتل کریں گے۔ جب یہ لوگ ہدایا اور تحائف لے کر حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پہنچے اور ہدیہ دے کر واپس ہو گئے تو کسی نے حضرت مریم کو خبر کر دی کہ ملک شام کے بادشاہ نے اپنے قاصدین اس لئے بھیجے ہیں تاکہ وہ تیرے بیٹے کو قتل کر ڈالیں۔

تو حضرت مریم علیہا السلام اپنے بچے کو لے کر مصر چلی گئیں اور وہیں اقامت پذیر رہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کی عمر بارہ سال ہو گئی اور آپ کی کرامات و معجزات ظاہر ہونے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جس رئیس کے ہاں آپ (مریمؑ) اور آپ کا بچہ ٹھہرے ہوئے تھے اس کا مال گم ہو گیا اور اس کے گھر میں صرف مسافر اور محتاج فقیر لوگ رہتے تھے اور وہ سب کی کفالت کرتا تھا تو سب پریشان تھے کہ یہ مال کا چور کون ہے؟ کس پر الزام رکھا جائے؟ آخر حضرت عیسیٰ ایک لنگڑے اور ایک اندھے سے مخاطب ہوئے یہ دونوں بھی اسی کے ہاں سکونت پذیر تھے اور وہاں رہتے تھے آپ نے اندھے سے کہا اس لنگڑے کو اٹھاؤ اور کھڑے ہو جاؤ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا آپ نے فرمایا جب تم نے مال چوری کیا تب اس کو کس طرح اٹھایا تھا؟ اور گھر کی الماری سے مال اس نے نکالا تھا؟ یہ سن کر دونوں دہشت زدہ ہو گئے اور مال لے آئے۔ تب حضرت عیسیٰ لوگوں کی نظروں میں بہت عظیم ہو گئے۔ جبکہ ابھی بہت ہی چھوٹے بچے تھے۔

اسی طرح بچپن کے معجزات و کرامات میں یہ بھی آتا ہے کہ

ایک مرتبہ اس مالک مکان نے لوگوں کی دعوت کی اور کھانے کے بعد پینے کے لئے کسی رسم کے مطابق شراب کا انتظام کیا اور شراب کے مٹکے کھولے تو سب خالی پائے گئے تمام لوگ پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں کس طرح یہ معاملہ ختم ہو گا۔ پھر حضرت عیسیٰ کو پتہ چلا تو آپ مٹکوں کے پاس پہنچے اور سب کے منہوں پر ہاتھ پھیرتے رہے اور آپ جس مٹکے کے منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ مٹکا شراب سے بھر جاتا۔ یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور حضرت مریم علیہا السلام کے بھائی بھی معتقد ہو گئے اور آپ دونوں حضرات کو لوگوں نے بہت مال دے دیا مگر آپ نے قبول نہ کیا پھر حضرت مریم علیہا السلام اپنے لخت جگر کو لے کر دوبارہ بیت المقدس روانہ ہو گئیں۔ واللہ اعلم

[1] اسحاق بن بشر کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام پہلے شخص ہیں جس نے اپنے بچپن میں بات کی اور پھر حضرت یحییٰ سے کلام کیا، اور اللہ کی ایسی بزرگی بیان کی کہ کانوں نے اس کے مثل نہ سنی ہوگی، آپ نے سورج کو پہچانا اور چاند اور پہاڑ اور دریا کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو اللہ کی تمجید میں بیان کیا۔ فرمایا:

اے اللہ تو اپنی بلندی میں قریب ہے اور اپنی قربت میں بلند ہے، ہر مخلوق پر بلند ہے، آپ نے اپنے کلمات کے ذریعے ہوا میں سات آسمان تہہ بہ تہہ بالکل برابر بنائے ہیں، وہ دھواں تھے، پھر آپ کے حکم کی فرمانبرداری سے اس صورت میں آ گئے۔ ان میں تیرے فرشتے ہیں جو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، اور ان میں آپ نے تاریکی پر نور بنایا اور دن کے وقت چمکتا سورج رکھ دیا اور ان میں آپ نے گرجنے والا رعد رکھا جو آپ کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ پس آپ کی عزت کے طفیل اندھیروں پر روشنی غالب آ کر ہر چیز کو منور کر دیتی ہیں۔ اور آپ نے آسمانوں میں ایسے چراغ رکھ دیئے ہیں جن کے ذریعے اندھیروں کے مسافر راہ پکڑتے ہیں۔ پس اے اللہ آپ پاک ہیں آسمانوں کی بلندی میں اور زمین کے پانی پر پھیلانے میں آپ نے اپنی قدرت سے زبردست موجوں والے پانی پر زمین کو بالکل ہموار کر دیا ہے۔ اور بالکل زمین کو عاجزی اور دبے رہنا عطا کیا ہے پس زمین کی سختی تیری اطاعت کی بدولت نرم اور پست ہو گئی ہے اور تیرے حکم کی بدولت فرمانبردار ہو گئی ہے اور تیری عزت کے رعب سے اس کی خطرناک موجیں عاجزی اور پستی اختیار کر گئی ہیں۔

آپ نے سمندروں کے بعد دریا جاری کئے ہیں اور دریاؤں کے بعد ندیاں بہہ رہی ہیں، ان کے بعد چھوٹے چشمے ابل رہے ہیں۔ پھر آپ نے زمین سے بھی نہریں، درختوں اور طرح طرح کے پھلوں کو نکالا، پھر آپ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو میخ بنا دیا اور زمین کے پیچھے تک پانی پر ان کی میخیں گاڑ دیں تو پہاڑ کی چٹانیں عاجزی کے ساتھ آپ کی اطاعت کرنے والے ہو گئے۔

پس اے اللہ! آپ بہت با برکت ہیں، کون اپنی تعریفوں کے ساتھ آپ کی صفات بیان کر سکتا ہے؟ اور کون اپنی صفت کے ساتھ آپ کی صفت کو پہنچ سکتا ہے؟ آپ بادلوں کو پھیلاتے ہیں، آپ گردنوں کو آزاد کرتے ہیں۔ حق دلاتے ہیں اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں۔ آپ نے آسمانوں کو لوگوں سے چھپا دیا، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سے صرف عقل مند لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ایسے معبود نہیں جس کو ہم نے خود بنایا ہو، اور نہ ہی ہماری پیدائش میں آپ کی کسی نے مدد کی ہے کہ ہم آپ کے متعلق شک کریں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اکیلے اور بے نیاز ہیں۔ آپ نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ آپ کو جنم دیا گیا اور آپ کے مثل کوئی نہیں ہے۔

[2] اسحاق بن بشر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم بچپن میں گود میں بات چیت کرنے کے بعد کلام سے رک گئے پھر جب آپ زمین کو چھونے لگے یعنی جس عمر میں بچے بولتے ہیں تو اسی عمر میں بولنے لگے۔ اور پھر اللہ نے آپ کی زبان پر حکمت و بیان اور جو کچھ اللہ کی توفیق سے جاری کر دیا تھا۔ پھر یہود نے آپ اور آپ کی والدہ کے متعلق طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے تھے کہ آپ کو زانیہ کا لڑکا کہتے تھے۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی۔ (نساء:۱۵۶)

پھر جب آپ سات سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت مریم نے آپ کو درس گاہ میں بٹھا دیا۔ معلم جب کبھی آپ سے کوئی سوال کرتا آپ اس سے پہلے ہی اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے۔ ایک مرتبہ معلم نے آپ کو "ابو جاد" لکھایا، حضرت عیسیٰ نے پوچھا ابو جاد کیا ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں، تو فرمایا جو خود نہیں جانتے اس کو کیا سکھاؤ گے؟ معلم نے کہا پھر تم مجھے سکھا دو۔ تو فرمایا اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاؤ۔ آپ اس کی مسند پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اب پوچھ لیا

[1] اسحاق بن بشر انبا عثمان بن ساج وغیرہ عن موسیٰ بن وردان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید وعن مکحول عن ابی ہریرۃ قال

[2] قال اسحاق بن بشر عن جویبر ومقاتل عن الضحاک عن ابن عباس ان عیسیٰ بن مریم

پوچھتا ہے؟ کہا مجھے ابا جاد کے متعلق بتاؤ کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے فرمایا الف سے مراد آلاء اللہ ہے یعنی اللہ کی نعمتیں ہیں اور باء سے مراد بہاء اللہ یعنی اللہ کا حسن و رونق۔ اور جیم سے مراد جمال اللہ یعنی اللہ کی خوبصورتی اور تروتازگی۔

تو یہ سن کر معلم مارے تعجب کے حیران رہ گیا۔ تو آپ پہلے شخص تھے جس نے ابا جاد کی تفسیر کی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ حضرت عثمان نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ہر کلمے پر طویل حدیث کے ساتھ جواب دیا۔

یہ حدیث موضوع ہے جس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو ذکر کیا جا سکتا ہے۔

ابن عدی نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے مگر پھر اس کے متعلق کچھ کلام (۱) کیا ہے اور پھر فرمایا یہ حدیث باطل ہے۔ اس اسناد کے ساتھ اسماعیل کے علاوہ دوسرا کوئی اس کا راوی نہیں ہے۔

اور ابن لہیعہ نے عبداللہ بن ہبیرہ سے روایت کی ہے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جب بچے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے تھے تو کسی کو بھی فرماتے تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا تیار کیا ہوگا؟ اگر کہو تو میں بتا دوں؟ لڑکا کہتا ضرور تو آپ فرماتے یہ یہ چیز۔ تو وہ اپنی ماں کے پاس جاتا اور کہتا کہ مجھے کھلاؤ آپ نے میرے لئے کیا تیار کیا ہے؟ وہ پوچھتی کیا تیار کیا ہے میں نے تمہارے لئے؟ تو لڑکا کہہ دیتا یہ، تو ماں کہتی کس نے تجھے بتلایا تو وہ بتاتا عیسیٰ بن مریم نے۔

اسی طرح پھر لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اگر یہ بچے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ رہے تو یہ عیسیٰ سب کو خراب کر دے گا پھر لوگوں نے بچوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور بند کر دیا پھر حضرت عیسیٰ ان کی تلاش میں نکلے تو ایک گھر میں ان کے شور و غل کی آواز سنی پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا بندر اور خنزیر ہیں تو آپ نے فرمایا اے اللہ یوں ہی ہو۔ تو پھر وہی ہو گیا۔ ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور ابن بشر (۲) کی ہی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں اللہ کی طرف سے الہام کردہ عجائبات کا نظارہ کرتے تھے۔ تو یہ بات یہود میں پھیل گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے تو بنی اسرائیل نے ان کے متعلق غلط منصوبے تراشنے شروع کر دیئے تو آپ کی ماں مریم علیہ السلام آپ کو لے کر مصر روانہ ہو گئیں اور یہ اللہ کی حضرت مریم کو وحی ہوئی تھی جب آپ ان کو مصر لائیں۔ اور یہی فرمان باری کا مطلب ہے۔

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشانی بنا دیا اور ہم نے ان کو اونچی جگہ کی طرف ٹھکانہ دیا جو قرار اور جاری پانی کی جگہ تھی۔ (المومنون ۔ ۵۰)

بزرگ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے کہ یہ صفات کچھ عجیب متضاد سی ہیں کہ وہ اونچی جگہ بھی ہو اور بلندی کے ساتھ اس میں چشمے بھی ہوں اور وہ بھی جاری ساری ہوں تو کہا گیا ہے کہ مکان سے مراد حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش جو بیت المقدس کا نخلستان ہے وہ ہے اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا۔

ان کو اس کے نیچے سے پکارا وہی کہ تو رنج نہ کر بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے۔ (مریم ۲۴)

اور سدی کے قول کے مطابق اس سے چھوٹی نہر مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ منقول ہے کہ وہ دمشق کی نہریں تھیں تو شاید دمشق کی نہروں کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہو اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مصر میں تھیں اور یہ اسرائیلی حضرات سے منقول ہے۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے جب عیسیٰ تیرہ سال کی عمر کو پہنچے تو خدائی حکم ملا کہ مصر سے لوٹ کر بیت ایلیا آؤ پھر آپ کی ماں کے خالو کے بیٹے آئے اور اس نے دونوں کو گدھے پر سوار کرا کر بیت ایلیا پہنچایا وہاں آپ کو اللہ نے انجیل دی اور تورات سکھائی اور مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑیوں کو ٹھیک کرنے کا معجزہ دیا اور دوسرے معجزات سے نوازا۔

---

(۱) وهكذا روى ابن عدي من حديث اسماعيل بن عياش، عن اسماعيل بن يحيى، عن ابن ابي مليكة، عن ابن مسعود، عن مسعر بن كدام عن عطية عن ابي سعيد، رفع الحديث في دخول عيسى الى الكتاب وتعليم المعلم معنى حروف ابي جاد وهو مطول لا يفرح به

(۲) وقال اسحاق بن بشر، عن جويبر، ومقاتل، عن الضحاك، عن ابن عباس ..... الخ

کتب اربعہ کے نزول اور اوقات

ابوزرعہ دمشقی کی روایت (۱) میں ہے کہ تورات موسیٰ علیہ السلام پر چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر بارہ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور یہ زبور تورات کے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی تھی۔ اور انجیل حضرت عیسیٰ ابن مریم پر اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل زبور کے ایک ہزار بچاس سال بعد نازل ہوئی۔ اور فرقان مجید قرآن مقدس حضور ﷺ پر چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔

اور قرآن کی آیت (شہر رمضان بقرہ ۱۸۵) کے تحت ہم اپنی تفسیر میں اس کے متعلق وارد شدہ احادیث ذکر کر آئے ہیں اور انہی میں ہے کہ انجیل عیسیٰ پر اٹھارہ رمضان میں نازل ہوئی۔ اور ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ انجیل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تو حضرت عیسیٰ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ اور پھر آپ زمین پر تینتیس سال تک رہے تھے کہ اس عمر میں آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا جیسے کہ اس کا بیان و تذکرہ عنقریب انشاء اللہ آجائے گا۔

اور اسحاق بن بشر کی روایت (۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اللہ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو وحی فرمائی اے عیسیٰ میرے دین میں کوشش کر اور کمزور نہ پڑ۔ اور سن اور فرمانبرداری کر۔ اے پاکیزہ کنواری زاہدہ خاتون کے فرزند تو بغیر مرد کے ہوا ہے۔ اور میں نے تجھے جہاں والوں کے لئے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی بھروسہ کر۔ اور کتاب کو مضبوطی سے تھام اہل سریانی (زبان) کے لئے اس کی تفسیر کر۔ جو بھی تیرے سامنے آئے اس کو خوب سمجھا دے کہ میں حق ہوں اور زندہ قائم ہوں مجھے کبھی زوال نہیں۔ اور تم سب نبی امی عربی کی تصدیق کرو جو تاج اور اونٹوں کی سواری والا ہے اور زرہ اور نعلین (جوتوں) والا ہے اور عصا والا ہے۔ بڑی اور خوبصورت آنکھوں والا کشادہ پیشانی والا ہے۔ صاف اور حسین رخساروں والا ہے۔ گھنگریالے بال ہیں گھنی ڈاڑھی ہے۔ ابرویں ملی ہوئی ہیں۔ باریک اور دراز خوبصورت ناک ہے، کشادہ دانتوں والا ہے۔

ڈاڑھی کے ساتھ ڈاڑھی بچہ ہے اور اس کی گردن گویا خوبصورت چاندی کی ہے اور گویا سونا اس کی نالیوں میں دوڑ رہا ہے اور سینہ کے اوپر سے ناف تک بالوں کی باریک لائن ہے گویا کہ خوبصورت باریک ٹہنی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے سینے اور شکم مبارک پر کوئی بال نہیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں پر گوشت ہے۔ اور جب آپ کسی طرف متوجہ ہوں تو پورے حسین سراپا کے ساتھ متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب آپ چلتے ہیں تو گویا چٹان سے قدم اکھاڑ کر نشیبی جگہ اتر رہے ہیں، آپ کا سینہ کشادہ ہے اور چہرے میں گویا موتی جھڑ رہے ہیں اور مشک کی خوشبو اس سے پھوٹ رہی ہے اور اس کی مثل آپ کے بعد نہ آپ سے پہلے آپ جیسا حسین کوئی دیکھا گیا۔ حسین قامت اور بہترین خوشبو والے ہیں۔ عورتوں سے نکاح فرمانے والے ہیں اور تھوڑی نسل والے ہیں۔ آپ کی نسل مبارک کے لئے جنت میں زبرجد اور یاقوت سے مرصع شدہ گھر ہوگا۔ جہاں نہ تھکاوٹ ہو نہ شور و شغب ہو اے عیسیٰ تو اس کا (یعنی ان کے دین کا) آخری زمانے میں کفیل بنے گا جس طرح زکریا علیہ السلام تیری ماں کے کفیل بنے۔ اور اس (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے اس کی امت کے دو شہید بچے ہوں گے اس کے لئے میرے پاس ایسا مرتبہ ہوگا جو کسی انسان کے لئے نہ ہوگا۔ اس کا کلام قرآن ہوگا اور اس کا دین اسلام ہوگا۔ اور اس کو سلام ہے۔ اور خوشخبری ہے اس کو جو اس کا زمانہ پائے اور اس کے زمانے میں حاضر باش ہو اور اس کے کلام کو سنے۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار ..... اور کس کس چیز کی ان کے لئے خوشخبری ہوگی۔ فرمایا ایسے عظیم پاکیزہ درخت کی جس کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اگایا ہے۔ وہ تمام جنتوں کے لئے ہے اور اس کی جڑ رضوان سے ہے اس کا پانی تسنیم شراب سے ہے۔ اور اس کی ٹھنڈک کافور کی سی پیاری ہے اور اس کا ذائقہ انجیر کا ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بڑھ کر ہے جس نے اس کو ایک مرتبہ بھی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار مجھے بھی اس سے پلا دیجئے فرمایا تمام پیغمبروں پر وہ اس وقت تک کے لئے حرام ہے جب تک وہ نبی برحق نہ اس سے پی لے۔ اور تمام امتوں کے لئے وہ حرام ہے جب تک کہ اس پیغمبر کی امت نہ پی لے۔

---

(۱) وقال ابو زرعة الدمشقي: حدثنا عبد الله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عمن حدثه قال

(۲) وقال اسحاق بن بشر: وانبأنا سعيد بن ابي عروبة، عن قتادة، ومقاتل عن قتادة، عن عبد الرحمن بن آدم، عن ابي هريرة

حضرت عیسیٰ کو اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے اپنے پاس اٹھانے والا ہوں عرض کیا اے پروردگار آپ مجھے کیوں اٹھائیں گے؟ فرمایا میں تجھے اٹھاؤں گا پھر آخر زمانے میں اتاروں گا تاکہ اس پیغمبر کی امت کے عجائبات دیکھے اور تاکہ تو دجال لعین کے قتل پر ان کی مدد کرے۔ میں تجھ کو ان کے پاس ایک نماز کے وقت کے بعد اتاروں گا پھر تو ان کو (وہ) نماز پڑھائے گا۔ کیونکہ وہ امت مرحومہ ہے اور ان کے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۱) ہشام کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس امت مرحومہ کے بارے میں خبر دیجئے فرمایا وہ احمد کی امت ہے وہ علماء اور حکماء لوگ ہیں گویا کہ انبیاء ہوں۔ وہ مجھ سے تھوڑے پر راضی ہو جائیں گے اور میں بھی ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاؤں گا اور ان کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ جنت میں داخل کروں گا۔

اے عیسیٰ وہ جنت کے تمام رہائشیوں سے زیادہ تعداد میں ہوں گے اسلئے کہ کسی قوم کی زبانیں لا الہ الا اللہ کے ساتھ ان سے زیادہ تر نہ ہوں گی۔ اور کسی قوم کی گردنیں سجدوں میں اتنی نہ گریں گی جتنی کی ان کی گردنیں میرے سجدے میں گریں گی۔ ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(۲) اور ابن عساکر کی ہی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی طرف اللہ جل شانہ نے وحی فرمائی کہ اپنے فکر کے مطابق مجھ سے اپنی حاجت پوری کرو اور اپنی قیامت کے لئے مجھے ذخیرہ بنالو۔ اور نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرو میں تم سے محبت کرنے لگوں گا اور میرے غیر کی طرف توجہ مت کرو۔

اور بلاء و مصیبت پر صبر کر اور قضاء الٰہی پر رضا رکھو اور میری خوشی کے لئے کام کرو اور میری خوشی اس میں ہے کہ میری اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ اور مجھ سے قریب رہو اور اپنی زبان کو ذکر کے ساتھ زندہ رکھو اور میری محبت تمہارے سینے میں موجزن رہے۔ غفلت کی گھڑیوں کو بیداری کے ساتھ برتو۔ اور سمجھداری کو لازم پکڑو۔ اور میرے راغب ہو اور مجھ سے راہب رہو اور مجھ سے ڈرو خوف کے مارے اپنے دل کو موت وفناء کے حوالے کر دو اور میری خوشی کے لئے رات کی نگہبانی کرو اور میرے پاس سخت دن کی سیرابی کی خاطر اپنے دنوں کو بھوکا پیاسا رکھو۔

خیرات کے کاموں میں اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دو۔ اور جہاں متوجہ ہو خیر کو لے کر پھیلاؤ اور مخلوق میں میری نصیحت کو پھیلاؤ۔ اور میرے بندوں میں عدل برتو۔ بے شک تم پر سینوں کے وسوسوں سے شفاء نازل کر دی اور نسیان کے مرض کو کافور کر دیا اور آنکھوں کو غفلت کے پردوں سے لپیٹ دیا اور تو سانس لیتا ہو تو بھی اپنے آپ کو قبضے میں سمجھ۔

اے عیسیٰ ابن مریم جو مخلوق بھی مجھ پر ایمان لائی تو وہ مجھ سے خوفزدہ ہوئی اور جو مجھ سے ڈرا وہ مجھ سے ثواب کا امیدوار ہوا پس میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ ایسے لوگ میرے عذاب سے مامون ہیں جب تک کہ وہ خود نہ بدلیں یا میری سنت کو نہ بدلیں۔

اے پاکباز زاہدہ کنواری کے فرزند!

زندگی کے سانسوں میں اپنے پہ آنسو بہاؤ جیسے کوئی گھر بار سے بچھڑنے والا ہے اور دنیا کو الوداع کہنے والا ہے اور دنیا کی لذتوں کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ رہا ہو اور اس کی رغبت اللہ کے ہاں خزانوں پر لگی ہو۔ تو اس شخص کی طرح رہو اور اپنے پر رو۔ اور اس دنیا میں کلام کو نرم رکھو اور سلام کو رواج دو رکھو اور جب لوگوں کی آنکھیں نیند کی وادی میں چلی جائیں تو تو اس وقت میں ان آنکھوں کو بیداری کی وادی میں لے چل اور قیامت کی آنے والی ہولناکیوں سے خبردار رہو اور سخت زلزلوں سے خبردار رہو اس سے پہلے پہلے کہ نہ اہل وعیال نفع دیں نہ مال کچھ نفع دے۔ اور جب اکڑباز لوگ ہنسی سے اترائیں جب تم اپنی آنکھوں کو رنج وغم کا سرمہ پہناؤ۔ اور اس میں صبر کرنے والے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھنے والے رہو۔ اور اپنی چیزوں کا صابرین کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اگر وہ تم کو مل گئیں تو تم کو بہت ہی خوش خبری ہے۔ دنیا کو چھوڑ اور اللہ سے قیامت کے روز ثواب کی امید رکھو اور ایسی چیز چکھ جس کا ذائقہ نہ ہو۔ اور اس کی لذت کیف نہ ہو۔ اور دنیا میں میرا پیغام پہنچا کر خوش رہو۔ اور دنیا کی سخت کمزور سی چیز پر قناعت کرو۔ تم سب کا بدلہ میرے ہاں آکر دیکھ لو گے۔ اور دنیا میں حساب کتاب کے ساتھ عمل کرو کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا۔ اگر تم وہ چیز ہی دیکھ لو جو میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار رکھی ہیں تو تمہارا دل پگھل جائے اور تمہاری جان (مارے خوشی

---

(۱) وقال هشام بن عمار، عن الوليد بن مسلم، عن عبد الرحمن بن زيد، عن ابيه، ان عيسى قال

(۲) وروى ابن عساكر من طريق عبد الله بن بديل العقيلي، عن عبد الله بن عوسجة قال

وسرت کے) نکل جائے۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں فرماتے ہیں (۱) کہ ابن طاؤس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھے ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو تیرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ ابلیس نے کہا آپ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھیں پھر وہاں سے اپنے آپ کو گرائیں پھر دیکھیں آپ زندہ رہیں گے یا نہیں؟ تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے بندہ مجھے نہ آزمائے میں جو چاہوں گا کروں گا......

زہری کہتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کی آزمائش نہیں کرسکتا رب اپنے بندے کی آزمائش کرسکتا ہے۔

ابوداؤد ہی (۲) میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ شیطان حضرت عیسیٰ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ اپنے کو سچا خیال نہیں کرتے؟ لہٰذا اس روشن دان سے اپنے کو گرا کر دیکھئے۔ فرمایا ہلاکت ہو تجھ پر کیا اللہ نے نہیں فرمایا اے ابن آدم مجھ سے اپنے نفس کی ہلاکت کی (آزمائش اور) سوال نہ کر کیونکہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔

(۳) اور خالد ابن یزید سے مروی ہے کہ شیطان (کسی انسانی بزرگ کے بھیس میں) حضرت عیسیٰ کے ساتھ دس سال یا دو سال تک عبادت کرتا رہا پھر شیطان ایک پہاڑی کے کنارے پر کھڑا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا اگر میں اپنے جسم کو نیچے گرا دوں تو کیا خیال ہے کہ مجھے صرف وہی مصیبت پہنچے گی ناں جو میرے لئے رکھی ہوئی ہے؟ فرمایا:

میں وہ شخص نہیں ہوں جو اپنے رب کو آزماؤں بلکہ میرا رب جب چاہے مجھے آزما سکتا ہے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ پہچان گئے کہ یہ شیطان لعین ہے (مجھے گمراہ کرنے آیا ہے) پھر آپ اس سے جدا ہو گئے۔

(۴) ابن ابی الدنیا میں ابو عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جبل کی چوٹی پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابلیس آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ہی وہ شخص ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر کے ساتھ ہوتی ہے فرمایا بالکل جی ہاں تو شیطان نے کہا اپنے نفس کو اس پہاڑ سے گرا دیجئے اور کہئے کہ یہی تقدیر کا مجھ پر فیصلہ ہے۔ فرمایا اے لعین اللہ بندوں کو آزماتا ہے اور بندے اللہ کو نہیں آزما سکتے۔

(۵) ابن ابی الدنیا کی ہی روایت میں حضرت سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی ابلیس سے ملاقات ہوئی ابلیس نے آپ سے کہا اے عیسیٰ بن مریم تیری پرورش کیسی عظیم ہے کہ تو نے بچپن میں گود کے اندر ہی بات چیت کی اور تجھ سے پہلے ایسا کوئی نہ کر سکا آپ نے فرمایا بلکہ پرورش تو اس نے کی ہے جس نے مجھے قوت گویائی دی پھر وہ مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

شیطان نے کہا آپ بھی تو کس قدر ربوبیت کے درجے میں ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ فرمایا بلکہ ربوبیت تو اسی ذات کی ہے جو ہمیشہ سے مارتا اور زندہ کرتا ہے اور جس کو میں زندہ کروں (اس کے حکم سے) اس کو بھی مارتا ہے پھر اس کو زندہ کرے گا۔

پھر شیطان نے کہا اللہ کی قسم آپ آسمان میں بھی معبود ہیں اور زمین میں بھی معبود ہیں۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ایک پر کے ساتھ شیطان لعین کو ایسا طمانچہ مارا کہ وہ سورج کے سینگوں تک دور ہو گیا پھر دوسرا ایسا طمانچہ مارا کہ وہ گرم ابلتے چشمے تک پہنچ گیا پھر ایک اور تھپڑ رسید کیا تو اس کو ساتویں سمندر میں دھکیل دیا پھر اس کو وہاں دھنسا دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اس کو وہاں سے چلایا۔ حتیٰ کہ اس نے وہاں کیچڑ کا ذائقہ چکھا۔ پھر وہاں سے نکلا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے پھر ملاقات ہوئی تو کہنے لگا اے ابن مریم جیسی میں نے تجھ سے ملاقات کی ایسی کسی سے نہیں کی۔ (یعنی آپ کی ملاقات سے خوب سزا کھائی)۔

---

(۱) وقال ابوداؤد في كتاب القدر: حدثنا محمد بن يحيى بن فارس، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن الزهري، عن ابن طاؤس

(۲) وقال ابوداؤد حدثنا احمد بن عبدة، انبانا سفيان، عن عمرو عن طاؤس

(۳) وحدثنا ابو توبة الربيع بن نافع، حدثنا حسين بن طلحة، سمعت خالد بن يزيد قال

(۴) وقال ابو بكر بن ابي الدنيا: حدثنا شريح بن يونس، حدثنا علي بن ثابت، عن الخطاب بن قاسم، عن ابي عثمان، كان عيسى

(۵) وقال ابو بكر بن ابي الدنيا حدثنا الفضل بن موسى البصري، حدثنا ابراهيم بن بشار، سمعت سفيان بن عيينة يقول

(۱) حافظ ابوبکر خطیب کی روایت میں اسی طرح کے واقعے کو مزید تفصیل و اضافے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس میں نماز ادا فرمائی پھر واپس پلٹے۔ کسی گھاٹی کے قریب پہنچے تو شیطان ابلیس سامنے آیا اور آپ کو گھیر کر بات چیت کرنے لگا پھر اپنی ہٹ دھرمی پر آیا اور کہتا رہا کہ آپ بندے نہیں ہو سکتے لیکن آپ اس کو دفع کرتے رہے مگر وہ تھا کہ پیچھے پڑا رہا کہ اے عیسیٰ آپ بندے تو نہیں ہو سکتے آخر حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کے ساتھ پناہ مانگی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل آئے اور ان کو دیکھ کر ابلیس رک گیا جب دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گھاٹی میں ٹھہرے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابلیس کو پر مارا اور وادی یعنی گھاٹی کے بیچ میں پھینک دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شیطان دوبارہ آ گیا اور سمجھا کہ فرشتے بس اتنا ہی کرنے آئے تھے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگا میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ آپ کسی کے بندے نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کا غصہ بندے کا سا غصہ نہیں ہے۔ اور آپ کے غصے کی بناء پر اب میں نے ایسی اذیت دیکھی۔ لہٰذا اب میں آپ کو آپ کے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں بھی شیاطین کو حکم دوں گا وہ آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور آپ کے غلام ہوں گے آپ کی اتباع کریں گے۔ لہٰذا جب انسان دیکھیں گے کہ شیاطین و جن بھی آپ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انسان بھی آپ کی بندگی کرنے لگیں گے اور میں یہ غلط بات نہیں کہتا کہ آپ ہی تنہا معبود ہیں بلکہ آسمان میں اللہ معبود رہے گا اور زمین میں آپ معبود ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی یہ گمراہ بات سنی تو آپ چیخ پڑے اور اپنے رب کو پکار پکار کر فریاد کی تو تب فوراً اسرافیل علیہ السلام اترے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام و میکائیل نے ابلیس کی طرف نظر اٹھائی تو شیطان رک گیا پھر جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ ٹھہرے گئے تو اسرافیل علیہ السلام نے ابلیس کو دوبارہ ایک طمانچہ رسید کیا اور پھر ابلیس تو ابلیس ہے حضرت عیسیٰ کے پاس آ کر کہنے لگا آج میں نے آپ کی وجہ سے سخت مشقت و تکلیف اٹھائی ہے فرشتے نے پھر ایک رسید کیا اور سورج تک دے مارا اور پھر ابلیس کو گرم چشمے کے پاس سات فرشتوں نے پایا انہوں نے اس کو خوب اور غوطے دیے جب بھی نکلتا پھر غوطہ دیتے پھر اللہ کی قسم ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ کبھی نہ آیا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل عطار نے بیان کیا کہ ہم کو بھی ابوحذیفہ نے بیان کیا فرمایا کہ اس واقعے کے بعد شیطان کی ذریت اس کے پاس اکٹھی ہوئی اور چاپلوسی کرنے لگی کہ اے ہمارے سردار آپ نے آج بہت ہی تکلیف و مشقت اٹھائی۔ تو شیطان نے کہا یہ معصوم بندہ ہے اس پر میرا کوئی بس چلتا ہی نہیں کیا کروں؟ جبکہ میں نے ان کے گروہوں سے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور ان میں مختلف خواہشات کو بھر دیا اور ان کو میں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور خود اس عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو گمراہ کر دیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کی ماں کو معبود بنانے لگ گئے۔ اور اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اے عیسیٰ بن مریم اپنے اور اپنی والدہ پر میری نعمت کو یاد کر کر، جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری مدد کی تو لوگوں سے گود اور بڑھاپے میں بات کرنے والا ہے۔ اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے پرندوں کی شکلیں بناتا تھا۔ الخ۔ (المائدہ)

یعنی اللہ نے اپنی بہت ہی عظیم نعمتیں آپ پر فرمائی جن میں یہ بھی فرمائی کہ شیطان سے جبرئیل کے ذریعے حفاظت کی۔ اور میں نے آپ کو مددگار صحابہ حواری عطا کئے۔

اور عنقریب بنی اسرائیل آپ کو کہیں گے ہم نے روزے رکھے مگر ہم سے روزے قبول نہ کئے گئے اور ہم نے نمازیں پڑھیں مگر قبول نہ ہوئیں ہم نے آہ و پکار گریہ و زاری کی مگر ہم پر رحم نہ ہوا تو تو ان کو کہنا یہ کیا بات ہے کیا چیز مجھ (اللہ) کو اس سے روکتی ہے؟ کیا میرے ہاتھ کم پڑ گئے؟ کیا آسمان و زمین کے خزانے میرے ہاتھ میں نہیں ہیں اور میں جیسے چاہوں خرچ نہیں کر رہا؟ کیا بخل مجھے لاحق ہو گیا ہے؟ کیا جن سے سوال کیا جائے ان میں میں سب سے زیادہ غنی نہیں ہوں؟ اور کیا میں دینے والوں میں سب سے زیادہ دینے والا نہیں ہوں؟ کیا میری رحمت تنگ ہو گئی ہے؟ یا جبکہ رحم کرنے والے میرے رحم کی بدولت ہی رحم کرتے ہیں۔

(پس اور کچھ نہیں اللہ تمہارے دلوں کے کھوٹ کو خوب جانتا ہے)

---

(۱) وقد روي نحو هذا بأبسط منه من وجه آخر. فقال الحافظ أبوبكر الخطيب: أخبرني أبو الحسن بن رزقويه أنبأنا أبوبكر أحمد بن سندي، حدثنا أبو محمد الحسن بن علي القطان، حدثنا إسماعيل بن عيسى العطار أنبأنا علي بن عاصم، حدثني أبو سلمة سويد عن بعض أصحابه، قال.

اے عیسیٰ ابن مریم...... جو حکمت آپ ان کے قلوب میں پھونکتے ہیں اگر یہ اس پر دنیا کو ترجیح نہ دیتے اور آخرت کو پس پشت نہ ڈالتے تو ان کو کہاں کہاں سے رزق ملتا اور اور تب یہ جان لیتے کہ ان کے نفوس ہی اس کے سب سے بڑے دشمن ہیں (اور تم ہی بتاؤ) میں کیسے ان کے روزے قبول کروں جبکہ حرام غذاؤں سے یہ روزے رکھتے اور کھاتے ہیں اور میں کیسے ان کی نمازوں کو قبول کروں جبکہ ان کے دل میرے دشمنوں کی طرف جھکے پڑے ہیں جو میرے حرام کردہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور میں کیسے ان کے صدقات کو قبول کروں جبکہ وہ لوگوں پر ناجائز قبضہ کر کے حرام طریقے سے مال کو حاصل کرتے ہیں۔

اے عیسیٰ میں ایسے اعمال کا ایسا ہی ان کو بدلہ دوں گا۔

(افسوس افسوس) میں کیسے ان کے آہ و بکا پر رحم کروں جبکہ ان کے ہاتھوں سے انبیاء کے معصوم خون کے قطرے ٹپکتے ہیں؟ بس میں تو ان پر غضب و جلال کو ہی زیادہ کروں گا۔

اے عیسیٰ علیہ السلام ـــــ میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو مجھ تنہا کی عبادت کرے گا اور تم ماں بیٹے کے متعلق صرف میری بات ہی کہے گا تو ایسے لوگوں کو میں جنت میں آپ کا ساتھی بنا دوں گا اور منازل و کرامت میں آپ کے شریک بنا دوں گا۔

اور میں نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو تجھے اور تیری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنائے گا تو ان کو میں جہنم کے نچلے طبقے میں جھونک دوں گا اور میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں ان انبیاء کے اور دین کے سلسلے کو جاری ساری رکھوں گا اور اپنے خاص بندے محمد پر اس کو ختم کروں گا اور انبیاء و رسل کے سلسلے کو ان پر تمام کروں گا اور ان کی جائے پیدائش مکہ ہوگی جائے ہجرت (مدینہ) طیبہ ہوگی اور اس کی سلطنت شام ملک تک وسیع ہو جائے گی۔ وہ سخت نہ ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور کریں گے اور نہ فحش زیب و زینت اپنائیں گے اور نہ بری بات کے ساتھ منہ کھولیں گے۔ میں ہر اچھے خوبصورت کام میں ان کی مدد اور درستگی کروں گا۔ اور ہر کریم عادت و اخلاق سے ان کو نوازوں گا تقویٰ کو ان کا ضمیر بنا دوں گا اور ان کا ہر حکم معقول ہوگا اور وفاداری ان کی طبیعت و سرشت میں داخل ہوگی۔ عدل و انصاف ان کی سیرت ہوگی۔ حق ان کی شریعت ہوگی اور اسلام ان کی ملت ہوگی ان کا نام (آسمانوں میں) احمد ہوگا میں ان کو نادانی کے بعد ہدایت و سیدھے راستے پر گامزن کروں گا۔ اور بے علمی کے بعد علم کی دولت سے فیضیاب کروں گا۔

اور فقر کے بعد غنی سے مالا مال کروں گا۔ اور ان کو رفیع المرتبت کروں گا۔ اس پیغمبر کے ذریعے میں لوگوں میں ہدایت کی شمع روشن کروں گا۔ اور بہرے کانوں کو اس کی آواز ہدایت کے ساتھ وا کروں گا۔ بند دلوں کے تالے کھول دوں گا اور مختلف و متفرق خواہشات سے لوگوں کو اس کی بدولت چھٹکارا ملے گا۔ اس کی امت کو سب سے بہتر امت بناؤں گا جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالی جائے گی۔ وہ امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کریں گے۔

اور سب میرے نام میں مخلص ہوں گے اور میرے پیغمبر کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کریں گے۔ ان کی مساجد مجالس و بیوت و ٹھکانوں اور ہر ہر جگہ میں ان کو تسبیح و تقدیس و تہلیل الہام کروں گا۔ میرے لئے قیام کی حالت میں رکوع کی حالت میں قعود کی حالت میں ہر طرح سے نماز پڑھیں گے۔ اور صف در صف اور گھمسان معرکوں میں میرے لئے قتال کریں گے۔ ان کی قربانیاں ان کا اپنے جانوروں کا صرف خون پیش کرنا ہوگا اور ان کی کتاب (قرآن) ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی۔ ان کی قربانی (کے گوشت) ان کے شکموں میں ہوگی۔

رات میں راہب ہوں گے اور دن میں (کافروں کے روبرو گرجتے) شیر ہوں گے۔

یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں میں عطا کروں۔ اور میں عظیم فضل والا ہوں۔

اور ہم سورۂ صف اور مائدہ کے تحت اس گفتگو کے کئی زاویے درست ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

ابو حذیفہ اسحاق بن بشر اپنی اسنادوں کے ساتھ کعب احبار اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عباس اور سلیمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں ان کی آپس میں بات چیت ہوئی۔

کہنے لگے جب حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا اور آپ ان کے پاس کھلے عام دلائل و معجزات کے ساتھ تشریف لائے تو

تب بھی وہ (بد بخت) آپ کا مذاق اڑاتے اور تعجب کرتے رہے وہ آپ سے ازراہ مذاق پوچھتے کہ اچھا بتاؤ فلاں نے گذشتہ رات کیا کھایا اور اپنے گھر میں کیا ذخیرہ کر کے رکھا تو آپ بھی ان کو صحیح خبر دیدیتے اس سے مومنوں کا ایمان بڑھ جاتا اور کافروں اور منافقوں کا شر اور کفر بڑھ جاتا۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی گھر نہ تھا جس میں ٹھکانا پکڑتے اللہ کی زمین میں چکر لگاتے رہتے اور آپ کی کوئی جائے قرار بھی نہ تھی اور نہ ہی کوئی جگہ ہی تھی جہاں آپ کو تلاش کیا جا سکے اور سب سے پہلے آپ نے جو مردے کو زندہ فرمایا اس کی صورت یوں ہی کہ ایک مرتبہ آپ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی گریہ وزاری میں مشغول تھی۔ آپ نے اس کو کہا اے خاتون تجھے کیا ہو گیا ہے؟ عرض کیا میری بیٹی لخت جگر فوت ہو گئی ہے جبکہ اس کے سوا میری کوئی اور اولاد بھی نہیں۔ پس میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ میں اس کی قبر سے جدا نہ ہوں گی جب تک کہ یا تو میں بھی وہی چیز (موت) نہ چکھ لوں جو اس نے چکھی ہے یا پھر اللہ ان کو میرے لئے زندہ کرے پس آپ ہی دیکھئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہا اگر میں اس کو دیکھوں تو آپ واپس لوٹ جاؤ گی؟

عرض کیا جی ہاں کہتے ہیں کہ پھر حضرت عیسیٰ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر آ کر قبر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور آواز دی۔

اے فلانی اللہ رحمن کے حکم سے کھڑی ہو جا اور نکل آ تو آپ کا یہ فرمانا تھا کہ قبر میں حرکت شروع ہو گئی آپ نے پھر آواز دی تو قبر اللہ کے حکم سے پھٹ چکی آپ نے پھر تیسری مرتبہ آواز دی تو وہ لڑکی سر سے مٹی جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو نے دیر کس وجہ سے لگائی؟ عرض کیا جب پہلی مرتبہ آواز آئی تو اللہ نے فرشتے کو بھیجا اس نے میرے اعضاء کو حکم الٰہی سے درست کیا اور میرے جسم کو جوڑا پھر دوسری مرتبہ آواز آئی تو میرے جسم میں روح ڈال دی گئی پھر تیسری مرتبہ آواز آئی تو مجھے خوف لگا کہ یہ قیامت کی چیخ تو نہیں اس کے ڈر سے میرا سر سفید ہو گیا۔ اور میری پلکیں اور ابرو بھی قیامت آنے کے خوف سے فوراً سفید ہو گئیں پھر لڑکی اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا ہائے اماں.... آپ کو کس چیز نے برانگیختہ اور مجبور کیا کہ آپ نے مجھے دوبارہ اٹھوایا ہے اماں.... آپ کاش صبر کرتیں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھتیں مجھے دنیا کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئی۔ اے اللہ کے کلمے اور اس کی روح میرے رب سے یہ بھی فریاد کر دیجئے کہ مجھے واپس آخرت کی طرف لوٹا دے اور موت کی تلخی کو مجھ پر آسان کر دے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بات بھی قبول کی اور اپنے رب سے دعا کر دی اور وہ لڑکی واپس موت کی آغوش میں چلی گئی اور زمین اس کو اپنے اندر لے گئی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک عظیم معجزے کا ظہور ہوا اور آپ کی عزت و عظمت کا چاند مزید آب و تاب کے ساتھ منور ہوا۔ اور اسی وجہ سے جب یہ ماجرا یہود کے کانوں میں پڑا تو یہود حضرت عیسیٰ پر مزید سخت غضبناک ہو گئے۔

اور اسی مضمون کے موافق ہم حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد ذکر کر آئے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سام بن نوح کو دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کا سوال کیا اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا فرما دی پہلے دوگانہ ادا فرمائی پھر بارگاہ اجابت میں ہاتھ اٹھائے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں یہ معجزہ بھی ظاہر فرمایا اور سام بن نوح زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور پھر ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی کشتی اور اس کے متعلق دیگر باتیں اور خبریں ذکر کیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھائے اور سام بن نوح دوبارہ موت کی وادی میں چلے گئے۔

اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو صالح اور ابو مالک کے واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں) بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کو جنازے کی چارپائی پر اٹھایا گیا تھا تو اتنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے اور آپ نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو وہ بادشاہ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر تمام لوگوں نے حیرت زدہ اور عجیب و غریب منظر دیکھ لیا۔

اور اللہ تعالیٰ جو سچوں میں سب سے بڑے سچے ہیں فرماتے ہیں۔

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میری نعمت کا ذکر کر جب میں نے روح القدس کے ساتھ تیری تائید کی۔ تو گود اور

بڑھاپے میں لوگوں سے بات کرے گا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تو میرے حکم سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتا تھا اور میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر نکالتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو جو ان میں سے کافر تھے کہا تھا کہ یہ صرف کھلا جادو ہے اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی (یعنی دل میں ڈالا) کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے ہم ایمان لائے تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ (1)

اس طرح اللہ جل شانہ و تعالیٰ ان پر اپنی نعمت اور احسان ذکر فرما رہے ہیں کہ آپ کو معجزات عطا فرمائے اور آپ کی والدہ پر کہ ان کو عورتوں میں سب سے اونچا مرتبہ دیا اور گہوارے کے بچپن میں آپ سے کلام کروایا اور حضرت عیسیٰ کو کتاب سکھائی عطا کئے جانے سے مراد ہے ان کو پڑھنا لکھنا سکھانا اور اندھوں کو اچھا کرنا ہوگی یا ایسے اندھوں کو جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوئے ہوں اور کوڑھی جس کو کوڑھ ایسا ہو کہ اطباء درست نہیں کر سکتے اور پھر فرمایا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا یعنی جب وہ آپ کو سولی پر چڑھانے کے لئے اکٹھے ہوئے تو آپ کو اپنے پاس اٹھا لیا۔ اسی طرح سورۃ آل عمران کی ابتداء سے یہاں آیات تک حضرت عیسیٰ کی انہی صفات کا ذکر کیا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اس زمانے کے مطابق معجزات سے نوازا مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گری کا غلبہ تھا۔

دوسروں کے مطابق آپ کو جادوگروں کا مقابلہ کرنے کے معجزات سے نوازا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب کا زمانہ تھا تو آپ کو ایسے معجزات سے نوازا جو ہر حکیم و طبیب کی طاقت سے باہر تھے کہ کوئی کوڑھی کا علاج کر دے یا ماں کے پیٹ کا اندھا اچھا ہو جائے یا اسی طرح لوٹا کر پھر سے زندگی کے تمام پہلوؤں سے مرض سے آپ کو شفا عطا کرنے کی ہدایت دی گئی۔

حتیٰ کہ موت کا علاج بھی ان کو عطا فرما دیا تھا۔

پھر اسی طرح امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت اور شیریں زبان اور بیان والوں کے زمانے میں مبعوث ہوئے تو اللہ نے آپ پر عظیم کلام پیش کیا کہ تمام عرب کیا تمام دنیا کے انس و جن مل کر بھی اس کلام کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو گئے پھر ایسے قرآن پہ کی پھر دس سورتوں کا چیلنج آیا پھر ایک سورت کا لیکن تمام انسانیت بھی ایک مختصر سی سورت کے مثل پیش کرنے سے عاجز ہو گئی۔

حاصل مقصود جب حضرت عیسیٰ نے ان پر تمام حجت و دلائل تام فرما دیئے تو پھر بھی ان کے اکثر لوگ اپنے کفر و ضلالت اور عناد و ہٹ دھرمی پر اڑے رہے لیکن خدا کے کرم سے ان کے درمیان سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مددگار بن گیا اور آپ پر ایمان و یقین لایا۔ اور ایسے وقت میں کافروں نے کسی بادشاہ کے پاس ان کی چغل کھائی پھر وہ حضرت عیسیٰ کے قتل پر متفق ہو گئے لیکن اللہ نے ان کے ارادہ کو تکمیل تک نہ پہنچنے دیا بلکہ انہیں کفار میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی صورت ڈال دی اور انہوں نے حضرت عیسیٰ سمجھ کر اسے قتل کر دیا جبکہ بعد میں اللہ نے عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھا لیا اب تک یہود کا یہی خیال ہے اور نصاریٰ نے بھی ان کی حمایت کی۔ مگر وہ دونوں فریق غلطی میں ہیں اور جیسے کہ اسی کو اللہ نے آل عمران میں فرمایا۔

اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور سب تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مذکور تھی لاتے ہوئے سورۃ صف میں آپ کا ذکر تفصیل سے یوں فرما رہے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے اور اس سے ظالم کون ہے جس کو بلایا جائے اسلام کی طرف اور

---

(1) المائدۃ ۱۱۰

خدا پر جھوٹ بہتان باندھے اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔ مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں؟ جو تمہیں عذاب الیم سے خلاصی دے (وہ یہ) کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال کا جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) خدا کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب (ہوگی) اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دو۔ مومنو! خدا کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ (بھلا) کون ہیں جو خدا کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟ حواریوں نے کہا کہ ہم خدا کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر کار ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (الصف ۱۳)

اس طرح حضرت عیسیٰ جو بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں انہوں نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر سب انبیاء کے خاتم حضرت محمد ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی ہے کہ جب وہ آئیں تو تمام بنی اسرائیل کی ملت ان کی اتباع و پیروی کریں اور ایسے ہی لوگوں کیلئے کامیابی و کامرانی ہے۔

جیسے فرمان الٰہی ہے:

وہ لوگ رسول پیغمبر امی کی اتباع کرتے ہیں جس کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ وہ ان کو امر بالمعروف کرے گا اور نہی عن المنکر کرے گا اور پاکیزہ اشیاء ان کے لئے حلال کرے گا خبیث اشیاء ان پر حرام قرار دے گا اور ان سے ان کے بوجھ اور ان پر پڑے طوق کو اتارے گا۔ پس جو شخص اس پر ایمان لائے گا اور اس کی توقیر کرے گا اس کی مدد کرے گا اور اس نور کی اتباع کی جو اس کے لئے نازل کیا گیا۔ تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الاعراف ۱۵۷)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے نقل کیا خالد اصحاب رسول ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے فرمایا

اے رسول ہمیں اپنے متعلق کچھ خبر دیجئے تو فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی خوشخبری ہوں اور جب میں والدہ کے پیٹ میں آیا تو میری والدہ نے دیکھا گویا ایک نور ان سے نکلا اور اس نے سرزمین شام تک بصری کے محلات کو روشن کر دیا۔

عرباض بن ساریہ اور ابوامامہ حضور اکرم ﷺ سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب حضرت ابراہیم نے کعبہ تعمیر فرمایا تو دعا کی

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم (البقرۃ ۱۲۹)

ہمارے پروردگار ان کے اندر انہی میں سے رسول بھیجئے۔

اور جب نبوت بنی اسرائیل میں منقطع ہو گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر نہ آئے گا بلکہ ایک عربی نبی آئیں گے جو خاتم الانبیاء ﷺ ہوں گے اور وہ پورے جہاں کے لئے بعثت کے واسطے پیغمبر ہوں گے۔ وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں گے اور اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد سے ہوں گے۔

قرآن میں فرمایا جب ان کے پاس پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ کھلا جادو ہے۔

اس پیغمبر سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں یا پھر حضور اکرم ﷺ مراد ہیں۔ اور آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جناب نبی کریم ﷺ کی مدد نصرت دین کی خبر و شہادت اور اہل ایمان کی حمایت پر ابھارتے ہوئے فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ الآیۃ ... (الصف ۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے جس بستی میں رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔ وہاں سے نسبت کی وجہ سے انھیں کو نصاریٰ کہتے تھے۔ یعنی "مددگار"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ایمان کی دعوت دی تو کچھ لوگوں نے تصدیق کی اور کچھ منکر ہوئے۔ اہل انطاکیہ تو سب مسلمان ہو گئے تھے۔ سورۂ یٰس میں جن اہل انطاکیہ کا ذکر ہے وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ دوسرے مذہب ماننے والے تھے جنھیں اصحاب قریہ کہا جاتا ہے۔ کافروں میں یہود آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ جمہور یہود ہیں۔ اور آپ کے متبعین یعنی مومنین آپ کے منکرین پر اس وقت تک غالب رہے جب تک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتے رہے۔

کما قال تعالیٰ

اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک...... الی یوم القیمۃ

میں تمہارے متبعین کو قیامت تک غالب رکھوں گا تمہارے اور تمہارے ماننے والے کے دشمنوں پر۔

دسترخوان کا قصہ

فرمان الٰہی ہے:

جب حواریین نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا رب طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کرے (تو حضرت عیسیٰ نے) فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو؟ کہنے لگے ہمارا خیال ہے کہ ہم اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ تو عیسیٰ ابن مریم نے (دعا کرتے ہوئے) کہا اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تاکہ وہ ہمارے اول و آخر کے لئے خوشی ہو اور آپ کی طرف سے نشانی ہو اور ہم کو رزق عطا فرمایئے اور آپ بہترین رزق عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا میں اس کو تم پر نازل کروں گا پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ میں نے جہاں والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔ (۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ بزرگوں سے اس دسترخوان کی تفسیر میں منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب انہوں نے تیس دن پورے کر لئے تو حضرت عیسیٰ سے آسمان سے دسترخوان اترنے کی درخواست کی۔

تاکہ اس سے کھائیں اور تعظیم ہو سکے اور ہمیں ایمان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور پھر یہ ان کی عید کا دن ہو اور وہ عظیم دسترخوان ان تمام کے لئے کافی ہو تعظیم اول و آخر سب کے لئے خیر ہو

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو منع فرمایا کہ مبادا تم سے اس کا شکر ادا نہ ہو سکے۔ لیکن نصاریٰ مومن لوگ بھی مصر اور بضد رہے کہ نہیں بلکہ

---

(۱) المائدہ ۱۱۲-۱۱۵

آپ اللہ سے سوال کر لیں۔

تو پھر حضرت عیسیٰ بھی اپنی جائے نماز پر کھڑے ہو گئے اور بالوں کا فقیرانہ لباس پہن لیا اور سر جھکا لیا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور خوب عاجزی و انکساری سے دعا کی اور عرض کیا کہ ان کی مطلوبہ چیز کا انتظام کر دیا جائے۔

پھر اللہ نے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا اور سب لوگ اس کو دو بادلوں کے بیچ میں اترتا دیکھ رہے تھے وہ آہستہ آہستہ قریب ہو رہا تھا۔ اور جب بھی جھکتا تو حضرت عیسیٰ دعا کرتے اے اللہ اس کو رحمت بنا عذاب نہ بنانا اور برکت و سلامتی مانگی کہ دسترخوان آ کر حضرت عیسیٰ کے سامنے ٹھہر گیا اور رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ کھڑے ہوئے عرض کر رہے تھے۔

بسم اللہ خیر الرازقین

اللہ کے نام سے جو رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو کھولا تو اس میں سات مچھلیاں سات روٹیاں اور سرکہ تھا۔ اور کہا جاتا ہے انار اور کچھ پھل تھے اور انتہائی تیز پیاری خوشبو تھی۔ اور اللہ کا اس کو ہو جا کا حکم ملا تو وہ وجود میں آ کر آسمان سے سامنے آ گیا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھانے کا حکم فرمایا تو کہنے لگے ہم تب تک نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سوال کی ابتدا کی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی آگے نہ ہوئے تو آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقراء محتاجین مساکین اور مریضوں لولے لنگڑوں کو حکم فرمایا اور تیرہ سو افراد تھے ان سب نے کھایا اور شفا کے قابل۔ ہر ایک کی بیماری کی سب ختم ہو گئی۔ اب ان لوگوں نے جنہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا بڑی پشیمانی و ندامت اٹھائی کہ اگر ہم کھا لیتے تو ہم بھی ٹھیک سالم ہو جاتے۔ پھر کہا گیا ہے کہ وہ خوان ہر روز ایک مرتبہ اترتا تھا اور لوگ اس سے کھاتے تھے آخری شخص بھی اسی طرح صاف اور سیر ہو کر کھاتا تھا جس طرح پہلا شخص کھاتا تھا حتیٰ کہ سات ہزار افراد اس سے کھاتے تھے۔ پھر یہ دسترخوان آتا رہا۔ پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس دسترخوان کو فقراء و مساکین تک محدود رکھو اور مالداروں کو منع کر دو۔ تو یہ بات منافقین اور بہت سے لوگوں پر شاق گزری اور اس کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ پھر دسترخوان کا آنا بند ہو گیا اور جن لوگوں نے اس کے خلاف باتیں کی تھیں وہ خنزیروں سے تبدیل ہو گئے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر کی روایت (۱) میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آسمان سے دسترخوان اترا اور اس میں روٹی اور گوشت تھا۔ اور ان کو حکم ملا کہ خیانت نہ کریں اور ذخیرہ نہ کریں اور نہ کل کے لئے اٹھا رکھیں۔ لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور اٹھا کر رکھا تو وہ بندروں اور سوروں میں تبدیل ہو گئے۔ (۲)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ عمار پر موقوف ہے اگر مرفوع ہوتی تو یہ قصہ حتمی طے ہو جاتا کہ دسترخوان اترا ہے کیونکہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا دسترخوان پھر اترا بھی تھا یا نہیں۔

جمہور کے نزدیک یہ اترا تھا۔

جبکہ ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد اور حسن ابن ابی الحسن البصری سے نقل کیا ہے ان دونوں نے فرمایا کہ جب اللہ نے فرمایا کہ اگر تم نے نازل ہونے کے بعد ناشکری کی تو تم کو سخت عذاب دوں گا تو وہ اس خدشے سے ڈر گئے تھے۔ اسی وجہ سے نصاریٰ کے پاس اور ان کی کتابوں میں دسترخوان کے قصے کا تذکرہ نہیں ملتا۔

اور تفسیر میں ہم اس پر مفصل کلام کر آئے ہیں۔

---

(۱): اخرجہ ابن جریر عن بندار، عن ابن ابی عدی، عن سعید، عن قتادۃ، عن خلاس، عن عمار موقوفاً وھذا اصح وکذا رواہ من طریق سماک، عن رجل من بنی عجل، عن عمار موقوفاً وھو الصواب وخلاس عن عمار منقطع واللہ اعلم

(۲): ورواہ ابن ابی حاتم وابن جریر جمیعا، حدثنا الحسن بن قزعۃ الباھلی، حدثنا سفیان بن حبیب، حدثنا سعید بن ابی عروبۃ، عن قتادۃ عن خلاس، عن عمار بن یاسر، عن النبی ﷺ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض احوال اور مواعظ

(۱) ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ایک مرتبہ آپ کو گم پایا تو کسی نے کہا وہ سمندر کی طرف گئے ہیں تو حواری آپ کی تلاش میں ادھر کو نکلے جب سمندر تک پہنچے تو دیکھا کہ آپ سمندر پر چل رہے تھے۔ کبھی کوئی موج آپ کو اوپر اٹھاتی پھر کوئی موج آپ کو نیچے اتار دیتی۔ اور آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک چادر کی ازار (لنگی) باندھ رکھی تھی۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو ایک نے کہا (ابو ہلال کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ کہنے والا صاحب مرتبہ آدمی تھا اس نے کہا) کیا میں آپ کے پاس نہ آجاؤں اے نبی اللہ! آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔

پھر اس آدمی نے ایک قدم پانی پر رکھا اور دوسرا رکھنے لگا تو غرق ہونے لگا اور کہا اے نبی اللہ میں تو غرق ہو رہا ہوں آپ نے فرمایا مجھے اپنا ہاتھ دو اے کم ایمان شخص! اگر ابن آدم کو ایک جو کے برابر بھی یقین ہو تو وہ پانی پر چل سکتا ہے۔ (۲)

(۳) ابن ابی الدنیا ہی میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام کو کہا گیا اے عیسیٰ علیہ السلام کس چیز کے ساتھ آپ پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا ایمان و یقین کے ساتھ تو لوگوں نے کہا ہم بھی ایمان لائے اور یقین کیا۔ تو فرمایا تب تم بھی چلو۔ کہنے لگے ہم موج سے ڈر گئے تھے تو فرمایا کیا تم موج کے رب سے نہیں ڈرے؟ پھر آپ نے ان کو نکالا پھر زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی اٹھائی پھر ہاتھ کھول دیا تو ایک ہاتھ میں سونا تھا اور دوسرے ہاتھ میں مٹی تھی تو آپ نے پوچھا تمہارے دلوں میں کونسی چیز زیادہ پسند ہے؟ کہنے لگے سونا۔ فرمایا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں اور ہم یحییٰ بن زکریا کے قصے میں پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالوں کا لباس پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور آپ کا کوئی گھر تھا نہ اہل نہ مال اور نہ آئندہ کل کے لئے کچھ بچا رکھتے بعض کہتے ہیں آپ اپنی ماں کے کاتے ہوئے سوت کی کمائی کھاتے تھے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب قیامت کا ذکر کیا جاتا تو آپ چیخ پڑتے اور فرماتے ابن مریم کیلئے مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیامت کا تذکرہ ہو اور وہ بھی خاموش رہے۔

اور عبد الملک بن سعید بن ابجر سے منقول ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نصیحت و وعظ کو سنتے تو ایسے چیختے جیسے کسی ماں کا اکلوتا بچہ گم ہو گیا ہو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے کہا ہمیں جعفر بن برقان نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے۔

اے اللہ میں نے ایسا دن شروع کیا ہے کہ اپنی ناپسند چیز کو دفع نہیں کر سکتا اور اپنی پسند و مرغوب چیز کے نفع کا مالک نہیں۔ اور معاملہ غیر کے ہاتھ میں ہے اور میں اپنے عمل کے بدلے گروی ہوں پس کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں اے اللہ مجھ پر میرے دشمن کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھ سے میرے دوست کو رنج و تکلیف نہ پہنچے، اور میرے دین میں کوئی مصیبت نہ دے اور مجھ پر ایسے کو مسلط نہ فرما جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

فضیل بن عیاض یونس بن عبید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ دنیا کھانے کی پرواہ نہ کرے۔ فضیل کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے میں نے مخلوقات میں غور و فکر کیا تو میں نے پایا کہ جو مخلوق پیدا نہیں ہوئی وہ رشک کرنے کے زیادہ لائق ہے ان سے جو پیدا ہو چکے ہیں۔

اور اسحاق بن بشر، ہشام بن حسان کے واسطے حضرت حسن سے مروی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے روز زاہدوں کے

---

(۱) قال ابو بكر بن ابي الدنيا: حدثنا رجل سقط اسمه، حدثنا حجاج بن محمد، حدثنا ابو هلال محمد بن سليمان، عن بكر بن عبدالله المزني قال

(۲) ورواه ابو سعيد بن الأعرابي، عن ابراهيم بن ابي الجنيد، عن سليمان بن حرب، عن ابي هلال، عن بكر بنحوه

(۳) ابو بكر بن ابي الدنيا: حدثنا محمد بن علي بن الحسن بن سفيان، حدثنا ابراهيم بن الأشعث، عن الفضيل بن عياض، قال

سردار ہوں گے اور گرجوں سے بھاگنے والے لوگ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے۔

فرمایا ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر آرام فرما رہے تھے اسی کو تکیہ بنا رکھا تھا اور نیند کی لذت پا چکے تھے۔ کہ وہاں سے ابلیس کا گزر ہوا اور کہنے لگا اے عیسیٰ علیہ السلام۔

اے عیسیٰ کیا تو نہیں سمجھتا کہ تو دنیا کی کسی چیز کا خواہش مند نہیں؟ تو یہ پتھر بھی تو دنیا کی چیز ہے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور پتھر لے کر شیطان کو دے مارا اور فرمایا یہ بھی دنیا کے ساتھ تیرے لئے ہے۔

معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے پاس گئے آپ کے جسم پر اون کا جبہ اور نصف ٹانگ کے برابر شلوار تھی ننگے پاؤں تھے اور رو رہے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے بھوک سے زرد رنگ ہو چکا تھا ہونٹ پیاس سے خشک تھے تو آ کر فرمایا السلام علیکم اے بنی اسرائیل۔ میں وہ شخص ہوں جس نے دنیا کو اللہ کے حکم سے اس کے مرتبے میں اتار دیا ہے اور اس پر کوئی عجب و فخر نہیں ہے کیا تم جانتے ہو میرا گھر کہاں ہے لوگوں نے کہا اے روح اللہ آپ کا گھر کہاں ہے؟ تو فرمایا میرے گھر مساجد ہیں میری خوشبو پانی ہے میرا سالن بھوک ہے اور میرا چراغ رات کو چاند ہے میرا شعار رب العزت کا خوف ہے میرے ہم نشین اپاہج اور مساکین ہیں۔ میں صبح کرتا ہوں اور ان تمام کے باوجود میں دل سے خوش ہوں پرواہ کرنے والا نہیں ہوں۔

تو کون مجھ سے زیادہ مالدار اور نفع مند ہوگا؟

ابن عساکر نے اس کو روایت کیا۔

[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہ کہیں لوگ تیرے ٹھکانے کو نہ جان لیں پھر تجھ کو تکلیف پہنچے۔ مجھے میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم میں ہزار حوروں سے تیری شادی کروں گا اور چار سو سال تک تیرے ولیمے کی دعوت کروں گا۔

اور یہ بھی اس حدیث کا مرفوع ہونا (یعنی حضور سے منقول ہونا) غریب ہے اور شفی بن ماتع کی روایت سے موقوف ہو حق کے زیادہ مشابہ ہے اور شاید انہوں نے کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہو یا کسی اور اسرائیلی سے واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ کے واسطے سے خلف بن حوشب سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین کو فرمایا۔

جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت (دین) کو چھوڑ دیا ہے اسی طرح تم بھی ان کے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

قتادہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے پوچھو میں نرم دل ہوں اور اپنے آپ میں بہت چھوٹا کم تر ہوں۔

اسماعیل بن عیاش، عبداللہ بن دینار کے واسطے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین کو فرمایا۔

جو کی روٹی کھاؤ اور خالص پانی پیو اور دنیا سے امن وسلامتی کے ساتھ نکل جاؤ۔ میں حق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے۔ اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے اور اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں ہوتے۔ بے شک جو عالم اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہو تمام لوگ اس کے برابر ہیں۔ اسی طرح کا قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اے بنی اسرائیل تم خالص پانی پیا کرو اور سبزی اور جو کی روٹی کھایا کرو اور گندم کی روٹی سے بچو کیونکہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

ابن وہب، سلیمان بن بلال کے واسطے حضرت یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے دنیا سے عبور کرو اور

---

[1] وروى في خبر: حدثنا محمد بن الوليد بن ابان بن حبان ابو الحسن العقيلي المصري، حدثنا علي بن [illegible] الاسكندراني عن حيوة بن شريح، حدثني الوليد بن ابي الوليد، عن شفي بن ماتع عن ابي هريرة عن النبي ﷺ

اس کو آباد نہ کرو اور فرماتے تھے دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اور بدنگاہی دل میں شہوت کو پیدا کرتی ہے۔

وہب بن الورد بھی اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور یہ اضافہ فرماتے ہیں:

اور بہت سی شہوات اپنے شہوت پرست کو طویل رنج وغم میں مبتلا کرتی ہے عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ اے کمزور و ناتواں ابن آدم تو جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈر اور دنیا میں مہمان بن کر رہ۔ اور مساجد کو اپنا گھر بنا۔ اور اپنی آنکھ کو رونا سکھا اور اپنے جسم کو صبر سکھا۔ اور اپنے دل کو فکر کی عادت ڈال۔ اور کل آئندہ کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ خطا ہے۔

اور آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے مروی ہے فرمایا تم میں سے کوئی اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ سمندر کی موجوں کو اپنا گھر بنائے تو وہ پھر دنیا کو بھی جائے قرار نہ بنائے۔

شاعر کہتا ہے:

تمہارے گھر تلواروں کے سائے تلے ہیں
کیا سمندر کی موجوں پر ایسا گھر بنایا جاسکتا ہے جس کی بنیادیں مٹی کی ہوں

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے دل میں اس طرح اکٹھی نہیں ہو سکتی جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں اکٹھا نہیں ہو سکتا۔

ابراہیم حربی داؤد بن رشید کے واسطے حضرت ابو عبد اللہ صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

دنیا کا طالب سمندر کے پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جس قدر زیادہ پیئے گا اسی قدر پیاس بڑھے گی حتیٰ کہ اس کو قتل کر ڈالے گی۔ حضرت عیسیٰ سے منقول ہے فرمایا شیطان دنیا کے ساتھ ہے اور اس کا مکر مال کے ساتھ ہے اور اس کی زیب و زینت خواہشات کے ساتھ ہے اور اس کا امکان شہوتوں کے ساتھ ہے۔ اعمش خیثمہ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کے لئے کھانا رکھتے تھے اور ان پر کھڑے ہو جاتے، اور فرماتے اس طرح مہمانوں کا اکرام کرو۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک عورت نے کہا آپ کو اٹھانے والی گود کو بہت ہی مبارک و خوشخبری ہو اور آپ کو دودھ پلانے والے پستان بھی انتہائی با برکت ہیں، جو اللہ کی کتاب پڑھے اور اس کی اتباع کرے اور آپ نے فرمایا وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جو اپنے گناہوں پر روئے اور اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور اس کا گھر اس کے لئے کافی ہو۔

اور آپ نے فرمایا وہ آنکھ بھی خوش نصیب ہے جو سو گئی لیکن گناہ نہ کیا اور پھر بیداری کے بعد بھی گناہوں سے دور رہا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی ایک مردار کے پاس سے گزرے تو لوگوں نے کہا اس کی بدبو کس قدر سخت ہے آپ نے فرمایا اس کے دانت کس قدر سفید ہیں مقصود یہ تھا کہ کسی کی برائی مت تلاش کرو اس کی اچھائی تلاش کرو۔

ابی الدنیا کی روایت (۱) میں زکریا بن عدی سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے حواریین کی جماعت گھٹیا دنیا کے ساتھ راضی ہو جاؤ لیکن دین کی سلامتی چاہو جیسے کہ اہل دنیا گھٹیا دین کے ساتھ دنیا کی سلامتی ہوتے ہوئے راضی ہو گئے۔

زکریا اس بارے میں یہ اشعار بھی فرماتے ہیں۔

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں......
لیکن میں نہیں دیکھتا کہ وہ تھوڑی سی عیش عشرت پر راضی ہوں......

لہٰذا دین لے کر بادشاہوں کی دنیا سے بے پرواہ ہو جاؤ جیسے بادشاہ اپنی دنیا کے ساتھ دین سے بے پرواہ ہو گئے۔ ابو مصعب، مالک سے نقل کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) وقال ابو بکر بن ابی الدنیا : حدثنا الحسین بن عبد الرحمن ، عن زکریا بن عدی قال :

اللہ کے ذکر کے بغیر بات زیادہ مت کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور بے شک سخت دل اللہ سے دور ہے لیکن تم کو علم نہیں۔ اور بندوں کے گناہوں میں یوں مت دیکھو گویا تم سردار ہو ان کے بلکہ اپنے گناہوں میں یوں نظر کرو (اگر چہ ہے بھی تو) کہ گویا تم غلام ہو۔ بے شک تمام لوگ دو قسموں پر ہیں۔

ابتلا والے مصیبت میں ہیں یا اہل عافیت ہیں اہل مصیبت۔ پر رحم کرو (کیونکہ وہ ابتلا سے مصیبت میں ہیں) اور اہل عافیت پر شکر کرو۔

ثوری کہتے ہیں:

فردوس کی طلب (کا استحقاق) جو کی روٹی کھانے اور کتوں کے ساتھ جانوروں کے باڑے میں سونے میں ہے۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک ریت کے ساتھ جو کھانے اور کتوں کے ساتھ جانوروں کے باڑوں میں سونے سے فردوس طلب کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱) مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے لئے عمل کرو اور اپنے پیٹوں کے لئے عمل نہ کرو۔ دیکھو ان پرندوں کو جو صبح و شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ کاٹتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے۔ اگر تم کہو کہ ہمارے پیٹ تو پرندوں سے بڑے ہیں تو ان وحشی گائیوں اور گدھوں کو دیکھو جو صبح و شام کرتے ہیں نہ کھیتی کرتے ہیں نہ کاٹتے ہیں پھر بھی اللہ ان کو رزق دیتا ہے۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ سے حواریوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ اللہ کی مسجد کی طرف دیکھئے کس قدر حسین ہے۔ فرمایا آمین آمین، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کے کسی پتھر کو بھی باقی نہ رہنے دے گا مگر اس کے اہل کے گناہوں کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ سونے چاندی اور ان کے ساتھ چیزوں کو کچھ نہیں سمجھتے اور نہ ان خوبصورت پتھروں کے ساتھ۔ بلکہ اللہ کے نزدیک تو سب سے پسندیدہ چیز پاکیزہ قلوب ہیں۔ انہی کی وجہ سے اللہ زمین کو آباد فرماتا ہے یا انہی کی خرابی کی وجہ سے زمین کو برباد فرماتا ہے۔

(۳) ابن عساکر کی روایت میں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بستی کے پاس سے گذرے، وہاں کی آبادی مر چکی تھی۔ آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا تو دعا کی اے پروردگار! اس بستی کو حکم دیجئے کہ میری باتوں کا جواب دے۔ تو اللہ نے بستی کو وحی فرمائی کہ عیسیٰ کی باتوں کا جواب دے۔ تو بستی نے کہا اے عیسیٰ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تیری نہریں کہاں گئیں اور درختوں کو کیا ہوا؟ محلات کا کیا ہوا؟ اور تیرے باشندے کہاں ہیں؟ تو بستی گویا ہوئی اے میرے حبیب عیسیٰ علیہ السلام تیرے رب کا وعدہ آگیا تھا۔ جس سے درخت بھی سوکھ گئے اور نہریں بھی خشک ہو گئیں۔ میرے محلات ویران ہو گئے اور میرے باشندے مر گئے۔ فرمایا پھر تیرا مال کہاں گیا؟ عرض کیا میرے باشندوں نے وہ حلال و حرام ہر طرح سے جمع کئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تین لوگوں پر تعجب ہے۔

ایک وہ شخص جو دنیا کا طلب گار ہو جبکہ موت اس کی طلبگار ہے۔

دوسرا وہ شخص جو محلات کا بنانے والا ہے جبکہ قبر اس کا ٹھکانہ ہے۔

تیسرا وہ شخص جو منہ بھر کر ہنسے جبکہ جہنم اس کے آگے ہے۔

اے ابن آدم تو نہ زیادہ کے ساتھ سیر ہوتا ہے نہ تھوڑے پر قناعت کرتا ہے۔ بلکہ تو اپنے مال کو ایسے شخص کے لئے جمع کرتا ہے جو تیری تعریف نہ کرے اور تو ایسے رب کے پاس جا رہا ہے جو تیری معذرت کو قبول نہ کرے گا۔ تو تو اپنے پیٹ اور شہوت کا بندہ ہے۔ تیرا پیٹ تب ہی بھرے گا جب تو قبر میں داخل ہوگا اور تو اے ابن آدم اپنا مال غیر کے ترازو میں دیکھے گا۔

یہ حدیث بہت ہی غریب ہے مگر اس میں عمدہ نصیحتیں ہیں جس کی وجہ سے ہم نے اس کو لکھ دیا۔

---

(۱) قال عبداللہ بن مبارک: انبانا سفیان، عن منصور، عن سالم بن ابی الجعد

(۲) قال صفوان بن عمرو، عن شریح بن عبداللہ، عن یزید بن میسرۃ

(۳) قال الحافظ ابو القاسم بن عساکر فی تاریخہ اخبرنا ابو منصور احمد بن محمد الصوفی، اخبرتنا عائشۃ بنت الحسن بن ابراہیم الورکانیۃ قالت، حدثنا ابو محمد عبداللہ بن عمر بن عبداللہ بن الہیثم املاء، حدثنا الولید بن ابان املاء حدثنا احمد بن جعفر الرازی، حدثنا سہل بن ابراہیم الحنظلی حدثنا عبدالوہاب بن عبد العزیز، عن المعتمر، عن مجاہد، عن ابن عباس، عن النبی ﷺ

ثور بن یزید عبدالعزیز بن ظبیان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور عمل کیا تو وہ آسمان کے فرشتوں میں عظیم شخص پکارا جاتا ہے۔

ابو کریب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جو تجھے (جہنم کی) وادی پار نہ کرا سکے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے غریب اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے خطبہ فرمایا۔

اے حواریوں کی جماعت حکمت و فیصل نااہل کو مت سکھاؤ۔ پھر ظلم کرو گے یا اور تم ان کو روک نہ سکو ورنہ حقیقت تم ہی ظالم ٹھہرو گے اور معاملات تین قسم کے ہیں ایک وہ جس کا رشد ظاہر ہو تو اس کی اتباع کرو دوسرا معاملہ وہ ہے جو گمراہی والا ہو اس سے اجتناب کرو۔

اور وہ معاملہ جس میں اختلاف ہو تو اس کا علم اللہ کے سپرد کر دو۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے خبر دی کہ ایک شخص کے واسطے سے حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہیرے خنزیر کو نہ دو وہ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حکمت ایسے شخص کو نہ دو جو اس کو نہ چاہتا ہو کیونکہ حکمت ہیرے سے بہتر ہے اور جو اس کو نہ چاہتا ہو وہ خنزیر سے بھی بدتر ہے۔ اسی طرح وہب وغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے اصحاب کو فرمایا تم زمین کا نمک ہو جب تم خراب ہو گئے تو تمہارے لئے کوئی دوا نہیں ہے اور تمہارے اندر جہالت کی دو خصلتیں ہیں ایک بلا تعجب کے ہنسنا اور بغیر شب بیداری کے صبح کرنا۔

اور آپ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فتنے میں پڑا شخص کون ہے؟ فرمایا پھسلا ہوا عالم کیونکہ جب عالم بھی پھسل گیا تو اس کی وجہ سے بہت سارے لوگ پھسل جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علماء کو ایک مرتبہ فرمایا۔

اے علماء بد! تم نے دنیا کو اپنے سر پر اٹھایا ہے اور آخرت کو اپنے قدموں تلے رکھا ہے تمہارے اقوال تو شفاء ہیں لیکن تمہارے اعمال بیمار ہیں تمہاری مثال الدفلی کی ہے جو دیکھنے میں اچھی کھانے میں زہر ہوتی ہے۔

وہب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

اے علماء بد! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہوئے ہو نہ تم خود داخل ہوتے ہو نہ مساکین کو چھوڑتے ہو کہ وہ داخل ہو جائیں۔ بے شک لوگوں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ عالم ہے جو دنیا کو اپنے علم کے ذریعے طلب کرے۔

مکحول کہتے ہیں: یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے مصافحہ کیا تو وہ ہنس رہے تھے یحییٰ نے پوچھا اے خالہ زاد! کیا بات ہے میں آپ کو ہنستا دیکھ رہا ہوں گویا آپ مطمئن ہو چکے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور کیا بات ہے کہ میں آپ کو ترش رو دیکھ رہا ہوں گویا ناامید ہو چکے ہیں؟ تو اللہ نے وحی فرمائی تم میں میرے قریب زیادہ وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ قرب میں جلدی کرنے والا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک قبر کے پاس کھڑے تھے اور جنازے کو اتارا جا رہا تھا لوگ کہنے لگے قبر تنگ ہے فرمایا تم پہلے اس سے بھی تنگ جگہ میں رہ کر آ چکے ہو وہ تمہاری ماؤں کے رحم تھے۔ تو جب اللہ نے چاہا وسیع کر دیا۔

ابو عمر ضریر کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت کا تذکرہ کرتے تو خون آپ کے جسم سے ٹپکتا تھا۔ الغرض اس قسم کے مواعظ و نصائح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت منقول ہیں ابن عساکر نے ایک بہت اچھا ذخیرہ نقل فرمایا ہے ہم نے ان سے کچھ آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔

واللہ الموفق للصواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ
اور سولی کے دعوئی میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹ کا بیان

اور وہ (یعنی یہود) قتل عیسیٰ کے لئے خوب چال چلے اور خدا بھی عیسیٰ کو بچانے کے لئے چال چلے اور خدا خوب چال چلنے والا ہی ہے۔

اس وقت خدا نے فرمایا عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔ اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائز (و غالب) رکھوں گا پھر تم سب میرے پاس لوٹ آؤ گے۔ تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا۔ (آل عمران ۵۴۔۵۵)

لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا تو ان کے عہد توڑنے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دل پردے میں ہیں خدا نے ان کو مردود کر دیا۔ اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان سے پہلے ان پر ایمان لے آئیگا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء ۱۵۵۔۱۵۹)

تو اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے۔ آپ نیند میں تھے کہ آپ کو اٹھا لیا گیا۔ اور ان یہود سے آپ کو چھٹکارا دلا دیا جو آپ کو اذیت و قتل کے در پے تھے اور کس ظالم بادشاہ کی پشت پناہی ان کو حاصل تھی؟

حسن بصری اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بادشاہ کا نام داؤد بن نورا تھا اس نے آپ کے قتل کا حکم جاری کیا تھا پھر لوگوں نے آپ کو بیت المقدس میں گھیر لیا اور یہ جمعہ کے دن کی شام تھی۔ اور ہفتے کی رات تھی۔ تو جب ان کے دخول کا وقت ہوا تو آپ کے ساتھیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت اتار دی گئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے۔ اور گھر والے آپ کو اٹھتا دیکھ رہے تھے۔ پھر بادشاہ کے کارندے اندر داخل ہوئے تو ایک جوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دیکھا تو اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر اٹھا لیا اور اس کو سولی چڑھا دیا اور کانٹے اس کے سر پر بطور اہانت کے رکھ دیے۔ اور عام نصاریٰ جنہوں نے حقیقت حال نہ دیکھی تھی وہ بھی یہود کی بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نہیں ہیں بعض اہل کتاب مگر وہ آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

یعنی جب آپ دوبارہ زمین پر اتریں گے تو حقیقت حال پر ایمان لے آئیں گے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے سولی نہیں دیئے گئے تھے۔

اور آپ آکر صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور کافروں پر جزیہ واپس کریں گے اور صرف اسلام کو قبول کریں گے۔ اور اس تمام تفصیل کو ہم اپنی تفسیر میں اس سورت کے تحت اسی مذکورہ آیت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح کتاب الفتن والملاحم میں دجال کا ذکر مسیح مہدی کے ذکر کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلانا چاہا تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر میں آئے اور آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم میں سے کون ہے جس کو میری شکل دے دی جائے اور پھر وہ میرے بدلے قتل کر دیا جائے تو وہ جنت میں میرے درجے میں میرے ساتھ ہوگا تو ایک نوجوان شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے

---

(۱) قال ابن ابی حاتم، حدثنا احمد بن سنان، حدثنا ابو معاویة، عن المنهال بن عمرو، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس

ان کو بٹھایا اور پھر پوچھا لیکن پھر وہی شخص کھڑا ہوا پھر آپ نے فرمایا ہاں آپ ہی وہ ہیں۔ تو پھر اس جوان کی شکل حضرت عیسیٰ والی ہو گئی اور حضرت عیسیٰ گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

پھر یہود آئے اور انہوں نے آپ کی شبیہ کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی چڑھا دیا پھر ان بارہ میں سے ایک نے آپ کو بارہ مرتبہ جھٹلایا اور پہلے یہ ایمان لا چکا تھا۔ اور پھر یہ تین فرقوں میں بٹ گئے ایک نے کہا حضرت عیسیٰ ہم میں رہے جب تک چاہا رہے پھر اللہ نے ان کو اٹھا لیا یہ یعقوبیہ فرقہ تھا ایک نے کہا وہ ہم میں اللہ کے فرزند تھے جب تک چاہا۔ پھر اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھا لیا یہ نسطوریہ فرقہ تھا ایک نے کہا یہ ہمارے اندر اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جب تک چاہا رہے پھر اللہ نے ان کو اٹھا لیا۔ یہ مسلمان فرقہ تھا۔ پہلے دونوں فرقوں نے مل کر ان کو قتل کر دیا اور اسلام برابر مغلوب رہا پھر جب اللہ نے محمد ﷺ کو بھیجا تو تب اسلام دوبارہ پیدا ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے

پھر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (الصف ۱۴)(۱)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل سے اپنی عمر بڑھ جانے کے متعلق سوال کرتے رہے تا کہ دعوت و رسالت کو مکمل کر لیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ دین الٰہی میں داخل ہو جائیں کہا گیا ہے آپ کے پاس بارہ حواری تھے۔ بطرس، یعقوب بن زبداء، یُحنّس یعقوب کا بھائی، اندراوس، فلبس، ابرثلما، متی، توماس، یعقوب بن حلقیا، تداوس، فتاتیا، یودس کریا یوطا، یہی یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لگنے والا تھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں ایک شخص سرجس نامی اور تھا جس کو نصاریٰ نے چھپا لیا اور اسی شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی گئی تھی۔ جس کی بناء پر اس کو سولی چڑھا دیا گیا۔ اور بعض نصاریٰ فرماتے ہیں وہ سولی چڑھنے والا شخص یودس بن کریا یوطا تھا۔ واللہ اعلم۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو خلیفہ بنایا تھا اور یودس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔

احمد بن مروان کہتے ہیں ہمیں محمد بن الجہم نے کہا کہ میں نے فراء کو اس آیت ومکروا ومکر اللہ کے تحت فرماتے سنا کہ حضرت عیسیٰ اپنی خالہ سے ایک زمانہ تک غائب رہے پھر ان کے پاس تشریف لائے تو جالوت یہودی سردار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احاطہ کر کے کھڑا ہو گیا اور دوسرے اس کے ساتھی بھی اکٹھے ہو گئے پھر انہوں نے دروازہ توڑ ڈالا اور جالوت سردار اندر داخل ہوا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑے لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ واپس مڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا میں تو ان کو دیکھ نہیں سکا اور اس کے ساتھ تلوار ننگی لگی ہوئی تھی۔ تو اس کے ساتھیوں ہی نے اس کو پکڑ اور قتل کر کے سولی چڑھا دیا اسی کو اللہ نے فرمایا۔

اور انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ ہی سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے ایک پر شکل ڈال دی گئی تھی۔

(۲) ابن منبہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سترہ ساتھیوں سمیت ایک گھر میں تھے تو کافروں نے آپ سب کا احاطہ کر لیا جب کافر اندر داخل ہوئے تو اللہ نے سب ساتھیوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی۔ تو وہ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر کہنے لگے کہ تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے اب یا تو اصلی عیسیٰ ہمارے پاس آ جائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا آج کون اپنی جان جنت کے بدلے فروخت کرتا ہے؟ ایک نے کہا میں ہوں۔ تو وہ شخص کافروں کے پاس آیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں اور اس کو اللہ نے حضرت عیسیٰ کی صورت پہنا دی تھی۔

تو کافروں نے اسی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی چڑھا دیا تب سے وہ خوش گمان خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جب کہ اللہ

---

(۱) رواہ النسائی عن ابی کریب، عن ابی معاویہ بہ نحوہ ورواہ ابن جریر عن مسلم بن جنادہ عن ابی معاویہ. وهكذا ذكر غير واحد من السلف، وممن ذكر ذلك مطولا محمد بن اسحاق بن يسار.

(۲) وقال ابن جریر: حدثنا ابن حمید، حدثنا یعقوب القمی، عن هارون بن عنترة، عن وهب بن منبه. قال ابن جریر وحدثنا المثنى، حدثنا اسحاق، حدثنا اسماعيل بن عبد الكريم حدثني عبد الصمد بن معقل انه سمع وهبا يقول

نے تب سے ان کو اپنے پاس اٹھا لیا تھا۔

وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ان کی موت کی اطلاع دی تو آپ کو سخت رنج والم ہوا آپ نے پھر حواریین کو بلایا اور ان کے لئے کھانا تیار کیا اور فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس آؤ تم سے ایک کام ہے۔ تو سب آ گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھانا کھلایا اور ان کی آؤ بھگت کی۔

پھر جب حواری کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کے ہاتھ دھلوائے اور خود ان کو وضو کرایا، اور خود کپڑے کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو صاف کیا تو یہ بات حواری لوگوں پر شاق گزری اور انھوں نے کچھ ناگواری محسوس کی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا جس نے آج رات میری خدمت میں سے کسی کام کو لوٹایا تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور نہ میں اس سے ہوں، پھر جب آپ ان کی خاطر و تواضع سے فارغ ہوئے تو فرمایا جو کچھ آج رات میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تمہارے ہاتھ دھلوائے کھانا کھلوایا وغیرہ یہ اس لئے کیا تاکہ تم اس کو اپنا اسوۂ حسنہ بنالو، کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ میں تم میں بہتر ہوں لہذا تم ایک دوسرے پر فضیلت کرنا، اور ایک دوسرے پر اپنا مال خدمت خرچ کرنا، جیسے میں نے اپنی جان تم پر خرچ کی، اور اصل بات جو میں نے کہا تھا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے وہ یہ ہے کہ میرے لئے تم اللہ کی دعوت وتبلیغ کرو اور خوب گریہ وزاری سے دعا کرو کہ اللہ میری عمر میں اضافہ فرمادے۔

تو سب آپ کے لئے خوب دعا کرنے لگے لیکن ان کو نیند نے پکڑنا شروع کیا اور وہ سست پڑنے لگے مگر آپ ان کو مزید ترغیب دلاتے رہے اور فرماتے سبحان اللہ: کیا تم میرے لئے ایک رات بھی صبر نہیں کر سکتے جس میں تم دعا کر کے میری مدد کرو، تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو علم نہیں کہ ہمارے لئے کیا شئے مفید ہے؟ اللہ کی قسم ہم تو راتوں کو قصہ گوئی کرتے تھے اور بہت بہت رات اس میں گزارتے تھے مگر پتہ نہیں آج ہم میں اس کی طاقت کیوں نہیں رہی؟ اور ہم دعا کی کوشش کرتے ہیں تو کوئی شئے ہمارے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا چرواہا جارہا ہے اور بکریاں بکھر رہی ہیں اور آپ اسی قسم کا کلام فرماتے رہے جس کا مطلب تھا کہ میں جارہا ہوں پتہ نہیں میرے بعد تمہارا کیا حال ہوگا؟

پھر فرمایا بالکل حق اور سچ بات ہے کہ تم میں ایک شخص اس سے پہلے پہلے کہ مرغ تین مرتبہ اذان دے وہ میری تکفیر کرے گا، اور تم میں سے ایک شخص چند تھوڑے سے دراہم کے بدلے مجھے فروخت کر ڈالے گا اور میرے بدلے کے پیسے کھائے گا۔

پھر اصحاب عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے، اور یہود آپ کو طلب وتلاش کر رہے تھے تو انھوں نے آپ کے حواریوں میں ایک شخص شمعون نامی کو پکڑا اور کہنے لگے یہ اس کا ساتھی ہے لیکن شمعون نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوں پھر انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، پھر دوسرے لوگوں نے شمعون کو پکڑا ان کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح انکار کر دیا، اور پھر مرغ کی آواز سنائی دی تو شمعون رو پڑا اور انتہائی رنجیدہ ہوا پھر صبح کی تو حواریوں میں سے ایک شخص یہود کے پاس آیا اور کہا تم مجھے کیا دو گے اگر میں عیسیٰ کا پتہ تمھیں بتاؤں؟ تو یہود نے تیس دراہم مقرر کئے جو اس حواری نے لے لئے اور ان کو حضرت عیسیٰ کا پتہ بتا دیا، پھر اللہ نے ایک پر حضرت عیسیٰ مسیح کی شکل ڈال دی اور یہود نے اسی کو پکڑ لیا اور رسیوں سے باندھ دیا اور پھر کھینچنے لگے اور کہتے کہ تو تو مردوں کو زندہ کرتا تھا، شیطان کو جھڑکتا تھا اور مجنون بیماروں کو شفا دیتا تھا اب اپنی یہی رسی کیوں نہیں تڑوا سکتا، پھر یہود اس پر تھوک پھینکنے لگے اور بطور ذلت اس کے سر پر کانٹے پھینکے، پھر ایک لکڑی کے پاس لائے اور اس کو سولی دیدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح کو اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا، اور آپ کی شبیہ والا شخص سات یوم تک سولی پر رہا۔

پھر ان کی والدہ اور ایک وہ عورت جس کا حضرت عیسیٰ علاج کیا کرتے تھے اللہ نے اس کو جنون سے بری فرما دیا، پھر وہ دونوں عورتیں روتی ہوئی سولی چڑھے شخص کے پاس آئیں اور حضرت عیسیٰ ان کے پاس (کسی بھی طرح) آئے اور پوچھا کس وجہ سے رو رہی ہو؟ کیا آپ پر؟ فرمایا مجھے اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور یہ شخص میری شکل والا ہو گیا ہے۔

پھر آپ نے اپنے حواریین کو حکم فرمایا کہ مجھ سے فلاں جگہ ملاقات کریں تو سب اس جگہ اکٹھے ہوئے اور یہ گیارہ اشخاص تھے اور ایک حضرت عیسیٰ کا پتہ بتا کر پیسے کھانے والا گم تھا اس کے متعلق پوچھا گیا تو ساتھیوں نے کہا وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہے اور اس نے خود اپنے لئے اس کی سزا تجویز کی اور گلا گھونٹ کر مر گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ شخص توبہ تائب ہو جاتا تو اللہ بھی اس کو معاف کر دیتا، پھر آپ نے اس لڑکے کے متعلق معلوم کیا جو آپ کے پیچھے رہتا تھا اور اس کو یحییٰ کہا جاتا تھا تو پھر فرمایا وہ تو تمہارے ہی ساتھ ہوگا، پس اب چلو تم میں ہر شخص اس طرح صبح کرے گا کہ اپنی

قوم کی۔ یہ قوی برہان کو ڈرانے اور ان کو چھوڑ دے

لیکن یہ اسناد عجیب و غریب ہے لیکن یہ اس سے بھی عجیب ہے جس کا طعون نصاریٰ نے ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنی والدہ کے پاس آئے آپ رو رہی تھیں اور قریب ایک چھوڑا اٹھا پھر آپ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے جسم پر کیلوں کے نشانات دکھلائے اور بتایا کہ ان کی جان میری روح تو پہلے ہی لے لی گئی تھی پھر بعد میں صرف میرے جسم کو سولی دی گئی۔

اور یہ تمام بہتان اور کذب و افتراء اور تحریف و تبدیل ہے اور انجیل میں باطل زیادتی ہے اور حق کے خلاف بات ہے۔

اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن حبیب کے طریق سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام نے مصلوب شخص کے متعلق بادشاہ سے سوال کیا کہ اس کو اتار دیا جائے جبکہ اس کو سات دن ہو چکے تھے اور آپ گمان کر رہی تھیں کہ یہ حضرت عیسیٰ میرے لخت جگر ہی ہیں تو بادشاہ نے اجازت دے دی اور پھر اس جسم کو دفن کیا گیا۔ پھر حضرت مریم نے ام یحییٰ کو کہا تم میرے ساتھ چلو تاکہ ہم مسیح کی قبر کی زیارت کر آئیں تو دونوں نکل پڑیں جب قبر کے قریب ہوئیں تو ام عیسیٰ نے ام یحییٰ کو فرمایا کیا تم پردہ نہیں کرتی اس شخص سے جو قبر کے قریب ہے؟ کہا میں تو کسی کو نہیں دیکھ رہی تو حضرت ام عیسیٰ نے فرمایا تو ہو سکتا ہے یہ جبرئیل ہوں پھر آپ کے جو تجھ سے اور ام یحییٰ پیچھے ٹھہر گئیں تب حضرت جبرئیل نے حضرت مریم سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے فرمایا مسیح کی قبر کی زیارت کو آئی ہوں فرمایا یہ مسیح کی قبر نہیں ہے مسیح کو تو اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا ہے اور اس جوان پر مسیح کی شکل ڈال دی گئی تھی اور اس بات کی علامت یہ ہے کہ یہ گم ہو گیا ہے اور دوسری علامت یہ ہے کہ جب فلاں جگہ آئے تو فلاں جگہ ملا جاتا۔

تو پھر حضرت ام عیسیٰ نے واپس آ کر حضرت ام یحییٰ کو سب خبر دی اور جب وقت مقررہ آیا تو متعین جگہ پر حضرت عیسیٰ حضرت ام عیسیٰ کو ملے گئے حضرت عیسیٰ قریب آئے اور اپنی ماں کا ہاتھ چوما اور ان کے لئے دعا کی اور فرمایا اے ماں مجھے تو اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور اب میری آپ کی ملاقات آگے ہوگی یا موت آپ کے قریب آ چکی ہے لہٰذا صبر کریں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کریں پھر عیسیٰ علیہ السلام واپس چلے گئے اور اس کے بعد دنیا میں دونوں کی ملاقات نہ ہوئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور حضرت مریم کی جب وفات ہوئی تو ان کی عمر ترپن سال تھی رضی اللہ عنہا وارضاہا

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ کی عمر جب اٹھائے گئے چونتیس سال کی تھی اور حدیث میں ہے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے بدن پر بال نہ ہوں گے (یعنی جس طرح خوبصورت جوان سال لڑکا ہوتا ہے اس طرح ان کے داڑھی اور مونچھ اور بدن پر بال نہ ہوں گے) اور جوان لڑکے ہوں گے سرمگیں آنکھیں ہوں گی اور ۳۳ سال کے جوان لڑکے ہوں گے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو عیسیٰ کی عمر اور یوسف کے حسن پر ہوں گے۔

اور یہی حضرت حماد بن سلمہ نے علی بن زید کے واسطے سے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے گئے تو آپ کی عمر مبارک تینتیس سال تھی۔

(1) اور مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے خبر دی کہ ہر نبی کے بعد کوئی نبی ایسا نہ آئے گا جس کی نبوت بعد میں نہ ہو سوائے اس شخص کے جس کی نصف عمر پہلے والے کی عمر ہے۔

اور حضرت فاطمہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ عیسیٰ بن مریم کی ایک سو بیس سال عمر تھی ہے اور (اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساٹھ سال زندگی بیت چکی ہے اور آپ جب اٹھائے گئے تو ساٹھ سال عمر تھی) یہ لوگوں کے الفاظ ہیں اور حدیث غریب ہے اور اسی وجہ سے بھی روایت کے متعلق ہیں۔ چنانچہ پھر حضرت ابن عساکر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس قدر عمر تک نہیں پہنچے بلکہ آپ کا ارادہ ہو گا حضرت عیسیٰ کی امت میں کل آئی عمر ہے جیسے سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار کے واسطے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کرتے

---

(1) رواه الحاكم في مستدركه و يعقوب بن سفيان الفسوي في تاريخه عن محمد بن أبي مريم عن نافع بن يزيد عن عمارة بن غزية عن محمد بن عبد الله بن عمرو بن عثمان أن أمه فاطمة بنت الحسين حدثته أن عائشة كانت تقول أخبرتني فاطمة

ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیل میں چالیس سال رہے اور یہ منقطع روایت ہے۔ ابن جریر اور ثوری اعمش سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی قوم میں چالیس سال ٹھہرے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائیس رمضان کی رات کو آسمان پر اٹھائے گئے اور ٹھیک اسی رات میں حضرت علی نیزہ لگنے کے پانچ دن بعد انتقال فرما گئے اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو حضرت عیسیٰ کے پاس ایک بادل آیا اور وہ آپ کے قریب ہو گیا آپ اس پر بیٹھ گئے اور حضرت مریم علیہا السلام نے آ کر ان کو الوداع کیا اور روئیں بعد آپ بھی روئیں اور حضرت عیسیٰ نے اپنا عمامہ اتار کر حضرت مریم پر ڈال دیا اور آپ کی والدہ مریم علیہا السلام آپ کو ہاتھ ہلا ہلا کر رخصت فرمانے لگیں حتیٰ کہ آپ ان سے غائب ہو گئے اور مریم علیہا السلام آپ سے بہت سخت محبت کرتی تھیں اس لئے کہ ان کو دونوں جانبوں کی محبت ایک جانب یعنی والدہ کی طرف آ گئی تھی اور حضرت مریم آپ سے سفر و حضر میں کبھی جدا نہ ہوتی تھیں۔

اور اسحاق بن بشر مجاہد بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ یہود نے جب اس شخص کو سولی دی تو جس کو وہ مسیح خیال کر رہے تھے اور اکثر نصاریٰ نے بھی اپنے جہل کی وجہ سے ان کی حمایت کی تھی تو اس کے بعد وہ یہود آپ کے ساتھیوں پر پل پڑے اور ان کو مارا اور قتل کیا اور قید کیا پھر ان کی خبر روم کے بادشاہ کو پہنچی جو اس وقت ملک دمشق کا بھی بادشاہ تھا تو اس بادشاہ کو کہا گیا کہ یہود نے ایک شخص اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا وہ شخص اللہ کا رسول تھا۔ مردوں کو زندہ کرتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرتا تھا اور عجائب و غرائب اس سے ظاہر ہوتے تھے تو یہود نے اس پر بھی ظلم کیا اور اس کو قتل کیا اور اس کے ساتھیوں کی تذلیل کی اور پھر ان کو قید میں ڈال دیا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے ان کو پیغام بھیجا اور تمام قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دے دیا تو وہ چھوڑ دیئے گئے ان میں حضرت یحییٰ بن زکریا اور شمعون اور ایک جماعت تھی بادشاہ نے ان سے مسیح کی خبر پوچھی تو انہوں نے تمام خبر تفصیل سے بتلائی تو بادشاہ ان کے دین پر آ گیا اور ان لوگوں کی بیعت کی اور ان کے کلمے کو بلند کیا اس طرح دین حق یہود پر غالب آ گیا اور مصلوب شخص کی طرف آدمی بھیجے اس کو اٹھا لیا گیا اور اس لکڑی کو بھی منگوایا جس پر اس کو سولی دی گئی پھر لکڑی کی بادشاہ نے انتہائی تعظیم کی اور تب سے نصاریٰ صلیب (یعنی سولی والی لکڑی) کی تعظیم کرتے ہیں اور تب سے دین مسیحی روم میں داخل ہوا۔ لیکن اس روایت میں کئی وجوہ سے نظر ہے۔

اول:- یہ کہ حضرت یحییٰ بالاتفاق اس بات کے قائل ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی ہو بلکہ حق کو غالب جانتے ہیں کیونکہ گناہ سے معصوم ذات ہے۔

دوم:- اہل روم دین مسیحی میں حضرت عیسیٰ کے تین سو سال بعد داخل ہوئے اور یہ قسطنطین بن قسطس کا زمانہ تھا جس نے قسطنطنیہ شہر بنایا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔

سوم:- جب اس شخص کو جو سولی دی گئی تھی ایک دن بعد لکڑی سمیت اس کو پھینک دیا گیا اور یہود نے اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا اور یہ جگہ نجاست کا مرکز بن گئی۔ پھر جب قسطنطین کا زمانہ آیا تو اس بادشاہ کی ماں ہیلانہ الحرانیہ الفندقیہ نے اس شخص کو اس گندے ملبے کے نیچے سے نکلوایا اور اعتقاد کیا کہ یہ عیسیٰ مسیح ہے۔

اور ساتھ میں لکڑی بھی پائی تو لوگ ذکر کرتے ہیں کہ کوئی بیمار شخص بھی اس کو چھوتا تو وہ شفایاب ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔ یہ حقیقت ہوئی ہے یا نہیں کیونکہ یہ شخص تو عیسیٰ تھے ہی نہیں تو صالح مرد ہو سکتا ہے یا یہ بات نصاریٰ نے اپنے دین کو ثابت کرنے کے لئے بنائی ہوئی ہے کہ اس لکڑی کی انتہائی تعظیم کرنے لگے تب سے نصاریٰ میں صلیب کی تعظیم کی رواج پکڑی ہے۔

تو اس ہیلانہ الحرانیہ نے اس جگہ سے کوڑا کرکٹ اٹھوایا اور اس جگہ کو انتہائی صاف ستھرا کر کے وہاں کنیسہ تعمیر کیا اور خوب شان و شوکت سے مزین کیا اور اب تک اس شہر میں یہ کنیسہ آباد ہے جس کو قمامہ کہا جاتا ہے اس کو قیامت بھی کہا جا سکتا ہے اس اعتبار سے کہ اس جگہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا جسد اطہر ہے پھر اس ملکہ ہیلانہ نے اس سولی کی خاطر حکم دیا کہ اب کوڑا کرکٹ اس صخرہ (چٹان) پر ڈالا جائے جو بیت المقدس میں ہے اور یہود کا قبلہ ہے پھر اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح فرمایا تو وہاں سے تمام کوڑا کرکٹ صاف کروایا حتیٰ کہ خود اپنی چادر سے اس کی صفائی کی۔ جہاں رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات نماز ادا فرمائی اور وہ مسجد بیت المقدس ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اور خصوصیات

فرمان الٰہی:

”نہیں تھے (اور کچھ) مسیح ابن مریم مگر رسول۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔“ (سورۃ المائدہ: ۷۵)

آپ کو مسیح کہنے کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ آپ نے زمین پر بہت زیادہ سفر کیا، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کی غرض سے مختلف جگہوں میں پھرے، کیونکہ یہودی آپ کی بہت زیادہ تکذیب کرتے تھے اور آپ پر طرح طرح کی الزام تراشی بھی کرتے تھے آپ کی والدہ کو بھی تہمت کا نشانہ بناتے تھے۔

مسیح کہنے کی دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ آپ کے دونوں قدموں کے نچلے حصے بالکل برابر اور سپاٹ تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

”پھر ہم نے ان (رسولوں) کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، جو اپنے سے پیشتر تورات (کے احکامات) کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے آپ کو انجیل دی اس میں ہدایت اور نور کی باتیں تھیں۔“ (سورۃ المائدہ: ۴۶)

فرمان الٰہی ہے:

”اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعے ان کی تقویت کی۔“ (سورۃ البقرۃ: ۸۷)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اور صحیحین میں ہے۔

”نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والا مگر شیطان اس کو کوکھ میں کچوکے لگاتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ چیخ کر روتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے، جب یہ ان کو مارنے لگا تو بیچ میں پردہ حائل ہو گیا۔“

بخاری کے حوالے سے یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ فرمایا:

جس نے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دی اور اس بات کی کہ اللہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کے کلمے (یعنی نشانی) ہیں، جسے اللہ نے مریم کو عطا کیا اور اس کی روح ہیں (یعنی بغیر سبب والد کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے ہیں) اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا خواہ جو بھی عمل لے کر آئے۔

بخاری اور مسلم نے شعبی کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ ابی بردہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی انسان اپنی باندی کو ادب سکھائے اور اچھی طرح سکھائے اور اس کو علم کے زیور سے بھی مزین کرے اور اچھی طرح تعلیم دلوائے اور پھر اس کو آزاد کر دے اور (مزید یہ کہ اس سے) شادی بھی کر لے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جب کوئی شخص عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لائے پھر مجھ پر ایمان لائے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے اور جب بندہ اپنے رب سے ڈرے اور اپنے مولیٰ کی بھی اطاعت کرے تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔

اور بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ (علیہ السلام) سے ہوئی، جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ متحرک اور پرجوش تھے، ان کے بال کچھ گھنگریالے تھے۔ گویا کہ وہ شنوءہ قبیلے کے لوگوں میں سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے ملاقات کی وہ درمیانے قد اور سرخ و سپید چہرے والے تھے۔ (اس وقت ایسے لگ رہے تھے) گویا کہ وہ غسل خانہ سے (نہا کر) نکلے ہوں اور میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کی شکل و صورت والا ہوں۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوسری حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا، عیسیٰ تو سرخ رنگ کے اور گھنے بالوں والے کشادہ سینے والے تھے اور موسیٰ بڑے قد آور اچھی جسامت

بھرے ہوئے جسم والے تھے۔ گویا کہ زط (قبیلے) کے لوگوں میں سے ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دن لوگوں کے درمیان دجال کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ:

اللہ کانا نہیں ہے جبکہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے گویا کہ ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے اور آج کی رات مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ کعبہ کے پاس ایک آدمی ہے گویا وہ تمام لوگوں میں سب سے حسین ہے اپنے لمبے بالوں کو شانوں کے درمیان ڈالے ہوئے ہیں۔ کنگھی کیے ہوئے بالوں والا ہے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، ہاتھ پیچھے ڈال رکھے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ میں نے اس کے پیچھے سخت گھنگھریالے بالوں والے کو دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور ابن قطن کے ساتھ مشابہ تھا اپنے ہاتھ کو ایک کے کندھے پر رکھ کر حرم کا چکر لگا رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ ابن قطن کا تعلق قبیلہ خزاعہ سے ہے، جو دور جاہلیت میں فوت ہو گیا تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے دونوں مسیحوں کے اوصاف اور خصوصیات بیان فرمائیں۔ یعنی مسیح الصدق اور مسیح الضلالہ کی تاکہ اول الذکر کو پہچان کر اس پر ایمان لائیں اور آخر الذکر کو پہچان کر اس سے بچیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کی۔ یعنی اللہ کی قسم کے سامنے میں اپنی بات سے رجوع کرتا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میری آنکھ نے غلط دیکھا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ آپ کے بلند کردار کی دلیل ہے آپ یہ سوچ کر کہ کوئی بھی شخص اللہ بزرگ و برتر کا نام لے کر جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ آپ نے اپنے چشم دید واقعہ پر اس شخص کے حلف کو ترجیح دی اور اس شخص کے عذر کو قبول کر کے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور کہا کہ میں اللہ پر ایمان لایا ہوں اور تمہاری بات کی تصدیق کرتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ بے لباس، ننگے پاؤں اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی، جس کا ترجمہ ہے:

> "جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتداء کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کر دیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور کر کے ہی رہیں گے۔" (سورۃ الانبیاء ۱۰۴)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اس کے بعد میری جماعت کے دائیں اور بائیں طرف سے کچھ لوگوں کو روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میرے لوگ ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا آپ کے بعد لوگ بے دین ہو گئے تھے اس وقت میرا وہی جواب ہو گا جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ ابن مریم کا جواب تھا:

> "میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر نگران ہے اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں تو انہیں عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔" (سورۃ المائدہ ۱۱۸،۱۱۷)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ جناب نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

> "تم لوگ میری تعریف میں مبالغہ آرائی نہ کرو، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ میں تو فقط بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔"

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا

گود میں فقط تین افراد بولے ہیں، ایک عیسیٰ علیہ السلام، (دوسرا) بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا اس کا نام جریج تھا ایک مرتبہ نماز پڑھ رہا تھا اتنے میں اس کی ماں نے آ کر اسے بلایا۔ اس نے کہا میں نماز کے بعد آؤں گا۔ اس پر اس کی ماں کے منہ سے نکلا اے اللہ جب تک تو اس کو بدکار عورتوں کے چہرے نہ دکھا دے تب تک اس کو موت نہ دینا۔ جریج ایک مرتبہ اپنے عبادت خانے میں تھا کہ ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ بے تکلف ہونے لگی تو اس نے انکار کر دیا۔ بعد میں یہ عورت ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس سے بدکاری کی۔ اس کے نتیجے میں عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ عورت سے جب یہ پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جریج کا ہے تو لوگوں نے آ کر اس کے عبادت خانے کو توڑ دیا۔ اس کو وہاں سے نکال کر قید میں ڈال دیا۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر لڑکے کے پاس آ کر پوچھا لڑکے تیرا باپ کون ہے؟ لڑکا بول پڑا فلاں چرواہا ہے۔ پھر لوگوں نے جریج سے پوچھا تیرا عبادت خانہ سونے کا بنا دیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، بس مٹی کا ہی بنا دو۔

تیسرا بچہ جو گود میں بولا، اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، اسی اثنا میں ایک شخص بڑی شان و شوکت کے ساتھ سواری پر جا رہا تھا تو عورت نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس کی طرح بنا دے۔ یہ سنتے ہی بچے نے ماں کا پستان چھوڑ کر اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی کہ یا اللہ مجھے اس جیسا مت بنا اور پھر دودھ پینے لگ گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں جب آپ ﷺ نے اس بات کو فرماتے ہوئے اپنی انگلی منہ سے لگا کر چوسی تھی۔ پھر اس عورت کے پاس سے ایک لونڈی گزری تو اس عورت نے کہا کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس طرح نہ بنانا تو بچہ پستان چھوڑ کر کہنے لگا اے اللہ مجھے اس کی طرح بنا دے۔ اس پر عورت نے پوچھا "کیوں؟" ..... تو بچے نے کہا کہ وہ سوار بڑا ظالم اور جابر ہے جبکہ یہ لونڈی بے قصور ہے۔ لوگ اس پر زنا اور چوری کا الزام لگاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں سے میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ قریب ہوں اور تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف کے علاوہ مسند احمد میں بھی موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

سب انبیاء باپ شریک بھائی ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔ البتہ ان کی مائیں مختلف ہیں۔ لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب میں ہوں کیونکہ ہم دونوں کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ اتریں گے۔ جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا وہ درمیانے قد والے سرخی و سفیدی مائل ہیں، بھرے جسم والے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو اگرچہ ان کا جسم گیلا نہ ہو۔ وہ آ کر صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، تمام مذاہب کو ختم کر دیں گے۔ ان کے زمانے میں سوائے اسلام کے کوئی مذہب باقی نہ رہے گا۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ زمین پر امن ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ امن ہوگا کہ اونٹ اور شیر ساتھ چریں گے، چیتے اور گائے ایک ساتھ چرتے ہوں گے، بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے ہوں گے، بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے، کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب تک اللہ چاہے یہ معاملہ یونہی چلتا رہے گا۔ پھر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو جائے گی تو مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفنا دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ چالیس سال ٹھہریں گے۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوگی اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ دمشق کے سفید مینارے پر اتریں گے، اس وقت فجر کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو رہی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ سے عرض کرے گا، اے روح اللہ! آپ ہماری امامت کرائیں۔ آپ جواب میں فرمائیں گے، نہیں۔ آپ میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نوازا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرمائیں گے کہ نماز کی اقامت آپ کے لئے کہی گئی ہے۔ پھر اسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ پھر آپ سواری پر سوار ہو کر مسیح دجال کو تلاش کرنے کے لئے۔ آپ کے ساتھ مسلمان بھی ہوں گے۔ آپ دجال کو باب لد میں جا پکڑیں گے اور اپنے بابرکت ہاتھوں سے اسے ہلاک کر دیں گے۔

یہ ساری تفصیل ہم نے کتاب الملاحم میں بیان کر دی ہے۔ ہم نے وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ دمشق میں جب یہ مشرقی مینار بنایا گیا تو اس کی بنیاد کو کافی مضبوط بنایا گیا۔ اسے عیسائیوں کے مال سے بنایا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اسے اور اس کے اطراف میں آگ لگا دی تھی۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب اس وقت باقی نہ رہے گا۔ آپ حج یا عمرہ یا حج و عمرہ دونوں کا احرام مقام روحاء سے باندھیں گے۔ چالیس سال رہیں گے اور پھر انتقال ہو جائے گا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو حجرہ نبوی میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ دفن کیا جائے گا، لیکن اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔

ترمذی میں ہے عبد اللہ بن سلام اپنے دادا سے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں فرمایا کہ توریت میں محمد ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم کی صفات میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔ راوی (ابو مودود) کہتے ہیں۔ اب بھی ایک قبر کی جگہ آپ کے روضۂ اطہر میں باقی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلمان کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پانچ سو ساٹھ سال کا فرق ہے۔ بعض لوگوں نے پانچ سو چالیس سال کا فرق کہا ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ چار سو تیس سے کچھ زیادہ سال کا فاصلہ ہے۔ لیکن مشہور چھ سو سال ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قمری لحاظ سے چھ سو بیس سال اور شمسی لحاظ سے چھ سو سال۔ واللہ اعلم۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے داؤد کو اٹھایا تو ان کی قوم نہ بدلی، نہ گمراہ ہوئی اور اصحاب عیسیٰ دو سو سال تک ان کے طریقے پر گامزن رہے۔

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے اپنے حواریوں کو اس بات کی وصیت کی کہ لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اور عبادت کی دعوت دیں اور ان میں سے ہر ایک کو ملک شام، مشرق اور مغرب ہر علاقے کی طرف مقرر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص جو جہاں بھیجا گیا۔ وہاں کی زبان بولنے لگ گیا۔ کئی حضرات نے ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انجیل چار آدمیوں نے نقل کی ہے۔ لوقا، متی، مرقس اور یوحنا۔ لیکن چاروں کے نسخوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ کسی نسخہ میں کچھ ہے تو کسی نسخہ میں کچھ اور اسی طرح کسی میں کمی ہے تو کسی میں اضافہ ہے۔ ان چاروں میں سے متی اور یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی۔ جبکہ مرقس اور لوقا نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت نہیں پائی البتہ آپ کے صحبت یافتہ لوگوں کی صحبت پائی۔

دمشق میں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام ضینا تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لایا تھا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ یہ دمشق کے مشرقی دروازے کے اندر کہیں چھپ گیا تھا۔ یہ جگہ اس عبادت خانہ سے قریب تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اصل میں ایک یہودی تھا اس کا نام پولس تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی باتوں اور پیغام سے اسے بڑی نفرت تھی۔ جب اس کا بھتیجا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تو اس نے اپنے بھتیجے کے سر کے بال سزا کے طور پر کٹوا کر اسے دمشق میں پھرایا اور پھر اس پر اتنے پتھر برسائے گئے کہ وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ جب پولس کو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دمشق جا رہے ہیں تو یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا اور مقام کوکبا میں آپ کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ جب یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کے سامنے آیا تو ایک فرشتے نے آ کر پولس کے منہ پر اپنا پر مارا تو یہ اندھا ہو گیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر پولس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی جان گیا اور جا کر آپ سے معافی مانگی اور آپ پر ایمان لے آیا۔ آپ نے بھی اس کی معافی قبول کر لی۔ اب اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس کی آنکھ پر ہاتھ پھیر دیں تا کہ بینائی واپس آ جائے تو آپ نے فرمایا کہ دمشق میں تم اپنی رہائش گاہ کے قریب جاؤ وہاں تمہیں ضینا مل جائے گا اس سے دعا کراؤ۔ اب یہ ضینا کے پاس آیا اور اس سے دعا کروائی تو اس کی آنکھ صحیح ہو گئی اور بینائی واپس آ گئی۔ اس نے وہاں ایک عبادت خانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے بنایا جو دمشق میں پولس کے عبادت خانہ کے نام سے مشہور ہوا۔

دینِ عیسوی میں اختلاف

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان میں اٹھائے جانے کے بعد آپ کے صحابہ کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کے بندے اور رسول تھے پھر اللہ نے آپ کو اٹھا لیا۔ بعض لوگوں نے آپ کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ تیسرے گروہ نے آپ کو اللہ ہی قرار دیا۔ تینوں اقوال میں پہلا قول ہی حق ہے جب کہ باقی دونوں قول کفر ہیں۔ اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> "تمام گروہ آپس میں اختلاف کا شکار ہو گئے۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن لوگوں نے ایک عظیم دن کی حاضری سے انکار کیا۔" (سورۃ مریم: ۳۷)

پھر انجیل کے نقل کرنے میں بھی چار گروہ ہو گئے۔ کسی نے اس میں اضافہ کیا تو کسی نے کمی کر دی۔ کسی نے اس میں رد و بدل کیا تو کسی نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد دین عیسوی اپنی اصلیت میں ختم ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ دین عیسوی کے تمام بڑے چھوٹے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کی رائے بھی بٹتی چلی گئی کہ ان کے اختلافات کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ اب تمام عیسائی قوم قسطنطنیہ کے بانی شاہ قسطنطین کے پاس جمع ہو گئے اور اپنا مقدمہ اس کو بیان کر کے اس کو فیصلہ کرنے کا کہا۔ بادشاہ نے ان سب کی بات سن کر اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ دے دیا۔ اس گروہ کو "ملکیہ" کہا گیا۔ دوسرے لوگ یہاں سے چلے گئے۔ تاہم موحدین کی ایک جماعت جنگل کی طرف نکل گئی۔ عبداللہ بن اریس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا۔ اس کی جماعت جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے لگی۔ ان لوگوں نے عبادت خانے بنائے۔ یہ لوگ بہت زیادہ عبادت و زہد اختیار کرنے لگے۔ ان لوگوں نے دین عیسوی کو دوسرے ادیان اور مذاہب کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔ ان کے علاوہ ملکیہ نے بڑے بڑے گرجے بنائے اور یونان کے طرز کی نقالی کرنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے گرجاؤں کا قبلہ شمال سے مشرق کی طرف تبدیل کر دیا۔

بیت لحم اور قمامہ کی تعمیر

بادشاہ قسطنطین نے مولد مسیح علیہ السلام پر بیت لحم کی تعمیر کروائی اور اس کی ماں "ہیلانہ" نے قمامہ کی تعمیر کی۔ قمامہ وہ جگہ ہے جہاں وہ مصلوب شخص مدفون ہے جس کو یہودیوں نے اپنے زعم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھا تھا اور اسے سولی پر چڑھایا تھا۔

چونکہ دونوں گروہوں کے نظریے خلاف حقیقت اور مبنی بر کفر ہیں۔ نیز یہ بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا عقیدہ جیسا کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے اس واسطے عیسائی بھی اسی کے قائل ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے نئی باتیں اختراع کیں جو انجیل میں نہ تھیں۔ یہ تمام انجیل کے خلاف ہیں۔ ان لوگوں نے ان کی شریعت اور احکام کو ایسے ہی منسوخ کر دیا۔ تبدیل شدہ احکام میں خنزیر شامل ہے کہ تورات کی رو سے یہ حرام ہے لیکن ان لوگوں نے اسے حلال قرار دیا۔ نیز ان لوگوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ صخرہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء نے بھی صخرہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سترہ مہینے تک اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ سولہ یا سترہ مہینے بعد خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔

ان لوگوں نے عبادت گاہوں کو صورتوں اور تصاویر سے سجایا۔ عبادت گاہیں صورتوں سے بھری ہوتی تھیں۔ ان لوگوں نے "امانت" کے نام سے ایک عقیدہ گھڑ لیا کہ یہ تصویریں ان کے بچوں، عورتوں اور مردوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ حقیقت میں یہ عقیدہ سب سے بڑی خیانت اور کفر ہے۔

عیسائیوں میں ایک فرقہ نسطوریہ ہے جو نسطورس کے ماننے والے ہیں۔ ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب بردعی کے ماننے والے ہیں۔ یہ تینوں فرقے یعنی ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ متعدد باطل عقائد کے حامل ہیں البتہ ان عقائد اور نظریات کی تعبیر و تشریح میں ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ "نقل کفر، کفر نباشد" کے مطابق یہاں ایک حکایت نقل کرتا ہوں جس سے پتا چلتا ہے کہ ان کی کفریات اور فاسد نظریات بھرے پڑے ہیں۔ ان نظریات کا حامل یقیناً جہنم میں داخل ہوگا۔

ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ایسے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو ایک ہے، تمام جہانوں پر اس کی گرفت ہے، آسمان و زمین اور ان میں جو کچھ ہے وہ نظر آنے والا ہو یا نہ آنے والا ان سب کا خالق ہے اور ایسے ایک رب پر ایمان لاتے ہیں جو یسوع مسیح ہے جو ابن اللہ ہے جو زمانوں کے وجود میں آنے سے پہلے باپ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ نور من نور اور الٰہ حق من الٰہ حق ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے لیکن مخلوق نہیں ہے، یہ باپ کے جوہر میں باپ کے برابر ہے اور اسی کی وجہ سے ہر چیز کو اور تمام جہانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ وہ انسانوں کی نجات دلانے کے لئے آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم کے توسط سے وہ انسانی جسم میں منتقل ہوا اور پھر فیلاطس نبطی کے زمانے میں سولی چڑھا اور قبر میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد قبر سے تیسرے روز وہ اٹھ کر زندہ ہو گیا اور آسمان پر چڑھ گیا اور پھر باپ کی دائیں جانب بیٹھ گیا۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ یہ اسی جسم کے ساتھ دوبارہ پھر آ جائے گا۔ تاکہ زندوں اور مردوں کے کاموں کو نمٹائے۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ یہ روح القدس بھی ہے جو زندہ کرنے والا ہے جو باپ سے باپ کے ساتھ پیدا ہوا ہے اسی کی حمد ہے۔

نوٹ... عیسائیوں کا یہ عجیب و غریب نظریہ کسی کی سمجھ کا نہیں ہے۔ بڑے بڑے عیسائی پادری بھی اس کو نہ سمجھ سکے چہ جائیکہ کوئی غیر عیسائی اس کو سمجھ سکے۔ (از مترجم)

گزشتہ اقوام کے حالات

اس باب میں بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان ﷺ سے پہلے کے لوگوں کا تذکرہ کیا جائے گا البتہ زمانہ جاہلیت اور عربوں کی تاریخ کا بیان اس باب میں نہیں کیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت اور عربوں کے بارے میں مستقل بحث ہم الگ سے کریں گے۔

ذوالقرنین کا ذکر

ذوالقرنین کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

"اور تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں، ہم نے ان کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا تو انہوں نے (سفر کا) ایک سامان کیا یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ (ان کے بارے میں) بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے)۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے برا عذاب دے گا اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے۔ پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے جن کے لئے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔ حقیقت حال یونہی تھی اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی۔ پھر اس نے ایک اور سامان کیا۔ یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں

فساد کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں؟ ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور خدا نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے تختے لا دو (حتیٰ کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ اب دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں۔ پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔" (الکہف ۹۳-۹۸)

قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے اس کا حال اللہ تعالیٰ نے مختصراً آیات میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا ذکر کیا ہے ان کی تعریف کی ہے۔ اس کے بارے میں بتایا کہ اس نے مشرق سے مغرب تک سفر کیا ان علاقوں کی حکمرانی کی وہاں آباد لوگ ان کے تابع فرمان ہو گئے۔ ذوالقرنین نے ان لوگوں میں عدل و انصاف کو قائم کیا اور عمدہ طریقے سے حکمرانی کی۔

ذوالقرنین نبی تھے یا صرف نیک بادشاہ تھے اس سلسلے میں علماء کرام کی رائے مختلف ہیں البتہ اتنی بات طے ہے کہ وہ نیک اور عادل حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے ان کو فرشتہ بھی قرار دیا ہے تاہم یہ روایت تنہا بعید ہے۔ اس روایت کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کو انبیاء کے نام پر پکارو اب تم فرشتوں کے نام سے ایک دوسرے کو پکارنے لگے ہو۔ یہ روایت سہیلی نے بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے۔ حافظ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ "تبع" ملعون تھے یا نہیں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نیک حکمران تھے اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے راضی تھا اور اپنی کتاب قرآن کریم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد حضرت خضر کو حاصل تھی۔ جبکہ حضرت خضر ان کے وزیر تھے۔ کہا یہ گیا ہے کہ حضرت خضر ان کے لشکر میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ ان کا عہدہ ذوالقرنین کی مجلس میں مشیر کا تھا۔ جیسا کہ حکومت چلانے کے لئے وزیر کا ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذوالقرنین نے پیدل حج کیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کے بارے میں خبر ہوئی تو ان سے ملاقات کی اور ان سے خوش ہو کر ان کے حق میں دعا کی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لئے بادل کو مسخر کر دیا تھا چنانچہ جہاں بھی جانا چاہتے بادل ان کو وہاں لے جاتا۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:...... آپ کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں کافی اختلاف ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے سر پر سینگ جیسی کوئی چیز تھی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ان کے سر پر تانبے کے سینگ تھے مگر یہ بات بعید از عقل ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ فارس اور روم کے بادشاہ تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں میں گئے تھے یعنی مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔ مشرق و مغرب کے درمیان جو زمین کا ٹکڑا ہے وہ سب ان کی مملکت میں شامل تھا۔ یہ امام زہری کا قول ہے اور تمام اقوال میں سب سے زیادہ معقول یہی ہے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ ان کے سر کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں اسی وجہ سے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زیاد کی روایت ہے کہ آپ نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے آپ کے سر پر دائیں جانب سے مارا کہ آپ کی وفات ہو گئی اللہ نے آپ کو دوبارہ زندہ کیا پھر لوگوں نے بائیں جانب ضرب لگائی اس وجہ سے آپ کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک بندہ صالح لوگوں کو دین کی دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ مرد صالح نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلایا تو لوگوں نے اس کی کنپٹی پر ضرب لگائی تو وہ مر گیا۔ اللہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا تو اس نے دوبارہ ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو ان لوگوں نے دوسری کنپٹی پر مارا تو وہ پھر مر گیا۔ اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ نہ نبی تھے نہ رسول نہ فرشتہ، ہاں وہ ایک نیک آدمی تھے۔

ذوالقرنین کا نام:...... ذوالقرنین کے نام کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن الضحاک بن معد ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کا نام مصعب بن عبداللہ بن قنان بن منصور بن عبداللہ بن الازد بن عون بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان تھا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا آپ کی والدہ رومی تھیں۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کے اندر عقل و دانش بھری ہوئی تھی اس لئے آپ کو ابن الفیلسوف (یعنی عقلمند کا بیٹا) کہا جاتا تھا۔

ابن ہشام نے سہیلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کا نام مرزبان بن مرزبہ ہے۔ ابن ہشام نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ آپ کا نام مصعب بن ذی مراثد ہے۔ افریدون بن اسفیان بھی آپ کا نام بتایا گیا ہے۔ دار قطنی اور ابن ماکولا نے لکھا ہے کہ آپ کا نام ہرمس ہے۔ ہرومس بن قیطون بن رومی بن لنطی بن کسلوجین بن یونان بن یافث بن نوح بھی آپ کا نام بتایا گیا ہے۔

اسحاق بن بشر حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اسکندر ہی ذوالقرنین ہے اور ان کا والد دنیا کا پہلا قیصر تھا۔ آپ سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔

ایک اور ذوالقرنین کا بھی ذکر آتا ہے۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ اس کا نام اسکندر بن فیلبس بن مصریم بن ہرمس بن میطون بن رومی بن لنطی بن یونان بن یافث بن یونہ بن شرخون بن رومہ بن ثرنط بن توفیل بن رومی بن الاصفر بن یقز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل ہے۔ یہ ذوالقرنین مقدونی یونانی مصری ہے مشہور شہر اسکندریہ اسی نے بسایا۔ روم کے تاریخ میں اسی کا ذکر آتا ہے۔ یہ سکندر ذوالقرنین اول سے بہت بعد کا ہے۔ پہلے والے ذوالقرنین میں اور ان میں کافی طویل فاصلہ ہے۔ یہ ذوالقرنین حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے تقریباً تین سو سال پہلا ہے۔ مشہور فلسفی ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اسی ذوالقرنین نے دارا بن دارا کو قتل کر کے فارس کو زیر نگیں کر کے اس پر قبضہ کیا تھا۔ یہاں اس فرق کا ذکر ضروری تھا۔ کیونکہ بہت سے لوگ دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے یہ وہی ہے جس کا وزیر ارسطاطالیس تھا۔ اس طرح دونوں کو ایک شخص سمجھنا بہت بڑی غلطی ہوگی اور بڑی خرابی کی بات ہوگی۔ کیونکہ پہلا ذوالقرنین بندہ مومن اور بندہ صالح تھا اور نیک اور عادل حکمران تھا اور اس کے وزیر حضرت خضر تھے۔ بلکہ بعض کی تحقیق کے مطابق وہ نبی تھے۔

اس کے برعکس دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا۔ اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔ دونوں کے زمانے میں دو ہزار سال کا فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص دیکھنا نہ چاہے یا اس سے بے خبر ہو تو اس کی بات علیحدہ ہے۔

قرآن کریم میں "ویسئلونک عن ذی القرنین" کی شان نزول یہ ہے کہ قریش مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں ایسا سوال بتائیں جو ہم امتحان اور آزمائش کے طور پر محمد سے کریں اور اس سے محمد کے علم کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہودیوں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ محمد سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھیں جو زمین پر بہت گھوما ہے اور ان نوجوانوں کا قصہ بھی پوچھیں جو اپنے گھروں سے نکلے لیکن ان کا کچھ پتہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا ذکر فرمایا اسی لئے قرآن کریم میں آتا ہے "قل سأتلوا علیکم منه ذکرا" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بارے میں بہت جلد آپ لوگوں کو بتاؤں گا اور پھر "انا مکنا له فی الارض واتیناه من کل شیء سببا" کہہ کر تفصیلات بتائیں کہ ہم نے ذوالقرنین کو بڑی زبردست بادشاہت اور حکمرانی دی تھی اور ہم نے ہر چیز کے لئے ضرورت کی ہر چیز عطا کی تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔

ابو اسحاق ثعلبی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ پوری دنیا پر چار افراد نے حکمرانی کی۔ ایک حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، دوسرے ذوالقرنین، تیسرے حلوان کا ایک شخص اور ایک اور چوتھا شخص بھی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خضر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو فرمایا نہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری دنیا پر چار افراد نے حکومت کی۔ دو یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین مومن اور دو کافر نمرود اور بخت نصر۔

اسحاق ابن بشر حضرت حسن بصری کا قول نقل کرتے ہیں کہ ذوالقرنین نمرود کے بعد تخت نشین ہوئے۔ آپ مسلمان اور نیک شخص تھے۔ مشرق تا مغرب سفر کیا۔ اللہ نے آپ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا اور آپ کی خوب مدد اور نصرت فرمائی، اسی وجہ سے آپ نے ملکوں اور شہروں کو فتح کیا۔ بہت سے خزانے آپ کے ہاتھ آئے۔ بہت سے لوگوں کو آپ نے قتل کیا۔ آپ کے مشرق اور مغرب کے سفر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔

اسحاق کہتے ہیں کہ مقاتل کا بیان ہے کہ ذوالقرنین نے شہروں کو فتح کیا اور خزانے جمع کئے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عبید بن عمیر، سدی، قتادہ اور ضحاک کے مطابق قرآن کریم میں "وآتیناه من كل شيء سببا" سے مراد علم ہے۔ بعض لوگوں نے زمین کے نشانات، منازل اور راستے مراد لئے ہیں۔ بعض لوگوں نے زبان مراد لی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذوالقرنین ہر قوم سے اسی کی زبان میں بات کرتے، بات چیت کا یہ باب تمام نے کسی صورت میں جنگ کرتے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ذوالقرنین کو تمام اسباب مہیا تھے جن کے ذریعے وہ اپنی مملکت چلا سکتے تھے کیونکہ ہر طرف سے ساز و سامان مہیا کرتے تھے، دشمن سے لڑنے کے لئے کوئی بھی دوسری جگہ پہنچنے کے لئے ہر طرح کے تھے۔

بعض اہل کتاب نے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین ایک ہزار چھ سو سال تک دنیا میں گھومتے رہے، جہاد کرتے رہے، اس دوران وہ لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہے اور اللہ وحدہ لا شریک کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ یہ بیان کمزور ہے قابل غور ہے۔

قرآن کریم کی آیت "حتى إذا بلغ مغرب الشمس" کا مطلب ہے کہ ذوالقرنین زمین کے اس حصے تک پہنچ گئے جہاں سے آگے جانا کسی کے لئے ممکن نہیں، یہ جگہ بحر محیط کے قریب ہے۔ یہاں کے جزائر کو "خالدات" کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق طول جغرافیائی کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے اور زمین کی پیمائش کا ابتدائی حصہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق اس سمندر کے ساحل کو ابتدائی حصہ قرار دیتے ہیں۔ یہاں ذوالقرنین نے دیکھا جس جانب میں آنکھوں سے بھی یہی نظر آتا ہے کہ قرآن کریم نے سورج کے غروب ہونے کی جگہ قرار دیا ہے گویا ذوالقرنین بھی گئے تو سمندر سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے۔ یہی دنیا کا آخری حصہ ہے اور دنیا کے مغربی حصے میں "عین حمئة" یعنی کیچڑ والا چشمہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص ساحل سمندر پر کھڑا ہو یا سمندر میں ہو اس کو بھی نظر آئے گا کہ سورج اس سمندر سے طلوع ہوتا ہے اور اسی میں غروب ہوتا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے "وجدها تغرب" سے تعبیر کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ دیکھنے والے کو اس طرح نظر آتا ہے، حقیقت حال کیا ہے یہ اللہ کو معلوم ہے۔ قرآن کریم میں سورج کے غروب ہونے کا منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ سورج "حمئة" میں غروب ہوتا ہے۔ حمئة کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ ایسی کیچڑ ہے جس کے اندر سورج غروب ہوتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق سورج کی گرمی اور حرارت کی وجہ سے سمندر کا گرم چشمہ ہے جس میں سورج غروب ہوتا ہے۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سورج کے غروب ہونے کے وقت سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا (یہ سورج غروب ہوتا ہے) اللہ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں، اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو اس کی تپش روئے زمین کو جلا ڈالتی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو یرموک کے مقام پر کچھ اہل کتاب کے صحیفے ملے تھے۔ آپ ان میں سے بعض باتیں نقل کر کے بیان کرتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ذوالقرنین سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آگے گئے تھے اور اپنے لشکر کے ہمراہ ظلمات میں کافی مدت تک گھومتے رہے تھے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

آب حیات کی تلاش

ابن عساکر نے اسرائیلی احادیث سے ایک بڑی طویل روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا تھا، اس کا نام رناقیل تھا۔ ذوالقرنین اس کی تلاش میں نکلے ہوا آب حیات پی لیا۔ لیکن ذوالقرنین کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ ابن عساکر نے اس جگہ ایک گلی میں ذوالقرنین کی فرشتوں سے ملاقات کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ آپ کو ایک پتھر بھی دیا گیا۔ جب ذوالقرنین اپنے لشکر میں آئے تو علماء سے اس پتھر کے بارے میں پوچھا تو علماء نے اس پتھر کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور اس کے بالمقابل دوسرے پلڑے میں ایک ہزار پتھر رکھے جو اس کے برابر کے تھے۔ لیکن اس ایک پتھر والے پلڑے کا وزن زیادہ رہا۔ جب خضر سے پوچھا گیا تو انہوں نے دوسرے پلڑے میں ایک پتھر رکھا اور اس پر ایک مٹھی مٹی ڈال دی۔ تب کے وزنی پتھر والا پلڑا اوپر ہو گیا اور دوسرا پلڑا بھاری ہو کر جھک گیا۔ خضر نے فرمایا ابن آدم کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ کبھی سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ مٹی کے اندر چلا جاتا ہے۔ اس وقت سارے علماء خضر کے اعزاز میں سجدہ میں گر پڑے۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر کی اس روایت میں ان آیات قرآنی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں ذوالقرنین کے ساری دنیا کے سفر کے دوران میں لوگوں سے ان کی ہمدردی اور خلوص سے ان کے سلوک کے علاوہ اس دیوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ان آیات قرآنی میں مذکور ہے، اور جس طرح ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس دیوار کی تعمیر اور اس کی تیاری کی اس کا ذکر بھی ان آیات میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دیوار کے ادھر وحشی قبیلے آباد تھے وہاں کے لوگوں کے پاس رہنے کے لئے اور دھوپ اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے کوئی مکان اور جائے پناہ بھی نہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے پیدل حج کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو آپ سے ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے حق میں دعا کی اور آپ کو اچھی نصیحت کی اور نیک مشورے دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو سواری کے لئے گھوڑے پیش کئے گئے تو آپ نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس شہر میں کیسے سواری کروں جہاں خلیل اللہ موجود ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادل کو مسخر کر دیا اور اس کی خوشخبری آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی۔ جب آپ کہیں جانے کا ارادہ کرتے تو بادل آپ کو اٹھا کر لے جاتا۔

"حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونھما قوما لا یکادون یفقھون قولا"

اس آیت میں جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ ترک قوم تھی اور یہ یاجوج و ماجوج کے آباؤ اجداد کی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ البتہ وہ لوگ کمزور تھے اور یاجوج و ماجوج ان پر حاوی تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ذوالقرنین سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، ان لوگوں نے ہمارے علاقے میں فساد مچا رکھا ہے اور یہاں ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے پیشکش کی کہ اگر آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں تو ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ ذوالقرنین نے معاوضہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اللہ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ بہت ہے لہٰذا تم لوگ مجھے مال تو نہ دو البتہ افرادی قوت کی ضرورت ہے اور دیوار کھڑی کرنے کا سامان چاہئے وہ تم لوگ فراہم کر دو۔ یاجوج ماجوج اور اس ترک قوم کے درمیان آمد و رفت کا ایک ہی راستہ تھا جو پہاڑوں کے درمیان تھا اس کے علاوہ سمندر اور پہاڑوں کی وجہ سے اور کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ اگر وہ پہاڑوں کے درمیان کا راستہ بند کر دیا جائے تو آمد و رفت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا ذوالقرنین نے اس راستہ کو لوہے کی چادروں اور ان کے درمیان تانبا پگھلا کر بند کر دیا۔ ذوالقرنین نے اس راستے کو ایسا بند کر دیا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر چڑھ کر اس کو عبور کرنے سے قاصر تھے۔ پہاڑوں اور نیچے سے بھی اس کو نہیں کھود سکتے تھے [illegible] ذوالقرنین نے کہا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے یہ لوگ اب تم لوگوں پر ظلم نہیں کر پائیں گے سوائے آخری زمانے میں جب اللہ ان کو یہاں سے نکالنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس رکاوٹ کو زمین کے برابر کر دیں گے اور اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے جس کے بارے میں موضوع کا تفصیلی ذکر تفسیر قرآن میں ہم نے کر دیا ہے اور

جا سکتی۔ انشاءاللہ "کتاب الفتن والملاحم" میں اس کا تذکرہ کروں گا۔

ابو زرعہ علی کی سند ثوری سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مصافحہ کیا وہ ذوالقرنین ہے۔

کعب احبار کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ذوالقرنین کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی والدہ کو وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد کھانے کا انتظام کیا جائے اور شہر کی تمام خواتین کو اس کھانے میں بلایا جائے اور سب کو کھلایا جائے البتہ صرف اس عورت کو یہ کھانا نہ کھلایا جائے جس کا کوئی بچہ فوت ہو گیا ہو۔ جب ذوالقرنین کی ماں نے یہ اعلان کیا تو کسی بھی عورت نے یہ کھانا نہ کھایا اس پر ذوالقرنین کی والدہ نے کہا سبحان اللہ! کیا تم سب کے بچے وفات پا چکے ہیں؟ ان خواتین کا یہ طرز عمل ظاہر کرتا تھا کہ گویا ذوالقرنین کی سب خواتین یہ بتا رہی تھیں ذوالقرنین کی وفات پر کہ سب خواتین کے اپنے بچے وفات پا چکے ہیں۔ ان خواتین کا یہ طرز عمل ذوالقرنین کی والدہ کے لئے تسلی کا باعث بنا۔

اسحاق بن بشر نے بعض اہل کتاب کے حوالے سے ذوالقرنین کی اپنی والدہ کو وصیت و نصیحت کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے اس میں کافی عجیب باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی میں یہ بھی ذکر ہے کہ ذوالقرنین کو تین ہزار برس کی زندگی ملی تھی۔ ظاہر ہے یہ کافی نامعقول بات ہے۔

ابن عساکر کا بیان ہے کہ انہیں ایک روایت بھی ملی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ چھتیس برس کی عمر میں ہے بعض میں بتیس برس کا ذکر ہے۔ بعض میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ سو برس بعد کا زمانہ ہے جبکہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد پانچ ہزار ایک سو اکاسی برس ہے۔ آپ نے سولہ برس حکومت کی۔ ابن عساکر کی یہ بات اسکندر پر صادق آتی ہے اول پر نہیں۔ بعض لوگوں نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے جبکہ حق یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں، یہ بات پیچھے بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینے والے میں ایک بڑا نام مشہور سیرت نگار عبدالملک بن ہشام کا بھی ہے۔ جبکہ حافظ ابوالقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر سخت تنقید کر کے دونوں کے درمیان بہت عمدہ طریقے سے فرق کو واضح کیا ہے۔ حافظ سہیلی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پچھلے زمانے کے بہت سے بادشاہوں نے ذوالقرنین سے خوش عقیدگی جتانے کے لئے اپنا نام انہی کے نام پر رکھ لیا ہو۔

یاجوج وماجوج کا ذکر

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ روز قیامت فرمائیں گے کہ اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنم کا وفد بھیج۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے رب جہنم کا وفد کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرد جنت میں جائے گا۔ اس وقت بچے (خوف سے) بوڑھے ہو جائیں گے۔ (قرآن کریم میں ہے) ہر حاملہ خاتون اپنا حمل گرا دے گی اور آپ لوگوں کو مدہوش دیکھیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ وہ ایک (جنتی) کون ہوگا؟ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اس لئے کہ تم میں سے ایک ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ تم لوگ خوش ہو جاؤ اس لئے کہ تم میں دو امتیں ایسی ہیں کہ وہ جس کے ساتھ بھی ہوں گی تعداد میں غالب آ جائیں گی۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور دوسرے لوگوں کی نسبت تعداد میں بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح کی دعا قبول کر لی جو انہوں نے "رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا" کہہ کر مانگی تھی۔ اس آیت میں حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے کہ اے پروردگار زمین پر کسی کافر کا کوئی گھر نہ چھوڑ۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہوں میں دو طرح دیا۔ ایک جگہ فرمایا کہ ہم نے ان (نوح) کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ

ہو گئے ان (نوح) کی اولاد کو ہی باقی رکھا۔ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح میں تمام روئے زمین کے لوگ ہلاک کر دیے گئے تھے صرف کشتی والے ہی باقی تھے جن میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بھی شامل تھے پس اب ساری انسانیت انہی کی اولاد سے ہے انہی سے دنیا آباد ہوئی۔ اسی لئے نوح علیہ السلام کو ابوالبشر ثانی کہا جاتا ہے۔

مسند احمد اور سنن ترمذی کی روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے سام، حام اور یافث۔ سام عربوں کا باپ ہے حام حبشیوں کا اور یافث رومیوں کا اور ترک بھی اسی کی اولاد سے ہیں اور یاجوج ماجوج بھی یافث ہی کی نسل سے ہیں۔ ان سب میں یاجوج ماجوج زیادہ ہیں ان کی تعداد ترکوں کے مقابلے میں اتنی زیادہ ہے جتنی ترکوں کی تعداد دوسروں سے زیادہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ترک اس وقت کہلائے جب ذوالقرنین نے ان کو دیوار کے پیچھے بند کیا اور یاجوج ماجوج کو اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔ دوسری طرف وہ گروہ جو اس دیوار کے پیچھے نہ رہ سکا وہ ترک کہلایا اس لئے ترک کہا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

شرح صحیح مسلم میں نووی نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج آدم علیہ السلام کے اس نطفے سے پیدا کیے گئے جو ان سے احتلام کی صورت میں نکل کر مٹی میں مل گیا تھا۔ یہ روایت حضرت حوا کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ ان کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ روایت اس قرآن آیت کے بھی خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ موجودہ تمام انسان نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بعض لوگوں نے یاجوج ماجوج کی مختلف شکلیں بیان کی ہیں اور ان کے قد کے بارے میں بھی متضاد باتیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک ان کا قد کھجور کے درخت جیسا لمبا ہے اور بعض کے نزدیک بہت چھوٹے ہیں۔ بعض نے ان کے کانوں کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کے کان اتنے لمبے ہیں کہ ایک کان سے بچھونا اور دوسرے سے لحاف کا کام لیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بلا دلیل ہیں اور صحیح حدیث کے خلاف ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ لمبا پیدا کیا۔ پھر آج تک مخلوق کا قد گھٹتا گیا اور اب تک گھٹ رہا ہے۔ یہ حدیث ان تمام باتوں کی نفی کرتی ہے جو یاجوج ماجوج کے قد کے بارے میں کہی گئی ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک نہیں مرتے جب تک اپنی نسل سے ایک ہزار اولاد نہ دیکھ لیں۔ اگر یہ کسی معتبر روایت سے ثابت ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو رد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ عقل و نقل اس کا امکان ہے۔ طبرانی نے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو یہ لوگوں کی زندگیاں برباد کر دیں گے۔ ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی نسل سے ایک ہزار یا اس سے زیادہ اولاد نہ دیکھ لے اور ان کے پیچھے تین قومیں ہیں تاویل، تاریس اور منسک۔ اس حدیث کی سند غریب ہے۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ معراج کی رات ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اللہ کی طرف بلایا تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے ساتھ والی دوسری قوموں کو دعوت دی تو انہوں نے قبول کر لی اور اسلام لے آئے لیکن یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ہے جس کی روایات میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج قیامت کے دن جہنم کی طرف سے ہزار میں سے نو سو ننانوے کے حساب سے جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیجیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو عذاب اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک ان کے خلاف حجت تمام نہ کر لی جائے گی۔ اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے ہیں تو ان کے پاس رسول آئے جس طرح دوسری اقوام کے پاس آئے۔ لہٰذا ان کے خلاف حجت قائم ہو گئی اور اگر اللہ نے ان کی طرف رسول نہیں بھیجے تو ان کا حکم اہل فترت کے حکم میں ہے جن کے بارے میں حدیث ہے کہ ان کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا جس نے اس وقت داعی کی دعوت قبول کر لی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے انکار کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

آیت "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" کے تحت ہم نے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع نقل کیا ہے۔ قیامت کے دن ان کی آزمائش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نجات مل جائے گی۔ اسی طرح ان کے اہل جہنم میں ہونے کی بھی اس سے نفی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی باتیں جتنی چاہتے ہیں بتا دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو پیشگی بتا دیا کہ یاجوج وماجوج جہنمی ہوں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کی عادات واخلاق حق باتوں کو قبول کرنے سے عاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن بھی وہ لوگ داعی حق کی باتوں کو قبول اور تسلیم نہیں کریں گے۔ اس سے بخوبی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تک اگر دنیا میں دین حق کی دعوت پہنچ بھی جاتی تو یہ لوگ اس کی پرزور انداز میں تکذیب کرتے۔ کیونکہ قیامت کے دن تو دنیا سے جھٹلانے والا شخص بھی حق کو مان لے گا۔ دنیا میں ایمان نہ لانے کی نسبت قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اس وقت ایمان لانا زیادہ آسان ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

> "اگر آپ دیکھ لیجئے اس وقت مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سروں کو اوندھا کئے کھڑے ہوں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ اور سن لیا اب آپ ہمیں دنیا میں لوٹا بھیجئے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین ہو گیا ہے۔" (سورۃ سجدہ ۱۲)

سورۃ مریم میں فرمایا کہ:

> "وہ لوگ جس روز ہمارے پاس آئیں گے اس وقت وہ خوب سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے۔"

رہی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شب معراج کو دین کی دعوت دی تھی لیکن ان لوگوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا کہ یہ حدیث موضوع ہے اسے عمرو بن اصبح نے گھڑا ہے۔

سد ذوالقرنین کے بارے میں پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ اسے ذوالقرنین نے لوہے اور تانبے سے بنایا تھا اور اس کو اونچا کر کے پہاڑوں کے برابر کر دیا تھا۔ اس بند کو ذوالقرنین نے اتنا اونچا اور مضبوط بنایا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑا کوئی کاریگر نہیں ہوگا۔ یہ بند دنیا والوں کے لئے بھی اتنا نافع ہے کہ اس سے زیادہ نفع کسی اور چیز سے دنیا والوں کو نہ ہوا ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے جناب نبی کریم ﷺ سے کہا کہ میں نے سد ذوالقرنین دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پایا؟ اس شخص نے کہا کہ "منقش چادر کی طرح"۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے واقعی اسی طرح دیکھا ہے؟"

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے یاجوج وماجوج والا بند دیکھا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے اوصاف تو بتاؤ؟ تو اس نے کہا منقش چادر کی طرح ہے۔ اس پر سیاہ اور سرخ لکیریں ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو نے واقعی دیکھا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے مختلف بادشاہوں کے پاس وفود بھیجے ان کے ہاتھ خطوط بھی دیئے تاکہ یہ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے سد ذوالقرنین تک پہنچ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور یہ دیکھیں کہ ذوالقرنین نے اس کو کس طرح بنایا اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہ لوگ واپس آئے تو اس کے حالات بتائے کہ وہاں ایک بڑا دروازہ ہے اس پر بہت سے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دیوار بہت مضبوط ہے، پرشکوہ اور شاندار ہے۔ لوہے کی باقی ماندہ اینٹیں اور دیگر سازوسامان وہاں برج میں جمع کی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ ان علاقوں کے حکمرانوں کی طرف سے وہاں ہر وقت پہرہ ہوتا ہے۔ یہ علاقہ شمال مشرق میں بہت بڑے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ علاقہ بہت وسیع وعریض ہے، یہ لوگ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کھیتی باڑی اور خشکی وسمندر سے شکار کرنا۔ وہاں بسنے والے لوگ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی تعداد کے بارے میں خالق کے سوا کسی کو علم نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ یاجوج وماجوج اس بند کے پیچھے سے نہ تو نکل سکیں گے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکیں گے۔ جبکہ بخاری ومسلم میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک روز جناب نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے۔ اس وقت آپ کا چہرہ انور سرخ ہو رہا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے "لا الٰہ الا اللہ جس برائی سے عرب کی تباہی ہوگی وہ قریب آ گئی ہے۔ آج یاجوج و

ماجوج کے بند میں سے اتنا بڑا حصہ کھل گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے جناب نبی کریم ﷺ نے نوے کا عدد بنایا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کر دیے جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہیں؟ فرمایا: جی ہاں! جب برائی زیادہ ہو جائے گی۔ یہ روایت صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں برائیوں اور فتنوں کے عام ہو جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حدیث میں یاجوج وماجوج کے بند کے کھل جانے کی بات بطور تمثیل ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ حدیث میں بند کے کھل جانے کی بات جو کی گئی ہے وہ تو ایک خبر ہے، کیونکہ قرآن کریم میں:

فما اسطاعوا ان یظهروه وما استطاعوا له نقبا"

میں اس بند کو نہ توڑ سکنے اور وہاں سے نہ نکل سکنے کی جو بات کی گئی ہے وہ تو اس زمانے کی بات تھی اور یہ گزشتہ زمانہ کی خبر تھی کہ اس وقت یاجوج و ماجوج اس بند کو نہ توڑ سکے۔ اس کا یہ مطلب تو بالکل بھی نہیں نکلتا کہ آئندہ بھی یہ لوگ اس کو توڑ نہ سکیں گے۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ "وہ اونچی جگہ سے پھیلتے اتریں گے۔"

مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اشکال پیدا ہوتا ہے، اس حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں یاجوج و ماجوج بند کو ہر روز توڑتے رہتے ہیں، جب توڑتے توڑتے یہ لوگ سورج کی روشنی دیکھنے لگتے ہیں تو ان کا بڑا اس وقت ان سے کہتا ہے کہ چلو اب واپس لوٹو باقی کل توڑ لینا، جب وہ اگلے روز آتے ہیں تو انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے زیادہ مضبوطی سے اس کو بنا دیا گیا ہے۔ جب ان کا وقت پورا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں تک رسائی دینے کا ارادہ کر لیں گے تو وہ لوگ بند کو توڑتے توڑتے جب سورج کی روشنی دیکھنے لگیں گے تو ان کا سربراہ ان سے کہے گا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ باقی حصہ کل توڑ لینا ان شاء اللہ۔ اس موقع پر ان شاء اللہ یہ کہ اللہ کا نام لے گا۔ اگلے روز جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو ان کو یہ جگہ ویسی ہی ملے گی جیسی چھوڑ کر گئے تھے۔ اب یہ لوگ باقی بند کو توڑ لیں گے اور وہاں سے نکل آئیں گے۔ تمام پانی وہ پی جائیں گے لوگ گھبرا کر قلعہ بند ہو جائیں گے۔ یہ لوگ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے تو تیر اس حالت میں واپس آئیں گے کہ ان پر خون کے نشانات محسوس ہوں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اہل زمین پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اب آسمان پر بھی پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں پر نغف (ایک کیڑا جو جانوروں کی ناک میں ہوتا ہے) بھیج دیں گے۔ یہ کیڑے انہیں ہلاک کر دیں گے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے ان کا گوشت اور ان کا خون پی کر زمین کے جانور موٹے ہو جائیں گے اور شکر ادا کریں گے۔ یہ روایت مسند احمد کے علاوہ ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی ہے۔

اس روایت میں بند توڑ سکنے کے بارے میں جو خبر دی گئی ہے یہ قرب قیامت کی بات ہے، لہٰذا مختلف احادیث میں اس بند اور یاجوج و ماجوج کے بارے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں ان میں اور قرآنی آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس بند کو نہ توڑ سکنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ اس کی تعمیر سے قرب قیامت تک کے بارے میں ہے، رہی یہ بات کہ یہ لوگ اس بند کو توڑ لیں گے اور زمین پر پھیل جائیں گے تو یہ سارے واقعات قرب قیامت میں پیش آئیں گے۔ واللہ اعلم۔

اصحاب کہف کا بیان

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:...... "کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے۔ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ پھر بولے اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت وفضل عطا کر اور ہمارے لئے ہمارے اس کام میں درستی کا سامان کر دے۔ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم معلوم کریں کہ

(ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے۔ ہم ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ (چند) نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے تھے۔ جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہم تو اس کے علاوہ کسی معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بے جا بات کے مرتکب ہوں گے۔ ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان معبودوں (کے وجود) پر کوئی کھلی دلیل نہیں لاتے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے؟ پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ بیٹھے اور ان کے معبودان غیر اللہ کو بھی تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو۔ تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا دے۔ اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کرے گا اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب، اور وہ اس (غار) کے کشادہ موقع میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار راہ بتانے والا۔ اور (تو ان کو دیکھتا تو) تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا۔ درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا۔ اگر تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں۔ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر سے کم۔ (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر ہم ٹھہرے ہیں یہ تو ہمارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے تو اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے۔ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے کہ اگر وہ تمہاری خبر پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تمہیں فلاح نہ ہوگی اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے۔ سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو۔ ان کا پروردگار (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب (وقادر) تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنا دیں گے۔ عنقریب (بعض کہنے والے) کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ اٹکل کے تکے۔ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے۔ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز قلیل کے۔ پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے اور آپ ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کروں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے۔ اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیں اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے باعتبار رہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتلائے۔ اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے۔ اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور زمین کا ہے۔ وہ کیسا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیسا کچھ سننے والا۔ ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز نہیں اور وہ نہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ (سورہ کہف ۹۔۲۶)

اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کا شان نزول محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں نقل کیا ہے کہ قریش نے یہودیوں کے پاس ایک وفد بھیج کر ایسے سوالات تیار کروائے جو جناب رسول اللہ ﷺ سے کئے جس سے آپ ﷺ کو آزمایا جا سکے یہودیوں نے کہا کہ آپ لوگ محمد سے ان لوگوں کا حال دریافت کریں جو طویل عرصے تک غائب رہے ان کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا اسی طرح یہ سوال بھی پوچھا جائے کہ ایک شخص ساری زمین میں پھرا اس کے احوال معلوم کئے جائیں، اسی طرح روح کے بارے میں دریافت کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے "ویسئلونک عن الروح ویسئلونک عن ذی القرنین" اور "ام حسبت ان اصحب الکهف والرقیم کانوا من ء ایتنا عجبا" ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ یہ کوئی تعجب والی باتیں نہیں ہیں ان کی باتوں میں اور ان کے واقعات وحالات میں تعجب خیزی نہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر

معلومات اور خبروں میں زیادہ تعجب کی چیزیں موجود ہیں کہف غار کو کہتے ہیں۔ شعیب جبائی کے مطابق اصحاب کہف کے غار کا نام "حیزم" ہے۔ رقیم کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ابن جریر وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے نام اور ان کے حالات لکھے گئے ہیں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار واقع ہے ابن عباس اور شعیب جبائی کے مطابق اس پہاڑ کا نام "بناجلوس" ہے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ غار کے پاس ایک وادی ہے اس کا نام بناجلوس ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہاں ایک بستی کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

شعیب جبائی کے مطابق ان کے کتے کا نام "حمران" ہے۔

یہودیوں کو ان کے بارے میں معلوم ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ نصاریٰ تھے۔ حالات و واقعات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی قوم مشرک تھی اور وہ لوگ بت پرست تھے۔ بہت سے مفسرین اور مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا۔ اصحاب کہف کا تعلق بڑے گھرانوں سے تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ ایک روز جب پوری قوم عید منا رہی تھی تو یہ نوجوان بھی اسی اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ یہ لوگ بتوں کو سجدہ کر رہے ہیں اور ان کے آگے جھک رہے ہیں۔ ان نوجوانوں نے اس پر غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے ہٹا دیے اور انہیں سیدھا راستہ اور ہدایت کا راستہ دکھا دیا ان پر یہ منکشف ہوا کہ ان کی قوم راہ راست پر نہیں ہے۔ تو یہ نوجوان اپنی قوم کے دین سے ہٹ گئے اور ایک خدا کی عبادت میں لگ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے ہر ایک کے دل میں اللہ کی وحدانیت جب ڈال دی گئی تو یہ دوسرے لوگوں سے الگ ہو گئے اور پھر اتفاقاً یہ نوجوان ایک جگہ جمع ہو گئے۔ ایک دوسرے سے تعارف ہوا تو ان نوجوانوں نے اپنی قوم سے دور نکل جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اپنے دین کی حفاظت کر سکیں اور ایک اللہ کی پیروی کر سکیں۔ فتنے اور فساد کے موقع پر یہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ جب تم نے اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی تو تم ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو تاکہ کسی قسم کی تکلیف سے تم بچ سکو ان نوجوانوں نے جس غار میں پناہ لے رکھی تھی اس کے بارے میں قرآن کریم میں ذکر ہے کہ اس کا دروازہ شمال کی جانب تھا اور اس کا اندرونی حصہ قبلہ کی طرف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسی جگہیں رہائش کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی بتایا گیا کہ گرمیوں میں سورج کی کرنیں غار کے اندر مغربی جانب پڑتی ہیں پھر آہستہ آہستہ یہ روشنی باہر کی طرف آ جاتی ہے اور پھر آسمان کی طرف اس کا رخ ہو جاتا ہے اور غار سے باہر اس کی روشنی آ جاتی ہے پھر جب سورج زوال کے بعد مغرب کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو مشرقی جانب دھوپ غار میں داخل ہونے لگتی ہے اور سورج غروب ہونے تک یہ سلسلہ رہتا ہے۔ تھوڑے وقت کے لئے غار کے اندر دھوپ پڑنے کا فائدہ یہ ہے کہ اندر کی ہوا متعفن اور بدبودار نہ ہو جائے۔ یہ لوگ اس طرح صبح شام گزارتے ہوئے سالہا سال تک پڑے رہے۔ اس دوران کھانے پینے کی انہیں ضرورت نہیں پڑی۔ ان کے جسم کو کسی قسم کی غذا حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ یہ اللہ کی قدرت اور کرشمہ ہے۔ یہ لوگ غار کے اندر سوئے پڑے تھے لیکن دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیدار ہیں اس سلسلے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، مسلسل بند رہنے کی صورت میں آنکھیں خراب ہو جاتیں۔ یہ لوگ اسی نیند کی حالت میں اپنا پہلو بھی بدلتے تھے اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ سال میں ایک مرتبہ پہلو بدلتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا کتا دروازے کی چوکھٹ پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اندر نہیں تھا بلکہ اپنے دونوں پاؤں اس نے پھیلا رکھے تھے۔ اس میں ادب کا پہلو یہ ہے کہ کتا اندر داخل نہیں ہوا۔ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جہاں کتے موجود ہوں۔ کتا چونکہ ان نوجوانوں کے ساتھ تھا اس لئے اللہ نے اس کو بھی باقی رکھا جو بھی کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ بھی اسی کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی نیک اور اچھے لوگوں کے پیچھے چلتا ہے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

مفسرین اور مؤرخین نے اس کتے کے بارے میں بہت ساری باتیں لکھی ہیں جو سب اسرائیلی روایات ہیں ان باتوں کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس غار کے محل وقوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر لوگ ایلہ کی سرزمین بتاتے ہیں بعض نینویٰ بتاتے ہیں، کچھ لوگ بلقاء اور کچھ لوگ روم بتاتے ہیں۔ آخری قول زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی وہ باتیں بیان کی ہیں جو عام لوگوں کے لئے زیادہ بہتر اور اہم ہے۔ ان کا حال اس طرح بتایا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والے کو محسوس ہوگا کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے اور انہیں دیکھ کر ان کے الٹنے پلٹنے اور پہلو بدلنے کی کیفیت بیان کر رہا ہے قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر کوئی ان کو اس غار میں دیکھ لے تو ان کی عظمت اور ہیبت کو دیکھ کر بھاگ جائے۔ ان باتوں سے یہ بھی پتا چل گیا کہ دیکھنے اور سننے میں فرق ہے کیونکہ ان کے بارے میں سن کر کوئی ڈر کے مارے بھاگا نہیں۔

آگے چل کر قرآن کریم نے ان کے نیند سے بیدار ہونے کی مدت تین سو نو برس بتائی ہے کہ وہ لوگ تین سو نو برس تک سوتے رہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے اور بھوک محسوس کی تو اپنے میں سے کسی کو رقم دے کر کھانا لینے بھیجا بتایا جاتا ہے کہ اس شہر کا نام دقسوس تھا شہر بھیجتے ہوئے تاکید کی گئی کہ پاکیزہ کھانا لانا، حرام اور ناجائز یا خراب کھانا نہیں لانا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ کتنے پاکباز تھے۔ ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ کسی کو خبر نہ ہو اس لئے حکمت اور تدبیر سے کام لینا اگر پتا چل گیا تو وہ لوگ دوبارہ اپنے دین کی طرف لوٹنے پر مجبور کریں گے۔ یہ ساری باتیں اس لئے کی جا رہی تھیں کہ یہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک دن کا کچھ حصہ یا ایک دن سے کچھ زیادہ سوئے تھے، انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ تین سو برس سے زیادہ سوتے رہے تھے اور یہ کہ حالات اور زمانے میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہو گئی تھی، دنیا نے کئی موڑ لے لیے تھے اور جس زمانے میں یہ لوگ تھے وہ زمانہ بدلا اور ان لوگوں کے بدلنے کے بعد کئی زمانے آئے اور گئے اسی طرح کئی نسل گزر گئی ان میں سے جو شخص شہر جانے کے لئے نکلا اس کا نام تیذوسیس تھا، وہ بھیس بدل کر نکلا تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے لیکن خود اس کو شہر اجنبی محسوس ہونے لگا وہاں کی گلیاں اور راستے نامانوس محسوس ہونے لگے۔ اس کی شکل وصورت دیکھ کر اور اس کا لباس اور حلیہ دیکھ کر اور اس کے ہاتھ میں جو کرنسی تھی اس کو دیکھ کر لوگ حیران ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ اسے پکڑ کر گورنر کے پاس لے گئے کہ ہو نہ ہو یہ جاسوس ہے یا اس کے پاس بڑی طاقت ہے اور یہاں کے لوگوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ شخص ان لوگوں سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا یہ بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے اور ساتھیوں کے بارے میں اور ان حالات وواقعات کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جو ان کی ساتھ پیش آیا تھا، لوگ اس جگہ تک گئے۔ جب وہ غار کے قریب پہنچے تو یہ شخص اپنے باقی ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں حقیقت سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ لوگ کتنے سال تک سوتے رہے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ یہ اللہ نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ دوبارہ سو گئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کے بعد انتقال کر گئے۔ دوسری طرف شہر والوں کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں غار کا راستہ معلوم نہ ہو سکا اور اللہ نے اس غار کا راز دوسرے لوگوں پر منکشف نہیں کیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اتنے مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے کہ اس غار میں داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔

اب ان لوگوں کے بارے میں لوگوں کی دو رائے ہو گئیں بعض لوگوں نے رائے قائم کی کہ وہاں کوئی عمارت بنائی جائے تاکہ ان تک کوئی موذی چیز نہ پہنچنے پائے دوسرے لوگوں نے کہا جو کہ اکثریت میں تھے اور ان کی بات مانی جاتی کہ ہم یہاں عبادت گاہ بنائیں گے تاکہ ان صالح بندوں کی مجاورت کی وجہ سے یہ عبادت گاہ بابرکت ہو جائے۔ یادگار کے طور پر اس طرح کی عبادت گاہیں بنانے کا رواج ہماری شریعت سے پہلے تھا۔ ہماری شریعت میں اس کی ممانعت ہے چنانچہ صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر اس لئے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیں۔ اس حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ان نوجوانوں کے بارے میں قرآن کریم میں بتایا گیا کہ ان کے بارے میں لوگوں کو باخبر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس بات سے واقف ہو جائیں کہ آخرت اور قیامت برحق ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ لوگوں کو پتا چلا کہ یہ نوجوان تین سو برس سے زیادہ سوتے رہے اور پھر بغیر کسی تبدیلی کے وہ لوگ بیدار ہو گئے ان کے جسم کے اعضاء اسی طرح باقی تھے جس طرح تین سو برس پہلے تھے اور اسی طرح کام کر رہے تھے جس طرح پہلے کر رہے تھے۔ جس ذات نے انہیں اس حال میں باقی رکھا وہ ذات بعد میں تمام ابدان واجسام کو دوبارہ لوٹا بھی سکتی ہے اگرچہ ان کو کیڑے چاٹ جائیں اور ان کے جسم بوسیدہ اور پرانی ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ مسلمانوں کو اس ذات کے قادر مطلق ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے وہ ذات تو ایسی ہے کہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو کام ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر قرآن کریم میں ان نوجوانوں کی تعداد کی بحث کو چھیڑا ہے کہ لوگ ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ تین تھے بعض پانچ بتاتے تھے اور بعض سات کی رائے رکھتے تھے۔ قرآن کریم

میں ان تینوں اقوال میں سے پہلے دونوں کو ضعیف قرار دیا گیا اور تیسرا قول سنا اس پر کوئی بات نہیں کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تیسرا قول صحیح ہے۔ اگر کوئی اور رائے ہوتی تو اس کا بھی اظہار قرآن کریم میں کر دیا جاتا اس قسم کی بحث میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سکھا دیا کہ ایسے موقع پر کہنا چاہئے کہ اس بارے میں اللہ کو ہی زیادہ علم ہے چنانچہ فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی تعداد کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اس بارے میں لوگوں کی معلومات کافی کم ہیں۔ لہٰذا ایسے مواقع پر لوگوں کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی لوگوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ اس واقعے میں چونکہ ان نوجوانوں کی تعداد مقصود نہیں ہے اس لئے واقعے کے شروع میں ان کی تعداد بیان کرنے کی بجائے چند نوجوان کہا اگر اس موقع پر ان کی تعداد بیان کرنے کا کوئی بڑا فائدہ حاصل ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی تعداد ضرور بتا دیتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک ادب سکھایا ہے کہ کوئی شخص آئندہ کچھ کرنے کا ارادہ کرے تو ان شاء اللہ کہے۔ تاکہ انسان کا اپنا ارادہ واضح رہے اور یہ ظاہر ہو کہ واقعی اس کام کو کرنے کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ ایسا کہنے کی تلقین اس لئے کی گئی ہے کہ بندے کو تو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ جس کام کا اس نے عزم کیا ہے یہ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ ان شاء اللہ کہہ کر کسی کام کو معلق کرنا نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً کام کا ارادہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک سال تک کہنا صحیح ہے۔ بعض مواقع پر ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ گزر چکا کہ آپ نے جب کہا تھا کہ آج رات میں ستر بیویوں سے ملوں گا اس کے نتیجے میں ہر بیوی سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور یہ سب لڑکے اللہ کے راستے میں قتال کریں گے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ ان شاء اللہ کہیں تو آپ نے نہیں کہا۔ رات کو یہ ستر بیویوں کے پاس گئے تاہم کسی کے ہاں ولادت نہیں ہوئی بس صرف ایک بیوی سے ایک ناتمام لڑکا پیدا ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے اور اپنی مراد کو بھی پا لیتے۔

آگے قرآن کریم میں فرمایا کہ آپ بھول جائیں تو اللہ کو یاد کریں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی شیطان بعض باتیں بھلا دیتا ہے، جب اللہ کو یاد کیا جائے تو شیطان کا غلبہ دل سے ختم ہو جاتا ہے اور بھولی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو اس کو حل کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو اور لوگوں کی مختلف باتیں سامنے آ رہی ہوں تو اللہ کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ اس میں آسانی پیدا کر دیں گے۔

آگے چل کر فرمایا کہ یہ نوجوان غار کے اندر تین سو نو برس تک رہے ان کی لمبی مدت تک سوتے رہنے کی خبر دینے میں فائدہ ہونے کی وجہ سے بتایا گیا کہ وہ لوگ تین سو نو برس تک سوتے رہے۔ تین سو سے زائد نو برس قمری لحاظ سے ہے جبکہ تین سو برس شمسی لحاظ سے ہے۔

آگے فرمایا کہ ان کی مدت کے بارے میں اللہ ہی کو زیادہ معلوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے اور آپ کے پاس اس بارے میں صحیح معلومات نہ ہوں تو آپ معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیں اور کہیں کہ اللہ ہی اس بات کو جانتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کی پوشیدہ خبروں کو جانتا ہے اور جب اور جس کو چاہے اس سے باخبر کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھتا ہے کیونکہ اسی کو خبر ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے۔ اللہ کے علاوہ یہ اختیار کسی اور کو نہیں ہے وہی اکیلا اس دنیا کو چلا رہا ہے۔

مؤمن و کافر کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحاب کہف کے قصے کے بعد ارشاد فرمایا:

ترجمہ:...... اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور اس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے اور جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا

ہوں اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا تو اس کا دوست کہنے لگا کہ کیا تم اس خدا سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر امرد بنایا مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پروردگار ہے (اور میں) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا؟" (سورۂ کہف ۳۲ تا ۴۳)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی مثالیں دی جاتی ہیں ضروری نہیں کہ یہ واقعہ یقیناً کسی کے ساتھ پیش بھی آیا ہو۔ جمہور کی رائے ہے کہ ایسا واقعہ حقیقتاً پیش بھی آیا ہے۔

قرآن کریم میں "واضرب لھم مثلاً" میں کہا جا رہا ہے کہ کفار قریش ضعفا اور فقراء کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھتے بلکہ ان پر الزام لگاتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں تو ان کے سامنے یہ مثال پیش کریں۔

دو ساتھی تھے ایک کافر ایک مومن، کہا جاتا ہے کہ دونوں مالدار تھے لیکن مومن نے اپنا مال اللہ کی طاعت اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے اس کے راستے میں خرچ کر ڈالا جبکہ کافر نے اپنے لئے دو باغ بنا لیے۔ ان میں انگور اور کھجور تھے دونوں باغ انگوروں اور کھجوروں سے لدے ہوئے تھے۔ ان میں نہریں تھیں جو پینے اور تفریح کے لئے کافی مفید تھیں۔ دونوں باغوں میں پھل پک گئے اور نہروں میں پانی بھی خوب بھر گیا کھیتی خوب لہلہانے لگی اور پھل بھی خوب معلوم ہونے لگے۔ اس موقع پر اس کے مالک نے جو کافر تھا اپنے مومن ساتھی سے کہا کہ دیکھ میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور افراد بھی زیادہ ہیں لہٰذا میں تیرے سے زیادہ بہتر حالت میں ہوں، جبکہ تم نے اپنا سارا مال خرچ کر ڈالا، جو کچھ تیرے پاس تھا وہ تو نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ تجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تھا جیسا میں نے کیا اور پھر بڑے فخر سے وہ اپنے باغ میں گھسا، حالانکہ یہ طریقہ اللہ کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ اس کہنا شروع کیا کہ میرا نہیں خیال کہ یہ کبھی تباہ ہوگا، بات اصل میں یہ ہے کہ اس نے دیکھا کہ اس کے پاس زمین پہلے کے مقابلے میں اب زیادہ ہو گئی ہے نہروں میں پانی بھی خوب ہے، درخت اور پھل بھی لدے پھندے ہیں۔ اس نے سوچا اگر یہ ختم ہو جائے تو اس کی جگہ اس سے بہتر اور اچھے درخت لگ جائیں گے باغ بھی دوبارہ بن جائے گا۔

وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور دنیائے فانی کی رنگینیوں پر اعتماد کر بیٹھا اور سمجھا کہ یہ دنیا ہمیشہ رہے گی، چنانچہ اس نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی۔ پھر کہنے لگا اگر میں اپنے رب کی طرف دوبارہ لوٹایا بھی جاؤں تو اس سے بہتر اور اچھی جگہ پاؤں گا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں یہ عزت اور مال و دولت کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو اس سے محبت ہے۔ عاص بن وائل اور خباب بن الارت کا قصہ بھی اسی طرح ہے کہ عاص بن وائل کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

> "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا مجھے تو مال و دولت مل کر رہے گی۔ تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے۔" (سورۂ مریم ۷۷-۷۸)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کا حال بیان کیا جسے اللہ نے نوازا ہے:

> "کہتا ہے کہ یہ میرا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں لوٹایا جاؤں اپنے رب کی طرف تو وہاں میرے لیے بڑی نعمتیں ہوں گی۔" (سورۂ فصلت ۵۰)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> "ہم عنقریب کافروں کو بتائیں گے جو کچھ انہوں نے کفریہ کام کیے اور ہم انہیں عنقریب سخت عذاب چکھائیں گے۔"

قارون نے کہا تھا:

> "جو کچھ مجھے دیا گیا یہ میرے علم کی وجہ سے دیا گیا ہے۔" (سورۂ قصص ۷۸)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> "کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایسے لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو اس سے زیادہ طاقت والے اور اس سے

زیادہ طاقت والے تھے۔ مجرموں سے ان کے گناہوں کی تفصیل نہیں پوچھی جائے گی۔" (سورۃ قصص: ۷۸)

قارون کے بارے میں گفتگو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے ذیل میں آ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تم ہمارے مقرب بن سکو، ہاں جو شخص ایمان لایا اور نیک عمل کیا ایسے لوگوں کو ان کے کئے کا دوگنا بدلہ ملے گا اور وہ بالا خانوں میں مطمئن ہوں گے۔" (سورۃ سبا: ۳۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔" (سورۃ مومنون: ۵۵-۵۶)

اسی طرح جب اس کافر اور جاہل کو دنیا کا ساز و سامان مل گیا تو اس نے آخرت کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ اگر آخرت کا حادثہ رونما ہو گیا تو اس وقت اتنا ہی ہوگا جو اس کے پاس ہے وہاں اس سے زیادہ اسے ملے گا۔ اس کی یہ باتیں اس کے ساتھی نے سنیں تو اس نے کہا: کیا تو کفر اس ذات کے ساتھ کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنایا جس کی وجہ سے تو جو کچھ ہے وہ کچھ ہے یا مجھ سے کچھ ملتا ہے یہ بات کر سکتا ہے اب تو آخرت کا انکار کیسے کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بالکل ابتداء میں پیدا کرنے پر قادر ہے تو اب کیوں نہیں کر سکتا ہے میرا اپنا تو یہ حال ہے کہ اللہ میرا رب ہے تم جس طرح کی باتیں کرتے ہو میں ویسا نہیں کہتا اور جس طرح کا عقیدہ تم رکھتے ہو ایسا عقیدہ میں نہیں رکھ سکتا۔ اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ جسموں کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا مردوں کو زندہ کرے گا اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کرے گا میرا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اللہ کی صفت خلقیہ میں کوئی شریک نہیں اس کی وحدانیت میں کوئی شریک نہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ باغ میں داخل ہوتے وقت کیا کہنا چاہئے تھا۔ چنانچہ کہا تم نے اپنے باغ میں گھستے ہوئے "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کیوں نہ کہا۔ اس دولت اور اہل و عیال میں سے کوئی خوشی اور مسرت والی چیز دیکھنے پر یہ کہنا مستحب ہے۔

ابو یعلیٰ موصلی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو کسی بھی نعمت سے نوازا ہو چاہے گھر بار اور اہل و عیال کے لحاظ سے ہو یا مال و دولت سے ہو یا اولاد سے ہو تو ایسے حال میں اگر وہ شخص "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کہتا ہے تو موت کے سوا کوئی آفت اسے نہیں آئے گی۔ گویا یہ حدیث مذکورہ آیت کی تشریح ہے۔

پھر مومن ساتھی کافر ساتھی سے کہتا ہے کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آخرت میں تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کر دے اور تیرے باغ پر کوئی آسمانی عذاب نازل کر دے جس کی وجہ سے تیرے باغ کے درخت اکھڑ جائیں اور کھیتی چٹیل میدان ہو جائے اور جس جگہ یہ باغ واقع ہے وہاں سیم زدہ دلدل بن جائے اور وہاں کوئی سبزہ یا درخت نظر ہی نہ آئے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا پانی نیچے چلا جائے اور پھر اوپر نہ آ سکے۔

چنانچہ اس کے باغ کھیتی اور درختوں پر ایسی آفت آئی کہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا اس کا باغ ویران ہو گیا اس کو کبھی یہ گمان ہی نہ ہوا تھا کہ ایک دن ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اور اپنی امید کے برخلاف پکڑ لیا گیا جو اس نے سوچا تھا وہ سب ہوا اس کا سامان باقی نہ رہا اور جو اس نے وہاں خرچ کیا تھا اس کی حسرت میں اب تک افسوس سے ہاتھ ملتا اور کہنے لگا: اے کاش میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔ اب اسے بچانے کے لئے کوئی مددگار نظر آتا یا کوئی مددگار نظر آتا یا کوئی گروہ اس کی مدد و نصرت یا بچاؤ کر سکے۔

آگے اللہ تعالیٰ فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بادشاہی صرف اللہ کی نظر آئے گی اور وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا کیونکہ اللہ کے فیصلے کو کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا اسے کوئی رد نہ کر سکے گا اس کے حکم پر کوئی غالب نہ آ سکے گا اس وقت اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ اللہ ہی قابل اعتماد ذات ہے جو نیکی کا بہتر بدلہ دے گا اور وہی دنیا اور آخرت کی بھلائی کا فیصلہ کرتا ہے۔

اس واقعہ میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ کسی کے لئے بھی یہ مناسب نہیں کہ دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو جائے اور اس سے

ہو کر کہا ہے۔ الغرض ہر حال میں اللہ کی اطاعت کو اپنا نصب العین بنائے اور اسی پر توکل کرے اور اس بات پر اطمینان کرے کہ جو کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہاتھ میں جو ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اعتماد نہ کرے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی اطاعت پر کسی بھی چیز کو مقدم نہ کیا جائے اور اس کی اطاعت اور مرضی کے برخلاف خرچ کرنے پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان جو کچھ تصور بھی نہ کرتا ہے معاملہ اس کے برعکس ہو جائے۔ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اپنے خیر خواہ بھائی کی نصیحت کو قبول کرے۔ اگر کوئی اس خیر خواہی اور نصیحت کی بات کو رد کر دیتا ہے تو اس کا نتیجہ بڑا مہلک ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت گزر جانے کے بعد ندامت اور افسوس کا فائدہ نہیں ہے۔

قصہ اصحاب الجنۃ

صاحبانِ جنت یعنی باغ والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ:...... ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو۔ تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے گویا (کھیتی پر) قادر ہیں۔ جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ نہیں بلکہ ہم (برگشتہ نصیب) بے نصیب ہیں۔ ایک جو ان میں فرزانہ تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔ پھر لگے ایک دوسرے کو رو در رو ملامت کرنے۔ کہنے لگے ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے، ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ (دیکھو) عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ (سورۃ القلم: ۱۷-۳۳)

یہ کفار قریش کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول ان کے پاس بھیجا لیکن ان لوگوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا اور مخالفت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاملے میں کفر کیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر یعنی جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔" (سورۃ ابراہیم: ۲۸، ۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں کفار قریش کا ذکر ہے اللہ نے ان لوگوں کا ذکر اصحاب جنت یعنی باغ والے کہہ کر کیا ہے کہ ان کے پاس طرح طرح کے پھل اور باغات تھے لیکن ان کے کرتوتوں کی وجہ سے یہ پھل اور باغات ضائع ہو گئے۔ جب باغ کے پھل کٹنے کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح سویرے اندھیرے منہ باغ میں پہنچ جائیں گے اور سارے پھل توڑ لیں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کوئی فقیر اور ضرورت مند وہاں موجود نہیں ہوگا کیونکہ اس میں سے صدقہ دینا پڑے گا۔ ان لوگوں نے صبح باغ میں جانے کی قسمیں تو کھا لیں لیکن "ان شاء اللہ" نہیں کہا تھا کہ آسمانی آفت آئی اور سب کچھ جلا کر رکھ دیا اب وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کالی رات ہو گئی تھی جس سے کچھ نہ اٹھایا جا سکتا۔ صبح ہوئی تو یہ لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ پھل توڑنا ہے تو جلدی چلو۔ ان کا خیال تھا کہ صدقے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں جو حساب ہوگا بات کے مطابق۔ سے پہلے آپس میں باتیں کرتے اور سرگوشی کرتے وہاں پہنچ جائیں تاکہ کوئی فقیر وہاں نہ پہنچ پائے۔ اب جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور حال دیکھا کہ جہاں باغ اور پھل تھے وہاں جلی ہوئی زمین کی طرح کالی چھائی ہوئی ہے تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راستہ بھٹک گئے اور کسی اور جگہ آ گئے اس لئے اس جگہ سے پیچھے آئے۔

پھر سمجھے کہ ہمیں سزا دی گئی ہے کیونکہ ہماری نیتیں خراب تھیں، ہم نے غلط ارادہ کیا تھا اس لئے ہم اپنے باغ سے محروم ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کے مطابق یہ شخص ان میں سب سے بہتر اور منصف مزاج تھا کہنے لگا میں نے تو تم لوگوں سے کہا بھی تھا کہ ”انشاء اللہ“ کہو لیکن تم نہ مانے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم یہ بات کہنے کی بجائے اچھی بات کہو۔

اب سزا ملنے کے بعد یہ لوگ نادم ہو گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے لگے لیکن نادم ہونے اور غلطی کا اعتراف کرنے سے اب کیا ہوگا۔ اب وقت ندامت اور اعتراف جرم سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سب بھائی تھے اور اپنے باپ سے یہ باغ وراثت میں ان کو ملا تھا۔ ان کا باپ بہت زیادہ صدقہ خیرات کیا کرتا تھا لیکن باپ کے مرنے کے بعد جب معاملہ بیٹوں کے ہاتھ آیا تو باپ کے صدقہ خیرات کرنے کے عمل کو ان لوگوں نے غلط قرار دیا اور باپ کی نیکیوں کو الزام دینے لگے۔ اب ان لوگوں نے فقراء و مساکین سے بچ کر سب پھل اپنے پاس رکھ لینے کا فیصلہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے انہیں سخت سزا دی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تلقین کی ہے اور بار بار کھیتی کاٹے جانے کے موقع پر صدقہ دینے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا کہ جب یہ پھل دیں تو اس کے پھل کھاؤ اور کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ یعنی اس میں سے فقراء کا حصہ نکالو۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ان لوگوں کا قصہ ہے جو جنوبی یمن کے علاقے میں تھے یمن کا کوئی علاقہ ہے اس کا نام ضروان ہے بعض نے کہا کہ یہ علاقہ حبشہ کا تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم ایسے لوگوں کو عذاب دیتے ہیں جو ہمارے احکامات کی خلاف ورزی کرتے اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کا خیال نہ کرتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہوگا۔ ان لوگوں کا یہ واقعہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

”اور اللہ بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے وہ امن (و اطمینان) میں رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بافراغت ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے انہیں ایک بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا، بسبب ان کے کرتوتوں کے اور ان کے پاس ایک رسول بھی ان ہی میں سے آیا تھا سو اس کو انہوں نے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم تھے۔“ (النحل: ۱۱۲، ۱۱۳)

ایلہ والوں کا واقعہ

سورۃ الاعراف میں فرمایا:

”اور آپ ان سے اس بستی (والوں) کی بابت دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارے تھی۔ جبکہ وہ لوگ سبت کے بارے میں (اللہ کے حکم سے) تجاوز کر رہے تھے (اور) جبکہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جب سبت نہ ہوتا تو نہ آتی تھیں۔ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح کی، اس لئے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا (جنہیں) سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید یہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں پھر جب وہ بھول گئے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو بری بات سے روکا کرتے رہتے تھے اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے پھر جب وہ بڑھ گئے اس چیز سے جس سے روکے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔“ (سورۃ الاعراف: ۱۶۳-۱۶۶)

سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

"اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ پھر ہم نے اسے (موجب) عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے بعد کے لوگوں کے لئے اور ایک (موجب) نصیحت (بنادیا) خوف خدا رکھنے والوں کے لئے۔" (سورۃ بقرہ: ۶۵۔۶۶)

ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی وغیرہ کے مطابق اصحاب السبت اہل ایلہ ہیں۔ ابن عباس کے مطابق ایلہ طور اور مدین کے درمیان واقع ہے۔ تورات کے مطابق اس زمانے میں یوم السبت کو شکار ممنوع تھا اور یہ لوگ اسی کے قائل تھے۔ اس روز مچھلیاں مطمئن رہتی تھیں۔ کیونکہ اس روز شکار کرنا حرام تھا۔ صرف شکار ہی پر پابندی نہیں تھی بلکہ صنعت وحرفت اور دوسرے دھندوں کی بھی اس روز چھٹی ہوتی تھی۔ چنانچہ مچھلیاں یوم السبت کو ادھر ادھر اطمینان سے چلتی پھرتیں۔ یہ لوگ مچھلیوں کو دیکھ کر ان کے پیچھے دوڑتے نہیں تھے۔ لیکن یوم السبت کے علاوہ دیگر دنوں میں مچھلیاں نہیں آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے ان کو آزمایا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہفتے والے دن مچھلیوں کی بھرمار ہوتی ہے اور دوسرے دنوں میں نہیں آتیں تو ان لوگوں نے مچھلی پکڑنے کا یہ حیلہ کیا کہ جمعہ کے روز مچھلی کی ڈور کانٹے اور دیگر سامان مچھلی کے راستوں میں ڈال دیا اور ایسا حیلہ کیا کہ مچھلی پانی کے ساتھ جب کنارے کی طرف آتیں تو واپس نہیں جا سکتی تھیں۔ اب جب مچھلیاں ہفتے والے دن آتیں تو جال میں اور کانٹوں میں اور گڑھوں میں دھنس جاتیں اور واپس جانے میں ناکام ہو جاتیں۔ ہفتے کا دن گزر جانے کے بعد یہ لوگ آرام سے ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور ان پر لعنت بھیجی۔ ان میں سے ایک فریق نے اس حیلے پر عمل کیا تھا اور جن لوگوں نے اس حیلے پر عمل نہیں کیا وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے ان کے اس فعل پر نکیر کی اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، جبکہ دوسرے فریق نے نہ تو مچھلی کا شکار کیا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کیا بلکہ شکار کرنے سے روکنے والوں کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا جن پر اللہ سخت عذاب نازل کرنے والا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو روکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ جن لوگوں نے شکار کرنے سے منع کیا ان کا موقف تھا کہ ہمیں اللہ کی طرف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہم انہیں منع کرتے رہیں گے تاکہ یہ لوگ باز آ جائیں اور غلط کام سے رک جائیں۔ اگر وہ مان لیتے ہیں تو ان پر اللہ کا عذاب نہیں آئے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو یاددہانی کے باوجود جب وہ نہ مانے تو ہم نے برائی سے منع کرنے والوں کو نجات دی یعنی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور ظالموں کو گرفتار عذاب کیا اور انہیں بندر بنا دیا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو ختم کر دیا اور ظالموں کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنے والوں کو نجات دی اور جو خاموش رہے ان کے معاملے میں سکوت اختیار کیا گیا۔ ان کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ وہ بھی نجات پانے والوں میں شامل ہیں، جبکہ دوسرے بعض کا کہنا ہے کہ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں، لیکن محقق علماء کا کہنا ہے کہ ان کا شمار نجات پانے والوں میں سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے مناظرہ کرنے کے بعد اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے اور پھر عکرمہ کو ان کے اعزاز میں نہایت قیمتی جوڑا تحفہ میں دیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ بھی نجات پانے والوں میں شامل ہیں البتہ ان کا ذکر نجات پانے والوں کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ دل سے اس برائی کو ناپسند کرتے تھے لیکن ان کو عمل سے بھی اس ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ انکار کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ ہاتھ سے روکنے کا، دوسرا زبان سے روکنے کا اور تیسرا دل سے برا جاننے کا ہے۔ ان تین درجات کو دیکھا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ لوگ نجات پانے والوں میں شامل ہیں، کیونکہ انہوں نے خود کسی برائی کا ارتکاب نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے بھی برائی کو برا جانا تھا۔

عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء خراسانی سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے اس برائی کا ارتکاب کیا تھا، ان کو باقی شہر والوں نے الگ کر دیا تھا اور بہت سے لوگوں نے ان کو اس فعل شنیع سے روکا بھی تھا، لیکن یہ لوگ نہ مانے۔ لہٰذا یہ لوگ الگ تھلگ رہنے لگے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ بھی کھڑی کر دی گئی۔ یہ لوگ ان کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک صبح بیدار ہوئے تو ان کا دروازہ بند تھا، انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اس کے بعد دن چڑھنے لگا۔ پھر بھی کچھ پتہ نہ چلا تو ایک شخص کو اوپر چڑھ کر دیکھنے کو کہا گیا۔ جب یہ شخص اوپر چڑھا تو دیکھا کہ وہاں تو بندر موجود ہیں، ان کی دم بھی ہیں اور یہ لوگ بندروں کی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے۔ ان

لوگوں نے دروازہ کھولا تو بندر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو پہچان رہے تھے لیکن خود ان کے رشتہ دار بندروں کو پہچان نہیں پا رہے تھے۔ بندر اپنے رشتہ داروں کے قریب آتے۔ جن لوگوں نے انہیں اس معصیت کو اختیار کرنے سے روکا تھا وہ ان سے کہا کرتے کیا ہم نے تمہیں اس برے عمل سے نہیں روکا تھا تو بندر اپنے سر ہلا کر "جی ہاں" کا اظہار کرتے تھے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ ہم بہت ساری برائیاں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں برا نہیں جانتے اور ان سے منع کرتے ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس بستی کے جوان بندر بن گئے اور بوڑھے سور بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ بس تھوڑی دیر زندہ رہے اور پھر مر گئے ان کی نسل آگے نہیں چلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ضحاک نے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی مسخ شدہ قوم تین دن سے زائد زندہ نہیں رہی۔ ان لوگوں نے کھایا پیا نہیں اور ان کی نسل بھی آگے نہیں چلی۔ اس سلسلے میں ہم نے سورۃ البقرہ اور سورۃ الاعراف میں کافی تفصیل سے روایات نقل کی ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہوئے تھے شکل سے وہ بندر اور سور نہیں تھے قرآن کریم میں اللہ نے ان کی مثال بیان کی ہے۔ جس طرح فرمایا "کمثل الحمار یحمل اسفارا" لیکن یہ بات قرآن کریم کے ظاہر کے خلاف ہے اسی طرح اسلاف سے جو روایات منقول ہیں ان کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

قصہ لقمان

حضرت لقمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اور ہم نے لقمان کو حکمت بخشی کہ خدا کا شکر کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور لائق حمد وثنا ہے اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ شریک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخرکار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کے رستے پر چلنا۔ پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں خدا اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا باریک بین (اور) خبردار ہے۔ بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور) کچھ شک نہیں کہ سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔"

(سورۂ لقمان، ۱۹)

لقمان کون تھے؟:...... لقمان کو لقمان بن عنقاء بن سدون بتایا جاتا ہے لیکن سہیلی نے ان کا نام ابن جریر اور قتیبی کے حوالے سے لقمان بن ثاران بتایا ہے اور کہا ہے کہ انہیں اس نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

سہیلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ لقمان ایلہ کے نوبہ کے رہنے والے تھے

بہرحال ہماری تحقیق کے مطابق اور جیسے کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے: بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ عبادت گزار اور حکمت عظیمہ کے مالک تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بھی قاضی تھے واللہ اعلم۔

سفیان ثوری نے اشعث عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ لقمان حبشی غلام اور نجار (بڑھئی) تھا۔

لقمان کا حلیہ مبارک:..... قتادہ عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہ آپ کی لقمان کے بارے میں کیا معلومات ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ پستہ قد اور چپٹی ناک والے تھے اور جابر بن عبداللہ نے کہا کہ وہ نوبہ کے رہنے والے تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری سعید بن مسیب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان مصری سوڈانی تھے ان کے ہونٹ موٹے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت ملی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے محروم رکھا تھا۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن حرملہ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص حضرت سعید بن مسیب کے پاس کچھ پوچھنے آیا تو انہوں نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سیاہ فام لوگوں میں سے تین بہترین افراد گزرے ہیں۔ بلال، مہجع جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور لقمان حکیم۔ لقمان حکیم سیاہ رنگ کے حبشی تھے اور ان کے ہونٹ موٹے موٹے تھے۔ اعمش مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ لقمان سیاہ رنگ کے تھے، ہونٹ موٹے موٹے تھے اور دونوں پاؤں پھٹے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قاضی تھے۔ جب ایک شخص ان کے پاس آیا جب کہ وہ لوگوں کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس شخص نے پوچھا کیا آپ وہی نہیں ہیں جو فلاں جگہ میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ آپ اس مقام تک کیسے پہنچے جہاں میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: سچائی اور فضول باتوں سے خاموشی، جس کی وجہ سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔

ابن ابی حاتم عبدالرحمن بن ابی یزید بن جابر کی روایت نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان حکیم کو ان کی حکمت اور دانائی کی وجہ سے مقام عطا فرمایا۔ ایک شخص آپ سے ملا جو پہلے سے آپ کو جانتا تھا اس نے پوچھا کیا آپ فلاں کے بیٹے کے غلام نہیں ہیں جو پہلے میری بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ اس نے پوچھا آپ کو یہ مقام جو میں دیکھ رہا ہوں اس تک آپ کو کس نے پہنچایا؟ فرمایا: اللہ کی تقدیر، امانت کی ادائیگی، سچی بات اور فضول باتوں سے پرہیز۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ عمرو نے مجھے عبدالرحمن بن حرملہ سے روایت سنائی کہتے ہیں کہ لقمان حکیم کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کیا آپ لقمان ہیں؟ کیا آپ بنی فلاں کے غلام ہیں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کیا آپ وہی بکریاں چرانے والے سیاہ فام شخص ہیں؟ فرمایا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ میں سیاہ ہوں لیکن آپ کو کس بات پر تعجب ہے؟ اس نے کہا لوگوں کی کثرت کے ساتھ آپ کے پاس آنا اور آپ کے دروازے پر ہجوم اور آپ کی باتوں سے خوش ہونا۔ فرمایا: اے بھتیجے! اگر تم بھی ان باتوں پر عمل کرو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں تو تم بھی ایسے ہو جاؤ گے۔ اس نے کہا وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، زبان کو قابو میں رکھنا، حلال کھانا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کا خیال رکھنا اور فضول باتوں کو ترک کرنا۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کی وجہ سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے حضرت لقمان حکیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو مال، اولاد، اہل و عیال، حسب و نسب اور حسن میں سے کچھ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ آپ بہت خاموش طبع، بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے، گہری نظر والے تھے۔ دن میں کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھے گئے اور کسی نے آپ کو تھوکتے یا ناک صاف کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی نے پیشاب پاخانہ کرتے کسی نے نہیں دیکھا۔ غسل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ فضول کام میں کبھی نہیں لگے اور نہ کبھی ہنسے۔ آپ اپنی بات دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، ہمیشہ حکمت کی بات کرتے۔ آپ نے شادی کی اور اللہ نے اولاد بھی دی، جب وہ فوت ہو گئے تو آپ ان کے مرنے پر روئے نہیں۔ آپ بادشاہوں اور حکام کے پاس جاتے تھے تاکہ ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور انہی باتوں کی وجہ سے آپ کو یہ مقام حاصل ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی نگرانی میں آپ کے پاس رہے

اور یوں سے گھرا گئے تھے۔ آپ نے حکمت اختیار کی کیونکہ یہ آپ کے لئے آسان تھی۔ یہ قتادہ کی روایت ہے تاہم یہ بات قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا کہ لقمان نبی تھے۔ تاہم یہ بھی ضعیف ہے۔ جمہور علماء کی روایت سے جو بات مشہور ہوئی وہ یہ ہے کہ لقمان حکیم اور ولی اللہ تھے۔ نبی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ آپ کی تعریف کی اور آپ کی باتیں نقل کیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی وہ بھی نقل فرمائی۔ آپ نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا اور اسی کے ارتکاب سے ڈرایا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم" نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے اس کو بہت مشکل خیال کیا اور رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہ کیا ہو۔ اس پر جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ کیا آپ لوگوں نے لقمان کی بات نہیں سنی۔

"یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم"

آگے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرنے کے ساتھ ان کے حقوق بھی بیان فرمائے۔ یہاں تک کہ اگر وہ مشرک ہوں پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ البتہ اگر وہ شرک کرنے کو کہیں تو اس بات کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحت کو نقل فرمایا کہ ظلم چھوٹا۔ چھوٹا کیوں نہ ہو اور پھر وہ پتھر کے اندر ہی کیوں نہ کیا جائے تو اللہ پاک اس کو بھی شمار کریں گے اور میزان عدل میں اس کو بھی لایا جائے گا۔ اسی کو دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

> "اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔" (سورۃ انبیاء: ۴۷)

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ ظلم مقدار اور وزن کے لحاظ سے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو چاہے چٹان کے اندر جس کا کوئی دروازہ اور روشن دان بھی نہ ہو اس کے اندر بھی یہ ظلم کیا جائے اور چاہے زمین کی گہرائیوں کے اندر یا آسمان کی وسعتوں میں ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو لا حاضر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ اور مخفی ہوئی نہیں ہے۔ سورۃ انعام میں فرمایا کہ کوئی بھی پتا اگر گرتا ہے تو اللہ کو پتا ہوتا ہے۔ زمین کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں اگر کوئی دانہ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی تر اور خشک چیز ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پتہ ہوتا ہے اور ان سب کا تذکرہ اللہ کی کتاب میں ہوتا ہے۔ سورۃ نمل میں ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی چیز مخفی ہوئی ہو وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہوتی ہے۔ سورۃ سبا میں ہے کہ اللہ پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے آسمان و زمین میں کوئی چھوٹی بڑی چیز چھپ نہیں سکتی۔ قرآن کریم میں "فتکن فی صخرۃ" کا جو لفظ آیا ہے اس میں سدی، عطیہ عوفی، ابی مالک ثوری اور منہال بن عمرو وغیرہ نے کہا کہ یہ پتھر ساتویں زمین کے اندر کوئی پتھر ہے۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے بلکہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہاں پتھر ہی مراد ہے اس لئے کہ یہاں "صخرۃ" کو نکرہ اور عام رکھا گیا ہے۔ اگر اس سے وہی پتھر مراد ہوتا جو کہ وہ حضرات کہہ رہے ہیں تو اس کو "فتکن فی الصخرۃ" کہہ کر معرفہ لایا جاتا۔ یہاں معرفہ مراد نہیں ہے بلکہ کوئی بھی صخرہ ہو۔ اس کی وضاحت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص کسی ایسے پتھر کے اندر کوئی عمل کرے اس پتھر میں کوئی دروازہ کوئی کھڑکی اور روشن دان کچھ نہ ہو تب بھی وہ عمل جیسا بھی ہو اس کے عمل کا نتیجہ لوگوں میں ظاہر ہوگا۔

آگے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹے! نماز کو اس کی تمام حدود اور واجبات کے ساتھ ادا کرو۔ اوقات کی پابندی، رکوع اور سجود اور خشوع و خضوع سب کی رعایت کرو۔ نیک اعمال کا لوگوں کو تلقین کرتا رہ اور انہیں غلط کام سے روکا کر۔ اگر ہاتھ سے روک سکتے ہو تو ہاتھ سے روکنا ورنہ زبان سے روکنا اگر ایسا بھی نہ کر سکتے ہو تو دل سے برا جاننا۔

آگے صبر کی تلقین کی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لوگوں کی طرف سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا صبر سے کام لو اس لئے کہ صبر کرنے سے آگے آسانی پیدا ہوگی اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ آگے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا اس

طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز تو نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے سمٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا لہٰذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر ناز نخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔ ابوداؤد میں جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا "ان اللہ لایحب کل مختال فخور" کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔ آگے تلقین کی گئی ہے کہ صرف چلنے میں ہی میانہ روی اختیار کرنے پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ بات چیت اور ایک دوسرے کو پکارنے اور مخاطب کرتے وقت بھی میانہ روی سے کام لیا کرو، بلند آواز میں بات نہ کرو، اونچی اور ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ رات کے وقت گدھے کی آواز سن کر استعاذہ پڑھا کرو، کیونکہ گدھا اس وقت شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔ اسی لئے آواز کو بلند کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ خاص طور سے چھینکنے کے وقت آواز کو پست کرنا اور منہ کو بند کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ یہی جناب نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ رہی بات اذان، قتال کے لئے بلانے اور چاند کے نظر آنے کی خبر بلند آواز سے دینے کی تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت لقمان حکیم کی حکمت و موعظت اور امور خیر کی تلقین پر مبنی باتیں نقل کی ہیں، اس کے علاوہ آپ کی باتوں اور مواعظ پر مشتمل بہت ساری روایات موجود ہیں۔ بلکہ آپ سے منقول ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "حکمت لقمان" ہے۔ یہاں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز امانت رکھواتے ہیں تو اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم قاسم بن مخیمرہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تکلف سے بچو اس لئے کہ یہ رات کو خیانت ہے اور دن میں قابل مذمت۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! حکمت اور دانشمندی نے مساکین کو شاہوں کی مجلسوں میں پہنچایا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عون بن عبداللہ نے لقمان حکیم کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ بیٹا! جب تم کسی مجلس میں جاؤ تو انہیں سلام کرو اور ان کے ساتھ مجلس کے سرے میں بیٹھ جاؤ اور خاموش رہو۔ جب تک وہ بات مکمل نہ کرلیں، اگر وہ ذکر اللہ میں لگ جائیں تو ان کے ساتھ مزید وقت بیٹھے رہو اور اگر وہ کسی اور بات میں لگ جائیں تو وہاں سے کسی اور جگہ چلے جاؤ۔ مسند احمد میں حفص بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے پاس رائی کے دانوں کا ایک تھیلا لیا اور اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے لگے اور ہر نصیحت پر ایک ایک دانہ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ تھیلا ختم ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا، بیٹے! میں نے تمہیں اتنی نصیحت کی ہے کہ اگر یہ نصیحت کسی پہاڑ کو کی جاتی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کا بیٹا بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔

ابوالقاسم طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ سیاہ لوگوں کا اکرام کرو، اس لئے کہ ان میں سے تین افراد جنت کے سرداروں میں سے ہے۔ ایک لقمان حکیم، دوسرے نجاشی اور تیسرے بلال یعنی بلال حبشی مؤذن رسول۔ البتہ اس حدیث کا درجہ کافی کم ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الزہد" میں لقمان حکیم کے ذکر میں اور بھی بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے مجاہد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "ولقد آتینا لقمان الحکمة" میں حکمت سے مراد اصابت رائے اور سمجھ بوجھ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے۔ حضرت سعید بن المسیب کا کہنا ہے کہ حضرت لقمان درزی تھے۔ لوگوں کے کپڑے سیا کرتے تھے۔ مالک بن دینار کا کہنا ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹے اللہ کی اطاعت تجارت سمجھ کر کرو تو تمہیں سامان کے بغیر منافع حاصل ہوں گے۔ محمد بن واسع نے فرمایا کہ لقمان اپنے بیٹے سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹے اللہ سے ڈرو لیکن اللہ سے ڈرنا لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ ہو کہ اس سے لوگ تمہارا اکرام کرنے لگیں، ایسی صورت میں تمہارا دل گنہگار ہوگا۔ خالد ربعی کا کہنا ہے کہ لقمان حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔ آپ کے مالک نے کہا کہ لقمان! میرے لئے ایک بکرا ذبح کرو تو

آپ نے بکرا ذبح کر دیا۔ مالک نے آپ سے کہا کہ اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لاؤ۔ آپ نے زبان اور قلب لے جا کر دیا تو مالک نے پوچھا کہ کیا اس میں ان دونوں سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نہیں، ان سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مالک کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر بولے کہ ایک اور بکرا ذبح کرو تو آپ نے ذبح کر دیا۔ اب بولے کہ اس میں سے سب سے خراب دو حصے پھینک دو تو آپ نے زبان اور قلب پھینک دیئے۔ اب مالک بولے کہ پہلے میں نے بولا تھا کہ اس کی دو بہترین چیزیں مجھے لا کے دو تو تو نے زبان اور قلب لا کر دیا اور جب میں نے اس میں سے سب سے خراب چیزیں گرا دینے کو کہا تو بھی زبان اور قلب گرا دیئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جب زبان اور قلب ٹھیک ہوں تو پورے جسم میں ان سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے اور جب یہ دونوں خراب ہو جائیں تو پورے جسم میں ان سے زیادہ خراب چیز اور کوئی نہیں ہے۔

ابو عثمان نے کہا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جاہل کی صحبت میں رغبت مت رکھ۔ اس لئے کہ اس سے وہ سمجھ بیٹھے گا کہ اس کے کام سے تو خوش اور راضی ہے اور دانشور اور حکیم کی ناراضگی کو کم درجے کی چیز مت سمجھ کہ اس کی وجہ سے وہ تم سے بے رغبت ہو جائے گا۔ عبداللہ بن زید نے کہا کہ لقمان نے کہا: سنو! حکماء کی زبانوں پر اللہ کی مدد ہوتی ہے، یہ لوگ صرف وہی بات کہتے ہیں جو انہیں اللہ کی طرف سے ملتی ہیں۔ سفیان نے کہا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! میں خاموشی پر کبھی پشیمان نہیں ہوا اور اگر بات چاندی کی ہو تو خاموشی سونے کی ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹے، برائی سے دور رہو، برائی تم سے دور رہے گی۔ کیونکہ برائی برائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حکمت میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹے! حرص سے بچو، اس لئے کہ حرص رشتوں کو دور کر دیتی ہے اور حکمت کو بھی اسی طرح ختم کر دیتی ہے جس طرح خوشی کو ختم کر دیتی ہے۔ بیٹے زیادہ غصے سے پرہیز کرو اس لئے کہ غصے کی زیادتی دانشور کے دل کے لئے موت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عبید بن عمیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: بیٹا! اپنے فائدے کے لئے مجلسوں میں بیٹھا کر۔ جب دیکھو کہ مجلس میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ اس لئے کہ اگر تم عالم ہو تو تمہارا علم تمہیں فائدہ دے گا اور اگر تم جاہل اور ناواقف ہو تو وہ تمہیں سکھا دیں گے۔ اگر اللہ کی طرف سے ان پر کوئی رحمت نازل ہوتی ہے تو تمہیں بھی رحمت پہنچ جائے گی۔ بیٹا کسی ایسی مجلس میں مت بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو رہا ہو اس لئے کہ اگر تم عالم ہو تو اس وقت تمہارا علم تمہیں فائدہ نہیں دے گا اور اگر تم عالم نہیں ہو تو وہ تمہاری جہالت میں مزید اضافہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ان پر اپنی ناراضگی کا وبال نازل کرے تو وہاں تمہارے اوپر بھی نازل ہو گا۔ اے بیٹے! کسی ایسے شخص پر رشک مت کر جس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلمانوں کے خون سے رنگا ہو اس لئے کہ اللہ کے ہاں اس کا بھی قاتل موجود ہے اور اس کے بغیر دوسرے کچھ نہیں۔

عروہ کا کہنا ہے کہ حکمت میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹے! آپ کی بات اچھی ہونی چاہئے اور آپ کو خوش مزاج ہونا چاہئے، اگر ایسا ہو جائے تو تم لوگوں میں ان لوگوں سے بھی زیادہ پسندیدہ بن جاؤ گے جو لوگوں کو ہدیے اور بخشش دیتے ہیں۔ عروہ نے یہ بھی بتایا کہ حکمت میں یا تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ نرمی حکمت اور دانشوری کی جڑ ہے۔ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جس طرح تم لوگوں پر رحم کرو گے تمہارے ساتھ بھی رحم کیا جائے گا۔ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جیسے بوؤ گے ویسے ہی کاٹو گے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے دوست سے محبت کر یا اپنے دوست کے باپ سے محبت کر۔ لقمان سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ صابر شخص کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ایسا صبر جس کے بعد پریشانی نہ ہو۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص زیادہ صاحب علم ہے؟ جواب دیا کہ جو لوگوں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرے۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص بہتر ہے۔ فرمایا کہ "غنی"۔ پوچھا گیا کہ غنی سے کیا مراد ہے؟ کیا ایسا شخص جس کے پاس مال ہو؟ فرمایا کہ نہیں۔ غنی وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کوئی بھلائی اور خیر تلاش کی جائے تو مل جائے۔ بصورت دیگر خود کو دوسروں سے بے نیاز رکھے۔ پوچھا گیا کہ کونسا شخص برا ہے تو فرمایا: وہ شخص جو اعلانیہ گناہ کرتے ہوئے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا ہو۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حکمت کی باتوں میں پایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشات کے مطابق بات کرنے والوں کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ وہاں یہ لکھا پایا کہ نامعلوم چیز کو معلوم کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح معلومات پر عمل کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی نے لکڑیاں چن کر گٹھا بنایا ہو اور پھر اسے اٹھانے لگا تو اس سے وہ اٹھا نہیں تو اس نے مزید لکڑیاں اکٹھی کر کے ایک اور گٹھا بنا لیا ہو۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ بیٹا! تمہارا

کھانا نیک لوگ کھائیں اور اپنے معاملات اور مسائل میں علماء سے مشورے لیا کرو۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے نبوت کی بجائے حکمت کو اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خواب میں آ کر آپ کے اندر حکمت ڈال دی۔ اس کے بعد سے آپ حکمت کی باتیں کہنے لگے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبوت پر حکمت کو کیوں فوقیت دی جبکہ آپ کو رب کی طرف سے انتخاب کا حق دیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا، اگر مجھے نبوت بطور فریضہ اور ذمہ داری دی جاتی تو مجھے اس میں کامیابی کی امید تھی اور یہ ذمہ داری نبھانا میرے لئے آسان ہوتا جبکہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ مجھے تو اختیار دیا گیا تھا، لہٰذا میں نبوت کی ذمہ داری اٹھانے سے ڈر گیا۔ اس لئے مجھے حکمت پسند ہے۔ یہ روایت قابل غور ہے۔

قصہ اصحاب الاخدود

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

ترجمہ:...... "آسمان کی قسم جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی، کہ خندقوں کے (کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے۔ یعنی (آگ کی خندقیں جس میں ایندھن) جھونک رکھا تھا۔ جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو سختیاں اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے ان کو مومنوں کی یہ بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے۔ وہی جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔" (سورۃ البروج: ۱-۱۰)

محمد بن اسحاق کا خیال ہے کہ اصحاب الاخدود کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔ بعض لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ایک تیسرے گروہ کی رائے مذکورہ دونوں سے مختلف ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ ان قرآنی آیات میں جس واقعے کا ذکر ہے اس طرح کے واقعات دنیا میں بہت پیش آئے ہیں۔

لیکن قرآن میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ان کے بارے میں مسلم، مسند احمد اور نسائی میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق نے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ ان دونوں کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک جادوگر تھا۔ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا، اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مرنے والا ہوں۔ آپ کوئی نوعمر لڑکا مجھے دے دیں کہ اسے اپنا فن سکھا سکوں۔ بادشاہ نے جادوگر کی حسب خواہش ایک نوعمر لڑکا اس کے پاس بھیج دیا۔ لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا۔ بادشاہ اور جادوگر کے درمیان ایک راہب تھا، لڑکا اس راہب کے پاس بھی جانے لگا۔ لڑکے کو راہب کی باتیں پسند آنے لگیں۔ وہ جادوگر کے پاس جاتا تو اسے دیر سے جانے پر مار پڑتی اور گھر جانے پر گھر والے پٹائی کرتے۔ اس نے راہب کو اپنی پریشانی بتائی تو راہب نے یہ طریقہ سکھایا کہ جادوگر مارنے لگے تو بتانا کہ گھر سے آتے ہوئے دیر ہو گئی اور گھر والے مارنے لگیں تو کہنا کہ جادوگر کے پاس دیر ہو گئی۔

ایک دن وہ جا رہا تھا، اس نے دیکھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔ اس نے کہا کہ آج مجھے پتہ چل جائے گا کہ جادوگر اللہ کا محبوب ہے یا راہب۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے اللہ اگر راہب آپ کو محبوب ہے تو اس جانور کو ختم فرما دے تاکہ لوگوں کا راستہ کھل جائے اور پھر پتھر دے مارا تو جانور مر گیا۔ اس نے جا کے راہب کو صورتحال بتا دی تو راہب نے کہا کہ بیٹا! تو مجھ سے بڑھ گیا ہے۔ البتہ تجھ پر آزمائش آنے والی ہے۔ اگر تجھ پر آزمائش آ گئی تو میرا پتا کسی کو نہ بتانا۔ اب وہ لڑکا مادرزاد اندھوں، برص کے بیماروں اور ہر طرح کے مرض میں مبتلا لوگوں کا کامیاب علاج کرنے لگا۔ اللہ نے اس کے ہاتھ میں شفا رکھ دی۔ اس دوران بادشاہ

کا ایک درباری اندھا ہو گیا۔ اس لڑکے کے بارے میں سنا تو بہت سارے ہدایا اور تحائف لے کر اس کے پاس پہنچ گیا اور کہا کہ مجھے شفا بخش دو گے تو یہاں جو کچھ ہے یہ سب تمہارا ہو جائے گا۔ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینے والا اللہ ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ سے دعا کرو گے تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے دعا کی تو اسے شفا مل گئی۔ اس کے بعد وہ شخص بادشاہ کے پاس آیا اور اس جگہ بیٹھ گیا جہاں بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تمہاری آنکھیں کس نے ٹھیک کیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے رب نے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اس پر بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارا رب میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اب بادشاہ اسے اس وقت تک سزا دیتا رہا جب تک اس نے مذکورہ لڑکے کا نام پتہ نہ بتا دیا۔ اب لڑکے کو لایا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ لڑکے! مجھے پتا چلا ہے کہ تیرے پاس کوئی جادو ہے جس کی مدد سے تو مادرزاد اندھوں اور برص میں مبتلا لوگوں اور دیگر بیماریوں کا علاج کرتا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں تو کسی کو شفایاب نہیں کرتا بلکہ اللہ عزوجل شفا دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کیا وہ میں ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر بادشاہ کہنے لگا کہ کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ تو لڑکے نے جواب دیا کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اسے بھی سزا دینی شروع کر دی اور اس وقت تک سزا دیتا رہا جب تک اس نے راہب کا پتہ نہ بتا دیا۔ اب راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ۔ راہب نے انکار کر دیا تو اسے آرا سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ اب اس اندھے سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا جس کو لڑکے نے اللہ کے حکم سے شفایاب کیا تھا۔ اس نے بھی انکار کر دیا تو اس کے ساتھ بھی وہی عمل دہرایا گیا جو راہب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آخر میں لڑکے سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے انکار کر دیا تو لڑکے کو ایک قافلے کے ساتھ کر دیا اور اسے کسی پہاڑ کی طرف روانہ کر دیا اور کہا کہ تمہارے اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے تک اگر یہ اپنے دین سے پھر جاتا ہے تو تم اسے واپس لے آنا، بصورت دیگر اسے وہیں سے نیچے لڑھکا دینا۔ یہ لوگ جب لڑکے کو لے کر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے تو لڑکے نے دعا کی کہ اے اللہ تو ان کے ساتھ جیسے مرضی ہو برتاؤ کر اور تو میری طرف سے ان کے لئے کافی ہو جا۔ اس کے بعد پہاڑ اس زور سے ہلنے لگا کہ وہ سب لڑھک گئے۔ اب وہ لڑکا ایک مرتبہ پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان کا کیا بنا؟ تو لڑکے نے جواب دیا اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس مرتبہ بادشاہ نے اسے ایک گروہ کے ساتھ سمندر کے راستے میں بھیج دیا اور تاکید کی کہ وہاں پہنچنے کے بعد لڑکا اگر اپنے دین سے پھر جاتا ہے تو واپس لے آنا، بصورت دیگر اسے سمندر میں غرق کر دینا۔ جب یہ لوگ سمندر میں گئے تو لڑکے نے دعا کی کہ اے اللہ تو ان کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق سلوک کر۔ اس پر سارے لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان کا کیا بنا؟ تو لڑکے نے جواب دیا۔ اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ آپ جب تک وہ کام نہ کریں گے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں اس وقت تک آپ مجھے نہیں مار سکتے۔ بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ۔ لڑکے نے بتایا کہ لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر کے مجھے سولی سے باندھ دو۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر لو اور "اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے" کہہ کر تیر چلا دو۔ اگر آپ اس طرح کر لیں تو آپ مجھے مار سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ اب لوگوں نے نعرہ لگایا کہ "ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔"

بادشاہ سے درباریوں نے کہا کہ آپ جس بات سے ڈرتے تھے وہ بات ہو گئی۔ سارے لوگ تو مسلمان ہو گئے۔ اب بادشاہ نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں آگ بھر دی اور اعلان کروا دیا جو اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آتا ہے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو نہ لوٹے اسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ یکے بعد دیگرے لوگ لائے اور ڈالے جا رہے تھے۔ اس دوران ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا، اس کو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو، کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

اس واقعہ کو محمد بن اسحاق نے دوسرے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اہل نجران مشرک تھے، بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ نجران کے قریب ایک بستی میں ایک جادوگر رہا کرتا تھا۔ وہ اہل نجران کے لڑکوں کو جادو سکھایا کرتا تھا۔ اس دوران ایک شخص نے نجران اور اس کی بستی کے درمیان پڑاؤ ڈالا اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص تامر نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کو نجران کے لڑکوں کے ساتھ جادو سیکھنے بھیجنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن تامر جب خیمہ کے پاس سے گزرتا تو اسے خیمہ کے اندر موجود شخص کی عبادت اور نماز میں مصروفیت اچھی لگتی۔ اب اس نے خیمہ میں جانا

شروع کر دیا اور اس کی باتیں بھی سننے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا اور بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی بندگی اور اس کی وحدانیت کا قائل ہو گیا۔ اسلام کے ارکان اور اس کی باتیں سیکھنے لگا۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن تامر نے اس سے "اسم اعظم" کا پوچھا تو اس نے باوجود اس بارے میں جاننے کے اس سے چھپا دیا اور اس سے کہا کہ بھتیجے تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس کی وجہ سے تو کمزور ہو جائے گا۔ عبداللہ کا باپ تو سمجھتا تھا کہ اس کا بیٹا بھی دوسرے لڑکوں کی طرح جادوگر کے پاس جاتا ہے۔ عبداللہ کے خیال میں اس کا استاد اسے اسم اعظم بتانے میں بخل سے کام لے رہا ہے اور اس کے کمزور ہو جانے کا خوف محسوس کر رہا ہے۔ اب اس نے بہت سارے تیر اکٹھے کیے اور ہر تیر پر اس نے اللہ کا ایک ایک نام لکھا اور اپنی معلومات کے مطابق اس نے اللہ کے تمام نام الگ الگ تیروں میں لکھ کر سب کو اکٹھا کر کے اس نے آگ جلائی اور پھر ایک ایک تیر آگ میں ڈالنے لگا۔ اسم اعظم والا تیر اس نے ڈالا تو وہ اچھل کر باہر آ گیا۔ وہ آگ میں جلنے سے محفوظ رہا۔ اس نے وہ تیر لیا اور اپنے استاد کو جا کر بتایا کہ اسے اسم اعظم کا پتہ چل گیا ہے۔ استاد نے اس سے پوچھا تو اس نے اسم اعظم بتا دیا۔ استاد نے اس سے کہا کہ تمہیں کیسے پتا چلا؟ تو اس نے طریقہ بتا دیا۔ استاد نے کہا کہ بھتیجے تمہیں صحیح معلوم ہوا۔ اب تم اسے اپنے اوپر قابو پاؤ۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ تم کس طرح کر پاؤ گے۔ اب عبداللہ بن تامر نجران جاتا تو کوئی مصیبت میں گرفتار شخص اسے نظر آتا تو اس سے کہتا کہ اللہ کے بندے تو اللہ کو ایک مان۔ میرے دین میں داخل ہو جا۔ میں تیرے لئے دعا کروں گا تو اللہ تجھے تندرست کر دے گا اور تو پریشانی سے نجات پا لے گا۔ وہ شخص ہاں کہتا تو عبداللہ بن تامر اس کے لئے دعا کرتا تو اسے شفا مل جاتی۔ اس طرح اس کی شہرت نجران کے بادشاہ تک پہنچ گئی تو بادشاہ نے اسے بلوا کر کہا کہ تو نے علاقے کے لوگوں کو میرے خلاف کر دیا اور میرے اور میرے باپ دادا کے دین کی مخالفت شروع کر دی۔ میں تجھے قتل کر کے تیرے جسم کے اعضاء کے ٹکڑے کر دوں گا۔ عبداللہ نے کہا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے اسے بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے گرانے کے لئے بھیجا تو نیچے آ جاتا لیکن اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچتی۔ جب اسے نجران کے ایسے سمندروں میں ڈبویا جاتا جہاں ہر چیز گر کر ختم ہو جاتی ہے تو یہ وہاں سے بھی صحیح سالم نکل آتا اور اسے کوئی آنچ نہیں آتی۔ جب شاہ نجران اس سے تنگ آ گیا تو عبداللہ بن تامر نے اس سے کہا کہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تو اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو گیا اور اس کی ذات پر ایمان لے آئے جس پر میں ایمان لایا ہوں تو اس صورت میں تو مجھے قابو کر کے قتل کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ نجران اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو گیا اور عبداللہ بن تامر کے کہنے کے مطابق ایمان لے آیا۔ اس کے بعد اپنی لاٹھی سے عبداللہ بن تامر کو مارا تو وہ معمولی زخمی ہو گیا اور مر گیا۔ اس کے ساتھ بادشاہ بھی مر گیا۔ ان دونوں کی موت کے بعد اہل نجران عبداللہ بن تامر کے دین پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ وہی دین ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تھے۔ بعد میں اہل نجران بہت سے گروہوں میں بٹ گئے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ذونواس قبیلہ حمیر کا ایک لشکر لے کر اہل نجران کے پاس گیا اور انہیں دین یہودیت کی طرف دعوت دی اور قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی۔ ان لوگوں نے ذونواس کی بات نہ مانی اور قتل ہو جانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ان لوگوں کے لئے خندقیں کھودی گئیں اور آگ میں انہیں ڈالا گیا۔ بہت ساروں کو تلواروں سے قتل کیا گیا اور انہیں مثلہ بنا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس طرح بیس ہزار افراد کو قتل کیا گیا۔ ذونواس اور اس کے لشکر کے بارے میں سورۃ البروج میں کہا گیا کہ "خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی طویل روایت کا ان آیتوں میں ذکر کردہ واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خندقوں میں آگ جلانے کا واقعہ دنیا میں ایک نہیں ہے بلکہ اس طرح کے واقعات دنیا میں بہت ہوئے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ یمن میں تبع کے زمانے میں خندقیں کھودی گئیں، قسطنطنیہ میں قسطنطین کے زمانے میں جب نصاریٰ نے اپنا قبلہ دین مسیح اور توحید سے پھیر دیا تھا اس وقت ایک تنور جلایا گیا اور اس میں ان نصاریٰ کو ڈالا گیا جو دین مسیح اور توحید پر قائم تھے۔ سرزمین عراق میں بابل میں بخت نصر کے زمانے میں بت بنا کر لوگوں کو اس کی پرستش کرنے کا حکم دیا گیا تو دانیال اور اس کے دو ساتھی عزریا اور مشائیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تو ان کے لئے ایک تنور جلایا گیا جس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلائی گئی اور ان کو اس میں ڈالا گیا تو اللہ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر کے ان کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک کا باعث بنا دیا اور صرف انہیں اس سے نجات دی بلکہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو اس میں ڈال دیا۔ یہ نافرمان نو افراد تھے جنہیں آگ نے ختم کر دیا۔ بعض لوگوں نے اخدود یعنی خندقوں کے بارے میں بتایا کہ ان کی تعداد تین تھی۔ ایک شام میں، دوسری عراق میں اور تیسری یمن میں۔ اصحاب الاخدود کے بارے میں تفصیلی ذکر سورۃ البروج کی تفسیر میں موجود ہے۔

بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرنے کا ذکر

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ میری حدیثیں بیان کرو، لیکن میری طرف سے جھوٹ مت بولو، جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو اگر کسی نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرا پیغام پہنچاؤ، اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ ہمیں ساری رات بنی اسرائیل کے واقعات بیان فرماتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اس دوران ہم صرف نماز کے لئے ہی اٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ بنی اسرائیل کے بارے میں بتاؤ کیونکہ ان میں بڑی عجیب عجیب باتیں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے بارے میں فرمانے لگے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایک قبرستان میں گئے اور ایک قبر کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ شاید یہاں کوئی مردہ ظاہر ہو جائے تو ہم اس سے موت کے بارے میں پوچھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو ایک آدمی نے قبر کے اندر سے سر نکالا۔ جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدے کا نشان تھا۔ اس نے کہا لوگو! تمہیں مجھ سے کیا کام پڑ گیا ہے؟ مجھے مرے ہوئے سو سال ہو گئے ہیں لیکن اب تک مجھ سے موت کی گرمی ختم نہیں ہوئی تم لوگ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے پہلی حالت میں لوٹا دے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں حدیث بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں صحیح طور پر روایت کی گئی ہیں وہ بیان کی جائیں نہ کہ غلط باتیں جن کا اصل سے کوئی تعلق نہ ہو وہ بھی بیان کر دی جائیں، ہمارا بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے صحیح ہونے کا یقین بھی کر لیا جائے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر مسلمانوں کے لئے عربی زبان میں کیا کرتے تھے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ تم لوگ اہل کتاب کی نہ تصدیق کیا کرو نہ تکذیب کرو بلکہ تم کہا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو تمہاری طرف نازل کی گئی، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی جناب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا وہ کہنے لگا کیا یہ جنازہ بات کر سکتا ہے؟ تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات کر سکتا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تمہیں کچھ بتائیں تو تم ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو، بلکہ تم کہو کہ ہم اللہ پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ لہٰذا اگر ان کی بات صحیح ہے تو تمہاری طرف سے اس کی تکذیب نہیں ہوئی اور اگر ان کی بات غلط ہو تو تمہاری طرف سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کتاب لے کر جناب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ کتاب آپ کو کسی اہل کتاب سے ملی تھی۔ آپ نے جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے وہ کتاب پڑھنا شروع کر دی تو آپ ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کیا اے ابن خطاب! کیا تم اس میں پڑنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے پاس صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ تم ان سے پوچھو تو وہ اس کا سچا جواب دیں، ہو سکتا ہے کہ ان کی بات غلط ہو اور تم اس غلط کی تصدیق کر لو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے کتب سماویہ میں تحریف کی اور ان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب تحریف شدہ ہے۔ ان لوگوں نے الفاظ کو اپنے موقع اور اپنے معنی سے ہٹا دیا، یہ سب اپنی جہالت کے لئے یا خلاف حق کے لئے کیا گیا تھا۔ اسی طرح ان کے علماء نے بہت ساری تحریف کی اور عبرانی زبان سے عربی زبان میں الفاظ کے ترجمے کرتے ہوئے بھی مفہوم بدل دیتے۔ چونکہ یہ سب اپنے غلط مقاصد کے حصول کے لئے

کرتے تھے، اس لئے عبرانی سے عربی زبان سے ترجمانی کرتے ہوئے بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی توراۃ میں سے بہت کچھ غائب ہے اور جو ہے اس میں بھی بہت زیادہ تحریف ہے۔ اگر کوئی اس کو دیکھے اور غور کرے تو اسے صاف صاف محسوس ہوگا کہ اس کے اندر بہت زیادہ گڑبڑ ہے۔ کعب احبار کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اہل کتاب کے مؤرخین میں ان کا بڑا نام ہے۔ یہ اہل کتاب کی بہت ساری باتیں نقل کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بعض باتوں کو جو حق کے مطابق ہوں سراہتے تھے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ بہت سارے لوگ کعب احبار سے باتیں نقل کیا کرتے تھے۔ خود کعب احبار بھی باتیں نقل کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی بہت سی باتیں حق سے قریب نہیں ہوتی تھیں اور بہت سی باتیں یقیناً غلط ہوتی تھیں اور بہت سی باتیں حق سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے صحیح بھی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف میں کعب احبار کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ اگرچہ کعب احبار اہل کتاب کی باتیں نقل کرنے والوں میں سب سے زیادہ سچے ہیں، تاہم اس کے باوجود ان پر جھوٹ کا اندیشہ رہتا ہے اور یہ جھوٹ ان کے قصد اور ارادے سے شامل نہیں ہوتا۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ لوگ اہل کتاب سے کسی بھی بارے میں پوچھتے ہیں۔ حالانکہ تمہارے پاس موجود قرآن کریم اللہ کی کتابوں میں سب سے جدید ہے۔ تم اسے ضرور پڑھا کرو اس میں ملاوٹ نہیں ہے۔ تمہارے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں رد و بدل کر ڈالا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس میں تحریف کر کے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے عوض تھوڑا سا مال کما لیں۔ تمہارے پاس جو علم ہے یہ تمہارے لئے کافی ہے تم اہل کتاب سے نہ پوچھا کرو۔ بخدا ہم نے ان میں سے کسی بھی شخص کو نہیں دیکھا جو تم سے قرآن کریم کے بارے میں پوچھتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی نہ پوچھا کرو، وہ تمہیں صحیح بات نہیں بتائیں گے، وہ گمراہ ہیں، ان سے پوچھنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو تم حق کی تکذیب کرنے لگو گے یا باطل کی تصدیق کرو گے۔

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندہ جریج کا قصہ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں وہب بن جریر نے بتایا کہ انہیں یعنی وہب بن جریر کو ان کے والد نے محمد بن سیرین سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سن کر سنایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین (نومولود) بچوں کے سوا دنیا میں کسی (نومولود) نے گہوارے میں گفتگو نہیں کی۔ ان میں سے ایک عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تھے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار شخص جریج کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور انتہائی عبادت گزار شخص تھے۔ انہوں نے ایک صومعہ (عبادت خانہ) بنایا تھا اور اس میں شب و روز خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک بدکردار شخص نے بنی اسرائیل کے دوسرے لوگوں سے کہا اگر وہ چاہیں تو وہ جریج کو فریب کار و گنہگار ثابت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ ہاں ہم یہی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے اس کی یہ ترکیب نکالی کہ ایک چرواہی کو جو دن بھر اپنی بکریاں جنگل میں چرا کر شام کو انہیں لے کر جریج کی عبادت گاہ کی دیوار کے پاس آ جاتی اور رات کو وہیں سوتی تھی۔ وہ چرواہی حمل سے تھی اور اس کے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ جب اس چرواہی کے بچہ پیدا ہوا تو اس حاسد اور فتنہ پرداز شخص نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے جا کر کہا کہ چلو چل کر جریج کے کرتوت دیکھ لو۔ چنانچہ وہ لوگ جمع ہو کر جریج کے صومعہ کی دیوار کے پیچھے پہنچے اور اس چرواہی سے جس کا کوئی شوہر نہیں تھا پوچھا کہ تمہارا بچہ کس کا ہے۔ چرواہی نے جیسا اس شخص نے بہکایا اور سکھایا پڑھایا تھا کہا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔

اس عورت کی زبان سے یہ سن کر ان لوگوں نے جریج کو نہ صرف برا بھلا کہا بلکہ گالیاں تک دیں اور ان کا صومعہ بھی منہدم کر دیا۔

ادھر جریج کا عبادت میں یہ حال تھا کہ ان کی ماں کئی بار ان سے گفتگو کرنے صومعہ میں آ چکی تھی اور بار بار انہیں پکار کر کہتی تھی کہ جریج میری

طرف دیکھو میں تمہاری ماں ہوں لیکن وہ سوچتے کہ ماں اور عبادت دونوں میں سے کس کا انتخاب کریں اور آخرکار عبادت کو ترجیح دے کر اسی میں مشغول رہتے اور ماں کو کوئی جواب نہ دیتے لیکن جب پر زنا کاری کا الزام لگایا گیا اور یہ افترا پردازی کی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو اپنی قدرت سے میرے دامن سے لوگوں کے لگائے ہوئے اس غلط الزام کے داغ کو دھو دے اور جب انہیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رب العزت نے ان کی دعا قبول فرمالی ہے تو انہوں نے انہی لوگوں سے کہا کہ وہ اس بچے ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں کہ اس کا باپ کون ہے۔

جریج سے یہ سن کر پہلے تو وہ لوگ ہنسے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے لیکن ان کے اصرار پر انہوں نے اس نومولد بچے سے کہا کہ وہ بتائے کہ اس کا اصلی باپ کون ہے تو اس بچے نے بحکم خداوند تعالیٰ فوراً جواب دیا کہ فلاں چرواہا۔

اس نومولود بچے کو گہوارے میں بولتے دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے اور جریج سے معافی مانگ کر کہنے لگے کہ وہ ان کا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنوا دیں گے اور بہت سارا مال بھی دیں گے۔

ان لوگوں سے یہ سن کر جریج بولے کہ ان کا مٹی سے بنایا ہوا کچا صومعہ ہی ان کے لئے کافی تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی دوسری چیز کے پہلے خواہشمند تھے اور نہ اب ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو مختلف ثقہ راویوں نے جن میں کئی محدثین بھی شامل ہیں بہ اسناد روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جن تین نومولود بچوں کی گہوارے میں گفتگو کا ذکر فرمایا ان میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس جریج نامی شخص کی حمایت میں اس چرواہے کے نومولود بچے کی گفتگو کے علاوہ اس نومولود بچے کا بھی ذکر فرمایا تھا جس نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر لگائے ہوئے غلط الزام کی گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے مدلل تردید کی تھی اور انہیں پاک دامن ثابت کیا تھا۔

اکثر مستند راویوں نے اس آخرالذکر بچے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ آل فرعون کے ایک شخص کا بچہ تھا جو بعد میں ابن ماشطہ کے نام سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم۔

قصہ برصیصا

یہ قصہ راہب جریج کے قصے کے بالکل برعکس ہے کیونکہ راہب جریج کا جو قصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس میں جریج بے گناہ ثابت ہوئے لیکن اس قصے میں جس راہب کا ذکر ہے وہ درحقیقت مجرم تھا۔

اس قصے کو ابن جریر نے یحییٰ بن ابراہیم المسعودی وغیرہ کی زبانی اور اعمش عمارہ عبدالرحمٰن بن یزید اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مذکورہ بالا حضرات نے یہ قصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا جنہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ قصہ بیان کیا۔ وہ آیت قرآنی درج ذیل ہے۔

ترجمہ:...... منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوئے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ (سورۃ حشر: ۱۶۔۱۷)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بکریاں چرایا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے وہ خاتون رات کو ایک راہب کی عبادت گاہ کے پاس سویا کرتی تھی۔ ایک رات راہب نے اس خاتون سے بدکاری کی چنانچہ وہ حاملہ ہو گئی شیطان نے راہب کے پاس آ کر کہا کہ اسے قتل کر کے دفنا دو تم نیک آدمی ہو لوگ تمہاری بات کو سچ جان کر مان لیں گے۔ راہب نے اسے قتل کر کے دفنا دیا کہتے ہیں کہ شیطان اس خاتون کے بھائیوں

کے خواب میں آیا اور ان سے کہا کہ عبادت خانہ میں مصروف عبادت راہب تمہاری بہن کا قاتل ہے اس نے پہلے اس سے بدکاری کی جب وہ حاملہ ہوئی تو اسے قتل کر کے فلاں جگہ دفنا دیا۔ یہ تینوں چار دن میں۔ تھا ایک نے کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا سوچ رہا ہوں کہ بیان کروں یا نہ کروں، دو بھائیوں نے کہا کہ بتاؤ تو اس نے واقعہ بیان کیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی دیکھا، تیسرے نے کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی دیکھا۔ اب سب کہنے لگے کہ کوئی بات تو ہے چنانچہ سب نے ایک ساتھ جا کر دیکھا۔ یہ لوگ اپنے سردار کے پاس گئے۔ وہاں سے راہب کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے تیار کیا اور پھر راہب کو لے کر یہ لوگ سردار کے پاس جانے لگے۔ اس دوران اس کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا میں نے ہی تمہیں اس برائی میں مبتلا کیا ہے اور میں ہی تجھے اس سے نجات دلا سکتا ہوں تو مجھے ایک سجدہ کرے گا تو میں تجھے اس بلا سے بچا لوں گا جس میں تو پھنس چکا ہے اب اس راہب نے شیطان کو سجدہ کیا جب یہ لوگ راہب کو لے کر سردار کے پاس پہنچے تو شیطان نے اس سے برأت کا اظہار کیا۔ ان لوگوں نے اس راہب کو قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ دوسرے انداز میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک راہب نے ساٹھ برس تک عبادت کی، شیطان نے اس کو گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی لیکن اسے بہکانے میں ناکام رہا تو اس نے ایک عورت کے اوپر جن مسلط کر دیا اور اس عورت کے بھائیوں سے کہا کہ تم اس راہب کے پاس اسے لے جاؤ یہ اس کا علاج کرے گا چنانچہ اس کے بھائی اسے لے کر راہب کے پاس گئے اس نے عورت کا علاج شروع کر دیا اور عورت اس کے پاس رہنے لگی۔ راہب اس عورت پر فریفتہ ہو گیا اور اس سے بدکاری کر بیٹھا عورت کو اس سے حمل ہو گیا تو اس نے اسے قتل کر ڈالا جب عورت کے بھائی آئے تو شیطان نے راہب سے کہا کہ میں نے شروع میں تمہیں ورغلانے کی کوشش کی ناکام ہوا تو میں نے یہ کام کر دیا۔ لہٰذا اب تم میری بات مان لو تو تجھے میں بچا لوں گا تو مجھے ایک سجدہ کر لے۔ راہب نے سجدہ کیا تو شیطان نے کہا کہ میں تجھ سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔

تین آدمیوں کا قصہ جو غار میں پھنس گئے تھے

بخاری شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں تین افراد جا رہے تھے کہ بارش شروع ہو گئی وہ لوگ ایک غار میں پناہ لینے کی غرض سے گھس گئے اچانک غار کا منہ بند ہو گیا تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے بھائیو! تمہیں اس مصیبت سے سچائی کے علاوہ کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی لہٰذا ہر شخص اللہ سے اپنی سچائی کا واسطہ دے کر دعا کرے۔ ایک شخص کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرا ایک ملازم تھا اس نے تین صاع چاول پر میرے پاس کام کیا تھا۔ وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے ان چاولوں سے کھیتی باڑی کی کھیتی باڑی کی پیداوار سے آمدنی سے میں نے ایک گائے خریدی اس کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور اپنی اجرت مانگنے لگا تو میں نے کہا کہ یہ گائے لے جاؤ وہ کہنے لگا کہ آپ کے پاس تین صاع کے بقدر چاول تھے۔ میں نے کہا یہ گائے انہی چاولوں کی ہے اس کے بعد وہ گائے لے کر چلا گیا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تو تو ہمارے لئے راستہ بنا دے۔ اتنے میں پتھر تھوڑا سا سرک گیا۔ اب دوسرا کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے۔ میں ان کے لئے ہر رات اپنی بکری کا دودھ لے کر آتا تھا۔ ایک رات مجھے دیر ہو گئی جب گھر آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے جبکہ میرے بیوی بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے۔ میں اپنے والدین کو پلانے سے پہلے ان کو پلانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اپنے والدین کو نیند سے اٹھانا بھی ناپسند تھا۔ مجھے یہ بھی ناپسند تھا کہ والدین دودھ سے محروم رہیں۔ میں ان کا طلوع فجر تک انتظار کرتا رہا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ طلوع فجر تک میں نے تیرے خوف کی وجہ سے ان کا انتظار کیا تھا تو ہمارے لئے راستہ بنا دے۔ اتنے میں پتھر تھوڑا سا سرک گیا یہاں تک کہ ان کو آسمان نظر آنے لگا۔ اب تیسرے نے کہنا شروع کیا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میری ایک چچازاد تھی، مجھے وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی میں نے اس سے بدکاری کرنے کی کوشش کی تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس نے شرط رکھی کہ سو دینار لا کر دو تو ایسا کر سکتے ہو میں

سو دینار جمع کرنے میں لگ گیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ میں نے سو دینار لا کر اسے دے دیئے۔ پھر اس نے واقعی مجھے اپنے اوپر قدرت دے دی، پھر جب میں بدکاری کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور مہر کو ناحق مت توڑو۔ یہ سنتا تھا کہ میں کھڑا ہو گیا اور سو دینار چھوڑ دیئے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا عمل تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا پتھر اور سرکا دے تاکہ راستہ مل جائے۔ اس کے بعد اللہ نے راستہ بنا دیا اور وہ تینوں نکل آئے۔

نابینے، برص زدہ اور گنجے کا قصہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ بنی اسرائیل کے تین افراد ایک برص زدہ، دوسرا نابینا اور تیسرا گنجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا۔ چنانچہ ایک فرشتہ کو ان کے پاس بھیجا۔ فرشتہ برص زدہ شخص کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہیں سب سے پسندیدہ کون سی شئی معلوم ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا: اچھا رنگ اور اچھی جلد، لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا برص ختم ہو گیا اور پھر اس کو اچھا رنگ اور اچھی جلد بھی دے دی۔ فرشتے نے پھر پوچھا کون سا مال تمہیں پسند ہے؟ اس نے جواب میں اونٹ یا گائے کہا۔ فرشتے نے اسے ایک قریب الولادت اونٹنی دی اور کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا۔ فرشتہ اب گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ کون سی چیز تمہیں پسند ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اچھے بال جو مجھ سے گنج پن ختم کر دیں۔ کیونکہ لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج پن ختم ہو گیا اور اس کے سر پر خوبصورت بال نکل آئے۔ اب اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ اس نے گائے بتائی۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی اور کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا۔ فرشتہ اب نابینا کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز پسند ہے؟ تو اس نے کہا کہ اللہ میری بصارت لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بینا ہو گیا۔ اب فرشتے نے اس سے پوچھا کہ کون سا مال تمہیں پسند ہے؟ کہا بھیڑ۔ فرشتے نے اسے ایک بھیڑ اور اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی دے دیا۔ اس کے بعد ان تینوں نے خوب بچے دیئے۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ اونٹ والے کے پاس اس کثرت سے اونٹ ہو گئے کہ اس کے اونٹوں سے پوری وادی بھر جاتی، گائے والے کی گائے سے پوری وادی بھر جاتی اور بھیڑ بکری والے کی بکریوں سے پوری وادی بھر جاتی۔

کافی عرصہ بعد فرشتہ اصلی شکل و صورت لے کر برص زدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ضرورت مند ہوں، سفر میں مال اسباب ختم ہو گیا، اب واپسی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ صرف اللہ سے امید ہے، اس کے بعد تو ہی کچھ کر سکتا ہے۔ میں تجھے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد سے نوازا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ تیرے پاس کافی مال و دولت ہے۔ تو مجھے صرف ایک اونٹ دے دے جس سے میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں گا اور منزل تک پہنچ پاؤں گا۔ برص زدہ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ ہی اور بھی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔

فرشتے نے کہا کہ لگتا ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تمہیں برص کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تمہیں گندا سمجھتے تھے؟ کیا تم فقیر نہیں تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں نوازا؟ اس نے جواب دیا کہ میں پشتوں سے امیر زادہ ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب گنجے کے پاس شکل و صورت بدل کر گیا اور اسی طرح رونے پیٹنے لگا جس طرح برص زدہ کے پاس جا کے کیا تھا۔ اس نے بھی برص زدہ کی طرح جواب دیا۔ فرشتے نے اسے بھی بد دعا دی اور کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب نابینا کے پاس شکل و صورت بدل کر گیا اور کہا کہ مسافر اور ضرورت مند ہوں، زاد راہ ختم ہو چکا ہے، واپسی کی کوئی شکل نہیں ہے، صرف اللہ سے امید ہے تو کچھ کر سکتا ہے تو کر دے۔ میں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے بینائی واپس کی کہ تو مجھے ایک بکری دے دے، میں اس کے ذریعے اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نابینا تھا اللہ نے مجھے بینائی واپس کی، میں فقیر اور محتاج تھا اللہ نے مجھے مالدار بنا دیا۔ لہٰذا اب تم جتنا چاہو مال لے لو میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ فرشتے نے کہا کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھو، یہ تو تم لوگوں کا امتحان لیا گیا تھا۔ اللہ تجھ سے راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔

ایک ہزار دینار قرض لے کر واپس کرنے کا قصہ

بخاری اور مسند احمد میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص نے دوسرے سے ایک ہزار دینار قرض مانگا۔ کہا گواہ لے آؤ۔ اس نے کہا کہ میرا گواہ اللہ ہے۔ کہا کوئی ضامن لے کر آؤ۔ کہا کہ اللہ میری ضمانت کرتا ہے۔ کہا کہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک ہزار دینار ایک مقررہ مدت تک واپسی کی شرط لگا کر اسے دے دیا۔ قرض لے کر یہ شخص سمندری سفر پر روانہ ہو گیا اور کام کاج نمٹا کر واپسی کا قصد کیا اور کوئی سمندری جہاز تلاش کرنے لگا تا کہ مقررہ مدت تک پہنچ کر قرض واپس کر سکے۔ اسے کوئی سواری نہیں ملی۔ اس نے ایک لکڑی لی اور اس میں ایک سوراخ کر کے اس کے اندر ایک ہزار دینار اور ایک خط رکھ کر اسے اچھی طرح لوہے سے بند کر کے اس لکڑی کو سمندر میں ڈال کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیا تھا اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا تھا کہ میرا ضامن اللہ ہے۔ اس پر وہ راضی ہو گیا۔ جب اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ میرا گواہ ہے۔ اس پر بھی وہ راضی ہو گیا۔ اب میں نے اس کا قرض چکانے کے لئے سواری تلاش کی تو مجھے کوئی سواری نہیں ملی۔ اے اللہ میں یہ امانت تیرے حوالے کرتا ہوں۔ وہ لکڑی سمندر میں چلی گئی۔ اس نے پھر پہنچ جانے کے لئے سواری تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران دوسرا شخص جس سے اس نے قرض لیا تھا جہاز دیکھنے نکلا کہ شاید کوئی جہاز اس کا مال لے کر آ رہا ہو۔ اس نے دیکھا کہ ایک لکڑی آ رہی ہے جس میں اس کے دینار تھے۔ اس نے وہ لکڑی یہ سوچ کر اٹھا لی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ جب اس نے اسے توڑا تو اس کے اندر سے ہزار دینار اور خط نکلا۔ بعد میں پہلا شخص آیا جس نے اس سے قرض لیا تھا اس نے اسے ہزار دینار ادا کر دیے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم میں جہاز کی تلاش میں تھا تا کہ تیرا مال تجھے واپس کر دوں۔ لیکن مجھے جہاز نہیں مل سکا۔ اب میں تیرے پاس آیا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کہ کیا تو نے میرے نام کوئی چیز بھیجی تھی؟ پہلے نے جواب دیا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ جس جہاز میں، میں آیا ہوں اس سے پہلے مجھے کوئی سواری نہیں ملی۔ دوسرے نے کہا کہ اللہ نے تیری طرف سے لکڑی کے اندر بھیجے ہوئے دینار مجھے ادا کر دیئے ہیں لہٰذا تم اپنا مال واپس لے لو۔

سچائی اور امانتداری پر مبنی ایک واقعہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی خریدنے کے بعد اس زمین میں سے سونے کا ایک مٹکا نکلا۔ خریدار نے دوسرے سے کہا کہ اپنا سونا واپس لے لو میں نے تو تم سے زمین کا سودا کیا تھا سونے کا نہیں کیا تھا۔ فروخت کرنے والے نے کہا کہ میں نے تو تمہیں زمین اور اس کی ساری چیزیں فروخت کی تھیں۔ دونوں نے ایک تیسرے آدمی کو حَکَم بنایا تو حَکَم نے کہا کہ کیا تم دونوں صاحب اولاد ہو؟ ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے دوسرے نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ حَکَم نے کہا کہ لڑکا لڑکی کی شادی کر دو اور اس کا خرچ اس خزانے سے کرو باقی صدقہ کر دو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ذوالقرنین کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ جس کا زمانہ بنی اسرائیل سے کافی پہلے کا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ذوالقرنین دورِ حکومت کی جانچ پڑتال خود کیا کرتے تھے کسی کی خیانت کا پتا چلتا تو جب تک خود اس کی تحقیق نہ کر لیتے اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ذوالقرنین بھیس بدل کر مختلف شہروں کا دورہ کرنے لگے۔ اسی دوران ایک قاضی کے پاس کئی روز تک بیٹھے لیکن اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہ ہوا۔ جب کافی دن ہو گئے اور قاضی کے بارے میں ذوالقرنین کو کچھ پتا نہ چل سکا تو واپسی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دو آدمی لڑتے ہوئے داخل ہوئے۔ ایک دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے دوسرے سے ایک مکان لیا اور اس کو بنایا تو اس میں سے خزانہ نکل آیا۔ جب اس نے فروخت کرنے والے سے کہا کہ اپنا خزانہ واپس لے لو تو وہ انکار کرتا ہے۔ قاضی نے دوسرے سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تو دوسرا کہنے لگا کہ میں نے تو اسے مکان بیچا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا کچھ پتا ہے لہٰذا یہ خزانہ میرا نہیں ہے اور میں یہ مال نہیں لوں گا۔ پہلا کہنے لگا کہ جناب آپ کسی کو مقرر کر دیں وہ اس خزانے

کو اپنے قبضے میں لے لے اور آپ خود اس کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کریں۔ قاضی کہنے لگا کہ خود تو تم برائی سے بھاگ رہے ہو اور مجھے اس میں پھنسا رہے ہو، تم میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے ہو اور میرا نہیں خیال کہ اس معاملہ کا تعلق عدالت سے ہے۔ اس کے بعد قاضی نے کہا کہ کیا تم دونوں کسی درمیانے راستے کے لئے تیار ہو سکتے ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ مدعی سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے اور دوسرے سے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی لڑکی ہے؟ دونوں نے اثبات میں جواب دیا تو کہا کہ دونوں جاؤ اور ان دونوں کی شادی کرا دو اور اس خزانے میں سے خرچ کرو، باقی جو بچ جائے وہ ان دونوں کو دے دو تو وہ دونوں اس سے گزارا کریں گے۔ اس صورت میں تم دونوں اس خزانے کے بھلے برے سے چھٹکارا پا لو گے۔ ذوالقرنین نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور قاضی سے کہا کہ میرا نہیں خیال کہ زمین پر ایسا فیصلہ بھی کوئی کرتا ہے۔ قاضی نے کہا (جس کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا مخاطب ذوالقرنین ہے) کیا کوئی اس کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ بھی کر سکتا ہے؟ ذوالقرنین نے کہا کہ ہاں۔ قاضی کہنے لگا، کیا ایسے لوگوں کے علاقوں میں بارش ہوتی ہے؟ ذوالقرنین یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔

مختلف واقعات

بخاری و مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ننانوے قتل کئے تھے۔ اس کے بعد پوچھتے پوچھتے ایک راہب کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ توبہ کی کوئی گنجائش ہے۔ راہب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اس نے راہب کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر اس نے لوگوں سے پوچھنا شروع کر دیا تو ایک شخص نے کہا کہ فلاں فلاں بستی میں جاؤ تو وہ جانے لگا تو اسے موت آ گئی، اسی دوران اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے اس مسئلے پر لڑ پڑے تو اللہ تعالیٰ نے جس رخ پر اس کا سینہ تھا اس طرف کی بستی کو حکم دیا کہ اس کے قریب ہو جا اور دوسری طرف کی بستی کو حکم دیا کہ دور ہو جا۔ فرشتوں کو حکم دیا کہ دونوں کے درمیان فاصلہ ناپ کر دیکھ کر تو ناپنے کے بعد پتہ چلا کہ جس رخ پر اس کا سینہ تھا اس بستی کا فاصلہ کم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کی مغفرت کر دی۔

بخاری، مسلم اور ترمذی میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک گائے کو ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا۔ پھر وہ گائے پر سوار ہو کر اسے مارنے لگا۔ گائے بولی ہماری تخلیق اس کام کے لئے نہیں ہوئی ہے، ہماری تخلیق تو زراعت و کاشتکاری کے کام میں آنے کے لئے ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ گائے بھی بات کرتی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے درمیان موجود تھا، اچانک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھا کر لے گیا، بکری کے مالک نے بھیڑیے کا تعاقب کر کے اپنی بکری اس سے چھڑا لی۔ بھیڑیا اس سے بولا آج تو تو نے بکری مجھ سے چھڑا لی، لیکن یہ تو بتا کہ سبع کے دن بکریوں کا رکھوالا کون ہوگا جب میرے سوا بکریوں کا چرانے والا کوئی نہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ، بھیڑیا بات کرتا ہے! جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت یہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوا تو وہ عمر بن الخطاب ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر منبر پر چڑھے اور پیشانی کے بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ مدینہ والو تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو اس طرح کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی خواتین نے بال کاٹے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخری بار مدینہ آئے تو دوران خطبہ اپنی آستین سے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا کہ یہودیوں کے علاوہ ایسا کوئی نہیں کرتا، جناب نبی کریم ﷺ نے اسے "زور" قرار دیا۔ یعنی بالوں کی ساتھ بال ملا کر لگانے کو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک کتا کنویں کے پاس چکر لگا رہا تھا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب ہو چکا تھا۔ اسی دوران بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت نے اسے دیکھا تو اپنی جراب اتار کر اس میں پانی بھر کے کتے کو پلایا۔ اسی کی وجہ سے عورت کی مغفرت ہو گئی۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس عورت نے بلی کو قید کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ وہ عورت نہ تو اسے کھانا کھلاتی تھی اور نہ اسے پانی پلاتی تھی اور نہ اسے قید سے چھوڑتی تھی کہ وہ خود ہی زمین پر چل پھر کر کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کر لیتی۔

مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک چھوٹے قد کی عورت تھی۔ اس نے لکڑی کی دو ٹانگیں بنائیں اور وہ لمبے قد کی عورتوں کے درمیان چلنے لگی۔ اس نے سونے کی ایک انگوٹھی بھی بنائی اور اس کے نگینے کے اندر بہترین قسم کی خوشبو اور مشک بھر دی۔ جب وہ کسی مجلس کے پاس سے گزرتی تو انگوٹھی کو ہلاتی تو اس میں سے خوشبو پھیلتی۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں کے انبیاء کی باتوں سے لوگوں نے یہ بات اخذ کی کہ جب شرم و حیا نہ ہو تو جو مرضی میں آئے کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا پچھلے زمانے میں ایک میاں بیوی تھے۔ وہ بہت غریب تھے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ شوہر سفر سے آیا اور گھر میں داخل ہوا۔ سخت بھوک لگی ہوئی تھی اور تھکا ہوا بھی تھا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو بیوی نے کہا کہ ہاں خوش ہو جاؤ اللہ کی طرف سے رزق آ رہا ہے۔ شوہر نے جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ بیوی نے کہا مبارک ہو ہمیں اللہ کی رحمت کی امید ہے۔ جب بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا تو اس نے کہا کہ ذرا دیکھو اگر تیرے پاس کچھ ہے تو میرے پاس لاؤ میں بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔ بیوی کہنے لگی اب تو مجھے لگتا ہے ہنڈیا جلدی ہی تیار ہو جائے گی۔ جب کافی دیر تک شوہر خاموش رہا اور خود بیوی نے بھی محسوس کیا کہ کافی دیر ہو گئی ہے اور شوہر پھر آواز دینے والے ہیں تو اس نے خود ہی سوچا کہ جا کے دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر گئی تو تنور کو بکری کے دستوں سے بھرا ہوا پایا۔ دوسری طرف چکی میں سے آٹا نکل رہا تھا اس نے چکی بند کر دی اور تنور میں سے بکرے کے گوشت کے ٹکڑے نکال لئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابو القاسم کی جان ہے اگر وہ خاتون چکی میں سے تمام آٹا نکال لیتی اور چکی کو بند نہ کرتی تو چکی قیامت تک چلتی رہتی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص گھر آیا دیکھا گھر میں ضرورت کی کوئی چیز نہیں ہے تو وہ جنگل کی طرف چلا گیا۔ بیوی شوہر کی تکلیف کو محسوس کر کے اٹھی اور چکی چلا دی اور تنور میں بھی آگ جلا دی۔ اس کے بعد دعا کی یا اللہ ہمیں رزق عطا فرما۔ اس کے بعد بیوی نے دیکھا کہ برتن بھرا ہوا ہے اور تنور کو دیکھا تو وہ بھی بھرا ہوا ہے۔ شوہر نے واپس آ کر پوچھا کیا کچھ ملا؟ تو بیوی کہنے لگی ہمارے رب کی طرف سے بہت کچھ ملا۔ اس نے چکی بند کر دی اور جناب نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بند نہ کرتی تو قیامت تک چکی چلتی رہتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں موجود تھا جب آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا گٹھا اٹھا کر لے جائے اور اسے فروخت کرے اور عافیت کی زندگی گزارے یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی سے مانگے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بادشاہت تو ختم ہو جائے گی لیکن اس بادشاہت کی وجہ سے وہ اپنے رب کی عبادت سے محروم ہے۔ ایک رات وہ اپنے محل کو چھوڑ کر چلا گیا اور کسی دوسری سلطنت میں پہنچ گیا۔ وہاں وہ ساحل سمندر گیا اور وہاں اینٹیں بنانے لگا۔ جو مزدوری ملتی اس سے گزارا کرتا اور جو بچ جاتا اسے صدقہ کر دیتا۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ اس کی خبر اس سلطنت کے بادشاہ تک پہنچ گئی۔ اس نے اسے بلوایا لیکن وہ نہ آیا۔ اس کے بعد بادشاہ خود اس کے پاس گیا۔ جب اس نے بادشاہ کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا دوڑایا لیکن اسے پکڑ نہ سکا۔ اس کے بعد آواز دی کہ اے بندۂ خدا! تجھے مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ آواز سن کر وہ رک گیا اور پھر بادشاہ اس تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟

تو اس نے جواب دیا کہ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں اور صاحبِ اقتدار ہوں۔ لیکن میں نے اپنے بارے میں غور و فکر کیا تو پتا چلا کہ جس کام میں لگا ہوا ہوں وہ ختم ہو جائے گا لیکن اس کی وجہ سے میں اپنے رب کی عبادت سے محروم ہو گیا ہوں۔ لہٰذا میں نے بادشاہت چھوڑ دی اور یہاں آ کر عبادت میں مصروف ہو گیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو کام تم نے کیا مجھے بھی اس کام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ سواری سے اتر گیا اور اسے چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ اب دونوں اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ دونوں نے دعا کی کہ دونوں کی موت اکٹھی آئے تو دونوں کی موت بھی اکٹھی آئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مصر میں ہوتا تو تم لوگوں کو ان دونوں کی قبریں دکھاتا ان کیفیات کی وجہ سے جو کیفیات آپ ﷺ نے ہمیں بتائی تھیں۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں ایک شخص کو اللہ نے خوب مال و دولت سے نوازا تھا۔ جب اس کی وفات قریب ہوئی تو اس نے اپنے بیٹوں سے سوال کیا کہ میں تمہارے لئے کیسا باپ ثابت ہوا؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ بہترین باپ۔ باپ نے کہا کہ میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر بہت دور لے جانا اور پھر کسی صحرائی ہوا والے دن اس راکھ کو اڑا دینا۔ بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ نے اس راکھ کو جمع کر کے اس کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا جواب تھا کہ آپ کے ڈر سے۔ اس کا جواب سن کر اللہ نے اس کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمایا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے غلام سے کہا کرتا تھا کہ کسی تنگدست کے پاس جاؤ تو اس سے درگزر کرنا تاکہ اللہ بھی ہمیں درگزر کرے۔ چنانچہ وفات کے بعد جب وہ اللہ سے ملا تو اللہ نے اس کو درگزر کر دیا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل اور پچھلے زمانے کے لوگوں پر اللہ نے نازل کیا۔ جب تمہیں پتا چلے کہ کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی علاقے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہو اور اس وقت تم وہاں موجود ہو تو اس سے بھاگ کر وہاں سے نہ نکلو۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ طاعون عذاب ہے جو اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ اللہ نے اس وبا کو مسلمانوں کے لئے رحمت کا باعث بنایا ہے کوئی مسلمان اگر طاعون زدہ علاقے میں صبر کر کے اور ثواب کی نیت سے رہتا ہے کہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا تو ایسے شخص کے لئے شہید کا اجر ہے۔

بخاری میں ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت کی چوری کے معاملے کو قریش نے بڑی اہمیت دی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے کون بات کر سکتا ہے تو بعض لوگوں نے کہا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید کے علاوہ اور کون اس کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اسامہ نے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ ہلاک کئے گئے جب ان کا کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ بخدا! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا جبکہ جناب نبی کریم ﷺ کو اس کے برخلاف پڑھتے ہوئے سنا تو میں اس شخص کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا اور صورت حال بتائی۔ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو مت اختلاف کرو، تم سے پچھلے لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہود و نصاریٰ رنگ نہیں کرتے، تم لوگ ان کی مخالفت کرو۔ ابو داؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ جوتے پہن کر نماز پڑھو، یہودیوں کی مخالفت کرو۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے ان کے لئے چربی حرام کی گئی تو ان لوگوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے نماز کے اعلان کے لئے آگ روشن کرنے اور ناقوس بجانے کا ذکر ہوا اور اس سلسلے میں یہود

نصاریٰ کا تذکرہ بھی ہوا تو جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ اذان میں شفع اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام شعائر میں اہل کتاب کی مخالفت کی جائے۔ جناب نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مسلمان بغیر بلائے نماز کے وقت جمع ہو جایا کرتے تھے۔ بعد میں نماز کے لئے ایک شخص "الصلوٰۃ جامعۃ" کی آواز لگایا کرتا تھا۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ کسی ایسی چیز سے لوگوں کو بلایا جائے جسے سب سمجھ سکیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے۔ بعض نے کہا کہ آگ جلائی جائے۔ اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے یہ دونوں رائے ناپسند کی گئیں۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان خواب میں دکھائی گئی تو انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر اذان دینے کا حکم دیا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار ہو، ان لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

صحیحین میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگ پچھلی امتوں کے پیچھے ضرور چلو گے ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ ان کے پیچھے چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل کے اندر گھسے تو تم بھی گھسو گے۔ ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہود و نصاریٰ کے پیچھے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو کس کے پیچھے؟

خبر دینے کا مقصد یہ ہے کہ شرعاً جن باتوں اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان میں یہ امت بھی پڑ جائے گی۔ جس طرح اہل کتاب ممنوعات شرعیہ میں پڑ گئے تھے یہ امت بھی ان میں پڑ جائے گی۔ اللہ و رسول نے ان کی مشابہت سے اسی لئے منع کیا ہے اگرچہ مومن کا ارادہ نیک ہو لیکن مشابہت کی وجہ سے مومن کا کام ان کے کام کی طرح قرار دیا جائے گا۔ دیکھئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا منع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مشرکین کی مشابہت سے بچا جائے جو اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ مومن کے دل میں ایسا خیال بالکل بھی نہیں آتا اس کے باوجود ان کی مشابہت کی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے "اے ایمان والو! تم لوگ "راعنا" مت کہا کرو بلکہ انظرنا واسمعوا کہا کرو۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔" اصل بات یہ ہے کہ لوگ جناب نبی کریم ﷺ کو کہا کرتے تھے "راعنا" جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ہماری طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ یہودی بھی یہی لفظ بولتے تھے لیکن وہ لوگ رعونت سے لاتے تھے جس کا مفہوم تھا کہ بیوقوف ہے، لہٰذا رسول کو اس طرح بولنے سے منع کر دیا گیا۔ اگرچہ مسلمانوں کے دلوں میں کافروں جیسا خیال نہیں آتا تھا اس کے باوجود منع کر دیا گیا۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت سے بالکل متصل تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں مقرر کیا گیا ہے اس شخص کے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی گئی ہے جس نے میرے حکم کی مخالفت کی۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا لہٰذا مسلمان کے لئے ان کی مشابہت اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے، ان کے تہواروں میں، ان کے رسم و رواج میں اور ان کی عبادات میں۔

ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام امتوں میں جناب نبی کریم ﷺ کے ذریعے یہ دین عطا کر کے ممتاز فرمایا ہے اس کی عظمت کی دلیل کے لئے یہ کافی ہے کہ موسیٰ بن عمران جن کو تورات دی گئی اور عیسیٰ بن مریم جن کو انجیل دی گئی اگر موجود ہوتے بلکہ تمام انبیاء بھی اگر موجود ہوتے تو ان میں سے کسی کے لئے بھی جناب نبی کریم ﷺ کو عطا کردہ شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت پر عمل کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا کہ ہمیں جناب محمد ﷺ کے تبعین میں سے بنایا تو ہمارے لئے ایسا کیسے ممکن ہوگا کہ ہم ایسی اقوام کی مشابہت اختیار کریں جو پہلے ہی سے گمراہ ہو چکیں بلکہ بہت سوں کو گمراہ بھی کر چکیں۔ ان لوگوں نے اپنے دین کو بدل ڈالا اس میں تحریف کی اس میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ یہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے ان پر کوئی دین اور شریعت نازل ہی نہیں ہوئی۔ ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر وہ دین تحریف اور تبدیلی سے محفوظ بھی رہتے تب بھی ان کی پیروی کرنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ وہ دین منسوخ ہو چکے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے سے اللہ کے ہاں قبولیت حاصل نہیں کی جا سکتی منسوخ اور غیر مشروع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں کے مقابلے میں تمہارے وقت کی مثال عصر اور مغرب کے درمیان کے وقت کی

طرح ہے ہماری اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت سے مزدور کام کے لئے رکھے کہ ان سے کہا آدھے دن تک ایک ایک قیراط پر کام کرتے رہو۔ یہ یہودیوں کی مثال ہے کہ انہوں نے ایک قیراط کے عوض آدھے دن تک کام کرنا منظور کر لیا اس کے بعد کہا کہ میرے لئے آدھے دن سے عصر تک ایک قیراط کے عوض کام کرے گا اس پر نصاریٰ راضی ہو گئے لہٰذا آخر میں کہا کہ کون عصر تا مغرب دو قیراط کے عوض کام کرے گا عصر تا مغرب دو قیراط کے عوض کام کرنے کے لئے تم لوگ تیار ہو گئے سنو تمہیں دو مرتبہ اجر دیا جائے گا اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم زیادہ کام کر کے کم معاوضہ وصول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ کمی کی ہے تو انہوں نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل اور کرم ہے جسے میں چاہوں اسے عطا کروں گا۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس امت کی مدت پچھلی امتوں کے مقابلے میں کم ہے جتنا وقت گزر چکا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کتنا وقت باقی ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اتنا ضرور پتا ہے کہ گزشتہ کے مقابلہ آنے والی مدت کم ہے تاہم تحدید کے ساتھ بتانا ممکن نہیں۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں فرمایا کہ قیامت کا اللہ کے سوا کوئی بھی اس کے وقت پر ظاہر نہیں کرے گا۔ (اعراف: ۱۸۷)

سورۃ النازعات میں فرمایا کہ وہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ اس کے ذکر سے آپ کا کیا تعلق۔ (نازعات: ۴۲، ۴۳)

یہاں بخاری شریف کی حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے اس تشبیہ کا مقصد کام کرنے والوں کے اجر میں فرق دکھانا ہے کام کی کمی یا زیادتی بتانا مقصد نہیں ہے کیوں کہ بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ وہ مقدار میں تو کم ہوتے ہیں لیکن ان کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ لیلۃ القدر میں عمل کی فضیلت ایک ہزار مہینے کی عبادات سے زیادہ ہے اسی طرح صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں جو مال خرچ کئے ہیں اگر بعد کے لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دیں تو بھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ پائیں گے اسی طرح جناب محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس برس کی عمر میں بعثت عطا فرمائی اور تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں وفات ہوئی۔ ان تئیس برس کی مدت میں جو کام آپ ﷺ نے انجام دیا اور جیسے نیک اعمال کئے وہ تمام انبیاء کے کاموں پر بھاری ہیں حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک اللہ کی عبادت اور وحدانیت کی دعوت دی اس دوران آپ افضل عبادات میں مشغول رہے اس کے باوجود جناب نبی کریم ﷺ کی تئیس برس کی دعوت و تبلیغ اور دین کی خدمت تمام انبیاء پر بھاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عظمت و شرافت اور ثواب کی زیادتی جناب نبی کریم ﷺ کی بعثت اور آپ کی برکت سے ہے اسی لئے تو قرآن کریم میں فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیوے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (حدید: ۲۸، ۲۹)

بنی اسرائیل کی باتیں کتاب اللہ اور سنت رسول میں بہت ہیں۔ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی ہم نے یہاں صرف امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کی ہوئی باتوں کو لیا ہے جو کافی ہیں۔ دوسری بات اسرائیلی روایات کی جن کا تذکرہ بہت سے مفسرین اور مؤرخین کرتے ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں ان میں بعض تو صحیح ہیں اور حقیقت کے مطابق ہیں جبکہ ان میں سے اکثر جن کا تذکرہ قصہ گو لوگ کرتے ہیں جھوٹ اور من گھڑت ہیں جنہیں بے دینوں اور گمراہ معاصرین نے گھڑا ہے۔ اسی وجہ سے ان روایات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو صحیح ہے کیونکہ ان روایات میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی موافقت ہے۔ دوسری قسم غلط اور لغو ہے کیونکہ اس قسم کی روایات میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی مخالفت ہے۔ تیسری قسم کی روایات میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے اس قسم کے بارے میں توقف کا حکم ہے ایسی روایات کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب جیسا کہ بخاری میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تمہیں کچھ بتائیں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ تم اتنا کہو کہ ہم اس چیز پر ایمان لائے جو ہمارے اور تمہارے اوپر اتاری گئی ہے۔ اس تیسری قسم کی روایت کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا کہ بنی اسرائیل کی روایت بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے رد و بدل کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے ذریعے سے یہودیوں پر تورات نازل کی اور جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے [illegible] کے بعد بھی کچھ عرصے تک ان کے [illegible] کے مطابق [illegible] ان کے [illegible] تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا [illegible] انہوں نے [illegible] ترجمہ [illegible]

[illegible]

جہاں تک [illegible] ترجمہ [illegible] مسلم [illegible] آنحضرت ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت [illegible] آپ ﷺ نے [illegible] آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے [illegible] آپ ﷺ نے [illegible] آپ ﷺ [illegible]

ترجمہ: ..."[illegible]"

[illegible] نبی کریم ﷺ کے پاس [illegible] آپ ﷺ [illegible] قرآن کریم [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] آپ ﷺ نے [illegible] آپ ﷺ نے ان سے پوچھا [illegible]

پر ایک ہی طرح کی سزا نافذ ہونی چاہیے لہٰذا ہم نے کوڑے لگانے اور منہ کالا کرنے کی سزا سب کے لئے تجویز کر ڈالی اور اسے تورات کا حکم قرار دیا۔ ظاہر ہے یہ یہودیوں کی طرف سے تورات میں واضح تحریف ہے جو تورات کے حکم کو واضح طور پر تبدیل کرتا ہے یہ یہودیوں کی کارستانی تورات کے اندر معنوی تحریف ہے۔ الفاظ کے اندر تبدیلی نہیں بلکہ تورات میں رجم کا حکم لکھا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے علماء نے کہا کہ یہودیوں نے تورات کے الفاظ میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ اس کے معانی میں تبدیلی کی تھی الفاظ تورات کے باقی تھے اور وہ یہودیوں کے لئے اس وقت حجت بن جاتے جب کوئی یہودی راہِ حق کا متلاشی ہوتا اور اپنی کتاب کی طرف رجوع کرتا تو اسے اتباعِ حق کی ترغیب ہوتی اور جناب محمد کی متابعت کی تحریک اس کے اندر پیدا ہوتی۔ اسی کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

> "جو لوگ اس امی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں یعنی تورات اور انجیل میں، وہ انہیں نیک
> کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر گندی چیزیں
> حرام کرتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان پر (اب تک) تھے اتارتا ہے۔" (سورۂ اعراف: ۱۵۷)

اور دوسری جگہ فرمایا:

> "اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور ان چیزوں (کے حکم) کو قائم رکھتے جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہیں
> تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے ان میں میانہ رو لوگ بھی موجود ہیں۔" (سورۂ مائدہ: ۶۶)

سورۂ مائدہ میں یہ بھی ہے کہ

> "آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہو جب تک تم تورات اور انجیل اور ان چیزوں (کے حکم) کو قائم
> نہیں کرتے جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہیں۔" (مائدہ: ۶۸)

تورات کے معانی میں یہودیوں کے تحریف کرنے کا قول امام بخاری نے صحیح بخاری کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیان کیا ہے امام بخاری نے اس کو بیان کرنے کے بعد اس پر کوئی رد نہیں کیا امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو اپنی تفسیر میں اکثر متکلمین کا قول بیان کیا ہے۔

فقہائے حنفیہ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ جنبی کے لئے حالتِ حدث میں تورات کو چھونے کی اجازت نہیں ہے حناطی نے اپنے فتاویٰ میں بعض اصحاب شوافع سے بھی یہی نقل کیا ہے بعض دیگر علماء نے ان دونوں قولوں میں درمیانہ راستہ اپنایا ہے ان میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تورات اول تا آخر تبدیل شدہ ہے اور اس میں کوئی حرف بھی تبدیلی سے محفوظ نہیں رہا ایسا دعویٰ بعید از عقل ہے اسی طرح یہ دعویٰ بھی بعید ہے کہ اس میں بالکل بھی تحریف نہیں ہوئی۔ سچ یہ ہے کہ اس میں تحریف و تبدیلی ہوئی ہے بعض الفاظ میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ اسی طرح معانی میں بھی کمی بیشی ہوئی ہے اور تھوڑا بہت غور و فکر کرنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام دونوں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں جبکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے جو نسل چلی ہے اس میں جناب نبی کریم سرورِ دو عالم حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے بیٹے کی قربانی مانگی اس وقت تک حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن یہودی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ تورات میں جہاں ذبح کا ذکر آیا وہاں یہودیوں نے تحریف کر کے اسحاق کا لفظ بڑھا دیا۔ ایسا انہوں نے محض ان کے ساتھ دشمنی اور حسد کی بنیاد پر کیا اور انہوں نے تورات کے اندر بیٹے ذبح ہونے کی فضیلت حضرت اسحاق علیہ السلام کے واسطے سے خود کو اولادِ ذبیح ثابت کرنے کے لئے کی۔ اس طرح انہوں نے کتاب اللہ پر زیادتی کر کے اللہ اور اس کے رسول پر بہتان لگایا۔ بہت سے لوگ یہودیوں سے سن کر یہ سمجھنے لگے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تورات میں معنوی تحریف کے علاوہ لفظی تحریف بھی ہوئی ہے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور دی گئی تھی اس میں بھی تحریف ہوئی اور اس میں بہت سارے الفاظ کی کمی بیشی کی گئی۔

روایات کی تعداد کی جو ان میں پائی جاتی ہیں پڑھ کر جانتے ہیں اس کے اسلوب میں بھی تحریف ہو سکتی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے جیسا کہ اس کے نقات، اس کے علاوہ کمی بیشی اور تحریف بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ عربی ترجمہ بھی غلط ہو سکتا ہے اور تفسیر غلط اور تحریف بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ اس کے علاوہ جو ترجمہ کیا جاتا ہے لوگ اپنی اپنی زبان میں پڑھتے اور لکھتے ہیں اس کی صحت پر بھروسہ ہی نہیں کیا جا سکتا ان کی کتابوں کی بنیاد پر یہ سب کچھ ہے جیسا کہ لوگ جانتے اور مانتے ہیں۔

یہودیوں کے بعد نصاریٰ کی باری آتی ہے۔ مرقس، لوقا، متی اور یوحنا کے لکھے ہوئے چار انجیل پائی جاتی ہیں ان میں بہت زیادہ اختلاف اور کمی بیشی ہے۔ ان کے احکامات میں تورات سے زیادہ فرق ہے ان لوگوں نے تورات اور انجیل کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جاری کیا۔ انجیلوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے کلیساؤں کو مصور کرنے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے۔ ختنہ ترک کرنے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے روزوں کو بڑھا کر پچاس کر دیا اور موسم بہار میں مقرر کرنے کا حکم بھی انجیل میں نہیں۔ سور کھانے کی اجازت بھی انجیل میں نہیں امانت میں کمی کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے عورت کی قربت سے شادی نہ کرنا اور شادی کو پوپ پر حرام کر لینے کا حکم بھی انجیل میں نہیں ہے یہ تمام قوانین تین سو اٹھارہ عیسائی پادریوں کے بنائے ہوئے ہیں جن کا انجیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان چیزوں کو دین عیسوی کا حصہ بنانے کا سہرا قسطنطنیہ کے بانی قسطنطین بن قسطنطین کے سر ہے۔ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد کا ہے اس کا باپ رومی بادشاہ تھا اس کی ماں ہیلانہ ہے قسطنطین حران کے علاقے میں شکار کے لئے گیا تو وہاں ہیلانہ سے اس نے شادی کر لی۔ ہیلانہ قدیم راہبوں کے دین عیسوی پر قائم تھی۔ قسطنطین نے فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور اس میں بڑی مہارت حاصل کر لی۔ اس طرح اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کی ماں جس دین عیسوی پر قائم ہے اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ ہونا چاہیے۔ تاہم دین عیسوی پر قائم لوگوں نے اس طرح کرنے سے منع کیا اس دوران وہ خود بھی اس کا معتقد و قائل رہا۔ جب اس کے والد کا انتقال ہوا اور وہ خود تخت نشین ہوا تو لوگوں میں عدل و انصاف سے کام لیا تو لوگ اسے پسند کرنے لگے اور یہ سب کا رہنما بن گیا وہ جزیرہ سمیت پورے ملک شام پر قابض ہو گیا۔ ان حالات میں اس کی قدر بہت زیادہ ہو گئی اور وہ پہلا قیصر بن گیا اس کے زمانے میں نصاریٰ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ کا پیشوا اسکندروس تھا جو کہ اسکندریہ کا بطریق تھا جبکہ دوسرا عبداللہ بن اریوس تھا۔ اسکندروس کہتے تھے کہ عیسیٰ ابن اللہ ہے۔ عبداللہ بن اریوس کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ اور رسول ہے جیسے نبیوں کے ایک گروہ نے عبداللہ بن اریوس کا ساتھ دیا جبکہ کثرت نے بطریق اسکندروس کا ساتھ دیا۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن اریوس اور اس کے ساتھیوں کو کلیسا میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر عبداللہ بن اریوس قسطنطین بادشاہ کے پاس مخالف جماعت کے خلاف مدد لینے کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کی بات بھی سنی۔ عبداللہ بن اریوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنا موقف بتایا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور ان کے بارے میں دلائل سے بھی آگاہ کیا۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور اس کے موقف کی تائید کرنا چاہی۔ بعض لوگوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ دونوں فریق کو بلا کر ان کی باتیں سن لیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تمام پادریوں کو بلا لیا۔ جو ہر علاقے سے پادری جمع ہو گئے۔ وہ سب آئے القدس کا بطریق آیا اسکندریہ کا بطریق بھی آیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سال ان کے اکٹھے ہونے میں دو ہزار سے زیادہ عیسائی پادری جمع ہو گئے۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کیا عیسائیوں نے تین مشہور مجلسوں میں سے یہ سب سے پہلا مجمع تھا۔ یہ لوگ آپس میں بہت زیادہ اختلافات کا شکار ہو گئے ہر گروہ کا موقف الگ تھا۔ کچھ ایسے افراد کا الگ موقف تھا۔ بیس افراد کا الگ موقف تھا پچاس کا الگ موقف تھا۔ ایک گروہ اریوس کے ساتھ تھا۔ دوسرا گروہ کوئی اور موقف کا حامل تھا۔ جب ان لوگوں کا اختلاف بہت بڑھ گیا اور معاملہ حد سے آگے نکل گیا تو شاہ قسطنطین بڑا پریشان ہوا وہ پہلے ہی ان تمام جھگڑوں سے بد ظن تھا۔ وہ یونان سے تعلق رکھنے والے فلسفیانہ لوگوں کے خیالات کا حامل تھا جو پہلے ہی دین عیسوی سے الگ ہو گئے تھے۔ اس نے ان سب میں آخری افراد والے گروہ کو تلاش کر کے ان کا جائزہ لیا کہ یہ تین سو اٹھارہ پادریوں پر مشتمل ہے یہ سب اسکندروس کی بات سے متفق تھے اس کے علاوہ کوئی اور گروہ اس تعداد کے برابر نہیں پایا گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس گروہ کی حمایت کرنی چاہیے کیونکہ یہ لوگ تعداد میں سب سے زیادہ ہیں اور اکثریت کا ساتھ دینا دانشمندی ہے۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ الگ سے ملاقات کی اور اپنی انگوٹھی ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دی اور کہا میں نے دیکھا کہ تم لوگ تعداد کے لحاظ سے سب پر حاوی ہو اس لئے میں اس جماعت کی مدد کروں گا اور اسی کے ساتھ ہوں گا۔ ان پادری لوگوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اب اس نے ان لوگوں سے کہا کہ تمہاری ایک کتاب مرتب کی جائے اور مشرق کی طرف رخ

کر کے ہونی چاہیے کیونکہ مشرق روشن ستاروں کے طلوع ہونے کی جگہ ہے کلیساؤں میں ابھری ہوئی تصویریں بنائی جائیں۔ ان لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ تصویریں دیواروں پر ہوں گی۔ ان لوگوں نے جب بادشاہ سے اتفاق کر لیا تو بادشاہ نے ان کی حمایت شروع کر دی ان کے گن گانے لگا ان کی باتوں کا پرچار کرنے لگا اور ان کے مخالفین کو خود سے دور کرنا شروع کر دیا مخالفین کی رائے کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کی حامی جماعت بادشاہ کی حمایت کی وجہ سے مخالفین پر غالب آنے لگی اور مخالفین کو شکست ہونے لگی بادشاہ نے کلیساؤں کو اپنے حامیوں کے مطابق بنانے کا حکم دے دیا بادشاہ کے مذہب کے حامی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ ملکیہ کہلانے لگے۔ قسطنطین کے زمانے میں شام اور دیگر علاقوں کے شہروں اور دیہاتوں میں بارہ ہزار سے زائد کلیسا بنائے گئے بادشاہ نے بیت لحم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش میں کلیسا بنوایا اور اس کی ماں ھیلانہ نے بیت المقدس میں اس جگہ کلیسا بنوایا جہاں یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ شاہ قسطنطین نے مخالفین کو بڑی تعداد میں قتل کیا زمین میں خندقیں کھود کر ان میں آگ بھردی اور مخالفین کو اس آگ میں ڈلوا دیا۔ اس کے بعد دین نصرانیت بڑی پھلی پھولی کیونکہ اس کی پشت پر شاہ قسطنطین تھا تاہم یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے دین نصرانیت کو بہت زیادہ برباد کیا اس کے بعد اس دین کی اصلاح بھی نہیں ہو سکی۔ ان لوگوں نے اپنے بڑوں کے نام پر دین نصرانیت کے اندر بہت سے تہوار کو رواج دیا۔ اس کے عابدوں کے نام سے کلیسا بننے لگے۔ لیکن ان کے اندر کفر بہت زیادہ بھر گیا اور ان کے لئے پریشانی میں اضافہ ہو گیا، جس کی وجہ سے گمراہی ہمیشہ کے لئے ان کا مقدر بن گئی اور ان کے لئے وبال بہت بڑھ گیا جس کی نتیجے میں اللہ نے ان کو ہدایت سے دور رکھا اور ان کے حالات کی اصلاح نہیں ہو سکی بلکہ اللہ نے ان کے دلوں کو حق سے دور رکھا اور ان کے حالات کو منظم ہونے بھی نہیں دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ نسطوریہ اور یعقوبیہ کے مسئلے پر دو مرتبہ جمع ہوئے ان دونوں میں سے ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو ہمیشہ کے لئے جہنمی سمجھتا ہے، یہ لوگ عبادت گاہوں اور کلیساؤں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے البتہ یہ لوگ اقانیم ثلاثہ یعنی تین بنیادی عناصر کے قائل ہیں ایک عنصر اب یعنی باپ ہے دوسرا عنصر ابن یعنی بیٹا ہے اور تیسرا عنصر کلمہ ہے۔ لیکن یہ لوگ لاھوت اور ناسوت کے درمیان حلول اور اتحاد میں اختلاف کرتے ہیں کہ یہ دونوں مل گئے ہیں یا ایک دوسرے کے اندر گھس گئے ہیں یا ایک دوسرے کے اندر باہم جذب ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں کا اختلاف بہت سخت قسم کا ہے اور اسی کی وجہ سے ان کا کفر بھی بہت بڑھا ہوا ہے تو در حقیقت یہ سب نظریات باطل ہیں البتہ عبداللہ بن اریوس کے نظریات کے قائل جنہیں اریوسیہ کہتے ہیں صحیح ہیں ان کا نظریہ ہے کہ حضرت مسیح اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ کی بندی کے بیٹے ہیں، اللہ نے اپنا کلمہ "کن" مریم کے اندر ڈالا اور حضرت مسیح اللہ کی روح ہیں۔ یہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے اریوسیہ کا نظریہ چونکہ صاف ستھرا اور دلوں کو چھونے والا ہے اس لئے باقی تینوں فرقوں ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ نے اس گروہ کو کہیں پنپنے نہیں دیا۔ لہٰذا آج معلوم ہوا کہ کوئی نصرانی اس گروہ سے تعلق رکھتا بھی ہے یا نہیں۔

انبیاء کرام کی باتیں

قرآن کریم میں ہے کہ:

"ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے اور ان میں سے بعض کے درجے (اللہ نے) بلند کیے ہیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو شواہد عطا کیے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے ذریعے سے کی۔" (سورۃ بقرہ، ۲۵۳)

دوسری جگہ ہے:

"یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے نبیوں پر وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو ایک

> صحیفہ دیا تھا اور (دوسرے) پیغمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیغمبروں پر (بھی) کہ ان کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام فرمایا اور پیغمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تا کہ لوگوں کو پیغمبروں کے (آ جانے کے) بعد اللہ کے سامنے معذرت باقی رہ جائے اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا۔" (سورۃ نساء ۱۶۳ تا ۱۶۵)

صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کہا یا رسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے کہا یا رسول اللہ ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ کی بڑی جماعت میں نے کہا یا رسول اللہ ان میں سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم میں نے کہا کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا جی ہاں اللہ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی اور پھر سب سے پہلے ان کا ناک نقشہ ترتیب دیا اس بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر چار رسول سریانی ہیں آدم شیث نوح اور خنوخ یعنی ادریس اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے قلم سے لکھا۔ چار رسول عرب سے ہیں ہود صالح شعیب اور اے ابوذر تمہارا نبی بنی اسرائیل کا سب سے پہلا نبی موسیٰ اور آخری نبی عیسیٰ ہے تمام انبیاء میں پہلا نبی آدم ہے اور آخری نبی تمہارا نبی ہے۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے جن میں سے چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور چار ہزار دیگر تمام لوگوں کی طرف۔ ابو یعلیٰ موصلی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھائی انبیاء آٹھ ہزار گزرے ہیں پھر عیسیٰ پھر میں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا ہوں جس میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں سے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ انبیاء کے آخر میں آیا ہوں اللہ نے کوئی بھی نبی نہیں بھیجا جس کی پیروی کی جاتی ہے مگر اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور مجھے تو اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جو کسی اور کو نہیں بتائی گئیں دجال کانا ہے تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کی سیدھی آنکھ کانی ہے ابھری ہوئی ہے چھپی ہوئی نہیں ہے ایسا لگتا ہے جیسے چونا کی ہوئی دیوار پر بلغم ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایسی ہے جیسے چمکتا ہوا ستارہ وہ ہر زبان بول رہا ہوگا اس کے پاس جنت کی سبز تصویر ہوگی اس میں پانی چلتا ہوا نظر آئے گا اور جہنم کی سیاہ تصویر ہوگی جس میں سے دھواں اٹھ رہا ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی رہنمائی کرتے تھے، جب بھی کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین بن جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا البتہ جانشین ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کرو اور ان کو ان کا حق ادا کرو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں پوچھیں گے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ ان کی قوم نے انہیں مار کر لہولہان کر دیا تو وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے اے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما یہ لوگ ناواقف ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ جناب نبی کریم ﷺ پر رکھا اور کہنے لگا آپ کی تپش اور بخار کی شدت کی وجہ سے میں اپنا ہاتھ آپ پر نہیں رکھ سکتا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت پر آزمائش بھی دوہری ہوتی ہے جس طرح ہمارے لئے اجر دوہرا ہوتا ہے۔ بعض انبیاء کو جوؤں کی وجہ سے ستایا گیا یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے بعض انبیاء کو فقر کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے پاس پہننے کے لئے قمیص بھی نہیں ہوتی تو وہ بغیر قمیص کے اسی حالت میں رہا کرتے تھے۔ انبیاء آزمائش میں بھی خوش رہتے تھے جس طرح فراخ زندگی میں خوش رہتے تھے۔

مسند احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ آزمائش میں کون لوگ مبتلا ہوتے ہیں؟ تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا انبیاء پھر نیک لوگ پھر دین کے لحاظ سے ان سے قریب تر لوگ پھر ان سے قریب تر لوگ۔ اگر کسی کی دینداری میں پختگی ہوتی ہے تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کسی کی دینداری میں کمی ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوگی۔ بندے کے ساتھ آزمائش کا سلسلہ قائم رہتا ہے جب تک وہ زمین پر چلتا پھرتا رہے اور کسی قسم کی کوئی غلطی ہوتی رہے۔

ترمذی میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ہمارا دین ایک ہے اور ہماری امتیں مختلف ہیں

مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی شریعتیں اور جزوی مسائل تو مختلف تھے اور بعض شریعتیں بعض کے لئے ناسخ تھیں لیکن ان سب کا دین اسلام تھا سب میں توحید کی دعوت تھی جیسا کہ قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے

"آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کو یہ بات وحی کیا کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم لوگ میری ہی عبادت کرو۔" (انبیاء: ۲۵)

پھر ارشاد فرمایا

"آپ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان سے پوچھئے کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کوئی معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔" (زخرف: ۴۵)

ایک اور جگہ فرمایا

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت سے پرہیز کریں پس ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض کے ساتھ گمراہی لازم ہو گئی۔" (نحل: ۳۶)

اور جو حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اس کا مطلب ہے کہ سب کا باپ ایک ہے اور مائیں متفرق [illegible] یعنی دین سب کا ایک ہی ہے اور شرائع یعنی احکامات مختلف ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے

"تم میں سے ہر ایک کو ہم نے الگ طریقہ اور راستہ دیا ہے۔" (مائدہ: ۴۸)

سورہ حج میں ہے

"ہر امت کے لئے ہم نے الگ عبادت کا طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ لوگ چلتے ہیں۔" (حج: ۶۷)

سورہ بقرہ میں ہے

"ہر ایک کے لئے ایک طریقہ ہے جدھر وہ اپنا منہ پھیرتا ہے۔" (بقرہ: ۱۴۸)

مقصد یہ ہے کہ شرائع ہر پیغمبر کے مختلف رہے اور ہر زمانے میں ان کے احکامات مختلف رہے ہیں تاہم تمام شرائع میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم موجود رہا ہے کیونکہ دین اسلام ہے جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں موجود رہا ہے قیامت کے دن اس دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہ کیا جائے گا قرآن کریم میں ہے۔

"اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔"

(آل عمران ۸۵)

سورہ بقرہ میں ہے

"اور ابراہیم کے مذہب سے کون منہ پھیرے گا مگر وہی جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں ہوں گے جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوا اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی مرنا۔" (بقرہ ۱۳۰، ۱۳۲)

سورہ مائدہ میں ہے

"ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے جس کے مطابق انبیاء جو فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔" (مائدہ ۴۴)

بنا بریں اسلام ابتداء سے ایک ہی دین ہے جس کا [illegible] اسلام یہ ہے کہ تمام انبیاء [illegible] اس میں [illegible] نظر

نہ ہو۔ احسان یہ ہے کہ عبادت مشروع طریقے سے کی جائے یعنی جس طرح عبادت کرنے کا حکم ہے اسی طرح عبادت کرنے کو احسان کہا جاتا ہے۔ اب جب تمام شرائع کو منسوخ کر دیا گیا تو جناب محمد ﷺ کو جو طریقہ عبادت بتایا گیا اس طریقے کو اپنانا ضروری ہے اور یہی احسان ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

آپ کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول ہوں۔ (الاعراف ۱۵۸)

سورہ انعام میں ہے:

”اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں تم لوگوں کو ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جس تک یہ قرآن پہنچے۔“ (انعام ۱۹)

سورہ ھود میں ہے:

”اور جو شخص اس کا انکار کرے، جماعتوں میں سے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“ (سورہ ھود ۱۷)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس سے مراد عرب و عجم ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ انسان و جن اس سے مراد ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر موسیٰ تم میں ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ علاتی بھائی ایک باپ اور کئی ماؤں کی اولاد ہوتی ہے اخیافی بھائی اس کے برعکس یعنی ایک ماں اور متفرق باپ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ عینی بھائی ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد کو کہتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت میراث نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ یہ انبیاء کی خصوصیت ہے کہ وہ میراث نہیں چھوڑتے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا ان کی نظر میں بہت ہی حقیر ہوتی ہے اور یہ کہ اپنی اولاد کے بارے میں ان کا توکل اللہ پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ ان کے بعد ان کی اولاد کے لئے ایسا کوئی مال ہو جسے وہ ان کے بعد حاصل کر سکیں بلکہ وہ سوچتے ہیں کہ جو بھی مال پیچھے رہ جائے وہ فقراء کے لئے صدقہ ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ایک مقام پر ہم لوگ رک گئے۔ اس مقام پر ہم میں سے کوئی خیمہ لگانے میں مصروف ہو گیا، کوئی اپنے جانور کو چرنے کے لئے چھوڑ رہا تھا اور کوئی تھکاوٹ اتارنے میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں آواز دی گئی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔ ہم سب اکٹھے ہو گئے تو جناب نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا: مجھ سے پہلے کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت کو اپنی معلومات کے مطابق بھلائی کی جانب رہنمائی کی اور انہیں برائی سے اور شر سے دور رکھا۔ آپ لوگوں کی اس امت کے آغاز میں عافیت رکھی گئی ہے اس کے آخر میں سخت قسم کی آزمائش اور پریشانی آئے گی اور ناپسندیدہ امور پیش آئیں گے اور ایسے ایسے فتنے آئیں گے جو ایک دوسرے کو بپا کرتے جائیں گے۔ ایک فتنہ کھڑا ہوگا تو بندہ مومن کہے گا کہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں گا اس کے بعد اس سے چھٹکارا مل جائے گا، پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا تو مومن کہے گا کہ اس بار تو میں گیا، پھر وہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔ جو چاہے کہ اسے جہنم سے نجات ملے اور اس سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل ہونا چاہے تو اس کو چاہیے کہ ایسا عمل کرے کہ اسے موت ایمان کی حالت میں آئے اور لوگوں کو ایسی چیز دے جو اپنے لیے بھی پسند کرے۔ کسی شخص نے کسی بھی امام کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا عہد اور اپنے دل کا ثمرہ اس کے حوالے کر دیا تو حتی المقدور اس کی اطاعت کرے۔ اگر بعد میں کوئی دوسرا آ کر اس سے وہ منصب چھین لینا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا: کیا آپ ہی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے کان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ حدیث سنی اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کے چچا زاد بھائی معاویہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے مال کو آپس میں ناجائز طریقے سے کھائیں اور ہم خود کو ہلاکت میں ڈال دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اپنے مال کو آپس میں ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملایا اور انہیں اپنی پیشانی پر رکھا اور تھوڑی دیر کے لئے اسے جھکایا اور پھر اپنا سر اوپر اٹھا کر کہنے لگے: ان کی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت میں اور اللہ کی معصیت والی بات میں ان کی نافرمانی کرو۔ یہ روایت مسند احمد کے علاوہ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

عرب کی تاریخ

پورے عرب کے مورث اعلیٰ اور عرب عاربہ

اسماعیل علیہ السلام پورے عرب کے مورث اعلیٰ اور جد امجد ہیں لیکن صحیح اور مشہور یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام سے پہلے عرب عاربہ آباد تھے۔ جن میں عاد، ثمود، طسم، جدیس، امیم، جرہم، عمالقہ اور دیگر اقوام ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور ان کے زمانہ میں بھی تھے۔

عرب مستعربہ: ...... یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جو حجاز میں آباد ہیں۔

یمنی عرب: ...... یہ حمیری ہیں۔ ابن ماکولا کی روایت کے مطابق یمنی قحطان کی نسل سے ہیں جن کا نام مہزم ہے مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ چار بھائی تھے (۱) قحطان (۲) قاحط (۳) مقحط (۴) فالغ۔

کہا جاتا ہے قحطان بن ہود۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان کا نام ہی ہود تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان، ہود کا بھائی تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ قحطان ہود کی نسل سے تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قحطان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ بعض نے ان کا نسب یوں بیان کیا ہے قحطان الہمیسع بن تیمن بن قیدار بن اسماعیل علیہ السلام ایک اور قول بھی منقول ہے جس میں ان کا نسب اسماعیل علیہ السلام تک جا پہنچا ہے واللہ اعلم۔

بنی اسماعیل: ...... "باب نسبة الیمن الی اسماعیل" کے عنوان کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی علیہ السلام "اسلم" قبیلہ کے لوگوں کے پاس گزرے وہ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کی مشق کرو میں بھی تم میں سے ایک جماعت کے ہمراہ ہوں۔ یہ سن کر وہ تیر اندازی سے رک گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم نشانہ بازی سے کیوں رک گئے؟ تو وہ کہنے لگے اب ہم تیر اندازی میں مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جب کہ آپ فلاں جماعت میں شامل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تیر و بازی کی مشق جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں، ایک روایت میں ہے: تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس فریق کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ نے شمولیت کا اعلان کیا تھا اس کا نام "ابن ادرع" تھا۔

اسلم قبیلہ خزاعہ سے ہے: ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسلم بن افصی بن حارثہ عمرو بن عامر قبیلہ خزاعہ سے ہے خزاعہ قبیلہ سبا کے قبائل کی ایک شاخ ہے جب اللہ تعالیٰ نے سبا پر بلا خیز سیلاب برپا کیا تو خزاعہ ان سے کٹ کر جدا ہو گیا تھا۔

قبیلہ اوس و خزرج: ...... اوس اور خزرج قبائل اس کی شاخ ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں بعض نے فرمان رسول اللہ ﷺ سے عرب قوم مراد لی ہے مگر یہ تاویل بے دلیل اور ظاہر کے خلاف ہے۔

قحطان اور عدنانی: ...... جمہور کا قول ہے کہ یمنی عرب وغیرہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نہیں ہیں بلکہ پورے عرب کی آبادی و قبائل (قحطانی اور عدنانی) پر منقسم ہے قحطان قبیلہ کی دو شاخیں ہیں سبا اور حضرموت اسی طرح عدنان کی بھی دو شاخیں ہیں ربیعہ اور مضر جو نزار ابن معد بن عدنان کے بیٹے ہیں۔

قضاعہ: ...... پانچویں شاخ قضاعہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے بعض ان کو "عدنانی" کہتے ہیں بقول ابن عبدالبر اکثر مؤرخین کی یہی

رائے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ زبیر بن بکار اور اس کے چچا مصعب زبیری اور ابن ہشام کا یہ مختار قول ہے۔ اور ایک حدیث میں بھی قضاعہ بن معد مذکور ہے مگر بقول ابن عبدالبر وغیرہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ دور جاہلیت اور آغاز اسلام میں خود کو عدنانی کہلواتے تھے مگر یہ لوگ خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے۔ اس کے عہد حکومت میں قحطانی کہلانے لگے۔ اعشیٰ بن ثعلبہ شاعر نے اس خاندانی تبدیلی کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے

ابلغ قضاعة في القرطاس أنهم
لولا خلائف آل الله ما عتقوا!

"بنی قضاعہ کو لکھ کر بتا دو کہ مقدر ہے کہ اگر تم اللہ کے پسندیدہ لوگوں کی اولاد نہ ہوتے تو غلام ہی رہتے۔ نیک لوگوں کی وجہ سے تم کو عزت ملی ہے۔"

قالت قضاعة انا من ذي يمن
والله يعلم ما بروا وما صدقوا
قد ادعوا والدا ما نال امهم
قد يعلمون ولكن ذلك الفرق

"قضاعہ کا دعویٰ ہے کہ ہم یمنی ہیں اللہ جانتا ہے کہ وہ نیک اور سچے نہیں، انہوں نے ایسے والد کا دعویٰ کیا ہے جس کا ملاپ ان کی ماں سے نہیں ہوا وہ خوب جانتے ہیں، لیکن یہی فرق ہے کہ وہ جانتے ہوئے بھی نہیں مانتے۔"

امام سہیلی نے "روض الانف" میں چند اشعار ذکر کئے ہیں جن سے ان کا یمن کی طرف منسوب ہونا بکثرت معلوم ہوتا ہے۔

قضاعہ قحطانی ہیں:...... ابن اسحاق کلبی اور بعض ماہرین نسب کے مطابق یہ قحطانی ہیں اور ابن اسحاق نے یہ نسب ذکر کیا ہے: قضاعہ بن مالک بن حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان اور ان کے شاعر عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ صحابی سے یہ اشعار اور دو حدیثیں بھی مروی ہیں انہوں نے یہ اشعار کہے:

يا ايها الداعي ادعنا وابشر
وكن قضاعيا ولا تنزر
نحن بنو الشيخ الهجان الأزهر
قضاعة مالك بن حمير

"اے پکارنے والے! تو ہمیں پکار اور خوش ہو قضاعہ کی طرف نسبت کر اور حقیر نہ سمجھ۔ ہم لوگ گورے چٹے شیخ قضاعہ بن مالک بن حمیر کی اولاد ہیں یہ نسب مشہور معروف ہے منبر کے نیچے پتھر پر نقش کی طرح۔"

ایک اور قول:...... بعض لوگوں نے یہ نسب اس طرح بیان کیا ہے قضاعہ بن مالک بن عمرو بن مرہ بن زید بن حمیر۔ ابن لہیعہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "امانحن من معد" "کیا ہم معد قبیلے سے ہیں؟" آپ نے فرمایا نہیں تو میں نے پوچھا ہم کس قبیلے سے ہیں تو فرمایا تم قضاعہ بن مالک بن حمیر کی اولاد ہو۔

بقول ابو عمر ابن عبدالبر، بالاتفاق، جہینہ بن زید بن اسود بن اسلم بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کی اولاد ہیں۔ اس قول کے مطابق ان کا شمار حمیر بن سبا سے ہے۔

مذکورہ دونوں اقوالوں میں تطبیق:...... زبیر بن بکار وغیرہ کا بیان ہے بعض ائمہ نے نسب دانوں کے ان دو اقوال کی یہ تطبیق بیان کی

ہے کہ مالک بن حمیر نے ایک جرہمی خاتون سے شادی کی۔ اس کے شکم سے قضاعہ پیدا ہوا پھر نومولود قضاعہ کی والدہ، معد بن عدنان کی زوجیت میں آ گئی۔ (بعض لوگوں کے گمان کے مطابق جو کہ حاملہ تھی معد کے گھر میں آباد ہو گئی) حسب رواج وہ اپنی والدہ کے نئے شوہر کی طرف منسوب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

عرب تین قبائل پر منقسم ہے:...... محمد بن سلام بصری جو کہ ماہر انساب ہے کے مطابق عرب کے تین قبائل ہیں۔ عدنانی قحطانی اور قضاعہ اس سے کسی نے پوچھا ان میں سے کس کی اکثریت ہے؟ تو اس نے کہا یہ قضاعہ قبیلہ پر منحصر ہے اگر یہ یمنی عرب میں شمار ہوں تو قحطانیوں کی اکثریت ہے، اگر یہ معد میں شمار ہوں تو اس وقت عدنانی اکثریت ہوں گے۔ اس تبصرہ سے واضح ہے کہ وہ اپنے نسب میں کچھ متردد تھے ابن لھیعہ کی مذکورہ بالا روایت جو درست ہو تو صاف ظاہر ہے کہ قضاعہ قبیلہ قحطانی ہے واللہ اعلم۔

لفظ شعوب کی تحقیق:...... وجعلناکم شعوبا وقبائل الخ (الحجرات ۱۳) اور تم کو تقسیم کیا ہے تو موں اور قبائل میں نسب کا انتہائی بالائی حصہ شعب اور شعوب کہلاتا ہے پھر قبیلہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ پھر عشیرہ وہ آدمی کے انتہائی قریبی رشتہ داروں کی جماعت کا نام عشیرہ ہے۔

اب ہم انشاء اللہ قحطانی قبیلہ کے واقعات بیان کریں گے پھر اہل حجاز یعنی عدنان کے دور جاہلیت کے واقعات وحوادث بیان کریں گے تاکہ یہ حوادثات "سیرت النبی ﷺ" کا مقدمہ اور تمہید ہوں۔

ذکر قحطان:...... کے عنوان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبل از قیامت قحطان میں ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو لوگوں کو اپنی عصا سے ہانکے گا۔ مسلم نے بھی اسے بیان کیا ہے۔

بادشاہوں اور مشرکوں کا باہمی سلام:...... بقول کلبی قحطان پہلا شخص ہے جو "ابیت اللعن" کے خطاب سے مخاطب ہوا، یہ جاہلی دور میں بادشاہوں کا سلام تھا اور سب سے پہلے اسے "انعم صباحا" ("گڈ مارننگ۔ م) یعنی صبح کا سلام کہا گیا۔ یہ مشرکوں کا باہمی سلام تھا۔

مسند احمد میں ذی مخمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمرانی پہلے حمیر میں تھی اللہ تعالیٰ نے ان سے چھین کر قریش کے سپرد کر دی۔ اور عنقریب ان کی طرف پھر منتقل ہو جائے گی۔ عبداللہ بن امام احمد کہتے ہیں میرے والد کی کتاب میں وس، ت، ع، ود۔ الی ہم مکتوب تھا اور جب اسے روانی سے پڑھتے تو "وستعود الیہم" پڑھا جاتا۔

قصہ سبا:...... بے شک قوم سبا کے لئے ان کی بستی میں ایک نشانی موجود تھی۔ دائیں بائیں دو باغ۔ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، عمدہ شہر ہے اور بخشنے والا ہے رب، پھر انہوں نے نافرمانی کی پھر ہم نے ان پر بند توڑ کر سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں دو باغ بد مزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیئے۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں کو ہی برا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے اور ہم نے ان میں منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ ان میں رات اور دن کو امن سے چلو پھر انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہماری منزلوں کو دور کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے انہیں کہانیاں اور افسانہ بنا دیا اور ہم نے انہیں پورے طور پر پارہ پارہ کر دیا، بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔ (سبا ۱۵ تا ۱۹)

سبا کی وجہ تسمیہ:...... محمد بن اسحاق کے مطابق سبا کا نام عبد شمس بن یشجب بن یعرب ابن قحطان ہے یہ پہلا عربی شخص ہے جس نے "قیدی" بنانے کا کارنامہ انجام دیا اس وجہ سے اس کا نام "سبا" مشہور ہو گیا اور سبا کے معنی قیدی کے ہیں اور "رائش" نام اس وجہ سے پڑا کہ لوگوں میں

مال و دولت تقسیم کیا کرتا تھا سہیلی نے نقل کیا ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس کی تاج پوشی ہوئی۔

اس کے اشعار ...... بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ مسلمان تھا اس نے چند اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی نوید سنائی ہے جو "التنویر فی مولد البشیر النذیر از ابن دحیہ" میں مذکور ہیں:

سیملک بعدنا ملکا عظیما
نبی لا یرخص فی الحرام
ویملک بعده منهم ملوک
یدینون العباد بغیر ذام
ویملک بعدهم منا ملوک
یصیر الملک فینا باقتسام
ویملک بعد قحطان نبی
تقی جبینه خیر الانام

"ہمارے بعد ایک نبی عظیم حکومت کا حکمران ہوگا، جو مسجد حرام میں کسی گناہ کی اجازت نہ دے گا۔ اس کے بعد متعدد حکمران ہوں گے۔ جو بغیر قتل و غارت کے لوگوں کو مطیع کریں گے۔ پھر ان کے بعد ہم سے بادشاہ ہوں گے اور ملک تقسیم ہو جائے گا۔ قحطان کے بعد وہ نبی حکمران ہوگا جو کشادہ پیشانی اور پوری مخلوق میں برتر ہوگا۔"

یسمی احمدا یا لیت انی
اعمر بعد مبعثه بعام
فاعضده واحبوه بنصری
بکل مدجج وبکل رام
متی یظهر فکونوا ناصریه
ومن یلقاه یبلغه سلامی

"ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش کہ میں ان کی بعثت کے بعد ایک سال تک زندہ رہتا میں ان کا دست و بازو بنتا، ہر مسلح اور تیر انداز کے ذریعہ اس کی مدد کرتا۔ جب وہ ظاہر ہو تو تم اس کی مدد کرو، جس کی ان سے ملاقات ہو وہ ان کو میرا سلام عرض کرے۔"

"سبا" مرد تھا یا عورت تھی؟ ...... مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سبا کے بارے میں پوچھا کیا وہ مرد تھا یا عورت یا کسی علاقہ کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا ایک آدمی تھا اس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں مقیم تھے اور چار شام میں ان میں سے (۱) مذحج (۲) کندہ (۳) ازد (۴) اشعری (۵) انمار (۶) حمیر یمن میں تھے اور (۷) لخم (۸) جذام (۹) عاملہ اور (۱۰) غسان شام میں مقیم تھے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھنے والا "فروہ بن مسیک غطیفی" ہے۔

الغرض "سبا" ان سب قبائل کا مورث اعلیٰ اور جد امجد تھا۔ ان ہی سے ملوک یمن "تبابعہ" تھے یہ تبع بادشاہ ایوان عدالت میں شاہان فارس کی طرح تاج پہن کر فیصلے کیا کرتے تھے۔

بادشاہوں کے القاب ...... یمن کے جس حکمران کے ماتحت حمیر سے حضر موت تک کا علاقہ ہوتا اسے تبع کہتے تھے۔ جو بادشاہ ملک شام مع جزیرہ کا حاکم ہوتا اسے "قیصر" کہتے تھے۔ فارس کے بادشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا مصر کے شاہ کو "فرعون" کہتے تھے، اور حبشہ کے حکمران کا لقب "نجاشی"

ہوتا تھا اور ہندوستان کے بادشاہ کا لقب "بطلیموس" تھا، یمن کے شاہان حمیر میں ملکہ بلقیس کا بھی شمار ہے۔

ناشکری کا انجام...... یہ قوم سبا کے لوگ نہایت قابل رشک زندگی بسر کر رہے تھے، دولت کی ریل پیل تھی، باغات اور پھلوں کی بہتات تھی۔ زراعت و کاشت خوب عروج پر تھی۔ وہ رشد و ہدایت پر قائم تھے، راہ راست پر گامزن تھے۔ جب انہوں نے یہ روش بدلی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی تو قوم کو تباہی کے گڑھے میں اتار دیا۔

بعثت انبیاء...... محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ۱۳ انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے اور بقول سدی بارہ ہزار نبی مبعوث کئے۔

الغرض جب وہ لوگ رشد و ہدایت کو ترک کر کے گمراہی اور ضلالت کی راہ پر چل پڑے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرنے لگے، یہ آفتاب پرستی ملکہ بلقیس کے عہد حکمرانی میں بھی جاری تھی اور اس سے پہلے بھی وہ لوگ آفتاب پرستی میں مبتلا تھے۔ جب وہ اس غلط کاری اور نافرمانی کی روش پر باجماعت چلتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بند توڑ سیلاب سے تباہ و برباد کر دیا۔

سدّ مارب...... اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ (۸۰۰ ق م) مارب ڈیم کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ دو پہاڑوں کے درمیان پانی رواں تھا اور ان پر اس قدر مضبوط بند باندھ دیا گیا تھا کہ پانی کی سطح بلند ہوگئی اور ان کے قرب و جوار میں باغات لگا دیئے گئے اور کاشت کرنے لگے۔

سنگ بنیاد...... مشہور ہے کہ اس کا سنگ بنیاد سبا بن یعرب نے رکھا تھا۔ اس نے ستر وادیوں کا پانی اکٹھا کر کے اس میں جمع کر دیا تھا اور اس کے تیس دروازے قائم کئے تھے۔ اس کی زندگی میں ڈیم کی تعمیر نہ ہوسکی، حمیر نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یہ ڈیم تین مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔

سد مارب کے باشندے رزق کی فراوانی، عمدہ زندگانی اور خوب عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہے تھے۔ قتادہ وغیرہ کا بیان ہے کہ باغات میں اس قدر پھلوں کی کثرت تھی کہ عورت چھبے سر پر رکھ کر گزرتی تو بغیر ہاتھ لگائے پھلوں سے ٹوکرہ بھر جاتا تھا، آب و ہوا لطیف اور ماحول اس قدر پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا کہ مچھر مکھی اور کھٹمل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جیسا کہ سورہ سبا میں ہے بلدة طيبة پاکیزہ اور صاف ستھرا شہر۔

نعمت کی ناشکری...... جب وہ غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے تو آبادیوں کے قریب راستوں سے اکتا کر دور دراز مسافتوں کی خواہش کرنے لگے۔ باغات کی پرکشش عیش سے دل اچاٹ ہوگیا تو جہد مسلسل کی تمنا اور آرزو کرنے لگے، آرام و راحت کی بجائے محنت و مشقت طلب کرنے لگے جیسا کہ بنی اسرائیل نے منّ و سلویٰ سے تنگ آ کر کھیتی باڑی سے پیدا ہونے والی غذاؤں اور سبزیوں کا تقاضا کیا تھا۔

چنانچہ ان سے یہ عظیم نعمت سلب کر لی گئی۔ صاف ستھری آب و ہوا غلیظ اور کثیف ہوگئی، عمدہ سرزمین کھنڈرات کا روپ دھار گئی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، جب انہوں نے توحید سے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر سخت سیلاب بھیجا۔

قضاء و قدر کے خلاف ان کی تدابیر...... اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بند میں چوہے پیدا کر دیئے جب ان کو چوہوں کی پیدائش کا علم ہوا تو انہوں نے ان پر بلیاں چھوڑ دیں لیکن بلیاں بیکار ثابت ہوئیں۔ قضاء و قدرت کے سامنے تمام تدابیر رائیگاں ہوگئیں، کے شگافوں اور دراڑوں کے باعث بند گر پڑا، پانی کا سیلاب امڈ آیا، آبپاشی کا نظام درہم برہم ہوگیا، کاشت اور باغات تباہ ہوگئے، عمدہ پھلوں کی بجائے جنگل جھاڑی بوٹیوں کے پھل رہ گئے وبدلنٰهم بجنتيهم جنتين ذواتي اكل خمط و اثل (سورہ سبا) ان باغوں کے عوض دو باغ انہیں دیئے گئے جن میں بدمزہ میوے اور جھاڑ تھے۔

آیت کریمہ میں الفاظ کے معانی...... بقول مجاہد و ابن عباس "اُکُلِ خَمطٍ" سے مراد پیلو کے درخت ہیں اور "اَثل" سے مراد جھاؤ یا ایسا درخت جو صرف ایندھن کے کام آئے، پھل دار نہ ہو، و شيء من سدر قليل اور تھوڑے سے بیری کے درخت یعنی عمدہ پھلوں کی بجائے جنگل

بیری جیسے خاردار درخت کا پھل باقی رہ گیا جس پر کوہ پہاڑ کی چوٹی کی ضرب المثل صادق آتی ہے (لحم جمل غث علی راس جبل)

کفر کا بدلہ: ــــ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہم نے ان کے کفر کا بدلہ دیا اور ہم ناشکرے انسان کے سوا ہم ایسا بدلہ اور کسی کو نہیں دیتے (سبا ۱۷) یعنی ایسی سخت سزا ان لوگوں کو دیتے ہیں جو ناشکری کرتے ہیں، ہمارے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اور ہمارے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں اور گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں فجعلناهم احادیث ومزقناهم كل ممزق (۳۴:۱۸) ہم نے ان کو کہانیاں اور افسانے بنا دیا اور ان کی دھجیاں اڑا دیں، سرسبز علاقہ برباد ہو گیا، مال و دولت، جاہ و حشمت گئی تو وہ اپنا مالوف وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر وہ لوگ منتشر ہو کر بلند و بالا اور پست علاقوں میں منتقل ہو گئے۔

غور اور نجد کا انتشار: ــــ عرب کے غور اور نجد، حجاز اور اطراف کے علاقوں پر منتشر ہو گئے چنانچہ خزاعہ قبیلہ مکہ مکرمہ کے نواح میں آباد ہوا۔ ایک قبیلہ موجودہ مدینہ منورہ کے مقام پر یعنی ان کے پاس یہود کے تین قبائل، بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر آباد ہوئے تھے، یہ اوس و خزرج کے جد ہیں۔

غسان، عاملہ، بہراء، لخم، جذام، تنوخ اور تغلب وغیرہ قبائل شام میں چلے آئے اور عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں شام کی فتوحات کے سلسلے میں ہم ان قبائل کا تذکرہ کریں گے، ان شاء اللہ۔

محمد بن اسحاق بذریعہ ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ اعشیٰ شاعر نے اسی دردناک حادثہ کو ایک نظم میں پیش کیا ہے:

وفی ذاک للمؤتسی اسوة
ومارب عفی علیها العرم
رخام بنته لهم حمیر
اذا جاء مواره لم یرم
فاروی الزروع واعنابها
علی شرب طفل اذا ما فطم
فصاروا ایادی لا یقدرون
علی شرب طفل اذا ما فطم

"اس طوفان میں حق بات کی اتباع کرنے والے کے لئے اچھا نمونہ ہے۔ سد مارب کو سیلاب نے نیست و نابود کر دیا، حمیر نے ان کے لئے پتھروں سے بند تعمیر کیا جب طغیانی آئی تو وہ ٹھہر نہ سکا۔ پانی جب ان میں تقسیم ہوتا تھا زراعت اور باغات کو سیراب کرتا تھا، اب وہ لوگ منتشر ہو گئے اور سد مارب کی وجہ سے پانی کی بوند کو ترس رہے تھے کہ شیر خوار بچے کو دودھ چھڑانے کے وقت پلا سکیں۔"

ترک سکونت: ...... محمد بن اسحاق میں لکھتے ہیں کہ عمرو بن عامر لخمی بن عدی بن حارث بن مرہ بن ادد بن زید بن ہمیسع بن عمرو بن عریب بن یشجب بن زید بن کہلان بن سبا سیل عرم سے قبل ہی یمن سے ترک سکونت کر کے باہر چلا گیا۔

ابو زید انصاری کی روایت کے مطابق اس کے ترک سکونت کا باعث یہ ہوا کہ اس نے دیکھا کہ سد مارب جس سے وہ حسب منشا آبپاشی کرتے ہیں اس میں چوہوں نے اپنے بل بنا لئے ہیں اس وجہ سے سد مارب کا قائم رہنا دشوار ہے چنانچہ اس نے ترک وطن کا ایک خفیہ منصوبہ تیار کر لیا، اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا جب میں تجھے برا بھلا کہہ کر تھپڑ رسید کروں تو جواباً تم بھی مجھے اسی طرح تھپڑ رسید کر دینا۔ حسب منصوبہ اس کے بیٹے نے یہ گستاخی کی تو اس نے کہا میں ایسے علاقے میں قیام کیوں کروں جہاں اولاد باپ کی بے ادبی کرے چنانچہ وہ اپنا سارا مال و متاع فروخت کے لئے بازار میں لے آیا لوگوں نے موقع غنیمت جان کر اس کا سارا مال و متاع خرید لیا اور وہ اپنے خاندان کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اور قبیلے نے لمبا عرصہ بنا دیا ہے تو ہم کی حالت ٹھیک ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ بھی اسلام قبول کرنے سے باز آ گئے۔ "[illegible]" کی [illegible] "[illegible]" کے ساتھ [illegible] سے جنگ کی۔ یہ جنگ [illegible] میں ہوئی [illegible] غالب آ گئے اور [illegible] غالب آ گئے عباس بن مرداس نے اپنے ایک قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے

وعکّ بن عدنان الذین تلعبوا
بغسان حتی طردوا کل مطرد

"عک وہ قبیلہ ہے جس نے غسان کو کھیل کے بعد منتشر کر دیا۔"

یمن سے بعد ہونے سب وہاں سے نکل کر مختلف مقامات پر پہنچ گئے آل جفنہ بن عمرو بن عامر شام میں مقیم ہو گئے۔ اوس اور خزرج نے مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ خزاعہ [illegible] "ازد سراۃ" "ازد عمان" عمان میں [illegible] اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیلاب آیا اور سد مأرب کا علاقہ تباہ ہو گیا۔ یہ قصہ سورہ سبا [illegible] میں مذکور ہے۔

عمرو بن عامر کاہن کی پیشین گوئی: محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن عامر کاہن تھا (کسی اور سے یہ منقول ہے) کہ اس کی بیوی [illegible] کاہنہ تھی۔ اس نے کہا یہ علاقہ قریب تباہ ہونے والا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سد مأرب میں چوہوں کے بل دیکھے تو ان [illegible] چلے گئے [illegible] نے [illegible] سے مفصل نقل کیا ہے۔

[illegible] صرف صاحب نے [illegible] سے [illegible] مختلف مقامات میں [illegible] ہوئے [illegible] کہ تمام قبائل نے یمن سے [illegible] اور [illegible] قبائل [illegible] ہے۔

شاہ حبشہ کی حکومت: یمن تبابعہ کے ہاتھ میں رہا پھر شاہ حبشہ نے ابرہہ اور ارباط کی زیر قیادت لشکر روانہ کر کے ان سے چھین لیا [illegible] پر حکومت کرتا رہا۔

پھر سیف بن ذی یزن حمیری نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یمن میں علی، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کو اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے روانہ کیا۔ اسود عنسی یمن پر غالب آ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ عاملوں کو اس نے وہاں سے نکال دیا۔ اسود عنسی کے قتل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر لخمی کا قصہ

سہیلی اہل یمن کے ماہرین نسب، ربیعہ بن نصر کا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں۔ ربیعہ بن نصر [illegible] اور زبیر بن بکار اس کا نسب یوں بیان کرتے ہیں۔ ربیعہ بن نصر بن مالک بن شعوذ بن مالک بن عجم بن عمرو بن نمارہ بن لخم۔

لخم کی وجہ تسمیہ: لخم کا نام مالک ہے۔ [illegible] اس کے بھائی نے [illegible] کو [illegible] کہا جاتا ہے [illegible] مشہور ہو گیا۔

ربیعہ یمن کے تبابعہ میں سے ایک تھا۔ شق اور سطیح دو کاہنوں نے اس کا خواب اور تعبیر بیان کی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خوشخبری سنائی۔

سطیح اور شق کے حالات…… سطیح کا نام ربیع بن ربیعہ بن مسعود بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن غسان ہے یہ ایک بے ترتیب عضو والا انسان تھا، مشک کی طرح اس کا چہرہ سینہ میں تھا، غضبناک ہو جاتا تو اس کا جسم پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔

شق…… ناقص اعضاء والا انسان تھا۔ یہ بھی سطیح کی طرح تھا کہ اس کا چہرہ سینہ میں دھنسا ہوا تھا۔ غصہ میں اس کا چہرہ اور جسم پھول جاتا پھر بیٹھ جاتا۔ نسب یہ ہے شق بن صعب بن یشکر بن رہم بن افرک بن قیس بن عبقر بن

انمار بن نزار…… بعض کہتے ہیں کہ انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نابت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا ہے مشہور ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری سلالہ کی نسل سے ہے۔

کلبی کا بیان ہے کہ سطیح اور شق دونوں کاہن اسی روز پیدا ہوئے جس روز طریفہ بنت خیر حمیریہ زوجہ عمرو بن عامر فوت ہوئی اور یہ بھی منقول ہے کہ اس نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور اس کی کہانت ان کی طرف منتقل ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

خواب اور اس کی تعبیر…… محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ ربیعہ بن نصر، تبع شاہ یمن نے ایک خوفناک خواب دیکھا جس کی وجہ سے وہ حیران و پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے قلمرو کے سب کاہن، ساحر، قیافہ شناس اور نجومی دربار میں طلب کیے ان کو بتایا کہ میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے نہایت مضطرب اور بے چین ہوں، مجھے خواب اور اس کی تعبیر بتاؤ تو حاضرین نے کہا حضور! خود بیان فرمایئے، ہم اس کی تعبیر سے آگاہ کر دیں گے تو اس نے کہا اگر وہ خواب میں خود بتاؤں تو تعبیر سے میری تسلی نہ ہو گی کیونکہ اس کی تعبیر سے وہی باخبر ہے جو میرے بتائے بغیر خواب سے آگاہ ہو تو ایک درباری نے عرض کیا بادشاہ سلامت! اگر آپ کا یہ مقصد ہے تو "شق" اور "سطیح" کو طلب کیجئے۔ ان سے بڑھ کر کوئی بھی خواب کی تعبیر نہیں جانتا وہ آپ کے ہر سوال کا صحیح جواب دیں گے۔ چنانچہ ان کو پیغام بھیج کر طلب کر لیا۔ سطیح، شق سے پہلے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے بتایا کہ میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں سخت بے قرار اور خوفزدہ ہوں، مجھے وہ خواب بتاؤ اگر تو خواب بتا سکے گا تو اس کی تعبیر سے بھی آشنا اور آگاہ ہو گا یہ سن کر اس نے کہا یہ معمہ حل کر سکتا ہوں۔

آپ نے روشن آگ کو تاریکی سے نکلتے دیکھا ہے اور وہ روشنی تہامہ میں پھیل گئی ہے اور اس نے ہر ذی روح کو ہڑپ کر لیا ہے۔ شاہ نے کہا تم نے بالکل درست کہا اب اس کی تعبیر بتایئے۔

تو سطیح نے کہا میں دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان ہر ذی روح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے علاقے پر حبشی غالب آ جائیں گے اور "ابین" سے "جرش" تک کے علاقے پر قابض ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے کہا یہ تو نہایت خطرناک اور دردناک بات ہے لیکن یہ خواب کب شرمندہ تعبیر ہو گا، میرے عہد حکومت میں یا بعد میں؟ تو سطیح نے کہا ابھی نہیں۔ یہ تعبیر ساٹھ یا ستر سال کے بعد ظہور پذیر ہو گی۔

شاہ نے پھر پوچھا کیا ان کی حکمرانی ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟ تو سطیح نے کہا ستر سال سے کچھ زائد عرصے کے بعد ان میں سے کچھ قتل ہو جائیں گے اور کچھ فرار ہو جائیں گے۔

شاہ نے پوچھا ان کے ساتھ نبرد آزما کون ہو گا؟ تو اس نے کہا عدن سے ارم ذی یزن حملہ آور ہو گا۔ اور یمن میں ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔

شاہ نے مزید پوچھا کیا اس کی سلطنت ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟ اس نے کہا اس کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ پوچھا کون ختم کرے گا؟ بتایا ایک پاکباز شخص جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہو گی، پوچھا یہ نبی کون سے قبیلے سے پیدا ہو گا؟ اس نے بتایا غالب بن فہر کے خاندان سے، اور تا قیامت اس کی قوم میں یہ حکمرانی باقی رہے گی۔ پھر پوچھا کیا دنیا کا اختتام بھی ہے؟ تو اس نے بتایا، جی ہاں! جس روز پہلے اور پچھلے سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے، نیک لوگ سرخرو ہوں گے اور بدکار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ شاہ نے پوچھا جو تو بتا رہا ہے، کیا بالکل حق ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! شام کی سرخی، رات کی تاریکی اور صبح کی روشنی کی قسم! جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ حق اور سچ ہے۔

شق کاہن کی تعبیر…… بعد میں شق ذی کاہن آیا تو اس سے امتحان و آزمائش کی خاطر، سطیح کے سوال کا جواب مخفی رکھا اور حسب سابق سوال

کیا تو اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت آپ نے آتش کو ظلمت سے نکلتے دیکھا ہے، پھر وہ روضہ اور اس کے درمیان ظاہر ہوئی، اور اس نے ہر زندہ کو ہڑپ کر لیا ہے۔

شق کاہن نے جب یہ خواب بتایا تو شاہ نے تصدیق کی کہ آپ نے بالکل درست کہا ہے اب اس کی تعبیر بتائیے؟ تو اس نے کہا کہ میں حرتین کے درمیان آباد انسان کی قسم کھا کر کہتا ہوں، تمہارے علاقے میں حبشی آجائیں گے اور سب پر غالب آجائیں گے اور "ابین" سے لے کر "نجران" تک قابض ہو جائیں گے۔

شاہ نے کہا، جناب! یہ بات تو نہایت تکلیف دہ ہے۔ بتائیے یہ کب ہوگا کیا میرے عہد حکومت میں یا بعد میں؟ اس نے کہا تمہارے کچھ عرصہ بعد پھر ان سے ایک عظیم الشان انسان نجات دلائے گا اور ان کو نہایت ذلیل و رسوا کرے گا۔ پوچھا یہ عظیم انسان کون ہوگا؟ فرمایا وہ کمینہ اور کمزور نہیں، ذی یزن کے خاندان سے ہوگا۔ شاہ نے مزید پوچھا اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی یا منقطع ہو جائے گی؟

تو شق نے کہا ایک رسول کے ذریعے یہ حکومت ختم ہوگی جو صاحب ملت ہے، حق و صداقت اور عدل و انصاف کا پیغمبر ہے۔ "یوم الفصل" تک اس کی قوم میں حکومت باقی رہے گی۔ شاہ نے پوچھا "یوم الفصل" کیا ہے؟ تو شق نے بتایا جس روز سلاطین کو بدلے ملیں گے۔ آسمان سے آوازیں آئیں گی، ہر زندہ اور مردہ سنے گا سب لوگ ایک میقات پر اکٹھے ہوں گے، متقی اور نیک انسان کے لئے نجات اور خیر و برکت ہوگی۔ شاہ نے پوچھا، جو کچھ تم نے بتایا ہے کیا وہ صحیح اور سچ ہے؟ شق نے کہا زمین و زمان اور ہر نشیب و فراز کے مالک کی قسم! جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ سچ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

احتیاطی تدابیر...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ شاہ اس تعبیر سے اس قدر متاثر اور خوف زدہ ہوا کہ اپنے تمام اہل خانہ کو عراق روانہ کر دیا اور شاہ سابور بن خرزاذ کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جس کی وجہ سے اس نے اس کے خاندان کو حیرہ میں آباد کر دیا۔

نعمان بن منذر...... بقول محمد بن اسحاق نعمان بن منذر بن عمرو، حیرہ کا گورنر منجانب کسریٰ، ربیعہ بن نصر کی اولاد میں سے ہے۔ عرب کے وفود اس کے دربار میں حاضر ہوتے اور اس کی مدح و ستائش کرتے، اکثر مورخین نے ابن اسحاق کے اس بیان کی تائید کی ہے۔

نیز محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ نعمان بن منذر کی تلوار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم سے پوچھا یہ نعمان کس کی اولاد میں سے ہے؟ تو جبیر نے کہا قنص بن معد بن عدنان کی اولاد میں سے ہے محمد بن اسحاق کہتے ہیں خدا جانے نعمان بن منذر قحطانی تھا یا عدنانی۔

تبع ابی کرب کا اہل مدینہ کے ساتھ نیک برتاؤ کا بیان
بیت اللہ پر حملے کا عزم اور اس کی تعظیم

کعبہ پر (پہلی بار) غلاف چڑھانا...... بقول محمد بن اسحاق، ربیعہ بن نصر کی وفات کے بعد حسان بن تبان اسعد ابی کرب پورے یمن کا بادشاہ تھا۔ تبان اسعد آخری تبع ہے بن کلی کرب بن زید، زید پہلا تبع ہے۔ جس کا نسب یہ ہے زید بن عمرو ذی الاذعار بن ابرہہ ذی المنار بن رائش بن عدی بن صیفی بن سبا الاصغر بن کعب (کہف الظلم) ابن زید بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن عرنجج حمیر، بن سبا اکبر بن یعرب بن یشجب بن قحطان۔ بقول عبدالملک بن ہشام سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان درست ہے۔

تبان اسعد...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ تبان اسعد ابو کرب مدینہ منورہ میں آیا اور دو یہودی علماء کو اپنے ہمراہ یمن لے گیا۔ اس نے بیت

اللہ کی حرمت کروائی اور غلاف چڑھایا اور ربیعہ بن نصر سے قبل یہ حکومت کرتا تھا۔

وہ مشرقی ممالک کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مدینہ کے راستے سے آیا اور اپنے بیٹے کو وہاں چھوڑ گیا، واپس ہوا تو اس کا بیٹا قتل ہو چکا تھا۔ قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا تو اس نے مدینہ اور اس کے نخلستان کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر لیا تو انصار نے عمرو بن طلحہ نجاری یکے از عمرو بن مبذول کی زیر قیادت اس کی مزاحمت کی۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ عدی بن نجار کی اولاد میں سے "احمر" نے اس لڑکے کو کھجوریں توڑتا ہوا پایا اور اسے درانتی کے وار سے موت کے گھاٹ اتار دیا جو کھجور کا پھل پیوند کرنے والے کے پاس ہوتی ہے۔ انما التمر لمن ابرہ یہ سن کر مشتعل ہو گیا اور قتل وغارت شروع کر دی۔

انصار کا بیان ہے کہ نجاری دن کو تبع کے ساتھ برسرپیکار ہوتے اور رات کو حسب دستور اس کی میزبانی کرتے تبع یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ تھا کہ واللہ یہ لوگ نہایت ناتجربہ کار اور بالکل سادہ لوح ہیں۔

وجہ عناد...... ابن اسحاق نے انصار سے نقل کیا ہے کہ تبع یہود پر سخت ناراض تھا کہ انہوں نے اس کو مدینہ میں جنگ کرنے سے منع کیا تھا۔

سہیلی نے نقل کیا ہے کہ تبع اپنے (ابنائے عم) انصار کے تعاون کے لئے مدینہ آیا تھا کہ یہود مدینہ میں انصار کے پاس چند شرائط کے تحت آباد ہوئے تھے یہود نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور ان پر دست درازی شروع کر دی، واللہ اعلم۔

پیش گوئی...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع، انصار کے مقابل برسرپیکار تھا کہ بنی قریظہ کے دو یہودی علماء کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مدینہ اور اس کے باشندگان کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے تو علمائے یہود نے اس سے گزارش کی، حضور! آپ ایسا نہ کیجئے! آپ مدینہ کو تباہ و برباد نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس نے پوچھا کیونکر؟ تو علماء نے کہا، یہ ایک آخر الزمان قریشی نبی کی ہجرت گاہ ہے جو مکہ سے یہاں تشریف لائے گا تو لہٰذا وہ جنگ وجدال سے باز آ گیا اور ان کے علم و دانش کا قائل و معتقد ہو گیا اور ان کے دین و ایمان کا پابند ہو کر مدینہ سے کوچ کر گیا۔

تبع کا عقیدہ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع اور اس کی قوم بت پرست تھی، وہ براستہ مکہ یمن کی طرف کوچ کر رہا تھا عسفان اور امج کے درمیان پہنچا تو ہذیل بن مدرکہ کے چند افراد نے اس سے عرض کیا جناب! ہم آپ کو ایک عظیم خزانے کی نشان دہی کرتے ہیں جو قبل ازیں تمام بادشاہوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے وہ سیم و زر یاقوت و جواہر سے بھرپور ہے۔ اس نے کہا ضرور بتایئے چنانچہ انہوں نے کہا، مکہ میں ایک گھر ہے جو کہ ان کا عبادت خانہ ہے وہاں وہ نماز پڑھتے ہیں۔

آل ہذیل کی بدنیتی...... آل ہذیل کا خیال تھا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو تباہ ہو جائے گا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس نے بھی اس کی تباہی کا ارادہ کیا وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ جب اس نے حملے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہود علماء سے مشورہ کیا تو علماء نے بتایا کہ آل ہذیل نے آپ کی اور لشکر کی تباہی اور ہلاکت کا منصوبہ بنایا ہے۔ ہمارے علم میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر صرف یہی "گھر" اپنی عبادت کے لئے منتخب فرمایا ہے اگر آپ اس پر حملہ آور ہوئے تو لشکر سمیت تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

تبع کا طواف بیت اللہ اور حجاج کی ضیافت...... پھر اس نے پوچھا کہ جب میں وہاں پہنچوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے بتایا جو کچھ وہاں کے باشندے کرتے ہیں آپ بھی وہی کچھ کریں۔ اس کا طواف کریں اور تعظیم و تکریم بجا لائیں سر منڈوائیں اور واپسی تک فروتنی و نیاز کا خوب مظاہرہ کریں۔

تبع نے پوچھا تو پھر تم اس کا طواف وغیرہ کیوں نہیں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا واللہ! یہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر ہے جسے ہم نے آپ کے گوش گزار کیا ہے وہ اسی طرح قابل احترام ہے، لیکن دراصل بات یہ ہے کہ ان مشرکین نے وہاں بت نصب کر رکھے ہیں اور

اس پر خدا نے دھمکی آ گیا یعنی وہ مرنے کے قریب ہو گئے ہیں (تم اس لیے ان حالات سے اجتناب کرتے ہیں) چنانچہ وہ ان کی خیرخواہی اور بھلائی کا معترف ہو گیا اور مدینہ سے ان چند افراد کو ساتھ لے کر [illegible] اور خود مکہ کی طرف چلا گیا، اس نے طواف کیا، قربانی کی اور سر منڈوایا اور وہاں چھ روز تک قیام کیا، اور ان دنوں لوگوں کو کھانا کھلاتا رہا اور شہد پلاتا رہا۔

ایک خواب اور غلاف کعبہ ...... اس نے خواب دیکھا کہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائے چنانچہ اس نے [illegible] کے کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر خواب دیکھا کہ اس سے بھی بہتر غلاف پہنائے، چنانچہ اس نے یمن کے "وصائل" کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر بھی اس نے خواب دیکھا کہ اس سے بھی بہتر کپڑے کا غلاف چڑھائے چنانچہ اس نے معافری اور یمنی کپڑے کا غلاف چڑھا ڈالا۔

مورخین کا بیان ہے کہ تبع نے سب سے پہلے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا اور اس کے متولی جرہم قبیلہ کو اس بات کی وصیت کی اور بیت اللہ کی صفائی کا حکم دیا اور بیت اللہ کو خون مردار وغیرہ کی گندگی سے پاک رکھیں اور اس نے ایک دروازہ نصب کر کے اس کا تالا لگا دیا۔

نصیحت آموز اشعار ...... اسی بات کی روشنی میں سبیعہ بنت احب زوجہ عبد مناف بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب اپنے بیٹے خالد کو مکہ میں ظلم و ستم سے باز رہنے کی نصیحت کرتی ہے:

ابنی لا تظلم بمکة
لا الصغیر ولا الکبیر
واحفظ محارمها بنی
ولا یغرنک الغرور
ابنی من یظلم بمکة
یلق اطراف الشرور
ابنی یضرب وجهه
ویلح بخدیه السعیر
ابنی قد جربتها
فوجدت ظالمها یبور

"اے بیٹے! مکہ میں چھوٹے بڑے پر ظلم نہ کر، بیٹا اس کی حرمتوں کا خیال رکھ، شیطان تجھے دھوکے میں نہ ڈالے، بیٹا جو مکہ میں ظلم کرے گا وہ شر و فساد میں مبتلا ہوگا، بیٹا ظالم اپنے چہرے کو پیٹے گا اور دوزخ رسید ہوگا، بیٹا میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور اس میں ظالم کو ہلاک ہوتے پایا ہے۔"

الله آمنها وما
بنیت بعرصتها قصور
والله آمن طیرها
والعصم تأمن فی ثبیر
ولقد غزاها تبع
فکسا بنیتها الحبیر
واذل ربی ملکه
فیها فاوفی بالنذور

[illegible]
[illegible]

"اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ اور اس کے گرد کی تمام عمارات کو اس دن بچا لیا جب لشکر نے اس کے پرندوں کا امن دیا تب اور ہرن کو مجبور پا کر امن میں ہیں۔ تبع نے جنگ کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے اس کے ارادے کو [illegible] پھر سب نے اس کے لشکر اس بیت کا حج کیا اور اس نے نذر کی تکمیل کی۔ اور بعد ازاں پیدل گیا اس کے گھر کی طرف حالانکہ دو ہزار اونٹ اس کے پاس تھے"۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

"ہم دونوں کے ہاتھوں اونٹوں کا گوشت کھاتا رہا (جو بعد تک) اور انکی خالص شہد کی شربت اور [illegible] کے پیتے رہے۔ ہاتھی والے لشکر کو ہلاک کر دیا ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور [illegible] دوردراز [illegible] کے علاقے میں ہلاک کر دیے۔ جب بات کی جائے تو [illegible] اور سمجھ لیا جائے [illegible]"۔

یمن میں یہودیت کیونکر پھیلی ...... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ تبع اپنے لشکر اور [illegible] کے ہمراہ اپنے شہر یمن کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر اس نے اپنی قوم کو یہودیت قبول کرنے کی دعوت دی تو قوم نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ یہودیت کو یمن میں "موجود آگ" کے پاس لے جا کر اور فیصلہ لینے کے بعد قبول کریں گے۔

فیصلہ آگ کے ذریعے یہودیت پھیلنے کا سبب ...... ابن اسحاق ابو مالک بن ثعلبہ قرظی کی معرفت ابراہیم بن محمد بن طلحہ بن عبید اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ تبع جب یمن کی حدود کے پاس پہنچا تو حمیر نے راستہ روکا [illegible] کہا جاتا ہے۔

تبع نے ان کو یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے تو انھوں نے کہا ہم یہ فیصلہ آگ کے سامنے پیش کریں گے اس نے بات مان لی۔ اہل یمن کے مطابق وہاں ایک آگ تھی جو متنازعہ امور میں فیصلہ کرتی تھی۔ ظالم کو کھا جاتی اور مظلوم کو کچھ نہ کہتی۔ چنانچہ حمیر کی قوم اپنے بتوں اور [illegible] کے ہمراہ میدان میں آئے اور یہودی علماء اپنے صحیفوں کو گلے میں لٹکا کر اسی میدان میں آ کر آگ کے نکلنے کی جگہ بیٹھ گئے۔ چنانچہ آگ نکلی اور بت پرستوں کی طرف بڑھی تو وہ ڈر کر ہٹنے لگے مگر حمیریوں نے انہیں [illegible] آگ نے بتوں اور بت پرستوں کو جلا کر بھسم کر دیا اور یہودی علماء صحیفوں سمیت صحیح سالم آگ سے باہر نکل آئے [illegible] ان کی پیشانیاں عرق آلود تھیں۔ اس کے بعد حمیر قبیلہ یہودیت کا معتقد ہو گیا۔ یہ واقعہ یمن میں یہودیت پھیلنے کا سبب بنا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے کسی محدث نے بتایا ہے کہ یہودی علماء اور یمنی باشندے آگ کو دھکیلنے کے لئے آگ کے پیچھے لگ گئے اور سب نے فیصلہ کیا کہ جو گروہ آگ کو دھکیل کر اس کے منبع میں داخل کر دے گا وہی حق پر ہوگا۔

یمنی تو اپنے بتوں کو لے کر آگ کے قریب ہی ہوئے تھے کہ آگ ان کو جلانے کے لئے نکلی تو وہ فرار ہو گئے اور آگ کو دھکیل کر منبع میں داخل نہ کر سکے۔

اس کے بعد یہودی علماء آگ کو دھکیلنے کے لئے تورات کی تلاوت کرتے ہوئے آگ کی طرف بڑھے تو آگ مدھم پڑ گئی اور اس کو منبع میں داخل کر دیا۔ پھر یمنی حمیری سب لوگ یہودیت کے قائل ہو گئے۔ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں واقعات میں سے کون سا واقعہ ظہور پذیر ہوا)۔

بت کدہ ریام ...... مشرکین حمیر کے بت کدہ کا نام "ریام" تھا وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے گرد و نواح قربانیاں ذبح کرتے تھے۔ ان یہودی علماء نے تبع کو بتایا کہ یہ بت شیطان ہے ان کو جھوٹے دین سے گمراہ کرتا ہے۔ اس کی شکست و ریخت کی اجازت دیجئے۔ یہود کے مطابق علماء یہود نے بت توڑ کر اس میں سے کالا کتا نکالا اور اسے قتل کر ڈالا اور اس بت کدے کو مسمار کر ڈالا۔

تبع کا اسلام ...... مرفوع روایت میں ہے کہ تبع کو برا مت کہو کیونکہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ بقول سہیلی، معمر از ہمام از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسعد حمیری کو سب و شتم نہ کرو اور برا نہ کہو کیونکہ اس نے سب سے پہلے کعبہ پر غلاف چڑھایا ہے۔

جب یہودی علماء نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیش گوئی کی تو تبع نے اشعار کہے:

شهدت على أحمد أنه
رسول من الله باري النسم
فلو مد عمري إلى عمره
لكنت وزيرا له وابن عم
وجاهدت بالسيف أعداءه
وفرجت عن صدره كل هم

"میں گواہ ہوں کہ احمد ﷺ اللہ تعالیٰ خالق ارواح کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر دراز ہوئی تو میں اس کا وزیر اور حامی ہوں گا۔ اس کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور اس کے دل سے ہر رنج والم کو دور کروں گا"۔

یہ اشعار ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے اور انصار یہ اشعار یاد کر کے گنگنایا کرتے تھے۔

تبع کی لڑکیاں ...... کتاب القبور میں ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ صنعا میں ایک قبر کی کھدائی کی گئی۔ اس میں دو عورتوں کی لاشیں مدفون تھیں۔ ان کے ہمراہ قبر میں ایک نقرئی تختی پر آب زر سے یہ عبارت کندہ تھی "لمیس اور حبی دختران تبع کی یہ قبر ہے" یہ دونوں اللہ وحدہ لاشریک کی الوہیت کا اقرار کرتی ہوئی فوت ہوئیں۔ اس سے پہلے پارسا لوگ بھی اس اقرار و اعتراف کرتے ہوئے فوت ہوئے ہیں۔

حسان بن حبان واسعد اور شہر یمامہ کی وجہ تسمیہ ...... تبع کے بعد حسان بن تبان اسعد تخت نشین ہوا وہ خاتون یمامہ زرقاء کا بھائی تھا اسے "جو" شہر کے دروازے پر سولی چڑھایا گیا اور اسی روز سے اس شہر کا نام یمامہ مشہور ہو گیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے حسان نے عرب و عجم کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور اہل یمن کو ساتھ لے کر اس مہم پر روانہ ہوا، جب عراق پہنچا تو یمنی اور حمیری قبائل نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور وطن کی طرف واپس لوٹنے کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ ان قبائل نے حسان کے بھائی عمرو کے ساتھ مل کر یہ سازش تیار کی کہ حسان کو قتل کر دو، ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیں گے اور وطن واپس چلیں گے۔ عمرو اس بات پر رضامند ہو گیا تو اس اتفاق رائے پر ماسوائے "ذو رعین حمیری" سب نے فیصلہ کر لیا، ذو رعین نے عمرو کو قتل سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا تو اس نے درج ذیل دو شعر تحریر کر کے عمرو کے پاس

امانت رکھوا دیے:

الا من یشتری سهرا بنوم
سعید من یبیت قریر عین
فاما حمیر غدرت وخانت
فمعذرة الاله لذی رعین

"سنو! جو شخص راحت کی نیند کے بدلے، بے خوابی کا خریدار ہے وہ دیوانہ ہے۔ نیک بخت وہ ہے جو ٹھنڈی آنکھ کے ساتھ رات بسر کرے۔ حمیر نے بے وفائی کر کے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ذو رعین معذرت خواہ ہے۔"

بھائی کا قتل موجب ہلاکت ..... عمرو، بھائی حسان کے قتل کے بعد یمن واپس چلا آیا تو نیند گویا اس پر حرام ہو گئی یعنی بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہو گیا تو اس نے طبیبوں اور کاہنوں سے رجوع کیا تو اس کے مرض کی یہ تشخیص ہوئی کہ جو شخص اپنے بھائی یا کسی عزیز رشتہ دار کا ناحق قتل کر دیتا ہو اس کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اور وہ بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے قتل کا مشورہ دینے والوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا جب ذو رعین کو قتل کرنے لگا تو اس نے کہا میرا قتل سے بیزاری کا ثبوت تمہارے پاس موجود ہے، عمرو نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کو کاغذ کا ایک پرزہ امانت دیا تھا، کھولا تو اس میں درج بالا اشعار موجود تھے چنانچہ اسے زندہ چھوڑ دیا اور عمرو آخر کار اسی مہلک مرض سے ہلاک ہوا اس کے بعد حمیر طوائف الملوکی کے شکار ہو گئے۔

لخنیعة ذو شناتر کا یمن پر غاصبانہ قبضہ ..... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ لخنیعة ینوف ذو شناتر نامی ایک عام حمیری تھا، جس کا شاہی خاندان سے کوئی رشتہ نہ تھا، یہ جرأت کر کے سلطنت پر قابض ہو گیا۔ سر کردہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور شاہی خاندان کو تباہ کر دیا۔ اس سب کے باوجود وہ ایک لوطی اور لونڈے باز شخص تھا۔ اس مشغلے کے لئے اس نے ایک خاص بالا خانہ بنا رکھا تھا، کسی شہزادے کو بلوا لیتا اور اس کے ساتھ لواطت کرتا کہ اس کے دل میں حکومت کا خیال تک نہ آ سکے اور بدکاری کے بعد مسواک کرتا ہوا بالا خانے سے نیچے جھانکتا تا کہ محافظوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فارغ ہو چکا ہے۔ ایک روز اس نے زرعة ذو نواس بن تبان اسعد، برادر کو بلا بھیجا یہ حسین و جمیل اور ہوشمند لڑکا تھا، جب اس کے پاس بلاوا پہنچا تو وہ حقیقت حال کو تاڑ گیا۔ چنانچہ اس نے تیز دھار عمدہ چھری جوتے میں چھپائی، جب تنہائی میں لخنیعة اس کی طرف لپکا تو اس نے اسے دبوچ کر قتل کر ڈالا، پھر چھری سے اس کا سر کاٹ کر اس طاق میں رکھ دیا جس سے وہ نیچے جھانکا کرتا تھا اس کے منہ میں مسواک بھی رکھ دی۔ لخنیعة نے ۲۷ برس حکمرانی کی۔

جرأت کا ثمرہ ..... زرعة ذو نواس محل سے باہر آیا تو محافظوں نے پوچھا ذو نواس "ترطب ام یابس" اے ذو نواس تر ہے کہ خشک؟ اس نے کہا سر سے پوچھو، بہتر ہے ذو نواس کی دبر کو کوئی خطرہ نہیں۔

نوٹ ..... دستور تھا کہ لخنیعة کے پاس بدکاری کے بعد جب لڑکا واپس آتا تو محافظ اس کی سواری کے ہونٹ اور دم کاٹ دیتے اور بلند آواز سے کہتے (رطب ام یابس) جب ذو نواس گھر سے نکلا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہوا تو محافظوں نے کہا اے ذو نواس "رطب ام یابس" تو اس نے کہا "محافظوں کو ذو نواس کی دبر کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ تر ہے یا خشک"۔

محافظوں نے طاق کی طرف دیکھا تو اس میں لخنیعة کا کٹا ہوا سر پڑا ہے۔ (منہ میں مسواک ہے) چنانچہ سب لوگوں نے ذو نواس کو پیشکش کی کہ آپ ہی بادشاہت کے اہل اور لائق ہیں کیونکہ آپ نے خبیث اور بدبخت لوطی کو قتل کر کے دنیا کو سکون و راحت بخشی۔

اس طرح سب نے باتفاق رائے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا یہ حمیر کا آخری بادشاہ و رثہ دار تھا اور اس کا نام یوسف تجویز کیا گیا اس نے ۶۸ سال

حکمرانی کی۔

ابن اسحاق نے نجران کے باشندوں میں عیسائیت کی اشاعت کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ شام کے علاقے میں فیمیون نامی ایک عابد زاہد اور مستجاب الدعوات عیسائی تھا جو کسی اپاہجوں اور مصیبت زدگان کے لئے دعا کرتا تو وہ شفایاب ہو جاتے تھے اور صالح نامی ایک شخص اس کا ہم سفر اور رفیق تھا۔ وہ دونوں اتوار کے دن عبادت و ریاضت میں مصروف گزارتے اور باقی ایام میں محنت مزدوری کرتے تھے۔

فیمیون اور اس کے ساتھی کو کسی بدوی نے گرفتار کر کے نجران میں بیچ دیا۔ وہاں فیمیون جس کمرے میں رات کو عبادت کرتا تھا وہ کمرہ جگمگا اٹھتا، اس کا آقا یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوتا اور تعجب کا اظہار کرتا۔ اہل نجران ایک نہایت طویل کھجور کے درخت کو زیورات سے سجا کر عبادت کیا کرتے تھے، فیمیون نے اپنے آقا سے عرض کیا: جناب! میں اللہ تعالیٰ سے اس کھجور کے بارے میں التجا کروں اور اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دے تو کیا آپ کو اس عقیدہ کے غلط اور باطل ہونے کا یقین و اذعان ہو جائے گا؟ آقا نے کہا: بالکل درست ہے، چنانچہ نجران کے باشندے وہاں جمع ہو گئے اور فیمیون نے مصلے پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، بس پھر دیکھتے ہی دیکھتے آندھی آئی اور کھجور کا درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر آ گرا۔

یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ عیسائی ہو گئے اور فیمیون نے ان کو انجیل کے مسائل سے آگاہ کیا۔ اس طرح نجران میں عیسائیت ظہور پذیر ہوئی اور عبداللہ بن تامر بھی عیسائیت کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

ذونواس شاہ یمن کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے اشتعال میں آ کر نجران کے عیسائیوں کو یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہودیت یا موت دونوں میں سے ایک کو پسند کرو، چنانچہ انہوں نے موت کو یہودیت پر ترجیح دی تو اس نے کھائیاں کھود کر آگ دہکائی اور بیس ہزار افراد کو اس میں جلا کر بھسم کر دیا۔ یہ واقعہ سورہ بروج (۸۵/۱۰) میں مذکور ہے۔

ذونواس کو شکست فاش کا سامنا اور اریاط کی فتح ...... شق اور سطیح کاہنوں کی تعبیر کے مطابق اہل نجران میں سے صرف ایک شاہسوار "دوس ثعلبان" زندہ بچا وہ قیصر کے دربار میں پہنچا، شاہ سے ذی نواس اور اس کی حکومت کے خلاف مدد اور تعاون کی درخواست کی اور اپنی حالت زار بیان کی اور مذہب کے نام پر اپیل کی کہ وہ عیسائی تھا۔

شاہ نے کہا: آپ کا علاقہ یہاں سے بہت دور واقع ہے۔ براہ راست مدد کرنا مشکل ہے لہٰذا میں آپ کے قریب شاہ حبشہ سے تعاون کی اپیل کرتا ہوں۔ وہ بھی آپ کا ہم مذہب عیسائی ہی ہے۔ چنانچہ دوس قیصر کا حکم نامہ لے کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نجاشی شاہ حبشہ نے اریاط کی زیر قیادت ستر ہزار فوج لشکر جرار روانہ کر دیا اس لشکر میں ابرہہ اشرم بھی تھا اریاط نے سمندر کے راستے بحری بیڑے پر سفر کیا اور دوس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ ساحل یمن پر اترے اور ذونواس کی طرف بڑھے، ذونواس بھی اپنا لشکر لے کر بالمقابل ہو گیا۔ جب میدان کارزار گرم ہوا تو ذونواس کو شکست فاش ہوئی، ذونواس جب شکست اور قوم کی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوا تو شکست کی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکا اور اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا اور وہیں غرقاب ہو گیا اور اریاط بزور بازو یمن پر قابض ہو گیا۔

ابرہہ اشرم کی بغاوت اور جنگ ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اریاط یمن پر سالہا سال تک اقتدار پر قابض رہا، پھر ابرہہ نے بغاوت کی اور حبشی دو گروہوں میں بٹ گئے یہاں تک کہ جنگ و جدال تک نوبت پہنچی، جب جنگ شروع ہونے لگی تو ابرہہ نے اریاط کو پیغام بھیجا کہ اس طرح آپس کی خانہ جنگی سے رفتہ رفتہ ساری قوم تباہ ہو جائے گی کیوں نہ میری اور آپ کی براہ راست لڑائی ہو جائے جو غالب آ جائے اسی کی حکومت قائم ہو جائے۔ اریاط نے جواب میں کہا: تم نے منصفانہ تجویز پیش کی ہے اور یہی بہتر ہے۔

ابرہہ پست قامت بھاری بھرکم اور امن پسند عیسائی تھا، اریاط دراز قامت اور حسین و جمیل جوان تھا۔ آپس میں جنگ مبارزت شروع ہوئی اور ابرہہ نے اپنی پشت کی حفاظت کی خاطر عتودہ نامی غلام مقرر کر دیا، اریاط نے پہلے وار کیا اور اس کے سر پر برچھا مارا تو اس کا ناک اور ہونٹ کٹ گیا، پس اسی وجہ سے اس کا لقب اشرم پڑ گیا، عتودہ فوراً اریاط پر حملہ آور ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر باتفاق رائے ابرہہ یمن کا حاکم نامزد ہو گیا اور اریاط کی دیت ادا کر دی۔

شاہ حبش کی ناراضگی اور مسند حکومت...... اس جنگ وجدال کا علم جب شاہ حبشہ کو ہوا تو وہ ابرہہ اشرم پر سخت ناراض ہوا کہ میرے نامزد کردہ امیر کو بلا اجازت کیوں قتل کر دیا گیا۔ اب ابرہہ کی خیر نہیں، میں خود اس کے علاقے کو روند ڈالوں گا اور روبرو جنگ لڑوں گا اور اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر ذلیل ورسوا کروں گا۔ ابرہہ کو شاہ حبشہ کے جنگی عزائم کا علم ہوا تو اس نے خاک یمن کا ایک تھیلہ اور اپنے سر کے بال کاٹ کر شاہ حبشہ کی خدمت میں روانہ کر دیے اور ایک تحریری درخواست بھی بھیجی کہ جناب اریاط آپ کا غلام تھا، میں بھی آپ کا ادنیٰ خادم اور غلام ہوں، ہمارا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہم سب آپ ہی کے تابع اور مطیع ہیں مگر میں حبشی سلطنت کے مفادات کا اریاط سے زیادہ حامی اور محافظ ہوں، نظم وضبط اور امور سلطنت کو اس سے بہتر انجام دے سکتا ہوں۔

مجھے آپ کے حلف کا علم ہوا تو میں نے اپنے سر کے بال خود کٹوا کر آپ کی خدمت میں ارسال کر دیے ہیں اور ارض یمن کی خاک کا تھیلہ بھی آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا آپ اسے روند کر اپنی قسم پوری کر لیں۔ اس اطاعت شعاری کو دیکھ کر شاہ حبشہ ابرہہ پر راضی ہو گیا اور اسے شاہی فرمان لکھ بھیجا ”ان اثبت بارض یمن حتی یاتیک امری“ کہ تاحکم ثانی تم یمن پر قابض رہو، چنانچہ ابرہہ قابض ہو گیا۔

ابرہہ کا ہاتھیوں کے ہمراہ تخریب کعبہ کے عزم کا سبب...... کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا برتاؤ کیا، کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں بنا دیا تھا اور اس نے ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان پر پتھر، کنکر کی قسم کے پھینکتے تھے پھر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ (۱۰۵/۱ ـ ۵)

اوائل...... بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آفریدوں بن اثفیان نے سب سے پہلے گھوڑے کو مسخر اور تابع کیا یا تیسرے عالمگیر بادشاہ طہمورث نے اور بعض کہتے ہیں اسماعیل علیہ السلام سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوئے ممکن ہے کہ عرب میں سب سے پہلے اس پر اسماعیل علیہ السلام سوار ہوئے ہوں، واللہ اعلم۔

ہاتھی بلی سے ڈرتا ہے...... ہاتھی اپنے عظیم قد وقامت کے باوجود بلی سے ڈرتا ہے، کسی سپہ سالار نے ہندوستان کے میدان جنگ میں بلیوں سے ہاتھیوں کو بھگا دیا تھا۔

قلیس کی تعمیر...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ صنعاء میں ابرہہ نے ایک بے مثال عظیم الشان ”قلیس“ نامی کلیسا تعمیر کروایا اور نجاشی کی طرف ایک مکتوب لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک بے مثال اور عدیم النظیر کلیسا تعمیر کروایا اور میں عربوں کا حج اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔ سہیلی نے نقل کیا ہے کہ شاید جو شخص طلوع آفتاب سے قبل کام پر حاضر نہ ہوتا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔

کلیسا کی عمارت کا اکثر ساز وسامان اور خادم وغیرہ بلقیس کے محل سے منگوایا اور اس میں سیم وزر کی صلیبیں آویزاں کیں، ہاتھی دانت اور آبنوس کی قیمتی لکڑی کے منبر بنوائے غرض یہ کہ نہایت وسیع وعریض فلک بوس عمارت تعمیر کی۔

ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کلیسا سے جو شخص کوئی سامان اٹھانا چاہتا تو اس پر جنات حملہ کر دیتے کیونکہ ابرہہ نے کلیسا کا سنگ بنیاد دو بتوں کعیب اور اس کی زوجہ کے نام پر رکھا تھا جن کی قامت ساٹھ ہاتھ تھی، یہ عمارت خلیفہ سفاح کے عہد خلافت تک بدستور قائم رہی لیکن سفاح نے اہل دانش اور ارباب عزیمت کو وہاں بھیج کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

کنانی کا اشتعال اور لڑائی کا آغاز...... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ابرہہ کے اس مکتوب کا علم جب عرب کو ہوا تو ایک کنانی اس سے نہایت مشتعل ہوا اور ”قلیس“ کے اندر گھس کر ایک کونے میں پاخانہ کر دیا پھر واپس حجاز چلا آیا۔ ابرہہ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے تحقیق کروائی تو معلوم ہوا کہ یہ مکہ کے کسی عرب باشندے کی حرکت ہے۔ جہاں کعبہ ہے جس کا وہ حج کرتے ہیں اس نے یہ حرکت آپ کے اشتعال انگیز اعلان سننے کے بعد کی ہے کہ میں عربوں کا حج اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔ چنانچہ اس عربی نے یہاں رفع حاجت کی کہ یہ کلیسا حج کے قابل نہیں۔

جب ابرہہ کو یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر حلفاً کہا کہ وہ کعبہ پر ضرور حملہ کرے گا اور اسے مسمار کر دے گا، پھر اس نے ماہ محرم مطابق ۵۷۰ء اعلان جنگ کیا اور ساٹھ ہزار کا لشکر تیار ہو گیا پھر لشکر جرار گیارہ ہاتھیوں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا عرب نے یہ خبر سنی تو وہ بے حد حیران ہوئے اور اس سے نبرد آزما ہونے کو ضروری سمجھا۔

ذونفر اور نفیل کا مزاحم ہونا ـــــ چنانچہ اشراف یمن میں سے ایک سردار "ذونفر" عربوں کا ایک جم غفیر لے کر ابرہہ کو بیت اللہ کی طرف بڑھنے سے روکنے کیلئے نکلا، لڑائی ہوئی تو وہ شکست کھا کر ابرہہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ ابرہہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے کہا حضور! آپ مجھے قتل نہ کیجئے ممکن ہے کہ میرا آپ کے ہمراہ زندہ رہنا قتل سے بہتر ہو، ابرہہ متحمل مزاج اور بردبار انسان تھا لہٰذا اس نے اسے قتل نہ کیا اور گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا پھر خثعم کے علاقے میں پہنچا تو نفیل، شہران اور ناہس کے علاوہ متعدد قبائل عرب کو لے کر ابرہہ کے مقابلے کے لئے آیا وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے التماس کی کہ حضور! آپ مجھے قتل نہ کریں، میں عرب کے علاقہ میں آپ کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دوں گا اور اپنے ہمراہ بطور راہنما لے لیا۔

ابورغال ـــــ جب طائف پہنچا تو مسعود بن معتب ثقفی، بنی ثقیف کو لے کر ابرہہ کے پاس آیا اور کہا حضور! ہم آپ کے غلام اور تابعدار ہیں ہم آپ کی خلاف ورزی کی تاب نہیں لا سکتے، ہمارا یہ بت کدہ وہ معبد نہیں جسے آپ مسمار کرنا چاہتے ہیں، آپ تو جس کعبہ کو گرانے آئے ہیں وہ مکہ میں ہے، ہم ایک رہبر آپ کے ہمراہ روانہ کر دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ تجویز قبول کر لی اور ان سے درگزر کیا۔

لات ـــــ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی ثقیف کا ایک معبد تھا اس میں "لات" نصب تھا وہ اس کی کعبہ کی طرح تعظیم و تکریم کرتے تھے، بنی ثقیف نے ابرہہ کے ہمراہ "ابورغال" کو روانہ کیا جو انہیں مکہ کا راستہ بتاتا تھا جب مقام "مغمس" پر پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ چنانچہ عرب اس کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔

قصہ ثمود میں بیان ہو چکا ہے کہ ابورغال ثمودی تھا حرم کی وجہ سے وہ عذاب سے محفوظ رہا، جب حدود حرم سے باہر آیا تو اسے پتھر لگا اور وہ ہلاک ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ یہاں دفن ہوا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ہمراہ سونے کی دو چھڑیاں بھی مدفون ہیں، لوگوں نے اس کی قبر کھودی تو چھڑیاں وہاں موجود تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بنی ثقیف کا جد اعلیٰ ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں واقعات کی تطبیق یہ ہے کہ ابرہہ کا رہبر "ابورغال" اور ثمودی ابورغال دونوں ہم نام تھے، عرب ثمودی ابورغال کی طرح اس ابورغال کی قبر پر بھی سنگ باری کیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔ جریر شاعر نے کہا ہے:

اذا مات الفرزدق فارجموه   کرجمکم لقبر ابی رغال

"فرزدق اگر مر جائے تو اس کو اس طرح رجم کرو جس طرح کہ تم نے ابورغال کو رجم کیا تھا"۔

مکہ میں لوٹ مار ـــــ ابن اسحاق فرماتے ہیں "مغمس" سے ابرہہ نے اسود بن مقصود حبشی کو ایک فوجی دستہ دے کر روانہ کیا، وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لایا، ان میں عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے۔ عبدالمطلب اپنی قوم کے رئیس اور قبیلے کے سردار تھے حرم مکہ کے سب قبائل نے ان سے کہا کہ ہمیں ابرہہ کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ وہ ابرہہ کی فوجی طاقت دیکھ کر لڑائی سے دستبردار ہو گئے۔ ابرہہ نے حناطہ حمیری کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ان کے سردار کو معلوم کر کے کہو کہ شاہ کا فرمان ہے کہ وہ تم سے لڑنے نہیں آیا وہ تو صرف کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اگر تم مزاحمت نہ کرو تو اسے تمہارے قتل و غارت سے کوئی غرض نہیں، وہ اگر جنگ نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے رئیس کو میرے پاس لے آنا۔

رئیس مکہ کی طلبی ـــــ حناطہ مکہ پہنچا تو اس نے رئیس مکہ کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا وہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا تو عبدالمطلب نے کہا، واللہ! ہم ابرہہ سے لڑنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم میں اس کی طاقت ہے۔ یہ

اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے تو وہ اس کا گھر ہے اور اگر اسے تنہا بے یار و مددگار چھوڑ دے تو وہ جانے، ہمیں ابرہہ کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں۔

حناطہ نے کہا: آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں اس نے مجھے آپ کو ساتھ لانے کا حکم دیا ہے چنانچہ عبدالمطلب اپنے بعض بیٹوں کو ساتھ لے کر ابرہہ کی طرف روانہ ہوئے لشکر میں پہنچے تو اپنے قدیم دوست "ذونفر" کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ پابند ہے آپ اس کے پاس گئے اور کہا: اے ذونفر! کیا ہماری اس آفت کا کوئی حل ہے؟ تو "ذونفر" نے کہا ایک شاہی قیدی کیا کر سکتا ہے جسے تو صبح شام اپنی جان کا کھٹکا ہے۔ لیکن آپ کے لئے ایک کام کر سکتا ہوں؟ "انیس" فیل بان میرا دوست ہے میں اسے پیغام بھیجتا ہوں وہ آپ کی وجاہت و عظمت کا بھی اسے احساس دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ بادشاہ سے آپ کی ملاقات کا بندوبست کرا دے اور ممکن ہو تو آپ کی سفارش بھی کر دے تو جناب عبدالمطلب نے کہا ٹھیک ہے یہی کافی ہے۔

اونٹوں کا مطالبہ..... چنانچہ ذونفر نے انیس کو پیغام بھیجا کہ عبدالمطلب رئیس قوم ہیں اور مکہ کے مالک ہیں، لوگوں کے خورد و نوش کا اہتمام کرتے ہیں اور وحشی جانوروں کو بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشت کھلاتے ہیں۔ شاہ نے ان کے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں آپ حسب استطاعت ان کی مدد کیجئے اور شاہ سے بات چیت کا انتظام کرا دیجئے انیس نے کہا میں کوشش کرتا ہوں، چنانچہ انیس نے شاہ سے گفتگو کی حضور! یہ قریش کے رئیس اور سردار ہیں آپ کی ملاقات کے منتظر ہیں اور دروازے پر کھڑے ہیں، یہ انسانوں کو اور وحشی جانوروں کو گوشت کھلاتے ہیں آپ انہیں اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ وہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ابرہہ نے انہیں اجازت دے دی۔

عبدالمطلب نہایت وجیہہ، حسین و جمیل انسان تھے، ابرہہ آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور خوب تعظیم و تکریم کی۔ وہ اپنے تخت سے اتر کر نیچے بیٹھ گیا اور آپ کو بھی اپنے پہلو میں بٹھا لیا پھر ترجمان کی معرفت ان سے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے ترجمان کے ذریعہ بتایا کہ میرے جو اونٹ پکڑے گئے ہیں وہ آپ مجھے واپس کر دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کو کہا ان کو ترجمانی کر کے کہو کہ میں آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا مگر آپ کی بات نے میری نگاہ میں آپ کو بالکل بے وقعت کر دیا ہے آپ اپنے دو سو اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور بیت اللہ کا ذکر تک نہیں کرتے جو کہ آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دینی مرکز ہے جس کو میں مسمار کرنے آیا ہوں؟ عبدالمطلب نے کہا میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا رب ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا وہ میرے حملے سے بچ نہ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا "انت وذاک" آپ جانیں اور وہ جانے، آخر ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

ابن اسحاق نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ ابرہہ کے پاس عمرو بن نفاثہ بن عدی سید بنی بکر اور خویلد بن واثلہ ہذلی بھی گئے تھے انہوں نے تہامہ کی پیداوار کا تہائی حصہ بطور جزیہ ان شرائط پر پیش کیا کہ آپ واپس چلے جائیں اور کعبہ نہ گرائیں۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم یہ بات ہوئی یا نہیں۔ بہرحال عبدالمطلب مکہ چلے آئے اور قریش کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور ان کو مکہ سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہونے کو کہا۔

عبدالمطلب کی دعا..... پھر عبدالمطلب اور چند قریشیوں نے کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں، ابرہہ اور اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور عبدالمطلب نے کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر کہا:

لاھم ان العبد یمنع
رحلہ فامنع رحالک
لا یغلبن صلیبھم
ومحالھم غدوا محالک
ان کنت تارکھم وقبلتنا

فأمر ما بدا لك

"الٰہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔ کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب نہ آنے پائے۔ اگر تو ان لوگوں کو اور ہمارے کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑنا چاہتا ہے تو جو چاہے کرے۔"

ابن ہشام نے اس بیان کی تائید تحقیق کی ہے۔

ابرہہ کے لشکر پر پرندوں کا عذاب... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب نے کعبہ کے دروازہ کو چھوڑا اور اپنے تمام ساتھیوں اور اہل خانہ کے ہمراہ پہاڑوں میں چلے گئے اور ابرہہ کے حملے کے انتظار میں رہے۔ ابرہہ صبح مکہ میں داخل ہونے کے لئے ابرہہ تیار ہوا، محمود نامی ہاتھی پر ہودج ڈالا اور اپنے لشکر کو مسلح کیا، جب ہاتھی کا رخ مکہ کی طرف کیا تو نفیل بن حبیب نے ہاتھی کا کان پکڑ کر کہا ابرک محمود، وارجع من حیث اتیت) محمود بیٹھ جا، جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا اللہ تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کان چھوڑ دیا چنانچہ ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ (بقول سہیلی) ہاتھی بیٹھا نہیں بلکہ گر پڑا کیونکہ ہاتھی بیٹھا نہیں کرتا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بعض ہاتھی اونٹ کی طرح بیٹھتے ہیں واللہ اعلم۔

وہ لوگ ہاتھی کو اٹھانے کے لئے مارنے لگے لیکن وہ نہ اٹھا، اس کے سر پر ان لوگوں نے کلہاڑیاں اور لکڑیاں برسائیں لیکن پھر بھی وہ نہ اٹھا جب وہ ہاتھی کا رخ یمن کی طرف پھیرتے تو وہ دوڑنے لگتا، اسی طرح شام اور مشرق کی طرف جب موڑتے تو بھی دوڑنے لگتا اور جب مکہ کی طرف موڑتے تو بیٹھ جاتا۔ اسی اثنا میں ان پر اللہ تعالیٰ نے چڑیوں جیسے پرندے بھیج دیے، ہر پرندہ تین کنکر اٹھائے ہوئے تھا دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں، اور ہر کنکر چنے کے دانے کے برابر تھا وہ کنکر جس پر گرتا تھا وہ ہلاک ہو جاتا تھا۔ وہ سارے وہاں ہلاک نہیں ہوئے، افراتفری کے عالم میں وہ جس راستے سے آئے تھے اسی کی طرف بھاگنے لگے اور نفیل کو تلاش کرنے لگے تاکہ ان کو یمن کا راستہ بتائے، نفیل نے یہ صورت حال اپنے ان اشعار میں پیش کی ہے:

ألا حييت عنا يا ردينا
نعمناكم مع الإصباح عينا
ردينة لو رأيت ولا تريه
لدى جنب المحصب ما رأينا
إذا لعذرتني وحمدت أمري
ولم تأسي على ما فات بينا
حمدت الله إذ أبصرت طيرا
وخفت حجارة تلقى علينا
وكل القوم يسأل عن نفيل
كأن علي للحبشان دينا

"اے ردینہ! ہماری طرف سے سلام قبول ہو اور صبح ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اے ردینہ! کاش تم نے دیکھا ہوتا جو ہم نے محصب کے پاس دیکھا ہے اگر تو دیکھتی تو مجھے معذور جانتی اور میرے کام کو پسند کرتی، میں خدا کی تعریف کرتا رہا اور پتھروں سے خائف ہو کر جو ہم پر گرائے جا رہے تھے تمام لوگ نفیل کو تلاش کر رہے تھے گویا میں حبشیوں کا مقروض ہوں"۔

ابرہہ کا حال... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ واپس ہو رہے تھے تو ہر جگہ ہلاک ہو کر گرتے جا رہے تھے ابرہہ کو بھی کنکر لگا، حبشی اسے اٹھا کر اپنے ہمراہ لے چلے اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا جب بھی جسم سے کوئی ٹکڑا گرتا تو وہاں پیپ اور لہو بہنے لگتا

صنعاء واپس پہنچا تو وہ "بوٹ" تھا یعنی چھوٹے پرندے کے چوزے جیسا، پھر اس کا سینہ پھٹا اور مر گیا۔ ابن اسحاق سے یہ بھی مروی ہے کہ اسی سال عرب میں چیچک کا مرض دیکھا گیا جو قبل ازیں نہ تھا اور حرمل اور تلخ پودے بھی اسی سال دیکھے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اللہ نے جن جملہ احسانات کے قریش پر ابرہہ کے چلے جانے کے اتفاق کا بھی سورہ فیل میں ذکر فرمایا ہے۔

سجیل ...... نہایت سخت (اور بقول یونس اور ابو عبیدہ) بعض کے نزدیک یہ فارسی سنگ اور گل سے مرکب ہے اور عرب نے اس کو معرب سجیل بنا دیا۔

لفظ ابابیل کی تحقیق ...... جھنڈ کے جھنڈ، جوق در جوق، قطار در قطار، ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ جمع ہے، میرے علم کے مطابق عرب نے اس کا مفرد استعمال نہیں کیا اور کسائی کہتے ہیں میں نے اس کا مفرد ابیل سنا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ابابیل کا معنی ہے پرندوں کے متفرق گروہ جو پے در پے مختلف سمتوں سے آ گئے۔ بقول ابن اسحاق ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتوں جیسے اور بقول عکرمہ ان کے سر درندوں جیسے تھے۔ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ بقول عبید بن عمیر یہ سیاہ فام دریائی جانور تھے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں پتھر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ان کی شکل و صورت عجیب سی تھی۔ ان کے سب پتھروں میں سب سے چھوٹا پتھر آدمی کے سر کے برابر تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں پتھر شتر مرغ کے سر کے مطابق تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ ابن ابی حاتم نے عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اصحاب الفیل کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ان پر سمندر کی طرف سے چڑیوں جیسے پرندے بھیجے، ہر پرندہ تین پتھر اٹھائے ہوئے تھا، دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں اور وہ پرندے ان پر صف بستہ تھے، پرندوں نے چیخ ماری اور اپنے پنجوں اور چونچوں کے پتھر نیچے پھینک دیئے، جس آدمی کے سر پر پتھر گرتا اس کی دبر (جائے پاخانہ) سے خارج ہو جاتا اگر جسم کے کسی اور حصہ پر لگتا تو بھی آر پار ہو جاتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی چلائی جس کی وجہ سے پتھروں کی ضرب میں اور شدت پیدا ہو گئی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ سب پتھر سے ہلاک نہ ہوئے تھے، ان میں سے بعض نے یمن پہنچ کر اس ہلاکت خیز عذاب کی اطلاع دی تھی اور ابرہہ بھی یمن جا کر مرا تھا۔ ابن اسحاق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ میں نے فیلبان جس کا نام انیس تھا اور ہاتھی کے قائد دونوں کو اپاہج اور اندھے مکہ میں بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے بعد شدید طوفان آیا، وہ ان کی لاشوں کو سمندر میں بہا کر لے گیا۔

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ...... بقول کلبی یہ واقعہ محرم میں سکندری تقویم کے مطابق ۸۸۲ ھ ق مطابق ۵۷۱ء میں ہوا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اسی سال ماہ ربیع الاول بروز سوموار ہوئی (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء)۔

ابرہہ کی مذمت میں اشعار ...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ اتنا عظیم واقعہ تھا کہ متعدد شعراء عرب نے اس کے بارے میں قصیدے کہے۔ خدا تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے لشکر پر پرندوں کی بارش برسا کر کعبہ کو ابرہہ کے ناپاک منصوبہ سے محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ کعبہ کی تعظیم و تکریم میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے مشرف فرمائے جس کے دین میں نماز اہم ترین رکن ہے۔ بلکہ دین کا ستون ہے اور اس کا قبلہ بھی یہی کعبہ قرار پانے والا تھا۔ پرندوں کی اس بارش سے قریش کی نصرت و اعانت مقصود نہ تھی کیونکہ ابرہہ اور اس کا لشکر عیسائی تھا اور قریش مشرک تھے بت پرستی کا ارتکاب کرتے تھے بلکہ یہ بیت اللہ کی حفاظت و صیانت کی خاطر تھا اور یہ نبی علیہ السلام کی بعثت و رسالت کی تمہید اور پیش خیمہ تھا۔

عبداللہ ابن زبعری سہمی نے کہا۔

تنكلوا عن بطن مكة انها
كانت قديما لا يرام حريمها
لم تخلق الشعرى ليالي حرمت

اذلا عزيز من الانام يرومها
سائل امير الجيش عنها ما راى
فلسوف ينبي الجاهلين عليمها
ستون الفا لم يؤوبوا ارضهم
بل لم يعش بعد الاياب سقيمها
كانت بها عاد وجرهم قبلهم
والله من فوق العباد يقيمها

"مکہ کا قصد کرنے والوں سے تم عبرت حاصل کرو، ازل سے ہی اس کی بے حرمتی کا قصد ممکن نہیں۔ جب شعریٰ ستارہ کی تخلیق سے قبل ہی یہ حرم قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ اس کی بے حرمتی کرنے والا عزیز و غالب نہیں۔ اس کے بارے میں حبشہ کے سپہ سالار سے اس کا آنکھوں دیکھا حال پوچھ لو، ناواقف کو واقف حال آگاہ کرے گا۔ ساٹھ ہزار کا لشکر اپنے علاقے میں واپس نہیں لوٹا، بلکہ ان کا بیمار بھی واپسی کے بعد زندہ نہیں رہ سکا۔ ان سے قبل یہاں عاد اور جرہم تھے اور اللہ تعالیٰ اس کعبہ کی حفاظت کرتا ہے آسمانوں کے اوپر سے"۔

ابو قیس بن الاسلت انصاری مدنی نے اپنے ان اشعار میں ان کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے:

ومن صنعه يوم فيل الحبوش
اذ كلما بعثوه رزم
محاجنهم تحت اقرابه
وقد شرموا انفه فانخرم
وقد جعلوا سوطه مغولا
اذا يمموه قفاه كلم

"حبشیوں کے ہاتھی والے دن اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ تھی کہ جب وہ اسے اٹھاتے تھے بیٹھ جاتا تھا۔ ان کی لاٹھیاں اس کی کوکھوں کے نیچے ہوتی تھیں، انہوں نے اس کا ناک کاٹا تو وہ بھی کٹ گیا۔ کوڑے کو بھی انہوں نے خنجر بنا لیا۔ اس کو مارتے تو اس کی گدی کو زخمی کر دیتے"۔

فولى وادبر ادراجه
وقد باء بالظلم من كان ثم
فارسل من فوقهم حاصبا
فلفهم مثل لف القزم
تحض على الصبر احبارهم
وقد ثاجوا كثؤاج الغنم

"وہ پھر الٹے پاؤں واپس چلا گیا جو وہاں تھے وہ ظالم اور متکبر تھے۔ ان کے اوپر سے کنکریاں برسائی گئیں، ان کو کپڑے کی طرح لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ ان کے احبار ان کو صبر پر آمادہ کرتے تھے اور وہ بکریوں کی طرح ممیا رہے تھے"۔

ابو الصلت بن ربیعہ ثقفی اور بقول ابن ہشام امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

ان آيات ربنا ثاقبات

ما يماري فيهن إلا الكفور
خلق الليل والنهار فكل
مستبين حسابه مقدور
ثم يجلو النهار رب رحيم
بمهاة شعاعها منشور
حبس الفيل بالمغمس حتى
صار يحبو كأنه معقور

"ہمارے پروردگار کی آیات وعلامات باقی ہیں۔ ان پر کوئی کافر ہی جھگڑا اور اعتراض کرسکتا ہے۔ اس نے رات اور دن کو پیدا کیا ہر ایک کا حساب واضح انداز سے ہے پھر مہربان پروردگار دن کو سورج کے ساتھ روشن کرتا ہے اس کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں۔ مغمس مقام پر اس نے ہاتھی کو روک دیا وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتا تھا گویا اس کے پاؤں کٹے ہوئے ہیں"۔

لازما حلقة الجران كما
قد من صخر كبكب محدور
حوله من ملوك كندة أبطال
ملاويث في الحروب صقور
خلفوه ثم ابذعروا جميعا
كلهم عظم ساقه مكسور
كل دين يوم القيامة عند الله
إلا دين الحنيفة بور

"اپنی گردن کو زمین پر رکھنے والا ہے جیسے پہاڑ سے پتھر گر پڑتا ہے۔ اس کے گرد شاہان کندہ کے بہادر تھے جو لڑائیوں میں شیروں اور شاہبازوں کی طرح تھے۔ پھر اسے پیچھے چھوڑ کر سب بھاگ گئے سب کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ دین حنیف کے علاوہ قیامت کے روز اللہ کے ہاں کوئی مذہب معتبر نہ ہوگا"۔

صیفی بن اسلت کے قصیدے میں یہ اشعار بیان ہوئے ہیں۔

فقوموا فصلوا ربكم وتمسحوا
بأركان هذا البيت بين الأخاشب
فعندكم منه بلاء مصدق
غداة أبي يكسوم هادي الكتائب
كتيبته بالسهل تمشي ورجله
على القاذفات في رؤوس المناقب
فلما أتاكم نصر ذي العرش ردهم
جنود المليك بين ساف وحاصب
فولوا سراعا هاربين ولم يؤب
إلى أهله ملحبش غير عصائب

"اٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو، پہاڑوں کے درمیان موجود بیت اللہ کے کونوں کو چھوؤ۔ پس تمہارے سامنے اس اللہ کی جانب سے ابو یکسوم پر فتح کے وقت عذاب نازل تھا۔ اس کا لشکر ہموار زمین پر چل رہا تھا اور پہاڑی چوٹیوں پر پیادہ تھا۔ جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی تو اس کے لشکروں نے ان لوگوں کو اس حال میں کر دیا کہ کوئی خاک آلود ہو، کوئی سنگسار ہو۔ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد کے حبشیوں میں سے سوائے ایک فوجی والے کے کوئی بھی بچ کر سالم نہ لوٹا"۔

عبداللہ بن قیس الرقیات نے بیت اللہ کی عظمت اور اس پر چڑھائی کرنے والے کی ہلاکت کے سلسلہ میں درج ذیل اشعار کہے:

کاده الاشرم الذی جاء بالفیل
فولی وجیشه مهزوم
واستهلت علیهم الطیر بالجندل
حتی کانه مرجوم
ذاک من یغزه من الناس یرجع
وهو فل من الجیوش ذمیم

"اس کمینے نے بیت اللہ کے خلاف تدبیر کی وہ جو ہاتھی لایا وہ پلٹ گیا اور اس کا لشکر شکست خوردہ تھا۔ ان پر پرندے پتھر لے کر ظاہر ہوئے گویا کہ وہ (ابرہہ) سنگسار کیا ہوا ہے۔ انسانوں میں سے جو اس کے ساتھ ہو کر پکار رہا ہو وہ شکست خوردہ لائق مذمت ہوتا ہے (حبشیوں سے حکومت کا چھن جانا)"۔

ابن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم جانشین ہوا۔ اس کے بعد مسروق بن ابرہہ بادشاہ بنا۔ یہ آخری بادشاہ ہے اس سلسلہ کا۔ پھر سیف بن ذی یزن حمیری نے اس لشکر کے تعاون سے جو کسریٰ نوشیروان نے اس کے ہمراہ روانہ کیا تھا مسروق ابرہہ سے جنگ کر کے سلطنت چھین لی اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

قلیس کا انجام: یہ واقعہ ذوالقرنین سکندر مقدونی کے سنہ تاریخ کے مطابق ۸۸۶ ق م میں وقوع پذیر ہوا۔ ابرہہ اور اس کے دونوں بیٹے یکسوم اور مسروق کے زمانے کے بعد ابرہہ کا تعمیر شدہ کلیسا بے آباد اور ویران ہو گیا۔ اس کی بنیاد دو جن، کعیب اور اس کی بیوی پر قائم تھی۔ اس کی قامت ساٹھ ہاتھ تھی اور یہ کلیسا جنات کی آماجگاہ تھا چنانچہ کلیسا کے ساز و سامان کو کوئی اٹھاتا تو جنات اس پر حملہ آور ہو جاتے۔ سفاح عباسی کے عہد خلافت تک وہ کلیسا بدستور قائم رہا۔ ایک روز اس کے پاس اس کے ملبہ و ساز و سامان اور لکڑی وغیرہ کا تذکرہ ہوا جو ابرہہ نے حبش کے ملک سے منگوائے تھے۔ اس نے لوگوں کو بھیج کر اس کی بنیاد سے ساری عمارت اور جتنی ساز و سامان اپنے پاس منگوا لیا۔ (ذکرہ سہیلی) واللہ اعلم۔

سیف بن ذی یزن کے ہاتھوں حبشی حکومت کا زوال...... محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ ابو یکسوم ابرہہ حبشی کی عبرتناک ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت نشین ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی مسروق نے حکومت سنبھالی جب حبشی حکومت کی مسلسل زیادتیوں سے یمنی تنگ آ گئے تو ابو مرہ سیف بن ذی یزن بن ذی اصبح بن مالک بن زید بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن العرنجج یعنی حمیر بن سبا ہیں۔ شاہ روم قیصر کے دربار میں حاضر ہوا اور حبشی حکومت کے ظلم و ستم کی داستان سنائی اور اس سے درخواست کی کہ یمن کے معاملہ سے آگاہ ہو کر ان کو نکال کر خود حکومت سنبھالے اور کسی آدمی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔ لیکن قیصر نے ان کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی۔

اس کے بعد وہ قیصر سے مایوس ہو کر نعمان بن منذر کے دربار میں حاضر ہوا جو عراق کے شہر حیرہ میں کسریٰ کا نائب اور گورنر تھا۔ اپنی داستان رنج و الم سنائی تو نعمان نے کہا سال میں ایک دفعہ کسریٰ کے دربار میں میری حاضری ہوتی ہے اور ابھی کچھ عرصہ باقی ہے۔ آپ تب تک میرے پاس قیام کریں۔ چنانچہ سیف بن ذی یزن نعمان بن منذر کے پاس ٹھہر گیا کچھ عرصہ بعد نعمان، سیف کو کسریٰ کے دربار میں لے کر گیا۔ جب وہ وہاں پہنچے کسریٰ

تاج پہنے اپنے دربار میں جلوہ افروز تھا۔

تاج کسریٰ ...... یہ طلائی تاج ایک بڑے پیمانے کے موافق وزنی تھا یاقوت وزبرجد اور جواہر سے آراستہ تھا وزنی ہونے کی بنا پر بادشاہ اسے سر پر اٹھا نہ سکتا تھا، لہٰذا وہ تخت کے اوپر، ایک طلائی زنجیر سے معلق تھا۔ کسریٰ پردے میں جلوہ افروز ہو کر اس میں سر داخل کر دیتا، پھر وہ پردہ ہٹا دیا جاتا تو حاضرین اس کی ہیبت اور دہشت سے سجدہ ریز ہو جاتے۔

سیف بن ذی یزن کی کسریٰ کے دربار میں حاضری ...... جب سیف بن ذی یزن حمیری اس کے دربار میں داخل ہونے لگا تو وہ سر خم کر کے داخل ہوا۔ کسریٰ نے یہ دیکھ کر کہا، اس قدر طویل دروازے میں بھی سر جھکا کر داخل ہوتا ہے۔ جب سیف کو کسریٰ کا یہ مقولہ بتایا گیا تو اس نے کہا میں غم اور اندوہ کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھا۔ پھر اس نے کسریٰ سے عرض کیا حضور! ہمارے علاقے پر "اغربہ" اور سیاہ فام لوگ قابض ہیں، اس نے پوچھا کون اغربہ؟ حبشی یا سندی؟ عرض کیا حبشی! میں آپ سے مدد کا طلب گار ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہمارا علاقہ آپ کے زیر حکومت ہو۔ کسریٰ نے کہا وہ علاقہ کم منفعت، بے کار اور دور دراز ہے، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں عرب میں اپنی فارسی فوج کو مشکلات میں پھنسانا نہیں چاہتا لہٰذا اس کو دس ہزار درہم اور عمدہ قسم کے لباس سے نوازا۔ سیف نے یہ عطیہ قبول کر لیا، لیکن باہر نکل کر یہ سب سکے اور کرنسی پھینک کر لوگوں میں لٹا دی۔ کسریٰ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ عظیم الشان اور عالی مرتبت انسان ہے۔ پھر اسے بلا کر کہا آپ نے شاہی عطیہ کیونکر لوگوں میں لٹا دیا۔ سیف نے کہا میں آپ کی طرف سے عطا کردہ مال کا کیا کروں گا، میرا علاقہ تو خود سیم وزر سے لبریز ہے۔

ایک عمدہ تجویز ...... کسریٰ نے وزراء اجلاس بلا کر ان سے پوچھا اس شخص کے مطالبے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ایک مشیر نے کہا حضور! جیل میں قیدی کافی تعداد میں موجود ہیں جن کی سزا پھانسی اور قتل ہے۔ آپ ان قیدیوں کو اس کے ہمراہ لشکر کی صورت میں روانہ کر دیں۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو آپ کا منشا پورا ہو جائے گا، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو سلطنت میں اضافہ ہو جائے گا۔

لشکر کی روانگی ...... چنانچہ کسریٰ نے آٹھ سو قیدی اس کے ہمراہ روانہ کر دیے اور ان کی قیادت اپنے ایک خاندانی معمر بزرگ اور تجربہ کار وھرز نامی شخص کے سپرد کر دی۔ یہ قیدی آٹھ کشتیوں میں سوار تھے، ان میں سے دو کشتیاں غرق ہو گئیں اور چھ ساحل عدن پر صحیح سلامت پہنچ گئیں۔ سیف حمیری نے اپنی قوم کے کچھ افراد اکٹھے کر کے وھرز کے زیر کمان کر دیے اور کہا، میرا ساتھ آپ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ ہے۔ ہمارا مرنا جینا اکٹھا ہے۔ وھرز نے اس تجویز کی تعریف کی۔

مسروق نے ابرہہ کا لشکر وھرز کے مدمقابل کر دیا ...... شاہ یمن مسروق بن ابرہہ بھی اپنی فوج کو وھرز کے مدمقابل لے آیا، وھرز نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو مقابلہ کے لئے بھیجا تو وہ قتل ہو گیا، جس کی وجہ سے وھرز کا غصہ شدت اختیار کر گیا۔ پھر دونوں فوجیں میدان جنگ میں مرنے کے کیلئے آ کھڑی ہوئیں تو وھرز نے کہا کہ مجھے ان کے بادشاہ کی نشان دہی کر دو، لوگوں نے کہا کہ آپ ہاتھی پر سوار، تاج پہنے اور پیشانی پر سرخ موتی لگائے ہوئے سوار کو دیکھ رہے ہیں۔ اس نے کہا بالکل دیکھ رہا ہوں تو لوگوں نے کہا یہ ان کا بادشاہ ہے۔ وھرز نے کہا: بس!! پھر وہ دیر تک آمنے سامنے کھڑے رہے کچھ دیر بعد وھرز نے دوبارہ پوچھا اب وہ کس پر سوار ہے؟ تو رفقاء نے کہا ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا ہے تو اس نے کہا ہاں ذرا ٹھہرو چنانچہ خاصی دیر وہ کھڑے رہے پھر وھرز نے پوچھا اب وہ کس پر سوار ہے؟ تو انہوں نے بتایا خچر پر، تو وھرز نے کہا خچر بنت حمار" "گھوڑا وہ رسوا ہو گیا" اور اس کا ملک بھی رسوا ہو گیا۔ اس نے کہا میں تیر پھینکتا ہوں اگر دیکھو کہ وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم ہیں، کوئی ہل چل پیدا نہیں ہوئی تو تم بھی مطمئن رہو، اگر دیکھو کہ انہوں نے مسروق کو گھیرے میں لے لیا ہے تو سمجھو کہ تیر نشانے پر لگا ہے اور یکدم حملہ کر دو۔

مسروق بن ابرہہ کی ہلاکت ...... اس کے بعد اس نے کمان پر تانت چڑھائی اور کمان اتنی سخت تھی کہ کسی کی مدد کے بغیر کوئی تانت نہ

تیر مارا تھا۔ چنانچہ اس نے تیر پھینکا تو تیر اس کی پیشانی پر سرخ موتی پر جا لگا اور سر کے پار ہو گیا وہ سواری سے گر پڑا اور لوگوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا۔ وہرز کے تمام ساتھی یکبارگی حملہ آور ہوئے بہت سے حبشی قتل ہوئے اور بہت سے میدان جنگ سے فرار ہوئے اور شکست سے دوچار ہوئے۔ ذی یزن وہرز جب صنعاء شہر میں داخل ہونے لگا تو اس کا دروازہ چھوٹا تھا تو اس نے کہا دروازہ مسمار کر دو کیونکہ میرا جھنڈا سرنگوں نہ ہوگا۔ چنانچہ دروازہ گرا دیا گیا اور وہ اپنے علم کو بلند کئے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ سیف بن ذی یزن نے کہا:

يظن الناس بالملكين
أنهما قد التأما
ومن يسمع بلأمهما
فإن الخطب قد فقما
قتلنا القيل مسروقا
وروينا الكثيب دما
وإن القيل قيل الناس
وهرز مقسم قسما
يذوق مشعشعا حتى
يفيء السبي والنعما

"لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں بادشاہوں نے اتحاد و اتفاق کر لیا اور صلح کر لی ہے۔ جو شخص خطرناک مصیبت کو سنے گا وہ سمجھ لے گا بے شک پانی سر سے گزر چکا تھا۔ ہم نے شاہ مسروق کو قتل کر دیا ہے اور ٹیلے کو خون سے سیراب کر دیا ہے۔ بے شک بادشاہ "وہرز" ہے لوگوں کو تقسیم کرنے والا، اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ موت کا مزا چکھائے گا یہاں تک کہ قیدی اور غنیمتیں لوٹ رہے تھے۔"

اس عظیم کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے حجاز وغیرہ اور عرب کے تمام علاقوں سے لوگ آنے لگے قریش کے وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم بھی تھے۔ سیف حمیری نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت سنائی تھی۔ ہم یہ "بشارت" کے بیان میں مفصل ذکر کریں گے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابو الصلت بن ابی ربیعہ ثقفی نے کہا بقول ابن ہشام امیہ بن ابی الصلت:

ليطلب الوتر أمثال ابن ذي يزن
ريم في البحر للأعداء أحوالا
يمم قيصر لما حان رحلته
فلم يجد عنده بعض الذي سالا
ثم انثنى نحو كسرى بعد عاشرة
من السنين يهين النفس والمال
حتى أتى ببني الأحرار يحملهم
إنك عمري لقد أسرعت قلقالا

"ابن ذی یزن ایسا زبردست بدلہ لینے والا ہے جو سمندر میں دشمنوں کی خاطر کئی سال رہا۔ جب اس کا وقت سفر قریب آیا تو اس نے قیصر کے پاس جانے کا عزم کیا اور جب اس کے پاس سے مدد نہ پایا۔ پھر دس سال بعد کسریٰ کی طرف گیا اپنا جان و مال صرف کر کے یہاں تک کہ وہ ان "آزاد لوگوں" ایرانیوں کو کشتیوں میں لاد لایا، میری عمر کی قسم! بے شک تو ہمیشہ سفر میں رہنے والا

تیز رفتار ہے۔

لله درهم من عصبة خرجوا
ما ان أرى لهم في الناس أمثالا
غلبا مرازبا بيضا اساورة
اسدا تربب في الغيضات اشبالا
يرمون عن شدف كأنها غبط
بزمخر يعجل المرمى اعجالا
ارسلت اسدا على سود الكلاب فقد
اضحى شريدهم في الارض فلالا

"اللہ ہی کے لئے ہے اس جماعت کی بھلائی جو وہاں سے آئے وہ بے مثال لوگ ہیں۔ موٹی گردن والے سردار، سفید فام، شیر ببر وہ اپنے کچھاروں میں اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں وہ کمانوں کو اس طرح چلاتے ہیں گویا وہ "محور" ہیں نزدیک تیر۔ عجب تیز وہ کہ جلدی ہی موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ تو نے سیاہ کتوں پر شیروں کو چھوڑ دیا ان کا فرار ہونے والا شکست خوردہ ہے"۔

فاشرب هنيئا عليك التاج مرتفقا
في رأس غمدان دارا منك محلالا
واشرب هنيئا فقد شالت نعامتهم
واسبل اليوم في برديك اسبالا
تلك المكارم لا قعبان من لبن
شيبا بماء فعادا بعد ابوالا

خوب پی خوشگوار، تجھ پر تاج سجا ہوا ہے۔ "راس غمدان" تیری قیام گاہ ہے۔ جس سے پیا ان کی آرزوں کی چادر اترتی ہے اور وہ رسوا ہو کر فرار ہو گئے ہیں۔ یہ فضائل و مناقب ہیں۔ نہ کہ پانی میں گھلا ہوا دودھ کے دو پیالے ہیں جو پینے کے بعد پیشاب کے راستے نکل جاتے ہیں۔

لفظ غمدان کی تحقیق: یمن میں ایک محل تھا جو یعرب بن قحطان نے تعمیر کیا تھا بعد میں وائل بن حمیر بن سبا نے اس میں اضافہ کیا اس محل کی بیس منزلیں تھیں۔ واللہ اعلم۔

ذی یزن کے متعلق [illegible] کہتے ہیں:

هبني بصنعاء كان يعمرها
ولاة ملك جزل مواهبها
رفعها من بنى لذي قزع المزن
وتندى مسكا محاريبها
محفوفة بالجبال دون عرى الكائد
ما يرتقى غواربها

یأنس فیہا صوت النہام إذا
جاوبہا بالعشی قاصبہا

"صنعاء کے بعد کیا اس میں ایسے عمرانی آبادتے جن کے معاملات گراں قدر تھے، اس کے بانی نے اس کو فلک بوس بنایا ہے اور اس کی نظافت سے کستوری کی خوشبو مہکتی ہے، وہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے جو آسمان کے روبرو ہے، اس کی فصیلوں پر چڑھنا دشوار ہے، بانسری کی آوازیں اس میں بھلی معلوم ہوتی ہے جب پچھلے پہر اس کا بجانے والا اس سے گذرتا ہے۔"

ساقت الیہا الأسباب جند بنی
الأحرار فرسانہا مراکبہا
وفوزت بالبغال توسق بالحتف
وتسعی بہا توالبہا
حتی رآہا الأقوال من طرف المنقل
مخضرۃ کتائبہا
یوم ینادون آل بربر والیکسوم
لا یفلتن ہاربہا

"قدرت" نے بنی احرار کے لشکر کو یہاں لا کر ان کے شاہسوار خراماں چلتے تھے، وہ میدان جنگ میں خچروں پر سوار ہوئے تھے جن میں موتیں لدی ہوئی تھیں اصحاب کے بچے پیادے دوڑ رہے تھے یہاں تک کہ ان کو سرداروں نے دیکھا قلعہ کے کنارے سے ان کی فوجیں سبز تھیں، جس دن پکارتے تھے آل بربر اور یکسوم کو کہ ان سے بھاگنے والا نجات نہ پا جائے۔"

فکان یوما باقی الحدیث وزا
لت أمۃ ثابت مراتبہا
وبدل الفیج بالزرافۃ والأیام
جون جم عجائبہا
بعد بنی تبع نخاورۃ
قد اطمأنت بہا مرازبہا

"وہ ایسا دن تھا کہ اس کی بات ہمیشہ باقی رہے گی لیکن اپنے مراتب پر قائم ایک قوم ختم ہو گئی۔ جنگ نے جماعت حبشہ کو بدل دیا، اتنی بات تو لی ہے اور جنگ کے عجائبات بکثرت ہیں اور بنی تبع کے بعد بڑے بڑے فیاض لوگ ہیں وہاں ان کے رئیس مطمئن اور پر امن ہیں۔"

خواب کی تعبیر ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ سب ماجرا واقعات شاہ یمن کے خواب کی تعبیر کا مصداق تھا جس کی تعبیر سطیح کاہن نے اپنے اس قول سے کی: ارم ذی یزن یخرج علیہم من عدن فلا یترک منہم احدا بالیمن۔ کہ ذی یزن کی اولاد (ارم ذی یزن) عدن کی جانب سے آئے گا اور یمن میں ان سے کسی شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا اور شق کاہن کی تعبیر تھی غلام لیس بدنی ولا مدن یخرج من بیت ذی یزن۔ ایک نوجوان وہ کمینہ اور کمزور نہیں ہے وہ نوجوان ذی یزن کے خاندان سے پیدا ہوگا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ فتح کے بعد وہرز اور اس کے ساتھی یمن ہی میں مقیم ہو گئے۔

ابنا . . آج کل یمن میں "ابنا" ان کی آل اولاد کو کہتے ہیں۔ یمن میں حبشیوں کی حکومت ۷۲ سال رہی اس عرصہ میں ارباط، ابرہہ، یکسوم اور مسر

وہ بن ماہ یہ ہے نے اہل یمن پر حکومت کی۔

یمن پر نائب کسریٰ کی حکمرانی...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ وہرز کی وفات کے بعد کسریٰ نے اس کے بیٹے "مرزبان" کو یمن کی سلطنت کا نائب مقرر کر دیا پھر اس کے بیٹے "تینجان بن مرزبان" کو اس کی وفات کے بعد سلطنت کا نائب مقرر کر دیا پھر اچانک کسی وجہ سے اس کو معزول کر کے باذان کو مقرر کیا اور اسی کے عہد حکومت میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔

کسریٰ کا باذان کے نام پیغام...... امام زہری کا بیان ہے کہ کسریٰ نے باذان کو پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک قریشی نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم وہاں جاؤ اور اس سے دعوائے نبوت سے تائب ہونے کو کہو اگر وہ تائب ہو جائے تو ٹھیک ورنہ اس کا (معاذ اللہ) سر قلم کر کے مجھے بھیج دو۔

مکتوب نبوت ﷺ اور کسریٰ کا انجام...... باذان نے کسریٰ کا یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں لکھا: ان اللہ قد وعدنی ان یقتل کسریٰ فی یوم کذا و کذا من شہر کذا (اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں روز فلاں ماہ میں قتل ہو جائے گا۔) (بقول امام کلبی وہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ میں قتل ہوا)۔

کسریٰ کا قتل...... باذان کو جب یہ جواب موصول ہوا تو اس نے توقف کیا اور کہا اگر یہ نبی برحق ہوا تو ایسا ہو گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمودہ وقت کے مطابق کسریٰ کو اس کے بیٹے "شیرویہ" نے قتل کر دیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے سب بیٹوں نے مل کر حملہ کر کے قتل کیا۔ کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیروان بن قباذ تھا یہی سلطنت روم پر غالب آیا تھا جس کا واقعہ سورۂ روم میں مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کسریٰ کو دعوت اسلام دینا...... رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے برہم ہو کر رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی پارہ پارہ کر دیا اور اس نے اپنی حکومت کے نائب یمن باذان کو مذکورہ بالا مراسلہ تحریر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ربی قتل اللیلۃ ربک میرے رب نے تیرے رب کو آج رات قتل کر ڈالا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ قتل ہو گیا اس ظلم و ستم کی وجہ سے اس کے بیٹوں نے اسے موت کے گھاٹ اتارا اس کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ جانشین بنا اس نے چھ ماہ تک حکومت کی پھر اس کا انتقال ہو گیا خالد بن حق شیبانی نے کسریٰ کے متعلق اپنے شعر میں کہا:

وکسریٰ اذ تقسمه بنوه باسیاف کما اقتسم اللحام

"قصاب کی طرح جب کسریٰ کو اس کے بیٹوں نے ذبح کر دیا۔"

تمخضت المنون له بیوم الا ولکل حاملة تمام

"آخر موت نے ایک دن اس کو دبوچ کر ہلاک کر دیا اور ہر حمل اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

باذان اور اس کی رعایا کا قبول اسلام...... جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اطلاع دی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب ہم کس کی طرف منسوب ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انتم منا والینا اہل البیت (تم ہمارے اہل بیت میں سے ہو) بقول امام زہری اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: سلمان منا اہل البیت۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے ہجرت کے بعد ہی سلمان رضی اللہ عنہ کو یہ عطا فرمایا تھا۔

یمن میں اشاعت اسلام...... اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے یمن میں اسلام کی دعوت اور اس کی نشر و اشاعت کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا پھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور

تمام اہل یمن دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ باذان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شہر بن باذان تخت نشین ہوا اسود عنسی کے قتل کے بعد یمن پر پھر سے اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ سطیح کاہن کے اس مقولہ نبی زکی یاتیہ الوحی من قبل العلی کا یہی مطلب تھا اور شق کاہن کی تعبیر بل ینقطع برسول مرسل یاتی بالحق والعدل بین اہل الدین والفضل یکون الملک فی قومہ الی یوم الفصل کا بھی یہی مصداق تھا یمن پر کس کی حکمرانی ہوگی؟ امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ یمن کے اندر کسی پتھر پر یہ تحریر کندہ تھی لمن ملک ذمار لحمیر الاخیار لمن ملک ذمار للحبشۃ الاشرار، لمن ملک ذمار لفارس الاحرار، لمن ملک ذمار لقریش التجار" یمن پر کس کی حکمرانی ہوگی؟ نیک حمیریوں کی، پھر کس کی حکومت ہوگی؟ شریر حبشیوں کی، پھر کس کی سلطنت قائم ہوگی؟ آزاد ایرانیوں کی، پھر کس کے زیر فرمان ہوگا؟ قریشی تاجروں کے۔

اس مضمون کو کسی شاعر نے منظوم بھی کیا ہے جو مسعودی نے نقل کیا ہے۔

حین شیدت ذمار قیل لمن انت
فقالت لحمیر الاخیار
ثم سیلت من بعد ذاک فقالت
انا للحبش اخبث الاشرار
ثم قالوا من بعد ذاک لمن انت
فقالت لفارس الاحرار
ثم قالوا من بعد ذاک لمن انت
فقالت الی قریش التجار

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سانحہ ... کا مذکورہ بالا کلام مالک بن ذی منار کا ہے اور عمرو ذی الاذعار بن ذی منار کے عہد حکومت میں بلقیس کے عہد حکومت سے کچھ عرصہ پہلے یہ تحریر ملی اور حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کے پاس ایک پتھر نمودار ہوا اور اس پر مذکورہ بالا تحریر لکھی تھی اور بقول کسی شخص کے یہ عبارت ہود علیہ السلام کی قبر پر بھی تحریر تھی اور ان کی کلام تھی۔" [ازکل]

نعمان کے نسب میں اختلاف اور ساطرون کا قصہ ...... ابن ہشام نے یہ قصہ اس مقام پر اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ ان کے نسب کے مطابق نعمان بن منذر جس کی معرفت سیف حمیری کو کسریٰ کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تھی وہ ساطرون کی نسل سے تھا۔ ابن اسحاق کا بیان پیچھے گزر چکا ہے کہ نعمان بن منذر، ربیعہ بن نصر لخمی کی اولاد میں سے ہے اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمان قنص بن معد بن عدنان کی نسل میں سے ہے نعمان کے نسب کے بارے میں یہ تین مختلف اقوال منقول ہیں۔

بانی قلعہ حضر ...... ابن ہشام نے ساطرون بانی قلعہ حضر کا قصہ مفصلاً بیان کیا ہے یعنی حضر دریائے فرات کے ساحل پر ساطرون بادشاہ نے تعمیر کروایا تھا وہ ایک قلعہ نما بڑی عظیم الشان عمارت تھی جو روایتی عہد کی تھی یہاں پوری سلطنت کا مال و دولت جمع ہوتا تھا۔

ساطرون کون تھا؟ ...... ساطرون کا نام ضیزن بن معاویہ بن عبید بن اجرم از بنی سلیح بن حلوان بن عاف بن قضاعہ ہے۔ ابن کلبی کا ... نہیں ... ماہرین نسب کا بیان ہے کہ اس کا شمار "جرامقہ" میں سے ہے اور یہ "طوائف الملوکی" کے دور کا ایک بادشاہ تھا جب یہ غیر عرب باشندوں سے جنگ کرتے تو یہ ساطرون ان کی قیادت کیا کرتا تھا۔ دجلہ اور فرات کے درمیان اس کا قلعہ تھا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ "کسریٰ سابور ذوالاکتاف" نے ساطرون صاحب حضر سے جنگ کی اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ ساطرون سے جنگ کرنے والا سابور اردشیر بن بابک ہے جو پہلا ساسانی بادشاہ ہے جس نے طوائف الملوکی ختم کر کے شاہان کسریٰ کی بنیاد ڈالی اور یہ سابور ذوالاکتاف

تو بہت دیر بعد میں ہوا واللہ اعلم۔

(مکمل)

سابور ساسانی کا محاصرہ...... سابور ساسانی بیرون ملک خراسان میں کسی مہم میں مصروف تھا کہ ساطرون نے اس کے علاقہ میں حملہ کر کے تباہی مچادی تو سابور نے اس مہم سے فراغت کے بعد (بقول ابن ہشام) متواتر دو سال تک "قلعہ حضر" کا محاصرہ جاری رکھا اور بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ محاصرہ تقریباً چار سال تک جاری رہا۔

ساطرون کی بیٹی کی اپنے باپ سے دغابازی اور انجام کار...... ایک روز ساطرون کی بیٹی "نضیرہ" کی نگاہ سابور پر پڑی، سابور ایک نوخیز حسین وجمیل بادشاہ تھا، سر پر طلائی تاج تھا جو جواہر سے آراستہ تھا۔ نضیرہ نے سابور کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر میں حضر قلعہ کا دروازہ کھول دوں تو کیا آپ مجھ سے شادی کر لیں گے شاہ سابور نے "ہاں" میں جواب دیا۔ شام ہوئی تو ساطرون حسب دستور شراب کے نشے میں چور تھا۔ نضیرہ نے اس موقع کو غنیمت جان کر باپ کے تکیے کے نیچے سے قلعہ کی چابیاں نکالیں اور اپنے غلام کے ہاتھ سابور کے پاس بھجوا دیں، سابور دروازہ کھول کر قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اور ساطرون کو قتل کر کے قلعہ کو فتح کیا اور نضیرہ سے شادی کر کے اس کو ساتھ لے آیا وہ ایک رات بستر پر لیٹی ہوئی تلملا رہی تھی اور اسے نیند نہیں آرہی تھی، سابور نے ذرا روشنی کر کے اس کا بستر ٹٹولا تو اس پر آس درخت کا پتہ تھا جس کی وجہ سے اس کی نیند اچاٹ تھی۔

سابور نے پوچھا کیا اسی وجہ سے تو بے قرار تھی اور تجھے نیند نہیں آرہی تھی؟؟ اس نے کہا ہاں! تو سابور نے پوچھا تیرا والد تیری کیسے پرورش کیا کرتا تھا؟؟ تو اس نے کہا دیباج کے نرم و نازک بستر پر مجھے سلاتا اور ریشمی لباس پہناتا تھا۔ اور کھانے میں عمدہ قسم کے مغزیات اور پینے میں اعلیٰ درجے کی شراب مہیا کرتا تھا۔ تو سابور نے "برانگیختہ ہو کر کہا ایسے شفیق اور مہربان باپ کا صلہ" یہ بے وفائی اور دغابازی! اس طرح تو مجھ سے بہت جلد دھوکا کر سکتی ہے، پھر سابور نے اس کی چوٹی کے بال گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ دیے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قلعہ میں داخل ہونے کے بارے میں دو مختلف اقوال:...... بعض لوگ کہتے ہیں کہ نضیرہ نے سابور کو ایک زمین دوز نہر بتائی جس سے قلعہ کے اندر پانی آتا تھا وہ اس کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نضیرہ نے سابور کو ایک جادو بتایا جس سے قلعہ کا دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور وہ جادو یہ تھا کہ خاکستری رنگ کی کبوتری کے پنجے، بلی کی آنکھوں جیسی باکرہ لونڈی کے حیض کے خون میں لت پت کر کے چھوڑ دیا جائے تو جب وہ قلعہ کی دیوار پر بیٹھ جائے تو قلعہ کے دروازے خود بخود کھل جائیں گے۔

اس عبرت آموز قصہ کے بارے میں اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ شاعر نے اپنے اشعار میں کہا:

الم تر للحضر اذا اهله
بنعمى وهل خالد من نعم
أقام به شاهور الجنود
حولين تضرب فيه القلم
فلما دعا ربه دعوة
أناب اليه فلم ينتقم
فهل زاده ربه قوة
ومثل مجاوره لم يقم

"کیا تو نے قلعہ حضر کو نہیں دیکھا جب اس کے باشندے ناز و نعمت میں تھے اور کیا نعمتیں ہمیشہ کیلئے ہوتی ہیں۔ وہاں سابور نے اپنے لشکر کو متواتر دو سال رکھا اس پر کدال برسائے جاتے تھے۔ جب اس نے رب کو پکارا، اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس سے انتقام نہ لیا۔ کیا اس کے رب نے اس کی طاقت میں اضافہ کیا اور ایسا مجاور قائم نہیں رہتا"۔

ركان دعا لمر [illegible] دعوة
فتعوا الى امركم فقد [illegible]
لموتوا كراما [illegible]
ارى الموت بعض [illegible] من جشم

"اس نے اپنی قوم کو پکارا ایک بے مثال امر کی طرف کہ تم اپنی تلواروں کو استعمال کر کے شریفوں کی موت مرو میری نظر میں تو وہی شخص برداشت کرتا ہے جو ذلت کے برداشت کرنے پر راضی ہو"۔

علی بن یزید نے بھی اس بارے میں کہا:

[illegible] عليه داهية
من [illegible] ابد [illegible]
[illegible] ق و [illegible]
[illegible] اذا [illegible] ع [illegible]
اذ [illegible]
[illegible] و [illegible]
[illegible]
[illegible] ان [illegible]
[illegible] حفظ [illegible] الا [illegible]
[illegible] الجعفري [illegible]

"قصر جعفری پر مصیبت اس کے ذریعے آئی ہے جس کی دیواریں مضبوط تھیں۔ حالانکہ اس نے اپنے والد کو موت سے نہ بچایا جب اس نے اپنے تاج اور دین و دنیا کو ضائع کر دیا۔ جب اس نے صبح شراب شام کے وقت شراب خیالات میں تبدیلی پیدا کرتی ہے اس کے پینے والا بے حد ہو جاتا ہے اس نے اپنے اہل کو آپ رات کے بعد "بے یار و مددگار" چھوڑ دیا اس کا گمان تھا کہ زمانہ اس سے مشغول کرنے والا ہے۔ جب صبح ہوئی تو اس کا نصیب تھا خون جو اس کے دوپٹے بہہ رہا تھا"۔

[illegible] و [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
لم [illegible] الا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] كسرى [illegible]
[illegible] ان لم [illegible]

"قصر جعفر تباہ کر دیا گیا اس کے باشندے پامال کر دیئے گئے اور پردوں میں رہنے والیاں ان کے ساتھ جلاوطن کی گئیں۔ اے

غالب کی تکلیف پر خوش ہونے والے زمانہ پر نکتہ چینی کرنے والے کیا تو صحت مند اور خوشحال ہی ہو گا۔ کیا تیرے پاس کوئی حوادث زمانہ سے بچاؤ کا وثیقہ موجود ہے۔ بالکل نہیں بلکہ تو جاہل فریب خوردہ ہے۔ کس کو دیکھا ہے تم نے کہ موت نے اس کو زندہ رکھا یا کسی پر ظلم ہونے سے ان کا دفاع کیا۔ کسریٰ نوشیرواں کہاں ہے؟ یا اس سے پہلے شاہ سابور کہاں ہے؟"

وبنو الأصفر الكرام ملوك الروم
لم يبق منهم مذكور
وأخو الحضر إذ بناه وإذ دجلة
تجبى إليه والخابور
شاده مرمرا وجلله كلسا
فللطير في ذراه وكور
لم يهبه ريب المنون فباد
الملك عنه فبابه مهجور
وتذكر رب الخورنق إذ
أشرف يوما وللهدى تفكير

"کرم اور معزز بنی اصفر شاہان روم میں سے کوئی فرد باقی نہیں بچا اور قلعہ حضر کہ جب اس نے تعمیر کیا اور دجلہ اور خابور والی کا محصول وہاں لایا جاتا تھا اس کو سنگ مرمر سے مضبوط کیا اور چونے کا پلستر کیا، پرندوں کے اس کی چوٹی پر گھونسلے ہیں۔ حوادث زمانہ اس سے نہ گھبرائے، حکومت ختم ہو گئی، اس کا دروازہ بے آباد متروک ہے۔ خورنق کے مالک نے نصیحت حاصل کر لی جب وہ ایک روز جھانکا، رشد و ہدایت کے حصول کے لئے غور و فکر ضروری ہے۔"

سره ماله وكثرة ما يملك
والبحر معرضا والسدير
فارعوى قلبه وقال وما غبطة
حي إلى الممات يصير
ثم أضحوا كأنهم ورق جف
فألوت به الصبا والدبور

"اس کو مال و دولت کی کثرت، سمندر کے موڑ اور محل سدیر نے مسرت و فرحت بخشی۔ اس کا دل باز آ گیا اور اس نے کہا کسی زندہ کا موت تک رشک نہیں۔ پھر وہ ایک خشک پتے کی طرح ہو گئے اور اس کو مغربی اور شرقی ہوا نے اڑا دیا ہے۔"

رب خورنق نامی بادشاہ اور اس کو وعظ و نصیحت ...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "رب خورنق" عہد قدیم میں ایک ظالم سرکش بادشاہ وہ نہایت فضول خرچ، جور و جفا کا پتلا اور حرص و ہوس کا غلام تھا کسی اصحاب علم نے اسے وعظ و نصیحت کی کہ غور کرو کہ بے شمار بادشاہ اور بے شمار حکومتیں ماضی کا قصہ بن چکی ہیں۔ ان میں کا کوئی فرد بھی روئے زمین پر زندہ نہیں، یاد رکھیے جو سلطنت آپ کے قبضہ میں آئی ہے وہ ضرور کسی دوسرے کے قبضہ میں منتقل ہو گی بادشاہ پر وعظ و نصیحت کا اثر ہوا (وعظ و نصیحت کا اس پر بڑا اثر ہوا)" ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق یہ چند کلمات اس کے دل میں اتر گئے اور وہ بڑا متاثر ہوا، گناہوں سے باز آ گیا، اپنے ماضی اور حال پر غور کرنے لگا، قبر کی تاریکی اور تنگی سے گھبرانے لگا۔ چنانچہ اس نے توبہ کی، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنے خاندان کو چھوڑ دیا، بادشاہت اور سلطنت کو خیر باد کہہ دیا فقیرانہ

قیام نہیں کیا اور ویران جنگل میں چلا گیا تنہائی اختیار کر لی اور گوشہ نشین ہو گیا اور آخر کار گناہ اور معصیت سے بالکل کنارہ کش ہو گیا ”کتاب التوابین“ میں یہ قصہ امام ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور روض الانف میں امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ سند اور نہایت الفاظ عمدہ میں بیان کیا ہے۔

طوائف الملوکی کی بنیاد...... ساطرون صاحب قلعہ حضر اسکندر مقدونی کے معاصر کا بیان ہو چکا ہے کہ وہ ”طوائف الملوکی“ کے دور کا سرغنہ تھا، جب وہ شاہ دارا پر غالب ہوا اور اس کی حکومت کو ختم کیا۔ اس کی اجازت سے عاجز ہو کر ساری قوم کو تقسیم کر دیا، آدمی کے ذخائر پر قبضہ کر لیا اور فارس کو تہ و بالا کر دیا اور اس کے قلعوں کو پامال کر دیا، اس کا عزم تھا کہ آئندہ کوئی بھی اجتماعی حکومت سر نہ اٹھا سکے اور نہ ہی دوبارہ عظمت بحال ہو سکے۔ چنانچہ اس نے عرب و عجم کے ہر علاقے پر ایک بادشاہ اور رئیس مقرر کر دیا اور اس طرح طوائف الملوکی کی بنیاد ڈال دی۔ ہر بادشاہ اور رئیس اپنے علاقہ کا تحفظ کرتا اور اس کے محصول اور آمدنی اکٹھی کرتا اور حکومت بطور وراثت منتقل ہوتی، باپ کے بعد بیٹا وارث ہوتا اور تقریباً پانچ سو سال تک یہی نظام حکومت جاری رہا یہاں تک کہ بنی ساسان میں سے اردشیر بن بابک کا دور آیا اور اس نے تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں کو متحد کیا اور ان کے ذمہ داروں اور بادشاہوں کو یکسر ختم کر دیا اور اس طرح طوائف الملوکی کے دور کا خاتمہ کر دیا۔

اردشیر کا انتقال اور اس کا بیٹا...... سابور جب اردشیر فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے سابور نے طوائف الملوکی کے باقی مقیم صاحب قلعہ حضر پر سب سے آخر میں محاصرہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا جیسا کہ اس کا بیان ہو چکا واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

آل اسمٰعیل اور زمانہ جاہلیت سے زمانہ نبوت تک کے امور کا بیان

سیرت انبیاء میں اسمٰعیل علیہ السلام کا بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہما السلام دونوں کو شام سے لے کر روانہ ہوئے اور ان کو سرزمین مکہ میں فاران کے پہاڑوں میں تنہا چھوڑ کر چلے آئے۔ اسمٰعیل اس وقت شیر خوار بچے تھے۔ ان کے پاس سوائے کھجور کے تھیلے اور پانی کے مشکیزے کے کچھ بھی نہ تھا۔ جب توشہ بھی ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث بخاری میں مروی ہے۔

قبیلہ جرہم کا قیام...... عرب عاربہ میں سے ایک قوم قبیلہ جرہم وہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس شرط پر مقیم ہو گیا کہ ان کا آب زمزم کے استعمال کرنے کے علاوہ چشمہ پر کوئی حق نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم آتے تو ان کے حالات کا جائزہ لیتے، بچے اور ان کی خیر خیریت پوچھتے رہتے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس سے مکہ تک آمد و رفت کا سفر براق پر سوار ہو کر طے کیا کرتے تھے۔

حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد...... جب حضرت اسمٰعیل جوان ہوئے اور عالم شباب کو پہنچے تو ذبح کا واقعہ پیش آیا، پھر جرہم خاندان کی لڑکی سے شادی کی بعد ازاں اسے طلاق دے کر سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے نکاح کیا اس سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں (۱) نابت (۲) قیذار (۳) منشا (۴) مسمع (۵) ماشی (۶) دما (۷) ازر (۸) یطور (۹) نبشی (۱۰) طیما (۱۱) قیذما (۱۲) اوپر کا نام درج نہیں) امام ابن اسحاق وغیرہ نے یہ نام اہل کتاب سے نقل کئے ہیں ”نسمہ“ ان کی ایک لڑکی تھی جس کی شادی عیصو بن اسحاق بن ابراہیم سے ہوئی، جس سے ”روم“ فارس اور اشبان پیدا ہوئے۔

”المسمعہ المسوحات البشریہ فی جزیرۃ العرب“ میں شیخ محب الدین خطیب“ نے بہت تحقیق و جستجو کے بعد یہ نام درج کئے ہیں (۱) نابت (۲) قیدار (۳) یطور (۴) طح (۵) دومہ (۶) مسمع (۷) قدمہ (۸) ادبائیل (۹) تیمن (۱۰) مشما (۱۱) حج (۱۲) مسا۔

حکمران کا سلسلہ ... پورے عرب کے نزدیک قابل بن نابت اور قیدار کی نسل میں رہے ہیں۔ کہ کعبہ کی تولیت اور رئیس کعبہ و زمزم کے امور کا منصب نابت بن اسماعیل کے ہی قبیلے کو منتقل ہوا، پھر نابت کے بعد نانا کے رشتے کے باعث مضاض بن عمرو جرہمی بیت اللہ پر قابض ہو گیا۔ مضاض اور اس کے گروہ والے اپنے نواسے اسماعیل اور ان کی بجائے خود کافی عرصہ تک حکمران رہے۔

مضاض کا نسب ... مضاض بن عمرو بن سعد بن الرقیب بن ہنی بن نبت بن جرہم بن قحطان اور بعض لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: جرہم بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح، جرہمی مضاض بن عمرو جس کی رہائش قعیقعان پر بالائی مکہ میں تھی اور سمیدع رئیس قطوراء اپنی قوم کے ساتھ نشیبی مکہ میں مقیم تھا یہ دونوں حضرات مکہ میں داخل ہونے والے ہر شخص سے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

مضاض اور سمیدع کا آپس میں جھگڑا ... قبیلہ جرہم اور قطوراء دونوں کا کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا لڑائی ہوئی اور اس میں سمیدع مارا گیا اس جنگ کے بعد مضاض بن عمرو اکیلا مکہ کا حکمران بن گیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام باوجود عظمت و کثرت کے رشتے داری کی وجہ سے اور بیت اللہ کی حرمت کی خاطر کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرنا چاہتے تھے مضاض کی وفات کے بعد حارث بن مضاض تخت نشین ہو گیا اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن حارث اس کا جانشین ہو گیا۔

اساف و نائلہ کی بدکاری اور ان کا مسخ ... پھر جرہمیوں میں ظلم و زیادتی کا دور شروع ہوا ان کے دور میں عصیان و نافرمانی کا دور دورہ تھا۔ بیت اللہ میں ظلم و فساد کا اس قدر عروج اور فروغ ہوا کہ اساف بن بغی جرہمی اور نائلہ بنت وائل نے بیت اللہ میں بدکاری کی اور اللہ نے ان دونوں کو پتھر کی صورت میں مسخ کر دیا۔ لوگوں نے ان مسخ شدہ مجسموں کو بیت اللہ میں عبرت و نصیحت کے لئے نصب کر دیا عرصہ دراز کے بعد عبرت حاصل کرنے کی بجائے لوگوں نے ان مجسموں کی پرستش شروع کر دی۔

خزاعہ کی حکومت ... عمرو بن عامر (شوہر طریفہ بنت خیر حمیریہ کاہنہ) جس نے متوقع عرم کے سیلاب کے پیش نظر یمن کی رہائش ترک کر دی تھی اس کی آل میں سے خزاعہ نے مکہ کے قریب مر الظہران میں رہائش اختیار کر لی تھی اور ان کی علیحدگی کی وجہ سے ان کا نام خزاعہ پڑ گیا۔

خزاعہ کعبہ کی توہین اور بے حرمتی کو دیکھ کر تیار ہو گئے اور اس کو برداشت نہ کر سکے تو ان کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔ آل اسماعیل دونوں جماعتوں سے الگ رہی۔ کسی سے تعاون نہ کیا۔ جرہمیوں کو شکست ہوئی اور خزاعہ میں سے بنو بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور عمرو بن حارث کو جلا وطن کر دیا۔ جنگ کے دوران عمرو بن حارث نے کعبہ کے دو طلائی ہرن، حجر اسود، چند تلواریں اور کچھ تبرک اشیاء زمزم کے کنویں میں ڈال کر زمزم کا کنواں اوپر سے بند کر دیا اور اس پر کچھ علامات و نشانات لگا دیئے پھر اپنے پیدائشی وطن یمن کی طرف چلا گیا۔ عمرو بن حارث مضاض نے اس سفر کے بارے میں اپنے اشعار میں کچھ یوں کہا

وقائلة والدمع سكب مبادر
وقد شرقت بالدمع منها المحاجر
كأن لم يكن بين الحجون الى الصفا
انيس ولم يسمر بمكة سامر
فقلت لها والقلب مني كأنما
يلجلجه بين الجناحين طائر
بلى نحن كنا اهلها فأزالنا
صروف الليالي والجدود العواثر

"بہت سے قبائل کہنے والے ہیں اس حال میں کہ آنسو لگاتار بہہ رہے ہیں اور وہ آنکھوں میں اٹک گئے ہیں۔ گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک کوئی مانوس انسان نہیں تھا اور مکہ میں کسی نے رات گزاری قصہ گوئی کی تو میں نے ان کو کہا اس حال میں کہ میرا دل گویا پرندے کے دو پروں کے درمیان پھڑ پھڑا رہا ہے۔ کیوں نہیں، ہم اس کے باشندے تھے، ہمیں حوادث زمانہ نے جلا وطن کردیا اور بدقسمتی نے الگ کر دیا"۔

وكنا ولاة البيت من بعد نابت
نطوف بذاك البيت والخير ظاهر
ونحن ولينا البيت من بعد نابت
بعز فما يحظى لدينا المكاثر
ملكنا فعززنا فأعظم بملكنا
فليس لحي غيرنا لم فاخر
ألم تنكحوا من خير شخص علمته
فأبناؤه منا ونحن الأصاهر

"نابت کے بعد ہم متولی ہوئے، ہم اس کا طواف کرتے تھے اور خیر و برکت نمایاں تھی۔ نابت کے بعد ہم بیت اللہ کے متولی ہوئے ایسے معزز کہ کوئی سرمایہ دار بھی ہمارے یہاں صاحب نصیب نہ تھا ہم حکمران ہوئے اور غالب ہوئے ہمارا ملک کس قدر عظیم تھا ہمارے علاوہ کوئی بھی دوسرا فخر و ناز کرنے والا نہ تھا۔ کیا تم نے بہترین شخص کو نکاح نہیں دیا اس کی اولاد ہماری بچی سے ہے اور ہم ان کے سسرال ہیں"۔

فإن تنثني الدنيا علينا بحالها
فإن لها حالا وفيها التشاجر
فأخرجنا منها المليك بقدرة
كذلك يا للناس تجري المقادر
أقول إذا نام الخلي ولم أنم
إذا العرش لا يبعد سهيل وعامر
وبدلت منها أوجها لا أحبها
قبائل منها حمير ويحابر

اگر انقلاب زمانہ ہمارے برخلاف ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں دنیا کے گوناگوں حادثات ہیں اور اس میں اختلافات ہیں۔ اللہ نے ہمیں اس سے اپنی قدرت سے جلا وطن کر دیا ہے لوگو! تقدیر اسی طرح رواں دواں ہے۔ میں کہتا ہوں جبکہ بے فکر آدمی سو گیا اور میری نیند اچاٹ ہے عرش (پہاڑ) سہیل اور عامر سے دور نہیں۔ ان کی بجائے میرے لیے ناپسندیدہ قبائل حمیر اور یحابر کے لوگ بدل دیئے گئے ہیں)۔

وصرنا أحاديثا وكنا بغبطة
بذلك عضتنا السنون الغوابر
فسحت دموع العين تبكي لبلدة
بها حرم أمن وفيها المشاعر

وتبكي لبيت ليس يؤذى حمامه
يظل به أمنا وفيه العصافر
وفيه وحوش لا ترام أنيسة
إذا خرجت منه فليست تغادر

”ہم افسانہ بن چکے ہیں۔ اور ہم تو اہل ملک تھے کہ گردش زمانے نے ہمیں مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ اس متبرک گھر کے لئے آنکھیں اشکبار ہیں جہاں پر کبوتر بے خوف ہیں اور اس میں اللہ کے شعائر ہیں۔ آنکھیں اس کعبہ کے لئے اشکبار ہیں جس کے کبوتر کو کوئی اذیت نہیں پہنچتی اس میں وہ اور چڑیاں پرامن ہیں۔ اس میں وحشی جانور مانوس ہیں ان کو تکلیف نہیں دی جاتی جب وہاں نکل کر باہر بھی گئے تو چھوڑ کر نہیں جاتے“۔

عمرو کی بنی بکر اور غبشان کو نصیحت...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث بن مضاض بنی بکر اور غبشان بن خزاعی کو نصیحت کرتا ہے

يا أيها الناس سيروا إن قصركم
أن تصبحوا ذات يوم لا تسيرونا
حثوا المطي وأرخوا من أزمتها
قبل الممات وقضوا ما تقضونا
كنا أناسا كما كنتم فغيرنا
دهر فأنتم كما صرنا تصيرونا

”اے لوگو! تم کوچ کرو تم ایک روز یہاں سے نکل جاؤ گے سواریوں کو تیز چلاؤ اور ان کی مہاریں ڈھیلی چھوڑ دو موت سے پہلے اور جو تم کرنا چاہتے ہو پایہ تکمیل کو پہنچا دو۔ ہم تمہارے جیسے انسان تھے، لیکن اس نے تبدیل کر دیا اب تم بھی ہم جیسے ہو جاؤ گے“۔

مذکورہ بالا اشعار کی صحت...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ اشعار اس کے قصیدے میں سے مجھے ثابت ہوئے ہیں۔ بعض علماء شعر کا بیان ہے کہ یہ اولین اشعار ہیں جو عرب کے بارے میں کہے گئے یمن میں کسی پتھر پر کندہ پائے گئے مگر اس شاعر کا نام مذکور نہیں۔

امام سہیلی نے ان اشعار کا بھی اضافہ کیا ہے اور عجیب و غریب حکایات بیان کی ہیں۔ ”قصہ کل متہ“ میں ابو الولید ازرقی نے عمرو بن حارث کے ان اشعار پر یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے:

قد مال دهر علينا ثم أهلكنا
بالبغي فينا وبز الناس ناسونا
إن التفكر لا يجري بصاحبه
عند البديهة في علم له دونا
اقضوا أموركم بالحزم إن لها
أمور رشد رشدتم ثم مسنونا
واستخبروا في صنيع الناس قبلكم
كما استبان طريق عنده الهونا
كنا زمانا ملوك الناس قبلكم

بمكة كنا في حرام الله مسكونا

خزاعہ اور عمرو بن لحی کا قصہ اور عرب میں آغاز بت پرستی خزاعہ میں سے قبیلہ غسان کا عمرو بن حارثہ غسانی مکہ کا رئیس مقرر ہوا، بنی عمرو بن عبد مناۃ نے اپنے زور سے کام لیا۔ قریش اس وقت مختلف متفرق بستیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ عمرو بن عامر جب یمن سے سکونت ترک کر کے آیا تو اس کا ارادہ شام میں آباد ہونے کا تھا۔ وہ راستے میں مر الظہران کے مقام پر قیام پذیر ہوا تو جو لوگ ان میں سے پیچھے رہ گئے ان کا نام "خزاعہ" پڑ گیا چنانچہ عون بن ایوب انصاری خزرجی نے اپنے اشعار میں یہی بیان کیا:

فلما هبطنا بطن مر تخزعت
خزاعة منا في حلول كراكر
حمت كل واد من تهامة واحتمت
بصم القنا والمرهفات البواتر

"جب ہم مر الظہران میں قیام پذیر ہوئے تو خزاعہ ہم سے "حلول کراکر" میں جدا ہو گیا اور اس نے تہامہ کی ہر وادی کی حفاظت کی، نیزوں اور کاٹ دار تلواروں کے ساتھ خود بھی محفوظ ہے"۔

ابو المطہر اسماعیل بن رافع انصاری اوسی نے اپنے اشعار میں کہا:

فلما هبطنا بطن مكة أحمدت
خزاعة دار الآكل المتحامل
فحلت أكاريسا وشتت قنابلا
على كل حي بين نجد وساحل
نفوا جرهما عن بطن مكة واحتبوا
بعز خزاعي شديد الكواهل

"جب ہم مکہ کے قریب وادی میں اترے تو خزاعہ نے زور بازو کھانے والے مقام کو پسند کیا، اس نے پڑاؤ بکھیر دیا، نجد اور ساحل کے درمیان ہر قبیلے کے گروہوں کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے جرہم کو مکہ سے جلا وطن کر دیا اور مضبوط خزاعی قوت کو حاصل کر لیا"۔

حکمرانی کا تسلسل .... بیت اللہ کی ریاست و امارت جرہم کے بعد خزاعہ کے لوگوں میں چلتی رہی اور یہ حکومت ان میں تقریباً تین سو یا پانچ سو سال تک قائم رہی۔ ان کا آخری سردار حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی تھا اس کی بیٹی سے قصی بن کلاب نے شادی کی اور اس کے بیٹے عبد الدار، عبد مناف، عبد العزی اور عبد پیدا ہوئے۔ پھر بیت اللہ کی ولایت و تولیت حلیل کے داماد قصی کے سپرد ہو گئی جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ موقع پر بیان کی جائے گی۔

ایک اہم رسم اور عمرو خزاعی .... خزاعی لوگ بھی بڑے ہی ظالم حکمران ثابت ہوئے کیونکہ ان ہی کے عہد حکومت میں حجاز کے اندر بت پرستی کا آغاز ہوا اور انہی کے عہد میں عمرو بن لحی خزاعی لعین نے بت پرستی کی دعوت دی۔ یہ بہت بڑا سرمایہ دار تھا۔ اس نے بیس اونٹوں کی آنکھ پھوڑ دی تھی۔ عرب کے ہاں دستور تھا کہ جس شخص کی ملکیت میں ایک ہزار اونٹ جب جمع ہو جاتے تو وہ شخص ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا تھا کہ باقی اونٹ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ ازرقی اور سہیلی کا بیان ہے کہ وہ موسم حج میں ہر سال دس ہزار اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا کرتا تھا اور دس ہزار کپڑے کے جوڑے پہناتا تھا اور شہد کا حلوہ کھلاتا تھا اور ستو پلاتا تھا۔ ریاست و عظمت اور سرمایہ داری کے باعث وہ قوم کا مخدوم اور مقتدا تھا اور اس کا قول و فعل ان

لوگوں کی نظر میں شریعت کی طرح قابل اتباع تھا۔

بت پرستی کس طرح شروع ہوئی؟ ...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ مجھے بعض اہل علم نے بتایا کہ عمرو بن لحی بسلسلہ معاش ایک دفعہ مکہ سے "شام" کی طرف کسی غرض سے گیا جب "بلقاء" کی سرزمین "مآب" پہنچا (ان دنوں عمالیق (اولاد عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح) کی حکومت تھی) وہاں کے لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو ان لوگوں سے پوچھا یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کا کیا مفاد ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ بت جن کی ہم عبادت کرتے ہیں جب قحط سالی میں ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو وہ بارش برسا دیتے ہیں۔ ان سے فتح و نصرت طلب کرتے ہیں تو فتح سے ہمکنار کر دیتے ہیں یہ سن کر عمرو نے کہا مجھے بھی کوئی بت دے دو، میں اسے عرب میں لے جاؤں گا اور وہاں کے لوگ بھی اس کی عبادت کریں چنانچہ وہ بت کو لے آیا اور اسے نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی پرستش کا حکم دیا۔

پتھر کی عبادت کس طرح شروع ہوئی ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام میں بت پرستی کے آغاز کی وجہ یہ تھی کہ مکہ سے جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا تو حرم کے احترام کی وجہ سے حرم کا پتھر اپنے ساتھ اٹھا کر لے جاتا اور وہ جہاں قیام کرتا کعبہ کی طرح اس پتھر کا طواف کرتا تھا رفتہ رفتہ وہ ہر عمدہ پتھر کو پوجنے لگے اور اصل حقیقت کو بھول گئے۔ بخاری شریف میں ابو رجاء عطاردی کا مقولہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت پتھر نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اس پر بکری کا دودھ دوہ لیتے پھر اس کا طواف کرتے تھے۔ غرضیکہ ابراہیم اور اسماعیل کا دین بھلا کر بت پوجنے لگے اور سابقہ گمراہ اقوام کی طرح ضلالت و گمراہی کا شکار ہو گئے ان سب کے باوجود ان میں ابراہیم کے دین کے بعض آثار باقی تھے گو ان میں بھی کچھ تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ مثلاً بیت اللہ کا طواف کرنا، احرام باندھنا، عمرہ کرنا، حج کرنا، مزدلفہ اور عرفات میں قیام کرنا، قربانی، تلبیہ کہنا وغیرہ وغیرہ۔

شرکیہ تلبیہ اور ابلیس کی ایجاد ...... بنی کنانہ اور قریش یہ تلبیہ کہتے تھے:

"لبیک اللھم لبیک لا شریک لک، الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک"

"حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے اور اس کے ملک کا بھی"۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور اکثر لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں مگر پھر بھی شرک کرتے ہیں یعنی توحید میں شرک کی آمیزش کرتے ہیں۔" (۱۲:۱۰۶)

سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ عمرو بن لحی اس تلبیہ کا ایجاد کرنے والا ہے اس کا قصہ یوں ہوا کہ ایک روز ابلیس ایک شیخ کے روپ میں نمودار ہوا اور عمرو بن لحی کو اس تلبیہ کی تلقین کی چنانچہ عرب نے اس کی تقلید کی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ان کا یہ تلبیہ سنتے تو فرماتے قط قط بس بس یہی کافی ہے، استثناء کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابو خزاعہ عمرو بن عامر پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور (سائبہ) چھوڑے اور بت پرستی کی جس کی وجہ سے میں نے اسے دوزخ میں دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں کھینچ کر چل رہا ہے۔"

ابو خزاعہ کی تحقیق ...... اس حدیث کا مقتضیٰ اور مطلب یہ ہے کہ عمرو خزاعہ قبیلہ کا بانی ہے جس کی طرف پورا قبیلہ منسوب ہے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ علماء نسب کا قول ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر اس حدیث کو سرسری نظر سے دیکھیں تو یہ مفہوم ظاہر ہے بلکہ یہ نص کا احتمال بھی ہے۔ مگر بعض روایات میں اس کے خلاف الفاظ بھی مذکور ہیں۔

بحیرہ اور سائبہ جانور کی تحقیق ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ابوالیمان، شعیب، زہری) سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف ہو اور کوئی نہ دوہے اور سائبہ وہ جانور ہے جسے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے ہیں اس پر بوجھ نہیں لادتے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”میں نے عمرو خزاعی کو دوزخ میں دیکھا ہے وہ اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے وہ پہلا سائبہ جانور چھوڑنے کی رسم کا شروع کرنے والا ہے۔“ مذکورہ روایت بخاری اور مسلم کی معرفت (صالح بن کیسان، زہری، سعید) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

تعقیب اور تحقیق ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ”ابن الہاد از زہری“ بھی بیان کی ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب ہے کہ یہ روایت ابن الہاد بواسطہ عبدالوہاب بن بخت زہری سے مروی ہے، ہم نے ”مسند احمد“ میں یہ روایت (عمرو بن سلمہ خزاعی، لیث، یزید بن الہاد، زہری، سعید) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ ”ابن الہاد“ اور ”زہری“ کے درمیان عبدالوہاب بن بخت راوی ذکر نہیں کیا جیسے کہ امام حاکم کا بھی قول ہے، واللہ اعلم۔ مسند احمد میں یہ روایت (عبدالرزاق، معمر، زہری) بھی مروی ہے۔ یہ سند منقطع ہے، صحیح سند زہری از سعید از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

ان روایات میں عمرو بن عامر خزاعی کا باصراحت ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبیلہ کا والد اور بانی نہیں بلکہ خزاعی قبیلہ کی طرف منسوب ہے، اس میں کسی راوی نے تصحیف اور غلطی کی ہے کہ یہ ابوخزاعہ ہے حالانکہ ابوخزاعہ قبیلہ کی کنیت ہے اور اس سے قبیلہ کے بانی اور والد کی نشاندہی کرنا مقصود نہیں، واللہ اعلم۔

کافر کے ساتھ شکل و صورت میں مشابہت ...... امام ابن اسحاق (محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی، ابو صالح سمان) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اکثم بن جون خزاعی کو مخاطب کر کے فرمایا: ”میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دوزخ میں دیکھا ہے وہ اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے تمہاری اور اس کی صورت ایک جیسی ہے۔“ اکثم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے یہ مشابہت نقصان دہ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بالکل نہیں، آپ (ماشاء اللہ) مومن مرد ہیں اور وہ کافر تھا وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل میں تبدیلی پیدا کی، کعبہ میں بت نصب کئے، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسم کا آغاز کیا۔“ یہ حدیث مذکورہ بالا سند کے ساتھ صحاح ستہ میں نہیں ہے، ابن جریر نے (ہناد بن عبدہ، محمد بن عمرو، ابی سلمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ یہ سند بھی صحاح ستہ میں نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (محمد بن ابی یعقوب ابو عبداللہ کرمانی، حسان بن ابراہیم، یونس، زہری، عروہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں نے دوزخ کی آگ کو دیکھا ہے وہ بہت پر جوش ہے ایک حصہ دوسرے کو توڑ رہا ہے اور میں نے عمرو کو اس حال میں دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے سائبہ کی رسم ایجاد کی۔“

امام طبرانی نے یہ روایت صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی مرفوعاً بیان کی ہے۔ غرضیکہ عمرو بن لحی نے خود ایجاد کیں چند بدعات اور رسومات جاہلیہ جن میں بت پرستی، نذر و نیاز کی اور عرب اس کی اتباع و تقلید کر کے ضلالت اور جہالت کے گہرے گڑھے میں جا گرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے ”اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا بحیرہ کو اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو، لیکن کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بہت سے ان میں عقل نہیں رکھتے۔“ ان رسومات کی تشریح تفسیر ابن کثیر میں خوب بیان کی گئی ہے، وللہ الحمد۔

”اور یہ لوگ جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ایک حصہ ان کا ٹھہراتے ہیں جن کو شعور نہیں، اللہ کی قسم! تم جو جھوٹ باندھتے ہو قیامت کے دن اس کی تم سے ضرور پوچھ ہوگی۔“ (۱۶/۵۶)

”اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے

حصے میں شامل نہیں ہو سکتا پس جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں کے حصوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ کیسا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔" (۶:۱۳۶)۔

"اور اسی طرح بہت سے مشرک یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو خوش نما بنا دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے سو انہیں اور ان کے بہتانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔" (۶:۱۳۷)

"اور کہتے ہیں جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مردہ ہو تو مرد و عورت دونوں اس کے کھانے میں برابر ہیں اللہ انہیں ان باتوں کی سزا دے گا۔" (۶:۱۳۹)

عرب کی جہالت ...... عرب کی جہالت کے زیر عنوان امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عرب کی جہالت اور نادانی کا اندازہ معلوم کرنا ہو تو سورۃ انعام کی آیت: ۱۴۰ پڑھ لو: "تحقیق خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی بناء پر قتل کیا اور خدا پر بہتان باندھتے ہوئے اس رزق کو حرام کر لیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور سیدھی راہ پر نہ آئے۔"

عمرو بن لحی نے مال مویشی کی مصلحت، مشقتوں کے مدنظر چند بدعات اور شرکیہ رسومات عرب میں ایجاد کیں جو کہ تحقیق کتب الجز کا حصہ تھیں قوم نے اللہ عز وجل کی توحید کی اور ملت ابراہیمی جو کہ حنیفیت و وحدانیت، رد شرک، تردید بت پرستی کا مجموعہ تھی، اسے یکسر بدل ڈالا شعائر حج اور عمرہ جیسے امور کو پامال کر ڈالا بغیر کسی دلیل و حجت اور عمرو بن لحی کے موجد اقوام کی ان مشرکانہ رسم و رواج سے متاثر ہوا اور نوح علیہ السلام کی قوم کی شرکیہ بدعات کو اختیار کر لیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ دنیا میں سب سے پہلے مشرک اور بت پرست تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا وہ آپ پہلے رسول تھے جو لوگوں کو شرک اور بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور قوم کے مشرک سردار اپنی قوم سے کہتے تھے کہ "تم اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑو اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کو بالکل ترک نہ کرو۔" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ود" وغیرہ نیک سیرت انسان تھے ان کی وفات کے بعد عقیدت مند ان کی قبروں کے مجاور بن گئے اور رفتہ رفتہ ان کی پرستش کرنے لگے۔

بت اور ان کے پرستار ...... ابن اسحاق اور دیگر مورخین کا کہنا ہے کہ عرب میں دین اسماعیل میں تبدیلی کے بعد انہی بتوں کی پرستش شروع ہو گئی۔

ود ...... یہ بت دومۃ الجندل میں نصب تھا بنی کلب بن مرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کا معبود تھا۔

سواع ...... سواع بت کے پرستار ہذیل بن الیاس تھے اور یہ "رہاط" میں نصب تھا۔ یغوث یہ بت مقام جرش میں نصب تھا۔ طی قبیلہ کے بنی انعم اور مذحج قبیلے کے اہل جرش اس کی پرستش کرتے تھے۔

یعوق ...... یعوق یمن میں ہمدان کے علاقے میں نصب تھا اور بنی خیوان اس کی عبادت کرتے تھے۔

نسر ...... یہ حمیر کے علاقے میں نصب تھا اور ذوالکلاع نامی قبیلے والے اس کی پوجا کرتے تھے۔

عم انس ...... یہ قبیلہ خولان کا بت تھا اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کے صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ اور اس بت کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے اگر کچھ اس بت کے مال میں چلا جاتا تو اسے ویسے ہی رہنے دیتے (اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے) اور بت کے نام کی جو چیز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں شامل ہو جاتی اسے نکال کر بت کے حصہ میں داخل کر دیتے۔ اسی بری رسم کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔ (انعام: ۱۳۶) "اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شریکوں (بتوں) کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا لیکن جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے کیسا ہی

پر اتفاق کرتے ہیں۔

سعد پتھر: ..... بنی ملکان بن کنانہ کا بت تھا اور ان کے علاقے میں نصب تھا وہ لوگ تقرب و نیاز کے جانور ذبح کر کے اس پر خون کے چھینٹے مارتے تھے ان میں سے ایک آدمی ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو اس کے پاس برکت حاصل کرنے کی خاطر لایا اس کے اونٹ بت کو دیکھ کر بدک گئے تو اس نے غضبناک ہو کر اس کے سر پر ایک پتھر دے مارا اور اپنے اونٹوں کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوا بصد مشکل اونٹ تلاش کر کے لایا تو اس نے کہا اے سعد اللہ تیرا ناس کرے تو نے میرے سارے اونٹ بھگا دیئے اور پھر یہ اشعار کہے:

أتينا إلى سعد ليجمع شملنا
فشتتنا سعد فلا نحن من سعد
وهل سعد إلا صخرة بتنوفة
من الأرض لا يدعو لغي ولا رشد

"ہم "سعد" کے پاس آئے۔ تاکہ ہماری بکھری ہوئی چیزیں جمع کرے لیکن سعد نے الٹا ہمیں پریشان کر دیا اصل "سعد" تو تنوفہ علاقے کا ایک پتھر ہے جس کا رشد و گمراہی سے کوئی سروکار نہیں"۔
ایک بت دوس قبیلہ میں بھی تھا عمرو بن حممہ دوسی اس کا خادم اور متولی تھا (ابن اسحاق)۔

ہُبل: ..... یہ قریش کا بت تھا جو کعبہ کے قریب چاہ زمزم کے اوپر نصب تھا بقول ہشام، عمرو بن لُحی خزاعی نے کعبہ میں پہلا بت یہی نصب کیا تھا۔

اساف اور نائلہ: ... ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ زمزم کے پاس اساف اور نائلہ دو بت نصب کیے گئے تھے جن پاس وہ لوگ اپنی قربانیاں ذبح کیا کرتے تھے دراصل اساف نے نائلہ سے کعبہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم یہ بات سنتے چلے آئے ہیں کہ اساف اور نائلہ جرہم قبیلہ میں سے تھے جنہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا۔

بت پرستی کا آغاز: ..... ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدکاری کی مہلت ہی نہیں دی بلکہ اس سے پہلے ہی ان کو مسخ کر دیا اور ان کو بطور عبرت صفا اور مروہ کے پاس نصب کر دیا پھر عمرو بن لحی نے ان کو نقل کر کے زمزم کے پاس نصب کر دیا اور لوگ ان کا طواف کرنے لگے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے:

وحيث ينيخ الأشعرون ركابهم   بمفضى السيول من إساف ونائل

ایک معجزہ: ..... واقدی نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جب نائلہ بت توڑا گیا تو اس سے ایک سیاہ فام سفید بالوں والی عورت نکلی جو اپنے چہرے کو نوچ رہی اور واویلا کر رہی تھی۔

اجا سلمیٰ: ..... اجا بن عبد الحی نے سلمیٰ بنت حام سے بدکاری کی تو ان کو طے علاقے میں ان پہاڑوں کے درمیان تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور یہ دونوں پہاڑ اجا سلمیٰ کے نام سے مشہور ہو گئے ان پہاڑوں میں طے قبیلہ کا "فلس" بت بھی تھا (سہیلی)
ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہر گھر میں ایک بت ہوتا تھا اہل خانہ اس کی پوجا کرتے جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا تو اس بت کو سواری پر چڑھ کر تبرک حاصل کرنے کے لئے چھوتا اور واپسی میں بھی گھر آنے سے پہلے اس کے حضور حاضری دیتا۔ جب رسول اللہ ﷺ توحید کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے تو کفار قریش نے کہا۔ (ص:۵) "کیا اس نے کئی معبودوں کی بجائے ایک اللہ تعالیٰ کو ہی معبود قرار دے دیا ہے یہ تو بڑی انوکھی بات ہے"۔ بقول ابن اسحاق اہل عرب نے کعبہ کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات مخصوص کر رکھے تھے جن کی وہ کعبہ کی طرح ہی تعظیم و تکریم کرتے تھے ان کا طواف

کرتے تھے جیسا ان کے پاس قربانیاں ذبح کرتے کعبہ کی طرح ان کے خادم و متولی تھے لیکن ان سب کے باوجود وہ کعبہ کو سب سے افضل و اعلیٰ سمجھتے تھے کیونکہ اس کے بانی اور مؤسس سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

"عزّیٰ" نامی بت...... مقام نخلہ میں قریش اور بنی کنانہ کا "عزّیٰ" بت نصب تھا اس کے متولی اور دربان بنی شیبان تھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد اس کو مسمار کر دیا تھا۔

"لات" نامی بت...... طائف میں ثقیف قبیلے کا بت تھا اس کے مجاور اور متولی ثقیف قبیلے میں سے بنی معتب تھے ابو سفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسے اکھاڑ پھینکا تھا۔

"مناۃ" نامی بت...... ساحل سمندر پر مشلل کی جانب قدید میں نصب تھا اوس و خزرج وغیرہ مدینے کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے ابو سفیان یا علی نے اسے تہس نہس کر دیا تھا۔

"ذوالخلصہ" نامی بت...... دوس، خثعم اور بجیلہ وغیرہ قبائل عرب کا بت تھا اور تبالہ میں نصب تھا وہ لوگ اسے "کعبہ یمانیہ" کہتے تھے اور بیت اللہ کو "کعبہ شامیہ" کہتے تھے جریر بن عبداللہ بجلی نے اس کو برباد اور مسمار کر دیا۔

"رئام" نامی عبادت گاہ...... حمیر اور اہل یمن کا معبود تھا اسے جب مسمار کیا گیا تو اس کے اندر سے ایک سیاہ کتا نکلا۔

رضاء...... بنی ربیعہ کا عبادت خانہ تھا اس کے بارے کعب بن ربیعہ بن کعب مستوغر کا شعر منقول ہے:

ولقد شددت على رضاء شدة
فتركتها قفرا بقاع اسحما
واعان عبد الله في مكروهها
وبمثل عبد الله اغشى المحرما

مستوغر عمر رسیدہ کعب بن ربیعہ اور بوڑھا شخص تھا۔ تین سو تیس ۳۳۰ سال زندہ رہا کہا ہے:

ولقد سئمت من الحياة وطولها
وعمرت من عدد السنين مئينا
مائة حدتها بعدها مئتان لي
وازددت من عدد الشهور سنينا
هل ما بقى الا كما قد فاتنا
يوم يمر وليلة تحدونا

(میں طویل زندگی سے اکتا چکا ہوں میری عمر اس وقت تین سو دس سال ہے)۔

بقول ابن ہشام یہ اشعار زہیر بن جناب سے بھی منسوب ہیں۔

عمر رسیدہ لوگ...... امام سہیلی کہتے ہیں کہ تین سو سال اور زیادہ عمر کے لوگ جو تقریباً تین سو سال تک زندہ رہے وہ یہ چھ لوگ ہیں: (۱) زہیر (۲) عبید بن شریہ (۳) دغفل بن حنظلہ نسابہ (۴) ربیع بن ضبع الفزاری (۵) ذوالاصبع عدوانی (۶) نصر بن دہمان تھا کہ اس کے بال بھی سفید ہو گئے تھے لیکن پھر بعد میں سیاہ ہو گئے تھے اور جھکی ہوئی کمر بھی سیدھی ہو گئی تھی۔

"ذو الکعبات" نامی بت ۔۔ یہ بت مقام سنداد پر نصب تھا۔ بکر، تغلب و ایاد قبیلے اس کی پوجا کرتے تھے۔ اعشیٰ بن قیس کہتا ہے

بین الخورنق والسدیر وبارق ۔۔ والبیت ذو الشرفات من سنداد

خورنق محل: خورنق قصر نعمان اکبر نے اپنے بیٹے منذر کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ جس روم کے معمار "سنمار" نامی کاریگر نے یہ بے نظیر قصر تعمیر کیا تو نعمان نے "سنمار" کو محل کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دیا کہ کہیں کسی اور بادشاہ کا ایسا قصر تعمیر نہ کر دے۔

مؤلف نے کتاب الحیوان میں بھی کچھ اشعار اس سے متعلق لکھے ہیں۔ "سنمار" چاند کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے ...... الغرض یہ سب عمارتیں اور بت خانے اسلام کے آغاز میں مسمار کر دیئے گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے مد مقابل ہر بت خانے کو جس میں عبادت کو وہ اسی کی مشابہ تھا نہیں چھوڑا اور صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی پرستش ہونے لگی۔ وبہ الثقة

حجاز کے عرب قبائل عدنان کا ذکر ۔۔ حجازی عرب عدنان بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ تحقیق ان دونوں میں اختلاف ہے کہ اسماعیل اور عدنان کے درمیان کتنے آباء ہیں؟ اکثر مؤرخین کا قول ہے کہ ان کے درمیان ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے اور اہل کتاب کے ہاں یہی نسب نامہ موجود ہے جو اہل کتاب نے "ارمیاء علیہ السلام" کے ایک منشی جس کا نام "رخیا" تھا، سے حاصل کیا تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے درمیان ۳۰ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ بعض نے ۱۵ اور بعض نے ۱۰، ۹ اور ۴ کا فاصلہ ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن یعقوب، عبداللہ بن وہب بن زمعہ زہری اپنی پھوپھی سے، ام سلمہ سے مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: معد بن عدنان بن ادد بن زند بن الیری بن اعراق الثری

زند، الیری اور اعراق الثری سے کیا مراد ہے ..... ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زند کا نام ہمیسع، الیری، نابت کا نام ہے اور اعراق الثری سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لخت جگر ہیں اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ اثر انداز نہیں ہوئی جیسے کہ آگ مٹی کو نہیں جلاتی۔ امام دارقطنی کا بیان ہے کہ زند کا نام ہم نے اسی روایت میں سنا ہے۔ البتہ ابوالاسود شاعر کا "زند بن جون" ہے۔ امام سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان چار یا دس یا بیس پشتوں سے فاصلہ کہیں زیادہ ہے کیونکہ بخت نصر کے زمانے میں معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔

ارمیاء نبی کا ایک عجیب واقعہ ۔۔ ابوجعفر طبری کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیاء بن حلقیا نبی کی طرف وحی کی کہ بخت نصر کو خبر کر دے کہ میں نے اسے عرب پر مسلط کر دیا ہے اور ارمیاء کو حکم دیا کہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ لے جائے تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی پشت سے خاتم الانبیاء ﷺ پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ارمیاء نبی معد کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے شام کی طرف لے گئے۔ معد بن عدنان نے شام میں بنی اسرائیل کے ساتھ پرورش پائی اور معانہ بنت جوشن سے شادی کی۔ پھر جب عرب میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو وہ عرب کی طرف واپس چلے آئے۔ ارمیاء نبی کے کاتب "رخیا" نے معد کا نسب نامہ اپنے پاس تحریر کر رکھا تھا اور معد کا نسب نامہ ارمیاء نبی کے خزانہ کتب میں محفوظ تھا۔ واللہ اعلم۔

عدنان کا نسب ۔۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عدنان سے اوپر نسب بیان کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے ابن اسحاق، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، زبیر بن بکار اور طبری وغیرہ مؤرخین کے مطابق مختصر نسب بیان کیا ہے جو عدنان سے آگے نہیں گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا ہے تو امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے نسب کا علم کہاں سے میسر ہوا؟ پھر دوبارہ دریافت کیا گیا کہ اسماعیل تک نسب بیان کرنا کیسا ہے؟ تو آپ نے اسے بھی ناپسند کیا اور فرمایا: اسے کس نے بتایا؟ اور وہ انبیاء کا مسلسل نسب نامہ بیان کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ اپنی کتاب میں امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ امام مالک کی طرح عروہ بن زبیر سے بھی منقول ہے: ہم نے ایسا کوئی نسب دان نہیں پایا جو عدنان سے اسماعیل تک نسب جانتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس غیر معروف پشتوں کا فاصلہ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ جب سلسلہ نسب عدنان تک بیان کرتے تو کہتے کہ علماء نسب غلط نسب بیان کرتے ہیں اور ابن مسعود سے بھی ایسا ہی ایک قول منقول ہے۔

نسب صرف عدنان تک بیان کیا جائے..... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صرف عدنان تک نسب بیان کیا جائے "الانباہ فی معرفۃ قبائل الرواۃ" میں امام ابن عبدالبر، ابن لہیعہ، ابوالاسود کی معرفت عروہ بن زبیر سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی ماہر نسب ایسا نہیں پایا جو عدنان کے بعد کا نسب جانتا ہو۔ عدنان کے بعد نسب بیان کرنا صرف ظن و تخمین اور وہم و گمان پر مبنی ہے۔ ابوالاسود کہتے ہیں کہ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ قریش کے اشعار اور ان کے انساب کا بہت بڑا عالم ماہر عالم تھا اس کا بیان ہے کہ ہم نے کسی شاعر اور عالم کو عدنان کے بعد نسب بیان کرتے نہیں دیکھا۔ امام ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمرو بن میمون ازدی اور محمد بن کعب قرظی علمائے نسب جب "والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ" (۱۴: ۹) تلاوت کرتے تو کہتے کہ نسب دان جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔

پوری مردم شماری کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے..... امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی آدم کی پوری مردم شماری کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جو ان کا خالق ہے باقی رہا عرب کا نسب تو علمائے نسب نے اسے یاد رکھا اور بیان کیا صرف زمانہ نسب میں اختلاف مذکور ہے۔ امام ابو عمر نے کہا کہ ماہرین نسب عدنان کا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں: عدنان بن ادد بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں نسب نامہ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں عدنان بن اُد بن اُدد اور باقی سب اسی طرح ہے اور اس سے آگے نسب نامہ قصہ ابراہیم علیہ السلام میں بیان ہو چکا ہے۔

باقی رہا قبائل عرب کا عدنان تک نسب نامہ تو یہ بہت مشہور ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور نبی علیہ السلام کا نسب نامہ عدنان تک صبح روشن سے بھی زیادہ واضح ہے اور اس بارے میں ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے جو ہم انشاء اللہ آئندہ بیان کریں گے۔

شجرہ طیبہ..... رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب امام ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی معروف بہ ابن شرشیر ۲۹۳ھ نے ایک فصیح و بلیغ قصیدے میں بیان کیا ہے

مدحت رسول اللہ ابغی بمدحہ   وفور حظوظی من کریم المآرب

(میں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح بیان کی ہے جس سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ سے وافر حظ نصیب کا حصول ہے)۔

امام ابن عبدالبر، شیخ حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے تاریخ بغداد (ج ۱۰ ص ۹۲) پر لکھا ہے کہ اس نے تقریباً چار ہزار کا قصیدہ ایک ہی قافیہ پر کہا تھا۔

ابن شرشیر..... ابوالعباس رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ناشی عرف ابن شرشیر انبار میں پیدا ہوا بغداد آیا بعد ازاں مصر چلا گیا اور مصر میں ہی ۲۹۳ھ میں انتقال ہوا یہ معتزلی تھا اور "علم کلام" کا ماہر تھا "معتقد" میں شیخ ابوالحسن اشعری معتزلہ کے اقوال اس سے نقل کرتے ہیں، قادر الکلام شاعر تھا، شعراء سے مقابلہ کرتا قرآن کے معانی اور مطالب کے برعکس اشعار نظم کرتا اور اشعار میں فصیح و بلیغ معانی پیدا کرتا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کو دماغی خلل اور جنون کا عارضہ لاحق تھا امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شجرہ نسب کا قصیدہ امام موصوف کی قادر الکلامی فصاحت و بلاغت علم و ہنر حفظ اور یادداشت کا کھلا ثبوت ہے۔

حجازی عربوں کا عدنان تک سلسلہ نسب..... معد اور عک عدنان کے بیٹے ہیں۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق عدنان کے بیٹے حارث اور مذہب بھی ہیں اور آپ کا ایک اور بیٹا ضحاک بھی ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ضحاک معد کا بیٹا ہے عدنان کا نہیں طبری کے مطابق اشن اور

عدن کی عمان سے بیٹے ہیں اسی عدن کے نام پر "عدن" شہر کی آبادی ہے۔

عک: عک نے اشعر قبیلہ میں شادی کر لی تھی اور اہل یمن کا خیال ہے کہ وہ عک بن عدنان بن عبداللہ بن اسد بن یغوث ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں عک بن عدنان بن ذیب ہے۔ بعض نے نسب کی تفصیل ان کے بعد کیا ہے۔ ابن عبداللہ نے ... عدنان کا بیٹا ہے ... عباس بن مرداس نے کہا

وعک بن عدنان الذین تلعبوا بغسان حتی طردوا کل مطرد

اولاد معد: معد کے چار بیٹے ہیں (۱) قضاعہ (۲) نزار (۳) قنص (۴) ایاد ہیں۔ قضاعہ سب سے بڑا بیٹا تھا اور اسی کے نام پر ان کی کنیت ابوقضاعہ تھی۔ قضاعہ کے بارے میں اختلاف ہم بیان کر چکے ہیں لیکن ابن اسحاق وغیرہ کے نزدیک یہی ثابت ہے۔

اولاد قنص: قنص کی کوئی اولاد نہیں سوائے نعمان بن منذر کے جو حیرہ میں کسریٰ کا نائب تھا۔ یہ قول بعض اہل نسب کا ہے۔ بعض حضرات نعمان کو حمیر کی نسل سے بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اولاد نزار: نزار کی اولاد میں ربیعہ، مضر اور انمار ہیں۔ بقول ابن ہشام ایک بیٹے کا نام ایاد بھی ہے

وفدوا حسن الوجوه من ایاد بن نزار بن معد

انمار، خثعم اور بجیلہ کے والد ہیں۔ والدہ کا نام ... ہے۔ بجیلہ انمار کی بیوی کا نام ہے۔ ... بنت ... بن ... ہے۔ ... کے مطابق خثعم اور بجیلہ یہ دونوں انمار کے بیٹے ہیں ... قبیلہ جریر بن عبداللہ بجلی ... بجیلہ قبیلے کے ... خثعم ... یہ لوگ یمن میں آباد ہو گئے تھے ... کے مطابق اہل یمن یہ نسب بیان کرتے ہیں ... انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا ... ابن ہشام ... فرماتے ہیں کہ "سبا" کے بیان میں ... روایات اس نسب کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مضر: یہ پہلا حدی خوان عربی ہے۔ یہ بڑا خوش الحان تھا۔ ایک روایت ہے کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو وہ "وا یداہ وا یداہ" کہتا تھا تو اونٹ ... تیزی سے چلنے لگے۔

اولاد مضر: مضر کے دو بیٹے ہیں (۱) الیاس (۲) اور عیلان۔ **الیاس** الیاس کے دو بیٹے ہیں
(۱) مدرکہ (۲) اور طابخہ۔ ان کی والدہ ہے خندف بنت عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

طابخہ اور مدرکہ کی وجہ تسمیہ: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدرکہ کا نام عامر تھا اور طابخہ کا نام عمرو تھا، یہ دونوں شکار کی ... تھے ... ان کے اونٹ بھاگ گئے، عامر نے ... کیا اور ... پکڑ لیا اور عمرو شکار پکا رہا تھا ... باپ نے عامر کو مدرکہ اور عمرو کو طابخہ کہا۔ مضر کے نسب دان بیان کرتے ہیں کہ "خزیمہ" مدرکہ کی ... ابن ... ہیں ... اللہ ... فرماتے ہیں ... ان میں سے ایک ... قبیلہ ... ہے۔ واللہ اعلم۔

اولاد مدرکہ: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدرکہ کے دو بیٹے ہیں (۱) خزیمہ (۲) ہذیل۔ ان کی والدہ ... بنت ... قضاعہ ہیں۔

اولاد خزیمہ: خزیمہ کے چار بیٹے ہیں (۱) کنانہ (۲) اسد (۳) اسدہ (۴) ہون۔ ... کنانہ کی والدہ عوانہ بنت سعد بن قیس عیلان بن مضر ... کے بیٹوں میں سے ہیں۔

اولاد کنانہ: کنانہ کی اولاد میں (۱) نضر (۲) مالک (۳) عبد مناۃ (۴) ملکان ہیں۔

قریش (بنی نضر) کے نسب وفضل اور اس کے اشتقاق کا ذکر

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نضر کی والدہ برہ بنت مر بن اد بن طابخہ ہے اور باقی دوسری بیوی سے ہے۔ لیکن ابن ہشام کا بیان ہے کہ نضر، ملک اور ملکان کی والدہ برہ ہے اور عبد مناۃ کی والدہ ہالہ بنت سوید بن غطریف از دشنوءہ میں سے ہے۔

قریش کے بارے میں دو اقوال ...... ابن ہشام کا بیان ہے نضر ہی قریش ہے جو اس کی اولاد سے ہے وہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد میں سے نہیں وہ قریشی نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں فہر بن مالک بن کنانہ ہی قریش ہے اس کی نسل قریشی ہے اور جو اس کی نسل سے نہیں وہ قریشی نہیں۔

یہ دونوں اقوال شیخ ابو عمر بن عبد البر، زبیر بن بکار اور مصعب بن زبیر وغیرہ ائمہ نسب سے منقول ہیں۔ ابو عبیدہ اور ابن عبد البر کا بیان ہے کہ اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اشعث بن قیس کی حدیث کے موجب نضر بن کنانہ ہی قریش ہیں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہشام بن محمد بن سائب کلبی، ابو عبیدہ معمر بن مثنی کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

ابن عبد البر کا مختار قول یہ ہے کہ قریش فہر بن مالک کی اولاد ہیں۔ زبیر بن بکار، مصعب زبیری اور علی بن کیسان وغیرہ کا یہی پسندیدہ قول ہے۔
زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ قریش کے نسب دان علماء کا اجماع ہے کہ قریش فہر بن مالک کی نسل سے ہی ہیں۔ فہر بن مالک کی اولاد قریشی ہے اور اس کے علاوہ کسی کی اولاد قریشی ہونے کا حق نہیں رکھتی اور ابن بکار نے اس قول کی بھرپور تائید کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کلیب بن وائل سے نقل کیا ہے کہ میں نے زینب بنت ابو سلمہ، نبی علیہ السلام کی ربیبہ سے پوچھا کیا نبی ﷺ مضر قبیلہ سے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا آپ ﷺ مضر قبیلہ میں سے نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے۔

قبیلہ کندہ ...... طبرانی میں جشیش کندی کا بیان ہے کہ کندہ قبیلہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا (انت منا وادعوہ) آپ ہمارے قبیلہ سے ہیں اور انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل نہیں، ہم تو نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔ ہم اپنی ماں پر چوری اور بدکاری کا الزام نہیں لگاتے اور نہ ہی اپنے باپ کے نسب سے الگ ہوتے ہیں۔

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ...... امام ابو عثمان سعید بن یحییٰ (از ابو یحییٰ کلبی از ابو صالح) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جشیش کندی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم سمجھتے ہیں کہ عبد مناف ہم سے ہیں۔ اس نے یہ جملہ تین بار کہا اور آپ ﷺ نے مسلسل اس سے اعراض فرمایا اور کہ: ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں لانقف امنا ولا ننتفی من ابینا تو اشعث نے کہا تو پہلی بار ہی کہہ کر خاموش کیوں نہ ہوا چنانچہ ان کا دعویٰ کرنا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک ہی سے باطل ہو گیا یہ سند غریب ہے اور کلبی کی وجہ سے ضعیف بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں اشعث بن قیس کندی سے مروی ہے کہ میں کندہ کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور وہ مجھے اپنے سے بہتر نہ سمجھتے تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا خیال ہے کہ آپ ہمارے قبیلہ سے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں "لانقف امنا ولا ننتفی من ابینا" تو اشعث نے کہا، واللہ! اگر میں کسی کو قریش کی نضر بن کنانہ سے نفی کرتے ہوئے سنوں گا تو اس پر حد جاری کر دوں گا۔
امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حماد بن سلمہ کی سند سے یہ بیان کیا ہے یہ سند نہایت عمدہ اور قوی ہے اور اس باب میں فیصلہ کن بھی ہے۔ لہٰذا اس سے مخالف قول التفات کے قابل بھی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم وللہ الحمد۔

جریر بن عطیہ تمیمی، خلیفہ ہشام بن عبد الملک کا مدح سرا ہے:

فما الأم التي ولدت قريشاً
بمقرفة النجار ولا عقيم
وما قرم بأنجب من أبيكم
ولا خال بأكرم من تميم

(جس مال نے قریش کو جتھ بند ہونے والی نسل دی ہے اور تمہارا مجمع ہے کوئی زمین تمہارے باپ سے خالی نہیں اور کوئی ماموں تمیم بن مرۃ (جو کہ بنو مرۃ سے نضر بن کنانہ کی اولاد) سے ناقل ہے جیسا کہ ابن ہشام)

قریش کی لفظی تحقیق ۔ لفظ قریش "قرش" سے مشتق ہے اور اس کے معنی انتشار و خلفشار کے بعد جمع کرنے کے ہیں۔ یہ لوگ قصی بن کلاب کے زمانے میں مختلف مقامات پر آباد تھے قصی نے ان کو جمع کر کے حرم میں بسایا۔ حذافہ بن غانم عدوی نے اپنے شعر میں کہا:

أبوكم قصي كان يدعى مجمعا ۔۔۔ به جمع الله القبائل من فهر

"تمہارا جد امجد قصی مجمع ہیں اللہ تعالیٰ نے قبیلہ فہر کو ان کے ذریعے جمع کیا ہے۔"

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قریش قصی کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ قریش "تقرش" بہ معنی تجمع سے ماخوذ ہیں جیسا کہ ابو خلدہ یشکری نے کہا

اخوة قرشوا الذنوب علينا ۔۔۔ في حديث من دهرنا وقديم

"ماضی اور حال میں بھائیوں نے ہم سب پر گناہوں کا الزام لگایا"۔

قریش کی وجہ تسمیہ ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش کا ماخذ تقرش بمعنی کسب و تجارت ہے (ابن ہشام)۔

جوہری لغوی سے یہ منقول ہے کہ قریش کا معنی کسب اور جمع کرنے کے آتے ہیں۔ قرابقول ہے کہ یہ قریش کی وجہ تسمیہ ہے یہ ایک قبیلہ کا جد امجد نضر بن کنانہ ہے۔ اسی کی اولاد قریشی ہے۔ کنانہ کے دوسرے لڑکوں کی اولاد قریشی نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تقرش کے معنی تفتیش و جستجو اور کھوج لگانے کے ہیں، خود ہشام بن کلبی کا بیان ہے کہ نضر بن کنانہ کو قریش اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے اپنے مال و دولت سے پوری کیا کرتا تھا، اور اس کی اولاد بھی ایام حج میں حاجیوں سے ہر قسم کا تعاون کرتی تھی۔ چنانچہ وہ قریش کے نام سے مشہور ہو گئے اور تقرش بہ معنی تفتیش کے سلسلہ میں حارث بن حلزہ کا شعر ہے:

أيها الناطق المقرش عنا ۔۔۔ عند عمرو فهل له ابقاء

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش قرش کی تصغیر ہے اور یہ ایک بحری جانور ہے۔ کسی نے کہا:

وقريش هي التي تسكن البحر ۔۔۔ بها قريش قريشا

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ قریش ایک عظیم اور قوی بحری جانور کا نام ہے وہ ہر چھوٹے بڑے جانور کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی استشہاد و دلیل پیش کیجئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جمحی کے مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

وقريش هي التي تسكن البحر
بها سميت قريش قريشا
تأكل الغث والسمين ولا
تترك فيه لذي الجناحين ريشا
هكذا في البلاد حي قريش
يأكلون البلاد أكلا كميشا
ولهم آخر الزمان نبي
يكثر القتل فيهم والخموشا

"قریش ایک بحری جانور ہے اسی وجہ سے قریش قبیلہ کو قریش کہتے ہیں وہ ہر چھوٹے موٹے جانور کو کھا جاتا ہے اور کسی بازو والے کے پر تک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح علاقے میں قبیلہ قریش ہے جو علاقے کے لوگوں کو کھا کر رہے ہیں۔ ان کا آخر

اثر مان لی ہے ان میں اکثر قتل اور زخمی کرے گا"۔

بعض کا کہنا ہے کہ قریش بن حارث بن مخلد بن نضر بن کنانہ کی وجہ سے قبیلے کا نام مشہور ہوا وہ بنی نضر کا راہنما تھا اور اس کے بیٹے بدر بن قریش نے وہ کنواں تعمیر کیا تھا جس کے پاس رمضان ۲ھ میں ایک عظیم معرکہ پیش آیا تھا یہ معرکہ "غزوہ بدر" کے نام سے موسوم ہوا۔

قریش کی نسبت ...... قریش کی نسبت قرشی اور قریشی دونوں طرح منقول ہے۔ بقول جوہری یہی قرین قیاس ہے۔ اگر قریش سے قبیلہ مراد ہو تو غیر منصرف ہے اور اگر حی مراد ہو تو یہ لفظ منصرف ہے۔

لکل قریشی علیه مهابة　　سریع الی داعی الندا و التکرم
"ہر قریشی کی ایک الگ حیثیت اور مقام ہے سخاوت اور اکرام میں جلدی کرتے ہیں۔"

بنی ہاشم سے نبوت کا انتخاب ...... مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اولاد اسماعیل علیہ السلام سے اللہ نے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ سے قریش کا انتخاب کیا اور قریش سے ہاشم کو منتخب اور بنی ہاشم سے مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ بنو عبدالمطلب حضور ﷺ کے "فصیلہ" ہیں اور بنو ہاشم "فخذ" ہیں۔ اور عبد مناف "بطن" ہے اور قریش "عمارت" ہے اور بنو کنانہ قبیلہ ہے اور قبیلہ "مضر" شعب ہے۔

اولاد نضر ...... نضر کے تین بیٹے ہیں (۱) مالک (۲) مخلد (۳) اور صلت، اور ان سب کی والدہ بنت سعد بن ظرب عدوانی کثیر بن عبدالرحمن یعنی کثیر عزہ خزاعی (جو بنی ملیح بن عمرو) نے کہا:

الیس ابی بالصلت ام لیس اخوتی　　لکل هجان من بنی النضر ازهرا
رأیت ثیاب العصب مختط السدی بنا وبهم و الحضرمی المخصر افان لم تکونوا من بنی النضر فاترکوا اراکا باذناب
الفوائج اخضرا

ابن ہشام کا بیان ہے کہ بنی ملیح بن عمرو صلت بن نضر کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

اولاد مالک ...... مالک کے بیٹے فہر ہیں اور اس کی والدہ جندلہ بنت حارث بن مضاض الاصغر ہے۔

اولاد فہر ...... فہر کے تین بیٹے ہیں (۱) غالب (۲) محارب (۳) اور اسد، اور ان کی والدہ لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ ہے اور ان کی ایک بہن ہے جس کا نام جندلہ ہے۔

اولاد غالب ...... غالب کے دو بیٹے ہیں (۱) لوی (۲) تیم، یہ بنی ادرم کے نام سے معروف ہیں ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو خزاعی ہیں (وهی ام لوی)

اولاد لوی ...... لوی کے چار بیٹے ہیں (۱) کعب (۲) عامر (۳) اسامہ (۴) عوف، اور بقول ابن ہشام حارث، سعد اور خزیمہ بھی ان کے بیٹے ہیں۔

سانپ کا اسامہ کو ڈسنا ...... ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسامہ بن لوی کا اپنے بھائی عامر سے کچھ جھگڑا اور اختلاف تھا، عامر نے جب اسے ڈرایا دھمکایا تو وہ گھر بار چھوڑ کر عمان کی طرف نکل گیا وہاں ایک دن اونٹنی چرا رہا تھا کہ اس اونٹنی کے ہونٹ سے ایک سانپ لپٹ گیا اور وہ ہلاک ہو گئی اور پھر سانپ نے اسامہ کو بھی ڈس لیا اور اس طرح وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اسامہ نے حالت نزع میں زمین پر یہ اشعار تحریر کئے:

عین فابکی لسامة بن لوی
علقت ما بسامة العلاقة

لا أرى مثل سامة بن لؤي
يوم حلوا به قتيلا لناقه
بلغا عامرا وكعبا رسولا
أن نفسي إليهما مشتاقه
إن تكن في عمان داري فإني
غالبي خرجت من غير فاقه

"اے آنکھ! تو سامہ پر آنسو بہا۔ سامہ کے ساتھ پنڈلی چمٹ گئی تھی۔ میں نے سامہ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جب وہ اونٹنی کے قتیل کو قتل کر کے اترے۔ عامر اور کعب کو پیغام پہنچا دو کہ میرا دل ان کی طرف مائل ہے اگرچہ میرا مکان عمان میں ہے۔ میں غالب کی اولاد ہوں وہیں سے بغیر کسی فقر و فاقہ کے آیا ہوں۔"

رب كأس هرقت يا ابن لؤي
حذر الموت لم تكن مهراقه
رمت دفع الحتوف يا ابن لؤي
ما لمن رام ذاك بالحتف طاقه
وخروس السرى تركت رذيا
بعد جد وجدة ورشاقه

"اے ابن لؤی! تو نے موت کے خوف سے بہت سے لوگوں کی جان کے وہ پیالے بہا دئیے جو بہانے کے قابل نہیں تھے۔ اے ابن لؤی! تو نے موت کو روکنے کی کوشش کی حالانکہ موت کو روکنے کی کسی کو کوئی طاقت نہیں۔"

سامہ شاعر؟ ابن ہشام کا بیان ہے کہ سامہ کی اولاد میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنا نسب سامہ بن لؤی تک بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا سامہ شاعر؟ تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا اشارہ سامہ کے اس شعر کی طرف ہے

رب كأس هرقت يا ابن لؤي حذر الموت لم تكن مهراقه

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

سامہ کی اولاد کے بارے میں اختلاف... سہیلی نے زبیر سے بیان کیا ہے کہ سامہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ سامہ بن لؤی کی اولاد ہے جو غالب، نبیت اور حارث اور یہ لوگ عراق میں مقیم تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے ان میں سے ایک شخص جس کا نام علی بن جعد تھا وہ اپنے باپ کو صرف اس وجہ سے برا بھلا کہتا تھا کہ اس نے "علی" نام کیوں رکھا۔ محمد بن عرعرہ بن البرند (م ۲۱۳ھ) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استاد بھی سامہ بن لؤی کی نسل سے ہے۔

ثعلبہ اور عوف عوف قریش کے ایک قافلے میں شامل ہو کر روانہ ہوا جب غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان کے علاقے سے گزرا تو وہ کسی سبب سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا اور قافلے سے بچھڑ کر رہ گیا تو ثعلبہ بن سعد ذبیانی اس کے پاس آیا اسے ساتھ لے گیا۔ اس کے ساتھ مواخات قائم کر کے اپنے قبیلے میں کسی لڑکی سے اس کی شادی کرا دی۔ چنانچہ یہ خاندان ذبیان ہی کی نسل میں چل گیا۔

بنی مرہ بن عوف ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں کسی قبیلے کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تو بنی مرہ بن

وقت وہ اپنے ساتھ ذکر کرتے تھے کیونکہ ان کے حالات و فضائل اپنے ساتھ منسوب ہوتے ہیں اس کے علاوہ بعض کی شہرت اتنی ہوتی ہے [illegible] اور مشہور نہیں ہوا۔ جیسا کہ [illegible] کی طرف منسوب ہو گئے ہوں [illegible] کا بیان ہے کہ [illegible] غطفان سے [illegible] تھے [illegible] "قیس عیلان" کی نسل سے [illegible] ہیں [illegible] ثبوت [illegible] ہو چکے تھے۔

رجب مضر ۔۔۔ غطفان اور قیس کی شاخیں [illegible] حرمت والے مہینوں [illegible] ربیعہ کے [illegible] "رجب مضر" [illegible] قرار دیتے تھے [illegible] مضر [illegible] رجب کا احترام کرتے تھے۔

قبیلہ ربیعہ اور مضر ۔۔ ربیعہ اور مضر سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے تھے جن میں تین ماہ مسلسل ذوالقعدہ ذوالحج اور محرم پر متفق تھے چوتھے میں ان کا باہمی اختلاف تھا۔ ربیعہ رمضان کو ماہ حرام مانتے تھے اور مضر رجب کو ماہ حرام مانتے تھے۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ۔۔۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: زمانہ گھوم گھما کر پھر اپنی اصلی شکل و صورت میں وہ آ گیا ہے "سال میں بارہ ماہ ہیں چار ان میں سے محترم ہیں۔ تین متواتر ہیں یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے"۔ نبی علیہ السلام نے اس اختلاف کو ختم کر دیا اور مضر کے عقیدہ کی تائید کی [illegible]۔ رجب مضر مشہور ہوا اور "چار ماہ" حرام قرار دے کر [illegible] کی تردید کی وجہ یہ ہے کہ جو ماہ [illegible] حرام قرار دیتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اضافہ اور تغیر کے مرتکب تھے اور اسی طرح تین ماہ مسلسل بیان فرما کر "نسیء" کی تردید فرما دی کہ وہ ماہ محرم کی بجائے صفر کو حرام قرار دے دیتے تھے۔

اولاد کعب ۔۔۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ کعب بن لؤی کے تین بیٹے تھے (۱) مرہ (۲) عدی (۳) ہصیص۔

اولاد مرہ ۔۔ (۱) کلاب بن مرہ (۲) تیم بن مرہ (۳) یقظہ بن مرہ۔ مختلف ماؤں سے تین بیٹے اس کے پیدا ہوئے۔

اولاد کلاب ۔۔ کلاب کے دو بیٹے تھے (۱) قصی (۲) زہرہ۔ ان دونوں کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل ہے [illegible] ہے سیل کا اصلی نام [illegible] کے متعلق [illegible] شاعر کہتا ہے:

ما نرى في الناس شخصا واحدا
من علمناه كسعد بن سيل
فارس أضبط فيه عسرة
وإذا ما واقف القرن نزل
فارسا يستدرج الخيل كما
استدرج الحر القطامي الحجل

(ہم نے سعد بن سیل جیسا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔)

سیل کا اصل نام "جدرہ" [illegible] کہتے ہیں کہ "سیل" [illegible] پہلا شخص ہے جس نے [illegible] کی ملامت [illegible] کی وجہ سے کہتے ہیں کہ [illegible] نے [illegible] کی [illegible] اس وقت [illegible] کے حق میں تھے [illegible] "جدرہ" [illegible] "جادر" کہنے لگے اور اسی طرح اس کی اولاد "جدرہ" کے نام سے مشہور ہو گئی۔

قصی بن کلاب کا ذکر اور بیت اللہ کی تولیت کو خزاعہ سے چھین کر قریش کے سپرد کرنا

کلاب کی وفات کے بعد قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے قبیلہ بنی عذرہ کے ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا اور وہ فاطمہ اور اس کے بیٹے قصی کو اپنے ملک میں لے آیا۔ قصی کا نام زید تھا، [illegible] اپنے وطن سے [illegible] "قصی" کے نام سے موسوم ہوئے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی کے گھر سے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد پیدا ہوئے، حلیل نے [illegible] [illegible] بیت اللہ کی تولیت [illegible] [illegible] [illegible] قریش [illegible] [illegible] جب [illegible] اپنے [illegible] قصی نے [illegible] قصی نے [illegible] بیت اللہ کی تولیت قصی کے سپرد [illegible] ابن اسحاق [illegible] [illegible] روایات میں سے ان کی بات [illegible]۔

قبیلہ صوفہ: حج کے ایام میں عرفات سے [illegible] کا انتظام صوفہ قبیلہ [illegible] [illegible] کے ہاتھ میں تھا [illegible] جب ان کی نسل ختم ہو گئی تو سب سے پہلے یہ [illegible] بنی سعد [illegible] [illegible] تمیم نے [illegible] [illegible] [illegible]۔

قبیلہ عدوان اور ابو سیارہ عمیلہ: مزدلفہ سے واپسی کا انتظام "عدوان" قبیلہ کے پاس تھا، اسلام کے ظہور کے وقت ابو سیارہ [illegible] [illegible] ایک گدھے پر [illegible] چالیس سال [illegible] نے یہ جملہ کہا "اشرق ثبیر کیما نغیر" اور سب سے [illegible] [illegible]۔

عامر عدوانی اور مسئلہ وراثت خنثیٰ: عامر بن ظرب عدوانی عرب کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتا تھا اور لوگ اس کے فیصلے کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عامر عدوانی کے پاس جھگڑا آیا اور خنثیٰ کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا [illegible] [illegible] پریشان [illegible] [illegible] [illegible] کنیز سخیلہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] عامر نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا۔

استدلال کے ذریعے فیصلے کی شرعی حیثیت: علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علامات و قرائن سے استدلال کر کے فیصلہ کرنے کا اصول شریعت میں موجود ہے جیسا کہ "وجاءوا على قميصه بدم كذب" [illegible] یوسف علیہ السلام کی قمیص [illegible] [illegible] [illegible] استدلال [illegible] [illegible]۔

رسم نسئی کا موجد اور اس کا طریقہ کار: [illegible] رسم کا موجد قلمس [illegible] حذیفہ [illegible] فقیم بن عدی [illegible] [illegible] عباد بن قلمس [illegible] قلع بن عباد [illegible] امیہ بن قلع [illegible] عوف [illegible] ابو ثمامہ جنادہ بن عوف [illegible] اسلام کی آمد [illegible]

رسم ادا کرتا ہے اور حج سے فراغت کے بعد عرب کا اجتماع ہوتا تھا تو قلمس کی رسم رائج ہونے والا خطاب کرتا اور حسب ضرورت۔ محرم کو "حلال" قرار دیتا تھا اور اس کی جگہ ماہ صفر کو حرام قرار دیتا کہ حرمت والے "چار ماہ" کی تعداد پوری رہے۔ چنانچہ اس سے یہ دعا بھی منقول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا۔ اللھم انی احللت احد الصفرین الخ۔ اور عرب بھی اس کے فعل کا احترام کرتے تھے اور اس کی اتباع کرتے تھے عمیر بن قیس عرف جذل الطعان اپنے ان اشعار میں کہتا ہے۔

لقد علمت معد أن قومي
كرام الناس إن لهم كراما
فأي الناس فاتونا بوتر
وأي الناس لم نعلك لجاما
ألسنا الناسئين على معد
شهور الحل نجعلها حراما

(یعنی ہم معد کے ہاں فضیلت رکھنے والے "نسی" کو رواج دینے والے لوگ ہیں جو حلال مہینوں کو حرام قرار دے دیتے ہیں)۔

کعبہ کی تولیت کا مسئلہ اور تعمیر کا فیصلہ ۔۔۔ قصی اپنی قوم کا متحدہ قائد و پیشوا بن گیا تو اس نے ارادہ کیا کہ پورے عرب سے متفرق قریش کو مکہ میں جمع کر دے۔ خزاعہ اور قصی کے درمیان خوب کشت و خون اور جنگ و جدال ہوا اور آخر کار کسی کو ثالث بنانے اور حکم تسلیم کرنے پر بات چیت ہوئی۔ چنانچہ یعمر بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کو فریقین نے حکم اور منصف تسلیم کر لیا تو اس نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ کعبہ پر خزاعہ کی بہ نسبت قصی کا حق زیادہ ہے۔ خزاعہ اور بنو بکر کنانہ کے مقتولین کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جبکہ خزاعہ اور بنی بکر نے قصی کے جو لوگ قتل کئے ہیں وہ ان کی دیت ادا کریں۔ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی ریاست قصی کو بلا شرکت غیرے سپرد کر دی جائے۔ اس فیصلے کے دوران اس طرح فیصلہ کرنے کی وجہ سے یعمر کا نام "شداخ" یعنی توڑنے والا رکھ دیا گیا۔

تولیت کعبہ پر قصی کا قبضہ اور اپنے لئے عہدوں کا انتخاب ۔۔۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس طرح قصی جب کہ تولیت اور مکہ کی ریاست پر قابض ہو گیا تو دور دراز سے قوم کے سب افراد کو اکٹھا کر لیا اور سب نے اس کی بادشاہت تسلیم کر لی۔ قصی نے "آل صفوان" کو ان کا عہدہ اور حج کے عاملین کا اعزاز بدستور قائم رکھا اسی طرح آل عدوان کا مزدلفہ سے واپسی کے اعلان کا منصب "آل قلمس" کا مہینوں کے تقدم و مؤخر کرنے کا عہدہ اور آل مرہ بن عوف کی رسم "اجازہ" کے عہدہ کو مسلسل قائم رکھا کیونکہ ان رسومات کو وہ دین میں شامل سمجھتا تھا اور ان میں کسی بھی قسم کا تغیر درست نہیں سمجھتا تھا۔ بالآخر اسلام نے آ کر ان بے ہودہ مناصب کا قلع قمع کیا۔ کعب کی اولاد میں سے یہ قصی واحد شخص ہے جو حکمران ہوا اور قوم نے اس کی حکمرانی کو تسلیم کیا۔ حاجیوں کے کھانے سے رفادہ اور پانی پلانے کا انتظام اور حجابت کا اعزاز دار الندوہ اور مجلس مشاورت کی صدارت اور علم وغیرہ باندھنے کے منصب کو قصی نے اپنے لئے خاص کر لیا تھا اور مکہ کے تمام منصب پر خود قابض ہو گیا تھا۔

قریش البطاح اور قریش الظواہر ۔۔۔ قصی نے مکہ کی سرزمین میں تمام رہائشی علاقوں میں تقسیم کر دیے اور سارے قریش کی رہائش کا مکہ میں انتظام کر دیا۔ قریش کے بعض قبائل کو پہاڑوں کے درمیان گھاٹیوں اور ہموار نشیبی مقامات میں آباد کیا وہ "قریش البطاح" کے نام سے معروف ہوئے اور بعض قبائل کو گھاٹیوں سے باہر کے مقامات میں پہاڑوں پر بسایا وہ "قریش الظواہر" کے نام سے مشہور ہوئے۔

دار الندوہ ۔۔۔ غرض یہ کہ قصی نے مکہ کے تمام مناصب اور معاملات پر قبضہ کر لیا اور "دار الندوہ" کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی جس کا دروازہ کعبہ کی جانب کھلتا تھا اس میں ہر طرح کے جھگڑے اور مقدمات وغیرہ کا فیصلہ ہوتا تھا جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ہر قبیلے کے بڑے بڑے لوگ اس میں جمع ہوتے اور باہمی مشاورت سے فیصلہ کرتے۔ جنگ کی تیاری کا اعلان، تجارت کی روانگی، نکاح اور دیگر تقریبات کی رسومات بھی دار الندوہ میں

مرالیہ بیچ۔

حکیم بن حزام ..... بنی عبدالدار کے بعد یہ دارالندوہ حکیم بن حزام بن خویلد "مولود کعبہ" کی ملکیت ہو گیا جب حکیم بہت بوڑھا ہو گیا تو دارالندوہ کی امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایک لاکھ درہم کے عوض فروخت کر دیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکیم رضی اللہ عنہ کو اس کی فروخت پر بڑی ملامت کی اور برا بھلا کہا کہ "تو نے قوم کی عزت اور بزرگی ایک لاکھ میں فروخت کر دی" تو حکیم نے جواب میں کہا کہ آج اسلامی دور میں شرافت اور بزرگی تقویٰ اور خدا ترسی کا نام ہے جبکہ میں نے یہ دارالندوہ شراب کے ایک مشکیزے کے عوض خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا ہے؟ میں تمہارے سامنے یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں تو کون خسارے میں ہے۔ (ذکرہ الغدار قطنی فی اسماء رجال الموطا)

پانی کا انتظام ..... حاجیوں کے پانی کا انتظام بھی قصی کے ذمے تھا۔ جرہم کے زمانے سے لے کر اب تک زمزم کا کنواں نامعلوم ہو چکا تھا اوپر سے بالکل بند تھا اس کے اصل مقام کا کسی کو کچھ علم نہ تھا۔

روشنی کا انتظام ..... واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ قصی وہ پہلا حکمران ہے جس نے مزدلفہ میں عرفات سے آنے والے حاجیوں کے لئے روشنی کا انتظام کیا تاکہ صحیح راستے پر چلے آئیں۔

ایام حج میں حاجیوں کیلئے کھانے کا انتظام اور رفادہ ..... ایام حج میں وطن واپسی تک حاجیوں کے طعام کا انتظام بھی خود قصی کیا کرتا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی نے یہ انتظام قریشی لوگوں کے ذمے لگا کے اور ان کو اکٹھا کر کے کہا اے قریشیو! تم بیت اللہ کے قریب رہنے والے ہو، مکہ کے باشندے ہو اور اہل حرم ہو، حاجی اللہ کے مہمان ہیں اور کعبہ کی زیارت کو آتے ہیں ان کی ضیافت اور مہمانی ایک ضروری امر ہے۔ ایام حج میں واپسی تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو، چنانچہ قریش سالانہ رقم خرچ کرتے اور قصی کے حوالے کر دیتے تھے اور وہ اس رقم کو ایام منیٰ میں حاجیوں کے کھانے پینے کے مصارف پر خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ رسم زمانہ جاہلیت میں شروع ہوئی۔ پھر اسلام آیا اس وقت بھی رہی اور آج تک جاری ہے یعنی ایام منیٰ میں اختتام حج تک "وقت کا حکمران" حاجیوں کے خوردونوش کا اہتمام کرتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاق کا اشارہ ہے کہ اس زمانے کے بعد یہ "دعوت عام" کی رسم ختم ہو گئی تھی۔ پھر حکومتی سطح پر بیت المال سے یہ رقم حاجیوں کے خوردونوش پر خرچ کی جاتی رہی اگر دیکھا جائے تو یہ ایک بہتر رسم کا نام ہے لیکن اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بیت المال کے حلال ذرائع سے صرف کیا جائے اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ مسکینوں کے حج پر یہ مال حاجیوں کے لئے صرف ہو، کیونکہ وہ حج کے قابل نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرے وہ اسلام سے بیزار ہے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ قصی کی مدح میں کسی نے یہ اشعار کہے:

قصی لعمری کان یدعی مجمعا
به جمع الله القبائل من فهر
هم ملؤوا البطحاء مجدا و سؤددا
وهم طردوا عنا غواة بنی بکر

"زندگی کی قسم! قصی کو مجمع کہا جاتا تھا، اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے فہر کے قبائل کو جمع کیا۔ انہوں نے بطحاء کو بزرگی شرف اور سرداری سے بھر دیا، انہوں نے ہم سے بنی بکر کے گمراہوں کو دور کیا"۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی جب جنگ سے فارغ ہو گیا تو رزاح بن ربیعہ اپنے دوسرے بھائیوں حن، محمود اور جلہمہ جو کہ ربیعہ کے بیٹے ہیں کے معیت میں اپنے علاقے میں چلا آیا پھر رزاح نے اپنے اشعار میں کہا:

ولما اتى من قصي رسول
فقال الرسول اجيبوا الخليلا
نهضنا اليه نقود الجياد
ونطرح عنا الملول الثقيلا
نسير بها الليل حتى الصباح
ونكمي النهار لئلا نزولا
فهن سراع كورد القطا
يجبن بنا من قصي رسولا

"جب قصی کا قاصد آیا اور اس نے کہا کہ اپنے دوست کے پیغام پر عمل کرو۔ ہم اس کی طرف عمدہ گھوڑے لے کر چلے اور بوجھل تھکا دینے والی چیزوں کو دور کرتے چلے آئے۔ ہم رات کے وقت صبح تک سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تاکہ ہم اپنے مقصد سے زائل نہ ہو جائیں۔ وہ قطا پرندوں کے پانی کی تلاش میں آنے سے بھی تیز رفتار تھے وہ ہمیں ساتھ قصی کے قاصد کی بات پر لبیک کہہ رہے تھے۔"

جمعنا من السر من اشمذين
ومن كل حي جمعنا قبيلا
فيا لك حلبة ما ليلة
تزيد على الالف سيبا رسيلا
فلما مررن على عسجر
واسهلن من مستناخ سبيلا
وجاوزن بالركن من ورقان
وجاوزن بالعرج حيا حلولا

"ہم نے اشمذین کے دونوں قبائل اور ہر قبیلے سے ایک جماعت کو ساتھ لیا۔ پس اے قصی! تیرے لئے یہ گھوڑوں کا دستہ ہزار سے زائد ہے اور تیری طرف خوش خوش رواں ہے جب وہ عسجر پہاڑ پر گزرے اور وہ مستناخ وادی سے نرم راستے میں چلے آئے۔ اور وہ رکن مقام سے ورقان پہاڑ سے گزرے اور عرج میں سے وہاں آباد قبیلے کے پاس سے چلے۔"

مررن على الحل ما ذقنه
وعالجن من مر ليلا طويلا
ندني من العوذ افلاءها
ارادة ان يسترقن الصهيلا
فلما انتهينا الى مكة
ابحنا الرجال قبيلا قبيلا
نعاورهم ثم حد السيوف
وفي كل اوب خلسنا العقولا

"ہم "حل" کے پاس سے گزرے اس کو انہوں نے منہ نہ لگایا اور رات بھر مسافت برداشت کی۔ ہم گھوڑیوں کو ان کے بچوں کے قریب کر دیتے تھے اس خیال سے کہ وہ آواز نہ نکالیں ہم نے مکہ پہنچ کر لشکروں کے پشتے لگا دیے۔ ہم وہاں تلواروں کی دھار سے مارتے۔ تلوار بردار ان کی عقل اڑا دیتے تھے"۔

نخبزهم بصلاب النسور
خبز القوي العزيز الذليلا
قتلنا خزاعة في دارها
وبكرا قتلنا وجيلا فجيلا
نفيناهم من بلاد المليك
كما لا يحلون أرضا سهولا
فأصبح سبيهم في الحديد
ومن كل حي شفينا الغليلا

"ہم ان کو مضبوط لشکر سے کچل رہے تھے جیسے قوی غالب شخص کمزور و ذلیل آدمی کو کچلتا ہے ہم نے خزاعہ کو ان کے محلہ میں قتل کیا اور بنی بکر کا ہر قبیلہ قتل کیا۔ ہم نے ان کو مکہ سے جلاوطن کر دیا جیسے اس زمین میں آباد نہیں ہو سکتے ان کے قیدی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ سے ہم نے اپنی پیاس بجھائی"۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رزاح اپنے وطن چلا گیا تو اللہ نے رزاح کی نسل کو خوب بڑھا دیا اور وہ آج تک "عذرۃ" قبیلہ کے نام سے معروف ہیں قصی نے اس سلسلہ میں کہا

أنا ابن العاصمين بني لؤي
بمكة منزلي وبها ربيت
إلى البطحاء قد علمت معد
ومروتها رضيت بها رضيت
فلست لغالب إن لم تأثل
بها أولاد قيذر والنبيت
رزاح ناصري وبه أسامي
فلست أخاف ضيما ما حييت

"میں لوگوں کی حفاظت کرنے والے بنی لوی کا بیٹا ہوں مکہ میرا مقام ہے اور وہیں میری تربیت ہوئی ہے۔ بطحاء تک معد اور اس کا مروہ پہاڑ جانتا ہے اور میں اس کو خوب پسند کرتا ہوں۔ میں غالب کی اولاد نہیں اگر میں یہاں قیدار اور نبیت کی اولاد کو نہ جمع کروں۔ بھائی رزاح میرا مددگار ہے اور میں اس کے ساتھ بلند بالا ہوں اور تاحیات میں کسی ظلم و تشدد سے خوف زدہ نہیں"۔

لیکن مورخ اموی کا بیان ہے کہ جب قصی نے خزاعہ کو بدر کر دیا تو اس کے بعد رزاح آیا تھا۔

عہدوں کے حصول پر جھگڑا اور حلف المطیبین کی وجہ تسمیہ...... قصی عمر رسیدہ ہو گیا تو اس نے (۱) رفادہ (۲) سقایہ (۳) حجابہ (۴) لواء اور (۵) دار الندوہ یہ تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبد الدار کو سونپ دیے کیونکہ اس کے دیگر بھائی عبد مناف عبد شمس اور عبد بہت مشہور ہو

دار اور قبیلہ میں معزز محترم حضرات تھے۔ والد نے اپنے بیٹے عبدالدار کو یہ مناصب دے کر ان لوگوں کے ہم پلہ کر دیا تھا بھائیوں کی زندگی میں تو یہ مناصب اور عہدے بدستور اس کے پاس رہے، وہ اس سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتے تھے، جب ان کا دور ختم ہوا تو ان کی اولاد نے ان مناصب کی تقسیم کا شوشہ چھوڑ دیا کہ قصی نے عبدالدار کو محض معاشی مساوات کے لئے یہ منصب عطا کئے تھے اب ہم بھی ان میں برابر کے حصہ دار ہیں، یہ جھگڑا اس قدر بڑھا کہ قبیلہ دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک فریق نے عبدالدار کی بیعت کی اور اس کا حلیف ہو گیا اور دوسرے فریق نے عبد مناف کی طرف داری کی اور اس کا حلیف ہو گیا اور حلف کے وقت انہوں نے پیالہ میں خوشبو ڈال کر ہاتھوں کو اس میں رکھ دیا پھر کعبہ کی دیواروں کو یہ خوشبو لگا دی تھی اور اس وجہ سے ان کا نام ہو گیا "حلف المطیبین" اس کے طرف دار تھے بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بنی زہرہ، بنی تیم اور بنی حارث اور عبدالدار کی اولاد کے حامی اور مددگار تھے۔ بنی مخزوم، بنی سہم بنی جمح اور بنی عدی، ان کا نام تھا "احلاف" باقی رہے عامر بن لوی اور محارب بن فہر یہ سب سے الگ رہے کسی کی حمایت نہ کی۔

پھر بہ اتفاق رائے رفادہ اور سقایہ کا منصب بنی عبد مناف کو دے دیا، حجابہ لواء اور دار الندوہ کی صدارت بدستور بنی عبدالدار کے پاس رہی اور یہ تقسیم برابر جاری رہی۔ مورخ اموی نے اثرم کی معرفت ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ خزاعہ کے بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ قصی نے حبی بنت حلیل سے شادی کی اور حلیل نے کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی۔ ابو غبشان سلیم بن عمرو بن لوی بن ملکان بن قصی ...... بطور نائب تولیت کے فرائض سرانجام دیا کرتا تھا، قصی نے ابو غبشان سے حق نیابت شراب کی ایک مشک اور اونٹ کے عوض خرید لیا اور یہ مثل مشہور ہو گئی (اخسر من صفقة ابی غبشان) (یعنی یہ تجارت ابو غبشان کے سودے سے زیادہ نقصان دہ ہے) خزاعہ کو جب اس سودے بازی کا علم ہوا تو وہ قصی پر بہت ناراض ہوا، نتیجۃً قصی نے اپنے بھائی رزاح بن محمود وغیرہ کا تعاون حاصل کر لیا اور تولیت کعبہ پر قابض رہا، پھر قصی نے یہ سارے منصب عبدالدار کے حوالے کر دیئے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے مناصب دوسرے لوگوں کے پاس تھے وہ اسی طرح رہے۔ جس کا بیان گزر گیا ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قصی کے چار بیٹے تھے (۱) عبد مناف، (۲) عبد شمس (۳) عبدالدار اور (۴) عبدالعزیٰ اور دو لڑکیاں (۱) تخمر اور (۲) برہ تھیں ان کی والدہ حبی بنت حلیل تھی۔

عبد مناف کی اولاد...... ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبد مناف بن قصی کے بیٹے تین بیٹے تھے، (۱) ہاشم، (۲) عبد شمس اور (۳) مطلب۔ ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال ہے اور نوفل بن عبد مناف کی والدہ واقدہ بنت عمرو مازنیہ ہے اور بقول ابن ہشام، عبد مناف کی اولاد ابو عمرو ہے اور چھ بیٹیاں ہیں (۱) تماضر (۲) قلابہ (۳) حیہ (۴) ریطہ (۵) ام اخثم اور (۶) ام سفیان۔

اولاد ہاشم...... ہاشم کے چار بیٹے ہیں (۱) عبدالمطلب (۲) اسد (۳) ابو صیفی اور (۴) نضلہ اور پانچ بیٹیاں ہیں: (۱) شفاء (۲) خالدہ (۳) ضعیفہ (۴) رقیہ (۵) حیہ۔ عبدالمطلب اور رقیہ کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار مدنیہ ہے۔

اولاد ابو الحارث عبدالمطلب بن ہاشم...... ان کے دس بیٹے ہیں (۱) عباس (۲) حمزہ (۳) عبداللہ (۴) ابو طالب عبد مناف (۵) زبیر (۶) حارث ...... ان میں سب سے بڑا حارث تھا اور اسی کے نام پر کنیت تھی ...... (۷) حجل یا جحل اس کا لقب غیداق تھا۔ (۸) مقوم (۹) ضرار (۱۰) ابولہب عبدالعزیٰ اور چھ بیٹیاں ہیں (۱) صفیہ (۲) ام حکیم بیضاء (۳) عاتکہ (۴) امیمہ (۵) اروی (۶) اور برہ۔

عبداللہ، ابو طالب اور زبیر، نیز تمام بیٹیوں (ابجز صفیہ) کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔

عبداللہ بن عبدالمطلب...... ان کے فرزند ارجمند محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، والدین کی طرف سے نسب میں ساری کائنات سے اشرف واعلیٰ اور مرتبہ میں سید عالم ﷺ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

زمانہ جاہلیت کی شہرہ آفاق شخصیات

خالد بن سنان عبسی ... بعض لوگ اسے نبی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حافظ طبرانی (احمد بن زہیر تستری، یحییٰ بن المعلیٰ بن منصور رازی، معلیٰ بن مہدی، قیس بن ربیع، سالم افطس، سعید بن جبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خالد بن سنان کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے بیٹھنے کے لئے کپڑا بچھایا اور فرمایا: یہ اس نبی کی بیٹی ہے کہ جس نبی کو اس کی قوم نے بے جا ضائع کر دیا۔ ابو بزار نے یہ حدیث اسی سند سے بیان کر کے کہا ہے: یہ حدیث صرف اسی سند سے مرفوع ہے۔ قیس بن ربیع راوی باوجود ثقاہت کے مگر اس کا حافظہ کمزور ہے اس کا بیٹا اس کی "احادیث" میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتا تھا۔ واللہ اعلم۔ بقول امام بزار ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت سالم افطس کی معرفت سعید بن جبیر سے مرسل بیان کی ہے۔

واقعہ آتش فشاں ..... حافظ ابو یعلیٰ موصلی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ خالد بن سنان عبسی نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا حرتین کی آگ میں تم لوگوں سے دور کر دوں گا تو عمارہ بن زیاد عبسی نے کہا واللہ! جناب خالد آپ ہر وقت سچ اور حق بات کہتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ حرتین کی آگ بجھا دیں گے۔ چنانچہ خالد تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر حرتین کی طرف گیا عمارہ عبسی بھی ان کے ہمراہ تھا۔

مجھے نام لے کر نہ پکارنا ..... حرتین کی آگ پہاڑ کے ایک شگاف سے ظاہر ہوتی تھی، خالد عبسی نے ان کو لے کر ایک دائرہ کھینچا اور کہا اگر مجھے دیر ہو جائے تو مجھے میرا نام لے کر نہ پکارنا، چنانچہ وہ شگاف سے شعلے مارتی ہوئی سرخ آگ دیکھتا ہوا نکلا اور یہ کہہ رہا تھا "بدا بدا بدا، کل هدی مؤدی زعم ابن راعیة المعزی انی لا اخرج منها وثیابی بیدی" (ظاہر ہوئی، ہر ایک ہدایت یافتہ ہے، بکریاں چرانے والی کے بیٹے کا خیال ہے کہ میں صحیح سالم واپس نہ آ سکوں گا)۔

قوم نے نام لے کر پکار دیا ..... خالد پھر نمودار ہوا آگ اس کے پیچھے پیچھے ساتھ آ گئی یہاں تک کہ وہ شگاف میں داخل ہو گیا اس کا پسینہ بہہ رہا تھا تو عمارہ نے کہا اگر خالد زندہ سلامت ہوتا تو کبھی کا باہر آ چکا ہوتا، حاضرین نے کہا اس کا نام لے کر بلاؤ، کسی نے کہا اس نے نام سے پکارنے سے منع کیا تھا۔ آخرکار انہوں نے نام لے کر پکارا تو وہ اپنا سر تھامے باہر نکل آیا، تو اس نے کہا کیا میں نے تمہیں نام سے پکارنے سے منع نہ کیا تھا؟ واللہ تم نے مجھے قتل کر ڈالا۔ اب مجھے دفن کر دو۔ جب تمہارے پاس سے گدھوں کا قافلہ گزرے اس میں کوئی دم کٹا گدھا ہو تو میری قبر اکھاڑ کر مجھے نکال لینا میں زندہ ہوں گا۔ چنانچہ اس کو دفن کر دیا گیا جب گدھوں کا قافلہ گزرا تو قبر اکھاڑنے کا ارادہ ہوا تو عمارہ عبسی نے کہا قبر نہ اکھاڑو معزز قبیلے کہیں گے کہ ہم قبروں سے مردوں کو نکالتے ہیں۔

دو تختیاں ..... خالد عبسی نے ان سے کہا تھا اگر تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو سنو! میری بیوی کے پاس دو تختیاں ہیں ان میں تمہاری مشکل کا حل موجود ہوگا لیکن یہ یاد رہے کہ ناپاک اور حیض والی عورت ان کو ہاتھ نہ لگائے، جب اس کی بیوی سے تختیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے بحالت حیض تختیاں ان کو نکال کر دے دیں، چنانچہ جو علم ان تختیوں میں تھا ختم ہو گیا۔ ابو یونس سماک بن حرب سے بیان کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام سے اس کے بارے میں دریافت ہوا تو آپ نے فرمایا ذاک نبی ضیعه قومه (وہ نبی تھا قوم نے اس کو ضائع کر دیا)۔

یا ابن اخی ..... سماک بن حرب سے منقول ہے کہ خالد عبسی کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن اخی (بھتیجے) کہہ کر خوش آمدید کہا۔ یہ روایت موقوف ہے اور اس میں خالد کی نبوت کا ذکر بھی نہیں، علاوہ ازیں یہ مرسل روایت قابل حجت بھی نہیں ہوتی۔ وہ ایک نیک طبع صالح انسان تھے کرامات کا مظہر تھے۔ اگر اس کا ظہور حضرت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیانی عرصہ میں تھا تو بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد میں سب سے قریب ہوں، میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہ تھا۔ اگر اس کا ظہور حضرت سے قبل تھا تو بھی

درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (وما اتاهم من نذير من قبلك) (یٰسین ۶/) کہ قریش کے پاس آپ سے قبل کوئی نبی نہیں آیا اور بے شمار اہل علم کا قول ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

استدلال...... اسی دلیل سے سہیلی وغیرہ نے مدین والے شعیب بن ذی مہذم بن شعیب بن صفوان کی نبوت کا انکار کیا ہے اور اسی طرح حنظلہ بن صفوان کی نبوت کی بھی تردید کی ہے، جس کے ظہور کا زمانہ معد بن عدنان کا زمانہ بتایا جاتا ہے کہ عرب نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر مسلط کر دیا۔ جس نے لوگوں کو قتل کیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا۔ جس طرح بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیک بصیرت لوگ تھے اور عوام کو رشد و ہدایت کی طرف دعوت دیتے تھے، واللہ اعلم۔

حاتم طائی...... ابوسفانہ حاتم طائی بن عبداللہ (بن سعد بن حشرج بن امرئ القیس بن عدی بن اخزم بن ابی اخزم ہزومہ بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمرو بن غوث بن طی) حضرت عدی رضی اللہ عنہ صحابی رسول کا والد جاہلی دور کے ممدوح اور سخاوت میں ضرب المثل ہے بیٹا بھی باپ کی طرح سخاوت میں بے مثل شمار کیا جاتا ہے حاتم طائی کی بے شمار خوبیاں اور عجیب و غریب کارنامے ہیں لیکن اس تعجب خیز سخاوت اور عجیب کارناموں سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور روز قیامت میں سعادت کا حصول نہ تھا بلکہ اس کا مقصد ریا، نمود اور کروشہرت تھا۔

ابوبکر بزار اپنی مسند میں (محمد بن معمر، عبید بن واقد قیسی، ابونصر ناجی، عبداللہ بن دینار) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو حاتم طائی کا ذکر ہوا تو فرمایا: اس کا جو مقصد تھا وہ اس نے پالیا (حدیث غریب) دارقطنی کا بیان ہے کہ عبید بن واقد اس میں منفرد ہے (ابو نصر ناجی سے) ابونصر ناجی کا نام حماد ہے بقول ابن عساکر، امام حاکم نے ابونصر ناجی اور ابونصر حماد کو دو راوی قرار دیا ہے اور ناجی کا نام نہیں بیان کیا اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایات سے "ابونصر شیبہ ناجی" مذکور ہے، واللہ اعلم۔

امام احمد (یزید بن اسماعیل، سفیان، سماک بن حرب، مری بن قطری) حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس میں نے اپنے والد کا ذکر کیا کہ وہ صلہ رحمی کرتا تھا اور خوب فیاض تھا، کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے والد کا جو مقصد تھا وہ اس نے پالیا۔ ابو یعلیٰ موصلی اور ابوالقاسم بغوی نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ جلائی جائے گی (۱) وہ سخی جو مال اس لئے خرچ کرتا ہے کہ اسے فیاض اور سخی کہا جائے، لہٰذا اس کا بدلہ اسے دنیا میں مل گیا، اسی طرح (۲) مجاہد اور (۳) عالم کا حال ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے پوچھا، کیا اس کی سخاوت اس کے کام آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی سخاوت اس کے کچھ کام نہ آوے گی کیونکہ اس نے کبھی نہ کہا تھا "رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین" اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میرے گناہوں سے درگزر فرما۔

حسن اخلاق کی قدر و قیمت...... ابوبکر بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ نیکی میں کس قدر کوتاہی کرتے ہیں، مسلمان کے پاس اس کا مسلم بھائی کسی ضرورت کے سلسلے میں تعاون کے لئے حاضر ہوتا ہے جبکہ وہ تعاون سے گریز کرتا ہے اگر وہ ثواب و صلہ اور عذاب و عتاب سے بے نیاز بھی ہو تب بھی اسے مکارم اخلاق کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے کیونکہ یہی کامرانی کی راہ ہے۔ ایک آدمی نے با ادب کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث رسول کریم ﷺ سے سنی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس سے بھی اچھی بات کہ طی قبیلہ کے اسیروں میں سے ایک لڑکی تھی سرخ فام، سرخ سیاہی مائل لب، صاف ستھری دراز گردن، ستواں ناک، درمیانہ قد، معتدل سر، پتلی کمر، بھر پور بدن، میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا، میں نے دل میں سوچا کہ رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کروں گا کہ اس کو فی (مال غنیمت) میں سے مجھے عطا کر دیں۔ جب وہ گویا ہوئی تو اس کی فصاحت اس کے حسن و جمال سے دو بالا اور فائق تھی اس نے عرض کیا جناب محمد! آپ مجھے رہا فرما دیں اور قبائل عرب کی خوشی کا سامان نہ ہونے دیں۔ میں رئیس قوم کی لخت جگر ہوں، میرا والد ذمہ داری اور ذمہ کا نگہبان تھا، قیدیوں کو رہا کراتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، [illegible]! میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکی! یہ تو سب خصلتیں مومنوں

کی ہیں، اگر تیرا باپ مومن اور مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے، آپ نے حاضرین کو کہا: اسے چھوڑ دو، اس کا والد مکارم اخلاق اور عمدہ خصائل کو پسند کرتا تھا، اللہ تعالیٰ بھی حسن اخلاق کو پسند کرتا ہے، ابو بردہ حضرت بن نیار رضی اللہ عنہ نے باادب کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ خوش اخلاقی کو پسند کرتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک خوش اخلاقی جنت میں داخلہ کا موجب ہے"۔

حاتم طائی کی فیاضی...... ابن ابی دنیا، عدی بن طائی، کے دادا سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اخیافی بھائی تھا کہ حاتم طائی کی بیوی "نوار" سے کسی نے پوچھا کہ حاتم طائی کی سرگزشت سنایئے؟ تو اس نے کہا، حاتم کی ہر بات تعجب خیز تھی، ایک دفعہ سخت قحط پڑا ہر چیز تلف ہو گئی، زمین خشک ہو گئی، آسمان غبار آلود ہو گیا، ماں بچے کو دودھ پلانے سے گریزاں، دو سالہ اونٹنیوں کا دودھ خشک اور ناپید، موسم سرما کی طویل رات تھی، عبداللہ، عدی اور سفانہ، بھوک سے بلک رہے تھے، بچوں کو بہلانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ حاتم ایک بچے کو گود میں لے کر بہلانے لگے، میں دوسرے کو تھپکیاں دینے لگی۔ بہت دیر بعد وہ چپ ہوئے، اسی طرح تیسرے بچے کو بھی بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ پھر ہم نے شامی کمبل بچھایا اور بچوں کو اس پر لٹا دیا، میں اور حاتم بھی لیٹ گئے اور بچے ہمارے درمیان تھے حاتم مجھے سلانے کے لئے باتیں کرنے لگے، میں ان کا مطلب سمجھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں انہوں نے پوچھا سو گئی اور میں یہ سن کر خاموش رہی تو حاتم نے کہا، معلوم ہوتا ہے سو گئی ہے حالانکہ نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔

جب رات بھیگ گئی، ستارے چھپ گئے، آوازیں ختم ہو گئیں، آمد و رفت رک گئی کہ گھر کا پردہ سرکا، حاتم نے پوچھا کون؟ کوئی آواز نہ آئی، میں سمجھی کہ صبح ہو گئی ہے۔ پھر دوسری بار پردہ سرکا تو پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا: جناب! میں آپ کی فلاں ہمسائی ہوں، بچے بھوک سے بلک رہے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی پرسان حال نہیں حاتم نے کہا: بچوں کو فوراً لے آؤ "نوار" کہتی ہے کہ میں نے اچھل کر کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ لیٹ جاؤ واللہ! تمہارے اپنے بچے تو بھوک سے بلک رہے ہیں تم ہمسائی کے بچوں سے کیا سلوک کر سکتے ہو؟ یہ سن کر حاتم نے کہا: واللہ! میں تجھے بھی خوب کھلاؤں گا ان شاء اللہ پھر وہ ہمسائی چھ بچوں کے ہمراہ چلی آئی، گویا وہ بچے اس کے گرد شتر مرغ کے بچے ہیں حاتم نے گھوڑا ذبح کر دیا پھر چقماق رگڑا اور آگ جلائی گھوڑے کی کھال اتار کر چھری عورت کے ہاتھ میں تھما دی اور کہا: کھاؤ! پھر مجھے بھی کہا: اپنے بچوں کو بھی لے آؤ، میں بچوں کو لے آئی تو حاتم نے کہا: محلہ داروں کے بغیر تنہا کھانا بے مروتی ہے یہ کہہ کر اٹھا اور سب کو ایک ایک کر کے جگا لایا اور خود کپڑا اوڑھے ایک گوشہ میں لیٹ گیا واللہ! اس نے ایک لقمہ تک نہ کھایا حالانکہ وہ بھوک سے تھا صبح ہوئی تو صرف گھوڑے کی ہڈیاں باقی تھیں۔

"نوار" کی ایک خواہش...... امام دار قطنی نے حاتم طائی سے نقل کیا ہے کہ حاتم کی بیوی "نوار" نے حاتم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میری تمنا ہے کہ میں تنہا آپ کے ہمراہ کھانا تناول کروں، چنانچہ حاتم نے اس کا خیمہ الگ نصب کروا دیا، کھانا تیار کرنے کو کہا اور وہ تنہا "پردے" میں بیٹھا، جب کھانا تیار ہونے کے قریب ہوا اور تناول کرنے کا وقت آیا تو حاتم نے پردہ اٹھا کر کہا:

فلا تطبخی قدری وسترک دونھا
علی اذن ما تطبخین حرام
ولکن بھذاک الیفاع فاوقدی
بجزل اذا اوقدت لا بضرام

"میری ہانڈی پردے میں نہ پکا اور پردہ تیار کردہ کھانا مجھ پر حرام ہے لیکن اس کھلے میدان میں جب تو آگ جلائے تو آگ خوب روشن ہو معمولی نہ ہو"۔

پھر اس نے دعوت عام کا اعلان کیا اور کھانا ختم ہونے کے بعد "نوار" نے کہا آپ نے میرا مطالبہ پورا نہ کیا تو حاتم نے کہا: تنہا خوری مجھے پسند نہیں سخاوت اور فیاضی میرا خمیر ہے پھر اس نے کہا:

امارس نفسی البخل حتی اعزھا

والسر كالسر لا يجود مستترها
ولا تشتكيني جارتي غير تهيبا
إذا غاب عنها بعلها لا أزورها
سيبلغها خيري ويرجع بعلها
إليها ولم يقصر عليها ستورها
إذا ما بت أشرب فوق ري
لسكر في الشراب فلا رويت

"میں بخل کی عادت ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ شاق گزرتا ہے حالانکہ میں سخاوت کو ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہمسایہ عورت میرا شکوہ کرتی علاوہ ازیں اس کے خاوند کی غیر موجودگی میں اس کے پاس نہیں جاتا۔ اس کے خاوند کی آمد تک میری سخاوت اس کو میسر ہوتی ہے۔ جب میں خوب سیر ہونے سے زائد پیتا اور نشے کی خواہش کرتا تو سیراب نہ ہوں"۔

إذا ما بت أختل عرس جاري
ليخفيني الظلام فلا خفيت
أأفضح جارتي وأخون جاري
فلا والله أفعل ما حييت
ما ضر جارا لي أجاوره
ألا يكون لبابه ستر
أغضي إذا ما جارتي برزت
حتى يواري جارتي الخدر

"جب میں اپنے ہمسایہ کی بیوی سے فریب کروں کہ مجھے رات کی تاریکی چھپا لے تو میں چھپ نہ سکوں۔ کیا میں اپنی ہمسائی کو رسوا کروں اور ہمسایہ کی خیانت کروں، واللہ میں تاحیات یہ نہ کر سکوں۔ میرے ہمسایہ کے در پر پردہ نہ ہونا نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ جب میری ہمسائی باہر آتی ہے تو میں اس کے پردہ میں داخل ہونے تک نگاہ نیچی رکھتا ہوں"۔

وما من شيمتي شتم ابن عمي
وما أنا مخلف من يرتجيني
وكلمة حاسد من غير جرم
سمعت وقلت مري فانفذيني
وعابوها علي فلم تعبني
ولم يعرق لها يوما جبيني
وذي وجهين يلقاني طليقا
وليس إذا تغيب يأتسيني

"اپنے چچا زاد بھائی کو گالی گلوچ دینا میری عادت نہیں، نہ میں اپنے امیدوار کو نامراد اور مایوس نہیں رکھتا۔ بلاوجہ حاسد کی بات میں سنتا ہوں اور اس کی بات کو کہتا ہوں کہ چلی جا اور مجھے چھوڑ دے۔ وہ نکتہ چینی کرتے ہیں تو وہ مجھے معیوب نہیں اور نہ میری جبیں عرق آلود ہوتی ہے۔ منافق اور دو رخا آدمی مجھے خندہ پیشانی سے ملتا ہے اور عدم موجودگی میں میرا غم خوار نہیں ہوتا"۔

سلي البائس المقرور يا ام مالك
اذا ما اتاني بين ناري ومجزري
أابسط وجهي انه اول القرى
وابذل معروفي له دون منكري
وانك ان اعطيت بطنك سؤله
وفرجك نالا منتهى الذم اجمعا
[illegible] لعمرك [illegible]
[illegible] حفظا على حسبي وديني

''اے ام مالک! تو ذرا اس فقیر اور محتاج سے پوچھ جب وہ میرے ہاں مہمان ہونے کے وقت آئے۔ کیا میں اس سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہوں؟ یہ مہمان نوازی کا آغاز ہوتا ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کے باوجود مہمانی پیش کرتا ہوں۔ اگر تو شکم و شرمگاہ کا ہر مطلب پورا کرے گا تو مذمت اور رسوائی کی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ مجھے اپنے عیوب معلوم ہیں لیکن میں ان سے اپنے دین اور خاندانی شرافت کی حفاظت کے لئے بچا ہوا رہتا ہوں۔''

بخل کی مذمت...... قاضی ابو الفرج معافی بن زکریا جریری، ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حاتم طائی کو متلمس کے درج ذیل اشعار معلوم ہوئے

قليل المال تصلحه فيبقى
ولا يبقى الكثير على الفساد
وحفظ المال خير من فناه
وعسف في البلاد بغير زاد

''تم مال کی حفاظت کرو، تھوڑا مال بھی سنبھال کر رکھو تو وہ باقی رہے گا اور زیادہ مال بھی بے جا خرچ سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مال کی حفاظت اس کے خراب کرنے سے بہتر ہے اور بغیر زاد راہ کے شہروں میں مارا مارا پھرنا ذلت اور شرمندگی کا باعث ہے۔''

تو حاتم طائی نے کہا: اللہ اس کی زبان کاٹ دے، یہ لوگوں کو بخیلی پر اکساتا ہے۔

فلا الجود يفني المال قبل فنائه
ولا البخل في مال الشحيح يزيده
فلا تلتمس مالا بعيش مقتر
لكل غد رزق يعود جديده
الم تر ان المال غاد ورائح
وان الذي يعطيك غير بعيده

''سخاوت سے مال ختم نہیں ہوتا اور بخیلی سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔ تنگی زندگی سے مال کی تلاش نہ کرو، ہر آنے والے دن کا رزق نیا ہوتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مال و دولت تو آنی جانی چیز ہے اور جو ذات مال تجھے عطا کرتی ہے وہ دور نہیں۔''

بقول قاضی ابو الفرج جریری ''ان الذی یعطیک غیر بعید'' کا یہ حصہ اچھا مصرعہ ہے، اگر حاتم طائی مسلمان ہوتا تو اس کے لئے آخرت میں مغفرت کی امید تھی۔

واسئلوا الله من فضله، واذا سالک عبادی عنی فانی قریب

ترجمہ: ۔۔۔ "اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مانگتے رہو" (۳۲:۴) "اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو بتادو کہ میں قریب ہی ہوں"۔

وضاح بن معبد طائی کا بیان ہے کہ حاتم، شاہ نعمان بن منذر کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے حاتم طائی کی خوب تعظیم کی، اسے پہلو میں بٹھایا، واپسی میں علاوہ دیگر اشیاء کے بہت زر کے دو اونٹ لاد دیے۔ جب اپنے علاقہ میں پہنچا تو "طی" قبیلہ کے دیہاتی لوگوں نے کہا: "آپ سلطان نعمان بن منذر کے پاس سے آئے ہیں اور ہم اپنے اہل و عیال کے پاس سے بدحال ہیں، ہم فقر و فاقہ سے مجبور ہیں۔ حاتم نے کہا: لاؤ! یہاں آؤ میں تقسیم کر دوں چنانچہ انہوں نے اس سے بہت زر کے علاوہ دیگر اشیاء بھی بانٹ لیں تو حاتم طائی کی کنیز طریفہ نے اس سے کہا: اللہ سے ڈر اور اپنی جان پر رحم کر، یہ مت خود مال و دولت اور درہم و دینار کچھ نہ چھوڑیں گے۔ تو حاتم نے کہا:

قالت طريفة ما تبقى دراهمنا
وما بنا سرف فيها ولا خرق
ان يفن ما عندنا فالله يرزقنا
ممن سوانا ولسنا نحن نرتزق
ما يألف الدرهم الكاري خرقتنا
الا يمر عليها ثم ينطلق
انا اذا اجتمعت يوما دراهمنا
ظلت الى سبل المعروف تستبق

"طریفہ نے کہا ہمارے درہم و دینار باقی نہ رہیں گے حالانکہ ہم اس میں فضول خرچ نہیں ہیں، سبب یہ ہے کہ اگر ہمارا سرمایہ ختم ہو گیا تو اللہ دوسرے لوگوں کے ہم پر مذاق نہیں، رزق اور قسمت کا رزق دے گا ہمیں دوسرا آ جاتا ہے۔ جب ہمارے پاس سرمایہ جمع ہو جائے تو نیکی کی راہوں میں خرچ ہو جاتا ہے"۔

ایک عجیب واقعہ..... ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں حاتم سے کسی نے پوچھا: "هل في العرب اجود منک" "کیا عرب میں کوئی تم سے بھی زیادہ سخی ہے؟" حاتم نے اثبات میں جواب دیا، اس کے پاس بکریاں تھیں، میں ایک واقعہ سناؤں کہ ایک رات میں کسی یتیم لڑکے کا مہمان ہوا، اس کے پاس دس بکریاں تھیں، اس نے ایک بکری ذبح کی اور پکا کر میرے پاس لایا، جب اس نے مغز اور بھیجا میرے سامنے کیا تو میں نے کہا: کیا عمدہ مغز ہے، یہ سنتے ہی کلمات سن کر وہ چلا گیا اور مسلسل میرے پاس مغز لاتا رہا یہاں تک کہ میں نے کہا: بس کافی ہے تو وہ بھی رک گیا۔ جب صبح بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس نے دسوں بکریاں ذبح کر ڈالیں اور کوئی باقی نہ بچی۔ میں نے کہا تم نے یہ کیا کیا؟ تو اس نے کہا ہر چیز بھی نثار کر دوں تو اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ حاتم کہتے ہیں پھر میں نے اسے ایک سو عمدہ اونٹ عطا کیے۔

ام حاتم ... "مکارم الاخلاق" میں محمد بن جعفر خرائطی نے بیان کیا ہے کہ محترمہ عنبہ بنت عفیف بن عمرو بن امرؤ القیس حاتم طائی کی والدہ بہت فیاض عورت تھی۔ اس کے بھائی اسے سخاوت کرنے سے روکتے تھے جبکہ وہ ایک سرمایہ دار خاتون تھی۔ بھائیوں نے اسے ایک سال بھر قید تنہائی میں رکھا، صرف بقدر کفایت کھانا دیتے، شاید وہ فیاضی سے باز آ جائے۔ سال بھر بعد اسے رہا کیا، یہ سوچ کر کہ شاید وہ سمجھ گئی ہوگی اور اسے تنگدستی کی تکلیف سے ضروریات زندگی کے لئے گٹھڑی اس کے پاس ایک ہوازنی خاتون آئی جو پہلے بھی اس کے پاس آیا کرتی تھی، اس نے سوال کیا تو حاتم کی والدہ نے وہ گٹھڑی اسے عطا کر کے کہا: بخدا! سال بھر مجھے بھوک پیاس نے خوب ستایا ہے میں ... قسم کھائی ہے کہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گی۔

لعمری لقدما عضنی الجوع عضة
فآلیت ان لا امنع الدهر جائعا
فقولا لهذا اللائمی الیوم اعفنی
وان انت لم تفعل فعض الاصابعا
فماذا عساکم ان تقولوا لاختکم
سوی عذلکم او عذل من کان مانعا
وماذا ترون الیوم الا طبیعة
فکیف بترکی یا ابن امی الطبائعا

"زندگی کی قسم! ایک دفعہ شدید بھوک نے مجھے خوب ستایا ہے میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کو بھی بھوکا نہیں رہنے دوں گی۔ آج کی ملامت کرنے والو! مجھے معاف رکھو اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ کھاؤ سوائے ملامت اور طعن و تشنیع کے تم اپنی بہن کو اور کیا کہہ سکتے ہو۔ یہ عادت ایک طبعی تقاضا ہے بھائی! اپنی اس طبع سے کیسے باز آ سکتی ہوں"۔

وصیت ... ہیثم بن عدی، ملحان بن عرک بن عدی بن حاتم طائی سے بیان کرتے ہیں کہ حاتم نے بستر مرگ پر وصیت کی اے لخت جگر! میں تمہیں قوم کا پسندیدہ اصول بتاتا ہوں کہ میں نے کبھی ہمسایہ خواتین سے فریب نہیں کیا نہ امانت میں خیانت نہیں کی اور مجھ سے کسی کو اذیت نہیں پہنچی۔

ابو بکر خرائطی، محمد بن ابی بردہ دوسی بن غرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حاتم کے مزار کے قریب عبد القیس کا وفد فروکش ہوا تو ان میں سے ایک نوجوان ابو الخیبری نے قبر پر لات مارتے ہوئے کہا اے ابو جعد! ہماری مہمانی کیجئے تو حاتم کی نعش نے کہا تو خستہ اور بوسیدہ ہڈیوں سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ رات کو سو گئے تو ابو الخیبری نے پریشانی کے عالم میں بیدار ہو کر کہا دوستو! اپنی اپنی سواریاں تھام لو، مجھے حاتم طائی نے جواب میں یہ اشعار سنائے ہیں:

ابا الخیبری وانت امرؤ
ظلوم العشیرة شتامها
اتیت بصحبک تبغی القری
لدی حفرة قد صدت هامها
اتبغی لی الذنب عند المبیت
وحولک طی وانعامها
وانا لنشبع اضیافنا
وتاتی المطی فنعتامها

"اے ابو الخیبری! تو قبیلہ کا ستمگر اور بدگو آدمی ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو لے کر اس قبر کے پاس مہمانی تلاش کرتا ہے جس کی روح اڑ چکی ہے۔ کیا تو میری قبر کے پاس مجھے مجرم تصور کرتا ہے حالانکہ تیرے آس پاس طی قبیلہ اور ان کے مویشی موجود ہیں۔ ہم اپنے مہمانوں کو شکم سیر کرتے ہیں سواریاں آتی ہیں اور ہم ان کو منتخب کرتے ہیں"۔

اچانک ابو الخیبری کی سواری بلبلا کر مرنے کے قریب ہو گئی تو سب نے ذبح کر کے گوشت کھا لیا اور چلے گئے۔ واللہ! حاتم زندگی میں بھی فیاض تھا اور مردہ بھی مہمان نواز ہے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے ابو الخیبری کو ردیف اور پیچھے بٹھا کر چل دیا کہ ایک شتر سوار دوڑتا ہوا آیا اس کے ہمراہ ایک سواری تھی وہ پوچھ رہا ہے ابو الخیبری کون ہے؟ یہ سن کر اس نے کہا کہ میں ابو الخیبری ہوں تو شتر سوار نے کہا کہ حاتم نے مجھے خواب میں بتایا ہے کہ اس نے تیرے مہمانوں کی میزبانی کے لیے اپنی اونٹنی ذبح کی۔ لہٰذا مجھے اس نے کہا ہے کہ میں آپ کی سواری کا انتظام کروں۔ چنانچہ یہ سواری موجود ہے لے لو۔

عبداللہ بن جدعان: ...... عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ تیمی ہے جو کہ تیمی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کا چچازاد بھائی تھا۔ جاہلی دور میں جو اشراف اور قریش کے ایام میں مشہور تھا اوائل عمر میں یہ بڑا تنگدست اور مفلس تھا نہایت بدچلن اور جرائم پیشہ قوم قبیلہ خاندان اور ماں باپ سمیت سب اس سے تنگ آ چکے تھے۔ چنانچہ وہ حیران و پریشان مکہ کی گھاٹیوں میں دور نکل گیا۔ وہاں اس نے پہاڑ میں ایک شگاف دیکھا کہ جس کا منہ بڑا گہرا ہے

تھوڑے سے خیال کرتے ہوئے اس میں داخل ہو گیا کہ اس ذلیل زندگی سے موت اچھی ہے۔ جب وہ اندر گیا تو ایک اژدہا نظر آیا تو وہ ڈر گیا لیکن دیکھا ہے کہ وہ سونے کا سانپ ہے جس کی آنکھیں یاقوت کی ہیں۔ چنانچہ وہ اس کو توڑ کر غار کے اندر داخل ہو گیا تو وہاں شاہان جرہم کی قبریں ہیں۔ جن جملہ ان کے رئیس حارث بن مضاض تھا جو ایک عرصہ غائب ہوا اور اس کا کوئی پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ ان کے سرہانے ایک سونے کا کتبہ تھا جس میں ان کی تاریخ وفات اور حکومت کی مدت درج تھی اور وہاں لعل و جواہرات اور سیم و زر کی کثیر مقدار موجود تھی۔ اس نے حسب ضرورت وہاں سے مال و متاع اٹھایا اور غار کے دروازے پر نشان لگایا اور قوم کے پاس چلا آیا۔ لوگوں کو اس قدر مال و دولت سے نوازا کہ وہ دل عزیز ہو گیا۔ جب مال کی ضرورت محسوس کرتا تو وہاں سے حسب ضرورت لے آتا۔

کتاب التیجان از عبدالملک بن ہشام میں یہ قصہ مذکور ہے نیز [illegible] میں بھی یہ مذکور ہے اس کے پاس کھانے کا بہت بڑا برتن تھا جس سے وقت لمبی رہتا تھا۔ شتر سوار اس سے کھانا کھا سکتا تھا۔ ایک بچہ اس میں گر کر ڈوب گیا۔

ابن قتیبہ وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے کھانے کے برتن کے سایہ میں دوپہر کے وقت بیٹھا کرتا تھا۔ ابوجہل کے قتل کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا مقتولوں میں سے اس کی لاش تلاش کرو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے میں اور وہ ابن جدعان کی ایک دعوت میں مزاحم ہوئے تھے میں نے اسے دھکیلا تو وہ گھٹنے کے بل گرا اور گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس کا داغ اس کے گھٹنے پر موجود ہے چنانچہ اس کو اسی طرح پایا۔ بیان ہے کہ وہ لوگوں کو کھجور اور ستو کھلایا کرتا تھا جب اس نے امیہ بن ابی الصلت کا یہ کلام سنا

ولقد رأيت الفاعلين وفعلهم
فرأيت أكرمهم بني الديان
البر يلبك بالشهاد طعامهم
لا ما يعللنا بنو جدعان

"میں نے فیاض لوگوں کی عادات دیکھی ہیں سب سے فیاض بنی دیان کو دیکھا ہے گندم کی روٹی کے ہمراہ شہد ان کا کھانا ہے نہ کہ بنی جدعان کی طرح وہ بہلاتے پھرتے ہیں"۔

چنانچہ ابن جدعان نے دو ہزار اونٹ بھیج کر شام سے گندم شہد اور گھی منگوایا ہر رات کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کرتا ابن جدعان کی دعوت پر چلے آؤ۔ پھر امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

له داع بمكة مشمعل
وآخر فوق كعبتها ينادي
إلى ردح من الشيزى ملاء
لباب البر يلبك بالشهاد

"اس کا بلانے والا اعلان کرنے والا مکہ میں ہے اور دوسرا کعبہ کی چھت پر سے منادی کرتا ہے کہ بڑے بڑے برتن جو لکڑی کے بنے ہوئے ہیں ان میں گندم کا آٹا شہد میں گوندھا ہے"

اس کی سخاوت و فیاضی رسول اللہ ﷺ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ابن جدعان لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور مہمان نوازی کرتا تھا کیا یہ روز قیامت اس کو مفید ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا بالکل نہیں! کیونکہ اس نے کبھی نہیں کہا رب اغفر لی خطیئتی

یوم الدین یا رب! میرے گناہ روز قیامت معاف کر دینا۔

امرؤ القیس بن حجر کندی صاحب معلقہ معلقات میں ..... یہ معلقہ جس کا پہلا مصرعہ ہے:

"قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل"

تمام معلقات میں سب سے زیادہ عظیم اور شہرہ آفاق ہے۔

امام احمد (ہشیم، ابو الجہم، زہری، ابو سلمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امرؤ القیس تمام جاہلی شعراء کا دوزخ کی طرف قائد اور علمبردار ہوگا (یہ حدیث ہشام سے متعدد راویوں سے منقول ہے) ابن غیلان کے جزء میں حسن بن عرفہ عن ہارون خلیفہ مامون بروایت اسماعیل اور یحییٰ بن معین ہیں اور ابن عدی نے یہ سند بیان کر کے کہا ہے کہ زہری سے یہ روایت بیان کی ہے جو منقطع ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سند سے بھی مروی ہے جو بالکل واہی اور غیر معتبر ہے۔ ذکر بالا سند کے علاوہ کوئی سند درست نہیں۔ بقول ابن عساکر، نام ہے امرؤ القیس بن حجر بن حارث بن عمرو بن حجر آکل المرار بن عمرو بن معاویہ بن حارث بن یعرب بن ثور بن مرتع بن کندہ، اس کی کنیت ابو یزید، ابو وہب یا ابو حارث کندی ہے۔ یہ دمشق کے علاقہ میں قیام پذیر تھا اور دمشق کے بعض مقامات کا اس نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے:

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل
بسقط اللوی بین الدخول فحومل
فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمہا
لما نسجتہا من جنوب وشمال

"ٹھہرو ہم دوست اور اس کی منزل کی یاد میں رو لیں جو 'سقط اللوی' میں دخول، حومل، توضح اور مقراۃ کے درمیان میں واقع ہے اس کے نشانات مٹے نہیں کیونکہ جنوبی اور شمالی ہوائیں ان کو مٹنے سے بچا رہی ہیں ایک مٹاتی ہے تو دوسری بنا دیتی ہے۔ یہ مقامات حوران میں مشہور و معروف ہیں۔"

شعر نے حیات بخشی ..... ہشام بن محمد بن سائب کلبی (فروہ بن سعید بن عفیف بن معدی کرب) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یمن سے ایک وفد آیا اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں امرؤ القیس کے اشعار کے ذریعے زندگی بخشی ہے! آپ نے پوچھا وہ کیسے؟ بتایا کہ ہم آپ کی طرف آ رہے تھے کہ راستہ بھول گئے، تقریباً تین روز تک پانی نہ ملا، تگ و دو کے باوجود پانی نہ پا سکے تو کیکر کے درختوں کے نیچے ہم میں سے ہر ایک بیٹھ بیٹھ کر لیٹ گیا تاکہ لقمۂ اجل ہو جائے، ابھی ہم سسک رہے تھے آخری سانس لے رہے تھے کہ ایک شتر سوار نمودار ہوا اسے دیکھ کر ہمارے ایک فرد نے یہ اشعار پڑھے جو شتر سوار نے سن لئے:

ولما رأت ان الشریعۃ ہمہا
وان البیاض من فرائصہا دامی
تیممت العین التی عند ضارج
یفیء علیہا الظل عرمضہا طامی

(سواری نے اس چشمہ کا رخ کیا جو ضارج کے پاس ہے جس پر سایہ ہے اور کائی اس پر پھیلی ہوئی ہے)۔

سوار نے ہماری خستہ حالی دیکھ کر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ ہم نے بتایا امرؤ القیس کا تو اس نے کہا واقعی یہ ضارج والا چشمہ تمہارے قریب ہی ہے۔ ہم نے مڑ کر دیکھا تو ہمارے اور اس کا فاصلہ صرف پچاس گز کا ہے ہم گھٹنوں کے بل وہاں پہنچے وہ بالکل امرؤ القیس کے بیان کے مطابق تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی دنیا میں معروف اور آخرت میں مجہول ہے، دنیا میں نامور اور آخرت میں گمنام ہے۔ شعراء کا علمبردار ہے ان کو دوزخ میں لے جائے گا۔

ذوالخلصہ: ..... کلبی نے بیان کیا ہے کہ امرؤ القیس کے والد کو بنی اسد نے قتل کر دیا تو وہ بنی اسد سے انتقام لینے کے لئے جا رہا تھا کہ تبالہ پہنچا۔ وہاں ذوالخلصہ بت نصب تھا، عرب اس کے پاس قسمت آزمائی کرتے تھے، اس نے بھی فال لیا تو منع کرنے والا تیر نکلا دوبارہ سہ بارہ بھی فال لیا تو "ناسخ" تیر ہی برآمد ہوا۔ پھر اس نے تیر توڑ کر ذوالخلصہ کے منہ پر دے مارا اور اس کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا: اگر تیرا باپ مقتول ہوتا تو جنگ سے منع نہ کرتا۔ پھر بنی اسد پر حملہ کر دیا اور ان کو خوب قتل کیا۔

بقول کلبی، اسلام کی آمد تک پھر کسی نے ذوالخلصہ کے پاس قسمت آزمائی نہیں کی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس نے قیصر شاہ روم کی مدح و ستائش کی اور اس سے جنگ میں کمک طلب کی تو اس نے حسب خواہش مدد نہ کی تو اس کی ہجو کی، مشہور ہے قیصر نے اسے زہر پلا کر ہلاک کر دیا اور کوہ عسیب کے پاس ایک عورت کی قبر کے پاس انتقال ہوا اس نے یہ اشعار تحریر کیے:

اجارتنا ان المزار قریب
وانی مقیم ما اقام عسیب
اجارتنا انا غریبان ههنا
وکل غریب للغریب نسیب

"اے ہمسایہ خاتون ہماری قبریں قریب قریب ہیں۔ جب تک کوہ عسیب ہے ہم بھی یہیں ہیں۔ ہم دونوں یہاں پردیسی ہیں اور ایک پردیسی دوسرے کا ہم نسب ہوتا ہے۔"

یہ سات معلقات کعبہ میں آویزاں تھے، عرب کا دستور تھا جب کوئی مشہور شاعر قصیدہ کہتا تو قریش کے سامنے پیش کرتا، اگر وہ اس کی تعریف کرتے تو اس کی عظمت کی خاطر کعبہ میں آویزاں کر دیتے، اسی طرح وہاں سات قصیدے معلق ہو کر آویزاں ہو گئے۔ پہلا قصیدہ امرؤ القیس کا تھا، دوسرا قصیدہ نابغہ ذبیانی، زیاد بن معاویہ یا زیاد بن عمرو بن معاویہ بن ضباب بن جابر ..... بنی ذبیان بن بغیض۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو:

یا دار میة بالعلیاء فالسند   اقوت وطال علیها سالف الابد

تیسرا قصیدہ زہیر بن ابی سلمٰی، ربیعہ بن رباح مزنی کا ہے، پہلا شعر ہے:

امن ام اوفی دمنة لم تکلم   بحومانة الدراج فالمتثلم

چوتھا قصیدہ طرفہ بن عبد بن سفیان کا ہے۔ پہلا شعر ہے:

لخولة اطلال ببرقة ثهمد   تلوح کباقی الوشم فی ظاهر الید

پانچواں قصیدہ عنترہ بن شداد عبسی کا ہے۔ پہلا شعر ہے:

هل غادر الشعراء من متردم   ام هل عرفت الدار بعد توهم

چھٹا قصیدہ علقمہ بن عبدہ کا ہے، اول شعر ہے:

طحابک قلب فی الحسان طروب   بعید الشباب عصر حان مشیب

ساتواں قصیدہ لبید بن ربیعہ عامری کا ہے۔ اصمعی وغیرہ اہل علم اس کو معلقات میں شمار نہیں کرتے۔ پہلا شعر ہے:

عفت الدیار محلها فمقامها   بمنی تابد غولها فرجامها

ایک اور قصیدہ جس کا قائل نامعلوم ہے یا یہ قصیدہ اعشیٰ کا ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ بھی کعبہ میں معلق تھا۔ یہ طویل قصیدہ ہے اس میں عمدہ معانی اور مطالب ہیں۔ اس کا پہلا شعر ہے:

هل بالطلول لسائل رد   ام هل لها بتکلم عهد

امیہ بن ابی الصلت ثقفی ..... بقول ابن عساکر امیہ بن ابی الصلت عبداللہ بن ابی ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن عنزہ بن عوف بن ثقیف،

کہتے ہیں کہ عثمان بن ابو تمیم ثقفی سے بھی اسی کا شعر ہے۔ یہ قول زہیر اور اصمعی کا ہے۔ [illegible] صراط مستقیم اور ایمان پر قائم تھا پھر بدبخت ہو گیا اور آیت (اتبعہ [illegible] الاعراف) کا مصداق ہے اور انہیں اسی شخص کا مصداق بتاتے ہیں جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے نکل گیا اور اس کے پیچھے شیطان لگ گیا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں امیہ کی والدہ رقیہ بنت عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ یہ اپنے دور کا بھی مشہور شاعر تھا۔ [illegible] سب سے [illegible] عبدالرزاق ثوری سے بیان کرتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت نے عبداللہ بن عمرو کی نسبت سے بیان کیا ہے کہ سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت کا مصداق امیہ بن ابی الصلت ہے۔ اسی طرح ابوبکر بن مردویہ نافع بن عاصم بن مسعود سے بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک حلقہ میں تھے کسی نے سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت تلاوت کی تو عبداللہ بن عمرو نے کہا جانتے ہو وہ کون شخص ہے؟ کسی نے کہا صیفی بن راہب ہے۔ کسی نے کہا اسرائیلی بلعم ہے تو ابن عمرو نے کہا نہیں ہے بلکہ وہ تمہاری قوم میں سے ہے [illegible] امیہ بن ابی الصلت ثقفی ہے۔ [illegible] قتادہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔

پیشین گوئی: زہری حضرت ابو سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور امیہ دونوں بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے جب ہم کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو یہ کتاب پڑھا کرتا تھا۔ [illegible] عیسائیوں کی بستی میں فروکش ہو گئے۔ عیسائی لوگوں نے اس کی تعظیم و تکریم کی اور تحائف پیش کیے اور اس کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ وہ دوپہر کے وقت واپس آیا پھر اس نے اپنا لباس [illegible] پہن لیے اور مجھ سے کہا ابو سفیان! کیا کسی عیسائی عالم سے ملاقات کرنے کا ارادہ ہے؟ جس سے کہا [illegible] میں نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں اگر اس نے مجھے میری حسب خواہش جواب دیا تو مجھے اعتبار نہیں اگر خلاف مرضی جواب دیا تو خوفزدہ ہو جاؤں گا اور قلق ہوگا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور ایک عیسائی شیخ نے مجھے کہا آپ کو [illegible] پادری سے ملاقات کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟"

میں۔ [illegible] میں اس کے مذہب کا قائل نہیں ہوں۔ [illegible] غریب [illegible] دو راتیں [illegible] گے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا [illegible] میں نے کہا [illegible] پادری سے [illegible] ہم [illegible] کی امت میں [illegible] چنانچہ وہ [illegible] بات [illegible] اس کے [illegible] ہم نے [illegible] پھر اس نے پوچھا [illegible] نہیں [illegible] سلسل [illegible] ابو سفیان! کوئی بات نہیں [illegible] اللہ کی قسم [illegible] نہیں [illegible] بات سے [illegible] مرنے کے بعد دوبارہ [illegible] ہے [illegible] پوچھ [illegible] مرنے کے بعد [illegible] تو [illegible] میں نے پوچھا [illegible] ابو سفیان! ہم سب کا حشر ہوگا پھر حساب ہوگا اور فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ابو سفیان کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کس فریق میں ہو گے؟ [illegible] اسے اپنے متعلق بھی معلوم نہیں [illegible] بات کرتے ہیں۔ [illegible] اور میں اس کی بات [illegible] پہنچے [illegible] وہاں [illegible] تحائف بھی دیئے اور ان کے [illegible] کے بعد [illegible] کہنے لگا [illegible] کے بعد [illegible] پریشان [illegible] مجھ سے [illegible] ہے میں نے

[illegible] ابو سفیان [illegible] میں نے کہا کیا بات ہے تو اس نے کہا [illegible]

میں نے کہا ہاں [illegible] اس نے پوچھا [illegible] میں نے کہا [illegible]

میں نے کہا [illegible] اس نے پوچھا [illegible]

میں نے پوچھا [illegible] عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد شام میں [illegible] زلزلے [illegible] نقصان [illegible] ابو سفیان [illegible] امیہ [illegible] ایک شخص [illegible] شام [illegible] بھاری نقصان ہوا۔

[illegible] ابو سفیان [illegible] عیسائی عالم کی بات [illegible]

چلا آیا۔ وہاں پانچ ماہ مقیم رہا، پھر مکہ کو روانہ ہوا، جب میں اپنے اہل خانہ میں ہی تھا کہ لوگ مجھے سلام کرنے اور اپنے سامان کی بابت پوچھنے آئے اسی اثناء میں محمد بن عبداللہ تشریف لائے، میری بیوی ہند اپنے بچوں کو کھلا رہی تھی، انہوں نے سلام کہا، خوش آمدید کہا اور میرے سفر کے حالات دریافت کئے اور اپنے سامان کی بات بھی نہ کی اور تشریف لے گئے، میں نے ہند سے کہا واللہ! مجھے تو یہ بڑا عجیب لگتا ہے ہر قریشی نے اپنے سامان کی بابت پوچھا مگر اس نے سامان کی کوئی بات نہیں کی تو ہند نے کہا کیا تو اس کی شان سے واقف نہیں، میں نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا اس کی کیا شان ہے؟

اس نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر ہند نے مجھے جھنجھوڑا اور مجھے عداس نصرانی کی بات یاد آ گئی تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ ہند نے کہا کیا ہوا؟ میں نے ذرا سنبھالا تو میں نے کہا یہ غلط اور بعید ہے وہ ایسی بات سے بالاتر ہے۔ ہند نے یوں کہا واللہ وہ اسی کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نبوت کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے کچھ ساتھی بھی ہیں۔ میں نے کہا یہ بالکل باطل اور محال ہے۔ میں گھر سے آیا اور طواف کرنے لگا۔ میری ان (محمد ﷺ) سے ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا آپ کا سرمایہ اتنا اتنا ہو گیا ہے آپ کا مال بہت تھا آپ کسی کو بھیج کر اپنا سرمایہ منگوا لیجئے۔ میں آپ سے کمیشن نہ لوں گا تو آپ ﷺ نے کہا میں یہ ٹھیک نہیں، اگر ایسا ہوا تو میں سامان نہ لوں گا۔ میں نے کہا آپ کسی کو بھیجئے اور سرمایہ لے جائے اور میں آپ سے حسب دستور کمیشن کاٹ لوں گا۔ چنانچہ آپ نے کسی کو بھیجا اور سرمایہ منگوا لیا اور میں نے ان سے کمیشن لے لیا۔

ابوسفیان کہتے ہیں پھر میں بغرض تجارت یمن چلا گیا اور وہاں سے واپس آ کر طائف میں امیہ کا مہمان ہوا تو امیہ نے کہا جناب ابوسفیان! کیا آپ کو راہب پادری کی بات یاد ہے؟ میں نے کہا بالکل اور وہ معرض وجود میں آ چکی ہے۔ امیہ نے پوچھا وہ کون؟ میں نے کہا محمد ﷺ بن عبداللہ تو اس نے مزید وضاحت کے لئے پوچھا ابن عبدالمطلب؟ میں نے کہا جی ہاں ابن عبدالمطلب، پھر میں نے اس کو ہند کی بات بتلائی تو یہ سن کر پسینہ میں شرابور ہو گیا اور کہا: اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے پھر اس نے کہا واللہ! ممکن ہے وہی ہو اس کی صفات و علامات وہی ہیں، اگر اس نے میری زندگی میں اعلان نبوت کر دیا تو میں اس کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ سے معذرت طلب کر لوں گا۔

ابوسفیان کہتے ہیں میں پھر یمن چلا گیا اور وہیں مجھے آپ کے اعلان نبوت کی اطلاع ملی۔ پھر میں طائف میں امیہ کے پاس آیا تو میں نے کہا جناب ابوعثمان! محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ کس سوچ میں ہیں تو اس نے کہا یقیناً وہ برحق ہے، میں نے کہا تو آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اس نے کہا میں کسی رسول پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا جو ثقفی نہ ہو۔ ابوسفیان کہتے ہیں میں یہاں سے مکہ کو چلا آیا۔ ابھی میں کچھ ہی فاصلے پر تھا کہ میں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں کو مارا جا رہا ہے اور حقارت آمیز سلوک کیا جا رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ اس کا فرشتوں کا لشکر کہاں ہے؟ پھر مجھ پر بغض میں ذاتی تعاون ظاہر کرنے لگا۔ بیہقی نے بھی یہ روایت "دلائل" میں اسماعیل بن طریح کی سند سے بیان کی ہے لیکن حافظ طبرانی کی روایت جو ہم نے بیان کی ہے مکمل اور طویل ہے واللہ اعلم۔

ابوسفیان کی حالت۔۔۔ حافظ طبرانی ابوسفیان ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن ابی صلت غزہ میں تھا یا ایلیاء میں۔ واپسی پر راستے میں اس نے مجھ سے کہا جناب ابوسفیان! قافلے سے آگے علیحدہ ہو کر میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، میں نے اثبات میں جواب دیا تو جب ہم علیحدہ ہو گئے تو اس نے مجھ سے عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں پوچھا، میں نے کہا وہ نجیب الطرفین اور نیک والدین کا فرزند ہے، حرام اور ظلم و ستم سے کنارہ کش رہتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا وہ بزرگ اور سن رسیدہ ہے؟ میں نے کہا بالکل ایسا ہی ہے تو امیہ نے کہا یہ بات اور بڑھاپا اس کے لئے نقصان دہ ہے۔ میں نے کہا آپ غلط کہتے ہیں، سن رسیدگی تو باعث شرافت ہے۔ تو امیہ نے کہا: جناب ابوسفیان! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے ایسا کرخت جواب مجھے کسی نے نہیں دیا، آپ جلدی سے کام نہ لیجئے میں آپ کو صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ میں نے کہا بتائیے تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی کتابوں میں یہ تحریر پائی ہے کہ ہمارے اسی علاقہ سے ایک نبی مبعوث ہوگا۔ میرا گمان تھا بلکہ یقین تھا کہ میں وہ نبی ہوں گا۔ جب میں نے اہل علم سے تذکرہ کیا تو معلوم ہوا وہ عبد مناف میں سے ہوگا۔ میں نے خاندان عبد مناف کو غور سے دیکھا تو عتبہ کے علاوہ کوئی بھی اس منصب کے لائق نظر نہ آتا۔ جب مجھے اس کی عمر کا پتہ معلوم ہوا تو میں نے کہا وہ نہیں ہے وہ چالیس سال سے تجاوز کر گیا ہے اور اس کی طرف وحی نہیں ہوئی۔

ابوسفیان کہتے ہیں وقت گزرتا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی ہوئی میں قریش کا قافلہ لے کر تجارت کے لئے یمن جا رہا تھا تو راستے میں میں نے

طائف میں امیہ سے بطور مزاح کہا، جناب امیہ! جس نبی کی آپ صفات بتا رہے تھے وہ مکہ میں ظاہر ہو چکا، تو امیہ نے کہا بالکل وہ سچا ہے تو اس کی اتباع کر، میں نے کہا آپ اس کی اتباع و پیروی کیوں نہیں کرتے؟ تو اس نے کہا مجھے صرف خواتین ثقیف کا خطرہ مانع ہے، چونکہ میں کہا کرتا تھا کہ میں ہی نبی منتظر ہوں، اب وہ مجھے عبد مناف کے ایک فرد کے تابع دیکھ کر ہنسی اڑائیں گی۔ پھر امیہ نے کہا جناب ابوسفیان! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی مخالفت کرو گے، اور تم بزغالہ کی طرح ان کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

خواب...... حافظ عبدالرزاق کلبی سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ محو خواب تھا اس کی دو بیٹیاں بھی اس کے پاس سو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک گھبرا کر چلائی، باپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شاہین آئے ہیں انہوں نے گھر کی چھت اتاری پھر ایک نے آپ کا پیٹ چاک کیا اور دوسرے نے گھر کی چھت پر سے سوال کیا "کیا اس نے یاد رکھا" تو پیچھے والے نے اثبات میں جواب دیا پھر اس نے پوچھا طاہر و پاکیزہ بھی ہے تو اس نے کہا نہیں، یہ سن کر امیہ نے کہا تمہارے والد کو نبوت کا عزم دیا تھا مگر ایسا نہ ہوا۔

فارعہ کا چشم دید واقعہ...... اسحاق بن بشر، سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں کہ امیہ کی ہمشیرہ فارعہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ حسن و جمال اور عقل و کمال کا پیکر تھی اور رسول اللہ ﷺ بھی اس کی صلاحیت کے معترف تھے۔ ایک روز آپ نے اس کو کہا فارعہ! کیا تجھے اپنے بھائی کے اشعار یاد ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دے کر کہا ان اشعار سے بھی میں نے ایک تعجب خیز منظر دیکھا ہے، میرے بھائی امیہ سفر سے واپس آئے اور پہلے میرے پاس ہی آئے اور میری چارپائی پر سو گئے، میں اپنے ہاتھ سے چہرہ درست کر رہی تھی۔ دو سفید فام پرندے یا سفید پرندوں جیسے آئے ایک روشندان میں بیٹھ گیا اور دوسرے نے سینے سے ناف تک اس کا پیٹ چاک کیا پھر پیٹ میں ہاتھ ڈال کر دل نکال لیا اور ہاتھ پر رکھ کر اس کو سونگھا تو دوسرے پرندے نے کہا، کیا اس نے یاد رکھا؟ تو اس نے اثبات میں جواب دیا، پھر اس نے پوچھا کیا پاک بھی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا ہے۔ پھر اس نے دل وہیں رکھ دیا اور زخم آنکھ جھپکنے کے عرصہ سے قبل ہی مندمل اور درست ہو گیا پھر وہ دونوں پرندے اڑ گئے میں نے اس کو قریب ہو کر ہلایا اور پوچھا کیا کوئی تکلیف تو نہیں؟ اس نے کہا کوئی تکلیف نہیں، صرف جسم میں کمزوری سی محسوس ہو رہی ہے اور میں یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی تھی، اس نے میری یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا تم خوف زدہ کیوں ہو، میں نے اس کو سارا واقعہ سنایا تو اس نے کہا، خیر و شر میرا مقدر تھی مگر نصیب نہ ہوئی پھر اس نے کہا:

باتت همومي تسري طوارقها
اكف عيني والدمع سابقها
مما اتاني من اليقين ولم
اوت برءة يقص ناطقها
ام من تلظي عليه واقدة النا
ر محيط بهم سرادقها
ام اسكن الجنة التي وعد
الابرار مصفوفة نمارقها
لا يستوي المنزلان ثم
ولا اعمال لا تستوي طرائقها

"میں وہم و افکار میں مبتلا ہوں جو رات کو مجھے ستاتے ہیں، میں آنکھوں کو رونے سے روکتا ہوں، لیکن آنسو اس سے پہلے ٹپک پڑتے ہیں۔ اس یقین کی وجہ سے جو مجھے آیا لیکن مجھے نجات میسر نہ ہوئی، جسے کوئی بولنے والا بیان کرے۔ کیا میں ان لوگوں میں ہوں گا جن پر آگ شعلہ بار ہے، آتشیں قناتیں ان کو محیط ہیں۔ یا مجھے اس جنت میں سکونت ملے گی جس کا نیک لوگوں کو وعدہ

جب اس میں اس کے اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ آخرت میں اہل جنت کی راحتیں ہیں اور اہل دوزخ کی تکلیفیں ہیں ان کے حریت بھی مذکور ہیں۔

فصنفان منهم فرقة تدخل
الجنة حفت بهم حدائقها
وفرقة منهم قد ادخلت
النار فساءتهم مرافقها
تعاهدت هذه القلوب اذا
همت بخير عاقت عوائقها
وصدها للشقاء عن طلب
الجنة دنيا الله ماحقها
عبد دعا نفسه فعاتبها
يعلم ان البصير رامقها

"وہ دو فریق ہیں ایک فریق جنت میں داخل ہوگا جو متعدد باغیچوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک فریق دوزخ میں داخل ہوگا اس کی تکلیفیں بری ہیں۔ ان دلوں کا عجیب دستور ہے کہ جب وہ کسی نیکی کا ارادہ کرتے ہیں تو موانع حائل ہو جاتے ہیں۔ جنت کی طلب سے دنیا نے اس کو بدقسمتی کے باعث روک دیا ہے اللہ اسے برباد کرنے والا ہے۔ انسان نے اپنے دل کو پکارا اور اسے عتاب کیا اور جانتا ہے کہ خدا دیکھنے والا ہے۔"

ما رغبة النفس في الحياة وان
تحيا قليلا فالموت لاحقها
يوشك من فر من منيته
يوما على غرة يوافقها
ان لم تمت عبطة تمت هرما
للموت كاس والمرء ذائقها

"انسان کی چند دن کی زندگی کی آسائش سے کیا ہوتا ہے اگر وہ تھوڑا عرصہ زندہ بھی رہا تو بہرحال موت آنے والی ہے۔ جو شخص موت سے فرار ہونا چاہتا ہے قریب ہے کہ وہ کسی دن غفلت میں دبوچ لیا جائے۔ اگر وہ جوانی کی خوشحالی میں فوت نہ ہوگا تو بڑھاپے میں فوت ہو جائے گا موت کا پیالہ لبریز ہے انسان اس کا مزہ چکھنے والا ہے۔"

بعد ازاں وہ اپنے گھر چلے گئے معمول کے مطابق تکلیف لاحق ہوئی۔ جب افاقہ ہوا تو وہ بستر مرگ پر تھے ان پر غشی طاری ہو گئی تھی جب قریب ہوئی تو اپنی آنکھوں کو کھول کر آسمان کی طرف دیکھ کر با آواز بلند کہا۔

میں حاضر ہوں تمہارے سامنے ہوں دیکھو اب میں تمہارے پاس ہوں کوئی سرمایہ نہیں جو میرا فدیہ ہو علاوہ کوئی اپنی حمایت نہیں ہے جو میری حمایت کرے۔ پھر اس پر غشی طاری ہو گئی جب اس نے لمبی سانس لی تو سب نے یہی خیال کیا کہ وفات ہو گئے ہیں۔ پھر اس نے اوپر کو دیکھتے ہوئے بلند آواز سے کہا لبیکما لبیکما ھا انا ذا لدیکما میں عیب سے پاک نہیں کہ معذرت خواہ ہوں اور قبیلہ والا نہیں ہوں کہ مدد طلب کروں۔ پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور اس نے افاقہ پا کر آنکھیں کھول کر اوپر کی جانب دیکھ کر کہا لبیکما لبیکما ھا انا ذا لدیکما نعمتوں سے سرشار ہوں گناہوں میں گرفتار ہوں پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوئی لمبا سانس لیا اور اس نے کہا لبیکما لبیکما ھا انا ذا لدیکما۔ ان تغفر اللھم تغفر جما وای

عبد لک لا الما۔ یا الٰہی اگر تو معاف فرمائے تو سب گناہ معاف فرما، کون سا بندہ گنہگار نہیں ہے پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوئی اور آخری سانس ہوئی تو اس نے کہا:

کل عیش وان تطاول دھرا
اصائر مرة الی أن یزولا
لیتنی کنت قبل ما قد بدا لی
فی قلال الجبال أرعی الوعولا

"ہر زندہ اگرچہ وہ طویل عرصہ تک زندہ رہے، وہ زوال پذیر ہے۔ ان حالات کے ظاہر ہونے سے قبل کاش کہ میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریوں کا چرواہا ہوتا"۔

۵ھ موافق ۶۲۶ء کو روح پرواز ہوگئی یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فارعہ! تیرے بھائی کی مثال اس شخص کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات سے نوازا اور وہ ان سے بغیر عبرت حاصل کئے گزر گیا 'غرائب الحدیث' میں امام خطابی نے اس کے مشکل الفاظ کی تشریح فرمائی ہے۔

امیہ کا ارادہ اسلام...... حافظ ابن عساکر نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

الا رسول لنا منا یخبرنا   مابعد غایتنا من رأس مجرانا

"کیا کوئی رسول نہیں ہے جو ہمیں آگاہ کرے کہ ہماری زندگی کے آغاز سے انجام تک کیا ہوگا"۔

پھر امیہ طائف سے بحرین منتقل ہوگیا اور اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور یہ بحرین سے آٹھ سال کے قیام کے بعد طائف آیا تو اہل طائف سے پوچھا محمد بن عبداللہ کیا کہتا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے جس کا تو منتظر تھا چنانچہ اس نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آمد کا مقصد بیان کیا جناب ابن عبدالمطلب! آپ یہ کیا دعویٰ کر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں تو اس نے کہا میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں آپ کل کا وقت دیجئے آپ نے فرمایا ٹھیک کل وقت مقرر ہے پھر اس نے کہا میں تنہا آؤں یا احباب کے ہمراہ؟ اسی طرح آپ بھی تنہا ہوں یا اصحاب کے ہمراہ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے چاہو چنانچہ دوسرے روز امیہ قریش کے دیگر گروہ میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی چند صحابہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، کعبہ کے سایہ میں بیٹھ کر امیہ نے اپنا خطاب شروع کیا پھر سجع اور ہم وزن کلمات کہے بعد ازیں اشعار سنا کر اس نے کہا جناب ابن عبدالمطلب ان کا جواب ارشاد فرمایئے تو رسول اللہ ﷺ نے تعوذ و تسمیہ کے بعد پوری سورہ یاسین پڑھ کر سنائی تو امیہ پاؤں گھسیٹتا ہوا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ قریش بھی اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے جناب امیہ! کیا خیال ہے؟ اس نے کہا میں شاہد ہوں کہ وہ حق پر ہیں، قریش نے پوچھا کیا اس کی پیروی بھی کرو گے تو اس نے کہا میں ذرا غور کر لوں۔ پھر وہ شام چلا گیا اور نبی علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

عتبہ، شیبہ، امیہ کے ماموں زاد تھے...... جنگ بدر کے بعد شام سے میدان بدر میں آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو کسی نے پوچھا کیا خیال ہے تو اس نے کہا محمد سے ملاقات کا عزم ہے تو اس نے پوچھا کیا کرو گے؟ تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤں گا اور خود کو ان کے سپرد کر دوں گا تو کسی نے کہا معلوم ہے قلیب بدر میں کون کون لوگ مدفون ہیں؟ اس نے جواب دیا معلوم نہیں تو اس شخص نے کہا، اس میں عتبہ شیبہ پسران ربیعہ مدفون ہیں اور وہ آپ کے ماموں زاد بھائی تھے، اس کی والدہ ہے ربیعہ بنت عبد شمس۔ چنانچہ اس نے یہ دہشت اثر خبر سن کر اپنی سواری کی دم اور کان کاٹ ڈالے اور قلیب پر کھڑے ہو کر زوردار مرثیہ کہا، جنگ بدر کے بیان میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ پھر مکہ چلا آیا اور طائف میں قیام پذیر ہوگیا اور اسلام کو نظر انداز کر دیا۔ اس روایت میں دو مفید کلام پرندوں اور اس کی موت کی تفصیل بیان ہے اور بستر مرگ پر اشعار کا ذکر بھی موجود ہے۔

ماذا [illegible]
[illegible]
كل عيش وإن تطاول دهرا
صائر مرة إلى أن يزولا
ليتني كنت قبل ما قد بدا لي
في قلال الجبال أرعى الوعولا
اجعل الموت نصب عينيك واحذر
غولة الدهر إن للدهر غولا
نائلا ظفرها القساور والصد
عان والطفل في المنار الشكيلا
وبغاث النياف واليعفر النا
فر والعوهج البرام الضئيلا

"موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور زمانے کی ہلاکت سے ڈرو، بے شک زمانہ ہلاکت خیز ہے۔ یہ موت کے ناخن شیر اور زمانے کا ... بچوں کو بھی ہلاک کر دیتے ہیں۔ کوہ ساق کے شاہین اور ... پرندوں اور شتر مرغ کے بچوں کو بھی معاف نہیں کرتے، الغرض [illegible] پہاڑوں کی چوٹیوں میں [illegible]"۔

اللّٰھم باسمک کی برکت اور عجیب واقعہ "العرب فی والاعلام" میں امام کلبی نے بیان کیا ہے کہ [illegible] ابتدا میں "باسمک اللّٰھم" ہے۔

اس مقام پر امام کلبی نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ چند قریشی کسی [illegible] سفر میں جا رہے تھے ان میں ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ بھی تھے۔ راستے میں ایک سانپ کو مار ڈالا۔ سرِ شام ایک بڑھیا آئی، اس نے ان لوگوں کو ڈانٹا، ان کے پاس ایک چھڑی تھی اس نے زمین پر دے ماری تو سب اونٹ بدک کر ادھر ادھر بھاگ گئے [illegible] بڑی مشکل سے تلاش کیا [illegible] پوچھا کہ اس مصیبت سے کوئی نجات کی راہ ہے؟ [illegible] اس مصیبت کا علاج معلوم ہو [illegible] ایک شعلہ نظر آیا [illegible] خیمے کے دروازے پر ایک بوڑھا [illegible] قریشیوں نے اس سے ماجرا بیان کیا [illegible] "باسمک اللّٰھم" پڑھو وہ بھاگ جائے گی [illegible] "باسمک اللّٰھم" پڑھا اور وہ بھاگ گئی۔

حرب کی موت ... بعض جنات نے سانپ کے بدلے میں حرب بن امیہ کو مار ڈالا اور ان کے [illegible] کسی جن نے کہا:

وقبر حرب بمكان قفر وليس قرب قبر حرب قبر
"حرب کی قبر ویران مقام میں ہے اس کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں۔"

جانوروں کی زبان ...... بیان ہے کہ وہ بعض اوقات جانوروں کی زبان سمجھ لیتا تھا۔ چنانچہ سفر میں جا رہے تھے کہ پرندوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا تو اس نے اپنے رفقا سے [illegible] کہا [illegible] ایک [illegible]

کے پاس سے گزرے ایک بکری ریوڑ سے پیچھے رہ گئی اور اس کے ہمراہ ایک بزغالہ اور چھوٹا میمنا تھا، بکری نے اس کی طرف متوجہ ہو کر "میں میں" کی اور بزغالہ کو تیز رفتاری پر آمادہ کیا تو امیہ نے کہا معلوم ہے یہ کیا کہتی ہے؟ رفقاء نے کہا "کچھ معلوم نہیں۔ تو امیہ نے بتایا کہ وہ بچے کو کہہ رہی ہے کہ جلدی جلدی چلو مبادا گذشتہ سال کے بچے کی طرح تجھے بھی بھیڑیا کھا جائے یہ سن کر رفقاء نے چرواہے سے پوچھا کیا گذشتہ سال یہاں بھیڑیے نے تمہارا بزغالہ شکار کیا تھا؟ تو چرواہے نے اثبات میں جواب دیا۔

شتر...... امیہ اس روز شتر کے پاس سے جا رہے تھے، اس پر ایک خاتون سوار تھی، اونٹ اس کی طرف منہ کر کے بلبلاتا تھا تو امیہ نے کہا یہ شتر کہہ رہا ہے کہ تو مجھ پر سوار ہے، پالان میں سوئی ہے (جو مجھے چبھ رہی ہے) چنانچہ انہوں نے اس عورت کو اتار کر، پالان کھولا تو اس میں سوئی موجود تھی۔

کوا...... ابن سکیت نے بیان کیا ہے کہ امیہ ایک روز پانی پی رہا تھا کہ کوے نے دوبارہ کائیں کائیں کر کے کہا "بفیک التراب" یعنی تو ابھی مر جائے گا" کسی نے پوچھا کیا کہہ رہا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ تو اپنے ہاتھ والا پیالہ پینے کے بعد مر جائے گا۔ کوا پھر بولا تو امیہ نے کہا وہ بتا رہا ہے کہ میں اس روڑی پر سے ہڈی کھاؤں گا وہ میرے حلق میں پھنس جائے گی اور میں مر جاؤں گا، کوے نے اس "روڑی" سے ہڈی کھائی اور اس کے حلق میں اٹک گئی تو وہ مر گیا۔ تو امیہ نے کہا اس نے اپنے متعلق تو صحیح کہا ہے، لیکن اب میں تجربہ کرتا ہوں کہ اس نے میرے متعلق بھی صحیح کہا ہے پھر اس نے ہاتھ والا پیالہ پی لیا تو زمین پر ٹیک لگاتے ہی مر گیا۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہایت سچا کلام جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید شاعر کا کلام ہے۔ الا کل شیء ما خلا اللہ باطل سنو اللہ کے علاوہ ہر چیز نیست و نابود ہے، نیز فرمایا قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہو جاتا۔

اچھے اشعار سننا...... امام احمد (روح، زکریا، ابراہیم بن میسرہ، عمرو بن شرید) شرید ثقفی سے بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا تو آپ نے فرمایا، کیا امیہ کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا سناؤ، میں سناتا رہا اور آپ مسلسل کہتے رہے "ایہ" اور یہاں تک کہ میں نے سو اشعار سنائے پھر رسول اللہ ﷺ بھی خاموش ہو گئے اور میں بھی۔ (امام مسلم نے بھی اس کو ابن میسرہ سے نقل کیا ہے اور متعدد اسناد میں، عن عمرو بن شرید بن سوید ثقفی عن ابیہ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کان یسلم)

یحییٰ بن محمد بن صاعد...... (ابراہیم بن سعید جوہری، ابو اسامہ، حاتم بن ابی صغیرہ، سماک بن حرب، عمرو بن نافع) شرید ہمدانی ثقفی واخوالہ سے بیان کرتے ہیں ہم حجۃ الوداع میں رسول اللہ کے ہمراہ تھے کہ ایک روز میں (شرید) پیدل چل رہا تھا کہ پیچھے سے ایک سواری آئی اس پر رسول اللہ ﷺ سوار تھے آپ نے فرمایا "شرید ہے" میں نے کہا جی ہاں! پوچھا سوار ہو گے؟ عرض کیا کیوں نہیں مجھے تھکاوٹ نہ تھی محض حصول برکت کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہوا، آپ نے مجھے سواری بٹھا کر سوار کر لیا۔ پوچھا کیا امیہ کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے جی ہاں کہا تو آپ نے فرمایا "ہات" پڑھو چنانچہ میں آپ کو سناتا رہا میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو قریباً سو اشعار سنائے ہوں گے تو آپ نے فرمایا امیہ کی عاقبت کا علم اللہ جانے۔

ابن صاعد کہتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور امیہ کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جاتا ہے۔

"آمن شعرہ و کفر قلبہ" اس کے اشعار میں ایمان کی جھلک ہے اور دل کافر ہے مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں، واللہ اعلم۔

امام احمد نے بہ سند صحیح از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے اشعار کی تصدیق فرمائی:

رجل وثور تحت رجل يمينه
والنسر للأخرى وليث مرصد
والشمس تبدو كل آخر ليلة
حمراء يصبح لونها يتورد

تأبى فما تطلع لنا في رسلها
إلا معذبة وإلا تجلد

"آدمی اور بیل اس کے عرش کے دائیں پائے کے نیچے ہیں، گدھ دوسرے پائے کے لئے ہے اور شیر بھی اسی کام کے لئے مستعد ہے۔ ہر شب کے آخر میں سورج طلوع ہوتا ہے اور مطلع گلابی ہوتا ہے جو بھی روشن ہوتا جاتا ہے پھر وہ حسب دستور بے نقاب اور بے حجاب طلوع ہوتا ہے۔"

سورج کا طلوع ہونا ...... ابوبکر ہذلی نے عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ستر ہزار فرشتے روزانہ سورج کو طلوع ہونے پر کہتے ہیں افق پر نمودار ہو جا "اطلعی" تو وہ کہتا ہے میں کسی قوم پر طلوع ہوں جو مجھے پوجتی ہے اللہ کو چھوڑ کر یہ بڑی مشکل کام ہے پھر جب وہ طلوع ہوتا ہے تو شیطان اس کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھتا ہے تو وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اس کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے پھر جب غروب ہونے لگتا ہے تو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا عزم کرتا ہے تو پھر شیطان اس کو سجدے سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے تو وہ اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور شیطان کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ ابن عساکر نے یہ طویل بیان کیا ہے" حاملین عرش کے بارے میں امیہ کے یہ اشعار بھی ہیں روایت ابن عساکر:

فمن حامل إحدى قوائم عرشه
ولولا إله الخلق كلوا وأبلدوا
قيام على الأقدام عانين تحته
فرائصهم من شدة الخوف ترعد

"بعض فرشتے اس کے ایک پایہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اگر کائنات کا معبود نہ ہوتا تو وہ تھک جاتے اور حیرت میں پڑ جاتے۔ اس کے نیچے قدم کے بل جھکے کھڑے ہیں ان کے کندھے شدت خوف سے کپکپا رہے ہیں۔"

آپ امیہ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

مجدوا الله فهو للمجد أهل
ربنا في السماء أمسى كبيرا
بالبناء الأعلى الذي سبق
الناس وسوى فوق السماء سريرا
شرجعا لا يناله بصر العين
ترى حوله الملائك صورا

"اللہ کی تعریف وتوصیف بیان کرو وہی شرف وبزرگی کا اہل ہے ہمارا رب آسمان میں ہے عظیم وکبیر ہے اور حیرت میں ڈالنے والی بلند وبالا عظیم عمارت کی وجہ سے اور انسانوں سے سبقت لے گیا اور آسمانوں کے اوپر عالی شان عرش کو استوار کیا ہے۔ اس قدر بلند ہے کہ نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ فرشتوں کو اس کے ارد گرد گردن جھکائے ہوئے دیکھو گے۔"

امیہ ...... امیہ نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف وتوصیف میں بھی چند اشعار کہے ہیں:

أأذكر حاجتي أم قد كفاني
حياؤك إن شيمتك الحياء
وعلمك بالحقوق وأنت فرع

لك الحسب المهذب والسناء
كريم لا يغيره صباح
عن الخلق الجميل ولا مساء
يباري الريح مكرمة وجودا
إذا ما الكلب أحجره الشتاء
وأرضك كل مكرمة بنتها
بنو تيم وأنت لها سماء

”کیا میں اپنی ضرورت بیان کروں یا مجھے تیری شرم و حیا کے باعث کافی ہے کیونکہ تیری طبیعت ہی حیا ہے۔ نیز مجھے حقوق [illegible] کافی ہے۔ آپ خاندان کے [illegible] ہیں، آپ [illegible] کے۔ حسب، شرف اور عظمت [illegible] ہے۔ ایسا فیاض ہے کہ صبح و شام کی گردش اس کے حسن اخلاق میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ وہ سخاوت میں ہوا کا مقابلہ کرتا ہے جب کتے [illegible] سے [illegible] ہوتے ہیں۔ تیری سرزمین کی بنیاد [illegible] ہے جس کے بانی قبیلہ بنو تیم ہیں اور تو اس کی چھت ہے۔“

إذا أثنى عليك المرء يوما
كفاه من تعرضه الثناء
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

”جب تیرا شاعر ایک بار تعریف کر دے تو اس کو زیادہ تعریف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ سوال کے وقت لوگوں سے [illegible] نہیں کرتے۔ [illegible] اپنے چہروں کو [illegible] رکھتے ہیں، [illegible] کے وقت ان کے چہروں پر [illegible] جب [illegible] تیروں سے [illegible] کرتے ہیں۔ جب تو ان کو کسی مصیبت کے لیے پکارے تو وہ ایسا [illegible] ہیں گویا سورج کی شعاعیں [illegible] جاتی ہیں۔“

بحیرا راہب کی پیش گوئی ...... بارہ سال کی عمر میں جب حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ایک تجارتی قافلہ میں شام تشریف لے گئے تو بحیرا راہب نے آپ کے چہرہ اقدس سے نبوت کے آثار پہچان لیے۔ اس نے دیکھا [illegible] قافلے میں سے صرف آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس نے سارے قافلے کی ضیافت کی۔

امام ترمذی نے اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے جس پر ہم آئندہ مفصل بحث کریں گے۔ حافظ ابن [illegible] کے بارے میں بہت سی معلومات نقل کی ہیں مگر ترمذی کی روایت کو [illegible] تعجب خیز ہے۔

لیکن مسافر کہتے ہیں کہ وہ حوران میں ... شہر جو بصریٰ سے چھ میل کی مسافت پر ہے اس کو "ابوبحرا" بھی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقاء کے علاقہ میں "مصنعہ" نامی بستی میں آباد تھے جو "زیزا" کے قریب میں واقع تھی۔ واللہ اعلم۔

قس بن ساعدہ ایادی...... "ہواتف جان" میں حافظ ابوبکر خرائطی نے (داؤد قنطری، عبداللہ بن صالح، ابو عبداللہ مشرقی، ابو الحارث وراق، ثور بن یزید، مورق عجلی) عبادہ بن صامت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایاد کا وفد آیا تو آپ نے پوچھا کہ قس ایادی کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! فوت ہو گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا عکاظ کے میلے کے دوران میں نے اسے سرخ اونٹ پر سوار دیکھا تھا وہ عجیب کلام اور شگفتہ بات کر رہا تھا، مجھے وہ اچھی طرح یاد نہیں۔ مجلس کے ایک کونے سے ایک دیہاتی نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے۔ اس نے کہا وہ عکاظ کے میلے میں سرخ اونٹ پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا اے لوگو! قریب آ جاؤ اور سنو کہ جو فوت ہو گیا وہ ختم ہو گیا اور جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آ کر رہے گی رات تاریک ہے، آسمان برجوں والا ہے، سمندر تلاطم خیز ہے، ستارے روشن ہیں، پہاڑ پیوستہ ہیں، نہریں رواں دواں ہیں، آسمان میں خبر کا سرچشمہ ہے، زمین میں عبرت کا سامان ہے۔ تعجب ہے کہ میں دیکھتا ہوں لوگ جاتے ہیں واپس نہیں آتے کیا ان کو وہیں قیام پسند آ گیا ہے اور وہیں مقیم ہو گئے ہیں یا ان کو ان کے حال پر ترک کر دیا ہے اور وہ وہیں سو گئے ہیں۔ قس حلفیہ کہتا ہے کہ اللہ کا ایک پسندیدہ دین ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

في الذاهبين الأولين
من القرون لنا بصائر
لما رأيت مواردا
للموت ليس لها مصادر
ورأيت قومي نحوها
يمضي الأصاغر والأكابر
لا يرجع الماضي إليك
ولا من الباقين غابر
أيقنت أني لا محالة
حيث صار القوم صائر

"گزشتہ زمانے اور تاریخ عالم میں ہمارے لئے عبرت آموز مثال ہے۔ میں نے موت کے گھاٹ پر لوگوں کو جاتے دیکھا، واپس نہیں آتے دیکھا۔ میں نے اپنی قوم کے بچے بوڑھے سب کو اسی کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ جانے والا تیرے پاس آئے گا اور نہ باقی ماندہ زندہ رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جہاں میری قوم چلی گئی ہے میں بھی وہاں چلا جاؤں گا۔ (یہ سند غریب ہے)۔"

(معجم کبیر حافظ طبرانی نے (محمد بن سری بن مہران ناقد بغدادی، محمد بن حسان، محمد بن حجاج، مجالد، شعبی) کے ذریعے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا تم میں سے کوئی قس ایادی کو جانتا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم سب جانتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا وہ تو فوت ہو گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ذی قعدہ میں عکاظ کے میلے میں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا۔

يا أيها الناس اجتمعوا واسمعوا وعوا، من عاش مات، ومن مات فات، وكل ما هو آت آت، إن في السماء لخبرا، وإن في الأرض لعبرا، مهاد موضوع، وسقف مرفوع، ونجوم تمور، وبحار

لا تغترو واقسم قس قسما حقا لئن كان في الامر رضى ليكونن بعده سخط ان لله لدينا هو
احب اليه من دينكم الذي انتم عليه مالي ارى الناس يذهبون ولا يرجعون ارضوا بالمقام
فاقاموا ام تركوا فناموا

بعد ازیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کے اشعار یاد ہیں تو کسی نے اس کے شعر پڑھے (جن کا ترجمہ گذشتہ روایت میں بیان ہو چکا ہے) اور دلائل النبوۃ میں حافظ بیہقی نے بھی یہ واقعہ بسند محمد بن حسان نبطی کی بیان کیا ہے

اخبار قس میں اسی طرح استاذ ابن درستویہ نحوی نے بھی یہ واقعہ مع طویل شعر ... محمد بن حجاج ابو ابراہیم واسطی نزیل بغداد معروف صاحب الخریب سے روایت کیا ہے یحییٰ بن معین، ابو حاتم الرازی، دارقطنی نے ابو ابراہیم کو جھوٹا کہا ہے اور ابن عدی وغیرہ نے اس کو موضوع حدیث بنانے والا کہا ہے حافظ بزار اور ابو نعیم نے یہ روایت محمد بن حجاج مذکور بالا سے بیان کی ہے اور ابن درستویہ اور ابو نعیم نے (کلبی، ابو صالح) ابن عباس سے بھی نقل کی ہے یہ سند گذشتہ اسناد سے بہتر ہے اس میں مذکور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قس کی نظم و نثر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی۔ حافظ ابو نعیم (ابو بن موسیٰ بن اسحاق کی علی بن حسین بن محمد خزاعی، ابو حاتم سجستانی، وہب بن جریر، محمد بن اسحاق، زہری، سعید بن مسیب کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بکر بن وائل کا وفد آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے حلیف قس بن ساعدہ ایادی کا کیا حال ہے؟ (پھر طویل قصہ بیان کیا)۔

جارود کا اسلام لانا: ۔ احمد بن ابی طالب جرجانی، حسن بصری، سے بیان کرتے ہیں کہ جارود بن معلیٰ نصرانی کتب سماوی کا عالم اور شعار قوم کا رئیس تھا، حکیم خطیب اور فاضل تھا، جوان اور عقلمند تھا ادب دان، نہایت حسین و جمیل اور وجیہ تھا وہ وفد عبد القیس میں جو نہایت ونشاء، فصیح و بلیغ، ذہین، عقلمند اور خطیب شعراء پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور روبرو کھڑے ہو کر کہا:

يا نبي الهدى اتتك رجال
قطعت فدفدا وآلا فآلا
وطوت نحوك الصحاصح تهوى
لا تعد الكلال فيك كلالا
كل بهماء قصر الطرف عنها
ارقلتها قلاصنا ارقالا
وطوتها العتاق يجمح فيها
بكماة كانجم تتلالا
تبتغي دفع باس يوم عظيم
هائل اوجع القلوب وهالا

”اے ہادی برحق نبی! آپ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے ہیں جنہوں نے صحرا اور سراب در سراب طے کئے ہیں۔ آپ کی طرف آنے کے سبب سے جنگل بیابانوں کو تیزی سے عبور کیا ہے اور آپ کے بارے میں تھکاوٹ کو تھکاوٹ نہیں سمجھتے۔ ہر بیابان نے جس سے نگاہیں کوتاہ ہیں، حسن کے باعث ہماری سواریاں تیز رفتاری سے چلتی ہیں۔ ان کی عمدہ سواریاں مسلح جوانوں کو لئے ہوئے جو ستاروں کی طرح روشن چمکتے ہیں نہایت تیزی سے طے کرتی ہیں ہم بڑے خوفناک دن کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں جس نے دلوں کو غمناک اور بے چین کر دیا ہے“۔

ومزادا لمحشر الخلق طرا
وفراقا لمن تمادی ضلالا
نحو نور من الالٰہ وبرھان
وبر ونعمۃ ان تنالا
خصک اللّٰہ یا ابن آمنۃ الخیر بھا
اذا اتت سجالا سجالا
فاجعل الحظ منک یا حجۃ اللّٰہ
جزیلا لا حظ خلف احالا

"وہ میدانِ حشر کے لئے زادِ راہ کے طالب ہیں اور گمراہ لوگوں سے کنارہ کشی اور علیحدگی چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کے نور، دلیل، احسان، نیکی اور نعمت کی طرف آئے ہیں کہ وہ اس سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اے آمنہ کے فرزند! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار انعامات سے نوازا ہے۔ سو اے حجتِ الٰہی! ہمیں اپنا بہت زیادہ وافر حصہ دیں اور ہمارا حصہ تقسیم کرنے والے کی طرح نہ دیں۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے قریب بٹھا کر فرمایا: اے جارود! تجھے اپنی قوم کے ساتھ آنے میں بڑی دیر لگی۔ اس نے کہا فداک ابی وامی" آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر کی یا اس کی بدبختی ہے۔ یہ عظیم گناہ اور شدید خسارہ ہے اور لوگوں میں سے بدترین وہ ہیں جنہوں نے آپ کو دیکھا یا آپ کا تذکرہ سنا اور پھر انکار کر دیا [illegible] اور قیامت کے بعد سے میں کوئی علم رکھتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ [illegible] گناہ کا کفارہ ہو جائے گا اور سب کی مغفرت ہو جائے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس بات کا ضامن ہوں کہ تم نے بہت اچھا دین ترک کر کے اسلام کا عمدہ دین اختیار کر لیا ہے جو اس سے بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا فداک ابی وامی" ہاتھ پھیلائیے میں مسلمان ہو کر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اور اعلان کرتا ہوں کہ آپ کی رسالت کا تہِ دل سے اقرار کرتا ہوں۔ اسی طرح اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور ان کی خاطر مدارات آپ ﷺ نے خوشدلی اور فراخدلی سے کی۔

قس ایادی کے بارے میں وفد سے سوال:- رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی قس ایادی کو جانتا ہے؟ جارود نے کہا فداک ابی وامی" ہم سب جانتے ہیں اور میں ان میں سے ان کے حالات کو زیادہ جانتا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! قس ایادی خاندانی عرب ہے جو سو سال زندہ رہا، جنگلات اور صحراؤں میں زندگی کا اکثر حصہ بسر کیا۔ مسیح علیہ السلام کی طرح [illegible] سے تسبیح و تقدیس کرتا تھا [illegible] [illegible]

ہمیں [illegible] اس کی باتیں اور ہمیں [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] اس نے بیان کیا [illegible] کی طرف دعوت دی۔

جارود کے ساتھ ایک [illegible] [illegible]

تیسری یہ ہے سورج اور چاند نکلتے ہیں جیسا کہ دریا بہتے ہیں اور یہ سب بات ہے جن کا سیاہ و سفید اور لال ہونا ہے۔ جنگلات ہیں پہاڑ اور نباتات ہیں۔ ہر ایک کی مقدار ہے جس میں اجتماع اور انتشار ہے یہ سب علامات و نشانات ہیں۔ (اللہ کی ذات پر) روشنی اور تاریکی ہے فراخی اور تنگی ہے [illegible] بہت ہیں۔ لوگ گمراہ ہیں اور ہلاک [illegible] قبر منتظر ہے یہ روشن [illegible] ایک تقدیر ہے [illegible] ایک ٹیک ہے دوسرا انتہا ہے عاقل اور دانش مند لوگوں کی علامت ہے [illegible] کرنے والا اپنے اعمال کو درست [illegible] نقصان میں ہوگا [illegible] وہی ایک معبود ہے نہ باپ ہے نہ بیٹا، فنا کرنے والا اور ظاہر کرنے والا، موت اور زندگی بخشنے والا، مرد اور عورت کو پیدا کرنے والا، دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

اما بعد! اے گروہ ایاد! کہاں ہیں ثمود اور عاد، کہاں ہیں باپ اور دادا، کہاں ہیں بیمار اور تیماردار، ہر ایک کا معاد ہے، قس رب العباد کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تم ضرور اکٹھے کئے جاؤ گے جب صور پھونکا جائے گا اور زمین روشن ہو جائے گی اور واعظ نصیحت کرے گا، مایوس الگ ہو جائے گا اور صاحب نظر دیکھ لے گا۔ صد افسوس ہے اس کے لئے جو واضح حق سے منحرف ہوا اور روشن نور سے الگ ہوا، روز قیامت اللہ کے سامنے عدل و انصاف کی عدالت میں پیش ہونے سے منکر ہوا، جب اللہ رب العزت فیصلہ نافذ کرے گا اور نبی گواہ ہوگا، مددگار دور ہوگا، کوتاہی اور گناہ ظاہر ہو جائے گا، ایک گروہ جنت میں اور دوسرا دوزخ میں ہوگا۔ قس ایادی نے کہا

ذکر القلب من جواه ادکار
ولیال خلالهن نهار
وسجال هواطل من غمام
ثرن ماء وفی جواهن نار
ضوؤها یطمس العیون وإرعا
د شدید فی الخافقین تطار
وقصور مشیدة حوت الخیر
وأخری خلت بهن قفار
وجبال شوامخ راسیات
وبحار میاههن غزار

"سو دل سے ماضی کی یاد ہے اور راتوں کے درمیان میں دن ہیں۔ اور موسلا دھار بارش ہے بادلوں سے، بادلوں نے پانی کو جوش دیا اور ان کی فضا میں آگ روشن ہے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے اور مشرق و مغرب میں سخت گرج کی آواز آرہی ہے۔ اور مضبوط قلعوں میں خیر و برکت ہے اور کچھ خالی بے آباد ہیں۔ اور بلند و بالا مضبوط پہاڑ ہیں اور سمندروں کے پانی بہت زیادہ بے کراں ہیں"۔

ونجوم تلوح فی ظلم اللیل
نراها فی کل یوم تدار
ثم شمس یحثها قمر اللیل
وکل متابع مسرار
وصغیر وأشمط وکبیر
کلهم فی الصعید یوما مزار
وکبیر مما یقصر عنه
حدسة الخاطر الذی لا یحار

لــــــلــــدی لـــہ ذکـــرت دل عــــــی الــــلّــــہ
لــمــفــکــر وصـــا ألهـــا هـــدی و اعتبــار

"اور ستارے رات کی تاریکی میں چمکتے ہیں ہم ان کو رواں متحرک دیکھتے ہیں۔ پھر چاند سورج کو دیکھتا ہے سب پے در پے متحرک ہیں۔ بچے بوڑھے اور نوجوان سب کا ایک روز زمین کے اندر ٹھکانہ ہوگا۔ اور قبر پوشیدہ جس سے اس کا وہم گمان بھی قاصر ہے۔ جو باتیں ذکر ہو چکی ہیں وہ لوگوں کے لئے اللہ کی طرف رہنما ہیں۔ ان کے لئے ان میں ہدایت اور عبرت بھری ہے۔"

بیان کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عکاظ کے میلے میں قس ایادی کو سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دیتے ہوئے کبھی نہیں بھول سکتا اس نے کہا تھا کہ جمع ہو جاؤ اور سنو اور جب سن چکو تو یاد رکھو اور پھر یادداشت سے فائدہ اٹھاؤ اور جب بات کرو تو سچ کہو۔ جو زندہ ہے وہ مرے گا اور جو فوت ہو گیا وہ ختم ہو گیا اور جو آنے والی چیز ہے آ کر رہے گی۔ بارش اور نباتات، زندے اور مردے، تاریک رات، آسمان برجوں والا، ستارے چمکدار، پھر بحر اس روشنی اور تاریکی، دن اور رات، نیکی اور گناہ۔ بے شک آسمان میں خبر آگاہی ہے۔ زمین میں سامان عبرت ہے۔ اس کی کیا خبر، حیرت زدہ ہیں وہ کس کا اعتبار ہے آسمان والا ہے ستارے گلی ہیں اور سمندر رواں کیوں ہیں۔ بہت قریب ہے خدا تعالیٰ سب دینے والا ہے تیری دعا قبول کی طرح اور ترازو کے تولنے کی طرح۔

قس نے شعر بھی کہے ... وہ اس میں مجھے یاد نہیں۔ کیا اس زندگی میں خوشی میسر ہے تو اس کی مدت قلیل کیا ہوگا۔ پھر اس نے کہا اے لوگو اللہ کا ایک دین ہے جو تمہارے موجودہ دین سے پسندیدہ ہے اور یہ اس کے ظہور کا وقت ہے۔ پھر قس نے کہا میں دیکھتا ہوں لوگ دنیا سے جاتے ہیں واپس نہیں لوٹتے کیا وہیں انہوں نے اقامت کو پسند کر لیا یا انہیں کاموں سے آزاد کر دیا گیا اور وہ محو خواب ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کس کو اس کے اشعار یاد ہیں؟ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا "فداک ابی و امی" میں اس روز موجود تھا جب یہ کہا ... پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہی اشعار پڑھے جو حافظ ابو بکر خرائطی کی روایت میں مذکور ہیں۔

ایک عجیب واقعہ..... اس کے بعد مجلس میں سے وفد کے ایک عمر رسیدہ عظیم جو طویل القامت اور عظیم جسم والے شخص نے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "فداک ابی و امی" میں نے قس ایادی کا ایک حیرت انگیز واقعہ دیکھا ہے آپ نے فرمایا تم نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا جوانی کے ایام میں میرے چند اونٹ بھاگ گئے، میں ان کی تلاش میں دشت و بیابان صحرا میں گیا جس میں گھاس اور جھاڑیوں کے درخت تھے۔ وہ صحرا کھجوروں کے درختوں اور جنگلی (جنگلی) سے ڈھکے ہوئے میدان اور بیابان (ایک جڑی بوٹی کا نام ہے) سے آراستہ سرسبز و شاداب علاقے کے درمیان تھا۔ میں ان جنگلات کے میدانوں میں گھومتا پھرتا تھا اس کے بیابانوں میں چکر لگا رہا تھا، یہاں تک کہ میں ایک ٹیلے کے پاس پہنچا اس ٹیلے کے دامن میں پیلو کے درخت تھے اس کا پھل خوب تر و تازہ تھا اس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں گویا کالے سیاہ مرچ کی طرح ہے اور اس کی ٹہنیاں ہری سبز کی طرح ہیں۔

پھر وہاں ایک جوش مارنے والے چشمے اور سرسبز و شاداب باغ اور خوش نما درخت پر پہنچا۔ اس درخت کے نیچے قس ایادی تشریف فرما تھے۔ ان کے ہاتھ میں چھڑی ہے۔ میں نے ان کے قریب ہو کر کہا "انعم صباحا" (دور جاہلیت کا السلام علیکم) اس نے بھی جواب دیا "وانت فنعم صباحک" (یعنی وعلیکم السلام) چشمے پر پانی پینے کے لئے کئی درندے آتے کوئی درندہ اگر اپنے ساتھی سے پہلے پانی پینے کی کوشش کرتا تو قس اس کو چھڑی مار کر کہتا صبر کرو پہلے والے کو پی لینے دو۔ میں یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہوا تو اس نے مجھ سے کہا مت ڈرو، پھر دیکھا تو وہاں دو قبروں کے درمیان ایک مسجد تھی۔ میں نے پوچھا یہ قبریں کس کی ہیں؟ تو اس نے کہا یہ دو بھائی تھے یہاں اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے میں بھی ان کی قبروں کے درمیان اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا تاکہ میری موت ہو جائے۔ میں نے عرض کیا آپ قوم کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ ان کے نیک کاموں میں شامل ہوں اور برے کاموں سے علیحدہ رہیں۔ اس نے مجھے کہا "ثکلتک امک" (تیری ماں تجھے روئے) کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسماعیل کی اولاد نے باپ کا دین ترک کر دیا ہے اور بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ پھر اس نے قبروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا

خلیلی هبا طالما قد رقدتما
اجدکما لا تقضیان کراکما
اری النوم بین الجلد والعظم منکما
کان الذی یسقی العقار سقاکما
امن طول نوم لا تجیبان داعیا
کان الذی یسقی العقار سقاکما
الم تعلما انی بنجران مفردا
وما لی فیه من حبیب سواکما

"میرے دوستو! نیند سے بیدار ہو جاؤ، بہت سو چکے۔ کیا تمہاری کوشش ہے کہ نیند کو ختم نہ کرو۔ کیا گہری نیند کی وجہ سے تم پکارنے والے کو جواب نہیں دے سکتے گویا ساقی نے تمہیں شراب پلا کر مدہوش کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گوشت پوست میں نیند سرایت کر چکی ہے گویا ساقی نے شراب پلا دی ہے۔ کیا تم دونوں کو معلوم ہے کہ میں یہاں اکیلا ہوں۔ میرا یہاں تمہارے سوا کوئی دوست نہیں ہے۔"

مقیم علی قبریکما لست بارحا
ایاب اللیالی او یجیب صداکما
ابکیکما طول الحیاة وما الذی
یرد علی ذی لوعة ان بکاکما
فلو جعلت نفس لنفس امرئ فدی
لجدت بنفسی ان تکون فداکما
کانکما والموت اقرب غایة
بروحی فی قبریکما قد اتاکما

"میں تمہاری قبروں پر مقیم ہوں کہیں جانے کا نہیں حتیٰ کہ تمہاری آواز آ جائے۔ کیا میں تمہیں عمر بھر روتا رہوں پریشان آفت زدہ حال کو کون جواب دے گا اگر وہ تمہیں پکارتا رہے۔ اگر کوئی زندہ کسی پر قربان ہو سکتا تو میں اپنی جان تم پر قربان کر دیتا۔ گویا کہ تم اور تمہاری موت، میری روح کا پیچھا کر رہی ہے کہ تمہارے پاس آ جائے۔"

راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، وہ قیامت کے روز تنہا ایک قوم کے برابر اٹھایا جائے گا۔ اس سند سے یہ حدیث نہایت غریب ہے اور یہ مرسل ہے الا یہ کہ حسن بصری کا جارود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہو، واللہ اعلم۔

چوتھی کڑی ...... حافظ بیہقی اور حافظ ابوالقاسم نے بہ سند (محمد بن عیسیٰ بن محمد بن سعید قرشی اخباری، ابو عیسیٰ بن محمد، علی بن سلیمان بن علی، علی بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس) سے بیان کیا ہے کہ جارود رضی اللہ عنہ آئے۔ گزشتہ حسن بصری والی روایت سے بھی اس نے طویل روایت بیان کی ہے اور جیسا کہ ایادیوں کے حوالے سے بیان ہوا ہے، جارود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک کالی اونٹنی پر رات بسر کی جہاں مجھے موت کا اچانک خطرہ تھا، میں صرف تلوار پر ہاتھ رکھے اور اس پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا رہا یہاں تک کہ رات کی تاریکی دور ہو گئی اور صبح صادق ہونے کے قریب ہوئی تو ہاتف نے کہا:

يا أيها الراقد في الليل الأجم
قد بعث الله نبيا في الحرم
من هاشم أهل الوفاء والكرم
يجلو دجنات الدياجي والبهم

"اے تاریک رات میں سونے والے! اللہ نے حرم پاک میں نبی مبعوث فرمایا ہے۔ وہ اہل وفا و اہل کرم ہاشم قبیلے سے ہیں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں وہ اجالا کر رہا ہے"۔

وہ کہتا ہے میں نے اپنے آس پاس دیکھا تو کوئی شخص نظر نہ آیا الغرض کئی رات کے چلے گئے۔ رات ہوئی تو میں نے کہا:

يا أيها الهاتف في داجي الظلم
أهلا وسهلا بك من طيف ألم
بين هداك الله في لحن الكلم
ماذا الذي تدعو إليه يغتنم

"اے تاریکی میں آواز دینے والے! خوش آمدید ہے اس خیال کو جو آیا۔ اللہ تیرا بھلا کرے بیان کر کہ تو کس کی طرف بلاتا ہے وہ تو غنیمت ہے"۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے پکارنے والے کی آواز سنی اس نے کہا نور حق ظاہر ہو چکا ہے باطل مضمحل ہے اللہ نے محمد ﷺ کو بہترین لوگوں کے ہمراہ مبعوث کیا ہے سرخ شتر والے تاج اور گھوڑوں والے خوبرو چاند سا چہرہ آنکھیں سفید اور سیاہ خوب گہری ہوں گی کلمہ توحید کا قائل ہوگا۔ یہ محمد ہیں جو رب حرم شہر اور دیہات کے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں پھر اس نے کہا:

الحمد لله الذي
لم يخلق الخلق عبث
لم يخلنا يوما سدى
من بعد عيسى واكترث
أرسل فينا أحمدا
خير نبي قد بعث
صلى عليه الله ما
حج له ركب وحث

"سب تعریف ہے اس ذات کی جس نے مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا اس نے ہمیں کبھی بے کار نہیں چھوڑا عیسیٰ کے بعد اور پھر خیال کیا۔ اللہ اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجے جب تک سوار حج کرتے رہیں اور اس کا قصد کرتے رہیں"۔

اس روایت میں قس کے اشعار:

يا ناعي الموت والملحود في جدث
عليهم من بقايا بزهم خرق
دعهم فإن لهم يوما يصاح بهم
فهم إذا انتبهوا من نومهم أرقوا
حتى يعودوا بحال غير حالهم
خلقا جديدا كما من قبله خلقوا

منهم عراة ومنهم في ثيابهم
منها الجديد ومنها المنهج الخلق

”اے موت کی خبر دینے والے! مردے قبروں میں ہیں جو ان پر اُن کے اقوال کی وحشت ہے، حیرت چھائی ہوئی ہے ان کو چھوڑ دو!
بے شک ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں ان کو پکارا جائے گا جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوں گے تو منتقل ہو جائیں
گے۔ بعض ان سے برہنہ ہوں گے اور بعض اپنے لباس میں، بعض کا لباس نیا ہوگا اور بعض کا بوسیدہ ہوگا“۔

حافظ بیہقی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، یہ روایت بھی علی بن محمد اسنادا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے بالکل مطابق ہے اس میں صرف یہ اضافہ ہے کہ مذکورہ بالا تین اشعار ایک صحیفہ میں تھے، جو اس کے سرہانے تھا اور اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا قس بن ساعدہ کا قیامت پر ایمان تھا۔ یہ طرق اسانید ضعیف ہونے کے باوجود اصل قصہ کے ثبوت پر ایک دوسرے کی معاون ہیں۔ امام ابو محمد بن درستویہ نحوی نے اس حدیث کے غریب الفاظ اور ان الفاظ کی تشریح کی ہے۔ حدیث کے زیادہ تر حصہ کا مفہوم بالکل واضح ہے جن الفاظ میں کچھ غرابت غیر مانوسیت اور اجنبیت ہے وہ ہم نے حواشی میں بیان کردیے ہیں (مگر یہ حواشی مطبوعہ قلمی نسخے میں موجود نہیں ہے) واللہ اعلم۔

حافظ بیہقی ابو سعید بن محمد بن احمد الشعیبی، ابو عمرو بن ابی طاہر محمد آبادی، ابو لبابہ محمد بن مہدی الابیوردی، ابو سعید معتمر بن سلیمان، ابوہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قوم ایاد کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ان سے قس ایادی کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ حافظ ابو بکر خرائطی کی روایت از عبادہ بن صامت کے بالکل مطابق ہے۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت (کلبی، ابو صالح) ابن عباس سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ حسن بصری سے بھی منقطع مروی ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی دلائل میں ابونعیم نے (عبداللہ بن محمد بن عثمان واسطی، ابو الولید طریف بن عبیداللہ مولی علی بن ابی طالب، یحییٰ بن عبدالحمید حمانی، ابو معاویہ، اعمش، ابو الضحیٰ، مسروق، ابن مسعود رضی اللہ عنہ) یہ روایت بیان کی ہے نیز حافظ ابونعیم نے عبادہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایات بھی بیان کی ہیں۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ جب ایک حدیث متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہو اگر چہ اس کی بعض سندیں ضعیف ہی ہوں تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کی بنیاد موجود ہے واللہ اعلم۔

زید بن عمرو..... (زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ) بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی قرشی عدوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب، زید کے چچا اور ان کے اخیافی بھائی (ماں شریک) ہیں کیونکہ عمرو بن نفیل نے اپنے باپ کی منکوحہ خطاب بن نفیل کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا (یہ زبیر بن بکار اور محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق ہے)۔

زید بن عمرو بت پرستی چھوڑ کر اپنے آبائی دین سے علیحدہ ہو چکے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ یونس بن بکیر، اسماء بنت ابی بکر سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو کعبہ سے ٹیک لگائے دیکھا وہ کہہ رہے تھے اے جماعت قریش! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں زید کی جان ہے کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں، پھر کہتے ہیں یا اللہ! اگر مجھے تیری عبادت کا پسندیدہ طریقہ معلوم ہو جاتا تو میں اسی طریقہ سے تیری عبادت کرتا مگر میں اس سے واقف نہیں ہوں پھر اپنی سواری پر ہی سجدہ ریز ہو جاتے۔ ابو اسامہ، ہشام بن عروہ سے اسی طرح روایت بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ میرا معبود ابراہیم کا معبود ہے میرا دین ابراہیم کا دین ہے۔ ”موؤدہ“ زندہ در گور لڑکی کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے، جب کوئی باپ اپنی لڑکی کو قتل کرنے کا عزم کرتا تو اسے کہتے مت قتل کر، اسے میرے سپرد کر دو میں اس کی کفالت کروں گا، جب جوان ہو جائے تو چاہو تو لے لینا، چاہو تو میرے پاس رہنے دینا۔ امام نسائی نے بھی اس کو بسند ابو اسامہ روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو معلق بیان کیا ہے۔ لیث کہتے ہیں ہشام بن عروہ نے یہ مکمل روایت مجھے تحریر کر کے ارسال کی۔

یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ قریش کے چار افراد زید بن عمرو، ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ اور عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ (ان کی والدہ امیمہ بنت

عبیداللہ: ... بارہ بیٹیوں زینب رضی اللہ عنہا بھی انہی میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ سے طلاق کے بعد شادی کر لی تھی)۔ ایک جیش میں تھے ہو گئے تھے اور اپنے بت کے پاس جا کر دعا کیا کرتے تھے۔ انہیں سے آپ ﷺ کو "ماست مولی" ورقہ بن نوفل کے صحابہ نیا اسلام ان کا عہد یہ تھا کہ ان سے کہا کہ تم سب جانتے ہو کہ تمہاری قوم "راہ حق" پر نہیں۔ انہوں نے ابراہیم کے دین کو چھوڑ دیا ہے بت کیا معبود ہے جو نہ دیکھتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے دین حق کی تلاش کرو چنانچہ وہ دین کی تلاش میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور مختلف ملکوں میں گھومے پھرے ورقہ نصرانی ہو گئے اور عبیداللہ دین سے ہٹا کر دین پر قائم رہے۔

ورقہ بن نوفل: ... ورقہ بن نوفل نے عیسائیت اختیار کر لی اور اس میں پختہ ہو گیا اہل کتاب سے علم حاصل کر کے جید عالم بن گئے۔

زید بن عمرو: ... زید بن عمرو ان میں سے نہایت انصاف پسند اور نیک فطرت تھے بت پرستی سے دور رہے یہودیت اور عیسائیت سے الگ رہ کر ابراہیمی دین کا پابند تھے۔ بتوں کا ذبیحہ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے گوشت سے پرہیز کرتا تھا۔ جب قریش کی مخالفت زور پکڑ گئی تو انہیں نے ایذا دی چچا کا بیٹا خطاب نے ان کو بہت ایذا پہنچائی چنانچہ وہ مکہ چھوڑ کر حرا کے پہاڑ میں چلے گئے۔ خطاب نے قریش کے نوجوانوں اور اوباشوں کو اس بات پر مقرر کر دیا تھا کہ وہ مکہ میں داخل ہونے نہ پائے۔ آپ چوری چھپے گھر آتے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہو جاتا تو آپ کو نکال باہر کرتے اور سخت اذیت پہنچاتے۔ مبادا ان کے دین کے کوئی ساتھی بن جائے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں میں نے سنا ہے کہ زید بن عمرو قریش کے بتوں کے نام پر ذبح کرنے پر طعن کرتے تھے کہ بکری کو اللہ نے پیدا کیا اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا زمین سے چارہ اگایا تم اللہ تعالیٰ کے احسانات کے باوجود اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

نیز ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو نے مکہ کو ترک کر کے ابراہیمی دین کی تلاش کا عزم کیا اور وہ شام کا قصد کرتے تو ان کی بیوی صفیہ بنت حضرمی کو جب یہ معلوم ہوتا کہ وہ کہیں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں تو خطاب بن نفیل کو بتا دیتی۔ بالآخر وہ بہت مشکلات کے بعد دین ابراہیمی کی تلاش میں شام کی طرف روانہ ہو گئے وہ موصل میں دین ابراہیمی کی تلاش کرتے ہوئے (موصل) جزیرہ سب علاقے چھان مارے۔ ملک شام میں پہنچ کر بلقاء میں ایک پادری سے ملاقات ہوئی اور اس سے دین ابراہیم کے بارے میں دریافت کیا تو اس پادری نے کہا آپ ایسے مذہب کی تلاش میں ہیں جس کا جاننے والا کوئی نہیں۔ اس کے عالم ختم ہو گئے ہیں اور اس کے ماہر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن آپ کے نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ آپ یہ بات سنتے ہی مکہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے تو لخم کے علاقے میں پہنچ کر ان کے ہاتھوں وہاں قتل ہو گیا اور ان کی موت پر ورقہ بن نوفل نے مرثیہ کہا:

رشدت وأنعمت ابن عمرو وإنما
تجنبت تنوراً من النار حاميا
بدينك رباً ليس رب كمثله
وتركك أوثان الطواغي كما هيا
وقد تدرك الإنسان رحمة ربه
ولو كان تحت الأرض سبعين واديا

"اے ابن عمرو! تو نے ہدایت پائی اور خوش و خرم ہو گیا اور تو نے آگ کے گرم تنور سے نجات پائی۔ بعد اپنے رب کی عبادت کے جس کی کوئی مثل نہیں ہے اور طاغوت بتوں کے ترک کرنے کی وجہ سے اور بے شک انسان کو رحمت الٰہی پہنچتی ہے اگر چہ وہ زمین کی ستر وادیوں میں ہی ہو۔"

ابن ابی شیبہ نے بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا ایک یہودی کے پاس آیا تو اس سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یہودی بنا لیں تو یہودی نے کہا کہ آپ یہودیت میں تب داخل ہو سکتے ہیں جب خدا کے غضب سے اپنے حصہ کا حصہ لے

کرو تو زید نے کہا غضب الٰہی سے تو میں بچنے کے لئے پھرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے عیسائی عالم سے کہا آپ مجھے دائرہ عیسائیت میں شامل کر لیں تو اس نے کہا عیسائیت میں داخلہ کے لئے اپنے حصہ کی گمراہی کا اعتراف ضروری ہے تو اس نے کہا ضلالت وخباثت سے تو میں متنفر ہوں، تو عیسائی عالم نے کہا میں آپ کو ایک ایسے دین کے بارے میں بتلاتا ہوں اگر تم اختیار کرلو تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے تو اس نے پوچھا کون سا دین؟ تو اس نے کہا، دین ابراہیم تو اس نے کہا، الٰہی میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا جینا اور مرنا دین ابراہیم پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قیامت کے روز تنہا ایک قوم ہوگا۔ موسیٰ بن عقبہ نے سالم کے ذریعہ ابن عمر سے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

محمد بن سعد، عبدالرحمان بن زید بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل نے کہا، میں نے یہودیت اور عیسائیت کو قریب سے دیکھا اور ان کو ناپسند کیا، میں نے شام اور اس کا گرد و نواح چھان مارا حتیٰ کہ میں ایک راہب کے پاس اس کی عبادت گاہ میں آیا اور اسے اپنے وطن سے دور دراز سفر کرنے کے متعلق بتایا بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت سے نفرت کا اظہار کیا تو اس نے کہا اے مکی معلوم ہوتا ہے تو دین ابراہیم کا طلب گار ہے؟ تو ایسے دین کا طالب ہے جس کا وجود آج ناپید ہے۔ وہ تیرے مورث اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے وہ حنیف تھا، یہودی تھا نہ عیسائی صرف حنیف تھا۔ وہ بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا تھا۔ لہٰذا تم اپنے علاقے میں چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تیری قوم سے تیرے ہی شہر میں نبی مبعوث کرے گا جو دین ابراہیم کو پیش کرے گا وہ دین اللہ کو ساری کائنات سے معزز و محترم ہے۔

یونس، ابن اسحاق، آل زید کے کسی فرد سے روایت کرتے ہیں کہ زید بیت اللہ میں داخل ہوتے تو یہ کہتے "لبیک حقا حقا تعبدا ورقا" میں حاضر ہوں، تیرے سامنے صدق دل سے، بندگی اور غلامی کی غرض سے، میں اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے ابراہیم علیہ السلام نے پناہ مانگی تھی، جب اس نے کہا تھا میرا چہرہ تیرے سامنے خم اور خاک آلودہ ہے جو تو مجھے تکلیف دے میں اسے برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں میں نیکی اور تواضع کا خواستگار ہوں، بڑائی اور تکبر کا طلبگار نہیں، محو خواب رہنے والا دوپہر کو چلنے والے کی مانند نہیں۔ ابوداؤد طیالسی، سعید بن زید سے نقل کرتے ہیں کہ زید اور ورقہ دونوں دین کی تلاش میں ایک راہب کے پاس موصل پہنچے تو راہب نے زید سے پوچھا اے شتر سوار! کہاں سے آئے ہو؟ تو اس نے کہا مکہ سے، راہب نے پھر پوچھا "کس کی تلاش میں ہو؟" تو اس نے کہا دین کی جستجو میں ہوں، تو راہب نے کہا، واپس چلے جائیے، عنقریب یہ دین تیرے علاقے میں رونما ہوگا، چنانچہ ورقہ نے تو عیسائیت قبول کرلی، میں نے بھی عیسائیت قبول کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے خیال کے مطابق نہ تھی، میں یہ کہتا ہوا واپس چلا آیا۔

لبیک حقا حقا تعبدا ورقا، البر ابغی لا الخال فهل مهجر کمن قال آمنت بما آمن به ابراهیم وهو
یقول: انفی لک عان راغم مهما تجشمنی فانی جاشم

یہ کہہ کر سجدہ ریز ہو جاتے۔

(اس کا ترجمہ مذکورہ بالا روایت میں ہو چکا ہے پچھلے صفحہ کے آخر میں)۔

سعید بن زید کی اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کروانا...... عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد آپ کو معلوم ہے کیسے تھے؟ آپ ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو آپ نے اثبات میں جواب دے کر فرمایا "**فانه یبعث یوم القیامة امة واحدة**" رسول اللہ ﷺ اور زید بن حارثہ ایک دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ زید بن عمرو بھی آگئے تو آپ نے اس کو کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا اے ابن اخ اے بھتیجے میں بتوں پر ذبح کردہ جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ محمد بن سعد، حجیر بن ابی اہاب سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو شام سے واپسی کے بعد دیکھا وہ سورج کے زوال کے منتظر تھے اور میں "بوانہ" بت کے پاس تھا، جب سایہ ڈھل گیا تو اس نے ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھی اور کہا یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ میں پتھر کی پرستش کرتا ہوں نہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں اور نہ اس پر ذبح شدہ جانور کا گوشت کھاتا ہوں اور نہ تیروں سے قسمت آزمائی کرتا ہوں، میں آخر دم تک بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا رہوں گا۔ حج کے دوران عرفات میں قیام کرتا اور یہ تلبیہ کہتا "**لبیک لا شریک لک ولا ندلک**" پھر عرفات سے پیدل

واپسی کے دوران کہتا "لبیک متعبدا مرقوقا"

•

زید بن عمرو کا آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنا: …… واقدی، عامر بن ربیعہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو یہ کہتے سنا کہ "میں اولاد عبدالمطلب میں سے نبی کا منتظر ہوں۔ شاید تو اس کا عہد مبارک نہ پا سکوں گا۔ میں اب تو اس پر ایمان لاتا ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ نبی برحق ہے۔ اگر تیری زندگی طویل ہو اور تو اس نبی کو دیکھ لے تو میرا ان کو سلام کہنا۔ میں آپ کو اس کا حلیہ بتاتا ہوں تاکہ تم پر مخفی نہ رہے۔ میں نے عرض کیا فرمائیے تو بتایا وہ معتدل قد و قامت ہیں، اسی طرح موٹے بال بھی معتدل، آنکھوں میں سرخ ڈورے، کندھوں کے درمیان مہر نبوت کی علامت، اسم مبارک "احمد" ہے یہ جائے پیدائش مکہ جائے بعثت بھی مکہ، قوم ان کو ہجرت پر مجبور کرے گی، ان کے ارشادات کو ناپسند کرے گی اور وہ یثرب ہجرت کر کے چلے جائیں گے وہاں ان کی خوب عزت کی جائے گی۔ تم ان سے مکر و فریب سے بچتے رہنا۔ میں نے تمام ممالک کا سفر دین ابراہیم کی تلاش میں کیا ہے۔ میں نے جس یہودی، عیسائی اور مجوسی سے بھی دریافت کیا وہ یہی کہتے تھے کہ یہ دین تیرے علاقے میں ظاہر ہوگا اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک اسی طرح بیان کرتے تھے جو میں نے آپ کو بتایا ہے اور کہتے تھے کہ وہ آخری نبی ﷺ ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

عامر بن ربیعہ کا آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچانا: …… عامر بن ربیعہ کہتے ہیں جب میں مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو زید کا پیغام اور سلام پہنچایا تو آپ نے سلام کا جواب دے کر رحمت کی دعا کی اور فرمایا میں نے اس کو جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔ بخاری میں عنوان ہے "ذکر زید بن عمرو" اس کے تحت درج ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام، زید بن عمرو بن نفیل سے بلدح مقام مکہ کے مغربی جانب کے دامن پہاڑ کے دامن میں ملے ابھی آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان بچھایا گیا تو زید نے وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا پھر کہا میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم لوگ اپنے بتوں پر ذبح کرتے ہو میں اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو۔ نیز زید بن عمرو قریش کی ان کے ذبیحہ پر نکتہ چینی کرتے تھے اور کہتے (حیرت انگیز ہے) بکری کو اللہ نے پیدا کیا، آسمان سے پانی بھی اللہ نے برسایا، چارہ بھی زمین سے اسی نے اگایا، پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟ یہ بات مشرکوں کے کام پر نکتہ چینی اور گناہ تصور کرتے ہوئے کہتے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ، سالم بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل دین حق کی تلاش و جستجو میں ملک شام گئے وہاں یہودی کے کسی عالم سے ملاقات ہوئی اس سے دین کے بارے میں دریافت کیا کہ شاید میں آپ کا دین اختیار کر لوں تو اس نے بتایا اگر تو ہمارا دین اختیار کرے گا تو اللہ کے غضب میں اپنا حصہ لے گا۔ زید بن عمرو نے کہا میں تو اللہ کے غضب سے بھاگ کر آیا ہوں، میں اللہ کے غضب کو اپنے اوپر کیسے اٹھاؤں گا نہ مجھ میں اس کے اٹھانے کی طاقت ہے، کیا کوئی اور دین تم مجھے بتا سکتے ہو؟ تو اس نے کہا میں نہیں جانتا کوئی دین ہو، مگر دین حنیف۔ زید نے کہا دین حنیف کیا ہے؟ تو اس نے کہا ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی صرف اللہ کی پرستش کرتے تھے، چنانچہ زید وہاں سے چلے آئے اور ایک عیسائی عالم سے ملے اس کو بھی اپنی خواہش بتائی تو اس نے کہا تو ہمارے دین میں آیا تو اللہ کی لعنت میں سے ایک حصہ لے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگتا ہوں، مجھ سے تو خدا کی لعنت، تو کیسے کی اور خدا کا غضب اور مجھ میں اتنی طاقت کہاں سے؟ کیا تم مجھے کوئی اور دین بتا سکتے ہو؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا مگر یہ بات کہ وہ "حنیف" ہو۔ زید نے پوچھا "حنیف" کیا ہے؟ تو اس نے کہا ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، جب زید نے یہودیوں اور عیسائیوں کا نظریہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سنا تو وہاں سے چلے آئے اور جب آبادی سے باہر نکلے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور اقرار کیا "یا اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔"

اسماء بنت ابی بکر کی روایت: …… اور لیث بن سعد نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ کی یہ حدیث لکھی تھی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے کی اسناد کی ہو کہتی ہیں میں نے زید بن عمرو کو دیکھا کعبہ سے اپنی پشت لگائے ہوئے کہہ رہے تھے اے قریش کے لوگو! واللہ تم میں سے میرے سوا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر کوئی نہیں، اور زید زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو زندہ درگور نہیں کرنے دیتے تھے، وہ اس شخص سے جو اپنی بچی کو

قتل کر دیا جاتا۔ یہ کہتے کہ اس کو مت قتل کرو۔ مجھے دے دو میں اس کی پرورش کروں گا۔ چنانچہ اس کو لے کر اس کی تربیت کرتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے اگر چاہو تو اپنی بیٹی لو آکر ورنہ میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا اگر تمہاری مرضی ہو تو میں ہی اس کی تمام ذمہ داری خود پر لے لیتا ہوں۔ اس کو بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا (ج ص) اور لیث والی روایت حافظ ابن عساکر نے بیان کی ہے یہ سند (ابو بکر بن ابی داؤد، عیسیٰ بن حماد، لیث، ہشام، عروہ، اسماء رضی اللہ عنہا) اور حتی کی اسی طرح ہے۔

عبدالرحمن بن ابی الزناد ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو کعبہ سے ٹیک لگائے دیکھا وہ کہہ رہے تھے یا معشر قریش تم زنا سے بچو وہ فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس مقام پر متعدد نہایت غریب احادیث بیان کی ہیں بعض میں شدید نکارت ہے۔ پھر یہ بیان کیا ہے اور متعدد طرق سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا زید قیامت کے دن ایک امت کے قائم مقام ہوگا (ان میں سے بعض روایات یہ ہیں) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ زید بن عمرو جاہلیت میں قبلہ رخ ہو کر کہا کرتے تھے میرا معبود ابراہیم علیہ السلام کا معبود ہے اور میرا دین ابراہیم علیہ السلام والا دین ہے اور سجدہ بھی کیا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تنہا قیامت کے دن ایک امت ہو کر اٹھے گا میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے اس روایت کی سند جید اور حسن ہے۔

زید کی وفات..... واقدی سعید بن مسیب سے روایت بیان کرتے ہیں کہ زید کعبہ کی تعمیر کے دوران فوت ہوئے (رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پانچ سال قبل) وہ کہا کرتے تھے میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں اور ان کا فرزند ارجمند سعید مسلمان ہوا۔ سعید بن زید اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے زید کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "غفر اللہ لہ ورحمہ" (اللہ اسے معاف کرے اور آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے) وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر فوت ہوا ہے۔ چنانچہ مسلمان بعد میں جب ان کا تذکرہ کرتے تو ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد سعید بن مسیب نے کہا: "رحمہ اللہ وغفر لہ" کہ محمد بن سعد، یحییٰ سعدی سے روایت کرتے ہیں کہ زید مکہ میں فوت ہوئے اور جبل حرا کے دامن میں مدفون ہوئے۔

زید کا قتل..... گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ شام کے علاقے بلقاء میں وہ قتل ہوئے بنو لخم قبیلہ نے ان پر حملہ کر کے میفعہ کے مقام پر انہیں شہید کر دیا تھا واللہ اعلم۔ باغندی (ابو سعید اشج، ابو معاویہ، ہشام، عروہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں گیا تو میں نے زید بن عمرو کے لئے دو درخت دیکھے یہ سند نہایت عمدہ اور جید ہے لیکن کتب ستہ میں نہیں۔

زید بن عمرو کے اشعار..... زید بن عمرو کے سترہ اشعار ہم ذکر ما یتعلق بمعانی قصص سورات میں بیان کر چکے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اشعار امیہ بن ابی الصلت کے ہیں واللہ اعلم توحید کے متعلق کچھ اشعار ان کے ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ نے نقل کئے ہیں۔

الی اللہ اھدی مدحتی وثنائیا
وقولا رصینا لا یبنی الدھر باقیا
الی الملک الاعلی الذی لیس فوقہ
الہ ولا رب یکون مدانیا
واسلمت وجھی لمن اسلمت
لہ الارض تحمل صخرا ثقالا
دحاھا فلما استوت شدھا
سواء وارسی علیھا الجبالا
واسلمت وجھی لمن اسلمت

لہ المزن تحمل عذبا زلالا
إذا ہی سیقت إلی بلدۃ
أطاعت فصبت علیہا سجالا
وأسلمت وجہی لمن أسلمت
لہ الریح تصرف حالا فحالا

”میں نے اپنی ذات اس کے سپرد کر دی ہے، جس کے حکم میں تابع ہے جو زمین بھاری پہاڑ اٹھائے ہوئے ہے۔ زمین کو بچھایا اور جب وہ ہموار ہو گئی تو اس کو مضبوط کر دیا اور اس پر پہاڑ پیوست کر دیے۔ اور میں اس کے تابع ہوں جس کے تابع بادل ہیں صاف شیریں پانی اٹھائے ہوئے۔ جب ان کو کسی علاقے کی طرف لے جایا جائے تو وہ تابع فرمان ہو کر اس پر موسلادھار بارش برسا دیتے ہیں میں اس ذات کے مطیع ہوں جس کی اطاعت گزار ہوا ہے جو حالات میں تبدیلی پیدا کرتی ہے۔“

محمد بن اسحاق، ہشام عن عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو نے یہ اشعار کہے:

أرب واحد أم ألف رب
أدین إذا تقسمت الأمور
عزلت اللات والعزی جمیعا
کذلک یفعل الجلد الصبور
فلا العزی أدین ولا ابنتیہا
ولا صنمی بنی عمرو أزور
ولا غنما أدین وکان ربا
لنا فی الدہر إذ حلمی یسیر

”کیا ایک رب کی اطاعت کروں یا ہزاروں کی، جب وہ عالم کے معاملات تقسیم ہوں۔ میں لات و عزیٰ سب بتوں سے بیزاری ظاہر کر چکا ہوں، باہمت اور صبر مند انسان اسی طرح کرتا ہے۔ میں عزیٰ کا مطیع ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کا اور نہ بنی عمرو کے بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔ اور نہ میں غنم کی عبادت کرتا ہوں جو قدیم میں وہ ہمارا رب تھا جب میری عقل ناقص تھی۔“

عجبت وفی اللیالی معجبات
وفی الأیام یعرفہا البصیر
بأن اللہ قد أفنی رجالا
کثیرا کان شأنہم الفجور
وأبقی آخرین ببر قوم
فیربل منہم الطفل الصغیر
وبینا المرء یعثر ثاب یوما
کما یتروح الغصن المطیر

”میں تعجب کرتا ہوں رات اور دن میں عجیب و غریب واقعات مضمر ہیں، جن کو ہوشمند جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا شیوہ فجور تھا اور بعض کی نیکی اور تقویٰ کے باعث کچھ لوگوں کو باقی رکھا جن کے شیر خوار بچے نشو و نما پاتے ہیں۔ انسان لغزش کھاتا ہے پھر سنبھل جاتا ہے بارش زدہ شاخ کی طرح۔“

ولکن اعبد الرحمن ربی

لیغفر ذنبی الرب الغفور

فتقوی اللہ ربکم احفظوھا

متی ما تحفظوھا لا تبوروا

تری الابرار دارھم جنان

وللکفار حامیة سعیر

وخزی فی الحیاة وان یموتوا

یلاقوا ما تضیق بہ الصدور

"لیکن میں اپنے مہربان پروردگار کی عبادت کرتا ہوں تاکہ وہ بخشنے والا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ اپنے پروردگار "اللہ" کے تقویٰ کو اختیار کرو جب تم اس کی نگہداشت کرو گے تو ہلاک نہ ہو گے۔ تم دیکھو گے کہ نیک لوگوں کی رہائش گاہ جنت ہے اور کافروں کے لیے جلتی ہوئی جہنم۔ وہ دنیا میں رسوا ہیں، موت کے بعد ایسے حادثات سے دوچار ہوں گے جن سے ان کے دل تنگ ہو جائیں گے"۔

ابوالقاسم بغوی حضرت ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو نے یہ اشعار کہے۔ یہ سات اشعار ابن اسحاق کے ذکر کردہ اشعار میں شامل ہیں لیکن غیر مرتب ہیں۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل سے بھی یہاں بہت سے اشعار منقول ہیں جو غیر مرتب طور پر پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ زید بن عمرو کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں باقی رہا ورقہ بن نوفل کے حالات زندگی تو وہ "بدء الوحی" کے باب میں بیان کریں گے۔

عثمان بن حویرث .... یہ شخص شام میں جا کر مقیم ہو گیا تھا یہاں تک کہ قیصر کے پاس اس کی وفات ہوئی۔ اس کے عجیب و غریب حالات اموی نے بیان کیے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ قیصر کے پاس آیا اور اپنی قوم کے مظالم کے بارے میں اس سے شکایت کی۔ قیصر نے ابن جفنہ شاہ دمشق کو مراسلہ بھیجا کہ قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اس کے ہمراہ فوج بھیج دو۔ جب اس نے یہ ارادہ کیا تو عرب کے باشندوں نے اس کو بہت اہمیت دی۔ بیت اللہ کی خاطر جنگ سے روک دیا اور ان کو اصحاب فیل کا قصہ یاد دلایا۔ ابن جفنہ نے عثمان کو زہر پلا دیا اور وہ اس زہر سے مر گیا۔ زید بن عمرو نے اس کا مرثیہ کہا جو اموی نے بیان کیا ہے۔ مگر ہم نے اس کو اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تین سال قبل فوت ہوئے یا اس کے قریب۔ واللہ اعلم۔ (یہاں پر عبیداللہ بن جحش کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ اختصار کے طور پر ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان کا ذکر آگے مستقل آ رہا ہے۔

زمانہ فترت کے چند اہم واقعات

تعمیر کعبہ ... بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ اس کے متعلق عبداللہ بن عمرو کی ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے لیکن اس حدیث میں ابن لہیعہ ایک کمزور راوی موجود ہے۔ سب سے زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ اس کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح سماک بن حرب، خالد بن عرعرہ، علی بن ابی طالب سے مذکور ہے کہ کعبہ منہدم ہو گیا تو عمالقہ نے اسے تعمیر کیا پھر خراب ہو گیا تو بنی جرہم نے اس کی دوبارہ تعمیر کی پھر دوبارہ ٹوٹ گیا تو قصی کے بعد قریش نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ یہ تعمیر پانچ یا پندرہ سال قبل بعثت ہوئی تھی۔ بقول امام زہری رسول اللہ ﷺ سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔ (آئندہ اپنے مقام پر مفصل بیان ہو گا)۔

کعب بن لؤی کا فصیح و بلیغ خطبہ .... ابوسلمہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز کعب بن لؤی قریش کو جمع کرتے (قریش جمعہ کو عروبہ کہتے تھے) اور ان سے خطاب کرتے، اما بعد! سنو! سمجھو اور علم حاصل کرو اور یقین کرو کہ رات تاریک ہے، دن روشن ہے، زمین بچھونا ہے، آسمان چھت

ہے، پہاڑ میخیں ہیں، ستارے نشانات ہیں، پہلے لوگ بعد میں آنے والوں کی طرح ہیں، مرد اور عورت ہے، روح اور ہر وہ چیز جو خرابی کی طرف رواں ہے۔ آپس میں صلہ رحمی کرو، رشتوں ناطوں کی حفاظت کرو، دولت میں اضافہ کرو، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی مرنے والا واپس آیا ہو یا میت کو دوبارہ زندہ کیا گیا؟ اصل گھر تمہارے سامنے ہے، گمان تمہارے اقوال کے علاوہ علم و یقین سے جاننا ہے، حرم کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کے پابند رہو، عنقریب اس سے عظیم خبر صادر ہوگی اس سے نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوگا۔

نهار وليل كل يوم بحادث
سواء علينا ليلها ونهارها
يؤوبان بالأحداث حتى تأوبا
وبالنعم الضافي علينا ستورها
على غفلة يأتي النبي محمد
فيخبر أخبارا صدوق خبيرها

"رات اور دن جدید ہوتے ہیں اس کے کل ہمارے حادثے کے یکساں ہیں رات اور دن آتے رہیں گے اور وہ اپنی ہم پر انعامات لاتے رہیں گے یہاں تک کہ نبی علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور وہ واقعات بتائیں گے جن کے بتانے والا راست باز ہے۔"

بعد ازیں فرماتے واللہ! اگر میرے اعضاء صحیح ہوں، آنکھ کان درست ہوں اور اس وقت تک زندہ رہوں تو میں مضبوط اونٹ کی طرح اچھل کر آؤں اور اس کے ظہور کی تکلیف میں خوب کوشش کروں پھر اس نے کہا:

يا ليتني شاهداً نجواء دعوته حين العشيرة تبغي الحق خذلانا

کعب کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا فاصلہ ہے۔

آب زمزم کے کنوئیں کی دوبارہ تعمیر…… ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم حطیم میں سوئے ہوئے تھے زمزم کی کھدائی کا خواب دیکھا جیسا کہ یزید بن ابی حبیب مصری، علی بن ابی طالب سے روایت کرتے تھے کہ وہ حدیث زمزم بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے کہا میں حطیم میں سویا تھا کہ کوئی آنے والا آیا اور کہنے لگا "طیبہ" کی کھدائی کرو میں نے کہا "طیبہ" کیا ہے؟ وہ مجھے جواب دیے بغیر چلا گیا دوسرے روز میں اپنے بستر پر سونے کے لئے دراز ہوا تو پھر کسی نے کہا "برہ" کی کھدائی کیجئے۔ میں نے پوچھا "برہ" کیا ہے؟ وہ پھر مجھے چھوڑ کے چلا گیا اگلے روز میں پھر سویا تو وہ آیا اور اس نے کہا "مضنونہ" کی کھدائی کرو، میں نے کہا مضنونہ کیا ہے؟ پھر وہ چپ چاپ چلا گیا۔ اگلے روز پھر میں سویا تو اس نے کہا جا زمزم کی کھدائی کر، میں نے کہا زمزم کیا ہے؟ تو اس نے کہا وہ کبھی ختم نہ ہوگا نہ کم ہوگا۔ حاجیوں کو پانی پلائے گا۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہوگا، کوے کے ٹھونگا مارنے کے قریب ہوگا، چیونٹی کے بل کے قریب ہوگا۔ جب اس کی حقیقت اور جگہ معلوم ہو گئی اور واضح ہو گیا کہ اس نے سچ کہا ہے تو دوسرے روز اپنا بیٹا (حارث بن عبدالمطلب اس وقت صرف یہی ایک بیٹا تھا) کدال لے کر کھدائی کرنے لگے۔ جب اس کی منڈیر ظاہر ہوئی تو عبدالمطلب نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو قریش سمجھ گئے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے تو کہنے لگے جناب عبدالمطلب یہ ہمارے جد اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے، ہم بھی اس کے حقدار ہیں، ہمیں بھی اس کا حصہ دیجئے۔ عبدالمطلب نے کہا ایسا نہیں ہوگا، یہ کنواں میرے ساتھ مختص کیا ہے، یہ صرف مجھے عطا کیا گیا ہے، انہوں نے کہا انصاف سے کام لو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، ہم مخالفت کریں گے تو عبدالمطلب نے کہا کوئی ثالث منصف تسلیم کر لو، تم جس کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتے ہو، بنی سعد کی کاہنہ کا نام بطور منصف پیش ہوا تو عبدالمطلب نے بھی تسلیم کر لیا۔

شام کی کاہنہ کا بطور حکم تسلیم کرنا: وہ کاہنہ شام کے علاقہ میں تھی، چنانچہ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد تیار ہوا، عبدالمطلب کے ہمراہ چند اعزہ بھی تھے۔ اس وقت راستے بے آباد اور صحرا تھے، چلتے چلتے سفر میں ایک جگہ پہنچے کہ سب کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کے مارے موت

سامنے نظر آنے لگی اگر کسی کے پاس چلو بھر پانی تھا بھی تو وہ بھی کسی کو دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس صورت کے پیش نظر عبدالمطلب نے کہا ابھی تو ہم میں کچھ قوت و طاقت باقی ہے ہر آدمی اپنی قبر کھودے جب وہ پیاس سے مر جائے تو ساتھی اس میں اس کو دفن کر دیں صرف آخر میں ایک آدمی رہ جائے گا تو ایک آدمی کا بلا کفن رہنا بہ نسبت سب کی کچھ برا نہیں۔ اس تجویز کو بہتر سمجھتے ہوئے ہر ایک نے اپنی قبر کھودی اور موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

موت کے منہ میں عبدالمطلب کی سخاوت ...... پھر عبدالمطلب نے رفقاء سفر سے کہا، ہمارا اس طرح خود کو موت کے سپرد کرنا اور گرد و نواح میں پانی نہ تلاش کرنا بزدلی اور حماقت ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی جگہ پانی میسر کر دے۔ چنانچہ وہ سفر کے لئے تیار ہوئے تو عبدالمطلب نے اپنی سواری اٹھائی تو اس کے پاؤں کے نیچے سے شیریں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو عبدالمطلب اور ان کے رفقاء سفر نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر عبدالمطلب نے کہا آؤ پانی پیو اللہ تعالیٰ نے پانی عطا کر دیا ہے۔ چنانچہ سب نے پیا اور سواریوں کو پلایا اس صورت حال کے مد نظر سب نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ ہم آپ سے زمزم کے بارے میں کبھی تنازع نہ کریں گے جس ذات باری تعالیٰ نے آپ کو اس صحراء میں پانی سے محروم نہیں رکھا اس نے آپ کو زمزم عطا کیا ہے اپنے پانی کی طرف خیر و برکت سے واپس ہو چلو، چنانچہ وہ راستے سے ہی واپس چلے آئے اور کاہنہ کے پاس نہ گئے اور زمزم سے عبدالمطلب کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

چاہ زمزم کے متعلق غیبی آواز ...... ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے کسی نے عبدالمطلب کے بارے میں بتایا کہ کھدائی کے وقت یہ غیبی آواز آئی "تو سیراب کرنے والے صاف شفاف پانی کی طرف بلا جو ہر مشکل میں حاجیوں کو سیراب کرے گا۔ جب تک وہ ہے اس سے اذیت و تکلیف کا خطرہ نہیں" یہ غیبی آواز سن کر عبدالمطلب نے قریش کے پاس آ کر کہا سنو! مجھے چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم ہوا ہے، تو انہوں نے پوچھا کیا تجھے اس کے مقام کی نشاندہی کر دی گئی ہے؟ تو اس نے کہا نہیں تو قریش نے کہا جاؤ اسی خواب گاہ میں لیٹ جاؤ جہاں تم نے یہ خواب دیکھا ہے اگر منجانب اللہ سچا ہوا تو وہ تجھے وضاحت کر دے گا، اگر شیطانی وسوسہ ہوا تو وہ نہ آئے گا، چنانچہ وہ دوبارہ خواب گاہ میں لیٹ گئے تو یہ آواز آئی۔ چاہ زمزم کھود اگر تو نے کھودا تو پشیمان نہ ہو گا۔ یہ تمہارے مورث اعلیٰ کا ترکہ ہے۔ نہ کبھی ختم ہو گا نہ کم ہو گا۔ تو حاجیوں کا ساقی ہو گا۔ جو ریوڑ کی طرح جوق در جوق آئیں گے۔ اس میں حقیقی منعم کی نذر ماننے والے ہوں گے، یہ تیرا ورثہ اور مستحکم حصہ ہو گا، کسی اور کی اس میں شراکت نہ ہو گی اور یہ کنواں گوبر اور خون کے درمیان نمودار ہو گا۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب کو جب یہ آواز آئی تو پوچھا کنواں کہاں ہے؟ تو جواب آیا چیونٹیوں کے بل کے پاس جہاں کوا ٹھونگ مارے گا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ صبح عبدالمطلب مع بیٹے حارث کے (اس کے علاوہ اس وقت کوئی اور بیٹا نہ تھا) (بقول اموی سیرت نگار) اور غلام اصرم کے ساتھ نشان زدہ مقام پر آئے تو وہاں چیونٹیوں کا بل دکھائی دیا، اساف اور نائلہ بتوں جن کے پاس قریش قربانیاں کرتے تھے کے درمیان کوے کو ٹھونگ مارتے دیکھا۔ کھدائی شروع ہوئی تو قریش نے مزاحمت کی کہ ہم اپنے ان بتوں کی قربان گاہ کے درمیان قطعاً نہیں کھودنے دیں گے تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو کہا، تم ان کو روکو میں کھودتا ہوں، واللہ! میں اس کی سرتابی نہ کروں گا۔ جب قریش اس کے عزم کو سمجھ گئے تو رک گئے معمولی کھدائی کے بعد، بنیاد ظاہر ہو گئی تو عبدالمطلب نے نعرہ مارا اور سمجھ گیا کہ وہ آواز سچی تھی جب کچھ اور کھودا تو اس میں سے سونے کے دو آہو نظر آئے جو قبیلہ جرہم نے وہاں دفن کر دیئے تھے اور تلواریں اور زرہیں بھی وہاں موجود پائیں۔

کنویں کی ملکیت کا عجیب طریقہ ...... یہ دیکھ کر قریش نے کہا ہماری بھی اس میں حصہ داری اور شراکت ہے۔ عبدالمطلب نے کہا بالکل نہیں (ہاں زیادہ ہی اصرار کرو) تو دو ٹوک فیصلہ کر لیتے ہیں، تیروں سے قسمت آزما لیتے ہیں، انہوں نے کہا کس طرح؟ تو عبدالمطلب نے کہا کہ کعبہ کے دو تیر، میرے بھی دو تیر اور تمہارے سب کے دو تیر، جس کا تیر کامیاب نکلے وہ چیز اسی کی اور جو ناکام ہو اس کو کچھ نہ ملے۔ سب نے کہا درست ہے۔ چنانچہ کعبہ کے دو زرد رنگ کے تیر تھے عبدالمطلب کے سیاہ رنگ کے اور قریش کے سفید رنگ کے تھے پھر یہ سب تیر ہبل بت کے مجاور کو دے دیئے (ہبل بت سب سے بڑا تھا اس لئے جنگ احد میں ابو سفیان نے اسی کی سرفرازی کا نعرہ اعل ہبل مارا تھا) اور عبدالمطلب اللہ سے دعا مانگنے لگے۔ یونس بن

نیز محمد بن اسحاق سے بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے کہا:

اللهم أنت الملك المحمود
ربي أنت المبدي المعيد
وممسك الراسية الجلمود
من عندك الطارف والتليد
ان شئت ألهمت كما تريد
لموضع الحلية والحديد
فبين اليوم لما تريد
اني نذرت العاهد المعهود
واجعله رب لي فلا اعود

"اے اللہ تو مالک محمود ہے، میرے پروردگار تو پیدا کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو تھامے ہوئے ہے۔ تیری ہی طرف سے نیا اور پرانا احسان ہے۔ اگر تو چاہے تو الہام کر دے سونے اور لوہے کے مقام کے لئے" پس تو واضح کر دے جو تیرا منشا ہے۔ میں نے پختہ عہد کر کے نذر مانی ہے، اے اللہ تو اس کو میرا مقصد بنا دے میں دوبارہ خلاف نہ کروں گا۔"

پھر جوا کے تیروں کو حرکت دی تو زرد تیر کعبہ کے حصہ میں آ گئے اور دونوں سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں پر عبدالمطلب کے حصہ میں آ گئے اور سفید تیر قریش کی ناکامی کی علامت بن گئے۔ عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبہ کا دروازہ بنوایا اور سونے کے دونوں ہرن دروازے میں استعمال کر دیئے اور کعبہ کی سونے سے یہ پہلی آرائش تھی، پھر عبدالمطلب نے حاجیوں کے لئے زمزم سے پانی کی سبیل لگا دی۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں عبدالمطلب کے چاہ زمزم کھودنے سے قبل بھی وہاں کئی دوسرے کنویں موجود تھے۔ ابن اسحاق نے سب کے نام اور مقام بیان کئے ہیں اور کھودنے والوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ان سب کنوؤں کے زمزم کی وجہ سے نام و نشان مٹ گئے، سب کی توجہ چاہ زمزم کی طرف ہو گئی۔ یہ مسجد حرام میں ہے۔ دیگر کنوؤں سے اس کا پانی بہتر اور افضل ہے۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وراثتی کنواں ہے۔ اس کی وجہ سے آل عبد مناف کو قریش بلکہ سارے عرب و عجم پر باعث فخر ہے۔

زمزم کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان... مسلم شریف میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمزم کا پانی کھانے کے قائم مقام ہے اور بیماری کی دوا ہے۔ امام احمد (عبداللہ بن الولید، عبداللہ بن المؤمل، ابوالزبیر) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے مفید ہے۔ "باب الشرب من زمزم" میں امام ابن ماجہ نے بھی عبداللہ بن مؤمل سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ عبداللہ بن مؤمل مجروح راوی ہے۔ سوید بن سعید (ابن مبارک، عبدالرحمان بن ابی الموال، محمد بن منکدر) جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ماء زمزم لما شرب له" مگر اس میں بھی سوید بن سعید ضعیف راوی ہے، محفوظ تو یہ ہے کہ عبداللہ بن مؤمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام حاکم نے ابن عباس سے مرفوعاً بیان کیا ہے "ماء زمزم لما شرب له" فیہ نظر واللہ اعلم۔

امام ابن ماجہ نے "باب الشرب من زمزم" میں [illegible] نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو کہا جب تو زمزم کا پانی پیئے تو قبلہ رخ ہو، اللہ کا نام لے اور تین سانس لے اور خوب پیٹ بھر کر پی بعد ازاں الحمدللہ کہہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور منافقوں کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر آب زمزم نہیں پیتے۔ عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے یا اللہ میں آب زمزم غسل کرنے والے کے لئے حلال نہیں سمجھتا اور پینے والے کے لئے حلال اور مباح ہے۔ بعض فقہا نے یہ جملہ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ عبدالمطلب کا قول ہے۔ مغازی میں اموی نے سعید بن مسیب سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو اعلان کیا "لا احلها

لمغتسل وهي لشارب حل وبل" اور انہوں نے ایک حوض تعمیر کیا ایک پینے کے لئے دوسرا وضو کے واسطے اس وقت آپ نے کہا کہ غسل کرنے والے کے لئے اس کا استعمال میں درست نہیں سمجھتا کہ مسجد غسل کے پانی سے گندہ ہو۔

حل و بل کی تحقیق ابو عبید نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ "وبل" اتباع ہے۔ ابو عبید نے کہا کہ اتباع کلام بغیر حرف عطف کے ہوتا ہے لیکن اس کا معنی لغت حمیر میں "مباح" ہے جیسا کہ معتمر بن سلیمان سے منقول ہے۔ ابو عبید حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے "لا احلها لمغتسل وهي لشارب حل وبل" عبدالرحمن بن مہدی بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تمام اقوال کی طرف اس کی نسبت درست ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے اپنے دور میں بطور تبلیغ و اعلان عبدالمطلب کی پابندی کا اعلان کرتے تھے جو انہوں نے زمزم کی کھدائی کے ایام میں عائد کی تھی اس میں کوئی تضاد نہیں۔ واللہ اعلم۔

حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام پانی پلانے اور کھانا کھلانے کا انتظام عبدالمطلب کے زیر اہتمام تھا۔ ان کی زندگی کے بعد کافی عرصہ تک ابوطالب کے زیر انتظام رہا۔ ایک دفعہ ابوطالب تنگ دست ہو گئے اور اپنے بھائی عباس سے دس ہزار قرض لیا کہ آئندہ موسم حج تک ادا کر دیں گے۔ ابوطالب نے یہ رقم حاجیوں کو کھلانے میں صرف کر دی۔ جب دوسرا موسم حج آیا تو اس وقت ابوطالب کے پاس کچھ مال نہ تھا تو بھائی عباس سے چودہ ہزار قرض مانگا۔ عباس نے ایک سال تک کے لئے کہا کہ اگر آپ مجھے قرض ادا نہ کر سکے تو "سقایہ" سے میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے یعنی یہ انتظام کروں گا تو ابوطالب نے اثبات میں جواب دیا جب پھر موسم حج آیا تو ابوطالب عباس کا قرض ادا نہ کر سکے اور "سقایہ" سے عباس کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ ان کی وفات ۳۲ھ تک ولی اور پھر ۶۸ھ تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی رہا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن عبداللہ نے ان کے بعد ان کے فرزند داؤد بن علی نے پھر سلیمان بن علی نے پھر خلیفہ نے یہ انتظام سنبھال لیا اور اپنا غلام ابو رزین اس پر مقرر کر دیا۔ "ذکرہ الاموی"

عبدالمطلب کا اپنے بیٹے کی قربانی کی نذر ماننا ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب سے زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش مزاحم ہوئے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس لڑکے بالغ ہو کر ان کے معاون ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو اللہ کے نام پر کعبہ کے پاس ذبح کر دے گا۔ جب ان کے دس بیٹے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) حجل (۴) ضرار (۵) مقوم (۶) ابولہب (۷) عباس (۸) حمزہ (۹) ابوطالب اور (۱۰) عبداللہ وغیرہ بالغ ہو گئے تو انہوں نے اکٹھے کر کے اپنی نذر سے آگاہ کیا اور نذر کی تکمیل کی تجویز دی تو سب نے پوچھا تو آپ کیا طریقہ ہو گا؟ پھر والد نے کہا ہر ایک تیر پر اپنا نام تحریر کر کے میرے حوالے کر دے چنانچہ سب نے سر تسلیم خم کر کے تیر باپ کے سپرد کر دیے۔ عبدالمطلب وہ تیر لے کر ہبل نامی بت کے پاس چلے آئے

قریش کا عبدالمطلب کو روکنا کعبہ میں ہبل کنویں کے پاس نصب تھا جہاں نذر و قربانی وغیرہ کا مال جمع ہوتا تھا وہاں سات تیر تھے قریش میں جب کوئی امر پیش آتا یا کسی کام میں مشکل پیش آتی تو وہ اس بت کے پاس قسمت آزمائی اور فیصلے کے لئے جاتے تھے اور ان کے امور کو بتاتے تھے۔ غرضیکہ ہبل کے پاس جب عبدالمطلب تشریف لائے تو قرعہ اندازی کے نتیجہ میں تیر عبداللہ کا نکلا جو ان کو سب سے عزیز اور محبوب بیٹا تھا انہوں نے چھری لے کر عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اساف اور نائلہ کے درمیان ذبح کرنے کے لئے ذبح گاہ کی طرف لے چلے تو قریش اپنی مجلسوں سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھے اور کہا اے عبدالمطلب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ تو انہوں نے کہا اسے ذبح کروں گا۔ قریش اور ان کے بھائیوں نے عرض کیا واللہ آپ اسے ذبح نہیں کر سکتے جب تک آپ کی معذرت قبول نہ ہو جائے اگر آپ نے یہ دستور ڈال دیا تو لوگ بھی اپنی اولاد کو قربان کرنے لگیں گے اور یہ انقطاع نسل کا باعث ہوگا۔

عبداللہ کو ذبح کرنا یونس بن بکیر ابن اسحاق سے یہ قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ کو ذبح کرنے کے لئے عبدالمطلب نے اس پر

اپنا پاؤں رکھ دیا تھا کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً نیچے سے کھینچ لیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے چہرے پر زخم ہو گیا تھا جو مرتے دم تک باقی رہا۔ قریش نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ مدینہ میں ایک کاہنہ ہے اس سے دریافت کریں وہ جو مشورہ دے اس پر عمل کریں۔ چنانچہ وہ مدینے چلے آئے تو معلوم ہوا کہ وہ عرف "سجاح" تو خیبر میں ہے۔ چنانچہ خیبر آئے سارا واقعہ اس کے گوش گزار کیا تو اس کاہنہ نے کہا آج آپ واپس چلے جائیے میرا تابع جن آئے گا تو میں اس سے دریافت کروں گی۔ وہ سب واپس چلے آئے اور عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع اور گریہ وزاری میں مصروف تھے پھر صبح اس کے پاس گئے تو اس نے کہا تمہارے مسئلے کا حل موجود ہے۔ بتاؤ تمہارے قتل کی کیا دیت ہے؟ بتایا دس اونٹ (در حقیقت دیت یہی تھی) تو اس نے کہا وطن واپس جاؤ اپنے لڑکے اور دس اونٹوں کو قربان گاہ میں لاؤ اور پھر ان پر تیروں سے قرعہ ڈالو اگر قرعہ لڑکے کے نام نکلے تو دس اونٹوں کا اضافہ کر دو یہاں تک اضافہ کرتے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اگر وہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلے تو اس کو ذبح کرو اور سمجھو کہ تمہارا اللہ راضی ہو چکا ہے اور تمہارا بچہ نجات یافتہ ہے۔

چنانچہ وہ مکہ مکرمہ چلے آئے اور اس تجویز پر عمل درآمد کیا تو عبدالمطلب دعا میں محو ہو گئے' عبداللہ اور دس اونٹوں کو قربان گاہ میں لایا گیا' قسمت آزمائی اور تیر نکالنے کا عمل شروع ہوا تو ہر بار عبداللہ کو ذبح کرنے کا قرعہ نکلتا یہاں تک سو اونٹ ہو گئے اور پھر عبداللہ پر تیر ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے ذبح کرنے کا نکلا تو قریش نے عبدالمطلب کو کہا جب وہ ہبل کے پاس اللہ سے دعا مانگ رہا تھا۔ تیرا رب راضی ہو چکا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عبدالمطلب نے کہا جب تک سہ بار یہ عمل نہ ہو میں راضی نہ ہوں گا' چنانچہ تین بار ہی قرعہ اونٹوں کے نام نکلا تو سارے اونٹ ذبح کر دیے گئے گوشت کھلا چھوڑ دیا گیا' کسی انسان اور درندے کو (بقول ابن ہشام) بھی ممانعت نہ تھی۔ بعض سے یہ بھی مروی ہے کہ جب سو تک اونٹ کی تعداد پہنچ گئی پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا یہاں تک کہ "تین سو اونٹ اور عبداللہ" پر قرعہ ڈالا تو قرعہ اونٹوں کے نام کا نکلا پھر تین سو اونٹ کو ذبح کر دیا مگر صحیح پہلا قول ہے' واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ...... ابن جریر قبیصہ بن ذویب سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے فتویٰ پوچھا کہ میں نے کعبہ کے پاس اپنے بچے کے ذبح کرنے کی نذر مانی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا۔ پھر یہ مسئلہ عبداللہ ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے توقف اختیار کیا۔ یہ بات امیر مدینہ مروان بن حکم کو معلوم ہوئی تو اس نے کہا دونوں فتوے درست نہیں پھر اس نے اس خاتون کو کہا کہ جہاں تک ممکن ہو نیک کام کرے اور بچے کو ذبح نہ کرے سو اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا لوگوں نے مروان کے فتویٰ پر عمل کیا' واللہ اعلم۔

عبدالمطلب کا اپنے لخت جگر عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کرنا...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب اپنے لخت جگر عبداللہ کا ہاتھ تھامے جا رہے تھے کہ ان کا گزر ورقہ بن نوفل بن عبدالعزیٰ کی ہمشیرہ ام قتال کے پاس سے ہوا جو کعبہ کے قریب تھی تو اس نے عبداللہ کے چہرے کو دیکھ کر پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ تو آپ نے کہا اپنے والد کے ہمراہ پھر اس نے راز داری سے پیشکش کی کہ مجھ سے ہم بستری کر اور سو اونٹ مجھ سے لے جو تیری وجہ سے قربان ہو چکے ہیں۔ تو عبداللہ نے کہا اب تو میں والد کے ہمراہ ہوں ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عبدالمطلب وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس چلے آئے جو ہر لحاظ سے بنی زہرہ کا رئیس تھا۔ اس نے اپنی بیٹی آمنہ سیدۃ النساء آپ کے عقد میں دے دی۔ حسب دستور آپ انہی کے مکان پر ہم بستر ہوئے اور ان کو رسول ﷺ کا حمل ٹھہر گیا۔ پھر وہ وہاں سے آ کر اس عورت کے پاس گئے جس نے پیشکش کی تھی اور اسے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کل کی پیشکش کو دہراتی نہیں ہو؟ تو اس نے جواب دیا تیرے مبارک جبین پر وہ نور نہیں چمک رہا جو کل تھا اب مجھے کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ اس کا بھائی عیسائی عالم تھا وہ اس سے سنتی رہتی تھی کہ اس قوم میں نبی پیدا ہونے والا ہے اسے خواہش ہوئی کہ وہ اس کے بطن مبارک سے پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ حسب نسب' بہترین حسب' عمدہ اصل و نسل میں پیدا فرمایا' قرآن پاک میں (۶/۱۲۴) میں ہے اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ پیغمبری رکھتا ہے۔ آگے میلاد کا مفصل بیان آئے گا۔ ام قتال نے اپنے مقصد فوت ہونے اور اپنی ناکامی پر جو حسرت آمیز اشعار کہے وہ حافظ بیہقی نے ذکر

یونس بن بکیر ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:

فکل الخلق یرجوه جمیعا
یسود الناس مهتدیا اماما
براه الله من نور صفاه
فاذهب نوره عنا الظلاما
وذلک صنع ربک اذ حباه
اذا ما سار یوما او اقاما
فیهدی اهل مکة بعد کفر
ویفرض بعد ذلکم الصیاما

"سب کائنات اس کی امیدوار ہے جو ہدایت یافتہ پیشوا سب سے بلند و برتر ہے اللہ نے اس کو صاف شفاف نور سے پیدا کیا ہے اس کے نور ہدایت کی روشنی نے ظلمت کو ہم سے دور کر دیا ہے۔ یہ اللہ کا کرشمہ ہے جب اس کو یہ عطا کیا گیا خواہ قیام ہو اور سفر میں۔ اہل مکہ کو کفر کے بعد ہدایت نصیب کرے گا اور اس کے بعد روزے فرض کرے گا۔"

کاہنہ کا عبداللہ کو اپنی طرف مائل کرنا...... حافظ ابوبکر خرائطی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو شادی کی غرض سے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں شہر تبالہ کی ایک تعلیم یافتہ یہودی کاہنہ عورت بنت مر خثعمیہ ملی اس نے عبداللہ کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر فوراً شادی کا مطالبہ کیا اور سو اونٹ کی پیش کش بھی کی تو عبداللہ نے کہا

اما الحرام فالممات دونه
والحل لا حل فاستبینه
فکیف بالامر الذی تبغینه
یحمی الکریم عرضه ودینه

"حرام کاری کے ارتکاب سے موت بہتر ہے اور نکاح بھی اس وقت ہو گا کہ میں اس کی تحقیق کر لوں۔ تیرا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتا ہوں بھلا اچھا شخص تو اپنے دین اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔"

پھر اپنے والد کے ہمراہ چلے گئے اور اس نے آپ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کر دی اور حسب دستور وہاں تین روز قیام کیا پھر ان کے دل میں کاہنہ کی خواہش کا خیال آیا تو اس کے پاس آئے اس نے کہا اس ملاقات کے بعد آپ نے کیا کیا؟ عبداللہ نے سارا ماجرا بتایا تو اس نے کہا واللہ میں بدکار عورت نہیں ہوں۔ میں نے آپ کے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ میرے بطن میں منتقل ہو جائے لیکن اللہ کو جہاں منظور تھا وہیں منتقل کیا کاہنہ کے اشعار پھر اس نے کہا

انی رایت مخیلة لمعت
فتلالات بحناتم القطر
فلمائها نور یضیء له
ما حوله کاضاءة البدر
ورجوتها فخرا ابوء به
ما کل قادح زنده یوری

لله ما زهرية سلبت
ثوبيك ما استلبت وما تدري

"میں نے ایک ابر میں چمک دیکھی جو سیاہ بادلوں میں نمودار ہوئی۔ میں نے اس میں روشنی دیکھی جو ماحول کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور کر دیتی ہے۔ میں اس افتخار کے حصول کی امیدوار تھی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تعجب ہے کہ جو حسن زہریہ نے تجھ سے سلب کیا اور تجھے اس بات کا علم نہیں"۔

بني هاشم قد غادرت من أخيكم
أمينة إذ للباه يعتركان
كما غادر المصباح عند خموده
فتائل قد ميثت له بدهان
وما كل ما يحوي الفتى من تلاده
بحزم ولا ما فاته لتواني
فأجمل إذا طالبت أمراً فإنه
سيكفيكه جدان يصطرعان

"اے بنی ہاشم! آمنہ نے تمہارے بھائی سے شب زفاف کے بعد ایسا خالی کر دیا ہے جیسے چراغ گل ہونے کے وقت تیل کو چوس لیتا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو میسر ہو وہ اس کی عقلمندی کا نتیجہ نہیں ہوتا اور جو اس کے مقدر میں نہ ہو وہ اس میں غافل نہیں ہوتا۔ جب تم کسی چیز کو حاصل کرنے لگو تو اچھے طریقے سے حاصل کرو کیونکہ اس کے نصیب اور بدنصیبی آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔"

سيكفيكه إما يد مقفعلة
وإما يد مبسوطة ببنان
ولما حوت منه أمينة ما حوت
حوت منه فخراً ما لذلك ثان

"اس کی تہی دستی اور بخالی کافی ہو گی یا فراخ دستی اور جو کچھ آمنہ نے اس سے حاصل کیا اس سے ایسا افتخار حاصل کیا ہے جس کی نظیر نہیں تھی۔"

پیشین گوئی ... "اور دلائل النبوۃ" میں ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ہم موسم سرما کے سفر میں عبدالمطلب یمن میں ایک یہودی کے ہاں ٹھہرے تو ایک یہودی نے ان سے عرض کیا جناب عبدالمطلب! کیا آپ مجھے اپنے جسم کا بعض حصہ دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟

آپ نے اثبات میں جواب دیا بشرطیکہ شرمگاہ نہ ہو چنانچہ اس نے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں حکومت ہے اور دوسرے میں نبوت لیکن ہم تو یہ علامات بنی زہرہ کے بارے میں پڑھتے ہیں یہ کیسے ہو گیا؟ میں (عبدالمطلب) نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اس نے پوچھا کیا آپ کی "شاعہ" ہے؟ میں نے کہا "شاعہ کیا؟" تو اس نے کہا "بیوی"۔ میں نے کہا آج کل تو نہیں تو اس نے کہا واپس جا کر بنی زہرہ میں شادی کر لینا چنانچہ عبدالمطلب نے واپس آ کر ہالہ بنت وہیب سے شادی کر لی ان کے بطن سے حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے اور عبداللہ نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی تو ان کے بطن سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے جب عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہوئی تو قریش نے کہا عبداللہ تو کامران ہے یعنی وہ اپنے باپ سے بازی لے گیا۔

سیرت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے نسب کا بیان

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (۶/۱۲۴)

"اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ رسالت رکھتا ہے"۔

جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے آپ ﷺ کی صفات و علامات کے متعلق سوالات کیے تو اس نے پوچھا تم میں ان کا نسب کیسا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا، وہ ہم میں عالی نسب ہیں تو ہرقل نے کہا، واقعی رسول و انبیاء اسی طرح اپنی قوم میں عالی نسب ہوتے ہیں یعنی ان کا حسب نسب اعلیٰ اور خاندان اکثر و بیشتر ہوتا ہے۔

اسمائے مبارک:...... آپ ﷺ اولاد آدم کے رئیس اور سید عالم، دنیا اور آخرت میں سب کے واسطے باعث رحمت، فخر دو عالم، ابوالقاسم، ابو ابراہیم، محمد، احمد، ماحی جن کی وجہ سے کفر مٹا، عاقب یعنی آخری نبی، حاشر جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا، مقفی، نبی رحمت، نبی ملحمہ، نبی توبہ، غازی، نبی خاتم النبیین، فاتح، عالم، طٰہٰ، یٰسین اور عبداللہ۔ بقول بیہقی بعض علماء نے قرآن میں مذکورہ ناموں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ رسول، نبی، امی، شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ، سراج منیر، رؤف رحیم، مذکر، رحمت، نعمت، ہادی لیکن آگے چل کر ہم ایک مستقل باب میں وہ احادیث بیان کریں گے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔ اس باب میں بیشتر احادیث مروی ہیں جن کو پورے اہتمام سے حافظ بیہقی اور حافظ ابن عساکر نے جمع فرمایا ہے اور بعض متقدمین نے آپ ﷺ کے ایک ہزار نام جمع فرمائے ہیں۔ احوذی شرح ترمذی میں فقیہ ابوبکر بن العربی المالکی نے ان میں سے ۶۵ نام آپ کے شمار کیے ہیں واللہ اعلم۔

آپ کے والد گرامی اور چچا:...... رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند تھے، ذبیح ثانی (جن پر سو اونٹ قربان کیے گئے) بقول زہری قریش کے حسین و جمیل اشخاص میں سے تھے۔ آپ کے برادران میں (۱) حارث (۲) زبیر (۳) حمزہ (۴) ضرار (۵) ابوطالب (۶) عبد مناف (۷) ابولہب (۸) عبدالعزیٰ (۹) مقوم عبدالکعبہ (بعض کہتے ہیں یہ دو افراد کے نام ہیں) حجل مغیرہ، غیداق (حجل نوفل بعض اس کا نام حجل بتلاتے ہیں) یہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔

آپ کی پھوپھیاں:...... آپ کی پھوپھیاں چھ ہیں (۱) اروی (۲) برہ (۳) امیمہ (۴) صفیہ (۵) عاتکہ (۶) ام حکیم بیضاء۔ ان سب کے مفصل بیانات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ (ابن کثیر)

عبدالمطلب کے نام کی وجہ تسمیہ:...... عبدالمطلب کا نام شیبہ ہے اس واسطے کہ سر میں طبعی طور پر کچھ بال سفید تھے اور "شیبة الحمد" سخاوت کی وجہ سے کہتے تھے اور عبدالمطلب کا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے والد گرامی ہاشم نے بغرض تجارت شام جاتے ہوئے مدینہ میں عمرو بن زید بن لبید بن حرام بن خداش بن خندف بن عدی بن نجار خزرجی نجاری رئیس قوم کے ہاں قیام کیا ان کی بیٹی کو پسند کرنے لگے۔ اس کے والد نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی اور اس بات کا پابند کردیا کہ بیٹی کا قیام ہمارے ہاں ہی رہے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ شرط تھی کہ زچگی کے ایام ہمارے ہاں گزارے گی شام سے واپسی پر اسے اپنے ہمراہ مکہ لے آئے پھر شام جاتے ہوئے سلمیٰ بنت عمرو کو جو حاملہ تھی والد کے پاس مدینہ چھوڑ گئے اور وہاں غزہ میں

فوت ہو گئے۔

سلمیٰ بنت عمرو کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام شیبہ تجویز ہوا اپنے ننھیال کے ہاں سات سال رہا پھر اس کا چچا مطلب بن عبد مناف پیچھے سے والدہ کی اجازت کے بغیر اسے مکہ لے آیا، لوگوں نے مطلب بن عبد مناف کے ہمراہ بچے کو سواری پر بیٹھا دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا "عبدی" میرا غلام۔ لوگ مطلب کو مبارکباد دینے لگے بچے کے آنے پر تو اس کو عبدالمطلب کہنے لگے۔ یہی نام مشہور ہو گیا۔

عبدالمطلب بڑے امیر کبیر اور قوم کے رئیس تھے ان کی عزت و وقار کو چار چاند لگا رہے تھے وہ اپنے چچا کا نام روشن کر رہے تھے۔ مطلب کی وفات کے بعد سقایہ اور مکمل رفادہ اور مہمان نوازی انہی کے سپرد تھی بنی جرہم کے عہد قدیم سے چاہ زمزم گم نامعلوم تھا انہوں نے زمزم کی کھدائی کی تلواروں کے انبار اور سونے کے ہرن جو چاہ زمزم سے ملے تھے ان سے کعبہ کے دروازے کو سب سے پہلے انہی نے ملمع کیا۔ بقول ابن ہشام عبد مطلب کے آٹھ بہن بھائی ہیں (۱) اسد (۲) نضلہ (۳) ابی صیفی (۴) حیہ (۵) خالدہ (۶) رقیہ (۷) الشفاء (۸) ضعیفہ۔

ہاشم کی وجہ تسمیہ: ان کے والد کا نام عمرو ہاشم ہے۔ ہاشم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قحط سالی میں اس نے لوگوں کو شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر ثرید کھلایا جیسا کہ مطرود بن کعب خزاعی نے ایک قصیدہ میں کہا، جیسا کہ جزری وغیرہ کا بیان ہے:

عمرو الذی هشم الثرید لقومه
ورجال مکة مسنتون عجاف
سنت الیه الرحلتان کلاهما
سفر الشتاء ورحلة الاصیاف

"عمرو وہ ہے جس نے لوگوں کو ثرید کھلایا اور مکہ کے باشندے قحط زدہ لاغر تھے۔ موسم سرما اور گرما کے دو سفروں کی تجارتی نسبت بھی اسی کی طرف ہے"

کیونکہ دونوں سفروں کے موجد یہی ہیں اور وہ اپنے والد کے بڑے صاحبزادے ہیں ابن جریر کے مطابق ہاشم اور عبد شمس توام (جڑواں بھائی) تھے روایت ہے کہ ہاشم عبد شمس کے سر سے چپکا ہوا تھا جب علیحدہ کیا گیا تو خون جاری ہو گیا اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی اولاد کے درمیان جنگ و جدال ہوں گے۔ چنانچہ ۱۳۲ھ میں اموی اور عباسی خاندانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی۔ تیسرا بھائی مطلب اپنے والد کا چھوٹا بیٹا تھا ان تینوں کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال ہے اور چوتھے بھائی نوفل کی والدہ واقدہ بنت عمرو مازنیہ ہے۔

مجیرون: یہ چاروں بھائی قوم کے رئیس تھے اور عوام میں "مجیرون" کے نام سے مشہور تھے انہوں نے اپنی قوم کے لئے شاہان عالم سے امن وامان کی ضمانت حاصل کر لی تھی کہ وہ آزادانہ طور پر تجارت کر سکیں چنانچہ ہاشم نے شاہان شام روم اور غسان سے امن وامان کی ضمانت حاصل کر لی تھی عبد شمس نے نجاشی شاہ حبشہ سے نوفل نے کسریٰ سے اور مطلب نے شاہان حمیر سے۔ شاعر ان کی نسبت کہتا ہے:

یا ایها الرجل المحول رحله   الا نزلت بآل عبد مناف

"اے وہ شخص جو اپنے کجاوے کو اٹھائے ہوئے ہے کیوں نہ تو آل عبد مناف کا مہمان ہوا"۔

وہ ان کی وفات کے بعد یہ منصب ہاشم کے سپرد ہوا اس طرح ہاشم اور عبدالمطلب کی نسل کی رشتہ داری تا قیام دین اسلام اور جاہلی دور میں یک جان رہی چنانچہ ہم نوا ہوئے اور شعب ابی طالب میں بھی متحد رہے عبد شمس اور نوفل کی اولاد ان سے الگ رہی اسی پر ابو طالب نے قصیدہ لامیہ میں کہا:

جزى الله عنا عبد شمس ونوفلا   عقوبة شر عاجلا غیر آجل

"اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو بہت بری سزا دے فوراً بہت جلدی بغیر دیر کے"۔

ہاشم اور ان کے اہل خانہ کی اموات ...... تاریخ میں ایسا کہیں معلوم نہیں کہ ایک باپ کی اولاد اس قدر مختلف مقامات میں فوت ہوئی۔ ہاشم شام کے علاقہ غزہ میں فوت ہوئے' عبد شمس نے مکہ میں انتقال کیا' نوفل کو عراق کے علاقہ سلمان میں موت آئی اور مطلب (حسن و جمال کی وجہ سے ان کو قمر کہتے تھے) یمن کے علاقہ ردمان میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ ہاشم' عبد شمس' نوفل اور مطلب' یہ چار بھائی شہرہ آفاق میں شمار ہیں' ان کا ایک پانچواں بھائی ابو عمرو عبد "اصل نام عبد قصی ہے" اس قدر مشہور نہ تھا لوگ کہتے ہیں کہ اس کی نسل ختم ہو گئی تھی (قال الزبیر بن بکار وغیرہ) ان کی چھ بہنیں ہیں' (۱) تماضر (۲) حیہ (۳) ریطہ (۴) قلابہ (۵) ام الاخثم اور (۶) ام سفیان' یہ گیارہ بہن بھائی عبد مناف کی اولاد میں ہیں۔

عبد مناف ...... مناف ایک بت کا نام ہے' عبد مناف کا اصل نام مغیرہ ہے' اپنے والد کی زندگی میں ہی قوم کا رئیس اور سردار تھا اور شہرہ آفاق تھا۔ ان کا بھائی عبد الدار سب سے بڑا تھا۔ قوم کے سب منصب باپ نے اس کے سپرد کر رکھے تھے۔ (۱) عبد العزیٰ (۲) عبد (۳) برہ اور (۴) تخمر' ان چار بھائیوں اور دو ہمشیرگان کی والدہ ہے' حبی بنت حلیل بن حبشی بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی۔ شہزادی حبی کا والد شاہان خزاعہ کا آخری بادشاہ تھا' اور یہی لوگ بادشاہ و بیت اللہ کے متولی تھے' یہ چار بھائی اور دو بہنیں قصی کی اولاد میں سے تھے۔

قصی کی وجہ تسمیہ ...... قصی کا اصل نام زید ہے۔ ان کو قصی اس وجہ سے کہتے تھے کہ اس کے باپ کلاب کے بعد اس کی والدہ نے ربیعہ بن حرام بن عذرہ سے نکاح کر لیا تھا اور اسے دور دراز علاقہ میں لے گیا تھا اور یہ بچہ بھی ان کے ہمراہ تھا' اس وجہ سے زید کا نام قصی مشہور ہو گیا۔

قصی کی مکہ والوں کی امداد کرنا ...... پھر بڑا ہو کر مکہ واپس لوٹا اور قریش کی پریشانی کا مداوا کیا اور متفرق مقامات سے لا کر ان کو مکہ میں آباد کیا۔ بیت اللہ سے خزاعہ کی ولایت کو ختم کیا بلکہ ان کو مکہ سے جلاوطن کر دیا اور حالات صحیح حالت پر آ گئے اور پھر وہ قریش کا علی الاطلاق خود مختار سربراہ ہو گیا۔ رفادہ' حجاج کی خبر گیری' سقایہ' مشکیں اور پانی کا انتظام' سدانت' کعبہ کی مجاورت و خدمت' کعبہ کی کلید برداری' لواء' علم برداری' دار الندوہ' مجلس شوریٰ وغیرہ تمام منصب اس کے سپرد تھے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے:

قصي لعمري كان يدعى مجمعاً   به جمع الله القبائل من فهر

"میری زندگی کی قسم! قصی کو مجمع اور منتظم اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی بدولت اللہ نے فہر کے قبائل کو یکجا کیا"۔

قصی' کلاب' مرہ' کعب وغیرہ کی اولاد کا ذکر ...... قصی زہرہ کا بھائی ہے اور یہ دونوں کلاب کے بیٹے ہیں۔

کلاب ...... کلاب کے بھائی تیم اور ابو مخزوم یقظہ ہیں۔ ان تینوں کا والد مرہ ہے۔

مرہ ...... مرہ کے بھائی عدی اور ہصیص ہیں ان کے والد کا نام کعب ہے۔

کعب ...... کعب ہر جمعہ کو لوگوں کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت سنایا کرتا تھا' ان کے بھائی (۱) عامر (۲) سامہ (۳) خزیمہ (۴) سعد (۵) حارث اور (۶) عوف ہیں' یہ سات بھائی لوی کی اولاد ہیں۔

لوی ...... یہ تیم ادرم کے بھائی ہیں اور یہ دونوں (لوی اور تیم) غالب کی اولاد ہیں۔

غالب ...... غالب' حارث اور محارب کے بھائی ہیں' یہ تینوں فہر کی اولاد ہیں۔

فہر ...... فہر حارث کے بھائی ہیں ان دونوں کے والد مالک ہیں۔

مالک ...... ان کے بھائی: (۱) صلت اور (۲) مخلد ہیں اور یہ تینوں نضر کی اولاد ہیں جو قریش کے جد اعلیٰ تھے۔

نضر ۔ ان کے بھائی (۱) مالک (۲) ملکان اور (۳) عبدمناۃ وغیرہ ہیں ان سب کے والد کنانہ ہیں۔

کنانہ ۔ کنانہ کے بھائی (۱) اسد (۲) اسدہ (۳) ہون ہیں۔ یہ خزیمہ کی اولاد ہیں۔

خزیمہ ...... یہ خزیمہ ہذیل کا بھائی ہے اور یہ دونوں "مدرکہ" عمرو کی اولاد ہیں۔

مدرکہ عمرو ۔۔ ان کے بھائی ہیں "طابخہ" عامر اور "قمعہ" عمیر یہ تینوں بیٹے الیاس کے ہیں۔

الیاس ...... ان کا بھائی عیلان ہے "قیس" بن عیلان کا مورث اعلیٰ الیاس اور عیلان دونوں مضر کے بیٹے ہیں۔

مضر ۔ مضر اور ربیعہ دونوں کو اسماعیل علیہ السلام کی خالص نسل سے شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے دو بھائی انمار اور ایاد دونوں یمن چلے گئے تھے یہ مضر، ربیعہ، انمار اور ایاد نزار کی اولاد ہیں اور نزار کے بھائی قضاعہ ہیں۔ بقول ماہرین نسب قضاعہ بھی حمیری ہیں اور معد تاقی تھے نزار اور قضاعہ دونوں معد بن عدنان کی اولاد ہیں۔ اس مذکورہ بالا نسب نامہ میں ماہرین انساب کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔ حجاز کے سب قبائل کا نسب معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔

بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ مفسرین نے ۲۳/۴۲ "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی" کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر رشتہ داری کی محبت کے بارے میں کہا ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ سے قرابت کا رشتہ آپ ﷺ کے ننھیال کے ساتھ وابستہ ہے اور خزیمہ کے ساتھ ننھیالی رشتہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ ہم عدنان کے بعد کے نسب اور اس پر اعتراض وغیرہ سب تحریر کر چکے ہیں اور تفصیل طور پر عدنان تک اور اسماعیل علیہ السلام میں سے ہے اس بات میں اختلاف موجود ہے کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کتنی نسلیں ہیں یہ بھی مفصل بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ عدنان سے آدم علیہ السلام تک نسب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ابوالعباس عبداللہ بن محمد الناشی کا ایک قصیدہ بھی بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کے نسب پر تبصرہ ۔۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک کی نہایت عمدہ تحریر کی ہے ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنا نسب عدنان تک بیان کیا ہے مگر اس کی صحت اور درستگی کا علم اللہ کو معلوم ہے جیسا کہ حافظ بیہقی نے بیان کیا ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کندہ قبیلہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اور رسول ﷺ ایک ہی نسب سے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ بات عباس اور ابوسفیان بھی کہتے ہیں۔ مگر ہم اپنے آباء کے نسب سے الگ نہیں ہوتے ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں جب بھی نسل میں اختلاف پیدا ہوا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے بہترین میں منتقل کیا اور میرا تولد بھی میرے اپنے والدین سے ہوا جاہلیت کے زنا سے پاک رہے حضرت آدم سے لے کر اپنا کی پیدائش تک نکاح ہی ہوا میں اپنی ذات اور باپ کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں مالک بن انس کی یہ حدیث نہایت غریب ہے اس میں قدامی راوی بھی ضعیف اور منفرد ہے۔ لیکن ہم دوسری اسناد سے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں "خرجت من نکاح ولا من سفاح" کہ میں نکاح کی پیداوار ہوں زنا کی نہیں۔ اس بات کی تائید میں ہے کہ عبدالرزاق ابن عیینہ جعفر بن محمد اور ابوجعفر باقر سے ۱۲۸/۹ "لقد جاءکم رسول من انفسکم" کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ جاہلیت کی ولادت سے محفوظ ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انی خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح" یہ حدیث نہایت عمدہ مرسل ہے۔

ابن عدی اور ... نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان اللہ اخرجنی من النکاح ولم یخرجنی من السفاح"

اس روایت کو ابن عدی نے موصول اور مرفوع بیان کیا کہ احمد بن حفص علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آدم سے لے کر اپنے والدین تک نکاح کی پیداوار ہوں زنا کی نہیں۔ میرے نسب میں زنا کا شائبہ تک نہیں۔ یہ حدیث اس سند سے غریب اور کمزور ہے بالکل صحیح نہیں۔ ہیثم مدنی ابوالحویرث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے نسب میں جاہلیت کے نکاح کا شائبہ تک نہیں۔ میرا ظہور اسلامی نکاح کی بدولت ہوا ہے۔ یہ سند بھی غریب ہے۔ حافظ ابن عساکر نے یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے واللہ اعلم۔ محمد بن سعد عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولدت من نکاح غیر سفاح" ابن عساکر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے **وتقلبک فی الساجدین** کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ آپ آغاز دنیا سے نبیوں کی نسل میں چلے آتے حتی کہ آپ نبی پیدا ہوئے شعیب نے اس کو عطاء سے بھی روایت کیا ہے۔

محمد بن سعد محمد کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کی پانچ سو والدوں کی بابت تلاش اور جستجو کی ہے۔ میں نے ان میں زنا کی بو تک نہیں پائی۔ بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نبی آدم کی بہتر سے بہتر نسل میں پیدا ہوتا رہا یہاں تک کہ اب میں (عبداللہ) کی نسل سے پیدا ہوا ہوں۔ مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو منتخب فرمایا اور اولاد اسماعیل سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔ امام (ابونعیم سفیان یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث بن نوفل مطلب بن ابی وداعہ) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے نسب میں بعض لوگوں کی نکتہ چینی معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے بر سر منبر فرمایا "میں کون ہوں؟" تو سامعین نے کہا "آپ اللہ کے رسول ہیں۔" پھر آپ نے فرمایا میں محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اس نے مجھ کو اس کی بہترین نسل میں منتقل کر دیا پھر ان کے دو گروہ ہوئے تو مجھے بہترین گروہ میں منتقل کر دیا پھر اللہ نے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں منتقل کر دیا پھر ان کو اللہ نے خاندان میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں پیدا کیا۔ پس میں تم سب سے ذات اور خاندان کے لحاظ سے اعلیٰ اور افضل ہوں **صلوات اللہ وسلامہ علیہ دائما ابدا الی یوم الدین**

یعقوب بن سفیان (عبیداللہ بن موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث بن نوفل) عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو بڑے ہشاش بشاش ہوتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے یہ سن کر آپ سخت غصے ہوئے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جب تک کوئی آدمی تم سے اللہ اور رسول کی خاطر محبت نہ رکھے اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا۔ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش اپنے حسب نسب کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کی مثال یوں دی جیسے کھجور کا درخت کچرے کوڑے میں اگ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> **ان اللہ یوم خلق الخلق جعلنی فی خیرھم ثم لما فرقھم قبائل جعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم حین جعل البیوت جعلنی فی خیر بیوتھم فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا**

یہی روایت ابن ابی شیبہ نے ابن فضیل یزید بن ابی زیاد عبداللہ بن حارث ربیعہ بن حارث سے بیان کی ہے لیکن اس نے عباس کا ذکر نہیں کیا۔

یعقوب بن سفیان (یحییٰ بن عبدالحمید قیس بن عبداللہ اعمش عطیہ بن ربعی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین حصہ میں منتقل کیا۔ یہ تفسیر ہے **واصحاب الیمین واصحاب الشمال** کی میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور ان سب سے بہتر ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تین حصوں (۱) یمین (۲) یسار اور (۳) سابق میں تقسیم کیا تو میں سابق لوگوں میں شمار ہوا اور میں "سابق لوگوں" میں سے بہتر ہوں پھر ان کو قبائل میں منتقل کیا تو مجھے بہترین قبیلہ میں منتقل کیا۔ یہ ہے مطلب **وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم** کا میں سب کائنات سے متقی ہوں اور سب سے افضل ہوں۔ یہ بات فخر اور خودستائی نہیں اظہار حقیقت ہے پھر قبائل کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں منتقل کیا۔ یہ ہے مقصد **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا** کا چنانچہ میں اور اہل بیت سب گناہوں سے پاک ہیں۔ اس حدیث

کی نبوت قریب اور بشارت ہے۔

ابوسفیان کا اعتراض ۔ حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کے مکان کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک عورت وہاں سے گزری تو کسی نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی ہے تو ابوسفیان نے کہا بنی ہاشم میں محمد کی مثال ایسے خوشبودار پودے کی ہے جو بدبودار جگہ میں ہو۔ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کچھ لوگوں سے طرح طرح کی باتیں پہنچ رہی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے ان سے بلند کو پسند کیا اور اپنی مخلوقات سے جس کو پسند کیا اس میں آباد کیا پھر اللہ نے ساری کائنات سے اولاد آدم کو پسند کیا اور ان سے عرب کو پسند کیا اور عرب سے مضر کو پسند کیا اور مضر سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو چنا تو میں بہتر سے بہتر ہوں۔ جو شخص عرب سے محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ عداوت کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا یہ اظہار حقیقت ہے فخر نہیں۔ حاکم اور بیہقی نے (موسیٰ بن عبیدہ عمرو بن عبداللہ بن نوفل زہری بواسطہ ابو سلمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کا مشرق و مغرب چھان مارا محمد ﷺ سے افضل کسی کو نہ پایا اور میں نے دنیا کا مشرق و مغرب چھان مارا بنی ہاشم سے کسی کو بہتر نہ پایا۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے بعض راوی ضعیف ہیں تاہم یہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور سب کا مرکزی مضمون حدیث واثلہ کی تائید کرتا ہے واللہ اعلم۔

ابوطالب کے اشعار ۔۔۔ ابوطالب نے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف میں چند اشعار کہے

إذا اجتمعت يوما قريش لمفخر
فعبد مناف سرها وصميمها
وإن حصلت أشراف عبد منافها
ففي هاشم أشرافها وقديمها
وإن فخرت يوما فإن محمدا
هو المصطفى من سرها وكريمها
تداعت قريش غثها وسمينها
علينا فلم تظفر وطاشت حلومها

"جب قریش کسی روز فخر و مباہات کے لئے جمع ہوں تو صرف قبیلہ عبد مناف ان کا مرکز اور اصل ہے۔ اگر عبد مناف کے اشراف کو تلاش کیا جائے تو ہاشم قبیلہ میں ہی ان کے اشراف اور قدیم بزرگ ہیں۔ اگر ہاشم قبیلہ بھی فخر کا اظہار کرے تو صرف محمد ہی ان کے اشرافوں سے منتخب ہیں۔ ہمارے خلاف ہر ذلیل قریش جمع ہو گئے مگر وہ کامیاب نہ ہوئے اور ان کی عقلیں ماری گئیں"۔

وكنا قديما لا نقر ظلامة
إذا ما ثنوا صعر الخدود نقيمها
ونحمي حماها كل يوم كريهة
ونضرب عن أحجارها من يرومها
بنا انتعش العود الذواء وإنما
بأكنافنا تندى وتنمى أرومها

"ہم زمانہ قدیم سے ہی ظلم و تشدد کا اعتراف نہیں کرتے' جب وہ تیز تھے ہوں تو ہم مغرور لوگوں کی گردنیں سیدھی کر دیتے ہیں۔ ہم ہر مشکل وقت میں اس کی چراگاہ کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے گھروں پر جو حملہ آور ہوں ان کو مارتے ہیں۔ خشک لکڑی ہماری وجہ سے تر و تازہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی جڑ اور بنیاد ہی ہمارے سایہ میں نشوونما پاتی ہے"۔

عباس رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار ...... وہ "جز اور مجموعہ" جو ابوالحسن زکریا بن یحییٰ حالی کی طرف منسوب ہے اس میں ہے کہ عمر بن ابی زحر بن حصین' جدہ حمید ابن منہب' خریم بن اوس سے نقل کرتا ہے کہ میں تبوک سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوا اور عباس کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی مدح میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو تمہارے دانت سلامت رہیں۔

من قبلها طبت فی الظلال وفی
مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر انت
ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد
الجم نسرا واهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم
اذا مضی عالم بدا طبق

"قبل ازیں آپ سایوں میں خوش و خرم رہے اور ایسے مقام میں جہاں پتے جوڑ کر لباس بنایا جاتا ہے یعنی جنت میں۔ پھر آپ روئے زمین پر آئے آپ تھے گوشت پوست اور نہ بستہ خون۔ بلکہ آپ پانی کی بوند تھے جو کشتی میں سوار ہوا نسر اور اس کے پرستاروں کو غرق کر دیا۔ آپ پشت سے رحم میں تبدیل ہوتے رہے جب ایک گزر جاتا تو دوسرا قرن نمودار ہوتا۔"

حتی احتوی بیتک المهیمن من
خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض
وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی النور
وسبل الرشاد نخترق

"یہاں تک کہ اس نے خندق کے عالی مقام اور نگہبان خاندان کو محفوظ کر دیا اور وہ خاندانی نطق و گویائی سے آراستہ ہے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت زمین روشن ہو گئی اور آپ کی روشنی سے آفاق منور ہو گئے۔ ہم اس روشنی نور اور بھلائی کے راستوں میں چلتے ہیں"۔

مذکورہ بالا اشعار کے متعلق دوسری روایت ...... یہی اشعار حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "فداک ابی وامی" آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے خوب مسکرا کر فرمایا میں آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا پھر اپنے والد نوح کی پشت میں کشتی پر سوار تھا پھر ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں آیا ہمارے آباء و امہات نے بھی زنا نہیں کیا' اللہ تعالیٰ مجھ کو مسلسل شریف پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا۔ میں ہدایت یافتہ ہوں'

خاندانوں کی دو شاخوں میں سے میں بہتر اور برتر شاخ میں منتقل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا۔ تورات اور انجیل میں میرا ذکر کیا۔ ہر نبی نے اپنی امت کو میری صفات بتائیں، میرے نور سے زمین روشن ہوگئی اور میرے چہرے سے بادل منور ہوگئے، مجھے اپنی کتاب (قرآن) کا علم دیا، آسمان پر میری قدر و منزلت میں اضافہ کیا گیا، اپنے نام سے میرا نام مشتق کیا، عرش والا محمود ہے اور میں محمد اور احمد ہوں۔ مجھ سے حوض اور کوثر کا وعدہ فرمایا اور مجھے پہلا شافع محشر بنایا اور میں ہی وہ اولین شخص ہوں جس کی سفارش قبول ہوگی۔ پھر باری تعالیٰ نے مجھے بہتر زمانے میں اپنی امت اور قوم کے لئے پیدا کیا، اور میری امت حمد کرنے والی اور اللہ کی تعریف کرنے والی ہے۔ نیکی کا امر کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔ پھر سابقہ روایت والے اشعار بیان کئے ہیں جو حسان کے ہیں، یہ اشعار سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا "حسان پر اللہ رحمت کرے" تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا رب کعبہ کی قسم! حسان کے لئے جنت واجب ہوگئی بقول ابن عساکر یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بلکہ یہ حدیث نہایت منکر ہے، صحیح ہے کہ یہ اشعار عباس رضی اللہ عنہ کے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ اشعار عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس سلمی کے ہیں واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل محمد نام کے چھ اشخاص...... (نوٹ) شفا میں قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ نام "احمد" جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہے اور انبیائے کرام نے ان کی آمد کا مژدہ سنایا ہے۔ بتقاضائے حکمت الٰہی (یا حسن اتفاق سے) کوئی شخص بھی اس نام سے موسوم ہوا نہ ہی اس نام سے کسی کو پکارا گیا کہ ضعیف الاعتقاد اور شکی مزاج ایسے ہی کو التباس نہ ہو۔ ایسے ہی نام محمد ﷺ کو بھی عرب و عجم میں کسی نے بطور نام استعمال نہیں کیا البتہ رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل یہ مشہور ہوگیا تھا کہ محمد ﷺ نامی نبی مبعوث ہوگا۔ پس نبوت کی امید میں بعض عرب نے اپنے بیٹوں کا یہ نام تجویز کیا تھا واللہ اعلم حیث یجعل رسالته) اور اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھیں گے چنانچہ چھ اشخاص وہ ہیں جو اس نام سے موسوم ہوئے۔ (۱) محمد بن احیحہ بن جلاح اوسی (۲) محمد بن مسلمہ انصاری (۳) محمد بن براء کندی (۴) محمد بن سفیان بن مجاشع (۵) محمد بن حمران جعفی اور (۶) محمد بن خزاعی سلمی ان کا ساتواں کوئی نہیں۔ بعض کہتے ہیں سب سے اول محمد بن سفیان اس نام سے موسوم ہوا۔ یمنی کہتے ہیں محمد بن یحمد ازدی۔

محمد نام کے افراد کا دعوائے نبوت نہ کرنا...... جو شخص بھی اس نام سے موسوم ہوا اللہ نے اس کو دعوائے نبوت سے محفوظ رکھا اور نہ ہی کسی نے نبوت کا اقرار کیا اور نہ ہی اس پر نبوت کے کچھ آثار ظاہر ہوئے۔ جس کی وجہ سے اشتباہ کا خطرہ لاحق ہو یہاں تک کہ دونوں باتیں آپ ﷺ کے لئے بغیر کسی جدال کے محقق ہوگئیں یعنی بذات خود دعوائے نبوت اور عوام کی تائید و تصدیق حاصل ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کی ولادت

آپ ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے، صحیح مسلم کی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق کسی اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پیر کے روزہ کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھے نبوت نصیب ہوئی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (موسیٰ بن داؤد ابن لہیعہ، خالد بن ابی عمران، حنش صنعانی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے، پیر کے روز ہی نبوت سے سرفراز ہوئے، اسی روز ہجرت کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے، اسی روز مدینہ تشریف لائے، اسی روز فوت ہوئے اور اسی روز بیت اللہ میں حجر اسود رکھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ ..... ابن لہیعہ سے یہ روایت عمرو بن بکیر بھی روایت کرتے ہیں اور یہ اضافہ کرتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (۵:۳) بھی پیر کے دن ہی نازل ہوئی۔ اسی طرح موسیٰ بن داؤد سے کسی اور نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس نے یہ اضافہ کیا ہے کہ غزوہ بدر بھی پیر کے دن ہوا۔ (یزید بن حبیب بھی اسی بات کے قائل ہیں) یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ جنگ بدر اور الیوم اکملت (۵:۳) کا نزول جمعہ کے روز ہوا، صحیح حدیث سے ہے۔ حافظ ابن عساکر نے واقعی حقیقت حال کے مطابق کہا۔ عبداللہ بن عمر

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے روز ہوئی اور پیر ہی کے روز وفات ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کے روز پیدا ہوئے۔ یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

بعض افراد کا حضور ﷺ کی تاریخ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہونا

بروز جمعہ ۱۷ ربیع الاول: بروز جمعہ کو جو لوگ ولادت باسعادت کے قائل ہیں وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ یہ بات حافظ ابن دحیہ نے "اعلام الروی باعلام الہدی" از بعض شیعہ سے نقل کی ہے پھر اس کی خوب تضعیف اور تردید کی۔ چنانچہ یہ بات قابل تردید ہے کیونکہ یہ نص کے خلاف ہے۔

دو ربیع الاول: جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ولادت ربیع الاول میں ہوئی بعض کہتے ہیں دو ربیع الاول (استیعاب از ابن عبد البر) نیز واقدی نے بھی یہ روایت حضرت نجیح بن عبد الرحمن مدنی سے نقل کی ہے۔

۸ ربیع الاول: بعض کہتے ہیں "آٹھ ربیع الاول کو آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔" یہ قول حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے۔ نیز امام مالک، عقیل اور یونس بن یزید وغیرہ نے بھی امام زہری سے اور انہوں نے محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے مورخین سے اس کی صحت نقل کی ہے۔ حافظ کبیر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے بھی اس کو درست قرار دیا ہے اور التنویر فی مولد البشیر والنذیر میں بھی حافظ ابو الخطاب بن دحیہ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے۔

دس ربیع الاول: بعض لوگ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت "دس ربیع الاول" کہتے ہیں۔ ابن دحیہ نے اس کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، حافظ ابن عساکر نے یہ ابو جعفر الباقر سے نقل کیا ہے۔ نیز مجالد نے شعبی سے بھی یہ روایت کی ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی تاریخ ولادت

۱۲ ربیع الاول: ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ ابن اسحاق نے بیان کی ہے اور "مصنف" میں ابن ابی شیبہ نے عفان، سعید بن میناء، جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، اسی روز مبعوث ہوئے، اسی روز معراج ہوئی، اسی روز ہجرت کی اور اسی روز وفات ہوئے۔ جمہور کے نزدیک یہی تاریخ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷ ربیع الاول: بعض لوگ ۱۷ ربیع الاول کے قائل ہیں جیسا کہ ابن دحیہ نے بعض شیعہ سے نقل کیا ہے۔

۲۲ ربیع الاول: بعض لوگ ۲۲ ربیع الاول کہتے ہیں یہ قول ابن دحیہ نے وزیر ابو رافع بن حافظ ابو محمد بن حزم کے خط سے ان کے والد کا قول نقل کیا ہے لیکن ابن حزم کا صحیح قول ۸ ربیع الاول ہے جو حمیدی نے ان سے بیان کیا ہے اور یہی زیادہ ثابت ہے۔

۹ ربیع الاول: مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول بروز سوموار ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔

رمضان: رسول اللہ ﷺ کی ولادت رمضان میں ہوئی یہ زبیر بن بکار کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بالاتفاق آنحضرت کی طرف وحی رمضان میں نازل ہوئی اس وقت آپ کی عمر چالیس سال پوری تھی۔ لہذا آپ کی ولادت بھی رمضان میں ہوئی ہوگی۔ یہ قول قابل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

یکم ربیع الاول...... حافظ خیثمہ بن سلیمان (خلف بن محمد کردوس واسطی' معلی بن عبدالرحمان' عبدالحمید بن جعفر' زہری' عبیداللہ بن عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک ماہ ربیع الاول میں بروز سوموار ہوئی اور یکم ربیع الاول بروز سوموار آپ ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے اور بروز سوموار ربیع الاول میں آپ پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔ رواہ ابن عساکر' وھذا غریب جدا۔

۱۲ رمضان...... زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ جمرہ وسطی کے قریب "شعب ابی طالب" میں حج کے موسم میں "قربانی کے ایام میں" آپ کی والدہ ماجدہ امید سے ہوئیں اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ رمضان کو مکہ مکرمہ میں اس گھر میں ہوئی جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے نام سے معروف ہے اور کسی مورخ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی والدہ خیزران نے جس سال حج کیا اس نے اس گھر کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم صادر کیا آج کل وہ مسجد معروف ہے۔

۱۲ رمضان...... حافظ ابن عساکر نے (محمد بن عثمان بن عقبہ بن مکرم' مسیب بن شریک' شعیب بن شعیب' ابوہ' جدہ) نقل کیا ہے کہ دس محرم کو رسول اللہ ﷺ کا حمل قرار پایا اور بروز سوموار ۱۲ رمضان' واقعہ فیل کے ۲۳ سال بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

فلکی کا قول...... امام فلکی نے بیان کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی ولادت مبارک ۲۰ نیسان (اپریل) ۸۸۲ ذوالقرنین میں ہوئی اور یہ موسم نہایت معتدل عمدہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ ستاروں کے ماہرین کے خیال میں آپ کی ولادت باسعادت کے وقت سیارہ جدی ۲۰ درجہ پر تھا۔ مشتری اور زحل "عقرب" سے ۳ درجہ پر تھے۔ ستارہ حمل طلوع تھا اور چاند اپنی پہلی منزل میں طلوع تھا۔

عام فیل اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت

بقول ابن اسحاق' جمہور کا قول یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ ابراہیم بن منذر حزامی کہتے ہیں کہ کسی اہل علم کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے اور واقعہ فیل کے چالیس سال بعد مبعوث ہوئے۔ حافظ بیہقی (ابو اسحاق سبیعی' سعید بن جبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے۔ محمد ابن اسحاق (مطلب بن عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ' عبداللہ بن قیس) قیس بن مخرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں اور رسول اللہ ﷺ ہم عمر تھے اور ہم عام فیل میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم جو کہ بنی عمر بن لیث کے قبیلے سے ہیں ان سے پوچھا عمر میں تم بڑے تھے یا رسول اللہ ﷺ تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں میں نے ہاتھی کی لید سبز رنگ بدلتے ہوئے دیکھی ہے۔

(ترمذی اور حاکم از ابن اسحاق)

ابن اسحاق کی تحقیق...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر میلہ عکاظ کے وقت بیس سال کی تھی اور حرب فجار بھی واقعہ فیل کے بیس سال بعد ہوئی اور کعبہ کی تعمیر حرب فجار سے پندرہ سال بعد ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت' تعمیر کعبہ کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

محمد بن جبیر کی تحقیق...... محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ عکاظ کا میلہ کی ابتداء حادثہ فیل کے پندرہ سال بعد ہوئی اور کعبہ کی تعمیر عکاظ سے دس سال بعد ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کعبہ کی تعمیر کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

قباث کا قول...... حافظ بیہقی نے بیان کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے قباث اشیم کنانی لیثی سے پوچھا عمر میں تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ تو اس نے نہایت مودبانہ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے اکبر اور اعظم و اعلیٰ ہیں میں ان سے عمر میں بڑا ہوں، رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے اور میری والدہ نے مجھے ہاتھی کی لید دکھائی جو سبز رنگ بدلے ہوئے تھی اور رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔

سوید کی روایت...... یعقوب بن سفیان نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ہم عمر ہوں میں عام فیل میں پیدا ہوا لیکن بیہقی نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دو سال چھوٹا ہوں۔ یعقوب بن سفیان نے محمد بن جبیر بن مطعم سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام فیل میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے پندرہ سال بعد میلہ پہلی مرتبہ منعقد ہوا اور کعبہ کی تعمیر حادثہ فیل سے ۲۵ سال بعد ہوئی اور رسول اللہ واقعہ فیل سے چالیس بعد نبوت سے سرفراز ہوئے۔

جمہور کا قول...... غرضیکہ رسول اللہ ﷺ بقول جمہور حادثہ فیل کے سال ہی ایک ماہ یا چالیس دن یا پچاس دن کے بعد آپ ﷺ پیدا ہوئے اور یہ ۵۰ والا قول مشہور ہے۔ ابو جعفر باقر بیان کرتے ہیں کہ ۱۵ محرم کو حادثہ فیل ہوا اور ۵۵ روز بعد رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ بقول ابن ابزیٰ واقعہ فیل رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے دس سال قبل ہوا اور شعیب بن شعیب اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ واقعہ فیل رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے ۲۳ سال قبل ہوا اور موسیٰ بن عقبہ زہری سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت واقعہ فیل کے ۳۰ سال بعد ہوئی اور یہی اس کا آخری قول ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو زکریا عجلانی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت حادثہ فیل کے چالیس سال بعد ہوئی۔ یہ قول نہایت غریب ہے اور اس سے بھی زیادہ غریب اور کمزور قول وہ ہے جو خلیفہ بن خیاط، شعیب بن حبان، عبدالواحد بن ابی عمرو، کلبی، ابو صالح، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حادثہ فیل سے ۱۵ سال قبل پیدا ہوئے۔ یہ روایت نہایت غریب، ضعیف اور منکر ہے۔ خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں متفق علیہ قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت حادثہ فیل کے سال ہوئی۔

نوٹ...... عکاظ کا میلہ طائف اور نخلہ کے درمیان قائم ہوتا تھا یکم ذی قعدہ سے ۲۰ ذی قعدہ تک اور اس کا آغاز ۵۴۰ء میں ہوا اور یہ ۷۳۶ء/۱۲۹ھ تک جاری رہا۔ (مترجم)

رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے واقعات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنے کی نذر کے بدلے جب سو اونٹ قربان کر دیے اور اللہ تعالیٰ نے عبداللہؓ کو محفوظ رکھا کہ ازل سے قدرت کو منظور تھا کہ اس کی پشت سے سید عالم خاتم رسل نبی امی ﷺ کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے آمنہ بنت وہب سے ان کی شادی کر دی اور حسب دستور آپ ان کے گھر ٹھہرے تو وہ امید سے ہو گئیں۔

ام قتال کا اظہار افسوس...... قبل ازیں ام قتال رقیقہ ہمشیرہ ورقہ بن نوفل نے عبداللہ کی آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھ کر خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ نور ان کے بطن میں منتقل ہو جائے کیونکہ وہ اپنے بھائی سے بکثرت سنتی رہتی تھی کہ آخر الزمان نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے۔ اس خواہش کا اظہار بقول نکاح کے ذریعے تھا اور یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ نے اس خواہش کی تکمیل سے معذرت کی اور جب یہ نور آمنہ کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ اس پیشکش سے نادم ہوئی اور عبداللہ نے پھر اسی پیشکش کو قبول کرنے کا عزم کیا تو اس نے کہا مجھے اب تیری ضرورت باقی نہیں رہی اور اس نعمت عظمیٰ سے محرومی پر اس نے شدید افسوس کا اظہار کیا اور اس نے اس کے متعلق فصیح اشعار بھی کہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ عصمت و صیانت عبداللہ کی خاطر نہ تھی بلکہ یہ عفت و پاک دامنی محض رسول اللہ ﷺ کی خاطر تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کو کس کے سپرد کرے اور صحیح سند سے روایت بیان ہو چکی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری ولادت میں نکاح ہے نہ کہ سفاح (زنا) غرضیکہ جب حضرت آمنہ امید سے ہو گئیں تو پیدائش سے قبل ہی حضرت عبداللہ فوت ہو گئے یہی مشہور قول ہے۔

عبداللہ کا بیمار ہونا ...... محمد بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ شام میں غزہ کی طرف ایک تجارتی قافلے میں گئے۔ خرید و فروخت سے فارغ ہو گئے تو واپسی میں مدینہ ٹھہر گئے۔ حضرت عبداللہ بیمار تھے انہوں نے رفقائے سفر سے کہا میں اپنے ننھیال ہی میں بنی عدی بن نجار کے ہاں قیام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس تقریباً ایک ماہ تک بیمار رہے اور ان کے باقی رفقاء مکہ چلے آئے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا وہ بیمار تھا ننھیال کے ہاں ٹھہر گیا۔

عبداللہ کی وفات ...... عبدالمطلب نے اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو مدینے روانہ کیا وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہ فوت ہو چکے تھے اور دار النابغہ میں دفن کر دیے گئے تھے۔ چنانچہ وہ واپس چلے آئے اور اہل خانہ کو ان کی وفات کی خبر سنائی تو وہ سب بہن بھائی اور عبدالمطلب نہایت غمگین اور رنجیدہ ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی اور رسول اللہ ﷺ بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ واقدی سے مروی ہے کہ عمر اور وفات کے بارے میں یہ روایت سب سے مستحکم ہے۔

واقدی اور معمر کی تحقیق ...... واقدی معمر زہری سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مدینے سے کھجوریں لانے کے لئے روانہ کیا تو وہاں انکا انتقال ہو گیا۔ محمد بن سعد عوانہ بن حکم سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ ۲۸ ماہ کے بچے تھے یا سات ماہ کے کہ حضرت عبداللہ فوت ہو گئے۔ بقول محمد بن سعد پہلا قول درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ زبیر بن بکار (محمد بن حسن عبدالسلام) ابن خربوذ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مدینہ میں فوت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اس وقت ۲ ماہ کے بچے تھے اور چار سال کی عمر میں والدہ فوت ہو گئی اور آٹھ سال کی عمر میں دادا فوت ہو گئے ان کے دادا نے ان کی تربیت و پرورش کی وصیت ابوطالب سے کی۔

واقدی اور ابن سعد کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہی حضرت عبداللہ فوت ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجے کی یتیمی ہے۔

آپ ﷺ کی والدہ کا خواب ...... یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں شکم مادر میں تھا کہ والدہ نے خواب دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نمودار ہوا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ کے حمل کے دوران مجھے کسی نے کہا "تیرے شکم میں اس امت کا سید ہے جب وہ پیدا ہوا یوں کہو میں اس کو وحدہ لاشریک کی پناہ میں دیتی ہوں۔ ہر حسد کرنے والے سے ہر بدخواہ انسان سے دفاع کرنے والا میرا دفاع کرنے بے شک وہ حمید اور ماجد کے پاس ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو دیکھوں کہ وہ مشاہد و مجالس میں آئے اور علامت یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اس کے ہمراہ ایک نور خارج ہوگا جس سے شام کے علاقہ "بصریٰ" کے محلات روشن ہو جائیں گے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اس کا نام تورات میں احمد مذکور ہے زمین و زمان والے اس کی تعریف کریں گے اس کا نام مبارک انجیل میں بھی ہے زمین آسمان والے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اس کا نام قرآن میں محمد مذکور ہے چنانچہ آمنہ نے بوقت حمل اس نور کو ملاحظہ کیا تھا گویا اس سے نور خارج ہوا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں اور وضع حمل کے وقت بھی نور دیکھا جیسا کہ بوقت حمل قبل ازیں دیکھا تھا واللہ اعلم۔

متعدد راویوں کی ایک روایت ...... محمد بن سعد واقدی محمد بن عبداللہ بن مسلم زہری واقدی موسیٰ بن عبیدہ اخوہ اور محمد بن کعب قرظی عبداللہ بن جعفر زہری یعقوب بن عتبہ ام بکر بنت مسور ابو عاصم عبدالرحمان بن ابراہیم مزنی اور زیاد بن حشرج ابو وجزہ معمر ابو نجیح مجاہد طلحہ بن عمرو عطاء ابن عباس ان چھ اساتذہ کی روایت باہم خلط ملط ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق امید سے ہوئی تو مجھے وضع حمل تک کوئی گرانی اور مشقت محسوس نہیں ہوئی وضع حمل کے وقت اس کے ہمراہ ایک نور خارج ہوا جس سے مشرق مغرب منور ہو گئے پھر آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین

پر گرے پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ دو زانوؤں کے بل زمین پر آئے اور پھر سر اٹھایا اور آپ کے ساتھ ایک نور خارج ہوا جس سے شام کے قصور و محلات اور اس کے بازار روشن ہو گئے یہاں تک کہ بصریٰ شہر کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔ حافظ بیہقی (حافظ محمد بن عبداللہ' محمد بن اسماعیل' محمد بن اسحاق' یونس بن بشر بن حسن' یعقوب بن محمد زہری' عبدالعزیز بن عمران' عبداللہ بن عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم از والد ابن ابی سوید ثقفی) عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی میں بھی زچہ خانہ میں موجود تھی گھر میں نور ہی نور پھیلا ہوا تھا میں ستاروں کو اپنے قریب دیکھ رہی تھی یہاں تک کہ میرا خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آ گریں گے۔ قاضی عیاض نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کی والدہ شفاء سے نقل کیا ہے کہ وہ دایہ تھی اور اس نے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھوں پر آئے اور آواز کی تو کسی نے کہا "یرحمک اللہ" اور ان سے ایسا نور نمودار ہوا جس سے روم کے قصور و محلات روشن ہو گئے۔

عبدالمطلب کا آپ ﷺ کو بیت اللہ لانا ...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ شکم مادر میں تھے کہ والد فوت ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ جب والد فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۸ ماہ تھی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کب فوت ہوئے) وضع حمل کے بعد والدہ نے کنیز کے ہاتھ عبدالمطلب کو یہ پیغام ارسال کیا کہ آپ کا پوتا پیدا ہوا ہے تشریف لائیے جب وہ تشریف لے آئے تو والدہ آمنہ نے ان کو اپنا خواب نور کا واقعہ اور نام رکھنے وغیرہ کی سب باتیں بتا دیں تو عبدالمطلب ان کو لے کر بیت اللہ کے اندر ہبل کے پاس لے گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

الحمد لله الذي أعطاني
هذا الغلام الطيب الأردان
قد ساد في المهد على الغلمان
أعيذه بالبيت ذي الأركان
حتى يكون بلغة الفتيان
حتى أراه بالغ البنيان

"سب تعریف ہے اس ذات کی جس نے مجھے یہ بچہ عطا کیا ہے۔ وہ گہوارے میں ہی سب بچوں سے فائق ہے میں اسے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ نوجوانوں کو کفایت کرنے والا ہو جائے اور میں اس کو توانا و طاقتور دیکھوں"۔

أعيذه من كل ذي شنآن
من حاسد مضطرب العنان
ذي همة ليس له عينان
حتى أراه رافع اللسان
أنت الذي سميت في القرآن
في كتب ثابتة المثاني
أحمد مكتوب على اللسان

"میں اس سے پناہ مانگتا ہوں ہر دشمن سے اور ہر پریشان حاسد سے۔ ہر بوڑھے پھونس سے جس کی بینائی نہ ہو یہاں تک کہ میں اسے دیکھوں۔ تو وہ محترم ہے جس کا نام قرآن میں ہے اور بار بار تلاوت شدہ کتابوں میں احمد جو زبانوں پر تحریر ہے"۔

آپ ﷺ کا ختنہ شدہ پیدا ہونا ...... بیہقی (حافظ ابو عبداللہ' ابوبکر محمد بن احمد دارابوردی ...... مرو ...... ابو عبداللہ بوشنجی' ابو ایوب سلیمان بن سلمہ خبائری' یونس بن عطاء' عثمان بن ربیعہ بن زیاد بن حارث صدائی' حکم بن ابان' عکرمہ' ابن عباس) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ شدہ آنول بریدہ پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ کے دادا عبدالمطلب کو خوشی ہوئی اور فرمایا کہ میرا پوتا عظیم الشان ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا (یہ

حدیث کی طرح ہے (کہ) اور وہ آپ کے ہاں ختنہ شدہ ہے)۔

حافظ ابن عساکر (سفیان بن محمد المصیصی ہشیم یونس بن عبید حسن) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ہاں یہ میری تعظیم و تکریم ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ اس روایت کے کئی اور طرق بھی ہیں۔

ابو نعیم (ابو احمد محمد بن احمد بن جعفر یعنی حسین بن احمد بن عبداللہ مالکی سلیمان بن سلمہ خبائری یونس بن عطاء حکم بن ابان عکرمہ ابن عباس) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قال ولد رسول اللہ مختونا مسرورا فاعجب ذلک جدہ عبدالمطلب وحظی عندہ وقال لیکونن لابنی هذا شان فکان له شان (ترجمہ سابقہ حدیث کی طرح ہے) بعض علماء نے اس حدیث کو کثرتِ طرق کی وجہ سے صحیح کہا ہے حتیٰ کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ متواتر ہے مگر یہ سب طرق اور حدیثیں محل نظر ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام کا ختنہ کرنا: حافظ ابن عساکر (عبدالرحمن بن عیینہ بصری علی بن محمد مدائنی سلمہ بن محارب بن مسلم بن زیاد) اپنے والد ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شق صدر کے وقت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ کی تھی۔ یہ نہایت غریب ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ کا عبدالمطلب نے ختنہ کیا اور قریش کی دعوت کی واللہ اعلم۔

دستور عرب اور آپ ﷺ کا نام: بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ محمد بن کامل قاضی محمد بن اسماعیل سلمی ابو صالح عبداللہ بن صالح معاویہ بن صالح) ابو الحکم تنوخی سے نقل کرتے ہیں کہ قریش کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو اسے صبح تک کے لئے قریش کی عورتوں کے سپرد کر دیتے وہ اس پر ہنڈیا اوندھی رکھ دیتیں چنانچہ عبدالمطلب نے آپ کو حسب دستور عورتوں کے سپرد کیا اور انہوں نے آپ ﷺ پر ہانڈی اوندھی رکھ دی۔ صبح سویرے انہوں نے دیکھا تو ہانڈی دو ٹکڑے ہو چکی تھی اور آپ آنکھیں کھولے آسمان کو دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے عبدالمطلب کو کہا ہم نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ ہم نے اسے دیکھا تو ہنڈیا دو ٹکڑے ہو چکی تھی اور وہ آسمان کو آنکھیں کھولے دیکھ رہا تھا تو عبدالمطلب نے کہا اس کی خوب حفاظت کرو مجھے امید ہے کہ یہ عظیم الشان انسان ہوگا۔ ساتویں روز بچہ کی طرف سے جانور ذبح کر کے قریش کی دعوت کی خورد و نوش سے فارغ ہو کر انہوں نے عبدالمطلب سے بچے کا نام پوچھا تو عبدالمطلب نے "محمد" بتایا انہوں نے تعجب کیا۔ اپنے خاندانی نام سے ہٹ کر نام کیوں تجویز کیا؟ تو انہوں نے کہا، میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر اس کی تعریف کرے اور زمین پر مخلوق اس کی تعریف کرے۔ لغوی کہتے ہیں کہ عرب بھی تمام عادات و خصائل کے جامع انسان کو محمد کہتے ہیں کسی نے کہا

الیک ابیت اللعن اعملت ناقتی الی الماجد القرم الکریم المحمد

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ نام اللہ عزوجل نے ان کو الہام کیا تھا کیونکہ آپ محمود خصائل اوصاف کے پیکر تھے تاکہ نام اور کام کی صورت اور معنی کے مطابق ہو جائے جیسے کہ ابوطالب نے کہا اور یہ حسان سے بھی منقول ہے:

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

* مفہوم: اس نے آپ کی عزت و عظمت افزائی کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے صاحب عرش محمود ہے اور یہ محمد ہے۔
آنحضور ﷺ کے اسماء گرامی کی تفصیل، شمائل، صفات، اخلاق، معجزات، فضائل ہم ان شاء اللہ سیرت کے آخر میں بیان کریں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آپ کی صفات بیان کرنا: حافظ بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ ابو العباس محمد بن یعقوب احمد بن شیبان رملی احمد بن ابراہیم حلبی ہیثم بن جمیل زہیر ابن عطاء محمد بن عثمان) عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے دین میں داخل ہونے کی خواہش آپ ﷺ کی ایک علامت نبوت سے پیدا ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جس طرف اشارہ کرتے ہیں چاند اسی طرف جھک جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں اس سے باتیں کیا کرتا تھا اور وہ مجھ سے، وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جب سجدہ کرتا ہے تو میں اس کی "شیہنت" کی آواز سنتا ہوں۔ اس روایت میں حلبی متفرد ہے اور وہ مجہول ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی شب ولادت کے واقعات

باب ھواتف الجان - میں ہم آپ کی شب ولادت میں بیشتر بتوں کا منہ کے بل اوندھے گرنا، نجاشی شاہ حبشہ کا خواب، آپ کی ولادت کے وقت نور کا ظہور، اس روشنی سے شام کے محلات کا نظر آنا اور بوقت ولادت آپ کا دونوں ہاتھوں کے بل گرنا، سر آسمان کی طرف اٹھانا، ہنڈیا کا دو نیم ہو جانا، زچہ خانہ کا نور سے روشن ہو جانا اور ستاروں کا قریب ہو جانا وغیرہ ذکر کر چکے ہیں۔

ابلیس کا چلا کر رونا ...... سہیلی نے بقی بن مخلد سے نقل کیا ہے کہ ابلیس چار بار چلا کر رویا (۱) جب اس پر لعنت پڑی (۲) جب آسمان سے دھتکارا گیا (۳) جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی اور (۴) جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

یہودی تاجر کا عجیب واقعہ ...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک یہودی تجارتی کاروبار کرتا تھا، جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اس نے قریش کی ایک مجلس میں آ کر پوچھا کیا آج رات کسی قریشی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل مجلس نے لاعلمی کا اظہار کیا اس نے "اللہ اکبر" کہہ کر کہا تم کو نہیں معلوم تو خیر غور سے سنو اور میری بات یاد رکھو آج رات کو آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے اس میں گھوڑے کے بالوں کی طرح مسلسل بال ہیں وہ دو رات تک دودھ نہ پئے گا۔ کیونکہ ایک عفریت جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس کی وجہ سے وہ دودھ نہیں پی سکتا چنانچہ مجلس برخاست ہوئی اور وہ یہودی کی بات سے نہایت حیرت و تعجب میں تھے جب گھروں کو لوٹے تو ہر ایک نے اپنے اہل خانہ سے پوچھا تو سب کے گھر والوں نے کہا واللہ! عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محمد ﷺ رکھا ہے۔ پھر جب اہل مجلس کی باہمی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا یہودی کی بات تم نے سنی تھی اور تمہیں بچے کی پیدائش کی خبر بھی معلوم ہوئی ہے چنانچہ وہ یہ بات کرتے ہوئے یہودی کے پاس آئے اور اسے سارا واقعہ بتایا تو اس نے کہا میرے ساتھ چلو کہ میں اس بچے کو دیکھوں چنانچہ وہ یہودی کو آمنہ کے گھر لے گئے تو انہوں نے کہا اپنے بیٹے کو لاؤ، وہ لائی تو انہوں نے بچے کی کمر سے کپڑا سرکایا تو اس پر یہودی نے تل دیکھا تو فوراً غش کھا کر گر پڑا جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا افسوس! تجھے کیا ہوا؟ تو اس نے کہا واللہ! بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت رخصت ہوگئی اے قریش! تم اس نبوت سے خوش ہو وہ ایسا حملہ کرے گا کہ ساری دنیا میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔

یہودی کی پیشین گوئی ...... محمد بن اسحاق حسان بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ میں سات یا آٹھ سال کا تھا اور ہر بات سمجھتا تھا کہ ایک صبح یثرب میں ایک یہودی نے چلا کر کہا اے یہودیو! (ان میں میں بھی تھا) سب اس کے پاس چلے آئے انہوں نے پوچھا ویلک! کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو آج رات پیدا ہوا۔

یوشع کا آپ ﷺ کے متعلق بتلانا ...... ابو نعیم دلائل النبوۃ میں ابو سعید سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مالک بن سنان سے سنا کہ وہ ایک روز بنی عبدالاشہل کے ہاں بات چیت کے لئے آیا ہمارے ان دنوں میں ان سے صلح ہو چکی تھی وہاں میں نے یوشع یہودی سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے جو حرم میں پیدا ہوگا۔ خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے اس سے بطور مزاح پوچھا اس کا حلیہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا متوسط قامت کا نوجوان ہے اس کی آنکھوں میں سرخی ہے، وہ شملہ پہنے گا، گدھے کی سواری کرے گا اس کے کندھے پر نبوت کی مہر ہوگی یثرب کی طرف ہجرت کرے گا۔ پھر میں اپنی قوم بنی خدرہ میں چلا آیا اور میں یوشع کی بات سے بہت حیران تھا۔ میں نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ بات صرف یوشع ہی نہیں کہتا یہ بات تو ہر یہودی کی زبان پر ہے۔ مالک بن سنان کہتے ہیں پھر میں بنی قریظہ کے پاس آیا تو وہ بھی حضور نبی ﷺ کا تذکرہ کر رہے تھے۔

ایک بڑا یہودی: چنانچہ محمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ یہودی نے کہا کہ میرا خیال ہے یہ وہ ستارہ ہے جو کسی نبی کے ظہور کے وقت نمودار ہوتا ہے اور صرف احمد نبی کا انتظار ہے، یہ یثرب اس کی ہجرت گاہ ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام ہم سے ملے ہم نے یہ بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جاتا تو سب یہودی مسلمان ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ اس کے تابع فرمان تھے۔ ابو نعیم اپنی سند سے حسان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں سات آٹھ برس کا تھا کہ ایک یہودی نے علی الصبح پکار کر کہا کہ اے یہود! جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے کہا تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا اس نبی کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کے متعلق پیشین گوئی ہے اس کا نام احمد ہے اور یثرب اس کا مقام ہجرت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے آپ کی بعثت کا ذکر کیا تو اس نے اسلام اختیار کر لیا۔ ابو نعیم نے دلائل میں محمد بن حمید سے نقل کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی الزناد اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل نے کہا کہ مجھے شام کے کسی پادری نے بتایا کہ تیرے شہر میں ایک نبی کا ظہور ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے اس کا تارا طلوع ہو چکا ہے لہٰذا تو جا اور اس کی تصدیق کر کے اس پر ایمان لا۔

ایوان کے محلات کا لرزنا، کنگرے گرنا، آگ بجھنا اور موبذان کا خواب

حافظ ابو بکر محمد بن جعفر خرائطی نے مخزوم بن ہانی مخزومی سے، انہوں نے اپنے والد سے جن کی عمر ڈیڑھ سو سال تھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شب ولادت میں کسریٰ کا ایوان لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کا آتش کدہ بجھ گیا جو ہزار سال سے نہیں بجھا تھا اور ساوہ کا بحیرہ خشک ہو گیا اور موبذان نے خواب دیکھا کہ تند و سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں جو دجلہ عبور کر کے ان کے شہروں میں پھیل چکے ہیں۔

شاہ فارس کی پریشانی: صبح ہوئی تو کسریٰ شاہ فارس بہت پریشان ہوا لیکن بظاہر صبر کر کے اس نے یہ بات مخفی رکھنا مناسب خیال کیا پھر اس کا خیال ہوا کہ اعیان مملکت کو آگاہ کرنا چاہیے چنانچہ اس نے ایک اجلاس کا اعلان کیا اور تاج پہن کر تخت پر بیٹھ گیا جب سب لوگ آ گئے تو اس نے کہا معلوم ہے میں نے آپ کو کس لیے بلایا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں ہم کو معلوم نہیں ہاں بادشاہ سلامت خود بتا دیں گے ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ آتش کدہ کے بجھنے کا خط آ پہنچا تو اس کا غم دو چند ہو گیا پھر اس نے محل کے کنگرے گرنے کا واقعہ بتایا تو موبذان نے کہا بادشاہ سلامت! میں نے بھی اس رات ایک خواب (مذکورہ) دیکھا ہے، بادشاہ نے موبذان سے پوچھا اس کی تعبیر کیا ہو گی؟ اس نے کہا عرب کی طرف سے کوئی حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ کسریٰ نے خط لکھا۔

کسریٰ کا خط: چنانچہ اس موقع پر اس نے لکھا "شہنشاہ کسریٰ کی طرف سے نعمان بن منذر کے نام، اما بعد! کسی عالم کو میرے پاس بھیج دو جس سے میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں" تو اس نے عبد المسیح بن عمرو بن حیان بن بقیلہ غسانی کو اس کی خدمت میں روانہ کر دیا جب وہ حاضر ہوا تو کسریٰ نے پوچھا کیا تیرے پاس اس بات کا علم ہے جو میں تجھ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں؟ اس نے کہا آپ مجھے بات بتا دیں اگر مجھے معلوم ہوا تو بتا دوں گا ورنہ اس کا پتا بتا دوں گا جو جانتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کو خواب کی بات بتائی تو اس نے کہا اس کی تعبیر میرے ماموں کو معلوم ہے جو شام کے بلند مقام پر رہتا ہے اس کا نام سطیح ہے تو بادشاہ نے کہا اس کے پاس جا اور تعبیر پوچھ کر آ۔

عبد المسیح کا سطیح سے بستر مرگ پر ملنا

چنانچہ عبد المسیح سطیح کے پاس پہنچا تو وہ بستر مرگ پر تھا سلام کے بعد عبد المسیح نے بات کی تو سطیح نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا

أصم أم يسمع غطريف اليمن
أم فاد فازلم به شأو العنن
يا فاصل الخطة أعيت من ومن
أتاك شيخ الحي من آل سنن
وأمه من آل ذئب بن حجن
أزرق نهم الناب صرار الأذن
أبيض فضفاض الرداء والبدن
رسول قيل العجم يسري للوسن

’’یا بہرہ ہے یا یمن کے رئیس کی بات سنتا ہے یا فوت ہو چکا ہے اور اس پر موت کا غلبہ ہے اے مشکل امر کے فیصلہ کرنے والے سب اس کے سلجھانے سے عاجز ہیں آل سنن کے قبیلہ کا شیخ تیرے پاس آیا ہے اور اس کی والدہ آل ذئب بن حجن کی نسل سے ہے نیلگوں آنکھوں والا گہری بات سننے کے لئے آیا ہے سفید و کشادہ جسم و چادر والا شاہ عجم کا ایلچی ہے آرام و راحت کے لئے آیا ہے‘‘

يجوب بي الأرض علنداة شزن
لا يرهب الرعد ولا ريب الزمن
ترفعني وجنا وتهوي بي وجن
حتى أتى عاري الجآجي والقطن
تلفه في الريح بوغاء الدمن
كأنما حثحث من حضني ثكن

’’موٹی طاقتور موٹی بدن والی اونٹنی مجھے لے کر سفر طے کر رہی ہے وہ آسمانی اور زمانے کے خطرات سے بے خوف ہے وہ مجھے سنگلاخ زمین کے نشیب و فراز میں لئے چل رہی ہے یہاں تک کہ میں کھلے سینہ اور کشادہ پہلو آیا ہوں۔ آندھی اس کو لپیٹ رہی ہے غبار والی زمین میں گویا مجھے ثکن پہاڑ کے دونوں پہلوؤں سے بھگایا گیا ہے۔

سطیح کی تعبیر...... یہ شعر جب سطیح نے سنے تو اس نے سر اٹھا کر کہا عبد المسیح تیز رو اونٹ پر سطیح کے پاس آیا جو قریب المرگ ہے تجھے ساسانی بادشاہ نے بھیجا ہے ایوان کسریٰ پر زلزلہ طاری ہونے کی وجہ سے اور آتش کدوں کے بجھ جانے کے باعث اور موبذان کے خواب کے سبب اس نے خواب میں سرکش اونٹ دیکھے جو عربی گھوڑوں کی قیادت کے لئے آ رہے ہیں انہوں نے دجلہ کو عبور کر لیا ہے اور اس کے علاقے میں پھیل گئے ہیں۔

اے عبد المسیح جب تلاوت قرآن عام ہوگی اور لاٹھی والا ظاہر ہوگا وادی سماوہ میں سیلاب آئے گا اور بحیرہ ساوہ خشک ہو گا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جائے گا تو شام سطیح کا وطن نہ رہے گا ان کی تعداد کے مطابق ان کے بادشاہ اور ملکہ ہوں گے اور جو شدنی امر ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر سطیح فوت ہو گیا اور عبد المسیح یہ شعر پڑھتا ہوا اٹھا۔

شمر فإنك ماضي العزم شمير
لا يفزعنك تفريق وتغيير
إن يمس ملك بني ساسان أفرطهم
فإن ذا الدهر أطوار دهارير

فربما ربما اضحوا بمنزلة
یخاف صولهم الاسد المهاصیر
منهم اخو الصرح بهرام واخوته
والهرمزان وسابور وسابور

"اے تجربہ اور کوشش کرنے والے! تو مستعد رہ تو پختہ عزم والا ہے تجھے یہ تفریق و تبدیلی پریشان نہ کرے۔ اگر بنو ساسان کی حکومت چلی گئی تو کیا بات ہے؛ بے شک زمانہ تو نئے نئے رنگ بدلتا ہے۔ بسا اوقات ایسے بلند مرتبے پر جا پہنچے کہ حملہ آور شیر بھی ان کے حملے سے ڈرتا تھا۔ ان میں سے شاہی محل والا اور اس کے بھائی (۱) ہرمزان (۲) شاپور اور (۳) سابور ہیں۔"

والناس اولاد علات فمن علموا
ان قد اقل فمحقور ومهجور
ورب قوم لهم صحبان ذی اذن
بدت تلهیهم فیه المزامیر
وهم بنو الام اما ان راوا نشبا
فذاك بالغیب محفوظ ومنصور
والخیر والشر مقرونان فی قرن
فالخیر متبع والشر محذور
فالخیر متبع والشر محذور

"سب لوگ علاتی بھائی ہیں جس کو وہ دیکھتے ہیں کہ وہ کمزور ہو چکا یا غریب ہو گیا تو وہ ذلیل اور تنہا رہ جاتا ہے۔ بہت سی اقوام ان کے دوست ان کے ساتھ ہوتے ہیں ان میں گانے بجانے کے آلات ظاہر ہوتے ہیں جو ان کو خوش کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ماں کی اولاد ہیں اگر وہ کسی کا مال و دولت دیکھیں تو وہ غائب ہونے کے باوجود محفوظ و منصور ہوتا ہے۔ خیر و شر دونوں ایک رسی میں بندھے ہوئے ہیں خیر کی اتباع کی جاتی ہے اور شر سے گریز اختیار کیا جاتا ہے۔"

فارس کے چودہ کسریٰ:...... جب عبدالمسیح نے کسریٰ کو سطیح کی ساری تعبیر سنا دی تو اس نے کہا چودہ بادشاہوں تک بہت زمانہ ہے۔ چنانچہ ان میں سے دس بادشاہ تو صرف چار سال کے عرصہ میں گزر گئے اور باقی چار حضرت عثمانؓ کی خلافت تک رہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا پہلا بادشاہ شیرویہ بن ابرویز بن ہرمز بن انوشیروان تھا اور آخری یزدگرد بن شہریار بن ابرویز بن ہرمز، نوشیروان کے زمانہ حکومت میں ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا تھا۔ ان کی حکومت کا عرصہ ۳۱۶۴ سال رہا۔

سطیح کا نسب اور اس کے دیگر احوال:...... تاریخ میں ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سطیح کا نام ربیع بن ربیعہ بن مسعود بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن غسان الازد (ایک روایت میں ربیعہ کی بجائے مسعود ہے) اور اس کی والدہ کا نام ردعا بنت سعد بن حارث الحجوری ہے۔ یہ جابیہ میں مقیم تھی۔ ابو حاتم سجستانی کے بقول ابو عبیدہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس نے طویل عمر پائی، یہ سیل عرم کے وقت پیدا ہوا اور ذی نواس کے عہد تک ۳۰ قرن زندہ رہا، بحرین میں قیام پذیر تھا، قبیلہ عبدالقیس کے بقول وہ ان کے قبیلے سے ہے اور ازد کا دعویٰ ہے کہ وہ ان کے قبیلے میں سے ہے۔ بقول اکثر محدثین وہ ازد سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بات بھی اللہ کے علم ہی پر موقوف ہے۔ بقول ابن عباس سطیح کی مانند انسان پیدا نہیں ہوا

صرف گوشت پوست تھا۔ اس کے سر آنکھوں اور ہاتھوں کے سوا کوئی ہڈی نہیں تھی پاؤں سے لے کر گردن تک لپیٹ دیا جاتا تھا اس کی صرف زبان حرکت کرتی تھی بقول بعض جب غصہ میں آتا تو اس کا جسم پھول جاتا اور وہ بیٹھ جاتا تھا۔

سطیح کی مکہ آمد اور قریش کو مستقبل کے واقعات بتانا!

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سطیح ایک دفعہ مکہ میں آیا تو وہاں سے کچھ لوگ عبدشمس اور عبدمناف وغیرہ نے اس کا استقبال کیا اور بطور امتحان اس سے بعض باتیں دریافت کیں تو اس نے بالکل صحیح جواب دیا۔ پھر اس سے کچھ مستقبل اور آئندہ ہونے والے واقعات کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا یہ واقعات مجھ سے سنو اور یہ اللہ کا میری طرف الہام ہے۔ اے معشر عرب! تم اب تو زوال پذیر ہو اور کمزوری کے عالم میں ہو عرب اور عجم کا اب کوئی امتیاز نہیں تم لوگ دونوں یکساں ہو۔ تو عنقریب تم سے عالی ہو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مضبوطی سے غالب ہوں گے۔ بت پرست تباہ ہوں گے نہ بت پرست ہوں گے نہ کچھ اور، وہ فتح کریں گے اور عزت حاصل کریں گے۔

پھر اس نے کہا قسم ہے بیت اللہ اور ذی القربیٰ والے کی قسم! بنی کنانہ سے ایک برحق نبی کا ظہور ہوگا۔ رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا یغوث اور نسر بتوں سے نجات دلانے والا ہوگا تمام برائیوں سے بیزار ہوگا ایک رب کا پرستار ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو آخر میں اٹھالے گا اور اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ زمین سے مفقود ہوگا آسمان پر موجود ہوگا پھر اس کا صدیق ہوگا جو صحیح فیصلے کرے گا اور حقوق کی واپسی میں کمی بیشی نہیں کرے گا پھر ایک عقلمند تجربہ کار مخلص اور ضعیف خلیفہ ہوگا امور سلطنت میں شریعت نافذ کرے گا پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی شہادت کا تذکرہ کیا اور بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتوں کے حالات بیان کئے اس کے بعد دیگر فتنوں اور جنگوں کے حالات ذکر کئے حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مفصل نقل کیا ہے۔

ربیعہ بن نصر شاہ یمن کے قصہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سطیح نے اس کو خواب اور اس کی تعبیر اس کے بتانے سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ پھر اس نے یمن کے متعلق حبشیوں کے آنے اور تغیرات اور فسادات سے باخبر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے سیف بن ذی یزن تک کے واقعات بیان کئے پھر ربیعہ نے پوچھا کہ اس کی حکومت دائمی ہوگی یا عارضی؟ اس نے کہا ختم ہو جائے گی۔ پھر پوچھا کون ختم کرے گا؟ تو اس نے کہا ایک پاکیزہ نبی اس پر وحی نازل ہوگی پھر پوچھا یہ نبی کس نسل سے ہوگا؟ تو اس نے کہا غالب بن فہر کی نسل سے ہوگا تو اس کی حکومت تا آخر زمانہ قائم رہے گی تو ربیعہ نے بڑی حیرت سے پوچھا کیا زمانہ کا بھی آخر اور اختتام ہے؟ اس نے کہا ہاں! ایک دن پہلے اور پچھلے سب جمع ہوں گے نیک لوگ سعادت سے شاد کام ہوں گے اور بدکار بدبختی سے۔ پھر اس نے پوچھا کیا تمہارا دعویٰ سچا اور حق ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا شام کی شفق اور رات کی تاریکی اور صبح کی چاندنی کی قسم! کہ جن باتوں سے میں نے تم کو آگاہ کیا بالکل حق ہی ہے۔ "شق" کاہن نے بھی اس کی تائید کی تھی جو پوری یوں ہی ہے۔ نیز ان اور سطیح کے اشعار میں سے چند قابل ذکر ہیں:

عليكم بتقوى الله في السر والجهر
ولا تلبسوا صدق الأمانة بالغدر
وكونوا لجار الجنب حصنا وجنة
إذا ما عرته المعضلات من الدهر

"پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں اللہ کے تقویٰ کو لازم پکڑو امانت کی صداقت کو دھوکے و خیانت سے مت ملوث کرو۔ اپنے ہمسایہ کے لئے تم مضبوط قلعہ اور ڈھال بن جاؤ جب اس کو زمانے کے مصائب سے سامنا ہو۔"

یہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ معافی بن زکریا جریری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ سطیح کے واقعات بکثرت ہیں اور متعدد اہل علم

نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ [illegible] نے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور بعثت کا بیان کیا اور ایک سند سے مروی ہے کہ ان کی بیٹی [illegible] صحابیات نے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: نبی ضیعہ قومہ" یعنی ان کی قوم نے ان کی توہین کی۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا حدیث کے متعلق رائے

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بالکل غریب ہے۔ موجودہ اسلامی کتب میں اس کا وجود نظر نہیں آتا اور میں نے اس کی کوئی سند نہیں [illegible] سطیح کے متعلق بھی اس طرح کی روایت [illegible] اس کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ سطیح کے اقوال اور اخبار سے صریح ہوتا ہے کہ وہ ایک معمر علم کا حامل تھا۔ [illegible] اسلام کی تصدیق [illegible] ہوتے تھے لیکن اس نے اسلام کا عہد نہیں پایا (جیسا کہ جریری نے کہا ہے) [illegible] امام روایت میں موبذان کے سوال کا جو جواب سطیح نے دیا وہ بیان کر چکے ہیں۔

سطیح کی عمر ابن عمر ابو الحریری (غالب امکان ہے یہ جریری ہوگا) کے بیان کے مطابق وہ سات سو سال زندہ رہا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ پانچ سو سال زندہ رہا اور بعض تین سو سال کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سطیح کے علم کا ماخذ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک لڑکے کے نسب کے متعلق سطیح سے دریافت کیا تو اس نے نہایت عمدگی سے جس بات میں الجھاؤ تھا [illegible] حقیقت حال سے [illegible] پھر بادشاہ نے پوچھا جناب سطیح! آپ کو یہ علم کہاں سے ہوتا ہے؟ تو اس نے کہا یہ معلومات میری نہیں ہیں بلکہ میرے ایک جن بھائی سے حاصل ہوتی ہیں جس نے طور سینا پر وحی کی آواز سنی تھی [illegible] پوچھا گیا [illegible] اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمسیح [illegible] اس نے ان کے حق میں [illegible] سطیح سے کمال [illegible]

عبدالمسیح اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا زہر کھانا ... عبدالمسیح بن عمرو بن قیس غسانی اور نصرانی [illegible] اور کئی سال [illegible] تاریخ میں ابن عساکر نے اس کا [illegible] ہے کہ اس نے خالد بن ولید سے ایک معرکہ [illegible] زہر [illegible] ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے زہر لیا اور بسم اللہ وباللہ رب الارض والسماء الذی لا یضر مع اسمہ داء پڑھ کر کھا لیا اور ان پر کوئی غشی طاری ہوگئی پھر انہوں نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پسینے سے شرابور ہو گئے پھر کچھ دیر بعد ہوش میں آ گئے اور ہلاکت سے بچ گئے۔

شامی راہب کی پیشن گوئی ... حافظ ابو نعیم نے شعیب بن شعیب کے [illegible] سے نقل کیا ہے کہ مرالظہران میں ایک شامی راہب "عیص" نامی رہتا تھا۔ [illegible] بہت علم [illegible] لوگوں کے لئے معلومات کا [illegible] صرف سال میں ایک بار مکہ [illegible] عنقریب [illegible] ایک بچہ پیدا ہوگا [illegible] عرب [illegible] اور عجم [illegible] اس کی اطاعت [illegible]

واللہ اعلم [illegible]

ہوں: کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کے متعلق دریافت کرتا اور حقیقت حال سے آگاہ ہو کر بتا دیا کرتا تھا۔ اس سے ان کی صفات و فراست پہچان کر [illegible] بچے کو کسی تکلیف کی بھی پہنچی تو اس کی آمد کی خبر سے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی صبح عبداللہ بن عبدالمطلب عیص کے پاس آئے [illegible] بلایا تو اس نے پوچھا کون ہے؟ بتایا میں عبداللہ ہوں (اس نے اوپر سے جھانکا) [illegible] تو کہا اللہ کرے تم اس کے باپ ہو جس بچہ کے بارے میں تم کو بتایا گیا تو وہ پیر کے دن پیدا ہوگا جو آج دن ہے [illegible] راہب نے پوچھا کیا نام رکھا ہے؟ عبداللہ نے کہا محمد ﷺ راہب نے کہا واللہ میری خواہش تھی کہ یہ بچہ تمہارے ہاں پیدا ہو۔ مجھے اس کے متعلق تین علامات معلوم تھیں۔ اس کا ستارہ گزشتہ رات طلوع ہو چکا ہے، آج پیدا ہوا ہے اس کا نام محمد ہے۔

آپ تشریف لے جائیے جس بچہ کی تین علامات [illegible] آپ کا ہی بچہ ہے۔ عبداللہ نے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہے کہ وہ میرا ہی ہو یا ہے؟ ممکن ہے کہ آج کوئی اور بھی مولود پیدا ہوا ہو۔ اس نے کہا [illegible] علم کے موافق ہے ایسا نہیں ہے کہ [illegible] ایک عظیم [illegible] تکلیف [illegible] اس کی [illegible] محسوس ہوگی پھر وہ تندرست ہو جائے گا [illegible] ہو گیا [illegible] کوئی ہو سکتا تھا۔ پھر اس نے پوچھا اس کی عمر کتنی ہے؟ تو اس نے کہا [illegible] اس کی عمر ستر سال سے [illegible] ہوگی [illegible] اس کی اکثر [illegible] یہ عمر ہوگی۔

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] رمضان [illegible] اسی طرح بیان کیا ہے اس میں [illegible] اور غرابت ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی دایہ، کھلائیاں اور دودھ پلانے والیاں

ام ایمن جن کا نام برکت حبشیہ تھا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کو والد کے ترکہ سے ملی تھیں آپ ﷺ کو کھلایا کرتی تھیں۔ جب آپ بالغ ہوئے تو آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے غلام زید بن حارثہ سے شادی کرا دی ان کے بطن سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلیمہ سعدیہ سے پہلے والدہ ماجدہ کے علاوہ ثویبہ ابولہب کی باندی کا چند دن دودھ پیا تھا۔

ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا رسول اللہ ﷺ سے اپنی بہن کا نکاح کروانا چاہنا اور آپ ﷺ کا جواب

بخاری و مسلم میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کی روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری بہن "عزہ" بنت ابوسفیان سے شادی کر لیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تمہیں یہ پسند ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں کیونکہ اب آپ کی اکیلی بیوی تو نہیں ہوں۔ مجھے اپنی بہن کو خیر و برکت میں شریک کرنا پسند ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ جائز نہیں (کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھوں) میں نے عرض کیا ہم نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی (درہ) سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا بعد ازیں پوچھا کیا ام سلمہ کی بیٹی سے؟ میں نے عرض کیا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ میری بیوی کے پہلے خاوند کی بیٹی نہ بھی ہوتی تب بھی مجھے حلال نہ تھی کیونکہ وہ رضاعت کے رشتہ سے میری بھتیجی ہے مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا تم اپنی بیٹیاں اور بہنیں نکاح کے لئے

نے خوشی سے کیا ہو۔

ابولہب کو خواب میں دیکھا عروہ کہتے ہیں ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی جسے ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مر گیا تو اسے اہل خانہ میں سے کسی نے خواب میں بدترین حال میں دیکھ کر کہا تو کن حالات سے دوچار ہے؟ اس نے جواب دیا تم سے جدا ہونے کے بعد میں خیر اور خوشحالی سے محروم ہوں۔ مگر ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس میں سے کچھ ملتا ہے اور ساتھ ہی انگلی کے درمیان میں سے پلایا جاتا ہوں۔ سہیلی وغیرہ کا بیان ہے کہ اس کے بھائی عباس کو خواب آیا تھا اور یہ خواب ابولہب کی وفات (جنگ بدر) کے ایک سال بعد آیا تھا اور اس خواب میں یہ بھی بیان ہے کہ سوموار کے دن کے مطابق مجھ سے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ جب ثویبہ نے اسے محمد بن عبداللہ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے ثویبہ کو فوراً اس بشارت کی وجہ سے آزاد کر دیا تھا اسی وجہ سے اس کو عذاب میں تخفیف ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کا بیان

حلیمہ سعدیہ اور آپ کی برکات

رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے سعدیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہوا۔ یعنی حلیمہ بنت ابی ذویب عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر۔ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی باپ حلیمہ کے شوہر ہیں جن کا نام حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن فصیہ بن سعد بن بکر بن ہوازن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بہن بھائی (۱) عبداللہ بن حارث (۲) انیسہ بنت حارث (۳) حذافہ بنت حارث ہیں یہی شیماء ہے جو آپ ﷺ کو اپنی والدہ کے ہمراہ کھلایا کرتی تھی۔

محمد بن اسحاق جہم بن ابی جہم غلام ام حبیبہ حارث بن حاطب عرف مولی حارث بن حاطب کے بارے میں عبداللہ بن جعفر یا عبداللہ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے کسی نے حلیمہ کا یہ قصہ سنایا کہ میں مکہ میں بنی سعد کی چند خواتین کے ہمراہ قحط کے سال شیر خوار بچوں کی تلاش میں آئی قحط والی بات کر رہی تھیں۔ میں سفید گدھی پر سوار تھی جو نہایت سست رفتار تھی، ایک بچہ شیر خوار ہمراہ تھا ساتھ ایک اونٹنی تھی جو ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ ہم رات بھر بچے کی بھوک کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے نہ میری چھاتی میں بچے کی کفایت بھر دودھ تھا اور نہ ہماری اونٹنی دودھ دیتی تھی۔ لیکن ہم خوشحالی اور آسودگی کے امیدوار تھے الغرض میں اپنی کمزور گدھی پر سوار تھی جو سارے قافلے کی رکاوٹ کا باعث تھی یہاں تک کہ ان کو ہماری یہ کمزوری اور ناتوانی گراں گزرتی تھی۔ بالآخر ہم مکہ پہنچ گئے۔ واللہ! ہر دودھ پلانے والی کو رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ کی طرف سے رضاعت کی پیشکش کی گئی مگر سب نے یتیم ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا کہ ایک بیوہ عورت کیا کفالت کرے گی۔ ہم بچے کے والد سے انعام و اکرام کے امیدوار تھے ہم کہتی تھیں یتیم کی والدہ اور دادا کیا دے سکتے ہیں کوئی بچہ نہ بچا سوائے میرے ہر عورت نے شیر خوار بچہ اجرت پر لے لیا تھا۔ مجھے اس یتیم کے علاوہ کوئی بچہ میسر نہ تھا اور جب ہم نے واپس لوٹ چلنے کا عزم کر لیا تو میں نے اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ سے کہا واللہ مجھے ناکام اور بے نیل مرام واپس جانا پسند نہیں کرتی میں تو اس یتیم بچے کو ہی لے لوں گی تو میرے شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں شاید اللہ برکت دے گا۔ چنانچہ میں ان کے گھر گئی اور شیر خوار بچہ لے آئی۔ واللہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے اس کو محض مجبوری کی خاطر لیا۔ واللہ میں اس کو لے کر اپنے ٹھکانہ میں آئی تو میری چھاتی میں حسب ضرورت دودھ آ گیا چنانچہ اس نے شکم سیر ہو کر پیا اور میرے بچے نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا اور میرے شوہر نے اونٹنی کو دوہنے کا ارادہ کیا تو اس کے تھن بھی دودھ سے لبریز تھے۔ اس نے اس قدر دودھ نکالا کہ ہم سب کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ ہم نے آرام اور راحت سے رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! معلوم ہوتا ہے کہ تو نے ایک مبارک روح کو حاصل کیا ہے جب سے ہم نے اس کی کفالت کا ذمہ لیا ہے ہم خیر و برکت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ مزید خیر و برکت سے نوازے گا۔ جب ہم مکہ سے واپس ہوئے تو میری گدھی قافلے کے آگے آگے تھی کوئی بھی گدھی

اس کے ساتھ نہ چل سکتی تھی، یہاں تک کہ ساتھی عورتیں کہہ رہی تھیں کہ ارے بنت ابی ذؤیب! کیا یہ وہی گدھی ہے جس پر تو جاتے وقت سوار تھی؟ میں جواب دیتی جی ہاں! واللہ یہ وہی ہے تو وہ پھر کہتیں واللہ! اس کی تو اب عجیب کیفیت ہے۔ پھر ہم اپنے علاقہ بنی سعد میں پہنچ گئے ہمارا علاقہ قحط زدہ تھا، ہماری بکریاں چرنے جاتیں اور شام کو پیٹ بھر کر اور بہت دودھ والی آتیں اور باقی لوگوں کی بکریاں شام کو بھوکی اور بے دودھ کے واپس آتیں اور لوگ ہماری بکریوں کو دیکھ کر اپنے چرواہوں کو تاکید کرتے کہ جہاں بنت ابی ذؤیب کی بکریاں چرتی ہیں وہاں لے جایا کرو چنانچہ وہ ہماری بکریوں کے ہمراہ چراتے پھر بھی ان کی بکریاں خالی پیٹ، بے دودھ آتیں اور ہماری بکریاں پیٹ بھر کر دودھ والی آتیں اور ہم خوب دودھ پیتے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو سال سے خوب خیر و برکت میں تھے، آپ کا قد و قامت عام بچوں سے ممتاز تھا واللہ! آپ دو سال کی عمر میں خوب توانا اور کھانا کھانے کے قابل ہو گئے ہم اس کو آمنہ کے پاس لے آئے خیر و برکت کی وجہ سے ان کو ہم اپنے پاس رکھنے کے بہت حریص تھے۔ پھر ہم نے ان کی والدہ سے عرض کیا آپ اجازت دیں ہم ان کو ایک سال اور اپنے پاس لے جاتے ہیں شاید مکہ شہر کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئے۔

شرح صدر...... ہم برابر ان کی منت سماجت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ ہم ان کو اپنے ہمراہ لے آئے دو یا تین ماہ کا عرصہ گزرا ہو گا کہ وہ اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ مکان کے پچھواڑے بکریوں میں تھے کہ ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ میرا قریشی بھائی یہاں ہے۔ اس کے پاس سفید پوش دو آدمی آئے انہوں نے اسے لٹا کر پیٹ چاک کر دیا ہے۔ چنانچہ میں اور میرا شوہر دوڑتے ہوئے آئے تو آپ کھڑے ہیں اور رنگ فق ہے۔ میرے شوہر نے ان کو گلے لگا کر پوچھا 'کیا بات ہے؟' تو آپ نے بتایا کہ دو سفید پوش انسان آئے انہوں نے مجھے لٹا کر پیٹ چاک کیا اور کوئی چیز اندر سے نکال کر پھینک دی پھر پیٹ کو اسی طرح کر دیا پھر ہم ان کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اس بات کے پیش نظر میرے شوہر نے کہا 'حلیمہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں چلو ہم ان کو واپس لوٹا آئیں۔ حلیمہ نے کہا ہم ان کو دوبارہ آمنہ کے پاس لے آئے تو اس نے حیرت کے عالم میں پوچھا کیوں واپس لے آئے؟ تم تو بڑے ارمان سے اس کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تو ہم نے عرض کیا بحمد للہ مدت رضاعت کا عرصہ پورا کر دیا ہے۔ ہم کسی خوف و خطرے کے مدنظر ان کو واپس لے آئے ہیں۔

آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ کی وضاحت...... یہ سن کر آمنہ نے کہا یہ بات نہیں سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ تو ان کے اصرار پر ہم نے پورا قصہ گوش گزار کر دیا تو اس نے کہا 'کیا آپ کو اس پر آسیب اور شیطانی حرکت کا خطرہ ہے۔ سنو ایسا بالکل نہیں واللہ ان پر شیطان قابو نہیں پا سکتا' واللہ! میرے لخت جگر کی ایک شان اور مرتبہ ہوگا۔ میں اس کی ولادت کا قصہ سناؤں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں! اس نے کہا 'اس کے حمل کی وجہ سے مجھے کوئی گرانی نہیں ہوئی اس سے ہلکا حمل میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حمل کی حالت میں مجھے خواب آیا گویا میرے جسم سے نور خارج ہوا ہے جس سے شام کے محل منور اور ظاہر ہو گئے۔ پھر وضع حمل بھی خلاف عادت ہوا کہ وہ زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے آسمان کو دیکھ رہا تھا' آپ ہر قسم کے خوف و خطرے کا خیال چھوڑ دیں۔

یہ حدیث علماء سیرت اور مغازی کے ہاں مشہور اور متداول ہے اور متعدد اسناد سے مروی ہے۔

واقدی (معاذ بن محمد، عطا بن ابی رباح) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حلیمہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلی تو اس نے دیکھا بکریاں دھوپ میں ہیں اور آپ اپنی رضاعی بہن کے پاس ہیں تو حلیمہ نے خفا ہو کر کہا اس شدید گرمی میں تو اسے باہر لے آئی؟ تو لڑکی نے کہا 'امی! میرے بھائی کو دھوپ محسوس نہیں ہوئی میں نے دیکھا ان پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے جب یہ رک جاتا تو بادل بھی رک جاتا ہے اور جب یہ چلتا ہے تو بادل بھی اس کے ساتھ چلتا ہے اسی کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان...... ابن اسحاق (ثور بن یزید، خالد بن معدان) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اپنی ذات کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں شکم مادر میں تھا کہ میری ماں نے دیکھا کہ اس کے بدن سے ایک نور خارج ہوا ہے، جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ بنی سعد

اس جگہ میں میری رضاعت کا اہتمام ہوا تھا۔ بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ دو سفید پوش آدمی آئے، ان کے پاس سونے کی طشتری میں برف تھی۔ انہوں نے مجھے لٹا کر پیٹ چاک کیا، پیٹ سے دل نکال کر چیرا اور اس سے سیاہ پھٹکی نکال کر پھینک دی۔ پھر میرے دل اور پیٹ کو برف سے دھویا اور پھر اس کو پہلے کی طرح کر دیا۔

فرشتوں کی گفتگو۔۔۔۔۔۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ ان کا دس مسلمانوں سے موازنہ کرو، چنانچہ انہوں نے دس سے تولا تو میں ان سے بھاری نکلا، پھر سو افراد سے تولا گیا تو پھر بھی میں بھاری ثابت ہوا، پھر ہزار سے تولا گیا پھر بھی میں غالب اور زیادہ وزنی تھا، پھر ایک نے دوسرے کو کہا چھوڑو اگر ان کو ساری امت سے بھی تولا جائے تو بھی وزنی ثابت ہوں گے۔ یہ سند عمدہ اور قوی ہے۔ اس میں حافظ ابونعیم نے عمر بن صبح ابو نعیم ثور بن یزید مکحول شداد بن اوس سے یہ رضاعت کا قصہ نہایت طویل بیان کیا ہے۔ اس سند میں عمر بن صبح راوی متروک، کذاب، وضاع اور مصنوعی حدیثیں بنانے والا ہے اسی لئے ہم نے اس متن حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے۔

آپ ﷺ کے بچپن کے حالات آپ ﷺ ہی کی زبانی

ابو عمرو بن حمدان (حسن بن سفیان، عمرو بن عثمان، بقیہ بن ولید، بحیر بن سعید، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی) عتبہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ابتدائی حالات کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا میری رضاعی ماں بنی سعد بن بکر سے تھی، میں نے بھائی سے کہا جاؤ امی سے کھانا لے آؤ، چنانچہ وہ کھانا لینے چلا گیا اور میں ریوڑ کے پاس تھا کہ دو سفید پرندے گدھ کی طرح۔ ایک نے دوسرے کو کہا کیا یہی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں، پھر دونوں نے مجھے جھپٹ کر پکڑا اور گدی کے بل پچھاڑ دیا، پھر پیٹ چاک کر کے دل نکالا اور اس کو چیر کر دو سیاہ پھٹکیاں نکالیں، پھر ایک نے دوسرے کو کہا برف کا ٹھنڈا پانی لاؤ، اس پانی سے انہوں نے میرا پیٹ دھویا، پھر برف کے ٹھنڈے پانی سے میرا دل صاف کیا، اس کے بعد اس نے کہا سکینت اور تسکین قلبی لاؤ، پھر اس نے میرے دل پر چھڑک دی۔ پھر ایک نے دوسرے کو کہا اس شگاف کو سی دو، چنانچہ اس نے سی دیا اور میرے دل پر نبوت کی مہر لگا دی، پھر ایک نے دوسرے کو کہا ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھاؤ اور دوسرے پلڑے میں ایک ہزار امتی، میں دیکھ رہا تھا کہ ہزار والا پلڑا اوپر اٹھا ہوا تھا، مجھے خطرہ تھا کہ وہ مجھ پر گر نہ پڑیں، پھر انہوں نے کہا، اگر پوری امت کے برابر بھی تولا جائے تو پھر بھی وزنی ہو گا۔ پھر مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں سخت خوفزدہ تھا۔ پھر میں نے امی کو سارا واقعہ بتایا تو اس کو خطرہ لاحق ہوا کہ بچے کی عقل نہیں رہی اور اس نے دعا دی کہ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر اس نے سواری کو تیار کر کے مجھے پیچھے بٹھایا اور ہم مکہ میں پہنچ گئے تو اس نے میری والدہ سے کہا میں نے امانت واپس کر دی اور اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور اس نے میرا واقعہ بھی بتایا تو والدہ کو کوئی فکر لاحق نہ ہوا اور اسے بتایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے جسم سے نور خارج ہوا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بقیہ بن ولید سے روایت کی ہے اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے بھی بقیہ بن ولید سے نقل کی ہے۔

نبوت کا علم۔۔۔۔۔۔ حافظ ابن عساکر (ابوداؤد طیالسی، جعفر بن عبداللہ بن عثمان قرشی، عمیر بن عمر بن عروہ بن زبیر، عروہ) ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں اور نبوت پر کیسے یقین آیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں بطحاء مکہ میں تھا کہ دو فرشتے آئے ایک زمین پر اترا، دوسرا فضا میں معلق رہا، ایک نے دوسرے کو کہا کیا وہ یہی ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! یہی ہے۔ پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو، مجھے تولا تو میرا پلڑا بھاری نکلا، پھر اس روایت میں شق صدر، مہر نبوت کے بیان کے بعد کہا وہ چلے گئے تو گویا میں وہ تمام سرگزشت دیکھ رہا ہوں۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کی روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے اور شداد بن اوس کی روایت سے مفصل اور مبسوط بیان کی ہے۔

سلائی کے نشانات ——— مسلم شریف میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ کو پکڑ کر گرایا اور دل چاک کر کے اس سے ایک سیاہ بوٹی نکال کر پھینک دی اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھو کر سینہ میں لوٹا دیا اور پھر اس کو درست کر کے سی دیا۔ آپ کے ساتھی بھاگتے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا ہے۔ حلیمہ وغیرہ سب آئے تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ فق تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آپ کے سینے میں اس سلائی کے نشانات دیکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ——— حافظ ابن عساکر نے (ابن وہب عمرو بن حارث عبد ربہ ثابت بنانی) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی اور دو فرشتے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے پیٹ چاک کر کے کچھ حصہ سونے کے طشت میں نکالا اور اس کو آب زمزم سے دھویا پھر اس میں علم و حکمت کو بھر دیا۔ نیز ابن وہب از یعقوب بن عبدالرحمن زہری از ابوہ از عبدالرحمن ابن عامر بن عتبہ بن ابی وقاص سے۔

انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین رات کوئی شخص آیا اس نے کہا ان میں سے بہتر اور برتر انسان کو پکڑو چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کو پکڑ کر چاہ زمزم کے پاس لے گئے پیٹ چاک کر کے سونے کا طشت لایا گیا اسے دھو کر ایمان و حکمت سے لبریز کر دیا اور یہ روایت شریک ابن ابی نمر و ثابت از انس رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے۔ صحیحین میں حدیث اسراء میں یہ مذکور ہے کہ اس رات آپ کا شق صدر ہوا اور آپ کا دل آب زمزم سے دھویا گیا۔

یہ روایات متضاد نہیں کیونکہ یہ قوی احتمال ہے کہ ایک بار شق صدر بچپن میں ہوا اور دوسری بار شب معراج میں عالم بالا کے پاس جانے کی خاطر مناجات الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے واسطے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے کہا میں تم سب سے فصیح ہوں میں قریشی ہوں اور قبیلہ سعد بن بکر میں میں شیر خوار تھا۔

عیسائی قافلہ کا ملنا ——— ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد حلیمہ نے جب والدہ کے پاس مکہ میں رسول اللہ ﷺ واپس لوٹایا تو راستے میں ایک قافلہ ملا حبشیوں نے آپ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا تو کہنے لگے ہم اس کو اپنے ملک میں لے جاتے ہیں "آئندہ یہ عظیم انسان ہوگا" چنانچہ وہ بڑی جدوجہد کے بعد ان کی دسترس سے بچی۔

ایک روایت آپ ﷺ کی گمشدگی کی ——— مذکور ہے کہ جب خطرہ محسوس کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کو واپس لا رہی تھیں تو مکہ کے قریب آپ گم ہو گئے بڑی تلاش کے بعد نہ ملے تو وہ عبدالمطلب کے پاس آئی ان کو بتایا چنانچہ وہ چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تو ورقہ بن نوفل اور ایک قریشی آپ کو تلاش کر کے عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔ عبدالمطلب نے حضور ﷺ کو کندھے پر اٹھا کر طواف کروایا اور ان کے لئے دعا کی پھر ان کی والدہ آمنہ کے پاس لائے۔

ابن اسحاق کی روایت سے متضاد روایت ——— اموی نے (عثمان بن عبدالرحمن وقاصی ضعیف راوی از زہری از سعید بن مسیب سے) رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور حلیمہ سے رضاعت کا قصہ ابن اسحاق کی روایت کے متضاد بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا کہ تم بیٹے کو قبائل عرب میں لے جاؤ اور ان کے لئے دایہ تلاش کرو۔

چنانچہ وہ لے گئے اور رضاعت اور شیر خوارگی کے لئے حلیمہ کے سپرد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اس کے پاس چھ سال رہے۔ وہ ہر سال بچہ کو مکہ میں بغرض ملاقات لایا کرتی تھی۔ جب شق صدر کا واقعہ رونما ہوا تو اس نے آپ کو واپس لوٹا دیا۔ پھر آپ والدہ کے پاس آٹھ سال کی عمر تک رہے۔ والدہ فوت ہو گئی تو دس سال کی عمر تک عبدالمطلب نے کفالت کی بعد ازاں چچا زبیر اور ابو طالب نے سرپرستی کی جب آپ کی عمر [illegible] سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا زبیر کے ہمراہ یمن گئے۔

بچپن ہی سے آپ ﷺ کی برکات کا ظہور

اور اس سفر کے دوران ہی حضور ﷺ سے ایسے نشانات کا ظہور ہوا کہ ایک دوست دشمن نے واضح طور پر کہا تھا جب اس نے رسول اللہ ﷺ دیکھا تو زمین پر سیدھا آ کر بیٹھ گیا اور رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہو گئے مسافت میں قطرہ رک گیا سب حال تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کی برکت سے مضبوط کر دیا اسی طرح علامات ظاہر ہوتے گئے آپ کی عمر مبارک جب دو سال کی تھی کہ آپ کے پاؤں زمین پر مضبوط ہو گئے اور ابوطالب آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ غرضیکہ حلیمہ کا خاندان آپ کی شیر خوارگی کے ایام میں آپ کے طفیل برکات سے فیضیاب ہوتا رہا پھر سعد قبیلہ ہوازن آپ کے تعلقات و احسانات سے مستفیض ہوا۔ جیسے قبیلہ کے فتح مکہ کے بعد جنگ ہوازن میں اسیر ہو کر آئے انہوں نے آپ ﷺ کی رضاعت کا واسطہ دیا تو آپ نے ان کو آزاد کر کے چھوڑ دیا۔

محمد بن اسحاق نے جنگ ہوازن کے سلسلہ میں عمرو بن شعیب کی روایت بیان کی ہے کہ ہم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب آپ ان کے مال مویشی اور اہل و عیال پر قابض ہو گئے تو ان کا وفد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مقام جعرانہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک معزز خاندان کے افراد ہیں ہمارے حالات و مصائب آپ ﷺ سے مخفی نہیں آپ احسان فرمائیے خدا آپ پر نوازش کرے گا۔

خطیب ہوازن کی فریاد...... ان کے خطیب اور خطیب زہیر بن صرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کیمپوں میں آپ کی خالہ پھوپھیاں اور دودھ پلانے والی اور کفالت کرنے والی گرفتار ہیں اگر ہم حارث بن ابی شمر غسانی (شاہ غسان) اور نعمان بن منذر شاہ عجم کو دودھ پلاتے پھر ان سے کسی مصیبت میں واسطہ ہوتے جیسے کہ آپ کی جانب سے ہمارا یہ واسطہ پیش ہے تو ہم ان کے لطف و کرم کے امید ہوتے آپ تو سب سے بہتر ہیں۔ (امید ہے کہ آپ رضاعت کا احترام کریں گے)۔

خطیب ہوازن کے اشعار:

امنن علينا رسول الله في كرم
انك المرء نرجوه وندخر
امنن على بيضة قد عاقها قدر
ممزق شملها في دهرها غير
ابقت لنا الدهر هتافا على حزن
على قلوبهم الغماء والغمر
ان لم تداركها نعماء تنشرها
يا ارجح الناس حلما حين يختبر

"یا رسول اللہ! آپ ہم پر احسان فرمائیے ہم آپ سے امیدوار ہیں ہم نے آپ کو اپنی خوشی کے لئے ذخیرہ کر رکھا تھا یہ مختصر قوم ہے جو تقدیر کی ماری ہے جس کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے جس کے حالات تغیر پذیر ہیں۔ جنگ نے ہمیں زمانہ بھر کے غم سے دوچار کر دیا ہے ان کے دل رنجیدہ اور کینہ سے لبریز ہیں۔ اے سب سے کامل حلم والے شخص! اگر آپ ﷺ کے احسانات نے ان کا تدارک نہ کیا"۔

امنن على نسوة قد كنت ترضعها
اذ فوك تملؤه من محضها الدرر
امنن على نسوة قد كنت ترضعها
واذ يزينك ما تاتي وما تذر

لا تجعلنا كمن شالت نعامته
واستبق منا فإنا معشر زهر
إنا لنشكر للنعمى وإن كفرت
وعندنا بعد هذا اليوم مدخر

"ایسی عورتوں پر احسان کر تو جن کا دودھ پیا کرتا تھا' جب تیرا منہ ان کے خالص دودھ سے بھر جاتا تھا۔ اور جب تجھے کسی کام کا کرنا یا اس سے باز رہنا آراستہ کرتا تھا' تو ہمیں اس شخص کی مانند کر جس کی جماعت متفرق ہو اور تو ہم پر رحم کر ہم اچھے لوگ ہیں۔ ہم آپ کے احسانات کے مشکور ہیں جیسے بھی ہوں' آج کے بعد وہ ہمارے پاس ذخیرہ ہیں۔"

ہوازن کے سردار کے اشعار…… یہی قصہ عبید اللہ بن رماحس کلبی رملی' زیاد بن طارق جشمی' ابی صرد زہیر بن جرول جشمی قوم سے مروی ہے کہ جنگ حنین میں جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گرفتار کر لیا تو عورتوں کو مردوں سے الگ کرنے کا ارشاد فرمایا تو میں اچھل کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور چند اشعار جو قریباً مذکورہ بالا اشعار سے ملتے جلتے ہیں' سنائے (ان اشعار کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے) جن میں' میں نے آپ ﷺ کے ہوازن کے قیام اور نشو و نما اور رضاعت کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مال غنیمت میں جو میرا اور اولاد عبد المطلب کا حصہ ہے وہ فی سبیل اللہ ہے اور تمہارا ہے اور انصار نے بھی اعلان کر دیا ہمارا حصہ بھی اللہ اور رسول کے حکم کے تابع ہے۔ آپ نے قریباً چھ ہزار بچے اور خواتین آزاد کر دیے اور ان کو بے شمار مال و مویشی عطا کئے بقول ابو الحسین بن فارس ان کی قیمت "خمس مائة الف الف درہم" ہے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے دنیاوی فیوض و برکات ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ عالم آخرت میں آپ کے انعامات و احسانات کس قدر عظیم الشان ہوں گے۔

آپ ﷺ کی والدہ کا دنیا سے رحلت فرمانا…… بقول ابن اسحاق' ایام رضاعت کے بعد' رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ آمنہ اور دادا عبد المطلب کے زیر تربیت تھے۔ نبوت سے سرفرازی کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوب نشو و نما فرمائی۔ جب آپ کی عمر ۶ سال ہوئی تو آپ کی والدہ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا۔

آپ ﷺ کی والدہ کا مقام وفات…… ابن اسحاق' عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان "ابوا" میں فوت ہوئیں۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

آپ ﷺ کا اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ جانا…… والدہ ان کو مدینہ میں' بنی عدی بن نجار کے ہاں ماموؤں کی ملاقات کے لئے لے گئیں اور واپسی کے دوران راستہ میں فوت ہو گئیں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نبی علیہ السلام کو لے کر مدینہ روانہ ہوئی ام ایمن بھی ہمراہ تھی' آپ کی عمر اس وقت چھ سال تھی پھر مدینہ پہنچ کر ننھیال سے ملاقات کی۔ ام ایمن کا بیان ہے کہ ایک روز مدینہ کے دو یہودی آئے' انہوں نے مجھے کہا' ہمیں محمد دکھاؤ وہ دیکھ چکے تو ایک نے دوسرے کو کہا یہ بچہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا مقام ہجرت ہے اور یہاں خوب قتل و غارت اور اسارت ہو گی۔ جب والدہ نے یہ تبصرہ سنا تو وہ ان کو لے کر واپس مکہ روانہ ہو گئیں اور راستے میں مقام "ابوا" میں فوت ہو گئیں۔

آپ ﷺ کا والدہ کے لئے دعائے مغفرت کرنا…… امام احمد (حسین بن محمد ایوب بن جابر' سماک' قاسم بن عبد الرحمان ابن بریدہ) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے جب "ودان" میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے واپس آنے تک یہیں ٹھہرو' چنانچہ آپ واپس تشریف لائے تو طبیعت بوجھل تھی فرمایا میں والدہ کی قبر سے آ رہا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی درخواست کی تھی اللہ تعالیٰ نے منظور نہیں فرمائی۔ میں تم کو قبرستان کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب اجازت ہے۔ میں تم کو تین روز کے بعد قربانی کا ذخیرہ رکھنے سے منع کیا کرتا تھا اب اجازت ہے کھاؤ اور حسب خواہش رکھو۔ میں ان برتنوں کے استعمال سے تم کو روکا کرتا تھا ان کا استعمال بھی اب کے بعد جائز ہے۔

حافظ بیہقی نے (سفیان ثوری، علقمہ بن مرثد، سلیمان بن بریدہ) بریدہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس پہنچے اور وہاں بیٹھ گئے صحابہ بھی آپ کے گرد و نواح میں بیٹھ گئے آپ گفتگو کرنے کے انداز میں سر کو جنبش دے کر آبدیدہ ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے میں نے اللہ سے قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مرحمت فرما دی پھر میں نے استغفار و بخشش کی درخواست کی تو منع فرما دیا یہ سن کر رقت طاری ہو گئی اور میں آبدیدہ ہو گیا راوی کہتا ہے اس وقت لوگ بے تحاشہ روئے (محارب بن دثار نے علقمہ کی متابعت کی ہے)۔

بیہقی (حاکم، اصم، بحر بن نصر، عبداللہ بن وہب، ابن جریج، ایوب بن ہانی، مسروق بن اجدع) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبرستان میں تشریف لے گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہاں بیٹھ جانے کا فرمایا اور ہم بیٹھ گئے رسول اللہ ﷺ قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک قبر کے پاس رک گئے آپ ﷺ دیر تک مناجات میں محو رہے پھر آپ کے رونے کی آواز آئی تو ہم بھی آپ ﷺ کی وجہ سے رونے لگے پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو عمر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں روئے؟ آپ ﷺ کی اس وجہ سے ہم پر بھی گریہ اور بے چینی طاری ہو گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا میرے رونے نے تم کو بے چین اور بے قرار کر دیا؟ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا جس قبر کے پاس میں محو مناجات تھا وہ والدہ کی قبر ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے استغفار و مغفرت کی اجازت طلب کی تو نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی (۹/۱۱۳ـ۱۱۴) ترجمہ: "نبی اور ایمان والوں کو نہیں چاہئے کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں وہ ان کے رشتہ دار ہوں جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مشرک اور دوزخی ہیں۔" بنا بریں مجھ پر والدہ کی محبت کی وجہ سے رقت طاری ہو گئی اور اس باعث مجھے رونا آ گیا۔ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح میں نہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ...... امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے والدہ کی قبر کی زیارت کی تو روئے اور حاضرین کو رلایا پھر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے استغفار کی اجازت طلب کی تو نہ ملی۔ پس تم قبرستان میں جاؤ یہ موت کی یاد کا باعث ہے۔

کافر والدین کا انجام ...... امام مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا والد کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، جب وہ مجلس سے اٹھ چلا تو آپ نے اس کو بلا کر کہا تیرے اور میرے والد دوزخ میں ہیں۔ بیہقی نے عامر بن سعید عن ابیہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے اپنے والد کی سخاوت و صلہ رحمی وغیرہ کا رسول اللہ ﷺ کے پاس تذکرہ کر کے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا "دوزخ میں" یہ جواب سن کر اعرابی کچھ رنجیدہ ہوا تو اس نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے والد کہاں ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا جب بھی تیرا گزر کسی کافر کی قبر کے پاس ہو تو اس کو دوزخ کی بشارت دے پھر اعرابی مسلمان ہو گیا تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک ناگوار اور تکلیف دہ عمل میرے ذمہ لگا دیا ہے چنانچہ میں جس کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں اسے دوزخ کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ روایت غریب ہے اس سند سے اور صحاح میں مذکور نہیں ہے۔

عورتوں کا قبرستان جانے کے بارے میں شدید وعید ...... احمد (ابوعبدالرحمان، سعید بن ابی ایوب، ربیعہ بن سیف معافری، ابوعبدالرحمان حبلی) عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا (غالباً گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اسے پہچانا نہیں) آپ راستے کے وسط میں پہنچ کر رک گئے تو وہ عورت آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئی تو معلوم ہوا وہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہے آپ ﷺ نے پوچھا فاطمہ! گھر سے کیوں باہر آئی ہو؟ تو اس نے کہا میں اس گھر والوں کے پاس ان کی میت کی تعزیت اور ترحم کے لئے آئی تھی تو آپ ﷺ نے کہا لعلک بلغت معھم الکدی "شاید تم ان کے ہمراہ قبرستان گئی ہو۔ (یا نوحہ میں شرکت کی ہے) تو اس نے کہا میں ان کے ہمراہ قبرستان میں جانے سے اللہ سے پناہ مانگتی ہوں میں نے اس سلسلہ میں آپ کا فرمان سن رکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان کے ہمراہ چلی جاتیں تو

جب وفات کا وقت کچھ قریب ہی تھا یہاں تک کہ تیرے والد کا دادا عبدالمطلب کو دیکھ لیا۔

ربیعہ معافری کے حالات ...... امام ابوداؤد نسائی اور بیہقی نے بھی یہ روایت ربیعہ بن سیف معافری کی اسکندری سے روایت کی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر اور غیر معروف روایات ہیں ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کثرت خطا کرتا ہے اور دارقطنی نے اس کو صالح کہا ہے۔ تاریخ مصر میں ابن یونس نے اس کے متعلق کہا کہ اس کی احادیث میں منکر روایات ہیں۔ یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوا۔

عبدالمطلب کا دین ...... الغرض عبدالمطلب اپنے دین جاہلیت پر فوت ہوئے' عبدالمطلب اور ابوطالب کے متعلق شیعوں کا اس کے برعکس اعتقاد ہے۔

آپ ﷺ کے والدین کا دوزخی ہونا آپ ﷺ کے لئے عیب نہیں ...... دلائل میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام احادیث کے بیان کے بعد کہا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین اور دادا عالم آخرت میں دوزخی کیونکر نہ ہوں گے کہ وہ بت پرست تھے اور اسی دین پر فوت ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کا دین اختیار نہیں کیا ان کا کفر و شرک پر قائم رہنا آپ علیہ السلام کے نسب میں معیوب نہیں اس لئے کہ کفار کے نکاح بھی درست ہوتے تھے جب کہ غیر شرعی متصور ہیں کیونکہ جب دونوں میاں بیوی کے ہمراہ مسلمان ہوتے تھے تو تجدید نکاح اور ان سے جدا ہونا ضروری نہ تھا وباللہ التوفیق۔

ابن کثیر کی رائے ...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین اور دادا کے متعلق یہ روایات (کہ وہ دوزخی ہیں) اس روایت کہ اہل فترت اور دیوانوں کے درمیانی عرصہ کے لوگ بچے پاگل اور بہرے لوگوں کا امتحان قیامت کے روز ہوگا۔ کے منافی اور معارض نہیں جیسا کہ ہم نے (وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا) کے تحت تفسیر میں مفصل بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان تسلیم کریں گے اور بعض تسلیم نہ کریں گے چنانچہ یہ لوگ' ممکن ہے ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان قبول نہ کریں گے پس اس میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں واللہ اعلم۔

سہیلی کی روایت کی تحقیق ...... وہ روایت جو سہیلی نے بیان کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اس کی سند میں ابن ابی الزناد جیسے راوی مجہول ہیں (کہ ابن ابی الزناد عروہ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے والدین کو زندہ کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے) منکر ہے گو قدرت الٰہی کے تحت ممکن ہے مگر وہ صحیح بخاری کی روایت کے معارض اور خلاف ہے واللہ اعلم۔

مشفقانہ سلوک اور وصیت ...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آمنہ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس تھے عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سایہ میں قالین بچھایا جاتا اور سارے بیٹے قالین کے گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ عبدالمطلب تشریف لاتے اس قالین پر ان کا کوئی بیٹا نہ بیٹھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ (بعمر ۶ سال) تشریف لاتے تو اس پر براجمان ہو جاتے آپ ﷺ کے چچاؤں میں سے کوئی آپ ﷺ کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا تو عبدالمطلب فرماتے چھوڑو! میرا یہ بیٹا صاحب قدر و منزلت ہے پھر ان کو اپنے ہمراہ بٹھا کر پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور ان کی حرکات و اطوار سے خوش ہوتے۔

امام واقدی نے اپنی اسناد سے بحوالہ ابن جبیر وغیرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت تھے جب وہ فوت ہو گئیں تو دادا عبدالمطلب نے اپنے زیر کفالت لے لیا اور اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محبت و شفقت کرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھتے اپنے خصوصی بستر پر بٹھاتے' جب کوئی بستر سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا تو اسے منع کرتے ہوئے کہتے کہ یہ ایک حکومت کا بانی اور [illegible]

ہوگا۔ نبی ﷺ کے متعلق قیافہ شناسوں نے عبدالمطلب سے کہا اس بچے کی خوب نگرانی کرو اس کا پیر تو ابراہیم کے مقام کے نقش جیسا ہے تو عبدالمطلب نے ابوطالب کو کہا ان کی بات غور سے سنو چنانچہ ابوطالب ان کی خوب حفاظت کرتے تھے۔

عبدالمطلب کا آپ ﷺ کی نگرانی کرنا …… ام ایمن رسول اللہ ﷺ کی دایہ اور خادمہ کو تاکید کرتے کہ بچے کی حفاظت کرو اس سے غفلت نہ برتو میں نے ان کو "سدرہ" کے قریب بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا ہے غافل نہ رہنا کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ عبدالمطلب ان کے بغیر تنہا کھانا نہ کھاتے تھے۔

بستر مرگ پر عبدالمطلب کی وصیت …… عبدالمطلب نے بستر مرگ پر ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت و نگہداشت کی وصیت کی پھر عبدالمطلب فوت ہوئے اور حجون میں دفن کئے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب فوت ہو گئے دادا نے قبل از وفات زندگی میں چھ (۶) بیٹیوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ میرا مرثیہ کہو چنانچہ ابن اسحاق نے ان کے اشعار درج کیے ہیں یہ مرثیے عبدالمطلب نے قبل از مرگ ان کی زبان سے سنے یہ سب سے اچھی نوع کی ذکر کی ہے لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ فن شعر و شاعری سے شناسا لوگ بھی ان مرثیہ جات سے قطعاً واقف نہیں۔

سقایہ کا منصب …… بقول ابن اسحاق عبدالمطلب کی وفات کے بعد زمزم اور سقایہ کا منصب عباس کے زیر اہتمام آ گیا حالانکہ وہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ اہتمام اسلام تک ان کے زیر انتظام رہا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ منصب ان کو ہی برقرار رکھا۔

ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے کفیل …… عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق ابوطالب کی زیر کفالت تھے۔ کیونکہ وہ اور عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی بھائی تھے ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں۔ چنانچہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے سارے معاملات کی نگرانی کرتے تھے۔ واقدی نے متعدد اسناد سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے پاس رہتے تھے لیکن ابوطالب زیادہ خوشحال اور مالدار نہ تھے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور ان کے کھانے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی بچپن میں مزید برکات …… ابوطالب کے اہل و عیال جب تنہا رسول اللہ ﷺ کے بغیر ایک برتن میں کھانا کھاتے تو شکم سیر نہ ہوتے اور جب رسول اللہ ﷺ ہمراہ ہوتے تو سب شکم سیر ہو جاتے چنانچہ جب کھانے کا وقت ہوتا تو ابوطالب کہتے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرو رسول اللہ ﷺ آتے اور ساتھ کھانا کھاتے تو کھانا بچ جاتا چنانچہ ابوطالب کہتے آپ مبارک ہیں۔ بقول ابن عباس بچے نیند سے بیدار ہوتے تو ان کی آنکھوں میں چیپڑ بھرے ہوئے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ سر میں تیل لگے ہوئے اور سرمگیں آنکھوں والے بیدار ہوتے۔ حسن بن عرفہ (کی) علی بن ثابت عن طلحہ بن عمرو عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے بچے صبح کو بیدار ہوتے تو آنکھوں میں چیپڑ ہوتی اور رسول اللہ ﷺ صاف ستھرے ہوتے۔ اور ابوطالب ایک ثرید کا پیالہ سب بچوں کو کھانے کو دیتے تو بچے چھینا جھپٹی کرتے اور رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کھینچ لیتے۔ ان کے ساتھ چھینا جھپٹی نہ کرتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے علیحدہ برتن میں کھانا ڈالتے تھے۔

آپ ﷺ کے متعلق قیافہ شناس کی رائے …… محمد بن اسحاق (یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر) کی معرفت عباد سے روایت کرتے ہیں کہ بنی لہب کے قبیلہ کا ایک قیافہ شناس قیافہ کے لئے مکہ میں آتا تو قریشی لوگ بچوں کو اس کے پاس لاتے اور وہ ان کو دیکھ کر بتا دیتا تھا۔ ابوطالب بھی رسول اللہ ﷺ کو چند بچوں کے ہمراہ لائے تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پھر کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گیا جب سب سے فارغ ہو چکا تو اس نے کہا "وہ بچہ کدھر ہے" ابوطالب کو جب اس کا اصرار اور حرص قیافہ معلوم ہوا تو ان کو چھپا لیا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا وہ بچہ لاؤ جس کو میں نے ابھی دیکھا تھا واللہ وہ عظیم الشان ہوگا۔

ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر اور بحیریٰ سے ملاقات

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابوطالب ایک قافلے کے ساتھ بغرض تجارت شام جا رہے تھے۔ جب سامان تیار کر لیا اور سفر کا عزم کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کی شفقت ہوئی جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ ابوطالب پر بھی آپ ﷺ کی جدائی کا غم تھا تو کہا خدا کی قسم میں اس کو ساتھ لے جاؤں گا اور کبھی اس سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ انہیں ساتھ لے لیا جب شام کے علاقہ بصریٰ میں قافلہ رکا تو وہاں بحیریٰ نامی راہب اپنے گرجا میں تھا جو عیسائی علوم کا ماہر تھا اور اسی گرجا میں ہمیشہ کوئی عالم ایسا راہب رہا کرتا تھا جو ان کا عالم ہوتا اور نسل در نسل ان کتابوں کا عالم ہو۔ اس سے پہلے جب وہ لوگ بحیریٰ کے پاس سے گزرتے تو وہ کوئی توجہ نہ دیتا اور ان سے کوئی بات بھی نہ کرتا مگر اس سال وہ وہاں اترے تو اس نے ان کے لئے کھانے کا اہتمام کیا۔

بحیریٰ راہب کا دعوت کرنا...... اس نے اپنے گرجا میں سے دیکھا کہ ایک قافلہ میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور بادل ان پر سایہ فگن ہے جب وہ گرجا کے قریب درخت کے نیچے آئے تو بادل درخت پر چھا گیا اور درخت کی شاخیں رسول اللہ ﷺ پر جھک آئیں اور رسول اللہ ﷺ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے جب بحیریٰ نے یہ منظر دیکھا تو گرجے سے اترا اور کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور ان کو دعوت دی کہ اے جماعت قریش میں نے آپ کے لئے کھانے کا اہتمام کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ سب چھوٹے بڑے غلام آزاد تمام لوگ دعوت میں شامل ہوں اس میں غیر حاضر کوئی نہ ہو۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے بحیریٰ! آج تو کوئی خاص بات ہے اس سے پہلے جب ہم آپ کے پاس سے گزرتے تھے تو آپ توجہ نہ کرتے تھے آج کیا خاص بات ہے؟ تو بحیریٰ نے کہا تم درست کہتے ہو لیکن میں نے چاہا کہ آپ لوگ مہمان ہیں میری خواہش ہے کہ میں آپ کی مہمانی کروں اور آپ کھانا تناول فرمائیں۔ چنانچہ وہ سب دعوت میں چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کم سنی کی وجہ سے درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے رہے۔

جب ان مہمانوں کو بحیریٰ نے دیکھا تو وہ صفات اور خصوصی علامات کا حامل شخص ان میں نہ پایا تو اس نے کہا کیا کوئی آدمی دعوت میں شریک ہونے سے باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا جناب! صرف ایک کم عمر لڑکا قافلے والوں میں سے رہ گیا ہے تو اس نے کہا یہ نہ کرو اس کو بھی شریک کرو پھر ایک قریشی نے کہا لات و عزیٰ کی قسم! محمد بن عبداللہ کا کھانے میں شریک نہ ہونا ہمارے لئے قابل ملامت ہے چنانچہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور ان کو بڑے اہتمام سے بٹھایا۔ بحیریٰ نے آپ کو دیکھا تو غور سے دیکھنے لگا اور آپ کے جسم اطہر کے اعضاء کو غور سے دیکھا جو اس کو آپ کی صفات سے معلوم تھا۔

بحیریٰ راہب کا آپ ﷺ کو مخاطب کرنا۔ .. لوگ جب کھانا تناول فرما چکے اور ادھر ادھر چلے گئے تو بحیریٰ نے آپ کو مخاطب کر کے کہا یا غلام! آپ کو لات و عزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرے سوال کا درست جواب دیں۔ بحیریٰ نے لات و عزیٰ کا اس لئے ذکر کیا تھا کہ اپنی قوم کے یہاں قسم کھاتے تھے۔

حضور ﷺ کی حالت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لات و عزیٰ کے واسطے سے مجھ سے سوال نہ کرو خدا کی قسم ان دونوں سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز ناپسند نہیں۔ بحیریٰ نے خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دریافت کیجئے جو چاہتے ہو تو آپ کے حالات بحیریٰ کی معلومات کے مطابق تھے بعد ازاں اس نے آپ کی پشت مبارک دیکھی تو دونوں کندھوں کے درمیان خاتم نبوت کو اپنی معلومات کے عین مطابق موجود پایا۔ جب وہ اس شناخت سے فارغ ہو گیا تو ابوطالب سے پوچھا اس بچہ کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟ تو اس نے کہا میرا بیٹا ہے تو اس نے کہا یہ تیرا بیٹا نہیں کیونکہ معلومات کے مطابق اس بچے کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہیے تو ابوطالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے تو اس نے پوچھا باپ کو کیا ہوا؟ تو ابوطالب نے کہا یہ ابھی حمل میں تھا کہ اس کا باپ فوت ہو گیا تو راہب نے تصدیق کرتے ہوئے کہا اس کو لے جاؤ اور وطن لے جاؤ یہودیوں سے اس کے خلاف مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے اللہ کی قسم اگر یہودیوں نے آپ کو دیکھ لیا تو وہ ان کے قتل کے در پے ہو جائیں گے۔ آپ کے اس بھتیجے کا عجیب اور عظیم شان ہو گی چنانچہ

دل لگاؤ تھا تو چچا ابوطالب کا یہ بار تجارت سے عشق ہو گیا ابوطالب آپ کو ساتھ لے گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں لوگوں کے مطابق جب یہ قافلہ شام کی سرزمین بصریٰ میں آ کر اترا تھا جس میں بحیریٰ راہب رہتے تھے جنہوں نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا تھا بحیریٰ نصرانیوں کا بہت بڑا عالم تھا اس کتاب میں جو آپ کی صفات مذکور ہیں ان کو اس کے اور انہوں نے آپ کے متعلق علماء اہل کتاب کے درمیان باہم تذکرہ کیا تھا کہ آپ کے آنے سے قبل ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابوطالب نے اس سفر کے متعلق ایک قصیدہ کہا ہے ابن اسحاق سے یہ بلا سند منقول ہے اس کے علاوہ ایک مرفوع مسند روایت بھی مروی ہے۔

حافظ ابوبکر خرائطی [عباس بن محمد الدوری، قراد ابو نوح، یونس بن ابی اسحاق، ابوبکر بن ابی موسیٰ] ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب قریش کے ایک قافلہ میں بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے ہمراہ تھے جب بحیریٰ راہب کے قریب پہنچے تو اتر گئے اور اپنے کجاوے اونٹوں سے اتار رہے تھے اسی وقت راہب ان کے پاس آیا (اور وہ اس سے پہلے بھی اس کے پاس آتے تھے تو وہ ان کی طرف نہ دیکھتا تھا) انسان کے درمیان گھس کر چلتا ہوا یہاں تک کہ اس نے آ کر رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا "یہ سید العالم ہیں اور رب العالمین کی طرف سے رسول ہیں۔ اللہ نے اس کو رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سن کر قریش نے راہب سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ راہب نے کہا جس وقت تم گھاٹی سے چلے ہو ہر پتھر اور درخت سجدہ ریز ہو گیا۔ یہ درخت اور پتھر صرف نبی کے لئے ہی سجدہ کرتے ہیں اور میں ان کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو آپ کے کندھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے۔ پھر واپس آ کر ان کے لئے کھانا تیار کر کے لایا۔ جس وقت وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو آپ ﷺ اونٹ چرا رہے تھے۔ راہب نے کہا ان کو بلا لو آپ اس حالت میں آئے کہ ایک بادل آپ کے سر پر سایہ کر رہا تھا۔ جب آپ قریب پہنچے تو اس نے کہا اس کی طرف دیکھو ان پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے۔ جب آپ بالکل لوگوں کے قریب پہنچے تو لوگ درخت کے سایہ میں بیٹھ چکے تھے۔ جب آپ بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا۔ یہ دیکھ کر راہب نے کہا دیکھو درخت کا سایہ ان کی طرف مڑ گیا ہے۔

وہ راہب ان کے پاس کھڑا ان کو اللہ کا واسطہ دے کر کہہ رہا تھا کہ ان کو روم نہ لے جائیں۔ رومیوں نے ان کو دیکھ لیا تو وہ آپ کی صفات علامات کی وجہ سے پہچان جائیں گے اور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو سات رومی چلے آ رہے ہیں اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کیسے آنا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا یہ نبی اسی ماہ نکلنے والا ہے ہر راستہ پر آدمی بھیجے گئے ہیں ہمیں اس کی خبر آپ کے اسی راستہ کی ملی ہے تو اس نے پوچھا کیا تمہارے پیچھے کوئی تم سے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں تو آپ کے اسی راستہ کا پتہ بتایا گیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے کسی امر کا ارادہ کیا ہو تو کیا کوئی اس کو روک سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی اور آپ کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے۔ راہب نے پوچھا تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ ان کا سرپرست کون ہے؟ تو انہوں نے کہا ابوطالب۔ تو راہب ان کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا رہا کہ ان کو واپس لے جائیں یہاں تک کہ ابوطالب نے آپ کو واپس بھیج دیا اور آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو روانہ کیا اور راہب نے آپ کو روٹی اور تیل کا زاد راہ دیا۔

قراد ابونوح اور ان کی روایت کردہ حدیث پر تبصرہ ...... اسی طرح ترمذی نے ابوالعباس فضل بن سہل اعرج از قراد ابونوح سے یہ روایت بیان کی ہے اور حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم از عباس دوری سے یہ روایت نقل کی ہے اسی طرح متعدد حفاظ نے یہ حدیث ابونوح عبدالرحمٰن بن غزوان خزاعی (خزاعہ کے مولیٰ) سے بیان کی ہے ان کو ضبی بھی کہتے ہیں اور عرف قراد ہے بغداد میں ساکن تھے ثقہ راویوں میں سے ہیں جن سے بخاری نے روایت کی ہے اور ائمہ حفاظ کی ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے میرے علم میں کسی نے ان پر جرح نہیں کی، باوجود اس کے اس حدیث میں غرابت اور عجیب پن ہے چنانچہ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں عباس دوری کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں قراد ابو نوح کے علاوہ اس حدیث کو بیان کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے اور امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس حدیث کی غرابت اور تفرد کی وجہ سے اس کی سماعت کی ہے یہ بیان بیہقی اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کی غرابت کا بیان ...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت میں بعض باتیں عجیب و غریب ہیں۔ یہ روایت مرسلات صحابہ میں سے ہے کیونکہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت مدینہ میں تشریف لائے اور ابن اسحاق کا ان کو مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی فہرست میں شمار کرنا قابل التفات ہے۔ یہ روایت بہر حال مرسل ہے۔ اس قصہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی۔ ممکن ہے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا اور بیان کر دیا یا کسی عمر رسیدہ صحابی سے سنا ہو یا یہ واقعہ مشہور و معروف ہو۔ اور شہرت کی بناء پر اس کو نقل کر دیا ہو۔ بادل کا تذکرہ اس سے صحیح روایت میں موجود نہیں۔ "ابو بکر نے بلال کو آپ کے ساتھ کر دیا تھا" رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی تو ابو بکر اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کے ہوں گے اور بلال اس سے بھی کم تر۔ بایں وصف ابو بکر اور بلال کا وہاں موجود ہونا کیسے ممکن ہے۔ بنا بریں حدیث ترمذی کا یہ فقرہ غریب اور بداہۃً غلط ہے۔ الا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس سے زیادہ ہو یا یہ کہ یہ سفر اس عمر کے بعد پیش آیا ہو۔ یا "رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال ہو" کا فقرہ غلط اور غیر محفوظ ہو۔ واقدی نے بھی بارہ کا تذکرہ کیا ہے (علاوہ ازیں) امام سہیلی نے تو کسی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ کی عمر مبارک اس وقت نو سال تھی۔ واللہ اعلم۔ واقدی (محمد بن صالح، عبداللہ بن جعفر اور ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ) داؤد بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بارہ سال کی عمر میں ابو طالب اپنے ہمراہ شام کی طرف ایک تجارتی قافلہ میں لے گئے اور بحیریٰ راہب کے پاس پڑاؤ ڈالا اور اس نے ابو طالب کو خفیہ اور بطور راز بتایا اور مشورہ دیا کہ ان کی حفاظت و نگہداشت کرو، چنانچہ ان کو ابو طالب اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئے۔

ابو طالب کے زیر کفالت ...... ابو طالب کی زیر کفالت و تربیت رسول اللہ ﷺ جوان ہوئے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہداشت میں تھے۔ جاہلی امور اور معیوب عادات سے ان کو باری تعالیٰ محفوظ رکھتے تھے کیونکہ ان کو دنیا کی امامت و پیشوائی کے فرائض انجام دینے تھے۔ آپ بالغ اور جوان ہوئے تو قوم کے سب افراد سے مروت و انسانیت کے لحاظ سے افضل تھے۔ سب سے خوش اخلاق تھے، میل ملاپ میں سب سے خوش گوار تھے، باہمی گفتگو اور آداب محفل سے سب سے زیادہ آراستہ تھے، سب سے اچھے تحمل مزاج اور اعلیٰ امانت دار تھے، سب سے بہتر اور راست باز تھے، فحش کلامی اور بدزبانی سے کوسوں دور تھے، کسی کو لعنت و ملامت نہ کرتے، کبھی بحث و تکرار کرتے بھی نہیں دیکھے گئے، یہاں تک کہ قوم نے آپ کو "امین" کے لقب سے پکارا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اعلیٰ اوصاف اور عمدہ خصال سے آراستہ کر دیا تھا اور ابو طالب بھی تا حیات آپ کی حفاظت و حمایت اور نصرت و تعاون میں مگن رہے۔

محمد بن سعد (خالد بن معدان، معتمر بن سلیمان) ابی مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب، عبدالمطلب مہربان تھے، سفر و حضر میں ان کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے، چنانچہ آپ ایک دفعہ شام کی طرف بغرض تجارت روانہ ہوئے تو آپ ایک پڑاؤ میں فروکش ہوئے تو آپ کے پاس ایک راہب آیا اور اس نے کہا تمہارے قافلہ میں ایک نیک مرد ہے۔ پھر اس نے پوچھا ان کا والد کہاں ہے؟ تو ابو طالب نے کہا میں ان کا ولی اور سرپرست ہوں تو اس نے کہا ان کی حفاظت کرو اور ان کو شام مت لے جاؤ، کیونکہ یہود قوم ہے اور مجھے ان کے متعلق یہود سے خطرہ لاحق ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو واپس کر دیا اور راہب نے کہا الٰہی! میں محمد ﷺ کو تیری حفاظت و امانت کے سپرد کرتا ہوں پھر وہ فوت ہو گیا۔

بحیریٰ کے احوال ...... سہیلی نے سیر زہری سے نقل کیا ہے کہ بحیرا یہودی عالم تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ راہب کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راہب عیسائی تھا اور مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ قبیلہ عبدالقیس سے تھا اس کا نام جرجیس ہے۔ "معارف" از ابن قتیبہ میں ہے کہ قبل از اسلام جاہلی دور میں پردۂ غیب سے کسی ہاتف سے یہ سنا گیا کہ روئے زمین میں بہترین تین اشخاص ہیں، بحیریٰ راہب، رئاب بن براء الشنی اور تیسرا منتظر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ۔

بقول ابن قتیبہ، رئاب اور اس کے لڑکے کی قبر پر ابر رحمت کی بوندا باندی ہوتی رہتی ہے۔

نبی علیہ السلام کی نشوونما' تربیت و پرورش' حفاظت و نگہداشت

عہد یتیمی میں باوقار مقام دینا اور فقر کو غنا میں بدل دینا

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایسے حالات و اطوار میں عالم شباب میں پہنچے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و صیانت میں تھے اور جاہلی دور کی غلط عادات سے محفوظ و مامون تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو دنیا کی امامت اور رسالت کے فرائض سرانجام دینے تھے چنانچہ آپ رجولیت اور مردانگی کے عہد میں پہنچے تو قوم سے مروت و انسانیت میں افضل و اعلیٰ تھے' خوش اخلاق تھے' حسب و شرافت میں برتر و بہتر تھے۔ میل ملاپ اور آداب محفل سے سب سے زیادہ آراستہ تھے' سب سے زیادہ حلیم مزاج تھے' نہایت راست باز تھے سب سے اعلیٰ امانت دار تھے' فحش اور بد اخلاقی سے دور تھے' آپ بہ صفت موصوف تھے کہ آپ کا نام قوم میں "امین" معروف تھا کیونکہ آپ ﷺ تمام صفات اور محمود خصائل کے حامل تھے۔

غیب سے آپ ﷺ کو برہنگی سے بچانا...... بقول ابن اسحاق رسول اللہ ﷺ نے بچپن اور کم سنی کا ایک واقعہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ و مامون رکھا کہ ہم چند قریشی بچے کسی کھیل کے سلسلہ میں پتھر اٹھا رہے تھے' سب نے تہہ بند کھول رکھے تھے اسے کندھے پر رکھ کر پتھر اٹھا رہے تھے اور میں بھی اسی طرح برہنہ ان کے ساتھ کھیل میں مشغول تھا کہ مجھے کسی نے مکی سے پیٹ لگا کر کہا اشدد علیک ازارک...... اپنا تہہ بند باندھو چنانچہ میں نے تہہ بند باندھ لی اور پھر کندھے پر پتھر اٹھانے لگا' ان میں صرف میں ہی تہہ بند باندھے ہوئے تھا۔ یہ قصہ بخاری شریف کے "باب بنیان الکعبہ" کے تحت درج حدیث کے بالکل مشابہ ہے۔ اگر یہ قصہ وہ نہیں ہے تو یہ اس کے لئے بطور تمہید و دیباچہ ہو گا' واللہ اعلم۔ عبدالرزاق (ابن جریج' عمرو بن دینار) جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قریش نے کعبہ کی مرمت کی تو رسول اللہ ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ دونوں پتھر اٹھا کر لا رہے تھے' عباس نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ اپنا تہہ بند کندھے پر ڈال لو پتھر سے محفوظ رکھے گا' آپ ﷺ نے ایسا کیا تو اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کو تک گئیں پھر ہوش آیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر کہا میرا تہہ بند وہ پھر آپ نے تہہ بند باندھ لیا۔ صحیحین میں یہ روایت عبدالرزاق کے علاوہ روح بن عبادہ' زکریا بن ابی اسحاق' عمرو بن دینار' جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے۔

حافظ بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ' ابو سعید بن ابی عمرو' ابو العباس محمد بن یعقوب' محمد بن اسحاق صاغانی' محمد بن بکیر حضرمی' عبدالرحمان بن عبداللہ دمشقی' عمرو بن ابی قیس' سماک' عکرمہ' ابن عباس) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قریش نے کعبہ کی مرمت کی تو آپ ﷺ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قریش نے دو دو آدمیوں کی ٹولی بنا دی تھی' مرد پتھر اٹھاتے تھے' عورتیں چونا اور گارا اٹھا رہی تھیں۔ میں اور میرا بھتیجا محمد دونوں کندھوں پر پتھر اٹھا رہے تھے' ہمارے تہہ بند پتھروں کے نیچے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے' جب لوگوں میں آتے تو تہہ بند پہن لیتے' اسی دوران میں پیچھے چل رہا تھا اور محمد ﷺ آگے تھے' آپ منہ کے بل گر پڑے' میں اپنا پتھر پھینک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑا (آیا تو دیکھا) آپ آسمان کو تک رہے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو آپ نے کھڑے ہو کر اپنا تہہ بند پہن لیا اور فرمایا انی نھیت ان امشی عریانا' مجھے برہنہ ہو کر چلنے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے اس مقولہ کو لوگوں سے چھپاتا تھا مبادا وہ آپ کو دیوانہ کہیں۔

آپ ﷺ کا گانے کی محفل سے بچنا...... حافظ بیہقی (یونس بن بکیر' محمد بن اسحاق' محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ' حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب' علی بن ابی طالب) سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرما رہے تھے کہ اہل جاہلیت' عورتوں کے گانے بجانے میں شرکت کا بہت شوق کیا کرتے تھے' میں نے صرف دو مرتبہ دو راتوں میں ایسا ارادہ کیا اور گیا اور دونوں مرتبہ اللہ نے مجھے محفوظ رکھا' ایک رات میں نے اپنے ساتھی سے کہا (ہم بکریوں کے ریوڑ میں تھے) کہ میری بکریوں کا خیال رکھنا میں مکہ میں قصے کہانیاں اور داستان سننے کیلئے جا رہا ہوں' جیسے کہ نوجوان کہا کرتے ہیں اس نے کہا' کیوں نہیں (جایئے) چنانچہ میں مکہ آیا اور داخل ہوتے ہی پہلے مکان میں سے گانے بجانے اور باجوں کی آواز

سنی میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ فلاں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ میں بھی وہاں بیٹھ کر دیکھنے لگا اور میری آنکھ لگ گئی واللہ! جب دھوپ لگی تو آنکھ کھلی میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا اس نے پوچھا کیا کیا؟ میں نے کہا کچھ نہیں کیا پھر اسے رات کا واقعہ بتایا۔ پھر میں نے اسے دوسری رات بھی کہا کہ میری بکریوں کا دھیان کرنا میں داستان سننے جا رہا ہوں اس نے منظور کر لیا تو میں مکہ چلا آیا' گزشتہ شب کی طرح میں نے آواز سنی میں نے کسی سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ فلاں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ میں بھی وہاں بیٹھ کر دیکھنے لگا اور میری آنکھ لگ گئی واللہ! مجھے دھوپ لگی تو آنکھ کھلی پھر میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا تو اس نے پوچھا آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا' کچھ نہیں' پھر اسے ساری داستان سنائی واللہ اس کے بعد میں نے کبھی بھی ایسی مجلس میں شامل ہونے کا ارادہ تک نہیں کیا حتیٰ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما دیا۔

یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ البتہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی سماع کی صراحت کے بغیر مروی ہے۔ یہ فقرہ "حتی اکرمنی اللہ عزوجل بنبوتہ" تم اور کسی راوی کا بے جا اضافہ ہوگا واللہ اعلم۔

ابن اسحاق کے شیخ کے متعلق...... محمد بن اسحاق کے شیخ (محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ) کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں اور ہمارے استاذ حافظ مزی (م ۷۴۲ھ) نے اپنی کتاب تہذیب میں کہا ہے کہ: میں اس سے واقف نہیں ہوں واللہ اعلم۔ حافظ بیہقی (ابو عبداللہ الحافظ ابو العباس محمد بن یعقوب' حسن بن علی بن عفان عامری ابو اسامہ محمد بن عمرو ابو سلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمان بن حاطب اسامہ بن زید) زید بن حارثہ سے روایت کرتے ہیں کہ اساف اور نائلہ تانبے کے بت تھے مشرک جب طواف کرتے تو ان کو ہاتھ سے چھوتے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ میں نے بھی طواف کیا' جب میں ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی چھو لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لا تمسہ) اسے مت چھوؤ زید بن حارثہ کہتے ہیں ہم طواف ہی کر رہے تھے کہ میں نے دل میں کہا چھوتا ہوں کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے' چنانچہ میں نے پھر چھوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (الم تنہ) کیا تو رکتا نہیں۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو کے شاگرد ابو اسامہ کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا ہے کہ زید نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ ﷺ پر قرآن اتارا کہ آپ نے کبھی بت کو چھوا تک نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسالت سے سرفراز فرما کر قرآن نازل فرمایا۔ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ جب بحیرا نے آپ ﷺ کو لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے ان کا واسطہ دے کر نہ پوچھو اللہ! میں ان کو نہایت برا سمجھتا ہوں۔

حدیث بیہقی کی توجیہ...... باقی رہی حدیث جو حافظ بیہقی نے (ابو سعد مالینی ابو احمد بن عدی الحافظ ابراہیم بن اسباط عثمان بن ابی شیبہ جریر' سفیان ثوری محمد بن عبداللہ بن عقیل) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام مشرکین کے ہمراہ ان کے اجتماعات اور مزاروں میں جایا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پیچھے سے آواز سنی کہ ایک فرشتہ نے دوسرے کو کہا چلو ہم رسول اللہ ﷺ کی پشت میں کھڑے ہوں تو اس نے کہا' ہم ان کے پیچھے کیسے کھڑے ہوں؟ وہ تو بتوں کو چھوتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کبھی مشرکوں کے ہمراہ مشاہد میں شامل نہیں ہوئے۔ اس حدیث کو اکثر ائمہ نے منکر کہا ہے اور عثمان بن ابی شیبہ پر گرفت کی ہے۔ یہاں تک کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق کہا ہے کہ: اس کا بھائی حدیث کا تلفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ حافظ بیہقی نے کسی محدث سے یہ معنی بیان کیا ہے کہ: آپ ﷺ بتوں کو چھونے والوں کے ساتھ تھے۔ یعنی خود نہیں چھوا اور یہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم۔ نیز حدیث زید بن حارثہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ مشرکین کے مشاہد اور خانقاہوں سے الگ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا۔

بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کا عرفات میں قیام کرنا...... ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت سے قبل حج کے دوران عام لوگوں کے ہمراہ عرفات میں قیام کرتے تھے۔ قریش کی طرح حرم اللہ میں ہی نہیں ٹھہر رہے تھے (قریش خود کو اہل اللہ کہتے تھے اور حج میں حرم سے باہر نہیں جاتے تھے) جیسا کہ یونس بن بکیر محمد بن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر عثمان بن ابی سلیمان نافع بن جبیر بن مطعم جبیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا (وہو علی دین قومہ) اور اپنی قوم کے ابراہیمی دین پر قائم تھے قریش میں سے صرف وہی عرفات میں حج کے دوران قیام کیا کرتے تھے اور لوگوں کے ہمراہ واپس رات کو لوٹ آتے تھے یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور کار خیر کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ بقول بیہقی (علی دین

فرمائے) کا مطلب ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے باقی ماندہ دین پر قائم تھا اور کسی شرک میں ملوث نہیں ہوئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ دائما۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا عرفات میں قیام بھی قبل از بعثت بتوفیق الٰہی تھا۔ یہ علیہ السلام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یعقوب سے اور انہوں نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جبیر بن مطعم کہتے ہیں (لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل ان ينزل عليه وانه لواقف على بعير له مع الناس بعرفات حتى يدفع معهم توفيقا من الله) (مسند احمد عن جبیر بن مطعم) جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عرفہ میں میرا اونٹ گم ہو گیا میں اس کی تلاش میں نکلا کہیں رسول اللہ ﷺ کو عرفات میں دوران حج موقف میں دیکھ کر کہا یہ تو قریشی ہیں یہ عرفات میں کیا تحقیق کرتے ہیں ان کا قیام کیونکر ہے؟ یہ روایت متفق علیہ ہے۔

نبی علیہ السلام کی حرب فجار میں شرکت

ابن اسحاق کہتے ہیں حرب فجار کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس سال تھی۔ اس جنگ کو حرب فجار اس لیے کہتے ہیں کہ قریش و کنانہ اور قیس عیلان نے محرمات کا ارتکاب کر کے جنگ جائز کر لی تھی۔ قریش کا قائد ابوسفیان کا والد حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ پہلے قیس عیلان غالب تھے پھر قریش غالب آ گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ حرب فجار کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی جیسا کہ ابو عبیدہ نحوی ابو عمرو بن علاء سے روایت ہے کہ قریش اور ان کے حلیف کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان جنگ رونما ہوا۔

حرب فجار کی وجہ تسمیہ..... لڑائی کا سبب یہ تھا کہ عروہ رحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ کا براض بن قیس کے ساتھ کسی مسئلہ پر جھگڑا ہوا۔ براض بنی ضمرہ کا حلیف کنانہ سے ہے اس نے کہا: کیا تم کنانہ کے خلاف ان کو پناہ دے سکتے ہو؟ اس نے کہا کنانہ کیا ساری مخلوق کے خلاف میں پناہ دے سکتا ہوں۔ چنانچہ عروہ رحال روانہ ہوا تو براض بھی اس کے پیچھے اس کی غفلت کا منتظر تھا یہاں تک کہ وہ مقام عالیہ کے تیمن ذی طلال میں پہنچا کہ براض نے موقع پا کر عروہ رحال کو "شہر حرام" میں قتل کر ڈالا اسی وجہ سے لڑائی کا نام "فجار" ہوا۔ براض نے یہ درج ذیل اشعار کہے:

وداهية تهم الناس قبلي
شددت لها بني بكر ضلوعي
هدمت بها بيوت بني كلاب
وأرضعت الموالي بالضروع
رفعت له بذي طلال كفي
فخر يميد كالجذع الصريع

"بہت سی آفات نے مجھ سے قبل لوگوں کو غمگین اور فکر مند رکھا ہے اے بنی بکر! میں نے ان کے لئے اپنی پسلیوں کو مضبوط کر لیا ہے۔ میں نے ان کے باعث بنی کلاب کے مکانات کو مسمار کر دیا ہے میں نے موالی کو دودھ بھرے تھنوں سے دودھ پلایا ہے میں نے ذی طلال میں اس کے لئے اپنا ہاتھ بلند کیا وہ کھجور کے تنے کی طرح جھومتا ہوا گر پڑا۔"

لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب نے کہا:

وأبلغ ان عرضت بني كلاب
وعامر والخطوب لها موالي
وأبلغ ان عرضت بني نمير

واخوال القتیل بنی ھلال
بان الوافد الرحال امسی
مقیما عند تیمن ذی طلال

"اگر تو عروض میں جائے تو بنی کلاب اور عامر کو پیغام دے دو کہ مصاحب کے بھی دوست ہوتے ہیں۔ بنی نمیر اور مقتول کے ننھیال بنی ہلال کو پیغام پہنچا دے کہ وفد لے جانے والا رحال تیمن ذی طلال کے پاس مدفون اور زمین بوس ہے۔"

حرب فجار کا مختصر قصہ...... بقول ابن ہشام قریش کو معلوم ہو گیا کہ براض نے عروہ رحال کو قتل کر ڈالا ہے اور وہ عکاظ کا میلہ میں ہے۔ جو کیم ذیقعدہ سے بیس ذیقعدہ تک جاری رہتا ہے۔ چنانچہ قریش وہاں سے چلے آئے اور ہوازن اس بات سے لاعلم تھے۔ بعد میں ان کو بھی اس قتل کا علم ہو گیا تو ان کے تعاقب میں آئے اور حرم میں داخل ہونے سے قبل ہی ان کو پالیا' رات گئے تک لڑائی جاری رہی پھر جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو ہوازن لڑائی سے دستبردار ہو گئے اس کے بعد کئی روز تک جنگ جاری رہی پوری قوم ایک دوسرے کا تعاون کر رہی تھی' قریش کے ہر قبیلے کا سپہ سالار اور علم بردار الگ الگ تھا۔ کنانہ کا رئیس ان کا اپنا فرد تھا اور قیس کے ہر قبیلے کا رئیس بھی جدا جدا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی بعض ایام میں لڑائی میں شامل ہوئے' آپ کے چچاؤں نے ان کو اپنے ہمراہ شامل کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میں اپنے چچاؤں کو دشمن کے پھینکے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر دے رہا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں حرب فجار کا قصہ نہایت طویل ہے۔ اس کو بالاستیعاب بیان کرنے سے صرف سیرت رسول ﷺ میں خلل اندازی مانع ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ فجار بروزن قتال بکسرہ فاء ہے' مسعودی مؤرخ کا بیان ہے کہ عرب میں حرب فجار کے نام سے چار لڑائیاں ہوئیں۔ یہ براض والی حرب فجار آخری ہے۔ چار روز جاری رہی یوم شمطہ یوم عبلاء یہ دونوں لڑائیاں عکاظ کے قریب ہوئیں۔ یوم شرب یہ سب سے سنگین لڑائی تھی اسی میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی اور اسی جنگ میں قریش اور بنی کنانہ کے رئیسوں حرب بن امیہ اور سفیان نے خود کو باندھ لیا تھا کہ بھاگ نہ سکیں اس روز بنی نضر کے چند افراد کے علاوہ قیس شکست کھا گئے تھے۔

عتبہ بن ربیعہ کا کارنامہ...... نخلہ کے قریب ہوئی پھر اس کے بعد آئندہ سال عکاظ کے میلے پر یوم الحریرہ پر اس لڑائی وعدہ ہوا حسب وعدہ لڑائی کے لئے تیار تھے کہ عتبہ بن ربیعہ نے اپنے شتر پر سوار ہو کر اعلان کیا اے معشر مضر! کیوں جنگ و جدال پر آمادہ ہو؟ تو ہوازن نے پوچھا آپ کس بات کے داعی ہیں؟ تو عتبہ نے کہا میں صلح کا طالب ہوں تو ہوازن نے کہا' کس طرح اور کیسے؟ تو عتبہ نے کہا ہم تمہارے مقتولوں کی دیت ادا کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے آدمیوں کو گروی رکھتے ہیں اور ہم اپنی دیتوں کو معاف کرتے ہیں۔ ہوازن نے کہا اس بات کا کون کفیل اور ضامن ہے؟ تو اس نے کہا میں ضامن ہوں انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ تو اس نے کہا میں عتبہ بن ربیعہ ہوں چنانچہ ان شرائط پر صلح ہو گئی اور عتبہ نے چالیس افراد کو بطور رہن بھیجا تھا ان میں حکیم بن حزام بھی شامل تھا۔ جب ہوازن نے ان لوگوں کو اپنے قبضہ میں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی دیتیں اور خون بہا معاف کر دیئے اور یوں اس خطرناک لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ مؤرخ اموی نے اثرم یعنی مغیرہ بن علی اور ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ سے حرب فجار کو نہایت مفصل اور بالاستیعاب بیان کیا ہے۔

حلف فضول...... حافظ بیہقی (ابو سعد مالینی' ابو احمد بن عدی الحافظ' یحییٰ بن علی بن ہشام خفاف' ابو عبدالرحمن ازدی' اسماعیل بن علیہ' عبدالرحمان بن اسحاق' زہری' محمد بن جبیر بن مطعم) جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں "مطیبین" کے حلف میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ حاضر تھا' اگر مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی ملیں تو میں اس کو توڑنا پسند نہیں کرتا۔ یہ روایت عبدالرحمان بن اسحاق سے اسماعیل بن علیہ کے علاوہ بشر بن مفضل بھی بیان کرتے ہیں۔ ابو طاہر بن فقیہ' ابو عمرو بن مطر' ابو بکر بن احمد بن داؤد سمنانی' معلّی مہدی' ابو عوانہ' عمر بن ابی سلمہ' ابو سلمہ' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حلف مطیبین کے علاوہ قریش کے کسی معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ اس معاہدہ کے مقابلہ میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو پھر بھی میں اس کو نہ توڑوں۔

مطیبین کی وجہ تسمیہ۔۔۔۔ ہاشم امیہ زہرہ اور مخزوم قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ امام بیہقی کہتے ہیں یہ تفسیر و تشریح حدیث میں اس طرح مروی ہے معلوم نہیں یہ اضافہ کس نے کیا ہے۔ بعض سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ اس روایت میں مذکور مطیبین سے مراد حلف فضول ہے۔ کیونکہ حلف مطیبین کے وقت رسول اللہ ﷺ تھے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں واقعی یہ درست ہے کہ قریش نے قصی کی وفات کے بعد حلف اٹھایا تھا اور ایک تنازع اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ قصی نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو سقایہ، رفادہ، لواء، ندوہ اور حجابہ سب منصب عطا کر دیے تھے بدیں وجہ عبد مناف کی اولاد نے تنازع پیدا کیا اور فریقین کے ہمراہ قریش قبیلے تھے۔ ہر ایک نے اپنے حزب اور گروہ کے ساتھ تعاون کرنے کی قسم اٹھائی تھی۔ چنانچہ اولاد عبد مناف نے ایک پیالے میں خوشبو ڈال کر اس میں ہاتھ ڈبو کر باہمی تعاون پر قسم اٹھائی اس کے بعد انہوں نے بیت اللہ کے کونوں اور گوشوں کو چھوا۔ اسی وجہ سے ان کا نام مطیبین پڑ گیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔

لیکن یہاں حلف مطیبین سے مراد حلف فضول ہے جو عبداللہ بن جدعان کے گھر منعقد ہوا تھا۔ جیسے کہ حمیدی، سفیان بن عیینہ، عبداللہ، محمد، عبدالرحمان پسران ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں منعقدہ معاہدہ میں شامل تھا اگر اب بھی (اسلامی دور میں) مجھے اس قسم کے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں فوراً قبول کروں اس بات پر معاہدہ قائم ہوا تھا "ان یردوا الفضول علی اہلہا و لا یعد ظالم مظلوما" کہ منافع اس کے حق دار کو دیا جائے اور ظالم مظلوم پر برداشت نہ کیا جائے گا اور ستمگر ستم رسیدہ پر غالب نہ ہو گا۔ یہ حلف فضول ذی قعدہ میں حرب فجار کے چار ماہ بعد بعثت سے بیس سال قبل منعقد ہوا تھا۔ کیونکہ اس سال حرب فجار شعبان میں لڑی گئی تھی حلف فضول عرب میں ایک نہایت مقدس اور پاکیزہ معاہدہ تھا۔ اس کے پہلے بانی اور محرک زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ معاہدہ اس وجہ سے معرض وجود میں آیا کہ ایک زبیدی مکہ میں سامان تجارت لایا وہ عاص بن وائل نے خرید لیا اور قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے احلاف (عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب) کے پاس فریاد کی انہوں نے عاص بن وائل کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو ڈانٹ دیا جب زبیدی مایوس ہو گیا تو طلوع آفتاب کے وقت اس نے کوہ ابی قبیس پر چڑھ کر یہ اشعار کہے اس وقت قریش کعبہ کے گرد و نواح محفلوں میں براجمان تھے۔

یا آل فہر لمظلوم بضاعتہ
ببطن مکۃ نائی الدار والنفر
ومحرم اشعث لم یقض عمرتہ
یا للرجال وبین الحجر والحجر
ان الحرام لمن تمت کرامتہ
ولا حرام لثوب الفاجر الغدر

"اے آل فہر! اجنبی بے سہارے مظلوم کی مدد کرو اس کا سرمایہ مکہ میں ہے۔ اور اس پراگندہ حال محرم کی جس نے عمرہ ادا نہیں کیا اے لوگو مدد کرو جو حجر اسود اور حطیم کے درمیان جلوہ افروز ہو۔ بے شک حرام معزز و محترم کا محافظ ہے بدکار اور غدار کی عزت کا محافظ نہیں"۔

یہ سن کر زبیر بن عبدالمطلب نے کہا یہ رائیگاں نہ ہو گا' چنانچہ ہاشم، زہرہ اور تیم بن مرہ یہ تین خاندان عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اس نے کھانے کا اہتمام کیا اور ماہ حرام ذی قعدہ میں سب نے یہ حلف اٹھایا اور پختہ معاہدہ کیا کہ واللہ ہم سب مظلوم کے ساتھ ایک جماعت میں متحد ہوں گے ظالم کے خلاف یہاں تک کہ وہ اس کا حق اور مطالبہ پورا کر دے یہ معاہدہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک سمندر کا پانی ایک ٹکڑے کو تر کرے اور جب تک کوہ ثبیر اور حرا اپنے مقام پر قائم رہیں نیز مواساۃ روزگار ہر ایک کو یکساں میسر ہوں گے۔ چنانچہ قریش نے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا کہ انہوں نے ایک افضل کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ پھر عاص بن وائل سے زبیدی کا سامان چھین کر اس کے حوالے کر دیا اور زبیر بن عبدالمطلب نے ان اشعار میں کہا:

حلفت لنعقدن حلفا عليهم
وإن كنا جميعا أهل دار
نسميه الفضول إذا عقدنا
يعز به الغريب لذي الجوار
ويعلم من حوالي البيت أنا
أباة الضيم نمنع كل عار

"میں نے قسم کھائی تھی کہ ظالموں کے خلاف ایک معاہدہ کریں گے اگرچہ ہم ایک گھر میں رہنے والے ہوں۔ ہم نے اس معاہدہ کا "فضول" نام رکھا ہے جب ہم نے معاہدہ منعقد کیا اس کی وجہ سے مسافر کی عزت اجنبی تو امداد و حفاظت ہو گئی۔ بیت اللہ کے اطراف میں سب جانتے ہیں کہ ہم ظلم و جور کو ناپسند کرتے ہیں ہم ہر ذلت و رسوائی کے کام سے دور رہیں گے۔"

زبیر نے یہ اشعار بھی کہے:

إن الفضول تحالفوا وتعاقدوا
ألا يقيم ببطن مكة ظالم
أمر عليه تعاهدوا وتواثقوا
فالجار والمعتر فيهم سالم

"معاہدہ "حلف الفضول" منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا اس کی وجہ سے مسافر اور پڑوسی سب یکساں طور پر محفوظ ہیں۔"

قتول کا اغوا اور حلف الفضول والوں کی مدد ۔۔۔ غریب الحدیث میں قاسم بن ثابت مذکور ہے کہ خثعم کا ایک شخص اپنی خوبصورت بیٹی قتول کے ہمراہ مکہ میں حج یا عمرہ کی غرض سے آیا تو نبیہ بن حجاج نے اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا تو خثعمی نے لوگوں سے مدد طلب کی، کسی نے کہا کہ حلف فضول کے شرکاء سے مدد حاصل کرو۔ چنانچہ اس نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا: اے حلف فضول منعقد کرنے والو! میری مدد کرو۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے لوگ ہتھیار اٹھائے چلے آئے اور پوچھا کیا ہوا؟ ہم ہر طرح کی مدد کے لئے حاضر ہیں۔ تو خثعمی نے بتایا کہ نبیہ نے میری بیٹی اغوا کر لی ہے۔ چنانچہ وہ اس کے مکان پر گئے جب وہ باہر نکلا تو سب نے کہا لڑکی لاؤ! تجھے معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟ اور ہم نے کیا معاہدہ کر رکھا ہے؟ اس نے کہا بہتر ہے مگر مجھے ایک رات کی اجازت دے دو تو انہوں نے کہا واللہ! بالکل نہیں تم رات کی بات کرتے ہو ہم تو معمولی وقفہ دینے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ نبیہ نے یہ اشعار کہتے ہوئے لڑکی ان کے حوالے کر دی:

راح صحبي ولم أحيي القتولا
لم أزودهم وداعا جميلا
إذ أجد الفضول أن يمنعوها
قد أراني ولا أخاف الفضولا
لا تخالي أني عشية راح الركب
هنتم علي أن لا أزولا

"میرے احباب چلے گئے اور میں نے قتول کو الوداع بھی نہیں کہا اور نہ عمدہ طریق سے الوداع کہا۔ میں نے دیکھا جب حلف فضول والوں نے اس کی حفاظت کا عزم کر لیا میں بھی خود ان سے خائف نہیں رہتا تھا۔ یہ گمان نہ کر کہ جب شام کے وقت قافلہ

جاتا ہو اگر تم بچنے کے لئے میرے نزدیک پہنچ جاؤ گے"۔

حلف الفضول کی ایک اور وجہ تسمیہ۔۔۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" اس وجہ سے ہے کہ یہ معاہدہ جرہم کے معاہدہ حلف الفضول کی طرح تھا اس معاہدہ کے بانی جرہم قبیلہ کے تین سردار تھے جن کے نام (۱) فضل بن فضالہ (۲) فضل بن وداعہ (۳) فضل بن حارث ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نام (۱) فضل بن شراعہ (۲) فضل بن بضاعہ (۳) فضل بن قضاعہ ہیں۔

(ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے) محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ قریش نے ایک معاہدہ کیا کہ قریش کی ایک جماعت عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جو بڑی عمر اور رئیس تھا جمع ہوئی۔ بنی ہاشم بنی مطلب بنی اسد بن عبد العزی، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ نے آپس میں یہ عہد کیا کہ مکہ کے مقامی باشندوں یا بیرونی لوگوں پر ظلم ہوگا تو مظلوم کی مدد کریں گے، ظالم کے خلاف ہوں گے اور مظلوم کو اس کا حق دلوائیں گے۔ چنانچہ قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا۔

معاہدہ کی اہمیت۔۔ ابن اسحاق (محمد بن زید بن مہاجر بن قنفذ تیمی طلحہ بن عبد اللہ بن عوف زہری سے) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں ایک ایسے باوقار معاہدہ میں شرکت کی جس کا بدلہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اگر اسی قسم کا معاہدہ اسلام میں بھی پیش کیا جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حق اور ولید کا انکار۔۔۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ اور امیر مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کا جب امیر معاویہ کے زمانہ میں ان کی زمین کا تنازعہ ہوا اور ولید امارت کی وجہ سے ان کا حق دبانا چاہتا تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تم میرا حق مجھے دے دو ورنہ میں تلوار اٹھا کر مسجد نبوی میں جا کر حلف الفضول کا اعلان کروں گا۔ عبد اللہ بن زبیر (جو اس وقت مجلس میں موجود تھے) نے کہا واللہ اگر اس نے حلف الفضول کی دعوت دی تو میں بھی تلوار لے کر اس کے ساتھ ہوں گا تاکہ اس کا حق اسے مل جائے یا ہم سب مر جائیں۔ مسور بن مخرمہ زہری اور عبد الرحمن بن عثمان تیمی نے کہا کہ انہوں نے بھی اسی عزم کا اظہار کیا جب اس بات کا علم ولید (امیر مدینہ) کو ہوا تو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کا حق دے کر راضی کر لیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی۔۔۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار اور تجارت پیشہ خاتون تھیں اور بطور مضاربت لوگوں کو سرمایہ دیا کرتی تھیں جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی صداقت، دیانت اور حسن اخلاق کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ علیہ السلام میرے غلام میسرہ کے ہمراہ ملک شام میں میری تجارت کے لئے جائیں تو آپ کو دیگر تاجروں سے زیادہ منافع دوں گی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس پیشکش کو قبول فرمایا اور میسرہ کے ہمراہ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ راہب کے گرجے کے پاس ایک درخت کے سایہ کے نیچے قیام پذیر ہوئے۔ راہب نے میسرہ سے پوچھا اس درخت کے نیچے کون شخص بیٹھا ہے؟ تو اس نے بتایا یہ صاحب قریش میں سے اہل حرم کے باشندے ہیں۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں بیٹھا۔ پھر آپ ﷺ خرید و فروخت کے بعد مکہ واپس چلے آئے۔

آپ علیہ السلام کا معجزہ۔۔۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ شدید گرمی کے وقت جب آپ سفر میں تھے میسرہ دیکھا کرتا تھا کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ مکہ پہنچ کر مال تجارت خدیجہ کے سپرد کیا تو دیکھا کہ آپ نے دو گنا منافع کمایا۔ میسرہ نے راہب کی بات نقل کی اور آپ علیہ السلام پر فرشتوں کے سایہ کرنے کا واقعہ بھی بتایا تو خدیجہ (جو ایک معزز عقلمند سرمایہ دار شریف خاتون تھیں اور خدا کی طرف سے ان کی عزت و عظمت مقصود تھی) نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام ارسال کیا کہ میں آپ کے ساتھ رشتہ داری، وجاہت، صداقت، امانت اور حسن اخلاق کے باعث شادی کی خواہشمند ہوں حالانکہ وہ قوم کے سب سے زیادہ معزز اور سرمایہ دار تھیں

شادی کی درخواست کر چکے تھے۔

آپ ﷺ کا نکاح اور مہر...... رسول اللہ ﷺ کو جب شادی کا پیغام موصول ہوا تو آپ ﷺ نے چچاؤں سے اس بات کا تذکرہ کیا چنانچہ آپ ﷺ کے چچا حمزہ بھی ہمراہ تھے' آپ ﷺ خویلد بن اسد کے مکان پر آئے تو خویلد نے ان سے نکاح کر دیا' بقول ابن ہشام بیس اونٹ مہر مقرر ہوا' آپ کی پہلی شادی تھی ان کی موجودگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ سوائے ابراہیم کے' آپ علیہ السلام کی سب اولاد ان ہی کے بطن مبارک سے ہے قاسم (ان ہی کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت تھی ابو القاسم) طیب' طاہر' زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

آپ ﷺ کی اولاد...... بقول ابن ہشام' آپ ﷺ کے بڑے بیٹے قاسم تھے پھر طیب اور طاہر اور سب سے بڑی صاحبزادی رقیہ تھی پھر زینب پھر ام کلثوم اور فاطمہ رضوان اللہ علیہن۔ حافظ بیہقی (حاکم' ابو بکر بن ابی خیثمہ) مصعب بن عبد اللہ زبیری سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے بڑے صاحبزادے قاسم تھے پھر عبد اللہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ بہ ترتیب پیدا ہوئے' سب سے اول قاسم فوت ہوئے پھر عبد اللہ۔ وفات کے وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ برس تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی عمر پچاس برس تھی اور یہ صحیح قول ہے۔

قاسم کے بارے میں مختلف اقوال...... بعض کا قول ہے کہ قاسم سواری کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اور نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد فوت ہوئے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ دودھ پیتے ہوئے فوت ہوئے تھے' وہ جنت میں مدت رضاعت پوری کرے گا اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ابراہیم کے بارے تھا۔ یونس بن بکیر (ابراہیم بن عثمان' قاسم) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن مبارک سے رسول اللہ ﷺ کے دو بیٹے (۱) قاسم اور (۲) عبد اللہ اور چار بیٹیاں' (۱) فاطمہ (۲) ام کلثوم (۳) زینب اور (۴) رقیہ پیدا ہوئیں۔ نرینہ اولاد نبوت سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی اور بیٹیوں نے بحالت اسلام' آپ ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی۔ (بقول ابن بکار' عبد اللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا' کیونکہ وہ بعد از نبوت پیدا ہوا تھا) صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے تھے' تاہم ازواج مطہرات کی اولاد کے حالات ہم ایک مفصل باب میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

آپ ﷺ کی شادی کے وقت عمر مبارک...... بقول ابن ہشام' اکثر اہل علم ابو عمرو مدنی وغیرہ کا بیان ہے کہ شادی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ یعقوب بن سفیان' ابراہیم بن منذر' عمر بن ابو بکر موصلی متعدد اہل علم سے نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن اسد خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی کے فرائض سرانجام دیئے' رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ۲۵ برس تھی اور کعبہ زیر تعمیر تھا اور حافظ بیہقی نے بھی یہی عمر بیان کی ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۳۵ برس تھی اور بعض حضرات کے بقول ۲۵ برس تھی۔

شادی سے قبل رسول اللہ ﷺ کے مشاغل...... حافظ بیہقی نے اسی عنوان کے تحت (ابو عبد اللہ الحافظ' ابو بکر بن عبد اللہ' حسن بن سفیان' سوید بن سعید' عمرو بن ابی یحییٰ بن سعید قرشی' جد وسعید) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط میں چرایا کرتا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت از احمد بن محمد مکی از عمرو بن یحییٰ بیان کی ہے۔ (حافظ بیہقی)

(ربیع بن بدر (ضعیف راوی) ابو الزبیر) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہ سے دو سفروں کا معاوضہ ایک اونٹنی لیا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ولی کون تھا...... حافظ بیہقی (حماد بن سلمہ' علی بن زید' عمار بن ابی عمار) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد نے شراب کی بے ہوشی اور بدمستی میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کر دیا۔

حافظ بیہقی (ابو الحسین بن فضل قطان' عبد اللہ بن جعفر' یعقوب بن سفیان' ابراہیم بن منذر' عمر بن ابو بکر موصلی' عبد اللہ بن ابی عبید بن محمد بن عمار

بن یاسر ابو مقسم بن ابی القاسم غلام عبداللہ بن حارث بن نوفل (عبداللہ بن حارث) عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کے بارے میں لوگوں سے سنتا تو کہتا میں اس بات کو سب سے زیادہ جانتا ہوں کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ہم عمر اور دوست تھا' میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا' حزورہ' میں ہمارا خدیجہ کی ہمشیرہ کے پاس سے گزر ہوا وہ چمڑا فروخت کر رہی تھیں انہوں نے مجھے بلایا تو میں ان کے پاس چلا گیا (اور رسول اللہ ﷺ وہیں کھڑے رہے) اور مجھے کہا کیا تمہارے اس صاحب کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی خواہش ہے؟ عمار کہتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بلی لعمری'' کیوں نہیں' پھر میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا رد عمل بتایا تو اس نے کہا صبح سویرے ہمارے ہاں آؤ چنانچہ ہم صبح سے ... انہوں نے گائے ذبح کی اور خدیجہ کے والد خویلد کو نیا جوڑا پہنایا اور داڑھی کو خضاب لگایا اور اپنے بھائی کو صورت حال سے آگاہ کیا اس نے اپنے والد سے گفتگو کی اور اس کو شراب پلا کر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی سے مطلع کیا اور خود خدیجہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہ آپ ﷺ سے ان کی شادی کر دے چنانچہ اس نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا اس کے بعد ہم نے تیار شدہ کھانا کھایا پھر ان کے والد سو گئے پھر ہوش میں آ کر بیدار ہوئے تو پوچھا یہ نیا جوڑا کیوں ہے؟ داڑھی پر خضاب کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ کھانا وغیرہ کیوں تیار ہوا؟ تو خدیجہ کی ہمشیرہ نے بتایا یہ جوڑا آپ کو آپ کے داماد محمد ﷺ بن عبداللہ نے پہنایا ہے اور انہوں نے یہ گائے آپ کو پیش کی' ہم نے ذبح کر کے کھانا تیار کر دیا جب آپ نے ان سے خدیجہ کا نکاح کیا۔ پھر اس نے نکاح سے انکار کر دیا اور چلاتا ہوا حطیم میں چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بنی ہاشم بھی حطیم میں تھے تو اس نے ان سے بات چیت کی تو اس نے کہا تمہارا وہ صاحب کہاں ہے؟ جس کے بارے تم کہتے ہو کہ میں نے خدیجہ کو اس کی زوجیت میں دے دیا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ سامنے آئے تو اس نے کہا اگر میں نے یہ نکاح کر دیا ہے تو بہتر ہے ورنہ میں اب کر دیتا ہوں۔

نکاح کی ولایت کے بارے میں مختلف اقوال......امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سیرۃ'' میں بیان کیا ہے کہ نشہ کی حالت میں والد نے ان کا نکاح کیا مؤملی کہتے ہیں کہ متفق علیہ بات یہ ہے کہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے نکاح کے فرائض سر انجام دیے اور سہیلی نے اس بات کو ترجیح دی ہے اور ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا والد خویلد بن اسد حرب فجار سے قبل فوت ہو چکا تھا۔ اسی نے تبع شاہ یمن سے مزاحمت کی تھی جب اس نے حجر اسود کو یمن لے جانے کا ارادہ کیا تھا' قریش کا ایک گروہ بھی خویلد کا طرفدار اور معاون تھا' پھر تبع کو ایک خوفناک خواب آیا تو اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ خدیجہ کے بھائی عمرو بن خویلد نے خدیجہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا واللہ اعلم۔

نوفل بن ورقہ کا اقرار کہ محمد ﷺ اس امت کا نبی ہے......ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد سے مشورہ کیا (جو عیسائی تھا اور عیسائی لٹریچر کا جید عالم اور ماہر تھا) اور اپنے غلام میسرہ کی زبانی راہب کا مقولہ بتایا اور فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر سایہ کرنا بھی سنایا تو اس نے کہا واللہ! اے خدیجہ اگر یہ بات درست ہے تو محمد ﷺ اس امت کا نبی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس قوم کا نبی آنے والا ہے۔ اس کا انتظار ہے یہی اس کے ظہور کا زمانہ ہے چنانچہ ورقہ اس میں دیر محسوس کر رہا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس نبوت کا کب ظہور ہوگا؟

(اس مقام پر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ورقہ بن نوفل کے اڑتیس اشعار نقل کئے ہیں' ہم یہ اشعار ''آغاز وحی کے بیان'' میں پیش کریں گے۔ از مترجم) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں سے کچھ اشعار' بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور استشہاد و ثبوت پیش کیا کرتے تھے۔ اور اس میں بعض اشعار امیہ بن ابی الصلت کی طرف سے منسوب ہیں۔

کعبہ کی تعمیر و تجدید بعثت سے پانچ سال قبل......حافظ بیہقی نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح سے قبل تعمیر کعبہ کا ذکر کیا ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد قریش نے کعبہ کی تعمیر اور تجدید کا کام دس سال بعد کیا۔ اس کے بعد حافظ بیہقی نے عہد ابراہیم میں کعبہ کی تعمیر کا ذکر کیا ہے اور ابن عباس کی صحیح بخاری والی روایت بیان کی ہے اور عہد آدم سے تعمیر کعبہ کی اسرائیلی روایات نقل کی ہیں جو درست اور صحیح نہیں' کیونکہ نص قرآن کا تقاضا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی اس کے اول بانی اور موسس ہیں اس سے پہلے یہ قطعہ ارض محترم اور مقدس تھا اور ازل سے ہی یہ قطعہ زمین پاکیزہ اور اشرف تھا' قرآن پاک (۹۷-۹۶/۳) پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا وہ وہی ہے

جو مکہ میں ہے وہ بابرکت اور لوگوں کے لئے موجب ہدایت ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

سب سے پہلی مسجد...... ابوذر کی متفق علیہ روایت میں ہے کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے کس مسجد کی تعمیر ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام کی' میں نے پوچھا پھر کس کی؟ تو فرمایا مسجد اقصیٰ کی اس کے موسس اور بانی یعقوب علیہ السلام ہیں۔ متفق علیہ روایت میں ہے کہ بے شک مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ازل اور زمین و زمان کی تخلیق کے روز سے ہی محترم قرار دیا ہے۔ وہ تا قیامت حرمت الٰہی کی وجہ سے محترم اور مکرم ہے۔ حافظ بیہقی (ابوعبداللہ حافظ ابوعبداللہ صفار احمد بن مہران عبیداللہ اسرائیل ابویحییٰ مجاہد) عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ بیت اللہ زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل موجود تھا۔ واذا الارض مدت (۸۴/۳) یعنی زمین اس کے نیچے سے پھیلائی جائے گی ابویحییٰ کی منصور نے مجاہد سے متابعت کی ہے۔

اسرائیلی روایات کا پلندہ...... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ گویا یہ روایت کتابوں کی ان دو گٹھڑیوں میں سے ہے جو جنگ میں عبداللہ ابن عمرو کو دستیاب ہوئی تھیں۔ یہ اسرائیلی روایت کا پلندہ تھیں۔ حافظ بیہقی (ابوعبداللہ الحافظ' جعفر محمد بن محمد بن عبداللہ بغدادی' یحییٰ بن عثمان' ابوصالح جہنی' ابن لہیعہ' یزید بن ابی الخیر) عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کو آدم و حوا کے پاس بھیجا کہ میری عبادت کے لئے ایک گھر تعمیر کرو' جبرائیل علیہ السلام نے نشان دہی کی' آدم علیہ السلام نے بنیاد کھودی اور حوا علیہا السلام نے مٹی نکالی۔ بنیاد اتنی گہری کھودی کہ نیچے سے پانی نکل آیا' وہاں سے آواز آئی (حسبک یا آدم) آدم! بس اتنا کافی ہے۔ جب تعمیر کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے طواف کا حکم فرمایا اور یہ آواز آئی کہ تم ابوالبشر اور پہلے انسان ہو اور یہ اللہ کا پہلا گھر ہے' پھر زمانہ گزرتا گیا' یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کا حج کیا' پھر وقت گزرتا رہا کہ حضرت ابراہیم نے اس کی بنیادیں استوار کیں۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس مرفوع روایت میں ابن لہیعہ منفرد ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف راوی ہے اور اس روایت کا عبداللہ بن عمرو پر موقوف ہونا زیادہ قوی اور درست ہے' واللہ اعلم۔ ربیع (شافعی' سفیان' ابن ابی لبید' محمد بن کعب قرظی) یا کسی اور سے بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے حج کیا اور ان سے فرشتوں نے کہا آپ کا حج پورا' ہم نے آپ سے پہلے دو ہزار سال تک حج کیا ہے۔ یونس بن بکیر' عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ ماسوائے ہود اور صالح علیہما السلام کے ہر پیغمبر نے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم ان دونوں نبیوں کا حج کرنا بیان کر چکے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ مبارک اور بقعہ مقدسہ کا حج تھا گو وہاں عمارت نہ تھی' واللہ اعلم۔ بیہقی خالد بن عرعرہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے علی رضی اللہ عنہ سے "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا" (۳/۹۶) کی بابت دریافت کیا' کیا وہ روئے زمین پر پہلا گھر ہے جو بنایا گیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں بلکہ یہ اللہ کا وہ پہلا گھر ہے جس میں لوگوں کے لئے خیر و برکت ہے' راہنمائی ہے اس میں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہوتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حجر اسود...... اگر چاہو تو میں آپ کو اس کی تعمیر کی کیفیت سے آگاہ کر دوں' وہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میری عبادت کے لئے زمین پر ایک گھر تعمیر کرو' یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام دل گرفتہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مخروطی شکل کا بگولا پیدا کیا' وہ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے تھے کہ بگولا رک گیا اور سانپ کی طرح بیت اللہ کے مقام پر طوق کی شکل اختیار کر گیا' اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جب حجر اسود تک دیوار بلند ہو گئی تو اسماعیل علیہ السلام کو کہا' حجر اسود تلاش کر کے لاؤ تو وہ کوئی پتھر لائے اور وہاں حجر اسود موجود پا کر دریافت کیا "من این لک ھذا" یہ آپ کو کہاں سے میسر ہوا؟ تو بتایا اسے وہ لایا ہے جس نے تجھ پر اعتماد نہیں کیا' اسے جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تکمیل کی۔

حجر اسود رسول اللہ ﷺ نے نصب فرمایا

پھر عرصے کے بعد بیت اللہ گر گیا تو عمالقہ نے اس کی تعمیر کی پھر خلط ہونے پر جرہم نے اس کی تعمیر کی پھر گرا تو قریش نے اس کی تعمیر کی رسول اللہ ﷺ اس وقت جوان تھے جب حجر اسود کے نصب کا موقع آیا تو شدید اختلاف پیدا ہوا یہ فیصلہ طے پایا کہ جو شخص اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا اس کا یہ حکم تسلیم کریں گے چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس دروازے سے پہلے داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھیں اور ہر قبیلہ چادر کا پلہ پکڑ کر اس کو اوپر اٹھائیں۔ ابو داؤد طیالسی (حماد بن سلمہ قیس اور سلام سماک بن حرب خالد بن عرعرہ) علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جرہم کے بعد جب بیت اللہ گر گیا تو قریش نے اس کی تعمیر کی جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کون نصب کرے؟ چنانچہ یہ اتفاق رائے طے پایا کہ جو شخص اس دروازے سے پہلے داخل ہوگا وہی نصب کرے گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس دروازے (باب بنی شیبہ) سے سب سے پہلے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھنے کا حکم دیا اور ہر خاندان کے ایک ایک فرد کو چادر اٹھانے کا فرمایا تو سب نے حجر اسود کو اوپر اٹھایا اور آپ ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر وہاں نصب کر دیا۔ یعقوب بن سفیان ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بلوغت کی عمر میں ایک خاتون نے کعبہ کو خوشبو کی دھونی دی تو انگارے سے ایک چنگاری اڑ کر کعبہ کے غلاف پر جا گری تو وہ غلاف جل گیا اور کعبہ کمزور ہو گیا تو قریش نے کعبہ کو منہدم کر دیا تعمیر کے وقت جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو تنازعہ پیدا ہو گیا تو بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ جو شخص پہلے آئے ہم اس کا حکم تسلیم کر لیں گے چنانچہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے تشریف لائے آپ ﷺ کے کندھے پر دھاری دار چادر تھی چنانچہ سب نے آپ ﷺ کا حکم تسلیم کر لیا آپ علیہ السلام نے حجر اسود کو کپڑے میں رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا وہ کپڑے میں رکھ دیا گیا پھر آپ علیہ السلام نے ہر خاندان کے رئیس کو چادر کے کونے کو پکڑنے کا ارشاد فرمایا اور خود دیوار پر چڑھ گئے انہوں نے کپڑے کو اوپر اٹھایا اور آپ علیہ السلام نے حجر اسود اٹھا کر نصب کر دیا۔ آپ ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر نصب کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی عمر اور شرافت و نجابت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کو لوگ "امین" کہتے تھے جانور ذبح کرتے تو آپ ﷺ کو پیش کر کے دعا کی التجا کرتے۔ یہ روایت "سیر زہری" سے ماخوذ ہے اس میں یہ بات بڑی عجیب ہے کہ یہ بلوغت کے ایام میں (انما بلغ الحلم) ہوا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی (کما نص ابن اسحاق) بقول موسیٰ بن عقبہ کعبہ کی تعمیر بعثت سے ۱۵ سال قبل تھی مجاہد، عروہ، محمد بن جبیر بن مطعم وغیرہ کا یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ حرب فجار اور کعبہ کی تعمیر کے درمیان ۱۵ سال کا وقفہ تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرب فجار اور تعمیر کعبہ ایک ہی سال میں واقع ہوئے تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۲۰ سال تھی یہ قول ابن اسحاق کے قول کی تائید کرتا ہے۔

از سر نو تعمیر کعبہ کے لئے کعبہ کا انہدام اور اس کی وجہ

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر اس بنا پر کی کہ جو بنا انہوں نے تعمیر کیا تھا وہ سیلابی طغیانیوں کی وجہ سے خراب اور منہدم ہو چکا تھا۔ بیت اللہ کے اندر پانی داخل ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا 'ملیح' نامی شخص نے کعبہ کی خوشبو چرا لی تھی اس وجہ سے کعبہ کی عمارت کو مضبوط کرنے اور دروازے کو اونچا نصب کرنے کا ارادہ کیا تا کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو سکے چنانچہ اس کے لئے کافی سرمایہ جمع کیا گیا پھر اسے مسمار کرنے کا ارادہ کیا گیا واسطے مسمار کرنے سے خوف مضطرب اور پریشان تھے چنانچہ ولید بن مغیرہ نے اوپر چڑھ کر گرانا شروع کیا تو یہ نظارہ دیکھ کر اور لوگ بھی اس کام میں لگ گئے جب بنیاد تک پہنچے تو اس کو زیادہ گرانے سے گریز کیا۔

تعمیر کے دوران ایک اژدھے کا ظہور۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پورے بیت اللہ کو ایک بڑے اژدھے نے احاطہ کیا ہوا تھا کہ اس

کا مزاج کے ساتھ ملا ہوا تھا اور وہ اس سے عزت و فخر محسوس کرتے تھے کہ کہیں یہ ہلاکت کا باعث نہ ہو کیونکہ کعبہ قریش کا عزت و جلال اور دوسرے لوگوں میں ان کی قدر و منزلت کا باعث تھا چنانچہ بہت متفکر اور بہت متذبذب تھے کہ ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر ان کو اٹھوا دیا تو قریش کی تحسین کی حسد و عناد سے نفرت والی اور اس کی عمارت کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا اور اس تعمیر میں حرام روپیہ خرچ کرنے سے منع کیا جب انہوں نے ان پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا تو اژدھا نظروں سے غائب ہو گیا اللہ کی طرف سے یہ ایک نعمت تھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس اژدھا کو ایک پرندے نے اٹھا کر جیاد کی طرف پھینک دیا تھا۔

کعبہ کی قدیم عمارت اور ایک واقعہ سرقہ

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے تعمیر کعبہ کا منصوبہ بنایا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی۔ کعبہ پتھروں کی چنائی تھا انسان کے قد سے ذرا اونچا تھا بغیر چھت کے اس کے اندر ایک گڑھے میں خزانہ محفوظ تھا وہ چوری ہو گیا تھا لیکن بعد میں وہ خزانہ بنی ملیح بن عمرو بن خزاعہ کے غلام "دویک" کے پاس سے ملا قریش نے چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ لیکن قریش کا خیال یہ ہے کہ چوروں نے مسروقہ مال اس کے پاس رکھ دیا تھا اور وہ خود چور نہ تھا۔

تعمیر کعبہ کے لئے سامان و لکڑی کا حصول...... کسی رومی تاجر کا جہاز سمندر کی زد میں آ گیا اور ٹوٹ پھوٹ کر ساحل جدہ پر آ لگا قریش نے اسے حاصل کر کے اس کے ملبے سے کعبہ کی چھت کا سامان تیار کر لیا۔ بقول مورخ اموی یہ جہاز قیصر شام نے بھیجا تھا اس میں تعمیراتی سامان لکڑی سنگ مرمر اور لوہا تھا قیصر نے یہ سامان رومی معمار باقوم کے ساتھ حبشہ کے کلیسا کے لئے روانہ کیا تھا جس کو فارس نے نذر آتش کر دیا تھا۔ جب یہ جہاز ساحل جدہ کے قریب آیا تو تند طوفان آیا اور ٹوٹ گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک قبطی بڑھئی تھا اس نے قریش کے لئے لکڑی کا کچھ سامان تیار کیا تھا۔ کعبہ کے اندر ایک گڑھے میں جو نذر و نیاز کا خزانہ محفوظ تھا وہاں سے ایک اژدھا نکل کر کعبہ کی دیوار پر دھوپ سینکتا تھا اور قریش اس سے خوف زدہ تھے کوئی اس کے قریب ہوتا تو وہ منہ کھول لیتا تو پھنکارتا تھا لوگ اس اژدھے سے ڈرتے تھے حسب معمول وہ ایک مرتبہ دیوار پر بیٹھا تھا تو اللہ نے ایک پرندہ بھیجا اور وہ اس کو اچک کر لے گیا تو قریش نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عزم و ارادے کو پسند کرتا ہے۔ ہمارے پاس کاریگر۔ بڑھئی اور لکڑی کا سامان بھی موجود ہے چنانچہ [illegible] امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے رزین سے نقل کیا ہے کہ جرہم کے عہد میں ایک چور کعبہ کے اندر چوری کی غرض سے داخل ہوا۔ اس پر کعبہ کی دیوار گر گئی اور وہ اندر سے نکل نہ سکا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور مسروقہ مال قبضے میں کر لیا بعد ازاں وہاں ایک اژدھا رہنے لگا اس کا سر بکری جیسا تھا پیٹ سفید اور پشت سیاہ تھی۔ وہاں وہ پانچ سو سال تک رہا یہی اژدھا ہے جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے۔

ابو وہب کا کلام...... محمد بن اسحاق کہتے ہیں قریش نے جب کعبہ کے گرانے اور اس کی تجدید و مرمت کا ارادہ کر لیا تو ابو وہب عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم (یعنی ابن ہشام نے عائذ بن عمران بن مخزوم) نے کعبہ کی دیوار سے پتھر اکھاڑا تو وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر اپنی جگہ پر چلا گیا یہ منظر دیکھ کر اس نے کہا اے گروہ قریش! اس کی تعمیر میں حلال مال صرف کرو اس میں زنا سود اور ظلم و عدوان کی رقم شامل نہ ہو۔ مورخ یہ کلام ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ابن اسحاق کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہ ابو وہب کا مقولہ ہے۔ ابو وہب رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کے ماموں تھے یہ بہت شریف اور قابل تعریف تھے۔

تعمیر کی تقسیم ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت کو باہم تقسیم کر لیا مشرقی جانب کا دروازہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے حصے میں آیا، حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والی دیوار بنی مخزوم کے حصے میں آئی اور باقی قبائل قریش کے حصے میں آئی غربی جانب بنی جمح اور سہم کے حصے میں آئی، حطیم والی دیوار بنی عبد الدار بن قصی، بنی اسد بن عبد العزیٰ اور بنی عدی بن کعب کے حصے میں آئی۔ پھر لوگ منہدم کرنے سے ڈرنے لگے ولید بن مغیرہ نے کہا میں اس کی ابتدا کرتا ہوں چنانچہ اس نے کدال پکڑ کر کہا اللّٰھم لم ترع اللّٰھم انا لا نرید الا الخیر اے اللہ! ہمارا ارادہ نیک ہے پھر اس نے حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والا حصہ مسمار کر دیا لوگ رات بھر منتظر رہے کہ اگر ولید بن مغیرہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو ہم اسے دوبارہ درست کر دیں گے ورنہ اپنا کام جاری رکھیں گے جب صبح ہوئی تو ولید صبح سویرے اپنا کام کرنے لگا تو دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ گرانے کا یہ سلسلہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد تک پہنچ گیا تو سبز رنگ کے پتھر نمودار ہوئے جو اونٹوں (اسنمہ) کی طرح ایک دوسرے سے پیوستہ تھے۔ بخاری کی روایت میں بجائے اسنمہ کے کاسنمۃ الابل ہے۔ اونٹوں کے کوہانوں کی طرح سہیلی کہتے ہیں یہ ابن جریر کی روایت میں وہم ہے واللہ اعلم۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کرنے والوں میں سے کسی قریشی نے دو پتھروں کے درمیان کدال ڈالی تاکہ ایک پتھر کو اکھاڑ سکے جب پتھر ہلا تو سارا مکہ لرز اٹھا چنانچہ وہ اس کو چھوڑنے سے باز آ گئے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش کے سردار بنیاد تک پہنچ گئے تو انہوں نے کعبہ کی بنیاد دیکھی کہ قریش نے اساس ابراہیم کا ایک پتھر اکھاڑا تو اس سے ایک روشنی نمودار ہوئی قریب تھا کہ اس کی چمک آنکھوں کو اچک لے تو پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنے مقام پر پیوست ہو گیا تو انہوں نے کہا یہ وہ بنیاد ہے جہاں سے پتھر اکھاڑنا ہمارے بس میں نہیں پیوست ہو گیا تو وہ اپنے کام سے رک گئے اور کہنے لگے کہ اس پتھر کے نیچے بنیاد پر ہی چھوڑ دو۔

کتبہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے رکن یمانی میں ایک تحریر پائی جو سریانی زبان میں تحریر تھی وہ اس کے مطالب کو نہ سمجھ سکے تو ایک یہودی عالم نے پڑھ کر اس کا مضمون یہ بتایا میں اللہ مکہ والا ہوں میں نے زمین و آسمان کی تخلیق اور شمس و قمر کی تخلیق کے روز اسے پیدا کیا ہے اور سات حنفاء فرشتوں سے اس کو گھیر دیا ہے۔ جب تک اس کے پہاڑ قائم ہیں یہ بھی قائم رہے گا یہاں کے باشندوں کے لئے پانی اور دودھ میں برکت ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم میں بھی ایک تحریر ملی جس کا مضمون ہے مکہ بیت اللہ الحرام ہے اس کا رزق تین راستوں سے آتا ہے۔

لیث بن ابی سلیم کا خیال ہے کہ بعثت نبوی سے چالیس سال قبل کعبہ میں ایک پتھر ملا جس پر لکھا تھا جو نیکی بوئے گا وہ مسرت حاصل کرے گا جو برائی بوئے گا وہ ندامت پائے گا تم برائی کر کے نیک بدلہ پانے کی امید رکھتے ہو؟ ہاں جیسے ببول سے انگور حاصل نہیں کر سکتا۔

سہیلی: موسیٰ بن عقبہ نے سفیان بن عیینہ سے عبد اللہ بن ... زہری سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم میں تین تختیاں دستیاب ہوئیں (۱) انا الله ذو بكة صنعتها يوم صنعت الشمس والقمر وحففتها بسبعة املاك حنفاء وبارك لاهلها في اللحم واللبن (ان کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے) (۲) میں اللہ ذو بکہ ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنی صفت سے اس کا نام رکھا (۳) مبارک ہے نیک اعمال کرنے والا اور حسرت و افسوس ہے بدکار کے لئے۔

حجر اسود کے بارے میں نزاع اور اس کا حل ۔۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سب قبائل نے کعبہ کی تعمیر کے لئے الگ الگ پتھر جمع کئے جب عمارت حجر اسود کے مقام تک پہنچی تو حجر اسود کے نصب کرنے میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہر قبیلہ یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں بنو عبد الدار اور بنو عدی بن کعب نے خون سے بھرا ہوا پیالہ لا کر اس میں ہاتھ ڈال کر موت پر حلف اٹھایا۔ اسی وجہ سے ان کا نام "لعقة الدم" (خون چاٹنے والے) پڑ گیا۔ چار یا پانچ دن اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر مسجد میں اکٹھے ہو کر "مشورہ" کیا۔ ابو امیہ بن مغیرہ نے جو بعض روایات میں ہے کہ ابو امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم جو ان سب لوگوں میں سب سے عمر رسیدہ تھا نے کہا: اے آل قریش کے لوگو! اس جھگڑے میں تم یہ فیصلہ کر لو کہ جو مسجد کے اس دروازے سے پہلے داخل ہو وہی تمہارا ثالث اور فیصلہ کرنے والا ہو چنانچہ وہ سب اس بات پر راضی ہو گئے چنانچہ سب سے پہلے آنے والے رسول اللہ

ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو آتے دیکھ کر کہنے لگے اس "امین" کو ہم سب نے پسند کر لیا' یہ محمد ﷺ ہیں جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ھلموا الی ثوبا" (ایک کپڑا لاؤ) جب وہ کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں حجر اسود رکھ کر کہا ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کونہ تھام لے پھر سب اوپر کو اٹھاؤ جب وہ اوپر پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر نصب کر دیا' قریش رسول اللہ ﷺ کو اس سے پہلے بھی "امین" کے نام سے پکارتے تھے۔

سائب بن عبداللہ کا بیان...... امام احمد (عبدالصمد' ابو یزید' ثابت' ہلال بن حبان' مجاہد) مولاہ سائب بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں (کہ وہ کعبہ کے معماروں میں شامل تھا) وہ کہتا ہے کہ میں نے پوجا پاٹ کے لئے ایک پتھر تراش رکھا تھا' میں اس پر بچا کھچا دودھ ڈال دیتا' کتا چاٹنے کے بعد اس پر پیشاب کر دیتا) جب کعبہ کی عمارت حجر اسود کے برابر پہنچی حجر اسود آدمی کے سر کے مساوی تھا وہ باقی پتھروں میں سے ایسا ممتاز تھا کہ آدمی کا اس سے چہرہ نظر آتا تھا' قریش کے ایک خاندان نے کہا! ہم اسے نصب کریں گے باقی قبائل نے کہا ہم نہیں ہم نصب کریں گے بالآخر انہوں نے کہا ایک جج مقرر کرو جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ پہلا شخص جو اس راستے سے آئے گا وہی ہمارا جج ہو گا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ آپ ﷺ کو آتا دیکھ کر کہنے لگے "امین آ گئے" انہوں نے سارا ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے اس کو ایک کپڑے میں رکھ کر سب کو بلایا انہوں نے اٹھایا تو آپ ﷺ نے پکڑ کر نصب کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں کعبہ کا طول ۱۸ ہاتھ تھا اس کا غلاف قباطی ہوتا تھا پھر یمنی چادر کا اور سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے ریشمی غلاف چڑھایا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شمالی جانب شام کی طرف ابراہیمی اساس سے چھ یا سات ہاتھ اخراجات کی کمی کے باعث "حطیم" کو کعبۃ اللہ عمارت سے خارج کر دیا تھا' شرقی جانب ایک دروازہ رکھا اور اس کو آدمی کے قد کے مطابق اونچا رکھا کہ بغیر ان کے کوئی اندر نہ جا سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اخراجات کی کمی کے باعث قریش نے (حطیم کو کعبہ کی عمارت سے الگ کر دیا تھا) اگر قریش نئے نئے مسلمان نہ ہوئے ہوتے تو میں کعبہ کو مسمار کر کے اس عمارت میں حطیم داخل کر دیتا اور اس کے شرقی اور غربی جانب دروازے بنا دیتا۔

اسی وجہ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ (۶۴ھ) نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق کعبۃ اللہ تعمیر کرایا اور ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیاد پر بہترین عالی شان عمارت تعمیر ہو گئی۔ زمین سے ملحق اس کے شرقی غربی دو دروازے تھے لوگ ایک میں سے اندر آتے دوسرے سے باہر نکل جاتے۔ ۷۳ھ میں جب حجاج بن یوسف نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ یہ تعمیر ابن زبیر کی ذاتی اختراع ہے' چنانچہ اس نے کعبہ کی عمارت پرانی حالت میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ حسب حکم انہوں نے شامی سمت کی دیوار کو پیچھے ہٹا کر حطیم کو چھوڑ دیا اور اس کا ملبہ عمارت کے اندر بھر دیا' غربی دروازہ بند کر کے شرقی دروازہ بلند کر دیا' مہدی یا منصور نے اپنے عہد خلافت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ طلب کیا کہ اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی عمارت کے مطابق تعمیر کر دیا جائے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا' کہ امراء و خلفاء اسے کھلونا بنا لیں گے' چنانچہ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ لہذا حجاج کی تعمیری اب تک باقی ہے۔ (لیکن عمارت کعبہ کی توسیع و تزئین کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ از مترجم)

کعبہ کے گرد و نواح میں سب سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے توسیع کی لوگوں سے مکانات خرید کر مسمار کر دیئے اور مسجد میں شامل کر دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں مزید توسیع کی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے توسیع تو نہیں کی لیکن اس کی عمارت کو مضبوط اور خوبصورت بنایا اور اس میں متعدد دروازے بنا دیئے اور عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد خلافت میں حجاج کی زیر نگرانی دیواروں کو اونچا کرایا اور کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت (۲:۱۲۷) کی تفسیر کے تحت ہم نے تعمیر کعبہ کا قصہ بالاستیعاب بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تعمیر کعبہ سے فراغت کے بعد زبیر بن عبدالمطلب نے اژدھا اور اس سے خوف و خطرہ کے بارے چند اشعار کہے:

عجبت لما لصوت العقاب
لي شمس وهي بها اضطراب
وقد كانت تكون لها كثب ني
واحري انا يكون لها رئاب
اذا لمعا الي اشاسيس شدت
لهيا البنا وقد نهاب
فلما ان خشين الرعي جاءت
عقاب قفت لهن انصباب
فضمهما اليه له حلت
لنا انيب وليس لها حجاب

"شاہین کے اڑنے پر پہنچنے سے مجھے تعجب ہوا اور وہ اس کے لئے بے قرار تھی۔ بکی اچھا تھا جب ہم جنگ بیار کے لئے آگے بڑھتے تو وہ بھی تیر سے زیادہ تیز ہو جاتا تھا۔ جب ہم تیز عقاب سے خوفزدہ ہوئے تو شاہین پرندہ اس کی طرف سیدھا لپکا اور اس نے چیخ پکار سن کر بھی اس سے غافل ہو گیا اس کے لئے کوئی حجاب نہ تھا"۔

فعجب ما شد بن اشي ماء
لما نال القواعد والتراب
عند ابن ولج الناسي منه
وليس على مسبة نباب
تحرسه الملك بني لؤي
فليس لا صنعة منهم ذهاب
وقد حدثت هناك بنو عدي
ومرة قبل ان تقدمها كلاب
لبرأت الملك بذاك عمرو
وعند الله يلتمس الثواب

"ہم سب اس کی تعمیر کے لئے جمع ہو گئے ہم اس کی بنیادیں اور عمارت درست کر رہے تھے۔ جب اس کی بنیاد بالکل برابر کی گئی ہم رہتے تھے تو ہم میں کوئی کمی نہیں۔ اس گھر میں لؤی والوں کے باعث عزت ملتی ہے۔ یہاں کے لوگ تو۔ یہ گھر ان کا ہے بنو عدی اور بنو مرہ اور کلاب سب اکٹھے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی بدولت عزت بخشی ہے اور اللہ کے ہاں ہی ثواب کا تقاضا ہے۔"

قریش کی باطل بدعت ابن اسحاق کہتے ہیں اس وقت سے یہ کہا جاتا ہے کہ قریش قوم کو "حمس" کہتے تھے کیونکہ دین میں بہت متشدد اور متعصب تھے انہوں نے کچھ رسوم ایجاد کی تھیں جو بدعت اور بے معنی تھیں۔ وہ کہتے تھے ہم وقوف عرفات میں نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم کے خادم ہیں بیت اللہ کے باسی ہیں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ابراہیم کے دین میں سے ہے وہ عرفات سے ہی لوٹ جاتے تھے اور ان کی تیاری کرتے تھے اور اس کے خیموں میں بیٹھتے تھے اگر سایہ میں بیٹھنے کی ضرورت ہوتی تو ان کے خیموں میں بیٹھتے اور اس طرح کرتے تھے لگاتے تھے صرف قریش کا ... کرتے ہیں قریش کے لباس میں ... ایک ...

کوئی عورت برہنہ طواف کرتی تو وہ یہ شعر پڑھا کرتی:

الیوم یبدو بعضہ او کلہ　　وبعد ھذا الیوم لا احلہ

"آج جسم کا کچھ یا سارا حصہ ظاہر ہوگا لیکن اس کے بعد میں اس حصہ کو دیکھنا حلال نہیں سمجھتی"۔

اگر کوئی اپنے لباس میں طواف کرلیتا تو طواف کے بعد اس پر لازم تھا کہ وہ اس لباس کو پھینک دے کسی کو اس لباس کا استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی، عرب اس "کپڑے" کو "لقی" کہتے تھے کسی شاعر نے اپنے اشعار میں یوں کہا ہے:

کفی حزنا کری علیہ کانہ　　لقی بین ایدی الطائفین حریم

(ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش انہی ان ایجادات و خرافات کے پابند تھے کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو قرآن مجید نازل ہوا ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم "کہ عرفات جہاں سے باقی لوگ لوٹتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ لوٹو اور اللہ سے مغفرت طلب کرو وہ معاف کرنے والا ہے" اور اس سے پہلے ہم بیان کرچکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبل از بعثت اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت سے عرفات میں قیام کیا کرتے تھے۔ لباس اور طعام کی پابندی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی (۷:۳۱) "اے اولاد آدم! ہر مسجد میں جاتے وقت اپنا بناؤ سنگھار کیا کرو اور کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اے پیغمبر! ان سے پوچھو اللہ تعالیٰ نے جو زینت اور کھانا اپنے بندوں کے لئے نکالا اور پیدا کیا ہے اور کھانے پینے کی ستھری چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے" زیاد بکائی ابن اسحاق سے بیان کرتے ہیں "معلوم نہیں کہ یہ ایجادات قریش نے واقعہ فیل سے قبل شروع کی تھیں یا بعد؟"

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور چند بشارات کا ذکر

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ علماء یہود، راہبان نصاریٰ اور کاہنان عرب رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے یہود و نصاریٰ کا ذکر تو آسمانی کتابوں میں تھا جن میں رسول اللہ ﷺ کی صفات و علامات مذکور تھیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام سے آپ ﷺ کے بارے میں عہد لیا گیا تھا اور یہی عہد تھا (ارشاد ربانی ہے) میں جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (الاعراف ۷:۱۵۷) نیز ہے "اے پیغمبر! ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہما السلام نے کہا اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا (الصف ۶۱:۶) نیز ہے محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت ہیں کافروں کے حق میں اور آپس میں رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے ان کو کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجدہ میں ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کی تلاش میں لگے ہیں ان کی نشانی ان کے منہ پر ہے سجدوں کے اثر سے یہ ان کی حالت ہے تورات میں اور ان کی صفت انجیل میں (الفتح ۴۸:۲۹) نیز ہے "اے پیغمبر! ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ میں جو تم کو کتاب اور شریعت دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی، پوچھا کیا تم نے یہ اقرار کیا اور میرے اس عہد کو قبول کرلیا انہوں نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا، فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی ایک دوسرے پر تمہارے ساتھ گواہ ہوں اور ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے دعا کی تھی (البقرہ ۲:۱۲۹) "اے ہمارے رب! ان لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور قرآن اور حدیث کو سکھلائے۔"

رسالت سے علامات نبوت...... امام احمد (ابوالنضر، فرج بن فضالہ، لقمان بن عامر) ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کا آغاز کس طرح ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور والدہ کا خواب

ہوں کہ ان کے جسم سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات منور ہو گئے ...... محمد بن اسحاق ثور بن یزید خالد بن معدان اصحاب کرام رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی روایت بیان کرتے ہیں ...... اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کا لوگوں میں ذکر خیر جاری کیا۔ آپ ﷺ کی صفات وعلامات کی شہرت کو زبان زد عام کیا' آپ ﷺ اس ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں جو ابوالانبیاء ہیں اور جن کی طرف سارے عرب منسوب ہیں۔ آپ ﷺ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے درمیان جتنے انبیاء علیہ السلام تھے سب نے آپ ﷺ کی بشارت سنائی۔

نبوت سے سرفرازی ...... ملاء اعلیٰ میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت مشہور تھی اور تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آپ ﷺ کی نبوت آشکارا تھی جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرباض بن ساریہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں اسوقت سے اللہ کا بندہ ہوں خاتم الانبیاء ہوں' آدم علیہ السلام ابھی تک پانی ومٹی میں تھے (یعنی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ از مترجم) میں آپ کو اس آغاز کی تفصیل بتاتا ہوں میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ آمنہ کا خواب ہوں اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں' دوسری سند میں ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ایک خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔

امام احمد (عبدالرحمان' منصور بن سعد' بن بدیل بن میسرہ' عبداللہ بن شقیق) میسرہ الفجر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کب نبوت سے سرفراز ہوئے؟ فرمایا "میں اس وقت نبوت سے سرفراز ہوا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے (ان تین روایات میں امام احمد منفرد ہیں)" دلائل نبوۃ" میں ابن شاہین (عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز' ابوالقاسم بغوی' ابوہمام' ولید بن مسلم' اوزاعی' یحییٰ' ابوسلمہ) ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت ہوا' آپ ﷺ کو کب نبوت عطا ہوئی فرمایا اس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام ابھی تخلیق کے مرحلہ میں تھے (بین خلق ادم و نفخ الروح فیه) اوزاعی سے بہ سند دیگر مروی ہے (و ادم منجدل فی طینته) امام بغوی نے (احمد بن مقدام' بقیہ بن سعید بن بشیر' قتادہ) ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (و اذ اخذنا من النبیین میثاقهم و منک و من نوح) (۷/۳۳ احزاب) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب انبیاء علیہ السلام سے تخلیق کے لحاظ سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخر ہوں۔ ابو حزام قیس بن ربیع' جابر' شعبی' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کب نبوت عطا ہوئی؟ فرمایا "و ادم بین الروح و الجسد" کاہنان عرب کے پاس جنات وشیاطین کچھ آسمان سے چوری چھپے سن کر آتے تھے اس وقت ستاروں سے شعلے نہیں برسائے جاتے تھے۔ کاہن مرد اور عورت کی جانب سے آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں کچھ نہ کچھ ذکر ہوتا رہتا تھا۔ لیکن عرب اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ واقعات نمودار ہوئے جن کا وہ آپس میں تذکرہ کرتے رہتے تھے تو وہ ان باتوں کو سمجھ گئے۔

آسمانی خبروں کی حفاظت ...... جب آپ ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو جنات وشیاطین کو آسمانی خبروں کے سننے سے روک دیا گیا' جن مقامات میں بیٹھ کر وہ یہ خبریں سنا کرتے تھے جب ان مقامات پر ستاروں کے شعلے پھینکے گئے تو جنات وشیاطین سمجھ گئے کہ یہ انتظامات کسی نئے واقعہ کا پیش خیمہ ہیں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ عزوجل نے (سورہ جن ۱/۷۲) نازل فرمائی اور (سورہ احقاف ۲۹/۴۶) میں بھی اس واقعہ کی تصریح فرمائی ہے ہم تفسیر میں یہ بالاستیعاب بیان کر چکے ہیں۔

سب سے پہلے ثقیف قبیلہ ستاروں کے ٹوٹنے سے آگاہ ہوا ...... محمد بن اسحاق' یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس سے بیان کرتے ہیں کہ عرب میں سب سے پہلے ثقیف قبیلہ ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے سے پریشان ہوا اور وہ عمرو بن امیہ کے ہاں بنی علاج جو بڑا شاطر اور چالاک آدمی تھا کے پاس آئے اور اس سے کہا' کیا آپ کو آسمان پر ایک نئے حادثہ کا علم نہیں ہے؟ کہ وہاں سے آگ کے شعلے برسائے جاتے ہیں اس نے کہا کیوں نہیں لیکن غور کرو اگر وہ ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں جو بحر و بر خشکی اور پانی میں راہنمائی کا کام دیتے ہیں اور ضروریات زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں تو واللہ! یہ دنیا کی ہلاکت اور بربادی کی علامت ہے اور اگر اس کے علاوہ ستاروں سے شعلے برسائے جاتے ہیں تو یہ کسی نئے حادثے کا پیش

غیب ہے جو اللہ تعالیٰ ذکر کرتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو کسی اہل علم نے بتایا کہ بنی سہم کی ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام غیطلہ تھا اس کے پاس ایک رات اس کا ہمزاد جن آیا اور اس کے بستر کے نیچے آ کر کہنے لگا: ادر ما ادر یوم عقر ونحر (جانتا ہوں کیا جانتا ہوں ہلاکت اور ذبح کا دن)۔ جب قریش کو اس بات کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے اس کا کیا مطلب ہے؟ دوسری رات پھر آیا تو اس نے کہا شعوب ما شعوب تصرع فیہ کعب الجنوب (قبائل وغیرہ ان کے تھے۔ اس میں پڑے ہوئے کئی ہلاک ہوں گے) جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو کہنے لگے اس کا کیا مقصد ہے؟ کسی کے مرنے کا پیش خیمہ بنتا نظر آتا ہے؟ جنگ بدر اور احد ہوا تو ان کو اس کے سوا غیب کا علم تو نظر نہ آیا۔

جنب کے کاہن کا واقعہ...... ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو علی بن نافع جرشی نے بتایا کہ جنب کے ایک یمنی قبیلہ کا ایک کاہن تھا رسول اللہ ﷺ کا عرب میں جب ذکر عام ہوا تو اس کاہن کے پاس اس کا قبیلہ جمع ہو گیا اور اس کے پاس طرح طرح آ کر آپ کے متعلق پوچھنے لگے تو اس نے کہا کہ یہ رسول ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہو تو اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا ان کی طرف تھوڑا سا دیکھا پھر کہنے لگا لوگو! اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عزت دی ہے اور ان کو منتخب فرمالیا ہے اس کے دل کو پاک صاف کر دیا ہے اور اس کو نصیحت اور دانائی سے علیحدہ کر دیا ہے، لوگو! ان میں ٹھہر تھوڑا ہے پھر وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور حتیٰ کہ اس کا قصہ ختم ہو گیا (یعنی مر گیا) ابن اسحاق نے اس مقام پر بیان کیا ہے۔)

بت پرست یہود اور اسلام کی آمد۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے قوم کے چند افراد کی معرفت بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور احسان کے علاوہ جس چیز نے ہم کو اسلام کی طرف راغب کیا وہ یہ تھی کہ ہم بت پرست تھے اور یہودی اہل کتاب تھے صاحب علم اور عرفان تھے ہم ان سے دور رہا کرتے تھے۔ جب ہم ان کو تکلیف پہنچاتے تو وہ کہتے "کہ ایک نبی کی بعثت کا وقت قریب آ چکا ہے ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے" یہ ہم ان سے بکثرت سنتے رہتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے قبول کر لیا اور ہم سمجھ گئے کہ وہ لوگ اسی نبی کی دھمکیاں دیا کرتے تھے ہم مسلمان ہو گئے اور وہ کفر پر مصر رہے ہمارے اور ان کے سلسلہ میں (البقرہ ۲:۸۹) آیت نازل ہوئی اور جب اللہ کی طرف سے ایک کتاب ان کے پاس آئی جو تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں اس کی مدد مانگا کرتے تھے جب وہ آ گئی جس کو پہچان چکے تھے تو اس کا انکار کر دیا۔" یہود ان نبی کی معرفت کی امید سے دعا کیا کرتے تھے اللھم ابعث ھذا النبی یحکم بیننا وبین الناس یستفتحون بہ ای یستنصرون بہ۔ سدی کہتے ہیں کہ اہل عرب آپ کی بعثت سے پہلے یہود کے پاس سے گزرتے تو یہود ان کے مقابلے میں آپ کی مدد مانگا کرتے تھے۔

تین نبی امی۔ بیہقی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ خیبر کے یہود غطفان سے برسر پیکار تھے جب یہود شکست کھا جاتے تو اس دعا سے پناہ طلب کیا کرتے:

اللھم انا نسئلک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخر الزمان الا نصرتنا علیھم

"اے اللہ! ہم تجھ سے نبی امی محمد کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں جس کو آخری زمانہ میں مبعوث کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں دشمنوں پر غلبہ اور فتح نصیب کر۔"

چنانچہ جب وہ یہودی غطفان سے جنگ کرتے تو ان کو شکست سے دوچار کر دیتے اور جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو گئے تو آپ کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (۲:۸۹)

"اور وہ پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح طلب کرتے تھے۔"

یہ روایت طبرانی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور عکرمہ سے بھی ابن عباس کا یہ قول مروی ہے۔

سلمہ بن وقش بدری اور ایک یہودی کا واقعہ...... ابن اسحاق صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف، محمود بن لبید، سلمہ بن سلامہ بن وقش بدری سے بیان کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل میں ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا (اور میں اس محلہ میں سب سے کم عمر تھا) وہ ایک روز اپنے گھر سے باہر آیا اور ہمارے پاس آ کر حشر و نشر، قیامت، حساب، میزان اور جنت و جہنم کا ذکر کرنے لگا تو بت پرست حاضرین جو قیامت کے قائل نہ تھے کہنے لگے افسوس! کیا قیامت برپا ہوگی؟ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے؟ اور حسب اعمال جنت اور جہنم میں جائیں گے؟ تو اس نے کہا ہاں خدا کی قسم میری خواہش ہے کہ گھر میں بہت بڑا تنور آگ سے گرم کر کے مجھے اس میں بند کر دیا جائے اور میں اس روز کی آگ سے نجات پا جاؤں تو حاضرین نے پوچھا (تیرے لیے حسرت ہو) اس کی علامت کیا ہے؟ تو اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا اس طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا لوگوں نے پوچھا کب ہوگا؟ تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں ان لوگوں میں کم عمر تھا اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کو پا لے گا۔ سلمہ نے کہا واللہ! ابھی شب و روز گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور یہودی ابھی زندہ تھا ہم مسلمان ہو گئے اور اس نے اپنے حسد و بغض کی وجہ سے انکار کر دیا چنانچہ ہم نے اسے کہا افسوس! کیا آپ نے ہمیں اس روز نہ بتایا تھا؟ تو اس نے کہا کیوں نہیں، مگر یہ وہ نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت از یعقوب از ابیہ از ابن اسحاق بیان کی ہے اور حافظ بیہقی نے حاکم سے بروایت یونس بن بکیر۔

یوشع یہودی...... دلائل میں ابو نعیم، محمد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل میں صرف ایک یوشع یہودی رہتا تھا میں نے اس سے سنا میں اس وقت کم عمر بچہ تھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے (پھر اس نے مکہ کی طرف اشارہ کیا) جو شخص اس کا مبارک زمانہ پائے وہ اس پر ایمان لائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، ہم ایمان لائے اور وہ یہودی ہمارے اندر رہتے ہوئے بھی محض حسد اور عناد کی وجہ سے اپنے کفر پر قائم رہا ہے اس سے پہلے ہم حدیث ابی سعید از ابیہ میں اس یوشع کا بیان نقل کر چکے ہیں اور دیگر روایت بھی ہم ذکر کر چکے ہیں جو حاکم نے یونس بن بکیر سے بیان کی ہے۔

ابن الہیبان یہودی...... ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بنی قریظہ کے کسی شیخ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کیا تجھے ثعلبہ بن سعیہ، اسید بن سعیہ اور اسد بن عبید از بنی ہدل جو بنی قریظہ کے بھائی تھے کے اسلام کے بارے میں معلوم ہے؟ اسلام سے پہلے ہمارے ساتھ تھے اور بعد میں سلطنت اسلام کے سادات میں شامل ہیں، میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا کہ ملک شام سے ایک یہودی ابن الہیبان ہمارے پاس اسلام کے ظہور سے چند سال قبل آیا اور ہمارے ہاں مقیم ہو گیا واللہ! ہم نے اس جیسا بہت بڑا عابد و زاہد نہ دیکھا۔ خشک سالی میں ہم اس سے عرض کرتے کہ جناب تشریف لا کر بارش کی دعا کیجئے تو وہ کہتا میدان میں دعا کے لیے جانے سے پہلے صدقہ و خیرات کرو، ہم پوچھتے کتنا؟ تو وہ کہتا کھجور کا ایک صاع یا جو کے دو مد صدقہ کر دو پھر وہ میدان میں آ کر بارش کی دعا کرتا تو ابھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتا کہ بادل آ جاتے اور بارش ہو جاتی ایسا متعدد بار ہوا۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے کہا اے یہود! تم جانتے ہو کہ شراب، کباب اور عیش و عشرت کے علاقہ میں سے نکال کر مجھے قحط سالی اور فقر و فاقہ کے علاقہ میں کون سی چیز کھینچ لائی ہے؟ ہم نے کہا آپ ہی کو معلوم ہے تو اس نے کہا میں اس شہر میں اس لیے آیا ہوں کہ میں ایک نبی کے ظہور کا منتظر ہوں اس کی بعثت کا زمانہ بہت نزدیک آ چکا ہے یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے میں اس کی بعثت کا امیدوار تھا کہ اس کی اتباع کروں، اس کے ظہور کا وقت اب قریب آ چکا ہے پس کوئی تم سے سبقت نہ کر جائے، کوئی تم سے پہلے اس پر ایمان نہ لانے پائے وہ مخالفین کی خونریزی اور ان کے بال بچوں کی اسیری کے حکم کے ساتھ مبعوث ہوگا کہیں یہ بات تم کو اس پر ایمان لانے سے مانع نہ ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان نوجوانوں نے کہا بنو قریظہ! یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں ابن الہیبان نے تم کو بتایا تھا انہوں نے جواب دیا یہ وہ نہیں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں، واللہ یہ وہی ہے پھر وہ نیچے اتر کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جان و مال اور اہل و عیال کا تحفظ کر لیا۔ ابن اسحاق کے قول پر قصہ ختم ہوا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تبان اسعد تبع حمیری کے مدینہ کا محاصرہ کرنے کا واقعہ پہلے بیان کر چکے ہیں اس کے دو یہودی

علماء نے بتایا تھا کہ تم اس کو فتح نہیں کر سکتے کیونکہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے چنانچہ یہاں پہنچ کر اس کا ارادہ بدل گیا

زید بن سعنہ کا اسلام قبول کرنا...... دلائل میں ابو نعیم یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے بتایا کہ قدرت کو جب زید بن سعنہ کا اسلام قبول کرنا منظور ہوا تو اس نے کہا کہ محمد ﷺ کی ذات میں میں نے علامات نبوت کے سب علامات و صفات دیکھ لیے سوائے دو باتوں کے، ان کی بردباری اور حلم جہالت پر غالب ہے، اور سختی ان کے حلم میں اضافہ کرتی ہے۔ چنانچہ میں آپ ﷺ سے حسن سلوک اور نرمی سے پیش آتا کہ آپ ﷺ کے ساتھ میل جول سے آپ ﷺ کے حلم اور جہالت کو پرکھوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مدت تک قرض دیا۔ جب قرض ادا کرنے کا وقت آ گیا تو میں نے آپ ﷺ کی چادر اور قمیص کے گریبان کو پکڑ کر نہایت سخت چہرے سے آپ ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ ایک جنازے میں تھے اور کہا اے محمد ﷺ آپ میرا قرض کیوں نہیں دیتے؟ اے اولاد عبدالمطلب! تم تو ٹال مٹول کرتے ہو قرض کی ادائیگی میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور ان کی آنکھیں غصہ کے مارے گھوم رہی تھیں، آپ نے کہا اے اللہ کے دشمن! کیا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی نازیبا حرکت کر رہا ہے۔ بخدا اگر مجھے ان کی ملامت کا خوف نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ رسول اللہ ﷺ بڑے سکون واطمینان سے مسکرا رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ ہم اور وہ کسی اور سلوک کے محتاج تھے تو مجھے ادائیگی کا مشورہ دیتا اور اس کو حسن طلب اور اچھا طریقہ سے قرض وصول کرنے کا مشورہ دیتا۔ جاؤ اس کا قرض ادا کر دو اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دے دو۔ چنانچہ زید بن سعنہ مسلمان ہو گیا اور سب غزوات میں شریک رہا اور تبوک والے سال میں وفات ہوا رضی اللہ عنہ۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ...... ابن اسحاق (عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری محمود بن لبید) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے خود سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ فارس کے علاقہ اصبہان۔ کے ایک گاؤں "جی" کا باشندہ تھا۔ میرے والد اس بستی کے چودھری اور سردار تھے اور میں ان کو سب سے پیارا تھا اور بے پناہ محبت کی وجہ سے وہ لڑکیوں کی طرح مجھے گھر میں بند رکھتا تھا اور مجھے کہیں جانے نہ دیتا تھا میں آتش پرستی میں اس قدر منہمک تھا کہ آتش کدے کا خادم ہو گیا۔ کسی وقت بھی آگ بجھنے نہیں دیتا۔ میرے والد کی جاگیر تھی ایک روز والد صاحب مکان کی تعمیر میں مصروف تھے مجھے کہا بیٹا میں آج اس کام میں مصروف ہوں تم جاؤ کچھ دیکھ بھال کر آؤ اور فلاں فلاں کام کرنا اور جلدی واپس آنا کیونکہ اگر تم نے دیر کی تو مجھے تمہاری فکر لاحق ہوگی کہ مجھے جو میرے تمام کاموں سے تیرا ... ہو کہ مجھے ہر کام سے بیزار و مشغول کر دے گا۔ چنانچہ میں جاگیر کی طرف روانہ ہوا تو راستہ میں عیسائیوں کا گرجا تھا میں نے ان کی آوازیں سنیں وہ نماز پڑھ رہے تھے مجھے گھر میں پابند رکھنے کی وجہ سے ان کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ میں آواز سن کر اندر چلا گیا کہ دیکھوں وہ کیا کر رہے ہیں جب میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے ان کی نماز پسند آئی اور مجھے ان کے دین سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں نے کہا واللہ! یہ مذہب ہمارے دین سے بہتر ہے تو میں غروب آفتاب تک وہیں رہا اور جاگیر پر نہ جا سکا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا شام میں۔ چنانچہ میں والد کے پاس چلا آیا تو معلوم ہوا کہ اس نے میری تلاش میں کئی آدمی بھیجے ہیں اور میری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا بیٹا! اتنی دیر کہاں لگا دی تھی؟ کیا میں نے تجھے تاکید نہیں کی تھی۔ میں نے کہا چند لوگ گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے مجھے ان کی نماز پسند آئی میں غروب تک وہیں لگا رہا۔

پاؤں میں بیڑیاں...... تو والد نے کہا بیٹا! اس دین میں کوئی خوبی اور کمال نہیں تمہارے آباؤ اجداد کا دین اس سے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا واللہ! ہرگز نہیں وہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے تو جب والد صاحب کو خطرہ پیدا ہو گیا تو اس نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھر میں بالکل بند کر دیا۔ میں نے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ جب شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے خبر کر دینا چنانچہ جب شام سے قافلہ آیا تو انہوں نے مجھے اطلاع دی میں نے کہا جب وہ اپنی خرید و فروخت سے فارغ ہو جائیں اور واپس جانے لگیں تو مجھے اطلاع کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اطلاع دی تو میں پاؤں سے زنجیر نکال کر ان کے ساتھ بھاگ کر شام چلا آیا۔

ایک بد دیانت پادری کی صحبت ...... میں نے وہاں پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں ایک پادری ہے چنانچہ میں اس کے پاس چلا گیا اور اس کو آمادہ کیا کہ مجھے آپ کے دین سے رغبت ہے میں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں تاکہ میں آپ کی خدمت کروں گا اور تعلیم حاصل کر کے آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ جب اس نے اجازت دی تو میں اس کے پاس رہنے لگا وہ بدترین قسم کا عالم تھا لوگوں کو صدقات و خیرات کا حکم کرتا وہ صدقہ لاتے تو مسکینوں میں تقسیم کرنے کے بجائے خود جمع کر لیتا یہاں تک کہ اس کے پاس سونے چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے مجھے اس کی بدکرداری کی وجہ سے سخت نفرت سی ہو گئی پھر وہ فوت ہو گیا تو عیسائی اس کے کفن دفن کے لئے اکٹھے ہوئے تو میں نے ان کو بتلایا یہ بدترین آدمی تھا تم کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور خود جمع کر لیتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا! تجھے کیسے معلوم ہے؟ میں نے کہا میں اس کا خزانہ بتا سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا بتاؤ! میں نے جب ان کو دکھایا تو وہ سونے چاندی کے سات مٹکوں پر مشتمل تھا۔ یہ کرتوت دیکھ کر وہ کہنے لگے ہم اس کو دفن نہیں کریں گے چنانچہ اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور پتھروں سے رجم کر دیا۔

ایک دوسرے عالم کی صحبت ...... پھر انہوں نے ایک نئے عالم کا انتخاب کیا اور یہ عہدہ اس کے سپرد کر دیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان سے بہتر کوئی عالم نہیں دیکھا وہ بڑا عابد و زاہد تھا آخرت کی خوب رغبت رکھتا تھا شب و روز عبادت میں مشغول رہتا تھا مجھے اس سے بے پناہ محبت ہو گئی ایسی محبت میں نے کسی سے نہ کی تھی میں عرصہ دراز تک اس کے ساتھ رہا اور جب اس کی وفات کا وقت آگیا تو میں نے عرض کیا میں آپ کی خدمت میں رہا ہوں مجھے آپ سے شدید محبت اور عقیدت ہے ایسی محبت و الفت شاید ہی کسی سے ہو۔ اب آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کس بات کا حکم فرماتے ہیں؟ اس نے کہا بیٹا! واللہ! مجھے معلوم نہیں کہ آج کوئی میرے عقیدے کا پابند ہو میرے لوگ تو چلے گئے اور اب لوگوں نے دین میں تبدیلی پیدا کر لی ہے اور اصل دین کو ترک کر دیا ہے۔ ہاں ایک شخص موصل میں میرے عقائد کا حامل ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ چنانچہ جب وفات ہو گئی تو میں اس کے کفن دفن سے فارغ ہو کر موصل کے عالم کے پاس چلا گیا۔

موصل میں قیام ...... میں نے موصل پہنچ کر اس عالم کو فوت ہونے والے عالم کی وصیت بتلائی کہ اس نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی تھی اور بتلایا کہ آپ ان کے عقائد کے حامل ہیں اس نے مجھے اپنے پاس قیام کی اجازت دے دی میں نے ان کے پاس رہائش اختیار کر لی وہ بہت اچھا انسان تھا اور مرحوم کے عقائد کا حامل تھا۔ مجھے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ان کے وصال کا وقت بھی قریب آگیا میں نے عرض کیا کہ مرحوم نے مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا حکم فرمایا تھا۔ اب آپ بھی بستر مرگ پر ہیں آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اس نے کہا بیٹا! واللہ! ہمارے عقائد کے حامل لوگ اب نہیں رہے ہاں فلاں عالم نصیبین میں ہے آپ اس کے پاس چلے جاؤ تو میں ان کے کفن دفن کے بعد نصیبین چلا آیا۔

نصیبین میں قیام ...... نصیبین پہنچ کر میں نے نصیبین کے عالم کو اپنا قصہ سنایا اور سابقہ عالم کی وصیت کا ذکر کیا تو اس نے مجھے اپنے پاس قیام کی اجازت دے دی میں اس کے پاس رہنے لگا وہ بھی دونوں فوت شدہ علماء کی طرح تھا میں اس کے پاس عرصہ تک رہا وہ بہترین عالم تھا اس کا بھی موت کا وقت قریب آگیا تو میں نے التجا کی جناب! فلاں صاحب کی وصیت سے آپ کی خدمت میں حاضر تھا اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ تو اس نے کہا بیٹا! واللہ! میرے علم میں اب کوئی ہمارے عقائد کا حامل نہیں رہا جس کے پاس میں تمہیں بھیجوں البتہ ایک عالم روم کے علاقے عموریہ میں ہے وہ ہمارے عقائد کا پابند ہے۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کو سپرد خاک کرنے کے بعد میں نے عموریہ کی طرف رخت سفر باندھا۔

عموریہ میں رہائش ...... عموریہ پہنچ کر میں نے وہاں کے عالم کو اپنی سرگزشت سنائی تو مجھے قیام کی اجازت عنایت فرما دی میں وہاں مقیم ہو گیا وہ بہترین عالم تھا اپنے پیش رو علماء کی طرح کا عالم اور زاہد تھا میں نے وہاں کاروبار کر کے کچھ گائیں اور بکریاں حاصل کر لیں جب ان کی بھی موت قریب آ

تک کہ میں نے عموریہ کے ایک عالم کی خدمت میں رہا اس شخص نے مجھے فلاں کی وصیت پر عمل کرتا رہا اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اس نے کہا بیٹا! اللہ میرے علم میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو ہمارے طریقہ پر قائم ہو جس کے پاس میں آپ کو بھیجوں البتہ ایک بات ضرور ہے کہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے جو ابراہیم کے دین کے ساتھ مبعوث ہوگا عرب میں ظہور پذیر ہوگا۔ اس کا مقام ہجرت دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان نخلستان کے بیچ ہوگا اس کی علامات مخفی نہیں ہوں گی وہ ہدیہ کھاتا ہے اور صدقے کے مال سے اجتناب کرتا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت ہے اگر تم اس دیار کو جا سکو تو چلے جانا۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ بھی فوت ہو گیا اور جب تک اللہ کو منظور تھا میں نے عموریہ میں قیام کیا۔

کلب کی غلامی .....وہاں عموریہ میں کلب قبیلہ کا ایک تجارتی قافلہ آیا میں نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے ہمراہ عرب میں لے چلو میں آپ کو یہ گائیں اور بکریاں اجرت میں دے دوں گا انہوں نے یہ بات منظور کر لی میں نے ان کو یہ دے دیں۔ وہ مجھے اپنے ہمراہ لے آئے جب "وادی القریٰ" میں پہنچے تو انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا میں اس کے پاس رہنے لگا اور وہاں کھجور کے باغات کو دیکھ کر امید ہوئی کہ یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے لیکن بعد میں یقین مجھے نہ تھا۔

وادی القریٰ ..... میں وادی القریٰ میں اس یہودی کے پاس مقیم تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی جو بنو قریظہ سے تھا آیا اس نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آیا بخدا میں اس شہر کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی شہر ہے۔

مدینہ طیبہ میں قیام .. میں وہاں مدینہ میں مقیم تھا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو کر مکہ مکرمہ میں مقیم تھے مجھے غلامی کی مصروفیت کی وجہ سے آپ ﷺ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا پھر آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے آپ یہاں پہنچے ہی تھے کہ میں اپنے آقا کے کھجور کے درخت کی چوٹی پر کام کر رہا تھا میرا آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا بھتیجا آ کر کہنے لگا اللہ غارت کرے اوس و خزرج کو یہ سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہو رہے ہیں جو مکہ سے آیا ہے وہ اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اپنے آقا پر ہی نہ گر پڑوں میں نیچے اترا اور اس کے بھتیجے سے پوچھنے لگا آپ کیا کہہ رہے تھے کیا بات ہے یہ سن کر میرا آقا غضبناک ہوا اس نے ایک زوردار گھونسا مارا کہا تجھے ان باتوں سے کیا غرض تم اپنا کام کرو میں نے کہا کچھ نہیں ایسے ہی اس کی بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

علامات کے ذریعہ امتحان ..... سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کچھ کھانا جمع کر رکھا تھا شام ہوئی تو میں اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبا پہنچا میں حاضر خدمت ہوا تو عرض کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں آپ کے ہمراہ ضرورت مند لوگ ہیں میرے پاس یہ صدقہ ہے میں آپ کو اس کا اولین حقدار سمجھتا ہوں میں نے یہ صدقہ آپ کے قریب کیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کھا لو اور خود نہیں کھایا میں نے دل میں سوچا کہ ایک علامت تو یہ ہے۔ پھر میں چلا آیا کچھ کھانا جمع کیا اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تھے میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ صدقہ نہیں کھاتے یہ آپ کے لئے تحفہ ہدیہ پیش ہے آپ نے اس سے تناول فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی کھانے کی دعوت دی چنانچہ سب نے آپ کے ساتھ تناول فرمایا میں نے دل میں کہا یہ علامتیں تو بالکل درست ہیں۔

سب سے پہلے مدینہ میں فوت ہونے والا صحابی ..... اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بقیع الغرقد میں ایک صحابی کے جنازہ میں شریک تھے آپ دو چادریں زیب تن کئے ہوئے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے میں نے سلام عرض کیا اور آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر پشت دیکھنے لگا کہ مہر نبوت پشت پر ہے یا نہیں جب مجھے رسول ﷺ نے پیچھے گھومتا دیکھا تو سمجھ گئے کہ میں کسی بات کی تحقیق و جستجو کر رہا ہوں آپ ﷺ نے پشت سے چادر ہٹا دی میں نے مہر نبوت دیکھ کر پہچان لیا میں اس پر جھک کر بوسے لینے

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible]

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible]

مکاتبت کا معاملہ اور غلامی سے آزادی .... [illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible]

[illegible]

یہ ایک عجیب واقعہ .... [illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible]

[illegible]

تمہاری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ہے .... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [illegible] عیسیٰ سے ملے ہو۔

ان کنت صدقتنی یا سلمان لقد لقیت عیسیٰ ابن مریم

تبصرہ .... [illegible]

بلکہ (ناممکن) ہے کیونکہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز م ۱۰۱ھ اور سلمان کے درمیان ایک راوی ساقط ہے۔

"لئن کنت صدقتنی یا سلمان لقد لقیت عیسی بن مریم"

جملہ نہایت عجیب و غریب ہے بلکہ منکر ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیان فترت اور وقفے کا عرصہ کم از کم چار سو سال ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں چھ سو سال "شمسی" ہے اور سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳۵۰ سال ہے۔ عباس بن یزید بحرانی نے اپنے مشائخ کا اجماع نقل کیا ہے کہ ان کی عمر ۲۵۰ سال ہے اس سے زائد میں ۳۵۰ تک اختلاف ہے واللہ اعلم۔ قرین مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لقد لقیت وصی عیسیٰ بن مریم"

"آپ کی ملاقات عیسیٰ علیہ السلام کے وصی اور جانشین سے ہوئی ہے یہ ممکن ہے درست ہو۔"

آسمان سے جب ایک بار نزول درست ہے تو...... امام بیہقی کہتے ہیں کہ مبہم راوی حسن بن عمارہ متوفی ۱۵۳ھ ہے وہ ضعیف ہے اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں نکارت اور نرالا پن نہیں ہے۔ کیونکہ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے جانے کے بعد آسمان سے اترے والدہ اور ایک عورت کو سولی والی جگہ پر روتے ہوئے دیکھ کر بتایا کہ وہ قتل نہیں ہوئے اور اس کے بعد حواریوں کو مختلف مقامات پر روانہ کیا۔ جب ان کا آسمان سے نزول ایک بار درست ہے تو بار بار بھی درست ہو سکتا ہے۔ پھر آئندہ آپ کا نزول ہوگا جب آپ صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور بنی جذام کی ایک عورت سے نکاح کریں گے فوت ہونے کے بعد روضہ رسول اللہ ﷺ میں مدفون ہوں گے۔

دلائل النبوۃ میں حافظ بیہقی نے قصہ سلمان رضی اللہ عنہ بہ سند یونس بن بکیر از محمد بن اسحاق بیان کیا ہے (کما تقدم) نیز حاکم (امام یحییٰ بن ابی طالب، علی بن عاصم، حاتم بن ابی صغیرہ، سماک بن حرب، یزید بن صوحان) سے مروی ہے کہ اس نے سلمان رضی اللہ عنہ سے مسلمان ہونے کا ابتدائی قصہ سنا اور اس نے ایک طویل واقعہ بیان کیا کہ وہ "رام ہرمز" کا باشندہ تھا اس کا بڑا بھائی سرمایہ دار تھا بھائی کے زیر کفالت تھا۔ بستی کے کسان کا بیٹا اس کے اس کول کا ساتھی تھا وہ اس کے ہمراہ استاد کے پاس جایا کرتا تھا، کسان کا بیٹا ایک غار میں عیسائی راہبوں کے پاس جایا کرتا تھا سلمان نے بھی اس سے خواہش کی کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلو تو کسان کے بیٹے نے کہا تم بچے ذہن کے ہو ایسا نہ ہو کہ تم راز فاش کر دو اور میرا والد ان کو قتل کروا دے سلمان نے جب پختہ عہد کیا تو وہ سلمان کو لے کر ان کے پاس چلا گیا وہ چھ یا سات افراد تھے، کثرت عبادت کی وجہ سے وہ نہایت کمزور ہو چکے تھے، گویا مرنے کے قریب ہیں دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے۔ درختوں کے پتے کھاتے یا جو کچھ میسر ہوتا وہ سابقہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے اور اس کی باندی کا بیٹا ہے اللہ تعالیٰ نے معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی۔ پھر ان راہبوں نے کہا اے غلام! بے شک تیرا ایک رب ہے اور مرنے کے بعد جینا ہے اور تمہارے سامنے جنت اور جہنم ہوگی اور یہ آتش پرست کافر اور گمراہ ہیں اللہ ان کے عمل کو پسند نہیں کرتا اور نہ یہ لوگ اس کے پسندیدہ دین پر قائم ہیں۔

سلمان رضی اللہ عنہ کسان کے بیٹے کے ہمراہ مسلسل جاتے رہے یہاں تک وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کسان کے بیٹے کے والد کسان اور رئیس علاقہ نے اپنے بیٹے کو وہاں جانے سے روک لیا اور ان راہبوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ سلمان نے اپنے سرمایہ دار بھائی سے بھی اپنے ہمراہ چلنے کو کہا تو اس نے کہا کہ میں کاروبار میں مصروف ہوں (میں نہیں جا سکتا) سلمان ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور موصل کے گرجا میں پہنچ گئے وہاں کے لوگوں نے ان کی پذیرائی کی اور ان کو سلام تحیہ پیش کیا پھر ان چھ یا سات راہبوں نے مجھے ان کے پاس چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن میں نے ان کے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آئے اس علاقہ کے راہب ان سے ملنے کے لئے آئے اور ان سے اتنا عرصہ غائب رہنے کی وجہ پوچھتے رہے اور میرے متعلق بھی پوچھا تو انہوں نے میری تعریف و ستائش کی۔ ایک عظیم راہب آیا اس نے ایک خطبہ دیا حمد و ثنا کے بعد اس نے انبیاء و رسل کا ذکر کیا اور ان کے معجزات بتائے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ وہ راہب نیکی کی کرتا تھا برائی سے منع کرتا تھا۔ پھر ان راہبوں نے وہاں سے روانہ ہونے کا عزم کیا تو سلمان اس خطیب راہب کے پاس ٹھہر گئے وہ راہب دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا اتوار کو ان کے پاس آتا اور ان کو وعظ و نصیحت کرتا۔ اور

کافی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد اس نے بیت المقدس کی زیارت کا ارادہ کیا تو میں (سلمان) بھی اس کے ہمراہ تھا دوران سفر وہ مجھے پند ونصائح کرتا اور بتاتا کہ میرا ایک رب ہے اور میرے سامنے "موت کے بعد" جنت اور جہنم ہے اور حساب سامنے ہے اور جس طرح ہر اتوار کو وہ تعلیم وتربیت کرتا تھا مجھے وہ ہر اتوار اسی طرح خطاب کرتا' دوران خطاب اس نے کہا اے سلمان! بیشک اللہ تعالیٰ ایک رسول مبعوث کرے گا اس کا نام احمد ہوگا' وہ تہامہ سے مبعوث ہوگا تحفہ کھائے گا صدقہ نہ کھائے گا اس کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس کے ظہور کا زمانہ قریب آ چکا ہے' میں تو عمر رسیدہ بوڑھا ہو چکا ہوں امید نہیں کہ میں اس کا مبارک زمانہ پا سکوں اگر تم اس کا زمانہ مبارک پاؤ تو اس کی تصدیق کر کے مسلمان ہو جانا' میں نے عرض کیا خواہ وہ مجھے عیسائیت کے ترک کرنے کا حکم دے؟ تو اس نے کہا' خواہ وہ تجھے اس کے ترک کرنے کا حکم دے کیونکہ حق وصداقت اس کی تعلیمات میں ہے اور اس کے فرمان میں رحمان کی رضا ہے۔

پھر سلمان نے بیت المقدس میں آمد کا ذکر کیا اور راہب نے بیت المقدس میں نماز پڑھی اور پڑھ کر سو گئے اور سلمان کو کہا یہ سایہ جب یہاں تک پہنچ جائے تو مجھے جگا دینا' سلمان نے ان کے آرام وراحت کی خاطر بروقت نہ جگایا پھر وہ بیدار ہوا اور ذکر واذکار میں مشغول ہو گیا اور سلمان کو نہ جگانے کی تقصیر پر طعن وتشنیع کی' بیت المقدس سے باہر نکل رہے تھے تو ایک اپاہج نے سوال کیا اے عبداللہ جب آپ آ رہے تھے تو میں نے سوال کیا تھا تو آپ نے کچھ نہیں عطا کیا اب میں دوبارہ سوال کر رہا ہوں تو راہب نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا تو اس نے اپاہج کا ہاتھ پکڑ کر کہا "قم بسم اللہ" چنانچہ وہ اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسے کوئی مرض لاحق ہی نہ تھا' سلمان کہتے ہیں اس اپاہج نے مجھے کہا کہ یہ سامان مجھ پر رکھ دو میں اپنے گھر والوں کو بشارت سناؤں گا کہ میں تندرست ہو چکا ہوں' میں اس کی پشت پر سامان رکھنے میں مصروف ہو گیا اس کے بعد میں اس عظیم راہب کے پیچھے ہو لیا لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ کسی راہگیر سے پوچھتا تو وہ کہتا تیرے آگے جا رہا ہے' میں اسی طرح چلتا رہا کہ بنی کلب کا ایک قافلہ مجھے ملا میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے میری عجمی زبان سن کر ایک سوار کے پیچھے بٹھا لیا اور اپنے علاقہ میں لا کر ایک انصاری خاتون کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس نے مجھے اپنے باغ میں کام پر لگا دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا ہجرت کرنا بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور آزمائش آنا بیان کیا پھر مہر نبوت کے دیکھنے کا بھی ذکر کیا پھر دیکھ کر فوراً مسلمان ہونا بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنی ساری سرگزشت بیان کرنے کا ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے خریدنے کا حکم فرمایا۔

سلمان کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک روز عیسائیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں کوئی خوبی نہیں یہ سن کر میرے دل میں ان راہبوں اور عظیم خطیب اور راہب کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوا جس کے ساتھ میں نے کافی عرصہ بسر کیا تھا (۵/۸۲) آیت نازل ہوئی' رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں ڈرتا ڈرتا آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا لایستکبرون "اس کی وجہ یہ کہ ان میں مولوی اور مشائخ ہیں۔ یعنی ان میں عالم بھی ہیں اور درویش بھی اور وہ غرور نہیں کرتے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا سلمان! جن علماء اور مشائخ کے ہمراہ تو رہا ہے وہ "مشرک" "نصرانی" نہ تھے وہ مسلمان تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! واللہ اس نے مجھے آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تھا' میں نے اس سے پوچھا تھا خواہ وہ عیسائیت اور تیرے مسلک کے ترک کا حکم کر دے تو اس نے کہا چھوڑ دینا کیونکہ حق اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے فرمان میں ہے۔

تبصرہ...... اس روایت میں نہایت غرابت اور عجوبہ پن ہے اور اس میں کسی قدر ابن اسحاق کی روایت کی مخالفت بھی موجود ہے اور ابن اسحاق کی روایت کی سند زیادہ قوی اور واقعہ کے ربط کے لحاظ سے بھی زیادہ عمدہ ہے اور صحیح بخاری کی روایت (معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی از سلیمان تیمی از ابوعثمان نہدی از سلمان فارسی) سے بھی زیادہ قریب ہے کہ وہ دس سے کچھ اوپر استادوں کے ہاں ایک استاد سے دوسرے استاد کی طرف منتقل رہے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ یکے بعد دیگرے تیس آقاؤں میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے عجیب واقعات کا بیان

سخن گوئی اور رفادہ ..... دلائل میں ابونعیم سعید بن سوادہ العامری سے روایت کرتے ہیں کہ کلب کی ایک دوشیزہ سے میرا رشتہ طے تھا میں اس کی خاطر سردی اور گرمی ہر موسم میں بار کے لیے سفر کے مصائب اور تکالیف جھیلتا رہتا تھا۔ تجارت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے موسم حج اور عرب کے اجتماع کی خاطر شام سے عطر اور دیگر سامان تجارت خریدا۔ چنانچہ میں ایک تاریک رات میں مکہ آیا اور وہیں لیٹ گیا یہاں تک کہ رات کی ابتدا کی تاریکی ختم ہو گئی اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو فلک بوس خیمے نصب ہیں ان میں طائف کے قالین بچھے ہیں۔ اونٹ ذبح ہو رہے ہیں اور اللہ کی نذر ذبح کرنے کی خاطر فربہ جانور ذبح ہو رہے ہیں کھانے والے اور پانی پینے والوں کا تانتا بندھا ہے اور کہہ رہے تھے جلدی کرو ایک آدمی ٹیلے پر کھڑا اونچی آواز سے کہہ رہا ہے اللہ کے مہمانو! کھانے کی طرف چلے آؤ اور ایک پست قامت آدمی راستے میں کھڑا اعلان کر رہا ہے اے اللہ کے مہمانو! جو کھا چکا ہے وہ پچھلے پہر کے کھانے کے لیے"۔ اس منظر نے مجھے عجیب مخمصے میں ڈال دیا میں حیرت سے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کس قوم سے ملاقات کر رہا ہوں کرنا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ وہ عذری نے میری یہ کیفیت بھانپ کر کہا یہ قوم تیرے سامنے ہے اے ایک شخص ہے جس کے سر پر عمامہ ہے ابر جیسی چمک ہے اور کی طرح چمکدار ہے سیاہ عمامہ سر پر آراستہ ہے اس سے سیاہ چمکدار بال نمودار ہو رہے ہیں گویا وہ سونے کے ہوں ہے۔ (ایک روایت میں ہے) کہ وہ سیاہ عمامہ سر پر ہے وہ عنان ہے اور اس کے سامنے تخت پر ایک بچھا ہوا ہے اس کے ہاتھ میں چھڑی ہے اس سے لوگوں کو سہارا دیے ہوئے ہے۔ [illegible] اعتدال کا یہ عجیب خوب تعریف فرما رہے ہیں۔ مجھے شام کے ملک سے معلوم ہوا تھا کہ نبی امی کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے جب میں نے اس حسین و جمیل شخص کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ وہی نبی ہے چنانچہ میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ) تو اس نے کہا خاموش ہو جا ابھی ان کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے کاش میں اس زمانہ میں ہوتا میں نے کسی سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ابو نضلہ ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ میں یہ حال دیکھ کر یہ کہتا ہوا باہر آیا کہ خدا کی قسم یہ بزرگی و شرف آل عدنان کا جادو جلال اس کے سامنے ہیچ ہے ہاشم کے کھانے کا یہ اہتمام تھا جو اس کا منصب تھا [illegible] گئی۔

عبدالمطلب کا خواب اور اس کی تعبیر ..... ابونعیم سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو طالب سے سنا وہ عبدالمطلب کا خواب بیان کرتے تھے کہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا تو مجھے ایک خوفناک خواب آیا جس سے میں بے حد پریشان ہوا چنانچہ میں قریش کی ایک کاہنہ کے پاس آیا میں ریشمی چادر میں ملبوس تھا بال کندھوں پر لٹک رہے تھے میں اس وقت اپنی قوم کا سردار تھا جب کاہنہ نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے تو اس نے کہا ہمارے سردار کا کیا حال ہے؟ کیا رنگ و حال کیوں بدلا ہوا ہے؟ کیا کوئی خواب دیکھنے سے پریشان ہوا؟ میں نے کہا کیوں نہیں ..... کاہنہ سے بات کرنے کا دستور تھا کہ بات کرنے والا اس کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیتا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی بات بتاتا ..... میں یہ آداب بجا لا کر بتانے لگا کہ میں بیحد پریشان تھا چنانچہ میں نے اسے اپنا خواب سنایا کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک فلک بوس درخت ہے اور اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں اور ایک روشنی بھی جو سورج سے ستر گنا زیادہ روشن ہے عرب و عجم اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور روشنی لمحہ بلمحہ بڑھ رہی ہے اور اوپر کو بلند ہو رہی ہے۔ کبھی ماند پڑ جاتی ہے اور کبھی زیادہ تیز ہو جاتی ہے پھر میں نے دیکھا قریش درخت کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں اور چند قریشی اسے کاٹنے کے درپے ہیں۔ جب کاٹنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں تو ایک نہایت حسین و جمیل اور معطر جوان ان کو پیچھے ہٹا رہا ہے ان کی کمریں توڑ رہا ہے اور آنکھیں پھوڑ رہا ہے میں نے درخت کی شاخ پکڑنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اس نوجوان نے مجھے منع کر دیا۔ میں نے پوچھا پھر کس کے نصیب میں ہے؟ تو اس نے کہا یہ لوگ جو پہلے سے چمٹے ہوئے ہیں ان کا حصہ اور نصیب ہے۔ پھر میں پریشان اور خوفزدہ بیدار ہوا۔

خواب سنانے کے بعد میں نے دیکھا کہ کاہنہ کا چہرہ فق ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا تیرے خواب کی تعبیر ہے کہ تیری نسل سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو مشرق و مغرب کا مالک ہوگا اور لوگ اس کے تابع ہوں گے۔ پھر عبدالمطلب نے ابو طالب سے کہا ممکن ہے کہ وہی یہ مولود ہو ابو طالب یہ

خواب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد بیان کیا کرتے تھے۔ واللہ یہ پرتو درخت ابو القاسم محمد ﷺ امین ہیں۔ ابو طالب سے کوئی کہتا کہ تم کیوں مسلمان نہیں ہوتے تو وہ جواب دیتے' مجھے صرف عار اور طعن وملامت مانع ہے۔

ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ...... ابونعیم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم یمن کی طرف ایک تجارتی قافلہ میں روانہ ہوئے' اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا' چنانچہ ہم یمن پہنچ گئے' ایک روز کھانے کا اہتمام میں کرتا تھا اور ابوسفیان سب کو کھلاتا تھا اسی طرح ابوسفیان بھی کرتا' ایک دن ابوسفیان نے مجھے کہا ابوالفضل! آج میرے پاس تشریف لائیں اور کھانا بھی وہیں لیجئے' میں چنانچہ ہم سب نے ان کے ڈیرے پر کھانا کھایا' لوگ کھانا کھا چکے تو مجھے ابوسفیان نے اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا بھتیجا کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے؟ میں نے کہا' میرا کون سا بھتیجا؟ تو ابوسفیان نے کہا مجھ سے چھپاتے ہو' تمہارا صرف ایک بھتیجا ہی اس منصب کا اہل ہے۔ میں نے پھر پوچھا پھر بھی بتاؤ تو کسی کون سا؟ تو اس نے کہا وہ محمد ﷺ بن عبداللہ ہیں' میں نے پھر کہا' کیا اس نے ایسا کہا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا ہاں اس نے ایسا کہا ہے اور اس نے اپنے لڑکے حنظلہ بن ابوسفیان کا ایک مکتوب نکالا' اس میں درج تھا کہ محمد ﷺ نے ابطح وادی میں کھڑے ہو کر کہا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں' یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جناب ابو حنظلہ میں اسے صادق سمجھتا ہوں تو ابوسفیان نے کہا ذرا غور کرو جناب! مجھے اس کا یہ کہنا پسند نہیں۔ اے بنی عبدالمطلب! مجھے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو' واللہ! قریش تمہارے بارے میں شرارت اور فساد رکھتے ہیں' جناب میں یہ بات خدا کا واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کیا آپ نے سماعت فرمالیا' عباس کہتے ہیں' میں نے کہا جی ہاں! میں نے یہ سن لیا' تو ابوسفیان نے کہا واللہ! یہ تمہارے لئے نحوست ہے۔ میں نے جواب دیا ممکن ہے مبارک ہو۔

چند روز بعد عبداللہ بن حذافہ مشرف بہ اسلام ہو کر یمن تشریف لائے اور یہ بات یمن کی ہر مجلس میں پھیل گئی۔ ابوسفیان وہاں ایک مجلس میں بیٹھے تھے اس میں ایک یہودی عالم بھی آتا تھا ابوسفیان سے اس نے پوچھا' یہ افواہ کیا ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں میں اس مدعی نبوت کا چچا ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں میں اس کا چچا ہوں' یہودی نے پوچھا حقیقی چچا؟ تو ابوسفیان نے کہا جی ہاں! تو اس نے کہا مجھے اس کے کچھ حالات بتاؤ' تو ابوسفیان نے کہا' مجھے گوارا نہیں کہ وہ اس بات کا مدعی ہو' میں اس پر نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کو اس پر ترجیح دینا چاہتا ہوں۔ (یہودی سمجھ گیا کہ وہ اس بات میں دخل دینا پسند نہیں کرتا اور نہ وہ نکتہ چینی کرنا چاہتا ہے) تو یہودی نے کہا تورات موسیٰ کی قسم! یہود کو اس سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر مجھے یہودی عالم نے بلا بھیجا' میں دوسرے روز اس مجلس میں گیا۔ وہاں ابوسفیان اور وہ عالم بھی موجود تھے میں نے یہودی عالم سے پوچھا معلوم ہوا کہ تم نے میرے بھتیجے کے بارے کسی سے دریافت کیا ہے کہ وہ نبوت کا دعویدار ہے اور اس نے کہا ہے وہ اس کا چچا ہے حالانکہ وہ اس کا حقیقی چچا نہیں البتہ وہ میرا بھتیجا ہے۔ میں اس کا چچا اور اس کے والد کا بھائی ہوں۔ یہودی عالم نے حیرانی سے پوچھا (اچھا یہ) اس کے والد کا بھائی؟ میں نے کہا بالکل' تو اس نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ بات درست ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا "ہاں" پھر میں نے یہودی سے کہا' پوچھو اگر میں غلط کہوں تو یہ تردید کر دے گا' چنانچہ اس نے مجھ سے پوچھا خدارا بتاؤ' کیا تمہارے بھتیجے نے کبھی لا ادبی اور نادانی کا مظاہرہ کیا؟ میں نے کہا عبدالمطلب کے خدا کی قسم اس نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے' نہ خیانت کی ہے۔ قریش میں "امین" کے نام سے معروف ہیں۔ اس نے پوچھا کیا وہ لکھنا جانتے ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' میرے خیال میں تھا لکھنا ایک خوبی ہے' چنانچہ میرا خیال ہوا کہ میں کہہ دوں کہ وہ نوشت وخواند سے واقف ہیں' لیکن ابوسفیان کی تردید کے خطرے سے میں نے کہا' "وہ لکھنا نہیں جانتا" یہ سن کر وہ عالم بے ساختہ اچھل پڑا اور اس کی چادر گر گئی اور اس نے برملا کہا' یہودی تباہ ہو گئے' یہودی نیست ونابود ہو گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم اس مجلس سے اپنے ڈیرے پر آئے تو ابوسفیان نے کہا جناب! آپ کے بھتیجے سے تو یہودی خائف ہیں' میں نے کہا' تم نے ماجرا دیکھ ہی لیا ہے۔ جناب اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہوئے تو تمہارا شمار اولین مسلمانوں میں ہوگا۔ بصورت دیگر آپ کے ہمراہ اور لوگ بھی ہیں' یہ سن کر ابوسفیان نے کہا جب تک میں "کداء" میں حملہ آور فوج نہ دیکھ لوں' مسلمان نہ ہوں گا' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو اس نے کہا بے ساختہ یہ فقرہ میری زبان پر آ گیا ہے مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کداء پر حملہ آور فوج کو تباہ کر دے گا' عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ہم نے

"کداء" سے فوج کو حملہ آور دیکھا تو میں نے ابوسفیان سے پوچھا وہ بات یاد ہے؟ تو اس نے کہا واللہ! بالکل یاد ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کی۔

یہ حدیث حسن ہے۔ اس سے نور و ضیا اور عمدگی ظاہر ہے اور اس پر صداقت کی جھلک ہے' گو اس کی سند میں مجروح راوی بھی۔ واللہ اعلم۔ ایسا ہی ایک واقعہ ابوسفیان کا امیہ بن ابی صلت کے ساتھ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور ہرقل کے ہمراہ بھی ابوسفیان کا ایک قصہ آئندہ بیان ہوگا' جس میں اس نے حضور ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کا بے پناہ اظہار کیا ہے کہ کاش میں اس وقت ہوتا تو ان کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔ حافظ ابونعیم نے دلائل میں احبار و رہبان اور مشائخ عرب سے بے شمار ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو نہایت عمدہ اور ہیں۔

عمرو بن مرہ جہنی کا واقعہ...... طبرانی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عمرو بن مرہ جہنی نے بتایا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں قوم کے چند افراد کے ہمراہ حج کرنے کے لئے مکہ آیا' میں نے مکہ میں خواب دیکھا کہ کعبہ سے ایک نور بلند ہو رہا ہے اور اس کی روشنی کوہ یثرب اور جہینہ کے کوہ اشعر تک پہنچ گئی اور اس نور میں سے میں نے ایک آواز سنی۔ (ظلمت اور تاریکی چھٹ گئی' روشنی بلند ہو کر پھیل گئی' خاتم انبیاء مبعوث ہو گئے) پھر وہ دوبارہ روشنی نمودار ہوئی میں نے اس سے حیرہ کے محلات دیکھے اور مدائن کے سفید محل بھی' اور میں نے نور میں سے یہ آواز سنی' اسلام ظاہر ہو چکا ہے۔ بت ٹوٹ گئے۔ صلہ رحمی کا دور شروع ہو چکا ہے' میں پریشان ہو کر جاگ اٹھا اور اپنے رفقاء سے کہا' واللہ! قریش میں کوئی نیا حادثہ رونما ہونے والا ہے اور میں نے ان کو اپنا خواب سنایا جب ہم وطن واپس چلے آئے تو مجھے کسی سے معلوم ہوا کہ احمد علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نبی ہوں اور سب اولاد آدم علیہ السلام کی طرف مبعوث رسول ہوں۔ میں ان کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں' میں ان کو قتل و غارت سے محفوظ رہنے اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بتوں کے ترک کرنے کی تلقین کرتا ہوں' حج کرنے اور بارہ ماہ میں سے ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں' جو شخص ان احکام کی تعمیل کرے وہ جنت کا مستحق ہے اور جو شخص انکار کرے وہ دوزخی ہے۔ اے عمرو! مسلمان ہو جا' اللہ تجھے دوزخ کی ہولناکی سے محفوظ رکھے گا' چنانچہ میں نے "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" کہا اور مسلمان ہو گیا اور آپ کے بیان کردہ حلال اور حرام پر ایمان لایا' اگرچہ اقوام عالم کو ناگوار گزرے' پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنے چند اشعار سنائے۔

ہمارے ایک بت کا۔ میرا والد مجاور اور خادم تھا' میں نے اس کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا:

شهدت بأن الله حق وانني
لآلهة الأحجار أول تارك
وشمرت عن ساق الازار مهاجرا
اليك أجوب القفر بعد الدكادك
لاصحب خير الناس نفسا ووالدا
رسول مليك الناس فوق الحبائك

"میں شاہد ہوں کہ اللہ برحق ہے اور میں سب سے پہلے پتھر کے خداؤں کو ترک کرتا ہوں۔ میں نہایت کوشش و کاوش سے آپ کی طرف ہموار زمین کے بعد بیاباں کو عبور کرتا آیا ہوں۔ تاکہ میں سب سے بہتر انسان اور والد کا مصاحب اور رفیق ہو جاؤں' وہ اس اللہ کا رسول ہے جو آسمان پر لوگوں کا مالک ہے"۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن مرہ کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے قوم جہینہ کی طرف مبعوث فرما دیں شاید اللہ تعالیٰ ان پر بھی مہربان ہو جائے جیسے مجھ پر مہربان ہوا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے فرما کر نصیحت فرمائی' نرمی اختیار کر' سیدھی بات کہہ' سخت مزاج اور تند خو نہ ہو تکبر نہ کر اور حسد نہ کر۔

مکتوب نبوی ﷺ ...... چنانچہ وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو اسلامی تعلیمات کی دعوت دی‘ سوائے ایک آدمی کے پوری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی اور میں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا‘ آپ ﷺ نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کو ایک مکتوب تحریر کر دیا جس کا مضمون ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم‘ یہ مکتوب ہے اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے‘ سچی تحریر صداقت کی حامل بدست عمرو بن مرہ جہنی بنام جہینہ بن زید‘ بے شک تمہارے لئے زمین کے اندر کی معدنیات اور ہموار کھلی زمین ہے اور وادیوں کا نشیب و فراز ہے تم وہاں کاشت کرو اور اس کا صاف پانی نوش کرو بشرطیکہ تم خمس ادا کرو اور پانچ نمازیں ادا کرو‘ بکریوں اور اونٹوں کے کم سے کم نصاب میں اگر وہ ایک جگہ ہوں تو دو بکریاں زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ علیحدہ علیحدہ ہوں تو ایک ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے۔

تجارتی سامان اٹھانے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ میں عمدہ مال نہ لیا جاوے‘ تمام حاضر مسلمان نبی علیہ السلام کی تحریر پر شاہد ہیں جو قیس بن شماس کی تحریر ہے‘ مسند کبیر میں یہ مفصل مذکور ہے‘ مع اشعار و باللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

اس آدمی نے کہا‘ عمرو اللہ تیری زندگی تلخ کرے‘ تو ہمیں حق پرستی سے روکتا ہے اور آبائی دین کی مخالفت کر کے تفرقہ میں ڈالتا ہے اور تہامی نبی کی طرف بلاتا ہے‘ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور ہم ان خیالات کو قبول کرتے ہیں اور نہ اہمیت دیتے ہیں پھر اس نے کہا:

ان ابن مرة قد اتى بمقالة
ليست مقالة من يريد صلاحا
انى لاحسب قوله وفعاله
يوما وان طال الزمان رياحا

"بے شک ابن مرہ ایک جدید مذہب لایا ہے جس کا مقصد اصلاح احوال نہیں‘ میں اس کے قول و فعل کو عبث اور بے وقعت سمجھتا ہوں کیا تو آبا کو احمق اور بے وقوف قرار دیتا ہے جو یہ مقصد لے کر آئے وہ تو ناکام و نامراد رہتا ہے"۔

ایک خصوصی عہد ...... سورہ احزاب (۳۳/۷) میں ہے "اے پیغمبر وہ وقت یاد کر جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور خاص تجھ سے بھی نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پکا اقرار لیا"۔

بقول اکثر اسلاف جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم ؑ سے الست بربکم کے وقت عہد و اقرار لیا تو انبیاء سے خاص عہد لیا اور ان کے ہمراہ جو بڑی شریعتوں کے حامل پانچ اولوالعزم انبیاء علیہم والسلام سے مزید اہتمام کے ساتھ خصوصی عہد ذکر کیا۔ جن میں سے اول حضرت نوح علیہ السلام اور آخری حضرت محمد ﷺ ہیں۔

آپ ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی ...... دلائل میں ابو نعیم (ولید بن مسلم اوزاعی یحییٰ بن ابی کثیر ابی سلمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ سے دریافت ہوا آپ علیہ السلام نبوت سے کب سرفراز ہوئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا‘ تحقیق آدم اور اس میں روح پھونکنے کے درمیانی عرصہ میں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب اور صرف اسی سند سے مروی ہے۔ ابو نعیم (سلیمان بن احمد‘ یعقوب بن اسحاق بن زبیر حلبی‘ ابو جعفر نفیلی‘ عمرو بن واقد‘ عروہ بن رویم صنابحی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ "متى جعلت نبيا؟ قال وآدم منجدل في الطين" آپ نبوت سے کب سرفراز ہوئے تو آپ نے فرمایا اس وقت آدم ابھی آب و گل میں تھا۔ ابو نعیم (نصر بن مزاحم‘ قیس بن ربیع‘ جابر جعفی‘ شعبی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت ہوا متی کنت نبیا؟ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی؟ فرمایا وآدم بين الروح والجسد‘ اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

پیشانیوں پر نور ...... اللہ تعالیٰ نے پشت آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا اور انبیاء علیہم السلام کی پیشانیوں پر نور کا جلوہ کیا اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبے کے اعتبار سے تھا‘ بنا بریں محمد ﷺ کا نور سب سے زیادہ روشن اور جلی ہے اور سب سے زیادہ عظیم اور اعلیٰ ہے۔ یہ بات آپ کے عالی

مقام اور بلند رتبہ ہونے کی بڑی حجت اور علامت ہے۔ اسی مفہوم کی حامل یہ روایت ہے جو امام احمدؒ' عبدالرحمان بن مہدی' معاویہ بن صالحؒ' سعید بن سوید کلبی' عبدالاعلیٰ بن ہلال سلمی' عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم انبیاء ہوں' آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں پڑے تھے' آپ کو اپنے اس امر کے آغاز کی بابت بتاتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ اسی طرح نیک لوگوں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں۔ یہ روایت عبدالرحمان مہدی سے لیث اور ابن وہب بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز عبداللہ بن صالح بھی معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں اس میں اضافہ ہے کہ والدہ نے وضع حمل کے وقت ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

امام احمدؒ (عبدالرحمان' منصور بن سعید' بدیل' عبداللہ بن شقیق) "میسرہ فجر" سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا متی کنت نبیا قال و آدم بین الروح والجسد' یہ سند جید ہے اسی طرح ابراہیم بن طہمان' حماد بن زید اور خالد حذاء' بدیل بن میسرہ سے بھی نقل کرتے ہیں۔ ابونعیم (محمد بن عمر بن اسلم' محمد بن بکر بن عمرو باہلی' شیبان' حسن بن دینار' عبداللہ بن سفیان) میسرہ فجر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ متی کنت نبیا؟ قال و آدم بین الروح والجسد دلائل النبوۃ میں ابونعیم (ابوعمرو بن حمدان' حسن بن سفیان' ہشام بن عمار' ولید بن مسلم' خلید بن دعلج اور سعید' قتادہ' حسن) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے واذ اخذنا من النبیین میثاقہم (۳۳/۷) کی تفسیر کے تحت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں تخلیق میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر میں ہوں۔" ابونعیم (ہشام بن عمار' بقیہ' سعید بن بشیر' قتادہ' حسن) ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت' سابقہ روایت کے موافق بیان کرتے ہیں۔ ابونعیم سے یہ روایت بہ سند سعید بن ابی عروبہ اور شیبان' قتادہ' حسن البصری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اس روایت کا مفہوم بھی پہلی کی طرح ہے) اس روایت کا موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے صحیح تر اور اثبت ہے' واللہ اعلم۔

یہ روایات ملاء اعلیٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر اور تعریف و ستائش کی آئینہ دار ہیں اور آپ ﷺ ملاء اعلیٰ میں "خاتم انبیاء" کے نام سے معروف ہیں جبکہ آدم ؑ معرض وجود میں بھی نہ آئے تھے کیونکہ زمین و زمان کی تخلیق سے پہلے یہ بات لامحالہ علم الٰہی میں تھی بنا بریں اس سے مقصود ہے کہ ملاء اعلیٰ میں آپ ﷺ کا تذکرہ تھا واللہ اعلم۔ ابونعیم (عبدالرزاق' معمر' ہمام) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "متفق علیہ" روایت کرتے ہیں کہ ہم آخری امت ہیں۔ بروز قیامت سب سے سابق ہوں گے' پوری کائنات سے پہلے ہمارا فیصلہ ہوگا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب عطا ہوئی اور ہمیں ان کے بعد۔ ابونعیم نے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت میں آخری نبی تھے اور آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور آپ ہی قیامت کے روز سابق ہوں گے' کیونکہ نبوت اور اخذ عہد میں آپ علیہ السلام سب سے مقدم تھے۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی مظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق سے پہلے' آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا تھا اور یہ بھی امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے "نبی ہونے کا علم اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پہلے عطا کر دیا ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں' واللہ اعلم۔

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا

مستدرک میں حاکم نے (عبدالرحمان بن زید بن اسلم (مجروح راوی)' ابوہ' جدہ) عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام نے لغزش کا ارتکاب کیا تو انہوں نے کہا اے پروردگار! میں "حق محمد" کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرما دے' اللہ نے پوچھا اے آدم! ابھی تک میں نے محمد ﷺ پیدا نہیں کیا' تجھے کیسے معلوم ہوا؟ آدم عرض کرنے لگے یا رب تو نے میرا پتلا بنا کر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر شدہ دیکھا' مجھے معلوم ہوا کہ تو نے اپنے مبارک نام کی نسبت و اضافت اپنی محبوب مخلوق کی طرف کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے درست کہا ہے' واقعی وہ مجھے سب کائنات سے محبوب ہے اور جبکہ تو نے اس کے حق کا واسطہ دے کر

سوال کیا ہے تو میں نے بخش دیا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ بقول امام بیہقی اس روایت میں عبدالرحمان راوی ضعیف ہے واللہ اعلم۔

ایک آیت کی تفسیر...... واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ (۳/۸۱) کی تفسیر کے ذیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ ان کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے مددگار رہیں اور اسی طرح ہر نبی کو اپنی امت سے بھی یہ عہد لینے کا ارشاد ہوا اب گذشتہ ادیان میں انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور عظمت و شوکت کا اظہار ہوا اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا برملا اقرار ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام کی ایک بہترین دعا...... ربنا وابعث فیہم رسولا منہم الی آخر الآیۃ (۲/۱۲۹) بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد معمار حرم ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرما کر آپ ﷺ کی آمد نبوت و رسالت اور آپ کے مولد و منشا کی صراحت کی اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کو وضاحت سے بیان کیا چنانچہ اس قدر جلی اور واضح بیان روئے زمین پر سب سے پہلے ابراہیم نے فرمایا بنابریں یہ روایت ہے کہ امام احمد (ابو النضر، فرج بن فضالہ، لقمان بن عامر) ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کا آغاز کس طرح ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا باپ ابراہیم کی دعا سے عیسیٰ کی بشارت سے اور والدہ کے خواب سے کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نمودار ہوا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے (تفرد بہ احمد یہ صحاح ستہ میں نہیں ہے) کتاب المولد میں ابوبکر بن ابی عاصم (بقیہ، صفوان ابن عمرو، حجر بن حجر) ابو مریم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی اور اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا پختہ عہد لیا جیسے دیگر انبیائے کرام سے لیا اور والدہ نے خواب دیکھا کہ ان کے جسم مبارک سے ایک نور کا ظہور ہوا جس سے شام کے محلات منور ہو گئے۔

معجزہ اور اس کی تفصیل...... امام محمد ابن اسحاق بن یسار (ثور بن یزید، خالد بن معدان) صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اپنی ذات مبارک کے بارے میں وضاحت فرمایئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کی دعا عیسیٰ کی بشارت اور والدہ کا خواب ہوں بوقت حمل ان کے جسم اطہر سے ایک نور خارج ہوا جس سے شام کا شہر بصری منور ہو گیا۔ (اسنادہ جیدۃ) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ہمارے شہر بصری کے باشندوں کے لئے عظیم بشارت ہے اور یہ ملک شام میں سے پہلا خطہ ہے جو نور نبوت کا مظہر ہے واللہ اعلم۔ بنابریں یہ علاقہ ملک شام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صلح سے فتح ہوا (جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا۔) اور اسی مقام میں رسول اللہ ﷺ چچا ابو طالب کے ہمراہ ۱۲ سال کی عمر میں ایک دفعہ تشریف لائے تھے اور بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی اور دوسری دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارتی قافلہ میں تشریف لائے اور وہاں "مبرک ناقہ" ہے جس کے بارے مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ یہاں بیٹھی تھی اور یہاں اس کے آثار و نشانات تھے اور آج کل یہاں مسجد تعمیر ہو چکی ہے اور یہی وہ شہر ہے جس میں اس آگ کی روشنی سے اونٹوں کی گردنیں نظر آ رہی تھیں جو ارض حجاز سے رسول اللہ ﷺ کی "پیش گوئی" کے مطابق ظاہر ہوئی تھی کہ ارض حجاز سے ایک آگ نمودار ہوگی جس سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی) سورہ اعراف (۷/۱۵۷) میں ہے یہ لوگ وہ ہیں جو اس ان پڑھ پیغمبر نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

بستر مرگ پر ایک یہودی بچے کا مسلمان ہونا...... امام احمد (اسماعیل، جریری، ابو صخر عقیلی) ایک اعرابی سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ منورہ میں سامان تجارت فروخت کر کے فارغ ہوا تو میرے دل میں آیا کہ میں اس آدمی (نبی علیہ السلام) سے ضرور ملاقات کروں گا چنانچہ آپ ﷺ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چلتے ہوئے پا لیا۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا آپ ﷺ ایک یہودی کے پاس آئے وہ تورات پڑھ کر اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا کہ اس کا حسین و جمیل لخت جگر موت کی کشمکش میں تھا یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل فرمائی ہے کیا تو اس کتاب میں میری صفات اور میری ہجرت گاہ کا ذکر پاتا

ہے" تو اس نے سر کی جنبش سے انکار کیا تو بستر مرگ پر دراز بیٹے نے کہا واللہ! ہم کتاب میں آپ ﷺ کی صفات اور ہجرت گاہ کا ذکر پاتے ہیں اور میں شاہد ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بیمار بھائی سے الگ کر دو پھر آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ یہ سند عمدہ ہے اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت اس کی شاہد ہے۔

ایک یہودی اور آپ ﷺ ...... ابوالقاسم نے ابوبکر عبدالواحد بن غیاث عبدالعزیز بن مسلم عاصم بن کلیب ابوہ، سلمان بن قاسم سے روایت کیا ہے کہ اس کے ماموں نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا کہ آپ کی نگاہ ایک یہودی جو قمیص شلوار اور جوتا پہنے تھا پر پڑی آپ اس سے بات چیت کرنے لگے وہ آپ ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر جواب دے رہا تھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو میری رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تو تورات پڑھتا ہے؟ اس نے کہا "جی ہاں" پھر پوچھا انجیل پڑھتا ہے تو بھی اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے پوچھا قرآن پڑھا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دے کر کہا اگر آپ چاہیں تو پڑھ سکتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اپنے تورات اور انجیل کے پڑھنے کے بارے میں بتا کیا میری نبوت کا ذکر ان میں پاتا ہے تو اس نے کہا ہم آپ کی صفات اور ہجرت گاہ کا ذکر اس میں پاتے ہیں جب آپ کا ظہور ہوا تو ہم امیدوار تھے کہ آپ ہماری نسل سے ہوں گے پھر جب ہم نے آپ کو بغور دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ وہ نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے یہودی! یہ کیونکر؟ تو اس نے کہا ہم یہ تحریر پاتے ہیں کہ اس کی امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے "آپ کے ہمراہ تو نہایت قلیل لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت تو ستر ہزار سے متجاوز ہے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور صحاح ستہ میں مذکور نہیں۔

یہود کے عالم کا اقرار کرنا آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کا

علم باروش ...... محمد بن اسحاق (سالم مولی عبداللہ بن مطیع) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا اپنے بڑے عالم کو لاؤ انہوں نے کہا عبداللہ بن صوریا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تنہائی میں پوچھا اور اسے دین اسرائیل پر انعامات اور من و سلوی کے احسانات یاد دلا کر دریافت کیا "کیا تو جانتا ہے کہ میں "رسول اللہ" ہوں؟ تو اس نے کہا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا مسلمان ہونے سے کیا مانع ہے؟ تو اس نے کہا مجھے اپنی قوم کی مخالفت پسند نہیں وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

مکتوب نبوی ...... سلمہ بن فضل (محمد بن اسحاق محمد بن ابی محمد عکرمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کو مکتوب تحریر فرمایا "بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جو موسیٰ اور ہارون کا رفیق ہے اور موسیٰ کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے سنو! اے گروہ یہود! کیا تم یہ صفات اپنی کتاب میں موجود پاتے ہو؟ (۴۸/۲۹) کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (۴۸/۲۹)

میں اس اللہ کی قسم دے کر تم سے کہتا ہوں جس نے تم پر تورات اتاری اور تمہارے اسلاف پر من و سلوی اتارا اور تمہارے آباؤ اجداد کے لئے سمندر خشک کیا حتی کہ فرعون سے نجات بخشی۔ تم بتاؤ؟ کیا تم تورات میں موجود نہیں پاتے۔ میری صفات تم پر کوئی جبر و اکراہ نہیں "بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے" میں تم کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف بلاتا ہوں۔

بخت نصر کا خواب اور دانیال کی تعبیر ...... کتاب المبتدا میں محمد بن اسحاق بن یسار کعب احبار سے نقل کرتے ہیں کہ بخت نصر کو بیت المقدس کے تباہ و برباد اور بنی اسرائیل کے ذلیل و خوار کرنے کے سات سال بعد ایک خوفناک خواب آیا اس نے کاہنوں اور تعبیر نگانے والوں کو اکٹھا کر کے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا خواب بتائیے بخت نصر نے کہا خواب تو میں بھول گیا' سنو اگر تین روز تک مجھے خواب کی تعبیر معلوم نہ ہوئی تو سب کو تہ تیغ کر دوں گا۔ وہ اس خوفناک وعید اور دھمکی کو سن کر چلے آئے' یہ بات دانیال علیہ السلام نبی کو بھی معلوم ہو گئی جو بخت نصر کی جیل میں محبوس تھے تو دانیال علیہ السلام نے جیل کے داروغہ کو کہا' بخت نصر کو بتا دو کہ جیل میں ایک آدمی ہے جو تیرے خواب اور اس کی تعبیر کو جانتا ہے' چنانچہ بخت نصر نے اس کو طلب کیا اور دانیال علیہ السلام اس کے پاس آیا اور حسب دستور اس کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوئے تو اس نے پوچھا مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کو بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے اور مجھے غیر کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے' بخت نصر نے کہا میں ان لوگوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنے رب کے عہد و پیمان کے پابند ہیں' آپ میرے خواب کی تعبیر بتائیں تو دانیال علیہ السلام نے کہا' تم نے ایک عظیم بت دیکھا ہے' جس کے پاؤں زمین پر ہیں اور اس کا سر فلک بوس' اس کا سر سونے کا ہے' درمیانہ حصہ چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا' پنڈلیاں لوہے کی اور پاؤں چکنی مٹی کے تو اس حسین اور دل آویز ساخت پر فریفتہ ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس پر پتھر پھینکا اور وہ اس کے سر پر پڑا تو وہ چکنا چور ہو گیا اس کی سب معدنیات اس قدر باہم خلط ملط ہو گئیں کہ سب جنات اور نوع انسان بھی مل کر ان کو جدا جدا نہیں کر سکتے اور وہ پتھر جو اس کے سر پر پڑا ہے وہ لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا ہے یہاں تک کہ تجھے ماسوائے پتھر اور آسمان کے کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ سن کر بخت نصر نے خواب کی تصدیق کی اور تعبیر پوچھی۔ تو دانیال علیہ السلام نے کہا مختلف معدنیات سے تیار کردہ بت' اقوام عالم ہیں اور وہ پتھر جو بت کے سر پر گرا ہے وہ اللہ کا دین ہے' آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کو اقوام عالم پر پھینکے گا اور اس دین کو غالب اور فتح یاب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ عرب میں سے ایک ناخواندہ نبی مبعوث کرے گا اور جملہ اقوام و ادیان کو پاش پاش کر دے گا جیسا کہ تم نے دیکھا ہے کہ پتھر نے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا اور وہ ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ جیسا کہ تم نے دیکھا کہ پتھر ساری دنیا پر چھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نبی کی بدولت حق کو غالب کرے گا اور باطل کو ختم کرے گا گمراہوں کو ہدایت نصیب کرے گا' ان پڑھوں کو تعلیم یافتہ بنائے گا' کمزوروں کو طاقتور بنائے گا' ذلیل و رسوا لوگوں کو عزت بخشے گا اور کمزوروں کی نصرت و حمایت کرے گا پھر مزید قصہ بیان کیا ہے' جس میں دانیال کی بدولت اسرائیل کی بخت نصر سے رہائی مذکور ہے۔

واقدی نے متعدد اسناد سے مغیرہ بن شعبہ مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس جانا اور اس کا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے دریافت کرنا بیان کیا ہے (قریباً ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے ہرقل کے سوالات کے مطابق) یہ ایک طویل قصہ ہے جو حافظ ابو نعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے "مدارس" میں ان سے کہا اے معشر یہود! تم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ' واللہ تم میری ذات و صفات کا ذکر اپنی کتابوں میں پاتے ہو" الحدیث"۔

تورات اور قرآن میں آپ کی صفات ...... امام احمد (موسیٰ بن داؤد' سلیمان' ہلال بن علی) عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے تورات میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے دریافت کیا تو اس نے کہا' واللہ! قرآن کی بیان کردہ صفات کے مطابق تورات میں بھی آپ کی صفات مذکور ہیں۔ اے نبی! ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ان پڑھوں کا حرز جان' تو میرا بندہ ہے اور رسول۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے' آپ نہ تند خو ہیں نہ سنگدل نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں جب تک دین کی کجی درست نہ ہو گی اور لوگ کلمہ توحید کے قائل نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کو فوت نہیں کرے گا' اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اندھوں کو بصیرت عطا کرے گا اور بہروں کو قوت سماعت سے نوازے گا اور مستوروں کو ہدایت نصیب کرے گا۔

یہ روایت امام بخاری نے بذریعہ محمد بن سنان عوقی فلیح سے بیان کی ہے۔ نیز عبداللہ بن رجاء یا عبداللہ بن صالح سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی معرفت ہلال سے بیان کی ہے اور ابن جریر نے فلیح از ہلال از عطاء بیان کی ہے اور اس میں اضافہ ہے کہ پھر میں نے کعب سے دریافت کیا تو اس نے بھی بلا کم و کاست یہی بیان کیا اور "بیوع" میں ہے' سعید از ہلال از عطاء از عبداللہ بن سلام۔ حافظ بیہقی (ابوالحسین بن مفضل قطان' عبداللہ بن جعفر'

یعقوب بن سفیان' ابو صالح' لیث' خالد بن یزید' سعید بن ابی ہلال' ہلال بن اسامہ' عطا بن یسار' ابن سلام سے بیان کرتے ہیں:

> انا لنجد صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وحرزا للأميين انت عبدي ورسولي' سميته المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولا صخاب في الاسواق ولا يجزي السيئة بمثلها ولكن يعفو ويتجاوز ولن يقبضه حتى يقيم به الملة العوجاء بان يشهدوا ان لا اله الا الله' يفتح بها اعينا عميا وآذانا صما وقلوبا غلفا. وقال عطاء بن يسار واخبرني الليثي انه سمع كعب الاحبار يقول مثل ما قال ابن سلام
>
> (اس کا ترجمہ مذکورہ بالا روایت عبداللہ بن عمرو کی طرح ہے)۔

تورات...... امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس روایت کا عبداللہ بن سلام سے بیان ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ لیکن اکثر عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے علاوہ ازیں جنگ یرموک میں ان کو اہل کتاب کی کتابوں کے دو بنڈل ملے تھے وہ ان سے بیان کیا کرتے تھے۔ اکثر اسلاف اہل کتاب کی تمام کتب پر "تورات" کا نام اطلاق کرتے ہیں' یہ نام ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے۔

آپ کی صفات—— یونس (ابن اسحاق' محمد بن ثابت بن شرحبیل' ابن ابی اوفی) ام درداء رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات کیا ہیں؟ تو اس نے بتایا محمد اللہ کے رسول' متوکل' نہ تند خو نہ سنگدل' نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے' آپ کو اور چابیاں عطا ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اندھوں کو بینائی عطا کرتا ہے اور بہروں کو قوت سماعت دیتا ہے اور کج زبانوں کو راہ راست پر لاتا ہے تاکہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی توحید کے قائل ہوں ان کے ذریعہ اللہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے (اس سند کے علاوہ بھی کعب سے مذکور ہے)۔

بیہقی (حاکم' ابوالولید فقیہ' حسن بن سفیان' عقبہ بن مکرم' ابو قطن عمرو بن ہیثم' حمزہ بن زیات' سلیمان اعمش' علی بن مدرک' ابو زرعہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں (وما كنت بجانب الطور اذ نادينا) (۲۸/۴۶) پکارا' اور آواز دے گئے' اے امت محمد! دعا مانگنے سے قبل میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور قبل از سوال تمہیں عطا کر دیا۔

زبور میں خیر الامم کا ذکر...... وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زبور میں وحی فرمائی کہ تیرے بعد ایک نبی آئے گا ان کا نام احمد اور محمد ہوگا' راست باز' سید' میں اس پر کبھی ناراض نہ ہوں گا اور نہ وہ مجھے ناراض کرے گا اور میں نے اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں ان کی امت مرحومہ اور رحمت یافتہ ہے' میں نے امت مرحومہ کو گذشتہ انبیاء کرام کے سے انعامات سے نوازا ہے' میں نے اس پر وہ فرائض عائد کیے ہیں جو سابقہ انبیاء اور رسل پر عائد تھے وہ امت میرے پاس قیامت کے روز آئے گی ان کا نور سابقہ انبیاء کے نور کی شکل ہوگا پھر بیان کیا اے داؤد! میں نے امت محمد ﷺ کو خیر الامم اور سب امتوں سے افضل قرار دیا ہے۔

گذشتہ کتابوں میں آپ کے ذکر خیر کی تصدیق قرآن مجید سے

اہل کتاب کی کتابوں میں آپ کے متعلق جو معلومات موجود ہیں وہ ضروریات دین کا جز ہیں۔ متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں من جملہ ان آیات کے (القصص ۵۲-۲۸/۵۳) جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے ہمارے رب کی طرف سے یہ حق ہے ہم تو اس کو پہلے ہی مانتے تھے۔ (۲/۱۴۶) میں ہے وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی

تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں بے شک کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (البقرہ ۱۰۷/۱۷) میں ہے بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں پر سجدہ میں گرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا یعنی محمد ﷺ کے وجود مسعود اور ان کی رسالت کا وعدہ لامحالہ پورا ہو کر رہے گا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کو کوئی مانع نہیں۔ (الاسراء)

(المائدہ ۵/۸۳) میں ہے اور جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر اتری تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے بہتی ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے ہیں تو ہمیں ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

شاہ حبش نجاشی، سلمان فارسی اور عبداللہ بن سلام وغیرہ کے قصص و واقعات میں اس مفہوم و معنی کے شواہد موجود ہیں **وللہ الحمد والمنة**

فارقلیط...... قبل ازیں ہم سیرت انبیاء علیہم السلام کے ضمن میں ان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات و نعوت، ان کے مولد و منشا، ہجرت گاہ اور امت محمدیہ کے صفات و فضائل موسیٰ، شعیا، ارمیا اور دانیال وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے قصص میں بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آگاہ فرمایا ہے کہ انہوں نے دوران خطاب فرمایا۔ (۶۱/۶) "بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔" انجیل میں فارقلیط کی بشارت مذکور ہے اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

انجیل میں...... بیہقی، عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انجیل میں موجود ہے وہ نہ تند خو ہیں نہ تنگ دل نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے ہیں اور درگزر فرماتے ہیں۔

حلیہ مبارک...... یعقوب بن سفیان، فیض بجلی، سلام بن مسکین، مقاتل بن حیان سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے احکام کی تبلیغ میں کوشش کر اے پاکباز بتول کے لخت جگر! میں نے تجھے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور دنیا کے لئے معجزہ بنایا ہے۔ بس میری عبادت کر سوران کے باشندگان کے لئے سریانی زبان میں بیان کر اور سب کو بتا دے کہ میں حق ہوں زندہ جاوید ہوں، ناخواندہ نبی عربی کی تصدیق کرو جو شتر سوار ہے، زرہ پوش ہے، صاحب تاج ہے، صاحب نعلین اور صاحب عصا ہے گھونگریالے بال والے، کشادہ پیشانی، پیوستہ ابرو، موٹی اور بڑی آنکھوں والے، پلکیں بڑی، آنکھیں سیاہ اور سرمگیں، بینی دراز، مائل رخسار ابھرے ہوئے، ریش مبارک گھنی، چہرہ انور پر پسینہ موتی کی طرح، کستوری کی مہک، گردن پر گویا نقرئی چمک ہے، ہنسلیوں میں گویا سونا متحرک ہے، سینہ سے ناف تک باریک چھڑی کی طرح بالوں کی لکیر علاوہ ازیں پیٹ پر بال نہ ہیں، ہتھیلی اور قدم پر گوشت، جب لوگوں کے ہمراہ آئے تو ان کو ڈھانپ لے، چلے تو گویا ڈھلوان سے اترتے ہیں، نرینہ اولاد سے محروم۔ بیہقی نے یہ روایت دلائل میں یعقوب بن سفیان سے بیان کی ہے۔

عجیب نادر تحریر...... حافظ بیہقی، عثمان بن حکم بن رافع بن سنان سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے خاندان کے بعض بزرگوں نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت سے ان کے ہاں ایک تحریر شدہ "ورق" پشت با پشت سے چلا آ رہا تھا تا آنکہ اسلام کا دور آیا اور وہ ان کے پاس محفوظ تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہ یہ ورق آپ کی خدمت میں لائے اس میں تحریر تھا:

"بسم الله، قوله الحق وقول الظالمين في تباب، هذا الذكر لامة تاتي في آخر الزمان يبلون
اطرافهم ويوتزرون على اوساطهم ويخوضون البحور الى اعدائهم فيهم صلاة لو كانت في قوم
نوح ما اهلكوا بالطوفان وفي عاد ما اهلكوا بالريح وفي ثمود ما اهلكوا بالصيحة بسم الله وقوله
الحق وقول الظالمين في تباب".

"بسم اللہ اس کا فرمان برحق ہے اور ظالموں کی بات برباد ہے یہ ذکر اس امت کا ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگی ان کے اعضاء

والطراف میں آزمائش ہوگی اور ان کے محبوب اور پیارے آفت ومصیبت میں مبتلا ہوں گے' دشمنوں پر سمندر عبور کر کے حملہ آور ہوں گے' ان میں مخصوص طریقہ عبادت نماز ہے۔ اگر وہ قوم نوح میں ہوتی تو طوفان میں غرقاب نہ ہوتی' عاد میں ہوتی تو وہ باد صرصر سے تباہ نہ ہوتی' ثمود میں ہوتی تو وہ چنگھاڑ سے ہلاک نہ ہوتی' بسم اللہ! اس کا فرمان سچ ہے اور ظالموں کا بول تباہ ہے' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تعجب کا اظہار کیا۔"

انبیاء علیہم السلام کی تصاویر ...... الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل (۷:۱۵۷) کے ذیل میں ہشام بن عاص اموی کا قصہ تفسیر میں بیان کیا ہے جب ابوبکر صدیق نے ان کو ہرقل کے پاس ایک قافلہ میں بھیجا تھا تو ہرقل نے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر ان کو دکھائیں ایک کپڑے میں تھیں از آدم تا محمد صلی اللہ علیہم اجمعین' جب رسول اللہ ﷺ کی تصویر نکال کر دکھائی تو وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا پھر وہ بیٹھ کر غور سے دیکھتا رہا' ہم نے اس سے پوچھا یہ تصاویر آپ کو کہاں سے میسر ہوئی ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ جملہ انبیاء کرام کی تصاویر دکھائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں یہ غروب آفتاب کے مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں محفوظ تھیں' ذوالقرنین نے یہ نکال کر دانیال علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔ پھر ہرقل نے کہا' واللہ! میری خواہش ہے کہ ملک کو خیر باد کہہ دوں اور غلامانہ زندگی بسر کروں' بعد ازاں اس نے ہمیں بیش قیمت تحائف دیے۔ جب ہم واپس ہوئے تو ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پورا قصہ بیان کیا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ مسکین ہے وہ۔ اگر قدرت کو اس کی بھلائی مقصود ہوتی تو وہ اپنے ارادوں پر عمل کر لیتا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کے پاس محمد ﷺ کی صفات وعلامات موجود تھیں' یہ روایت حاکم نے مفصل بیان کی ہے اور حافظ بیہقی نے دلائل میں ذکر کی ہے۔

اموی (عبداللہ بن زیاد) ابن اسحاق' یعقوب بن عبداللہ بن جعفر بن عمرو بن امیہ' ابو عبداللہ) جدہ عمرو بن امیہ سے بیان کرتے ہیں مجھے نجاشی نے غلام عطا کئے میں ان کو لے کر آیا تو وہ کہنے لگے جناب عمرو! اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیں تو بغیر کسی کے بتانے کے ہم ان کو پہچان جائیں' چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے تو میں نے کہا کیا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر عمر گزرے تو کہا کیا یہ وہ ہیں؟ تو پھر بھی انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر ہم گھر میں چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو وہ بلند آواز سے کہنے لگے' دیکھو! عمرو! یہ ہیں رسول اللہ ﷺ میں نے "مڑ کر" دیکھا تو واقعی آپ تھے بغیر بتائے انہوں نے پہچان لیا کہ رسول اللہ ﷺ حلیہ مبارک ان کے پاس تحریر تھا۔ (رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک کا قصہ سماعت سے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں' اس طرح تبع یمنی کا مدینہ کے محاصرہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں)۔

سیف بن ذی یزن کا قصہ اور اس کی رسول ﷺ کے متعلق بشارت

"ہواتف جان" میں ابوبکر خرائطی' عبداللہ بن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دو سال بعد' سیف بن ذی یزن (بقول نعمان بن منذر اس کا نام ہے نعمان بن قیس) جب حبشہ کو شکست دے کر کامیاب ہو گیا تو عرب کے متعدد وفود اور شعراء اس کی خدمت میں مبارکباد اور تہنیت کے لئے حاضر ہوئے' قریش کے وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم' امیہ بن عبد شمس' ابی عبداللہ بن جدعان' خویلد بن اسد وغیرہ متعدد قریش کے سربرآوردہ لوگ تھے' لوگ "صنعا" میں آئے تو معلوم ہوا کہ وہ "راس غمدان" میں ہے۔ جس کا ذکر امیہ بن ابی الصلت نے کیا ہے۔

واشرب هنيئا عليك التاج مرتفعا   في رأس غمدان داراً منك محلالا

چنانچہ "راس غمدان" میں اس کے پاس اجازت طلب کرنے والا حاضر ہوا اور اس نے وفد کی حیثیت اور قدر ومنزلت سے سیف بن ذی یزن کو آگاہ کیا تو اس نے ملاقات کی اجازت دے دی' عبدالمطلب نے دربار میں داخل ہو کر بات کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے کہا اگر آپ میرے سامنے بات کر سکتے ہیں تو اجازت ہے' چنانچہ عبدالمطلب نے کہا بادشاہ سلامت القدرت نے آپ کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے' عالی مقام عزت کیا' اعلیٰ منزلت سے نوازا ہے' اشرف خاندان میں پیدا کیا' اعلیٰ خانوادے میں نمودار کیا ہے' اس کے مجد وشرف کی اساس زمین پر ہے اور شاخ فلک

ہیں اکرم مقام اور محمود مکان میں ابیت اللعن آپ عرب کے بادشاہ ہیں ان کے لئے باراں رحمت ہیں، عرب کے امیر ہیں جن کے سامنے سارا عرب جبہ سا ہے اور ان کے قابل اعتماد ستون ہیں اور غریبوں کے ملجا وماویٰ ہیں آپ کے اسلاف بہترین اشخاص تھے اور آپ ان کے بہترین جانشین ہیں۔ اے بادشاہ ذی کرم! ہم حرم کے باشندے ہیں اور بیت اللہ کے محافظ و مجاور ہیں، آپ کے ہاں ہماری آمد کا باعث یہ ان مصائب کے رفع کا جو ہمارے لئے پریشان کن تھے، ہم تہنیت و تبریک کا وفد ہیں۔ تعزیت و ملامت کا نہیں۔ شاہ نے پوچھا اے ہدیہ تبریک پیش کرنے والے تمہارا تعارف؟ تو بتایا میں ہوں عبدالمطلب بن ہاشم! تو شاہ نے کہا، ہمارا بھانجا! تو عبدالمطلب نے کہا، جی ہاں! پھر ان کو قریب بلا کر خوش آمدید کہا کہ آپ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے ہو، نرم و گداز مقام پر آئے ہو، عطیات اور تحائف سے نوازے جاؤ گے، بادشاہ سلامت نے تمہاری بات سن لی ہے اور رشتہ و ناطہ معلوم کر لیا ہے۔ یہاں شب و روز تمہارے ہیں جب تک قیام رہے، کوچ کرو تو ہدایا اور تحائف۔ بعد ازاں یہ وفد شاہی محل میں چلا آیا، پورا ایک ماہ قیام رہا، بادشاہ واپسی کی اجازت نہ دے رہے تھے۔

یکا یک شاہ کو خیال آیا اس نے عبدالمطلب کو بلایا، تنہائی میں اپنے قریب بٹھایا اور رازداری کے لہجہ میں بتایا، جناب عبدالمطلب! میں آپ کو اپنا محرم راز بناتا ہوں آپ کے علاوہ کسی کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، میں آپ کو راز سے آگاہ کرتا ہوں وہ آپ کے پاس راز رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کو آشکارا کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے۔ میں اپنی خصوصی کتاب اور ذاتی علم میں جو ہم نے اپنے لئے محفوظ رکھا ہے ایک عظیم خبر اور دل آویز واقعہ پاتا ہوں جو انسانیت کے لئے دو عالم میں مفید ہے، خصوصاً آپ کے خاندان کے لئے تو عبدالمطلب نے کہا بادشاہ سلامت! آپ جیسے بادشاہوں کی ہر بات راز اور محمود ہوتی ہے۔ فرمائیے وہ کیا ہے؟ آپ پر سب خیمہ نشین صدقے اور قربان! اس نے کہا، تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا، اس کی ایک علامت ہوگی کہ اس کے کندھوں کے درمیان تل ہوگا وہ دنیا کا مقتدیٰ اور پیشوا ہوگا اور اس کی بدولت تا قیامت آپ کے ہاتھ میں زعامت و قیادت ہوگی۔

عبدالمطلب نے کہا بادشاہ سلامت! میں ہر شریک قافلہ سے بانصیب ہوں، اگر شاہ کی ہیبت اور عظمت و شوکت مانع نہ ہو تو دریافت کروں کہ خصوصاً مجھے یہ بشارت کیوں سنائی ہے؟ تو ابن ذی یزن نے کہا، یہ اس کی ولادت کا وقت ہے یا وہ پیدا ہو چکا ہے اس کا نام محمد ہے اور وہ یتیم ہے اس کا دادا اور چچا کفیل ہے پشت بہ پشت وہ ہم میں منتقل ہوتا رہا ہے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والا ہے، ہم سے اللہ تعالیٰ اس کے انصار و مددگار پیدا کرے گا۔ اس کے دوستوں کو ان کی بدولت عزت بخشے گا اور دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گا اور عوام کو ان کی آماج گاہ بنائے اور ان کے تعاون سے زرخیز علاقے کو فتح کرے گا۔ وہ بتوں کو توڑے گا، آتش کدے کو بجھا دے گا، اللہ کی پرستش کرے گا، شیطان کو دھتکار دے گا۔ اس کا فرمان دو ٹوک ہے۔ اس کا حکم عدل و انصاف ہے۔ نیکی کا حکم دیتا ہے اور نیکی کرتا ہے برائی سے منع کرتا ہے۔

عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! آپ کا مقدر غالب ہو، وقار بلند ہو، عمر دراز ہو، اس راز کی مزید وضاحت فرمائیے تو سیف بن ذی یزن نے کہا، غلاف والے بیت اللہ کی قسم اور گھاٹیوں کے علامات کی قسم! اے عبدالمطلب! آپ ان کے دادا ہیں، یہ بشارت سن کر عبدالمطلب سجدہ ریز ہو گئے تو ابن ذی یزن نے کہا سر اٹھائیے، آپ کا دل ٹھنڈا ہو اور نصیب بلند ہو، میرے بیان سے آپ کو کچھ خیال آیا۔ تو عبدالمطلب نے کہا، بادشاہ سلامت! میرا ایک بیٹا تھا، وہ مجھے بہت پیارا تھا، میں نے برادری کی معزز خاتون آمنہ بنت وہب سے اس کی شادی کی، اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا، میں نے اس کا نام رکھا ”محمد“ وہ یتیم ہو گیا تو میں نے اور اس کے چچا نے کفالت کی۔

ابن ذی یزن نے کہا، جو بات میں نے آپ کو بتائی ہے وہ اسی طرح برحق ہے، اپنے بیٹے کو یہود سے بچانا وہ اس کے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر ان کی دسترس نہیں کرے گا، یہ راز اپنے رفقائے سفر کے پاس افشاء نہ کرنا، مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہاری سیادت و قیادت پر حسد کریں گے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے“ یہ خود کریں گے یا ان کی اولاد“ اس کی بعثت کے قبل مجھے موت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں خود یثرب میں چلا آتا۔ مجھے حق اور علم سابق سے معلوم ہے کہ یثرب میں اس کی حکومت مستحکم ہوگی، اور اس کے باشندے اس کے مددگار ہوں گے اور وہاں اس کا مقبرہ ہوگا۔ اگر مجھے اس کو آفات و خطرات سے محفوظ رکھنے کا خیال نہ ہوتا تو کم عمر میں اس کا اعلان کر دیتا اور اشراف عرب کو اس کا تابع کر دیتا، لیکن میں تمہارے رفقاء کے حقوق کو نظرانداز کئے بغیر یہ سرداری صرف آپ کے سپرد کرتا ہوں۔

روانگی کے وقت ابن ذی یزن نے وفد کے ہر فرد کو دس غلام، دس کنیزیں، دو دو سوٹ، پانچ رطل سونا، دس رطل چاندی، پورا ایک کرش عنبر خوشبو عطا کیا اور عبدالمطلب کو اس سے دس گنا عطیہ دیا اور عبدالمطلب کو کہا سال بعد ضرور تشریف لانا، مگر سیف بن یزن سال گزرنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔ عبدالمطلب بکثرت کہا کرتے تھے، میں شاہ کے عطیہ جات کا خواہشمند نہیں کیونکہ وہ تو زوال پذیر ہیں، لیکن میں اس امر کا آرزومند ہوں جس کا شرف وافتخار اور تذکار میری نسل میں تا ابد باقی رہے گا جب اس سے دریافت ہوتا کہ یہ کب ہوگا تو کہتے وہ ظہور پذیر ہوگا، خواہ دیر بعد۔ اس سفر کے بارے امیہ بن عبدشمس نے کہا:

جلبنا النصح تحقبه المطايا
على أكوار أجمال ونوق
مغلغلة مراتعها تعالى
إلى صنعاء من فج عميق
تؤم بنا ابن ذي يزن وتفري
بذات بطونها ذم الطريق
وترعى من مخائله بروقا
مواصلة الوميض إلى بروق
فلما واصلت صنعاء حلت
بدار الملك والحسب العريق

"ہم سواریوں کے پالانوں پر سوار تہنیت کا سندیسہ لیے جا رہے ہیں صنعا کی طرف کشادہ راستوں پر جن کی چراگاہیں آب ودانہ سے پر ہیں۔ ان حاملہ سواریوں کا پر امن راہوں میں قصد ہے ابن ذی یزن۔ وہ اس کے بادلوں سے مسلسل بجلیاں چمکتی دیکھ رہی ہیں۔ جب وہ صنعا پہنچ گئیں تو وہ شاہی مہمان خانہ میں داخل ہو گئے"۔

دلائل میں اسی طرح حافظ ابونعیم نے عمرو بن بکیر قعنبی کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد نام کیوں رکھا...... ابوبکر خرائطی (ابو یوسف یعقوب بن اسحاق قلوسی، علاء بن فضل بن ابی سویہ، ابو فضل بن ابی سویہ، ابو عبدالملک بن ابی سویہ جد ابی سویہ) ابو خلیفہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن عثمان بن ربیعہ بن سواۃ بن خشم بن سعد تمیمی سے پوچھا کہ تیرے والد نے محمد نام کیوں رکھا؟ تو اس نے بتایا میں نے بھی یہ اپنے والد سے پوچھا تھا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں بنی تمیم کے تین افراد...... سفیان بن مجاشع بن دارم اور اسامہ بن مالک بن جندب اور یزید بن ربیعہ بن کنانہ بن حریص کے ہمراہ شاہ غسان ابن جفنہ کے دربار میں حاضر ہوا ہم شام کی سرحد پر ایک تالاب جس پر درخت تھے فروکش ہوئے، ایک راہب نے ہماری گفتگو سن کر پوچھا کون ہو، یہ اس علاقہ کی زبان نہیں ہے تو ہم نے بتایا ہاں ہم مضری ہیں۔ اس نے پھر پوچھا کون سے مضر؟ ہم نے کہا خندف خاندان سے، تو اس نے بتایا عنقریب خاتم انبیاء مبعوث ہوگا، تم اپنے علاقہ میں جاؤ اور اپنے مقسوم حاصل کرو، راہ راست پر ہو گے، ہم نے اس سے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ تو اس نے بتایا محمد نام ہے چنانچہ ہم وہاں سے واپس ہوئے تو ہر ایک کے ہاں لڑکا پیدا ہوا سب نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا کہ یہی موعود نبی ہو جس کی بشارت ہوئی ہے۔

اوس کی پیش گوئی...... حافظ خرائطی جابر بن جدان بن سماک سے بیان کرتے ہیں کہ اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی وفات کے وقت اس کی قوم غسان کے لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا آپ بزرگ ہیں آپ کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں، ہم آپ کو شادی کی ترغیب دلاتے ہیں، آپ کا صرف ایک ہی بیٹا مالک ہے۔ یہ سن کر اوس نے کہا جس کا مالک جیسا ایک بیٹا ہو وہ بھی بے نام ونشان نہیں رہتا وہ اللہ جو پتھر سے آگ پیدا کرتا ہے وہ قادر ہے کہ مالک کی نسل سے بہادر نوجوان پیدا کرے۔ پھر وہ اپنے بیٹے مالک سے مخاطب ہوا۔ ذلت سے موت اچھی، عتاب پ

کی ملامت سے حجاب بہتر ہے۔ صبر بے جا فصاحت سے اچھا ہے قبر فقر سے بہتر ہے جزع اور بے صبری کمل ہوتا ہے پیدا ہونے والا اقرار ہوتا ہے اچھے آدمی کی خوبی یہی خواتین کو دفع ہے۔ زمانہ دو قسم کا ہے موافق ہو تو اتراؤ نہ مخالف ہو تو صبر کرو دونوں حال زوال پذیر ہیں نہ تاج و تخت کا مالک رہے گا نہ کمینہ اور نہ تو اس وہ دادا اپنے سے مصالحت و مسامحت کر۔ اللہ تجھے زندہ جاوید کرے پھر اس نے کہا

شهدت المنايا يوم آل محرق
وادرك امري صيحة الله في الحجر
فلم أر ذا ملك من الناس واحدا
ولا سوقة الا الى الموت والقبر
فعل الذي أردى ثمودا وجرهما
سيعقب لي نسلا على آخر الدهر
تقربهم من آل عمرو بن عامر
عيون لدى الداعي الى طلب الوتر
فان لم تك الايام ابلين جدتي
وشيبن راسي والمشيب مع العمر

"میں آل محرق کی جنگ میں اسیروں کی گرفتاری کے وقت موجود تھا اور اللہ کے عذاب نے اہل حجر کو نیست و نابود کر دیا۔ ہر حاکم اور محکوم راعی اور رعیت کا انجام موت اور قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے ثمود اور جرہم کو ہلاک کر دیا۔ وہ میری نسل کو ابدالآباد تک باقی رکھے گا۔ بدلہ لینے والے کی پکار کے وقت ان سے آل عمرو بن عامر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اگر وہ زمانہ نہیں رہا جس نے مجھے بڑھاپے سے دوچار کر دیا ہے (بڑھاپا عمر کے ساتھ ہے) کوئی عجب نہیں"۔

فان لنا ربا على فوق عرشه
عليما بما ياتي من الخير والشر
الم يات قومي ان لله دعوة
يفوز بها أهل السعادة والبر
اذا بعث المبعوث من آل
غالب بمكة فيما بين مكة والحجر
هنالك فابغوا نصره ببلادكم
بني عامر ان السعادة في النصر

"عرش پر ہمارا رب ہے جو ہر خیر و شر کو خوب جانتا ہے۔ کیا میری قوم کو معلوم نہیں کہ اللہ کا ایک پیغام ہے جس سے سعید اور نیک لوگ بہرہ ور ہوں گے۔ جب آل غالب سے ایک نبی مبعوث ہوگا۔ مکہ میں جو حجر اور مکہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اس وقت تم اپنے علاقہ میں اس کی مدد کرو اے بنی عامر! بے شک سعادت اس کی مدد میں منحصر ہے"۔

غیبی آوازوں سے آپ ﷺ کی بعثت کا اقرار: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عمر کا ظن وگمان عموماً صحیح ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ ایک حسین وجمیل آدمی آپ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر میرا ظن وتخمینہ غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلی دین پر قائم ہے یا جاہلیت میں کاہن تھا اور حکم فرمایا کہ اس کو بلاؤ وہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مذکورہ بالا بات کہی اس نے کہا کہ مجھ سے آج تک ایسی بات کسی نے نہیں کی ہاں تو اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں واقعی جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، آپ کے جن کا عجیب تر واقعہ کون سا ہے؟ اس نے کہا میں ایک روز بازار میں تھا تو وہ جن میرے پاس نہایت پریشان حال میں آیا اور کہا:

الم تر الجن وابلاسها
ويأسها من بعد انكاسها؟
ولحوقها بالقلاص
واحلاسها

"کیا تو نے جنات کو اور ان کی ناامیدی اور مایوسی کو پلٹنے کے بعد اور ان کا اپنی سواریوں اور پشت پوش کے ساتھ چمٹ جانے کو نہیں دیکھا؟"

حضرت عمر نے کہا اس نے صحیح کہا ہے میں بھی ایک دفعہ بتوں کے پاس سو رہا تھا کہ ایک آدمی گائے کا بچھڑا لے کر آیا پھر اس کو ذبح کیا اس کے اندر سے ایک بلند آواز آئی جو میں نے کبھی نہ سنی تھی وہ آواز یہ تھی (یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الٰہ الا اللہ) اے جلیح! ایک عمدہ کام ہے کہ ایک فصیح انسان لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے میں وہاں سے اٹھ کر چل دیا کچھ عرصہ بعد مشہور ہو گیا کہ وہ فصیح انسان نبی علیہ السلام ہیں۔ (تفرد بہ البخاری)

سواد بن قارب...... ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ابن سواد بن قارب ازدی یا سدوسی "سراۃ" کے کوہ پائے بالا کا باشندہ تھا اور ابن مندہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابو جعفر محمد بن علی اس سے روایت بھی بیان کرتے ہیں اور بقول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں حافظ احمد بن روح بردعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے عثمان وقاصی نے محمد بن کعب قرظی سے کیا ہے کہ ان کا شمار "اشراف یمن" میں تھا۔ ابو نعیم نے "دلائل" میں ذکر کیا ہے اور یہ بیان متعدد اسناد سے منقول اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے طویل ہے محمد بن اسحاق، عبداللہ بن کعب مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں لوگوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے مسجد میں آیا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ شخص یا تو مشرک ہے یا قبل از اسلام کاہن تھا وہ شخص سلام کہہ کر بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا مسلمان ہو؟ تو اس نے کہا جی ہاں، اے امیر المؤمنین۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جاہلیت میں کاہن تھے اس نے کہا سبحان اللہ! آپ میرے متعلق بدگمان ہیں اور آپ نے مجھ سے یہ طرز کلام اختیار کیا ہے جو شاید آپ نے کسی سے بھی اختیار نہ کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی پناہ ہم تو قبل از اسلام اس سے بھی بدترین حال میں تھے کہ بتوں کے پرستار اور ان کے دلدادہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے نوازا۔ یا تو اس شخص نے کہا جی ہاں! میں جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے جن کی کوئی بات سناؤ تو اس نے کہا کہ اسلام کے ظہور سے قریباً ایک ماہ قبل جن نے مجھ سے کہا: الم تر الی الجن وابلاسها وایاسها من دینها ولحوقها بالقلاص واحلاسها (اس کا ترجمہ گزر رہا ہے) ابن اسحاق کہتے ہیں یہ کلام مسجع اور موزوں ہے اشعار نہیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جاہلی دور میں قریش کے چند افراد کے ہمراہ ایک بت کے پاس موجود تھا کسی نے بچھڑا ذبح کیا ہم اس کے گوشت کی تقسیم کے منتظر تھے کہ یکا یک میں نے اس کے پیٹ سے عجیب آواز سنی کہ کبھی نہ سنی تھی یہ اسلام کے ظہور سے تقریباً ایک ماہ کا واقعہ ہے وہ آواز یہ تھی: یا ذریح امر نجیح رجل یصیح یقول: لا الٰہ الا اللہ اور بقول ابن ہشام وہ الفاظ یہ ہیں: رجل یصیح بلسان فصیح یقول لا الٰہ الا اللہ (اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے) بعض نے یہ اشعار پڑھے۔

عجبت للجن وإبلاسها
وشدها العيس بأحلاسها
تهوي إلى مكة تبغي الهدى
ما مؤمنو الجن كأنجاسها

"مجھے جنات اور ان کی ناامیدی اور ان کے [illegible] پر تعجب ہے جو مکہ کی جانب ہدایت کی طلب میں جا رہے ہوتے ہیں۔ مسلمان جن ناپاک جنات کے مثل نہیں۔"

سواد بن قارب کا قبول اسلام:۔ حافظ ابو یعلیٰ نے [illegible] علی بن منصور [illegible] محمد بن عبدالرحمٰن وقاصی [illegible] محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب [illegible] پھر کہنے لگا:

عجبت للجن وتطلابها
وشدها العيس بأقتابها
تهوي إلى مكة تبغي الهدى
ما صادق الجن ككذابها
فارحل إلى الصفوة من هاشم
ليس قداماها كأذنابها

"مجھے جنات اور ان کی تلاش اور ان کے [illegible] پر تعجب ہے جو مکہ کی طرف ہدایت کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ سچا جن جھوٹے جن کی طرح نہیں ہے [illegible] بنی ہاشم کے برگزیدہ انسان کی طرف روانہ ہو جا [illegible] اگلے پچھلوں کی مانند نہیں ہوتے۔"

[illegible] پھر کہنے لگا:

عجبت للجن وتخبارها
وشدها العيس بأكوارها
تهوي إلى مكة تبغي الهدى
ما مؤمنو الجن ككفارها
فارحل إلى الصفوة من هاشم
بين روابيها وأحجارها

"مجھے جنات اور ان کی خبروں اور ان کے [illegible] پر تعجب ہے جو ہدایت کی تلاش میں مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔ مسلمان جن کافر جنوں کی مانند نہیں [illegible] بنی ہاشم کے برگزیدہ انسان کی طرف روانہ ہو جا [illegible] ہے۔"

میں نے کہا چھوڑ، مجھے سونے دو تیسری رات پھر آیا اور اس نے پیر مار کر کہا سواد! کھڑا ہو جا میری بات پر غور کر اور سمجھ اگر عقل و تمیز ہو لوی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہے، پھر اس نے کہا۔

عجبت للجن وتحسابها
وشدها العيس باحلاسها
تهوي الى مكة تبغي الهدى
ما خير الجن كانجاسها
فارحل الى الصفوة من هاشم
واسم بعينيك الى راسها

”میں نے جنات اور ان کے ادراک وعلم اور ان کے قصد سفر پر حیرت کا اظہار کیا جو مکہ کی طرف رشد وہدایت کے لئے کمربستہ ہیں ان کا بہتر اور پاک پلید کی طرح نہیں، آل ہاشم کے ممتاز شخص کی طرف چلو اور اپنی آنکھوں سے ان کا سر اور چہرہ دیکھو“۔

یہ سن کر میں اٹھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل کھول دیا ہے چنانچہ میں سوار ہو کر مکہ آیا اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا کلام سماعت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو چنانچہ میں نے کہا۔

اتانى نجيى بعد هدء ورقدة
ولم يك فيما قد تلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة
اتاك رسول من لوى بن غالب
فشمرت عن ذيلي الازار ووسطت
بي الذعلب الوجناء غبر السباسب
فاشهد ان الله لا شيء غيره
وانك مامون على كل غائب

”میرا ہمراز (یعنی جن) رات بھیگ جانے اور سو جانے کے بعد آیا اور جو میں بتا رہا ہوں اس میں وہ جھوٹا نہیں۔ متواتر تین رات اس کا یہ کہنا تھا کہ تیرے پاس لوی ابن غالب کی طرف سے ایک رسول آیا ہے۔ میں گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا ہر چیز زوال پذیر ہے اور تو ہر غالب آنے والے سے محفوظ و مامون ہے“۔

وانك ادنى المرسلين وسيلة
الى الله يا ابن الاكرمين الاطايب
فمرنا بما ياتيك يا خير من مشى
وان كان فيما جاء شيب الذوائب
وكن لي شفيعا يوم لا ذو شفاعة
سواك بمغن عن سواد بن قارب

”بیشک آپ تمام انبیاء کی نسبت اللہ کی طرف قریب ہیں، اے اکرم اور اطیب آباء و اجداد کے لخت جگر! اے ہر چلنے والے سے بہتر! آپ نازل ہونے والے احکام کی اطاعت کا حکم فرمائیں اگرچہ وہ کتنے ہی دشوار ہوں۔ اس روز آپ میرے شفیع ہوں جب آپ کے بغیر سواد کو کسی سفارشی کی سفارش سود مند نہ ہو“۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ یہ اشعار سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرطِ مسرت سے ان کے چہرے چمک اٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغل گیر ہو گئے اور کہا کہ میری دیرینہ آرزو تھی کہ یہ روایت آپ سے بالمشافہ سنوں، کیا اب بھی وہ جن آپ کے پاس آتا ہے؟ تو اس نے کہا جب سے میں نے قرآن کی تلاوت شروع کی ہے وہ نہیں آیا اور بیشک جنات کی صدائے غیبی سے قرآن بہتر ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایک روز آل ذریح کے محلہ میں تھے کہ ایک صاحب نے بچھڑا ذبح کیا، قصاب گوشت بنا رہا تھا کہ بچھڑے کے اندر سے آواز آئی (آواز والا نظر نہیں آ رہا تھا) ”اے آل ذریح! کامیاب امر ہے، وہ زبان فصیح سے کوئی گواہی دے رہا ہے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں“ (یہ سند منقطع ہے اور بخاری کی روایت اس کی تائید ہے اور یہ بات مصدقہ ہے کہ بچھڑے کی آواز سننے والے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم)۔

مکہ کا ارادہ..... ”ہواتف جان“ میں ابوبکر خرائطی، ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ سواد بن قارب سدوسی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے کہا سواد! تمہیں خدا کی قسم ہے یہ بات بتاؤ کہ کیا تم آج بھی کہانت کا کام کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا اے امیر المومنین! یہ بات نہایت تعجب خیز ہے آپ نے کسی ہم نشین سے ایسی سخت بات نہیں کی جیسی مجھ سے کی ہے۔ تو امیر المومنین نے کہا اے سواد! شرک کے ارتکاب کا معاملہ تو آپ کی کہانت سے بڑا ہے، واللہ سواد! آپ کی ایک عجیب بات معلوم ہوئی ہے تو اس نے کہا ہاں واللہ وہ عجائبات میں سے ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بتائیے؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کاہن تھا، میں ایک رات سو رہا تھا کہ میرا جن آیا اس نے پیر مار کر کہا سواد! سنو جو میں کہتا ہوں۔ میں نے کہا کہو کیا بات ہے؟ تو اس نے یوں کہا:

عجبت للجن وتجساسها
ورحلها العيس باحلاسها
تهوي الى مكة تبغي الهدى
ما مؤمنوها مثل ارجاسها
فارحل الى الصفوة من هاشم
واسم بعينيك الى راسها

میں یہ سن کر سو گیا اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی، دوسری رات پھر وہ آیا اور پیر مار کر کہا سواد! سنو، میں نے کہا سنائیے تو اس نے کہا:

عجبت للجن وتطلابها
وشدها العيس باقتابها
تهوي الى مكة تبغي الهدى
ما صادق الجن ككذابها
فارحل الى الصفوة من هاشم
ليس القدام كاذنابها

”یہ سن کر مجھے کچھ تعجب ہوا اور میں سو گیا تیسری رات بھی اس نے حسب معمول جگا کر کہا سواد! سمجھتا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کیا؟ تو اس نے کہا کہ مکہ میں نبی ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، ان سے جا کر ملو اور مزید سنو جو میں کہتا ہوں!“

تو میں نے کہا سناؤ تو اس نے کہا

عجبت للجن وتنفارها
ورحلها العيس باكوارها

تهوي الى مكة تبغي الهدى
ما مؤمنو الجن ككفارها
فارحل الى الصفوة من هاشم
بين روابيها واحجارها

میں سمجھ گیا کہ قدرت نے میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ میں لباس پہن کر اونٹنی پر سوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا، آپ ﷺ نے مجھے مسلمان ہونے کو کہا، میں مسلمان ہو گیا اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان جمع ہوں تو دوبارہ سنانا۔"

جب مسلمان جمع ہو گئے تو میں نے کہا:

اتاني نجيي بعد هدء ورقدة
ولم يك فيما قد بلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة
اتاك رسول من لؤي بن غالب
فشمرت عن ذيلي الازار ووسطت
بي الدعلب الوجناء غبر السباسب

یہ سن کر مسلمان نہایت خوش ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آج بھی وہ آپ کے پاس آتا ہے؟ تو میں نے کہا جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا ہے وہ نہیں آتا۔ (یہ اشعار مع ترجمہ گذر چکے ہیں)۔

جن کا واقعہ...... محمد بن سائب کلبی راوی۔ عمر بن حفص سے بیان کرتے ہیں کہ سواد بن قارب جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے کہا اے سواد کیا اب بھی کہانت کا پیشہ کرتے ہو؟ وہ یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور کہا اے امیر المومنین! آپ نے بھی ایسی سخت اور ناروا بات شاید کسی سے نہ کہی ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا، اے سواد! اسلام سے قبل ہم جس شرک کے مرتکب تھے وہ تو اس سے بھی بڑا گناہ تھا، پھر سواد سے کہا، آپ جن کا واقعہ سنائیں، میں آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا تو سواد نے کہا: میں "سراۃ" میں شب کو اونٹوں کے باڑے میں تھا اور سویا ہوا تھا، میرا ہمراز جن میرے پاس آیا اور اس نے پیر مار کر مجھے کہا سواد اٹھ "تہامہ" میں نبی ظاہر ہو چکا ہے، وہ حق اور صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہے۔ (پھر حسب سابق اس نے بیان کیا) اور اس کے آخر میں یہ شعر زائد ہے:

وكن لي شفيعا يوم لا ذو قرابة   سواك بمغن عن سواد بن قارب

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کہا، اپنی قوم میں جاؤ اور یہ اشعار ان کو سناؤ۔

جبل سراۃ...... حافظ ابن عساکر سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے سواد بن قارب ازدی نے بتایا کہ میں "کوہ سراۃ" پر سویا ہوا تھا کہ جن نے مجھے ٹھوکر ماری...... باقی قصہ سابق کی طرح ہے۔

ہند...... حافظ ابن عساکر (محمد بن براء، ابوبکر بن عیاش راوی ابو اسحاق) براء سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے سواد بن قارب نے بتایا کہ میں ہند میں فروکش تھا کہ ایک رات میرے پاس میرا تابع جن آیا (حسب سابق کامل قصہ بیان کرنے کے بعد کہا) کہ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آ گئیں اور فرمایا سواد پھر تو فلاح پا گیا ہے۔

مازن عمانی...... دلائل میں ابو نعیم، عبد اللہ عمانی سے بیان کرتے ہیں کہ شہر عمان کی نواحی بستی "سمایا" میں صنم خانہ تھا، اس کا مجاور مازن بن

منسوب تھا۔ ان کی والدہ زینب بنت عبداللہ بن ربیعہ بن خویص (کے بھائی بنی نمران) تھیں۔ ان کے ماموں بنی صامت، بنی خطامہ اور بنی مہرہ تھے، یہ بت کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مازن سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے بت کے پاس ایک جانور ذبح کیا، بت سے آواز آئی اے مازن سنو! مسرت ہوگی، کیونکہ خیر ظاہر اور شر مخفی ہو گیا ہے۔ "مضر" سے ایک نبی اللہ کے عظیم دین کے ساتھ مبعوث ہو چکا ہے، پس پتھر سے تراشے ہوئے بت ترک کر دے اور دوزخ کی حرارت سے محفوظ رہے گا۔ مجھے یہ سن کر بڑی پریشانی اور حیرانی ہوئی چند دن بعد پھر ایک جانور ذبح کیا تو پھر بت سے آواز آئی، میری طرف متوجہ ہو ایک بھلی بات سن، یہ نبی مبعوث اللہ کی طرف سے حق لایا ہے اس پر ایمان لاؤ آگ کی حرارت سے محفوظ ہو گے، اس آگ کا ایندھن پتھر ہے۔

پھر مازن نے کہا یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا اور میرے نیک مقصد کا مظہر تھا۔ ایک بار حجاز سے آدمی آیا ہم نے پوچھا کوئی نئی خبر لائے ہو؟ اس نے کہا احمد ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ جو ہر ایک سے کہتا ہے اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو۔ میں نے کہا یہی وہ بات ہے جو میں نے بت سے سنی تھی۔ چنانچہ میں نے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا اور سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا اور میں نے مسلمان ہو کر کہا:

كسرت باجر أجذاذا وكان لنا
ربا نطيف به ضلا بضلال
فالهاشمي هدانا من ضلالتنا
ولم يكن دينه مني على بال
يا راكبا بلغن عمرا وإخوتها
أني لما قال ربي باجر قالي

"میں نے "باجر" بت کو پاش پاش کر دیا، ہمارا ایک رب تھا ہم گمراہی کی وجہ سے اس کا طواف کرتے۔ ہاشمی نبی نے ہمیں گمراہی سے بچایا، ان کا دین میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ اے جانے والے! عمرو اور اس کے بھائیوں (بنی صامت، بنی خطامہ) کو بتا دے کہ جو شخص "باجر" کو خدا کہتا ہے میں اس کا دشمن ہوں"۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! میں راگ و سرود کا شوقین اور عورتوں کا دلدادہ اور شراب کا رسیا ہوں، ہم قحط سالی کا شکار ہو گئے، مال مویشی اور کنبہ بھی ختم ہو گیا، میں لاولد ہوں، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ بے ہودگی دور کرے، بے شرمی کی جگہ حیا عطا کرے اور مجھے نرینہ اولاد سے نوازے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: یا اللہ! اس کو نغمہ و سرود کے بجائے قرآن کی تلاوت کی توفیق دے، حرام کے بجائے حلال کی خواہش پیدا کر، بدکاری کے بجائے عصمت و پاکدامنی سے ہمکنار کر اور بیٹا عطا کر۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا قبول کی۔ میں بدکاری اور برائیوں سے دور ہو گیا، عمان خوشحال ہو گیا، میں نے چار شادیاں کیں، نصف قرآن حفظ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا حیان بن مازن عطا کیا اور میں نے کہا:

إليك رسول الله خبت مطيتي
تجوب الفيافي من عمان إلى العرج
لتشفع لي يا خير من وطئ الحصى
فيغفر لي ربي فأرجع بالفلج
إلى معشر خالفت في الله دينهم
فلا رأيهم رأيي ولا شرجهم شرجي

"یا رسول اللہ! آپ کی طرف میری سواری میدانوں کو طے کرتی آئی ہے عمان سے عرج تک۔ تاکہ آپ میری شفاعت کریں کہ میرا رب مجھے بخشے اور میں کامیاب لوٹوں ایسے لوگوں کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ کی خاطر مخالفت کی ہے، ان کی رائے میری رائے نہیں اور نہ ان کا طریقہ میرا طریقہ ہے"۔

وکنت امرءا بالخمر والعھر مولعا
شبابی حتی آذن الجسم بالنھج
فبدلنی بالخمر خوفا وخشیۃ
وبالعھر احصانا فحصن لی فرجی
فاصبحت ھمی فی الجھاد ونیتی
فللہ ما صومی وللہ ما حجی

"میں عہد شباب میں شراب اور زنا کا رسیا تھا یہاں تک کہ میں نے جسم کو ست اور خراب کر دیا۔ اس نے مجھے شراب کے خمار کے بدلے خوف اور خشیت عطا کی اور زنا کے بدلے پاکبازی اور میری شرمگاہ کو پاک کر دیا۔ میرا مقصد اور ارادہ جہاد کے لئے وقف ہے اللہ ہی کے لئے میرا روزہ اور حج ہے"۔

جب میں اپنی قوم کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے طعن و ملامت کی اور برا بھلا کہا اور ایک شاعر سے میری ہجو کروائی۔ میں نے سوچا کہ ان کی ہجو کروں تو اپنی ہی ہجو کروں گا، چنانچہ میں ان سے الگ ہو گیا۔ مجھے ان کی [illegible] خبر پہنچی چونکہ میں ان کے قومی امور کا نگران تھا اس لئے انہوں نے مجھ سے التجا کی کہ اے ابن عم! ہم نے آپ کی صرف حرف گیری کی اور آپ کے اقتدار کو ناگوار سمجھا اگر تم اپنے دین پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں واپس چلے آؤ قوم کے امور سرانجام دو اب جس دین پر چاہو رہو چنانچہ میں ان کے ہمراہ واپس قوم میں چلا آیا اور یہ کہا:

لبغضکم عندنا مر مذاقہ
وبغضتنا عندکم یا قومنا لبن
لا یفطن الدھر ان بثت معایبکم
وکلکم حین یثنی عیبنا فطن
شاعرنا مفحم عنکم وشاعرکم
فی حربنا مبلغ فی شتمنا لسن
ما فی القلوب علیکم فاعلموا وغر
وفی قلوبکم البغضاء والاحن

"اے میری قوم! ہمارا تم سے بغض رکھنا تلخ اور ناگوار ہے اور تمہارا ہم سے بغض رکھنا شیریں اور خوشگوار دودھ کی طرح ہے تمہارے عیبوں کو لوگ اہمیت نہیں دیتے جبکہ ہماری کوتاہیوں کو ہر کوئی اہمیت دیتا ہے ہمارا شاعر تم سے درگزر کرتا ہے اور تمہارا شاعر ہمارے بارے میں بدزبان ہے اور ہجو پر لسان ہے خوب بیان کرتا ہے ہمارے دلوں میں تمہارے متعلق کوئی غصہ اور کینہ نہیں اور تمہارے دلوں میں ہمارے خلاف کینہ اور بغض کھولتا ہے"۔

حضرت مازن کہتے ہیں کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

ابو نعیم، مجاہد، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ایک عورت کو جن کے ذریعے معلوم ہوئی وہ سفید پرندے کی شکل میں آ کر اس کی دیوار پر بیٹھ گیا، اس عورت نے کہا نیچے کیوں نہیں آ جاتا کہ ہم آپس میں کچھ حال دل کہیں تو اس نے کہا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اور ہمارا سکون چھین لیا۔ واقدی، علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی خبر سب سے پہلے مدینہ میں ایک عورت "فاطمہ" کے جن نے پہنچائی وہ جن ایک روز آیا اور دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: نیچے کیوں نہیں اترتے؟ اس نے جواب دیا بالکل نہیں اتروں گا کیونکہ ایک رسول مبعوث ہوا ہے جس نے زنا کو حرام قرار دے دیا ہے۔ بعض دوسرے تابعین نے بھی اس کو مرسل بیان کیا ہے اور اس جن کا نام "ابن لوذان" بتایا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک مدت تک اس سے غائب

رہا عرصہ دراز کے بعد آیا تو اس عورت نے اسے ڈانٹا جن نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آیا ہوں میں نے ان سے سنا ہے کہ زنا حرام ہے۔ **فعلیک السلام۔**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر...... علامہ واقدی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہم شام کی طرف ایک تجارتی قافلہ میں روانہ ہوئے جب ہم حدود شام میں داخل ہوئے تو ایک کاہنہ نے ہمیں بتایا کہ ایک دفعہ میرا جن میرے پاس آیا اور وہ دروازے پر رک گیا میں نے کہا کہ اندر کیوں نہیں آتے؟ تو اس نے کہا: میں اندر نہیں آ سکتا، کیونکہ احمد نامی نبی آیا ہے اور ایک ناگزیر حکم لایا ہے، جس کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں، پھر وہ چلا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مکہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں اور اللہ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں۔

سعیرہ کا جن...... علامہ واقدی نے محمد بن عبداللہ زہری سے نقل کیا ہے کہ ابتداء جن آسمانی خبریں سن لیتے تھے جب اسلام کا ظہور ہوا تو سننے سے روک دیئے گئے۔ سعیرہ واسدی کا ایک جن تھا جب اسے معلوم ہوا کہ وحی کی سماعت پر پابندی عائد ہو گئی ہے تو وہ سعیرہ کے سینے میں داخل ہو گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ چنانچہ وہ عورت دیوانی ہو گئی۔ وہ جن اس کے سینے سے یہ پکارتا تھا:

"وضع العناق ومنع الرفاق وجاء امر لا يطاق واحمد حرم الزنا".

"بدکاروں کے اوپر حضرت ﷺ کی طرف سے [illegible] اور سختیاں نافذ ہو گئی ہیں، اب اس حکم کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں ہے۔"

جن کا "خلصہ" نامی لڑکی سے جماع کرنا اور اس سے بچہ پیدا ہونا...... حافظ ابوبکر خرائطی (عبداللہ بن محمد بلوی از عمارہ بن یزید، عیسیٰ بن یزید، صالح بن کیسان) مرداس بن قیس سدوسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہانت اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی وجہ سے تبدیلی کا ایک تذکرہ ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے ہاں بھی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا تھا کہ ایک نیک سیرت "خلصہ" نامی لڑکی تھی ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک وہ لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کہا: اے معشر دوس! میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ مجھے تم پاک دامن سمجھتے ہو؟ ہم نے پوچھا آخر ہوا کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھی کہ یکا یک مجھے ایک تاریکی نے ڈھانپ لیا اور میں نے مرد و زن کے ملاپ کی سی حرکت محسوس کی، مجھے اپنے حاملہ ہونے کا اندیشہ ہوا، یہاں تک کہ وضع حمل کا وقت آ گیا اور ایک لٹکے ہوئے کتے جیسے کانوں والا بچہ پیدا ہوا وہ بچوں کے ہمراہ کھیلنے لگا پھر اچانک کودا اور بے حد ہو کر بلند آواز سے چیخنے لگا، ہائے خرابی، ہائے خرابی، ہائے جور و جفا، ہائے "فہم" کی تباہی، ہائے فہم کی بربادی آگ کے شعلہ سے واللہ گھاٹی کے پیچھے ایک لشکر ہے اور اس میں خوبرو اور حسین نوجوان ہیں۔ لڑکی کی یہ بات سن کر ہم مسلح ہو کر سوار ہوئے اور جائے وقوع پر اس کاہن بچے سے ملاقات کی تو اس نے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی دوشیزہ ہے؟ تو ایک عمر رسیدہ آدمی نے کہا: ہاں میرے پاس ایک ایسی دوشیزہ ہے جس کی ماں بھی پاک دامن ہے۔ اس نے کہا: اسے جلدی سے یہاں لے آ۔

چنانچہ وہ لڑکی کو لے آیا اور اس کاہن بچے نے پہاڑ پر چڑھ کر دوشیزہ کو کہا: لباس اتار دے اور برہنہ ہو کر لوگوں کے سامنے آ۔ اور لشکر کو کہا: اس دوشیزہ کے پیچھے جاؤ اور احمد بن حابس دوسی کو کہا: تم پہلے سوار پر حملہ کرو، چنانچہ اس نے دشمن کے پہلے سوار پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا اس کا مرنا تھا کہ وہ سب شکست کھا گئے ہم نے مال غنیمت اکٹھا کیا اور وہاں ایک یادگار تعمیر کر کے اس کا نام "ذوالخلصہ" رکھ دیا وہ کاہن بچہ جو بھی پیش گوئی کرتا وہی ظہور پذیر ہو جاتی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو اس نے ہمیں ایک روز کہا: اے معشر دوس! بنی حارث بن کعب نے پڑاؤ ڈال لیا ہے چنانچہ تم لوگ مسلح ہو کر سوار ہو جاؤ اور لشکر کو پیچھے دھکیل دو اور لوگوں کو قبر میں دفن کر دو صبح ہی ان کو بھگا دو اور شام کو خوب شراب نوشی کرو اس پیش گوئی کے مطابق ہم ان سے برسر پیکار ہوئے تو انہوں نے ہمیں شکست سے دوچار کر دیا پس ہم نے اس کاہن کے پاس آ کر کہا تیرا ناس ہو تو نے تو ہمیں عظیم مصیبت سے دوچار کر دیا ہم نے اس کو دیکھا تو اس کی آنکھیں ندامت سے جھکی ہوئی تھیں لہٰذا ہم نے اس کی غلط پیش گوئی کو معاف کر دیا، کچھ دیر بعد

اس نے پکار کر کہا: کیا تم جنگ کے خواہش مند ہو؟ جو تمہاری عزت کا باعث ہو اور تمہارے لئے حرز جان اور محافظ ہو اور مال و دولت کا موجب ہو۔ ہم نے کہا ہم ایسی جنگ کے ضرور خواہش مند ہیں تو اس نے کہا: سوار ہو جاؤ، ہم نے سوار ہو کر اس سے پوچھا کیا حکم ہے؟ تو اس نے کہا بنی حارث بن مسلمہ کی طرف جاؤ پھر اس نے کہا: ذرا ٹھیرو، تو ہم تھوڑی دیر ٹھیرے تو اس نے کہا: "عصم قبیلہ" پر حملہ کرو، پھر اس نے فوراً کہا: تمہارے لئے ان میں کوئی کشت و خون نہیں پھر اس نے کہا "معتز" پر حملہ کرو جو گھوڑوں اور مال مویشی والے ہیں، پھر اس نے کہا: نہیں نہیں بلکہ تم درید بن صمہ پر لشکر کشی کرو جو تعداد میں قلیل اور وفادار ہیں پھر اس نے نفی کر کے کہا تم کعب بن ربیعہ پر حملہ کرو اور عامر بن صعصعہ کے علاقہ میں قیام کرو، ہم نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ہمیں شکست و ریخت سے دوچار کر دیا۔ ہم نے پھر واپس آ کر اس سے کہا: ہائے افسوس! تو ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ کاہن نے کہا: مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے سچ بتانے والا جھوٹ بتا رہا ہے، تم مجھے ایک گھر میں تین روز کے لئے بند کر دو پھر میرے پاس آؤ، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا پھر تین روز کے بعد اس کا کمرہ کھولا تو آگ کا شعلہ تھا، اس نے کہا: یا معشر دوس! آسمان کے دریچے محفوظ ہو چکے ہیں اور افضل الرسل مبعوث ہو چکے ہیں، ہم نے پوچھا: کہاں؟ تو اس نے کہا: مکہ میں۔

اور سنو! میں مر رہا ہوں مجھے پہاڑ کی چوٹی پر دفن کرنا میں عنقریب آگ میں جل جاؤں گا اگر تم نے مجھے زمین پر چھوڑ دیا تو میرا وجود تمہارے لئے موجب عار ہوگا، جب مجھ سے شعلہ نمودار ہو تو تین پتھر "باسمک اللّٰھم" پڑھ کر پھینکو جس سے میں بھسم ہو جاؤں گا، وہاں وہ مر گیا اور ایک آگ کا شعلہ نمودار ہوا اور ہم نے حسب وصیت اس پر تین پتھر پھینکے اور ہر پتھر کو "باسمک اللّٰھم" پڑھ کر پھینکا وہاں وہ بھسم ہو گیا۔ (غریب جدا)

معلق سوار...... علامہ واقدی، سفیان ہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک تجارتی قافلہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم رات کو زرقا اور معان کے مقام پر فروکش ہوئے تو فضا میں معلق، ایک شاہ سوار کہہ رہا تھا: اے سونے والو! جاگو، یہ سونے کا وقت نہیں احمد ﷺ نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور جنات کو ہر مقام سے دھتکار دیا گیا ہے۔ قافلہ میں نوجوان تھے وہ یہ آواز سن کر گھبرا گئے چنانچہ جب ہم واپس گھر پہنچے تو وہاں مکہ میں قریش کے درمیان اختلاف ہو رہا تھا کہ ایک نبی جو بنی عبدالمطلب میں مبعوث ہوا ہے اس کا نام احمد ہے۔ (ذکرہ ابو نعیم)

ابن مرداس کا اسلام قبول کرنا...... قراطی عباس بن مرداس سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دوپہر کے وقت دودھیل اونٹنیوں کے پاس ایک "بعر" اور "بزغالہ" باندھا ہوا تھا (بعر: بکری کا وہ بچہ جو ایک گڑھے کے پاس باندھ دیا جاتا ہے شیر اس کی آواز سنتا ہے اور آ کر گڑھے میں گر پڑتا ہے) اچانک سفید شتر مرغ نمودار ہوا اس پر ایک سفید پوش سوار تھا اس نے کہا اے ابن عباس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمان کی حفاظت کا انتظام ہو چکا ہے، لڑائی دم توڑ رہی ہے اور لشکر آرام کر رہے ہیں۔ بے شک وہ نبی جو نیکی اور تقویٰ کے ساتھ پیر کے روز مبعوث ہوا ہے وہ "قصویٰ اونٹنی" والا ہے۔ ابن مرداس کہتا ہے: میں خوف زدہ ہو گیا اور اس منظر نے مجھے حیران و پریشان کر دیا یہاں تک کہ میں اپنے "ضماد" بت کے پاس آیا جس کی پرستش کیا کرتے تھے، میں نے اس کو گرد و غبار صاف کیا اور اس کا بوسہ لیا دیکھا یک اس کے اندر سے آواز آئی:

قل للقبائل من سلیم کلها
هلک الضماد وفاز أهل المسجد
هلک الضماد وکان یعبد مرة
قبل الصلاة مع النبی محمد
ان الذی ورث النبوة و الهدی
بعد ابن مریم من قریش مهتد

"سلیم کے سب قبیلوں کو کہہ دو کہ ضماد ہلاک اور ختم ہو گیا ہے اور توحید پرست کامیاب ہیں، "ضماد" برباد ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے قبل اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ابن مریم (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے بعد نبوت و ہدایت کا وارث ہدایت یافتہ ہے"۔

یہ اشعار سن کر میں ڈر گیا اور لوگوں کے پاس آ کر یہ سارا قصہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ پھر تین سو کا قافلہ لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے عباس! اسلام قبول کرنے کا واقعہ کیسے پیش آیا؟ میں نے پورا قصہ عرض کیا۔ آپ ﷺ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور میں نے اپنی قوم کے ہمراہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

یہ واقعہ حافظ ابو نعیم نے "دلائل" میں ابو بکر بن ابی عاصم از عمرو بن عثمان بیان کیا ہے۔ حافظ ابو نعیم (اصمعی از وصافی از منصور معتمر از قبیصہ بن عمرو بن اسحاق خزاعی) عباس بن مرداس سلمی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میرے اسلام قبول کرنے کا آغاز اس طرح ہوا کہ میرے والد نے مجھے "ضمار" بت کی پرستش کی وصیت کی چنانچہ میں نے اسے ایک مکان پر نصب کر دیا اور روزانہ ایک بار اس کے پاس آتا تھا۔ جب نبی علیہ السلام کا ظہور ہوا تو میں نے رات کو ایک خوفناک سی آواز سنی اور علی الصبح "ضمار" بت کے پاس آیا تو اچانک اس کے اندر سے آواز آئی:

قل للقبيلة من سليم كلها
هلك الانيس وعاش اهل المسجد
اودى ضمار وكان يعبد مرة
قبل الكتاب الى النبي محمد
ان الذي ورث النبوة والهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد

وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ لوگوں کو نہیں بتایا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو میں "ذات عرق" کے علاقے "عقیق" میں اونٹوں کے باڑے میں سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک آواز آئی اور ایک شتر مرغ سوار کہہ رہا تھا:

بشر الجن وابلاسها
ان وضعت المطي احلاسها
وكلأت السماء احراسها

"جنات کو ان کی ناامیدی کی بشارت سنا دو، سواریوں نے اپنے پالان اتار رکھے ہیں اور آسمان نے اپنی نگہبانی کی ہے۔"

یہ سن کر میں خوفزدہ ہو گیا اور سمجھ گیا کہ محمد ﷺ رسالت سے سرفراز ہو چکے ہیں چنانچہ میں فوراً نہایت تیز رفتاری سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا پھر واپس آ کر "ضمار" کو جلا کر راکھ کر دیا پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اشعار کہے:

لعمرك اني يوم اجعل جاهلا
ضمارا لرب العالمين مشاركا
وتركي رسول الله والاوس حوله
اولئك انصار له ما اولئكا
كتارك سهل الارض والحزن يبتغي
ليسلك في وعث الامور المسالكا
فآمنت بالله الذي انا عبده
وخالفت من امسى يريد المهالكا

"تیری عمر کی قسم! بے شک جب میں نے ضمار کو اللہ کا شریک بنایا تھا تو میں جاہل تھا اور میرا رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنا حالانکہ اوس آپ ﷺ کے انصار و مددگار ہیں، نرم و ہموار راستوں کو ترک کرنے والے کی مانند ہے جو مشکل امور میں راستوں کی تلاش میں ہو۔ میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا بندہ ہوں اور میں نے ہلاکت کے راستوں کا قصد کرنے والے کی مخالفت کی۔"

روجهت وجهي لمحرم مكة عامداً
لأبايع خير الأكرمين المباركا
نبي أتانا بعد عيسى بناطق
من الحق فيه الفصل فيه كذلكا
أمين على الفرقان أول شافع
وأول مبعوث يجيب الملائكا
تلافى عرى الإسلام بعد انتقاضها
فأحكمها حتى أقام المناسكا

"اور میں نے مکہ کا عزم سفر کیا ہے کہ اکرم لوگوں کی مبارک نبی کی بیعت کروں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی واضح حق لے کر آیا ہے اس میں واضح فیصلے ہیں۔ وہ قرآن کا امانت دار ہے، پہلا شفاعت کرنے والا ہے اور پہلا نبی ہے عرب میں فرشتوں سے بات چیت کرتا ہے۔ اسلامی احکام کے شکستہ ہونے کے بعد ان کو منظم کیا یہاں تک کہ احکام حج کو بھی درست کیا"۔

عنيتك يا خير البرية كلها
توسطت في الفرعين والمجد مالكا
وأنت المصفى من قريش إذا سمت
على ضمرها تبقى القرون المباركا
إذا انتسب الحيان كعب ومالك
وجدناك محضا والنساء العواركا

"اے افضل کائنات! میں نے تیرا قصد کیا ہے آپ خاندان اور عظمت کے لحاظ سے اور شرف کے لحاظ سے اعلیٰ ہیں۔ جب قریش اپنے سدھائے گھوڑوں پر سوار ہوں تو آپ سب سے ممتاز ہیں اور حسب و نسب کے معاملے میں آپ کا نام اونچا"۔

خثعمی لوگوں کے مسلمان ہونے کا واقعہ..... خرائطی، عبداللہ بن محمد البلوی، عمر بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ خثعمی لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمارے اسلام قبول کرنے کا باعث یہ ہوا کہ ہم بت پرست تھے چنانچہ ایک روز بت کے پاس موجود تھے کہ چند لوگ کسی معاملہ کو نمٹانے کے لئے بت کے پاس آئے تو ہمیں ایک اچانک غیب سے صدا آئی۔

يا أيها الناس ذوو الأجسام
من بين أشياخ إلى غلام
ما أنتم وطائش الأحلام
ومسند الحكم إلى الأصنام
أكلكم في حيرة نيام
أم لا ترون ما الذي أمامي
من ساطع يجلو دجى الظلام
قد لاح للناظر من تهام

ذاک نبی سید الانام
قد جاء بعد الکفر بالاسلام

"اے بڑے، چھوٹے اور جوان جو سمندر کو! اگر تم عقل والے ہو تو نہیں ہو کہ جن کی طرف تم کو بھیجا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ حیرت زدہ ہو گئے ہو یا تم نہیں دیکھ رہے ہو یہ جہالت سے ظاہر ہونے والی روشنی کو جو تاریکی کو ختم کر رہی ہے اور تہامہ میں دیکھنے والے کے لئے واضح ہے۔ یہ نبی سید عالم ہے جو کفر کے بعد اسلام کا پیغام لایا ہے۔"

اکرمه الرحمن من امام
ومن رسول صادق الکلام
اعدل ذی حکم من الاحکام
یامر بالصلوة والصیام
والبر والصلات للارحام
ویزجر الناس عن الاثام
والرجس والاوثان والحرام
من هاشم فی ذروة السنام
مستعلنا فی البلد الحرام

"اللہ نے اس امام اور رسالت کو رسول کی تعظیم و تکریم کی ہے سب احکام میں وہ انصاف پسند ہے نماز روزہ، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور لوگوں کو گناہوں سے منع کرتا ہے، شرک، بتوں اور حرام سے بھی منع کرتا ہے، وہ آل ہاشم میں بلند رتبہ ہے کہ بلد الحرام میں اعلانیہ تبلیغ کر رہا ہے۔"

یہ اشعار سن کر وہ وہاں سے چلا آئے نبی علیہ السلام کی طرف عزم کیا اور مسلمان ہو گئے۔

رافع بن عمیر تمیمی کا عجیب واقعہ...... خرائطی، سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ رافع بن عمیر تمیمی راستوں کا سب سے زیادہ واقف تھا، رات کو سفر کرنے کا عادی تھا اور ہلاکت کے امور میں گھس جاتا تھا، راستوں کی واقفیت اور بہادری کی وجہ سے عرب میں "دعموص العرب" (بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے والا) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے اپنے آغاز اسلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک رات میں عالج کے ریتلے میدان میں سفر کر رہا تھا کہ مجھے نیند نے دبوچ لیا، میں سواری سے اتر کر سواری کے گھٹنے کا تکیہ بنا کر سو گیا اور سونے سے قبل میں نے کہا:

"اعوذ بعظیم هذا الوادی من الجن من ان اوذی او اهاج"

اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اذیت سے دوچار کیا جائے۔ میں سو گیا اور خواب آیا کہ ایک نوجوان میری اونٹنی کی تاک میں ہے اور ہاتھ میں تیر ہے اس کے سینے میں گھونپنا چاہتا ہے میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا اور یہ چیز خواب ہے اور سو گیا، پھر پہلے کی طرح خواب آیا اور میں جاگ گیا اونٹنی کے گرد چکر لگایا لیکن کچھ نظر نہ آیا، اچانک اونٹنی پر کپکپی طاری تھی میں دوبارہ سو گیا اور پھر پہلے جیسے خواب آیا اور دیکھا کہ اونٹنی تھر تھرا رہی ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک نوجوان (جیسا مجھے خواب میں نظر آیا تھا) کے ہاتھ میں تیر ہے اور ایک بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو منع کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے

یا مالک بن مهلهل بن دثار
مهلا فدی لک مئزری وازاری

عـن نـاقـة الإنسـي لاتـعـرض لهـا
واختـر بهـا مـاشـئـت من أثـواری
ولـقـد بـدالی منک مـالـم احتسب
ألا رعـيـت قـرابـتـی وذمـاری
تـسـمـو إلـيـه بـحـربـة مـسـمـومـة
تـبـالـفـعـلـک یـاابـا الـغـفـار

"اے مالک! رک جا! میرا تن من تجھ پر صدقے، رک جا۔ اس آدمی کی اونٹنی سے اس کو نقصان نہ پہنچا، اس کے بجائے میری نیل گاؤں میں سے پسند کر لے۔ تیرا یہ کام میرے گمان میں بھی نہ تھا۔ سب کچھ کر کر قرابت اور ذمہ داری کا احساس کر۔ تو اس کی طرف زہریلا نیزہ لے کر بڑھ رہا ہے۔ اے ابوالغفار! تیرا یہ کام ناکام ہو"۔

یہ سن کر حملہ آور جوان نے کہا:

أأردت أن تـعـلـو وتـخـفـض ذکـرنـا
فـيـغـيـر مـرزيـة أبـا الـعـيـزار
مـاکـان فيهم سـيـد فـيـمـا مضی
ان الـخـيـار هـمـو بـنـو الأخـيـار
فـاقـصـد لـقـصـدک یـا معـکـبـر انـمـا
کـان الـمـجـيـر مـهـلـهـل بـن دثـار

"اے ابوالعیزار! کیا تو بلند رتبہ چاہتا ہے اور بلا وجہ ہماری شہرت کو داغدار کرتا ہے۔ ماضی میں ان کا کوئی رئیس و عظیم نہ تھا، بے شک بہتر لوگوں کی اولاد ہی بہتر اولاد ہے۔ اے معکبر! تو اپنی راہ لے، پناہ دہندہ تو میرا باپ مہلہل تھا"۔

وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ تین وحشی گائے نمودار ہوئیں۔ شیخ نے نوجوان کو کہا اے بھانجے! اس مرد پناہ گیر کی اونٹنی کے بجائے جو چاہو پکڑ لو۔ اس نوجوان نے ایک گائے پکڑی اور لے گیا۔ پھر مجھے شیخ نے کہا جناب! جب کسی میدان میں پڑاؤ کرو اور خطرہ محسوس کرو تو یوں پڑھو: (اعوذ باللہ رب محمد من ہول هذا الوادی) "اس وادی کی ہولناکی سے میں اللہ سے جو رب محمد ﷺ ہے پناہ مانگتا ہوں" کسی جن کی پناہ مت لو، ان کا تسلط ختم ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا یہ محمد کون ہے؟ تو اس نے کہا عربی نبی ہے، شرقی اور غربی نہیں بلکہ عالم گیر نبی ہے، سوموار کے روز یہ مبعوث ہوا ہے۔ میں نے پوچھا اس کا جائے سکونت کہاں ہے؟ تو اس نے کہا "نخلستان یثرب"۔ جب فجر ہوئی تو میں نے سفر کا عزم کیا اور مدینہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی میرے بتانے سے قبل میرا سارا ماجرا کہہ سنایا اور مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ "وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن... الآیۃ" اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔

غیر اللہ سے پناہ...... خرائطی (اس کے برعکس بیان کرتے ہیں) (ابراہیم بن اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ داؤد بن حسین عکرمہ ابن عباس) علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی وادی میں درندے کا خطرہ محسوس ہو تو پڑھو اعوذ بدانیال والجب من شر الاسد (یہ روایت موقوف ہے اور غلط ہے۔ عدوی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنات سے جنگ کا بے بنیاد قصہ...... بلوی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنات کے ساتھ جنگ و جدال کا قصہ بیان کرتے ہیں جو "بعد" کے ایک کنویں پر پیش آیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو پانی لانے کے لئے بھیجا تھا تو جنات نے روکنا چاہا اور ڈول کی رسی توڑ دی تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ یہ قصہ نہایت طویل اور بے بنیاد اور نہایت منکر ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور بسم اللہ کی فضیلت خرائطی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ذریعے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں قرآن کے فضائل اور افضل قرآن پر مباحثہ و مذاکرہ ہو رہا تھا کسی نے کہا سورۃ نحل کی آخری آیات افضل ہیں۔ بعض نے کہا سورۃ یٰسین۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آیۃ الکرسی سب سے افضل ہے کہ اس میں ستر کلمات ہیں۔ ہر کلمہ خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ مجلس میں عمرو بن معدی کرب بھی خاموش بیٹھے تھے بیچارگی کا دامن ترک کر کے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی فضیلت و عجائب تم نے ذکر نہ کیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا تو جناب ابو ثور! یہ فضیلت کیسے ہے؟ تو اس نے کہا بخدا لا الٰہ الا اللہ۔ یہ کہ ایک دفعہ مجھے بھوک نے خوب ستایا تو میں نے بیابان میں غذا کی تلاش میں گھوڑا دوڑایا لیکن صرف ہرن ملا تو میں ... کی تلاش میں نکل رہا تھا کہ ایک عربی شیخ خیمہ میں نظر آیا جس کے پہلو میں ایک ماہ پارہ لڑکی تھی اور گھر کے پاس بکریاں تھیں۔ میں نے اس شیخ سے کہا کہ میں تجھے اسیر بنانا چاہتا ہوں (تیری ماں تجھے گم پائے) تو بوڑھے نے میری طرف سر اٹھا کر کہا اے مہمان! اگر مہمان نوازی چاہیے تو اتر آ، اور اگر مدد چاہیے تو ہم تمہاری اعانت کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا میں تو تجھے قید کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا:

[illegible]
[illegible] الآثام
[illegible] بهتان وزور [illegible]
[illegible] الهوى [illegible]

"ہم نے اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے مہمان کی بخشش پائی ہے اور کھوٹوں کی طرح تو بھی جہالت سے ہاتھ روک لے۔ تو تو حق اور ظلم اور زیادتی سے گزر آیا ہے اور تیری آرزو کی تکمیل سے پہلے تلوار کے ذریعے موت جلد ہوگی۔"

پھر وہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر یکبارگی حملہ آور ہوا اور مجھے نیچے گرا لیا اور چھاتی پر چڑھ کر کہا قتل کر دوں یا احسان کر کے چھوڑ دوں۔ میں نے عرض کیا چھوڑ دیجئے اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میرے دل میں اور وسوسہ آیا اور میں نے کہا (ثکلتک امک) میں تجھے گرفتار کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا:

بسم الاله والرحمن [illegible]
[illegible]
[illegible]
اذا يوم [illegible]

"اللہ اور رحمان کے نام کی برکت سے ہم کامیاب ہوتے ہیں اور ہم جنگ کی وجہ سے ہم غالب آتے ہیں۔ کسی جنگ جو کی قوت کام نہیں آتی جب ہم کسی معرکہ میں کود پڑیں۔"

پھر اس نے دوبارہ مجھے نیچے گرا لیا اور کہا "اقتلک او نخلی عنک" میں نے کہا چھوڑ دیجئے اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تھوڑی دور گیا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھا ... مجھ پر غالب آ سکتا ہے واللہ اس بزدلی کی زندگی سے تو موت بہتر ہے چنانچہ میں پھر اس کے پاس پہنچا اور کہا [illegible] ثکلتک امک تو اس نے پھر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر حملہ کیا اور مجھے نیچے گرا دیا اور کہا "اقتلک ام نخلی عنک"، میں نے کہا چھوڑ دیجئے اس نے کہا اب نہیں۔ اس نے "جاریہ" سے چھری منگوائی اور پیشانی کے بال کاٹ دیئے عرب کا دستور تھا کہ جب کسی پر غالب آ جاتے تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر غلام بنا لیتے چنانچہ میں ایک عرصہ تک ان کی خدمت کرتا رہا۔

پھر اس نے کہا اے عمرو! میں تجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میرا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پر کامل یقین ہے۔ چنانچہ ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک مہیب اور خطرناک بیابان جنگل میں پہنچ گئے۔ اس نے بلند آواز سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی تو گھونسلوں سے پرندے اڑ کر غائب ہو گئے۔ پھر زور سے دوبارہ پڑھی تو تمام وحشی جانور جنگل چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر اس نے تیسری بار "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی

تو ایک مرتبہ وہ جنی ہمارے ہاں سے نکل آیا تو شیخ نے مجھے کہا کہ جب وہ ظاہر ہو تو اس کے مقابلہ پر صاحب بسم اللہ الرحمن الرحیم، بسم اللہ کی برکت سے میرا ساتھی غالب آ گیا۔ میں نے کہا اچھا، پس جب وہ ظاہر ہوا تو میں نے کہا "لات اور عزیٰ کی برکت سے میرا ساتھی غالب آیا" تو اس جنی نے شیخ کا مقابلہ کر کے اس کو زیر کر لیا۔ پھر وہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری بات کی مخالفت کی ہے۔ میں نے اعتراف کیا اور آئندہ مخالفت نہ کرنے کا وعدہ کیا پھر اس نے کہا جب ہم دوبارہ مقابلہ کریں تو کہنا بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت سے میرا ساتھی غالب آ گیا میں نے کہا اچھا، جب میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں لڑ رہے ہیں تو میں نے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت سے میرا ساتھی غالب آیا، چنانچہ شیخ نے جنی کو گرا کر اسے قتل کر دیا اور اس کے پیٹ سے سیاہ قندیل کی طرح ایک چیز نکال کر کہا اے دھوکے باز یہ اس کا دھوکہ اور کینہ ہے۔ پھر شیخ نے کہا جانتے ہو یہ جنی کون ہے؟ میں نے کہا نہیں تو اس نے بتایا یہ فارعہ بنت مستطیل جنی ہے، جنات کے ایک خاندان سے ہے اور یہ مقتول جنی اس کے چچا زاد بھائیوں میں سے ہے یہ ہر سال مجھ سے ایک جھگڑا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت سے ظفر عطا فرماتے ہیں۔ پھر میں نے جنی کا کیسا مقام کر دیا شیخ نے کہا اچھا اب مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے مجھے کھانا دو۔ چنانچہ میں نے گھوڑا دوڑایا اور بمشکل تمام شتر مرغ کے انڈے لایا تو وہ سویا ہوا تھا اس کے سرہانے لکڑی جیسا ہتھیار تھا میں نے سرکایا تو وہ ایک بالشت چوڑی سات بالشت لمبی تلوار تھی میں نے اس کی پنڈلیوں پر ایک وار کیا اور اس کی ٹانگوں کو تن سے جدا کر دیا اس نے پشت کے بل سیدھے ہو کر کہا غدار، بے وفا، اللہ تجھے ہلاک کرے تو کس قدر بے وفا انسان ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اس کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس نے کہا۔

بالهف نفسي أخت الإسلام عن كثب
ماذا صنعت بكلا في ملتقى العرب
والعجم لف جمعا جمعه كرما
لما لقيتا جمعه في البلد الأرب
أني لأعجب أني لست قاتله
أم كيف جازاك عبد الله لم تثب
فلم يعف عنك مرات وقد علقت
بالجسم منك يداه موقع العطب

"تو بھی فریب دینے والا ہے ایک مسلمان کے قتل کے درپے ہوا، میں نے عرب میں ایسا کوئی واقعہ نہیں سنا تھا کہ بے وفائی کو عجم بھی باعث عار سمجھتے ہیں ایک دفعہ مجھ کو اس کے ساتھ تیری ہمدردی آئی جاہ گئی ہے میں اگر چاہتا تو تجھ کو قتل کر سکتا تھا اس نے باکردہ گناہ کیسا بدلہ دیا؟ کئی بار میں نے تجھے معاف کیا اور اس کے ہاتھ تیرے جسم پر پہنچ چکے تھے۔"

لو كنت أعبد في الإسلام ما لعنوا
في طعنها أحسن الشرك والنصب
إذا لنا لك من عقل مشطبة
تبدو ولا تلبها بالويل والحرب

"اگر میں اسلامی دور میں مشرکین کے بجائے دوسری عبادت کا پابند ہوں تو میرے عمل کی وجہ سے میرے پر تلوار ہے جس نے اس کا مزہ چکھا دیا۔"

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس لڑکی کا کیا بنا؟ میں نے بتایا کہ میں لڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا: شیخ کہاں گیا؟ میں نے کہا اس کو جنی نے قتل کر دیا ہے۔ اس نے کہا: تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے غداری سے اس کو قتل کیا ہے پھر اس نے کہا

يا عين جودي للفارس المغوار
ثم جودي بواكفات غزار
لا تملي البكاء إذ خانك الدهر
بواف حقيقة صبار
وتقي ذي وقار وحلم
وعديل الفخار يوم الفخار
لهف نفسي على بقائك عمرو
أسلمتك الأعمار والأقدار
ولعمري لو لم ترمه بغدر
رمت ليثا كصارم بتار

"اے آنکھ تو غارت گر شاہسوار پر جی بھر کر رو، پھر موسلا دھار آنسو بہا تو رونے سے نہ اکتا جب اہل زمانہ نے خیانت کر کے تجھ سے چھین لیا ایک وفادار، شریف، صابر، ایک باوقار اور حلیم مزاج اور وہ باہم افتخار کے روز فخر و مباہات میں دوسروں کے ہم سر اور ہم پلہ تھا۔ اے عمرو! تیرے زندہ رہنے پر مجھے افسوس ہے، تیری عمر اور جانے تقدیر کے سپرد کر دیا ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! اگر تو اس سے غداری نہ کرتا تو تیرا مقابلہ ایسے شیر سے ہوتا جو کاٹ دار تیز تلوار کی مانند تھا۔"

مجھے اس کے اشعار سے رنج اور صدمہ آیا، میں تلوار سونت کر اس کو قتل کرنے کے لیے خیمہ کے اندر داخل ہوا تو وہاں کچھ نہ تھا، پھر میں بکریاں ہانک کر گھر لے آیا۔ یہ اشعار اور خبر نہایت عجیب و غریب ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن شیخ مسلمان اور اس نے قرآن پڑھا تھا، اور وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پناہ لیتا تھا۔

نجاشی، زید اور ورقہ کا مذاکرہ..... خرائطی اسامہ بن ابی عمر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ورقہ ابن نوفل نے بیان کیا ہے کہ وہ واقعہ فیل کے بعد نجاشی کے دربار میں گئے، اس نے کہا: اے قریشیو! سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے باپ نے اس کو ذبح کرنا چاہا، پھر قرعہ اندازی پر سو اونٹ اس کا فدیہ دیا۔ انہوں نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا اس کے حالات کا تمہیں کچھ علم ہے؟ عرض کیا اس نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی ہے اور وہ حاملہ ہے۔ پھر پوچھا کیا تمہیں اس کی ولادت کا بھی کچھ علم ہے؟ تو ورقہ نے کہا، بادشاہ سلامت! میں ایک رات اپنے بت کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے اس کے شکم سے صدائے غیبی سنی:

ولد النبي فذلت الأملاك ونأى الضلال وأدبر الإشراك

"نبی پیدا ہو چکا ہے اور بادشاہ رسوا ہو گئے، ضلالت دور ہو چکی ہے اور شرک پشت پھیر گیا ہے۔"

پھر وہ بت منہ کے بل اوندھا گر پڑا۔ حضرت زید بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا، بادشاہ سلامت! ایسا ایک واقعہ مجھے بھی یاد ہے۔ بادشاہ نے کہا سناؤ تو انہوں نے کہا، تقریباً اسی رات میں اپنے گھر سے باہر آیا، اہل خانہ آمنہ کے حمل کا تذکرہ کر رہے تھے، میں جبل ابی قبیس میں تنہائی کا طلب گار تھا، میں وہاں آیا تو ایک انسان نما شخص دیکھا جس کے دو سبز بازو تھے، اس نے مکہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: شیطان ذلیل ہو گیا، بت رسوا ہو گئے اور امین پیدا ہو گیا۔ پھر اس نے مشرق و مغرب کی سمت ایک کپڑا اچھالا، جس نے زیر آسمان ہر چیز کو ڈھانپ لیا اور اس سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس نے میری آنکھوں کو خیرہ اور خوف زدہ کر دیا۔ پھر وہ اپنے بازوؤں اور پروں کو حرکت دے کر کعبہ پر جا بیٹھا، اس سے ایسا نور چمکا جس سے سارا تہامہ منور ہو گیا اور اس نے کہا: زمین پاک ہو گئی اور اس میں موسم بہار آ گیا۔ پھر اس نے کعبہ پر نصب بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ گر پڑے۔

نجاشی نے کہا: میں بھی تمہیں اپنی سرگزشت سناتا ہوں۔ جس رات کا تم نے ذکر کیا ہے، اسی رات میں اپنے مخصوص کمرے میں تنہا تھا کہ زمین سے ایک سر نمودار ہوا اور اس نے کہا: اصحاب فیل تباہ ہو گئے، ان پر پرندوں کے جھنڈ نے کنکر پھینکے "اشرم" سرکش تباہ ہو گیا، اور

نبی پیدا ہو گیا جو کہ بیان اور حرم کا باشندہ ہے، جس نے تمام انبیاء کی اتباع کی، وہ سید و خوبیوں والا ہے۔ جو خبر دیں ان کی اتباع کرنی وہ حق اور درست ہے۔ پھر وہ سرزمین میں غائب ہو گیا۔ میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس نے کیا کہا، مگر بستر سے اٹھنے کی بھی سکت نہ رہی۔ پھر میں نے رفتہ رفتہ دل میں اول حالت میں آنے لگا تو میں نے اپنی قوم سے کہا کہ کوئی میرے پاس آئے [illegible] اجازت [illegible] اور ہم اس کے قائل ہو گئے۔ (ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کے گرنے، آتش کدہ کے بجھ جانے اور سطیح کی تعبیر اور موبذان کے خواب بیان کرنے کی تفصیل ولادت نبوی ﷺ کے قصہ میں ملاحظہ کریں)۔

حضرت زمل رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا ۔۔ تاریخ میں ابن عساکر نے زمل بن عمرو العذری سے روایت کیا ہے کہ بنی عذرہ کی شاخ بنی ہند بن حرام کا ایک صنم ہوتا تھا جس کا دربان طارق تھا، وہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے اور اس کے پاس قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو طارق کہتا ہے کہ ہم نے یہ آواز سنی "اے بنی ہند بن حرام! حق ظاہر ہو گیا ہے۔ "صنم" ہلاک ہو گیا ہے اور اسلام نے شرک کو ختم کر دیا ہے۔" پھر ہم گھبرا گئے اور پریشان ہو گئے۔ کئی دن کے بعد ہم نے یہ آواز سنی "اے طارق! اے طارق! نبی صادق وحی ناطق کے ساتھ مبعوث ہو چکا ہے۔ ارض تہامہ میں وہ اپنا موقف بیان کر رہے ہیں۔ [illegible] ان کے مددگاروں کے لئے سلامتی ہے۔ اور ان کے مخالفین کے لئے ندامت و پشیمانی ہے۔ یہ قیامت تک میری طرف سے رخصت ہوتا ہوں۔

حضرت زمل بیان کرتے ہیں کہ پھر بت اوندھے منہ گر پڑا، پھر میں نے سواری کا انتظام کیا اور قوم کے چند افراد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

الیک رسول اللہ اعملت نصها
وکلفتها حزنا وقورا من الرمل
لانصر خیر الناس نصرا مؤزرا
واعقد حبلا من حبالک فی حبلی
واشهد ان لا شیء غیره
ادین به ما اثقلت قدمی نعلی

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی طرف سواری کو تیز دوڑایا ہے اور اسے سنگلاخ اور پست ریتلے میدان طے کرنے کی تکلیف دی ہے تا کہ میں بہترین عالم کی خوب مدد کروں اور آپ کے ساتھ تعلق استوار کروں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی چیز نہیں، جب تک زندہ رہوں گا میں اس کی عبادت کروں گا"۔

پھر میں نے اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی بیعت کی اور بت سے جو آواز سنی تھی وہ سب بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا ذاک من کلام الجن۔ یہ جنات کا کلام ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عرب کے لوگو! میں تمہاری اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔ بے شک میں اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہوں اور میں تلقین کرتا ہوں کہ تم حج کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ جس شخص نے میری بات قبول کی اس کے لئے جنت ہے اور جس نے انکار کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مکتوب نبوی ۔۔ پھر آپ نے انہیں ایک علم باندھا اور یہ تحریر عطا فرمائی

"بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ لزمل بن عمرو ومن اسلم معه خاصة انی بعثته الی قومه عامة فمن اسلم ففی حزب اللّٰہ ورسوله ومن ابی فله امان شهرین شهد علی بن ابی طالب و محمد بن مسلمة الانصاری"

(بقول ابن عساکر یہ حدیث غریب ہے)

گستاخ رسول جن کا قتل...... واقدی محمد بن سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے اپنے چچا محمد بن سعید اموی کی سند سے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ جبل ابی قبیس پر جن کی صدا سنی گئی:

قبح الله رأيكم آل فهر
ما أدق العقول والأحلام
حين تعطي لمن يعيب عليها
دين آبائها الحماة الكرام
حالف الجن جن بصرى عليكم
ورجال النخيل والآطام
يوشك الخيل أن تروها تهادى
تقتل القوم في حرام بهام

”اے آل فہر! اللہ تمہاری رائے کو خراب کرے تمہارا کام کرتے تمہاری عقل و فہم کس قدر گھٹیا اور ادنیٰ ہے۔ غیرت مند اور معزز آباء کے دین پر نکتہ چینی اور حرف گیری کے بارے میں جب تمہاری خلاف ورزی کی باتیں ہیں اس نے تمہارے خلاف بصریٰ کے جنات نخلستان اور عالی شان محلات والے لوگوں سے عہد و پیمان کر لیا ہے۔ قریب ہے کہ اس کا لشکر یہاں آئے اور قوم کو حرم میں سر تن سے جدا کر دے۔“

هل كريم منكم له نفس حر
ماجد الوالدين والأعمام
ضارب ضربة تكون نكالا
ورواحا من كربة واغتمام

”کیا تم میں کوئی نجیب الطرفین جو عالی نسب اور شریف چچا اور ماں باپ والا ہو جو ایسی ضرب لگائے کہ جو عبرت آموز ہو اور ہر قسم کے رنج و غم سے خلاصی کا موجب ہو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ اشعار اہل مکہ کی زبان زد تھے وہ باہم ایک دوسرے کو سناتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے اس کا نام مسعر ہے جو لوگوں سے بتوں کے بارے میں کلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا چنانچہ تین روز کے بعد جبل ابی قبیس پر کسی ہاتف نے کہا:

نحن قتلنا في ثلاث مسعرا
إذ سفه الحق وسن المنكرا
قنعته سيفا حساما مشهرا
بشتمه نبينا المطهرا

”ہم نے مسلسل تین راتوں کی تگ و دو کے بعد مسعر کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے جنات کا حق ٹھکرا دیا تھا اور بری رسم کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ہم نے اس کے جسم میں ننگی کاٹنے والی تلوار گھونپ دی ہے۔ کیونکہ اس نے ہمارے پاکباز نبی کی شان میں گستاخی کی تھی۔“

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جنات میں سے ایک دیو ہے اس کا نام ”سمحج“ ہے وہ مسلمان ہو گیا ہے میں نے اس کا نام ”عبداللہ“ رکھ دیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تین روز سے مسعر کو تلاش کر رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے [illegible]

بن عبادہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے قبل از ہجرت "حضرموت" کسی ضرورت کے لیے بھیجا تو میں تعمیل حکم میں روانہ ہو گیا، میں نے رات کو راستہ میں چلتے ہوئے کسی ہاتف سے سنا، کہتے ہیں:

أبا عمرو ناوبني السهود
وراح النوم وامتنع الهجود
لذكر عصابة سلفوا وبادوا
وكل الخلق قصرهم يبيد
تولوا واردين إلى المنايا
حياضا ليس ينهلها الورود
مضوا لسبيلهم وبقيت خلفا
وحيدا ليس يغني عني وحيد

"اے ابو عمرو! مجھے بیداری لاحق ہے جس سے نیند اچاٹ ہو گئی ہے اور سونا یاد رفتگان کی وجہ سے کم ہو گیا ہے اور کائنات کی مخلوق کا محل زوال پذیر ہے۔ وہ موت کے گھاٹ پر چلے گئے جس گھاٹ پر جانے والے کے لیے کوئی قسمت باقی نہیں رہی وہ اپنے رستہ پر چلے گئے اور میں باقی تنہا رہ گیا ہوں، کوئی بھی میری حاجت پوری نہیں کرتا۔"

سدى لا أستطيع علاج أمر
إذا ما عالج الطفل الوليد
فلأيا ما بقيت إلى أناس
ولقد بانت بمهلكها ثمود
وعاد والقرون بذي شعوب
سواء كلهم إرم حصيد

"بے کار ہوں، کوئی کام انجام نہیں دے سکتا حالانکہ ایک بچہ بھی کام کر سکتا ہے۔ عرصہ تک میں نے لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کی جو ثمود کی طرح ہلاک ہو چکی ہے اور عاد اور شعوب میں آباد مختلف اقوام سب کے سب ارم بستی کی طرح ہو گئے ہیں۔"

سعد کہتے ہیں کہ پھر میں نے سنا کہ ایک دوسری آواز آئی اے خرعب! تو نے ایسی بات کا ذکر کیا ہے جو ختم ہو چکی ہے اور یثرب کے درمیان ایک عجیب خبر ظاہر ہوا ہے۔ اس نے پوچھا اے شاصب! وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا وہ عجیب خبر یہ ہے کہ نبی مرسل بہترین کلام کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا وہ نبی مرسل کون ہے؟ اور کتاب منزل کیا ہے؟ اور امی خواندہ رسول کون ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہے۔ اس نے کہا بعید تر بات ہے کیونکہ لوئی تو ختم ہو چکا ہے اور اس کا زمانہ بیت گیا ہے۔ میں اور نضر بن کنانہ اور اس کا نشانہ بازی کرتے اور ٹھنڈا دودھ پیا کرتے تھے میں نے اسے موسم سرما کی ایک رات کے پیچھے شکار کیا ہوا دیکھا ہے میرے ہمراہ ایک روز وہ اس کا یہ حال تھا کہ مجھ پکارا اور حیوانات قریب لگتا تھا۔

واللہ! اگر وہ نبی مرسل اسی کی نسل سے ہے تو تلوار میان سے نکل آئی ہے خطرہ ظاہر ہو گیا اور وعدہ ختم ہو گیا۔ پھر خرعب نے پوچھا تو پھر کیا ہو گا؟ تو شاصب نے کہا دکھ درد، بھوک اور پیاس اور بے جا ظلم و ستم کا دور ختم ہو گیا سوائے بنی خزاعہ کے چند لوگوں کے۔ بد حالی اور تنگ دستی ختم ہو گئی اور سوائے اوس اور خزرج کے سب لوگ تباہ ہو گئے کبر و غرور اور بے ہودہ بات ختم ہو گئی اور بے بنیاد ختم ہو گئی سوائے بنی ہاشم کے۔ چغلیاں کی کینہ اور غلط کاری ختم ہو گئی سوائے خثعم کے۔ خرعب نے کہا: ذرا مزید وضاحت کریں۔ تو شاصب نے کہا: جب بھیل ڈھل جائے گی اور سنگلاخ پہاڑی ختم ہو گی تو وہ نبی ہجرت کر جائے گا، اسے نشان دیا جائے گا اور جب سلام کا عہد ہو جائے گا، وہ قتل و غارت شروع ہو جائے گی تو وہ مکہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔ خرعب

نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ تو شاحب نے کہا: اگر کوئی کان سنتا ہوتا اور آنکھ دیکھتی ہوتی تو میں تجھے ہولناک بات بتادوں، پھر اس نے کہا:

لا منام هدأته بنعيم   يا ابن غوط ولا صباح اتانا

”اے ابن غوطا! تو سکون سے سوئے اور نہ صبح نمودار ہو“۔

سعد کہتے ہیں: وہ حاملہ اونٹنی کی طرح خوب زور سے چلایا، جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں گرگٹ اور سانپ مرے پڑے ہیں اور مجھے عزعب اور شاحب کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں۔ ابونعیم، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی ”لیلۃ عقبہ“ میں بیعت کی تو میں کسی ضرورت کے لیے ”حضرموت“ روانہ ہوگیا، وہاں سے واپسی کے دوران میں راستہ میں کسی جگہ سویا ہوا تھا کہ رات کو یہ آواز سن کر سہم گیا:

ابا عمرو ناوبني السهود   وراح النوم وانقطع الهجود

پھر ابونعیم نے مثل سابق طویل قصہ بیان کیا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ:..... حضرت ابونعیم، تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت میں ”شام“ میں تھا، میں نے کسی ضرورت کے لیے سفر کیا، جب رات ہوئی تو میں نے کہا: (انا في جوار عظيم هذا الوادي الليلة) میں اس شب اس وادی کے عظیم جن کی پناہ میں ہوں، جب میں لیٹ گیا تو میں نے یہ صدائے غیبی سنی (عذ بالله فان الجن لا تجير احدا على الله) اللہ سے پناہ مانگ، کیونکہ جنات اللہ پر کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ میں نے یہ سن کر کہا: واللہ! یہ تو کیا کہتا ہے؟ تو اس نے بتایا: امی قوم کا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو چکا ہے، ہم نے ”حجون“ میں اس کے پیچھے نماز ادا کی ہے، ہم اسلام قبول کر کے اس کے تابع ہو چکے ہیں، جنات کے مکر و فریب کی باتیں ختم ہو چکی ہیں اور ان پر آسمان سے انگارے برستے ہیں تو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جا اور مسلمان ہو جا۔ تمیم داری کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میں نے ”دیر ایوب“ میں آ کر راہب کو تلاش کیا اور اس سے ملاقات کر کے سارا قصہ سنایا تو راہب نے کہا: یہ بات سچ اور حقیقت پر مبنی ہے، بے شک وہ نبی حرم مکہ میں مبعوث ہوگا، اس کی ہجرت گاہ حرم مدینہ ہوگی اور بلاشبہ وہ سب انبیاء سے افضل ہے، اس کے پاس فوراً چلا جا۔ داری کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔

”سواع“ بت:..... حاتم بن اسماعیل، سعد ہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ”سواع“ بت کے دربار پر خارش زدہ دو سو بکریاں لے کر حاضر ہوئے، ہم نے بکریوں کا یہ ریوڑ شفایابی کے لیے دربار کے قریب کیا تو اس بت کے پیٹ سے ایک آواز بلند ہوئی کہ جنات کے ہتھکنڈے ختم ہو گئے ہیں اور ان پر ستاروں کے شعلے برستے ہیں، نبی کی وجہ سے جس کا نام ”احمد“ ہے (ابونعیم نے یہ قصہ معلق بیان کیا ہے)۔

حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ:..... ابونعیم، راشد بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”معلاۃ“ میں ”سواع“ نامی بت تھا، ہذیل اور بنی ظفر اس کی پرستش کرتے تھے، ایک دن بنی ظفر نے ”راشد“ کو نیاز دے کر ”سواع“ کے دربار پر بھیجا، راشد کا بیان ہے کہ میں صبح سویرے ”سواع بت“ سے قبل ایک اور بت کے پاس سے گزرا تو اس کے اندر سے یہ آواز آئی: یہ نہایت تعجب خیز واقعہ ہے کہ اولاد عبدالمطلب میں سے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے، جو زنا، ربا اور بتوں پر چڑھاوا دینے سے منع کرتا ہے، آسمان پر سامان سخت کر دیا گیا ہے اور جنات پر ستارے برسائے جاتے ہیں۔ پھر راستے میں ایک اور بت کے اندر سے ہاتف کی آواز آئی: ”ضمار“ کی پرستش ختم ہوگئی ہے، احمد ﷺ نبی کا ظہور ہو چکا ہے، جو نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ، روزے، نیکی اور صلہ رحمی کی تلقین کرتا ہے۔ پھر ایک اور بت کے اندر سے آواز آئی:

ان الذي ورث النبوة والهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد
نبي أتى يخبر بما سبق
وبما يكون اليوم حقا أو غد

"ابن عساکر نے بعد ازاں قریش میں سے ایک جماعت یا ایک شخص کی بہت سی روایات سے مرفوعاً بیان کیا ہے جیسا کہ اس مستقل کتاب کی تخریج پر مبنی ہے"۔

راشد کہتے ہیں کہ میں "سواع" کے پاس ایک صبح آیا تو دو لومڑ اس کو چاٹ رہے تھے اور نذرانہ کھا رہے اور اس پر پیشاب کر رہے تھے یہ منظر دیکھ کر راشد نے کہا

أرب يبول الثعلبان برأسه لقد ذل من بالت عليه الثعالب

"جس کے سر پر دو لومڑ پیشاب کرتے ہوں کیا وہ رب ہو سکتا ہے اور تحقیق جس پر لومڑ پیشاب کریں وہ ذلیل ہو جاتا ہے"۔

یہ واقعہ راشد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد پیش آیا چنانچہ وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ہمراہ کتا بھی تھا (اس زمانہ میں راشد کا نام "ظالم" اور اس کے کتے کا نام "راشد" تھا) رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا نام ہے؟ اس نے کہا "ظالم" پھر پوچھا تمہارے کتے کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا "راشد" تو رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا تیرا نام "راشد" ہے اور کتے کا "ظالم"۔ پھر وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مقیم رہا اور رسول اللہ ﷺ سے "رہاط" میں ایک قطعہ زمین طلب کیا آپ ﷺ نے اس کو گھوڑے کی ایک دوڑ کی حد تک زمین اور پتھر پھینکنے تک کی مسافت کے بقدر علاقہ دیا پھر پتھر پھینکنے کی مسافت جہاں تک ہے اس مقام پر کھیت اگ گئے ہیں۔ نیز اس کو پانی سے لبریز لوٹے میں لعاب دہن ڈال کر فرمایا کہ اسے زمین کے بلند حصہ پر چھڑک دینا اور لوگوں کو بلا ضرورت پانی سے منع نہ کرنا۔ چنانچہ اس نے حسب فرمان پانی چھڑکا تو وہ ایک مستقل چشمہ کی شکل اختیار کر گیا جو آج تک جاری ہے اور اس پر کھجور کا باغ لگا دیا۔

مشہور ہے کہ "رہاط" کے سارے باشندے اس سے پانی پیتے، نہاتے ہیں اور اس چشمے کو "ماء الرسول" کہتے ہیں وہاں پہنچ کر راشد نے "سواع" بت توڑ پھینکا۔

"مغازی" میں ابو عثمان سعید بن یحییٰ اموی نے کئی شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک آدمی موت و حیات کی کشمکش میں تھا جب ہم نے اس کے کفن دفن کی تیاری کر لی تو اس نے آنکھیں کھولیں اور ہوش میں آ کر پوچھا کیا تیرا انتقال ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا نہیں! پھر اس نے اپنے چچا زاد بھائی "فضل" کے بارے میں دریافت کیا ہم نے کہا وہ تندرست ہے وہ ابھی تمہاری خیروعافیت کی بابت پوچھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا وہ میری جگہ قبر میں دفن ہوگا، مدہوشی کے عالم میں مجھ سے کہا گیا کہ تیرے بھائی کی خیر ہے اور کہا گیا کہ تیری قبر کی کھدائی ہو چکی ہے۔ تیری ماں قریب ہے بچے سے محروم ہونے والی ہے بتاؤ کہ اگر ہم اس قبر کو تجھ سے ہٹا کر اس میں "فضل" کو دفن کر دیں جو ابھی گیا اور اس کا گمان ہے کہ اس سے موت ابھی ٹلنے کی وجہ پروردگار کا شکر ادا کرے گا؟ اور تو مشرکین کا دین ترک کر کے کیا ذلیل ہو جائے گا؟ میں نے یقین کر کے بات میں جواب دیا تو اس نے کہا بستر مرگ سے اٹھو! کیونکہ تو تندرست ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کو افاقہ ہو گیا اور "فضل" فوت ہو گیا اور اسی لحد میں دفن کر دیا گیا۔ تحقیق شیخ کا بیان ہے کہ میں نے بعد ازاں اسے دیکھا وہ نماز پڑھتا تھا، بتوں کو برا بھلا کہتا تھا۔

حضرت خریم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ: محمد بن اسحاق اموی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جنات کا ذکر ہو رہا تھا تو خریم بن فاتک اسدی نے کہا کیا میں آپ کو اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سناؤں؟ تو حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں؟ ضرور سنائیے اس نے کہا میں ایک روز گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں فلاں فلاں کے نشیب و فراز میں تھا کہ میں چلتا چلتا "ابرق عزاف" میں رات کو پہنچا تو وہاں میں نے سواری بٹھا کر کہا "میں اس علاقہ کے عظیم سے پناہ کا طلبگار ہوں میں اس وادی کے بے وقوفوں سے پناہ کا خواستگار ہوں۔" پھر ایک پکارنے والے کی آواز آئی:

ويحك عذ بالله ذي الجلال
والمجد والعلياء والافضال
ثم اتل آيات من الانفال
ووحد الله ولا تبالي
يا ايها الهاتف ما تقول
ارشد عندك ام تضليل
بين هداك الله ما الحويل

”تم انسان ہو اگر تم صاحب جلال والفضل اور شرف سے ملنا چاہتے ہو اور سورۃ الفتح کی آیت پڑھو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اور کسی بات کا انکار نہ کرو۔ میں یہ سن کر نہایت خوف زدہ ہوا اور بعد ازاں ذرا سنبھل کر کہا۔

يا أيها الهاتف ما تقول
أرشد عندك أم تضليل
بين هداك الله ما التحويل

”اے ہاتف تو کیا کہتا ہے؟ کیا تیرے پاس رشد و ہدایت ہے یا ضلالت و گمراہی، خدا تجھے ہدایت سے نوازے مجھ پر وضاحت کر کہ کیا تبدیلی رونما ہوئی ہے؟

تو اس نے کہا:

هذا رسول الله ذو الخيرات بيثرب يدعو إلى النجاة
يأمر بالبر وبالصلاة ويزع الناس عن الهنات

”یہ رسول اللہ ﷺ صاحب خیر و برکت ہیں، یثرب میں نجات کی طرف بلاتے ہیں، اور تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو برائی کے کاموں سے روکتے ہیں“۔

میں نے یہ سن کر کہا، واللہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور مسلمان ہو جاؤں، پھر میں نے سواری کے رکاب میں پاؤں رکھ کر کہا

ارشدتني ارشدني هديتا
لا جعت ما عشت ولا عريتا
ولا برحت سيدا مقيتا
لا تؤثر الخير الذي أتيتا
على جميع الجن ما بقيتا

”میری رہنمائی کر، تجھے ہدایت نصیب ہو، تو جب تک زندہ رہے بھوکا اور برہنہ نہ رہے، تو ہمیشہ بااقتدار سردار رہے اور جو جب تک زندہ رہے اپنے خیر و فضل سے جنات کو محروم نہ کر۔“

صاحبك الله وأدى رحلكا
وعظم الأجر وعافى نفسكا
آمن به أفلج ربي حقكا
وانصره نصرا عزيزا نصركا

”اللہ تیرا رفیق سفر ہو اور تیری سواری کو منزل مقصود پر پہنچا دے، تجھے زیادہ اجر و ثواب دے اور تجھے عافیت سے نوازے، اس پر ایمان لا، میرا رب تجھے حق سے سرفراز کرے اور اس کے دین کی مدد کر وہ تیری مدد کرے گا۔“

یہ سن کر میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ تاکہ میں نبی علیہ السلام کو تمہاری بابت بتا سکوں، تو اس نے کہا میں ملک بن ملک ہوں اور میں نصیبین کے جنات کا نقیب اور نمائندہ ہوں، تم اپنے ساتھیوں کی خدمت کرو میں تمہارے اہل خانہ کو پہنچا دوں گا، چنانچہ میں وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا تو لوگ جمعہ کی طرف آ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے، کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا، آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ یہ خیال تھا کہ نماز کے بعد سواری باندھ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں۔ میں سواری بٹھا کر مسجد میں داخل ہوا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آئے اور مرحبا کہہ کر میرا استقبال کیا اور کہا۔ تمہارے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہمیں مل چکی ہے۔ آپ ﷺ نے تمہیں بلایا ہے، چنانچہ میں نماز پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کی پیشگی اطلاع دی، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس جن نے وفاداری کی ہے اور یہ اس بات کا اہل تھا اور تمام اونٹ تیرے گھر پہنچا دیے ہیں۔

''معجم کبیر'' میں طبرانی نے خریم فاتک کے ترجمہ وتعارف میں (حسین بن اسحاق تیسری، محمد بن ابراہیم شامی، عبداللہ بن موسیٰ اسکندری، سعید مقبری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ خریم بن فاتک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میں آپ کو اپنے آغاز اسلام کے قصہ سے آگاہ کروں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں تو میں نے سارا قصہ سنایا (لیکن اس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو استقبال کرنے والا بتایا ہے) میں نے عرض کیا میں وضو کے آداب سے واقف نہیں تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے وضو کا طریقہ بتایا میں وضو کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ جو چاند کی طرح حسین وجمیل تھے وہ فرما رہے تھے جس مسلمان نے بالاستیعاب وضو کیا پھر خشوع وخضوع سے نماز ادا کی وہ جنتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس حدیث پر کوئی گواہ پیش کرو ورنہ میں عبرت ناک سزا دوں گا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شہادت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شہادت کو درست قرار دیا۔

ابونعیم (محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن تیم، محمد بن خلیفہ، محمد بن حسن) حسن سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خریم بن فاتک کو کہا کوئی عجیب خیز حدیث سناؤ؟ تو خریم نے گذشتہ واقعہ کی طرح قصہ سنایا۔

سطیح کی مکہ میں آمد اور پیشین گوئی ...... ابونعیم، عبداللہ بن دیلمی سے بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ بیان کرتے ہیں کہ سطیح کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جو طرح انسانی کے مشابہ نہ تھا؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں اللہ تعالیٰ نے سطیح غسانی کو ایسے پیدا کیا "جیسے گوشت کا ٹکڑا" ہڈی پر ہوتا ہے اس میں ہڈی اور پٹھے ("عصب") کا نام ونشان تک نہ تھا سوائے سر کی کھوپڑی کے اور وہ کپڑے کی طرح پاؤں سے ہنسلی تک لپیٹ جاتا تھا اور اس کے اعضا میں سے صرف زبان متحرک تھی، جب اس نے مکہ آنے کا عزم کیا تو اسے سواری پر لاد کر لایا گیا۔ اس کے پاس چار قریشی آئے (۱) عبد شمس اور (۲) ہاشم پسران عبد مناف بن قصی، (۳) احوص بن فہر اور (۴) عقیل بن ابی وقاص اور انہوں نے "انتمائے" کہا: ہم "جمحی" ہیں اور آپ کا استقبال کرنا آداب میزبانی کے لحاظ سے ایک ضروری امر ہے۔ عقیل بن ابی وقاص نے ہندی تلوار اور ردینی نیزہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا اور یہ بیت اللہ کے دروازے پر رکھ دیا کہ سطیح کو یہ معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر سطیح نے کہا: جناب عقیل اپنا ہاتھ دکھایئے۔ سطیح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے عقیل! قسم ہے مخفی چیزوں کے جاننے والی کی، خطاؤں کے بخشنے والے کی، عہد پورا کرنے والی کی اور کعبہ کی عمارت کی، تو ایک تحفہ لایا ہے وہ ہندی تلوار اور ردینی نیزہ ہے اس نے کہا اے سطیح! آپ نے بالکل درست کہا۔ پھر اس نے کہا: قسم ہے مسرت وفرحت لانے والے کی، قوس قزح اور برساتی کمان کی، خوشحال اور آسودگی لانے والے کی، یتیم اوندھے چڑے ہوئے کی، کھجور کے درخت اور اس کے پھل کی، بے شک ایک کوا کہیں جانب سے گزرا ہے اس نے بتایا ہے کہ یہ لوگ "بنی جمح" سے نہیں بلکہ قریشی ہیں۔ تو سب نے کہا اے سطیح! آپ کے علم وفضل کی وجہ سے آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، آپ ہمیں مستقبل کے واقعات سے آگاہ فرما دیں، ممکن ہے کہ آپ کو اس کا علم ہو۔ اس نے کہا اب تم نے مطلب کی بات کی ہے۔ بس سنو اور اللہ کا مجھ پر فضل ہے۔ اے گروہ عرب! تم پسماندہ ہو اور عقل وبصیرت میں تم اور عجم یکساں ہو، فہم وفراست سے تم محروم ہو تمہاری نسل سے عقلمند اور دانشور پیدا ہوں گے جو ہر قسم کے علم کے طلبگار ہوں گے، بتوں کو پاش پاش کریں گے، سد سکندری تک پہنچ جائیں گے، عجم کو قتل کریں گے اور مال غنیمت جمع کریں گے۔ اور جب مزید دریافت کیا کہ اے سطیح! یہ کون لوگ ہیں؟ تو سطیح کہا: قسم ہے بیت اللہ کو شرف والے کی، امن اور اس کے مکینوں کی، تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بتوں کو توڑیں گے، شیطان کی بندگی سے منہ موڑیں گے، توحید پرست ہوں گے اللہ کے دین کی اشاعت کریں گے، عالی شان عمارت تعمیر کریں گے، جوانوں سے مسائل پوچھیں گے۔

انہوں نے مزید وضاحت طلب کی کہ اے سطیح! یہ کس کی نسل سے پیدا ہوں گے؟ تو سطیح نے کہا اشراف میں سے اشرف اشراف کی قسم، مجد وشرف تک پہنچانے والے کی قسم، زلزلے میدان کو تہ وبالا کرنے والے کی قسم، بے حساب اضافہ کرنے والے کی قسم کہ عبد شمس اور عبد مناف کی اولاد سے لاتعداد لوگ پیدا ہوں گے اور ان کے درمیان انتشار اور اختلاف ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا جناب سطیح! پیشین گوئی تو ان کے متعلق بڑی اندوہناک ہے اچھا بتائیے کہ وہ کس علاقہ میں پیدا ہوں گے؟ تو سطیح نے کہا قسم ہے زندہ جاوید کی، غایت وانتہا تک پہنچانے والے کی، اسی شہر مکہ سے ایک نوجوان ظہور پذیر ہوگا جو رشد

بھلائی کی طرف راہنمائی کرے گا۔ بغوث اور بے ہودہ باتوں کے ترک کی تلقین کرے گا متعدد خداؤں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کرے گا صرف ایک خدا کی عبادت کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس ستودہ صفات کی روح قبض کرے گا، وہ روئے زمین پر معدوم مفقود ہوگا اور آسمان میں موجود مشہور ہوگا۔

پھر اس کا جانشین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوگا جو صحیح فیصلہ کرے گا، حقوق و واجبات کے دلانے میں کوتاہ اندیش اور کمزور نہ ہوگا۔ بعد ازاں اس کا خلیفہ پختہ ذہن انسان ہوگا، تجربہ کار رئیس ہوگا۔ درشت اور سخت کلام کو چھوڑ دے گا، بے سہارا اور کمزور کی ضیافت کرے گا، اسلام کو مستحکم کرے گا۔ پھر اس کا خلیفہ تجربہ کار ہوگا اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا، اجتماعی طور پر لوگ اس کے تابع ہو جائیں گے، پھر جوش انتقام سے اس کو تہ تیغ کر دیں گے اور بے دردی سے اس کو قتل کر دیں گے اور بڑا خطرناک کام کر گزریں گے بعد ازاں اس کا خلیفہ ہوگا، دین کا حامی و ناصر، جنگجو کی رائے اور تدبیر کے تابع، اپنی قلمرو میں لشکر کو منظم کرے گا۔ بعد ازاں اس کا بیٹا جانشین ہوگا وہ اپنے لشکر کا اہتمام کرے گا، اس کی تعریف و ستائش برائے نام ہوگی، مال کو اکٹھا کرے گا اور تنہا کھا جائے اس کے بعد اس کی اولاد میں مال کی ریل پیل ہوگی۔

بعد ازاں چند بادشاہ ہوں گے ان میں خون ریزی ہوگی۔ بعد ازیں خلیفہ ہوگا مفلس و نادار، اور ان کو چادر کی طرح لپیٹ کر رکھ دے گا۔ اس کا جانشین تند خو اور حق سے گریزاں ہوگا ناپسندیدہ اور ناگوار طرز پر فتوحات کرے گا۔ پھر اس کا جانشین ایک پست قد شخص ہوگا، اس کی پشت پر داغ ہوگا وہ فوت ہو جائے گا اور حکومت صحیح سالم قائم ہوگی۔

پھر معمولی عرصہ کے بعد ناقص اور کنوارا جانشین ہوگا، ملک تباہی سے ہمکنار ہوگا۔ پھر اس کا بھائی جانشین ہوگا وہ اصل طرز پر حکمرانی کرے گا، آمدنی اور ابلاغ کے ذرائع پر قابض ہوگا۔ اس کے بعد احمق اور بے وقوف دنیادار عیش پرست خلیفہ ہوگا۔ اس کے عزیز و اقارب باہمی مشاورت کے بعد معزول کر کے اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے بعد ساتواں خلیفہ ہوگا، ملک تباہی کے دہانے پر ہوگا، اس وقت ہر طالع آزما ملک پر حریص ہوگا پھر اس کا جانشین مظلوم خلیفہ ہوگا، قحطان کا لشکر نزار کو راضی کرے گا۔ جب لبنان اور غیان کے درمیان علاقہ دمشق میں دو لشکر مزاحم ہوں گے۔ اس وقت یمن دو حصوں میں منقسم ہو جائے گا، ایک حصہ مشیر و دوسرا طرید و ذلیل۔ دوست و احباب عیش و عشرت میں مخالف قید و بند میں ہوں گے۔ پیدل اور سوار لشکر کے درمیان۔ اس زمانہ میں مکانات برباد ہو جائیں گے، بیوہ عورتوں سے مال و دولت چھین لیا جائے گا، حاملہ عورتوں کے حمل ضائع ہو جائیں گے زلزلے بکثرت آئیں گے، اور کل قبیلہ خلافت کا طلبگار ہوگا، نزار قبیلہ رنج و غم میں ہوگا، غلام اور شریر، فسادی حکومت کے ہمنوا ہوں گے۔ نیک اور شریف لوگ، حکومت کے معتوب ہوں گے، مصر میں مہنگائی حد سے تجاوز کر جائے گی، ہر ایک دوسرے کو مولی گاجر کی طرح کاٹے گا پھر وہ ان خندقوں سے چلے جائیں گے، جن پر خیمے نصب ہیں۔ اشراف و اخیار کامیاب و کامران ہو جائیں گے، وہ مضطرب و پریشان ہوں گے، نیند مفید ہوگی نہ سکون و اطمینان، وہ کسی شہر میں داخل ہوں گے اور قضا و قدر کی نذر ہو جائیں گے۔

پھر تیر انداز آئیں گے جو پیادہ لوگوں کو لپیٹ لیں گے، مسلح لوگوں کے قتل کے لئے، مدافعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے لوگ گمراہ ہو جائیں گے، یہ پانی کی اعلیٰ سطح پر رونما ہوگا، پھر دین مٹ جائے گا، انقلاب برپا ہو جائے گا، آسمانی کتابوں کا انکار ہوگا، نہروں پر ذرائع آمد و رفت اور پل تباہ ہو جائیں گے، صرف جزیروں میں آباد لوگ محفوظ رہیں گے کھیتی باڑی تباہ ہو جائے گی، گنوار اور غیر مہذب غالب آ جائیں گے، ایسے پر تشدد زمانہ میں فاسق و فاجر لوگوں پر سختی اور حرف گیری نہ ہوگی۔ کاش قوم کے لئے کوئی زندہ دل انسان ہو، محض آرزوؤں اور تمناؤں سے کام نہیں چلتا۔ سامعین نے پوچھا: اے سطیح! پھر کیا ہوگا؟ تو اس نے کہا: پھر ایک شخص ظاہر ہوگا اور فتنہ و فساد دب جائے گا۔

یہ قصہ نہایت عجیب و غریب ہے، ہم نے محض اس میں مذکور فتنہ و فساد کے واقعات اور عجوبہ پن کی وجہ سے نقل کیا ہے۔ شاہ یمن ربیعہ بن نصر کے ساتھ شق اور سطیح کا قصہ اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا تذکرہ البدایہ میں بیان ہو چکا ہے۔ جب ساسانی بادشاہ نے ایوان کے کنگرے گرنے اور آتش کدہ ٹھنڈا ہو جانے اور موبذان کے خواب کے وقت عبد المسیح کو سطیح کے پاس بھیجا تھا، یہ واقعات اس رات معرض وجود میں آئے، جب تاریخ اور ایمان روئے زمین پر تشریف لائے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ختم شد حصہ دوم...... تاریخ ابن کثیر